صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ

کی زندگی پر اردو زبان میں پہلی مرتبہ تفصیلی اور تحقیقی کتاب

فاتح ومحافظ القدس

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ

(شخصیت وکارنامے)

(جلد اول)

مولانا محمد اسماعیل ریحان

استاذ تاریخ اسلام جامعۃ الرشید کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: سلطان صلاح الدین ایوبیؒ

مؤلف: مولانا محمد اسماعیل ریحان

طبع جدید: ستمبر 2014ء

ناشر: المنہل بلاک A-1، گلستان جوہر، یونیورسٹی روڈ، کراچی 021-34612901 | 0321-2000870

پاکستان بھر میں ملنے کے پتے

لاہور

- مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور 042-37228196
- ادارہ اسلامیات، 190 انارکلی، لاہور 042-32722401
- البرہان، اردو بازار، لاہور 042-37122543

ملتان

- ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان 061-4540513 0322-6180738
- مکتبہ اشاعت الخیر، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان 061-4514929

کوئٹہ

- مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ 081-2662263, 0333-7825484
- مکتبہ فاروقیہ، کوئٹہ 0311-3737656

راولپنڈی

- اسلامی کتب گھر، CDA مارکیٹ، راولپنڈی 051-4830451
- اکمل پبلشنگ، راولپنڈی 051-5553248

پشاور

- مکتبہ عمر فاروق، پشاور 091-2580301, 0311-8845717

اسٹاکسٹ

ادارۃ النور

دکان نمبر 3-2، نور سینٹر، بنوری ٹاؤن، گرومندر، کراچی

021-34914596, 0324-2855000

idaratunnoor@gmail.com

لا إله إلا الله محمد رسول الله

فاتح و محافظ القدس

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ

—— شخصیت و کارنامے ——

صلاح الدین ایوبیؒ کی زندگی پر اردو زبان میں پہلی مرتبہ تفصیلی اور تحقیقی کتاب

جلدِ اوّل

مولانا محمد اسماعیل ریحان

استاذ تاریخ اسلام جامعۃ الرشید کراچی

الناشر

المنهل

بلاک A-1، گلستان جوہر، یونیورسٹی روڈ، کراچی

021-34612901 | 0321-2000870

فہرستِ مضامین

فہرست مضامین	5
پہلی بات	15
باب: 1	
ہلال اور صلیب	22
شخصیات	23
فصل: 1	
پطرس، پیٹر دی ہرمٹ	24
صلیبی جنگ کی آگ	26
عالم اسلام کا سیاسی انتشار	28
کلر ماؤنٹ کانفرنس	30
ڈاکٹر محمد اسد کا تبصرہ	32
پہلی صلیبی جنگ	33
لشکرِ صلیب ایشیائے کوچک میں	33
دوسرا لشکر	34
انطاکیہ کا معرکہ	35
سقوط القدس کے جگر پاش مناظر	38
فصل: 2	
نجم الدین ایوب	41
دوین	42
منتشر عالم اسلام اور بغداد کا پرسکون جزیرہ	43
مجاہد الدین بہروز	44
مسترشد باللہ	44
شام کی سیاسی صورتحال	46
فصل: 3	
عماد الدین زنگی	49
صلیبی خطرے کا ادراک	50
راہِ جہاد کے دو مسافر	51
زنگی کی نئی مہمات	51
نجم الدین پر بہروز کا عتاب	52
ایوب کے ہاں یوسف کی ولادت	53
نجم الدین، زنگی کے در پر	54
بعلبک کا نیا قلعہ دار	55
بعلبک میں	55
دمشق پر زنگی کے حملے	56
رُہا (اڈیسہ) کی فتح	56
فصل: 4	
بعلبک سے دمشق تک	59
انقلاب شام اور نجم الدین ایوب کی دمشق روانگی	59

نورالدین زنگی۔ ایک نیا ستارہ	60
دوسری صلیبی جنگ	61
نوعمر یوسف	63
دمشق پر نورالدین کا قبضہ	63
صلاح الدین یوسف......کوتوال شہر	64
حکومتی نظم ونسق اور جاگیرداری نظام پر ایک نگاہ	67
اسباق تاریخ	70
باب: 2	
مصر کا یوسف	72
شخصیات	73
فصل: 1	
شاور اور شیرکوہ	74
دولت بنوعبید	74
قاہرہ کے عشرت کدے	76
پانچویں صدی ہجری اور مصر کی صورتحال	77
شاور......دربار نورالدین میں	78
شیرکوہ کی مصر میں پہلی مہم	79
شاور کی پہلی بدعہدی	79
شیرکوہ کچے قلعے میں	80
حارم پر نورالدین کا قبضہ	80
بانیاس سے مجاہدین کا انخلا	81
فصل: 2	
شیرکوہ اور یوسف مصر میں	83
اطمرک شیرکوہ کے تعاقب میں	83
بہترین رائے یہی ہے	84
وادی نیل کا معرکہ	85
شیرکوہ کا اسکندریہ پر قبضہ	86
صلاح الدین اسکندریہ کے محاذ پر	86
ایک اللہ والے کی بشارت	88
معاہدہ اسکندریہ کی خلاف ورزی	89
فرنگیوں کی مشاورت	89
اطمرک کی مصر پر یلغار	90
فسطاط جل کر راکھ	91
عاضد اور شاور کی فریاد	91
چچا کو بلاؤ	92
میں مصر نہ جاؤں گا	93
فصل: 3	
مصر کا انقلاب	95
شاور کی سازش اور کامل کی دینی حمیت	95
شاور کا انجام	96
شیرکوہ......چند دن کا وزیر	97
عزیز مصر، یوسف صلاح الدین	98
فقیہ عیسیٰ کی کامیاب حکمت عملی	99
نجم الدین ایوب کی مصر آمد	100
فصل: 4	
نیا حکمران، نئے انداز و اطوار	104
صلاح الدین کے معمولات میں حیران کن تبدیلی	104
ذہنی انقلاب کا سبب، احساس ذمہ داری	105

فصل :5

معر کی اندرونی مہمات اور بیرونی جارحیت کا مقابلہ 108

خواجہ سراؤں کا فتنہ 108

دمیاط پر فرنگیوں کا حملہ 110

دمیاط کی کامیاب مدافعت 112

شام کا زلزلہ 114

فصل :6

عیسائی ریاستوں پر جارحانہ حملوں کا آغاز اور دولت عبیدیہ کا خاتمہ 115

عسقلان پر حملہ 115

ایلہ کی فتح 116

موصل نورالدین زنگی کی سرپرستی میں 117

خلیفہ مستنجد باللہ کی وفات 117

عقیدے اور نظریے پر محنت 118

صلاح الدین کی دیگر مصروفیات 119

مصر سے عبیدی حکومت کا خاتمہ 119

عاضد کی موت 121

بنوعبید کے خزانے 121

فصل :7

صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی کے تعلقات 124

شوبک کے محاصرے کا واقعہ 124

نجم الدین ایوب کی دوراندیشی 126

غلط فہمیوں کا ازالہ 128

کرک کا محاصرہ 129

نجم الدین ایوب کی وفات 129

غیر شرعی ٹیکس کا خاتمہ 130

فصل :8

ناکام سازش 131

توران شاہ کی یمن روانگی 133

قاہرہ میں زیر زمین باغیانہ سرگرمیاں 134

سلطان نورالدین کی وفات 137

اسباق تاریخ 141

باب :3

امرائے شام سے کشمکش 143

شخصیات 144

فصل :1

شام کی سیاسی ابتری اور صلاح الدین ایوبی کا کردار 146

سلطان ایوبی کی وفادارانہ روش 148

حلب اور دمشق کے درباروں میں سیاسی جوڑ توڑ 148

نصرانیوں کی بانیاس پر چڑھائی 151

فصل :2

اسکندریہ کا معرکہ 153

صقلیہ کا بحری بیڑہ 153

اہل اسکندریہ کی بھرپور مزاحمت 154

ایوبی کی یلغار 154

اسوان میں کنز کی بغاوت اور سرکوبی 155

فصل :3

صلاح الدین اور الملک الصالح 157
حلب کی صورتحال 157
کمش تگین شام کی بساطِ سیاست کا نیا کھلاڑی 158
ایوبی کا سفرِ شام 159
صلاح الدین ایوبی کے نیک مقاصد 161
دمشق میں استقبال 162
حلب کے سفیر کی سخت کلامی 163
امیر زعفرانی کا رنگ 164
حمص کا محاصرہ 164
حماۃ میں جوردیک سے گفتگو 164
حلب میں الملک الصالح سے محاذ آرائی 166
صلاح الدین پر قاتلانہ حملہ 168
ریمنڈ کا ایوبی کے خلاف استعمال 169
بعلبک کی فتح 171

فصل :4

شام پر صلاح الدین ایوبی کا قبضہ اور خودمختاری کا اعلان 172
سیف الدین غازی دوئم سے پہلی جھڑپ 173
قرون حماۃ کا معرکہ 173
حلب کا دوسرا محاصرہ اور خودمختاری کا اعلان 175
دمشق میں امن وعافیت کے کچھ دن 178
نصرانیوں سے جنگ بندی 178
سازش کا انکشاف 179
موصل اور حلب کی مشترکہ مہم 181
تل السلطان کا معرکہ 181
یہ محفوظ مشغلہ ہے 183
ملحوظہ 184

فصل :5

معاہدۂ حلب اور باطنیوں سے تصادم 185
بزاعہ اور منبج کی فتح 185
وہ یوسف تو میں ہوں 186
عزاز کا محاصرہ 186
باطنیوں کا سلطان پر قاتلانہ حملہ 186
عزاز پر قبضہ 189
صلح نامہ حلب اور کمش تگین کی چال 189
ہم نے سنا اور مانا 191
باطنیوں کے خلاف کارروائی 192
لین پول کی غلط بیانی 193
توران شاہ کی شام آمد 194
سلطان کا بنت معین الدین انر سے نکاح 194

فصل :6

سلطان کی مصر واپسی۔ تعمیراتی وترقیاتی کام۔ رملہ کی جنگ 195
صلاح الدین کا مصر 195
نصرانیوں کی عہد شکنی 198
سلطان کا غزہ اور عسقلان پر حملہ 199

رملہ کا خون ریز معرکہ 200

فصل :7

رملہ کی شکست کا بدلہ 204

شہاب الدین حارمی کی وفات 204

تین حریف 204

گمشتگین کا انجام 205

نصرانیوں کا حارم پر حملہ 206

صلاح الدین کی دوبارہ شام آمد 206

سلطان حمص کے نواح میں 207

بعلبک اور توران شاہ 207

حصن الاحزان 208

بالڈون کا حملہ اور فرخ شاہ کی شجاعت 209

بالڈون فرار ۔ ہنفری مقتول 211

فصل :8

بانیاس کے میدان میں 213

نصرانیوں کی عہد شکنی اور سلطان کی چھاپہ مار کارروائیاں 213

مرج عیون کا یادگار معرکہ 214

قیدیوں کی سلطان کے سامنے پیشی 218

دو مزید فتوحات 219

فصل :9

حصن الاحزان کی فتح ، سلطان صلاح الدین ایوبی کا استحکام 221

تقی الدین کا بے باکانہ مشورہ 221

حصن الاحزان کا محاصرہ 222

سرنگوں کی کھدائی 223

قلعے کا انہدام 225

خلیفہ مستضیی کی وفات ۔ دنیا میں سیاسی تبدیلیاں 226

757ھ میں پیش آنے والے دیگر اہم واقعات 226

756ھ کا آغاز 226

سلطان کی فیصلہ کن حیثیت کا استحکام 228

ایشیائے کوچک کا سفر 229

ارمن حکمران کے خلاف کارروائی 230

دمشق واپسی اور خلیفہ ناصر کا پیام تہنیت 230

فصل :10

مصر روانگی کا فیصلہ 231

حج بیت اللہ کی حسرت نا یافت 231

سلطان کی عدم موجودگی میں شام کی صورتحال 232

ریجی نالڈ کا ناپاک منصوبہ ناکام 233

الملک الصالح کی وفات اور حلب کی نئی حکومت 234

حلب عماد الدین کے حوالے 236

سلطان کی مصر سے روانگی 237

فصل :11

ایوبی پایہ تخت کی دمشق منتقلی 238

عیسائیوں کا سرحد پر اجتماع اور فرخ شاہ کی کارروائیاں 238

راستے کے خطرات سے نمٹنے کیلئے سلطان کی تدبیر 238

کرک پر سلطان کا حملہ 239
دمشق سلطان ایوبی کا نیا پایہ تخت 240
نصرانیوں کے سرحدی قلعوں پر حملے 240
بیروت کا محاصرہ اور ایک خوشخبری 241
اسباق تاریخ 242

باب 4:

الجزیرہ اور کردستان کی مہمات 244
شخصیات 245

فصل 1:

زنگیوں کی ریشہ دوانیوں کے خلاف سلطان کا اعلان جنگ 247
کوکبری کا مشورہ 247
دریائے فرات کے پار 249
سلطان مسلم حکام سے لڑنے پر مجبور کیوں؟ 249
سلطان کا ایک حقیقت کشا مکتوب 251
سمندر کے لیے سمندر ہی کافی ہو سکتا ہے 252
الرہا سرنگوں 253
فرخ شاہ کی وفات 253
الجزیرہ میں مزید فتوحات 254
موصل کی طرف پیش قدمی 254
شام پر نصرانیوں کے حملے 255
موصل کا محاصرہ 255
جھڑپوں کا آغاز 256
ایسے احمقانہ طریقے 257
مجاہد الدین قایماز کی چال 257
سنجار کی فوج کی چھاپہ مار کارروائیاں 258
سفیر بغداد کی مصالحانہ بھاگ دوڑ 258
شیخ الشیوخ کی مایوسی اور سلطان کی واپسی 260

فصل 2:

ریجی نالڈ کا حجاز مقدس پر حملہ 262
سنجار مسخر ہو گیا 262
ریجی نالڈ کی سازش 263
حسام الدین لؤلؤ کا شاندار کارنامہ 264
ابن جبیر کا چشم دید بیان 266

فصل 3:

حلب کی فتح 268
سلطان کے مخالفین کا باہم گٹھ جوڑ اور متحدہ لشکر کشی 268
سلطان کی اتحادیوں کے قلعوں پر یلغار 270
آمد کا محاصرہ 270
سلطان کی کامیاب چال 272
مصالحت کی گفتگو 272
ایوبی لشکر کا حلب کی طرف کوچ 275
صلح کے مذاکرات 276
حلب سرنگوں ہو گیا 277
ایک عجیب بات 277
سلطان کے بھائی تاج الملوک بوری کی وفات 278
سلطان کی قوت برداشت 279

جب عمادالدین حلب سے رخصت ہوا	280
اے اللہ! تو ہی بادشاہت کا مالک ہے	281
صرف اللہ کا کلمہ بلند ہو	283
مصری فوج کی دو اہم کامیابیاں	284
حارم کی فتح	284
ان کی باتوں پر کان نہ دھریں	285
فصل :4	
گستاخ نصرانیوں کو سزا دینے کی مہم	287
حاکم انطاکیہ کی مصلحت پسندی	287
دمشق میں 24 دن	288
جہاد کے لیے روانگی	288
فولہ کا معرکہ	289
کرک کی مہم	291
مصر اور شام کی نئی عہدے داریاں	292
حلب الملک العادل کے حوالے	293
فصل :5	
عراق کے امراء کا سلطان کی طرف جھکاؤ	296
سنجر شاہ کا اظہار اطاعت	296
حکومت موصل کی سفارت	297
شیخ الشیوخ صدرالدین کو صدمہ	298
سفیر موصل کا جارحانہ رویہ	298
عماد اصفہانی کا مشورہ	299
مذاکرات کا نتیجہ	300
سلطان کی مروت	301
اہل موصل کی ساکھ کو بید گرگئی	302
کرک پر حملہ	303
ریمنڈ سے مقابلے کے لیے روانگی	306
نابلس پر حملہ اور واپسی	307
دربار خلافت کے سفیر	308
بغدادی عالم کا قصیدہ	308
سفرائے بغداد کی وفات	308
یوسف بن عبدالمؤمن کی وفات	309
فصل :6	
موصل پر فوج کشی کی تیاری	310
حماۃ میں پڑاؤ	311
مظفرالدین کوکبری پر عتاب	311
موصل کا محاصرہ اور خلیفہ کے نام مکتوب	314
اہل موصل کی زنانہ سفارت	314
محاصرہ اٹھانے کا فیصلہ اور اس کے اسباب	316
اہل خلاط کی عجیب سیاست	318
آمد اور میافارقین کا مسئلہ	319
میافارقین کی بہادر ملکہ	321
فصل :7	
خود احتسابی اور اصل مقصد کیلئے تجدید عزم	324
فقیہ عیسیٰ الہکاری خلاط میں	324
موصل کا آخری محاصرہ	325
اتابکی خواتین کا وفد اور مذاکرات کا آغاز	326
سلطان کی شدید ترین بیماری	328

موصل سے کوچ، حران میں قیام اور بیماری کی شدت	329
مرض میں سلطان کی بلند ہمتی	330
ملکہ عصمت الدین کی وفات	330
بستر مرگ پر بھی نوازشوں کا سلسلہ	331
اپنا محاسبہ، قاضی فاضل رحمۃ اللہ علیہ کا مشورہ اور سلطان کی زندگی کا اہم موڑ	332
جب شفایابی کے اثرات ظاہر ہوئے	334
رقیب دوست بن گئے	335
حمص کی اطلاعات	335
بچے کو تعزیتی مکتوب	336
دو ضعیف روایتیں	337
نئے علاقوں کا انتظام	339
قاضی فاضل کا بشارت نامہ	339
فصل :8	
فرات سے دمشق تک	341
آئندہ کی منصوبہ بندی اور اولاد کو اہم عہدے دینے پر غور	342
سلیمان بن جندر کا مشورہ	343
عہدوں کی نئی ترتیب	344
تقی الدین عمر کی مصر سے معزولی	346
قاضی فاضل کا ناصحانہ خط	347
سلطان کے تفریحی مشاغل	348
رمضان اور عید الفطر کی رونقیں	349
فصل :9	
صلاح الدین کا شام	350
اسباق تاریخ	358
باب :5	
شاہراہ بیت المقدس	360
شخصیات	361
فصل :1	362
تاج و تخت یروشلم	362
بالڈون اوّل	362
بالڈون دوئم	363
بالڈون سوئم	363
املرک (اماری)	363
بالڈون چہارم	363
بالڈون چہارم کی موت اور بالڈون پنجم	363
ریمنڈ	364
گائی آف لوسگنان	365
ٹیمپلرز اور ہاسپٹلرز	366
ریمنڈ کا سلطان صلاح الدین سے صلح نامہ	366
ریمنڈ اور گائی کی چپقلش	367
بالڈون پنجم کی موت اور گائی کی بادشاہت	367
سلطنت کے دو دعوے دار	368
فصل :2	
حطین کی رزمگاہ	369
حجاج کے قافلوں کی حفاظت	370

کرک پر حملہ	370
عکا کے گردونواح میں چھاپہ مار حملے	371
طبریہ کا راحت کدہ	372
الملک الافضل طبریہ میں	372
ریمنڈ اتحادیوں میں شامل	374
سلطان، کرک سے طبریہ تک	375
نصرانیوں کی تیاریاں	376
سلطان کی شوریٰ کا اجلاس	376
حطین میں	378
عیسائی حکمرانوں کی مشاورت	380
متحرک ترین لمحات	382
معسکر ایوبی کا نظارہ	382
متحدہ عیسائی لشکر کی پیش قدمی	383
پیاسی فوج کا پڑاؤ	385
معرکہ حطین...... فیصلہ کن جنگ	387
گھمسان کی جنگ	389
ریمنڈ کا فرار	390
گائی اور گھڑسواروں کے بیچ آگ کی دیوار	391
آخری مرحلہ	392
ائمۃ الکفر مجاہدین کی قید میں	394
ریجی نالڈ کا انجام	395
جنگ کی چند دلچسپ یادیں	397
فریقین کی تعداد	399
بشارت نامے	400

فصل :3	
غازیانِ اسلام کی سیلابی فتوحات	402
طبریہ پر قبضہ	402
ہاسپٹلرز اور ٹیمپلرز کو سزائے موت	402
سلطان کا حیرت انگیز دورہ اور لائحہ عمل	404
عکا کی فتح	405
الملک العادل کی آمد	407
فتوحات ہی فتوحات	408
فلسطین کی فتح	409
تبنین کی فتح	410
صیدا اور بیروت	411
صور کا قضیہ	412
کونرڈ مارکوئیس عکا کے ساحل پر	413
عسقلان کا معرکہ	416
مصری بحری بیڑے کی آمد	418
فصل :4	
فتح بیت المقدس	419
لشکرِ اسلام القدس کے سامنے	423
معرکۂ القدس بپا ہوتا ہے	424
صلح کی بات چیت	427
معاہدۂ القدس	429
بعض بے سند مغربی روایتوں کا محاکمہ	431
فصل :5	
اقصیٰ کا مسافر، منزل کی آغوش میں	[illegible]

اظہار تشکر کی محفل	435
فتح کے بشارت نامے	435
شعراء کا خراج تحسین	437
بیت المقدس کو پاک کر دیا گیا	441
القدس میں پہلا جمعہ، قاضی ابو المعالی کا تاریخی خطبہ	442
نصرانیوں کا انخلاء اور سلطان کا حسن انتظام	450
سلطان کا رحم و کرم انتہاء پر	452
یروشلم کی ملکہ ازابیلا سے برتاؤ	453
ریجی نالڈ کی بیوہ پر احسان	454
یورپی تارک الدنیا ملکہ	455
بڑے پادری سے چشم پوشی	455
ارنول کا اعتراف	456
لین پول کا خراج تحسین	456
بیت المقدس میں اسلام کی بہار نو	457
بڑے گرجے کا قضیہ	458
میں حق دار کا حق کیوں روکوں؟	459
نور الدین زنگی کا تیار کردہ منبر مسجد اقصیٰ میں	460
اسباق تاریخ	462
اختتامیہ	464
تیسری صلیبی جنگ کا مختصر احوال	465

پہلی بات

سلطان صلاح الدین یوسف ایوبی رحمہ اللہ عالم اسلام کی تاریخ کے وہ عظیم فاتح اور بے مثل قائد ہیں جن کی عظمتوں کو اپنوں ہی نے نہیں غیروں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ دنیا کی تاریخ سلطان ایوبی کے تذکرے کے بغیر ادھوری ہے۔ جہاں تک اسلامی تاریخ کا تعلق ہے، میرے خیال میں مسلمان بادشاہوں میں سے شاید ہی کسی کو اتنی عظمت، مقبولیت اور محبوبیت نصیب ہوئی ہو جتنی سلطان کو۔

سلطان صلاح الدین ہر اسلامی مجاہد کے لیے اسوہ ہیں، ہر مسلمان قائد کے لیے ایک نمونہ ہیں، ان کی زندگی ایک عالم کے لیے بھی مشعل راہ ہے اور ایک سپاہی کے لیے بھی۔ ان کے حالات میں ایک حکمران کے لیے بھی رہنمائی کے اسباق ہیں اور ایک ماتحت کے لیے بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطان کی زندگی کا ہر ورق ایک نصیحت اور ایک پیام ہے جس کو اپنا کر ہم اپنی دنیا اور آخرت سنوار سکتے ہیں۔ سلطان ایوبی کو دیگر سلاطین میں یہ انفرادیت بھی حاصل ہے کہ ان کے حالات کو ان کے دور کے وقائع نگاروں نے نہایت تفصیل سے محفوظ کیا ہے۔ میرے علم کے مطابق عالم اسلام کے کسی اور حکمران کے حالات اتنی وضاحت اور جزئیات کے اس قدر احاطے کے ساتھ نہیں لکھے گئے۔ پھر خوش قسمتی سے یہ تمام اصل ماخذ اس دور سے آج تک محفوظ چلے آئے ہیں اور بعد والے ان سے مسلسل استفادہ کرتے رہے ہیں۔ اسی لیے سلطان ایوبی پر کام لیے ماخذ تھوڑی سے تلاش سے دستیاب ہو جاتے ہیں۔ ''شیر خوارزم'' کے پیش لفظ میں راقم نے سلطان جلال الدین کے احوال کی چھان بین کے لیے جس دردسری کا ذکر کیا تھا، سلطان صلاح الدین ایوبی پر کام کے دوران ویسی اعصاب شکن صورتحال سے سابقہ نہیں پڑا۔

ماخذ کی دستیابی سے فائدہ اٹھا کر سلطان ایوبی کی ذات پر بعد میں بے شمار کتب لکھی گئی ہیں خاص کر عالم عرب میں گزشتہ تین چار دہائیوں میں اس موضوع پر بہت عمدہ کام ہوا ہے۔ کئی یورپی ناشروں کا کاروبار بھی سلطان پر لکھی ہوئی کتب کے دم سے چل رہا ہے۔ فلسطین، شام، مصر، عراق اور سرزمین حجاز کے نوجوانوں میں آج بھی سلطان ایوبی کی مقبولیت دورِ حاضر کے کسی لیڈر یا سیاست دان سے کہیں

زیادہ ہے۔نوجوان سلطان ایوبی کی زندگی پر لکھی گئی کتب ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور راہِ حق میں قربانیاں دینے کے لیے پرعزم ہوتے ہیں۔ اسرائیل کا ہر ظلم انہیں سلطان ایوبی کی یاد دلاتا ہے اور وہ ان مظالم کا جواب دینے کے لیے سلطان کے طرزِ حیات کو رہنما بناتے ہیں۔ مسجدِ اقصیٰ کی بازیافت کے لیے وہ سلطان ایوبی کا دیا ہوا سبق دہرانے کے لیے تیار ہیں جس سے اسرائیل اور امریکا پر لرزہ طاری ہے۔

مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ اردو زبان اس سلسلے میں بانجھ دکھائی دیتی ہے۔ برصغیر پاک وہند میں گزشتہ چالیس پچاس برس سے جہاں تاریخ اسلام کا شعبہ بے اعتنائی کا شکار ہے، وہاں تاریخ کا یہ عظیم کردار بھی اہل علم کی توجہ سے محروم اور جاہل قلم کاروں کی خامہ فرسائیوں سے خراشیدہ ہے۔ تاریخ کی ابجد تک سے ناواقف داستان نگار تاریخی میدان میں اس خلا کو بھانپ چکے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ انہیں ایک مسلم نوجوان کی سلطان ایوبی سے عقیدت کا بھی اندازہ ہے لہٰذا انہوں نے من گھڑت افسانوں کو سلطان ایوبی کی تاریخ کے نام پر شائع کرنا اپنا وطیرہ بنالیا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج تاریخ کا کوئی پیاسا کتابوں کی مارکیٹ میں جاتا ہے تو اسے سلطان صلاح الدین ایوبی کے حالات پر بے سروپا داستانیں ملتی ہیں جنہیں سچ تصور کر کے وہ تاریخ کے بارے میں اس سے زیادہ جاہل ہوجاتا ہے جتنا وہ ان کا مطالعہ کرنے سے پہلے تھا۔ اس کے دل ودماغ میں تاریخ اسلامی کا باعظمت تصور مسخ ہوجاتا ہے اور حلال وحرام کے تصورت تک پامال ہونے لگتے ہیں۔

یہاں میں یہ عرض کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ سلطان ایوبی کی جنگوں کی تفصیل تلاش کرنے والے اکثر حضرات التمش نامی مصنف کی ''داستان ایمان فروشوں کی'' پڑھا کرتے ہیں جو سراسر من گھڑت واقعات اور خود ساختہ حوالوں پر مشتمل ہے۔ اس کی تین جلدوں میں فقط گنتی کے کچھ صفحات ہیں جنہیں تاریخ کہا جاسکتا ہے۔ باقی علی بن سفیان، البرق، سیف اللہ اور ناجی جیسے فرضی کرداروں پر مشتمل طبع زاد افسانے ہیں جنہیں نہایت ڈھٹائی کے ساتھ مسلم اور مغربی مؤرخین کی طرف منسوب کردیا گیا ہے۔ اس تصنیف میں ذکر کردہ تمام مسلم اور نصرانی جاسوس مرد اور لڑکیاں اور ان سے منسوب تمام واقعات فرضی ہیں۔ تاریخ میں ان کے متعلق ایک شوشہ بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ مگر افسوس کہ تاریخ سے ناواقف لوگ ایسی خرافات کو سچ یقین کیے ہوئے ہیں۔ اس مصنف کی ''تاریخ دانی'' کا عالم یہ ہے وہ کہیں سلطان ایوبی کو ریجنالٹ (ریجی نالڈ) جیسے گستاخ رسالت سے معانقہ کرتے دکھاتے ہیں، کہیں اسپین سے اسلام کا پرچم سلطان ایوبی سے پہلے ہی اترا ہوا بتاتے ہیں۔ جگہ جگہ سلطان نورالدین زنگی کو بغداد کا حکمران ظاہر کرتے ہیں۔ سلطان کی زبانی جمعے کے خطبے میں خلفاء کا نام لینا ممنوع قرار دلواتے

ہیں اور سلطان کی جانب سے کئی کئی بیویاں رکھنے کی ممانعت کا قانون جاری کرواتے ہیں۔
حالانکہ تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ سلطان نے زندگی میں ریجنالٹ کو ایک ہی بار دیکھا تھا اور دیکھتے ہی اس کی گردن اڑا دی تھی۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اسپین سے اسلام کا پرچم سلطان سے پہلے نہیں ان کی وفات کے تین سو آٹھ سال بعد اترا تھا...... اور یہ کہ نور الدین زنگی بغداد کے نہیں حلب اور دمشق کے حکمران تھے...... اور یہ کہ سلطان ایوبی نے خود بڑے اہتمام سے خلفاء کا نام خطبے میں جاری کرانے کی رسم شروع کی تھی...... اور یہ کہ خود سلطان کے اپنے نکاح میں بیک وقت تین تین چار چار بیویاں رہی تھیں جن سے ان کے بیس بیٹے تھے۔

''داستان ایمان فروشوں کی'' کا مکمل تنقیدی جائزہ لینا میرے اہداف میں شامل ہے اور ان شاء اللہ آپ اس بارے میں جلد خوشخبری سنیں گے۔ مگر اس سے پہلے ایک ایسی تصنیف کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی جو سلطان صلاح الدین ایوبی کے حالات کو مکمل امانت، ثقاہت اور تفصیل کے ساتھ ہمارے سامنے لائے اور لوگوں کو جہالت کی رو میں اندھا دھند بہنے سے بچائے۔

زیر نظر کتاب اسی مقصد کے تحت لکھی گئی ہے۔ یہ سلطان ایوبی کی سیرت اور کارناموں کو پوری سچائی دیانت اور تحقیق سے پیش کرتی ہے۔ ان کے ابتدائی حالات سے لے کر ان کی جدوجہدِ آزادیٔ اقصیٰ، تیسری صلیبی جنگ کے معرکوں، سلطان کی شب و روز کی مصروفیتوں اور ان کی گفتار و کردار کی جھلکیوں کو سب سے زیادہ ثقہ راویوں اور مستند ترین کتابوں کے حوالے سے آپ کے سامنے لاتی ہے۔ یہ اس دور کے سیاسی و عسکری پس منظر کے بارے میں بھی مفصل معلومات دیتی ہے اور یورپی بادشاہتوں کی سیاہ کاریوں اور مکر و فریب کا پول بھی کھولتی ہے۔

اس کاوش کی بعض خصوصیات درج ذیل ہیں:

1- واقعات کی تحقیق میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی مگر انداز مباحثانہ نہیں...... واقعات نگاری کا سا ہے...... ایسا کہ قارئین خود کو اس قدیم ماحول میں چلتا پھرتا محسوس کریں...... اسے دلچسپی سے پڑھیں ...... اس میں کھو جائیں...... یوں واقعات کو یاد رکھنے کے لیے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں پڑے......

2- واقعات کو کڑی در کڑی جوڑا گیا ہے...... مگر اس ربط کو الفاظ میں واضح نہیں کیا گیا...... بس انداز بیان ایسا رکھا گیا ہے کہ واقعات میں بہاؤ محسوس ہو۔ قارئین خود بخود ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے کا سفر کرتے رہیں۔

3- ہجری اور شمسی تاریخوں کے اندراج کا پورا پورا اہتمام کیا گیا ہے۔ اگر چہ اس سے بعض اوقات

عبارت بوجھل ہونے لگتی ہے......اور کہیں کہیں ڈائری کا سا رنگ محسوس ہوتا ہے......مگر اسے گوارا کرلیا جائے......کیونکہ اس وقت عربی، انگریزی اور اردو سمیت کسی زبان میں کوئی ایسی تصنیف نہیں جو سلطان کے حالات کو زمانے کی اتنی واضح اور مفصل ترتیب سے بیان کرتی ہو۔ یہ تصنیف بعد والوں کے لیے ایک ریکارڈ کی حیثیت رکھے گی......اور محققین کو اس کلفت سے نجات دے گی۔

4- کتاب کو دو جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلی جلد القدس پر بیرونی طاقتوں کے قبضے سے شروع ہوتی ہے اور عماد الدین زنگی، نور الدین زنگی، شیر کوہ اور نجم الدین ایوبی جیسے مجاہدوں کی جدوجہد سے گزرتے ہوئے سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں قبلہ اوّل کی بازیابی پر ختم ہوتی ہے۔
دوسری جلد بیت المقدس کی آزادی کے بعد مغربی طاقتوں کے عالم اسلام پر اس متحدہ حملے کی تفصیل پر مشتمل ہے جسے تاریخ "تیسری صلیبی جنگ" کے نام سے یاد کرتی ہے۔ یہ حصہ سلطان کی وفات اور ان کے بعد برپا ہونے والی صلیبی جنگوں کے مختصر جائزے پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

5- سلطان کی زندگی میں کئی بڑے موڑ آتے رہے۔ ان کی جدوجہد کئی مراحل پر مشتمل رہی۔ اس تصنیف میں ہر مرحلے کو ایک حصہ بنادیا گیا ہے۔ پہلی جلد پانچ حصوں پر مشتمل ہے اور دوسری جلد چار حصوں پر۔

6- "شیر خوارزم" کی بہ نسبت اس داستان میں مذکور افراد و کردار خاصے زیادہ ہیں اور زمانہ بھی تقریباً دوگنا۔ شیر خوارزم ساتویں صدی ہجری کے آغاز سے وسط تک کے واقعات کو سموئے ہوئے ہے جس میں اصل زمانہ سلطان جلال الدین کے جہاد کے بارہ سالوں کا ہے۔ مگر زیرِ نظر تصنیف پانچویں صدی ہجری کے اواخر میں قبلہ اوّل پر صلیبی قبضے سے لے کر ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں آٹھویں صلیبی جنگ تک تقریباً دو صدیوں کے اہم حالات کا احاطہ کرتی ہے۔ پھر اس میں اصل حصہ جو سلطان صلاح الدین ایوبی کے دورِ اقتدار اور ان کی جدوجہد کا ہے تقریباً پچیس برس تک کو محیط ہے۔ اس لحاظ سے اس کتاب کی ضخامت بھی زیادہ ہے اور شخصیات و کردار بھی یہاں بکثرت ہیں جو ہر پانچ دس سال بعد کے حالات میں بدل جاتے ہیں۔ اس لیے راقم نے ہر حصے کے شروع میں اس میں مذکور شخصیات کی فہرست مع مختصر تعارف دے دی ہے۔ اس پر ایک نظر ڈالنے سے واقعات کو سمجھنے میں بہت سہولت رہے گی۔

7- تاریخ کا اصل فائدہ اس سے عبرت اور سبق حاصل کرنا ہے۔ اس لیے ہر حصے کے آخر میں، اس میں مندرج واقعات سے ملنے والے اسباق کو "اسباقِ تاریخ" کے نام سے پیش کردیا گیا ہے۔

8- ہر حصے کے اہم واقعات کو الگ الگ باب کی شکل دی گئی ہے اور ہر باب کے آخر میں حوالہ جات دیے گئے ہیں۔ بعض حوالے عبارت کے اندر بھی موجود ہیں۔
9- جلد اوّل کے آخر میں ''اختتامیہ'' کے عنوان سے چند صفحات ہیں جن میں اگلی جلد کے واقعات کا خلاصہ دے دیا گیا ہے۔ تاکہ اگر کبھی کسی شخص کے ہاتھ صرف ایک ہی جلد لگے تو وہ بالکل تشنہ نہ رہ جائے۔ بعد کے ضروری واقعات کا اجمالی علم اسے ضرور ہو جائے۔

اسی طرح جلد دوم کے شروع میں ابتدائیہ میں جلد اوّل کے اہم واقعات کا خلاصہ دے دیا گیا ہے تاکہ اگر کوئی شخص ایک وقفے کے بعد دوسری جلد پڑھنا شروع کرے تو پہلی جلد کے واقعات ذہن میں تازہ ہو جائیں۔ یا اگر کوئی دوسری جلد ہی سے مطالعہ شروع کرے تو اسے سابقہ واقعات کا اندازہ ہو جائے۔

10- دوسری جلد کے آخر میں ''اختتامیہ'' کے عنوان سے القدس پر یہودیوں کے قبضے کے بارے میں ضروری حقائق کی نقاب کشائی کی گئی ہے تاکہ القدس کی آزادی کے حوالے سے ہم اپنی کارکردگی کا جائزہ لیں اور اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کرنے کی کوشش کریں۔
11- کوئی بات خود ساختہ نہیں۔ ہر چیز کا پورا پورا حوالہ موجود ہے.... بعض اوقات ایک واقعے میں جگہ جگہ حوالہ جاتی اشارے ملیں گے۔ اس کی وجہ یہ کہ بہت سے واقعات اصل ماخذ میں ایک مربوط شکل میں نہیں۔ کچھ مناظر ایک راوی نے بیان کیے ہیں، کچھ دوسرے نے۔ راقم نے منتشر ٹکڑوں کو جمع کر کے مکمل تصویر بنائی ہے جس میں مبالغہ آرائی ہے نہ کچھ ملاوٹ۔ ہر بات مستند حوالوں سے پیش کی جائے۔ اکثر مواد انہی ماخذ سے لیا ہے جو سلطان کے ہم عصر و حاضر باش وقائع نگاروں یا سلطان کے قریبی دور کے مؤرخین نے مرتب کیے ہیں۔ اگرچہ قریبی زمانے میں سلطان پر لکھی گئی بہت سی عربی تصانیف اس وقت دستیاب ہیں مگر میں نے چند مقامات کے سوا کوئی واقعہ ان کے حوالے سے نقل نہیں کیا بلکہ اصل قدیم ماخذ کی عبارتیں کشید کر کے ہی تمام واقعات کو ترتیب دیا ہے۔ اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قریبی دور کی کتب کی بعض اغلاط بھی سامنے آگئیں اور میں ان کے اعادے سے بچ گیا۔
12- یورپی بادشاہوں اور صلیبی قائدین کی سرگرمیوں سے متعلق میں نے قریبی دور کی بعض کتب سے استفادہ کیا کیونکہ ایسی بعض تفاصیل عربی کتب میں نہیں ملتیں اس لیے صلیبیوں کے حالات سے متعلق بہت سی باتیں میں نے اسٹینلے لین پول کی ''صلاح الدین ایوبی'' اور ہیرلڈ لیمب کی

''کروسیڈز'' سے نقل کی ہیں۔ کچھ چیزیں ہملٹن اور ولیم آف ٹائر کی ہسٹری سے لی ہیں۔ وکی پیڈیا سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اسی طرح کی کچھ شہادتیں سراج الدین احمد کی حیاتِ صلاح الدین سے لی ہیں جو انہوں نے زیادہ تر تاریخ مجاڈ سے نقل کی ہیں۔ اس کے سوا جو کچھ بھی لیا ہے ان کا ماخذ چھٹی اور ساتویں صدی ہجری کی قدیم عربی کتب ہیں۔

13- مستشرقین کی تاریخی خیانتوں کا موقع بہ موقع جائزہ لیا گیا ہے۔

14- چند مسلم مورخین کو بھی بعض مقامات پر کچھ غلط فہمیاں ہوئی تھیں۔ وہاں روایت ودرایت کی روشنی میں صحیح بات سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

آخر میں تاریخ کے طلبہ کے لیے ایک بہت کام کی بات۔ تاریخ کی مشہور کتب کو آج کل مختلف ادارے نت نئے انداز سے چھاپ رہے ہیں۔ مثلاً البدایہ والنہایہ کوئی چھ جلدوں میں کوئی آٹھ جلدوں میں اور کوئی بارہ جلدوں میں چھاپ رہا ۔ اسی طرح تاریخ ابن خلدون چھ جلدوں میں بھی ہے اور دس جلدوں میں بھی۔ اس سے صفحات اور جلدوں کی تعداد میں بہت فرق پیدا ہو گیا ہے۔ لہٰذا اکثر اوقات حوالے تلاش کرنے میں دقت ہوتی ہے۔ جو واقعہ آپ فلاں صفحہ نمبر اور فلاں جلد نمبر میں تلاش کر رہے ہوتے ہیں وہ نئی اشاعت میں کسی اور جلد یا کسی اور صفحہ نمبر پر درج ہوتا ہے۔ اگر یہ دشواری پیش آئے تو اس کا حل یہ ہے کہ آپ واقعات کو تاریخ کے حساب سے تلاش کریں۔ مثلاً بیت المقدس کی فتح سے متعلق کسی بات کا حوالہ چیک کرنا ہے۔ آپ معلوم کریں کہ یہ واقعہ کس سن کا ہے۔ جب آپ دیکھیں کہ یہ 583ھ کا ہے تو آپ البدایہ والنہایہ، الکامل فی التاریخ یا کتاب الروضتین کی فہرست پر جا کر دیکھیں کہ 583ھ کے حالات کس صفحے پر ہیں۔ اس طرح تھوڑی سی دیر میں حوالہ چیک کیا جا سکتا ہے۔

بہرکیف راقم سلطان کے یہ حالات پورے اعتماد کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔ اگر قریبی دور میں لکھی گئی کتب پر اکتفا کر کے کام کیا جاتا اور وہ بھی عام سے انداز میں ......تو شاید ڈیڑھ دو سال میں فراغت ہو جاتی مگر اصل ماخذ سے تحقیق کرنا اور پھر تاریخ وادب کو جمع کرنا محنت طلب شے ہے۔ اس لیے اس کاوش پر تقریباً چھ سال صرف ہو گئے۔ کام کا آغاز کراچی میں شعبان 1427ھ (اگست 2006ء) میں ہوا تھا۔ مسودے کی تکمیل 6 ربیع الاول 1432ھ (10 فروری 2011ء) کو ہوئی تھی۔ نظر ثانی اور اضافوں کا سلسلہ 16 رمضان المبارک 1433ھ (6 اگست 2012ء) کو اختتام پذیر ہوا۔ بعض پہلوؤں پر مزید تحقیق اور کمپوزنگ کی تصحیح سے جمعہ 15 رجب 1434ھ (24 مئی 2013ء) کو فارغ ہوا۔ حوالوں کی جانچ پڑتال کا کام 18 ربیع الاول 1435ھ (20 جنوری 2014ء) کو پورا ہوا۔

اس طرح سات سال سات ماہ میں یہ کام تکمیل کو پہنچا۔

میں ان دنوں کو اپنی زندگی کے بہترین دن سمجھتا ہوں جو اس مطالعے اور تصنیف کے باعث چھٹی صدی ہجری کے اس عظیم مجاہد کے دوش بدوش گزرے ہیں۔ان شاء اللہ تاریخ کے ان صفحات کا مطالعہ کرتے ہوئے آپ بھی خود کو سلطان رحمہ اللہ کے ہم رکاب محسوس کریں گے جس کے بعد یقیناً آپ کے خیالات واحساسات کو ایک نیا رخ اور جذبات کو ایک نئی توانائی ملے گی۔یہی میرا مدعا اور یہی میری محنت کا حاصل ہے۔

والسلام
محمد اسماعیل ریحان
ادارہ علوم القرآن
خالق داد تحصیل حسن ابدال

باب:1

ہلال اور صلیب

488ھ(1095ء)

تا

563ھ(1167ء)

شخصیات

پیٹر (پطرس)	....	یورپی راہب
پوپ اربن	....	پہلی صلیبی جنگ کا داعی
قلج ارسلان	....	ایشیائے کوچک کا حکمران

(یہ قلج ارسلان الگ ہے اور سلطان ایوبی کے دور کا قلج ارسلان الگ)

ملک شاہ	....	سلجوقی بادشاہ
تاج الدین تتش	....	ملک شاہ کا بھائی
مستعلی	....	مصر کا عبیدی حکمران
بدر جمالی	....	مصری حکمران کا وزیر
مسترشد باللہ	....	بغداد کا عباسی خلیفہ
عماد الدین زنگی	....	موصل کا حاکم
نور الدین زنگی	....	عماد الدین زنگی کا بیٹا، حاکم حلب
قطب الدین مودود	....	نور الدین زنگی کا بھائی
سیف الدین غازی	....	نور الدین زنگی کا بھائی

(یہ سیف الدین الگ ہے اور سلطان ایوبی کا معاصر سیف الدین غازی الگ)

شاذی	....	صلاح الدین یوسف کا دادا
بہروز	....	شاذی کا بغدادی دوست
نجم الدین ایوب	....	صلاح الدین کا والد
شیر کوہ	....	صلاح الدین کا چچا

فصل:1

پطرس، پیٹرڈی ہرمٹ

بح بستہ یورپ کے تنگ وتاریک اور پرہجوم بازاروں میں اس قدررش اس سے پہلے شاید ہی کبھی دیکھا گیا ہو۔ ان دنوں چوکوں اور بازاروں میں خچر پر سوار ایک پستہ قد سیاہ فام فقیر چیختا چلاتا دکھائی دیتا تھا۔ لوگ دم سادھے اس کی پکار سنا کرتے تھے۔ اس کی آواز میں ایسا درد تھا کہ بہت سے افراد دھاڑیں مار مار کر رو دیتے تھے۔ اس کی زبان شعلے اگلتی تھی، اس کے ایک ایک لفظ سے سامعین کے دل ودماغ جھنجھنا اٹھتے تھے۔ یہ فقیر انہیں بتاتا تھا کہ مسلمان نصرانیوں پر کیسے کیسے مظالم ڈھاتے ہیں، وہ صلیب اور مرقدِ مسیح کی کس کس طرح توہین کررہے ہیں۔ وہ انہیں سمجھاتا کہ یروشلم ان کی میراث ہے جسے واپس لینا ان کا مذہبی فریضہ ہے۔ یہ دیوانہ فرانس کا ایک راہب پیٹر ڈی ہرمٹ تھا جسے عرب مؤرخین ''پطرس'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وہ شروع سے شدت پسند اور تند مزاج تھا۔ خود بعض یورپی مؤرخین اسے پاگل اور جنونی قرار دیتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ ایسے لوگ رہتی نسلوں تک کو شدید ترین المیوں اور ناقابل تلافی اجتماعی نقصانات سے دوچار کرتے چلے آئے ہیں۔

پیٹر ڈی ہرمٹ 484ھ (1092ء) میں راہبوں کی ایک جماعت کے ساتھ القدس کی زیارت کے لیے گیا تھا۔ دورِ خلافتِ راشدہ میں مسلمانوں نے قیصر کو شکست دے کر نصرانیت کو بحیرۂ روم کے پار دھکیل دیا تھا۔ تب سے فلسطین کے مقاماتِ مقدسہ مسلمانوں کی تحویل میں تھے۔ القدس ہی میں نصرانیوں کی خودساختہ مرقدِ مسیح ؑ بھی تھی جسے ان کے سب سے مقدس مقام کی حیثیت حاصل ہے۔ مسلمانوں نے نصرانیوں کی ان مذہبی یادگاروں کو ان کے حال پر رہنے دیا تھا۔ عیسائی اپنے اس مذہبی مرکز کی بازیابی کا خواب صدیوں سے دیکھ رہے تھے مگر ان کا مسلمانوں پر کوئی بس نہیں چلتا تھا۔

نصرانیوں کو مسلم معاشرے میں کوئی تکلیف لاحق نہیں تھی۔ ان کے گرجے بھی محفوظ تھے اور جان ومال بھی۔ مسلم امراء کے ہاں کسی فن میں مہارت رکھنے والے عیسائی افراد کو باعزت مناصب بھی دیے

جاتے تھے۔ ہارون الرشید کے دور میں عیسائی بادشاہ شارلیمین کے ساتھ بیت المقدس آنے والے عیسائی زائرین کے حوالے سے جو معاہدہ کیا گیا تھا، مسلمان اس کی پابندی کرتے رہے۔ ارضِ مقدس کو یورپی سیاحوں اور زائروں کے لیے کبھی بند نہیں کیا گیا مگر زیارت کے لیے آنے والے نصرانی تمام سہولتیں ملنے کے باوجود اپنے مذہبی مرکز کو مسلمانوں کے پاس دیکھ کر جلتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی مالداری اور خوشحالی دیکھ کر بھی انہیں شدید حسد ہوتا تھا اور وہ یہ جذبہ لے کر اپنے وطن کو لوٹتے تھے کہ کسی طرح اس سرزمین کی دولت اور وسائل پر قابض ہو جائیں۔ صدیوں سے پلنے والا یہ حسد، جذبۂ انتقام اور ہوسِ مال و ملک گیری صلیبی جنگوں کے اصل محرکات تھے۔

صلیبی جنگوں کے باقاعدہ آغاز سے تقریباً ڈیڑھ صدی قبل ہلال و صلیب میں شدید تناؤ کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ چوتھی صدی ہجری میں عباسی خلافت بے اختیار ہو کر دیلمی شیعہ امراء کے زیرِ اثر آ چکی تھی اور عالم اسلام کی وحدت ختم ہو گئی تھی۔ ریاستیں خود مختار، منتشر اور کمزور تھیں۔ اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر قیصرِ روم کا سالار نیکوفورس (نقفور) شام کے ساحل پر قابض ہو گیا۔ سیف الدولہ نامی ایک حاکم اس سے لڑتا رہا مگر 356ھ میں اس کی وفات کے بعد نصرانیوں کی ہمت بڑھ گئی اور 361ھ میں وہ دیار بکر تک قابض ہو گئے۔ یہ لڑائیاں صلیبی جنگیں نہیں کہلاتیں مگر ان کی تمہید مانی جاتی ہیں۔ نصرانیوں کی یہ فتوحات پائیدار ثابت نہ ہوئیں اور مسلمانوں نے اپنے علاقے کچھ مدت بعد آزاد کرا لیے مگر اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ مسلمان اب نصرانیوں کے مقابلے میں ناقابلِ شکست قوت نہیں رہے۔

اس دوران عیسائی زائرین کی بیت المقدس میں آمد جاری تھی۔ انہوں نے مقدس سرزمین کے آداب کو فراموش کر کے جگہ جگہ اودھم مچانا شروع کر دیا تھا۔ وہ ہزاروں کی تعداد میں بڑے بڑے قافلے بنا کر آتے اور بعض اوقات راستے میں پڑنے والے اسلامی شہروں کی انتظامیہ کو تنگ کر کے رکھ دیتے۔ پادریوں نے یروشلم کی زیارت کو دوزخ سے آزادی کا ذریعہ قرار دیا ہوا تھا اس لیے زائرین کے قافلوں میں بڑی تعداد شرابیوں، بدکاروں اور غنڈوں کی ہوتی تھی جو تمام گناہوں سے پاک ہونے کے شوق میں جوق در جوق ادھر کا رخ کرتے تھے مگر وہ خدا خوفی، پرہیزگاری اور ادب و انکسار سے کوسوں دور رہتے۔ راستے بھر ناچتے گاتے، شراب نوشی کرتے اور باجے بجاتے القدس میں داخل ہوتے۔ جب ان کی خرمستیاں حد سے بڑھ گئیں تو مسلم حکمرانوں نے ان پر کچھ پابندیاں عائد کر دیں اور انہیں مجبور کیا کہ وہ خاموشی اور ادب و احترام کے ساتھ ارضِ مقدس میں آئیں۔ خلاف ورزی کرنے والوں کے ساتھ سختی بھی کی گئی۔ اس رویے کو عیسائی زائروں نے جبر و تشدد کا نام دے دیا۔

پیٹر راہب جب القدس پہنچا تھا تو ان دنوں بھی زائرین پر کچھ پابندیاں عائد تھیں۔ پیٹر نے ان پابندیوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھا اور تمنا کی کہ کسی طرح یہ مقدس شہر مسلمانوں سے واپس لے لیا جائے۔ القدس کے بشپ (بڑے پادری) نے اسے مسلمانوں کے مظالم کے فرضی قصے سنا کر مزید مشتعل کر دیا۔ جب پیٹر نے بیت المقدس کو مسلمانوں سے چھیننے کے جذبے کا اظہار کیا تو بڑے پادری نے جواب دیا: ''یورپی تاجدار ہی آ کر ہمیں نجات دے سکتے ہیں۔''

اس پر پیٹر نے شاہانِ یورپ کو جھنجوڑنے کی ذمہ داری قبول کی اور بشپ نے اسے یورپی بادشاہوں کے نام خطوط دیے جن میں انہیں شام پر حملے کی دعوت دی گئی تھی۔ پیٹر یہ خطوط لے کر اٹلی کے دار الحکومت روم میں کلیسا کے سربراہ پوپ سے ملا۔ صدیوں سے کلیسا دو حصوں میں تقسیم تھا۔ ایک مشرقی کلیسا تھا جس کا مرکز قسطنطنیہ تھا۔ دوسرا مغربی کلیسا تھا جس کا مرکز روم تھا۔ دونوں میں صدیوں سے عداوت چلی آ رہی تھی مگر مسلم دشمنی میں دونوں ایک تھے۔

پیٹر راہب روم کے پوپ اربن ثانی سے ملا جو حد درجے متعصب انسان تھا۔ اس نے القدس کی بازیابی کے خیال کو بڑی دلچسپی سے سنا اور پیٹر کو گلے لگا کر اسے یہ مہم سونپی کہ وہ یورپ کے کونے کونے میں جا کر عوام اور حکام کو شام پر حملے کی دعوت دے۔ بس پھر کیا تھا!! پیٹر یورپ کے دورے پر نکل گیا اور اس نے پورے یورپ کو مسلمانوں کے خلاف مشتعل کر دیا۔ اس نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ اسے یروشلم میں یسوع کی قبر سے یہ پکار سنائی دی تھی:

> ''اٹھو! میرے پیروکاروں کے مصائب کا چرچا کر، یہ وقت ہے کہ میرے خدا کی نصرت ہو اور مقدس مقامات آزاد ہوں۔''[1]

<u>صلیبی جنگ کی آگ:</u> پیٹر کے ان دعووں اور شعلہ نوا تقاریر نے اہلِ یورپ کو مشرق پر ٹوٹ پڑنے کے لیے اس طرح ابھارا کہ لگتا تھا ان کے پاس جینے کا کوئی اور مقصد ہی نہیں ہے۔ خود یورپی حکمران بھی اس مہم میں غیر معمولی دلچسپی لینے لگے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ کچھ مدت پہلے 479ھ (1086ء) میں مراکش کے حکمران یوسف بن تاشفین نے اسپین میں نصرانیوں کو عبرتناک شکست دی تھی جس کا بدلہ لینے کے لیے عیسائی موقعے کے متلاشی چلے آ رہے تھے۔ پھر اس دوران 484ھ (1091ء) میں بحیرہ روم میں واقع اسلامی ملک صقلیہ (سسلی) پر قبضہ کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے تھے جس کی وجہ سے انہیں مسلمانوں کو ایشیا کے میدانوں میں بھی شکست دینے کی امید ہو چلی تھی۔

---

[1] حیات سلطان صلاح الدین ایوبی، ص: 10 تا 15؛ ماہ رب اسلامیہ عصری حاضری، ص: 45

اِدھر یورپ میں یہ سوچ پروان چڑھ رہی تھی۔ اُدھر قسطنطنیہ کے شہنشاہ ''ایلکسی اس'' نے بھی روم سے سابقہ اختلافات فراموش کر کے مسلمانوں کے خلاف اتحاد کی داغ بیل ڈالنے کی کوشش کی۔ اصل میں قسطنطنیہ کو سلجوقی ترکوں سے خطرہ لاحق تھا۔ 463ھ (1071ء) میں نامور سلجوقی حکمران الپ ارسلان نے قسطنطنیہ کے قیصر ارمانوس دیو جانس کو ایسی شکست دی تھی کہ قسطنطنیہ کا دم لبوں پر آ گیا تھا۔ اس کے بعد سے قسطنطنیہ کے ہر تاجدار کو مسلمانوں کے حملے کا دھڑکا لگا رہتا تھا خصوصاً سلجوقیوں کے مرد جری ملک شاہ کی ہیبت سے قسطنطنیہ برسوں کانپتا رہا تھا مگر جن دنوں پیٹر ڈی ہرمٹ القدس کا سفر کر کے لوٹا، ملک شاہ کی اچانک وفات ہوگئی۔ یہ شوال 485ھ (نومبر 1092ء) کا واقعہ ہے۔

ملک شاہ کے رخصت ہوتے ہی شام کی سلجوقی حکومت کئی ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ قیصر ''ایلکسی اس'' نے اسے بہترین موقع تصور کرتے ہوئے پوپ اور یورپی حکمرانوں کو خطوط لکھ کر انہیں جلد از جلد شام پر قبضہ کرنے کی ترغیب دی۔ اس نے خطرہ ظاہر کیا کہ اگر یورپ ایشیا کے نصرانیوں کی مدد کو نہ آیا تو ترک قسطنطنیہ پر بھی قبضہ کرلیں گے۔ اس کے ساتھ اس نے اپنے ملک کی دوشیزاؤں کے حسن و جمال کی تصویر کشی کرتے ہوئے یورپی جنگجوؤں کو امید دلائی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کر کے ان حسیناؤں کے نہ صرف دل جیت سکتے ہیں بلکہ انعام میں ان کے جسم بھی پا سکتے ہیں۔ فرانسیسی مورخ بجا طور اعتراف کرتا ہے کہ قیصر کی ان گھٹیا ترغیبات نے مغرب کے جنگ جوؤں کے جذبات کو متحرک کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یورپی نوابوں اور پادریوں کی اس مہم میں دلچسپی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جاگیردارانہ نظام کی زیادتیوں اور کلیسا کی بے جا سختیوں کی وجہ سے لوگوں میں حکومتوں اور مذہب سے بیزاری پیدا ہو چکی تھی۔ یورپ کے سیاسی اور مذہبی رہنماؤں نے محسوس کیا کہ اگر وہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں کی توجہات کا رخ بیرونی معاملات کی طرف پھیر دیں تو اندرونی مسائل فراموش ہو جائیں گے اور ان کی بدعنوانیوں کے خلاف کسی موثر احتجاج کے امکانات ختم ہو جائیں گے۔

اونچے گھرانوں کے عیسائیوں کی اس مہم جوئی میں دلچسپی کا ایک سبب یہ تھا کہ فارغ اور بے مقصد زندگی گزارنے والے کم ثروت عیسائی شہزادوں کو جاگیروں کے لیے نو آبادیات کی تلاش تھی جبکہ یورپی تاجر نئی منڈیوں کی جستجو میں تھے۔ مسلمانوں کے خلاف جنگوں کا سلسلہ ان مقاصد کے حصول کا اچھا بہانہ بن سکتا تھا۔ عام لوگ پادریوں کے بھڑکانے کی وجہ سے اس مہم میں شرکت پر آمادہ ہوئے۔ دراصل عیسائیت کے ''پیدائشی گناہ'' کے تصور نے ہر شخص میں احساسِ جرم پیدا کر رکھا تھا اور حقیقتاً بھی عیسائی معاشرے میں اخلاقی جرائم کا کوئی حد و شمار نہ تھا۔ پادریوں نے لوگوں کو ورغلانے کے لیے اعلان کر دیا کہ اس جنگ

میں شرکت سے آدمی گناہوں سے بالکل پاک ہوجاتا ہے۔ اس طرح صلیبی قائدین اپنے اصل سیاسی و مادی مقاصد کو اوجھل رکھ کر جنگوں کو مذہبی لبادہ اوڑھاتے ہوئے عوام کو مشتعل کررہے تھے۔[1]

عالم اسلام کا سیاسی انتشار: ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ صلیبی جنگ جوؤں کا حوصلہ بڑھانے میں دو اور محرکات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ پہلا محرک مسلمانوں کا بڑھتا ہوا سیاسی انتشار تھا جس کی ابتداء تیسری صدی عیسوی میں عباسی خلافت کی کمزوری سے اور انتہاء شمالی افریقہ کی عبیدی حکومت کے عروج اور ایشیا کے خود مختار سلاطین کی بالادستی پر ہوئی تھی۔ چوتھی صدی ہجری میں عباسی خلافت عملاً بے اختیار ہوچکی تھی اور عالم اسلام درجنوں منتشر حکومتوں کا مجموعہ بن گیا تھا۔ پانچویں صدی ہجری میں جب صلیبی جنگیں چھڑیں تو عالم اسلام تین بڑے سیاسی جزیروں میں بٹا ہوا نظر آتا تھا۔ ایک حصہ وہ تھا جہاں بغداد کے عباسی خلیفہ کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ اس میں حجاز، ایشیائے کوچک، عراق، ایران، خراسان اور ہندوستان کی درجنوں خود مختار ریاستیں شامل تھیں جن میں سلجوقیوں کو سب سے طاقتور مانا جاتا تھا۔ دوسرا حصہ شمالی افریقہ اور مصر کا تھا جہاں شیعوں کے ایک خاندان بنوعبید نے الگ خلافت قائم کی ہوئی تھی۔ یہ خاندان سلجوقی سلاطین اور عباسی خلفاء کا سخت مخالف تھا۔ تیسرا حصہ مراکش اور اسپین پر مشتمل تھا جہاں مرابطین کی حکومت تھی۔ یہاں عباسی خلفاء کا خطبہ تو پڑھا جاتا تھا مگر عملاً اس علاقے کا باقی عالم اسلام سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ مجموعی طور پر عالم اسلام کے ان تینوں بڑے حصوں میں کوئی ربط وضبط نہیں تھا بلکہ بعض اوقات سیاسی معاملات میں وہ ایک دوسرے کے حریف نظر آتے تھے۔ مسلمانوں کا یہ انتشار یورپی طاقتوں کی صلیبی جنگوں میں پُر امیدی اور دلچسپی کا بڑا اہم سبب تھا۔

ان جنگوں کا دوسرا بڑا محرک مصر کے حکمران خانوادے بنوعبید کا احمقانہ رویہ تھا۔ وہ عباسی خلافت اور سلجوقی سلاطین کے دشمن تھے۔ انہیں خطرہ تھا کہ کہیں سلجوقی ان سے مصر نہ چھین لیں۔ ملک شاہ کے دور میں جب سلجوقی عملداری شام کی سرحدوں تک پھیل گئی تو بنوعبید کے خدشات مزید بڑھ گئے۔ آخر کار عبیدی حکمران مستنصر باللہ نے 462ھ (1070ء) میں صلیبیوں کو شام پر حملے کی دعوت دے ڈالی تاکہ اس کے مخالف سلجوقی کمزور پڑ جائیں۔ مستنصر کو یہ بھی امید تھی کہ صلیبی شام پر قابض ہوکر اس کے اور سلجوقیوں کے درمیان حائل ہوجائیں گے اور مصر سلجوقیوں کی یلغار کے خطرات سے محفوظ ہوجائے گا جو ملک شاہ کے بھائی تاج الدولہ تتش کی قیادت میں شام میں بڑھتے چلے جارہے تھے۔ ملک شاہ نے اسے شام کی مہمات سپرد کرکے وعدہ کیا تھا کہ وہ جتنا بھی علاقہ فتح کرے گا وہ اسی کا شمار ہوگا چنانچہ

---

[1] حیات سلطان صلاح الدین: 15 تا 20، الحروب الصلیبیۃ، روحی الطوری: 44

تتش نے 471ھ (1078ء) تک حلب اور دمشق سمیت شام کے بیشتر علاقے پر قبضہ کرلیا تھا۔ اگرچہ مصری وزیر اعظم بدر جمالی نے فوج کشی کر کے سلجوقیوں کو شام سے نکالنے کی کوشش کی مگر اسے کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ 485ھ (1092ء) میں تتش نے حمص بھی فتح کرلیا۔ القدس بھی اسی کے پاس تھا اور اس کی جانب سے امیر ارتق یہاں کا حاکم تھا۔

یہ وہ وقت تھا کہ پیٹر راہب القدس کی زیارت کر کے واپس جا چکا تھا۔ ادھر قضا و قدر نے مسلمانوں کو ایک ابتلائے عظیم میں ڈالنا طے کر دیا تھا۔ رمضان 485ھ (اکتوبر 1092ء) میں سلجوقیوں کے عظیم بادشاہ ملک شاہ کا انتقال ہو گیا جس کے فوراً بعد اس کے بیٹوں برکیارق، محمود اور محمد میں اقتدار کی جنگ چھڑ گئی۔ اس سے یورپی فرنگیوں اور مصر کے بنوعبید دونوں کو اپنی اپنی جگہ فلسطین پر قبضے کی امنگ پیدا ہوگئی۔ تین سال ہی گزرے تھے کہ بنوعبید کا حکمران مستنصر بھی جس نے ساٹھ سال تک مصر پر حکومت کی تھی 487ھ (1094ء) میں فوت ہو گیا۔ اس طرح مصر کی حکومت بھی کمزور پڑ کر صلیبیوں سے اپنے ملک کا دفاع کرنے کے قابل نہ رہی۔ مستنصر جس نے خود فرنگیوں کو شام پر حملے کی دعوت دی تھی، یہ نہ سمجھ سکا تھا کہ اس کی اولاد کو بہت جلد اس کی حماقت کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور جب صلیبی شام کے ساحلوں پر اتریں گے تو مصر کی آزادی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔

شام میں جب تک ملک شاہ کا بھائی تتش موجود تھا، قبلۂ اول کسی کے لیے بھی تر نوالہ ثابت نہیں ہو سکتا تھا مگر ملک شاہ کی موت سے شروع ہونے والی سلجوقی شہزادوں میں اقتدار کی کشاکشی تتش کے لیے بھی جان لیوا ثابت ہوئی۔ 488ھ (1095ء) میں اس کے بھتیجے سلطان برکیارق بن ملک شاہ نے اسے شکست دے کر قتل کر دیا۔ زیادہ افسوس کی بات یہ ہوئی کہ سلطان برکیارق خود بھی شام و فلسطین پر تسلط حاصل نہ کر سکا اور یوں یہ خطہ اقتدار کے حریص امراء کا اکھاڑا بن گیا۔ تتش کے ایک بیٹے رضوان نے حلب پر قبضہ کر لیا، دوسرے بیٹے دقاق نے دمشق کو اپنی مملکت بنا لیا۔ انطاکیہ پر ملک شاہ کے پوتے باغستان نے خودمختار حکومت قائم کر لی۔ بیت المقدس تتش کے نائب ارتق کے دو بیٹوں سقمان اور ایلغازی کی تحویل میں رہ گیا۔ اس طرح شام اور فلسطین چھوٹی چھوٹی خودمختار اور کمزور ریاستوں میں بٹ گئے تھے اور یہ تمام ریاستیں ایک دوسرے سے دست و گریباں تھیں۔ انہیں صلیبی خطرے کا کوئی احساس نہ تھا جو عن قریب امنڈنے کو تھا۔ [1]

غرض صلیبی جنگ کی آگ بھڑکانے والے بڑے اسباب یہ تھے:

---

[1] الحروب الصلیبیۃ، العرینی: 16 تا 20؛ الکامل فی التاریخ: سن 480ھ تا 485ھ

1- مصر اور شمالی افریقہ پر مسلط بنوعبید کا صلیبیوں کو شام پر حملے کے لیے اکسانا تا کہ ان کے مخالف سلجوقی بادشاہ کمزور پڑ جائیں۔
2- قیصر ارمانوس کی سلطان الپ ارسلان سے شکست فاش کے بعد نصرانیوں کے دونوں بڑے مراکز قسطنطنیہ اور روم کا خوفزدہ ہوکر قریب آنا اور مشرقی اور مغربی کلیسا کا مسلمانوں کے خلاف متحد ہوجانا۔
3- یوسف بن تاشفین کے ہاتھوں اندلس میں یورپ کے نصرانیوں کو ملنے والی عبرتناک شکست کے بعد عیسائیوں میں بدلہ لینے کی تڑپ پیدا ہونا۔
4- صقلیہ پر نصرانیوں کے قبضے سے مسلمانوں کے خلاف کامیابیوں کی نئی امنگیں ابھرنا۔
5- یورپی شہزادوں کا نئی جاگیروں اور تاجروں کو نئی منڈیوں کی تلاش میں سرگرداں ہونا۔
6- ملک شاہ کی وفات کے بعد شام کا کئی ٹکڑوں میں بٹ کر نصرانیوں کے لیے تر نوالہ بن جانا۔
7- پادریوں کا صلیبی جنگ میں لوگوں کو مذہبی حوالے سے مشتعل کرنا اور گناہوں کی بخشش کا یقین دلانا۔

کلرماؤنٹ کانفرنس: اس دوران کہ شام اور فلسطین میں ملک شاہ کے وارث ایک دوسرے سے نبرد آزما تھے، یورپ میں پہلی صلیبی جنگ کا باقاعدہ فیصلہ کیا جارہا تھا۔ ذوالقعدہ 488ھ (نومبر 1095ء) میں فرانس کے شہر کلرماؤنٹ (Cler Mont) میں ایک عظیم مذہبی کانفرنس منعقد ہوئی جس کی دعوت پوپ اربن ثانی نے دی تھی۔ اس میں شرکت کرنے والے امراء، پادریوں اور عام لوگوں کا ہجوم اتنا تھا کہ شہر میں تل دھرنے کی جگہ نہیں رہی تھی۔ یورپی حکام اور پادریوں کے ذہنوں میں اس جنگ کے ہمہ جہت مقاصد تھے۔ وہ القدس کی بازیابی کے علاوہ اسپین سمیت دیگر مسلم ممالک پر بھی قبضہ کر کے مسلمانوں سے گزشتہ صدیوں کی شکستوں کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ عالم اسلام کی تجارت، دولت، پیداوار، معدنیات، اقتصادی وسائل اور عالمی تجارتی شاہراہوں پر جو عالم اسلام سے گزرتی تھیں قبضہ کرنا ان کا خواب تھا۔

مگر یورپی بادشاہ اور پادری ان مقاصد کو چھپاتے رہے۔ اجلاس کی آخری نشست میں پیٹر دی ہرمٹ نے بڑی اشتعال انگیز تقریر کر کے حاضرین کو شعلہ جوالا بنادیا۔ پھر پوپ اربن ثانی نے خطاب کر کے امرائے یورپ کو القدس کی بازیابی پر ابھارا۔ حاضرین یروشلم کی بازیابی کے لیے اس قدر پرجوش ہوئے کہ سب کے منہ سے نکلا: "یہ خدا کی مرضی ہے۔"

پوپ نے کہا: "ہاں بے شک خدا کی یہی مرضی ہے۔ اسی نے تم کو یہ الفاظ سکھائے ہیں، تم ان کو اپنا جنگی نعرہ بنالو۔"

پھر اس نے صلیب دکھاتے ہوئے اعلان کیا:

''یسوع خود اپنی قبر سے یہ صلیب تم کو پیش کرنے نکلا ہے۔ یہی نشان بنی اسرائیل کے بچھڑے ہوئے بیٹوں کے لیے فوج کے درمیان بلند کیا جائیگا۔ اسی کو اپنے کاندھوں اور سینوں پر آویزاں کرو۔ یہی تمہارے بازوؤں اور پرچموں پر چمکے۔ یہی تمہاری فتح یا شہادت کا ضامن ہوگا۔ یہ تم کو یاددلائے گا کہ مسیح تمہارے لیے مرا ہے اور تم کو اس کے لیے مرنا ہے۔''

جب پوپ نے بائبل میں مذکور مسیح کے ایک فقرے کو استعمال کرتے ہوئے کہا:

''جو اس جنگ میں صلیب اٹھا کر ساتھ نہیں ہوگا وہ میرا پیروکار نہیں رہے گا۔''

تو حاضرین میں کہرام مچ گیا۔ پوپ کے نائب نے لوگوں سے گناہوں کی معافی کا وعدہ کیا تو سب سجدے میں گر گئے۔ اس جنگ کو کروسیڈ (صلیبی جنگ) کا نام دے دیا گیا۔ لوگوں نے اپنے کپڑوں کو سرخ صلیب سے سجالیا۔

چونکہ پوپ نے اعلان کیا تھا کہ اس جنگ میں شرکت سے آدمی گناہوں سے بالکل پاک ہو جائے گا اس لیے پیدائشی گناہ کا عقیدہ رکھنے والے لاکھوں عیسائی جو اخلاقی گناہوں کے احساس تلے دبے ہوئے تھے، اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ولیم اوف ٹائر اہلِ یورپ کے اس جوش وجذبے کا حال یوں لکھتا ہے:

> ''فقیروں اور تارک الدنیا لوگوں نے اپنے حجروں اور عبادت گاہوں کو چھوڑ دیا جن میں وہ عمر نے کی قسمیں کھا چکے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ کوئی خدائی ہاتھ ان کی رہنمائی کر رہا ہے۔ عبادت گزار اور درویش جنگلوں اور بیابانوں سے نکل کر صلیبی جنگ میں شریک ہو گئے۔ ناقابلِ یقین بات یہ ہے کہ چوروں اور ڈاکوؤں نے اپنی خفیہ پناہ گاہوں کو چھوڑ دیا، اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور صلیب لے کر گناہوں کے کفارے کے لیے فلسطین جانے کا عہد کیا۔ یورپ جلاوطنی کی سرزمین معلوم ہوتا تھا جسے ہر شخص چھوڑنے پر آمادہ تھا۔''[1]

بے مقصد زندگی گزارنے والے بہت سے عیسائی شہزادے اور نواب جن کو نئی جاگیروں کے لیے نوآبادیات کی تلاش تھی اور نئی منڈیوں کے متلاشی یورپی تاجر بھی کروسیڈ میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوئے۔ مسلمانوں کے خلاف جنگ ان کے لیے نئی جاگیروں کے حصول اور تجارت کا اچھا بہانہ بن سکتا تھا۔ فرانسیسی مؤرخ لیبان لکھتا ہے:

---

[1] مجاہد سلطان صلاح الدین: ص 21 بحوالہ تاریخ [illegible] 46

"جنت کے حصول کے علاوہ ہر شخص کو اس جنگ میں مال ملنے کا موقع بھی نظر آتا تھا۔ وہ کاشتکار بھی اس میں شریک ہو گئے جو زمین داروں کے غلام تھے اور آزادی چاہتے تھے۔ بڑے خانوادوں کے وہ افراد جو قانونا میراث سے محروم کر دیے گئے تھے، وہ امراء جنہیں آبائی جائداد سے کم حصہ ملا تھا اور وہ راہب جو خانقاہی زندگی کی مشقتوں سے اکتا گئے تھے اس لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔"[9]

ڈاکٹر محمد اسد کا تبصرہ ✽ نومسلم ڈاکٹر محمد اسد نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "The road to Makkah" کی تمہید میں لکھا ہے کہ یورپ کی اسلام دشمن نفسیات کا دیباچہ اسی کانفرنس میں لکھ دیا گیا تھا اور یہی اسلام دشمنی تب سے اب تک یورپ کی روح میں رچی بسی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"صلیبی جنگوں سے سارے یورپ کو ایک مشترکہ نصب العین مل گیا، یعنی مسیحیت کا نیم سیاسی اور نیم مذہبی تصور جس نے آخرکار اپنی جگہ پر یورپ کے ثقافتی تصور کو تخلیق کیا۔ جب نومبر 1095ء میں پوپ اربن ثانی نے کلیر ماؤنٹ کے مقام پر اپنی شہرہ آفاق تقریر کے دوران مسیحیوں کو اس "ناہنجار قوم" کے ساتھ برسرپیکار ہونے کے لیے للکارا جس نے ارض مقدس پر قبضہ کر لیا تھا تو اس وقت موصوف نے دراصل دانستہ طور پر مغربی تہذیب کی دستاویزی کا اعلان کیا تھا اور اس کا نظریہ پیش کیا تھا۔" (The road to Makkah!p:06)

---

9 تاریخ اسلام معین الدین ندوی: 4/123، بحوالہ تاریخ یورپ سے بے گرانٹ، ص 355

پہلی صلیبی جنگ

مسلمانوں کی نصرانیوں سے سینکڑوں لڑائیاں ہو چکی ہیں مگر ہر لڑائی کو صلیبی جنگ نہیں کہا جاتا۔ اصطلاح میں صلیبی جنگیں صرف ان لڑائیوں کو کہا جاتا ہے جن کی دعوت نصرانیوں کے مذہبی پیشواؤں اور پادریوں نے دی تھی اور جو صلیب کے نام پر لڑی گئی تھیں۔ یہ جنگیں باقاعدہ طور پر سن 489ھ (1096ء) میں شروع ہوئیں اور ان کا اختتام 690ھ (1291ء) میں ہوا، اس طرح یہ دو صدیوں پر محیط ہیں۔

پہلی صلیبی جنگ کے لیے لشکر تیار ہوئے تو افراد کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ان کے ایک ساتھ روانہ ہونے میں یہ خطرہ تھا کہ راستے میں خوراک و رسد پوری نہ ہو سکے۔ چنانچہ کئی لشکر بن کر کچھ کچھ مدت کے وقفے سے روانہ ہوئے۔ یلغار کے پہلے مرحلے میں پیٹر راہب تیرہ لاکھ افراد کا مجمع لے کر روانہ ہوا مگر اتنی بڑی فوج کو ایک ناتجربہ کار بدحواس راہب کیسے سنبھال سکتا تھا۔ چنانچہ یہ فوج راستے ہی میں بڑی ابتری کا شکار ہوگئی۔ جب یہ بلغاریہ پہنچی تو سامان رسد کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے مقامی آبادی کو لوٹنا شروع کر دیا۔ بلغاریہ کی فوج نے اس طوفانِ بدتمیزی کی روک تھام کے لیے صلیبی سورماؤں پر حملہ کر دیا اور ہزاروں افراد کو ڈھیر کر دیا۔ یہ لشکر اپنی جان بچا کر بڑی کسمپرسی کے عالم میں قسطنطنیہ پہنچا جہاں قیصر ان کے لیے چشم براہ تھا۔ قیصر نے خود اس لشکر کو شام پر حملے کی دعوت دی تھی اور خوبصورت لڑکیوں کا لالچ دے کر انہیں بلایا تھا مگر اس لشکر کے سپاہیوں کی بے لگامی کا یہ عالم تھا کہ خود قیصر کو لینے کے دینے پڑ گئے اور انہیں عالم اسلام کی طرف رخصت کر کے ہی وہ چین کا سانس لے سکا۔[1]

لشکرِ صلیب ایشیائے کوچک میں: صلیبی لشکر جب عالم اسلام میں داخل ہوا تو سب سے پہلے ایشیائے کوچک میں سلاجقۂ روم کی مملکت سے گزرا اور مقامی آبادی پر ظلم و ستم کی انتہاء کر دی۔ ان کے ایک سالار رینالڈ نے دس ہزار نارمنوں کے ساتھ "منسیا" کے قریب سرحد کے ایک خالی قلعے پر قبضہ کر کے گرد و نواح میں خون کی ندیاں بہا دیں۔ فرانسیسی مؤرخ مچاڈ تاریخ حروب صلیبیہ میں لکھتا ہے:

[1] الحروب الصلیبیہ: 47، 51

"انہوں نے صلیب کے نیچے ایسے ایسے جرائم کا ارتکاب کیا کہ فطرت ان کے تصور سے کانپ اٹھتی ہے۔"

نیز وہ لکھتا ہے:

"صلیبیوں نے منیسا کے نواح میں بھیانک مظالم ڈھائے، بچوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور بوٹی بوٹی کر کے سیخوں پر چڑھایا۔"[1]

یہ سلاطۂ روم کا علاقہ تھا جو خراسان اور شام کے سلجوقیوں سے الگ ایک شاہی خانوادہ تھا۔ اس کا بانی سلجوقی قبیلے کا ایک سردار سلیمان بن قتلمش تھا جسے الپ ارسلان سلجوقی نے ایشیائے کوچک کا حاکم مقرر کیا مگر اس نے یہاں خودمختار حکومت قائم کر لی جس کا مرکز قونیہ تھا۔ جب صلیبی لشکر یہاں پہنچا تو قونیہ میں سلیمان کے جانشین سلطان قلیج ارسلان کی حکومت تھی۔ اس نے نصرانیوں کے مظالم سے حواس باختہ ہوئے بغیر فوری طور پر جوابی حملہ کیا اور ان کی غیر مرتب فوج کو شکست فاش دے کر منیسا اور دیگر تمام سرحدی علاقوں کو خالی کرا لیا۔ مجاڈ کے مطابق صلیبی جنگ کے اس ابتدائی مرحلے میں تین لاکھ صلیبی موت کے گھاٹ اتر گئے۔ مجاڈ لکھتا ہے:

"وہ ترکوں کا پہلا حملہ بھی برداشت نہ کر سکے اور تقریباً سبھی تہ تیغ ہو گئے۔ صرف وہ لوگ بچے جنہوں نے دین اسلام قبول کرنے اور نصرانیوں کے خلاف لڑنے کی قسمیں کھا کر اپنی جان بچائی۔"[2]

پیٹر چند بچے کچھے افراد کے ساتھ بڑی مشکل سے جان بچا کر یورپ لوٹ جانے میں کامیاب ہو گیا مگر یہ شکست اس کی ساری ناموری پر پانی پھیر دینے کے لیے کافی تھی۔ چنانچہ صلیبی جنگوں کے لیے یورپ کو برانگیختہ کرنے والا یہ بدبخت انسان باقاعدہ جنگوں کے آغاز سے پہلے ہی ذلیل وخوار ہو کر گمنامی کے گوشے میں جا پڑا۔[3]

<u>دوسرا لشکر</u>: اس شکست کے باوجود اہل یورپ کا جوش وخروش کم نہ ہوا اور یورپ کے بڑے بڑے امراء نے پیشہ ور افواج کے ساتھ ارض مقدس جانے کی تیاری مکمل کر لی۔ کلرماؤنٹ کانفرنس کے آٹھ ماہ بعد لورین کا جنگ آزما نواب گاڈفرے ڈی بولین 80 ہزار پیادے اور دس ہزار گھڑسوار لے کر پابہ رکاب ہوا۔ اس کے دو بھائی ایلیس میس اور بالڈون بھی اپنی فوجوں کو لے کر چل پڑے۔ اس کا چچیرا بھائی بالڈون ڈی بورگ بھی پیچھے نہ رہا۔ اٹلی کا ایک نواب بوہمنڈ، نارمنڈی کا حاکم رابرٹ بھی

[1] حیات صلاح الدین ایوبی، ص 24 بحوالہ مجاڈ، ص 73
[2] بحوالہ
[3] بحوالہ

صلیب اٹھا کر مقدس جنگ کے لیے نکل پڑے۔ جنوبی فرانس سے ریمنڈ اور ایڈ ہیمر ایک لاکھ فوج لے کر شریک ہوئے۔ اس طرح اس فوج کی مجموعی تعداد پانچ لاکھ پیادوں اور ایک لاکھ سواروں تک پہنچ گئی۔ قسطنطنیہ سے ہوتے ہوئے یہ فوج 21 جمادی الاولیٰ 490ھ (6 مئی 1097ء) کو سلجوقی ترکوں کے سرحدی قلعے منیسا کے سامنے پہنچ گئی۔ ترکوں نے مقابلے کی تیاری کر رکھی تھی۔ ایک ماہ تک جنگ ہوتی رہی۔ آخر میں رابرٹ نارمنڈی کے آجانے سے صلیبیوں کا محاصرہ مزید سخت ہوگیا۔ تب ترکوں نے صلیبیوں کے آگے ہتھیار ڈالنے کی بجائے اپنا قلعہ، قسطنطنیہ کے قیصر کے حوالے کردیا۔ [1]

انطاکیہ کا معرکہ: 16 رجب (29 جون) کو صلیبی لشکر شام کی سرحد پر آکر انطاکیہ کی سمت روانہ ہوگیا۔ راستے میں سلجوقی ترکوں نے انہیں گھیر لیا، عیسائی بڑی مشکل سے ان کے نرغے سے نکل سکے۔ آگے چل کر راستہ بھٹک جانے کے سبب وہ بدترین بھوک اور پیاس کا شکار ہوگئے۔ کئی کئی سو افراد ایک ہی دن میں مرگئے۔ سپاہیوں نے نقاہت کی وجہ سے بھاری زرہیں اتار کر پھینک دیں۔ جولائی کی گرمی میں شدید پیاس نے انہیں تڑپا دیا۔ فوج مختلف راستوں میں بکھر گئی اور آخرکار 12 ذوالقعدہ 490ھ (21 اکتوبر 1097ء) کو انطاکیہ کے سامنے جمع ہوگئی۔ اس وقت شام میں سیاسی انتشار کی وجہ سے ملک شاہ کا پوتا باغستان یہاں کا خودمختار حاکم تھا۔ اس کے پاس پندرہ ہزار سپاہی تھے جو تین لاکھ کے اس لشکر کے سامنے ڈٹ گئے اور سات ماہ تک شہر کا دفاع کرتے رہے۔

اس مدت میں کئی عیسائی نواب دیگر شہروں پر بھی ہاتھ صاف کرنے نکل کھڑے ہوئے۔ ان میں بالڈون سب سے کامیاب رہا جس نے ساحلی شہر طرطوس پر قبضہ کیا۔ پھر شمال میں ایڈیسہ (الرُہا) کے شہزادے تھوروس نے جو شاہِ قسطنطنیہ کا باج گزار تھا، اسے سلجوقی ترکوں کے خطرات کی روک تھام کے لیے اپنے ہاں بلالیا۔ بالڈون اس کی مدد کے عنوان سے وہاں پہنچ گیا۔ کچھ مدت بعد شہزادہ مرگیا اور بالڈون اڈیسہ (الرُہا) کا مالک بن بیٹھا۔ اس طرح یورپی امراء میں وہ سب سے پہلے ایک مستقل ریاست حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اگرچہ اس طرح وہ صلیبی جنگ میں شریک نہ رہ سکا اور لشکر سے الگ ہوگیا مگر بعد میں وہ صلیبی لشکر کو خوراک و رسد پہنچانے میں سب سے زیادہ فعال کردار ادا کرتا رہا۔

اس دوران مصر کے عبیدی حکمران مستعلی نے خودغرضی کی انتہا کردی۔ وہ شام کی سیاسی افراتفری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے زیادہ سے زیادہ علاقے پر قبضہ کرنے کی مہم شروع کرچکا تھا۔ اس کی فوج نے ربیع الاول 490ھ (مارچ 1097ء) میں شام کے ساحلی شہر صور پر قبضہ جمالیا تھا۔ پھر اس نے

[1] الحروب الصلیبیۃ: ص 60، 61

بیت المقدس کا محاصرہ کر کے چھ ہفتوں کے بعد شعبان 490ھ (جولائی 1197ء) میں اسے سلجوقیوں سے چھین لیا تھا۔ اب القدس میں عبیدیوں کا نائب افتخار الدولہ حاکم بن گیا۔ عبیدی حکمران کو اس ناپاک حرکت کے بعد خود ہی یہ خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ عیسائی کہیں اس سے اپنی دوستی فراموش کر کے اسی کے مقبوضات پر ہاتھ صاف نہ کرنا شروع کر دیں۔ چنانچہ اس نے انطاکیہ کا محاصرہ کرنے والے صلیبی قائدین کے پاس اپنے سفیر بھیج کر بزدلانہ چاپلوسی پر مبنی یہ پیغام دیا:

''صلیبیوں نے جو فتوحات آل علی کے دشمن سنی ترکوں کے خلاف حاصل کی ہیں ان کو دیکھتے ہوئے ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ آپ کو خدا ہی نے ایشیا میں بھیجا ہے تا کہ آپ انصاف کا وسیلہ بنیں۔ ہم جانتے ہیں کہ صلیبیوں کی سب سے بڑی خواہش القدس کی زیارت ہے۔ پس ہم آپ کو ایک ماہ کا وقت دیتے ہیں کہ آپ بغیر ہتھیاروں کے القدس میں جائیں اور پوری آزادی سے زیارت اور عبادت کی رسوم بجا لائیں۔ اس صورت میں آپ کو خلیفہ کا پورا پورا تعاون میسر رہے گا۔''

عبیدی حکمران نے اس پیش کش کو نامنظور کرنے کی صورت میں صلیبیوں کو خطرناک انجام کی کھوکھلی دھمکی بھی دی تھی۔ صلیبی سورما جو یروشلم پر بزور شمشیر قبضہ کرنے کی ٹھان کر آئے تھے، بھلا مصر کے کمزور حکمران کی بات پر کیوں کان دھرتے۔ انہوں نے سفیر کو سخت الفاظ میں جواب دیتے ہوئے کہا:

''ہم قسم کھا چکے ہیں کہ ہم یروشلم کو مسیح کے منکروں سے آزاد کرائیں گے۔ اپنے آقا کو بتا دو کہ جو صلیبی انطاکیہ کے پاس خیمہ زن ہیں وہ مصر کی حکومت سے ڈرتے ہیں نہ بغداد کے خلیفہ سے۔''

انطاکیہ کا محاصرہ پورے جوش و خروش سے جاری رہا۔ اس دوران حمص، قیساریہ، حلب اور دمشق سے کچھ فوجیں محصورین کی مدد کے لیے روانہ تو ہوئیں تھیں مگر وہ راستے ہی میں نصرانیوں سے کچھ جھڑپوں کے بعد واپس چلی گئیں۔ اس طرح اہل شہر کسی بیرونی امداد سے بالکل محروم رہے۔ شام کے دیگر شہروں کے حکام انطاکیہ والوں کی کوئی مدد نہ کر سکے کیونکہ ایک تو وہ خود منتشر تھے، دوسرے اس وقت وہ عبیدیوں کے حملے سے خود کو بچانے کی فکر میں مبتلا تھے۔ شاید انطاکیہ اب بھی بچ جاتا کیوں کہ سلجوقی سلطان اور دوسرے شہروں کے حکام نے آخر میں اہل انطاکیہ کی مدد کے لیے ایک بڑی فوج روانہ کر دی تھی جو حاکم موصل کربوقا کی قیادت میں عن قریب پہنچنے والی تھی۔ مگر فیروز نامی ایک غدار امیر نے نصرانیوں کی فتح کی راہ ہموار کر دی۔ یہ امیر درحقیقت عیسائی تھا مگر بظاہر مشرف با اسلام ہو کر مسلمانوں کو دھوکا دے رہا تھا، حد یہ تھی کہ انطاکیہ کا حاکم باغستان اس پر پورا اعتماد کرتا تھا۔ فیروز نے صلیبی لشکر کے نواب بوہیمنڈ سے ساز باز کر لی اور ایک شب جب شہر کے باشندے بے فکر ہو کر سو رہے تھے اس نے

اپنے اختیارات سے کام لیتے ہوئے صلیبیوں کو شہر میں داخل ہونے کا موقع دے دیا۔ صلیبی ایک طوفان کی طرح شہر میں گھس گئے اور لوگوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ شہر کی فوج قلعے میں محصور ہو گئی اور حاکم شہر فرار ہوتے ہوئے مارا گیا۔ یہ رجب 491ھ (جون 1098ء) کا واقعہ ہے۔

موصل کا حاکم کربوقا جو امدادی فوج لیے آرہا تھا، بلاوجہ فوج کو بہت سست روی سے چلا رہا تھا۔ اگر وہ تیز رفتار سے کوچ کرتا تو نہ صرف انطاکیہ کو بچایا جاسکتا تھا بلکہ بزدل صلیبیوں کو یہیں سے یورپ لوٹ جانے پر مجبور کیا جاسکتا تھا مگر کربوقا کی لاپرواہی کی وجہ سے یہ فوج اس وقت انطاکیہ پہنچی جب شہر میں مسلمانوں کی لاشوں کے ڈھیر لگائے جاچکے تھے۔ کربوقا کے ہمرکاب لشکر جو اٹھائیس امیروں کی افواج پر مشتمل تھا انطاکیہ کے سامنے خیمہ زن ہو گیا جب کہ صلیبیوں نے اس سے بچنے کے لیے انطاکیہ کی فصیلوں کی پناہ لے لی۔ صلیبیوں کو ایک تو مسلمانوں کے لشکر کا خوف تھا دوسرے ان کی رسد ختم ہو چکی تھی۔ وہ گھوڑوں کو کاٹ کاٹ کر اور درختوں کے پتے چبا کر اپنا پیٹ بھر رہے تھے۔ انہوں نے گھبرا کے کربوقا سے امان مانگی مگر کربوقا نے جواب دیا: ''اب تو تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔''

کربوقا کا یہ جواب شجاعت نہیں تکبر پر مبنی تھا۔ وہ ایک بداخلاق انسان تھا جس کی درشتی اور تحقیر آمیز رویے سے تمام ماتحت افسران بددل ہو چکے تھے۔ اُدھر نصرانیوں کو زندگی اور موت کی کشمکش میں دیکھ کر ان کے ایک راہب نے عجیب چال چلی۔ اس نے چپکے سے ایک پرانا نیزہ زمین میں دفن کر دیا اور فوج کے امراء سے کہا:

''سنا ہے کہ یسوع مسیح کا ایک نیزہ انطاکیہ میں دفن ہے، اسے تلاش کرو۔ اگر مل گیا تو فتح ہمارا مقدر ہے۔ اگر نہ ملا تو ہلاکت طے ہے۔''

راہب کے کہنے پر امرائے فوج نے تین دن تک روزے رکھے اور دعائیں کیں، پھر راہب کے کہنے پر کھدائی کی گئی تو ایک جگہ سے وہ نیزہ نکل آیا۔ اس سے صلیبیوں میں ایک جوش پھیل گیا اور وہ مقابلے کے لیے کمر بستہ ہو کر کھلے میدان میں نکل آئے۔ پیر 25 رجب 491ھ (28 جون 1098ء) کو دونوں لشکروں میں گھمسان کا رن پڑا۔ کربوقا کی نااہلی کی وجہ سے مسلمان پرجوش صلیبیوں کے سامنے جم کر نہ لڑ سکے۔ ان کے سینکڑوں افراد شہید ہوئے اور باقی ماندہ پسپا ہو گئے۔ اس شکست فاش نے شام اور فلسطین کے مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔

صلیبی چاہتے تو کسی وقت کے بغیر القدس کی طرف بڑھ سکتے تھے مگر اکثر نواب اپنے لیے الگ الگ شہر بھی فتح کرنا چاہتے تھے اس لیے کئی ماہ تک وہ مختلف ساحلی شہروں پر حملے کرتے اور مسلمانوں کے

خون سے ہولی کھیلتے رہے۔ نواب ریمنڈ نے البیرہ کو فتح کر کے وہاں تمام مسلم آبادی کو فنا کر دیا۔ معرہ میں اس نے ایسا قتل عام کیا کہ کوئی شخص مسلمانوں کی لاشوں سے گزرے بغیر شہر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ طرطوس کو مسلمانوں نے خود خالی کر دیا تھا۔ صلیبی اس پر قبضہ کرتے ہوئے عکا پہنچ گئے۔ مسلمانوں نے یہاں کئی ماہ تک سخت مدافعانہ لڑائی لڑی۔ صلیبیوں نے شام اور فلسطین کے ان ساحلی شہروں کی مہمات میں ایک لاکھ سے زائد افراد کا خون بہایا۔

اس دوران عاقبت نا اندیش حکمران مستعلی سلجوقی ترکوں، قیصر ایلکسی اس، مغربی عیسائی حکمرانوں اور صلیبی لشکر کے قائدین سے خط و کتابت کرتا رہا، وہ غالب فریق کا اتحادی بن کر اپنے مفادات حاصل کرنے کی تگ و دو میں تھا۔ اس نے صلیبی سرداروں کے لیے قیمتی تحائف بھی بھیجے۔ گاڈفرے کو چالیس ہزار اشرفیوں، تیس بیش قیمت جوڑوں اور سونے چاندی کے ساز و سامان سے سجے ہوئے عربی گھوڑے کی خلعت پیش کی۔ مستعلی کی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح بیت المقدس کو جسے اس نے کچھ مدت قبل ہی سلجوقیوں سے چھینا تھا بدستور اپنے پاس رکھے مگر صلیبیوں نے اس کی خواہش کو دوبارہ حقارت سے مسترد کر دیا۔[1]

<u>سقوطِ القدس کے جگر پاش مناظر</u>: آخر کار عیسائی لشکر سمندر کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے رملہ سے ہو کر 6 جون 1099ء کو القدس کے سامنے پہنچ گیا جہاں مستعلی کا نائب افتخار الدولہ انتظام سنبھالے ہوئے تھا۔ یہاں تک پہنچتے پہنچتے تین لاکھ صلیبیوں میں سے صرف پچاس ہزار افراد رہ گئے تھے۔ اگر مسلمان اتحاد و اتفاق سے کام لیتے تو اس لشکر کو شکست دینا کچھ مشکل نہ تھا مگر افسوس کہ القدس کے محصورین کے لیے شام سے لے کر بغداد تک کہیں سے کوئی مدد نہ پہنچی اور تاریخ کا وہ دردناک ترین دن آ کر رہا جب صلیبیوں نے بیالیس دن کے محاصرے کے بعد بیت المقدس پر قبضہ کر لیا اور وہاں خون کی ندیاں بہا دیں۔

فرانسیسی مورخ "میشو" کے بقول:

> "صلیبیوں نے ایسے تعصب کا ثبوت دیا جس کی مثال نہیں ملتی، عربوں کو اونچے اونچے برجوں اور مکانوں کی چھتوں سے گرایا گیا، آگ میں زندہ جلایا گیا، گھروں سے نکال کر میدانوں میں جانوروں کی طرح گھسیٹا گیا، صلیبی جنگجو مسلمانوں کو مقتول مسلمانوں کی لاشوں پر لے جا کر قتل کرتے، کئی ہفتوں تک قتل عام کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ ستر ہزار سے زائد مسلمان صرف مسجد اقصیٰ میں تہ تیغ کیے گئے۔"

مجاڈ لکھتا ہے:

---

(1) الکامل لابن اثیر: 491ھ - 492ھ ، ماردرسہ صلیبیہ: 52، حیات صلاح الدین: 26

"گلیوں اور گھروں میں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔ یروشلم میں شکست خوردہ مسلمانوں کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔"

نیز وہ کہتا ہے:

"جب عیسائی مسجد عمر رضی اللہ عنہ پر قابض ہوئے جہاں مسلمانوں نے تھوڑی دیر کے لیے پناہ لی تھی تو خونریزی اور قتل عام کا منظر دہرایا گیا۔ سوار اور پیادہ صلیبی مسجد میں گھس کر مسلمانوں میں گڈمڈ ہو گئے۔ اس ہیبت ناک ہنگامے میں گریہ وزاری اور موت کی چیخ وپکار کے سوا کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔ فاتحین بھاگنے کی کوشش کرنے والوں کا تعاقب کر کے لاشوں کے ڈھیروں کو پامال کر رہے تھے۔ ریمنڈ ڈی اگلیس کا چشم دید بیان ہے کہ مسجد کے اندر اور صحن میں مقتولین کا بہتا ہوا خون ہمارے گھوڑوں کی لگاموں تک پہنچ گیا تھا۔"

فرانسیسی مؤرخ لیبان کا بیان ہے:

"ہمارے لوگ بچوں کے ٹکڑے کر رہے تھے، جوانوں اور بوڑھوں کو قتل کر رہے تھے۔ کسی جاندار کو زندہ نہیں چھوڑتے تھے۔ جلد فارغ ہونے کے لیے ایک ہی رسی میں کئی کئی افراد کو لٹکا رہے تھے۔"

"شہر کے راستوں میں خون کے دریا بہہ رہے تھے اور چاروں طرف لاشیں پھیلی ہوئی تھیں۔"

"بیت المقدس کے راستوں اور ہر جگہ پر سروں اور ہاتھ پیروں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ مگر جو کچھ وقوع پذیر ہوا اس کے مقابلے میں یہ بہت کم ہے۔ ہیکل سلیمانی میں اس قدر خون بہا کہ اس میں لاشیں تیرتی پھرتی تھیں۔"

سقوط القدس 23 شعبان 492ھ (15 جولائی 1099ء) کو ہوا۔ عیسائی کمانڈروں نے اس کے بعد پوپ کو خوشخبری کا پیغام بھجوایا اور اس میں لکھا:

"اگر آپ دشمنوں کے ساتھ ہمارا سلوک معلوم کرنا چاہتے ہیں تو مختصراً اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ جب ہمارے سپاہی سلیمان علیہ السلام کی عبادت گاہ (مسجد عمر رضی اللہ عنہ) میں داخل ہوئے تو ان کے گھٹنوں تک مسلمانوں کا خون تھا۔"[1]

مگر یہ قتل عام بھی صلیبیوں کے غیظ وغضب کو سرد نہ کر سکا۔ تیسرے دن صلیبی قائدین نے ایک مجلس مشاورت منعقد کر کے فیصلہ کیا کہ یروشلم کے تمام باقی ماندہ مسلمانوں اور یہودیوں کو بھی قتل کر دیا جائے، چنانچہ مزید ایک ہفتے تک مقامی باشندوں کو چن چن کر موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ ایک چشم دید شاہد

[1] عالم اسلام پر سلطنت کی یلغار، ص: 257

البرٹ ڈی ایکس کے بیان کے مطابق نہ صرف محلوں، مسجدوں اور گلیوں میں لاشیں بکھری ہوئی تھیں بلکہ ویران مقامات پر بھی ان کے انبار لگ رہے تھے۔

ستر ہزار سے زائد مسلمانوں کی مظلومانہ شہادت اور قبلہ اول پر کفار کے قبضے سے عالم اسلام میں صف ماتم بچھ گئی، شعراء نے اشک انگیز مرثیے کہے۔ دمشق کے قاضی نے خلیفہ بغداد کے دربار میں اپنی ڈاڑھی نوچ ڈالی اور تمام حاضرین دربار زار و قطار روئے۔ مگر یہ نالہ و شیون بے فائدہ تھا۔ اس حادثے نے مسلم حکمرانوں کو وقتی طور پر جھنجھوڑا تو سہی مگر وہ وقتی جوش ٹھنڈا ہونے [illegible] کے بعد پھر ٹھنڈے پڑ گئے اور عملی طور پر کچھ کرنے سے گریزاں رہے۔ دربار خلافت بغداد نے سلطان برکیارق اور دوسرے سلجوقی شہزادوں کو متحد ہو کر القدس کی بازیابی کے لیے افواج تیار کرنے کی تاکید کی مگر یہ حکمران باہمی مناقشوں میں الجھے رہے اور اس قومی فریضے پر توجہ دینے سے قاصر رہے۔ مصر کے حکمران نے اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لیے افضل بن بدر جمالی کو ایک فوج دے کر القدس کی طرف بھیجا مگر یہ ناتجربہ کار فوج راستے ہی میں صلیبیوں سے بری طرح شکست کھا کر پسپا ہو گئی۔

بیت المقدس کے سقوط کے بعد مسیحی اقوام نے مقبوضہ شام و فلسطین کو تقسیم کر کے القدس، الرُّہا، طرابلس، انطاکیہ، اور یافا کی پانچ مستقل صلیبی ریاستیں قائم کر لیں۔ رمضان 512ھ (جنوری 1119ء) میں انہوں نے حلب کے قریب عزاز پر بھی قبضہ کر لیا اور یوں مسلمانوں کے لیے خطرات مزید بڑھ گئے۔

اس دور میں دنیائے اسلام کو ایک اور نہایت پر خطر تحریک کا سامنا بھی کرنا پڑ رہا تھا۔ یہ حسن بن صباح نامی ایک دہشت گرد کی خفیہ تنظیم تھی جس کا مرکز شمالی ایران کے بلند ترین کوہستان میں کوہ الموت کی چوٹیوں پر تھا۔ حسن بن صباح نے یہاں ایک مصنوعی جنت بنائی تھی جہاں "حوروں" کی ایک جھلک دکھا کر وہ اپنے مریدوں کو بڑی سے بڑی قربانی پر آمادہ کر لیتا تھا۔ یہ مرید خفیہ کارندوں کے طور پر دنیائے اسلام کے ہر ملک، ہر دربار اور ہر شعبے میں موجود رہتے تھے اور مرکز سے اشارہ ملتے ہی اپنے مخالفین کو خنجروں کا نشانہ بنا ڈالتے تھے۔ یہ تنظیم عالم اسلام کے لیے یورپ کے نصرانیوں اور مصر کی خودساختہ "فاطمی خلافت" سے کم خطرناک نہ تھی۔

غرض حالات نہایت پریشان کن تھے، عالم اسلام کے اکثر حکمران خانہ جنگیوں میں مست تھے، بعض صلیبیوں کے حلیف بن گئے تھے، ان میں سے کوئی ایک بھی نصرانیوں سے ٹکرانے کا حوصلہ نہ رکھتا تھا۔ [1]

یہی دن تھے جب کردستان کا ایک گمنام خاندان شام آ کر آباد ہوا...... یہ وہ خاندان تھا جس کی قسمت میں القدس کی بازیافت کی سعادت لکھ دی گئی تھی۔

---

[1] الکامل: 492ھ ۔ 493ھ، تاریخ الحروب الصلیبیۃ: 52 تا 58، تاریخ حلب: 1/65 ش

فصل:2

نجم الدین ایوب

موجودہ ایران عراق اور ترکی کی سرحدوں پر واقع ''کردستان'' کا علاقہ اپنے مخصوص جغرافیائی حالات، محل وقوع اور اپنے باشندوں کی طبعی خصوصیات کی بناء پر ہمیشہ سے ایک الگ پہچان رکھتا آیا ہے۔ قدیم جغرافیہ دانوں نے کردستان کی حد بندی آذربائی جان اور لُرستان کے درمیانی علاقے کے طور پر کی ہے مگر صحیح بات یہ ہے کہ وہ علاقے جہاں کردوں کی آبادی مستقل طور پر پائی جاتی ہے لُرستان سے ملاطیہ تک تقریباً چھ سو میل لمبائی میں جنوب مشرق سے شمال مغرب کی طرف پھیلے ہوئے ہیں، اس علاقے کی چوڑائی مختلف نقاط پر 120 سے 150 میل تک بدلتی رہتی ہے۔ موجودہ ایران کے شہر کرمانشاہ، سلماس، اُرمیہ اور خوئی، عراق کے ضلعے موصل اور اربل اور ترکی کے وہ علاقے جو دجلہ اور فرات کی وادی کا حصہ ہیں یا ایرانی سرحد سے متصل ہیں کردستان میں شامل ہیں۔ ان میں دیار بکر اور ارزن الروم قابل ذکر ہیں۔ کرد اپنے اصل علاقے کے علاوہ گرد و نواح کے تقریباً تمام ملکوں اور شہروں میں بھی پائے جاتے تھے۔ آج بھی یہ صورتحال برقرار ہے۔ [1]

مؤرخ المسعودی کے مطابق کرد اصل میں وہ ایرانی النسل لوگ ہیں جو قدیم عجمی حکمران ضحاک کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر ان پہاڑی علاقوں میں پناہ گزین ہو گئے تھے چنانچہ کردوں میں بعض ایرانی اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ تاہم پہاڑوں کی سخت کوش زندگی اور تمدنی دنیا سے دوری نے ان میں کچھ اور ممتاز خصوصیات پیدا کر دی ہیں جو انہیں ایرانیوں سے جدا کرتی ہیں۔

مگر دوسری طرف ان کی بیشتر خصوصیات اہل فارس سے مختلف ہیں۔ ایرانیوں کے برخلاف کردوں کی طبیعت تہذیب و تمدن کی نفاستوں اور علوم و فنون کی باریکیوں کی بجائے شمشیر دستاں کے جوہر دکھانے اور گھوڑوں کی پشت پر بلا تکان طویل سفر کرنے کی جانب مائل رہی ہے۔ یہ آزاد منش اور خود

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 17/165، 166 اور 200، 222

سرلوگ کبھی کسی حکومت کے تابع رہنا پسند نہیں کرتے۔ یہاں کے لوگ صدیوں پہلے کی طرح آج بھی ... دلیر، لڑاکا اور سخت مزاج شمار ہوتے ہیں۔ ان کی یہ عادات ایرانیوں کی افتادِ طبع سے الگ بلکہ برعکس ہیں، جنہیں دیکھتے ہوئے المسعودی کی روایت مشکوک ہو جاتی ہے۔

ماہرین انساب کا ایک اور قول جسے خاصی مقبولیت حاصل رہی ہے یہ ہے کہ کرد زمانہ ماقبل از اسلام کے عربوں کی نسل سے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو یمن کے غسانیوں سے بے زار ہو کر اس دور دراز علاقے میں چلے آئے تھے اور عرب سے بُعد اور عجم سے قرب نے انہیں اپنی زبان وتمدن سے محروم کر دیا مگر ایک حد تک عربوں کی قومی خصوصیات ان میں نمایاں رہیں۔ کردوں کے نسب کے بارے میں مذکورہ دونوں اقوال میں سے صحیح یا غلط کا فیصلہ کرنا مشکل ہے لیکن عرب مورخین نے دوسرے قول کو زیادہ پسند کیا ہے۔ اگر زبان کا فرق نہ ہو تو ایک کرد بالکل عرب بدو معلوم ہوتا ہے۔ اسلام سے پہلے کردوں میں جہالت اسی طرح راسخ تھی جیسے بدوؤں میں۔

اسلام کے دورِ زرّیں میں یہاں ایمان ومعرفت کی روشنی پھیلی مگر خلافت اسلامیہ کا دورِ زوال شروع ہوتے ہی جب جگہ جگہ آزاد اسلامی ریاستوں کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا تو "کردستان" بھی ایک ایسا آزاد خطہ بن گیا جہاں صرف طاقت کی زبان بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ یہاں لاقانونیت عروج پر تھی اور دور جاہلیت کی طرح چوری ڈاکہ اور راہ زنی جیسے بدنام پیشے مقامی باشندوں کی عادت ثانیہ بن چکے تھے۔ یہ فطری اوصاف کو صحیح راہنمائی نہ ملنے کا نتیجہ تھا جو ایسے ماحول میں ہمیشہ اسی طور پر ظاہر ہوا کرتا ہے۔ تاہم اس دور میں بھی کردوں کے وہ لوگ جنہیں اپنے طبعی جوہر صحیح رخ پر استعمال کرنے کا موقع ملا، دنیا کے بہترین معاشروں، ملکوں، درباروں، اداروں اور میدانوں میں خراج تحسین وصول کر رہے تھے۔ انہی نامور کردوں میں ایک نام شاذی بن مروان کا ہے۔

ہم کردستان کی ہمسایہ ریاست آذربائی جان کے شمال مشرقی حصے میں واقع شہر دوین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جہاں ہماری تاریخی داستان شاذی بن مروان ہی کی زندگی سے شروع ہو رہی ہے۔

دوین ☆ اس چھوٹے سے شہر میں بڑے بڑے علماء نے جنم لیا، امام غزالی رحمہ اللہ کے مشہور شاگرد شیخ نصر اللہ بن منصور الحیری کا تعلق اسی شہر سے رہا ہے۔ کسی زمانے میں یہ علاقائی دارالحکومت بھی رہا تھا۔ اس فصیل بند شہر میں مسلمانوں کے علاوہ یہودیوں اور نصرانیوں کی بھی خاصی تعداد آباد تھی۔ نواحِ شہر کے پہاڑوں میں دیہاتی لوگ بھیڑ بکریاں پالتے تھے اور دوین کے ہنر مند باشندے ان مویشیوں کے بالوں سے خوبصورت قالین بنتے تھے۔ ان قالینوں کو ایک خاص کیڑے سے حاصل کردہ رنگ سے

رنگ کر نہایت شوخ اور دلکش بنالیا جاتا۔ [1]

شاذی بن مروان جو کہ کردوں کے قبیلے کی ایک شاخ ''روادیہ'' سے تعلق رکھتا تھا، دوین شہر کے قریبی گاؤں ''اجدنا کن'' میں پیدا ہوا تھا۔ بعد میں اس نے شہری زندگی پسند کرتے ہوئے دوین میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ یہ دلیر اور باہمت کردان لوگوں میں سے تھا جن کی طبیعت میں کسی ایک منزل پر ٹھہر جانے کا مادہ نہیں ہوتا۔ وہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتے ہیں۔ شاذی شہر کے بااثر ترین لوگوں میں شمار ہوتا تھا، عزت وجاہت اور مال ودولت کے لحاظ سے اس کے پاس سب کچھ تھا، اس کی عمر کہولت کی حدود میں پہنچ چکی تھی، اس کے دو بیٹے ایوب اور شیرکوہ اس کے بڑھاپے کا سہارا بننے کے لیے موجود تھے۔ تاہم شاذی کو اس پر اطمینان نہ تھا۔ دوین اگرچہ شہر تھا مگر ایک نیم دیہاتی تہذیب کی عکاسی کرتا تھا، پھر نصرانیوں اور یہودیوں کی ملی جلی آبادی بھی یہاں بدمزگی کا باعث تھی۔ شاذی کو یقین تھا کہ اس کے باصلاحیت بیٹے یہاں رہ کر وہ مقام کبھی حاصل نہیں کرپائیں گے جو وہ اپنے تصور میں ان کے لیے دیکھا کرتا تھا۔ ''دوین'' چھوڑنے کا حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے شاذی کے لیے نئی منزل طے کرنا ضروری تھا۔ یہ نئی منزل بغداد سے بہتر کوئی اور نہیں ہوسکتی تھی۔ [2]

<u>منتشر عالم اسلام اور بغداد کا پرسکون جزیرہ</u> ❁ بغداد ایک ایسا پرسکون جزیرہ تھا جہاں سب کچھ پانے کی تمنا میں دنیا بھر کے لوگ کھنچے چلے آرہے تھے۔ منصور عباسی کا بسایا ہوا یہ عظیم شہر اگرچہ اپنی سابقہ سیاسی اہمیت کھو چکا تھا مگر علمی، صنعتی، تجارتی اور تعمیری لحاظ سے اس وقت بھی دنیا میں اس کا ہم پلہ کوئی نہ تھا۔ یہ امن وسلامتی کا ایک ایسا گہوارہ تھا جہاں ہر کوئی اپنی الگ دنیا آباد کر کے فکرِ جہاں سے بے گانہ ہوجاتا تھا۔ امراء کے لیے یہ عیش وراحت کی نہ ختم ہونے والی محفل تھی جس میں آنکھ کھولنے سے آنکھ بند کرنے تک کوئی وقفہ نہ تھا۔ عباسی خلفاء کے ذوق تعمیر نے اس خوبصورت شہر کو طلسماتی داستانوں کا مصداق بنادیا تھا۔ اس کی رونق ورعنائی کے ہوش ربا قصوں پر باہر کے لوگ مشکل سے یقین کرتے تھے۔

جیسا کہ بتایا جاچکا ہے، یہ دور عالم اسلام میں بڑی بدامنی کا تھا، یورپ کی جانب سے اسلامی دنیا پر حملے جاری تھے اور ان کے دفاع کے لیے مسلمانوں کے پاس کوئی متحدہ قوت موجود نہ تھی، جبکہ یورپی طاقتیں ''اتحاد میں یقینی کامیابی'' کے گر پر عمل پیرا ہوچکی تھیں۔ سلجوقیوں کے مردِ آہن ملک شاہ کی وفات، اس کے جانشینوں میں خانہ جنگی اور عبیدی حکمرانوں کی عاقبت نااندیشی کے باعث نصرانیوں کو عالم اسلام پر یلغار کا سنہرا موقع مل گیا اور بیت المقدس نصرانیوں کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ اس کے بعد ایک عرصے

[1] معجم البلدان: 3/328، صلاح الدین، لین پول، ص 8
[2] صلاح الدین، لین پول، ص 8

تک عالم اسلام کے مذہبی رہنما القدس کی آزادی کے لیے وقتاً فوقتاً آواز اٹھاتے رہے، ان کی پکار پر عوام جمع بھی ہو جاتے تھے جن کے دباؤ کے سامنے مجبور ہو کر مقامی حکمران القدس کی آزادی کے لیے اعلان جہاد بھی کر دیتے تھے مگر ان مہمات کی لہریں چند میلوں تک نصرانیوں کے مقبوضہ قلعوں سے ٹکرا کر واپس آجاتی تھیں۔ بغداد میں ملک شاہ سلجوقی کے جانشین سلطان برکیارق کے زمانے میں القدس کے حوالے سے ایک تحریک برپا ہوئی مگر اس کے بعد مسلم حکمرانوں کی بے اتفاقی اور خود خلافت بغداد کی عدم دلچسپی دیکھ کر عوام بھی خاموش ہو گئے۔ بغداد حسب سابق ایک خوابیدہ شہر تھا جہاں لوگ حسین خوابوں کی تعبیریں تلاش کرنے آرہے تھے۔ باہر کی دنیا، عالمی سیاست اور بیرونی خطرات سے اس جزیرے کو کوئی واسطہ نہیں تھا۔ ❶

<u>مجاہد الدین بہروز</u> ❀ شاذی نے دوین سے بوریا بستر باندھ کر بغداد جانے کے لیے سوچ بچار شروع کی تو اسے یاد آیا کہ اس کا ایک دوست ''مجاہد الدین بہروز'' وہاں کسی بڑے حکومتی منصب پر فائز ہے اور وہ اس سے مدد لے کر بغداد میں قدم جما سکتا ہے۔ رومی نسل کا گورا چٹا، بہروز ''دوین'' میں ایک کم حیثیت شخص تھا، بعض مورخ تو اسے غلام بتاتے ہیں اس کے باوجود وہ علوم وفنون میں ماہر تھا، قسمت آزمائی کرنے کیلئے دوین سے فارس اور پھر سلجوقی دربار میں جا پہنچا، وہاں اس کے علم وفضل کے باعث اسے پہلے سلطان وقت شاہ مسعود سلجوقی کے شہزادوں کا اتالیق بنایا گیا اور پھر جمال الدولہ کا خطاب دے کر بغداد شہر کا منتظم اعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔ شاذی کو بہروز سے پرانے مراسم کی وجہ سے خاطر خواہ تعاون کی امید تھی چنانچہ وہ ایک دن اپنے کنبے سمیت دوین سے روانہ ہوا اور کئی ہفتوں کے سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے بغداد پہنچ گیا۔ بہروز نے شاذی کا پرتپاک استقبال کیا، اسے اپنے پاس رکھا، شاذی یہاں اپنا اور اپنے بچوں کا مستقبل بنانے آیا تھا اور اب اس کے مخلص دوست بہروز کا اس سلسلے میں فکر مند ہونا لازمی تھا۔ ❷

<u>مسترشد باللہ</u> ❀ ان دنوں بغداد میں مسترشد باللہ مسند خلافت پر براجمان تھا، وہ سابقہ خلفاء کی بہ نسبت کئی حیرت انگیز خوبیوں کا مالک تھا، عیش وعشرت سے اس کا کوئی واسطہ نہ تھا، درویشوں کی طرح صوف کا لباس پہنتا اور قصر خلافت کے ایک گوشے میں عبادت خداوندی میں مشغول رہتا تھا، اس کا دور امن اور خوشحالی کا دور تھا۔ گزشتہ خلفاء کے زمانے سے عوام پر عائد ٹیکس موقوف کر کے اس نے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ اگرچہ خلافت عباسیہ کا دائرہ کار عملی طور پر بہت محدود ہو گیا تھا تاہم اس بچے کچے علاقے میں اس نے <u>شرعی احکام کے نفاذ کا غیر معمولی اہتمام کیا اور انتظامی لحاظ سے قابل تعریف</u>

❶ الکامل فی التاریخ: 6/338_602 ❷ ابن خلدون: 5/274، النجوم الزاہرہ: 6/2_4

تبدیلیاں لا کر نظام حکومت کو بہترین خطوط پر استوار کر دیا تھا۔ ۵

بغداد کے سیاسی پس منظر پر گزشتہ دو صدیوں سے ان خود مختار حکمرانوں اور سلاطین کا گہرا اثر تھا جن کے آبا و اجداد کبھی خلافت کے ادنیٰ جاگیر دار شمار ہوتے تھے۔ ان دنوں بغداد سلطان مسعود سلجوقی کے زیر اثر تھا اور ہر حکمران کی طرح وہ بھی دربار خلافت کے احترام کے باوجود اس مرکز اسلام کو اپنے سیاسی مفادات کے تابع رکھنا چاہتا تھا۔ بغداد میں اپنا منتظم اعلیٰ مقرر کرنے کی وجہ بھی یہی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ تُرک امراء بغداد میں خلیفہ کے محافظ کی نہیں بلکہ خلیفہ گر کی حیثیت رکھتے تھے۔ ایسے حالات میں بہروز نے محسوس کیا ترکوں کے مقابلے میں ایک کرد کے لیے بغداد میں ترقی کے امکانات زیادہ نہیں ہیں۔ چنانچہ وہ شاذی کے لیے کوئی اور مناسب جگہ سوچنے لگا۔

خوش قسمتی سے انہی دنوں سلطان مسعود نے بہروز کی کارکردگی سے خوش ہو کر اسے تکریت کی جاگیر بخش دی۔ بہروز کے لیے یہ ایک بہت بڑا انعام تھا مگر بغداد میں اپنے فرائض انجام دینے کے ساتھ وہ تکریت کی جاگیر کی دیکھ بھال نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے شاذی کو اس کام کے لیے موزوں سمجھا اور اسے وہاں جاگیر کا انتظام سنبھالنے پر رضامند کر لیا۔ کچھ دنوں بعد شاذی اپنے نوجوان بیٹوں اور کنبے سمیت تکریت چلا آیا۔

تکریت دریائے دجلہ کے کنارے ایک پُررونق شہر تھا۔ ایک نہایت مضبوط قلعہ اور بلند فصیل اس کے دفاعی انتظامات کے ناقابل تسخیر ہونے کا پتا دیتے تھے۔ شہری آبادی چند پہاڑیوں پر آبادی تھی جبکہ قلعہ شہر کے شمال میں ایک دو سو فٹ بلند چٹان پر تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ شہر مدینۃ الاسلام بغداد سے تیس کوس (90) میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ ۶

تکریت پہنچ کر شاذی کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ اس منزل تک پہنچ چکا ہے جس کی اسے برسوں سے تلاش تھی۔ دوین کا ایک دیہاتی کرد، وادیٔ دجلہ کے سرسبز و شاداب علاقے میں اتنی بڑی جاگیر اور اتنے مضبوط قلعے کے منتظم کی حیثیت سے جس عزت و توقیر کا مالک بن چکا تھا وہ اس کے آبا و اجداد میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اسے اطمینان تھا کہ اب وہ اپنی اولاد کے شاندار مستقبل کی بنیاد رکھ کر آرام سے سفر آخرت پر روانہ ہو سکتا ہے۔

کچھ مدت بعد شاذی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ تکریت ہی میں اس کی تدفین ہوئی جس پر بعد میں عقیدت مندوں نے ایک گنبد بنوا دیا۔ بہروز کو شاذی کی وفات کی اطلاع ملی تو اسے نہایت رنج ہوا۔ اس نے شاذی کے بڑے بیٹے ایوب کو باپ کے عہدے پر مقرر کر دیا۔ ۷

۵ الکامل فی التاریخ: 652/6، دول الاسلام للذہبی: 50/2، تاریخ الخلفاء، ص: 243
۶ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 693/6
۷ ابن خلدون: 271/5، کتاب الروضتین: 6_1/2

ایوب جو بعد میں نجم الدین کے لقب سے مشہور ہو کر نجم الدین ایوب کہلایا ایک ہوشیار، متحمل مزاج اور دور اندیش نوجوان تھا۔ تکریت کی قلعہ داری کا عہدہ سنبھالتے ہوئے اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ تقدیر خداوندی اس کے خاندان سے اتنا بڑا کام لینے کا فیصلہ کر چکی ہے جس کے تذکرے قیامت تک گونجتے رہیں گے اور مورخ تاریخ کا وہ باب نہایت سرمستی کے ساتھ تحریر کرے گا جس میں اس کی اولاد کی شمشیروں سے صلیبیوں کی صفیں درہم برہم ہوتی نظر آئیں گی۔

<u>شام کی سیاسی صورتحال</u>: کئی برس گزر گئے۔ تکریت کے قلعے میں نجم الدین ایوب نہایت تشویش کی نگاہ سے اس ہنگامۂ محشر کا نظارہ کر رہا تھا جو شام کے ساحلوں پر برپا تھا۔ بیت المقدس کے علاوہ انطاکیہ اور رہا (اڈیسہ) جیسے مضبوط ترین اسلامی مورچے تو بہت پہلے نصرانیوں کے قبضے میں آ گئے تھے مگر ان چند سالوں میں عکا، طرابلس، طرطوس اور حصن الاثارب سمیت درجنوں چھوٹے بڑے شہر اور قلعے بھی ان کے سامنے سرنگوں ہو چکے تھے۔ پھر 518ھ (1124ء) میں صیدون کا مستحکم قلعہ بھی نصرانیوں کے ہاتھ آ گیا اور شام کے ہر حاکم اور قلعہ دار کو اپنا علاقہ خطرے کی زد میں نظر آنے لگا۔ یہ شام کے ساحلی علاقوں میں نصرانیوں کے عروج کا زمانہ تھا۔ ان کی ناجائز ریاستیں شمال سے جنوب تک تقریباً آٹھ سو کلومیٹر طول میں پھیل گئی تھی۔ اگرچہ چوڑائی میں ان ساحلی مقبوضات کا رقبہ 80 کلومیٹر سے زیادہ نہ تھا مگر اس طرح شام کی تقریباً تمام اہم بندرگاہیں جو بحیرۂ روم کے ساتھ لگتی تھیں یورپ کے ہاتھ آ چکی تھیں۔ غزہ سے لے کر انطاکیہ کے شمال تک تمام ساحل ان کے پاس تھے۔ مختلف یورپی بادشاہوں کے نائبین اپنے مفتوحہ علاقوں کے خودمختار حاکم تھے۔ شام کے اندرونی علاقوں میں یہ عیسائی ریاستیں دمشق، حلب، بعلبک، حماۃ اور عمان جیسے اسلامی شہروں کے بالمقابل آ چکی تھیں۔ ان ریاستوں کی حد بندی اس طرح تھی:

1- انطاکیہ: یہ ریاست بحیرۂ روم کے ساحل پر لمبائی میں پالمیراموس سے مرغات کے شمال تک اور چوڑائی میں حلب اور حماۃ کے اسلامی شہروں تک پھیلی ہوئی تھی۔ قلعۂ اثارب، امامیہ اور معرئی اس کے اہم علاقے تھے، لاذقیہ کی اہم بندرگاہ بھی اس کا حصہ تھی۔

2- طرابلس: لبنان اور ساحل سمندر کے درمیان ایک پٹی کی شکل میں واقع ریاست "طرابلس" مرغات (مرکب)، کرک، جبیل اور طرطوسہ کے علاقوں پر مشتمل تھی۔ اس کے شمال میں انطاکیہ اور جنوب میں یروشلم (القدس) کی ریاست تھی۔

3- یروشلم: سرزمین بیت المقدس کو یروشلم کا نام دے کر ایک الگ ریاست بنا دیا گیا تھا جو فلسطین، لبنان اور شام کے اہم علاقوں سے لے کر اردن اور بحیرۂ مردار تک پھیلی ہوئی تھی۔ بیروت، صیدا،

قیساریہ، ارسوف اور یافا سے لے کر مصر کا سرحدی قلعہ عسقلان بھی اس کے تحت تھا۔

4۔ الرُّھا (اُڈیسہ Odessa): ان تمام ریاستوں کے شمال میں رُہا (اڈیسہ) کی ریاست تھی جو رقبے میں ان سب سے بڑھ کر تھی۔ یہ ساحل سے ہٹ کر شام اور عراق کے اندرونی علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس میں سروج، عین تاب، ساموسٹا، مرعش اور تل باشر جیسے علاقے شامل تھے۔

اس کی آخری سرحد دیار بکر سے جالتی تھی۔ دریائے فرات اس کے عین درمیان سے گزرتا تھا۔

نوٹ: بعض مؤرخین نے رُہا/اڈیسہ کا مصداق عزاز کو قرار دیا ہے جو حلب کا شمالی قلعہ تھا مگر یہ درست نہیں۔ اصل میں الرُّہا شمالی حران کا وہ شہر ہے جسے بازنطینی رومیوں نے آباد کیا تھا۔ یہ شہر بلخ کے منابع کے پاس ہے۔ اس کا یونانی نام callrho ہے جسے عربوں نے الرُّھا بنا دیا۔ صلیبی نوابوں نے پہلی صلیبی جنگ میں القدس کی فتح سے پہلے ہی اس شہر پر قبضہ کر کے ایک ریاست کی بنیاد ڈال دی تھی جو پھیلتی چلی گئی۔ عزاز اس کا ایک حصہ تھا جسے 512ھ میں فرنگیوں نے فتح کیا تھا۔

ان تمام ریاستوں کے حکمران القدس کے فرمانروا کو اپنا قائد تسلیم کرتے تھے اور یورپ سے تازہ بتازہ کمک کے ذریعے اسلامی سرحدوں کو مزید پامال کرنے کے لیے آئے دن کسی نہ کسی سرحدی قلعے پر حملے کرتے رہتے تھے۔ لین پول کے بقول:

"صلیبی اسلامی علاقوں میں اس طرح گھس گئے تھے جیسے لکڑی میں پچر ٹھونک دی جائے۔ کچھ عرصے تک یوں لگتا تھا کہ یہ پچر اسلامی سلطنت کے درخت کے پرخچے اڑا دے گی۔"[1]

نجم الدین ایوب کو یقین تھا کہ اگر دربار خلافت اور سلجوقی بادشاہت نے صلیبی جارحیت کی اس طوفانی لہر کا رخ بروقت نہ پھیرا تو صلیبیوں کو دریائے دجلہ عبور کرنے میں بھی زیادہ عرصہ نہیں لگے گا تاہم دربار خلافت کی حالت عالم اسلام کو درپیش بیرونی خطرات کے تحفظ کے حوالے سے نہایت مایوس کن تھی۔ سلجوقی بادشاہ جو کچھ عرصے پہلے تک مسلمانوں کی سطوت و ہیبت کا نشان تھے، بری طرح آپس میں گتھم گتھا تھے، الپ ارسلان اور ملک شاہ جیسے اولوالعزم حکمرانوں کے دو بڑے وارث سلطان مسعود اور سلطان محمود ایک نہ ختم ہونے والی کشمکش اقتدار میں مشغول تھے، یہ کھینچا تانی 525ھ میں اسی وقت رکی جب سلطان محمود دنیا سے رخصت ہوا۔ مگر اب سلطان مسعود کو اپنے چچا سلطان سنجر سلجوقی کی جہانگیری سے خطرہ لاحق ہو چکا تھا جو وسط ایشیا اور خراسان کے ایک وسیع علاقے کا حکمران تھا۔

---

[1] صلاح الدین، لین پول، ص: 24

اقتدار کے ان معرکوں کے درمیان بغداد کے خلیفہ مسترشد باللہ نے بڑی پامردی سے اپنے مقبوضات کا دفاع کیا اور ہر موقع پر خلافت کی بچی کھچی آن بان کو قائم رکھا۔ ان سیاسی چپقلشوں کے دوران کسی کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ وہ شام کے ساحل سے پورے عالم اسلام پر چھاتے ہوئے صلیبی خطرے کو قابل توجہ سمجھتا۔ ان حالات میں نجم الدین ایوب جیسے دردمند مسلمانوں کو کسی سے امید تھی تو وہ بصرہ اور واسط کا والی عماد الدین زنگی تھا جو فرنگیوں کو کئی معرکوں میں شکست دے چکا تھا۔ اس کی بہادری کی داستانیں عراق اور شام کے ہر فرد کی زبان پر تھیں۔

فصل:3

عماد الدین زنگی

سقوطِ القدس کے بعد تقریباً چالیس سال تک عالمِ اسلام پر شدید جمود طاری رہا تھا، مگر پھر یکا یک ان ساکت لہروں میں اضطراب پیدا ہوا اور عماد الدین زنگی کی شکل میں ایک چٹان عالمِ اسلام کے دفاع کے لیے ابھر آئی۔ عماد الدین زنگی کے پے در پے حملوں نے عیسائی فاتحین کے دماغ سے تمام اسلامی دنیا کو زیرِ نگین کرنے کا خیال نکال دیا اور وہ فلسطین اور شام کے مقبوضات کے دفاع ہی کو اپنی بڑی کامیابی سمجھنے لگے۔

عماد الدین زنگی کا باپ آق سنقر ملک شاہ سلجوقی کا معتمد ترین غلام تھا، ملک شاہ نے اسے قسیم الدولہ کا خطاب دیا تھا، وہ نہایت شریف، دلیر اور بیدار مغز انسان تھا۔ ملک شاہ نے اسے حلب کا حاکم بنایا تو اس کے عدل وانصاف کی ہر طرف تعریف ہوئی۔ اس نے موصل اور دیار بکر کو بھی ملک شاہ کے جانشین سلطان برکیارق کے لیے مسخر کیا۔ اس کے زیر انتظام علاقوں کا امن امان مثالی تھا۔ قافلوں کے راستے نہایت محفوظ تھے، لوگ چین کی زندگی گزار رہے تھے۔

488ھ (1095ء) میں آق سنقر سلجوقی بادشاہت سے وفاداری کرتے ہوئے قتل ہو گیا۔ اس وقت اس کا بیٹا عماد الدین صرف 10 سال کا تھا۔ آق سنقر کے ایک دوست ''کربوقا'' نے جو کہ موصل کا حاکم تھا، اس یتیم بچے کی پرورش کی یہاں تک کہ یہ بچہ کڑیل جوان بن کر موصل کی فوج میں بہادری کے جوہر دکھانے لگا اور اس کی غیر معمولی قابلیت مشہور ہوتی چلی گئی۔ کربوقا کے بعد موصل کے جتنے بھی حاکم تبدیل ہوئے، سب نے عماد الدین زنگی کی جرأت اور معرکہ دانی کو سراہا۔ پھر وہ سلطان محمود سلجوقی کے دربار سے وابستہ ہو گیا جس نے اس کی صلاحیت دیکھتے ہوئے 518ھ (1124ء) اسے واسط اور بصرہ کا جاگیردار بنا دیا، یہاں ایک سردار کی حیثیت سے اس نے خوب شہرت حاصل کی۔ پھر سلطان نے اسے اپنے شہزادوں کا خاص استاد مقرر کر دیا جسے اتالیق یا اتابک کہا جاتا تھا، یوں عماد الدین اتابک کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس نے سلجوقی بادشاہ کی خدمات انجام دیتے ہوئے حیرت ناک کارنامے انجام دیے۔

520ھ(1126ء) میں سلطان کی خلیفہ بغداد سے چپقلش کے دوران عمادالدین زنگی نے بغداد کی افواج سے واسط کو بڑی خوبی کے ساتھ بچایا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے بغداد پر اس زور کا جوابی حملہ بھی کیا کہ خلیفہ مصالحت پر آمادہ ہوگیا۔ اس واقعے نے سلطان کی نظر میں زنگی کا رتبہ بہت بڑھایا۔ اس نے اسے بغداد کا منتظم اعلیٰ بنادیا۔ 521ھ(1127ء) میں سلجوقی بادشاہ کے ماتحت موصل کا حاکم امیر برسقی فوت ہوا تو سلطان محمود کو عمادالدین اس عہدے کے لیے موزوں لگا۔ چنانچہ اسے موصل اور دیگر علاقوں کا حاکم بنادیا گیا۔ یہ موصل کی دولت اتابکیہ کا آغاز تھا۔[۸]

صلیبی خطرے کا ادراک: عمادالدین زنگی صلیبیوں کے خطرے کو پوری شدت سے محسوس کررہا تھا، ادھر الجزیرہ، کردستان اور شام کی چھوٹی چھوٹی مسلم ریاستوں کی خانہ جنگیوں کے باعث مسلمانوں کی طاقت منتشر ہورہی تھی اور اس طوائف الملوکی کو ختم کیے بغیر صلیبیوں سے بھرپور مقابلہ ممکن نہ تھا چنانچہ زنگی نے موصل کے نظامِ حکومت کو مضبوط کرکے ان بکھری ہوئی آزاد ریاستوں کی طرف پیش قدمی کی جن کی طاقت مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑانے میں صرف ہورہی تھی۔ اس نے نصیبین، سنجار اور خابور جیسے شہروں پر قبضہ کرکے اپنی عملداری شام کی سرحدوں سے ملادی۔ 523ھ(1129ء) میں وہ دریائے فرات عبور کرکے عیسائی مقبوضات کی راہ میں حائل مسلم ریاستوں کی طرف بڑھا۔ حصن بزاعہ، حماۃ، حلب اور حمص جیسے اہم شہر یکے بعد دیگرے اس کے سامنے سرنگوں ہوتے چلے گئے۔ اب وہ اور عیسائی آمنے سامنے آچکے تھے۔ 524ھ(1130ء) میں اس نے فرنگیوں کے مضبوط ترین قلعے ''حصن اثارب'' پر حملہ کردیا اور ایک خوں ریز جنگ کے بعد فرنگیوں کو شکست فاش دے کر قلعے کو منہدم کرادیا تاکہ آئندہ نصرانیوں کو یہاں قدم جمانے کا موقع نہ ملے۔

نصرانیوں کا دوسرا اہم قلعہ حارم تھا جس کے والی نے صلح کی درخواست کی تھی۔ عمادالدین کی فوج تھک چکی تھی۔ اس لیے اس نے حارم کی سالانہ نصف آمدنی وصول کرنے کے معاہدے پر صلح قبول کرلی۔ عمادالدین کی ان فتوحات سے حلب، حماۃ اور گردونواح کے بہت سے شہر نصرانیوں کے مظالم سے محفوظ ہوگئے اور ان علاقوں کے عوام نے مدتوں بعد سکھ کا سانس لیا۔

عمادالدین کی ان مہمات کے بعد اس کے آقائے ولی نعمت سلطان محمود سلجوقی کا انتقال ہوگیا اور اس کے دوسرے بھائیوں میں خانہ جنگی کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوگیا جس میں عمادالدین زنگی کو بھی حصہ دار بننا پڑا۔[۹]

---

۸ الکامل فی التاریخ: 6/607، ابن خلدون: 5/219_222

۹ الکامل فی التاریخ: 6/620_630، ابن خلدون: 5/223_226

راہِ جہاد کے دو مسافر: مشیتِ الٰہیہ نے نجم الدین ایوب کو عماد الدین زنگی سے ملانا طے کرلیا تھا۔ یہ ملاپ اس لیے ضروری تھا کہ اس سے ایک نئی کہانی وجود میں آنے والی تھی۔

سلطان محمود سلجوقی کی موت کے بعد 526ھ (1132ء) میں عراق وخراسان کی سیاست پر سلطان سنجر سلجوقی پوری طرح چھا گیا۔ اس نے سلطان مسعود کو شکست دے دی اور بغداد کو تابع رکھنے کے لیے عماد الدین زنگی کو دعوت دی کہ وہ بغداد کے منتظم اعلیٰ کی حیثیت سے وہاں پہنچے۔ چوں کہ یہ سب کچھ خلیفہ کی مرضی کے خلاف تھا اس لیے اس نے عماد الدین زنگی کو روکنے کی تیاری کرلی۔ 27 رجب 526ھ (13 جون 1132ء) کو عماد الدین زنگی اور بغدادی افواج میں بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ عماد الدین زنگی کے ساتھ بنو اسد کے سردار دبیس بن صدقہ کے جنگجو بھی تھے جو لشکر کا اہم ترین حصہ تھے۔ جنگ زوروں پر تھی کہ دبیس بن صدقہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا، دیگر امراء بھی اس کے پیچھے ہولیے۔ عماد الدین زنگی میدان میں تنہا رہ گیا، وہ اپنی عادت کے مطابق جم کر لڑتا رہا مگر جب اس کے ساتھی بہت کم رہ گئے تو اسے بھی پسپائی اختیار کرنا پڑی۔

اس نے بڑی شکستگی کی حالت میں موصل کا رخ کیا۔ راستے میں چند منازل طے کرنے کے بعد اس کے ساتھیوں کا تھکن سے برا حال ہو چکا تھا، وہ مزید سفر کے قابل نہیں تھے، سواریاں بھی جواب دینے لگی تھیں، زخمیوں کو علاج معالجے، سپاہیوں کو خوراک اور سواریوں کو چارے کی سخت ضرورت تھی۔ ایسے میں ان کی نظر دریائے دجلہ کے پار "تکریت" کے قلعے پر پڑی۔ یہ وہ مقام تھا جہاں مشیتِ خداوندی راہِ جہاد کے دو مسافروں کو ملانا چاہتی تھی۔

قلعہ دار نجم الدین ایوب دریا کے کنارے ٹھہرنے والی اس تباہ حال فوج کی درماندگی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ عام حالات میں شاید وہ اتنی آسانی سے کسی کو پناہ نہ دیتا مگر جب اسے معلوم ہوا کہ یہ عماد الدین زنگی کا قافلہ ہے تو اس نے قلعے کے دروازے کھول دیے۔ دریائے دجلہ پر کشتیوں کا پل بنا کر اس نے زنگی کے سپاہیوں کو اس طرف اتارا۔ مسافروں کے لیے خوراک اور سواریوں کے لیے چارے کا فوری بندوبست کیا، زخمیوں کے علاج معالجے کا بہترین انتظام کیا۔

عماد الدین زنگی پندرہ دن تک وہاں ٹھہرا رہا اور نجم الدین ایوب اس کی خدمت گاری کے لیے مستعد رہا۔ جب اتابک زنگی وہاں سے موصل روانہ ہوا تو اس کے دل میں نجم الدین کے لیے بڑی جگہ بن چکی تھی۔ [1]

زنگی کی نئی مہمات: ان دنوں زنگی کی زیادہ تر توجہ عراق کی سیاست پر تھی۔ چوں کہ ان دنوں خلیفہ

[1] ابن خلدون: 5/276، الکامل فی التاریخ: 6/631

مسترشد باللہ سے سلجوقیوں کی کشمکش وقفے وقفے سے جاری تھی لہٰذا خود زنگی بھی بعض مہمات میں بغداد کیخلاف صف آراء ہوا تاہم بعد میں اس نے خلیفہ سے صلح کر لی اور مرکز خلافت کا حسب سابق احترام کرنے لگا۔

خلیفہ مسترشد کے دور میں عماد الدین کو فرنگیوں کے مقابلے کے لیے کوئی نئی مہم شروع کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ البتہ وہ کردستان میں اپنی سرحدوں کو وسیع کرتا رہا اور 528ھ (1134ء) میں کردوں کے کئی قلعوں پر قابض ہو گیا۔ دمشق کا حاکم اسماعیل بن بوری شمس الملوک اپنی حکومت کی کمزوری کے باعث فرنگیوں سے خوفزدہ تھا۔ اس نے زنگی کو از خود دمشق پر قبضے کی دعوت دی۔ چنانچہ زنگی نے دمشق پر بھی حملہ کیا مگر شمس الملوک کے درباریوں نے دمشق کو زنگی کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ حاکم دمشق اپنے لوگوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ نئے حاکم کے نائب معین الدین انز نے شہر کا دفاع شروع کر دیا۔ زنگی محاصرہ کیے رہا مگر پھر خلیفہ مسترشد کی طرف سے صلح کے دباؤ پر اس نے یہ مہم ترک کر دی۔

<u>نجم الدین پر بہروز کا عتاب</u> ❁ نجم الدین ایوب نے زنگی کو پناہ دیتے ہوئے اپنے دل کی آواز پر لبیک کہا تھا، اس فیصلے میں کسی بیرونی دباؤ کا دخل نہ تھا۔ مگر جب بغداد میں اس کے سرپرست بہروز کو جس نے اس کردی خانوادے کو تکریت کی قلعہ داری سونپی تھی اس اقدام کی اطلاع ملی تو وہ ناراض ہوا اور اسے عاقبت نااندیشی قرار دیا۔ اس کے باوجود نجم الدین کو اپنے کیے پر کوئی ندامت نہیں تھی۔ تاہم انہی دنوں ایک اور حادثہ پیش آ گیا۔ نشانہ بازی کے دوران نجم الدین کی غلطی سے تیر بہروز کے ایک غلام کو لگا جو مہلک ثابت ہوا۔

نجم الدین کو اس واقعے سے سخت ندامت ہوئی، بہروز کے لیے بھی یہ بات بہت تکلیف دہ تھی مگر چوں کہ ایسا بلا قصد ہوا تھا اس لیے رعایت کی گنجائش نکل آئی۔

چوں کہ تقدیر الٰہی میں اس کردی خاندان اور زنگی خانوادے کے راستے ایک طے ہو چکے تھے اس لیے کچھ عرصے بعد ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا کہ نجم الدین کو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر موصل کی راہ اختیار کرنا پڑی۔

نجم الدین ایوبی کے صبر و تحمل کے برعکس اس کے چھوٹے بھائی شیر کوہ میں جوش کا عنصر غالب تھا، ایک دن اس نے شہر کے کسی بدقماش افسر کو جان سے مار ڈالا، اس افسر نے کسی لڑکی کو چھیڑا تھا، لڑکی نے آکر شیر کوہ سے فریاد کی وہ غضبناک ہو کر اس افسر کی تلاش میں نکلا اور اسے نیزے کے وار سے موقع پر ہی ہلاک کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ مقتول نصرانی تھا اور اس نے شیر کوہ سے بے ہودہ گوئی بھی کی تھی۔ اس دور میں مسلمانوں کے سیاسی و اخلاقی تنزل کے باوجود افسران تو کجا حاکم بھی عدالت کی گرفت سے آزاد نہیں تھے۔ اس لیے شیر کوہ کے ہاتھوں اس ماورائے عدالت قتل پر حکومت نے باز پرس کی۔ خود نجم الدین ایوب اس معاملے میں اپنے بھائی سے ناراض تھا، اس نے خون بہا دینے میں بھی بھائی کی مدد سے انکار

کر دیا اور اسے قید کر کے تمام صورتحال بغداد میں اپنے والی مجاہد الدین بہروز کو لکھ بھیجی۔ مجاہد الدین بہروز کو سخت رنج ہوا، اس نے جواباً لکھا:

''تمہارے باپ کا مجھ پر احسان ہے اس لیے میں تم دونوں بھائیوں سے سخت برتاؤ کرنا پسند نہیں کرتا۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ تکریت سے نکل جاؤ۔''[8]

<u>ایوب کے ہاں یوسف کی ولادت</u> ❁ نو ماہ ہوئے کہ نجم الدین کی اہلیہ اُمید سے تھی، اس دوران اس نے ایک عجیب خواب دیکھا تھا، کوئی کہہ رہا تھا:

إنَّ فِي بَطْنِكِ سيفًا مِن سُيوفِ اللهِ تعالى

''بلاشبہ تیرے شکم میں اللہ کی ایک تلوار ہے۔''[9]

ادھر نجم الدین ایوب اور اس کا بھائی اب تکریت سے نکل کر اپنی منزل کہیں اور تلاش کرنے پر مجبور تھے۔ وہ عہدوں سے معزولی کا حکم نامہ وصول کرنے کے بعد اپنا ساز و سامان لپیٹ کر نہایت دل شکستگی کے عالم میں کسی نامعلوم ٹھکانے کی طرف روانگی کی تیاری کر رہے تھے کہ انہیں ایک خوشخبری ملی...... گھر میں ایک بچے کی ولادت ہوئی تھی۔

عام حالات میں یہ یقیناً سب کے چہروں کو خوشی سے گلنار کر دینے والی نوید تھی۔ مگر یہاں نجم الدین ایوب کا غم اس مسرت پر غالب تھا۔ اس کی سرکاری نوکری ختم ہو چکی تھی، منصب چھن چکا تھا، سالہا سال کی کوشش اور محنت سے حاصل کردہ مقام خاک میں مل گیا تھا، خاندانی وقار پامال ہو چکا تھا، ایسے میں کوئی اچھی سے اچھی خبر بھی اسے خوش نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے مایوسی کے عالم میں اس بچے کو اپنے لیے منحوس تصور کیا جس کی آمد پر اسے اپنے گھر سے بے گھر ہونا پڑ رہا تھا۔ ان پریشان کن خیالات کا اظہار اس کے چہرے سے ہو رہا تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر اس کے کاتب نے کہا:

''اجازت ہو تو کچھ عرض کروں۔''

نجم الدین نے اثبات میں جواب دیا تو وہ بولا:

''معلوم ہوتا ہے آپ اس بچے کی ولادت کو نامبارک تصور کر رہے ہیں۔ مگر جو ہوا اس میں بھلا بچے کا کیا قصور! یہ تو اللہ کی تقدیر تھی۔ اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ بچہ کل ایک بہت بڑا بادشاہ بن جائے جس کی ساری دنیا میں شہرت ہو۔''

<u>غمزدہ نجم الدین ایوب اس بہلاوے سے کہاں بہلتا۔</u> اس نے اس جملے کو محض ایک مذاق خیال کیا

[8] الکامل فی التاریخ: 6/643، 648 [9] کتاب الروضتین: ج1 ص583

البتہ اب اسے بچے پر پیار آنے لگا۔ ❶

غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں...... اس کے سوا کون جانتا تھا کہ اس بچے کو دنیا کی تاریخ کے چند عظیم الشان فاتحین کی صف میں جگہ ملنے والی ہے۔ کسے خبر تھی کہ یہ اسلام کا وہ سپوت ثابت ہوگا جس کے کارناموں پر مسلمان ہمیشہ فخر کریں گے۔

یہ ایسا بادشاہ ہوگا جس کی شہرت تا قیامت رہے گی۔ تکریت کے قلعے کی سنگین وادیوں میں جنم لینے والے اس نومولود بچے کا نام "یوسف" رکھا گیا، یہی مستقبل کا "صلاح الدین ایوبی" تھا جس کے نام سے اس کے پورے خاندان اور ملت اسلامیہ کی تاریخ چمکنے والی تھی۔ یہ واقعہ 532ھ (1138ء) کا ہے۔

نجم الدین ایوب کو علم ہوتا کہ وہ کس فرزند کا باپ بنا ہے تو یقیناً اس کا رنج وغم مسرت وشادمانی کی انتہا میں تبدیل ہو جاتا۔ مگر ہر انسان کی طرح وہ بھی کل سے ناواقف تھا۔ وہ صرف آج کو دیکھ رہا تھا جس میں اس کے لیے کانٹے ہی کانٹے تھے۔ ❷

<u>نجم الدین، زنگی کے در پر</u>✽ تکریت سے نکلتے ہوئے نجم الدین ایوب کو عماد الدین زنگی کے سوا اور کوئی سہارا نظر نہیں آرہا تھا۔ اسے امید تھی کہ اتابک زنگی جس کی بلند ہمتی کا وہ شروع سے گرویدہ تھا، اسے نہیں بھولا ہوگا۔

یہ دور عماد الدین زنگی کے عروج کا تھا۔ ہر زبان اس کی شرافت، دلیری اور عدل وانصاف کا اعتراف کر رہی تھی، اس نے اپنا نظام حکومت اس خوبی سے چلایا کہ نظام الملک طوسی کے دور کی یاد تازہ ہوگئی۔ اس کے فرنگیوں کے خلاف جہادی کارنامے لوگوں میں مشہور تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے برسوں بعد عالم اسلام کو جہاد کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا تھا۔ نصرانیوں کی وہ طاقت جسے مسلمانوں کے انتشار نے ناقابل شکست بنا دیا تھا، عماد الدین زنگی کے پے درپے حملوں سے اپنا سابقہ رعب ودبدبہ کھونے لگی تھی۔

نجم الدین ایوب جب عماد الدین زنگی کے ہاں پہنچا تو وقت کا یہ شاہین صفت مجاہد شام سے نصرانیوں کو مکمل طور پر بے دخل کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اس نے نجم الدین ایوب جیسے قابل انسان کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا اور اسے فوج میں موزوں عہدہ اور جاگیر عنایت کی۔ عماد الدین زنگی نے آئندہ چند سالوں میں شام کے عیسائی مقبوضات اور وہاں کے ملت فروش مسلمان حکمرانوں کے خلاف زبردست مہمات انجام دیں۔ ذی الحجہ 533ھ (1137ء) میں اس نے بعلبک کا مشہور قلعہ بھی نصرانیوں کے حلیف مسلم امراء سے چھین لیا۔ ❸

---

❶ کتاب الروضتین، بحث 568ھ، [illegible]

❷ [illegible] 31 [illegible] 5/275 [illegible]، کتاب الروضتین: 2/254

❸ [illegible]، بحث 533ھ، کتاب الروضتین: 2/256

بعلبک کا نیا قلعہ دار: قلعے پر قبضہ کے بعد موصل کی فوج کے افسران ان دشمن امراء کو سولی دینے لگے جوان کے نزدیک ناقابل معافی تھے۔ عام طور پر زنگی اپنے مخالفین سے اتنا سخت سلوک نہیں کرتا تھا مگر بعلبک کے امراء نے قلعے پر اس افواج کے قبضے سے قبل شہر کے مال ومتاع اور سازوسامان کے تمام ذخائر تباہ کردیے تھے تاکہ حریف کو کوئی مالی فائدہ نہ ہو، اس لیے زنگی نے برافروختہ ہوکر اس حرکت کے ذمہ داروں کو سزائے موت سنائی تھی اور اب یہ قیدی سولی کے سامنے کھڑے تھے۔ ان میں ایک خوبصورت سن رسیدہ امیر بھی اپنے لڑکے کے ساتھ سزا کا منتظر تھا۔ لڑکے کا حسن وجمال چاند کو شرماتا تھا، جب اس کی باری آئی تو اس کے بوڑھے باپ نے آگے بڑھ کر زنگی کے سالار، امیر یاغیسانی سے کہا:

''تمہیں تمہارے آقا زنگی کا واسطہ! اس سے پہلے مجھے سولی دے دو تاکہ میں اپنے بچے کو اپنی آنکھوں کے سامنے دم توڑتا نہ دیکھوں'' یہ کہہ کر وہ رونے لگا۔

نجم الدین ایوب موصل کی فوج کے ایک افسر کی حیثیت سے وہاں موجود تھا۔ وہ یہ دردمندانہ جملہ سن کر تڑپ اٹھا، اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ چوں کہ سولی دینے کا ذمہ دار امیر یاغیسانی تھا، لہٰذا نجم الدین نے اس قیدی کی سفارش کرتے ہوئے اسے کہا کہ اس بے چارے کو رہا کردیا جائے۔

امیر نے کہا:

''یہ میرے اختیار میں نہیں۔ میں آقا کے حکم پر عمل کر رہا ہوں، حکم عدولی سے ڈرتا ہوں۔''

بے چین نجم الدین عمادالدین زنگی کے پاس جا پہنچا اور اسے یہ قصہ سنا کر قیدی باپ بیٹے کی رہائی کی درخواست کی۔ زنگی اتنا متاثر ہوا کہ اس نے تمام قیدیوں کو آزاد کرنے کا حکم دے دیا اور ساتھ ہی نجم الدین کی شرافت اور رحم دلی سے خوش ہوکر اسے بعلبک جاگیر کے طور پر دیا۔ [1]

بعلبک میں: ''بعلبک'' لبنان کا ایک تاریخی شہر ہے۔ یہاں قدیم مذاہب کے عبادت خانے اور بلندوبالا ستونوں پر ایستادہ عجیب وغریب محلات انسان کو صدیوں پرانے دور میں لے جاتے تھے۔ مقامی لوگوں کے مطابق ان محلات میں سے ایک حضرت سلیمان علیہ السلام کا تعمیر کردہ تھا۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی قبر بھی اسی شہر میں بتائی جاتی تھی۔ دمشق سے حمص جانے والی شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے اس کی عسکری حیثیت بھی غیر معمولی تھی۔ موسم کے لحاظ سے یہ شام کا سرد ترین علاقہ ہے جو سطح سمندر سے تین ہزار سات سو فٹ بلند ہے۔ اس کی آبادی ایک مضبوط فصیل سے گھری ہوئی تھی جس کے مغربی کونے پر بعلبک کا تاریخی قلعہ تھا۔ شہر کے اطراف میں میلوں دور تک سرسبز کھیتوں اور خوشنما گلستانوں کا سلسلہ تھا

[1] الکامل فی التاریخ: 7/28، تاریخ ابن خلدون: 5/275

جنھیں لبنان کے پہاڑوں سے نکلنے والا چشمہ ''راس العین'' سیراب کرتا تھا۔ [5]

نجم الدین ایوب یہاں بہت خوش تھا، اس صحت بخش پرفضا مقام میں اس کا نونہال یوسف خوب پروان چڑھ رہا تھا۔ نجم الدین شروع ہی سے اس کی تعلیم وتربیت پر بھرپور توجہ دے رہا تھا، ادھر عماد الدین زنگی نصرانیوں سے فیصلہ کن جنگ کے لیے دمشق پر قبضہ کرنا ضروری سمجھتا تھا جو بعلبک سے صرف 36 میل کے فاصلے پر تھا۔ اس کا حاکم نصرانیوں کا حلیف تھا۔ زنگی کے نزدیک اس کا وجود نصرانیوں سے کم خطرناک نہیں تھا۔ زنگی اس سے پہلے بھی دمشق پر زور آزمائی کر چکا تھا مگر اس کی مہم ناکامی کا شکار ہوئی تھی۔ تاہم بعلبک جیسے مضبوط قلعے کو اپنی آخر سرحدی چوکی بنانے کے بعد وہ کسی بھی مناسب موقع سے فائدہ اٹھا کر دمشق پر اچانک حملہ کر سکتا تھا۔

<u>دمشق پر زنگی کے حملے</u>: 534ھ (1140ء) میں عماد الدین کو دمشق کے حاکم جمال الدین کی موت کی خبر ملی۔ دمشق میں تھوڑی ہی مدت میں کئی حاکم تبدیل ہوئے تھے، تاج الملک نے 526ھ تک، شمس الملوک اسماعیل نے 529ھ تک اور محمود شہاب الدین نے 533ھ تک حکومت کی تھی۔ اس کے بعد جمال الدین محمد اپنی حکومت کے پہلے ہی سال فوت ہو گیا۔ زنگی کو جونہی اس کی موت کا پتا چلا اس نے بلا پس وپیش کے بغیر دمشق کا محاصرہ کر لیا مگر جمال الدین کے بیٹے مجیر الدین نے اپنے باپ کی مسند پر بیٹھتے ہی زنگی سے مقابلے کے لیے عیسائی قلعہ داروں کو مدد کے لیے بلا لیا، زنگی نے نصرانیوں کی آمد کی اطلاع پا کر محاصرہ اٹھا لیا۔ اور اس طرح یہ مہم بھی کامیاب نہ ہو سکی۔ اسی سال اس نے دوبارہ دمشق پر حملہ کیا مگر یہ کوشش بھی ناکام رہی۔

دمشق پر مجیر الدین کی حکومت 549ھ (1154ء) تک برقرار رہی۔ اس کے اور اس کے باپ کے دور میں سارا انتظام نائب معین الدین انز کے پاس رہا جو 544ھ (1149ء) میں فوت ہوا۔ [6]

<u>رُہا (اڈیسہ) کی فتح</u>: بعلبک پر قبضے کے بعد کئی سال تک عماد الدین زنگی اپنی ریاست کے اندرونی معاملات سلجھانے میں مصروف رہا اور اسے نصرانیوں کے خلاف فوج کشی کا موقع نہ مل سکا۔ اسے اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ اس کا کام ادھورا ہے مگر اس سے پہلے عراق کی سرحدوں کو لاحق خطرات کا تدارک ضروری تھا۔ چند سال بعد جب وہ الجھے ہوئے اندرونی مسائل سے فارغ ہوا تو اس کے سامنے سب سے پہلا ہدف اڈیسہ کی عیسائی سلطنت تھی جو شام سے لے کر ایشیائے کوچک اور عراق تک پھیلی ہوئی تھی۔ رقبے کے لحاظ سے یہ تمام عیسائی ریاستوں سے وسیع تھی۔ دریائے فرات کے مشرق

[5] کتاب الروضتین: 1/129 [6] اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 6/634، 635

میں یہ البیرۃ، سروج اور قرادی سے ماردین کے نواح تک پھیلی ہوئی تھی۔ رُہا اس کا مرکز تھا۔ دریا کے مغرب میں یہ تل باشر، عین تاب اور عزاز تک پھیلی ہوئی تھی۔

اس کا حاکم جوسلین دوئم جو اپنے باپ جوسلین اوّل کی موت کے بعد تخت نشین ہوا تھا، ایک درندہ صفت انسان اور نہایت متشدد عیسائی تھا۔ اسلام دشمنی اس کی گھٹی میں پڑی تھی۔ اس کے سپاہیوں کی لوٹ مار اور دہشت گردی سے گردونواح کی اسلامی آبادیاں سخت پریشان رہتی تھیں۔

عمادالدین زنگی نے اڈیسہ کے مرکز ''رُہا'' پر حملے کے لیے بڑی حکمت عملی سے کام لیا، اس قلعے کی اہمیت اور مضبوطی سے وہ خوب واقف تھا، اس لیے براہ راست وہاں کا رخ کرنے کی بجائے اس نے دیار بکر کی طرف پیش قدمی کی اور وہاں ایک قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ جوسلین جو کہ عمادالدین کی فوج کی نقل وحرکت کی خبرسن کر پریشان ہوگیا تھا، یہ دیکھ کر بے فکر ہوگیا کہ مسلمان فوج کردستان کی طرف نکل گئی ہے۔ اب وہ بھی رُہا کو چھوڑ کر تفریح کے لیے اپنی جاگیر ''تل باشر'' چلا گیا۔ جاسوسوں نے فوراً یہ اطلاع زنگی کو پہنچائی اور وہ بجلی کی طرح کردستان سے رُہا کی فصیلوں کے سامنے آن پہنچا۔ زنگی نے فوج کی ہمت بڑھانے کے لیے اعلان کیا:

''میرے ساتھ دسترخوان پر کھانا صرف وہ کھائے گا جو قلعے کے دروازے پر حملہ کرنے میں میرے ساتھ ہوگا۔''[۴]

سپاہی زنگی کے حملے کی تیزی سے خوب واقف تھے، جانتے تھے کہ امیر کے شانہ بشانہ حملہ آور ہونا ہنسی کھیل نہیں اس لیے سب چپ رہے۔ صرف ایک امیر اور ایک لڑکے نے ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ کسی نے لڑکے کو جھڑکا کہ تیرا وہاں کیا کام! زنگی نے ٹوک کر کہا:

''رہنے دو۔ بخدا مجھے اس کے چہرے پر لکھا نظر آرہا ہے کہ یہ پیچھے رہنے والا نہیں۔''[۵]

اگلے دن رہا کے دروازے پر حملہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے زنگی، اس امیر اور اس لڑکے نے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر دھاوا بولا۔ اُدھر سے ایک نائٹ نے پہلو سے آکر زنگی پر وار کیا، مگر امیر نے یکدم سامنے آکر زنگی کو بچالیا اور خود شہید ہوگیا۔ اس کی شجاعت دیکھ کر پوری فوج میدان میں کود پڑی۔ شہر کا سختی سے محاصرہ کرنے کے بعد اٹھائیسویں دن منجنیقوں کے ذریعے فصیل کو توڑ دیا گیا۔ اسلامی فوج رُہا میں داخل ہوگئی اور شدید جنگ کے بعد اس پر قابض ہوگئی۔

---

۴ الکامل فی التاریخ: 7/30، 31

۵ الکامل فی التاریخ: 7/47، 48، مرآۃ الزمان: 1/136، 140

عمادالدین زنگی نے شہر والوں سے نہایت فیاضانہ سلوک کیا اور تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔ یہ شاندار فتح 6 جمادی الثانیہ 539ھ (23 دسمبر 1144ء) کو نصیب ہوئی۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر مورخین اسے "فتح الفتوح" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ عالم اسلام میں اس پر خوشیاں منائی گئیں اور زنگی کا نام بغداد کے خطبے میں داخل کر لیا گیا۔[4]

رہا کے ہاتھ سے نکل جانے پر عیسائی دنیا ششدرہ رہ گئی تھی۔ عیسائی مورخین نے اسے شام کی صلیبی سلطنت کے زوال کا پہلا قدم قرار دیا ہے۔ مچاڈ لکھتا ہے:

> "یروشلم اور دوسرے شہروں کے نصرانیوں نے عزاز کی فتح اور تباہی کی خبر سن کر مایوسی کے اشک بہائے۔ دریائے فرات کے کناروں سے آنے والی منحوس خبروں نے انہیں اور بھی ڈرا دیا۔ حضرت مسیح کی قبر اور پہاڑ سے ان پر بجلی بھی گری۔ ایک دم دار ستارہ نظر آیا اور شدید خوف و ہراس پھیلا۔ مشرق کے نصرانیوں نے یقین کر لیا کہ آسمان ان کا مخالف ہو گیا ہے اور ان پر ہیبت ناک مصائب آنے کو ہیں۔"[5]

اس شکست سے مضطرب ہو کر پادریوں نے ایک نئی صلیبی جنگ برپا کرنے کے لیے جوشیلی تقریریں روع کر دیں۔ شاہان یورپ نے بڑی بڑی قربانیاں دینے کے دعوے کیے مگر فوری طور پر وہ کچھ نہ کر سکے۔

4۔ اسلامی تاریخ:5/26
5۔ سراج الدین:36

فصل: 4

بعلبک سے دمشق تک

زنگی اپنے حصے کا کام انجام دے چکا تھا۔ اسلامی دنیا پر نصرانیوں کی مزید جارحیت کا راستہ بند کر کے اس نے مسلمانوں کو آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی ہیئت میں لا کھڑا کیا تھا۔ ساٹھ سال کے تھکے ماندے جسم کو اب آرام کی ضرورت تھی۔ پھر بھی راحت و آرام کا لفظ اس کے لیے اجنبی تھا۔ نصرانیوں کو ایک شدید دھچکا پہنچانے کے بعد وہ اندرونی مہمات کی طرف متوجہ ہو گیا۔ 5 ربیع الثانی 541ھ (13 ستمبر 1146ء) کی شام وہ جعبر کے قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے تھا کہ اچانک چند غدار غلاموں نے اس کے خیمے میں داخل ہو کر اسے شہید کر دیا۔[1]

زنگی کی شہادت نے مسلمانوں کو جس قدر بے چین کیا، عیسائی اتنے ہی خوش ہوئے۔ مچاڈ کے بقول:

"اس کی موت کی خبر سے نصرانیوں نے اپنی شکستوں کا غم دور کیا اور اس قدر خوشی کا اظہار کیا گویا مسلمانوں کی ساری طاقت یک بارگی زمین بوس ہو گئی ہے۔"[2]

عماد الدین زنگی بڑا بہادر، شریف اور جنگجو انسان تھا۔ اس کی ہیبت کا یہ عالم تھا کہ ایک دن ایک سپاہی اپنی ذمہ داری سے غافل ہو کر سو گیا۔ آنکھ کھلی تو زنگی کو سر پر کھڑے پایا۔ جونہی اس کی نگاہیں اس شیر نر سے چار ہوئیں، خوف کے مارے وہیں دم توڑ دیا۔[3] زنگی جو ایک معمولی سپاہی تھا اپنی اولاد کے لیے ایک وسیع ملک چھوڑ گیا تھا۔ اس نے مسلمانوں کے لیے القدس کی آزادی کی راہ ہموار کر دی تھی۔

انقلابِ شام اور نجم الدین ایوب کی دمشق روانگی: عماد الدین زنگی کی موت کی خبر نے بعلبک کے در و دیوار بھی ہلا ڈالے۔ نجم الدین ایوب اس کے عواقب سے بے خبر نہ تھا۔ اپنے اندازے کے عین مطابق اس نے دیکھا کہ اتابک زنگی کی سلطنت فوراً دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔

[1] الکامل فی التاریخ: 7/67 تحت 562ھ
[2] گوشۂ حیات صلاح الدین، ص: 55
[3] الروضتین: ج 1، فصل ذکر بعض سیرۃ زنکی

حلب سمیت شام کے صوبے اس کے چھوٹے بیٹے نورالدین محمود زنگی کے پاس آگئے جبکہ موصل میں اس کا بڑا بیٹا سیف الدین غازی مستقل حکومت کا دعوے دار بن گیا۔ان دونوں میں اقتدار کی کشمکش کے دوران موقع پا کر دمشق کے حکمران نے بعلبک کا محاصرہ کرلیا۔نجم الدین نے اپنے آقازادوں سے کمک طلب کی مگر کوئی جواب نہ ملا۔

نجم الدین ایوب کو اتابک زنگی کی موت کا شدید ملال تھا۔سواس کے بیٹوں میں تقسیم شدہ سلطنت سے اسے کوئی خاص لگاؤ نہ رہا تھا۔وہ یہ بھی جانتا تھا کہ بعلبک کے لیے کسی کمک کا انتظار بے سود ہے کیونکہ اتابک زنگی کے جانشینوں کو باہم محاذ آرائی سے قطعاً فرصت نہیں تھی۔چنانچہ اس نے مسلمانوں کو کشت وخون سے بچانے کی خاطر بعلبک حاکم دمشق کے حوالے کر دیا اوراس کے بدلے اس نے دمشق میں ایک مکان اورنواحِ شہر میں دس دیہاتوں کی جاگیر حاصل کرلی۔مگراس کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے بھائی شیرکوہ کو زنگی خانوادے ہی سے وابستہ رکھنا پسند کیا۔[1]

نورالدین زنگی - ایک نیا ستارہ: زنگی کے جانشینوں میں نورالدین زنگی یقیناً اپنی ذہانت،شجاعت اور دینداری کے باعث قابل ترجیح تھا۔چنانچہ شیرکوہ حلب میں نورالدین زنگی کے دربار سے منسلک ہوگیا،یہاں اسے اپنی جنگجویانہ صلاحیتوں کے اظہار کا خوب موقع ملا اوروہ اسدالدین کے لقب سے مشہور ہوگیا۔وہ خوش قسمت تھا کہ اسے نورالدین زنگی جیسا بلند حوصلہ قائد نصیب ہوا تھا جو مردم شناس بھی تھا اور بہادروں کا قدردان بھی۔

نورالدین سچ مچ مجاہد فی سبیل اللہ تھا۔541ھ(1146ء) میں اپنے باپ کے قتل کے بعد سے لے کر اپنی موت تک وہ مسلسل نصرانیوں سے معرکوں میں مشغول رہا۔سب سے پہلے اسے رُہا کی بازیابی کے لیے جانا پڑا۔ہوا یہ تھا کہ رُہا کے سابق حاکم کاؤنٹ جوسلین دوم نے عمادالدین زنگی کی موت کے بعد موقع پا کر مقامی آرمنی باشندوں کو جو کہ مذہباً عیسائی تھے مسلمانوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرلیا۔ان سے گٹھ جوڑ کر کے وہ باقاعدہ فوج کے ساتھ رُہا پر حملہ آور ہوا اور(نومبر 1146ء) میں بڑی آسانی سے شہر پر قابض ہوگیا۔تاہم شہر کے مسلمان قلعے میں محصور ہوگئے جسے جوسلین فتح نہ کرسکا۔نورالدین نے یہ اطلاع پاتے ہی حلب سے رُہا کی طرف پیش قدمی کی اور شہر کا محاصرہ کرلیا۔اس طرح جوسلین کی فوج قلعے کے مسلمانوں اورنورالدین کے سپاہیوں کے درمیان محصور ہوگئی۔ایک رات نصرانیوں نے جان بچانے کے لیے شہر کے دروازے کھول دیے اورسر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔مگر قلعے

[1] ابن خلدون:5/235

کی فوج نے تعاقب کیا اور نور الدین کے لشکر نے بھی سامنے سے انہیں گھیر گھیر کر مارا۔ کاؤنٹ جوسلین جان بچا کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ رُہا شہر پر قبضے کے بعد اس پوری ریاست کا بچا کھچا علاقہ کچھ نور الدین نے فتح کر لیا اور کچھ پر مسعود بن قلیج ارسلان نے قبضہ جما لیا۔ اس طرح رُہا جو شام میں صلیبیوں کی سب سے پہلی اور سب بڑی ریاست تھی تقریباً پوری کی پوری نصرانیوں کے ہاتھوں سے نکل گئی۔ ①

رُہا کی فتح کی خوشی اس وقت دوبالا ہو گئی جب نور الدین کے بھائی سیف الدین غازی نے شام آ کر اس سے ملاقات کی اور اسے گلے لگا کر نصرانیوں کے خلاف متحد رہنے کا اعلان کیا۔

<u>دوسری صلیبی جنگ</u> ❋ مگر جلد ہی نور الدین زنگی کو ایک بہت بڑی آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔ شام کے عیسائی پادری یورپ پہنچ کر پوپ کو مسلمانوں کی ان فتوحات کی داستان سنا چکے تھے۔ یورپ میں ان خبروں سے ایک آگ سی لگ چکی تھی۔ میجاڈ لکھتا ہے:

> ''نصرانیوں کی سفارت کا بیان سن کر پوپ کے آنسو نکل آئے۔ رُہا کی مصیبتوں اور یروشلم پر آنے والے خطرات کے احساس نے سب میں رنج اور ڈر پیدا کر دیا۔ تمام یورپ میں خوف و دہشت کی پکار مچ گئی۔'' ②

پہلی صلیبی جنگ کی طرح اس بار بھی لوگوں کو بھڑکانا مشکل ثابت نہ ہوا۔ ایک پادری سینٹ برنارڈ اس اشتعال انگیزی میں پیش پیش تھا۔ (1146ء) میں فرانس کے شہر ویزلی کے مقام پر ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں سینٹ برنارڈ کی جوشیلی تقریر نے ایک کہرام مچا دیا۔ شاہ فرانس لوئی ہفتم نے خود سینٹ برنارڈ کے ہاتھ سے صلیب مقدس لی۔ لوگوں کے بے پناہ ہجوم کی وجہ سے اسے قلعے سے نکل کر میدان میں آنا پڑا۔ ایک چوبی مینار پر چڑھ کر اس نے صلیب سینے سے لگا کر سب کو دکھائی اور مجمعے کو جوش سے بے حال کر دیا۔

اب برنارڈ نے جرمنی کا رخ کیا۔ یہاں کے بادشاہ کونراڈ ثالث نے اس مہم میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ مگر برنارڈ نے کوشش جاری رکھی اور ایک دن اس کے سامنے مسلمانوں کے مظالم کی اتنی دردناک منظر کشی کی کہ بادشاہ بے اختیار رونے لگا اور سینٹ کے ہاتھ سے صلیب لے کر فوج کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ یوں فرانس میں دوسری صلیبی جنگ کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو گئیں۔ ان گنت لوگ صلیبی جنگ کے لیے روانہ ہونے کو تیار ہو گئے۔ میجاڈ لکھتا ہے:

> ''دیہات ویران اور قلعے خالی ہو گئے۔ سوائے یتیموں اور بیواؤں کے کوئی باقی نہ رہا۔''

① الکامل فی التاریخ: 7/57، 58 ② [illegible] حیات سلطان صلاح الدین، ص: 77

542ھ (1147ء) میں چار لاکھ فرانسیسی سپاہی شاہِ فرانس لوئی هفتم کی قیادت میں یورپ سے ایشیائے کوچک پہنچے اور شام کی طرف بڑھنے لگے، شام کی سرحد تک پہنچتے پہنچتے ان کی افواج کو قونیہ کے سلجوقی ترکوں نے بری طرح پامال کیا۔ موسم کی سختیوں نے بھی انہیں تباہ کیا۔ جب یہ فوج انطاکیہ پہنچی تو ایک لاکھ یعنی صرف ایک چوتھائی رہ گئی تھی۔ ادھر شاہِ جرمنی کونراڈ ثالث قسطنطنیہ سے بحری راستہ اختیار کر کے شام کے ساحلی شہر عکا پہنچ گیا۔ یہ دونوں بادشاہ یروشلم میں آ کر اکھٹے ہوئے اور راستے کے مصائب پر ایک دوسرے کے گلے لگ کر خوب روئے۔ جنگ کی منصوبہ بندی شروع ہوئی۔ شاہانِ یورپ نے شاہِ یروشلم بالڈون ثانی کے ساتھ مشورہ کر کے سب سے پہلے دمشق کو فتح کرنے کا فیصلہ کیا۔

دمشق کے امراء کا نصرانیوں سے صلح کا معاہدہ تھا مگر صلیبی لشکر نے اس کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔ شہر کی فصیل جو مٹی کی تھی گزشتہ صلیبی حملوں سے خاصی شکستہ ہو رہی تھی تاہم شہر کے باغوں کی گنجانی نے اسے ایک طرف سے محفوظ بنا رکھا تھا۔ بہرحال صلیبی لشکر نے دمشق کا سختی سے محاصرہ کر لیا۔ دمشق کے سالاروں میں نجم الدین ایوب بھی شامل تھا، جس نے نہایت پامردی سے شہر کا دفاع کیا۔ امرائے شہر نے بھی بڑے تدبر کا مظاہرہ کیا۔ دمشق کے نائب حاکم معین الدین انز نے مدد کے لیے سیف الدین غازی کو بلوالیا جو حلب سے نورالدین زنگی کو ساتھ لیتا ہوا حمص پہنچا اور صلیبی افواج سے مقابلے کے لیے تیار ہو گیا۔ صلیبی حکمران امرائے شام کے اتحاد، مقامی فوج کی زبردست مزاحمت اور حاکمِ دمشق کی سیاسی چالوں سے کچھ ایسے سٹپٹائے کہ ایک مدت کے محاصرے اور جھڑپوں کے بعد ناکام واپس لوٹ گئے۔ دمشق سے واپس جاتے ہوئے انہوں نے ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' کے بمصداق عسقلان کا محاصرہ کرنے کی بھی منصوبہ بندی کی مگر آخر میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر واپس جانا پڑا۔[1] مجاہد لکھتا ہے:

> ''اس محاصرے کا قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ ایوب جو خاندانِ ایوبیہ کا سردار تھا دمشق کی افواج کا سالار تھا۔ اس کے ساتھ اس کا لڑکا صلاح الدین بھی تھا جو ایک دن نصرانیوں پر اس طرح غالب آنے والا تھا کہ یروشلم کا مالک ہو جائے۔''[2]

صلیبی جنگجوؤں کی واپسی کے بعد بھی نورالدین زنگی کی یلغار رکنے میں نہ آئی۔ محرم 545ھ (مئی 1150ء) میں اس نے حلب کے شمال میں کاؤنٹ جوسلین کے دوسرے اہم قلعے عزاز کو بھی فتح کر لیا۔ اس مہم میں جوسلین خود بھی گرفتار ہوا اور نو سال قید میں رہنے کے بعد جیل ہی میں مرا۔ یہی جوسلین تھا جس نے نورالدین کے ایک امیر کو گرفتار کر کے اس کی زرہ قونیہ سلجوقی بادشاہ مسعود بن قلیج ارسلان کو بھیج کر کہا تھا:

[1] الکامل فی التاریخ: 7/67_69 [2] نوادر حیات صلاح الدین، ص: 78

''عنقریب نورالدین کو بھی گرفتار کر کے دکھاؤں گا۔''

نورالدین نے اس کی لن ترانی کا عملی جواب دے دیا تھا۔[1]

نو عمر یوسف: نجم الدین ایوب کا بیٹا یوسف اب چودہ برس کا ہو چکا تھا۔ اس نے دمشق پر اقوام یورپ کی اس یلغار کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور محاصرے کی سختیاں برداشت کی تھیں۔ دمشق جو کہ عالم اسلام کے قدیم علمی مراکز میں سے ایک تھا، بلاشبہ اس بچے کی تعلیم وتربیت کے لیے بہترین مقام تھا۔ صلاح الدین نے یہاں اپنا لڑکپن کس کس طرح گزارا، تاریخ اس بارے میں خاموش ہے۔ درحقیقت اس وقت کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ یہ عام سا سپاہی زادہ آگے چل کر کتنا بڑا انسان ثابت ہوگا۔

بہرصورت یہ بات یقینی ہے کہ صلاح الدین نے یہ دن فقط کھیلنے کودنے میں نہیں گزارے۔ اس کی جوانی میں ظاہر ہونے والے حیران کن کمالات اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ علم دوست انسان تھا۔ مروجہ علوم وفنون اور شعروادب کا اچھا ذوق رکھتا تھا، قرآن مجید سے اسے خاص شغف تھا، اسے تفسیر وحدیث کی کتابوں اور اسلامی تاریخ کے اوراق کھنگالنے کا بھی شوق تھا۔ ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس کی حربی تربیت بے مثال تھی۔ یقیناً اسے اپنے وقت کے چیدہ استاد ملے تھے، جنہوں نے ایک سنجیدہ اور بردبار لڑکے کو بہت کم وقت میں کامل سپاہی کے روپ میں ڈھال دیا۔ ان تمام باتوں سے بڑھ کر اس میں اسلامی غیرت وحمیت کا وہ مادہ پختہ ہو چکا تھا جو اسے اپنے باپ سے ورثے میں ملا تھا۔ اسے بعد میں زہد وتقویٰ میں جو مقام حاصل ہوا تھا اسے دیکھتے ہوئے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسے دمشق کے اولیاء، صوفیا اور مشائخ کی مجالس میں بیٹھنے کا موقع بھی ملا ہوگا۔ یہ وہ اوصاف تھے جو صلاح الدین کو بیس برس بعد اسلامی تاریخ کا مایہ ناز جرنیل، مثالی حکمران اور بے نظیر فاتح بنانے میں معاون ثابت ہوئے۔

دمشق پر نورالدین کا قبضہ: دوسری صلیبی جنگ کے چند سالوں بعد تک نجم الدین ایوب اپنی بہترین کارکردگی کے باعث دمشق کی فوج کا سپہ سالار بن چکا تھا جبکہ اس کا بھائی شیر کوہ نورالدین زنگی کی فوج میں بلند مقام حاصل کر چکا تھا۔ نورالدین زنگی اپنے باپ کے ادھورے کام کی تکمیل میں مصروف تھا۔ اس نے کئی بڑے دشمنوں کی سرکوبی کی تھی اور کئی محاذوں پر نصرانیوں کو چھٹی کا دودھ یاد دلایا تھا مگر باپ کی ایک ادھوری مہم کو وہ اب تک پورا نہیں کر پایا تھا۔ یہ دمشق پر قبضے کا خواب تھا جسے پورا کیے بغیر القدس کی بازیابی تقریباً ناممکن تھی۔

موصل میں نورالدین زنگی کا بھائی سیف الدین غازی 544ھ (1150ء) میں وفات پا گیا تھا اور

[1] کتاب الروضتین: 1/60

اس کی جگہ قطب الدین مودود برسراقتدار تھا۔ نورالدین اور مودود میں کچھ دنوں تک سیاسی چپقلش چلی تھی مگر اب دونوں کے تعلقات بہتر ہو گئے تھے لہٰذا نورالدین کو دمشق پر قبضے کا اس سے بہتر موقع اور کوئی نہیں مل سکتا تھا۔

اس کا بہترین سالار شیرکوہ جسے اس نے حمص اور رحبہ جیسے علاقے بطور جاگیر بخش دیے تھے، دمشق کو آسانی سے فتح کر سکتا تھا، کیوں کہ دمشق کا سالار اس کا بڑا بھائی نجم الدین تھا۔ دونوں بھائی الگ الگ حکومتوں سے وابستہ ہونے کے باوجود اُمت کے مفاد کے لیے ہم فکر تھے۔

دمشق کی حکومت ان دنوں اتنی کمزور تھی کی عیسائی کسی بھی وقت اس پر قبضہ کر سکتے تھے۔ اگر چہ ضابطے کے طور پر دمشق کے حاکم نے اپنے بچاؤ کے لیے فرنگیوں سے صلح کر رکھی تھی مگر اس کے باوجود آس پاس کے علاقوں پر ان کی لوٹ مار کا سلسلہ جاری تھا۔ اگر نجم الدین ایوب جیسا بیدار سالار نہ ہوتا تو فرنگی ان تمام علاقوں کو تاراج کر ڈالتے مگر نجم الدین نہایت ہوشیاری سے دمشق، بعلبک اور دیگر ملحقہ آبادیوں کی مدافعت کرتا رہا۔ 546ھ (1151ء) کے موسم سرما میں جبکہ وہ بعلبک میں تھا اسے فرنگیوں کی ایسی ہی لوٹ مار کی اطلاع ملی۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے شمس الدولہ توران شاہ کو بھیج کر ان ظالموں سے مسلمان قیدیوں کو آزاد کرایا۔ اپنے دوسرے بیٹے صلاح الدین یوسف کو اسی سال اس نے شیرکوہ کے پاس حلب بھیج کر سلطان نورالدین کے دربار سے وابستہ کر دیا تھا۔ یہ صلاح الدین اور نورالدین کے تعلقات کا نقطۂ آغاز تھا۔

نجم الدین کے خاندان سے ان تعلقات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے صفر 549ھ (اپریل 1154ء) میں نورالدین زنگی نے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ حاکم دمشق مجیر الدین میں مزاحمت کی طاقت نہیں رہی تھی اس کا نائب معین انز جو نہایت ہوشیاری سے نظام حکومت چلاتا رہا تھا، پانچ سال پہلے فوت ہو چکا تھا۔ نورالدین نے شیرکوہ کے ذریعے نجم الدین ایوب سے مذاکرات کیے۔ دونوں بھائی اس پر متفق ہو گئے کہ مسلمانوں کے وسیع تر مفاد میں دمشق کو نورالدین زنگی کے حوالے کر دینا بہتر ہے۔ چنانچہ چند دنوں کے اندر دمشق پر نورالدین زنگی کا قبضہ مکمل ہو گیا۔

دمشق پر نورالدین زنگی کا قبضہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ مصر اور شام کے درمیان اہم ترین مورچہ عسقلان صرف ایک برس پہلے نصرانیوں کے قبضے میں آ چکا تھا اور گردونواح کے تمام اسلامی شہر بالکل غیر محفوظ تھے مگر اب دمشق میں نورالدین کے ہوتے وہ آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔[9]

<u>صلاح الدین یوسف ...... کوتوالِ شہر</u> ❊ نورالدین زنگی کے دمشق پر قبضے کے بعد دربار زنگی میں نجم

[9] ابن خلدون: 5/239؛ الروضتین: 1/275، 405؛ الکامل فی التاریخ: 7/110، 111

الدین ایوب کا مرتبہ اپنے بھائی شیر کوہ سے بھی بڑھ گیا۔ ایوب کا بڑا لڑکا توران شاہ دمشق کا کوتوال مقرر کر دیا گیا تھا۔ کئی سالوں بعد نورالدین زنگی نے نجم الدین ایوب کے دوسرے بیٹے یوسف کی صلاحیتوں کا اندازہ لگاتے ہوئے یہ عہدہ اسے سونپ دیا۔ کوتوال شہر کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس کی عمر بیس سال کے لگ بھگ تھی۔ عرقلہ نامی ایک شاعر اس کا دوست تھا۔ اس کے کوتوال بننے پر اس نے درج ذیل اشعار کہے:

لُصُوْصَ الشَّامِ تُوْبُوْا مِنْ ذُنُوْبٍ　　تُكَفِّرُهَا الْعُقُوْبَةُ وَالْأَصْفَادُ
لَئِنْ كَانَ الْفَسَادُ لَكُمْ صَلَاحاً　　فَمَوْلَانَا الصَّلَاحُ لَكُمْ فَسَادُ

"شام کے چورو! گناہوں سے توبہ کر لو۔ سزا اور بیڑیاں تمہارے گناہوں کا کفارہ بن جائیں گی۔ اگر (تمہارے خیال میں) شر وفساد ہی سے تمہاری اصلاح ہو سکتی ہے تو اب محترم صلاح الدین تمہارے فساد کا بدلہ دینے آ گئے ہیں۔"

اس نے یہ اشعار بھی کہے:

رُوَيْدَكُمْ يَا لُصُوْصَ الشَّامِ　　إِنِّيْ لَكُمْ نَاصِحٌ فِيْ مَقَالِ
وَإِيَّاكُمْ وَسَمِيَّ النَّبِيِّ　　يُوْسُفَ رَبِّ الْحِجَى وَالْجَمَالِ
فَذَاكَ مُقَطِّعُ أَيْدِي النِّسَاءِ　　وَهٰذَا مُقَطِّعُ أَيْدِي الرِّجَالِ

"شام کے چورو! باز آ جاؤ، میں تمہاری خیر خواہی کی بات کر رہا ہوں۔ تم پیغمبر کے اس ہم نام یوسف سے بچ کر رہنا جو عقل اور حسن کا مالک ہے۔ وہ (یوسف علیہ السلام) تو عورتوں کے ہاتھ قطع کرتے تھے یہ مردوں کے ہاتھ کاٹا کرتا ہے۔"[1]

صلاح الدین نے کچھ مدت بڑی خوش اسلوبی سے کوتوالی اور دیوان (مرکزی دفتر) کے فرائض انجام دیے مگر پھر دیوان کے منتظم ابوسالم ہمام سے اس کا کسی مسئلے پر اختلاف ہو گیا۔ صلاح الدین نے اس قضیے سے بددل ہو کر دمشق چھوڑ دیا اور نورالدین زنگی کے پاس حلب چلا گیا۔ زنگی نے ابوسالم کو قصوروار ٹھہرایا اور اس کی ڈاڑھی مونڈوا کر پورے دمشق میں گشت کروایا جب کہ صلاح الدین کو مستقل طور پر اپنے دربار سے وابستہ کر کے خواص میں جگہ دی۔ مورخ ابن ابی طے کہتا ہے کہ نورالدین سفر وحضر ہر موقعے پر صلاح الدین کو ساتھ رکھا کرتا تھا۔

صلاح الدین کی زندگی کا ایک یادگار واقعہ 552ھ (1157ء) میں شام کے شہر حماۃ میں پیش آیا تھا۔ وہ اور نورالدین زنگی کا ایک غلام عبید جو حماۃ میں سامان کی نقل وحمل پر مامور تھا کسی اہم ذمہ داری

[1] کتاب الروضتین: 1/319

کے سلسلے میں وہاں ٹھہرے ہوئے تھے کہ زبردست زلزلہ آیا جس سے پورا حماۃ شہر تباہ ہوگیا، تاہم وہ مکان جس میں صلاح الدین اور عبید تھے بالکل محفوظ رہا۔ ظاہر ہے اس وقت کون تصور کرسکتا تھا کہ قدرتِ خداوندی نے صلاح الدین کو کس عظیم کام کے لیے بچا کر رکھنا طے کیا ہوا ہے تاہم صلاح الدین کے مدح خواں شاعر عرقلہ نے اس بارے میں یہ ضرور کہہ دیا:

قُل لِصَلاحِ الدِّينِ رَبِّ النَّدىٰ   بَلِّغْ عُبَيْداً كُلَّ ما أمَّلَه
بِثِقْلِهِ لَمَّا تَصَاحَبْتُمَا   سَلَّمَكَ اللهُ مِنَ الزَّلْزَلَة

"محفل کے صدر صلاح الدین سے کہو کہ غلام کو اس کے سامان سمیت ہر اس جگہ پہنچا دو جہاں جانے کا اسے ارمان ہو۔ کیونکہ جب تم نے ایک دوسرے کا ساتھ نبھایا تو اللہ نے تمہیں زلزلے سے محفوظ رکھا۔"[1]

اس واقعے کے دو سال بعد موصل کے کسی شخص نے مقامی بزرگ شیخ عمر ملا کو کہا: "رات میں نے خواب دیکھا کہ ایک اجنبی سرزمین خنزیروں سے بھری ہے۔ ایک شمشیر زن انہیں مارتا کاٹتا چلا جارہا ہے۔ لوگ یہ منظر دیکھ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں یا مہدی؟ جواب ملا: یہ یوسف ہے۔" علماء نے تعبیر دی کہ عن قریب یوسف نامی کوئی شخصیت نصرانیوں کا قلع قمع کردے گی۔ عام خیال تھا کہ خواب کا یہ اشارہ نئے عباسی خلیفہ مستنجد باللہ کے لیے ہے جو اسی سال مسند خلافت پر بیٹھا تھا۔[2] کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ یہ سعادت حلب کے چوبیس سالہ یوسف کے نصیب میں لکھی ہے جو ابھی ایک عام سرکاری افسر ہے۔

زنگی کو چوگان کا بے حد شوق تھا۔ وہ جہاد کی نیت سے یہ کھیل باقاعدگی سے کھیلتا اور کھلاڑیوں کی حوصلہ افزائی کرتا۔ بعض اوقات رات کو شمعوں کی روشنیوں میں بھی چوگان کا مقابلہ منعقد کیا جاتا۔ صلاح الدین اور اس کا باپ نجم الدین دونوں اس کھیل کے ماہر تھے۔ اس لیے زنگی کے ہاں قدرتی طور پر ان کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔[3]

زنگی کے ساتھ صلاح الدین کی زندگی کے گیارہ بارہ سال ہوا کے جھونکے کی مانند گزر گئے۔ اس مردِ انسان شناس نے صلاح الدین کی کارکردگی سے متاثر ہوکر 563ھ (1167ء) میں اسے حلب اور کفر طاب میں جاگیریں بھی دیں۔ یہی سال تھا جب زنگی اور صلاح الدین دونوں چوگان کھیل رہے

[1] کتاب الروضتین: 339/1
[2] کتاب الروضتین: تحت 553ھ
[3] کتاب الروضتین: 1: 313، 36/2

تھے کہ صلاح الدین کا گھوڑا پھسل کر گر پڑا اور وہ زخمی ہو گیا۔ کاتب عماد اصفہانی نے اس موقع پر صلاح الدین کے لیے چند تعزیتی اشعار بھی کہے۔ [۱]

حکومتی نظم و نسق اور جاگیرداری نظام پر ایک نگاہ ﷺ یہاں یہ اہم حقیقت پیش نظر رہے کہ اس دور میں مسلمان حکمرانوں کی طرف سے کسی شخص کو کسی علاقے کا حاکم بنانے، کوئی قلعہ یا شہر سپرد کرنے یا کوئی جاگیر کسی کے نام کرنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا تھا کہ وہ زمین اس کی ملکیت ہو گئی ہے، وہ اسے خرید یا بیچ سکتا ہے، یا اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکتا ہے۔ جاگیریں نام کرنے کا یہ نیا مفہوم انگریز دور کا ہے جس میں جاگیردار کو زمین کی ملکیت دیدی جاتی تھی۔

اسلامی دور میں جاگیریں یا علاقے سپرد کرنے میں ملکیت نہیں تولیت مراد ہوتی تھی یعنی جاگیردار یا نائب اس علاقے کی آمدن و خرچ اور دیگر امور کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آج کل کسی کو کسی مسجد کا متولی، مدرسے کا مہتمم یا کسی ٹرسٹ ادارے کا ذمہ دار بنا دیا جائے۔ مسلم سلاطین کے ماتحت جاگیرداری اور نیابت کا منصب ایک ٹھیک ٹھاک آمدن کا ذریعہ تھا کیونکہ جاگیردار کو اپنے زیرِ انتظام علاقے کی پیداوار کے محصولات کا ایک طے شدہ حصہ بطورِ اجرت یا تنخواہ ملا کرتا تھا۔ یہ طے شدہ حصہ پانچ فی صد، دس فی صد یا زائد بھی ہو سکتا تھا۔ اگر کسی علاقے کی سالانہ پیدوار پانچ لاکھ دینار کے مساوی ہوتی، اور اس سے محصولات کی مد میں پچاس ہزار دینار وصول ہوئے تو دس فی صد اجرت کے لحاظ سے جاگیردار کو سالانہ پانچ ہزار دینار (آج کل کے پچاس ساٹھ لاکھ روپے) آرام سے مل جاتے تھے جو ایک خوشحال زندگی گزارنے کے لیے کافی تھے۔ لیکن اس منصب کو نبھانا آسان نہیں تھا۔ جاگیردار اور نائبین سلطنت اپنے علاقوں کے تمام امور کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ حکومتی اخراجات کے لیے ذرائع آمدن پیدا کرنا، ان کا پورا حساب رکھنا اور آمدن کو طے شدہ مصارف میں خرچ کرنا ان کا اوّلین کام تھا۔ آمدن کا بڑا حصہ مختلف سرکاری اداروں کے اخراجات نیز عوام کی فلاح و بہبود، شفاخانوں، تعلیم گاہوں، مساجد، خانقاہوں، سڑکوں، قلعوں، سراؤں اور حفاظتی چوکیوں کی تعمیر مرمت اور دیکھ بھال میں خرچ کیا جاتا تھا۔ وقف اداروں کے اخراجات میں تعاون کرنا، مفلسوں، غریبوں اور ضرورت مندوں کو حسب استحقاق مالی تعاون فراہم کرنا بھی حاکم یا جاگیردار کی ذمہ داری تھی۔ اس کے ساتھ مقامی فوج کے جملہ اخراجات اور سرکاری ملازموں کی تنخواہوں کی ادائیگی بھی حاکم یا جاگیردار کے سپرد ہوتی تھی۔ علاقے کی آمدن کا ایک طے شدہ حصہ، مرکز کو بھیجنا ضروری ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اشد ضرورت کے وقت مرکز قرض بھی طلب کر سکتا تھا۔

[۱] کتاب الروضتین: 2/30، 2/30

سرحدی علاقے میں سرحد کی حفاظت اور اس کے جملہ مصارف بھی جاگیردار کے سر ہوتے۔ سپاہیوں کی بھرتی اور تربیت کے علاوہ جب مرکز کو اضافی فوج کی ضرورت ہوتی تو سپاہیوں کی فراہمی اور بروقت روانگی کے امور بھی حاکم انجام دیتا۔

یہ تمام مصارف مرکز کو بھی درپیش ہوتے تھے مگر اس کے علاوہ بھی کچھ اخراجات کی مدیں تھیں جو صرف مرکز پر لاگو ہوتی تھیں جن میں قابل افراد کی مالی حوصلہ افزائی کرنا، اہل علم ودانش اور عسکری کارناموں کے حامل لوگوں کو تحائف دینا، بیرونی وفود کا اعزاز واکرام کرنا، مخالفین کی وفاداریاں پانے یا کسی حریف سے صلح کرنے کے لیے انہیں حسب طلب مال فراہم کرنا وغیرہ سرفہرست ہیں۔ یہ تمام اخراجات سرکاری خزانے سے دیے جاتے تھے اور ملکی قانون میں یہ طے شدہ تھا کہ حکمران امور مملکت کی بہتری، سلطنت کی ساکھ، سرحدوں کی حفاظت، حکومتی انتظام اور دربار کے وقار کے لیے سرکاری رقم استعمال کرسکتا ہے۔ بڑے عہدے داروں، مثلاً وزراء، قاضیوں اور سپہ سالاروں کی تنخواہوں اور ان کے لیے اعزاز واکرام کے خرچوں کی ادائیگی بھی مرکزی خزانے سے ہوتی تھی۔ شاہی خاندان کے جملہ اخراجات کی مد بہت اہم تھی جو شاہی خزانے سے ادا کی جاتی تھی۔ اگر بادشاہ محتاط ہوتے تو مناسب حد تک ہی لیتے۔ اگر اسراف پسند یا ظالم ہوتے تو بے دریغ خزانہ اپنے خاندان پر لٹاتے۔ تاہم خزانہ یا بیت المال بہرحال ایک عوامی وسرکاری امانت ہوتا تھا جو قانونی طور پر قاعدے ضابطے کے تحت آتا تھا۔ اس کے حساب کتاب کے لیے خازن، نائب خازن اور منشیوں کا پورا عملہ ہوتا تھا۔

صوبوں اور مرکز کے یہ مصارف لاکھوں دینار اور کروڑوں درہم کو پہنچ جاتے تھے۔ صوبوں اور شہروں میں محصولات علاقے کی پیداوار سے حاصل کیے جاتے تھے۔ حاکم کے کارندے زمینداروں، کاشت کاروں، گلہ بانوں اور تاجروں سے زکوٰۃ وعشر وصول کرتے تھے۔ تجارتی قافلے بھی ٹیکس ادا کر کے کسی سرحد کو عبور کرتے تھے۔ بعض جگہ ان کے علاوہ بھی ٹیکس عائد کیے جاتے تھے تاہم شریعت پر پختہ حکمران زائد ٹیکس عائد کرنے سے حتی الامکان اجتناب کرتے تھے۔ کبھی کبھی مرکز کو بیرونی فتوحات اور جہاد کے ذریعے یکدم لاکھوں کروڑوں کی آمدن ہوجاتی تھی۔ لیکن مہم ناکام رہتی تو کروڑوں کا خسارہ بھی ہوجاتا تھا۔

یہ خیال غلط ہے کہ اس دور کے مسلمان بادشاہ مملکت، شہروں اور صوبوں کو ذاتی جاگیر بنائے ہوئے تھے۔ جسے چاہے جب چاہے کوئی شہر بخش دیتے تھے۔ ایسا نہیں تھا، بلکہ تخت شاہی بھی ایک منصب تھا جس کے قواعد وضوابط تھے۔ اسی طرح شہروں اور صوبوں کی سپردگی بھی ایک منصب اور ذمہ داری کے

طور پر ہی ہوتی تھی جو قاعدے اور قانون کے تحت ہوا کرتی تھی۔ حکمران جب مناسب سمجھتے منصب دار کو معزول بھی کر دیتے تھے یا اس کا تبادلہ کر دیتے تھے۔ ان سیاسی و انتظامی امور، حکومتی معاملات اور قواعد وضوابط پر اس دور کے اہل علم ودانش نے باقاعدہ کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں علامہ الماوردی کی الاحکام السلطانیہ، ابن الازرق کی بدائع السلک، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی السیاسۃ الشرعیہ، علامہ قلقشندی کی مآثر الانافۃ، ابوبکر طرطوشی کی سراج الملوک اور قاضی ابن فراء کی الاحکام السلطانیہ قابل مطالعہ ہیں۔

اسباقِ تاریخ

آپ نے پہلے حصے کا مطالعہ کیا جو پہلی صلیبی جنگ سے شروع ہوتا ہے اور عمادالدین زنگی اور نورالدین کی جہادی مہمات سے گزر کر نجم الدین ایوب کی سپہ سالاری اور اس کے بیٹے یوسف کے کوتوال (تھانے دار) بننے تک آتا ہے۔ بغور مطالعہ کرنے سے اس میں بہت سے اسباق ملتے ہیں مثلاً:

- حق و باطل کی کشمکش ہر دور میں چلی آئی ہے۔ کوئی دور آزمائشوں سے خالی نہیں گزرا۔
- اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں کی انتشار سے ہمیشہ فائدہ اٹھاتی رہی ہیں۔
- اہل تشیع نے نازک حالات میں القدس پر قبضہ کر کے امت کے مفادات سے بے اعتنائی کا ثبوت دیا۔ اہل سنت نے ان کی ضد میں القدس پر صلیبی حملہ دیکھتے ہوئے بھی دفاع میں کوئی خاص حصہ نہ لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تقریباً ایک صدی کے لیے دونوں ہی القدس سے محروم ہو گئے۔
- جب بھی آزمائشوں کی رات طویل ہوئی ہے اللہ نے مسلمانوں میں ایسے اولوالعزم لوگ پیدا کر دیے جو اسلام کی پکار پر لبیک کہنے میں توقف نہیں کرتے تھے۔ عماد الدین زنگی اور نورالدین ایسے ہی لوگ تھے۔
- اللہ کا نظام تدریجی طور پر کام کرتا ہے۔ اس کی کڑیاں چپکے چپکے ملتی چلی جاتی ہیں۔ کہاں کردستان کا دہقان شاذی اور کہاں دمشق کی سپہ سالاری۔ کہاں عمادالدین زنگی اور کہاں نجم الدین ایوب۔ کس کا کس سے ملاپ کہاں ہوا۔ کچھ بھی اتفاقیہ نہیں ہوتا۔ داستان کہاں بل کھا کر کدھر نکل جائے اور دس بیس سال یا پچاس ساٹھ سال بعد اس کے نتائج کیا نکلیں۔ یہ کاتب تقدیر ہی جانتا ہے۔
- مسلمانوں کو حالات کی ابتری سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اگر تاریکی کو طویل زمانہ بھی گزر چکا ہو، پھر بھی صبح ضرور آتی ہے۔ بدترین حالات کے بعد اچھے حالات کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں، چھوٹی چھوٹی خوشخبریوں اور اچھی باصلاحیت شخصیات کی صورت میں۔
- فوج، پولیس اور سیاست کا شعبہ بہرحال بہت اہم ہے۔ جب ان شعبوں میں اچھے لوگ نمایاں

نظر آنے لگیں تو سمجھئے اب کایا پلٹنے کو ہے۔ شرفاء کو سیاسی اور عسکری میدانوں میں آنا چاہیے تاکہ وہ حالات کا رخ بدلنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

نوٹ: ہر حصے میں دیے گئے اسباقِ تاریخ بطورِ مثال ہیں۔ ان کے علاوہ مزید بہت سے اسباق سوچنے اور غور کرنے سے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

باب:2

مصر کا یوسف

558ھ(1163ء)

......تا......

569ھ(1174ء)

شخصیات

خلیفہ مستنجد باللہ	....	عباسی خلیفہ
املرک	....	القدس کا نصرانی حکمران
نورالدین زنگی	....	سلطان شام
عاضد	....	مصری حکمران، بنوعبید کا خودساختہ خلیفہ
شاور	....	مصری وزیراعظم
کامل	....	شاور کا بیٹا
شیرکوہ	....	شام کا سپہ سالار
قطب الدین مودود	....	نورالدین زنگی کا بھائی، حاکم موصل
سیف الدین غازی دوئم	....	مودود کا بیٹا، نورالدین کا بھتیجا، حاکم موصل
نجم الدین ایوب	....	صلاح الدین کا والد
یوسف صلاح الدین	....	نجم الدین کا بیٹا، سالار شام ومصر
عزالدین جوردیک	....	صلاح الدین کا ساتھی
شہاب الدین حارمی	....	صلاح الدین کا ماموں
توران شاہ	....	صلاح الدین کا بڑا بھائی
فقیہ عیسیٰ ہکاری	....	صلاح الدین کے دوست
شیخ عماد اصفہانی	....	نجم الدین ایوب کے دوست
قاضی فاضل	....	صلاح الدین کے وزیر
ابن نجیہ	....	صلاح الدین کے درباری عالم
طواشی	....	سوڈانی خواجہ سراؤں کا سردار
عمارہ الیمنی	....	مشہور شاعر، بغاوت کا مجرم

فصل:1

شاور اور شیرکوہ

تاریخ میں صلاح الدین یوسف ایوبی کا نام سب سے پہلے اس وقت مشہور ہوا جب نورالدین زنگی نے مصر کی سیاست میں دلچسپی لینا شروع کی اور وہاں کے وزیر شاور کی درخوست پر اپنے معتمد امیر شیرکوہ کے ذریعے وہاں مداخلت کا آغاز کیا۔ نورالدین زنگی کی مصر میں مداخلت کی وجوہات سمجھنے کے لیے ہمیں اس دور میں مصر کے حکمران خاندان بنوعبید کے تاریخی پس منظر کا جائزہ لینا ہوگا۔

دولتِ بنوعبید عبیدی خاندان دوسو سال سے مصر پر حکومت کررہا تھا۔ عقائد کے لحاظ سے یہ لوگ اسماعیلی شیعہ تھے۔ اس خاندان کے جدامجد عبیداللہ نے تیسری صدی ہجری کے اواخر میں مراکش اور شمالی افریقہ کے بہت بڑے علاقے میں اپنے ہم نواؤں کا جال پھیلا دیا تھا، اس کی دعوت نے بے شمار لوگوں کو متاثر کیا تھا۔ اس نے مہدی ہونے کا دعویٰ کرکے 297ھ (911ء) میں ''فاطمی خلافت'' کے نام سے ایک نئی خلافت کی بنیاد ڈالی جو عقائد ونظریات میں اہل سنت والجماعت سے متصادم ہونے کے علاوہ مسلمانوں کے سیاسی مرکز وحدت خلافت عباسیہ کی بھی مخالف تھی۔ اس خلافت کے ورثاء کو عبیداللہ کی نسبت سے بنوعبید کہا جاتا تھا۔ عبیداللہ ''فاطمی سادات'' ہونے کا جھوٹا لبادہ اوڑھ کر خود کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اصل وارث باور کراتا رہا۔ بنوعبید کے نسب کے بارے میں مؤرخین ہمیشہ حیرت کا شکار رہے ہیں۔ اس دور کے علماء کی تحقیق کے مطابق اس خاندان کا جدامجد عبیداللہ شام کے علاقے سلمیہ کا یہودی تھا۔ اس کا اصل نام سعید تھا۔ مراکش پہنچ کر اس نے اپنا نام عبیداللہ رکھ لیا اور خود کو ''علوی فاطمی'' قرار دے دیا مگر اس کا بیان کردہ شجرۂ نسب ماہرینِ انساب کے نزدیک کسی طرح صحیح نہیں بیٹھتا۔ انساب کے علماء میں سے کسی نے اس نسب نامے کا ذکر نہیں کیا۔ یہی عبیداللہ بعد میں مہدی ہونے کا دعویٰ کرنے لگا۔ افریقہ کا شہر مہدیہ اسی جعلی مہدی کی طرف منسوب ہے۔[1]

[1] کتاب الروضتین: 2/214 تا 224، نجوم الزاہرہ: 5/34

عبیداللہ کے مبلغ لوگوں کو مختلف طریقوں سے ورغلاتے اور گمراہ کرتے۔ بعض کو بتاتے کہ عبیداللہ ''مہدی'' اور ''ابنِ رسول اللہ'' ہے۔ کسی کو یہ عقیدہ سکھاتے کہ وہ خود رسول اللہ ہے۔ خواص کو یہ یقین دلاتے کہ مہدی خدا ہے۔ عبیداللہ کی بدبختی کا یہ عالم تھا کہ اپنی کفریات کی مخالفت کرنے والے علماء اور فقہاء کو دربار میں طلب کرتا اور قالین پر اپنے سامنے ذبح کراتا۔ اس کا جانشین القائم بے دینی میں اس سے کہیں بڑھ کے تھا۔ اس کے نمائندے کھلے عام توہینِ رسالت کا ارتکاب کرتے اور بازاروں میں آوازیں لگاتے پھرتے:

اِلْعَنُوْا عَائِشَةَ وَبَعْلِهَا اِلْعَنُوْا الْغَارَوَمَنْ حَوٰى

''عائشہ اور اس کے شوہر پر لعنت کرو۔ غار پر اور جو غار میں تھے ان پر لعنت کرو۔''

نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ...... مصر کے مسلمان یہ ناپاک کلمات سن کر خون کے آنسو روتے مگر کچھ کر نہ پاتے۔

قائم کے بعد اس کا بیٹا منصور سربراہ بنا۔ ابو یزید مخلد نامی ایک بزرگ نے ان کفریات کے خلاف احتجاج کیا تو منصور نے حق گوئی کے جرم میں ان کی کھال اتروادی اور سولی پر لٹکا دیا۔ عبیداللہ مہدی، قائم اور منصور تینوں نے افریقہ میں حکومت کی۔ مگر 358ھ (969ء) میں عبیداللہ کے جانشین مصر پر بھی قابض ہو گئے۔ ان ممالک کی اکثر آبادی اہل سنت تھی اور مسلکاً امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کی فقہ پر عمل پیرا تھی۔ تاہم عبیدی اقلیت ہوتے ہوئے بھی بزور شمشیر سنی اکثریت پر حکومت کر رہے تھے۔ مصر میں عبیدیوں کے گیارہ خلفاء ہوئے، جن کے نام معز، عزیز، حاکم، ظاہر، مستنصر، مستعلی، آمر، حافظ، ظافر، فائز اور عاضد تھے۔ معز کے مبلغین لوگوں کو یہ عقیدہ سکھاتے تھے کہ عبیدی سربراہ ہی سورج کو مشرق سے طلوع اور مغرب میں غروب کرتا ہے۔ معز نے شام کے مشہور فقیہ ابن نابلسی کو گرفتار کرا کے ایک لکڑی کے پنجرے میں اپنے پاس طلب کیا تھا اور اپنے سامنے زندہ حالت میں ان کی کھال اتروا کر سولی پر چڑھایا تھا۔

معز کے پوتے حاکم کے دور میں بازاروں، سڑکوں، دیواروں، مخطوط کی ابتداء میں اور جامع مساجد کے دروازوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف گالم گلوچ لکھنا عام ہو گیا۔ ایک بزرگ ابوالقاسم الواسطی نے بیت المقدس میں اذان دیتے ہوئے عبیدیوں کی رسم کے مطابق حی علیٰ خیر العمل کی جگہ حی علی الفلاح کہہ دیا۔ حاکم نے ان کی زبان کٹوادی۔ سرکاری کارندے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف کرنے والوں کو گرفتار کرتے اور سرِ عام گردن اڑا کر کہتے:

''ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرنے والوں کا انجام یہ ہوتا ہے۔''

بنوعبید کی یہ حکومت اس دور میں اتنی طاقتور تھی کہ خلفائے بنوعباس اور اندلس کے مسلم حکمران تک اس سے خائف تھے۔ان کا دائرہ حکومت پھیلتے پھیلتے جزیرہ صقلیہ (سسلی) تک جا پہنچا تھا۔بحیرہ روم میں ان کا بحری بیڑا سب سے زیادہ طاقتور تصور کیا جاتا تھا۔شام کا بہت بڑا علاقہ بھی ان کے زیر نگین تھا۔[1]

<u>قاہرہ کے عشرت کدے</u>: مصر میں عبیدیوں کی سب سے بڑی یادگار ان کا بسایا ہوا عظیم الشان شہر قاہرہ ہے جو آج دنیا کے چند بڑے شہروں میں سے ایک ہے۔اس کی بنیاد معز کے نائب جوہر نے رکھی تھی۔تاہم ان دنوں قاہرہ اتنا وسیع نہ تھا۔یہ دریائے نیل کے کنارے مضبوط فصیلوں سے گھرا ہوا ایک قلعہ نما شہر تھا جہاں صرف شاہی گھرانہ، امراء اور سرکاری لوگ رہتے تھے۔عام آبادی قاہرہ سے متصل قدیم شہر فسطاط میں رہتی تھی جو فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے آباد کیا تھا، تین صدیوں تک یہ مصر کا دارالحکومت رہا تھا۔قاہرہ کو اس وقت "المدینہ" اور فسطاط کو "مصر" کہا جاتا تھا۔

قاہرہ میں بنوعبید کے دو بڑے محل تھے جو قصر شرقی اور قصر غربی کہلاتے تھے۔دونوں محلات کے درمیان ایک بڑا میدان تھا اور ایک زیر زمین سرنگ ان دونوں محلوں کو ملاتی تھی۔قصر غربی درحقیقت عبیدیوں کا عشرت کدہ تھا جہاں وہ تفریح کی ہر نوع سے مزے لیتے تھے۔اس سے متصل "گلشن کافور" نامی باغ تھا جس میں قصر غربی کے دروازے کھلتے تھے۔نزدیک ہی بنوعبید کا آبائی قبرستان تھا۔اس شہر میں بڑے بڑے کتب خانے تھے جو کہ قرطبہ کے علمی خزانوں کے ہم پلہ شمار کیے جاتے تھے۔قصر شرقی عبیدی سربراہ کی قیام گاہ تھا۔وہ اپنے اہل وعیال غلاموں، نوکروں اور باندیوں سمیت اس طلسم خانے میں رہتا تھا۔یہیں اس کا دربار لگتا تھا۔بنوعبید کی دولت وثروت کا یہ عالم تھا کہ قصر شرقی میں عبیدی حکمران کی نشست خالص سونے کے تخت پر ہوا کرتی تھی، جس کے آگے سونے کی جالی آویزاں تھی۔شاہی ایوان مکمل طور پر سونے سے ملمع کیا گیا تھا۔بنوعبید کا یہ قصر چار ہزار کمروں پر مشتمل تھا۔اس عمارت میں ایک بالاخانہ تھا جہاں ہر شام عبیدی سربراہ عوام کو اپنا دیدار کراتا تھا۔اس سے کچھ دور وہ اندھا کنواں تھا جس کی تہہ میں بنوعبید کے بے شمار مخالفین کے پنجر پڑے تھے۔بنوعبید کے خزانے میں دنیا بھر کے بے مثل اور نادر ونایاب جواہر کا انبار تھا۔دنیا کا سب سے بڑا زمرد جس کی پیمائش ایک بالشت تھی اسی خزانے میں تھا۔یہاں جبل نور نامی ایک بے نظیر یاقوت بھی تھا جس کا وزن دو ہزار چار سو کیرٹ تھا۔

بنوعبید نے ابتداء ہی میں جبر وتشدد کے ذریعے اپنے ہر مخالف کو اس طرح کچل دیا تھا کہ ان کے آخری دور تک مقامی طور پر ان کے خلاف کوئی مضبوط مخالف تحریک برپا نہ ہوسکی۔انہوں نے شروع میں بے

[1] [illegible] 5 ,4

شار سنی فقہاء اور علماء کو قتل کرایا اور عوام کے جذبہ مقاومت کو بالکل دبا دیا۔ دو صدیوں تک ان کا رعب ودبدبہ لوگوں پر چھایا رہا۔ اس خاموشی سے فائدہ اٹھا کر بنوعبید نے مصر کو تعمیری لحاظ سے اوج کمال تک پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، مگر اس کے ساتھ ساتھ اہل سنت کے حقوق غصب کرنے میں وہ ہر حد سے تجاوز کر گئے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے بار بار اسلام دشمن طاقتوں سے گٹھ جوڑ کیا جس سے دشمنانِ اسلام کو بحیرۂ روم کے ساحلوں پر تسلط کا موقع ملتا رہا اسی لیے ان علاقوں میں مسلم ریاستیں روز بروز کمزور ہورہی تھیں۔

اس امن وامان، راحت وآسائش، بے پناہ ثروت اور فارغ البالی نے رفتہ رفتہ حکمران طبقے کو سست اور آرام پسند بنا دیا اور آخر کار بنوعبید تمام کاروبار حکومت وزراء کے کاندھوں پر ڈال کو خود محض عیش وعشرت کے لیے وقف ہو کر رہ گئے۔ وزراء کی من مانیوں نے کچھ ہی عرصے میں حکومت کو کمزور تر کر دیا۔ عوام اور حکام کا برائے نام رشتہ بھی ختم ہوگیا۔ یہ کمزور حکومت محض اسی لیے باقی تھی کہ اس کے سنی ہمسائے دوسرے ملکوں میں مداخلت کے عادی نہ تھے۔

پانچویں صدی ہجری کے اواخر میں ملک شاہ سلجوقی کے شام پر حملوں کے بعد عبیدی حکومت کا خاتمہ یقینی نظر آتا تھا مگر ملک شاہ شام کی مہمات کو ادھورا چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوگیا۔ پھر نصرانیوں کے شام کے ساحلوں پر دھاوے اور القدس کے سقوط کے بعد سلجوقیوں میں اتنا دم خم ہی نہ رہا کہ وہ مصر کی طرف توجہ دے سکتے۔ اس طرح بنوعبید کا مصر سلجوقی حکمرانوں اور ان کے ورثاء سے مکمل طور پر محفوظ ہوگیا۔ مورخین نے تسلیم کیا ہے کہ خود عبیدی حکمرانوں نے اقوام یورپ کو شام پر حملے کی ترغیب دی تھی تاکہ وہ سلجوقیوں کی توجہ مصر سے ہٹا سکیں۔ اگرچہ شام کے ساحلوں پر قبضے کے بعد عیسائی سورما مصر پر حملے کے لیے پر تولنے لگے تھے مگر بنوعبید نے بے شمار دولت بطورِ خراج ادا کر کے ان کے فوری حملے کا خطرہ ٹال دیا تھا۔[1]

<u>پانچویں صدی ہجری اور مصر کی صورتحال</u> ✻ پانچویں صدی ہجری کے وسط کے اس نازک زمانے میں ہم تین طاقتوں کو مشرق وسطیٰ کے سنگم پر آمنے سامنے دیکھتے ہیں۔ ایک طرف ساحل شام اور القدس پر قابض عیسائی تھے، دوسری جانب شام کا جواں حوصلہ حکمران نورالدین زنگی تھا۔

ان دونوں باہم متحارب طاقتوں کے سامنے تیسری طاقت خلافتِ مصر کی تھی جو اس وقت ان دونوں کی بہ نسبت عسکری لحاظ سے کمزور تر اور مالی اعتبار سے بالاتر تھی۔ نصرانی اور نورالدین زنگی دونوں یہ جانتے تھے کہ جس نے مصر پر پہلے قبضہ کر لیا وہی پورے شام کا مالک ہوگا۔

[1] الکامل فی التاریخ: 7/218، 210، صلاح الدین لیمن پول، ص: 43، 44

مصر کے عبیدی حکمران جو کہ اس وقت اپنے وزراء کے ہاتھوں میں کھلونا بنے ہوئے تھے کچھ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے مگر حکومت کے سیاہ وسپید پر قابض ان کے وزراء اس صورتحال کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ نت نئی چالوں سے کبھی فرنگیوں اور کبھی نورالدین زنگی کو فریب دیتے رہے۔ مگر سیاسی شطرنج کی اس بازی میں ایک موقع پر مصری کھلاڑی ایسی فاش غلطی کر بیٹھے جس نے ان کی پوری حکومت کا تختہ الٹ دیا۔

شاور...... دربار نورالدین میں: ان دنوں مصر کا حکمران عاضد نامی ایک نوعمر اور ناتجربہ کار نوجوان تھا۔ اس کا ماتحت شاور سعدی نامی ایک ہوشیار عرب وزیر تھا جو سارے نظام حکومت پر حاوی تھا۔ اصولی طور پر وہ مصر کے بالائی علاقے کا گورنر تھا مگر عملاً پورے مصر پر اس کا راج تھا۔ 558ھ (1163ء) میں اس کی وزیر اعظم زریک بن طلائع سے چپقلش شروع ہوئی جس کا انجام یہ ہوا کہ شاور نے وزیر اعظم کو قتل کر کے خود مصر کا قلمدان وزارت سنبھال لیا۔ اس صورتحال سے اس کے سیاسی مخالفین انگاروں پر لوٹنے لگے۔ انہوں نے "برقیہ" کے نام سے ایک مسلح گروہ بنایا جس کا لیڈر ضرغام نامی ایک سالار تھا۔ ضرغام نے چند ماہ بعد دارالوزارت پر بزور شمشیر قبضہ کر کے شاور کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ ضرغام دولتِ بنوعبید سے اتنا متنفر تھا کہ عبیدی امراء اور عمائد کو چن چن کر قتل کراتا جا رہا تھا۔ بظاہر وہ مصر کا وزیر اعظم تھا مگر درحقیقت اس مملکت کا مطلق العنان حکمران بن چکا تھا۔

شاور اپنی جان بچا کر مصر سے بھاگا تو اسے نورالدین زنگی کے سوا کہیں جائے پناہ دکھائی نہ دی۔ اس نے نورالدین زنگی سے درخواست کی کہ اسے مصر کی وزارت عظمیٰ واپس دلوائی جائے۔ وہ اس مہم کے سارے اخراجات برداشت کرے گا اور ہر سال مصر کی تہائی آمدنی دربار زنگی میں پیش کرتا رہے گا۔

نورالدین کو مصر میں پہلی بار عسکری مداخلت کا بیٹھے بٹھائے ایک مثبت اور قانونی موقع مل رہا تھا جو نہ صرف آگے چل کر وہاں اہل سنت کے حقوق کے تحفظ کے لیے کارآمد ثابت ہو سکتا تھا بلکہ مصر میں اہل سنت کو غالب بھی کر سکتا تھا۔ چنانچہ نورالدین نے اس پیش کش پر سنجیدگی سے غور کیا۔ اس دوران اطلاع ملی کہ مصر کے نئے آمر ضرغام نے القدس کے نئے عیسائی بادشاہ کو بھاری خراج ادا کرنے کے وعدے پر ایک دفاعی معاہدہ کر لیا ہے۔ نورالدین کے لیے مصر اور عیسائی حکمرانوں کا اتحاد کسی طرح بھی قابل برداشت نہ تھا۔ خصوصاً اس لیے کہ یہ اتحاد درحقیقت اسی کے خلاف تشکیل دیا گیا تھا۔ اس نے فوراً شاور کی پیش کش قبول کر لی۔ مصر پر حملے کے لیے اس نے اپنے معتمد جرنیل اسدالدین شیرکوہ کو سب سے زیادہ موزوں سمجھا اور اسے ترکمانوں کا ایک لشکر دے کر مصر روانہ کر دیا۔ صلاح الدین ایوبی بھی اس فوج

میں شامل تھا۔ درحقیقت یہ لشکر مصر میں ایک نئی تاریخ رقم کرنے جا رہا تھا۔ [1]

شیر کوہ کی مصر میں پہلی مہم: جمادی الاولیٰ 559ھ (اپریل 1164ء) میں جب اسد الدین شیر کوہ مصر کی طرف روانہ ہوا تو اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ وہ کبھی مصر پر حکومت کرے گا۔ وہ تو بس سلطان نور الدین زنگی کے حکم کے مطابق شاور کو اس کا عہدہ واپس دلانے جا رہا تھا۔ اس فوج کو صحرائے سینا عبور کر کے مصر پہنچنا تھا۔

مصر میں ضرغام کو شامی فوج کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو وہ بلبلا اٹھا، اس کی اپنی طاقت زیادہ نہیں تھی اور اس کا واحد سہارا عیسائی تھے، وہ ان سے مدد لینا چاہتا تھا لیکن اس دوران نور الدین زنگی نے دمشق کے گرد و نواح میں نصرانیوں کے مقبوضہ شہروں کی طرف پیش قدمی شروع کر دی تھی تا کہ عیسائی اس کی طرف متوجہ رہیں اور شیر کوہ کی مہم میں کوئی رخنہ نہ ڈال سکیں۔ شیر کوہ کا لشکر سب سے پہلے سرحدی شہر بلبیس پہنچا جہاں ضرغام کے بھائی ناصر الدین نے مقابلہ کیا مگر شکست کھا کر قاہرہ کی طرف بھاگ نکلا۔ جمادی الثانیہ کی آخری تاریخوں میں اسد الدین شیر کوہ قاہرہ کی فصیلوں کے سامنے پہنچا۔ ضرغام مجبور ہو کر مقابلے کے لیے نکلا اور ایک معمولی مقابلے کے بعد قتل ہو گیا۔ شاور کی دلی مراد بر آئی تھی۔ شیر کوہ نے اپنے سلطان کا وعدہ پورا کرتے ہوئے اسے یکم رجب (24 مئی 1164ء) کو دوبارہ مصر کا وزیر اعظم بنا دیا۔ اس نے پہلے کی طرح کاروبارِ حکومت سنبھال لیا۔

شاور کی پہلی بدعہدی: شیر کوہ چند دن قاہرہ سے باہر پڑاؤ ڈالے رہا تا کہ شاور حکومتِ شام کو تہائی آمدنی کا خراج دینے کا وعدہ پورا کرے یا اس بارے میں کوئی یقین دہانی کرائے۔ مگر شاور بلا کا فریبی تھا، وہ وقت گزارتا رہا تا کہ شیر کوہ مایوس ہو کر لوٹ جائے۔ شیر کوہ اس بدعہدی پر بڑا جھنجھلایا۔ اس نے شاور کو وعدہ پورا کرنے کی تلقین کی اور واپس جانے سے انکار کر دیا۔ شاور نے یہ صورتحال دیکھی تو عیسائی حکمرانوں سے مدد مانگی۔ ان دنوں بیت المقدس کی ریاست کا بادشاہ املرک تھا جو شام کے تمام عیسائی حکمرانوں میں سب سے طاقتور اور باعظمت شمار ہوتا تھا۔ شاور نے اسے لکھا کہ اگر اس نے مصر کی فوری مدد نہ کی اور نور الدین زنگی کی فوجوں کو سبق نہ سکھایا تو نور الدین مصر پر قابض ہو جائے گا جس کے نتائج خود نصرانیوں کے لیے تباہ کن ہوں گے۔

شاور نے نصرانیوں کو یہ پیغام دے کر محسن کشی کی ایک بدترین مثال قائم کر دی تھی۔ اس کا پیغام پا کر بیت المقدس کے عیسائی حکمران چونک اٹھے۔ مصر پر شامی مسلمانوں کے قبضے کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ

---

[1] ابن خلدون: 6/276،275

دونوں طرف سے جنگجو ترکمانوں کے درمیان گھر جائیں گے۔ چنانچہ ایلمرک ایک بڑا لشکر لے کر مصر کی طرف روانہ ہوگیا۔ نورالدین نے انہیں روکنے کی کوشش کی مگر وہ مصر کے محاذ کو اہم ترین سمجھتے ہوئے ہر رکاوٹ کو پار کرتے گئے۔ اس دوران یورپ کے نصرانیوں کے بہت سے گروہ القدس کی زیارت کے لیے شام کے ساحلوں پر اتر رہے تھے۔ ایلمرک نے انہیں صورتحال سے آگاہ کیا۔ چانچہ ان کے بہت سے لوگ القدس کی حفاظت کے لیے کمربستہ ہوگئے اور باقی مصر جانے والے لشکر کے ساتھ شامل ہوگئے۔

شیرکوہ کچے قلعے میں: شیرکوہ کو نصرانیوں کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ قاہرہ کے نواح سے کوچ کر کے ''بلبیس'' آ گیا، کیوں کہ اسے اپنے دفاع کے لیے ایک قلعے کی فوری ضرورت تھی۔ اگرچہ بلبیس کا قلعہ مٹی کا تھا اور زیادہ مضبوط نہ تھا۔ دیواریں بلند نہ تھیں اور فصیل کے اردگرد کوئی خندق بھی نہیں تھی۔ مگر اس کے سوا اور کوئی قریب ترین پناہ گاہ میسر نہ تھی۔ شیرکوہ کے بلبیس میں مورچہ زن ہوتے ہی فرنگی لشکر مصری فوجوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا اور سختی سے محاصرہ کرلیا۔

اب صورتحال نہایت خطرناک ہوگئی تھی۔ ایک کمزور سے قلعے میں شامی فوج کے بہترین افراد گھر گئے تھے، ان کا خاتمہ نورالدین زنگی کے لیے بہت بڑا دھچکا ثابت ہوتا۔ تاہم شیرکوہ، اس کا بھتیجا صلاح الدین یوسف اور شامی سپاہی بڑی پامردی سے اتحادی دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ وہ ہر صبح و شام قلعے سے باہر نکل کر دشمن پر حملہ آور ہوتے اور مختصر سی جھڑپ کے بعد تیزی سے واپس آجاتے۔ [1]

دن گزرتے رہے اور محصورین کی حالت نازک تر ہوتی گئی۔ ان کی آخری امید سلطان نورالدین زنگی سے وابستہ تھی۔ نورالدین کو اپنے وفاداروں کو اس تکلیف دہ حالت کا پورا پورا احساس تھا۔ اب اس مسئلے کا ایک ہی حل تھا اور وہ یہ کہ عیسائی حکمرانوں کی پشت پر زوردار ضرب لگائی جائے۔

حارم پر نورالدین کا قبضہ: نورالدین زنگی کی افواج نے فرنگیوں کے شہروں پر زوردار حملے شروع کردیے۔ ان کا سب سے بڑا نشانہ حارم تھا جس کی دفاعی اہمیت کے لحاظ سے عیسائی اسے القدس کا دروازہ سمجھتے تھے۔ اس سے پہلے بھی نورالدین نے دوبار حارم پر فوج کشی کی تھی مگر قبضے میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس بار ''ابھی یا کبھی نہیں'' کے اصول کے مطابق مسلمانوں نے بھرپور حملہ کیا، وہ جانتے تھے کہ اس کامیابی سے بلبیس کے محصور مسلمانوں کی زندگیاں وابستہ ہیں۔ حارم کو بچانے کے لیے شام کی تمام عیسائی ریاستوں کے حکمران اور امرا اپنی فوجوں کے ساتھ پہنچ گئے تھے، تین مہینے تک خوں ریز جھڑپیں جاری رہیں آخر کار نصرت خداوندی شامل حال ہوئی اور رمضان 559ھ (اگست

---

[1] الکامل فی التاریخ: 7/172_173

1164ء) میں حارم مسلمانوں کی جھولی میں آگرا۔اس معرکے میں دس ہزار عیسائی قتل ہوئے۔انطاکیہ اور طرابلس کے عیسائی حاکموں سمیت ممتاز عیسائی امراء اور سینکڑوں نائٹ گرفتار ہوئے۔یہ نصرانیوں کی بہت بڑی شکست تھی۔

بلبیس سے مجاہدین کا انخلا: ادھر بلبیس کے مجاہدوں کو بھی لڑتے لڑتے تین مہینے ہو گئے تھے، وہ کمال مردانگی کا ثبوت دیتے ہوئے اب تک ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہیں ہوئے تھے۔انہیں باہر کی کچھ خبر نہیں تھی، ان کا سامان رسد ختم ہونے کو تھا، خوراک کی شدید کمی سے ہر سپاہی متاثر ہو رہا تھا۔

ایک دن اچانک انہوں نے دیکھا کہ عیسائی فوجوں کی صفوں میں خاموشی طاری ہے گویا ان کا حملہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں، ان کے ساتھ ساتھ مصری فوجیں بھی چپ سادھے کھڑی ہیں، مسلمانوں کو معلوم نہ تھا کہ سلطان نورالدین نے قلعہ حارم فتح کرنے کے بعد اب بانیاس کا محاصرہ کیا ہوا ہے اور دشمن اسی صدمے سے ساکت وجامد ہے۔

وہ حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ فرنگیوں کی جانب سے ایک سفیر آیا۔اس نے شیر کوہ کو صلح کی پیش کش کرتے ہوئے کہا کہ وہ محاصرہ ختم کرنے پر تیار ہیں بشرطیکہ مصر کو مصریوں کے لیے چھوڑ دیا جائے، نہ اس پر عیسائی قبضہ کریں نہ مسلمان۔دونوں اپنے اپنے علاقوں کو لوٹ جائیں۔شیر کوہ نے اس پیش کش کو نعمت غیر مترقبہ تصور کیا اور محاصرے کی سختیوں سے جاں بلب مجاہدین کو کوچ کی تیاری کا حکم دیا۔

کچھ دیر بعد شامی مجاہدین بلبیس کے کچے قلعے سے قطار باندھے نکل رہے تھے، باہر میدان کے دونوں طرف عیسائی اور مصری سپاہیوں کا ہجوم تھا۔شیر کوہ اپنے سپاہیوں کو روانہ کر رہا تھا، اس کے ہاتھ میں ایک کلہاڑی تھی۔وہ اپنے سب سپاہیوں سے پیچھے تھا تاکہ سب کو دیکھ بھال سکے۔اس کے چہرے کا وقار اور شجاعانہ تیور دیکھ کر ایک یورپی عیسائی افسر آگے بڑھا اور کہنے لگا:

"آپ کو خوف محسوس نہیں ہوتا کہ کہیں یہ عیسائی اور مصری آپ سے وعدہ خلافی نہ کر بیٹھیں...... آپ سب کو گھیر کر اس طرح مار دیں کہ نام و نشان تک نہ رہے۔"

شیر کوہ نے حسرت بھرے لہجے میں کہا:

"کاش کہ وہ ایسا کر گزریں! ان کی طرف سے وعدہ خلافی کی ابتدا ہوتی تو میں ان کا وہ حشر کرتا جو دنیا دیکھتی۔اللہ کی قسم! میں تلوار لے کر پل پڑتا، ہمارا کوئی آدمی ان کے کئی کئی آدمیوں کو قتل کیے بغیر نہ مرتا۔پھر سلطان عادل نورالدین ان کی خبر لیتے۔ان کے ملک پر قبضہ کر لیتے اور ان کے باقی ماندہ لوگوں کو مار ڈالتے۔اللہ کی قسم! میرے یہ سپاہی مجھے منع کرتے رہے ورنہ میں تو پہلے ہی

دن تم سب سے نمٹ لیتا۔"

یورپی افسر گھبرا کر اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنانے لگا اور پھر بولا:

"میں شام کے نصرانیوں کو آپ کے بارے میں حیرت انگیز باتیں کرتے سنتا تھا۔ انہیں آپ سے ڈرتا دیکھ کر میں سوچتا تھا کہ آپ کی اتنی ہیبت میں کوئی مبالغہ ہوگا۔ مگر اب میں جان گیا ہوں کہ وہ درست کہتے ہیں۔"[۵]

یہ ذی الحجہ کا مہینہ تھا۔ شیرکوہ مجاہدین کو لے کر بلبیس سے روانہ ہوا، اگلی بستیوں میں اسے حارم کی فتح کی خبر مل گئی۔ شیرکوہ خشکی کے راستے سفر کر رہا تھا جبکہ بلبیس کا محاصرہ اٹھانے والی عیسائی فوج نے ساحل کے ساتھ ساتھ واپسی اختیار کی تھی۔ اس میں کرک کا عیسائی حاکم ریجی نالڈ (برنس ارناط) بھی تھا۔ بلبیس سے انخلاء کے معاہدے میں یہ طے تھا کہ شیرکوہ کا تعاقب نہیں کیا جائے گا مگر ریجی نالڈ معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بحری جہازوں کے ذریعے اپنی فوج کو تیزی سے ایک دن کے اندر اندر عسقلان لے آیا اور وہاں سے کرک پہنچ کر شیرکوہ کے راستے میں گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ جب کسی نے اسے معاہدہ کا پاس یاد دلایا تو وہ استہزائیہ انداز میں بولا:

"شیرکوہ سے خشکی میں تعاقب نہ کرنے کا معاہدہ تھا، میں نے تو سمندر کے راستے سے اس کا تعاقب کیا ہے۔"

ممکن تھا کہ ریجی نالڈ بے خبری میں شیرکوہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا مگر کرک سے کچھ فاصلے پر آ کر شیرکوہ کی چھٹی حس نے اسے خطرے کا احساس دلا دیا اور وہ عام راستہ چھوڑ کر ایک غیر معروف راستے پر چل پڑا۔ یوں مسلمان صحیح سلامت شام پہنچ گئے۔

اس دوران سلطان نور الدین نے نصرانیوں کے دوسرے اہم قلعے بانیاس پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ شیرکوہ اور اس کے مجاہدین کی آمد سے اس فتح کی خوشخبری دوگنی ہوگئی۔ شیرکوہ کے نوجوان بھتیجے صلاح الدین کو اس کٹھن مہم میں بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا تھا۔ کسی ملک کی سیاسی، عسکری اور اخلاقی خوبیوں یا خامیوں کو پرکھنے اور سمجھنے کا عملی موقع اس جاں سوزی کے بغیر یقیناً نہیں مل سکتا تھا۔[۶]

---

۵) الکامل فی التاریخ: 7/174، 175 ۶) کتاب الروضتین: 2/93

فصل:2

شیر کوہ اور یوسف مصر میں

مصر سے لوٹنے کے بعد شیر کوہ جو کہ شاور کو اس کے کرتوتوں کا مزا چکھانے کے لیے بے چین تھا، سلطان نورالدین زنگی سے بار بار درخواست کرتا رہا کہ مصر پر فوج کشی کی جائے۔ چوں کہ اس وقت زنگی حکومت کے بنو عبید سے اچھے تعلقات تھے اس لیے سلطان نورالدین کو کسی خاص مجبوری کے بغیر مصر پر ہاتھ ڈالنا پسند نہ تھا۔ بہر کیف شیر کوہ نے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ آخر کار تین سال بعد سلطان کو منانے میں کامیاب ہو گیا۔

ربیع الثانی 562ھ (فروری 1167ء) میں شیر کوہ ایک بار پھر دو ہزار برق رفتار شہ سواروں کی فوج لے کر مصر روانہ ہوا تاکہ شاور کو بد عہدی اور نصرانیوں سے دوستی کی سزا دی جائے۔ یہ زنگی کی طرف سے مصر میں ایک سوچی سمجھی عسکری مداخلت تھی جس سے بہت سے سیاسی و عسکری فائدوں کی امید تھی۔ شیر کوہ شامی عیسائی ریاستوں کو دائیں ہاتھ پر چھوڑتا ہوا صحرائے سینا میں داخل ہو گیا۔ اس خطرناک علاقے سے گزر کر وہ مصر کی حدود میں پہنچا اور قاہرہ سے تقریباً چالیس میل جنوب کی سمت اطفیح (عطفیہ) کے مقام سے دریائے نیل کو عبور کر کے مغربی کنارے پر اتر گیا۔ یہاں اس نے ''جیزہ'' میں کوئی دو ماہ قیام کیا اور مغربی مصر میں اپنے قدم مضبوط جما لیے۔ [1]

<u>ایلمرک شیر کوہ کے تعاقب میں</u> ❁ اس دوران شاور فرنگیوں سے مدد طلب کر چکا تھا، چنانچہ اس کا پرانا دوست ایلمرک اپنی فوج لے کر دریائے نیل کے مشرقی کنارے پر آن پہنچا۔ اب ٹکراؤ ناگزیر ہو چکا تھا۔ دونوں لشکر دریائے نیل کے کنارے کنارے شمال کی طرف چلے، فرنگی مشرقی کنارے پر اور مسلمان مغربی کنارے پر آگے بڑھتے گئے۔ [2]

---

1. الکامل فی التاریخ: 7/168، کتاب الروضتین: 2/18
2. الکامل فی التاریخ: 7/168، 169، سوانح صلاح الدین کیمبل: 40

آگے چل کر اطر ک نے فسطاط کے قریب پڑاؤ ڈالا اور شاور پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے یہ مطالبہ کیا کہ عسکری امداد کے بدلے شاور نے مراعات اور مال دینے کا جو معاہدہ کیا تھا وہ اس وقت تک معتبر نہیں ہوگا جب تک کہ خود عبیدی سربراہ عاضد اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔ عاضد نے یہ بات مان لی اور عیسائی سفیروں کو خود اپنے پاس حاضری کی اجازت دے کر نصرانیوں سے دوستی اور معاہدے کی تصدیق کی۔ [❶]

اطر ک اب جری ہو کر شیر کوہ پر حملے کے لیے پر تولنے لگا۔ دونوں حریفوں کے درمیان حائل دریائے نیل کو عبور کرنے کے لیے پہلے اس نے پل بنانے کی کوشش کی مگر اسے کامیابی نہ ہوئی۔ اس دوران شامی فوج مصر کے بالائی علاقے "صعید مصر" پہنچ چکی تھی۔ اطر ک نے آگے چل کر دریا کو ڈیلٹائی علاقے سے پار کیا اور مسلمانوں کو گھیرنے کی کوشش کی۔ شیر کوہ کے پاس صرف دو ہزار سپاہی تھے۔ اس نے اپنا پہلو بچاتے ہوئے "بابین" نامی مقام میں پڑاؤ ڈال دیا۔ فرنگیوں کے ساتھ اب مصری افواج بھی شیر کوہ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ شیر کوہ کے جاسوسوں نے جو تازہ اطلاعات فراہم کی تھیں ان کے مطابق عیسائی اور مصری دونوں بہت بڑی تعداد میں تھے اور وہ ہر قیمت پر شامی فوج کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ باعزت صلح کا دور دور تک کوئی امکان نہ تھا۔ [❷]

بہترین رائے یہی ہے ❁ شیر کوہ لڑائی سے گھبرانے والا نہیں تھا، مگر اسے اپنے ساتھیوں کی فکر تھی۔ اس معرکے میں بچ نکلنے کے امکانات بہت کم تھے۔ جان بچانے کی صرف ایک صورت تھی کہ کسی طرح دریا پار کر کے راہِ فرار اختیار کی جائے۔ مگر دریا عبور کرنا بھی اس وقت اتنا آسان نہیں تھا۔ فرنگی اور مصری فوج پوری طرح چوکس تھے۔

ایسی حالت میں شیر کوہ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا۔ اکثر ساتھیوں نے یہی رائے دی کہ بہر صورت دریا عبور کر کے جان بچانے کی کوشش کی جائے۔ انہوں نے کہا:

"لڑائی کی صورت میں زیادہ امکان یہی ہے کہ ہم شکست کھائیں گے۔ اس صورت میں ہم پسپا ہو کر کہیں پناہ بھی لیں گے تو کہاں؟ کون ہماری مدد کرے گا؟ ان علاقوں میں ہر سپاہی، ہر کسان اور ہر عام آدمی ہمارے خلاف ہے۔"

ان کا یہ کہنا غلط بھی نہیں تھا، ظاہری نقشہ یہی بتا رہا تھا کہ لڑائی سے گریز کیا جائے مگر شیر کوہ کے دو خاص آدمیوں نے اس کے خلاف رائے دی۔ یہ شرف الدین برغش اور صلاح الدین یوسف تھے۔ شرف الدین نے اپنی تقریر میں کہا:

❶ سوانح صلاح الدین ایوبی، ص:46 ❷ الکامل فی التاریخ: 7/159، صلاح الدین: 47

"جو قتل ہونے یا گرفتاری سے ڈرے اسے بادشاہوں کی ملازمت کی بجائے گھر میں اپنی بیوی کے پاس بیٹھنا چاہیے۔ اگر ہم اس حالت میں سلطان کے پاس لوٹے کہ نہ ہم فاتح ہوں اور نہ ہی کسی معذور کر دینے والی مصیبت سے مجبور ہوں تو سلطان ہم سے ہمارا مرتبہ اور مال و دولت سب کچھ چھین لیں گے۔ انہیں یہ کہنے کا پورا حق ہوگا کہ تم مسلمانوں سے ٹیکس تو وصول کرتے ہو مگر ان کے دشمنوں کو دیکھ کر بھاگ جاتے ہو اور مصر جیسے اسلامی ملک کو کفار کے ہاتھ میں دے کر آ جاتے ہو۔"

نوجوان صلاح الدین ایوبی نے بھی اس طرح کے جذبات کا اظہار کیا۔ یہ سن کر شیر کوہ نے کہا:

"بہترین رائے یہی ہے۔"

اب محفل مشاورت کا رنگ بدل گیا اور سب مسلمان لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔

وادیٔ نیل کا معرکہ: 26 جمادی الثانی 562ھ (18 اپریل 1167ء) کو دونوں فوجیں ایک کھلے میدان میں ایک دوسرے کے مقابل آئیں۔ شیر کوہ نے قلب میں اپنی جگہ صلاح الدین یوسف کو مقرر کیا اور کہا:

"دشمن مجھے قلب لشکر میں گمان کر کے سارا زور اس طرف ڈالے گا...... مگر تم ان سے بھرپور مقابلہ کرنے کی بجائے نمائشی جنگ کرنا اور جلد ہی تیز تر پسپائی اختیار کر لینا۔ جب دشمن تمہارا پیچھا کرتے کرتے تھک جائے اور واپس لوٹنے لگے تو تم اس کی پشت پر حملہ کر دینا۔"

شیر کوہ نے خود دائیں ہاتھ کے دستوں کو سنبھالا، اس کے لیے اس نے اپنے بہترین جانباز اور سخت جان سپاہیوں کو چنا تھا۔ شیر کوہ کا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا۔ فرنگیوں اور مصری فوجوں نے طبل جنگ پر چوٹ پڑتے ہی شامیوں کے قلب لشکر پر حملہ کر دیا۔ یہ صلاح الدین یوسف کی قیادت اور شجاعت کی آزمائش کا غیر معمولی موقع تھا جس کا ذکر تاریخ میں محفوظ ہے۔ صلاح الدین نے خود کو قیادت کا اہل ثابت کر دکھایا، اتحادیوں کے اس ریلے کے سامنے کچھ دیر اپنے مٹھی بھر سپاہیوں کو لڑانے کے بعد وہ منظم انداز میں پسپا ہوتا دکھائی دینے لگا۔ عیسائی سپاہی خوشی سے دیوانے ہو کر ان کا پیچھا کرنے لگے مگر تیز رفتار گھوڑوں پر سوار یہ چند سو سپاہی ان کے ہاتھ نہ آئے۔

پیچھے میدان میں اب زیادہ تعداد مصری سپاہیوں کی رہ گئی تھی۔ شیر کوہ کے اشارے پر شامیوں کا دایاں بازو آگے بڑھا اور ان پر پل پڑا۔ اس اچانک طوفانی حملے سے اہلِ مصر کے چھکے چھوٹ گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں ان کی بہت بڑی تعداد گاجر مولی کی طرح کٹ کر رہ گئی جبکہ باقی بھاگ نکلے۔

ادھر صلاح الدین کے تعاقب میں جانے والی فرنگی فوج ناکام ہو کر واپس لوٹ آئی۔ مگر یہاں میدان کو اپنے میزبانوں کی لاشوں سے بھرا دیکھ کر حیران رہ گئی۔ املرک پر ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ

سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلا۔ دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ دو ملکوں کی مشترکہ فوجوں کو شکست فاش دینا شیر کوہ کا حیرت انگیز کارنامہ تھا، جس میں صلاح الدین ایوبی کی شجاعت اور بیدار مغزی کا بھی بڑا حصہ تھا۔ [1]

نصرانیوں اور مصریوں کی پسپائی کے بعد شامی مجاہدین کو دشمن پر نفسیاتی برتری حاصل ہوگئی تھی۔ یہ محض اللہ جل شانہ کا لطف و کرم تھا کہ ان تھوڑے سے سپاہیوں کا رعب دو ملکوں کی افواج پر طاری ہوگیا تھا ورنہ اب بھی فرنگی اور مصری قوت کے لحاظ سے اس قابل تھے کہ دوبارہ انہیں گھیر سکیں۔ مگر انہیں اس کی ہمت نہ ہوسکی، وہ کسی توقف کے بغیر قاہرہ پہنچ گئے اور نئے سرے سے تیاریاں کرنے لگے۔ شیر کوہ بابین کے معرکے کا فاتح بن کر وہاں سے چلا تو اسکندریہ پہنچ کر دم لیا۔

شیر کوہ کا اسکندریہ پر قبضہ ❁ سکندریہ کے لوگوں نے شامی فوج کو خوش آمدید کہا۔ وہ مصری حکومت کی زیادتیوں سے نالاں اور فرنگیوں کے ان بحری بیڑوں سے خوفزدہ تھے جو کسی بھی وقت اسکندریہ کے ساحلوں پر حملہ آور ہوسکتے تھے۔ شیر کوہ نے اسکندریہ کے حالات اطمینان بخش دیکھے تو وہاں ٹھہرنا ضروری نہ سمجھا اور صلاح الدین کو وہاں بطور نائب مقرر کر کے خود بالائی مصر چلا گیا۔

اسکندریہ جیسے تاریخی، تجارتی اور عسکری لحاظ سے قدیم شہر میں صلاح الدین کا تقرر کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ اس کے بزرگ اس میں قیادت کے جوہر چمکتے دیکھ رہے ہیں۔ اب تک صلاح الدین کی خوبیاں میدان جنگ میں ظاہر ہوئی تھیں مگر سیاسی اور انتظامی امور سے نبرد آزما ہونے کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ مستقبل کے اس فاتح نے اس میدان میں بھی خود کو ہر لحاظ سے قابل ثابت کر دکھایا۔ رمضان شریف کا مہینہ اس طرح گزرا کہ صلاح الدین بدستور اسکندریہ میں اور شیر کوہ بالائی مصر کے انتظامی معاملات میں مصروف رہے۔ [2]

صلاح الدین اسکندریہ کے محاذ پر ❁ ادھر قاہرہ میں مصری اور عیسائی فوجوں نے از سر نو تیاری کرلی تھی۔ انہیں یہ بھی معلوم ہوچکا تھا کہ شامیوں کی دو ہزار فوج بھی دو حصوں میں تقسیم ہوچکی ہے اور شیر کوہ اسکندریہ سے خاصے فاصلے پر چلا گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے تیزی سے پیش قدمی کی اور اسکندریہ پہنچ کر شہر کا نہایت سختی سے محاصرہ کرلیا۔ خوراک و رسد کے راستے مسدود ہوئے تو شہر میں قحط کی سی صورتحال پیدا ہوگئی۔ صلاح الدین نے اپنے ساتھیوں کو مایوس نہیں ہونے دیا۔ اس نے اپنے چچا کو پیغام بھیجا کہ وہ جلد از جلد مدد کو پہنچے، لین پول اس معرکے کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''عیسائی اور مصری افواج نے مشترکہ طور پر اسکندریہ کو نرغے میں لے لیا۔ ساحل پر نصرانیوں کے

(1) الکامل فی التاریخ: 189/7 (2) ابن خلدون: 277/5

بحری جہاز تیار کھڑے تھے۔ صلاح الدین کے لیے آزادانہ کمان کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ اس نے نہایت خوش اسلوبی سے اسکندریہ کی مدافعت کی۔"

صلاح الدین نے اڑھائی ماہ گزر جانے کے باوجود ہتھیار نہ ڈالے اور اسکندریہ کی بلند و بالا فصیلوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس امید پر دفاع جاری رکھا کہ جلد یا بدیر شیر کوہ باقی سپاہیوں کے ساتھ ان کی مدد کو ضرور پہنچے گا۔

ادھر شیر کوہ کو اسکندریہ کی نازک صورتحال کا پورا اندازہ تھا، وہ صلاح الدین کا پیغام ملتے ہی بالائی مصر سے چل پڑا۔ لین پول نے لکھا ہے کہ اس موقع پر اس نے اسکندریہ کی بجائے قاہرہ کا رخ کیا اور اسے گھیر لیا جس کے باعث اسکندریہ پر حملہ آور فوجیں گھبرا گئیں اور انہیں اسکندریہ کا محاصرہ اٹھانا پڑا۔ مگر یہ روایت درست نہیں، اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ صحیح بات یہ ہے کہ وہ سیدھا اسکندریہ ہی کی طرف آیا۔ گو اس کی اپنی حالت اتنی مضبوط نہ تھی، اس کی فوج کے بعض امراء بھی شاور کے بہکاوے میں آکر اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے مگر خوش قسمتی سے اس کے باوجود شیر کوہ کی کوئی کمزوری اسکندریہ کا محاصرہ کرنے والے عیسائی حکمران املرک اور اس کے مصری اتحادیوں پر عیاں نہ ہو سکی۔ وہ بدستور نفسیاتی دباؤ میں رہے۔ اور آخر کار صلح کے پیغام کی ابتداء انہی کی طرف سے ہوئی جو کہ شامی لشکر کی برتری کی دلیل تھی۔ اتحادیوں نے پیش کش کی تھی کہ اگر شیر کوہ صلح کر لے تو وہ پچاس ہزار دینار ادا کریں گے۔ شیر کوہ نے نفسیاتی برتری برقرار رکھتے ہوئے صلح نامے میں یہ شرائط بھی عائد کر دیں کہ عیسائی مصر سے فوراً نکل جائیں گے، یہاں کسی شہر میں نہیں رہیں گے، کسی ایک گاؤں پر بھی قبضہ باقی نہیں رکھیں گے۔ اس نے شاور کو بھی صلح نامے میں اس بات کا پابند کیا کہ وہ اسکندریہ کے عوام کو شامیوں کی حمایت کے بدلے کوئی اذیت نہیں دے گا۔

اتحادیوں نے یہ تمام شرائط قبول کر لیں۔ املرک نے انہیں قبول کرنے میں سب سے زیادہ تیزی دکھائی کیوں کہ وہ جلد واپس جا کر اپنے ملک کی خبر لینا چاہتا تھا جہاں سلطان نورالدین نے مزید کئی قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ ماہ شوال 562ھ (جولائی 1167ء) کے وسط میں اس صلح نامے پر عمل ہوا اور صلاح الدین نے اسکندریہ خالی کر دیا۔ شامی فوجوں نے ایک بار پھر ہاری ہوئی جنگ جیت لی تھی۔ یورپی مؤرخ لین پول خود اس کی گواہی دیتے ہوئے تحریر کرتا ہے:

"نصرانیوں کا بیان ہے کہ اس جنگ میں انہیں فتح حاصل ہوئی تھی، اسکندریہ کے انخلاء کو وہ ہتھیار ڈالنے سے تعبیر کرتے ہیں لیکن اگر عرب مؤرخین کی یہ روایت درست ہے کہ املرک نے شیر کوہ

کو واپسی کے عوض پچاس ہزار اشرفیاں بھی دی تھیں، تو پھر برتری مسلمانوں کی نظر آتی ہے۔''۵۸

<u>ایک اللہ والے کی بشارت</u>: نجم الدین کے بیٹے یوسف نے تین ماہ تک اسکندریہ میں محصور رہ کر جس دلیری، بلند ہمتی اور ہوشیاری سے شہر کا کامیاب دفاع کیا تھا اس کے چرچے ہر طرف ہو رہے تھے۔ اس دوران دمشق میں نجم الدین ایوب خود ہر آنے جانے والے سے مصر اور خصوصاً اسکندریہ کی خبریں بڑی بے چینی سے معلوم کیا کرتا تھا۔

شعبان کے مہینے میں جبکہ محاصرے کو ایک ماہ گزر چکا تھا، نجم الدین کو معلوم ہوا کہ بغداد کے مشہور عالم شیخ عماد اصفہانی دمشق آ گئے ہیں اور قاضی القضاۃ کمال الدین شہرزوری نے انہیں مدرسہ نوریہ شافعیہ میں ٹھہرایا ہے۔ شیخ عماد کوئی معمولی انسان نہیں تھے، وہ ایک ادیب، شاعر اور مورخ کی حیثیت سے عالم اسلام میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ نجم الدین نے ان کی آمد کی خبر سنتے ہی صبح سویرے مدرسہ نوریہ شافعیہ کا رخ کیا۔ سرکاری طور پر ان کی خدمت میں سب سے پہلے حاضر ہونے کی سعادت نجم الدین ہی کو حاصل ہوئی۔ شیخ عماد سے نجم الدین ایوب کے گھرانے کی شناسائی اس زمانے سے تھی جب وہ تکریت میں رہتے تھے۔ اب مدتوں بعد یوں دمشق میں جمع ہو جانا ان کے لیے نہایت مسرت کا باعث تھا۔ شیخ عماد، نجم الدین سے مصر کے حالات معلوم کرتے رہے۔ شامی افواج کی فتوحات سے آگاہ ہو کر ان کے دلی جذبات اشعار کی صورت میں ظاہر ہوئے اور انہوں نے بے ساختہ فرمایا:

وَيَسْتَقِرُّ بِمِصْرَ يُوسُفُ وَبِهِ ... تَقَرُّ بَعْدَ التَّنَائِي عَيْنُ يَعْقُوبَ

وَيَلْتَقِي يُوسُفُ فِيهَا بِإِخْوَتِهِ ... وَاللّٰهُ يَجْمَعُهُمْ مِنْ غَيْرِ تَثْرِيبِ

''مصر میں یوسف مستحکم ہو جائے گا اور جدائی کے بعد یعقوب کی آنکھ وہیں ٹھنڈی ہوگی۔ وہیں یوسف اپنے بھائیوں سے ملے گا۔ اللہ انہیں کسی خدشے کے بغیر اکٹھا کر دے گا۔''۵۹

شیخ نے ان اشعار میں امید ظاہر کی تھی کہ نجم الدین کا فرزند یوسف مصر کا بادشاہ بنے گا جیسے اللہ نے یوسف علیہ السلام کو یہ منصب دیا تھا۔ یہ بات حرف بحرف سچ ثابت ہوئی۔ چند سالوں بعد یوسف کو مصر میں حکومت بھی ملی اور نجم الدین ایوب کا پورا خاندان وہاں جمع ہو گیا۔

شیخ عماد کو بعد میں نجم الدین کی کوششوں کی بدولت سلطان نور الدین کے دربار میں کتابت و انشاء نگاری کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ اس کے باعث وہ عماد الکاتب کے لقب سے مشہور ہوئے۔۶۰

۵۸ الکامل فی التاریخ: 7/180، سیرت صلاح الدین: 47، کتاب الروضتین: 2/19

۵۹ البدایہ والنہایہ، تحت 562ھ

۶۰ الکامل فی التاریخ: 7/190، 191

<u>معاہدہ اسکندریہ کی خلاف ورزی</u> ﷺ معاہدہ اسکندریہ کے بعد ذی قعدہ کے وسط (ستمبر 167...
میں شیر کوہ اور صلاح الدین یوسف سپاہیوں سمیت واپس شام چلے گئے۔ املرک بھی لوٹ گیا۔ ...
فرنگیوں کے اصل لشکر کی واپسی کے باوجود طے شدہ معاہدے کے برخلاف عیسائی افسران اور ان کے
بہت سے سپاہی مصر میں موجود رہے جو اہل مصر کو دھمکانے کے لیے کافی تھے۔ انہوں نے مصر پر
دباؤ ڈال کر اپنا ایک انتظامی افسر قاہرہ میں مقرر کر دیا، شہر کے پھاٹکوں پر اپنے گھڑ سوار تعینات کر دیے
اور سالانہ خراج کی شرح بڑھا کر ایک لاکھ دینار کر دی۔ یہ تمام معاملات وہ شاور کے ساتھ طے کر رہے
تھے جبکہ عاضد بے بس قیدی کی طرح دولت عبیدیہ کی رسوائی کا یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔

بد باطن شاور کا بیٹا کامل ایک نیک بخت نوجوان تھا، وہ اپنے باپ کی اس سیاہ سیاست سے تنگ آ چکا تھا، اس نے مصر کے تازہ ترین حالات سے یہ محسوس کر لیا کہ اس کا وطن نصرانیوں کا غلام بنتا جا رہا ہے۔ اس نے سلطان نور الدین کو خط لکھ کر اس صورتحال سے آگاہ کیا اور وعدہ کیا کہ وہ مصر میں سلطان کے لئے رائے عامہ کو ہموار کرے گا تاکہ سلطان کی فوج انہیں نصرانیوں سے نجات دلا سکے۔[1]

<u>فرنگیوں کی مشاورت</u> ﷺ معاہدہ اسکندریہ کے بعد ایک سال گزر گیا۔ گنتی کے چند عیسائی افسران اور سپاہی پورے مصر کو لاٹھی سے ہانک رہے تھے۔ ان کے مظالم کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ تھی۔ ایک سال کے اندر اندر عیسائی افسران پر مصریوں کی بے بسی پوری طرح عیاں ہو گئی تھی۔ وہ سوچ رہے تھے کہ اگر اس وقت فوج کشی کر کے ملک کو باقاعدہ فتح کر لیا جائے تو کوئی قابل ذکر مزاحمت نہیں ہوگی، چنانچہ وہ املرک کو مصر پر حملے کی دعوت دے چکے تھے۔ القدس میں املرک اب اس معاملے پر مشورہ کر رہا تھا کہ آیا مصر کو مکمل طور پر فتح کر لیا جائے یا اسی حال پر رہنے دیا جائے۔ تقریباً تمام مشیر وہاں حملہ کرنے کے حق میں تھے۔ تاہم املرک بہت دور اندیش اور محتاط تھا۔ اس کو موجودہ صورتحال میں تو یہ اطمینان تھا کہ بیٹھے بٹھائے مصر کا خراج اسے مل رہا ہے۔ مگر وہاں باقاعدہ قبضے کی صورت میں اسے کئی خدشات تھے۔ اس نے اپنے مشیروں سے کہا:

"میرا خیال ہے کہ ہم مصر پر فوج کشی نہ کریں۔ وہ ہمارے لیے لقمۂ تر ہے، اس کی ساری آمدن ہمیں خود بخود یہاں پہنچ رہی ہے جس کے ذریعے ہم نور الدین زنگی کے خلاف اپنی فوج کو مضبوط تر کر سکتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر ہم نے مصر پر قابض ہونے کی کوشش کی تو وہاں کے حکام اور عوام ہمارے مخالف بن جائیں گے اور <u>ہمارا خوف انہیں نور الدین کی وفاداری پر آمادہ</u>

[1] الکامل فی التاریخ: 7/106

کر دے گا۔ پھر ایسی صورتحال میں اگر شیر کوہ جیسا کوئی مرد میدان وہاں پہنچ گیا تو یقیناً یہ نصرانیوں
کی ہلاکت اور ان کے شام تک سے بے دخل ہونے کا باعث ہوگا۔"

ایلمرک کی اس تقریر کا امرائے فوج پر کوئی خاص اثر نہ ہوا اور انہوں نے جواب دیا:

''مصر کا کوئی محافظ ہے نہ مددگار، جب تک نور الدین لشکر تیار کر کے وہاں روانہ ہوگا ہم وہاں قبضہ
کر چکے ہوں گے اور نور الدین جب وہاں آئے گا تو اس کا بچ کر نکلنا مشکل ہوگا۔''

ایلمرک کی مصر پر یلغار: سب کو متفق دیکھ کر ایلمرک نے مصر پر حملے کا فیصلہ کر لیا مگر اس کے دلی خدشات ابھی ختم نہیں ہوئے تھے۔ اس نے فوج کو تیاری کا حکم دیا اور لشکر کشی کی ظاہری ہیئت ایسی رکھی کہ مسلمانوں کو ان کی پیش قدمی کی صحیح سمت کا اندازہ نہ ہو۔ اس نے یہی ظاہر کیا کہ لشکر حمص پر حملے کے لیے جا رہا ہے تاکہ مسلمان دھوکے میں رہیں۔ [۶۰]

محرم 564ھ (اکتوبر 1168ء) کے وسط میں ایلمرک اپنی فوج کے ساتھ عسقلان سے مصر کی طرف روانہ ہوا، اس دوران اسے مصر کے بعض ایسے امراء کے پیغامات وصول ہوئے تھے جو شاور سے تنگ اور فرنگیوں کا ساتھ دینے کے لیے تیار تھے، وہ فرنگیوں کے ذریعے شاور کو اقتدار سے ہٹانا چاہتے تھے۔ ان پیغامات سے نصرانیوں کا حوصلہ مزید بڑھ گیا۔ اگرچہ نصرانیوں نے اپنی فوج کشی کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی تھی مگر نور الدین زنگی کو خبر مل گئی۔ اس نے مختلف صوبوں کے حکام کو فوراً لشکر تیار کر کے اپنے پاس آنے کا حکم دے دیا۔

ادھر ایلمرک یکم صفر 564ھ (3 نومبر 1168ء) کو مصر کے سرحدی قصبے بلبیس پہنچ گیا۔ اب اس کے چہرے سے شرافت و مروت کا وہ نقاب بھی اتر چکا تھا جو وہ اہل مصر کے سامنے پہن کر خود کو ان کا نجات دہندہ باور کراتا تھا۔ اب وہ استعمارانہ عزائم کا حامل ایک جلاد نظر آ رہا تھا۔ اس نے ایک درندے کی طرح بلبیس پر حملہ کیا اور وہاں قتل عام کر کے پوری آبادی کو موت کے گھاٹ اتار دیا، پانچ دن تک وہاں ظلم و ستم کا بازار گرم رہا۔

مگر اس غارت گری کا نتیجہ فرنگیوں کے حق میں بدتر ثابت ہوا۔ مصر کے کئی امراء جو ایلمرک کو اپنی حمایت کا یقین دلا چکے تھے، بلبیس کے باشندوں کا انجام دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے۔ پہلے وہ شہروں کے دروازے کھول کر نصرانیوں کا استقبال کرنے کے لیے تیار تھے مگر اب انہیں اپنے انجام کے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں رہ گئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے دفاع کا فیصلہ کر لیا۔

---

۶۰ کتاب الروضتین: 2/46، 47؛ الکامل فی التاریخ: 7/198

چند دن بعد عیسائی لشکر قاہرہ کی طرف روانہ ہوا۔قاہرہ کے قریب تاریخی شہر فسطاط واقع تھا جو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بسایا تھا۔عام بول چال میں شہرِ مصر سے یہی مراد لیا جاتا تھا۔بنو عبید نے اپنے دور میں اس کے بالمقابل قاہرہ تعمیر کر کے اسے دارالحکومت قرار دے دیا تھا مگر اس کے باوجود مصر کی گنجان آبادی فسطاط ہی میں تھی۔

فسطاط جل کر راکھ ❋ املرک مسلمانوں کو اتنا دہشت زدہ محسوس کر کے بے حد جری ہو چکا تھا۔اسے نظر آ رہا تھا کہ اس کے مشیروں کی رائے صحیح تھی اور وہ کسی دقت کے بغیر مصر فتح کر سکتا ہے۔اس نشے میں وہ تیزی سے قاہرہ کی طرف بڑھ رہا تھا اور شاور اس کے خوف سے کانپ رہا تھا۔اس موقع پر شاور نے نصرانیوں سے دفاع کے لیے ایک نہایت قابلِ نفرت تدبیر اپنائی۔اس نے یہ سوچ کر کہ کہیں عیسائی قاہرہ پر حملے کے لیے فسطاط میں مورچے نہ بنالیں فسطاط کی آبادی کو شہر سے نکال کر قاہرہ کی طرف ہانک دیا اور اس ساڑھے پانچ سو سالہ تاریخی شہر کو آگ لگا دی۔شہر میں ہر طرف شعلے بھڑکنے لگے۔دھوئیں کے مہیب بادل میلوں دور سے نظر آتے تھے،کہا جاتا ہے کہ فسطاط کو آگ لگانے کے لیے دس ہزار مشعلیں اور تیل کے بیس ہزار کنستر استعمال کیے گئے تھے۔یہ اتنی بڑی آتش زدگی تھی کہ شہر 54 دن تک سلگتا رہا۔جب آگ کے شعلے ٹھنڈے ہوئے تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بسایا ہوا شہر خاکستر ہو چکا تھا۔شاور کی اس مجنونانہ تدبیر کے باوجود املرک کو کوئی نہ روک سکا۔وہ دس صفر کو قاہرہ تک پہنچ گیا۔

عاضد اور شاور کی فریاد ❋ نصرانیوں کو قاہرہ کا محاصرہ کرتے دیکھ کر عاضد لرز گیا،مصری محل میں ماتم برپا ہو گیا،عاضد نے اپنی عورتوں کے کچھ نوچے ہوئے بال برق رفتار قاصد کے ذریعے نورالدین زنگی کے پاس حلب روانہ کر دیے اور ساتھ ہی ایک خط بھی بھیجا جس میں حالات کی منظر کشی کے بعد لکھا:

> ”میری مدد کرو،میری عورتوں کو فرنگیوں سے بچاؤ۔یہ شاہی محل کی خواتین کے بال ہیں جو تمہیں مدد کے لیے پکارتی ہیں۔“

نورالدین یہ خط پڑھ کر مصر کے بارے میں بے حد فکر مند ہو گیا۔ادھر قاہرہ کا محاصرہ سخت سے سخت تر ہوتا جا رہا تھا تاہم شہر کی بلند فصیل کافی دنوں تک حملہ آوروں کو روک سکتی تھی۔مصری وزیر شاور سفارت کاری کا ماہر تھا۔اس نے املرک کو پیغام بھیج کر اپنی سابقہ دوستی یاد دلائی اور اسے سمجھایا کہ اس معاملے کو صلح و صفائی سے ”کچھ لو کچھ دو“ کے مطابق طے کر لینا بہتر ہے ورنہ دونوں کا مشترکہ دشمن نورالدین مصر پر قابض ہو جائے گا۔

یہ سفارت کاری کامیاب رہی......املرک نورالدین کے نام سے یوں چونکا جیسے کسی بھیانک خواب

ــ بڑبڑا کر اٹھ بیٹھا ہو، اسے خطرہ محسوس ہوا کہ اگر قاہرہ کی فتح میں تاخیر ہوئی تو نورالدین اپنے لشکر سمیت یہاں پہنچ جائے گا اور پھر اس کے لیے زندہ واپس جانا آسان نہیں ہوگا۔ شاور نے صلح کے بدلے اسے دس لاکھ دینار دینے کا وعدہ کیا جن میں سے ایک لاکھ نقد اور بقیہ کی ادائیگی نصرانیوں کے واپس لوٹنے کے بعد طے پائی۔ [1]

نصرانیوں کے جانے کے بعد شاور نے بقیہ نو لاکھ دینار جمع کرنے کے لیے قاہرہ اور دوسرے شہروں میں کارندے متعین کر دیے مگر پورا ملک معاشی زبوں حالی کا شکار تھا، عوام کا بہت کچھ عیسائی پہلے ہی لوٹ چکے تھے، سب سے بڑا شہر فسطاط جل کر کوئلہ ہو چکا تھا، اس لیے لاکھ کوششوں کے باوجود شاور پانچ ہزار دینار سے زیادہ جمع نہ کر چکا۔ آخر تنگ آ کر وہ بھی نورالدین زنگی سے مدد مانگنے پر مجبور ہو گیا۔ اس نے دہائی دی کہ اگر اہل شام نے مدد میں تاخیر کی تو مصر کفار کے پاس چلا جائے گا۔

چچا کو بلاؤ: سلطان نورالدین نے مصر سے نصرانیوں کو نکالنے کے لیے ایک بھرپور حملے پر غور کرنا شروع کر دیا۔ عاضد نے نورالدین زنگی کو مصر کے تہائی علاقوں کی حکومت دینے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ آخر نورالدین نے حملے کا فیصلہ کر لیا۔ اس مہم پر شیرکوہ کا جانا بھی ضروری تھا کیوں کہ مصر کے نشیب و فراز کو اس سے بہتر کوئی اور نہیں سمجھ سکتا تھا۔ خود عاضد نے اسی کے مصر میں تعینات کیے جانے پر اصرار کیا تھا۔

شیرکوہ ان دنوں اپنی جاگیر حمص کی دیکھ بھال کے لیے گیا ہوا تھا۔ سلطان نورالدین نے صلاح الدین یوسف کو جسے ان دنوں دمشق کے منتظم کی حیثیت حاصل تھی، فوراً اپنے پاس حلب بلوایا۔ وہ حاضر ہوا تو سلطان نے کہا:

> ''اپنے چچا شیرکوہ کے پاس حمص جاؤ اور اسے کسی تاخیر کے بغیر جلد از جلد میرے پاس آنے پر آمادہ کرو۔''

صلاح الدین یوسف سلطان کے خصوصی قاصد کے ساتھ اس وقت حمص کی طرف روانہ ہو گیا...... لیکن ابھی وہ ایک میل چلے تھے کہ انہوں نے شیرکوہ کو آتے دیکھا۔ ایلچی نے اسے سلطان کا پیغام دے دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ سلطان کے سامنے تھا۔ سلطان کو اس کی اتنی جلد آمد پر حیرت ہوئی۔ شیرکوہ نے عرض کیا:

> ''مصر کے حالات پر مبنی بعض مصری عمائد کے خطوط پہنچے ہیں، میں نے محسوس کیا کہ اس تازہ صورتحال پر مشورے کے لیے سلطان کی خدمت میں حاضری ضروری ہے چنانچہ صرف ایک رات میں نہایت تیزی سے سفر کر کے حمص سے حلب آیا ہوں۔''

[1] کتاب الروضتین: 2/52، الکامل فی التاریخ: 7/198

اب شیرکوہ اور سلطان کے درمیان مشورہ شروع ہوا۔ شیرکوہ ضرورت محسوس کرنے کے باوجود مصر کی مہم کے لیے ذہنی طور پر تیار نہ تھا۔ اس نے سلطان سے لشکر کے مصارف کی کمی کا عذر کیا اور اہل مصر کی غداری بار بار آزمانے کے بعد ان پر اعتبار ناممکن قرار دیا۔ سلطان نے مصارف اور لشکر کشی کے سارے انتظامات کا یقین دلایا اور ساتھ ہی کہا:

''دیکھو شیرکوہ! اگر تم اس مہم پر نہیں جاؤ گے تو پھر اس کی اہمیت کے پیش نظر مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ میں خود یہ لشکر لے کر جاؤں کیوں کہ اگر ہم نے اس معاملے کو سرسری سمجھا تو فرنگی مصر پر قابض ہو جائیں گے اور پھر ہم شام میں بھی کہیں رہ نہ پائیں گے۔''

میں مصر نہ جاؤں گا ❊ شیرکوہ یہ سن کر مصر جانے پر آمادہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر کی مشاورت کے بعد نورالدین زنگی نے شیرکوہ کو چھ ہزار گھڑسواروں کے ساتھ مصر روانگی کا حکم دے دیا۔ سلطان کا یہ حکم سن کر شیرکوہ نے صلاح الدین کی طرف دیکھا اور کہا:

''چلو یوسف! تم بھی میرے ساتھ چلنے کی تیاری کرو۔''

یہ سن کر صلاح الدین کے چہرے کا رنگ بدل گیا، اس نے کہا:

''چچا جان! اللہ کی قسم اگر مجھے مصر کی بادشاہت بھی دی جائے تب بھی میں مصر نہیں جاؤں گا...... میں نے اسکندریہ کے محاصرے میں جو تکالیف جھیلی ہیں، وہ میں کبھی نہیں بھلا سکتا۔''

سخت کوش چچا کے لیے بھتیجے کی فریاد پریشان کن تھی۔ اس نے سلطان سے کہا:

''مصر کی مہم کو کامیاب بنانے کے لیے یوسف کا ساتھ جانا ضروری ہے۔ آپ ہی اسے حکم دیجیے۔''

اب سلطان نے یوسف کو بذات خود حکم دیا مگر جواب میں وہی معذرت تھی۔ یہ مجلس ختم ہو گئی اور شیرکوہ نے کوچ کی تیاری شروع کر دی۔ اس لشکر میں دو ہزار سپاہی جو نورالدین کے خاص منتخب جانبازوں پر مشتمل تھے مزید شامل کر دیے گئے۔ شیرکوہ کے ساتھ ناصرالدین خمارتگین، قطب الدین ینال حسان، عین الدولہ یاروقی، شرف الدین بازغش، عزالدین قلیج اور دوسرے جنگ آزما سرداروں کو متعین کیا تھا۔ لشکر کے اکثر افراد ترکمان نسل سے تعلق رکھتے تھے۔

صلاح الدین نے آخر تک اس مہم میں شرکت پر آمادگی ظاہر نہیں کی تھی مگر سلطان نورالدین نے بار بار اصرار کیا اور کہا:

''تمہارا اپنے چچا کے ساتھ جانا ضروری ہے۔''

صلاح الدین نے بہانے کے طور پر آخری حربہ آزماتے ہوئے مالی حالت کی تنگی اور زاد سفر تیار نہ

ہونے کا عذر کیا، سلطان نے فوراً ایک خطیر رقم سے ان تمام چیزوں کا انتظام کر دیا۔ اب صلاح الدین کے پاس کوئی عذر نہ تھا لہٰذا وہ بھی مجبوراً مصر کی جانب روانہ ہونے والے اس لشکر میں شامل ہو گیا۔ اس لشکر کا ہر شخص نہایت شاداں و فرحاں تھا۔ اگر کوئی چہرہ افسردہ اور کبیدہ خاطر تھا تو صلاح الدین یوسف کا، جسے مصر جانے کی کوئی خوشی نہیں تھی۔ یہ کردی نوجوان اس مہم میں بادل نخواستہ جارہا تھا۔

بعد میں ایک موقعے پر خود صلاح الدین نے اس وقت کی اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے مجھے موت کی طرف ہانک کر لے جایا جارہا ہو۔

اصل بات یہ تھی کہ مصر میں صلاح الدین کے لیے دلچسپی کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ اہل مصر کی فریب سے بھرپور سیاست سے تنگ آچکا تھا۔ شامی فوجوں کا بار بار وہاں جانا، حالات کی اصلاح کے لیے کبھی شاور اور کبھی فرنگیوں سے الجھنا، خود کو موت کے منہ میں ڈالنا اور پھر کسی حتمی فیصلے کے بغیر واپس لوٹ آنا اس کے لیے ایک کارِ عبث تھا۔

گزشتہ مہمات میں صلاح الدین نے یہ سبق حاصل کیا تھا کہ مصر کی حکومت انہیں بے وقوف بنارہی ہے لہٰذا اس کا خیال تھا کہ اہل مصر کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ عاضد کا واویلا بھی اس کے نزدیک شاور کی چیخ وپکار کی طرح ایک ڈھونگ تھا اور بار بار اس ڈھونگ پر اعتبار کرنا صلاح الدین جیسے ہوشیار آدمی کے لیے ناممکن تھا...... مگر سلطان نورالدین کی نگاہیں اس سے بہت آگے مصر کی دم توڑتی حکومت کے افق پر ایک نئی صبح کا سورج طلوع ہوتا دیکھ رہی تھیں۔ آنیوالے وقت نے بتادیا کہ سلطان نورالدین کا فیصلہ بالکل درست تھا...... صلاح الدین جس سفر کو فضول تصور کررہا تھا وہی اس کی اقبال مندی اور مسلمانوں کی سعادت کا بہت بڑا سبب بنا۔ [1]

لشکر روانہ ہوا تو سلطان نے اس کی ہمت افزائی کے لیے خود دمشق سے ایک منزل دور "راس الماء" تک ساتھ دیا۔ اس دوران مصر سے خبر اطلاع پہنچی کہ فرنگیوں کا لشکر شامی فوج کی آمد کا شہرہ سن کر قاہرہ سے رفو چکر ہو گیا ہے۔ اس خبر سے نورالدین کو مزید اطمینان ہو گیا۔ پھر بھی اس نے وسطِ ربیع الاول 564ھ (دسمبر 1168ء) میں اس لشکر کو راس الماء کی خیمہ گاہ سے مصر روانہ کر دیا۔ دلجوئی کے لیے ہر سپاہی کو اضافی طور پر بیس بیس اشرفیاں بھی عنایت کیں۔

---

[1] کتاب الروضتین: 2/49، 52۔ الکامل فی التاریخ: 7/198، البدایۃ والنہایۃ: تحت 564ھ

فصل:3

مصر کا انقلاب

وسط ربیع الاول میں دمشق سے چل کر یہ لشکر سات جمادی الاخریٰ 564ھ کو قاہرہ پہنچا۔ اس کی آمد کی خبر سن کر ایمرک اپنے بزدل سپاہیوں سمیت پہلے ہی رفو چکر ہو چکا تھا۔

عبیدی سربراہ عاضد نے شیرکوہ کی آمد پر نہایت خوشی کا اظہار کیا اور اسے خلعتِ خاصہ سے نوازا۔ مصر کے باشندوں نے بھی شیرکوہ اور شامی لشکر کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہوئے بے پناہ مسرت کا اظہار کیا۔

جہاں تک شاور کا تعلق ہے اسے یہ تو اطمینان ہوا کہ وہ ایمرک کو ناقابل برداشت تاوان دینے سے بچ گیا ہے تاہم عوام و خواص کا شیرکوہ کی طرف میلان اسے اپنے اقتدار کے لیے خطرہ محسوس ہونے لگا۔ وہ بظاہر شیرکوہ سے اچھی طرح ملتا رہا مگر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ وہ وعدے کے مطابق سلطان نورالدین کو مصر کے تہائی علاقوں کی حکومت اور طے شدہ رقم دینے پر بھی تیار نہ تھا مگر اس میں شامیوں سے لڑنے کی طاقت نہیں تھی اس لیے وہ کوئی ایسا طریقہ سوچ رہا تھا جو "سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے" کا مصداق ہو۔

<u>شاور کی سازش اور کامل کی دینی حمیت</u>: آخر اس نے ایک ترکیب سوچ لی...... اس نے شیرکوہ اور اس کے خاص ساتھیوں کو ضیافت پر مدعو کر کے اچانک گرفتار کرنے کا منصوبہ بنالیا...... اس کا خیال یہ تھا کہ وہ اتنے بڑے مسلم جرنیلوں کو نصرانیوں کے حوالے کر کے ان کو تاوان ادا کرنے سے بچ جائے گا یا انہیں یرغمال بنا کر دوسرے سیاسی فوائد حاصل کرتا رہے گا۔ شاید شاور کا یہ ناپاک منصوبہ کامیاب ہو جاتا مگر اس کے نوجوان بیٹے کامل کو اس کی بھنک پڑ گئی۔ اس نے اپنے باپ کو سختی کے ساتھ اس فعلِ بد سے منع کیا اور کہا:

"اگر آپ ایسا کرنے سے باز نہ آئے تو میں پہلے ہی شیرکوہ کو سب کچھ بتا دوں گا۔"

شاور نے کہا:

”اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو شیر کوہ کے ہاتھوں ہم سب مارے جائیں گے۔“

کامل نے جذبات سے بھرپور انداز میں کہا:

”آپ سچ کہتے ہیں مگر اس کے باوجود میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ہمارے قتل کر دیے جانے سے یہاں کے مسلمان مسلمان رہیں اور یہ ملک مسلمانوں کا رہے تو مجھے یہ سودا منظور ہے مگر میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ ہمیں قتل کر کے فرنگی یہاں کے مالک بن جائیں۔ ابا جان! یاد رکھیے اگر آپ نے شیر کوہ کو گرفتار کر لیا تو پھر اس ملک کو نصرانیوں کے قبضے میں جاتے ہوئے ذرا بھی دیر نہیں لگے گی اور اس کے بعد اگر خلیفہ عاضد خود بھی پا پیادہ سلطان نور الدین کے پاس جا کر مدد مانگے گا تو سلطان ایک سپاہی بھی نہیں بھیجے گا اور عیسائی اس پورے ملک پر قبضہ کر لیں گے۔“

کامل کی اس حقیقت کشا تقریر کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ شاور اس منحوس ارادے سے باز آ گیا۔[۹]

<u>شاور کا انجام</u> ادھر شیر کوہ اور اس کے رفقاء پر شاور کی بد نیتی ظاہر ہو چکی تھی۔ شاور عبیدی حکومت کی طرف سے طے شدہ تہائی آمدن کا خراج ادا کرنے کے بارے میں بھی ٹال مٹول کر رہا تھا۔ تاہم شیر کوہ درگزر کرتا رہا جبکہ صلاح الدین یوسف، عز الدین اور دیگر سردار اس کے خلاف سخت کارروائی کے حق میں تھے۔ وہ اپنے جذبات سے شیر کوہ کو آگاہ کر چکے تھے مگر اس نے کسی کارروائی سے منع کر دیا تھا۔

ایک دن صلاح الدین یوسف اور یہ ترکمان سردار اپنی لشکر گاہ میں تھے کہ شاور شیر کوہ سے ملنے آیا۔ یہ اس کی عام عادت تھی کہ وہ موقع بموقع شامیوں کی لشکر گاہ میں آتا رہتا تھا اور شیر کوہ سے مختلف موضوعات پر بات چیت کیا کرتا تھا۔ اس دن وہ آیا تو شیر کوہ لشکر گاہ میں موجود نہ تھا۔ وہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مزار کی زیارت کے لیے گیا ہوا تھا۔ صلاح الدین اور دیگر شامی امراء نے شاور کا اعزاز و اکرام کیا اور اسے شیر کوہ کے مزار شافعی پر جانے کی اطلاع دی۔ وہ بولا:

”ہم بھی وہیں چلے چلتے ہیں۔“

صلاح الدین، عز الدین جورد یک اور ان کے چند ساتھی شاور کے ساتھ مزار امام شافعی کی طرف چل پڑے۔ شاور کا حفاظتی دستہ حسب معمول اس کے ساتھ تھا، اس لیے اسے کوئی خطرہ نہ تھا مگر صلاح الدین اور دیگر شامی امراء راستے میں ایک دوسرے کو اشارہ کر چکے تھے کہ شاور کو پکڑنے کا یہی وقت ہے۔

ایک کھلی جگہ سے گزرتے ہوئے صلاح الدین اور عز الدین جورد یک نے جو گفتگو کرتے ہوئے <u>شاور کے دائیں بائیں چل رہے تھے اسے گھڑ دوڑ کی پیش کش کی۔</u> شاور نے اسے تفریح کے طور پر قبول

۹ الکامل فی التاریخ: 109,108/7

کرلیا۔تینوں نے گھوڑوں کوایڑلگائی اور باقی لوگوں سے بہت آگے نکل گئے۔اب شاور تنہا تھا۔صلاح الدین اور عزالدین نے اسے یکدم پکڑ کر زمین پر گرادیا...... یہ منظر دیکھ کر شاور کے تمام محافظ جو کچھ فاصلے پر تھے بھاگ گئے۔شاور کوگرفتار کر کے شیرکوہ کواس کارروائی کی خبر دی گئی۔

اس دوران عاضد کو بھی یہ اطلاع مل گئی۔وہ شاور کی دست درازیوں سے پہلے ہی نالاں تھا۔اس نے موقع غنیمت جانا اور پے در پے کئی قاصد بھیج کر شیرکوہ پر زور دیا کہ شاور کا سر کاٹ کر اسے پیش کردیا جائے۔اب شیرکوہ کو کیا تامل ہوسکتا تھا۔اس نے شاور کو قتل کرا کے اس کا سر عاضد کے پاس بھجوادیا۔یہ واقعہ 17 جمادی الثانیہ 564ھ (19 مارچ 1169ء) کا ہے۔کہا جاتا ہے کہ شاور کی گردن کاٹنے کا کام عزالدین جوردیک نے انجام دیا تھا۔[۹]

شاور کے قتل سے عاضد کو ایک ایسے شخص سے نجات مل گئی تھی جو ماتحت ہوکر بھی اس پر حکومت کررہا تھا۔عوام نے بھی خوشی منائی کیونکہ وہ نہ صرف شاور کے واسطے سے نصرانیوں کو ناقابل برداشت ٹیکسوں کی ادائیگی سے تنگ تھے بلکہ شاور کے ہاتھوں فسطاط کی آتش زدگی سے بھی بے حد برہم تھے۔شیرکوہ واقعی ان کا نجات دہندہ ثابت ہوا تھا۔

<u>شیرکوہ...... چند دن کا وزیر</u>: شیرکوہ عاضد سے ملنے قاہرہ میں داخل ہوا تو اس کا شاندار استقبال ہوا۔عاضد نے اسے نہ صرف خلعتِ فاخرہ دی بلکہ شاور کی جگہ وزارتِ مصر کا عہدہ بھی سونپ دیا اور "الملک المنصور" کے لقب سے نوازا۔شیرکوہ محل سے نکلا تو اس کے ہاتھ میں عبیدی سربراہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا پروانۂ حکومت تھا۔اس کی رہائش قصرِ وزارت میں طے کردی گئی جہاں پہلے شاور رہتا تھا۔شیرکوہ کا رخ اسی طرف تھا۔اچانک اسے سڑک پر عوام کا بے پناہ ہجوم نظر آیا۔یہ لوگ شاور کے محل کی طرف دوڑتے جارہے تھے۔عاضد نے شاور کے خلاف عوام کے غم وغصے کی نکاسی کے لیے یہ اجازت دے دی تھی کہ شاور کا محل جو چاہے لوٹ لے۔منادی کی یہ پکار سنتے ہی لوگوں کا انبوہ قصرِ وزارت پر ٹوٹ پڑا تھا،شیرکوہ جب ہجوم سے بچتے بچاتے قصرِ وزارت میں پہنچا تو وہاں کچھ باقی نہیں بچا تھا،محل کا تمام سازوسامان عوام تھوڑی دیر میں لوٹ کر لے گئے تھے،کوئی قالین،دری یا کرسی تک باقی نہیں رہی تھی کہ شیرکوہ اس پر بیٹھ سکتا۔

اس وقت اسے شاور کے بیٹے کامل کا خیال آیا،اسے اپنے ذرائع سے یہ معلوم ہوچکا تھا کہ ایک بار <u>اس نوجوان نے اپنے باپ کو اس کے خلاف خفیہ کارروائی</u> سے روکا تھا۔شیرکوہ نے اپنے اس محسن کے

۹ سیرت صلاح الدین/ص 278، الکامل فی التاریخ: 7/ 160، کتاب الروضتین: 2/ 57، 60

بارے میں تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ آخری بار اسے اپنے بھائیوں کے ساتھ اسی محل میں لوگوں کے ہجوم سے پناہ لیتے ہوئے دیکھا گیا تھا، اس کے بعد اس کا کچھ پتا نہ چلا۔ غالباً وہ بلوے میں مارا گیا تھا۔ شیرکوہ بار بار کفِ افسوس مل کر کہتا تھا:

''کاش وہ بچ جاتا...... آج میں اس قابل تھا کہ اسے اس کے احسان کا صلہ دیتا۔''[۵]

اب شیرکوہ مصر کے وزیرِ اعظم کے روپ میں عملاً ایک بڑی سلطنت کا حاکم بن چکا تھا۔ یہ اس کے اقتدار کا آغاز تھا جو خود مختاری میں بھی بدل سکتا تھا۔ مگر عین اس وقت جبکہ اس کی مہارت، سیاست، مقبولیت اور شہرت کا زمانہ عروج پر تھا، اس کا وقت آن پہنچا۔ اسے مصر پر حکومت کے صرف دو ماہ پانچ دن نصیب ہوئے۔ ہفتہ 22 جمادی الثانیہ 564ھ (23 مارچ 1169ء) کو یہ نامور سپہ سالار ایک ناگہانی بیماری میں مبتلا ہو کر دنیا سے رخصت ہوگیا۔[۶]

عزیزِ مصر، یوسف صلاح الدین ﷫: عاضد، شیرکوہ کی موت کے بعد وزارتِ مصر اس کے کسی ساتھی کو دینے کا پابند تھا۔ ادھر شامی فوج میں کئی سردار اس کے منتظر تھے کہ یہ منصب ان کے حصے میں آئے۔ ان میں صلاح الدین کا ماموں شہاب الدین محمود الحارمی، سیف الدین مشطوب الھکاری، قطب الدین اور عین الدولہ پیش پیش تھے مگر عاضد نے ان میں سے کسی کو پسند نہ کیا کیوں کہ ذاتی طور پر وہ صلاح الدین یوسف کی قابلیت اور سمجھ بوجھ سے زیادہ متاثر تھا۔ اس کے علاوہ اس کے درباریوں نے بھی اسے مشورہ دیتے ہوئے کہا تھا:

''اگر آپ یوسف کو وزیر بنا دیں تو وہ ہمارا ہر لحاظ سے فرماں بردار ہوگا۔ کیوں کہ شامی امراء میں سے وہ سب سے کم عمر ہے۔ بعد میں ہم شام کے دیگر امراء کو حکومتِ مصر میں ان کی افواج سمیت شامل کر کے اپنی حالت مضبوط کر سکتے ہیں۔ پھر اس وقت ہم چاہیں تو یوسف کو وزارت سے بلا تردد معزول کیا جا سکتا ہے۔''

اس مشورے کے بعد عاضد نے یوسف کو اپنے محل میں طلب کیا اور خلعتِ وزارت سے نوازا۔ سرکاری طور پر نئے وزیرِ اعظم کے لیے ''الملک الناصر'' کے لقب کا اعلان کیا گیا۔[۷]

ایک 33 سالہ وجیہ و حسین جوان کا مصر میں وزارتِ عظمیٰ کا منصب پانا ایک ایسا حیران کن واقعہ تھا جس کا کچھ دنوں پہلے کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ خود صلاح الدین کو اس کا کوئی اندازہ نہ تھا اور نہ وہ مصر

۵ الکامل فی التاریخ: 7/199، 200؛ ابن خلکان: 5/279
۶ ابن خلکان: 5/279؛ الکامل فی التاریخ: 7/200؛ کتاب الروضتین: 2/68
۷ الکامل فی التاریخ: 7/201؛ ابن خلکان: 5/279

آنے کے لیے اتنا کبیدہ خاطر نہ ہوتا۔ یوسف کا یوں مصر کا حکمران بن جانا ہمیں ہزاروں برس قبل فرعونوں کے دور میں لے جاتا ہے جب شام سے ایک قافلہ مصر پہنچا تھا جس میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے لخت جگر یوسف علیہ السلام کو غلام بنا کر لایا گیا تھا۔ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کی تعلیم وتربیت کی اور پھر نبوت عطا فرمائی۔ مختلف آزمائشوں کی بھٹی سے گزار کر انہیں کندن بنایا اور سخت رکاوٹوں کے باوجود مصر کی وزارت عظمیٰ تک اس شان سے پہنچایا کہ مصر کا بادشاہ صرف برائے نام امور کا مختار تھا، سارا انتظام حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ میں تھا۔ کچھ اس سے ملتی جلتی داستان ایک بار پھر وجود میں آ گئی تھی۔ یوسف ایک ماتحت کی حیثیت سے مصر آیا تھا، یہاں کی کٹھن مہمات نے اس کی تربیت کی تھی پھر تمام تر ناموافق حالات کے باوجود یہ نوجوان مصر کی وزارت عظمیٰ کے عہدے پر اس طرح فائز ہوا کہ بادشاہ سے زیادہ اختیارات اس کے پاس تھے..... عوام سے براہ راست رابطہ رکھنے والا وہی تھا۔

فقیہ عیسیٰ کی کامیاب حکمت عملی: صلاح الدین کے لیے نئے وزیر اعظم کی حیثیت سے ابتدائی چند دن بڑے نازک تھے۔ شامی امراء میں سے ہر ایک خود اس منصب کا امیدوار تھا۔ کوئی ایک بھی اپنے اس کم عمر ساتھی کا ماتحت بننے کے لیے تیار نہ تھا۔ یوسف کو اتنے بلند منصب پر فائز دیکھ کر وہ حسد میں مبتلا ہو گئے تھے۔ ان ناراض امراء میں سیف الدین مشطوب، قطب الدین ابن حلیل، صلاح الدین کا ماموں شہاب الدین حارمی اور عین الدولہ پیش پیش تھے۔

اس موقع پر صلاح الدین کے مخلص ایک کرد بزرگ ضیاء الدین عیسیٰ الہکاری رحمہ اللہ نے شامی امراء کو منانے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ بہت بڑے فقیہ، سپاہی اور سیاست دان تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنے ہم قوم امیر مشطوب الہکاری سے علیحدگی میں ملاقات کر کے اسے کہا:

"تم خواہ مخواہ صلاح الدین کے مقابلے میں وزارت کے دعوے دار مت بنو۔ کیوں کہ جب تک عین الدولہ، ابن حلیل اور شہاب الدین حارمی جیسے مضبوط امیدوار میدان میں ہیں تمہیں اس معاملے میں کسی کی حمایت نہیں ملے گی۔"

امیر مشطوب یہ سن کر وزارت کی تمنا سے باز آ گیا اور صلاح الدین کی وزارت قبول کر لی۔

اس کے بعد فقیہ نے صلاح الدین کے ماموں شہاب الدین حارمی کو سمجھایا اور کہا:

"یوسف تمہارا بھانجا ہے، اس کی عزت تمہاری عزت ہے، اس کی حکومت قائم ہو چکی ہے۔ تم اسے گرانے میں پہل مت کرو۔"

اسے منا کر فقیہ الہکاری نے قطب الدین ابن حلیل کو جا پکڑا اور اسے کہا:

''عین الدولہ اور تمہارے سوا باقی سب نے صلاح الدین کی سیادت قبول کر لی ہے حالات کا تقاضا ہے کہ تم بھی اس کے ساتھ مل جاؤ کہ وہ کرد ہے۔ اس طرح حکومت ترکوں کے پاس نہیں جائے گی۔''

اس طرح فقیہ الہکاری نے تمام امراء کو الگ الگ انداز سے سمجھا کر قائل کر لیا۔ ان کے دلائل سے سب ہی مان گئے سوائے عین الدولہ کے۔ اس نے بھنا کر کہا:

''میں یوسف کا خادم نہیں بن سکتا۔''

یہ کہہ کر وہ شام روانہ ہو گیا۔ [1]

یوسف نے خود کو اپنے منصب کا صحیح حق دار ثابت کیا، ابتداء میں عوام کو اپنے سے مانوس رکھنے کی پالیسی اپنا کر کھلے دل سے ان پر مال و دولت خرچ کیا، ان کی شکایات کی دادرسی کی، خواص کو انعام واکرام اور عزت واحترام کے ساتھ اپنا ہمنوا بنایا۔ اگرچہ مصر میں دو سو سال تک دولتِ بنوعبید کے اثرات نے عوام میں شیعیت کے رجحانات پیدا کر دیے تھے مگر اس کے باوجود ایوانِ حکومت اور سرکاری عمال کے دائرے سے باہر عام معاشرے میں نہ صرف یہ کہ اہل سنت سے بغض وعناد ایک حد کے اندر اندر تھا بلکہ نسلی سنی مسلمان اب بھی مصر کی آبادی کا غالب حصہ تھے جو صرف سرکاری سرپرستی کے ماتحت شیعی اثرات سے متاثر تھے۔ صلاح الدین نے نہایت سمجھ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کسی تفریق کے بغیر ہر طبقے اور نظریے کے لوگوں سے فراخدلانہ سلوک کیا جس سے سب کو نئے وزیر اعظم کی وسعت ظرفی کا یقین ہو گیا اور عوام میں اس کی حمایت بڑھنے لگی۔

<u>نجم الدین ایوب کی مصر آمد</u> ❁ اب صلاح الدین نے اپنے والد بھائیوں اور اہل خانہ کو مصر بلانے کی ضرورت محسوس کی، کیوں کہ یہاں اتنے بڑے ملک کا نظام چلانے کے لیے اپنے خاندان کے ایسے افراد کے بغیر چارہ کار نہ تھا جن پر ہر وقت اعتماد کیا جا سکے۔ اسے اپنے بزرگوں کے مشوروں کی ضرورت بھی تھی۔

صلاح الدین کی جانب سے یہ بلاوا شام پہنچا تو نجم الدین ایوب نے سلطان نور الدین سے اجازت طلب کی۔ سلطان نے بادلِ نخواستہ اس شرط کے ساتھ اجازت دی کہ وہ مصر جا کر بھی حکومت شام کے وفادار رہیں گے اور ہر مرحلے پر مدد کے لیے مستعد ہوں گے۔ سلطان نے نجم الدین کو یہ تاکید بھی کی کہ وہ <u>مصر پہنچ کر وہاں خلفائے بنوعبید کی جگہ خلفائے بنوعباس کے نام کا خطبہ شروع کرائیں</u>۔ اصل میں یہ

[1] الکامل فی التاریخ: 7/202، کتاب الروضتین: 2/71

خواہش خلیفۂ بغداد کی تھی جس نے نورالدین سے یہ مطالبہ شروع کر دیا تھا کہ عالم اسلام کو ایک لڑی میں پرونے کے لیے مصر میں بھی عباسی خلافت کا خطبہ رائج کیا جائے۔ نورالدین زنگی نے صلاح الدین ایوبی کو مراسلے میں اس کی تاکید کر دی تھی مگر صلاح الدین کو اتنے بڑے اقدام کے لیے شاید کسی مناسب وقت کا انتظار تھا اس لیے اب تک مصر میں عبیدیوں ہی کے نام کا خطبہ پڑھا جارہا تھا۔

اس موقع پر سلطان نورالدین کی دوراندیشی، حسنِ انتظام اور صلاح الدین ایوبی کے لیے خیر خواہی کی ایک عجیب مثال سامنے آئی جسے المقدسی رحمہ اللہ نے کتاب الروضتین میں ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''صلاح الدین کے پاس جانے والوں میں ان کا بڑا بھائی شمس الدولہ توران شاہ بھی شامل تھا۔ سلطان نورالدین نے اسے کہا: 'اگر تم یہ سوچ کر مصر جا رہے ہو کہ وہاں تمہیں وہی یوسف ملے گا جو تمہارے سامنے ادب سے کھڑا ہوتا تھا اور تم بیٹھے ہوتے تھے، تو ایسی سوچ کے ساتھ وہاں مت جاؤ ورنہ تم وہاں نظام مملکت خراب کر دو گے اور تب میں تمہیں بلا کر قرار واقعی سزا دوں گا۔ ہاں اگر تم اسے میرا قائم مقام تصور کرتے ہوئے اس کی ویسے ہی خدمت کرو جیسی میری کرتے ہو تو جاؤ، اس کی کمر مضبوط کرو اور اسکے مقاصد میں اس کے ہاتھ مضبوط کرو۔' یہ سن کر توران شاہ نے عرض کیا: 'میں اس کی ایسی خدمت اور اطاعت کروں گا کہ ان شاء اللہ اس کا چرچا آپ تک پہنچے گا۔' توران شاہ نے جو کہا وہ کر کے دکھایا۔''[1]

سلطان نورالدین کو نجم الدین ایوب کی حفاظت کی اتنی فکر تھی کہ وہ خود سرحد تک ساتھ چلنے کے لیے آمادہ تھے۔ اس دوران نجم الدین ایوب کے مصر جانے کی خبر سن کر شام کے کئی رؤساء اور تجار جو اس کے گرویدہ تھے، ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ سلطان نورالدین کو مزید اندیشہ ہوا کہ کہیں اتنے اہم افراد پر مشتمل اس قافلے کو راستے میں فرنگی یرغمال نہ بنالیں، اس سلسلے میں سب سے زیادہ اندیشہ ''کرک'' کے بدفطرت عیسائی حاکم ریجی نالڈ سے تھا جس کا علاقہ شام سے مصر کے راستے پر تھا چنانچہ نورالدین نے آگے بڑھ کر ''کرک'' کا محاصرہ کر لیا اور نجم الدین اپنے قافلے کے ساتھ سلامتی کے ساتھ مصر کی طرف نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد نورالدین نے محاصرہ اٹھا لیا۔

نجم الدین ایوب 27 رجب 564ھ (27 اپریل 1169ء) کو اپنے خاندان کے ساتھ قاہرہ پہنچا، صلاح الدین یوسف نے اپنے امراء اور حشم و خدام کے ساتھ شہر سے باہر آ کر باپ کا تاریخی استقبال کیا۔ صدیوں پہلے حضرت یوسف علیہ السلام نے اسی طرح مصر سے باہر آ کر اپنے باپ اور بھائیوں کا

[1] کتاب الروضتین: 72/2

استقبال کیا تھا۔ تاریخ اس دن پھر خود کو دہرا رہی تھی۔ سلطان ایوبی کے سوانح نگار قاضی ابن شداد نے بھی اس جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اپنے والد کو مصر مدعو کرنے سے صلاح الدین کا مقصد یہ تھا کہ ان کی مسرت دوبالا ہو جائے اور یوسف علیہ السلام کے قصے سے ان کی مشابہت پوری ہو جائے۔ نجم الدین عبیدیوں کے دارالحکومت میں اس سج دھج سے داخل ہوا کہ اس کا بیٹا صلاح الدین اور امرائے مصر اس کے دائیں بائیں پاپیادہ چلے جا رہے تھے۔

عاضد کو صلاح الدین کے باپ کی آمد کی خبر ملی تو وہ بھی خلافِ دستور استقبال کے لیے باب الفتوح سے باہر نکل کر شجرۃ الاہلیلج تک چلا آیا۔ نجم الدین کو الملک الافضل کا لقب دیا اور بہت سے تحائف سے نوازا۔ ایوب نے اپنے بیٹے کو سلطان زنگی کی طرف سے بھیجے گئے عمدہ تحائف کے ساتھ ایک خط بھی دیا جس میں زنگی نے لکھا تھا:

''مصر میں خلیفۂ بغداد کا خطبہ شروع کرانا ایسا کام ہے جس میں جلدی کرنا ضروری ہے تاکہ ہم اس عظیم فضیلت اور بڑی سعادت کو موت آنے اور موقع نکل جانے سے پہلے حاصل کر لیں۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ خلیفۃ المسلمین خود بھی ان حالات سے مطلع ہیں اور یہ ان کی اہم ترین خواہش ہے۔''[۱]

اس موقع پر صلاح الدین نے باپ سے کہا:

''اب یہ حکومت یہ سب کچھ آپ کا ہے، ہم آپ کے ماتحت ہیں۔''

بیٹے کی اس سعادت مندی پر نجم الدین ایوب کے دل سے دعائیں نکلیں۔ اس نے شفقت بھرے لہجے میں کہا:

''پیارے بیٹے! اللہ نے تمہیں اس منصب کے لائق سمجھ کر ہی یہ اعزاز بخشا ہے۔ یہ سب کچھ تمہیں مبارک ہو۔''[۲]

تاہم صلاح الدین نے مصر کے خزانے کا نظام اپنے والد ہی کے سپرد کیا اور اس بارے میں پھر کبھی پوچھ گچھ نہیں کی۔[۳]

مصر میں اب سب صلاح الدین کی وزارت تسلیم کر چکے تھے۔ میدان ہر طرح صاف تھا۔ یہاں سے صلاح الدین کی زندگی ایک نیا موڑ لیتی نظر آتی ہے۔ کردستان کے ایک شمشیر زن کو دنیا حکمران کے روپ میں دیکھتی ہے...... مگر یہ تبدیلی صرف عہدے، لقب، کرسی اور ذمہ داریوں ہی میں نہیں تھی......

۱ کتاب الروضتین: 152/2 بحوالہ [illegible] ص 85
۲ النجوم الزاہرۃ: 6، 7
۳ النجوم الزاہرۃ: 6، 7 [illegible] 7: 208

صلاح الدین یوسف کی پوری زندگی یکسر ایک نئے سانچے میں ڈھل گئی......وہ سانچا جسے حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی دعوت اور اپنے عمل سے تیار کیا تھا اور امت کے ہر حاکم کے لیے اسے بطور نمونہ پیش کیا......صلاح الدین نے اس کی پیروی کو اپنا سب سے پہلا فرض قرار دے دیا۔اس تبدیلی نے صلاح الدین کو اس مقام تک پہنچا دیا کہ مسلمان اپنے اس رہنما کو ''سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ'' کہہ کر یاد کرتے ہیں۔

اس سچی تاریخی داستان کی آئندہ سطور میں ہم بھی سلطان کو اسی ادب واحترام کے ساتھ یاد کریں گے جس کا سلطان نے اپنی آئندہ زندگی کے ہر ہر قدم پر خود کو حق دار ثابت کیا ہے۔

فصل:4

نیا حکمران، نئے انداز و اطوار

صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ اب عملی لحاظ سے مصر کے خود مختار حکمران تھے جو رقبے، آبادی اور دولت وثروت کے لحاظ سے عالم اسلام کے چند بڑے ممالک میں سے ایک تھا۔ یہاں عظیم دریائے نیل تھا جس کی وادی زرخیزی میں بے مثال تھی۔ ملک کی دو اہم ترین بندرگاہیں اسکندریہ اور دمیاط ہر وقت تجارتی جہازوں سے آباد رہتی تھیں۔ مصر کے علامتی حکمران بنوعبید کے خزانے لبالب بھرے ہوئے تھے۔ شہر آبادی سے بھرپور تھے۔ اتنی بڑی مملکت کا نظام اور خزانہ ہاتھ میں آجانے کے بعد صلاح الدین ایوبی کے لیے دنیا میں میسر ہر راحت وآرام، عیش وعشرت اور لذت کوشی کے اسباب جمع کرلینا آسان تر تھا۔ وہ راگ رنگ، رقص وسرود اور نا ؤنوش میں منہمک ہوکر فکرِ دین ودنیا سے آزاد رہ سکتے تھے۔ ان کے لیے مصر کا وہ حسن قدم قدم پر چشم براہ تھا جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے حسن پرستوں نے عمریں گزار دیں۔ وہ مال ودولت کے اتنے انبار کسی روک ٹوک کے بغیر سمیٹ سکتے تھے جو ان کی سات پشتوں کے لیے کافی ہوتے۔ ان کے ایک اشارے پر دنیا کی ہر نعمت ان کے قدموں پر نچھاور ہوسکتی تھی۔

<u>صلاح الدین یوسف کے رجحانات میں حیران کن تبدیلی</u>: مگر حیرت انگیز طور پر جوں ہی وہ مصر کی حکومت کے مالک بنے ان کی طبیعت میں دنیا سے زہد اور بے رغبتی کا رجحان پیدا ہوگیا۔ بلاشک وشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی اس خاص مشیت کا کرشمہ تھا جس نے اس بندے کے نصیب میں اسلام کی ایک بے مثال خدمت لکھ دی تھی ورنہ اس سے پہلے نجم الدین ایوب کا یہ ہونہار بیٹا نیک اور شریف ہونے کے باوجود ایسا عابد وزاہد نہ تھا۔ آزاد منش سپاہیوں کی سی بعض بے اعتدالیاں ان سے سرزد ہوتی رہتی تھیں مگر حکومت سنبھالتے ہی ان کے رجحانات یکدم تبدیل ہوگئے۔ ان کی زندگی ایک نئے سانچے میں ڈھل گئی...... ان کے سوانح نگار قاضی بہاؤالدین شداد تحریر کرتے ہیں:

''حکومت مصر کی زمام ہاتھ میں لینے کے بعد ان کی نگاہ میں دنیا ہیچ ہوگئی۔ تشکر کے جذبات نے

ان کے دل میں تلاطم پیدا کیا۔ انہوں نے ناؤنوش سے توبہ کی، عیش وآرام اور تفریحات سے منہ پھیر لیا، ایک سنجیدہ اور سخت کوش زندگی اپنالی، جس میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا گیا۔'' [5]

صلاح الدین ایوبی کی زندگی کی یہ تبدیلی بلاشبہ ایک حیران کن چیز تھی۔ حکومت اپنے ساتھ عیش وعشرت کے جو اسباب لاتی ہے ان کی کشش سے اچھے اچھوں کا پیمانۂ ضبط چھلک اٹھتا ہے۔ دیکھا یہی جاتا ہے کہ بڑے بڑے پرہیزگار حکومت کے کوچے میں پہنچ کر بہک جاتے ہیں اور پھر تخت فرمانروائی پر براجمان ہونے کے بعد تو حالت ہی کچھ اور ہو جاتی ہے، انسان اپنی اوقات بھول کر خدائی پر اتر آتا ہے، اس کا ہر ہر لمحہ تکبر اور نفس پرستی میں گزرتا ہے۔ اس لحاظ سے صلاح الدین ایوبی کی طبیعت کا یہ انقلاب تاریخ کے نوادر واقعات میں سے ہے۔ اس سے پہلے ایسی مثال ہمیں قرن اول میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی زندگی میں نظر آتی ہے جو خلیفہ بننے سے پہلے نہایت ناز ونعمت میں پل رہے تھے مگر خلیفہ بنتے ہی انہوں نے فقر وفاقہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔

ذہنی انقلاب کا سبب، احساس ذمہ داری ❁ صلاح الدین ایوبی میں یہ تبدیلی کیسے آئی؟ اس کی اصل وجہ تو مشیتِ خداوندی تھی جسے پورا ہونا تھا۔ مگر ظاہری اسباب میں اس کی بڑی وجہ وہ سوچ اور فکر تھی جو مسندِ حکومت پر بیٹھ کر ان کے قلب وذہن پر حاوی ہوگئی۔ انہیں اس طرح غیر متوقع طور پر حکومت ملی تھی کہ انہیں وہم وگمان بھی نہیں تھا۔ وہ جو کہ طبعی شرافت اور مروت کے جواہر سے آراستہ تھے، اس نعمت غیر مترقبہ پر شکر کے جذبات سے سرشار ہوگئے۔ وہ سوچنے لگے کہ اتنی بڑی نعمت کا شکر کیسے ادا کیا جائے؟ اس سوال کے جواب میں حضور نبی اکرم ﷺ کی پاک سیرت، خلفائے راشدین کے حالات اور سلف صالحین کی زندگیاں ایک کھلی کتاب کی طرح ان کے سامنے تھیں۔

اسلام کے اس فرزند نے محسوس کیا کہ ان کی کامیابی انہی کامیاب لوگوں کی مکمل پیروی میں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی راستے پر چلنے کا فیصلہ کرلیا۔ انہیں یقین ہونے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت کسی خاص مقصد کے تحت انہیں عطا کی ہے اور اس اہم مقصد کے حصول کے لیے غیر معمولی ایثار وقربانی اور مجاہدے کی ضرورت ہوگی۔ وہ جان گئے کہ سپاہیوں جیسی خودسری اور افسروں جیسی بے لگامی وعیش پسندی کا کسی عظیم مقصد کے لیے جینے سے کوئی میل نہیں۔

وہ شروع ہی سے ایک دلیر اور غیرت مند انسان تھے، القدس پر صلیبیوں کے تسلط، شام کے ساحلوں پران کے قبضے، اسلامی شہروں میں ان کی غارت گری اور مصر سمیت متعدد اسلامی ممالک کی سیاست میں

[5] الحروب الصلیبیۃ والحاس الی سلیۃ: 61، کتاب الروضتین: 69/2

ان کے نیل دخل سے وہ یقیناً پہلے بھی متاثر تھے اور اس صورتحال کو بڑی تشویش کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اپنے لڑکپن میں دمشق پر صلیبیوں کے حملے کا انہوں نے بذات خود مشاہدہ کیا تھا اور پھر مصر کی مہمات میں ان کی بے رحمی، مکاری اور مسلمانوں سے ان کے کھلے بغض وعناد کو وہ عملاً پرکھ چکے تھے۔ ایسے میں وہ مسلم حکمرانوں کی بے عقلی و بے جہتی پر اکثر کڑھا کرتے تھے۔ خصوصاً مصر کے حکمران طبقے کی فریب کاری نے انہیں بہت مایوس کیا تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ کوئی باحیثیت مسلمان مصر کا کاروبارِ حکومت سنبھالے جو کہ صلیبیوں پر کاری ضرب لگانے میں حکومتِ شام کا مخلص معاون ثابت ہو۔

اب جبکہ قدرتِ خداوندی نے یہ منصب انہی کو عطا کر دیا تھا وہ یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتے تھے کہ امتِ مسلمہ ان سے بڑی امیدیں وابستہ کیے ہوئے ہے۔ پھر جب انہوں نے ان امیدوں پر پورا اترنے کا فیصلہ کر لیا تو انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کوئی خاص کام لینے کا ارادہ کر چکا ہے۔ وہ کتنی ناگواری کے ساتھ یہاں آئے تھے مگر یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تختِ حکمرانی تیار کر رکھا تھا۔

برسوں بعد اسلام کے اس عظیم فاتح نے اپنے ساتھیوں کو اپنے مصر آنے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا:

''جب میرے چچا شیرکوہ نے مجھے کہا کہ مصر چلنے کی تیاری کرو تو مجھے ایسا لگا جیسے میرے دل میں ایک خنجر اتار دیا گیا ہے۔''[1]

اسی طرح انہوں نے قاضی بہاؤالدین شداد سے کہا:

''میرا مصر آنا قطعاً میری رضامندی سے نہیں تھا۔ بالکل ایسا ہے جیسے قرآن مجید میں یوں کہا گیا ہے:

﴿وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾

''ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔''[2]

ایسی حالت میں مصر آنے کے بعد یہاں حکومت مل جانے کو خدا تعالیٰ کی جانب سے کسی خاص مقصد کی تکمیل کا پیش خیمہ خیال کرنا بالکل درست تھا۔ وہ مقصد کیا تھا؟ صلاح الدین ایوبی پر جلد ہی یہ بات واضح ہو گئی، انہوں نے اس مقصد کو پہچان لیا۔ یہ کام تھا ''القدس اور دیگر اسلامی علاقوں کو نصرانیوں کے ناجائز تسلط سے آزاد کرانا''

ایک بار صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے خود کہا:

---

[1] کتاب الروضتین: 52/2

[2] الکامل فی التاریخ، جز 11، ابن اثیر: 216، النوادر السلطانیہ: 81، کتاب الروضتین: 51/2

"جب اللہ تعالیٰ نے مجھے مصر کی حکومت عطا کی تو میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فلسطین بھی مجھے دینے کا ارادہ کیا ہے۔"[1]

یہ تھا وہ جذبہ اور وہ عزم جس کے ساتھ اسلام کے اس جانباز کی حکومت کا آغاز ہوا۔ جب جڑ عمدہ، پاکیزہ اور مضبوط ہو تو درخت بہترین پھل دیتا ہے اور کوئی آندھی اسے جھکا نہیں سکتی۔ صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کی حکومت جس کی بنیاد جہاد فی سبیل اللہ کے جذبے پر رکھی گئی تھی، عالم اسلام کے لیے ایک ایسا ہی "شجرہ طوبیٰ" ثابت ہوئی جسے بڑے بڑے طوفان اپنی جگہ سے نہ ہلا سکے اور امت اس کے پھلوں سے صدیوں تک فیض یاب ہوتی رہی۔

1۔ [illegible]

فصل:5

اندرونی مہمات اور بیرونی جارحیت کا مقابلہ

صلاح الدین ایوبی کے اقتدار کے ساتھ ہی ان کی صلاحیتوں کی آزمائش شروع ہوگئی تھی۔ کئی کڑے امتحانات ان کے سامنے تھے۔ سب سے پہلا مسئلہ دولت عبیدیہ کے امراء کی اس مخالفت پر قابو پانا تھا جس کا لاوا اندر ہی اندر ابل رہا تھا۔

صلاح الدین نے عوام کو سخاوت، دادرسی اور کشادہ روئی کے ساتھ اپنا ہم نوا بنالیا تھا مگر دولتِ عبیدیہ کی سرکاری مشینری جو شیعیت کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی ایک ٹیڑھی کھیر تھی۔ عبیدی امراء صلاح الدین کو بحیثیت وزیر اپنا ملازم بنانا چاہتے تھے جبکہ یہاں معاملہ برعکس تھا، انتظام مکمل طور پر صلاح الدین کے ہاتھ میں تھا۔ ان کی مرضی کے خلاف عاضد بھی کچھ کرنے کی سکت نہیں رکھتا تھا۔

خواجہ سراؤں کا فتنہ ❊ صلاح الدین ایوبی کے خلاف بنوعبید کا یہ بغض رنگ لاکر رہا۔ انہوں نے صلاح الدین کے خلاف خفیہ طور پر سازشیں شروع کردیں۔ دولتِ عبیدیہ میں شاہی محلات کے داروغہ کو 'مؤتمن الخلافۃ' کہا جاتا تھا، یہ منصب نہایت بااختیار اور مؤثر تھا جو عموماً سیام فام خواجہ سراؤں کے پاس ہوا کرتا تھا۔ ان دنوں یہ عہدہ ایک حبشی ''جوہر'' کے پاس تھا جس کا اصل نام ''طواشی'' تھا۔ اسے مصر پر صلاح الدین کا تسلط ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ اس نے عبیدی امراء کے ساتھ مل کر نصرانیوں کو مصر پر چڑھائی کی دعوت دینے کا منصوبہ بنایا اور انہیں خط لکھا کہ وہ یکا یک مصر پر ٹوٹ پڑیں۔ مقصد یہ تھا کہ جب صلاح الدین اپنے ترکمان سپاہیوں کے ساتھ نصرانیوں سے مقابلے کے لیے قاہرہ چلے گا تو پیچھے سے دولتِ عبیدیہ کی فوجیں اور حبشی خدام قاہرہ میں رہ جانے والے باقی ماندہ شامیوں کو قتل کردیں گے۔ اس کے بعد وہ عقب سے سلطان صلاح الدین کی فوج پر اس وقت حملہ آور ہوں گے جبکہ وہ نصرانیوں کے بالمقابل پہنچ چکی ہوگی اور یوں دوطرفہ حملے سے شامی فوج تباہ ہوجائے گی۔

ممکن تھا کہ یہ سازش کامیاب ہوجاتی مگر تقدیر صلاح الدین ایوبی کے ساتھ تھی۔ طواشی نے یہ خفیہ

پیغام ایک یہودی کے ہاتھوں لکھوایا جس نے خط کو جوتوں کے تلے میں سلوا کر ایک شخص کے حوالے کیا اور اسے شام کے نصرانیوں کے پاس روانہ کر دیا۔ یہ قاصد قاہرہ سے چل کر بلبیس کے قریب ''بئر بیضاء'' کی بستی پہنچا۔ وہاں چوکی کے ایک ذہین ترکمان سپاہی نے اس کے پاس نئے جوتے دیکھے تو ٹھٹک گیا کیوں کہ قاصد درویشانہ لباس میں تھا۔ سپاہی نے سوچا اگر یہ جوتے اس کے اپنے استعمال کے ہوتے تو انہیں بوسیدہ ہونا چاہیے تھا۔ اس نے قاصد کو حراست میں لے کر صلاح الدین کے پاس پہنچا دیا اور اپنے شبہے کی اطلاع دی۔ صلاح الدین ایوبی نے جوتوں کو پھاڑ کر دیکھا تو ان کے تلے سے فرنگیوں کے نام تحریر کردہ خط برآمد ہو گیا۔ خط نویس کا نام پوچھا گیا تو قاصد نے اس یہودی کا پتا بتایا۔ سرکاری اہلکار اس یہودی کو پکڑ لائے۔ اس کی تحریر کا خط کی تحریر سے موازنہ کیا گیا تو دونوں ایک ہی ہاتھ کی تھیں۔

یہودی نے اس سازش کے انکشاف کو مسلمانوں کے ساتھ خدا کی خاص مدد کی علامت مانتے ہوئے اسی وقت اسلام قبول کر لیا اور صلاح الدین ایوبی کو بتایا کہ اس نے یہ خط خواجہ سرا طواشی کے حکم سے لکھا ہے۔ یوں اس سازش کا سارا حال افشا ہو گیا۔ یہ 5 ذیقعدہ 564ھ (31 جولائی 1169ء) کا واقعہ ہے۔ ①

صلاح الدین ایوبی نے نہایت ہوشیاری کا ثبوت دیا اور خط کے پکڑے جانے کے معاملے کو دبا کر خاموشی سے طواشی کی نگرانی شروع کرا دی۔ طواشی کو اس نگرانی کی بھنک پڑ گئی اور اس نے خود کو شاہی محل میں محدود کر لیا۔ کچھ عرصے بعد جب اسے کچھ اطمینان ہوا کہ اس کی نگرانی ختم کر دی گئی ہے تو ایک دن وہ شکار اور سیر و تفریح کی غرض سے قاہرہ کی نواحی بستی ''خرقانیہ'' چلا گیا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ شاہی جاسوس برابر اس کی ٹوہ میں ہیں۔ جوں ہی انہوں نے صلاح الدین ایوبی کو یہ اطلاع دی تو حکم ملا کہ اسے گرفتار کر کے سر قلم کر دیا جائے۔ خفیہ اہلکاروں کا ایک گروہ فوراً وہاں پہنچا اور بلا پس و پیش طواشی کو قتل کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی صلاح الدین ایوبی نے شاہی محل کا سارا خدمت گار عملہ یکسر تبدیل کر دیا۔ حبشیوں کو محل سے نکال دیا گیا اور ایک وفادار خواجہ سرا بہاؤ الدین قراقوش کو نئے خدمت گاروں کا نگران بنا دیا گیا۔

طواشی کا قتل اس کے ہم قوم حبشیوں کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ وہ صلاح الدین ایوبی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ قاہرہ کے شاہی قلعے میں دائیں بائیں دو محل تھے جو قصر شرقی اور قصر غربی کہلاتے تھے۔ ان دونوں کے بیچ میں ایک وسیع میدان تھا۔ حبشی قلعے میں گھس کر اس میدان میں جمع ہونے لگے۔ ان کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچ گئی۔ شاہی فوج نے انہیں کسی رعایت کے قابل نہیں سمجھا اور حملہ کر دیا۔ اس طرح قلعے کے میدان میں ایک زوردار لڑائی کا آغاز ہو گیا، دونوں

① الکامل فی التاریخ: 7/202، کتاب الروضتین: 2/69، ملخص از قاضی ابن شداد، النجوم الزاہرہ: 6/18

طرف کے بے شمار افراد مارے گئے۔

عبیدی سربراہ عاضد جو کہ قصرِ شرقی میں رہتا تھا اپنے بالاخانے سے یہ ہولناک منظر دیکھ رہا تھا۔ جب لڑائی طول پکڑ گئی تو صلاح الدین ایوبی نے حریف کے نازک پہلو پر چوٹ لگانے کا فیصلہ کیا اور فوج کے ایک دستے کو بھیج کر حبشیوں کے محلے المنصوریہ کو آگ لگوادی۔ حبشیوں کو اپنی رہائش گاہوں کی آتش زدگی کی خبر ملی تو گھبراہٹ کے مارے ان کے قدم اکھڑ گئے۔ اب شامی فوج نے ان کی خوب خبر لی۔ آخر حبشیوں کو ہتھیار ڈالنا پڑے۔ صلاح الدین ایوبی نے انہیں جیزہ اور بالائی مصر کے علاقوں میں بھیج دیا۔ اس طرح وقتی طور پر یہ فتنہ دب گیا۔ بعد میں کسی موقعے پر صلاح الدین ایوبی کے بھائی توران شاہ نے ان کے خلاف فوج کشی کی اور ان کا مکمل طور پر قلع قمع کر دیا۔ ❶

<u>دمیاط پر فرنگیوں کا حملہ</u>: صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کو حکومت سنبھالنے کے فوراً بعد نصرانیوں کی بہت بڑی یلغار کا سامنا کرنا پڑا۔ حبشیوں کا فتنہ فرو ہوا تو انہیں اچانک اطلاع ملی کہ القدس کا حاکم ایملرک سپاہیوں کی بھاری تعداد کے ساتھ دمیاط کی بندرگاہ کے سامنے پہنچ چکا ہے اور اس کی مدد کے لیے یورپ سے بھی بحری بیڑہ آگیا ہے۔

ایملرک کی یلغار کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ وہ مصر کو اپنے سخت ترین حریف کے قبضے میں دیکھ کر ہراساں تھا۔ اس کے سامنے سلطان نورالدین کی افواج تھیں اور پشت پر مصر کا فاتح صلاح الدین۔ یہ صورتحال شام کی تمام عیسائی ریاستوں خصوصاً یروشلم کے لیے چکی کے دو پاٹوں کے بیچ میں آجانے کے مترادف تھی۔ ایملرک کو یہ بھی تشویش تھی کہ پہلے اس خطے کے مسلمانوں کی بحری طاقت نہ ہونے کے برابر تھی، ساحلی علاقے اور تمام بندرگاہیں نصرانیوں کے قبضے میں تھیں مگر اب اسکندریہ اور دمیاط جیسی اہم بندرگاہوں پر ایوبی کا قبضہ تھا۔ اب مسلمان کسی بھی وقت اپنے بحری بیڑے کے ذریعے شام کی عیسائی ریاستوں پر سمندر کے راستے سے حملہ آور ہو سکتے تھے اور ضرورت پڑتے ہی یورپ سے نصرانی کمک کا راستہ مسدود کر سکتے تھے۔

ایملرک حالات کے اس منظر نامے کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے چند ماہ پہلے شیرکوہ کے وزیرِ مصر بننے پر یونان، سسلی اور اسپین کے عیسائی حکام کو خطوط لکھ کر نئے خطرات سے آگاہ کر دیا تھا اور انہیں احساس دلایا تھا کہ اگر وہ مدد کو نہ پہنچے تو ان کا مرکز بیت المقدس دوبارہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں چلا جائے گا۔ ایملرک نے خطوط کے علاوہ اپنے پادریوں اور راہبوں کے کئی وفود یورپ کے مختلف ملکوں

❶ الکامل: 7/203، الروضتین: 2/130_133

میں بھیجے اور شاہانِ یورپ کو مصر پر حملے کے لیے اکسایا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے وزیر بن جانے کے بعد یہ سلسلہ اور تیز ہو گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ کے حکمران القدس کی حفاظت کے نام پر ایلمرک کے ساتھ مل کر مصر پر حملے کی تیاری کرنے لگے۔ اس مقصد کے لیے مصر کی بندرگاہ دمیاط کو پہلے ہدف کے طور پر چنا گیا۔ طے پایا کہ ایلمرک اپنی افواج لے کر نہایت خاموشی سے دمیاط کے ساحل پر پہنچے گا اور وہاں یورپی بیڑے کا انتظار کرے گا۔ بیڑے کے آجانے پر دونوں فوجیں مل کر دمیاط پر حملہ کریں گی۔

صفر 565ھ (اواخر اکتوبر 1169ء) میں ایلمرک اپنی فوج کے ساتھ دمیاط کے ساحل پر پہنچ چکا تھا۔ فصیل شہر اور ساحل سمندر کے درمیان کھلی جگہ پر پڑاؤ ڈال کر وہ یورپی فوج کا انتظار کرنے لگا۔ یورپی بیڑہ جو کہ دو سو بیس جہازوں پر مشتمل تھا، موسم کی خرابی اور مخالف ہواؤں کے باعث مقررہ وقت سے تین دن بعد دمیاط پہنچا اور کھلے سمندر میں خاصی دور ٹھہر گیا کیونکہ دمیاط کی حفاظت کے لیے سمندر میں لوہے کی ایک نہایت مضبوط دیو پیکر زنجیر تنی ہوئی تھی۔ بہر حال ایلمرک نے دمیاط کا محاصرہ کر لیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے یہ تشویش ناک خبر نہایت حوصلے کے ساتھ سنی۔ دمیاط نہایت اہم بندرگاہ تھی۔ دریائے نیل اسی جگہ بحیرۂ روم میں جا گرتا ہے۔ دمیاط پر قابض فوج دریائے نیل کے راستے قاہرہ سمیت مصر کے ہر شہر تک یلغار کر سکتی تھی اس لیے اس پر فرنگیوں کا حملہ ایک غیر معمولی خطرہ تھا۔ صلاح الدین ایوبی کو اقتدار سنبھالتے صرف سات ماہ ہوئے تھے اور وہ ابھی ابھی سیاہ فام غلاموں کے فتنے سے فارغ ہوئے تھے مگر اب اس سے بڑا چیلنج ان کے سامنے تھا۔ انہوں نے پورے ہوش وحواس سے کام لیا۔ سب سے پہلے عاضد کو اس خطرے سے آگاہ کر کے فوج کے نظم ونسق اور دمیاط کی مدافعت کے لیے خطیر اخراجات طلب کیے۔ عاضد نے فیاضی کا مظاہرہ کیا اور دس لاکھ اشرفیوں کی بھاری رقم خزانے سے دلوائی۔ اس کے علاوہ کپڑوں، کھانے پینے کے سامان اور دیگر اجناس کا الگ انتظام کیا۔ صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ اتنی بڑی دولت اس سے پہلے کبھی نہیں آئی تھی مگر انہوں نے نہایت ایمان داری کے ساتھ اس رقم کو فوج کے انتظامات پر خرچ کیا۔ وہ عاضد کی سخاوت کے بھی معترف رہے۔ سیاسی رقابت اور مذہبی اختلاف کے باوجود مدتوں بعد کسی موقع پر انہوں نے عبیدیوں کے اس آخری حکمران کے بارے میں کہا:

''میں نے عاضد سے بڑھ کر کوئی سخی آدمی نہیں دیکھا۔''

صلاح الدین ایوبی کے لیے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ قاہرہ کو چھوڑ کر نہیں جاسکتے تھے جہاں عبیدی امراء سمیت کئی سیاسی مخالفین ان کے اقتدار کے خلاف اب بھی اندرون خانہ سازشوں میں

معروف تھے۔ اگر صلاح الدین ایوبی قاہرہ کے حالات سے مطمئن ہوتے تو اس وقت تک اپنی فوج سمیت ساحل کی طرف کوچ کر چکے ہوتے کہ دمیاط میں فرنگی انہیں للکار رہے تھے مگر جانے کی صورت میں قاہرہ میں بغاوت کا خطرہ لاحق تھا۔

ان حالات میں اسلام کے اس جرنیل نے دو کام کیے، انہوں نے سب سے پہلے فوج کو اپنے ماموں شہاب الدین، اپنے بھتیجے تقی الدین اور امیر بہاء الدین قراقوش جیسے تجربہ کار سرداروں کی قیادت میں ہر قسم کے سامان رسد کے ساتھ دریائے نیل کے راستے دمیاط روانہ کر دیا۔ دمیاط کی فصیل کا ایک حصہ دریائے نیل کی جانب تھا جو اب تک نصرانیوں کے محاصرے سے محفوظ تھی۔ صلاح الدین نے ان افواج کو ہدایت کی تھی کہ شہر میں خوراک و رسد کی کمی پوری کر دیں اور مقامی فوج کے ساتھ مل کر فرنگیوں کا بھرپور مقابلہ کریں...... دوسری طرف انہوں نے اپنے سرپرست سلطان نورالدین زنگی کو بھی اس نازک صورت حال سے آگاہ کیا اور اپنے خط میں لکھا:

"میں دمیاط سے بہت دور ہوں جہاں عیسائی محاصرہ کر چکے ہیں، اگر میں خود اس محاذ پر جاؤں تو مصریوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ہماری جانی و مالی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ بلکہ خطرہ یہ ہے کہ وہ میرے پس پشت بغاوت کر کے اپنی پوری طاقت کے ساتھ میرا تعاقب کریں گے اور اس حالت میں جبکہ میں فرنگیوں کے مدمقابل کھڑا ہوں گا وہ عقب سے مجھ پر حملہ کر دیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو مصر میں ہمارا نام و نشان مٹ جائے گا۔"[1]

<u>دمیاط کی کامیاب مدافعت</u>✽ سلطان نورالدین نے یہ پیغام ملتے ہی یکے بعد دیگرے کئی فوجیں مصر روانہ کر دیں تا کہ وہ فرنگیوں کے مقابل مسلمانوں کی مدد کریں۔ دوسری طرف اس نے خود اپنی فوج کے منتخب دستوں کے ساتھ شام کے عیسائی مقبوضات پر چھاپہ مار حملے شروع کر دیے۔ چوں کہ شام کے بیشتر عیسائی دمیاط پر حملے کے لیے جا چکے تھے اس لیے سلطان نورالدین زنگی کے ان چھاپوں سے عیسائی مقبوضات میں کھلبلی مچ گئی اور وہاں کے لوگ ایمرک کو دمیاط کا محاصرہ چھوڑ کر اپنے علاقوں کی حفاظت کے لیے واپس بلانے لگے۔

ادھر دمیاط میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا نائب شمس الدین الخواص منکبرس بڑی دلیری سے شہر کی مدافعت کر رہا تھا، بعد میں اسے ان فوجوں کی کمک بھی مل گئی جو قاہرہ سے روانہ کی گئی تھیں۔ اب محصور مسلمانوں کی ہمت بڑھ گئی اور انہوں نے بھرپور جوابی حملے شروع کر دیے۔

① الکامل فی التاریخ: 7/207، کتاب الروضتین: 2/140_142، صلاح الدین لین پول: ص: 53

ایلمرک کو محاصرہ کیے ہوئے دوسرا مہینہ شروع ہوگیا۔ وہ یورپی بحری بیڑے سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھا سکا تھا، جواب تک ساحل سے دور لنگر انداز تھا۔ اس کے برعکس مصور مسلمانوں نے بحری بیڑے پر حملہ کر کے اس کے کئی جہازوں کو جلا ڈالا تھا۔ ایلمرک کی قیادت میں جو فوج منجنیقوں اور دبابوں کے ساتھ قلعے کا دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہی تھی اس پر بھی شدید حملے ہوئے اور اسے بار بار پسپا ہونا پڑا۔ کئی منجنیقیں تباہ ہوگئیں۔

محاصرے کے چالیس دن پورے ہونے پر حملہ آور فوجیں خوراک و رسد کی کمی کا شکار ہو چکی تھیں۔ ایلمرک کے ساتھی اور بحری بیڑے پر موجود یورپی سپاہی بھی فاقے کرنے لگے تھے جبکہ دمیاط کے محصورین کو خوراک و رسد کے نئے ذخائر مل چکے تھے۔ یورپی سپاہیوں کو یقین تھا کہ ایلمرک طے شدہ معاہدہ کے مطابق ان کی خوراک و رسد کے سارے اخراجات برداشت کرے گا مگر ایلمرک اب اپنی بے بسی ظاہر کر کے خود کو ہر ذمہ داری سے بری قرار دے رہا تھا۔ اس سے یورپی افواج سخت بددل ہوگئیں۔ ادھر ایلمرک بھی یورپی سپاہیوں کو شک کی نظر سے دیکھ رہا تھا کہ کہیں وہ دمیاط پر قبضے کے بعد اس شہر کو براہ راست روم کی بازنطینی بادشاہت کا حصہ نہ بنا دیں، اس لیے کہ مصر ماضی میں رومی سلطنت کا حصہ رہا تھا اور اب بھی بازنطینی اسے اپنی جاگیر تصور کرتے تھے۔ الغرض یورپی اور شامی نصرانیوں میں روز بروز غلط فہمیاں بڑھ رہی تھیں اور وہ بددلی کا شکار ہو رہے تھے۔

جنگ کے ان دنوں میں صلاح الدین ایوبی محاذ سے سینکڑوں میل دور رہ کر بھی ہر لمحہ تازہ صورتحال سے باخبر رہتے تھے، پل پل کی خبریں انہیں ملتیں اور وہ ان کے مطابق نئے احکام جاری کرتے، دن رات میں انہیں آرام سے سونے کا کوئی وقت نہیں ملتا تھا، وہ گویا عملاً محاذ پر موجود تھے اور قیادت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ بارگاہ الٰہی میں بے تابانہ دعاؤں کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

آخر کار قدرت خداوندی نے اس جنگ کے فیصلے کے لیے موسم کا رخ بدل دیا...... زوردار بارشیں شروع ہوئیں، طرح طرح کی موسمی بیماریوں نے کھلے آسمان تلے پڑے حملہ آوروں کی ہمت پست کر دی...... ادھر دریائے نیل میں سیلاب آ گیا، محاصرہ کرنے والی افواج جس میدان میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھیں وہ پانی کی جھیل میں تبدیل ہوگیا، عیسائی افواج اپنے خیمے اور سامان کے بنڈل پانی پر تیرتے دیکھ رہی تھیں، سمندر میں زبردست طوفان اٹھ رہا تھا اور یورپ کے دو سو بیس بحری جہاز جو بڑے کروفر سے مصر پر قابض ہونے آئے تھے، یکے بعد دیگرے ڈوب رہے تھے۔ اس دوران ایلمرک کو اپنے علاقوں میں سلطان نورالدین کے حملے کی اطلاع بھی مل گئی تھی۔ اس نے مجبور ہو کر محاصرہ اٹھا لیا اور

القدس روانہ ہو گیا۔

جنگ کے انجام کے بارے میں علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''فرنگی ناکام واپس شام لوٹ گئے، انہیں کچھ بھی ہاتھ نہ آیا، جب وہ اپنے شہروں میں پہنچے تو انہیں (سلطان نورالدین زنگی کے ہاتھوں) ویران پایا، ان کے لوگ قتل ہو چکے تھے یا گرفتار کر لیے گئے تھے۔ ان پر یہ مثل صادق آئی کہ: خرجت النعامة تطلب القرنين فرجع بلا اذنين (شتر مرغ سینگوں کی تلاش میں نکلا مگر جب واپس آیا تو اس کے دونوں کان بھی غائب تھے)''[1]

21 ربیع الاول 565ھ (12 دسمبر 1169ء) کو فرنگی واپس ہوئے تھے یوں دمیاط کا محاصرہ کم و بیش پچاس دن جاری رہا تھا۔ اس دوران اس محاذ پر لڑنے والی فوج کے لیے صلاح الدین ایوبی نے بے اندازہ مال خرچ کیا۔ مجاہدین کی ثابت قدمی کے بعد جب نصرتِ خداوندی غزوۂ احزاب کی طرح موسم کی تبدیلی کی شکل میں نازل ہوئی تو کفار کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ یورپی بیڑہ جو ایملرک کا اتحادی بن کر اس جنگ میں شرکت کے لیے آیا تھا جس انجام سے دوچار ہوا تھا؟ اس کے بارے میں لین پول لکھتا ہے:

''طوفانی بارش اور آندھی سے تقریباً پورا یونانی بحری بیڑا تباہ ہو گیا اور اس ساحل پر جسے وہ فتح کرنے آیا تھا، یونانیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔''[2]

<u>شام کا زلزلہ</u>: ربیع الاول 565ھ (دسمبر 1169ء) میں انجام کو پہنچنے والی اس لڑائی کے بعد تقریباً ایک سال تک مصر میں تلواروں کی جھنکار سنائی نہ دی۔ 12 شوال 565ھ (28 جون 1170ء) کو شام میں ایک بڑا ہولناک زلزلہ آیا جس سے شام کے اکثر شہر متاثر ہوئے۔ ہزاروں مکانات پیوند خاک ہو گئے۔ حلب، بعلبک اور حمص جیسے بڑے بڑے شہروں میں ان گنت مکانات ملبے کا ڈھیر بن گئے۔ سلطان نورالدین زنگی نے انہیں دوبارہ آباد کرنے کی مہم شروع کر دی۔ اپنے افسران کے ساتھ دن رات ایک کر کے تمام متاثرہ فصیلیں اور قلعے دوبارہ تعمیر کرائے کہ کہیں عیسائی اچانک حملہ کر کے ان پر قابض نہ ہو جائیں۔

ادھر عیسائی مقبوضات بھی اسی طرح زلزلے کا شکار ہوئے تھے۔ وہاں بھی زلزلہ زدگان کی بحالی کا کام جاری تھا، ایسے حال میں وہ کوئی جنگ مول نہیں لے سکتے تھے۔ سلطان نورالدین کے ڈر سے وہ اپنی فصیلوں اور قلعوں کو جلد از جلد دوبارہ تعمیر کر رہے تھے۔ تاہم مصر اس زلزلے سے محفوظ رہا تھا۔[3]

[1] الکامل فی التاریخ: 7/207،208؛ النجوم الزاہرۃ: 6/17؛ صلاح الدین محمود از ڈاکٹر محسن محمد حسین، ص: 325؛ صلاح الدین: 63
[2] صلاح الدین، لین پول، ص 55
[3] کتاب الروضتین، تحت 565ھ، 569ھ

فصل:6

عیسائی ریاستوں پر جارحانہ حملوں کا آغاز اور دولتِ عبیدیہ کا خاتمہ

مصر میں اچھی طرح قدم جمانے اور عوام وخواص کا دل جیتنے کے بعد صلاح الدین ایوبی نصرانیوں کے خلاف اقدامی جہاد شروع کرنے کے لیے تیار تھے۔ ان کے نزدیک یہی وہ مقصد تھا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں حکومت اور قیادت سے نوازا تھا۔ ویسے بھی دمیاط پر فرنگیوں کے حملے نے عیسائی ریاستوں پر جارحانہ حملوں کا جواز پیدا کر دیا تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے اس موقع محل کو پیش نظر رکھتے ہوئے ربیع الاول 566ھ (نومبر 1170ء) میں جہاد فی سبیل اللہ کی اس عظیم مہم کا آغاز کر دیا جس نے ان کی زندگی کو ہر آنے والے مسلم فاتح کے لیے قابلِ رشک بنا دیا۔

عسقلان پر حملہ: صلاح الدین ایوبی کے ان حملوں کا آغاز مصر اور شام کے درمیان انتہائی اہم نقطے پر واقع شہر عسقلان سے ہوا۔ ابتدائی مرحلے کے یہ حملے کسی بڑی فوج کے ساتھ نہ تھے۔ دراصل ان میں کسی شہر پر قبضہ کرنا پیش نظر نہیں تھا بلکہ یہ تیز رفتار دستوں کے ذریعے کی جانے والی چھاپہ مار کارروائیاں تھیں جن کا مقصد دشمن کا جانی و مالی نقصان کر کے اسے مرعوب کرنا اور اس کی قوت کا اندازہ لگانا تھا۔

کڑاکے کی سردی تھی، طوفانی ہوائیں چنگھاڑ رہی تھیں، نصرانی قلعہ دار بند کمروں میں انگیٹھیوں پر بدن تاپ رہے تھے کہ صلاح الدین ایوبی راتوں رات ان کے سروں پر آن پہنچے، انہوں نے پہلے عسقلان پر حملہ کیا اور دشمن کے سنبھلنے سے پہلے رملہ کی طرف نکل گئے۔ اس کے بعد مزاحمت کرنے والے عیسائی دستوں کو پسپا کرتے ہوئے غزہ پر دھاوا بول دیا۔ فرنگیوں کا بادشاہ املرک جو اپنے شہروں کو بچانے کے لیے تیزی سے ادھر آ رہا تھا مجاہدینِ اسلام سے نبرد آزما ہوا مگر اسے شکست ہوئی، وہ خود گرفتار ہوتے ہوتے بچا اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔

تاہم لشکر اس شاندار مہم کے بعد 11 ربیع الثانی 566ھ (21 دسمبر 1170ء) کو قاہرہ واپس لوٹ آیا۔ مصر کے حکمران بننے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ صلاح الدین کو اس اطمینان کے ساتھ قاہرہ سے نکلنا نصیب ہوا کہ پیچھے کسی شرانگیزی کا خطرہ نہیں تھا۔ نصرانیوں کے خلاف صلاح الدین کی اس پہلی جارحانہ مہم پر اس دور کے مشہور رزمیہ شاعر اسامہ بن منقذ نے مبارکباد کے یہ اشعار ارسال کیے۔

لَا تَسْتَقِلَّ الَّذِیْ صَنَعْتَ فَقَدْ قُمْتَ بِالْفَرْضِ الْجِهَادِ مُجْتَهِدًا

وَمَا رَأَیْنَا غَزَا لَفَرَنْجَ مِنْ آلِ مُلُوْکِهِ فِیْ عُقْرِدَارِهِمْ اَحَدًا

فَسِرْ اِلَی الشَّامِ فَاِنَّ مَلَائِکَةُ الْاَبْرَارِ تَلْقَاکَ جَمْعُهُمْ مَدَدًا

''آپ نے جو کچھ کیا ہے اسے کم نہ سمجھیں کہ آپ نے تو جہاد کا فریضہ پوری جانفشانی سے انجام دیا ہے۔ ہم نے کسی حکمران کو نہیں دیکھا جس نے فرنگیوں کی سلطنت کے بیچوں بیچ جا کر جہاد کیا ہو۔ اب آپ شام کا رخ کریں کہ مقرب فرشتے اپنی فوجوں کے ساتھ آپ کی مدد کے لیے تیار ہیں۔''[۹]

ایلہ کی فتح: کچھ دنوں بعد صلاح الدین نے خلیج عقبہ کے سرے پر واقع نصرانیوں کی اہم عسکری و تجارتی بندرگاہ ایلہ پر حملہ کیا اور اس مقصد کے لیے عجیب وغریب تدبیر اپنائی۔ خلیج عقبہ پر بحری راستے سے حملہ کرنا زیادہ کارآمد ثابت ہوسکتا تھا مگر مصر کو ایسا کوئی راستہ میسر نہیں تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے انجینئروں کو ایسے بحری جہاز تیار کرنے کا حکم دیا جو کئی ٹکڑوں میں ہوں اور انہیں کھولا اور جوڑا جاسکے۔ انجینئروں نے رات دن کام کر کے یہ کارنامہ انجام دے دیا۔ صلاح الدین ایوبی نے ان جہازوں کو اونٹوں پر لدوا کر خشکی کے راستے خلیج عقبہ پہنچا دیا۔ یہاں ساحل پر ٹکڑوں کو جوڑ کر جہازوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ مجاہدین نے بحری جہازوں کو سمندر میں اتارا اور ان پر سوار ہو کر ایلہ کی طرف بڑھے جبکہ لشکر کا ایک حصہ خشکی کی طرف سے ایلہ کا محاصرہ کر چکا تھا۔ بری اور بحری دونوں راستوں سے گھر جانے کے بعد ایلہ جیسا محفوظ ترین شہر بہت جلد فتح ہو گیا۔ یہ صلاح الدین کی نصرانیوں کے خلاف پہلی فتح تھی جس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اسلام کا یہ شمشیرزن آئندہ چل کر صلیبیوں کے مقابلے میں کس کس طرح پینترے بدل بدل کر لڑے گا۔

عیسائی ریاستوں کے خلاف یہ حملے اچانک یلغار اور تیزی سے واپس پلٹ آنے کے اصول کے تحت کیے جارہے تھے کہ صلاح الدین کا زیادہ دنوں تک مصر سے باہر رہنا بہرحال غیر مناسب تھا۔ 26 جمادی الاولیٰ (14 فروری 1170ء) کو ایوبی قاہرہ واپس آگئے۔ وہ جارحانہ حملوں اور اقدامی جہاد کا یہ سلسلہ

۹ الروضتین: 1/255ش

جاری رکھنا چاہتے تھے مگر ایلہ کی مہم کے بعد وہ پہلے مصر کے اندرونی مسائل اور پھر شام کی سیاست میں ایسے پھنسے کہ برسوں تک دوبارہ عیسائی مقبوضات کو فتح کرنے کا وقت نہ مل سکا۔ اس کام کا بھرپور موقع انہیں بارہ سال بعد نصیب ہوا۔ ❶

بہرکیف، عسقلان، رملہ اور ایلہ کی مہمات میں صلاح الدین ایوبی کی کامیابیوں نے ان کی قائدانہ اور عسکری صلاحیتوں کا سکہ بٹھادیا تھا۔ مسلمانوں کو ان کی ذات میں ایک نیا خورشید طلوع ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ مصر کے عوام جو بنوعبید کے مارے باندھے تھے اب صلاح الدین پر پورا اعتماد کرنے لگے۔

<u>موصل نورالدین زنگی کی سرپرستی میں</u>: اُدھر سلطان نورالدین شام میں اپنے اقتدار کو روز بروز مستحکم کرتے جارہے تھے، دشمنوں کے مقابلے میں انہیں لگاتار کامیابیاں حاصل ہورہی تھیں، یہ ایک دو سال ان کے لیے غیر معمولی سیاسی فتوحات کا پیغام لائے تھے۔ ذی الحجہ 565ھ (ستمبر 1170ء) میں موصل کے حکمران نورالدین زنگی کے بھائی قطب الدین مودود نے اکیس برس کی حکمرانی کے بعد وفات پائی۔ اس کا بیٹا سیف الدین غازی دوئم جو اپنے چچا کا ہم نام تھا، تخت نشین ہوا۔ وہ ناتجربہ کار آدمی تھا۔ اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فخر الدین عبدالمسیح نامی ایک نصرانی افسر نے جو قطب الدین مودود کے زمانے کے بھی حکومتی نظام پر حاوی تھا، کاروبار سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لیا مگر عوام اس کی بدسیرتی، کرخت مزاجی اور مظالم سے تنگ تھے اس لیے سلطان نورالدین نے براہ راست موصل کی سیاست میں دخل دینے کا فیصلہ کیا اور فوج کشی کرکے 13 جمادی الاولیٰ 566ھ (21 جنوری 1171ء) کو موصل پر قبضہ کرلیا۔ موصل کے امراء نے سلطان کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیا اور فخر الدین عبدالمسیح ملکی سیاست سے بے دخل ہوگیا۔ سلطان نورالدین نے حکومت اپنے بھتیجے سیف الدین غازی ہی کے پاس رہنے دی مگر یہ حکومت اب سلطان کی سرپرستی میں کام کرنے کی پابند تھی، یہ نورالدین کی بہت بڑی سیاسی فتح تھی۔ ❷

خلیفہ مستنجد باللہ کی وفات: موصل پر زنگی کی فوج کشی کے دنوں ہی میں عالم اسلام کی سیاست میں ایک اور بڑی تبدیلی آئی۔ بغداد میں عباسی خلیفہ مستنجد باللہ 9 ربیع الثانی 566ھ (19 دسمبر 1170ء) نے 56 سال کی عمر میں دنیا سے کوچ کیا۔ گیارہ برس تک عالم اسلام کے روحانی پیشوا کی حیثیت سے حکومت کرنے والے اس خلیفہ کو شدید بیماری کے دوران باغی امراء نے حمام میں بند کردیا تھا اور دم نکل جانے کے بعد ہی حمام کا دروازہ کھولا۔ ❸

---

❶ الکامل فی التاریخ: 216/7

❷ الکامل فی التاریخ: 215،214/7

❸ الکامل فی التاریخ: 212/7

بغداد کے سیاست نامے کا یہ منظر شام ومصر میں فرنگیوں سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کی تیاری کرنے والے دونوں مسلمان جرنیلوں کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھا۔ تاہم یہ عالم اسلام کی خوش قسمتی تھی کہ اس کے فوراً بعد انہیں المستضی باللہ کی شکل میں ایک بہتر خلیفہ میسر آ گیا جس نے عباسی خلافت کے دورِ زوال میں اس کی سابقہ آن بان کے احیاء کی کوشش کی۔ اس نے سلطان نورالدین کی بھرپور حوصلہ افزائی بھی کی اور خلیفہ بنتے ہی انہیں خلعت فاخرہ سے نوازا۔

<u>عقیدے اور نظریے پر محنت</u>❀ مصر میں اب عبیدی حکمران کی حیثیت عملی طور پر کچھ بھی نہیں تھی اس لیے اس کا سایہ اتنا ناگوار نہیں رہا تھا کہ اسے ہٹانے میں عجلت کی جاتی۔ صلاح الدین نے اس سے پہلے لوگوں کے عقائد واعمال کی اصلاح کی طرف توجہ دی اور نظریاتی محنت کو فروغ دیا۔ دو صدیوں سے مصر پر حکومت کرنے والے عبیدی حکمرانوں کے مذہبی رجحانات نے عوام کی اکثریت کو بڑی حد تک متاثر کیا تھا، لوگ شعائرِ سنت کی جگہ بدعات کے عادی ہو چکے تھے۔ ان کی ذہنی تطہیر وقت کی اہم ضرورت تھی۔ صلاح الدین ایوبی نے اس مقصد کے لیے جگہ جگہ دینی مدارس قائم کیے۔ قاہرہ اور فسطاط میں کسی سابق ناظم شہر نے دو قید خانے تعمیر کرائے تھے۔ صلاح الدین ایوبی نے انہیں منہدم کرا کے وہاں فقہ شافعی کے دو مدارس قائم کر دیے۔ ایسا ہی ایک اور بڑا مدرسہ ''دارالعدل'' کے نام سے تعمیر کیا۔ ایوبی کے نوجوان اور پرجوش بھتیجے تقی الدین عمر نے بھی قاہرہ میں کچھ مکانات خرید کر ایک شافعی مدرسہ کھولا اور اس کی آمدن کے لیے جائداد بھی وقف کر دی۔

مصر کی عدالتوں میں شیعہ فقہ کے مطابق فیصلے ہوا کرتے تھے۔ اکثر قاضی شیعہ تھے۔ صلاح الدین نے عوام کے دل جیتنے اور ان کی ذہنی تربیت کرنے کے بعد اگلے قدم کے طور پر تمام شیعہ قاضیوں کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ شافعی مسلک کے اہل سنت علماء کو قاضی مقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔ چوں کہ اس اقدام کے ردِعمل کا خطرہ بہرحال موجود تھا، اس لیے سب سے پہلے ایک شافعی عالم شیخ صدرالدین عبدالملک بن درباس کو جج مقرر کیا گیا۔ جب عوام وخواص نے اسے خاموشی سے قبول کر لیا تو 20 جمادی الثانیہ 566ھ (27 فروری 1171ء) کو پورے ملک میں سنی فقہاء کو قاضیوں کے عہدے دے دیے گئے۔ یہ اتنا بڑا انقلاب اس طرح چپ چاپ آیا کہ کسی کونے سے کوئی آواز نہ اٹھی۔ یقیناً یہ صلاح الدین ایوبی کی کامیاب حکمت عملی کا اثر تھا کہ وہ اس سے قبل جہاد اور علم دین کے فروغ کے ذریعے لوگوں کے رجحانات بڑی حد تک تبدیل کر چکے تھے۔ ❶

❶ الکامل فی التاریخ: 7/209_216

شرعی قوانین کے نفاذ اور دینی مدارس کے قیام کے بعد صلاح الدین کے لیے یہ ذرا بھی مشکل نہ تھا کہ وہ مصر سے عبیدیوں کے اقتدار کو ختم کردیں مگر وہ اس کے لیے زیادہ مناسب وقت کا انتظار کر رہے تھے۔

صلاح الدین کی دیگر مصروفیات ✽ 566ھ (1171ء) میں صلاح الدین نے شہروں کے حفاظتی انتظامات پر خطیر رقم خرچ کی۔ 23 شعبان کو وہ اپنے دورِ حکومت میں پہلی بار اسکندریہ گئے اور اس کی فصیل کو از سرِ نو تعمیر کرایا۔ اسی سال قاہرہ کی فصیل کو بھی مستحکم کرایا۔

ان پر امن دنوں میں سلطان کو بالائی مصر میں بدوؤں کی لوٹ مار اور شر انگیزی کی اطلاع ملی تھی۔ اس مہم کو سلطان کے بھائی توران شاہ نے بڑی مستعدی سے انجام دیا اور ان کی سرکشی کا زور توڑ دیا۔ یہ مہم جمادی الثانیہ میں شروع ہوئی اور دس رمضان 566ھ (17 مئی 1171ء) کو توران شاہ کی قاہرہ واپسی ہوئی۔ صلاح الدین نے اسی سال توران شاہ کو بوش، جیزہ اور سنود کی جاگیریں دیں۔[1]

مصر سے عبیدی حکومت کا خاتمہ ✽ نئے ہجری سال 567ھ میں عالم اسلام کی سیاست میں ایک غیر معمولی تبدیلی رونما ہوئی۔ دو صدیوں سے مصر میں جمعہ کے خطبے میں نام نہاد "عبیدی خلیفہ" کے لیے دعا کی جاتی تھی جبکہ باقی عالم اسلام میں عباسی خلیفہ کے لیے دعا کا دستور تھا۔ اب چونکہ بنو عبید کی خود ساختہ خلافت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا اور عاضد کا امور حکومت سے کوئی تعلق نہیں رہا تھا اس لیے مناسب تھا کہ باقی اسلامی ملکوں کی طرح وہاں بھی جمعے کے خطبے میں عباسی خلیفہ کا نام لیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں مصر اپنی سیاسی و روحانی وابستگی بنو عبید سے ختم کر کے بنو عباس سے قائم کر لے۔ یہی عباسی خلیفہ کی مرضی تھی اور اس کے حکم پر نور الدین زنگی نے صلاح الدین کو اس اقدام کی تاکید کر دی تھی۔ سلطان نور الدین کو یقین تھا کہ مصر میں صلاح الدین ایوبی کے قدم اتنے جم چکے ہیں کہ مصر کا سفینۂ سیاست کسی بھنور میں پھنسے بغیر اس مقام سے گزر جائے گا۔ اس خیال کے تحت نور الدین زنگی نے صلاح الدین ایوبی کو حکم نامہ ارسال کیا کہ مصر کی جامع مسجد میں عاضد کی جگہ آئندہ سے عباسی خلیفہ المستضیء کا نام لیا جائے۔

صلاح الدین ایوبی ان تاکیدی حکم ناموں سے کشمکش و پیچ میں پڑ گئے، وہ جانتے تھے کہ مصر میں ایسی تبدیلی ناگزیر ہے اور انہیں یہ بھی یقین تھا کہ عبیدی حکومت کا یہ دم واپسیں ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ ابھی مزید انتظار کرنا چاہتے تھے۔ اتنا بڑا قدم اس قدر جلد اٹھا لینا ان کے نزدیک دانش مندی نہ تھی۔ اس سے مصری امراء کی بدظنی کے علاوہ رائے عامہ کی مخالفت کا بھی اندیشہ تھا۔ وہ کم از کم اس اقدام کو عاضد کی موت تک مؤخر کرنا چاہتے تھے۔ مگر نئے خلیفہ المستضیء کی جانب سے نور الدین زنگی پر دباؤ تھا کہ مصر

[1] الروضتین: 2/180_183

میں عباسیوں کا خطبہ جاری کر دینا چاہیے۔ اس سے قبل جب سلطان نورالدین نے نجم الدین ایوب کو مصر روانہ کیا تھا تو ساتھ ہی صلاح الدین ایوبی کے نام اس مضمون کا مراسلہ بھیجا تھا کہ مصر میں عباسی خلفاء کا خطبہ شروع کیا جائے۔

یہ پہلا موقع تھا کہ نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے درمیان اختلاف رائے ہوا تھا۔ دونوں اپنے اپنے طور پر امت کی بہتری چاہتے تھے مگر ان میں سے زیادہ درست رائے کس کی تھی؟ آنے والے وقت نے واضح کر دیا کہ اگر صلاح الدین ایوبی کی رائے پر عمل کیا جاتا اور ''عبیدی خلافت'' کو ختم کرنے میں تدریجی انداز اختیار کیا جاتا تو بعد میں ان شورشوں اور بغاوتوں سے پالا نہ پڑتا جو بنوعبید کے حامی برپا کرتے رہے۔

بہرکیف سلطان نورالدین واضح طور پر یہ سمجھتے تھے کہ مصر پر شامیوں کے تسلط کا لازمی نتیجہ ''خلافت بنوعبید'' کے خاتمے کی صورت میں نکلنا چاہیے اور یہ کام جتنی جلد انجام پائے بہتر ہے۔

جب صلاح الدین ایوبی کی جانب سے حکم کی تعمیل میں تامل ہوتا رہا تو سلطان نورالدین نے پے در پے اس قسم کے تاکیدی خطوط بھیجے اور اس سلسلے میں صلاح الدین کو کسی تاخیر کی اجازت نہ دی۔ صلاح الدین ایوبی کے لیے مصر کی وزارت ویسے بھی کوئی آسان کام نہ تھا۔ کیوں کہ وہ ایک ہی وقت میں دو ایسے عہدوں پر فائز تھے جن میں ان کی باگ دو متضاد نظریات رکھنے والی شخصیات کے ہاتھ میں تھی۔ بقول لین پول ''ایک طرف وہ شیعہ حکمران کے وزیراعظم تھے تو دوسری طرف سنی بادشاہ کے نائب''...... تاہم عبیدی سربراہ کی کمزوری کے پیش نظر صلاح الدین کے لیے اس سے معاملات کو نبھانا اتنا مشکل نہ تھا مگر اپنے طاقتور بادشاہ کے نائب کی حیثیت سے کسی سرکاری حکم کو مسترد کرنا ان کے لیے بہت ہی دشوار تھا۔

آخرکار صلاح الدین ایوبی نے اس بارے میں اپنے امراء سے مشورہ کیا۔ وہ بھی کسی فیصلے پر متفق نہ ہو سکے۔ بعض نے مصریوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سلطانی حکم نافذ کر دینے کا مشورہ دیا اور بعض نے مصری عوام وخواص کے منفی ردعمل کا خوف ظاہر کیا۔ تاہم یہ بات سب پر عیاں تھی کہ اس قدر تاکید وتکرار سے آنے والے شاہی حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ چنانچہ صلاح الدین ایوبی نے عاضد کے نام کا خلافتی خطبہ منسوخ کرا کے عباسی خلیفہ کے خطبے کا اجراء کرا دیا۔

اب مسئلہ یہ تھا کہ پہل کون کرے۔ شہر کے بڑے بڑے خطیب اور علماء دو سو سال قدیم رسم کی مخالفت کرتے ہوئے جھجک رہے تھے، حسن اتفاق سے انہی دنوں ایک غیر ملکی عالم ابوعبداللہ محمد البعلبکی مصر آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے بڑی بے باکی سے کہا: ''اس کام کی ابتداء میں کرتا ہوں۔''

نیا ہجری سال شروع ہو چکا تھا۔ انہوں نے محرم 567ھ (ستمبر 1171ء) کے پہلے جمعے کو ایک مسجد میں جمعے کا خطبہ دیا اور اس میں عبیدی حکمران کی جگہ عباسی خلیفہ کے لیے دعائے خیر کی۔ حاضرین حیران تو ہوئے مگر کسی نے برا نہیں مانا۔ یہ دیکھ کر دیگر خطیبوں کو بھی ہمت ہوئی اور اگلے جمعے سے قاہرہ کی تمام مساجد میں سرکاری حکم کے مطابق عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ رائج پڑھا جانے لگا۔ جلد ہی پورے ملک میں یہی خطبہ رائج ہو گیا اور کوئی بحران پیدا نہ ہوا۔ عالم اسلام میں اس خبر سے مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ بغداد میں تو باقاعدہ چراغاں ہوا۔ خلیفہ المستضی نے پورے دار الخلافہ کو دلہن کی طرح سجا کر جشن منایا۔ سلطان نور الدین زنگی، صلاح الدین ایوبی اور مصر کی جامع مساجد کے خطیبوں کے لیے خلعتیں اور سیاہ عمامے روانہ کیے گئے۔ صلاح الدین ایوبی کو خوشی ہوئی کہ تمام خدشات کے برعکس یہ معاملہ بھی خوش اسلوبی سے طے پا گیا۔ ہاں اگر خلش تھی تو عاضد کی خفگی کی...... مگر یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہ تھا۔ [1]

<u>عاضد کی موت</u> ﷺ بے چارہ عاضد اس وقت شاہی محل میں زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہا ہے۔ وہ چند دن سے شدید بیمار تھا۔ جب اس کے اہل خانہ کو معلوم ہوا کہ ان کی رسمی خلافت کا دور بھی ختم ہو چکا ہے اور خطبے میں دعا کا اعزاز بھی عباسیوں کو مل گیا ہے تو انہیں شدید صدمہ ہوا مگر یہ بات عاضد کو نہ بتائی گئی۔ ڈر تھا کہ اس دھچکے سے اس کی جان ناتواں جسم کا ساتھ ہی نہ چھوڑ دے۔ گھر والوں نے سوچا اگر یہ صحت یاب ہو گیا تو اس حادثے سے آگاہ کر دیا جائے گا اور اگر اس کی موت طے ہو چکی ہے تو مرتے مرتے مزید دکھ کیوں اٹھائے؟ انہیں زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ 10 محرم کو عاضد دنیا سے رخصت ہو گیا۔ مرنے سے چند دن پہلے اس نے صلاح الدین ایوبی کو اپنے پاس بلایا تھا۔ اس وقت اس نے اپنے بچوں کو جو نابالغ تھے، مستقبل کے اس فاتح اعظم کے حوالے کرتے ہوئے ان کی اچھی طرح دیکھ بھال کی وصیت کی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی سلطنت کے انجام کا پورا پورا اندازہ کر چکا تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے ایک ایماندار مسلمان کی طرح اس وعدے کو نبھایا اور عاضد کی اولاد کا ہمیشہ خاص خیال رکھا۔

عاضد کی موت پر صلاح الدین ایوبی نے مملکت کے والی کی حیثیت سے تعزیتی رسم ادا کی، اور حسرتناک لہجے میں کہا:

"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ اس بیماری میں مر جائے گا تو اس کی زندگی میں اس کا خطبہ بند نہ کراتا۔" [2]

<u>بنو عبید کے خزانے</u> ﷺ عاضد کی رسومات سے فارغ ہو کر صلاح الدین ایوبی بنو عبید کے شاہی محل میں

---

[1] کتاب الروضتین: 19/2، 100؛ النجوم الزاہرۃ: 21/2
[2] الکامل فی التاریخ: 218/7، 219؛ النجوم الزاہرۃ: 22/6؛ کتاب الروضتین: 200/2

داخل ہوئے جس کے کتنے ہی مالک تین صدیوں کے ان مول خزانے، تاج وتخت اور عیش وعشرت کے بے پناہ سامان چھوڑ چھاڑ کر تہِ خاک جا سوئے تھے۔

صلاح الدین نے اس سارے ساز وسامان، اموال اور خزانوں کو سرکاری تحویل میں لے لیا۔ اپنی ذات کے لیے ایک درہم تک نہ الگ کیا۔ خزانے کے نفیس ترین جواہر خلیفہ المستضی اور سلطان نور الدین زنگی کو ہدیہ کے طور پر بھیج دیے۔ ایک بڑا حصہ امراء فوج اور مجاہدین کو بخش دیا۔ کتب خانہ جس میں کم از کم ایک لاکھ بیس ہزار کتابیں تھیں اپنے وزیر قاضی فاضل کو سونپ دیا۔ ہیرے جواہرات، اشرفیوں اور نقد مال ودولت کے علاوہ انواع واقسام کا سامان تھا جس میں سونے چاندی کے فریموں والے آئینے، دیدہ زیب زرتار ریشمی کپڑے، زرنگاری سے مزین نایاب قسم کے قیمتی ظروف، عمدہ مشک وکافور سے بھری ہوئی صراحیاں، اعلیٰ ترین سنگی فرنیچر، ہاتھی دانت اور صندل کا سامانِ آرائش وزیبائش، بہترین چینی کے برتن، خوبصورت الماریاں اور طلائی صندوق شامل تھے۔ یہ تمام چیزیں فروخت کردی گئیں اور ان کی قیمت بیت المال میں جمع کردی گئی۔ غلاموں اور باندیوں میں بہت سوں کو آزاد کردیا گیا اور بہت سوں کو بیچ کر قیمت بیت المال کو دے دی گئی۔

شاہی محلات بھی اب اس نئی حکومت کے تصرف میں تھے جس میں عبیدیوں کا کوئی حصہ نہ تھا۔ لہٰذا عاضد کے اہل وعیال کو محل سے نکال کر الگ آرام دہ رہائش گاہ دے دی گئی اور ان کے خرچ کا معقول انتظام کردیا گیا۔

ذی الحجہ 399ھ میں افریقہ کے شہر سلماسہ میں ظہور پذیر ہونے والی عبیدی حکومت اپنے اقتدار کے 272 سال مکمل کر کے محرم 567ھ میں ایک تاریخی داستان بن چکی تھی۔ قصر شرقی کے چار ہزار کمرے کسی قبرستان کی مانند ویران ہو چکے تھے اور قصر غربی کی نشاط گاہ کسی صحرا کی طرح بے رونق۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے اسے آباد کرنے کے لیے کئی سرکاری امراء کو ان کے خاندانوں سمیت یہاں رہنے کی اجازت دے دی۔ اپنے والد نجم الدین ایوب اور اپنے بھائی الملک العادل کو بھی یہاں رہائش دے دی۔ ❶

بنو عبید کے ایک مداح عمارۃ الیمنی نے اپنے اشعار میں اس خاندان کی بربادی پر اظہارِ غم کرتے ہوئے کہا:

يَا عَاذِلِيْ فِيْ هَوَىٰ أَبْنَاءِ فَاطِمَة ... لَكَ الْمَلَامَةُ إِنْ قَصَّرْتَ فِيْ عَذْلِيْ

❶ کتاب الروضتین: 2/205، 211

''مجھے اولادِ فاطمہ کے عشق میں ملامت کرنے والے! اگر تو مجھے ملامت کرنے میں کمی کرے تو قابلِ ملامت ہوگا۔''

بِاللهِ زُرْ سَاحَةَ الْقَصْرَيْنِ وَابْكِ مَعِيْ   عَلَيْهِمَا لَا عَلَى الصِّفِّيْنِ وَالْجَمَلِ

''خدارا دونوں محلات کے صحن میں گھوم پھر کر میرے ساتھ ان پر ایسا نوحہ کر جو جمل اور صفین پر بھی نہ کیا گیا ہو۔''

وَقُلْ لِأَهْلِهِمَا وَاللهِ مَا الْتَحَمَتْ   فِيْكُمْ قُرُوْحِيْ وَلَا جُرْحِيْ بِمُنْدَمِلِ

''ان کے سابقہ ساکنوں سے کہہ بخدا تمہاری یاد میں لگے زخم اور ناسور کبھی مندمل نہ ہوں گے۔''[1]

یہ وہ اشعار تھے جو بنوعبید کے حامیوں کو آٹھ آٹھ آنسو رُلاتے رہے اور وہ اندر ہی اندر اس نئی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے مضطرب رہے جس نے بنوعبید کا خاتمہ کیا تھا۔

نوٹ: بنوعبید کی حکومت یا دولتِ عبیدیہ کو بہت سے تاریخ نگار حضرات عموماً ''فاطمی خلافت'' کے نام سے یاد کرتے رہے ہیں کیونکہ عبیدیوں نے سرکاری طور پر اپنا اور اپنی حکومت کا یہی نام مشتہر کر رکھا تھا مگر جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ یہ لوگ اولادِ فاطمہ سے تھے نہ مسلمانوں کے جائز خلیفہ۔ بلکہ ان کی خلافت خود اہل تشیع کے ہاں بھی متفقہ نہیں تھی۔ صرف شیعوں کا اسماعیلی فرقہ اسے خلافت مانتا تھا۔ باقی امامیہ، اثنا عشری وغیرہ انہیں بے دین اور گمراہ جماعت تصور کرتے تھے۔ اس لیے انصاف کی بات یہی ہے کہ ایسی متنازعہ اور مبنی بر دروغ حکومت پر ''خلافت'' کا اطلاق نہ کیا جائے اور بنوعبید کو فاطمی کہہ کر یاد نہ کیا جائے۔

---

[1] کتاب الروضتین: 205/2

فصل:7

صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی کے تعلقات

دولتِ عبید کے خاتمے کے کچھ عرصہ بعد سلطان نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے درمیان بعض معاملات میں اختلاف رائے کی وجہ سے کچھ کدورت پیدا ہوگئی جسے بعض مورخین نے ذاتی اقتدار کی کشاکشی، قومی بغض وعناد اور قبائلی دشمنی کا رنگ بھی دیا ہے۔ حالاں کہ یہ بات عقل وفہم سے بعید ہے کہ سلطان نورالدین اور صلاح الدین ایوبی جو اُمت کے لیے انتہائی مخلص تھے، محض ذاتی اقتدار اور مال وجاہ کے لیے ایک دوسرے کے مخالف بن جاتے۔ حقیقت کیا تھی؟ وہ اگلی سطور میں واضح کی جارہی ہے۔

شوبک کے محاصرے کا واقعہ ❁ ہوا یہ کہ صفر 567ھ (اکتوبر 1171ء) میں صلاح الدین ایوبی k مصر سے اپنے برق رفتار دستوں کے ساتھ شام کی سرحد کی طرف نکلے۔ ان کا ہدف نصرانیوں کا مضبوط قلعہ ''شوبک'' تھا جو انہی کے ایک اور فتنہ انگیز مرکز ''کرک'' سے صرف ایک دن کی مسافت پر واقع تھا۔ ان دونوں مورچوں سے نصرانیوں کی تاخت وتاراج جاری رہتی تھی جس سے تجارتی وسفارتی قافلوں کو سخت خطرات کا سامنا رہا کرتا تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے ''شوبک'' کا محاصرہ کرلیا۔ محصورین کمک سے مایوس ہوئے تو انہوں نے امان طلب کی اور قلعہ حوالے کرنے کے لیے دس دن کی مہلت مانگی۔ صلاح الدین ایوبی نے اسے قبول کرلیا۔ ادھر سلطان نورالدین زنگی کو بھی مصری افواج کے عیسائی ریاستوں پر حملے کی خبر مل گئی تھی۔ انہوں نے دشمن کو دونوں طرف سے گھیرنے کے لیے مشرق سے عیسائی ریاستوں کا رخ کیا۔ ان کا ارادہ یہ بھی تھا کہ محاذ پر مصری فوجوں اور اپنے قابلِ فخر سالار صلاح الدین ایوبی سے ملاقات کرلیں جسے وہ اب اپنے ہر خط میں ''اسفہسالار'' (سپہ سالار) کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

ادھر صلاح الدین ایوبی ''شوبک'' کا محاصرہ کیے ہوئے تھے کہ اچانک انہیں مصر میں عبیدی امراء کی سازشوں کی اطلاع ملی۔ خطرہ تھا کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں بغاوت کردیں گے۔ صلاح الدین ایوبی مصر کی

حکومت کے استحکام کو ہر معاملے پر ترجیح دیتے تھے کیوں کہ ان کے نزدیک مصر کے بغیر القدس کی بازیابی ناممکن تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ ان کے مربی سلطان نور الدین زنگی ان سے ملنے کے لیے آ رہے ہیں مگر انہوں نے مزید رکنا نقصان دہ سمجھا اور سلطان زنگی کو ایک مراسلے میں مصر کے حالات کی نزاکت کا احساس دلا کر اپنی واپسی کی اطلاع دی اور ملاقات نہ ہونے پر معذرت کی۔ اس موقع پر صلاح الدین ایوبی کے بعض امراء نے واپسی کے ارادے کو پختہ کرنے اور انہیں اپنے آقا سے بدگمان کرنے کے لیے کہا:

''اگر سلطان نور الدین زنگی اس حالت میں عیسائی ریاستوں میں داخل ہوئے کہ ایک طرف سے آپ اور دوسری طرف سے وہ دشمن پر حملہ آور ہوں تو ظاہر ہے کہ دونوں کے یکجا ہونے پر تمام افواج انہی کی کمان میں ہوں گی اور آپ مکمل طور پر ان کے تابع ہوں گے۔ وہ چاہیں تو آپ کو مصر کی حکومت پر برقرار رکھیں اور چاہیں تو معزول کر دیں۔ ایسے میں آپ کے پاس انکار کی گنجائش نہیں ہوگی۔''

اگرچہ ایسی باتیں صلاح الدین ایوبی کو زنگی سے بدگمان نہیں کر سکتی تھیں مگر وہ پہلے ہی واپسی کا ارادہ کر چکے تھے۔ چنانچہ ''شوبک'' کا محاصرہ چھوڑ کر وہ مصر روانہ ہو گئے۔

ادھر سلطان زنگی کو صلاح الدین ایوبی کے اس طرح اچانک واپس چلے جانے سے حیرت ہوئی، وہ مصر کی سیاست کی اہمیت کو سمجھتے تھے مگر ان کے نزدیک مصر کی حکومت القدس کی آزادی کا ایک ذریعہ تھی، اصل مقصد نہیں۔ مصر کے حکومتی معاملات کو اتنی اہمیت دینا کہ اس کے لیے ایک سرنگوں ہوتے ہوئے قلعے کو چھوڑ دیا جائے ان کے نزدیک ناقابل فہم بات تھی۔ وہ تو یہ سوچ رہے تھے کہ صلاح الدین سے مل کر تمام عیسائی مقبوضات کو دو طرفہ یلغار کی زد میں لینے کی ترتیب طے کریں گے اور جلد از جلد ارض مقدس کو کفار کے پنجے سے آزاد کرا لیں گے کیوں کہ شام کی عیسائی ریاستیں اس وقت بہت کمزور ہو چکی تھیں۔ یورپ کے حکمران اپنے سیاسی مسائل میں الجھ کر ان کی مدد سے قاصر تھے۔ ایسے میں اگر شام و مصر کی افواج مل کر چند زوردار حملے کرتیں تو نصرانیوں کو مکمل شکست دے کر القدس سمیت تمام شامی مقبوضات کو ان کی گرفت سے آزاد کرانا مشکل نہ تھا۔ اس لیے سلطان نور الدین نے صلاح الدین ایوبی کے یوں واپس چلے جانے کو سخت ناپسند کیا اور ان کی توجیہ و معذرت کو قبول نہ کیا حالانکہ صلاح الدین ایوبی اپنے طور پر مصر کو اہمیت دینے میں پوری طرح مخلص تھے۔

بہر حال طبائع اور صلاحیتوں کے فرق کی طرح اختلاف آراء بھی ایک قدرتی چیز ہے۔ رائے کا یہی اختلاف اسلام کے ان دو نامور فاتحین کے مابین وقتی ناراضی کا سبب بن گیا تھا۔ حاشیہ برداروں نے

یقیناً غلط فہمیوں کو پروان چڑھانے کی کوشش کی ہوگی۔ تاہم اس کے بعد جلد ہی دونوں کے تعلقات معمول پر آگئے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ دونوں میں سے کسی ایک نے دوسرے کے خلاف فوج کشی یا اس کی تیاری کی ہو۔ بس غلط فہمیوں نے وقتی طور پر فضا کو آلودہ کر دیا۔

مؤرخین نے اس موقع پر سلطان نورالدین کی جانب سے مصر پر حملہ کر کے سلطان صلاح الدین ایوبی کو معزول کرنے کے ارادے کا ذکر ضرور کیا ہے مگر اس کی اصل حقیقت شاید اس سے زیادہ نہ ہو کہ صلاح الدین کے سلطان سے ملے بغیر اچانک واپس چلے جانے کے بعد نورالدین زنگی کے دربار میں اس صورتحال پر بحث ہوئی ہوگی اور مصر پر فوج کشی کی تجویز پر بھی غور کیا گیا ہوگا۔ مگر کیا اس کے بعد سلطان نورالدین نے ایسا کوئی اقدام کیا؟ تاریخ اس کا جواب نفی میں دیتی ہے۔ [1]

نجم الدین ایوب کی دوراندیشی زیادہ سے زیادہ جس بات کا پتہ چلتا ہے وہ یہ ہے کہ کچھ دن کے بعد مصر میں یہ خبر پھیل گئی کہ سلطان نورالدین مصر پر حملے کے لیے فوج بھیج رہا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ اس خبر میں صداقت کتنے فیصد تھی؟ مصر کے دربار میں ایسی کوئی صورتحال پیدا ہوجانے کے بعد تمام امکانی پہلوؤں پر گفتگو شروع ہوگئی۔ جوش وخروش میں مجلس کا رنگ ایسا ہوگیا جس سے امت کے اتحاد پر زبردست زد پڑ سکتی تھی۔ اس مجلس میں صلاح الدین ایوبی کے جہاں دیدہ باپ نجم الدین ایوب نے نہایت سمجھداری کا ثبوت دیتے ہوئے امت کی وحدت کو برقرار رکھنے کی کامیاب کوشش کی اور ایک ایسی رائے دی جس سے تمام غلط فہمیاں دور ہوسکتی تھیں۔ اس سے پہلے مجلس میں صلاح الدین ایوبی کے نوجوان بھتیجے تقی الدین عمر نے پرجوش انداز میں کہا تھا:

''اگر سلطان ہم پر حملہ آور ہوا تو ہم اس سے لڑیں گے۔ اسے اس ملک پر قبضہ کرنے سے روک دیں گے۔''

یہ سن کر دیگر امراء بھی اس رائے کی تائید کرنے لگے تھے۔ نجم الدین ایوب نے یہ ہنگامہ دیکھا تو ڈانٹ کر سب کو خاموش کرا دیا اور صلاح الدین کی طرف رخ کر کے کہا:

''میں تیرا باپ اور یہ تیرے ماموں شہاب الدین حارمی یہاں موجود ہیں۔ ہم سب لوگوں سے زیادہ تجھ سے محبت کرتے ہیں۔ مگر اللہ کی قسم اگر میں اور تیرا ماموں سلطان کو آتا دیکھ لیں تو اس کے استقبال میں زمین کو بوسہ دیے بغیر نہ رہ سکیں گے۔ اگر وہ ہمیں حکم دے کہ تیری گردن اڑا دیں تو ہم ایسا بھی کر گزریں گے۔ اور یہ تمام امراء اور وزراء سلطان کو سامنے دیکھ کر اپنی

[1] الکامل فی التاریخ: 7/220، 221، ابن خلدون: 5/282

سواریوں کی زینوں پر نہیں ٹک سکیں گے۔ یہ سارے شہر سلطان کے ہیں۔ ہم اس کے غلام اور نائب ہیں۔ اگر وہ تجھے معزول کرنا چاہے تو ہم یقیناً اس کی اطاعت کریں گے۔"

نجم الدین ایوب کی اس گفتگو نے سب کے دلوں سے جذبات کے غبار اور مرکز گریزی کے وسوسوں کو دھوڈالا۔ اس کے بعد نجم الدین ایوب نے اپنے بیٹے کو مشورہ دیتے ہوئے کہا:

"تم سلطان کو خط لکھ کر عرض کرو۔۔۔۔ عالی مرتبت! میں نے سنا ہے کہ آپ میرے خلاف فوج کشی کا ارادہ کررہے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو میں پوچھنا چاہتا ہوں اس کی بھلا کیا ضرورت ہے؟ آپ ایک غلام بھیج دیں جو میرے گلے میں پٹا ڈال کر مجھے آپ کے پاس لے جائے۔ یہاں اسے کوئی روکنے والا نہیں ہوگا۔"

فرماں بردار بیٹے نے باپ کے مشورے کے عین مطابق اس مضمون کا خط شام روانہ کردیا۔

بعد میں نجم الدین ایوب نے تنہائی میں بھی اپنے بیٹے کو سلطان کے خلاف کسی قسم کی سوچ رکھنے سے منع کرتے ہوئے مرکز سے خادمانہ تعلقات برقرار رکھنے کی تاکید کی اور ایسے امراء کی باتوں پر توجہ دینے سے منع کیا جو مصر کو شام سے لڑانے پر تلے ہوئے تھے۔ اس دانش مند بوڑھے نے زمینی حقائق، امت کے اتحاد کی ضرورت اور مصلحتِ وقت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے نوجوان بیٹے کو سمجھایا:

"اگر ہم سلطان سے مزاحمت اور لڑائی پر تل گئے تو ہم ہی ان کا ہدف بن جائیں گے جبکہ درحقیقت ہم ان سے ہرگز مقابلہ نہیں کرسکتے۔ ہاں اب جبکہ انہیں ہماری طرف سے اطاعت کا اطمینان ہوگا تو وہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ کر دیگر مہمات میں مشغول رہیں گے۔۔۔"

تاریخ بتاتی ہے کہ صلاح الدین ایوبی کا مذکورہ خط پڑھ کر سلطان زنگی کو اطمینان ہوگیا۔ غلط فہمیوں کی فضا ختم ہوگئی اور آخر تک سلطان اور ایوبی کے تعلقات مثالی رہے۔

اس موقع پر مورخین نے نجم الدین ایوب کی صلاح الدین کو نصیحت کے ضمن میں اس کا یہ جملہ بھی نقل کیا ہے:

"اگر سلطان اس ملک سے ایک گنا بھی لے تو میں اس سے لڑوں گا۔"

مگر اس جملے کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ یہ پدرانہ شفقت کا ایک بلیغ اظہار تھا تاکہ بیٹا باپ کو بہر طور اپنا خیر خواہ سمجھے، مخالف خیال نہ کرلے۔ اگر یہ جملہ حقیقت پر مبنی ہوتا تو نجم الدین، سلطان زنگی کی اطاعت پر اتنا زور کیوں دیتا؟ اپنے بیٹے اور امرائے مصر کو سلطان سے خادمانہ تعلقات رکھنے کی تاکید کیوں کرتا۔ ۵

۵ الکامل فی التاریخ: 7/221، البدایہ والنہایہ: 7/768، [illegible]: 2/228

__غلط فہمیوں کا اِزالہ__: ڈاکٹر حسین مؤنس اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''نورالدین محمود'' میں سلطان نورالدین اور صلاح الدین کے مابین محاذ آرائی کی روایات پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مؤرخین ذکر کرتے ہیں کہ صلاح الدین مصر میں اپنے قدم جماتا چلا گیا حتیٰ کہ اس نے خودمختاری کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا اور نورالدین کے خلاف لشکر کشی کی تیاری کرنے لگا حالاں کہ یہ بات درست نہیں، اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ ان دونوں کے درمیان نفرت پیدا ہوئی اور اتنی بڑھتی چلی گئی کہ نورالدین نے مصر پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تا کہ اپنے نائب کو تابعدار بنا سکے۔ یہ سب باتیں عقل سے ماوراء ہیں۔''[1]

صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کے قلعہ شوبک کی مہم کو ادھورا چھوڑ کر سلطان نورالدین سے ملے بغیر مصر واپس آجانے کے واقعے سے پیدا شدہ غلط فہمیوں کو دور کرتے ہوئے ڈاکٹر مؤنس تحریر کرتے ہیں:

''اس موقع پر کوئی شے ایسی نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ صلاح الدین نورالدین سے ملنے سے گریز کر رہے تھے۔ اگرچہ اکثر مؤرخین نے یہی تحریر کیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی جانتے تھے کہ سلطان نورالدین ایسی ہستی نہیں جس سے دھوکا کیا جا سکے یا اس سے بدمعاملگی درست ہو۔ صلاح الدین کو سلطان نورالدین کے کریمانہ اوصاف کے ساتھ ساتھ یہ بھی علم تھا کہ وہ اپنے مخالفین اور دشمنوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرتا ہے...... تو یہ بات عقل میں کیسے آسکتی ہے کہ صلاح الدین جیسا ذہین اور دانا انسان سلطان نورالدین سے یہ خطرہ محسوس کرتا کہ وہ اسے تکلیف دیں گے یا اسے مصر کی حکومت سے معزول کر دیں گے۔''[2]

آخر میں سلطان نورالدین کے آخری دور میں ان کے اپنے ہاتھ سے تحریر کردہ ایک خط کا اقتباس پیش خدمت ہے جو انہوں نے شام کے مشہور عالم دین قاضی ابن ابی عصرون کو مصر بھیجتے ہوئے لکھا تھا۔ اس کے ایک ایک جملے سے زنگی کا صلاح الدین ایوبی پر کامل اعتماد عیاں ہوتا ہے۔

''میں آپ کو مصر بھیج رہا ہوں، اس تقرری پر میرا اور صلاح الدین کا اتفاق ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے توفیقِ خیر عطا کرے۔ میں اس کا بہت بہت بہت قدردان ہوں۔ (مراسلے کے الفاظ یہ ہیں: فانا منہ شاکراً کثیراً کثیراً کثیراً) اللہ اسے جزائے خیر دے اور باقی رکھے۔ ایسے اچھے اور نیک لوگوں کی بقا میں اہل اسلام کی بڑی بہتری اور نفع ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے نیکو کاروں اور خیر کے مددگاروں کی تعداد اور بڑھائے۔''[3]

---

[1] نورالدین محمود، ص: 332
[2] نورالدین محمود، ص: 344
[3] کتاب الروضتین: 120/2

اب قارئین پر یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ عالم اسلام کے ان دو عظیم مجاہدین کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے آخر وقت تک محبت، اکرام اور احترام کے جذبات قائم رہے۔ اگر کوئی غلط فہمی تھی تو وہ عارضی تھی جو جلد ہی دور ہو گئی۔

کرک کا محاصرہ ﷺ اس واقعے کے کچھ عرصے بعد سلطان نورالدین نے ساحل شام کی قابض عیسائی ریاستوں کو دو طرفہ حملوں کی زد میں لینے کے لیے ایک بار پھر مشترکہ مہم کا آغاز کرنا چاہا۔ انہوں نے صلاح الدین ایوبی کو خط و کتابت کے ذریعے اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔ طے یہ پایا کہ شام اور مصر کی افواج ایک متعین دن میں کرک کے قریب باہم مل جائیں گی۔ وہاں دونوں قائدین کی ملاقات ہوگی اور جنگی و سیاسی امور پر مشورہ بھی ہوگا۔

شوال 567ھ (جون 1172ء) میں صلاح الدین ایوبی مصر سے روانہ ہوئے، اس سے قبل انہوں نے اپنی روانگی کی اطلاع شام بھیج دی تھی۔ صحرا کا پرخطر راستہ طے کر کے جب وہ کرک پہنچے تو ابھی سلطان زنگی کی افواج راستے میں تھیں۔ صلاح الدین ایوبی نے کرک کا محاصرہ کر لیا۔ وہ سلطان نورالدین کا انتظار کر رہے تھے جو دو دن کی مسافت پر تھے، اچانک انہیں اطلاع ملی کہ قاہرہ میں ان کے والد نجم الدین کی حالت نازک ہے اور وہ بستر مرگ پر ہیں۔ صلاح الدین اپنے والد کو مصر کے تمام کاروبار کا ذمہ دار بنا کر آئے تھے۔ اس خبر سے انہیں ایک بار پھر خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں کسی نائب کی عدم موجودگی میں مصر بغاوت کی لپیٹ میں نہ آجائے۔ انہوں نے فوراً مصر واپسی کا فیصلہ کر لیا۔ محاصرہ اٹھا کر وہ تیزی سے اپنے دارالحکومت کی طرف پلٹے مگر اس سے پہلے انہوں نے فقیہ عیسیٰ الھکاری کو سلطان زنگی کی خدمت میں روانہ کر دیا تھا تاکہ وہ مصری سپہ سالار کی واپسی کا یہ معقول عذر و وضاحت کے ساتھ بیان کر دیں۔

فقیہ عیسیٰ الھکاری سلطان کے پاس پہنچے۔ اپنے آقا کی جانب سے بھیجے گئے گراں قدر تحائف نذر کیے اور معذرت کا پیغام گوش گذار کیا۔ سلطان نورالدین جو کہ اپنے باصلاحیت سپہ سالار سے ملنے کے لیے بے چین تھے رنجیدہ ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں اپنے قابل ترین مصاحب نجم الدین کی حالت پر بھی نہایت تشویش ہوئی۔ تاہم انہوں نے جذبات پر قابو پاتے ہوئے صلاح الدین کی معذرت قبول کی اور ان کے فیصلے کو درست قرار دیتے ہوئے کہا: "واقعی مصر کی حفاظت ہمارے نزدیک بھی باقی تمام کاموں سے زیادہ اہم ہے۔"

نجم الدین ایوب کی وفات ﷺ ادھر صلاح الدین قاہرہ پہنچے تو انہیں یہ افسوس ناک خبر ملی کہ ان کے سر سے والد ماجد کا سایۂ شفقت اٹھ گیا ہے۔ زمانے کا سرد و گرم چشیدہ یہ دانش مند بوڑھا گھڑسواری کے

دوران گھوڑے کے بدک جانے سے گر پڑا تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ نجم الدین ایوب کو چوگان اور گھڑ سواری کا بے حد شوق تھا اور وہ اتنی تیز گھوڑا دوڑاتے تھے کہ لوگ دیکھ کر گھبرا جاتے تھے، اور ڈرتے تھے کہ کہیں وہ گھوڑے سے گر نہ پڑیں۔ بعض لوگ یہاں تک کہا کرتے تھے کہ شاید تیز رفتاری ہی ایوب کی موت کا بہانہ بنے۔ ایسا ہی ہوا۔ گھوڑے سے گرنے کے بعد زخمی ایوب چند دن تک زیر علاج رہ کر 27 ذوالحجہ 567ھ (19 اگست 1172ء) کو دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔

صلاح الدین ایوبی کے لیے یہ ایک بہت بڑا دھچکا تھا۔ والد کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی ہر قدم پر ان کے لیے تقویت کا باعث تھی۔ اب وہ اس سہارے سے محروم ہو گئے تھے۔

نجم الدین ایوب کا شام کی سیاست میں نہایت اہم کردار تھا۔ سلطان نورالدین کے دربار میں ان کا مرتبہ سب سے بڑھا ہوا تھا۔ سلطان کے سامنے کسی درباری کو بلا اجازت از خود بیٹھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی مگر نجم الدین ایوب نے کبھی یہ تکلف نہ کیا اور وہ جب بھی سلطان کے پاس آتے تو پوچھے بغیر بیٹھ جاتے۔ اور سلطان نے کبھی اس کا برا نہیں منایا۔ ①

ابن اثیر کا بیان ہے:

"نجم الدین ایوب خوبیوں سے آراستہ، عقلمند، نیک سیرت، شریف الطبع اور فیاض انسان تھا۔ درویشوں اور صوفیاء کی بکثرت خدمت کیا کرتا تھا، ان کے پاس اکثر حاضر ہوتا تھا۔" ②

اپنے آخری ایام میں وہ مصر کی سیاست کا مضبوط ترین ستون بن چکے تھے۔ اس ستون کے گرتے ہی مصر کی پر امن سیاسی فضا میں ایک نئی ہل چل مچ گئی اور صلاح الدین ایوبی پر امتحانات کی کڑی دھوپ آ گئی۔ ③

<u>غیر شرعی ٹیکس کا خاتمہ</u> ❊ 567ھ میں صلاح الدین ایوبی نے سلطان نورالدین زنگی کے کہنے پر تاجروں سے لیا جانے والا چنگی ٹیکس جسے علماء نے غیر شرعی قرار دیا تھا، بند کر دیا۔ حکومت کو اس ٹیکس سے سالانہ بیس لاکھ دینار (آج کل کے اربوں روپے) کی آمدن ہوا کرتی تھی۔

---

① کتاب الروضتین: 2/240، الکامل فی التاریخ: 7/235، 236
② کتاب الروضتین: 1/406
③ ابن خلدون: 5/282، کتاب الروضتین: 2/248، 249

فصل:8

ناکام سازش

نجم الدین ایوب کی وفات کو چھ سات ماہ گذرے ہوں گے کہ صلاح الدین ایوبی کے خلاف زیرزمین سازشیں اور بغاوتیں شروع ہوگئیں۔ پہلی بغاوت 568ھ (1172ء) میں ہوئی جو سوڈان کے حبشیوں اور غلاموں نے کی تھی۔ انہوں نے غنڈوں اور اوباشوں کی بڑی تعداد کو ساتھ ملا کر مصری سرحد پر یلغار کی تیاری کرلی تھی، وہ بلاد النوبہ سے نکل کر اسوان کی بستی اور نواحی دیہاتوں کو لوٹنے آرہے تھے کہ سرحد کے نگران کنز الدولہ نے قاہرہ میں اس خطرے کی بروقت اطلاع دے دی جس کے نتیجے میں سلطان نے شجاع بعلبکی کو کمک دے کر بھیجا مگر شجاع کے آنے تک سوڈانی اسوان کو تباہ کرکے واپس جاچکے تھے۔ بہرحال کنز الدولہ اور شجاع بعلبکی لشکر لے کر ان کے تعاقب میں نکلے، اس دوران سوڈانی باغی سرحدی علاقے "صعید" پر قابض ہوگئے تھے۔ فریقین میں خونریز لڑائیاں جاری رہیں مگر حبشیوں کا زور ٹوٹ نہ سکا۔ شجاع یہ صورتحال بتانے خود قاہرہ گیا تو صلاح الدین کو اندازہ ہوا کہ صعید میں باغیوں کی طاقت بہت بڑھ چکی ہے۔ تب صلاح الدین نے جمادی الاولیٰ 568ھ (جنوری 1173ء) میں اپنے بھائی توران شاہ کو ایک بڑا لشکر دے کر وہاں بھیجا۔ آخرکار گھمسان کی جنگوں کے بعد سوڈانی پسپا ہوکر نوبہ کے علاقوں کو لوٹ گئے۔ توران شاہ نے ان کا تعاقب کرکے نوبہ کے مضافات میں چھاپے مارے، ان کے قلعۂ ابریم کو مسخر کیا اور بہت سے قیدیوں کو آزاد کرالیا۔ [1]

مگر اس فتنے کی روک تھام ہوتے ہی ایک اور بغاوت کی چنگاریاں سلگنے لگیں جسے سابق حکومت کے وفادار امراء اور مبلغین ہوا دے رہے تھے۔ وہ موجودہ سنی حکومت کو ختم کرکے ایک بار پھر "دولتِ عبیدیہ" کا احیاء چاہتے تھے۔ ان کا سربراہ عبیدیوں کا داعی الدعاۃ حاجی ابن عبدالقوی (عبدالجبار بن اسماعیل بن عبدالقوی) تھا۔ اسے بنوعبید کے محلات میں مدفون خزانوں کا پتا بھی معلوم تھا۔ دوسرا اہم رکن عبدالصمد

[1] کتاب الروضتین: 245/2۔248

کاتب تھا جو صلاح الدین کی حکومت کا اہم عہدے دار تھا۔ تیسرا قاضی عویرس تھا جو سرکاری دفاتر کا منتظم ہونے کے ساتھ ساتھ محکمہ قضا میں بھی اہم عہدے پر تھا۔ چوتھا رکن قاضی ابن کامل تھا جو بنوعبید کے دور میں قاضی القضاۃ رہا تھا۔ سازشیوں میں شبری نامی ایک افسر بھی تھا جو "کاتب السر" (انٹیلی جنس کے خفیہ ریکارڈ کا سیکرٹری) تھا۔ ایک عیسائی نجومی بھی اس گروہ کا رکن تھا جس نے علم نجوم سے حساب لگا کر دعویٰ کیا تھا کہ بغاوت کامیابی سے ہم کنار ہوگی۔ ایک اور شخص نجاح الحمامی بھی ان میں شامل تھا۔[۱]

ان کے علاوہ ان سازشی عناصر میں عمارہ نامی ایک یمنی دانشور بھی پیش پیش تھا جو فصیح و بلیغ شاعر اور گفتگو میں بڑا ماہر تھا۔ حقیقت میں وہ علوم شرعیہ کے میدان کا فرد تھا اور عقیدے کے لحاظ سے سنی اور شافعی المسلک تھا۔ بعد میں شعراء کے ساتھ نشست و برخاست کی وجہ سے شعر و شاعری کے کوچے میں قدم رکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس فن کا استاذ شمار ہونے لگا۔[۲]

حافظ ذہبی رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں: "وہ یمنی اور شافعی المسلک تھا۔ اس کا دیوان مشہور ہے۔ 515ھ میں پیدا ہوا۔ زبید میں علم فقہ حاصل کیا۔"

نیز فرماتے ہیں:

"حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں اس کا اعتقاد واضح تھا۔ صالح بن رزیک نے اس سے پوچھا: آپ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ عمارۃ نے کہا: اگر وہ نہ ہوتے تو اسلام باقی نہ رہتا۔"[۳]

ابن واصل نے عمارۃ کی بنوعبید سے دوستی کی وجہ یہ لکھی ہے کہ وہ یمن سے مصر آیا تو بنوعبید نے اس کی بہت قدردانی کی اور بڑا مرتبہ دیا اس لیے وہ ان کا وفادار بن گیا کیونکہ انسان احسان کا غلام ہوتا ہے مگر وہ ان کا ہم مذہب نہیں بلکہ سنی اور شافعی تھا۔[۴]

عمارۃ نے بنوعبید کے بارے میں کہا تھا:

أَفَاعِيلُهُمْ فِي جُوْدِ أَفْعَالِ سُنَّةٍ وَإِنْ خَالَفُوْنِي فِي اعْتِقَادِ التَّشَيُّعِ

"سخاوت میں ان کے کارنامے اہل سنت کی طرح ہیں اگرچہ وہ شیعہ عقیدے کی وجہ سے میرے مخالف ہیں۔"

---

۱ البدایہ والنہایہ، حالات 568ھ
۲ الاعلام للزرکلی: 1/ 216
۳ سیر اعلام النبلاء: 592/20
۴ مفرج الکروب: 212/1

بنوعبید کی سیادت کے خاتمے پر عمارۃ نے بڑے دردناک اشعار کہے تھے جن کا ایک نمونہ یہ ہے:

أَسَفِي عَلَىٰ زَمَنِ الْإِمَامِ الْعَاضِدِ أَسَفُ الْعَقِيمِ عَلَى الْفِرَاقِ الْوَاحِدِ

''مجھے عاضد کا زمانہ یاد کر کے ایسا ہی افسوس ہوتا ہے جیسا کہ کسی بانجھ عورت کو اکلوتے بچے کی جدائی پر۔''

جَالَسْتُ مِنْ وُزَرَائِهِ وَصَحِبْتُ مِنْ أُمَرَائِهِ أَهْلَ الثَّنَاءِ الْخَالِدِ

''میں اس کے وزیروں اور اس کے ایسے امراء کا ہم نشین رہا جو ہمیشہ مدح وثنا کے قابل ہیں۔''

لَهْفِي عَلَىٰ حُجُرَاتِ قَصْرِكَ إِذْ خَلَتْ يَا ابْنَ النَّبِيِّ مِنَ ازْدِحَامِ الْوَافِدِ

''اے آل نبی! مجھے آپ کے محل کے وہ خالی کمرے دیکھ کر رنج ہوتا ہے جو کبھی ملاقاتیوں سے بھرے رہتے تھے۔''

ان سازشی عناصر نے سیاہ فام سوڈانیوں، شاہی محل کے ملازموں اور سب سے بڑھ کر خود صلاح الدین ایوبی کے سالاروں اور سپاہیوں کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد کو اپنا ہم نوا بنالیا تھا۔ تاہم ایسا لگتا ہے کہ منصوبے کی تفصیلات سے سب کو یکساں طور پر آگاہ نہیں کیا گیا تھا۔

توران شاہ کی یمن روانگی: اس منصوبے کے پہلے مرحلے میں عمارہ نے صلاح الدین کے معرکہ آزما بھائی توران شاہ سے تعلقات بڑھائے اور اس کے سامنے اپنے آبائی وطن یمن کی عمدہ آب وہوا، سرسبزی وشادابی اور قدرتی حسن وجمال کی مبالغہ آمیز تعریف کی۔ وہاں کے شہروں کی وسعت، بازاروں کی رونق اور باشندوں کی خوبیوں کو اس شمشیرزن کے سامنے بار بار اس طرح بیان کیا کہ توران شاہ بے اختیار اس ملک کو فتح کرنے کے لیے بے چین ہوگیا۔

رفتہ رفتہ عمارہ نے توران شاہ کو وہاں لشکر کشی پر آمادہ کرلیا اور اسے یقین دلایا کہ یمن پر قابض ہوجانے سے مصر کو بے شمار فوائد حاصل ہوں گے۔ خود توران شاہ بھی یہ محسوس کررہا تھا کہ بہترین بحری راستوں اور مضبوط قلعوں کی یہ سرزمین ہاتھ لگ جانے سے انہیں مستقبل میں کسی بھی خطرے سے مدافعت کے لیے ایک مضبوط مورچہ مل جائے گا۔

اس نے صلاح الدین سے اس مہم کے بارے میں مشورہ کیا۔ گزشتہ سال جمادی الاولیٰ میں جب اس نے اسوان سے آگے بلاد النوبہ تک یلغار کی تھی تو فوج کے طویل سفر اور جنگی مہمات کے بھاری اخراجات برداشت کرنے کے باوجود مہم اس لحاظ سے امید افزا نہیں نکلی تھی کہ ان علاقوں سے کچھ معاشی یا عسکری مفادات ہاتھ نہیں آئے تھے۔ توران شاہ ان علاقوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر صرف مال غنیمت

کے غلاموں اور باندیوں کو لے کر واپس قاہرہ آ گیا تھا۔ اس تجربے کے بعد اب اس کا اتنی دور کسی نئی مہم پر نکل جانا مصلحت کے خلاف تھا۔ اگر ان کا باپ ایوب زندہ ہوتا تو وہ غالباً اس کی اجازت نہ دیتا۔ بہر حال تقدیر غالب آئی۔ ایوبی نے آسانی سے اجازت دے دی جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان دنوں یمن پر عبدالنبی بن مہدی نامی ایک مرتد کا تسلط تھا جو خود کو تمام بنی نوع آدم کا نجات دہندہ باور کراتا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کو جب سے یہ حالات معلوم ہوئے تھے وہ اس فکر میں تھے کہ کسی طرح اس بدبخت کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے۔ چنانچہ جب توران شاہ نے یمن جانے کی اجازت مانگی تو انہوں نے فوراً اس مہم کی تائید کی۔ رجب 569ھ (مارچ 1174ء) کے آغاز میں توران شاہ قاہرہ سے یمن کی طرف نکل گیا۔ پہلے وہ حجاز پہنچا اور مکہ معظمہ میں حاضری دے کر عمرہ ادا کرتے ہوئے یمن کا رخ کیا۔ اس کا لشکر بری اور بحری دونوں راستوں سے آ رہا تھا۔

شوال میں توران شاہ نے مہدی کے مرکز ''زبید'' پر قبضہ کر کے اسے گرفتار کر لیا۔ بعد میں اسے قتل کر دیا گیا۔ جلد ہی مصری فوج عدن اور صنعا جیسے اہم شہروں پر بھی قابض ہو گئی۔

غرض چند ماہ کی تھکا دینے والی مہمات کے بعد مصری فوج نے یمن کے تمام شہروں، قلعوں اور بندرگاہوں پر قبضہ کر لیا۔ ان فتوحات کی خبر مصر، شام اور بغداد میں پھیل گئی اور ہر طرف توران شاہ کے کارناموں کی تعریف ہوئی۔ اس نو مفتوحہ ملک میں سلطان نورالدین اور خلیفۂ بغداد کے نام کا خطبہ شروع کر دیا گیا۔ اس کے باوجود یمن مصر کی حکومت کے لیے کسی غیر معمولی فائدے کا ذریعہ نہ بن سکا۔ توران شاہ کو بھی جلد ہی یہ اندازہ ہو گیا کہ یمن اتنا پرکشش نہیں جتنا عمارہ نے بیان کیا تھا اور یہاں پر قبضہ کرنا اتنا ضروری نہ تھا جتنا کہ اسے سمجھایا جا رہا تھا۔ [1]

تاہم اسے یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ اس کے پیچھے مصر میں کیا ہو رہا ہے؟ جو اسے مصر سے بھگانے کا اصل مقصد تھا۔

<u>قاہرہ میں زیرِ زمین باغیانہ سرگرمیاں</u>: اس دوران جبکہ توران شاہ لشکر کے ایک بڑے حصے کے ساتھ یمن کی فتوحات میں مشغول تھا سازشی عناصر صلاح الدین کو اکیلا دیکھ کر اس کے خلاف بغاوت کی تیاری مکمل کر چکے تھے۔ وہ سلطنت کے کئی امراء، فوج کے کئی سالاروں اور فوج کے ایک حصے کو پہلے ہی ساتھ ملا چکے تھے۔

<u>توران شاہ کے جانے کے صرف ایک ماہ بعد بغاوت کی</u> ساری تیاریاں آخری مرحلے میں پہنچ چکی

[1] الکامل فی التاریخ: 7/238_239؛ صبح الاعشیٰ: 2/270_273

تھیں۔ سازشی امراء شام کی عیسائی ریاستوں اور سسلی کے حکمران کو خطیر معاوضے کے عوض مصر پر فوج کشی کی دعوت بھی دے چکے تھے۔ طے یہ ہوا تھا کہ پہلے نصرانی باہر سے سرحدوں پر حملہ کریں گے۔ ان کی روک تھام کے لیے مصری لشکر قاہرہ سے باہر جائے گا تو باغی سالار اپنے سپاہیوں کے ساتھ صلاح الدین کو گھیر کر قتل کر دیں گے۔ چوں کہ اس کے بعد اس کا کوئی جانشین موجود نہیں ہوگا اس لیے قاہرہ میں دولتِ بنوعبید کے احیاء کا خواب آسانی سے شرمندہ تعبیر ہو سکے گا۔

عمارہ شاعر جو اس تحریک کے مرکزی کرداروں میں شامل تھا خوش ہو کر کہہ رہا تھا:

''میں نے توران شاہ کو اسی لیے یمن بھجوایا ہے تاکہ صلاح الدین کو ختم کرنے کے بعد اس کی جگہ سنبھالنے اور اس کے وفاداروں کی شیرازہ بندی کرنے والا کوئی بھی شخص موقع پر موجود نہ ہو۔''

ان سازشیوں کی شام کے عیسائی حکمرانوں اور سسلی کے بادشاہ سے خط و کتابت باقاعدہ جاری تھی۔ عیسائی حکومتوں کے قاصد ویسے تو اپنے معمول کے مطابق صلاح الدین ایوبی کے پاس حاضر ہوتے رہتے تھے اور رسمی خیر سگالی وغیرہ کے پیغامات لاتے اور لے جاتے تھے مگر ان دنوں ان کی آمد و رفت کا اصل مقصد سازشی عناصر سے مل کر بغاوت کی منصوبہ بندی کرنا تھا۔ چنانچہ عیسائی سفیر خفیہ مجالس میں سازشی امراء کے ساتھ سر جوڑ کے بیٹھتے تھے۔ انہوں نے یہ تک طے کر لیا تھا کہ اگلا ''خلیفہ'' کون ہوگا، وزیر اعظم کون بنے گا، قاضی کا عہدہ کسے ملے گا اور داعی الدعاۃ کا منصب کس کے حصے میں آئیگا؟

یہ سازش اتنی خفیہ تھی کہ شعبان تک کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی تھی مگر اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کی بھلائی منظور تھی اس لیے راز طشت از بام ہو گیا۔ ہوا یوں کہ شام کی ایک عیسائی ریاست کا قاصد سازشیوں سے مشاورت کے لیے مصر آیا۔ پہلے وہ حسب معمول صلاح الدین ایوبی کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ اس پر شک نہ کیا جا سکے۔ بعد میں وہ قاہرہ میں قیام کے دوران سازشیوں سے ملنے جلنے لگا۔ اس دوران صلاح الدین ایوبی کے ان جاسوسوں نے جو شام میں موجود تھے خبر بھیجی کہ یہاں سے مصر پر فوج کشی کی تیاریاں ہو رہی ہیں لہٰذا چوکنا رہا جائے۔ اس خبر سے صلاح الدین ایوبی ہوشیار ہو گئے۔ انہوں نے ایک ایسے شخص کو جس پر عیسائی بہت اعتماد کرتے تھے عیسائی سفیر کی جاسوسی پر مقرر کر دیا۔ یہ شخص سفیر سے گھل مل گیا اور جلد ہی اس کے خفیہ رابطوں اور اس کی آمد کے پس پردہ مذموم مقاصد سے آگاہ ہو گیا۔ اس نے پوری رپورٹ تیار کر کے صلاح الدین کے گوش گزار کر دی۔ اس رپورٹ سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ عیسائی سفیر مقامی امراء سے مل کر بغاوت اور بیرونی حملے کی سازش تیار کر رہا ہے مگر یہ ثابت نہ ہو سکا کہ کون کون سے امراء اس سازش میں شریک ہیں۔ خوش قسمتی سے انہی دنوں سازشیوں سے ایک معمولی سی غلطی ہو گئی

جو سلطان کے وزیر اعظم قاضی فاضل کی دوربین نگاہوں سے مخفی نہ رہ سکی۔ ہوا یہ کہ سازش کا ایک اہم مہرہ عبدالصمد کاتب جو قاضی فاضل سے بہت اچھے مراسم رکھتا تھا، ان دنوں سازش کی ادھیڑبن کی وجہ سے کچھ بدحواس سا رہنے لگا تھا۔ ایک دن سر راہ اس کا قاضی فاضل سے آمنا سامنا ہوگیا۔ قاضی صاحب اس کی طرف متوجہ ہوئے مگر وہ خلاف توقع منہ پھیر کر [illegible]۔ قاضی صاحب بے حد ذہین آدمی تھے۔ سوچا کہ سلطنت کا اتنا بڑا عہدے دار جو سلطان کا [illegible] مجھ سے بلاوجہ تو بے رخی نہیں برت رہا۔ ممکن ہے اندر ہی اندر صلاح الدین کو مجھ سے خفگی ہو، لہٰذا ملازموں پر بھی اس کا اثر پڑا ہو۔

قاضی صاحب نے فوراً علامہ ابن نجیہ (زین الدین علی ابن نجا الواعظ) سے جو بڑے ہوشیار درباری تھے، ملاقات کی اور انہیں عبدالصمد کاتب کی بے رخی کی اصل وجہ معلوم کرنے کا کہا۔ ابن نجیہ نے پہلے صلاح الدین ایوبی کو ٹٹولا اور اطمینان کرلیا کہ وہ قاضی صاحب سے خفا نہیں۔ پھر عبدالصمد کاتب سے راہ و رسم بڑھا کر اسے شیشے میں اتار لیا۔ جلد ہی ان کو عبدالصمد کے واسطے سے سازشی عناصر میں اٹھنے بیٹھنے کا موقع مل گیا۔ سازشیوں نے انہیں صلاح الدین کا مخالف جان کر اپنے منصوبے میں حصے دار بنانے کی کوشش کی۔ ابن نجیہ حقیقت جاننے کی نیت سے ان کی مجلسوں میں شریک رہے مگر موقع ملتے ہی تفصیلات قاضی صاحب کے سامنے پیش کردیں اور انہیں کہا:

''آپ فوراً آقا سے ملیں اور انہیں اس صورتحال سے آگاہ کریں۔''

قاضی فاضل نے یہ سب کچا چٹھا اپنے مربی کو کہہ سنایا۔ اب کسی رعایت کی گنجائش نہیں رہی تھی تا ہم صلاح الدین ایوبی کے حکم سے ابن نجیہ مزید کئی دنوں تک دشمنوں کی صفوں میں رہ کر خبریں پہنچاتے رہے۔ اس دوران ان لوگوں پر ہاتھ ڈالنے کی تیاریاں مکمل کرلی گئیں۔ [1]

2 رمضان 569ھ (5 مئی 1174ء) کو عمارہ اور دیگر سرکردہ افراد کو جن میں عوریس، ابن عبدالقوی اور قاضی ابن کامل نمایاں تھے، صلاح الدین ایوبی کے [illegible] نے اچانک گرفتار کرلیا۔ ان سب سے پوچھ گچھ کی گئی، انہوں نے سازش کا اقرار کرلیا۔ اس سے ان کا جرم ثابت ہوگیا۔ ابن عبدالقوی جسے بنو عبید کے خفیہ خزانوں کا علم تھا، سخت تفتیش سے [illegible] گیا۔ صلاح الدین کے افسران نے تشدد سمیت ہر حربہ آزما کر اس سے عبیدیوں کے مدفون خزانوں کا پتا معلوم کرنے کی کوشش کی مگر اس نے زبان نہ کھولی اور مار کھاتے کھاتے مرگیا۔ اس کے بعد باقی سب سازشیوں کو بھی اسی دن شہر میں الگ الگ مقامات پر ان کے گھروں کے سامنے سولی پر لٹکا دیا گیا۔ سب

[1] الکامل فی التاریخ: 240/7

سے پہلے قاضی ابن کامل کو قتل کیا گیا۔ ①

عمارہ شاعر اور قاضی فاضل میں شروع سے چپقلش چلی آتی تھی مگر جب اس بدقسمت کو تختۂ دار پر لے جانے کا فیصلہ ہوا تو قاضی صاحب انسانی ہمدردی کی بنیاد پر صلاح الدین ایوبی کی طرف متوجہ ہوئے اور عمارہ کی جان بخشی کی سفارش کرنے لگے۔ عمارہ دور ہونے کے باعث یہ گفتگو نہیں سن سکا تھا، اس نے یہی اندازہ لگایا کہ قاضی صاحب اس کے خلاف ایوبی کو بھڑکا رہے ہیں، وہ چلا کر بولا: ''حضور! میرے بارے میں اس شخص کی کسی بات پر کان نہ دھریں۔''

قاضی صاحب عمارہ کی اس بدگمانی سے جھنجلا گئے اور مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔ صلاح الدین نے عمارہ سے کہا: ''قاضی صاحب تو تمہاری سفارش کر رہے تھے۔'' عمارہ سخت پشیمان ہوا۔ اب اس کی جان بخشی کی کوئی صورت نہیں تھی۔ اس نے آخری امید کے طور پر کہا کہ قتل سے پہلے اسے قاضی صاحب کے پاس لے جایا جائے۔ اس کی خواہش کے مطابق سرکاری کارندے تختۂ دار پر لے جانے سے پہلے اسے قاضی صاحب کے گھر کی طرف لے گئے مگر قاضی صاحب نے گھر کا دروازہ بند کر لیا، قاضی صاحب کا اصل نام عبدالرحیم تھا۔ عمارہ نے بے ساختہ کہا:

عبد الرحیم قد احتجب	ان الخلاص ھو العجب

''رحیم کے بندے نے بھی دروازہ بند کر لیا۔ اب تو چھٹکارا پا جانا یقیناً عجیب ہی بات ہوگی۔'' ②

غرض عمارہ سمیت سب باغی سولی پر چڑھا دیے گئے۔ ساتھ ہی بغاوت میں شریک مصر کے مقامی سپاہیوں اور حبشیوں کا بالائی مصر کے دور دراز علاقوں میں تبادلہ کر دیا گیا۔ البتہ ترکمان سپاہیوں اور افسران پر ہاتھ نہ ڈالا گیا۔ انہیں اس خوش فہمی میں رہنے دیا گیا کہ ان کے بغاوت میں شریک ہونے کا کسی کو علم نہیں۔ ان کی وفاداریوں کو مزید پراگندہ ہونے سے بچانے کا یہی بہترین راستہ تھا۔ ③

شام کے نصرانیوں کو سازش کی ناکامی کا بروقت پتہ چل گیا تھا اس لیے انہوں نے مصر پر فوج کشی نہ کی۔ البتہ سسلی اور یورپ کے فرمانرواؤں کو اس حقیقت کی کوئی خبر نہ تھی۔ چنانچہ وہ دو سو سے زائد بحری جہازوں کا زبردست بیڑا مصر پر حملے کے لیے روانہ کر چکے تھے جس کا رخ اسکندریہ کی طرف تھا۔ (اس حملے کی تفصیل آئندہ آئے گی)

<u>سلطان نور الدین کی وفات رحمہ اللہ</u>: <u>یورپی حملہ آوروں کی</u> اس یلغار سے پہلے وہ مجاہد اعظم دنیا سے

① زبدۃ الفکر: 2/266
② نہایۃ الارب، حوادث 569ھ
③ ابن خلدون: 5/284؛ الکامل فی التاریخ: 7/240؛ کتاب الروضتین: 2/282۔285

رخصت ہوگیا جس نے اس دورِ زوال میں فریضۂ جہاد کو ایک نئی آن بان کے ساتھ زندہ کیا تھا۔ سلطان نورالدین محمود زنگی جنہوں نے شریعت اور سنت کے چمن کی آبیاری کر کے ایک بار پھر عہدِ گزشتہ کے مثالی مسلم حکمرانوں کی یاد تازہ کردی تھی، کئی ماہ تک خناق کی موذی بیماری میں مبتلا رہنے کے بعد آخرکار 12 شوال 569ھ (14 جون 1174ء) کو دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔ شام کے ساحلوں سے نصرانیوں کو مکمل طور پر بے دخل کرنے کے لیے دن رات ایک کر دینے والا یہ جفاکش سپاہی اپنے خواب کی تعبیر دیکھنے سے پہلے ہی موت کے سامنے زندگی کی بازی ہار گیا۔

موت سے صرف دس دن پہلے وہ ایک وفادار امیر سے زندگی کی بے ثباتی اور موت کی حقیقت پر بات چیت کر رہے تھے۔ امیر نے عرض کیا: "معلوم نہیں ہم اگلے سال پھر مل پائیں گے یا نہیں؟......" سلطان زنگی نے کہا: "یوں نہ کہو۔ پاک ہے وہ ذات جسے علم ہے کہ ہم اگلے ماہ بھی مل پائیں گے یا نہیں۔" اس گفتگو کے گیارہویں روز سلطان زنگی نے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ دیا۔ وفات سے قبل انہوں نے اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ ابن شداد لکھتے ہیں: "نورالدین زنگی نے اپنے لڑکے الملک الصالح کو جانشین چھوڑا تھا۔"①

سلطان زنگی عالم اسلام کے ان گنے چنے رہنماؤں میں سے ایک تھے جن کے کردار میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی جھلک نمایاں تھی۔ بلاشبہ وہ دن کے شہسوار اور شب کے عبادت گزار تھے۔ دراز قامت، سانولی رنگت، کشادہ پیشانی اور دلکش نقوش والے اس مجاہد پر پہلی نظر پڑتے ہی ہر شخص یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا کہ اس شخص کا پیکر شرافت و مروت کی مٹی سے تعمیر کیا گیا ہے۔

سلطان زنگی کی نگاہوں میں کسی فاتح کا قہر تھا نہ تاثرات میں کسی کشور کشا کا تکبر۔ دیکھنے والوں کو رویے میں شفقت اور مٹھاس گھلی دکھائی دیتی۔ ان کا چہرہ قدرتی طور پر تقریباً بے ریش تھا۔ صرف تھوڑی پر چند بال تھے جو وقار و حلم کے اس مجسمے پر بڑے بھلے معلوم ہوتے تھے۔ مگر اس کے باوجود رعب و دبدبے کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے امراء ان کے سامنے گنگ ہو جاتے تھے۔ دشمن سینکڑوں میل دور پر ہوتا تب بھی زنگی کے نام سے تھرتھراتا تھا۔

اس دور میں سلطان زنگی کی سلطنت چند بڑی اسلامی سلطنتوں میں سے ایک تھی۔ شام کے علاوہ حرمین شریفین کے خطبوں میں بھی ان کا نام لیا جاتا۔ آخری سال میں یمن پر توران شاہ کے قبضے کے بعد وہاں عباسی خلفاء کا خطبہ شروع ہوا تو سلطان کا نام بھی شامل کر لیا گیا۔ حقیقت میں یہ درویش منش حکمران تمام مسلمانوں کے دلوں پر حکومت کرتا تھا۔ ہر مسجد اور ہر گھر میں ان کے لیے دن رات دعائیں کی جاتیں

① النوادر السلطانیہ ص: 51,58

تھیں۔ دلیری کا یہ عالم تھا کہ جنگوں میں بذات خود بڑھ چڑھ کر شریک ہوتے۔ دو کمانیں ہاتھ میں لے کر اور دو ترکش کمر میں باندھ کر دشمن پر تیروں کا مینہ برساتے چلے جاتے۔ علامہ ابن اثیر الجزری رحمہ اللہ نے ان کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا ہے:

"میں نے گزشتہ بادشاہوں میں خلفائے راشدین اور عمر بن عبدالعزیز کے علاوہ کسی حکمران کو نورالدین محمود سے زیادہ اچھی سیرت کا حامل اور عدل وانصاف کے قیام کے لیے کوشاں نہیں پایا۔"

نیز علامہ فرماتے ہیں:

"وہ رات کو کثرت سے نوافل پڑھا کرتے۔ اس میں اذکار و وظائف کا اہتمام کرتے۔۔۔۔ وہ امام ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق فقہ سے اچھی طرح واقف تھے۔۔۔۔ حدیث پاک دوسروں سے سنتے اور ثواب کی نیت سے خود بھی سناتے تھے۔"

سلطان کے زہد کا یہ عالم تھا کہ بیت المال سے صرف ضرورت کے مطابق وظیفہ لیتے تھے۔ ان کی اہلیہ رضیع خاتون نے خرچ کی تنگی کی شکایت کی تو حمص میں اپنی ملکیت کی تین دکانیں اس کے نام کر دیں جن سے سالانہ بیس دینار ملنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد بیوی نے اس پر بھی حالات کی تنگی کا شکوہ کیا تو سلطان نے کہا:

"میرے پاس یہی کچھ ہے۔ باقی جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے مسلمانوں کا ہے، میں صرف اس کا خزانچی ہوں۔ تمہاری خاطر خیانت کر کے جہنم کی آگ میں نہیں جلنا چاہتا۔"

اس مرتبے اور ان کمالات کے باوجود جہاد میں اپنی جان کے بے قیمت ہونے کا احساس اتنا جاگزیں تھا کہ بلاتردد حریف کی صفوں میں گھس جاتے۔ ایک دن فقیہ قطب نشاوی نے کہا:

"خدا کا واسطہ! اپنے آپ کو خطرے میں مت ڈالا کریں۔ آپ کو کچھ ہو گیا تو مسلمانوں کو دشمن کی تلوار سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔"

یہ سن کر سلطان نورالدین محمود نے تلخ لہجے میں کہا: "محمود کی کیا حیثیت جو اس قسم کی باتیں کی جا رہی ہیں۔ میرے ذریعے ان شہروں اور اسلامی شعائر کی حفاظت کون کر رہا ہے؟ صرف وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔" [۵]

سوز قلب کا یہ عالم تھا کہ نصرانیوں کے ناقابل تسخیر مرکز حارم پر حملے کے دوران وہ بے چین ہو کر اکیلے ایک ٹیلے پر چڑھ گئے تھے۔ یہاں سجدے میں سر رکھ مضطربانہ انداز میں چہرہ مٹی پر رگڑتے رہے۔ زبان سے کہہ رہے تھے:

"یا اللہ! یہ ہے تیرا بندہ اور یہ ہیں تیرے دوست۔ یا اللہ! یہ ہے تیرا بندہ اور وہ ہیں تیرے

۵ الکامل لابن الاثیر: 7/242، 243۔ البدایۃ والنہایۃ: 7/700، 805۔ الروضتین: 2/503، 206

دشمن۔بس تو اپنے دوستوں کی اپنے دشمنوں کے خلاف مدد کر۔ یہ فضول محمود بیچ میں کہاں سے آ گیا۔الٰہی! چاہے محمود کی مدد نہ کر لیکن اپنے دین کی تو نصرت کر۔ بھلا محمود کتے کی کیا حیثیت کہ اس کی مدد کی جائے۔"[1]

مطلب یہ تھا کہ اگر میں اپنے اعمال کی وجہ سے نصرت کا حق دار نہیں تو میری وجہ سے مسلمانوں کو محروم مت فرما۔

جب فرنگیوں نے دمیاط پر حملہ کیا تھا تو نورالدین زنگی کی بے تابی انتہاء کو پہنچ گئی تھی۔ جب صلاح الدین ایوبی نے دشمن کو پسپا کر دیا تو اسی رات دمشق کے ایک امام مسجد نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "نورالدین کو بتادو کہ آج رات فرنگی دمیاط سے واپس ہو گئے ہیں۔"

امام نے خواب ہی میں عرض کیا: "اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسی نشانی بتا دیجیے جس سے وہ میری بات پر یقین کر سکیں۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "نشانی یہ ہے کہ وہ حارم کے ٹیلے پر سجدہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا، الٰہی! محمود کی مدد نہ کر لیکن اپنے دین کی نصرت کر۔ بھلا محمود کتے کی کیا حیثیت کہ اس کی مدد کی جائے۔"

یہ تہجد کا وقت تھا۔ امام صاحب نیند سے بیدار ہو کر سیدھے مسجد چلے آئے۔ نورالدین زنگی روزانہ اس وقت مسجد آ کر صبح صادق تک نوافل ادا کرتے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ آ گئے۔ امام صاحب نے خواب کہہ سنایا مگر اس میں کتے کا لفظ دہرانے کی ہمت نہ ہوئی۔ تب زنگی نے کہا: "مجھے پوری بات سناؤ۔" امام صاحب پس و پیش کرتے رہے لیکن پھر زنگی کے شدید اصرار پر پورے الفاظ دہرا دیے اور نورالدین کے آنسو بہہ نکلے۔[2]

اسلام کے اس سپوت نے 58 برس عمر پائی۔ اتوار 17 شوال 511ھ (10 فروری 1118ء) کا سورج طلوع ہوتے وقت جنم لینے والا یہ مجاہد 11 شوال 569ھ کو دنیا سے رخصت ہو گیا۔[3]

ان کی وفات کی خبر سے پورے عالم اسلام میں صف ماتم بچھ گئی۔ خصوصاً شام اور مصر کے مسلمانوں کی حالت قابل رحم تھی جو سلطان زنگی کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے۔ اب ان کی نظریں سلطان کے کسی جانشین کو تلاش کر رہی تھیں جو ان جیسی قوت ایمانی، جہانداری اور جہانگیری کا نمونہ دکھلائے اور جہاد کی اس شمع کو روشن رکھے جسے سلطان مرحوم جلا کر گئے تھے۔

---

[1] الروضتین: 1/194 [2] الروضتین: تحت 569ھ [3] الکامل: تحت 569ھ

اسباقِ تاریخ

آپ نے دوسرے حصے کا مطالعہ کیا جو نور الدین کی جہادی مہمات کا ذکر کرتے ہوئے سالار شیر کوہ کے مصر جانے سے شروع ہوتا اور نوجوان یوسف کے الملک الناصر صلاح الدین بننے پر ختم ہوتا ہے۔
بغور مطالعہ کرنے سے ان واقعات میں بہت سے اسباق ملتے ہیں مثلاً:

- مسلم حکمرانوں کو ہمسایہ مسلم ممالک سے خیر خواہانہ تعلقات رکھنے چاہییں۔ اس سلسلے میں مسلکی تضادات اور مذہبی اختلافات کو بھی نظر انداز کرنا چاہیے۔ اگر نور الدین زنگی نے مصر کے بنو عبید کو ان کے حال پر چھوڑ دیا ہوتا تو آگے چل کر خود شام بھی فرنگیوں کی زد سے نہ بچ پاتا۔
- بار بار عہد کی خلاف ورزیاں کرنے والے غدار اور مکار دشمن پر قابو پانے کا موقع ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ صلاح الدین نے شاور کو موقع پاتے ہی اچک لیا اور شیر کوہ نے اس کا قضیہ نمٹا کر مصر کی سیادت حاصل کر لی۔
- مصلحتِ وقت کے تحت دوسرے مسلک و مذہب کے حاکم کی ماتحتی اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ اس سے مسلمانوں کا مفاد وابستہ ہو۔ اگر صلاح الدین نے مذہبی بنیاد پر عاضد کی نیابت اختیار کرنے سے احتراز کیا ہوتا تو بہت مشکل تھا کہ اگلے سو برسوں میں بھی مصر میں اہل سنت کا اقتدار قائم ہو پاتا۔
- سیاسی تدبیر اور موقع شناسی قابلِ تعریف ہے...... اور بدعہدی مسلمان کی شان کے خلاف۔ مصر میں قدم رکھنے سے لے کر وہاں اپنی حکومت بنانے تک صلاح الدین نے کسی ایک موقعے پر بھی بدعہدی، مکروفریب یا دھوکہ دہی سے کام نہیں لیا۔ کامیاب سیاست وہی ہے جو اصولوں پر مبنی ہو۔
- حکومت ملنے کے بعد اللہ کی طرف توجہ اور اپنے اعمال کے احتساب کی توفیق ملنا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ اس حکمران سے کوئی بہت بڑا کام لینا چاہتے ہیں۔
- بدترین حکومتوں کا تسلسل دیکھ کر بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ مصر کے مسلمانوں نے تین صدریاں

ظالم حکام کے چنگل میں گزار دیں۔ پھر ایک دن انصاف کی صبح طلوع ہوئی۔

- بعض اوقات ایک بات بہت ناگوار محسوس ہوتی ہے مگر اللہ نے اسی میں خیر رکھی ہوتی ہے۔ اگر اس میں کوئی خلافِ شریعت پہلو نہ ہو اور دوسروں کا فائدہ نظر آرہا ہو تو صرف اپنی مشقت کو دیکھ کر اس سے انکار نہیں کر دینا چاہیے خصوصاً جب وہ کوئی اجتماعی، خاندانی، ادارہ جاتی، معاشرتی، یا قومی بھلائی کا کام ہو۔ یوسف نے دل پر پتھر رکھ کر ایسی ناگوار مہم کو قبول کرلیا۔ اللہ نے بدلے میں اسے مصر کا تاج وتخت دے دیا۔
- اللہ کسی ایسے شخص سے بھی کام لے لیتے ہیں جس کا ماضی اتنا شاندار نہیں ہوتا مگر منصب دے کر اللہ اس کے دل کو بھی بدل دیتے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز کے بعد صلاح الدین ایوبی کی حکومت بھی اس کا ایک نمونہ ہے۔
- بعض اوقات دو مخلص قائدین میں بھی رنجش ہو جاتی ہے۔ ایسے میں چھوٹوں کو چھوٹا بن کر ہی رہنا چاہیے۔
- مخلص قائدین میں رنجش کی وجہ اکثر کوئی غلط فہمی ہوا کرتی ہے جسے بڑھانے میں حاشیہ بردار اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ایسے خوشامدیوں اور لگائی بجھائی کرنے والوں سے چوکنا رہنا چاہیے۔ اگر خلوص، صاف گوئی اور درگزر کے اوصاف ہوں تو ایسی کدورتیں جلد مٹ جاتی ہیں اور اتحاد کا ماحول قائم رہتا ہے۔ زنگی اور ایوبی کے تعلقات اس کی مثال ہیں۔
- حکمران کو خفیہ اطلاعات کا شعبہ بہت فعال رکھنا چاہیے۔ عام افسران اور ماتحت بھی ایسے رکھنے چاہئیں جو ہوشیار اور چوکنا ہوں۔ صلاح الدین ایوبی کے خلاف سازشیں بروقت اطلاعات کی وجہ سے ناکام ہوتی رہیں۔
- بغاوت کے مرتکب لوگ اگر عقیدے اور نظریے کی بناء پر یہ اقدام کر رہے ہوں، کسی غلط فہمی کی وجہ سے نہیں...... تو ان کی اصلاح بہت مشکل ہوتی ہے۔ ایسے خطرناک حریفوں کو مٹا دینا بہتر ہوتا ہے جیسا صلاح الدین نے طواشی، عمارۃ الیمنی اور دوسرے باغی امراء کے ساتھ کیا۔

باب:3

امرائے شام سے کش مکش

ذوالحجہ 569ھ (جولائی 1174ء)

......تا......

ربیع الاول 578ھ (20 جولائی 1182ء)

شخصیات

الناصر	....	عباسی خلیفہ
الملک الصالح	....	سلطان نورالدین زنگی کا جانشین
شمس الدین ابن دایہ	....	حلب کا وزیر
سابق الدین ابن دایہ	....	حلب کا پولیس افسر
بدرالدین حسن ابن دایہ	....	حلب کا امیر
عزالدین جوردیک	....	حاکم حماۃ، صلاح الدین کا پرانا دوست
ابن الخشاب	....	حلب کا شیعہ رئیس
ن المقدم	....	دمشق کا حاکم
ش تگین	....	حارم کا امیر، الملک الصالح کا مشیر خاص
سیف الدین غازی دوئم	....	مودود کا بیٹا، نورالدین زنگی کا بھتیجا، حاکم موٗ
عزالدین مسعود	....	سیف الدین کا بھائی اور ا
عمادالدین	....	سیف الدین کا بھائی، حاَ
ذلفقدار	....	سیف الدین غازی کا سالار
الملک العادل	....	صلاح الدین کا چھوٹا بھائی
توران شاہ	....	صلاح الدین کا بڑا بھائی
سیف الاسلام طغتگین	....	صلاح الدین کا چھوٹا بھائی
فرخ شاہ	....	صلاح الدین کا بھتیجا، شام میں ان کا سپہ سالار اور
تقی الدین عمر	....	صلاح الدین کا بھتیجا، سالار شام
ناصرالدین محمد	....	صلاح الدین کا چچازاد بھائی

جاولی	....	صلاح الدین کا سالار
شہاب الدین حارمی	....	صلاح الدین کا ماموں
قطب الدین ینال بن حسان	....	صلاح الدین کا مخالف شامی امیر
امیر مسعود زعفرانی	....	صلاح الدین کا مخالف شامی امیر
سنان	....	باطنیوں کا شامی پیشوا
بالڈون	....	القدس کا نیا بادشاہ
ہمفری	....	شام کا نصرانی سپہ سالار
ریمنڈ (قومص)	....	طرابلس کا نصرانی حاکم
ریجی نالڈ (پرنس ارناط)	....	کرک کا نصرانی حاکم

فصل:1

شام کی سیاسی ابتری اور صلاح الدین ایوبی کا کردار

نورالدین زنگی کے جانے کے بعد بھی خواہانِ ملت کو محسوس ہو رہا تھا کہ اس مجاہد کے ادھورے کام کو وہی رجل رشید پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتا ہے جو شام کی بجائے مصر میں برسرِ اقتدار ہے، جو سلطان سے کسی تعلق نہیں رکھتا مگر سلطان کے مقاصد اور اہداف کو ان کے بیٹوں، بھتیجوں اور دیگر رشتہ داروں سے زیادہ سمجھتا ہے۔

بلاشبہ مصر کے حکمران صلاح الدین ایوبی کے لیے اب وقت آ گیا تھا کہ وہ اس ادھورے کام کی تکمیل کا کام اپنے ہاتھوں میں لے لیں جسے سلطان نورالدین شروع تو کر گئے تھے مگر ان کا کوئی خاندانی وارث اس کی تکمیل کا اہل نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ اگرچہ سلطان کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ان کے بیٹے الملک الصالح اسماعیل کو دمشق میں امرائے سلطنت کے ایک اجلاس میں جس میں ابن المقدم، قاضی کمال الدین ابوصلاح اور جمال الدولہ ریحان جیسے عمائد موجود تھے، نیا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا تھا مگر یہ گیارہ سالہ جانشین بھلا خود کیا کر سکتا تھا۔ اگر امراء اس سے پورا تعاون نہ کرتے تو اس کی حکومت ایک دن بھی نہیں چل سکتی تھی۔

شام کے امراء کے لیے سب سے مشکل سوال یہ تھا کہ دولتِ نوریہ کے طاقتور ترین ستون صلاح الدین ایوبی کو اب کیا حیثیت دی جائے۔ بہت سے امراء ایوبی کو شام کی سیاست سے باہر رکھنا چاہتے تھے۔ ابن المقدم اور حسام الدین حسین جیسے چند امراء کا کہنا تھا کہ صلاح الدین کو اپنے مشوروں میں شریک رکھا جائے اور ارکانِ سلطنت کی صف سے بے دخل نہ کیا جائے ورنہ وہ خودمختاری کا اعلان کر کے الملک الصالح کی حلقہ بگوشی سے آزاد ہو جائے گا یا مصر کی طاقت کے بل بوتے پر سب کو دبا کر الملک الصالح کا سرپرست بن جائے گا۔

مگر صلاح الدین کے ذہن میں ایسا کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ ہر مسلمان کی طرح صلاح الدین ایوبی نے بھی سلطان نورالدین کی وفات کی خبر نہایت غم کے ساتھ سنی۔ ان کو سب سے زیادہ پریشانی اس بات کی

تھی کہ امراء الملک الصالح کی کم عمری اور ناتجربہ کاری سے فائدہ اٹھائیں گے اور شام ایک نئی خانہ جنگی کا شکار ہو جائے گا۔ صلاح الدین کی خواہش تھی کہ اس موقع پر امرائے شام متحد ہو کر الملک الصالح کی اطاعت کریں اور خانہ جنگی سے دامن بچائیں۔

انہوں نے نورالدین زنگی کی وفات پر اپنے تعزیتی مراسلے میں امرائے شام کو تحریر کیا:

"اس حادثے سے کمر ٹوٹ گئی ہے۔ صبر اور ثبات کا دامن چھوٹ گیا ہے۔ اللہ کی پناہ۔ اگر یہ امر واقع ہو گیا ہے اور موت کا عام حکم آقا نورالدین پر نافذ ہو گیا ہے تو اب حوادث اور مصائب ٹوٹ کر رہیں گے۔ بادشاہ اپنی مملکت کو اپنی اولاد کے لیے مستحکم کرتے ہیں اور اچھے پھل کے لیے اچھی زمین میں بیج ڈالتے ہیں۔ اللہ سے ڈرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے دلوں میں پھوٹ پڑ جائے اور دشمن کامیاب ہو جائے اور وہ نعمتیں جو زمانے نے تھک ہار کر حق داروں کو دے دی تھیں چھن جائیں۔ تم یکجان ہو جاؤ۔ ایک دوسرے کے دست و بازو بنو۔ ایسے دل بن جاؤ جو محبت سے جڑے ہوں۔ ایسی شمشیریں بن جاؤ جو ایک نیام میں جمع ہو جائیں۔ تنازعہ مت کرو ورنہ عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارا رعب جاتا رہے گا۔ عداوت ہر جگہ سے تمہاری گھات میں ہے۔ کفر ایمان پر حملہ کرنے کے لیے متحد ہے۔ ہم اس خانوادے کے حامی و مددگار ہیں۔ اس کی حفاظت کریں گے اور اسے کمزور نہ ہونے دیں گے۔ آقا نورالدین کی وصیت کی خبر ہمیں مل چکی ہے کہ ان کا بیٹا ان کا جانشین اور سعدالدین کمشتگین اس کا مشیر ہے۔ اگر اس وصیت کا اعلان ہو چکا ہے اور اسے قبول کر لیا گیا ہے اور تمام حاضرین اور غائبین نے اطاعت کر لی ہے تو بہتر ہے۔ یہی ہمارا مقصد ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو ہم خود صاحبزادے کی نصرت کے لیے کمربستہ ہیں۔ جو اس سے دشمنی کرے گا وہ ہمیں تلوار کی شکل میں پائے گا۔ اگر مجھے صاحبزادے اور آقا مرحوم کے وزراء اور امراء کے درمیان ہم آہنگی کی خبر پہنچی تو میرا مقصد پورا ہو جائے گا۔"[1]

صلاح الدین کی امیدیں پوری نہ ہوئیں۔ امرائے شام نے ان کے مراسلے کو کوئی اہمیت نہ دی۔ سلطان زنگی کے امراء اور گورنروں نے پر پرزے نکالنے شروع کر دیے جن میں ایک طرف حلب کے شمس الدین ابن دایہ اور سعدالدین کمشتگین اور دوسری جانب دمشق کے شمس الدین ابن مقدم اور کمال الدین شہرزوری پیش پیش تھے۔

تجربے اور سن رسیدگی کے لحاظ سے حلب کے ابن دایہ کو سب سے بڑا سمجھا جاتا تھا مگر وہ فالج میں مبتلا

[1] کتاب الروضتین: 220/2

تھا، اس لئے دمشق کے ابن مقدم کو مرکزی کردار مل گیا۔ ان امراء میں سے ہر ایک الملک الصالح کی کمزوری اور کم سنی سے فائدہ اٹھا کر یہ چاہتا تھا کہ الملک الصالح اس کی سرپرستی میں رہے اور وہ وزیر اعظم کے طور پر پورے ملک پر حکومت کرے۔ [1]

سلطان ایوبی کی وفادارانہ روش: صلاح الدین ایوبی اب بلاشک وشبہ مصر کے مطلق العنان حکمران تھے، وہ چاہتے تو زنگی خانوادے کی اطاعت کا رسی بجا بھی اپنی گردن سے اتار سکتے تھے۔ اس سے بڑھ کر وہ امرائے شام کے اختلاف سے فائدہ اٹھا کر اس سرسبز وشاداب ملک پر آسانی سے قبضہ کر سکتے تھے۔ الملک الصالح جیسے ناتجربہ کار اور کم سن حکمران کو شام سے بے دخل کر دینا ان کے لیے کوئی مسئلہ نہ تھا، مگر وہ احسان فراموش نہ تھے۔ اپنے محسن سلطان نورالدین کے جانشین کی اعانت وحفاظت کرنا وہ اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔ سلطان نورالدین کی وفات نے ان کے دل میں زنگی خاندان کی بالادستی سے چھٹکارے کا لالچ پیدا نہیں کیا بلکہ اس کی بجائے انہوں نے زنگی کے جانشین کو سیاسی طالع آزماؤں سے بچانا اور اس کے تخت کے پائے مضبوط کرنا اپنی ذمہ داری تصور کیا۔ انہوں نے الملک الصالح کی اطاعت اور وفاداری کو اپنے لیے لازم سمجھا اور اس کا اظہار کرنے میں بھی دیر نہ لگائی۔

دمشق میں الملک الصالح کی تخت نشینی کی اطلاع ملتے ہی صلاح الدین نے اس کی اطاعت وفرمانبرداری کا اعلان کرتے ہوئے مصر میں اس کے نام کا خطبہ شروع کرا دیا اور اپنے سفیر کو سلطان نورالدین کی وفات پر تعزیت اور نئے حکمران کو تخت نشینی کی مبارکباد دینے دمشق روانہ کر دیا۔ سفیر نے اپنے آقا کے مراسلے کے ساتھ مصر میں ڈھالے جانے والے نئے سکے بھی بطور نمونہ پیش کیے جن پر الملک الصالح کا نام کندہ کر دیا گیا تھا۔ ایوبی نے اپنے مراسلے میں الملک الصالح کو اپنی اطاعت وخیر خواہی کا یقین دلاتے ہوئے لکھا تھا:

> ''4 ذی قعدہ بروز جمعہ آپ کے نام نامی پر خطبہ شروع کر دیا گیا ہے۔ بابرکت مقام اور سنجیدہ وصالح اجتماع (نماز جمعہ) میں آپ کے لیے دعائیں مانگی گئی ہیں۔ اس خادم نے اسلام کے نام پر اتحاد واتفاق قائم رکھا ہے کیونکہ اجتماعیت میں برکت ہے۔ اللہ تعالیٰ آقا الملک الصالح کی بادشاہت کو قائم ودائم رکھے اور سلطنت کو ان کے ذریعے ان کے ہاتھوں ترقی عطا فرمائے۔ یہ خادم جس کام کی نیت کیے ہوئے ہے، یعنی آقا زادے کی حکومت کی نصرت وحمایت اور اس کی سلطنت کی توسیع کرنا، اللہ اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔'' [2]

[1] البدایہ والنہایہ: تحت 569، 570ھ [2] کتاب الروضتین: 220/2

اس طرح صلاح الدین نے زنگی خاندان سے اپنی وابستگی برقرار رہنے کا عملی ثبوت پیش کر دیا تھا۔ "

<u>حلب اور دمشق کے درباروں میں سیاسی جوڑ توڑ</u> ⁂ نورالدین زنگی کی وفات کے بعد حلب کا تختِ شاہی خالی تھا کیوں کہ الملک الصالح وہاں سے بہت دور دمشق میں تھا۔ حلب میں موجود امراء میں شمس الدین ابن دایہ سب سے عظیم المرتبہ تھا۔ اس کا بڑا بھائی مجدالدین ابن دایہ نورالدین زنگی کا رضاعی بھائی اور وزیر اعظم رہا تھا۔ رمضان 564ھ (جون 1169ء) میں وہ فوت ہوا تو زنگی نے شمس الدین ابن دایہ کو یہی مقام دے دیا۔ اس کے دو بھائی اور بھی تھے، ایک سابق الدین عثمان ابن دایہ جو حلب کا پولیس افسر تھا۔ دوسرا بدرالدین حسن ابن دایہ۔ یہ بھی چوٹی کے امراء میں شمار ہوتا تھا۔ شمس الدین ابن دایہ اگرچہ ضعفِ پیری اور فالج کا شکار تھا، مگر اسے حلب کے گورنر کی حیثیت حاصل تھی۔ وہ زنگی مرحوم کا سچا وفادار تھا اس لیے الملک الصالح کی حکومت کو ہر قیمت پر مستحکم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے الملک الصالح کو اپنے پاس حلب بلوانا چاہا۔ حلب، مرحوم سلطان زنگی کا دارالحکومت تھا اور اس کے بیٹے کا وہیں تخت نشین ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ ابن دایہ نے دمشق کے گورنر امیر ابن مقدم کو کہلوا دیا کہ وہ الملک الصالح کو جو اس وقت اپنی ماں کے ساتھ دمشق میں تھا، حلب بھیج دے تا کہ اسے تخت پر بٹھایا جا سکے۔ بلاشبہ الملک الصالح کو فوراً حلب پہنچ کر باپ کی مسند سنبھالنا چاہیے تھی مگر دمشق کے گورنر ابن مقدم کو ڈر تھا کہ کہیں ابن دایہ الملک الصالح کا سرپرست بن کر سیاہ وسپید پر قابض نہ ہو جائے چنانچہ وہ الملک الصالح کی حلب روانگی میں رکاوٹیں پیدا کرتا رہا۔ اس دوران زنگی مرحوم کا بھتیجا سیف الدین غازی دوئم جو کہ موصل کا حاکم تھا، شام پر قبضے کے لیے چڑھ دوڑا اور الجزیرہ تک کے علاقوں پر کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر حاوی ہو گیا۔ الملک الصالح خود کچھ کرنے کے قابل نہ تھا جب کہ اس کے امراء باہم اختلافات کے باعث اپنی قوت کھو چکے تھے اور سیف الدین غازی سے مدافعت کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔

شروع میں سلطان ایوبی کو توقع تھی کہ امرائے شام الملک الصالح کے دست و بازو بن کر شام کو سنبھال لیں گے۔ اگر ایسا ہوتا تو سلطان کو خوشی ہوتی مگر اب صورتحال ڈانواں ڈول دیکھ کر انہوں نے بے ساختہ کہا:

"عہد و پیمان پورے کرانے اور خوش اسلوبی سے نظام مملکت چلانے کا سب سے زیادہ اہل میں ہوں۔ اگر شام میں یہی سیاست دان بااختیار رہے تو وحدت ریاست پارہ پارہ ہو جائے گی، مصر شام سے کٹ جائے گا اور اہل کفر کی امیدیں بر آئیں گی۔" ❶

❶ الروضتین: 243/7، 244

صلاح الدین ایوبی نے اپنے آقا زادے کی اس کسمپرسی پر اظہار رنج کرتے ہوئے ایک شکایت آمیز خط لکھ کر کم سن بادشاہ سے پوچھا کہ اس موقع پر مصر کے خدام کو کیوں یاد نہ کیا گیا کہ وہ حاضر ہو کر سیف الدین کی دست درازی کی روک تھام کرتے۔ انہوں نے دمشق کے امیر ابن المقدم کو خط لکھ کر شکایت کی کہ امرائے شام ایسے اقدامات کیوں کر رہے ہیں جن سے تفرقہ پھیل رہا ہے۔ شام کے ممتاز سیاست دانوں کو ان کے اہل خانہ اور بھائیوں سمیت کیوں حراست میں لیا جا رہا ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ شام کے معاملات اور نفع نقصان کا اثر براہ راست مصر پر پڑتا ہے اس لیے وہ خاموش نہیں بیٹھ سکتے۔ سلطان کے اس شکایتی خط سے ابن مقدم سمجھا کہ سلطان نے شام پر فوج کشی کی تیاری کر لی ہے، اس نے سلطان کو تنبیہ کرتے ہوئے جواباً لکھا:

"ایسا نہ ہو کل آپ کے بارے میں کہا جائے کہ جس نے آپ کی نشو نما کی، آپ کو پالا، بنیاد فراہم کی، حکومت مصر عنایت کی آپ اسی کے گھر پر ڈاکا مارنا چاہتے ہیں۔ آپ کے اخلاق اور شرافت سے بعید ہے کہ آپ ایسا کوئی اقدام کریں۔"

سلطان نے اس کا تفصیل سے جواب دیا اور اپنے مراسلے میں لکھوایا:

"ہم اسلام اور مسلمانوں کے لیے صرف اتحاد اور وحدت قومی چاہتے ہیں۔ خانوادہ اتابک زنگی کا شجر سایہ دار سلامت رہے، ہم اس کی جڑوں اور پھلوں کی حفاظت کے خواہش مند ہیں اور اسے ضرر و شر سے بچانا چاہتے ہیں، کسی سے سچی وفاداری کا اظہار اس کے چلے جانے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ کسی سے محبت کا مظاہرہ اس کے دشمنوں کی سازشوں کے کھل جانے پر ہوتا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ میں الگ راہ کا مسافر ہوں اور بدگمانی کرنے والے کسی اور دنیا کے لوگ ہیں۔ ہمارا اصلاح احوال کرنا ایک خاص مقصد کے لیے ہے اور جو لوگ ہمیں اپنے سے دور کرنا چاہتے ہیں ان کا ایک الگ مقصد ہے۔ صلح جوئی کرنے والے کو جھگڑالو کہنا درست نہیں اور ہتھیار ڈالنے والے کو حملہ آور قرار دینا انصاف نہیں۔"[1]

بہر حال اتابکی امراء نے اپنی اغراض اور ہوس اقتدار کی خاطر صلاح الدین ایوبی جیسے ہمدرد کو شام کے سیاسی معاملات سے الگ رکھنے کی پالیسی اپنائے رکھی حالاں کہ ان مشکلات میں صلاح الدین ایوبی ہی وہ واحد شخص تھے جو ان کے سب سے زیادہ کام آسکتے تھے مگر اتابکی امراء نے ان سے صلاح و مشورہ تک کرنا گوارہ نہ کیا۔ صلاح الدین ایوبی کی اس پر برہمی فطری بات تھی چنانچہ انہوں نے شام کے کم ہمت امراء کے نام اپنے ایک اور مکتوب میں لکھا:

---

[1] کتاب الروضتین: 1/261 بیل

"اگر سلطان نور الدین نے آپ میں سے کسی کو میرے برابر قابلِ اعتماد سمجھا ہوتا تو یقیناً اپنا سب سے بڑا صوبہ مصر اسی کے حوالے کرتے۔ اگر سلطان کی عمر دراز ہوتی تو وہ اپنے بیٹے کی تربیت کے لیے مجھے ہی اتالیق منتخب کرتے۔ اب میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ میرے آقا زادے کو مجھ سے الگ کرنا چاہتے ہیں۔ بہر حال میں بہت جلد اس کی سرکار میں حاضر ہو کر اس کے والد کے احسانات کا بدلہ ایسی خدمت کے ذریعے دوں گا جو سب پر ظاہر ہوگی۔ اور میں تمہیں اپنے آقا کے شہروں کی حفاظت میں بدترین کوتاہی برتنے پر سزا بھی دوں گا۔"[۵]

یاد رہے کہ دمشق کے عمائد میں دو افراد، ایک قاضی کمال الدین شہروزی اور دوسرے حاکمِ شہر ابن المقدم سب سے زیادہ با اثر تھے۔ قاضی شہروزی صلاح الدین کو شام کی سیاست میں شامل کرنے کے خواہش مند تھے جبکہ ابن المقدم جو الملک الصالح کا اتالیق بن گیا تھا اس کا مخالف تھا۔ وہ اکثر امرائے شام کی طرح صلاح الدین سے خوف محسوس کرتا تھا اور الملک الصالح پر کسی اور کا سایہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ امرائے شام چاہتے تھے کہ مصر والے شام کے معاملات سے الگ ہی رہیں۔

<u>نصرانیوں کی بانیاس پر چڑھائی</u>: ان دنوں شام کی عیسائی ریاستیں خاصا اطمینان محسوس کر رہی تھیں اور سلطان نور الدین کی موت سے فائدہ اٹھا کر اسلامی مقبوضات پر تازہ یلغار کے لیے اپنی قوت مجتمع کرنا چاہتی تھیں مگر ان کے اپنے حالات دِگرگوں تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ القدس کا حاکم اطرک جو کہ ان کا مرکزی قائد تھا، مر گیا تھا۔ ان پریشان کن حالات میں عیسائی مسلم مقبوضات پر کوئی بھرپور حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم انہوں نے موقع سے کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل کرنے کے لیے دمشق کے نواحی قلعے بانیاس کا محاصرہ کر لیا۔ یہ دیکھ کر دمشق کے حاکم ابن المقدم نے جو ایک طرف سیف الدین غازی اور دوسری طرف صلاح الدین ایوبی کی فوجوں سے خوفزدہ تھا، محاصرہ کرنے والے نصرانیوں سے مذاکرات کیے اور کہا: "واپس چلے جاؤ ورنہ ہم موصل سے سیف الدین غازی اور مصر سے ایوبی کو بلوا لیں گے، ان سے صلح کر کے تمہیں ہر طرف سے اس طرح گھیر لیں گے کہ تمہارے پاس مقابلے کی طاقت نہیں رہے گی۔" یہ سن کر عیسائی سوچ میں پڑ گئے۔ آخر انہوں نے دمشق والوں سے بھاری مال و زر لے کر اور اپنے بہت سے قیدی رہا کرا کے واپسی اختیار کر لی۔[۶]

اُدھر صلاح الدین ایوبی کو الملک الصالح کے قاصد سے بانیاس پر نصرانیوں کے حملے کی خبر ملی تو امدادی لشکر کے ساتھ فوری طور پر شام کی طرف روانہ ہو گئے مگر چار منازل طے کرنے کے بعد انہیں اطلاع ملی کہ عیسائی کچھ شرائط منوا کر واپس چلے گئے ہیں۔ <u>صلاح الدین ایوبی کو امرائے دمشق کا نصرانیوں کے</u>

[۵] الکامل فی التاریخ: 7/243، 244، کتاب الروضتین: 2/334
[۶] الکامل فی التاریخ: 7/244، 245

سامنے اس قدر دب جانا سخت ناگوار گزرا۔ انہوں نے گیارہ ذی الحجہ 569ھ (12 جولائی 1174ء) کو فاقوس کے پڑاؤ سے دمشق کے بزرگ عالم دین علامہ ابن ابی عصرون کے نام اپنے خط میں لکھا:

"جونہی فرنگیوں کے حملے کی بابت الملک الصالح کا مراسلہ وصول ہوا، میں لشکر تیار کر کے امداد کے لیے روانہ ہو گیا۔ چار منازل طے کر چکا تھا کہ اہل دمشق اور فرنگیوں کے درمیان صلح کی خبر ملی جبکہ باقی اسلامی شہر اس صلح میں داخل نہیں ہیں حالانکہ ان کا دشمن ایک ہے۔ یہ مال اللہ کی امانت ہے جو کہ اطاعت اور امت کی مصلحت کے کاموں میں خرچ ہونا چاہیے، اسے ایسے گناہ کے مصرف پر لگانا جس سے اللہ، اللہ کا رسول اور صالحین امت کو ناراضی ہو، کیسے درست ہوگا۔ طبریہ کے قیدی اور سوار جو مسلمانوں کے سخت خطرناک دشمن ہیں فرنگیوں کو دے دیے گئے ہیں اور صلح کا ذریعہ بنائے گئے ہیں۔ جب سے یہ اطلاع ملی ہے ہم آنے اور نہ آنے کے درمیان متذبذب ہیں، اگر ہم اپنا عزم پورا کر کے شام آتے ہیں تو لوگ ہمارے بارے میں بدگمانیاں کریں گے، اگر بیٹھے رہتے ہیں تو جن علاقوں (مصر وغیرہ) کو اس صلح میں داخل نہیں کیا گیا ان پر فرنگیوں کا حملہ کوئی بعید نہیں۔ ہم نے سوچا ہے کہ شام آ کر امیر شمس الدین علی ابن دایہ اور ان کے بھائیوں کے پاس حاضری دیں جو کہ اس وقت کے ان خطرات سے باخبر ہیں جن کی تلافی کا وقت بعد میں نہیں رہے گا، کیوں کہ دشمن ہوشیار اور تیار ہے۔ اگر کچھ لوگ اس موقع پر ناراض ہوں تو ان کی ناراضی کی کیفیت بھی سامنے آجائے گی۔ آغاز میں غفلت نہ کی جائے ورنہ آخر میں پریشانی ہوتی ہے خصوصاً ایسے موقع پر۔ ہماری غیرت اللہ کے لیے ہے اور ہم صرف یہ کوشش کر رہے ہیں کہ مسلمان صحیح حکمت عملی اور مناسب لائحہ عمل پر جمع ہو جائیں۔ ہم نے اپنے لشکر کو بکھیرنے سے احتراز کیا ہے کہ کہیں دشمن حارم پر حملہ نہ کر دے کیوں کہ مسلمانوں سے مال وصول کرنے سے اس کی طاقت بڑھ گئی ہے۔ مگر جب تک اسے یہ علم ہے کہ ہم متحد ہیں تو اس کے قدم اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے اور وہ پیش قدمی نہیں کر سکتا۔"[1]

انہوں نے الملک الصالح اور دیگر شامی امراء کو بھی مراسلے لکھ کر اس کمزور پالیسی پر احتجاج کیا جس سے کفار کی حوصلہ افزائی ہوئی تھی۔ ساتھ ہی اپنے آقازادے کو یقین دلایا کہ اگر مصری افواج کو موقع دیا جائے تو وہ عیسائی حملہ آوروں کی قوت وشوکت کا زور توڑ کر رکھ دیں گی۔

ان خطوط سے شام کے بارے میں ایوبی کی پالیسی بہت واضح ہو جاتی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ شام پر جبراً قبضے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے مگر وہاں نصرانیوں کی بالادستی کو برداشت بھی نہیں کر سکتے تھے۔[2]

[1] کتاب الروضتین: 330/2

[2] کتاب الروضتین: 333/2_334

فصل:2

اِسکندریہ کا معرکہ

صلاح الدین ایوبی کے لیے اب شام کی سیاست سے لاتعلق رہنا ممکن نہ تھا لہٰذا وہ دمشق روانگی کے بارے میں سوچ بچار کر رہے تھے۔ مگر انہی دنوں انہیں نصرانیوں کے تازہ حملے سے پالا پڑ گیا جو بحیرہ رُوم کی جانب سے ہوا تھا۔

ہم پڑھ چکے ہیں کہ کچھ مدت پہلے عمارہ اور اس کے ساتھی اپنی سازش بے نقاب ہونے سے پہلے شام اور سسلی کے عیسائی حکمرانوں کی مصر پر حملہ کی دعوت دے چکے تھے۔ سازش کا راز افشا ہونے پر جب عمارہ اور اس کے ساتھیوں کو قتل کیا گیا تو شام کے نصرانیوں کو بروقت اس کی خبر ہو گئی لہٰذا وہ محتاط ہو گئے اور مقابلے پر نہ نکلے مگر سسلی کے بادشاہ کو اس کی اطلاع نہ مل سکی۔

صقلیہ کا بحری بیڑہ: شاہِ سسلی نے طے شدہ منصوبے کے مطابق مصر پر حملہ کرنے کی تیاری زور و شور سے جاری رکھی اور پھر ایک بہت بڑا لشکر لے کر بحیرہ رُوم کی لہروں کو چیرتا ہوا اِسکندریہ کی جانب بڑھا۔ اس بیڑے کے دو سو جہازوں میں صرف سپاہی، جب کہ 36 جہازوں میں گھوڑے، 40 میں خوراک و رسد کا سامان اور 6 میں جنگی ہتھیار اور آلات لادے گئے تھے۔ یہ بیڑہ پوری شان و شوکت سے 26 ذوالحجہ 569ھ (27 جولائی 1174ء) کو اسکندریہ کے ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ ❶

پچاس ہزار پیادے اور ڈیڑھ ہزار گھڑ سوار منجنیقوں، دبابوں اور دیگر ساز و سامان کے ساتھ اسکندریہ کی فصیل اور سمندر کے درمیان پھیلے ہوئے میدان میں اترنے لگے تا کہ شہر کا محاصرہ کر لیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمارہ کی سازش سے آگاہ ہو جانے کے باوجود مسلمانوں کو سسلی کے اس لشکر کی روانگی کا کوئی علم نہ تھا۔ اس لیے بحری قلعوں کی حفاظت کے انتظامات ناکافی تھے۔ اسکندریہ کی فوج بھی معمول سے زیادہ نہ تھی۔ پھر بھی اسکندریہ کے بہادر سپاہیوں نے باہر نکل کر حریف کو محاصرے سے روکنا چاہا مگر شہر

❶ کتاب الروضتین: 334/2

کے حاکم نے دشمن کی بھاری تعداد کے پیش نظر کھلے میدان کی لڑائی کی جگہ قلعہ بند جنگ کا فیصلہ کیا اور کمک کے لیے برق رفتار قاصد قاہرہ روانہ کر دیے۔

اہل اسکندریہ کی بھرپور مزاحمت آخر فرنگی سپاہیوں نے شہر کا محاصرہ کر کے حملہ شروع کر دیا۔ پہلے دن زبردست لڑائی کے باوجود وہ فصیل کے قریب نہ آسکے۔ اسکندریہ کے مورچہ بند سپاہیوں نے تیر اندازی، سنگ باری اور آتش زنی کے ذریعے انہیں فصیل سے دور رکھا۔ دوسرے دن فرنگیوں نے نئے جوش وخروش سے دھاوا بولا اور پے در پے حملے کرتے ہوئے دبابوں کو فصیل کے قریب لانے میں کامیاب ہو گئے۔ اسکندریہ کے مجاہدوں نے اس کے باوجود انہیں فصیل سر کرنے میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ تعداد کی کمی کے باوجود وہ اس مہارت اور بے جگری سے لڑے کہ سسلی کے سپاہیوں پر ان کی دھاک بیٹھ گئی۔

اس دوران مصر کے دیگر ساحلی قلعوں سے کئی دستے مسلمانوں کی مدد کے لیے پہنچ گئے جس سے ان کی ہمت بڑھ گئی اور انہوں نے تیسرے دن باہر نکل کر فرنگی لشکر پر حملہ شروع کر دیے۔ ان کے دستے مختلف گوشوں سے فرنگیوں کی صفوں پر حملے کر کے انہیں خاک وخون میں لوٹا رہے تھے۔ محاصرہ کرنے والے اب اپنی جان بچانے کی فکر میں تھے اور ان کی بے ہنگم چیخ وپکار سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ مسلمانوں نے آتش گیر مادے سے ان کے دبابے جلا ڈالے اور یوں ان کے محاصرے کی سب سے کارآمد چیز کو ختم کر دیا۔ نصرانیوں نے اپنی عددی برتری کی بنا پر دن بھر جاری جنگ جاری رکھی مگر وہ مسلمانوں کے دباؤ کو ختم نہ کر سکے۔[1]

ایوبی کی یلغار ادھر صلاح الدین ایوبی فرنگیوں کے حملے کی خبر سن کر قاہرہ سے تازہ دم فوج کے ساتھ بذات خود روانہ ہو چکے تھے اس کے ساتھ ہی احتیاطاً انہوں نے ایک فوج دمیاط کی حفاظت کے لیے بھی بھیج دی تھی۔

اسکندریہ کے لیے نکلتے ہی انہوں نے محصورین کی ہمت بندھانے کے لیے ایک ایلچی کو تین برق رفتار گھوڑے دے کر آگے روانہ کر دیا تھا۔ ایلچی باری باری گھوڑے بدلتا ہوا دم لیے بغیر عصر کے وقت اسکندریہ پہنچا تو لڑائی کسی حتمی فیصلے کے بغیر رک چکی تھی۔ مسلمان زبردست جنگ جوئی کا مظاہرہ کرنے کے بعد شہر کی طرف لوٹ آئے تھے جبکہ عیسائی اپنے پڑاؤ کا رخ کر چکے تھے مگر جونہی ایلچی نے شہر میں داخل ہو کر قاہرہ سے صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں امدادی فوج کی آمد کا اعلان کیا مسلمانوں نے دوبارہ ہتھیار سنبھال لیے۔ اس خوشخبری سے ان کی دن بھر کی تکان ایک لمحے میں دور ہو گئی۔ طبل جنگ

[1] الروضتين: 248/7

پر ایک بار پھر چوٹ پڑنے لگی اور اسکندریہ کے سپاہی شہر سے نکل کر فرنگیوں کی طرف لپکے۔ اسی اثناء میں صلاح الدین ایوبی کی آمد کی خبر نصرانیوں تک بھی پہنچ چکی تھی۔ صبح سے شام تک سخت ترین معرکے کے بعد ان میں دوبارہ لڑنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ چنانچہ وہ تیزی سے اپنے بحری جہازوں کی طرف بھاگے۔

مغربی افق پر پھیلا سرخ شفق مسلمانوں کو فرنگیوں کے خیمے لوٹتا اوران کے اسلحے کے ذخائر پر قابض ہوتا دیکھ رہا تھا۔ اندھیرے کو آڑ بنا کر بھاگنے والے فرنگیوں پر مسلمانوں کے پے در پے حملوں نے ہر طرف موت کے جال بچھا دیے تھے۔ فرنگیوں نے اپنی کشتیاں ساحل کے قریب منگوالی تھیں، ان کی آخری کوشش یہ تھی کہ کسی طرح ان میں سوار ہو کر اپنے بیڑے تک پہنچ جائیں مگر اس ہنگامۂ دارو گیر میں بیشتر فرنگی کشتیوں میں سوار نہ ہو سکے۔ اب کچھ دوبارہ ساحل کی طرف بھاگے اور کچھ سمندر میں غرق ہو گئے تاہم ان کی ایک اچھی خاصی تعداد کشتیوں میں بیٹھ چکی تھی۔ جب یہ کشتیاں ان سپاہیوں کو لے کر ساحل سے دور ہونے لگیں تو مسلم غوطہ خوروں نے کمال کر دیا۔ وہ زیرِ آب تیرتے ہوئے کشتیوں کے نیچے پہنچ گئے اور کئی کشتیوں کے پیندے پھاڑ ڈالے۔ بدقسمت کشتیاں سواریوں سمیت ڈوب گئیں۔ یہ دیکھ کر وہ فرنگی جو کشتیوں میں بیٹھنے کی امید لے کر ساحل پر جمع تھے مختلف سمتوں میں بھاگ نکلے۔[1] تاہم مسلمانوں نے انہیں جلد گھیر لیا۔ اب فرنگیوں نے بھی فرار کا خیال چھوڑ کر منظم انداز میں اپنا دفاع شروع کر دیا۔ رات بھر لڑائی ہوتی رہی اور اگلے دن دوپہر کو جا کر معرکہ تھما۔ سسلی کے سورماؤں کی بڑی تعداد قتل یا گرفتار ہو چکی تھی، جبکہ بحری جہازوں کے ذریعے جان بچا کر نکل جانے والوں کو اس رات کی دہشت انگیزی مدتوں نہ بھولی۔ یہ واقعہ یکم محرم 570ھ کا ہے۔[2]

<u>اسوان میں کنز کی بغاوت اور سرکوبی</u>: اسکندریہ کے اس معرکے کے بعد صلاح الدین ایوبی کو بالائی مصر کے علاقے اسوان کی طرف توجہ دینا پڑی جہاں ایک بااعتماد مصری افسر کنز الدولہ نے جو خفیہ طور پر دولتِ عبیدیہ کے احیاء کی تحریک چلا رہا تھا، بغاوت کر دی تھی۔ یہ بڑا ہوشیار شخص تھا اور مصر کے سوڈان کے ساتھ لگنے والے سرحدی علاقوں "بلاد النوبہ" کا نگران تھا۔ ایک سال قبل جب سوڈان کے لوگوں نے مصری سرحدات پر یلغار کی تیاری کی تھی تو کنز الدولہ نے شجاع بعلبکی کے ساتھ مل کر ان کے خلاف کارروائی شروع کی تھی۔ اس فتح یابی میں کنز الدولہ کا کردار نمایاں تھا۔ اس کی یہ خدمات صلاح الدین ایوبی کے ہاں اس کے اعتماد کو بڑھا رہی تھیں، کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ اندر ہی اندر دولتِ عبیدیہ کا داعی ہے اور گلہ بانوں، کسانوں، بدوؤں، حبشیوں اور اوباش لوگوں کی بڑی تعداد اس کے ساتھ مل چکی ہے۔ ابن شداد لکھتے ہیں:

---

[1] البدایہ والنہایہ: تحت 569ھ۔ 670ھ، سنا الدرون: 285/5
[2] الکامل فی التاریخ: 7/250، الروضتین تحت 570ھ

"مصریوں کا ایک ممتاز شخص تھا جسے اسوان بھیجا گیا وہ وہاں کے امور انجام دیتا رہا، اس نے سوڈانیوں کی بھاری تعداد کو اپنے گرد جمع کر لیا اور انہیں امید دلاتا رہا کہ وہ ملک پر قابض ہو کر مصر کی (سابق) حکومت کو بحال کر دے گا، ان لوگوں کے دلوں میں مصریوں کی عقیدت اس قدر تھی کہ انہیں کچھ بھی کرنا آسان لگتا تھا۔"

آخر کار 569ھ (1174ء) کے اواخر میں اس نے کھلم کھلا بغاوت کر دی۔ اس کی جرأت اتنی بڑھ گئی تھی کہ اس نے صلاح الدین ایوبی کے ایک امیر کو قتل کر ڈالا جو ایک نامور سرکاری مصاحب ابوالہیجاء کا بھائی تھا۔

سلطان نے کنز کی سرکوبی کے لیے پہلے ابوالہیجاء کو اور پھر اپنے بھائی الملک العادل کو بھیجا۔ کنز "قوص" تک کے علاقوں کو تاراج کر چکا تھا مگر الملک العادل اور ابوالہیجاء نے بروقت پہنچ کر زبردست لڑائی کے بعد اسے شکست فاش دے دی۔ اس کارروائی کا آغاز 569ھ کے اواخر میں اور خاتمہ 7 صفر 570ھ (6 ستمبر 1174ء) کو ہوا تھا۔ یوں عبیدیوں کے رہے سہے وفاداروں کا بھی خاتمہ ہو گیا اور صلاح الدین ایوبی کو شام کے مسائل پر پوری توجہ دینے کی فرصت مل گئی۔ [1]

نوٹ: انہی دنوں میں مصری سرحدی علاقے "صعید مصر" میں بھی ایک شخص نے بغاوت کر کے "قوص" کو تاراج کر دیا تھا۔ ابن ابی طے نے اس کا نام عباس بن شاذی بتایا ہے۔ اس کے خلاف بھی الملک العادل نے کارروائی کی تھی۔ بظاہر یہ کنز سے الگ کوئی شخص تھا۔ [2]

---

[1] اتعاظ الحنفاء، ص 89، تاریخ مصر: 569_570ھ، الکامل لابن الاثیر: 7/751، کتاب الروضتین: 2/335_337

[2] کتاب الروضتین: 2/339

فصل:3

صلاح الدین اور الملک الصالح

صلاح الدین ایوبی نے شام کی سیاسی ابتری پر قابو پانے کا تہیہ کرلیا تھا۔ انہیں خطرہ تھا کہ اس کام میں تاخیر کی گئی تو سلطان نورالدین زنگی کی انیس سالہ جہادی کاوشوں پر پانی پھر جائے گا اور حلب کی وہ سلطنت جو بیت المقدس کو بازیاب کرانے کی طاقت حاصل کرچکی تھی، طوائف الملوکی کا شکار ہوکر نصرانیوں کے تازہ دم حملوں کے سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہ جائے گی۔ قاضی بہاؤالدین شداد شام کے سیاسی بحران پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سلطان نورالدین زنگی کا جانشین بچہ تھا، نہ ملک کا انتظام سنبھال سکتا تھا نہ اللہ کے دشمنوں سے اسلامی شہروں کا دفاع کرسکتا تھا۔ لہٰذا سلطان صلاح الدین ایوبی نے شام کی جانب کوچ کی تیاری کی کیوں کہ وہ اسلامی ممالک کا مرکزی علاقہ تھا۔''[1]

حلب کی صورتحال: شام کے دارالحکومت حلب کی سیاسی صورتحال بہت سنگین تھی۔ سلطان نورالدین زنگی کا تخت ابھی تک خالی تھا، ولی عہد شہزادہ الملک الصالح پایۂ تخت سے دور دمشق کے امراء کے ہاتھوں یرغمال تھا۔ تخت کے خالی ہونے کی وجہ سے دارالحکومت کے امراء کی باہمی چپقلش شدید تر ہوتی جارہی تھی۔ زنگی کے سب سے پرانے نمک خوار شمس الدین ابن دایہ نے قائم مقام حاکم کے طور پر پایۂ تخت کا انتظام سنبھال لیا تھا مگر وہ شہر میں امن وامان کو پوری طرح برقرار رکھنے میں ناکام تھا۔ امرائے شہر شیعہ سنی فسادات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ شہر کے شیعہ رئیس ابن الخشاب نے شیعوں کو اپنے گرد جمع کرلیا تھا جس کے ردعمل میں اہل سنت اولاد دایہ کے گرد اکھٹے ہوگئے تھے۔ اس طرح شہر میں فرقہ وارانہ فسادات کے شعلے بھڑک اٹھے، شیعوں نے کئی ممتاز سنی شہریوں کی املاک، وقف جائدادیں اور رفاہی سامان کے گودام لوٹ لیے۔ شمس الدین ابن دایہ نے یہ دیکھا تو شہر کے منتظم شاد بخت سے کہہ

[1] النوادرالسلطانیہ ص 92

کر شیعوں کے خلاف پولیس کو متحرک کر دیا اور عام سنیوں کو حکم دیا کہ ابن الخشاب کا گھر لوٹ لیں۔

گمشتگین شام کی بساطِ سیاست کا نیا کھلاڑی ✽ یہ تو پایہ تخت کے اندرونی حالات تھے مگر ایک اور خطرہ بھی سر پر تھا۔ موصل کا حاکم سیف الدین غازی حلب پر قبضے کے لیے پر تول رہا تھا۔ اس صورتحال میں حلب کے حاکم شمس الدین ابن دایہ نے فیصلہ کیا کہ امرائے دمشق کو حلب پر سیف الدین غازی کے حملے کے خطرے سے ڈرا کر رضامند کیا جائے کہ وہ اب بلا تاخیر الملک الصالح کو حلب روانہ کر دیں تاکہ تخت نشینی کی رسم ادا کی جائے۔ شمس الدین ابن دایہ نے امرائے دمشق کو سمجھانے کے لیے اپنے طور پر موزوں ترین انسان کو چنا۔ یہ سعد الدین گمشتگین نامی ایک خواجہ سرا تھا۔ نور الدین زنگی کا خادم خاص اور انتہائی ذہین و فطین انسان۔ مگر ابن دایہ کو اندازہ نہ تھا کہ گمشتگین پر اعتبار کر کے وہ کتنی بڑی غلطی کر رہا ہے۔

گمشتگین جب حلب سے دمشق روانہ ہوا تو وہ محسوس کر رہا تھا کہ قسمت اسے شام کا سب سے بڑا سیاسی کھلاڑی بننے کا موقع دے رہی ہے اور وہ اس موقعے سے باآسانی فائدہ اٹھا سکتا ہے بشرطیکہ وہ ولی عہد کو اپنی مٹھی میں لے سکے اور پھر اس کے ذریعے حلب کے ان سرکردہ امراء کو بساطِ سیاست سے ہٹا سکے جو اس کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔

گمشتگین اسی عزم کے ساتھ دمشق پہنچا۔ اپنی ذہانت اور طاقتِ لسانی کی بدولت وہ امرائے دمشق کو سیف الدین غازی کے خطرے کا احساس دلانے میں کامیاب رہا اور انہیں آمادہ کر لیا کہ وہ الملک الصالح کو حلب جانے دیں۔ اس دوران اس نے الملک الصالح کو بھی اپنی وفاداری اور خلوص کا پختہ یقین دلا دیا تھا۔

الملک الصالح، اپنی ماں سمیت 23 ذی الحجہ 569ھ کو (4/اگست 1173ء) دمشق سے حلب روانہ ہو گیا۔ اس قافلے میں خاندان دایہ کا ایک فرد سابق الدین ابن دایہ اور فوجی جرنیل عز الدین جوردیک بھی تھے۔ گمشتگین راستے میں سائے کی طرح الملک الصالح کے ساتھ رہا، اس نے حلب کے دو بڑے سیاسی کھلاڑیوں شمس الدین ابن دایہ اور ابن الخشاب کا پتا صاف کرنے کے لیے شہزادے کے کان خوب بھرے اور اسے بتایا کہ حلب کے شیعہ سنی فسادات میں یہ دونوں برابر کے شریک تھے۔ اس نے الملک الصالح کو باور کرا دیا کہ اولادِ دایہ رعایا کے جان و مال پر دست درازی کر رہی ہے اور ابن الخشاب شیعوں کو شہ دے رہا ہے، لہٰذا دونوں پر قابو پانا ضروری ہے۔ الملک الصالح نے اس کی باتوں میں آ کر فیصلہ کر لیا کہ وہ حلب پہنچتے ہی اولادِ دایہ اور ابن الخشاب دونوں کا قصہ تمام کر دے گا، اس نے امیر عز الدین جوردیک کو سمجھا دیا کہ حلب پہنچتے ہی اولادِ دایہ کو قابو کر لے۔ جب یہ قافلہ حلب کی فصیل کے

سامنے پہنچا تو حسن ابن دایہ اپنے آقا زادے کے استقبال کے لیے پاپیادہ آگے بڑھا مگر عزالدین جوردیک نے اسے روک کر ڈانٹا اور حراست میں لے لیا۔ اولادِ دایہ میں سے سابق الدین ابن دایہ اسی قافلے میں شامل تھا۔ اسے بھی گرفتار کر لیا گیا۔

الملک الصالح حلب کے قلعے میں داخل ہوا تو شمس الدین ابن دایہ کو جو فالج کی حالت میں بستر پر پڑا تھا گھسیٹ کر حاضرِ خدمت کیا گیا۔ الملک الصالح کے ایک خادم نے آگے بڑھ کر اس زور کی ٹھوکر رسید کی کہ وہ منہ کے بل زمین پر جا گرا اور پیشانی سے خون جاری ہو گیا۔ اس کے ضعف، بیماری اور بڑھاپے پر رحم کیے بغیر اسے اس کے پورے خاندان سمیت قلعۂ حلب کے اندھے کنویں میں پھنکوا دیا گیا۔ یہ سب کچھ گمشتگین کے اشارے پر ہو رہا تھا۔

اولادِ دایہ کے بعد اس نے بلا تاخیر شیعہ رئیس ابن الخشاب کو ٹھکانے لگانے کا بھی منصوبہ بنا لیا۔ ابن الخشاب فسادات کے بعد حکومتی کارروائی کے ڈر سے روپوش تھا۔ اسے الملک الصالح کی انگوٹھی بھیج کر جان کی امان دینے کا وعدہ کر لیا گیا۔ ابن الخشاب نے مطمئن ہو کر روپوشی ختم کر دی اور شیعوں کے ایک جتھے کے ساتھ الملک الصالح سے ملنے قلعے کے سامنے آیا۔ مگر قلعے میں داخل ہوتے ہی اسے قتل کر دیا گیا اور اس کا کٹا ہوا سر نیزے پر ٹانگ کر قلعے کے برج زیتون پر نصب کر دیا گیا۔[1] یوں گمشتگین کے راستے کے تمام کانٹے نکل گئے۔ یہاں سے اس کا دورِ عروج شروع ہوتا ہے۔ اولادِ دایہ کو قید کرا دینے کے بعد ریاست حلب کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں آ گئی۔ وہ حلب کے سیاہ و سپید کا مالک اور الملک الصالح کا سرپرست بن گیا۔ اس کی ناپاک سیاست سے زنگی مرحوم کے اکثر وفادار معتوب بن گئے یا پس منظر میں چلے گئے۔[2]

<u>ایوبی کا سفرِ شام</u>: گمشتگین کا یہ ہولناک روپ دیکھ کر دمشق کا گورنر ابن مقدم کانپ گیا، یہ نیا شکاری اسے بھی نشانہ بنا سکتا تھا اور دمشق پر کسی بھی وقت قبضہ کر سکتا تھا۔ اس خطرے کے پیشِ نظر اس نے بہتر سمجھا کہ دمشق کو موصل کے حاکم سیف الدین غازی دوئم یا سلطان صلاح الدین ایوبی کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ گمشتگین سے بدلہ لے سکیں اور الملک الصالح کو اس کے پنجے سے چھڑا لیں۔[3]

جب یہ پیش کش سیف الدین غازی دوئم کو موصول ہوئی تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ شاید یہ اس کی زندگی کا سب سے سنہرا موقع تھا جب شام کی حکومت ہاتھ باندھے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اگر وہ یہ دعوت

---

[1] تاریخ اسلام ذہبی: 67/40 ق
[2] الکامل فی التاریخ: سن 569ھ کے حالات
[3] کتاب الروضتین: 342/2

قبول کر لیتا تو صلاح الدین ایوبی کے شام میں داخلے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا اور شاید تاریخ میں ایوبی کا نام صرف مصر کے ایک حکمران کے طور پر نظر آتا مگر سیف الدین غازی کے دربار میں بڑے بڑے احمق موجود تھے جن میں سے ایک اس کی فوج کا سپہ سالار عز الدین محمود زُلفندار تھا۔ اس پیش کش پر اس کے کان کھڑے ہو گئے اور اس دعوت کو سازش سمجھ کر اس نے سیف الدین کو خبردار کیا کہ وہ ہرگز دریائے فرات سے پار نہ جائے ورنہ حلب اور دمشق والے مل کر اسے گھیر لیں گے۔ سیف الدین غازی ٹھٹک گیا اور اس نے ابن مقدم کی دعوت کا کوئی مثبت جواب نہ دیا۔ اس کی بجائے اس نے حلب والوں سے صلح کر لی تاکہ کم از کم وہ ان کی طرف سے کسی خطرے سے بے فکر ہو جائے۔

اب ابن مقدم اور دمشق کے امراء کا یہ اندیشہ مزید بڑھ گیا کہ گمشتگین کسی بھی وقت دمشق پر چڑھائی کر دے گا چنانچہ انہوں نے صلاح الدین کو خط لکھا کہ وہ آ کر دمشق کا اقتدار سنبھال لے۔ صلاح الدین ایوبی پہلے ہی شام کے بارے میں فکر مند تھے۔ یہ پیغام ملتے ہی وہ صرف سات سو سپاہیوں کے تیز رفتار دستے کے ساتھ قاہرہ سے شام روانہ ہو گئے۔ ❶ ......شیخ عماد کاتب کا بیان ہے کہ سلطان ایوبی یکم صفر 570ھ (/31 اگست 1174ء) کو قاہرہ سے نکلے اور برکہ میں پڑاؤ کر کے ایک ماہ تیرہ دن ٹھہر کر فوج جمع کرتے رہے، پھر 13 ربیع الاول (/11 اکتوبر) کو بلبیس کی طرف کوچ کیا اور دمشق جانے کے لیے صدر، ایلہ، سرخ اور بصریٰ کا راستہ اختیار کیا تھا۔ نصرانیوں کے حملوں کے خطرات کے باوجود وہ خطرناک صحرا اور سنسان راستوں کو تیزی سے پھلانگتے ہوئے شام کے سرحدی شہر بصریٰ پہنچ گئے۔ درحقیقت انہوں نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ ان کے پاس گنتی کے سپاہی اور معمولی سی رقم تھی۔ ان کی حالت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بصریٰ کے حاکم کو صلاح الدین ایوبی کے وزیر باتدبیر قاضی فاضل سے حیرت زدہ لہجے میں کہنا پڑا:

"تمہارے ساتھ کوئی فوج نظر نہیں آتی جب کہ یہ ملک کسی بڑے لشکر کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ فرض کرو! اگر مقامی امراء تمہیں شہروں میں داخل ہونے سے ایک دن کے لیے بھی روک دیں تو تمہیں دیہات کے لٹیرے ہی لوٹ لیں گے۔ ہاں اگر تم مال و دولت کی کافی مقدار ساتھ لائے ہو تو لشکر کے بغیر بھی کام نکل سکتا ہے۔"

قاضی فاضل نے مسکرا کر کہا:

"ہمارے پاس مال کی کمی نہیں۔ ہم پورے پچاس ہزار دینار ساتھ لائے ہیں۔"

❶ کتاب الروضتین: 342/2

چوں کہ یہ رقم امراء کو خریدنے کے لیے بہت کم تھی اس لئے قاضی فاضل کا جواب سن کر بُصریٰ کا حاکم ہکا بکا رہ گیا اور پھر اپنا سر پیٹ کر چلایا:

''ارے تم خود بھی مرے اور ہمیں بھی مروا دیا۔''

حقیقت یہ تھی کہ قاضی فاضل نے پچاس ہزار دینار بھی زیادہ بتائے تھے۔ صلاح الدین ایوبی کے پاس اخراجات کے لئے صرف دس ہزار دینار تھے۔[5]

صلاح الدین ایوبی کے نیک مقاصد ❊ صلاح الدین ایوبی نے اب تک شام پر قبضے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ وہ صرف شام کی سیاست کو سدھارنا اور اسے ان نقائص سے پاک کرنا چاہتے تھے جو فرنگیوں کی بالادستی اور مضبوطی کا باعث بن سکتے تھے۔ تاہم حالات کا بے لاگ تجزیہ کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ شام کو فرنگیوں سے بچانے کا اصل اور پائیدار حل یہی تھا کہ وہاں منتشر اور رُو بہ زوال اتا بکی سلطنت کا خاتمہ کر کے ایک نئی مضبوط حکومت قائم کی جاتی کیوں کہ ابھی تک شام کے ساحلوں پر نصرانیوں کی متعدد مضبوط ریاستیں موجود تھیں، القدس بدستور ان کے قبضے میں تھا اور پورا یورپ ان کی پشت پناہی کر رہا تھا۔ ان سے شام کا دفاع ایک مضبوط و متحد بڑی حکومت کے بغیر ناممکن تھا جبکہ یہاں زنگیوں کی سلطنت موصل، حلب اور دمشق کے تین بڑے خود مختار ٹکڑوں میں بٹ چکی تھی۔ ان کے علاوہ خود مختاری کے دعوے دار چھوٹے چھوٹے قلعہ دار بھی کم نہ تھے جن میں سے ہر ایک خود کو مستقبل کا ''شاہ'' تصور کیے ہوئے تھا۔

سیف الدین خود اپنے ہم مذہبوں کے شہروں کو تاراج کر رہا تھا اور فرنگیوں کو مال و زر دے کر ان سے دوستی گانٹھ رہا تھا۔ دیگر امراء بھی اپنی اپنی اغراض اور مفادات کے تحفظ میں مشغول تھے۔ ارضِ مقدس کو بازیاب کرانے کا جذبہ فراموش ہو چکا تھا۔ الملک الصالح جیسے کم عمر اور بھولے بھالے حکمران کی آڑ میں سیاست بازیچۂ اطفال بنا دی گئی تھی، پس جعل سازی کے پرتوں میں لپٹی اس کمزور حکومت کو ختم کیے بغیر شام میں نصرانیوں کے خلاف جہاد ناممکن تھا۔

یہ تمام حالات سلطان صلاح الدین ایوبی کے سامنے تھے اور وقت کا تقاضا بھی یہی تھا مگر اس کے باوجود وہ امرائے شام کو اپنی اصلاح کا موقع دے کر ان پر اتمامِ حجت کر دینا چاہتے تھے۔ اگر اس میں کامیابی نہ ہوتی تو پھر آخری راستہ نئی حکومت کے قیام کے سوا کچھ نہ تھا۔ مذکورہ حالات کے پیشِ نظر شام کی سیاست کے بارے میں سلطان کی پالیسی پر اس بدگمانی کی گنجائش نہیں رہتی کہ سلطان نے حب جاہ اور ہوسِ اقتدار کے تحت شام میں دخل اندازی کی۔ اس بارے میں سلطان اس قدر نیک نیت تھے کہ اس

---

[5] الکامل فی التاریخ: 261/7

کا خود یورپی مؤرخین کو اعتراف ہے۔لین پول لکھتا ہے:

''جب تک صلاح الدین کو یقین نہ ہو جاتا کہ مسلمانوں کے عام مفادات خصوصاً ان کے دین کی حفاظت کے لیے مداخلت ضروری ہے وہ اپنی سلطنت کو وسعت دینے سے احتراز کرتا۔ اسے ایک ایسے شخص (الملک الصالح) کو نقصان پہنچا کر اپنا فائدہ حاصل کرنے کی ہوس نہ تھی جس سے قریبی تعلقات تھے اور اس کا باپ صلاح الدین ایوبی کا آقا اور سرپرست رہ چکا تھا۔ شام کی حالت ایسی تھی کہ جو کچھ صلاح الدین ایوبی نے کیا اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔''[5]

دمشق میں استقبال: 29 ربیع الاول 570ھ (27/اکتوبر 1174ء) کو صلاح الدین ایوبی دمشق پہنچے جو چند سال پہلے تک ان کا وطن تھا۔ انہیں بلانے والے امراء نے گرم جوشی سے استقبال کیا۔ صلاح الدین نے اپنے والد کی حویلی دار العقیقی میں قیام کیا۔ انہوں نے امراء کو زنگی خانوادے کے لیے اپنی خیر خواہی کا یقین دلایا، علماء اور اہل فضل کی عزت و تکریم کی۔ انہوں نے تجارتی ٹیکس کی معافی کا اعلان کر کے لوگوں کے دلوں کو جیت لیا۔

دمشق کے قلعے کے نگران جمال الدولہ ریحان نے قلعہ حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ سلطان نے اسے پیغام بھیجا اور کہا:

''میں ملک الصالح کا غلام ہوں، ان کی مدد و نصرت کے لیے آیا ہوں۔ میں چھینے گئے شہر انہیں واپس دلاؤں گا۔''

دمشق کے قاضی کمال الدین شہرزوری نے بھی قلعہ دار کو سمجھایا اور آخر کار قلعے کے دروازے بھی کھل گئے۔ صلاح الدین ایوبی نے دمشق سے مصر مراسلہ بھیجا تو اس میں لکھا:

''ہمارے بصریٰ پہنچنے کے دن اور اس سے پہلے ترکوں اور کردوں کی افواج، امراء، عرب بدو اور سردار نیز گرد و نواح کے لوگ بکثرت جمع ہو گئے۔ دمشق سے خطوط پر خطوط آ رہے تھے۔ مراسلہ نگار اگرچہ خود موجود نہ تھے مگر پیغام دے کر کہتے تھے کہ شہر اطاعت کے لیے تیار ہیں اور کامیابی قریب ہے۔''

دوسرے مراسلے میں لکھتے ہیں:

''24 ربیع الاول کو ہم نے بصریٰ سے کوچ کیا۔ والی بصریٰ نے ہر طرح سے خدمت کی۔ ہفتہ 27 ربیع الاول کو چچا اسد الدین شیرکوہ کے بیٹے ناصر الدین اور امیر سعد الدین بن انر کے لڑکے

[5] سوانح صلاح الدین (لین پول)، ص:65

سے ملاقات ہوئی۔ اتوار کو دمشق کے چوبی پل پر پہنچے جبکہ دمشق کے سپاہی استقبال کے لیے آرہے تھے۔ پیر 29 ربیع الاول کو ہم سوار ہوئے اور دمشق پہنچے۔ چند افراد نے مزاحمت کی جن کو لشکر نے قرار واقعی سزا دی۔ دمشق میں داخل ہو کر ہم اپنے والد کی حویلی میں ٹھہرے۔ لوگوں کے دل خوش کرنے کے لیے محصول تجارت معاف کرنے کی منادی کرادی۔ پہلے یہاں حکومت ابتر اور مسرف تھی۔ ظالموں کے ہاتھ دراز تھے۔ اب ہم نے احکام شرعیہ کی پابندی شروع کرادی ہے اور امت کو ان مظالم سے بچالیا ہے۔"[1]

حلب کے سفیر کی سخت کلامی ❁ حلب میں الملک الصالح کے گرد جمع ہونے والے امراء کو صلاح الدین ایوبی کے دمشق پر قابض ہونے کی اطلاع ملی تو وہ سخت مشتعل ہوئے اور انہوں نے چند دنوں بعد امیر قطب الدین ینال بن حسان کو ایک دھمکی آمیز مکتوب دے کر دمشق بھیجا۔ یہ نامی گرامی امیر شیرکوہ کے ساتھ مصر کی فتح میں شریک رہا تھا۔ صلاح الدین کو اس کی آمد کی خبر ملی تو خود اس کا استقبال کیا اور اعزاز و اکرام میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ تیسرے دن اسے باقاعدہ ملاقات کا موقع دیا۔ ینال بن حسان کے نزدیک صلاح الدین کی حیثیت ایک نوعمر معاصر کی تھی۔ اس نے حلب والوں کا مراسلہ پڑھ کر سناتے ہوئے کہا:

"تم نے جن تلواروں سے مصر فتح کیا ہے وہ ہمارے ہاتھوں کی تھیں، جن نیزوں سے اہل مصر کے ایوانوں پر قبضہ کیا ہے وہ ہمارے کاندھوں پر تھے، جن سپاہیوں کو تم لے کر آئے ہو وہی کل کو تمہارے خلاف کھڑے ہوں گے۔ تم جس چیز کے درپے ہو وہی تم کو ہلاک کرے گی۔ تم نے اپنی حد سے تجاوز کیا ہے، اپنے اختیارات کی مقررہ حد عبور کی ہے، تم فقط نورالدین زنگی کے غلام ہو، تمہارا کام صرف یہ تھا کہ زنگی کے جانشین کی حفاظت اور اطاعت کرتے۔"

صلاح الدین نے اس دُرشت کلام کو صبر و تحمل سے سنا، کچھ دیر سر جھکائے رکھا اور ان باتوں کی سختی کو نظر انداز کر کے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا:

"دیکھو بھائی! میرے آنے کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی وحدت برقرار رہے، امور حکومت درست رہیں، رعایا کے حقوق کی نگہداشت ہو، سرحدوں کی حفاظت کی جائے، سلطان زنگی کے لڑکے کی صحیح تربیت ہو اور زیادتی کرنے والوں کی زیادتیوں کا ازالہ کیا جائے۔"

ابن حسان نے غصے سے بے قابو ہو کر کہا:

---

[1] کتاب الروضتین: 241/2

"تم صرف اس لیے آئے ہو کہ اپنی ذاتی حکومت قائم کرو اور اپنے اقتدار میں اضافہ کرو۔ ہم اس بارے میں ہرگز تمہارا ساتھ نہیں دیں گے۔ تم نے جو منصوبے بنائے ہیں، ان کا پورا ہونا مشکل ہے، اس کے لیے تم کو کانٹوں میں گھسنا پڑے گا، جگر چھلنی کرانا ہوگا، بچے یتیم کرانے ہوں گے۔"
ایوبی نے ان کڑوی باتوں کو مسکرا کر سنا اور خدام کو اشارہ کیا کہ ان بزرگوار کو لے جائیں کیونکہ خطرہ تھا وہ ہاتھا پائی پر نہ اتر آئیں۔ ۞

امیر زعفرانی کا رنگ ☆ دمشق میں صلاح الدین ایوبی سے اظہارِ وفاداری کرنے والوں میں نورالدین زنگی کا ایک امیر فخرالدین مسعود زعفرانی بھی شامل تھا۔ حمص، حماۃ، قلعہ بعرین، سلمیہ، تل خالد اور رہا جیسے علاقے اس کی جاگیر میں شامل تھے۔ ان تمام مقامات پر سلطان نورالدین زنگی کے مختلف قلعہ دار اس کی نیابت میں کام کرتے تھے۔ زعفرانی بڑا سخت گیر انسان تھا، رعایا اس کی زیادتیوں سے نالاں تھی۔ نورالدین زنگی کی وفات کے بعد زعفرانی کے قلعہ دار تو اپنے اپنے قلعوں میں جمے رہے کیونکہ وہ فوجی ملازم تھے مگر زعفرانی کا اپنی جاگیروں میں رہنا دوبھر ہوگیا کیوں کہ وہ لوگوں کے احتجاج سے خوفزدہ تھا۔ چنانچہ زعفرانی تو دمشق چلا آیا اور پیچھے تمام قلعہ دار اپنی اپنی جگہ آزاد ہوگئے۔
جب صلاح الدین ایوبی یہاں آئے تو زعفرانی کوئی بڑا منصب پانے کی خاطر ان سے ملا مگر اس رجل رشید کو اللہ نے مردم شناسی کی خاص صلاحیت دی تھی اس لیے وہ اس کے مرتبے، وجاہت اور اظہار اطاعت سے ذرا متاثر نہ ہوئے اور اسے کوئی عہدہ نہ دیا۔ اس پر یہ تلملا کر واپس چلا گیا اور بعرین کے قلعے میں مورچہ بند ہوگیا۔

حمص کا محاصرہ ☆ چند دنوں بعد صلاح الدین ایوبی نے دمشق میں اپنے بھائی سیف الاسلام طغتگین کو نائب کے طور پر چھوڑا اور خود یکم جمادی الاولیٰ 570ھ (28 نومبر 1174ء) کو حمص کا رخ کیا، 11 تاریخ کو وہ شہر کے سامنے جا پہنچے، شہر میں داخل ہونا ان کے لیے چنداں دشوار نہ ہوا مگر قلعہ دار نے مورچہ بند ہو کر لڑائی شروع کردی۔ سمجھانے بجھانے کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس مستحکم قلعے کو سر کرنے میں دیر ہو رہی تھی جبکہ ابھی اگلے کئی اور شہر باقی تھے۔ آخر صلاح الدین ایوبی نے کچھ سپاہیوں کو قلعے کے محاصرے کے لیے چھوڑ دیا اور حماۃ پہنچ گئے۔ ۞

حماۃ میں جوردیک سے گفتگو ☆ حماۃ کا قلعہ دار عزالدین جوردیک نورالدین زنگی کا وفادار امیر تھا۔ شاور کے خلاف مہمات میں وہ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ ساتھ رہا تھا مگر اس وقت اسے اپنے پرانے

۞ کتاب الروضتین: 2/340 ۞ الکامل: تحت 570ھ

دوست کی نیک نیتی پر یقین نہ تھا۔ اس لیے اس نے قلعہ کے دروازے بند کر لیے۔ صلاح الدین کو شہر والوں کا تعاون حاصل تھا، شہر کے کھلے دروازوں سے لوگوں کو امن کا پیام دیتے ہوئے وہ حماۃ میں داخل ہوئے مگر قلعے کے دروازے بند پا کر انہیں افسوس ہوا۔ انہوں نے عزالدین کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ الملک الصالح کے ماتحت اور تابعدار ہیں اور اسے اس کے غصب شدہ علاقے واپس دلوانے اور خود غرض امراء کے تسلط سے آزاد کرانے آئے ہیں۔

عزالدین کو ایوبی کی بات پر کسی قدر یقین آ گیا مگر اس نے مزید اطمینان کے لیے قسم کھانے کا مطالبہ کیا۔ جب صلاح الدین ایوبی نے قسم کھا کر اسے اپنی سچائی کا یقین دلایا تو عزالدین کو اپنے قدیم دوست کی نیک نیتی پر کوئی شک نہ رہا تاہم اس نے قلعہ حوالے کرنے سے پہلے کچھ اور اقدامات ضروری سمجھے۔ اس نے صلاح الدین کو مشورہ دیا کہ ابھی حلب پر لشکر کشی نہ کی جائے بلکہ اہل حلب کو گفت وشنید کے ذریعے اصلاح احوال کا موقع دیا جائے۔

اس وقت دو معاملات اہم ترین تھے۔ پہلا یہ کہ حلب کا سابق حاکم ابن دایہ اپنے بھائیوں اور بیٹوں سمیت نابکار گمشتگین کی قید میں اذیتیں جھیل رہا تھا۔ اسے رہائی دلانا اور حکومت میں شامل کرانا ضروری تھا۔ دوسرے شام کی سیاست میں صلاح الدین کا کردار منوانا ناگزیر تھا۔ جوردیک نے فیصلہ کیا کہ وہ خود جا کر امرائے حلب کو یہ یقین دلائے گا کہ وہ اور صلاح الدین الملک الصالح کی بادشاہت کو متفقہ طور پر قبول کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ابن دایہ کی سابقہ خدمات کا واسطہ دے کر اسے رہا کرانے کی بھی کوشش کرے گا۔ اس طرح یہ مسئلے لڑے بغیر حل ہو سکتے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی نے اس تجویز کو پسند کیا۔

جوردیک حماۃ کا قلعہ اپنے بھائی کے سپرد کر کے حلب روانہ ہو گیا۔ اسے قطعاً اندازہ نہ تھا کہ حلب میں کیسی مصیبت اس کی منتظر ہے۔ حلب پہنچ کر جب اس نے بھرے دربار میں امرائے سلطنت کو صلاح الدین ایوبی سے مصالحت کا مشورہ دیا تو الملک الصالح کے درباریوں نے اسے ایوبی کا جاسوس قرار دیتے ہوئے مطالبہ کیا کہ اس غدار کو گرفتار کر لیا جائے۔ الملک الصالح اپنے خاندان کے اس پرانے وفادار کو سزا نہیں دینا چاہتا تھا مگر گمشتگین نے بہت اصرار کر کے اس سے ہاں کرا دی۔ اب جوردیک کو حراست میں لے کر ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا دی گئیں اور سخت تشدد کے بعد اسی اندھے کنویں میں ڈال دیا جس میں شمس الدین ابن دایہ اپنے خاندان سمیت سسک رہا تھا۔ چند ماہ قبل جوردیک ہی کے ہاتھوں اس خاندان کی قید و بند کا نا مبارک کام انجام پایا تھا۔ اس لیے وہ لوگ اس کے خلاف بھرے بیٹھے تھے۔ جونہی اسے کنویں میں اتارا گیا، قیدی حسن ابن دایہ نے اسے گالیاں دینا شروع کر دیں۔

جوردیک کے لیے زبان کے یہ زخم کمش تکین کے تشدد سے کہیں بڑھ کر تکلیف دہ ثابت ہوئے۔

صلاح الدین ایوبی نے رستن کے مقام پر ٹھہر کر خاصے دنوں تک جوردیک کا انتظار کیا۔ جب وہ واپس نہ آیا تو جباب الترکمان کی طرف کوچ کیا، راستے میں جوردیک کا ایک غلام ملا۔ اس سے پتا چلا کہ جوردیک بے چارہ خود پکڑا گیا ہے۔ صلاح الدین یہ خبر سن کر حماۃ کی طرف پلٹے جس کا قلعہ جوردیک کے بھائی کے ماتحت تھا۔ صلاح الدین نے اسے بھائی کی گرفتاری کی خبر دی تو اس نے قلعہ صلاح الدین کے سپرد کر دیا، کیوں کہ حلب کے سیاست دانوں سے اپنے بھائی کا بدلہ لینے کا بھی ایک طریقہ رہ گیا تھا۔ یہ یکم جمادی الثانیہ 570ھ (27 دسمبر 1174ء) کا واقعہ ہے۔ صلاح الدین نے یہاں علی ابن ابو الفوارس کو قلعہ دار بنا دیا۔

صلاح الدین ایوبی کے سامنے اب اہم مسئلہ حلب کی تسخیر کا تھا۔ مرحوم سلطان زنگی کے اس مرکز پر احسان فراموش کمش تکین قابض تھا۔ عز الدین جوردیک اور ابن دایہ جیسے ممتاز امراء سے اس کی دغابازی کے بعد اس کا شرمناک کردار کھل کر سامنے آ گیا تھا۔ سب سے زیادہ پریشانی کی بات یہ تھی کہ خود الملک الصالح اس کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا، کمش تکین چکنی چپڑی باتوں سے اسے صلاح الدین ایوبی کے خلاف ورغلانے کامیاب ہو گیا تھا۔ ۵

حلب میں الملک الصالح سے محاذ آرائی ٭ 13 جمادی الثانیہ 570ھ (8 جنوری 1175ء) کو صلاح الدین ایوبی کا لشکر حلب کی مضبوط فصیل کے سامنے جا پہنچا اور جبل جوشن پر پڑاؤ ڈالا۔ سپاہیوں کے خیمے خناقیہ سے سعدی کی وادیوں تک پھیل گئے۔ غضب کی سردی پڑ رہی تھی اور موسم ناقابل برداشت تھا مگر صلاح الدین کا عزم صمیم ان چیزوں کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ یہ بات ظاہر تھی کہ اگر اہل شہر دروازے نہ کھولتے تو شہر پر قبضہ بہت مشکل تھا۔ فصیل کے بلند و بالا ہونے کے علاوہ خود حلب کے باشندے نورالدین زنگی کی تربیت کے باعث جنگوں کے عادی تھے، انھیں سرنگوں کرنا آسان نہ تھا۔ ادھر کمش تکین نے عوام میں صلاح الدین کے خلاف اشتعال انگیزی کا پورا انتظام کر لیا تھا۔ الملک الصالح کو وہ اس بارے میں خوب بھڑکا چکا تھا۔ دراصل وہ اس کے ہمنوا امرائے حلب اب تک یہ بھی رہے تھے کہ ایوبی حلب پر یلغار کی جرأت نہیں کر سکے گا مگر اب مصری افواج کو فصیل کے باہر دیکھ کر انھیں یہ خدشہ ہوا کہ شہر کے لوگ صلاح الدین کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ چنانچہ اہل شہر کو اعتماد میں لینے کے لیے یہ ضروری سمجھا گیا کہ الملک الصالح سے مجمع عام میں ایوبی کے خلاف خطاب کروایا جائے۔

۵ ابن الاثیر الکامل: 7/252، کتاب الروضتین: 2/343

انہوں نے نوعمر حکمران کو اس کے لیے تیار کرلیا۔ ڈھنڈورا پیٹ کر شہریوں کو باب العراق کے میدان میں جمع کیا گیا، مجمع اتنا زیادہ تھا کہ میدان میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔ الملک الصالح میدان کے شمالی کونے میں نمودار ہوا۔

کسی مجمعے سے خطاب کا اس کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ اس نے لوگوں کو پکار کر کہا:

''حلب کے لوگو! میں تمہارے ہاتھوں میں پلا ہوں۔ تمہارا مہمان ہوں، تمہارے ہاں آ کر پناہ لی ہے۔ تم میں سے بڑے میرے باپ کی جگہ ہیں، جوان میرے بھائیوں جیسے ہیں۔'' اتنا ہی کہا تھا کہ اس کا گلا رندھ گیا اور آنسو بہہ پڑے۔ اس نے روتے ہوئے کہا: ''تمہیں معلوم ہے میرے والد گرامی نے تم پر کتنے احسانات کیے۔ وہ تم سے کیسی محبت کرتے تھے، تم سے ان کا برتاؤ کتنا اچھا تھا؟ مگر آج ایک ظالم انسان، ایک احسان فراموش مجھ سے میرا ملک چھیننے چلا آیا ہے، نہ اسے اللہ کا خوف ہے نہ بندوں کی ملامت کا۔''

الملک الصالح کی فریاد سن کر عوام بھی زاروقطار رونے لگے۔ انہوں نے اپنی پگڑیاں اتار پھینکیں اور چلانے لگے:

''ہم آپ کے وفادار ہیں۔ ہم آپ کے والد کے غلام ہیں۔ ہم آپ کے سامنے ڈھال بن کر لڑیں گے۔ اپنی جانیں اور مال آپ پر نچھاور کردیں گے۔''

اس طرح سارا شہر صلاح الدین کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ اس موقع پر شہر کے اہل تشیع نے اپنی حمایت ان بدعات کے اجراء کے ساتھ مشروط کردی جنہیں سلطان نورالدین نے بند کرادیا تھا۔ ان کا مطالبہ تھا:

''آئندہ سے جامع مسجد کا مشرقی حصہ ان کے لیے مخصوص کردیا جائے، جنازہ پر چار کی جگہ پانچ تکبیریں اور ان کے ساتھ بارہ اماموں کے نام پڑھے جائیں، اذان میں ''حی علیٰ خیر العمل'' کے الفاظ بڑھائے جائیں۔''

امرائے حلب ہر حال میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف لوگوں کو الملک الصالح کے گرد اکٹھا رکھنا چاہتے تھے چنانچہ اہل سنت کے جذبات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ان شرائط کو تسلیم کرلیا۔ اگلے دن سے جامع مسجد سمیت تمام مساجد کی اذانوں میں ''حی علی خیر العمل'' کی صدا گونج رہی تھی۔ اس طرح الملک الصالح کو استعمال کرنے والے امراء نے ثابت کردیا کہ وہ صلاح الدین ایوبی کی مخالفت میں ہر حد سے گزر سکتے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی نے یہ رنگ دیکھ کر سمجھ لیا کہ مقابلہ ناگزیر ہے اور لڑائی سے بچنے کی ہر کوشش بے سود ہے۔ آخرکار جنگ شروع ہوئی۔ اہل شہر نے جبل جوشن پر آ کر صلاح الدین

ایوبی کے سپاہیوں سے زبردست مقابلہ کیا اور انہیں شہر کی فصیل کے قریب نہ آنے دیا۔ ❶

صلاح الدین پر قاتلانہ حملہ: گمش تگین کو خطرہ تھا کہ اگر محاصرہ طویل عرصے تک جاری رہا تو شہر سرنگوں ہو جائے گا چنانچہ وہ اس دوران ایک اور اقدام کر چکا تھا۔ اس نے حسن بن صباح کی خفیہ جماعت کے علاقائی سربراہ سنان کو بھاری معاوضہ دے کر صلاح الدین ایوبی کے قتل پر آمادہ کر لیا تھا۔ اس کام کے لیے جماعت کے مرکز سے احکام روانہ ہو چکے تھے۔ پانچویں سے ساتویں صدی ہجری کے وسط تک حسن بن صباح کی جماعت امت مسلمہ کے لیے ایک ناسور بنی رہی۔ اس جماعت نے مٹھی بھر افراد کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کو اتنا نقصان پہنچایا جو بڑی بڑی دشمن افواج نہ پہنچا سکیں۔ حسن بن صباح خود اسماعیلی شیعہ فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اور مصر کی دولتِ عبیدیہ کے نمک خواروں میں سے تھا۔ بعد میں اسی نے "باطنیہ" کے نام سے ایک الگ جماعت بنا کر بحیرۂ کیسپین کے کنارے بلند بالا پہاڑوں میں کئی قلعوں پر قبضہ کر کے ایک الگ دنیا بسائی تھی۔

وہ اپنے عقیدت مندوں کو حشیش کے نشے میں دھت کر کے انہیں عیش و آرام کی ایسی دنیا میں لے جاتا جس پر جنت کا گمان ہوتا تھا۔ انہیں یقین دلایا جاتا کہ یہی اصل جنت ہے جس میں ہمیشہ قیام کرنے کے لیے انہیں اپنی جان فدا کرنا ہوگی۔ سر ہتھیلی پر رکھ کر اپنے پیشوا کے حکم کے مطابق بڑے بڑے لوگوں کو قتل کرنا ہوگا۔ اس ذہنیت کے ساتھ تیار کردہ لوگ فدائی کہلاتے تھے۔ انہیں خنجر زنی کی خاص مشق کرائی جاتی تھی۔ مصنوعی جنت کے دھوکے میں آجانے والے یہ فدائی ایسے جاں باز ہوتے تھے کہ اپنے پیشوا کے حکم پر ہر لمحہ جان نثار کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔

اس جماعت کا مرکزی پیشوا شیخ الجبال کہلاتا تھا اور اس کا قیام شمالی ایران کے ناقابل تسخیر کوہستانی سلسلے کے الموت نامی قلعے میں ہوتا تھا۔ حسن بن صباح کے بعد اس کے جانشینوں کا سلسلہ تقریباً دو صدیوں تک چلتا رہا۔ ان فدائیوں کو دنیا کی تمام حکومتوں کے درباریوں، محافظوں، ملازموں اور سپاہیوں میں گھل مل کر رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اپنے آقا کا حکم ملتے ہی وہ ہر رکاوٹ عبور کر کے مطلوبہ شخصیت کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔ ان کی دہشت کے باعث ہر حکمران ان سے خائف رہتا تھا، اکثر بادشاہ شیخ الجبال کو خراج ادا کرتے تھے۔

سلطان نور الدین زنگی کے آخری زمانے میں ان کا دائرۂ کار شام تک پھیل چکا تھا۔ ایک بار جب نور الدین زنگی نے ان پر قابو پانے کی کوشش کی اور "الموت" پر حملے کا ارادہ کیا تو فدائیوں نے ایک

❶ کتاب الروضتین: 2/245_246، الکامل فی التاریخ: 7/253، البدایۃ والنہایۃ: تحت 570ھ

خنجر اور خط ان کے تکیے تلے اس طرح رکھ دیا کہ کسی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ خط میں خبردار کیا گیا تھا کہ شیخ الجبال کی جماعت کے خلاف کوئی کاروائی کی گئی تو نتائج خطرناک ہوں گے۔ چوں کہ باطنی اسماعیلی جماعت کا نظریاتی رشتہ مصر کے شیعہ عبیدی حکمرانوں سے تھا اس لیے عبیدی حکومت کو ختم کر کے مصر پر قبضہ کرنے والا صلاح الدین ایوبی ان کے نزدیک قابل معافی نہ تھا۔ کچھ عرصہ پہلے عمارہ یمنی نے مصر میں جو بغاوت برپا کرنے کی کوشش کی تھی اس کے بیرونی مددگاروں میں حسن بن صباح کی جماعت بھی شامل تھی۔ اب جبکہ شیخ الجبال کے نائب کو خود شام کے ایک امیر کی جانب سے خطیر رقم کے عوض صلاح الدین ایوبی پر قاتلانہ حملے کی دعوت ملی تھی، وہ تردد نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ فدائی خنجر زن اپنے مرکز سے حلب روانہ ہو گئے جہاں صلاح الدین ایوبی شہر کے باہر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک صلاح الدین ایوبی نے اپنے حفاظت کا کوئی خاص اہتمام کرنا شروع نہیں کیا تھا اس لیے خنجر زنوں کو کسی خاص دقت کے بغیر صلاح الدین ایوبی کے خیمے تک رسائی کا موقع مل گیا۔ جوں ہی وہ خیمے کے پردے تک پہنچے ایوبی کے ایک وفادار امیر خمارتگین نے انہیں دیکھ لیا۔ وہ خود الموت کے آس پاس کے علاقے کا باشندہ تھا اور فدائیوں کو ان کے چہرے بشرے اور حرکات وسکنات سے اچھی طرح پہچانتا تھا، اس نے فوراً خطرے کا احساس کرتے ہوئے آگے بڑھ کر ان کا راستہ روک لیا اور للکار کر کہا:

> ''کم بختو! میری موجودگی میں تمہیں یہاں آنے کی ہمت کیسے ہوئی!! تمہیں کس نے بھیجا ہے اور کیوں آئے ہو؟''

مگر فدائی اپنے ہدف تک پہنچنے سے پہلے رکنے کے قائل نہ تھے، انہوں نے اپنے خنجر نکال کر خمارتگین پر حملہ کر دیا، خمارتگین شدید گھائل ہو کر گر پڑا، شور سن کر دوسرے افسران اور محافظ ادھر متوجہ ہو گئے۔ اس اثناء میں ایک فدائی خیمے میں گھس کر خنجر تانے صلاح الدین ایوبی کی طرف دوڑ لگا چکا تھا مگر امیر طغرل جاندار نے بجلی کی طرح جھپٹ کر اس پر ایسا کاری وار کیا کہ وہ صلاح الدین سے صرف چند قدم دور زمین پر گر پڑا۔ بقیہ فدائیوں کو دوسرے سپاہیوں نے گھیر لیا۔ وہ ہتھیار ڈالنے پر تیار نہ ہوئے اور کئی سپاہیوں کو شہید کر دینے کے بعد اس طرح لڑتے لڑتے مارے گئے۔ [1]

<u>ریمنڈ کا ایوبی کے خلاف استعمال</u> ☆ گمشتگین کا یہ حربہ بھی ناکام رہا تو اس نے ایک اور خطرناک داؤ استعمال کیا۔ حلب کے قید خانے میں ساحلِ شام کی عیسائی ریاست طرابلس کا حکمران ریمنڈ گیارہ سال تک قید رہا تھا۔ اسے سلطان نور الدین زنگی نے رمضان 559ھ (اگست 1164ء) میں حارم کے

[1] الکامل فی التاریخ: 7/253؛ کتاب الروضتین: 2/360 ملحقہ احداث 570ھ

معرکے کے دوران قید کیا تھا۔نورالدین کی موت سے کچھ عرصے پہلے 569ھ(1174ء) میں امیر مسعود زعفرانی نے اس کی رہائی کی کوشش کی تو نورالدین نے اسے ڈیڑھ لاکھ دینار اور ایک ہزار قیدیوں کے عوض آزاد کرنے کی شرط منظور کرلی۔[1]

تاہم ابن اثیر کے بیان کے مطابق معاہدے پر عمل نورالدین کی وفات کے بعد ہوا اور گمشتگین نے الملک الصالح کے حکم سے محرم 570ھ(اگست 1174ء) میں اسے مذکورہ معاہدے کے مطابق رہا کیا۔[2]

ریمنڈ کی واپس پر نصرانیوں نے اس کا زبردست استقبال کیا اور اسے ایک ہیرو کی سی حیثیت دی۔ چوں کہ القدس کا مہم جو اور کھاگ حکمران املرک چند دن پہلے ہی مرا تھا اور اس کی جگہ اس کا تیرہ سالہ اپاہج اور کم عقل لڑکا جو رسمی طور پر تخت پر بٹھا دیا گیا تھا کسی کام کا نہ تھا۔اس لیے عیسائی حکمرانوں نے ریمنڈ کو القدس کے کم سن تاجدار کا سرپرست ومربی مقرر کردیا اور طے یہ پایا کہ اب شام کی تمام عیسائی ریاستیں ریمنڈ سے رہنمائی لیا کریں گی۔

گمشتگین ریمنڈ کو رہا کرنے کی وجہ سے نصرانیوں کی نظروں میں ایک دوست کا مقام حاصل کرچکا تھا لہٰذا اس نے حلب کا محاصرہ اٹھوانے کے لیے ریمنڈ سے مدد طلب کی اور اسے صلاح الدین ایوبی کے نئے شامی مقبوضات پر ٹوٹ پڑنے کی دعوت دی۔ریمنڈ کے لیے اس سے بہتر بات کیا ہوسکتی تھی۔تاہم پہلے اس نے قاصد بھیج کر صلاح الدین کو دھمکیوں سے ڈرا کر محاصرہ ختم کرانے کی کوشش کی۔ریمنڈ کے قاصد نے کہا:

''عیسائی متحد ہوگئے ہیں۔وہ یک جان ہوکر آپ سے لڑیں گے۔''

صلاح الدین نے اس دھمکی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے کہا:

''میں فرنگیوں کے اتحاد سے ڈرنے والا نہیں۔''

اس کے ساتھ ہی انہوں نے فوج کا ایک دستہ اطاکیہ روانہ کردیا جس نے چھاپے مار کر خاصا مال غنیمت حاصل کیا اور اس طرح نصرانیوں کو مرعوب کرنے کی کوشش کی۔

آخر کار ریمنڈ حلب سے دوستی جتانے کے لیے ایک لشکر جرار لے کر نکلا،اس نے ہوشیاری یہ کی کہ آمنے سامنے کی ٹکر لینے کی بجائے حمص کا رخ کیا جہاں صلاح الدین ایوبی نے دو ماہ پہلے ہی قبضہ کیا تھا اور شہر کی حفاظت کے لیے وہاں زیادہ فوج نہ تھی۔ 7 رجب کو ریمنڈ حمص کے فصیلوں کے سامنے پہنچ گیا اور محاصرہ کرلیا۔یہ وار کارگر ہوا۔صلاح الدین ایوبی کے لیے اس خبر کے بعد حلب کا محاصرہ جاری رکھنا

[1] کتاب الروضتین:351/2
[2] الکامل،تحت:570ھ

ممکن نہ تھا۔ وہ حلب سے کوچ کر کے حماۃ سے ہوتے ہوئے حمص پہنچ گئے مگر ان کی آمد سے پہلے ریمنڈ بھاگ نکلا اور امرائے حلب کو پیغام بھیج دیا کہ میں نے وعدے کے مطابق حلب کا محاصرہ ختم کرا دیا ہے۔ اِدھر صلاح الدین کے سپاہیوں نے حمص میں داخل ہو کر قلعے کا محاصرہ مزید سخت کر دیا جو کہ اب تک قلعہ دار کی تحویل میں تھا۔ 21 شعبان 570ھ (16 مارچ 1175ء) کو قلعہ دار نے ہتھیار ڈال دیے۔ بہرحال عیار گمشتگین حلب کا محاصرہ اٹھوانے میں کامیاب رہا، اس کے بعد ایک سال تک سلطان کو حلب کا رخ کرنے کا موقع نہ ملا۔

<u>بعلبک کی فتح</u>:- صلاح الدین ایوبی نے امرائے حلب کی مکاریوں اور نصرانیوں کے ساتھ ان کے گٹھ جوڑ کا بچشم خود مشاہدہ کر لیا تھا۔ وہ یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ الملک الصالح جس کا وہ اپنا آقا زادہ ہونے کی حیثیت سے نہ صرف احترام کرتے ہیں بلکہ اسے اپنے بادشاہ کی حیثیت بھی دیتے ہیں، ایک عضوِ معطل ہے جو بے حیت امراء اور اغراض پرست درباریوں کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔ اس صورتحال میں ان کے لیے کچھ تلخ فیصلے کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ انہوں نے شام کے زیادہ سے زیادہ علاقوں پر قبضہ کر کے ان امراء کا زور توڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ اب ان کی منزل بعلبک تھی جہاں کبھی ان کے والد نجم الدین، عماد الدین زنگی کے قلعہ دار کی حیثیت سے تعینات رہے تھے۔ بعلبک کے محاصرے کے دوران ماہ رمضان شروع ہو گیا۔ قلعہ دار یمن نے امان طلب کی اور 4 رمضان 570ھ (29 مارچ 1175ء) کو قلعہ سرنگوں ہو گیا۔[1]

[1] کتاب الروضتین: 2/360،361

فصل:4

شام پر صلاح الدین ایوبی کا قبضہ اور خودمختاری کا اعلان

بعلبک پر قبضے کے بعد شام کا اکثر علاقہ صلاح الدین ایوبی کے زیرنگین آچکا تھا۔ حلب میں الملک الصالح اور کمش تگین اس صورتحال کو نہایت تشویش کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ ادھر نورالدین زنگی کا بھتیجا موصل کا حکمران سیف الدین غازی دوئم بھی صلاح الدین سے خوفزدہ تھا۔ تشویش اور خوف کے یہ رویے جلد ہی صلاح الدین ایوبی کے خلاف ایک اتحاد میں تبدیل ہو گئے۔ کمش تگین کے ہاتھوں کھلونا بنے ہوئے الملک الصالح نے سیف الدین کو شام پر چڑھائی کی دعوت دے دی۔ سیف الدین نے اسے فوراً قبول کرلیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی طاقت بڑھانے کے لیے ایک تیسرے فرد کو بھی اتحاد میں شامل کرنا ضروری سمجھا۔ یہ اس کا بڑا بھائی عمادالدین تھا جو سنجار کا حاکم تھا۔

اگر حلب، موصل اور سنجار تینوں حکومتوں کی فوجیں ایک پرچم تلے جمع ہو جاتیں تو صلاح الدین ایوبی کے لیے ان کا مقابلہ بہت دشوار ہوتا۔ مگر قدرت نے اس عظیم مجاہد کو ایک ماہر سیاست دان کی تمام خوبیاں عطا کردی تھیں۔ اس سے پہلے کہ سیف الدین اپنے بھائی عمادالدین سے رابطہ کرتا صلاح الدین ایوبی کے قاصد سنجار پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے عمادالدین کو یقین دلایا کہ اگر وہ اس موقع پر مصر کا ساتھ دے تو شام کی آئندہ حکومت میں اس کا معقول حصہ ہوگا۔

یہ پیش کش عمادالدین کو پرکشش معلوم ہوئی اور اس نے مصر کا ساتھ دینے کا فیصلہ کرلیا۔ سیف الدین کو یہ اطلاع ملی تو بڑا جھنجلایا، اس نے فوج کے دو حصے کر دیے، ایک حصے کی کمان خود کرتے ہوئے اس نے سنجار کا محاصرہ کرلیا۔ دوسرے حصے کو جو اس کے بھائی عزالدین مسعود اور امیر ذلفندار کی قیادت میں تھا، مصری فوج سے لڑنے کے لیے روانہ کردیا۔ یہ لشکر حلب پہنچ کر وہاں کی افواج کو ساتھ ملانے کے

بعد مصری فوج سے لڑنے کے لیے روانہ ہوا اور صلاح الدین کے اہم شہر حماۃ کا محاصرہ کرلیا۔ ❶

<u>سیف الدین غازی دوئم سے پہلی جھڑپ</u> یہ رمضان کا مبارک مہینہ تھا۔ صلاح الدین کو جوان دنوں حماۃ سے دور تھے اور دوسرے قلعوں کی تسخیر کا سوچ رہے تھے، متحدہ لشکر کی پیش قدمی کی خبر ملی۔ ان کے پاس اس وقت تھوڑے سے سپاہی تھے۔ انہوں نے مصر اطلاع بھیج کر فوری کمک طلب کی اور خود حماۃ کی مضافاتی وادی قرونِ حماہ میں پہنچ گئے تاکہ حریف سے مذاکرات کریں۔ اس وادی کے دونوں جانب دو بلند پہاڑوں کی چوٹیاں تھیں اسی بنا پر اسے قرون حماہ کہا جاتا تھا۔ مصری فوج کی قلت دیکھ کر اتحادیوں کی جرأت بہت بڑھ گئی تھی۔ چنانچہ ان کی طرف سے جب کمشتکین اور ابن عجمی گفت وشنید کے لیے آئے تو ان کا انداز جارحانہ تھا۔ صلاح الدین نے اپنے سپاہیوں کی کمی کو مدِنظر رکھتے ہوئے صلح کی پیش کش کی اور کہا کہ انہیں صرف دمشق میں الملک الصالح کی نیابت کے طور پر حکومت کا موقع دیا جائے۔ ایوبی کی نرمی دیکھ کر اتحادی نمائندوں کے مطالبات بڑھتے گئے۔ صلاح الدین ان کی ہر شرط منظور کرتے چلے گئے۔ یہ بھی مان لیا کہ وہ حماۃ اور حمص سے دستبردار ہو جائیں گے۔ انہوں نے اب تک قبضے میں لیے گئے خزانے واپس کرنے کا مطالبہ بھی تسلیم کرلیا۔ اس کے باوجود کئی دنوں تک بات چیت چلتی رہی۔ اگر اس وقت اتحادی فوجیں یک بارگی حملہ کر دیتیں تو مصری فوج کی شکست ظاہر تھی مگر خوش قسمتی سے مذاکرات میں کئی دن گزر گئے۔ صلاح الدین ایوبی کو مصر سے طلب کردہ امدادی فوج کا انتظار تھا۔ اگر وہ آجاتی تو مذاکرات میں ان کا پلہ بھاری ہو سکتا تھا۔ جب امرائے حلب نے دیکھا کہ صلاح الدین ہر مطالبہ مانتا چلا جارہا ہے تو انہوں نے اسے حریف کی کمزوری پر محمول کیا اور لڑائی کا بہانہ بنانے کے لیے ایک اور غیر معقول شرط رکھ دی، وہ یہ کہ حماۃ اور حمص کے ساتھ رحبہ اور اس کی متعلقہ جاگیریں بھی ان کو دی جائیں۔ ایوبی نے کہا:

"یہ علاقے میرے چچازاد ناصر الدین بن شیر کوہ کے ہیں۔ میرا ان پر کوئی اختیار نہیں۔"

اس پر امرائے حلب مشتعل ہو گئے۔ بات چیت تلخ تر ہوتی چلی گئی کیونکہ اتحادیوں کا اصل موقف یہ تھا کہ مصری فوج فوراً شام سے نکل جائے اور کسی علاقے پر حق نہ جتائے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو ہم بزور قوت اسے نکال دیں گے۔ ❷

<u>قرون حماۃ کا معرکہ</u> ❀ انجام کار بات چیت ناکام ہوگئی۔ اب ایک خوفناک جنگ ناگزیر تھی۔

---

❶ الکامل فی التاریخ: تحت 570ھ، کتاب الروضتین: 2/383، 384

❷ کتاب الروضتین: 2/383 فصل فیما جری لعسکر مصر والحلبیین مع السلطان

اتحادی لشکر جوسیف الدین کے بھائی عزالدین مسعود اور زلفندار کی قیادت میں تھا 19 رمضان 570ھ (13/اپریل 1175ء) کو قرونِ حماۃ کی وادی میں مصری فوج کے مقابل آ گیا۔ اتحادیوں کو عددی برتری حاصل تھی۔ صلاح الدین ایوبی نے جن افسران کو مصر سے کمک کے لیے بلوایا تھا وہ ابھی تک نہیں پہنچے تھے اس لیے جنگ کے آغاز میں سلطان کو شدید دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے اپنی مختصر سی فوج کو ایک دستے کی شکل میں منظم کیا اور دشمن کے دائیں اور بائیں بازوؤں پر اچٹتے ہوئے حملے کر کے پلٹتے رہے تا کہ وقت گذرتا رہے اور اتنے میں کمک پہنچ جائے۔

سلطان نے اس لڑائی سے پہلے پیش قدمی کے طور پر حریف کے بعض افسران سے خفیہ رابطے کر کے انہیں خطیر رقم کے عوض جنگ سے پہلوتہی پر راضی کر لیا تھا، چنانچہ دشمن کی جانب سے بھی یک بارگی بھرپور حملوں میں دیر ہو رہی تھی۔ اگر وہ سچ مچ مصری فوج پر ٹوٹ پڑتے تو سخت جانی نقصان پہنچا سکتے تھے۔ بہرحال ایوبی کی حکمت عملی کامیاب رہی اور آخر خاصے انتظار کے بعد سلطان کا بھتیجا تقی الدین عمر مصر کی تازہ دم فوج کے ساتھ عین جنگ کے دوران میدان میں آن پہنچا۔ اسے کوئی خبر نہ تھی کہ یہاں جنگ چھڑ چکی ہے، جب اس نے دونوں فوجوں کو لڑتے دیکھا تو فوراً اپنے سپاہیوں کو دائیں اور بائیں بازوؤں میں تقسیم کر کے دشمن پر زوردار حملے شروع کر دیے۔ اتحادیوں کا امیر زلفندار اپنی بلند حیثیت اور عہدے کے باوجود جنگوں کا کوئی تجربہ نہیں رکھتا تھا، تقی الدین کے حملوں نے اس کا منہ پھیر دیا اور وہ اپنے آدمیوں کو لے کر بھاگ نکلا، بھاگنے میں وہ افسران سب سے آگے تھے جن کو ایوبی نے خفیہ روابط کے ذریعے میدان چھوڑنے پر راضی کر لیا تھا البتہ عزالدین مسعود نے زنگی خاندان کی روایتی شجاعت کا ثبوت دیا اور دیر تک ڈٹا رہا جب کہ اس کا لشکر پسپا ہوتا رہا۔

صلاح الدین ایوبی اس کی مردانگی پر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور کہہ اٹھے:

"یا تو یہ دلیر ترین آدمی ہے یا اسے جنگوں کے داؤ پیچ سے کوئی واقفیت ہی نہیں۔"

یہ کہہ کر اپنے سپاہیوں کو بھرپور حملے کا حکم دیا۔ اب عزالدین مسعود کو بھی میدان چھوڑنے ہی میں عافیت نظر آئی۔ ایوبی نے حکم دیا کہ فرار ہونے والے یا زخمی سپاہیوں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور تعاقب میں زیادہ تیزی نہ دکھائی جائے۔ [1]

سیف الدین غازی ابھی تک سنجار کے محاصرے میں مصروف تھا۔ عمادالدین نے شہر پر اس کا کوئی حملہ کامیاب نہیں ہونے دیا تھا مگر اب منجنیقوں کی سنگ باری سے شہر پناہ شکستہ ہوتی جا رہی تھی، ایک

[1] کتاب الروضتین: 384/2

جانب شگاف پڑ گیا تھا اور قریب تھا کہ شہر فتح ہو جائے مگر اسی دوران سیف الدین کو خبر ملی کہ مصری فوج نے تعداد میں بہت کم ہونے کے باوجود اس کے سپاہیوں کو مار بھگایا ہے۔ سیف الدین بڑا دل شکستہ ہوا اور ساتھ ہی اس نے خوف محسوس کیا کہ عماد الدین کو یہ خبر مل گئی تو اس کا حوصلہ بڑھ جائے گا اور وہ فوراً جوابی کارروائی پر اتر آئے گا۔ چنانچہ اس نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے عماد الدین تک یہ خبر پہنچنے سے پہلے ہی اس سے صلح کا معاہدہ کر لیا اور محاصرہ اٹھا کر موصل لوٹ آیا۔ سیف الدین نے اس موقع پر یہ فیصلہ بھی ناگزیر سمجھا کہ وہ عماد الدین کے ساتھ ساتھ اپنے حریف الملک الصالح سے بھی جس کے کئی علاقے اس نے کچھ مدت پہلے دبا لیے تھے، صلح کر لے اور دونوں مل کر ایوبی کا مقابلہ کریں۔ قاضی ابن شداد اس صلح کا حال یوں بیان فرماتے ہیں:

"سیف الدین نے عماد الدین سے صلح کر لی اور اسی وقت نصیبین جا پہنچا۔ افواج کو جمع کیا اور ان کے اخراجات کا انتظام کیا۔ پھر کوچ کر کے دریائے فرات تک آیا اور البیرہ کے مقام سے اسے پار کر کے دریا کے شامی کنارے پر پڑاؤ ڈالا۔ پھر الملک الصالح اور کمشتگین سے مراسلت شروع کی۔ ان کے درمیان مل بیٹھنے کی بات طے ہو گئی۔ کمشتگین اس سے ملنے آیا۔ بات چیت کے بہت سے ناکام دور چلے۔ سیف الدین نے بار بار واپسی کا ارادہ کیا مگر آخر کار الملک الصالح سے اس کی بلا واسطہ بات چیت طے ہو گئی اور اہل حلب نے سیف الدین کی زیادتیوں سے درگزر کیا۔ سیف الدین کوچ کر کے حلب پہنچا۔ الملک الصالح خود اس کے استقبال کے لیے نکلا۔ حلب کے قلعے کے قریب اس سے ملا۔ معانقہ کیا اور لپٹ کر خوب رویا۔ سیف الدین نے اسے قلعے میں واپس جانے کا کہا۔ وہ چلا گیا۔ سیف الدین خود لوٹ کر عین مبارک کے چشمے کے پاس خیمہ زن ہوا اور ایک مدت تک وہاں رکا رہا۔ حلب کے سپاہی روزانہ اس کی خدمت میں آتے رہے۔ سیف الدین قلعے میں بھی گیا اور وہاں کھانا کھایا۔ اس کے بعد وہ کوچ کر کے تل السلطان پہنچا۔ دیار بکر کے لوگ اور بہت سا مجمع اس کے ساتھ تھا۔"[5]

غرض شکست کے باوجود سیف الدین کی تیاریاں زوروں پر تھیں اور صلاح الدین ایوبی کو شام سے نکالنے کے ہدف میں اب وہ اور الملک الصالح پوری طرح متحد ہو گئے تھے۔

حلب کا دوسرا محاصرہ اور خود مختاری کا اعلان صلاح الدین ایوبی نے قرون حماۃ میں دشمنوں کو شکست فاش دینے کے بعد انہی کی خیمہ گاہ میں جا کر پڑاؤ ڈالا اور پھر جلد ہی حلب کے نواح میں قرا

5 النوادر السلطانیہ، ص:56

حصار پہنچ کر اسے خیمہ گاہ بنایا اور حلب کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ ایک دوٹوک فیصلہ کر چکے تھے۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ الملک الصالح کا شام کی سیاست میں کوئی کردار نہیں ہے۔ اصل کھیل سیف الدین غازی اور گمش تگین کھیل رہے ہیں۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو حال اور مستقبل کے خطرات کے سامنے بند باندھ سکتا۔ نورالدین زنگی کے مشن کی تکمیل کے لیے سینہ سپر ہو کر القدس کی بازیابی کی منزل تک پہنچنا تو بہت دور کی بات تھی، یہ حکمران نصرانیوں سے اپنے مقبوضات کو زیادہ عرصے تک بچانے کی سکت بھی نہیں رکھتے تھے۔ صلاح الدین ایوبی کو یہ یقین بھی ہو چکا تھا کہ یہ بندگانِ مال وجاہ اپنے اقتدار کی خاطر آئندہ نصرانیوں سے مل کر ان کے خلاف مشترکہ یلغار سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ گمش تگین ریمنڈ کے ذریعے حمص پر حملہ کرا کے اس شقاوت کا عملی ثبوت پیش کر چکا تھا۔

حلب اب وہ حلب نہیں رہا تھا جس کے ایوان میں ہر روز جہاد فی سبیل اللہ کے لیے سر جوڑ کر مشورے ہوتے اور کفار سے قوت آزمائی کے لیے فوجوں کو دم بدم احکام ملتے تھے۔ اب حلب سازشی قوتوں کا ایسا مرکز بن چکا تھا جو نصرانیوں سے برسرِپیکار واحد اسلامی فوج کو پارہ پارہ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ ان تمام پہلوؤں کو مدِنظر رکھتے ہوئے اب الملک الصالح کی بادشاہت کسی بھی طور پر اسلام یا مسلمانوں کے لیے مفید نہیں رہی تھی۔ اس سے جہاد کا پرچم بلند کرنے یا شام کے بکھرے ہوئے امراء کو متحد رکھنے کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی تھی لہٰذا صلاح الدین ایوبی کے نزدیک اس بادشاہت کو قبول کرنے کا کوئی جواز نہیں رہ گیا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ ان کے مخالفین انہیں اپنے آقا کا غدار اور احسان فراموش کہیں گے مگر وہ اپنے آقازادے کو اغیار کے لیے استعمال ہوتا دیکھنے کے بعد زنگی خاندان سے واقعی مایوس ہو چکے تھے۔ اب اپنی خودمختاری کا فیصلہ کرنا ان کے لیے ناگزیر تھا۔ ان کی جگہ کوئی اور حکمران ایسا بااختیار ہوتا تو کب کا "شاہ" اور "سلطان" بن چکا ہوتا مگر صلاح الدین ایوبی نے آخر تک اپنے محسنوں کی بالادستی کا جواز برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے خود کو زنگی خانوادے کا غلام کہنے میں فخر محسوس کیا۔ تاہم اب وہ نصرانیوں کے حلیفوں کی کفش برداری کے لیے تیار نہ تھے۔ زنگی کے مشن کے حقیقی وارث وہ خود تھے اور انہیں پورا حق تھا کہ اپنی بادشاہی کا اعلان کردیں۔ آخرکار صلاح الدین ایوبی نے یہ قدم اٹھا لیا اور حلب کے محاصرے کے دوران ہی انہوں نے اپنے زیرِنگین شہروں سے الملک الصالح کے نام کا سکہ منسوخ کرنے اور اس کے نام کا خطبہ بند کردینے کا حکم جاری کردیا۔ یہ زنگیوں کی حلقہ بگوشی سے آزادی کا واضح اعلان تھا۔

صلاح الدین ایوبی کے لشکر نے وادی قراحصار کے کیمپ ہی میں عیدالفطر منائی۔ اُدھر حلب والے محاصرے کی طوالت اور شدت سے تنگ آچکے تھے۔ صلاح الدین ایوبی کی خودمختاری کے بعد اب وہ

مصری افواج سے کسی نرم سلوک کی توقع بھی نہیں رکھ سکتے تھے، تاہم انہوں نے امید کا دامن تھام کر صلح کی پیش کش کی۔ الملک الصالح کے سفیر وادی قراحصار میں صلاح الدین ایوبی سے ملے۔ انہوں نے صلح کی شرائط پیش کیں جن میں سے بعض صلاح الدین ایوبی کے مفادات کے بالکل خلاف تھیں۔ صلاح الدین کو اب یہ قوت حاصل تھی کہ وہ منہ مانگی شرائط پر صلح کرتے مگر انہوں نے حیرت انگیز کشادہ دلی کا ثبوت دیا۔ فریق مخالف کا پورا احترام کرتے ہوئے معاہدے کی شرائط کو فوراً قبول کرلیا جن میں الملک الصالح کو واضح طور پر زیادہ مراعات ملی تھیں۔ اس معاہدے کا خلاصہ یہ تھا:

- اگر کوئی دشمن الملک الصالح کے خلاف کارروائی کرے گا تو صلاح الدین کو خود آکر اس کا دفاع کرنا ہوگا۔
- صلاح الدین ایوبی کو اس کے موجودہ مقبوضات کے علاوہ کفرطاب، حماۃ اور المعرۃ کے علاقے بھی دے دیے جائیں گے۔
- صلاح الدین ایوبی کے دیگر شامی مقبوضات باقی رہیں گے، مگر ان میں سکہ الملک الصالح کا جاری ہوگا اور جمعے کے خطبوں میں اسی کا نام لے کر دعائے خیر کی جائے گی۔ [1]
- ریاستِ حلب سلطان کی رضامندی کے بغیر کسی حکومت سے کوئی معاہدہ یا اتحاد نہیں کرے گی۔
- حلب والے ابن دایہ اور اس کے خاندان کو رہا کر دیں گے۔ [2]

کمزور فریق کے سامنے صلاح الدین ایوبی کا ایسی شرائط پر آمادہ ہو جانا ان کی حد سے زیادہ فراخ دلی کا ثبوت تھا۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنے مربی زنگی کے احترام میں ان شرائط کو قبول کیا ورنہ وہ اہلِ حلب پر دباؤ ڈال کر بہت سی شرائط مسترد کر سکتے تھے۔ بہرکیف صلح ہوگئی۔ (تاہم الملک الصالح نے اولادِ دایہ کو رہا کرنے کا وعدہ پورا نہیں کیا اور اگلے معاہدے میں یہ مطالبہ دہرانا پڑا)

شوال 570ھ (مئی 1175ء) کے پہلے عشرے میں مصری فوجوں نے حلب کا محاصرہ اٹھالیا اور حماۃ چلی گئیں۔ شام کے اکثر شہروں پر صلاح الدین کے قبضے اور خود مختاری کے اعلان کی اطلاع دربارِ خلافت کو بھیج دی گئی تھی۔ خلیفہ المستضیء باللہ نے اس مردِ مجاہد کو شام و مصر کا آزاد بادشاہ تسلیم کرلیا اور اپنے سفیر کے ساتھ ایوبی کے لیے سلطنت کی سند اور خلعت روانہ کردی۔ مصری لشکر حماۃ میں قیام پذیر تھا کہ خلیفہ کا سفیر سیاہ پرچم، خلعت اور پروانۂ سلطنت لے کر دربارِ ایوبی میں حاضر ہوا۔ دربارِ خلافت کی اس عنایت سے صلاح الدین ایوبی کو بے حد مسرت ہوئی۔

[1] کتاب الروضتین: ج2/384
[2] کتاب الروضتین: 2/385

شوال کے آخری ایام میں انہوں نے امیر زعفرانی کی گوشمالی کا عزم کیا جس نے دمشق آ کر اطاعت کا وعدہ کیا تھا مگر پھر حسب منشا منصب نہ ملنے کی وجہ سے ناراض ہو کر چلا گیا تھا۔ ایوبی نے اس کے قلعے "بعرین" کا محاصرہ کرلیا، اس نے گھبرا کر قلعہ حوالے کر دیا اور سلطان ایوبی دریائے عاصی عبور کر کے دمشق کو روانہ ہو گئے۔ عماد اصفہانی اپنی یادداشتوں میں لکھتے ہیں کہ اس سفر کے دوران سورج گرہن ہوا اور چہار سو گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ شوال کے آخر میں صلاح الدین ایوبی دمشق پہنچ گئے۔ اب وہ سلطان زمانہ تھے۔ اپنے فیصلوں میں مکمل طور پر آزاد۔ ①

دمشق میں امن وعافیت کے کچھ دن ❊ صلاح الدین ایوبی کو قاہرہ سے نکلے ہوئے سات ماہ ہونے کو آئے تھے مگر شام کے معاملات مکمل طور پر نمٹائے بغیر واپسی مناسب نہ تھی۔ پھر مصر میں ان کا بھائی الملک العادل نظام مملکت کو اچھی طرح سنبھالے ہوئے تھا۔ چنانچہ سلطان صلاح الدین ایوبی دمشق میں مقیم رہ کر شام کے نو مفتوحہ علاقوں کا انتظام بہتر بنانے میں مشغول ہو گئے۔

حلب کی حکومت سے ان کی صلح جس معاہدے پر ہوئی تھی اس کے مطابق الملک الصالح اپنے موجودہ مقبوضہ علاقوں کا مالک تسلیم کرلیا گیا تھا جبکہ شام کے وہ تمام علاقے جن پر سلطان صلاح الدین ایوبی نے قبضہ کرلیا تھا، حماۃ، المعرۃ اور کفر طاب سمیت انہی کا حق مان لیے گئے تھے۔ نئے انتظامات کے تحت سلطان نے حماۃ اپنے سسر اور ماموں شہاب الدین حارمی کی نگرانی میں دے دیا اور حمص کی ولایت اپنے چچازاد بھائی ناصر الدین بن شیرکوہ کو دے دی۔ ②

نصرانیوں سے جنگ بندی ❊ دمشق کے قیام کے انہی دنوں میں نیا ہجری سال 571ھ شروع ہو گیا، ماہ صفر (اگست 1175ء) میں شام کے عیسائیوں کا سفیر سلطان کے پاس آیا۔ عیسائی جو سلطان کے عروج سے خائف تھے، جنگ بندی کا معاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ سلطان کو بھی شام کے نظم ونسق کے لیے کم از کم ایک سال درکار تھا۔ ویسے بھی وقت خشک سالی کے باعث عوام کے لیے گراں تھا، ایسے میں رعایا کے مسائل پر توجہ کی خاص ضرورت تھی۔ فرنگیوں سے فیصلہ کن معرکوں کے لیے ابھی خاصے مراحل باقی تھے، اس لیے سلطان نے کئی شرائط منوا کر صلح کی پیش کش قبول کر لی۔

اب سلطان کے پاس اطمینان کے ساتھ مقامی مسائل پر توجہ دینے کا خاصا وقت تھا۔ وہ پابندی کے ساتھ "دار العدل" میں بیٹھتے، لوگوں کی شکایات سنتے اور فریادیوں کی دادرسی کرتے۔ اس طرح انہوں نے عوام کا دل جیت لیا۔ کبھی کبھی موقع ملتا تو شکار کے لیے نکل جایا کرتے تھے۔

① الکامل فی التاریخ: 255/7
② الکامل فی التاریخ: 255/7، الروضتین: 384/2

چوں کہ شام میں قحط سالی کے باعث غلہ کم پڑ گیا تھا اور ویسے بھی اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے صلح کے معاہدوں کے بعد کچھ عرصے کے لیے خطرات سے نجات مل گئی تھی اس لیے سلطان صلاح الدین نے اپنی افواج کا بڑا حصہ واپس مصر روانہ کر دیا اور انہیں تاکید کی کہ ضرورت پڑنے پر وہ فوراً حاضر ہو جائیں۔ سلطان اس بات سے غافل نہیں تھے کہ موصل اور حلب کے سیاست دان اب بھی ان کے خلاف تیاریوں میں مصروف ہیں۔ [1]

سازش کا انکشاف: موصل اور حلب کے درمیان واقعی کچھ کھچڑی پک رہی تھی۔ موصل کے سیاست دان الملک الصالح کے ساتھ مل کر طے کر چکے تھے کہ سلطان صلاح الدین کے خلاف ایک بار پھر مشترکہ محاذ بنایا جائے۔ اس بارے میں حلب اور موصل کے قاصدوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ امرائے موصل حلب کے اربابِ اقتدار کو ترغیب دے رہے تھے کہ وہ ایوبی سے صلح نامہ منسوخ کر دیں۔ ان کے نزدیک صلاح الدین ایوبی سے صلح میں حلب نے جلد بازی سے کام لیا تھا، اس میں سراسر صلاح الدین ایوبی ہی کو فائدہ ہوا، حلب سراسر گھاٹے میں رہا جبکہ موصل کو کسی شمار ہی میں نہیں رکھا گیا۔

موصل اور حلب میں سلطان کے خلاف فوج کشی کا منصوبہ طے ہو گیا تو موصل کے امراء نے ایک سفیر کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس بھیج دیا۔ مقصد یہ تھا کہ وہ سلطان کو دھوکے میں رکھنے کے لیے موصل کے مفادات سے متعلق سلطان سے کچھ باتیں منظور کرائے، اس کے علاوہ وہ وہاں کی گفتگو سے اندازہ لگائے کہ سلطان کے آئندہ عزائم کیا ہیں؟...... یہ سفیر سلطان کے ہاں حاضر ہوا تو سلطان نے اسے خلوت میں اپنے پاس بلوایا اور پوچھا:

''موصل کی حکومت ہم سے کیا چاہتی ہے؟''

سفیر اپنی جیب سے مطالبات کی فہرست نکالنے لگا تو غلطی سے اس کے ہاتھ میں وہ رقعہ آ گیا جس پر موصل اور حلب کے مابین سلطان کے خلاف فوج کشی کا معاہدہ تحریر تھا۔ سفیر نے بے خیالی میں وہی رقعہ سلطان کے ہاتھ میں تھما دیا۔ سلطان نے اسے کھول کر دیکھا تو چونک گئے، انہوں نے ایک ہی نظر میں اسے پڑھ لیا اور اسے سفیر کو واپس کرتے ہوئے کہا:

''اصل دستاویز کی جگہ تم نے مجھے کوئی اور چیز دے دی ہے۔''

اب سفیر کی نظر رقعے پر پڑی تو وہ لرز گیا۔ اس سے بہت بھاری غلطی ہو گئی تھی مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ سلطان ان کے تمام کرتوتوں سے آگاہ ہو چکے تھے، سفیر سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

[1] کتاب الروضتین: 2/200

سلطان نے کہا:

”اہل حلب، موصل والوں سے کیوں کر معاہدہ کر سکتے ہیں جبکہ وہ ہمیں قسم دے چکے ہیں کہ وہ آئندہ ہمیں اعتماد میں لیے بغیر اور ہماری اجازت کے بنا کسی سے معاہدہ نہیں کریں گے۔“

چوں کہ اس بات کے پھیل جانے سے خود سفیر پر بہت بڑی اُفتاد آسکتی تھی اس لیے سلطان نے اس راز کو اپنے تک ہی محدود رکھا اور سفیر کو خاموشی سے رخصت کر دیا۔ ①

بہر کیف صلح ختم ہو چکی تھی۔ سلطان ایوبی اقتدار کی جن جنگوں سے بچنا چاہتے تھے وہ بار بار ان پر مسلط کی جا رہی تھیں۔ یہ بات یقینی تھی کہ اب حلب اور موصل کی مشترکہ فوجوں سے سخت معرکے کا وقت قریب تھا۔ سلطان نے مصر میں اپنے نائب بھائی الملک العادل کو لکھ بھیجا کہ وہ شعبان تک امدادی دستے دمشق روانہ کر دے۔ ②

اس کے ساتھ ہی انہوں نے خلیفہ مستضیٔ کو خطوط لکھ کر حلب اور موصل والوں کے پختہ معاہدوں اور اور پھر اچانک بدعہدی سے آگاہ کیا اور درخواست کی کہ وہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کریں ورنہ مسلمانوں میں خونریزی ہوتی رہے گی۔ سلطان نے خلیفہ کو فرنگیوں کے خطرے سے بھی خبردار کیا اور عاقبت نااندیش مسلمانوں اور فرنگیوں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا:

”مجھے دو دشمنوں نے گھیر رکھا ہے۔ ایک دشمن تو وہ مسلمان ہیں جو اسلام کا صرف نام لیتے ہیں اور اسلام کی حفاظت کی ذمہ داری قبول نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کافر صلیبی ہیں جن کے شہر مسلمانوں کے شہروں سے پیوست ہو چکے ہیں اور جن کی افواج کی دھمک سنائی دے رہی ہے۔“

سلطان نے اس مراسلے میں خلیفۃ المسلمین سے التجا کی کہ وہ مسلم حکام کو ان کی اعانت پر آمادہ کریں۔ انہوں نے لکھا:

”آپ اطراف و جوانب کے تمام مسلمان حکمرانوں کو لکھیے کہ وہ مشرکین کے مقابلے میں اس غلام کے مددگار بن جائیں اور اپنے نبی ﷺ کے امر کی تعمیل کرتے ہوئے ایک عمارت کی مانند بن جائیں۔ یہ غلام جدوجہد کرے تو وہ تقویت دیں، پکارے تو وہ لبیک کہتے ہوئے چلے آئیں۔ وہ بیت المقدس کی فتح میں شرکت سے کنارہ کش نہ ہوں کہ اس مقام کی آزادی سے دلوں کی خوشی وابستہ ہے اور اس سے محرومی نے ہمارے سر شرم سے جھکا رکھے ہیں۔ مسلمان ایسے سنگ دل کیسے ہو گئے کہ صخرہ کی یاد میں ان کے دل نہیں پگھلتے۔ ان کے حوصلے اتنے پست کیسے ہو گئے کہ وہ مسجد

① کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 2/305 ② کتاب الروضتین: 2/305

اقصیٰ کو شرک کی نجاست سے پاک کرنے کی ہمت نہیں کرتے۔ اگر ان کے عزائم جواب دے گئے ہیں اور وہ اللہ کے معاملے میں ملامت گروں کی ملامت سے ڈرنے لگے ہیں تو کم از کم میری مخالفت تو نہ کریں۔ میرے عزائم میں رکاوٹ تو نہ بنیں اور مجھے ایذائیں دینے کے درپے تو نہ ہوں۔''[1]

موصل اور حلب کی مشترکہ مہم: موسم سرما ختم ہوتے ہی سیف الدین نے سلطان کے خلاف لشکر کشی کی تیاری شروع کردی۔ اس بار وہ اپنے بڑے بھائی عماد الدین کو جو سنجار کا حاکم تھا اپنے ساتھ ملا لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ماردین کا قلعہ دار اور کچھ دیگر امراء بھی اس کے ساتھ مہم میں شریک ہو گئے۔ موسم بہار میں اتحادی فوجیں حلب پہنچیں، حلب کی فوج کی شمولیت سے لشکر کی مجموعی تعداد بیس ہزار گھڑسواروں تک پہنچ گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے شام کے فرنگی حکام سے بھی رابطے کر کے بوقت ضرورت ان سے تعاون کا وعدہ لے لیا تھا۔ ان سے تعلقات بہتر بنانے کی خاطر حلب کے قید خانے میں نورالدین زنگی کے زمانے میں قید کیے گئے کچھ اور بڑے عیسائی سردار اور نائٹ بھی آزاد کر دیے گئے جن میں کرک کا بدفطرت حاکم ریجی نالڈ (ارناط) اور جوسلین قابل ذکر ہیں۔ ان سے وعدہ لیا گیا کہ وہ سلطان کے خلاف اتحادی فوجوں سے تعاون کریں گے۔[2]

عیدالفطر کے دن سلطان صلاح الدین ایوبی کو خبر ملی کہ سیف الدین زبردست تیاریوں کے ساتھ دمشق کی طرف آرہا ہے اور تل السلطان کے علاقے تک پہنچ چکا ہے۔ یہ اطلاعات بھی مل گئی تھیں کہ فرنگیوں نے دشمن کو کمک پہنچانے کا وعدہ کیا ہے۔ سلطان نے اب تاخیر نقصان دہ سمجھی اور مقابلے کے لیے روانہ ہو گئے۔ مصر سے ان کی امدادی فوج نہ پہنچنے کی وجہ سے ان کے سپاہیوں کی موجودہ تعداد چھ ہزار سے زائد نہ تھی۔ شیزر کے قریب دریائے عاصی عبور کرنے کے بعد سلطان نے اپنی فوج کو از سر نو مرتب کیا، دشمن سے اسی علاقے میں مڈبھیڑ کا قوی امکان تھا، زائد سامان حماۃ بھیج دیا گیا اور دشمن کی طرف پیش قدمی جاری رہی۔[3]

تل السلطان کا معرکہ: 9 شوال 571ھ (21/اپریل 1176ء) کو سلطانی لشکر تل السلطان کے قریب جباب الترکمان کے مقام پر پہنچا۔ حلب یہاں سے صرف پندرہ میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ عصر کا وقت تھا۔ سلطان کے سپاہی سخت تھکے ماندے اور تشنہ لب تھے۔ ان کے جانور بھی پیاسے تھے لہٰذا وہ پانی کی تلاش میں ادھر ادھر بکھر گئے۔ خود سلطان ایک دستے کے ساتھ میدان میں رہ گئے۔ تھکن سے ان کی حالت بھی غیر ہو رہی تھی۔ وہ سب سستانے کے لیے وہیں لیٹ گئے اور بے سدھ ہو گئے۔

[1] کتاب الروضتین: 2/397 [2] کتاب الروضتین: 2/400 [3] کتاب الروضتین: 2/399، 400

ان کے وہاں پہنچنے سے قبل سیف الدین کا لشکر میدان کے دوسرے کنارے، پر پہنچ چکا تھا۔سیف الدین نے سلطان اور ان کے ساتھیوں کی خستہ حالی دیکھ کر موقع غنیمت سمجھا اور فوج کو آگے بڑھ کر حملہ کرنے کا اشارہ کیا مگر اس کے دست راست امیر زلفندار نے ڈھلتے ہوئے سورج کی طرف دیکھ کر کہا: ''ہمیں اس باغی سے ایسے وقت میں لڑنے کی کیا ضرورت ہے۔کل صبح کی روشنی میں ہم ان سب کو آسانی سے پکڑ لیں گے۔''

لڑائی کل صبح پر موقوف ہوگئی۔اگر سیف الدین حملہ کر دیتا تو شاید میدان مار لیتا کیوں کہ سلطان کے تھکے ہارے مٹھی بھر سپاہی یقیناً کسی سخت مزاحمت کے قابل نہیں تھے مگر صبح تک موقع مل جانے سے انہوں نے اپنی حالت درست کر لی، پیاسے سپاہی اور گھوڑے سیراب ہو گئے، رات بھر آرام کرنے سے وہ صبح سویرے بالکل تازہ دم تھے۔سلطان نے منظم انداز میں صف بندی کی اور صبح سویرے دونوں فوجوں میں زوردار تصادم ہوا۔

سیف الدین کی فوج کے دائیں بازو کا کمانڈر مظفر کوکبری ابن زین الدین فنون حرب کا ماہر تھا۔اس نے صلاح الدین ایوبی کے بائیں بازو پر اس شدت کا حملہ کیا کہ وہاں کے سپاہیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ یہ دیکھ کر صلاح الدین ایوبی نے خود باقی ماندہ فوج کو نئے سرے سے منظم کر کے حریف پر ایک تباہ کن حملہ کیا، دشمن کے سپاہی اسے برداشت نہ کر سکے اور پیچھے ہٹنے لگے۔اس موقع پر سیف الدین کے کمانڈر زلفندار کا کردار ایک بار پھر عجیب نظر آتا ہے۔معلوم نہیں یہ شخص اندرون خانہ سلطان صلاح الدین کا حامی تھا یا پرلے درجے کا کم عقل۔ اس پہاڑی غیر ہموار علاقے میں اس نے لشکر کے علمبرداروں کو نشیبی زمین میں کھڑا کیا تھا جنہیں قریب سے تو دیکھا جا سکتا تھا مگر ذرا دور نکل کر کسی سپاہی کو پتا نہیں چلتا تھا کہ علمبردار کدھر ہے؟ چنانچہ جب سلطان کے حملے کے بعد دشمن کے سپاہی تھوڑا سا پیچھے ہٹے تو انہیں اپنا کوئی پرچم نظر نہ آیا۔بس وہ یہی سمجھے کہ لشکر کی قیادت فرار ہوگئی ہے، چنانچہ پورا لشکر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔اس مختصر سے معرکے میں اگرچہ شدت کی لڑائی ہوئی تھی اور بہت سے لوگ زخمی ہوئے تھے مگر حیرت انگیز طور پر صرف ایک آدمی قتل ہوا تھا۔سیف الدین کے بڑے بڑے امراء گرفتار ہو گئے تھے جن میں فخر الدین عبدالمسیح بھی شامل تھا۔یہ ایک نصرانی وزیر تھا جسے سیف الدین نے سلطنت کے کاروبار پر مسلط کر رکھا تھا۔

سلطان نے مفرورین کا تعاقب نہ کیا۔زخمیوں کو قتل کرنے کی اجازت بھی نہ دی بلکہ ان کے علاج معالجے کا انتظام کیا۔قیدیوں پر کوئی سختی نہ کی بلکہ نہایت فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے انہیں خلعتوں

سے نواز کر آزاد کر دیا۔ اس حسن سلوک سے انہوں نے بہت سے دشمنوں کے دل بھی جیت لیے۔ سیف الدین کی لشکر گاہ سے جو بے اندازہ مال غنیمت حاصل ہوا تھا وہ سب اپنے افسران اور سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ حریف کے پکے پکائے کھانوں سے فاتح لشکر کی ضیافت ہوئی۔ سلطان نے اپنی ذات کے لیے ایک دھیلا تک نہ لیا۔ جو کچھ ملا دوسروں پر لٹا دیا۔ سیف الدین کے لشکر سے بہت سی باندیاں بھی ملی تھیں، سلطان نے انہیں بحفاظت حلب واپس بھیجنے کا انتظام کر دیا۔ ❶

سیف الدین اس شکست کے بعد ایسا خوفزدہ ہوا کہ تل السلطان سے بھاگ کر اسی دن بزاعہ پہنچ کر دم لیا۔ پھر سیدھا حلب پہنچا۔ وہاں سے اپنا ساز و سامان اور خزانہ سمیٹ کر فوراً موصل کی طرف چلا گیا۔ موصل پہنچ کر بھی اسے یقین نہ تھا کہ وہ سلطان صلاح الدین سے بچ سکے گا۔ اس کا خیال تھا کہ سلطان کے سپاہی بہت جلد اس کے تعاقب میں پہنچ جائیں گے، چنانچہ وہ موصل چھوڑ کر پہاڑی علاقوں میں پناہ لینے کے بارے میں مشورے کرنے لگا۔

یہ محفوظ مشغلہ ہے سلطان ایوبی سیف الدین کو مزید خوفزدہ کرنے کا کوئی ارادہ نہ رکھتے تھے۔ انہوں نے فتح کے بعد سیف الدین کے خیموں میں چڑیوں، قمریوں اور طوطوں کے پنجرے بھی دیکھے تھے جو مال غنیمت میں شامل کر لیے گئے تھے، سیف الدین ان پرندوں سے دل بہلایا کرتا تھا۔ سلطان نے یہ پنجرے ایک امیر مظفر اقرع کے حوالے کیے اور اسے کہا:

"یہ پرندے سیف الدین کے پاس لے جاؤ۔ اسے میرا سلام کہو اور میری طرف سے یہ پیغام دو کہ ان پرندوں سے دل بہلایئے، جنگ کی سختیوں کی بہ نسبت یہ بڑا لذیذ اور محفوظ مشغلہ ہے جو آپ کو دوبارہ ایسے خطرے میں نہیں ڈالے گا۔" ❷

سیف الدین کی لشکر گاہ میں موسیقی کے آلات بھی کثرت سے بکھرے ہوئے نظر آئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہاں کسی فوج کا معسکر نہیں، گویوں اور سازندوں کی بزم سجائی گئی تھی۔ سیف الدین سو سے زائد گلوکارائیں ساتھ ساتھ رکھتا تھا۔ یہ ساز و سامان انہی کا تھا۔ یہ گلوکارائیں بھی گرفتار کر لی گئی تھیں۔ سلطان نے عبرت کے طور پر اپنے سپاہیوں کو راگ رنگ کے یہ شیطانی آلات دکھائے اور اس قصے میں پڑنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی کیوں کہ موسیقی کی تانوں میں کھو جانے والے کبھی اچھے شمشیر زن ثابت نہیں ہوتے۔ سلطان نے ان تمام گلوکاراؤں کو کھیل تماشوں اور موسیقی کے آلات سمیت موصل واپس

---

❶ کتاب الروضتین: 2/393 و ابن اثیر: 7/250

❷ کتاب الروضتین: 2/400، المختصر فی اخبار البشر: تحت 571ھ

بھجوا دیا تھا اور قاصد سے کہا:

''اپنے آقا سے کہنا کہ یہ چیزیں تمہیں رکوع اور سجدوں سے زیادہ محبوب ہیں۔''[1]

آ تجھے بتاؤں میں تقدیر اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل، طاؤس و رباب آخر

ملحوظہ: لین پول نے اس جنگ میں سلطان کے سپاہیوں کی تعداد ساٹھ ہزار بتائی ہے جو بالکل خلاف واقعہ ہے۔ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ سلطان کے پاس اس جنگ میں فقط صرف چھ ہزار آدمی تھے۔[2]

---

1. کتاب الروضتین: 2/400، بیان حوادث 571ھ
2. کتاب الروضتین: 2/395_400، الکامل: 7/259_26

فصل:5

معاہدۂ حلب اور باطنیوں سے تصادم

سلطان صلاح الدین ایوبی کے لیے حلب پر قبضہ ناگزیر تھا، مگر حلب تر نوالہ نہیں تھا۔ اس لیے سلطان نے کہا:

''میرا خیال ہے کہ ہم پہلے حلب کے اردگرد کے قلعوں، راستوں اور ناکوں پر قبضہ کریں، اس طرح حلب کی قوت کمزور ہو جائے گی اور وہاں قبضہ کرنا آسان ہو جائے گا۔''

امراء نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ ❶

<u>بزاعہ اور منبج کی فتح</u> ☆ سلطانی لشکر نے تیزی سے حلب کے نواح میں وادی بطنان کا رخ کیا اور وہاں بزاعہ کے قلعے کو گھیر لیا۔ قلعہ لڑائی بھڑائی کے بغیر 22 شوال 571ھ (4 مئی 1176ء) کو فتح ہو گیا۔ اگلا نشانہ منبج تھا جس کا حاکم ینال بن حسان مصر کی فتح میں شیرکوہ کا سالار رہا تھا۔ دمشق پر صلاح الدین کے قبضے کے وقت اس نے انہیں سخت الفاظ میں دھمکایا تھا۔ وہ سلطان کو اپنا بدترین دشمن تصور کرتا تھا اور دوسرے امراء کو بھی سلطان کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا۔ اس نے سپاہیوں کی بڑی تعداد کے ساتھ اسلحے اور خوراک کے بڑے بڑے ذخائر جمع کر کے مقابلے کی ٹھان رکھی تھی۔ سلطان نے شہر پر آسانی سے قبضہ کر لیا مگر قلعہ دار قلعے کے دروازے بند کر چکا تھا، سلطان نے سختی سے محاصرہ کر لیا۔ یہاں نقب لگانے والے ماہرین نے کام دکھایا اور فصیل میں داخل ہو گئے۔

29 شوال 571ھ (11 مئی 1176ء) کو ''منبج'' کا قلعہ بھی سر ہو چکا تھا۔ ینال بن حسان نے جو بے پناہ مال و دولت جمع کر رکھا تھا وہ سب مال غنیمت کے طور پر لوٹ لیا گیا، وہ خود گرفتار ہوا۔ سلطان نے اس کی بدخوئی اور بے ادبی کے باوجود نہایت شرافت کا ثبوت دیتے ہوئے اسے اپنے ہاں ملازمت کی پیش کش کی مگر اس نے انکار کر دیا۔ سلطان نے اسے آزاد کر دیا اور وہ سیف الدین کے پاس موصل چلا گیا۔ ❷

❶ کتاب الروضتین: 2/405، البدایہ والنہایہ: 7/816

❷ الکامل فی التاریخ: 7/260، کتاب الروضتین: 2/405

وہ یوسف تو میں ہوں ❁ جنگ میں جو نقد دولت ہاتھ آئی وہ تین لاکھ دینار سے کم نہ تھی۔ کپڑوں، چاندی کے برتنوں، اسلحے اور دیگر قیمتی سامان کی مالیت بیس لاکھ دینار کے لگ بھگ تھی۔ اس موقع پر ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ سلطان نے مالِ غنیمت میں ہاتھ لگنے والے بہت سے برتنوں اور صندوقوں پر "یوسف" لکھا دیکھا تو اس کے بارے میں پوچھا۔ بتایا گیا:

"یہ قلعہ دار کا بیٹا یوسف ہے، قلعہ دار کو اسے بڑی محبت ہے۔ اسی کے لیے وہ اتنا مال جمع کرتا رہا۔"

سلطان نے مزاح کے طور پر کہا:

"نہیں، وہ یوسف میں ہوں جس کے لیے یہ سب کچھ جمع کیا گیا، تو میں نے اپنے لیے جمع کردہ مال پالیا۔"

یہ سن کر سب مسکرا دیے۔ سلطان نے یہ خوش طبعی کے طور پر کہا تھا ورنہ وہ مالِ غنیمت کو ہمیشہ سپاہ اور رعایا کا حق سمجھتے تھے۔ ❶

عزاز کا محاصرہ ❁ سلطان صلاح الدین ایوبی کا اگلا حملہ "عزاز" کے سنگین قلعے پر تھا جو حلب کے شمال میں عیسائی ریاستوں کی سرحد پر شام کے مسلمانوں کا آخری بڑا مورچہ تھا۔ اس پر قبضے کے بعد حلب کو اپنے عیسائی حلیفوں کی امداد نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اس لیے یہ شہر اور قلعہ بے حد اہم تھا۔ عزاز کا محاصرہ 3 ذی القعدہ 571ھ (14 مئی 1176ء) کو شروع ہوا مگر قلعے کی بلندی کے باعث اس پر قبضہ نہایت مشکل تھا۔ زبردست لڑائی ہوتی رہی اور فریقین کو خاصا جانی و مالی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ اِدھر حلب میں غیر معمولی تشویش پھیل چکی تھی۔ امرائے حلب کو ڈر تھا کہ عزاز کے بعد سلطان سیدھا حلب کا رخ کرے گا اور تب انہیں کسی گوشے سے کوئی کمک نہیں پہنچ سکے گی۔ اس صورتحال کے پیشِ نظر انہوں نے سلطان کی خیمہ گاہ پر تیز رفتار گھڑسوار دستوں کے ذریعے چھاپوں کا سلسلہ شروع کر دیا جس سے سلطان کی فوج کو خاصی پریشانی اٹھانا پڑی۔ یہ خطرہ بھی تھا کہ حلب والے عیسائی حکام کو ان کے خلاف کارروائی پر اکسا سکتے ہیں اس لیے وہ جلد از جلد قلعہ فتح کر لینا چاہتے تھے۔

باطنیوں کا سلطان پر قاتلانہ حملہ ❁ محاصرے کے دوران ایک نہایت لرزہ خیز واقعہ پیش آیا۔ کچھ عرصے قبل حلب کے امراء بدنامِ زمانہ باطنی جماعت کے ذریعے سلطان پر ناکام قاتلانہ حملہ کرا چکے تھے۔ عزاز کے محاصرے کے دوران انہوں نے ایک بار پھر باطنیوں کے پیشوا شیخ سنان کو حملے کے لیے

❶ کتاب الروضتین: 405/2

اکسایا اور اس سے ایک خطیر رقم کا وعدہ کیا، چنانچہ شیخ سنان نے چند فدائیوں کو سلطان کی طرف روانہ کر دیا۔ یہ فدائی سپاہیانہ لباس میں سلطان کی فوج سے ایسی حالت میں آملے جب کہ جنگ جاری تھی اور ہر آنے جانے والے کی چھان پھٹک کرنا مشکل تھا۔ فدائیوں نے سلطان کے سپاہیوں میں شامل ہو کر جنگ میں بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور بہت سے سپاہیوں کو اپنا دوست بنالیا۔ اس طرح وہ جلد ہی سلطان کے قریب رہنے والے سپاہیوں میں گھل مل گئے۔

وہ سلطان پر حملے کے لیے موقعے کی تلاش میں رہے۔ ایک دن انہیں موقع مل گیا۔ محاصرے کے دوران سلطان نے عزاز کی فصیلوں میں شگاف ڈالنے کے لیے قلعہ شکن آلات اور منجنیقیں نصب کرادی تھیں۔ سلطان کے امیر جاولی الاسدی کا خیمہ منجنیقوں کے قریب تھا، یہاں سے محاذ جنگ کو اچھی طرح دیکھا جاسکتا تھا اس لیے سلطان کبھی کبھی وہیں بیٹھ جاتے تاکہ منجنیقوں کی کارکردگی کا مشاہدہ کر سکیں۔ یہاں وہ افسران کو ہدایات دیتے اور سپاہیوں کی ہمت بندھاتے۔ اس طرح یہ جگہ ان کی عارضی نشست گاہ بن گئی تھی۔ فدائی سلطان کے معمولات کی نگرانی کر رہے تھے، انہیں حملے کے لیے یہی مقام پسند آگیا۔

11 ذی القعدہ 571ھ (22 مئی 1176ء) کی گرم دوپہر میں سلطان امیر جاولی کے خیمے میں بیٹھے محاذ کا نظارہ کر رہے تھے کہ اچانک ایک فدائی خنجر لہراتا ہوا ان پر حملہ آور ہو گیا۔ اس وقت سلطان بیٹھے ہوئے تھے، اس لیے وہ ان کے پیٹ یا سینے کو نشانہ نہیں بنا سکتا تھا، اس مقصد کے لیے فدائی کو جھکنا یا بیٹھنا پڑتا جبکہ اتنا وقت نہیں تھا لہٰذا اس نے تیزی سے سلطان کے سر پر وار کیا۔ خنجر کا فولادی پھل اتنا تیز دھار تھا کہ کھوپڑی کے اندر اتر سکتا تھا مگر سلطان نے ٹوپی کے نیچے لوہے کا خود
(ہیلمٹ) پہن رکھا تھا۔ باطنیوں کے پہلے قاتلانہ حملے کے بعد انہوں نے یہ احتیاط شروع کر دی تھی کہ کبھی خود اور زرہ پہنے بغیر باہر نہیں نکلتے تھے چنانچہ یہ احتیاط کام آگئی، خنجر کا بھرپور وار بھی کارگر ثابت نہ ہوا۔ جوں ہی فدائی نے محسوس کیا کہ اس کا خنجر سلطان کی ٹوپی تلے کسی سخت شے سے ٹکرا کر اُچٹ گیا ہے، اس نے پینترا بدل کر دوسرا وار سلطان کے چہرے پر کر دیا جو خوش قسمتی سے سیدھا نہ لگا اور سلطان کے رخسار کو چھیلتا ہوا نکل گیا۔ سلطان کا چہرہ خون سے تر ہو گیا۔ اب فدائی جنونی انداز میں سلطان پر ٹوٹ پڑا اور انہیں زمین پر گرا کر سینے پر سوار ہو گیا، اس کا خنجر سلطان کے حلق کی طرف اس تیزی سے آیا جیسے بجلی کوندتی ہو۔ وہ سلطان کو ذبح کر دینا چاہتا تھا مگر سلطان نے پورے ہوش و حواس سے کام لیتے ہوئے ایک بازو سے حلقہ بنا کر حملہ آور کے سر کو دبوچا اور دوسرے ہاتھ سے اس کا خنجر والا ہاتھ پکڑ لیا۔ تاہم فدائی پوری طاقت لگا کر سلطان کی مزاحمت کے باوجود اپنا خنجر ان کے گلے تک لے آیا مگر سلطان نے

قزاگند پہنی ہوئی تھی۔ یہ دوہرا ریشمی لباس تیز دھار اسلحے سے حفاظت کے لیے پہنا جاتا تھا۔ تلوار اور خنجر اس پر لگ کر پھسل جاتے تھے اور وار او چھا پڑتا تھا۔ فقہاء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا تھا۔ سلطان کی قزاگند پر بھی باطنی کا خنجر کامیابی سے نہ چل سکا۔ قزاگند کے کالر تو کٹ گئے مگر سلطان کو اللہ تعالیٰ نے بال بال بچالیا۔ گردن پر خراش تک نہ آئی۔

اگر چہ اس وقت سلطان کے ساتھ دو چار آدمی موجود تھے مگر یہ حملہ اتنا اچانک اور دہشت ناک تھا کہ ان کے دماغ ماؤف ہو گئے اور وہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ باطنی کا یہ حملہ، سلطان کی مزاحمت اور اس بد بخت کے پے در پے وار...... یہ سب کچھ چند لمحوں میں ہو گیا۔

خوش قسمتی سے خیمے میں ہل چل محسوس ہوتے ہی سلطان کا ایک بیدار مغز امیر "بازکش" اندر آ گیا جس نے کسی تردد کے بغیر باطنی کے خنجر کا پھل اپنے ہاتھ سے تھام لیا، باطنی نے وار کر کے اسے بھی زخمی کر دیا۔ اس کے باوجود اس نے خنجر پر اپنی گرفت کمزور نہ ہونے دی اگر چہ اس کا ہاتھ لہولہان ہو گیا۔ اتنے میں سلطان کا ایک اور وفادار افسر سیف الدین یازکوج وہاں پہنچ گیا۔ اس نے فوراً تلوار کا وار کر کے اس بد بخت کو جہنم رسید کر دیا۔

اس کے گرتے ہی ایک اور فدائی دوڑتا ہوا آیا۔ وہ سلطان پر جھپٹنا چاہتا ہی تھا کہ امیر داؤد بن منکلان اس کے سامنے دیوار بن کر کھڑا ہو گیا۔ باطنی نے امیر داؤد کے پہلو پر وار کیا اور پھر خنجر اس کی پیشانی میں اتار دیا، داؤد نے گرتے گرتے جوابی حملہ کیا اور فدائی کو وہیں مار گرایا۔ (داؤد اس زخم کی وجہ سے تیسرے دن شہید ہو گیا)

اسی لمحے ایک تیسرا فدائی کسی گوشے سے لپکا۔ سلطان کے سپاہی اب پوری طرح چوکس تھے۔ امیر علی بن ابی الفوارس نے بڑی مہارت سے پشت کی جانب سے اس کے دونوں بازوؤں کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر اسے اس طرح جکڑ لیا کہ حملہ آور کے دونوں ہاتھ ہوا میں بلند ہو گئے۔ اب صورتحال یہ تھی کہ علی بن ابی الفوارس اس سے لپٹا ہوا تھا اور باطنی خود کو چھڑانے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ سلطان کے دوسرے افسران اور محافظ جو موقع پر پہنچ چکے تھے، علی کے زخمی ہو جانے کے خدشے سے باطنی پر حملہ کرنے سے ہچکچا رہے تھے۔ ادھر علی کو خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ باطنی کسی بھی لمحے اس کی گرفت سے نکل جائے گا۔ موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے وہ چلایا: "اسے مار ڈالو اور اس کے ساتھ مجھے بھی۔ یہ میرے قابو سے نکلا جا رہا ہے۔" اتنے میں سلطان کا چچازاد ناصر الدین بن شیرکوہ بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ اس نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے سامنے آ کر تلوار کی نوک باطنی کے پیٹ میں گھسا دی اور اسے اس تیزی

مگر احتیاط کے ساتھ حرکت دی کہ باطنی کی آنتیں کٹ گئیں اور وہ بے جان ہو کر گر پڑا جبکہ علی بن ابی الفوارس بالکل محفوظ رہا۔

اتنی دیر میں ایک چوتھا فدائی بھی خیمے میں گھس چکا تھا۔ جب اس نے کارروائی کا راستہ بالکل مسدود دیکھا تو الٹے پاؤں واپس دوڑا، مگر سلطان کے ماموں شہاب الدین حارمی نے اس کا راستہ روک لیا۔ وہ پلٹ کر دوسری سمت بھاگا لیکن دوسرے سپاہیوں نے اسے راستے میں پکڑ لیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

ہنگامہ ختم ہو چکا تھا۔ سلطان صلاح الدین نے اس غیر محفوظ خیمے کو فوراً چھوڑ دیا۔ وہ باہر نکلے تو ان کے گال سے بہنے والا خون چہرے کو سرخ کر چکا تھا۔ خنجر کی دھار سے قزاگند کے کٹنے والے کالر گواہی دے رہے تھے کہ موت انہیں کس قدر نزدیک سے چھو کر گزری ہے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی قنات کی طرف آئے۔ انہوں نے اس سے قبل کبھی اپنی ذاتی حفاظت کے لیے غیر معمولی انتظامات نہیں کیے تھے مگر اب جبکہ ان پر دو قاتلانہ حملے ہو چکے تھے مزید بے احتیاطی کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔ ❶

نئے حفاظتی انتظامات کے تحت سلطان کے خیمے کے گرد لکڑی کا ایک احاطہ بنا کر سخت پہرہ لگا دیا گیا، کسی انجان آدمی کے سلطان کے قریب سے گزرنے پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ سیکورٹی اہلکار اب ہر وقت سلطان کے ارد گرد موجود رہتے۔ سلطان اگر گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں نکلتے تو کسی اجنبی کو ان کے پاس نہ آنے دیا جاتا۔ ہاں اگر وہ شخص اپنی شناخت کرا کر مطمئن کر دیتا تو پھر ملاقات کی اجازت مل جاتی۔ ❷

عزاز پر قبضہ: فدائیوں کے ہولناک حملے کے بعد اس دن جنگ بند رہی۔ سلطان کے زخمی ہونے کی خبر پوری فوج میں پھیل چکی تھی۔ سپاہیوں پر ایک اضطراب کی کیفیت طاری تھی۔ وہ اپنے محبوب رہنما کی خیریت جاننا چاہتے تھے۔ انہیں مطمئن کرنے کے لیے سلطان نے محافظوں کے حصار میں باہر نکل کر لشکر کا چکر لگایا، تب کہیں جا کر لشکر گاہ کی فضا پرسکون ہوئی۔ باطنیوں کے اس حملے نے سلطان کے عزائم میں کوئی رخنہ پیدا نہیں کیا۔ عزاز کا محاصرہ جاری رہا۔ آخر 37 بعد 11 ذی الحجہ 571ھ (20 جون 1176ء) کو اہل قلعہ نے ہتھیار ڈال کر امان کی درخواست کی۔ قلعے پر قبضے کے بعد سلطان نے اپنے بھتیجے تقی الدین عمر کو اس کا نگران بنایا۔ ❸

صلح نامہ حلب اور گمشتگین کی چال: سلطان صلاح الدین ایوبی کو یقین تھا کہ باطنیوں کے ان حملوں کے پیچھے امرائے حلب خصوصاً گمشتگین کا ہاتھ ہے لہٰذا اب حلب پر حملے میں دیر نہیں کی جا سکتی

❶ البدایۃ والنہایۃ: تحت 571ھ، الکامل فی التاریخ: تحت 571ھ، کتاب الروضتین: 2/419، 425
❷ کتاب الروضتین: 571ھ، فصل [illegible]
❸ الکامل فی التاریخ: 7/261، کتاب الروضتین: 2/409، 412

تھی۔عزاز کی مہم سے فارغ ہوتے ہی سلطانی فوجیں حلب کے سامنے جا پہنچیں اور محاصرہ کرلیا۔سلطان نے فوج کو شہر کی فصیل کے قریب لانے کی کوشش نہیں کی بلکہ وہ جنگ سے گریز کرتے ہوئے محاصرے کو سخت سے سخت تر کرتے چلے گئے اسی دوران 571ھ گزر گیا اور نیا ہجری سال 572ھ شروع ہوگیا۔

جب سلطان نے عزاز کو فتح کیا تو گمش تگین سمجھا کہ اب سلطان اس کے قلعے حارم کا محاصرہ بھی کرے گا۔گمش تگین خود حلب میں رہا کرتا تھا مگر اس وقت سلطان کی یلغار کے خطرے کے پیش نظر وہ دفاعی انتظامات کے لیے حارم چلا گیا اور مورچہ بندی کرنے لگا مگر اس کے خیال کے برخلاف سلطان نے عزاز سے کوچ کرکے سیدھا حلب کا محاصرہ کرلیا۔یوں گمش تگین حلب سے باہر رہ گیا۔اب وہ بڑا سٹپٹایا۔اسے اندیشہ تھا کہ اس جنگ کی انتہاء اہل حلب اور سلطان کے درمیان صلح کی شکل میں ہوگی اور اگر صلح کا معاہدہ اس کی عدم موجودگی میں طے ہوا، تو اسے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا اور سونے کا پرندہ الملک الصالح بھی اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔چنانچہ اس نے کسی نہ کسی طرح حلب میں داخلے کی تدبیر سوچنا شروع کردی۔اس کے لیے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ ایوبی فوج کے گھیرے سے گزر کر حلب کیسے جائے۔آخر اس نے براہ راست سلطان کو خط لکھا کہ آپ مجھے حلب جانے دیں، میں آپ کی مرضی کے مطابق صلح کرادوں گا۔دوسری طرف الملک الصالح اور امرائے حلب کو لکھا کہ مجھے کچھ باتیں معلوم ہوئی ہیں جو خط میں بیان نہیں کی جاسکتیں، آپ کے لیے ضروری ہے کہ سلطان سے کہہ کر میرے حلب آنے کا انتظام کریں۔چنانچہ امرائے حلب نے سلطان سے گمش تگین کو حلب میں داخلے کا موقع دینے کی درخواست کی۔سلطان نے بخوشی اجازت دے دی تاکہ جلد از جلد یہ قضیہ نمٹ سکے۔اب اس بات کی ضمانت کے لیے کہ گمش تگین کو محاصرے سے گزرتے ہوئے گرفتار نہیں کیا جائے گا، ضامن طے کیے گئے۔سلطان نے شیخ عماد اصفہانی اور شمس الدین ابی المضاء کو ضامن بنا کر حلب بھیج دیا۔ادھر سے ایک امیر نصرۃ الدین زنگی کو ضامن بنا کر سلطان کے معسکر میں بھیجا گیا۔

جب شیخ عماد اور ابی المضاء حلب پہنچے تو ان سے اجنبیوں کا سا برتاؤ کیا گیا۔شیخ عماد نے واپس آکر بتایا:

''ہم شہر پہنچے تو ہمیں رہنے کے لیے ایک تاریک کوٹھری دی گئی جس میں چراغ تک نہ تھا۔ ہمارے نوکر ہم سے الگ کردیے گئے۔ہمیں کھانے کو بھی نہ پوچھا گیا۔اسی شب گمش تگین شہر میں داخل ہوگیا۔صبح کو ہم دونوں الملک الصالح کے دربار میں گئے۔وہاں عدل ابن عجمی نے گفتگو شروع کی مگر میری طرف جان بوجھ کر توجہ نہ دی۔گویا کوئی ہمیں دیکھتا ہی نہ تھا۔''

کاتب عماد نے واپس آکر ماجرا بیان کیا تو یہ ظاہر ہوا کہ اس سارے کھیل کا مقصد صرف گمش تگین کو اندر داخل کرنے موقع دینا تھا۔ [1]

بہرکیف ایک ماہ گزرنے کے بعد اہل شہر محاصرے سے عاجز آکر صلح کی درخواست پر مجبور ہوگئے۔ اب دونوں طرف سے قاصدوں کی آمدورفت شروع ہوئی اور آخر 20 محرم 572ھ (29 جولائی 1176ء) کو صلح نامہ ہوگیا۔ اس میں درج ذیل امور طے کیے گئے۔

- سلطان صلاح الدین حماۃ سے لے کر مصر تک اپنے علاقوں کے خودمختار حکمران رہیں گے۔
- الملک الصالح حلب اور اس کے ملحقہ علاقوں کا حاکم رہے گا۔
- اس پر لازم ہوگا کہ وہ ابن دایہ اور اس کی اولاد کو قید سے رہا کردے۔ [2]

اِس صلح میں الملک الصالح کے دیگر حامی حکمران یعنی حاکم موصل سیف الدین غازی، حاکم ماردین اور حاکم کیفا بھی شامل ہوگئے۔ [3]

ہم نے سنا اور مانا! جب صلاح الدین ایوبی حلب سے واپس جانے لگے تو الملک الصالح نے اپنی چھوٹی بہن خاتون بنت نورالدین کو سلطان کی خدمت میں بھیجا۔ اسے پہلے یہ سکھا دیا گیا تھا کہ سلطان تمہیں کوئی تحفہ دینا چاہے تو تم عزاز کا قلعہ مانگنا۔ یہ بچی سلطان کی بارگاہ میں آئی تو سلطان ایوبی اسے دیکھتے ہی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، دستور کے مطابق زمین کو بوسہ دیا اور اپنے آقائے ولی نعمت سلطان نورالدین زنگی کو یاد کر کے رو پڑے۔ انہوں نے اپنی آقازادی کو بے شمار گراں قدر تحائف دیے اور پھر پوچھا: ''اور کچھ چاہیے؟'' وہ بولی: ''عزاز کا قلعہ......''

اگرچہ یہ قلعہ دفاعی لحاظ سے بہت ہی اہم تھا اور سلطان نے اسے بڑی مشکل سے حاصل کیا تھا، اس کی واپسی کا مطلب یہ تھا کہ حلب اور عیسائی ریاستوں کا رابطہ بحال کر دیا جائے مگر سلطان زبان دے چکے تھے۔ بلاتردد بولے: ''جو حکم۔ ہم نے سنا اور مانا'' بے پناہ تکالیف کے ساتھ مسخر کیا جانے والا قلعۂ عزاز اپنے تمام خزانوں، اسلحے اور خوراک کے ذخائر سمیت اس بچی کے حوالے کر دیا گیا۔ یوں عزاز دوبارہ حلب کی حکومت کے پاس چلا گیا۔ [4] ......سلطان کے اس طرز عمل سے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ ان حالات میں بھی ان کے دل میں زنگی خاندان کا کتنا احترام تھا۔

---

[1] کتاب الروضتین: 420/2
[2] کتاب الروضتین: 422/2
[3] ابن الاثیر: 261/7
[4] ابن الاثیر: 262/7، کتاب الروضتین: 421/2 تا 422

باطنیوں کے خلاف کارروائی ❋ صلح نامۂ حلب کے بعد سلطان کی سیاسی حیثیت مضبوط تر ہوگئی تھی۔ اگر صلح میں شریک تمام حکومتیں اپنے عہد و پیمان کی پابند رہتیں تو سلطان صلاح الدین ایوبی کو اپنے اصل مقصد کے لیے سازگار ماحول اور اچھا خاصا وقت میسر آ سکتا تھا۔ وہ اطمینان کے ساتھ فرنگیوں سے ایک طویل جنگ شروع کر سکتے تھے۔ انہیں یہ امید تو نہ تھی کہ موصل اور حلب فرنگیوں کے خلاف جہاد میں ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہو جائیں گے مگر صلح نامے کی موجودگی میں یہ خطرہ کم تھا کہ وہ سلطان کے خلاف نصرانیوں سے جا ملیں گے۔ کیوں کہ صلح نامے کی ایک شق یہ تھی کہ اگر معاہدے میں شامل کوئی حکمران خلاف ورزی کا مرتکب ہوا تو باقی تمام حکمران مل کر اس کے خلاف کارروائی کرنے کے مجاز ہوں گے۔[1]

اس سے قبل کہ سلطان فرنگیوں سے کسی صبر آزما جنگ کی ابتداء کرتے ایک بہت بڑے خطرے سے جان چھڑانا ضروری تھا۔ باطنیوں کا علاقائی شیخ الجبال سنان سلطان پر دو قاتلانہ حملے کروا چکا تھا۔ سلطان کو یہ تو اندازہ تھا کہ کوہستانی علاقے کی پیچیدہ گھاٹیوں اور ساحلوں کے مضبوط قلعوں میں مورچہ بند باطنی جماعت کا خاتمہ بہت مشکل ہے تاہم ان پر فی الحال استاد باؤ ڈالنا ضروری تھا کہ وہ آئندہ سلطان کے خلاف کوئی قدم اٹھاتے ہوئے ڈریں۔ جس دن حلب کا محاصرہ ختم ہوا، اسی دن سلطان نے باطنیوں کے پیشوا شیخ الجبال سنان کے خلاف کارروائی کے لیے کوچ کر دیا۔[2]

شیخ الجبال شام کی عیسائی ریاست طرابلس سے کچھ فاصلے پر مصیاف کے ساحلی علاقے میں مقیم تھا[3] ...... یہ علاقہ کوہستان انصاریہ کہلاتا تھا۔ اس قلعے سے دور دور تک کئی قلعوں اور بستیوں میں باطنیوں کی اجارہ داری تھی۔ اگرچہ باطنیوں کا عالمی مرکز ''الموت'' شام سے سینکڑوں کوس دور بحیرہ کیسپین کے کنارے واقع تھا مگر گزشتہ کئی برس سے وہ شام کے ساحلوں پر اپنا علاقائی مرکز قائم کر کے ایک وسیع علاقے پر باقاعدہ حکومت کر رہے تھے۔

سلطانی افواج باطنیوں کی اس دہشت گرد دنیا میں ایک طوفان کی طرح داخل ہوئیں اور ان کے مختلف ٹھکانوں کو اجاڑتی اور بستیوں پر قبضہ کرتی ہوئی ''مصیاف'' کے قلعے تک پہنچ گئیں۔ قلعے کا سختی سے محاصرہ کر لیا گیا اور منجنیقوں کے ذریعے سنگ باری شروع کر دی گئی۔[4]

شیخ الجبال کا ہاتھ آنا تو آسان نہ تھا تاہم محاصرہ طول کھینچتا تو مصیاف کا سرنگوں ہونا عین ممکن تھا لیکن اس دوران سلطان کو اطلاع ملی کہ نصرانیوں نے بعلبک اور دیگر اسلامی شہروں پر حملے شروع کر دیے

---

1. ابن اثیر: 7/262
2. ابن اثیر: 7/262، کتاب الروضتین: 2/422
3. ابن اثیر: 7/265، معجم البلدان: مصیات
4. ابن اثیر: 7/265

تھا۔ اس خبر سے سلطان کو تشویش ہوئی کہ کہیں ان کی غیر موجودگی میں عیسائی باقاعدہ فوج کشی کرکے کسی شہر پر قبضہ نہ کرلیں۔

مصیاف کا محاصرہ جاری تھا کہ بعلبک کے حاکم ابن المقدم کا نمائندہ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابن المقدم نے فرنگیوں سے سلطان کے شہروں کی مدافعت کرتے ہوئے دوسو فرنگی سپاہی گرفتار کرلیے تھے جنہیں یہ نمائندہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس سے سلطان کو جو حالات معلوم ہوئے ان کے تحت ''مصیاف'' کا محاصرہ زیادہ دنوں تک برقرار رکھنا خلافِ مصلحت تھا۔

اس دوران شیخ سنان سلطان صلاح الدین کے ماموں شہاب الدین حارمی سے جو حماۃ کا حاکم تھا، خط وکتابت کرکے اسے آمادہ کرچکا تھا کہ وہ سلطان سے محاصرہ ختم کردینے کی سفارش کرے۔ اس کے ساتھ سنان نے دھمکی بھی دی تھی کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو وہ سلطان، ان کے اہل وعیال اور تمام امراء کو اپنے فدائیوں کے ذریعے مروادے گا۔ شہاب الدین حارمی کی سنان سے پرانی جان پہچان تھی۔ وہ اس کی طبیعت اور ضد سے خوب واقف تھا۔ وہ حماۃ سے چل کر مصیاف پہنچا اور سلطان کو ساری اونچ نیچ سمجھائی اور شیخ الجبال کی دھمکی سے آگاہ کرکے محاصرہ ختم کرنے کی سفارش کی۔ یہ بات یقینی تھی کہ اگر قلعہ سر ہونے کے باوجود سنان بھاگ نکلتا تو سلطان کے سر پر ہمیشہ فدائیوں کا خطرہ منڈلاتا رہتا۔ صلح کرلی جاتی تو کچھ عرصے کے لیے ایک موذی دشمن سے بے فکری ہوجاتی۔ عام حالات میں شاید سلطان صلاح الدین ''مصیاف'' کو مسخر کیے بغیر واپس نہ جاتے مگر فرنگیوں کے بڑھتے ہوئے خطرے کے پیشِ نظر وہ پہلے ہی واپسی کا ارادہ کرچکے تھے۔ حارمی کی سفارش نے مزید وزن ڈالا، شیخ الجبال سے صلح کرلی گئی اور سلطانی افواج واپس روانہ ہوگئیں۔ [1]

<u>لین پول کی غلط بیانی</u>:۔ لین پول نے اس صلح کو مسلمانوں پر فدائیوں کی دہشت اور ان کے خنجروں سے سلطان کی بے پناہ مرعوبیت کا نتیجہ قرار دینے کی کوشش کی ہے اور اس موقع پر ایک بے سروپا کہانی نقل کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ شیخ الجبال سنان پراسرار قوتوں کا مالک تھا اور جب سلطان پر اس کی مافوق الفطرت قوتیں ظاہر ہوئیں تو اس نے گھبرا کر معافی مانگی اور اپنی جان بچا کر فوراً واپسی کا راستہ اختیار کیا۔ [2] حالانکہ ان باتوں کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ لین پول جیسے ممتاز یورپی مؤرخ کے قلم سے ایسی غیر محتاط روایات کا سامنے آنا نہ صرف مسلم فاتحین کے حقیقی مقام سے ان کی ناواقفیت کا ثبوت ہے بلکہ یہ اس تعصب کی بھی عکاسی کرتا ہے جس سے منصف مزاج مستشرقین بھی عموماً خالی نہیں ہوتے۔

---

[1] کتاب الروضتین: 423/2

[2] سوانح صلاح الدین، لین پول، ص 60

توران شاہ کی شام آمد: باطنیوں سے صلح کے معاہدے کے بعد سلطان کی حالت مزید مضبوط ہو گئی تھی۔ اب اس کا امکان کم تھا کہ مصر میں بچے کچے عبیدی شیعہ یا شام کے عیسائی فدائیوں سے سلطان کے خلاف مدد لے سکیں گے کیوں کہ باطنی عموماً اپنے معاہدوں کی پابندی کیا کرتے تھے۔

سلطان کے سپاہی ان طویل مہمات کے بعد شام میں اپنے مقبوضہ علاقوں کی طرف لوٹے تو گزشتہ کئی جنگوں کے مالِ غنیمت سے لدے پھندے تھے۔ اس سامان کو سنبھالنے اور لشکر کو آرام دینے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ سلطان نے سپاہیوں کو اپنے علاقوں میں واپس جانے کی رخصت دے دی۔ ❶

فرصت کے ان ایام میں سلطان خود حماۃ میں ٹھہر گئے۔ ان کا بڑا بھائی شمس الدولہ توران شاہ جو یمن کے اکثر علاقوں پر قبضہ کر چکا تھا ان سے ملنے چلا آیا۔ 2 صفر کو یہ دونوں بھائی حماۃ کے سامنے لشکر کی خیمہ گاہ میں مدتوں بعد ایک دوسرے سے ملے اور بغل گیر ہوئے۔ دونوں دیر تک ایک دوسرے کو اپنی اپنی مہمات کے حالات سناتے رہے۔

17 صفر 572ھ (24 اگست 1176ء) کو سلطان اپنے بھائی کے ساتھ دمشق پہنچے۔ اب وہ بے فکر ہو کر مصر واپس جا سکتے تھے کیوں کہ توران شاہ ان کی غیر موجودگی میں شام کا انتظام سنبھالنے کے لیے تیار تھا۔ سلطان نے دمشق کی جاگیریں اس کے حوالے کر کے مصر روانگی کی تیاری کی۔ ❷

سلطان کا بنت معین الدین انز سے نکاح: روانگی سے قبل سلطان صلاح الدین کی سخت کوش زندگی میں فرحت و مسرت کا ایک جھونکا آیا۔ دمشق کے قلعے میں عصمۃ الدین نامی ایک نہایت نیک سیرت شریف النسب خاتون رہائش پذیر تھی۔ اس کا باپ معین الدین انز اپنے زمانے میں دمشق کا سپہ سالار اور عملاً خود مختار حاکم تھا۔ یہ خاتون دمشق کے قلعے میں مرحوم باپ کی حویلی میں مقیم تھی۔ جب دمشق پر سلطان نور الدین زنگی نے قبضہ کیا تو اس کی بے حد عزت و تکریم کی اور عمر بھر اس کی تمام ضروریات کا انتظام کرتے رہے۔ سلطان نور الدین کے بعد بھی دمشق کے امراء اس کا پورا خیال رکھتے تھے۔

سلطان صلاح الدین نے امرائے دمشق کی وساطت سے اس خاتون کو نکاح کا پیغام دیا۔ جواب اثبات میں ملا۔ قاضی شرف الدین بن ابی عصرون نے دلہن کے بھائی سعد الدین بن انز اور دیگر امراء کی موجودگی میں نکاح کرایا۔ رسم رخصتی کے دو دن بعد جمعہ 4 ربیع الاول 572ھ (9 ستمبر 1176ء) کو سلطان صلاح الدین مصر روانہ ہو گئے۔ ❸

---

❶ الکامل: 265/7
❷ کتاب الروضتین: 425،424/2
❸ کتاب الروضتین: 431،430/2

فصل:6

سلطان کی مصر واپسی۔ تعمیراتی وترقیاتی کام۔ رملہ کی جنگ

شام سے مصر کے اس سفر میں شیخ عماد اصفہانی بھی سلطان صلاح الدین کے ہم رکاب تھے۔ وہ پہلی بار مصر کی سیر کے لیے جارہے تھے۔ ہر منزل پر وہ سلطان کی شان میں قصیدے کہتے اور سفر کے تاثرات کو اشعار کی شکل میں ڈھالتے۔ ہفتہ 16 ربیع الاول 572ھ (21 ستمبر 1176ء) کو سلطان صلاح الدین دو برس کی جدائی کے بعد دوبارہ مصر میں پہنچے۔ سلطان کے بھائی اور نائب الملک العادل ابوبکر نے بحیرۂ قلزم کا پل عبور کر کے ان کا شاندار استقبال کیا۔

صلاح الدین کا مصر ❁ عماد اصفہانی نے صلاح الدین کے مصر کو بڑی تحیرت سے دیکھا۔ انہیں شاہی محل، شہر کے بازاروں اور سرکاری عمارتوں سے زیادہ دریائے نیل کے فراخ سینے اور اہرام مصر کی بلند چوٹیوں نے متاثر کیا۔ وہ لکھتے ہیں:

"ہم نے قاضی ضیاء الدین شہروری سے درخواست کی کہ وہ ہمیں اہرام کی سیر کرائیں۔ وہ ہمیں وہاں لے گئے۔ ہم نے اس رہ گزار، صحرائی سرزمین میں گشت کیا اور اس جگہ کی تعریف کی۔ ابوالہول کو دیکھ کر ہم دہشت زدہ ہوگئے۔ اس کی ہیبت بیان کرنے کی مجال نہیں۔ ہم نے عجیب وغریب چیزیں دیکھیں۔ اہرام کے سامنے ہر شے چھوٹی محسوس ہوئی۔ یہ زمین میں گڑے ہوئے بلند ستونوں اور دو بلند پہاڑیوں کی مانند ہیں۔ نسلیں فنا ہوگئیں مگر یہ موجود ہیں۔ محلات ختم ہوگئے مگر ان کی آب وتاب باقی ہے۔"❶

سلطان مصر پہنچ کر ان سرکاری کاموں کو نمٹانے میں مشغول ہو گئے جو دو برسوں کی غیر حاضری کے

❶ کتاب الروضتین: 2/440، 442

سب اکٹھے ہو گئے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے دارالحکومت کی ازسرِ نو تعمیر و توسیع کا کام شروع کرایا۔ دارالحکومت قاہرہ کے ساتھ تین پرانے شہر الگ الگ ٹکڑوں میں بٹے ہوئے تھے اور ہر ایک کی الگ الگ فصیل تھی۔ یہ تین شہر اس طرح تھے:

1- فسطاط جو پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں کا دارالحکومت تھا۔

2- العسکر جو عباسی دور میں آباد کیا گیا تھا۔

3- وہ حصہ جو ابن طولون کے دور میں بسایا گیا تھا۔

سلطان نے ان سب کو قاہرہ کے ساتھ ملا کر ایک بڑے شہر کی شکل دینے کا کام شروع کرا دیا۔ ایک بڑی فصیل کی تعمیر کا آغاز کیا گیا جو قاہرہ، فسطاط اور دوسری پرانی آبادیوں کو اپنے دائرے میں لے سکے۔ مدتوں بعد جب یہ کام ختم ہوا تو ایک بہت وسیع اور خوبصورت شہر بن گیا۔ اس کے ساتھ سلطان نے قاہرہ کے وسط میں مسجد سعد الدولہ کے قریب جبل مقطم پر ایک نئے مستحکم قلعے کی تعمیر کا کام بھی شروع کرا دیا۔ نقشے کے لحاظ سے یہ بہت بڑا منصوبہ تھا۔ اتنا بڑا قلعہ دنیا میں ناپید تھا۔ اس کام کی ذمہ داری شہر کے ناظم بہاؤ الدین قراقوش کو سونپی گئی۔ یہ کام شروع تو ہو گیا مگر سلطان کی زندگی میں پورا نہ ہو سکا۔ [1]

قاہرہ کو ہر لحاظ سے پر سہولت شہر بنانے کے لیے سلطان نے ایک بڑے ہسپتال کی بنیاد بھی رکھ دی اور اس کے اخراجات کے لیے بڑی بڑی جاگیریں وقف کر دیں۔ بچوں کی دینی تعلیم کے لیے امام شافعی رحمہ اللہ کے مزار کے پاس ایک بڑا دارالعلوم قائم کر دیا۔ دو صدیوں تک یہ عالم اسلام کا سب سے بڑا تعلیمی ادارہ شمار ہوتا تھا۔ سلطان نے عظیم محدث و فقیہ شیخ نجم الدین خبوشانی کو اس کا مہتمم مقرر کیا تھا اور ان کی ماہانہ تنخواہ پندرہ تولے سونا طے کی تھی۔ [2]

قاہرہ کے بعد دوسرا شہر جس کی اہمیت سلطان کے نزدیک سب سے زیادہ تھی، اسکندریہ تھا۔ اس کی عسکری تعمیرات اور ترقیاتی کاموں کے لیے ماہ شعبان میں وہ خود وہاں پہنچے۔ شہر کی فصیل جس کی تعمیر جاری تھی سلطان کی موجودگی میں مکمل ہو گئی۔ سلطان نے اسکندریہ کے بحری بیڑے کی نئے سرے سے تیاری اور کشتیوں کی مرمت کا حکم دیا۔ حاکم اسکندریہ کو تاکید کی کہ وہ بحری بیڑے کو سپاہیوں سے بھر دے اور بحیرہ روم کے جتنے جزیروں پر ممکن ہو، قبضہ کر لے۔ سلطان نے ان مقاصد کے لیے خزانے سے بھرپور رقم فراہم کر دی۔ سلطان یہ سب پیش بندیاں اس لیے کر رہے تھے کہ ان کے اندازے کے مطابق نصرانیوں سے زبردست معرکوں کے دن قریب تر آتے جا رہے تھے جس میں بحری جنگ ناگزیر تھی۔

[1] البدایہ: 7/822، کتاب الروضتین: 2/446، صلاح الدین از لین پول: 65

[2] حسن المحاضرہ فی تاریخ مصر والقاہرہ: 2/257

انہی تیاریوں میں ماہ رمضان شروع ہو گیا۔ سلطان کو اپنے کم سن بچوں افضل علی اور عزیز عثمان کی تربیت کا بہت خیال رہتا تھا۔ وہ انہیں قاہرہ سے اپنے ساتھ اسکندریہ لے آئے تھے تا کہ انہیں مقامی علماء کے حلقوں میں شریک کریں۔ سلطان کو یہاں کے عظیم محدث حافظ طاہر بن محمد السِّلَفی رحمہ اللہ سے خاص عقیدت تھی۔ چنانچہ بچوں کو ان کے حلقے میں ساتھ لے جا کر حدیث کی سماعت کراتے رہے۔ [1]

سلطان صلاح الدین ایوبی کا مصر اس لحاظ سے نہایت محفوظ ملک شمار کیا جا سکتا تھا کہ اب آس پاس موحدین کے سوا کوئی ایسی حکومت نہیں تھی جو مصر سے ٹکر لینے کے قابل ہوتی۔ مشرق میں شام کا بڑا حصہ ان کے زیرِ نگین تھا، باقی شام نصرانیوں اور مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تقسیم ہو چکا تھا، جنوب میں سوڈان کے سرکش قبائل کی طاقت کچلی جا چکی تھی، شمال سے حملہ آور یورپی بیڑے کو بحیرۂ روم میں عبرتناک شکست دے دی گئی تھی۔

جہاں تک موحدین کا تعلق ہے وہ اس زمانے میں عروج پر تھے اور ان کی حکومت کا استحکام عالم اسلام کے لیے بڑی خیر و برکت کا باعث تھا۔ موحدین نے مغربی افریقہ اور اندلس میں مرابطین کے زوال کے بعد اسلام کے بازوئے شمشیر زن کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ اگر وہ ان اسلامی ملکوں کو نہ سنبھالتے تو یوسف بن تاشفین کی فتوحات کے ثمرات صرف نصف صدی بعد ضائع ہو جاتے۔ موحدین نے مرابطین کی زوال پذیر حکومت کے کھنڈرات پر ایک نئی عظیم الشان حکومت قائم کی جس کے ہوتے ہوئے یورپی اقوام اسپین سے مسلمانوں کے خاتمے کا خواب پورا نہیں کر سکتی تھیں۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کے زمانے میں موحدین کا دوسرا نامور بادشاہ ابو یعقوب یوسف بن عبدالمؤمن تختِ نشین تھا جو ہر لحاظ سے ایک مثالی حکمران تھا۔ اس سے قبل مصر کی عبیدی حکومت مراکش کے ہر حکمران کے لیے خطرہ بنی رہی تھی مگر صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں عبیدیوں کے خاتمے کے بعد موحدین اس خطرے سے محفوظ ہو گئے تھے۔ اس لحاظ سے سلطان صلاح الدین کا مصر افریقہ کے موحدین کے لیے ایک نعمت تھا۔ دوسری طرف موحدین جو اندلس کے نصرانیوں کی سرکوبی میں مصروف رہتے تھے، یورپی طاقتوں کے ایک بڑے حصے کو اپنی طرف متوجہ رکھ کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے لیے مستقبل کی جنگوں میں بالواسطہ طور پر معاون ثابت ہوئے۔

یہاں تاریخ کا یہ پہلو بھی سبق آموز ہے کہ عموماً جب دو طاقتور ملک پہلو بہ پہلو ترقی کرتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کو دبانے بلکہ بعض اوقات ختم کرنے پر تل جاتا ہے اور اس سے بڑی بڑی خوں

[1] البدایۃ: 620/7

ریز جنگوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ مگر صلاح الدین ایوبی اور ابو یعقوب کے درمیان ابتداء میں چند سرحدی تنازعات اور دو تین معرکوں کے بعد محاذ آرائی کا کوئی مستقل سلسلہ نظر نہیں آتا جس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں تھی کہ دونوں حکمرانوں کو نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے کی طاقت کا احساس تھا بلکہ ان اعلیٰ مقاصد سے بھی دلی لگن تھی جو حقیقتاً مشترک تھے۔ چنانچہ سلطان صلاح الدین ایوبی عمر بھر مشرق کی طرف نصرانیوں کی سرکوبی اور القدس کی آزادی کی جدوجہد میں مصروف رہے جبکہ ابو یعقوب اندلس کے مسلمانوں کے دفاع کے لیے سینہ سپر رہا۔

اس کے ساتھ ہمیں اس حقیقت کا بھی اعتراف کرنا پڑے گا کہ مقاصد کے اشتراک اور دشمن کے ایک ہونے کے باوجود مصر کے ایوبی اور مراکش کے موحدین اس تمام عرصے میں کبھی ایک اتحاد بنا کر نصرانیوں سے نبرد آزما نہیں ہوسکے۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ یہ دونوں طاقتور خاندان اندر ہی اندر ایک دوسرے کی قوت سے خطرہ محسوس کرتے تھے۔ بہرحال معاہدوں اور مشترکہ لائحہ عمل کے ذریعے ہر خدشے کا تدارک کیا جاسکتا تھا۔ مصر اور مراکش کے عدم تعاون کا نقصان آئندہ صلیبی جنگوں میں ظاہر ہوا جب مصر کو یہ تمام معرکے تنہا لڑنے پڑے۔

<u>نصرانیوں کی عہد شکنی</u>: سلطان صلاح الدین کے مصر چلے آنے کے بعد شام کے نصرانیوں نے دمشق اور اس کے نواح میں سلطان کے مقبوضات پر حملے شروع کردیے تھے۔ انہوں نے سلطان سے جنگ بندی کے معاہدے کا جو صفر 571ھ (ستمبر 1175ء) میں ہوا تھا، ذرا بھی پاس نہیں کیا۔ بقول لین پول:

"عیسائی مسلمانوں کے ساتھ کیے جانے والے معاہدوں کی پابندی کے قائل نہ تھے۔"

چنانچہ معاہدے کی باضابطہ تنسیخ کیے بغیر وہ عملی طور پر بار بار عہد شکنی کررہے تھے۔

سلطان کی غیر موجودگی میں جب انہوں نے دمشق کے آس پاس زیادہ لوٹ مار کی تو سلطان کا بھائی توران شاہ ان کی سرکوبی کے لیے نکلا مگر فرنگیوں کی قوت اتنی بڑھ چکی تھی کہ انہوں نے توران شاہ جیسے معرکہ آزما سالار کو دمشق اور بعلبک کے درمیان عین الجبر کے مقام پر شکست فاش دے دی۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کے کئی بڑے بڑے امراء اور سردار بھی نصرانیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے جن میں سیف الدین ابوبکر بن سالار بھی شامل تھا۔[1]

اس کامیابی کے بعد نصرانیوں کی ہمت مزید بڑھ گئی تھی اور وہ بلا روک ٹوک اسلامی مقبوضات کو پامال کرنے لگے تھے۔

---

[1] کتاب الروضتین: 451/2

سلطان کا غزہ اور عسقلان پر حملہ: یہ حالات سلطان صلاح الدین کے سامنے تھے۔ عہد شکنی کے بعد نصرانیوں سے معاہدہ از خود ختم ہو چکا تھا اب سلطان اُن کو مزا چکھانے میں مزید تاخیر نہیں کر سکتے تھے۔

3 جمادی الاولی 573ھ (27 اکتوبر 1177ء) کو سلطان صلاح الدین اپنے لشکر کے ساتھ ایک بار پھر مصر سے شام کے لیے روانہ ہوئے۔ وہ غزہ اور عسقلان پر حملے کی منصوبہ بندی کر چکے تھے۔ یہ دونوں نصرانیوں کے اہم مراکز تھے اور ان پر حملے سے نصرانیوں کو زبردست چوٹ لگائی جا سکتی تھی۔ ①

5 جمادی الاولی 573ھ (29 اکتوبر 1177ء) کو لشکر بلبیس پہنچا۔ یہاں سے آگے نکل کر سلطان نے اعلان کرایا کہ ہر سپاہی دس دس دن کا راشن اپنے ساتھ لے لے، تا کہ فرنگیوں کی ریاستوں کے اندر دور تک کارروائیاں کی جا سکیں۔ سلطان کے کاتب شیخ عماد اصفہانی نے جو شام سے سلطان کے ساتھ ہی مصر آئے تھے اور اب دمشق واپس جانا چاہتے تھے یہاں سلطان سے رخصت طلب کی۔ شیخ عماد اصفہانی فرماتے ہیں کہ یہ واحد جہادی مہم تھی جس میں سلطان کے ساتھ میں شریک نہیں ہوا، ورنہ ہر موقع پر میں ان کے ساتھ رہا۔ سلطان جہادی مہمات میں علماء اور اہل علم و فضل کی شرکت کو بڑی برکات کا باعث یقین کرتے تھے۔ اس لیے ان کی دلی خواہش تھی کہ شیخ عماد اس موقع پر بھی ان کے ساتھ رہیں۔ اس لیے کہا:

''آپ نہیں چل رہے؟ آپ تو ہمیشہ ساتھ ہوا کرتے ہیں، کیا آپ نے ہمیں چھوڑ جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

شیخ عماد اصفہانی نے کہا:

''فیصلہ تو آقا کے ہاتھ میں ہے۔ آپ میرے لیے جو پسند کریں وہی بہتر ہوگا۔''

سلطان نے شیخ کے عذر کو سمجھتے ہوئے کہا:

''ٹھیک ہے آپ جائیے اور ہمارے لیے دعا فرماتے رہیے بارگاہ خداوندی میں ہمارے لیے مغفرت طلب کرتے رہیے۔''

شیخ عماد اصفہانی دمشق روانہ ہو گئے اور سلطان اپنے لشکر کے ساتھ عسقلان کی طرف بڑھے۔ ②

9 جمادی الاولی 573ھ (2 نومبر 1177ء) کو سلطانی افواج عسقلان کے سامنے پہنچ چکی تھیں۔ یہاں مختلف جھڑپوں اور چھاپہ مار کارروائیوں میں دشمن کو شدید نقصان پہنچایا گیا۔ بہت سے فرنگی گرفتار کر کے قتل کر دیے گئے۔ سلطانی افواج نے بہت سا مال غنیمت بھی حاصل کیا۔ نصرانیوں نے کوئی

---

① الکامل فی التاریخ: 266/7 ② کتاب الروضتین: 458/2

مزاحمت نہیں کی۔ مجاہدین کو ہر طرف میدان صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ بے خوف و خطر ہو کر مختلف سمتوں میں پھیل گئے اور دشمن کے علاقوں میں چھاپے مارنے لگے۔[1]

رملہ کا خون ریز معرکہ یکم جمادی الثانیہ 573ھ (24 نومبر 1177ء) کو سلطان فوج کے ایک مختصر سے حصے کو اپنی کمان میں لے کر رملہ کے سامنے پہنچے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ چھاپہ مار کارروائیوں کے بعد فرنگیوں کے کسی مضبوط اور اہم قلعے کا محاصرہ کر لیں گے۔[2]

وہ رُکے بغیر رملہ سے آگے بڑھ گئے۔ اب ''تل الصافیہ'' کا دریا ان کے سامنے تھا۔ سلطان کے سپاہی دریا عبور کرنے کی تیاری کر رہے تھے کہ ان پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ فرنگیوں کا ایک لشکر کسی نامعلوم گوشے سے نکل کر اس وادی میں آ دھمکا۔ یہ دیکھ کر سلطان نے فوج کو صف بندی کا حکم دیا۔ صف بندی ابھی جاری تھی کہ دشمن قریب آ گیا۔ اس وقت سلطان نے پوزیشن میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کی۔ ان کے اشارے پر دایاں بازو بائیں سمت، اور بایاں بازو قلب کی جگہ پر آنے لگا، اس طرح وہ اپنی پشت کو رملہ کے ٹیلے کی اوٹ میں محفوظ رکھ سکتے تھے۔

مگر ابھی صف بندی مکمل ہونے نہ پائی تھی کہ دشمن نے دھاوا بول دیا اور سلطان کو ان مٹھی بھر مجاہدین کے ساتھ گھیر لیا۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی زندگی کے خطرناک ترین لمحات تھے۔ دشمن نے تین سمتوں سے ان پر حملہ کر دیا تھا تاہم سلطان کے محافظ دستے نے جان توڑ مدافعت کرتے ہوئے اپنے آقا کی حفاظت کی۔ سلطان کا بہادر بھتیجا محمد چند سپاہیوں سمیت دشمن کے سامنے لوہے کی دیوار بن کر کھڑا ہو گیا۔ یہ سپاہی آخر دم تک ڈٹے رہے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

سلطان کے دوسرے دلیر اور معرکہ آزما بھتیجے تقی الدین عمر نے بھی زبردست مزاحمت کی۔ ان نے فرنگیوں کے کئی دھاووں کو آگے بڑھ کر ناکام بنایا اور حملہ کرنے والے درجنوں گھڑسواروں اور پیادوں کو مار گرایا۔ اس تنگ و دو میں اس کے کئی ساتھی شہید ہو گئے اور وہ خود لڑتے لڑتے بری طرح تھک گیا۔ اس کا سترہ سالہ لڑکا احمد اس معرکے میں ہمراہ تھا۔ بڑا خوبصورت نوجوان تھا، ابھی اس کے رخساروں پر ڈاڑھی نکلنا شروع ہوئی تھی۔ تقی الدین نے اسے پکار کر کہا:

''لو بیٹے! اب تمہاری باری۔ بہادری کہاں ہے تمہاری۔ اس سے میری آنکھیں ٹھنڈی کرو، اندیشہ سود و زیاں کو اپنی جنگی مہارت اور تیز دھار تلوار سے پارہ پارہ کر ڈالو۔''

احمد نے یہ پکار سنی تو تکبیر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور سلطان کی جانب آنے والی

[1] البرق الشامی: 37/3 [2] الکامل فی التاریخ: 269/7

ایک ٹولی پر ٹوٹ پڑا، انہیں پیچھے دھکیل کر وہ تیزی سے واپس آ گیا۔ اس کا لباس سرخ ہو رہا تھا کیوں کہ اسے کئی گہرے زخم آ چکے تھے۔ اسے مرہم پٹی کی فوری ضرورت تھی۔ مگر تقی الدین عمر سلطان صلاح الدین ایوبی کی حفاظت کے لیے بیٹے کی قربانی پر مجبور تھا۔ محافظ سپاہی ایک ایک کر کے کٹ رہے تھے اور چند لمحوں کے اندر اندر گھیرا توڑ کر سلطان کو باہر نکالنا ضروری تھا۔ اس نے احمد کو دوبارہ آگے بڑھ کر حملہ کرنے کا حکم دیا اور یہ تاریخی فقرہ کہا:

عُدْيَا اَحمد فَاِنَّ الْعَوْدَ اَحْمَدُ

"اے احمد! دوبارہ حملہ کر...... کہ پلٹ کر جھپٹنا زیادہ قابلِ تعریف ہے۔"

فرمانبردار بیٹا خندہ پیشانی سے باپ کا حکم بجالایا۔ وہ تلوار سونت کر ایک بار پھر اس طرف آنے والے سپاہیوں پر حملہ آور ہوا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔ ❶

اس وقت سلطان کے ساتھ بڑی تعداد میں چنے ہوئے ممتاز امراء اور مجاہدین تھے۔ ان میں سے ہر ایک سلطان کی زندگی کو پوری امت مسلمہ کی وہ امانت سمجھتا تھا جس کے ضائع ہونے سے عالم اسلام کی عزت کے خطرے میں پڑ جاتی، اس لیے ہر فرد جان کی بازی لگا کر اپنے آقا کی حفاظت کر رہا تھا۔ انہی میں ایک ممتاز شخصیت فقیہ عیسیٰ الھکاری تھے جو اصل میں افتاء وتدریس اور تصنیف وتالیف کے مردِ میدان تھے مگر اس کے ساتھ نہایت ماہر شمشیر زن بھی تھے۔ اس دن ان کی تلوار بازی کے جوہر دیکھنے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ سب سے آگے بڑھ بڑھ کر فرنگیوں پر وار کر رہے تھے۔ ان کے جھگٹے میں گھس کر ان کے سورماؤں کو تیغی کا ناچ نچا رہے تھے۔ فقیہ عیسیٰ الھکاری کی شمشیر زنی کے بارے میں علامہ ابن اثیر کے یہ الفاظ تاریخ میں محفوظ ہو چکے ہیں:

وكان اشد الناس قتالا ذالك اليوم الفقيه عيسى رحمه الله

اس دن لوگوں میں سب سے زبردست لڑائی کرنے والے فقیہ عیسیٰ رحمہ اللہ تھے۔

محافظوں کی اس قدر زبردست مدافعت کے باوجود چند فرنگی سلطان صلاح الدین کے بالکل قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ ایک نائٹ نے سلطان پر براہ راست حملہ کیا مگر سلطان کے جانثاروں نے بروقت اس کا حملہ روک کر اسے مار ڈالا۔ سلطان صلاح الدین اس معرکے میں اپنے جانثاروں کی دلیری کو اکثر یاد کیا کرتے تھے۔ ایک موقع پر انہوں نے کاتب عماد اصفہانی کو اس لڑائی کا احوال سناتے ہوئے کہا:

"میں نے ایک گھڑ سوار کو دیکھا جو اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر میری جانب آ رہا تھا اور اپنا نیزہ

❶ البرق الشامی: 40/3

میرے حلق کی جانب سیدھا کر چکا تھا۔اس کا وار مجھ پر پڑنے ہی والا تھا،اس کے ساتھ ہی دو اور صلیبی نائٹ بھی مجھ پر حملہ آور ہو چکے تھے.....مگر یک دم میرے تین جانباز ان کے سامنے آگئے۔انہوں نے ایک ایک حملہ آور کو سنبھال لیا۔پہلا حملہ آور میرے بالکل قریب آچکا تھا مگر میرے ساتھیوں نے اسے نیزے سے مار گرایا اور اس کے وار کو کارگر نہ ہونے دیا۔"

یہ تین جانثار ابراہیم بن قابر، فضل فیضی اور سوید بن غشم مصری تھے۔سلطان کے ان تین جانثاروں نے سلطان کے گرد ایک آہنی حلقہ قائم کر لیا اور اسے آخر تک ٹوٹنے نہ دیا۔

اب پسپائی ناگزیر تھی مگر سلطان غیر منظم پسپائی اختیار کر کے دشمن کو مزید جری ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔اس کے علاوہ یکدم نکل بھاگنے میں اپنے ساتھیوں کے بکھر جانے کا اندیشہ تھا،چنانچہ وہ میدان چھوڑ کر ایک طرف نکل گئے اور کچھ دور جا کر ٹھہر گئے۔سلطان کے جن بکھرے ہوئے ساتھیوں نے انہیں نکلتے ہوئے دیکھ لیا وہ بھی میدان سے ہٹ کر ان کی جانب آگئے۔دشمن نے تعاقب شروع کیا تو سلطان نے ساتھیوں کو پھر تیزی سے آگے بڑھنے کا حکم دیا۔جب خطرہ کم ہو گیا تو سلطان نے پھر رک کر بکھرے ہوئے سپاہیوں کا انتظار شروع کر دیا۔یہ سلسلہ غروب آفتاب تک جاری رہا۔

چاند کی دوسری تاریخ تھی،اس لیے سورج ڈوبتے ہی گہری تاریکی چھا گئی۔جب سلطان کو یقین ہو گیا کہ جس قدر سپاہی میدان جنگ سے فرار ہو سکے تھے وہ سب یہاں پہنچ چکے ہیں تو انہوں نے مغرب کی طرف کوچ کر دیا۔تاریکی میں دشمن ان کا تعاقب کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔تاہم ان کے اکثر سپاہی شہید یا گرفتار ہو چکے تھے۔بہت سے چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹ کر دور دراز کے مختلف علاقوں کی طرف جا نکلے تھے۔کئی ایک بھٹک کر دشمن کے چنگل میں جا پھنسے تھے،انہی میں فقیہ عیسیٰ،ان کے بھائی فقیہ ظہیر الدین اور کئی خواص بھی شامل تھے۔ ❶ یہ حضرات مصر کا رخ کرنے کی بجائے غلطی سے کسی عیسائی ریاست میں داخل ہو گئے تھے،وہاں ایک غار میں پناہ لیے ہوئے کسی نجات دہندہ کا انتظار کر رہے تھے کہ ایک شخص ادھر آ نکلا،اس نے ان سے رہنمائی کا وعدہ کیا مگر دھوکہ دے کر انہیں نصرانیوں کے پاس لے گیا اور انہیں گرفتار کرا دیا۔فقیہ عیسیٰ رحمہ اللہ اور ان کے ساتھی کئی سال تک نصرانیوں کی قید میں رہے،آخر سلطان ایوبی نے ستر ہزار دینار اور قیدی نصرانیوں کے ایک گروہ کے عوض انہیں آزاد کرایا۔یہ سلطان صلاح الدین کی زندگی کی وہ جنگ تھی جس میں مسلمانوں کو بہت سخت نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ ❷

---

❶ البرق الشامی:40/3 ❷ البرق الشامی:41/3

چونکہ پسپائی کے سفر میں سارا علاقہ صحرائی تھا اور شام کا کوئی ایسا شہر قریب نہیں تھا جہاں پناہ لی جا سکتی اس لیے مصر کی جانب لوٹنے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔ ان کا تمام ساز و سامان اور خوراک و رسد کے ذخائر میدان جنگ ہی میں رہ گئے تھے جن پر دشمن نے قبضہ کر لیا تھا۔ سو اب کسی زادِ سفر کے بغیر کیے جانے والی یہ صحرا پیمائی حد درجے اذیت ناک تھی۔ شکر کہ موسم سخت سردی کا تھا۔ گرمی ہوتی تو قافلہ پیاس سے مر گیا ہوتا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی دو ہفتوں کے دشوار گزار صحرائی سفر کے بعد جمعرات 15 جمادی الثانیہ 573ھ (8 دسمبر 1177ء) کو قاہرہ پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ تھوڑے سے افراد تھے جن کی بھوک اور پیاس سے بری حالت ہو رہی تھی۔ ان کے سواری اور بار برداری کے جانور زیادہ تر ہلاک ہو چکے تھے۔

سلطان کی شکست اور پسپائی کی خبر قاہرہ کے گلی کوچوں میں پھیل چکی تھی اور لوگ نہایت تشویش کی حالت میں سلطان کی خیر خبر کے منتظر تھے۔ ان کے قاہرہ پہنچنے پر سب نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس حادثے میں سلطان کا بچ جانا ایک کرامت سے کم نہیں تھا۔ سلطان نے قاہرہ پہنچ کر اپنے بھائی توران شاہ کو جو دمشق میں تھا، اس معرکے کی روداد لکھ کر بھیجی۔ بھائی سے اظہارِ محبت کے ساتھ انہوں نے اس معرکے کا نقشہ کھینچتے ہوئے مراسلے کا آغاز اس شعر سے کیا:

ذَكَرْتُكَ وَالْخَطِّ يَخْطِرُ بَيْنَنَا وَقَدْ نَهِلَتْ مِنَّا مُثَقَّفَةُ السُّمْرُ

"میں نے تمہیں اس وقت یاد کیا جب برچھیاں چل رہی تھیں اور دشمن کے سیدھے اور گندمی نیزے ہمارے جسموں میں داخل ہو کر بار بار ہمارا خون پی رہے تھے۔"

اس کے بعد تحریر کیا:

"ہم اس معرکے میں بار بار ہلاک ہوتے ہوتے بچے۔ اللہ نے ہمیں اس موقع پر یقیناً اس لیے زندہ رکھا کہ وہ ہم سے کوئی بڑا کام لینا چاہتا ہے۔"۞

یہ بات بالکل سچ تھی۔ بلاشبہ قدرتِ خداوندی نے انہیں القدس کی آزادی اور حفاظت کا کام لینے کے لیے محفوظ رکھا تھا۔

۞ الکامل فی التاریخ: 7/289

فصل:7

رملہ کی شکست کا بدلہ

رملہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کو پسپائی پر مجبور کرنے کے بعد شام کے فرنگیوں کے حوصلے بہت بڑھ چکے تھے۔ انہی دنوں یورپ سے ان کا ایک نواب فلپ فلانڈر (فلنڈرس) اپنی فوج کے ساتھ شام کے نصرانیوں کی مدد کے لیے آیا ہوا تھا۔ وہ مسلمانوں سے لڑائی کے لیے بے قرار اور انہیں پورے شام سے نکال دینے کے لیے پرجوش تھا۔ صلاح الدین ایوبی کی پسپائی کے ایک ہفتے بعد 2 جمادی الاولیٰ 573ھ (14 نومبر 1177ء) کو اس نے حماۃ پر حملہ کر دیا۔ حاکم حماۃ شہاب الدین حارمی جو سلطان کا ماموں اور سسر تھا، شدید بیمار تھا۔ پھر بھی اس نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ خوش قسمتی سے شام کا ایک کہنہ مشق امیر سیف الدین مشطوب عین موقع پر اس کی مدد کے لیے پہنچ گیا۔ اس وقت شدید ترین لڑائی دیکھنے میں آئی۔ فرنگی شہر کے اندر گھس گئے مگر حماۃ کے جانباز مسلمانوں نے حفاظتی فوج کے ساتھ مل کر زبردست مزاحمت کے بعد فرنگیوں کو شہر سے باہر دھکیل دیا۔ شہر کے سامنے میدان میں چوبیس گھنٹے تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی اور آخر کاؤنٹ فلپ کو ناکام واپس لوٹنا پڑا۔ المشطوب نے سلطان ایوبی کو مراسلہ لکھ کر اس کامیابی کی اطلاع دی اور بتایا کہ اس معرکے میں کم از کم ایک ہزار فرنگی گھڑسوار اور پیادے مارے گئے۔[1]

شہاب الدین حارمی کی وفات: شہاب الدین حارمی اس ہولناک لڑائی کے چند دنوں بعد چل بسا۔ یوں شام میں سلطان اپنے ایک اہم معتمد رکن سے محروم ہو گئے۔ دمشق میں ان کی نیابت کرنے والے توران شاہ کو شام کے پر کیف نظاروں اور عیش کی بہاروں نے اس قدر گرویدہ بنا لیا تھا کہ وہ نصرانیوں کی چیرہ دستیوں کی روک تھام پر کوئی توجہ نہیں دے پا رہا تھا، اس لیے شام پر سلطان صلاح الدین کی گرفت کمزور پڑ جانے کا خدشہ روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔[2]

تین حریف: اس وقت نصرانیوں کے تین بڑے حاکم مسلمانوں سے گزشتہ شکستوں کا بدلہ لینے کے

[1] الروضتین: 471/2
[2] الروضتین: تحت 573ھ

لیے سرگرم ہو چکے تھے۔ پہلا دشمن کرک کا حاکم ریجی نالڈ تھا جسے یورپی مؤرخین رینالٹ، ربجنالٹ اور رینالڈ بھی کہتے ہیں۔ اسی کو عرب مؤرخ ارناط، ارناط برنس اور برنس ارناط کہہ کر یاد کرتے ہیں۔ یہ بدطینت اور بیبت ناک بڑھا متعصب نصرانیوں کے گروہ ہاسپٹلر کا سردار اور انطاکیہ کا حاکم تھا۔ نورالدین زنگی نے اسے کسی معرکے میں گرفتار کیا تھا۔ اس نے موصل میں دس برس کے لگ بھگ قید کاٹی تھی۔ زنگی کی وفات کے بعد سیف الدین غازی نے 570ھ میں اسے رہا کر دیا تھا۔ اس دوران اس کے شہر انطاکیہ کا انتظام دوسرے عیسائی امراء کے ہاتھوں میں چلا گیا تھا جنہوں نے اسے بدلے میں کرک کا قلعہ دے دیا۔ ریجی نالڈ نے اس قلعے کو مسلمانوں پر مسلسل تاخت وتاراج کا مرکز بنالیا تھا۔

دوسرا دشمن طرابلس کا حاکم ریمنڈ تھا جسے عرب مؤرخین ''قومص'' کہتے ہیں۔ نورالدین زنگی نے اسے 559ھ میں حارم کی فتح کے موقع پر گرفتار کیا تھا۔ گیارہ برس تک حلب میں قید میں رہنے کے بعد وہ محرم 570ھ میں الملک الصالح کے حکم سے آزاد ہوا۔ (عماد کاتب کے بقول نورالدین نے اس کی رہائی کے لیے ڈیڑھ لاکھ دینار اور ایک ہزار قیدیوں کی شرط رکھی تھی۔ [1] نصرانیوں کے ہاں اسے سب سے مدبر قائد مانا جاتا تھا۔ تیسرا دشمن القدس کا نیا حاکم بالڈون تھا جو املرک کے مرنے کے بعد تخت نشین ہوا تھا اور مسلمانوں کے خلاف سراپا غضب بنا ہوا تھا۔

گمشتگین کا انجام ❁ اس دوران شام کی سیاست میں ایک اور تبدیلی آچکی تھی۔ حلب جو سلطان صلاح الدین ایوبی سے صلح کے بعد امن وسکون کے دن گزار رہا تھا اندرونی سیاسی بحران کا شکار ہو گیا تھا۔ حاکم حلب الملک الصالح اور حکومت کے سب سے متحرک پرزے گمشتگین میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ گمشتگین کی من مانیوں، زیادتیوں اور مفاد پرستیوں کی وجہ سے امرائے حلب کی بڑی تعداد ایک اور بااثر امیر عدل ابن العجمی کے گرد جمع ہو گئی تھی۔ یوں ابن العجمی گمشتگین کا سیاسی حریف بن گیا تھا۔ اسی دوران فدائیوں نے نماز جمعہ کے بعد ابن العجمی کو قتل کر ڈالا۔

چونکہ گمشتگین کے فدائیوں سے دوستانہ مراسم کا سب کو پتا تھا، اس لیے ابن العجمی کے حامیوں کو گمشتگین پر ہی شک ہوا۔ انہوں نے الملک الصالح کو یقین دلایا کہ گمشتگین نے فدائیوں کو مال وزر دے کر یہ کارروائی کروائی ہے۔ ان امراء نے الملک الصالح کو عار دلائی کہ گمشتگین امور سیاست پر حاوی ہے اور ہر معاملے میں من مانی کر رہا ہے، انہوں نے کہا:

''بادشاہ آپ ہیں، پھر بھلا کوئی دوسرا کیوں حکم چلا رہا ہے۔''

[1] کتاب الروضتین: 351/2

الملک الصالح جوان ہو چکا تھا، اور اسے بھی ہر معاملے میں گمشتگین کی من مانی سخت شاق گزر رہی تھی چنانچہ اس کی اجازت سے گمشتگین کو ابن العجمی کے قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔ ساتھ ہی اسے حکم دیا کہ وہ اپنے زیرِ انتظام حارم کے قلعے سے دست بردار ہو جائے۔ گمشتگین نے جبراً قہراً حارم کے قلعہ دار کو جو اس کا ماتحت تھا، رقعہ لکھ بھیجا کہ وہ قلعہ خالی کردے مگر قلعہ دار نے موقع غنیمت جان کر خودمختاری کا اعلان کردیا اور قلعے کے دروازے بند کردیے۔ الملک الصالح کو شک ہوا کہ گمشتگین نے ہی قلعہ دار کو خفیہ طور پر ڈٹے رہنے کا حکم دیا ہوگا، اس لیے وہ قلعہ دار کو مرعوب کرنے کی خاطر گمشتگین کو ساتھ لیے خود حارم کی فصیل کے سامنے پہنچ گیا۔ وہاں گمشتگین کو الٹا لٹکا کر نیچے آگ جلائی گئی اور ناک میں دھواں دیا گیا تا کہ قلعہ دار اپنے آقا کی جان خطرے میں دیکھ کر دروازہ کھول دے۔ گمشتگین بھی چیخ چیخ کر اسے دروازہ کھولنے کا حکم دیتا رہا مگر قلعہ دار اس کا وفادار ہوتا تب اس پر اثر ہوتا۔ وہ اپنی ضد پر ڈٹا رہا۔ یوں ستم گر وجبار گمشتگین، بدترین اذیتوں کا نشانہ بن کر موت کے گھاٹ اتر گیا۔ یہ واقعہ جمادی الثانیہ 573ھ (دسمبر 1177ء) کا ہے۔[1]

نصرانیوں کا حارم پر حملہ ٭ اندرونی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے حلب کی حکومت مزید کمزور پڑ گئی تھی۔ حماۃ سے پسپا ہونے والے نصرانیوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور جمادی الثانیہ 573ھ میں یلغار کرکے حارم کا محاصرہ کرلیا۔ قلعہ بہت مضبوط تھا اس لیے فرنگی اس پر قابض نہ ہوسکے۔ اس دوران الملک الصالح کا لشکر بھی فرنگیوں کے مقابل کھڑا رہا تاکہ موقع ملے تو قلعے پر خود قبضہ کرلے۔ محاصرہ چار ماہ تک جاری رہا۔ آخرکار الملک الصالح نے فرنگیوں کو پیش کش کی اگر وہ محاصرہ اٹھالیں تو حلب کی حکومت انہیں ایک خطیر رقم ادا کرے گی۔ ساتھ ہی دھمکی بھی دی کہ سلطان ایوبی کی عن قریب دوبارہ آمد متوقع ہے، اگر فرنگیوں نے محاصرہ جاری رکھا تو حارم کا قلعہ دار ایوبی سے جا ملے گا۔ یہ دھمکی کام کرگئی اور فرنگی محاصرہ اٹھا کر واپس چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد رمضان کے آخری عشرے میں قلعہ دار نے قلعہ الملک الصالح کے حوالے کردیا کیونکہ اسے فرنگیوں کے دوبارہ حملے کا خطرہ بدستور لاحق تھا۔[2]

صلاح الدین کی دوبارہ شام آمد ٭ صلاح الدین ایوبی کی دوبارہ شام آنے کی دھمکی صداقت پر مبنی تھی۔ نصرانیوں کے حارم پر حملے سے یہ ثابت ہوگیا تھا کہ انہیں سلطان ایوبی کی شام میں موجودگی ہی اپنی زیادتیوں سے باز رکھ سکتی ہے۔ چنانچہ سلطان نے الملک العادل کو نائب بنا کر عید الفطر کے بعد (23 مارچ) قاہرہ سے کوچ کردیا۔ سرزمین شام ایک بار پھر صلاح الدین کے گھڑسواروں کی ٹاپوں سے

[1] الروضتین تحت 573ھ
[2] الکامل فی التاریخ: 7/273

گونج اٹھی۔ 10 شوال کو ایلہ میں منزل کر کے وہ 24 شوال 573ھ (15/ اپریل 1178ء) کو دمشق پہنچ گئے۔ کئی ہفتوں تک وہ یہاں کے سیاسی اتار چڑھاؤ کا مشاہدہ کرتے رہے اور فوری توجہ طلب معاملات نمٹاتے رہے۔ اس دوران ذی الحجہ میں وہ قارا کے جنگلات میں شکار کے لیے بھی نکلے۔[1]

سلطان حمص کے نواح میں: 574ھ کے آغاز میں سلطان ایوبی دمشق سے حمص پہنچے۔ دریائے عاصی کی وادی میں خیمہ زن ہو کر وہ نصرانیوں کی مکمل سرکوبی کی مہم کی منصوبہ بندی کرتے رہے۔ رملہ کی شکست سے وہ سبق سیکھ چکے تھے اور عجلت میں کسی غلطی کا اعادہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

ان کی خاموشی کو فرنگیوں نے ان کی کمزوری پر محمول کیا اور ربیع الاول 574ھ (اگست 1179ء) میں ایک بار پھر حماۃ پر حملہ کر کے نواحی بستیوں اور دیہاتوں میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا مگر حماۃ کے سپاہیوں نے جو سلطان صلاح الدین کی شام میں موجودگی کے باعث جری تھے، بھرپور جوابی حملے کیے اور فرنگیوں کی بڑی تعداد کو قتل کر کے بہت سوں کو گرفتار کر لیا۔ یہ قیدی سلطان کے پاس حمص لائے گئے۔ سلطان نے کسی رعایت کا مستحق سمجھے بغیر ان کی گردنیں اڑا دینے کا حکم دیا۔ یہ کام حاضرین میں سے ان افراد کے سپرد کیا گیا جو دین داری اور پرہیزگاری میں ممتاز تھے۔ چنانچہ بعض علماء و مشائخ نے بھی اس کام میں حصہ لیا۔[2]

بعلبک اور توران شاہ: انہی دنوں ایک اور الجھن آ پڑی۔ بعلبک کا قلعہ ان دنوں شام کی سیاست کے ایک اہم کردار ابن المقدم کے پاس تھا۔ یہ وہی ابن المقدم تھا جس نے صلاح الدین کو پہلی بار شام میں مداخلت اور دمشق پر قبضے کی دعوت دی تھی۔ سلطان نے دمشق کے بدلے اسے بعلبک دے دیا تھا مگر اب سلطان کا بڑا بھائی توران شاہ بعلبک کی تولیت کا خواہش مند تھا کیوں کہ اس شہر سے ایوبی خانوادے کی قدیم یادیں وابستہ تھیں۔ بعلبک کے حصول کے لیے وہ سلطان پر اتنا دباؤ ڈال چکا تھا کہ آخر سلطان کو ابن المقدم سے بعلبک واپس مانگنا پڑا مگر ابن المقدم نے بعلبک حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر کار سلطان کو خود بعلبک جانا پڑا۔ انہوں نے ابن المقدم پر دباؤ ڈالنے کے لیے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ موسم سرما شروع ہوا تو سلطان نے محاصرے کی ذمہ داری طغرل جاندار کو سونپی اور خود رجب 574ھ کے آخری عشرے میں دمشق واپس آ گئے۔ ابن المقدم کو گفت و شنید کے ذریعے سمجھانے کی کوشش جاری رہی۔ آخر وہ مان گیا۔ اس نے بعلبک کے عوض سلطان سے بعرین، کفر طاب اور معرہ کی جاگیریں حاصل کر لیں۔ سلطان نے بعلبک اپنے بھائی توران شاہ کے حوالے کر دیا۔[3]

---

[1] الروضتین تحت 573ھ [2] الروضتین تحت 574ھ [3] الروضتین تحت 574ھ

<u>حصن الاحزان</u> ❁ بعلبک کی مہم کے دوران سلطان کو کچھ مدت کے لیے نصرانیوں کی سرحدات سے توجہ ہٹانا پڑی تھی۔ موقع پاکر شاہ یروشلم بالڈون سلطان کے خلاف جنگی تیاریوں میں مصروف ہوگیا تھا۔ ویسے بھی رملہ کی فتح نے اس کی ہمت بہت بڑھادی تھی چنانچہ اس نے اپنی حدود سے آگے بڑھ کر دمشق جانے والی شاہراہ پر ایک نیا قلعہ تعمیر کرانا شروع کردیا۔ عرب اس جگہ کو ''بیت الاحزان'' (غموں کا گھر) کے نام سے یاد کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا گھر اسی جگہ تھا۔ عرب مورخین نے غالباً اس قلعے کے محل وقوع کی وجہ سے اسے ''حصن الاحزان'' کے نام سے یاد کیا ہے۔ یہ مقام بانیاس سے بہت قریب تھا جبکہ دمشق سے بھی اس کا فاصلہ 16 میل سے زیادہ نہ تھا۔ نصرانیوں کے قلعے صفد اور طبریہ اس سے صرف آٹھ میل دور تھے۔ ❶

عجیب بات یہ ہے کہ جب تک یہ قلعہ تعمیر ہوتا رہا سلطان صلاح الدین نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی حالاں کہ ان کے امراء ان سے کہتے رہے تھے:

''جب یہ قلعہ تکمیل کو پہنچ جائے گا تو اسلامی سرحدیں غیر محفوظ ہوجائیں گی۔''

مگر سلطان کا جواب تھا:

''جونہی وہ قلعے کی تعمیر مکمل کریں گے ہم ان پر دھاوا بول دیں گے اور قلعے کو بنیادوں سے اکھاڑ کر بے نام ونشان کردیں گے، فی الحال انہیں اس قلعے پر اپنی دولت، اپنے سپاہی اور اپنی فکر ضائع کرنے دو۔''

سلطان کے امراء نے اس پالیسی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کئی بار یہ کہا کہ کسی مصیبت کو ابتداء میں روک لینا، انتہائی مرحلے میں اس کی روک تھام کی نسبت زیادہ آسان ہے مگر سلطان اپنی رائے پر مضبوطی سے قائم رہے جو بظاہر زمینی حقائق کے خلاف معلوم ہوتی تھی۔ تاہم وقت نے ثابت کردیا کہ سلطان کا فیصلہ درست تھا اور ان کے کہے ہوئے الفاظ کہ قلعے کی تعمیر مکمل ہوتے ہی ہم اسے بنیادوں سے اکھاڑ دیں گے حرف بحرف سچ ثابت ہوئے۔

سلطان کے کاتب عماد اصفہانی اس بارے میں کہتے ہیں:

''سلطان اپنی دین داری کی قوت اور یقین کی روشنی کے سبب صبر کررہے تھے، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر غیب کا راز کھول دیا تھا اور ان سے شک وشبہ کو دور کردیا تھا، پس ایک سال بعد ان کے فیصلے کا بہترین نتیجہ ان کے کہے ہوئے الفاظ کے بالکل مطابق سامنے آگیا۔'' ❷

---

❶ کتاب الروضتین: تحت 574ھ، ملاحظہ ہو [illegible]: تحت 576ھ ❷ البرق الشامی: 3/145

صاف معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کو حصن الاحزان سے کوئی غیر معمولی خطرہ لاحق نہیں تھا، انہیں اس پر قبضہ کوئی خاص مشکل محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ ان کے نزدیک عیسائی اس قلعے کی تعمیر پر وقت اور سرمایہ ضائع کر رہے تھے جس کا انہیں مستقبل میں کوئی فائدہ نہ تھا۔

سلطان خود اس دوران شام میں اپنے قدم زیادہ سے زیادہ مضبوط کر رہے تھے اور ایک طویل عرصے سے تھکی ماندی افواج کو قدرے استراحت کا موقع دے رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دشمن پر کاری ضرب لگانے کے لیے تیاری مکمل کر رہے تھے۔ ایک لمحے کے لیے بھی وہ جہاد کے فریضے سے دست بردار نہیں ہوئے تھے۔ دمشق میں ڈیرہ ڈال کر وہ حصن الاحزان کے حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔ یہ سال قحط کا سال تھا۔ علامہ ابن اثیر کے بقول:

> "بارشیں بالکل بند تھیں اور تمام شہروں میں گرانی شدید تر تھی...... نماز استسقاء کے باوجود پانی نہیں برس رہا تھا۔ غلے نایاب ہو رہے تھے اور لوگ مردار جانور کھانے پر مجبور تھے۔"[1]

اس حالت میں جہاد کی کسی نئی مہم کا آغاز بڑے دل گردے کی بات تھی۔ چنانچہ امراء نے سلطان سے کہا:

> "یہ جہاد کا سال نہیں، اگر دشمن مصالحت پر آمادہ ہو تو کر لیجیے۔ اگر وہ صلح پر مائل ہو تو آپ بھی لچک کا مظاہرہ کیجیے۔"

مگر سلطان نے چٹان جیسے مضبوط لہجے میں یہ تاریخ ساز جواب دیا:

> "جہاد کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے جبکہ رزق کی کفالت اس نے اپنے ذمہ لی ہے۔ اس کے حکم کی تعمیل واجب ہے اور اس کا رزق دینے کا وعدہ پکا اور سچا ہے۔ ہم تو وہی کریں گے جس کا اس نے ہمیں مکلف بنایا ہے۔ تب ہی ہم وہ حاصل کر سکیں گے جس کی کفالت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل سے غافل ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے مزید غفلت میں مبتلا کر دیتا ہے۔"[2]

<u>بالڈون کا حملہ اور فرخ شاہ کی شجاعت</u> ❁ آخر بیت الاحزان کے قلعے کی تعمیر مکمل ہوگئی جس کے بعد شاہ یروشلم بالڈون نے شام کے شہروں پر یلغار کی تیاری شروع کردی۔ درحقیقت اس قلعے کی وجہ سے عیسائی بانیاس کے سامنے پھیلے ہوئے زرخیز میدانی علاقے پر پورا تسلط حاصل کر چکے تھے۔ دریائی راستے بھی اب ان کی زد میں تھے۔ سلطان ابھی قلعے پر فوج کشی کا حتمی فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ شاہ یروشلم اپنی پوزیشن مضبوط دیکھ کر ذیقعدہ 574ھ میں خود جارحانہ حملے پر اتر آیا۔ وہ ایک بڑی فوج لے کر اچانک دمشق کی طرف بڑھنے لگا۔ دمشق کے دیہات اور بستیاں نصرانیوں کی غارتگری کا نشانہ بنتی

---

[1] الکامل فی التاریخ: ت576ھ [2] کتاب الروضتین: 3/21 ت574ھ

چلی گئیں۔ اس فوج میں بالڈون کے پرچم تلے نصرانیوں کے درجنوں نامی گرامی امراء جمع تھے جن میں توران کا حاکم ہُمفری بھی تھا جو اپنی سفاکی کے باعث ہر طرف مشہور تھا۔

جب صلاح الدین ایوبی کو دمشق میں اس یلغار کی اطلاع ملی تو ان کے پڑاؤ میں موجود فوج کی تعداد چند ہزار سے زائد نہ تھی۔ اکثر سپاہی قحط کے باعث رخصت پر چلے گئے تھے۔ سلطان نے فوراً اپنے بھتیجے فرخ شاہ کو ہراول کے تیز رفتار دستے

کے ساتھ بالڈون کے لشکر کی طرف روانہ کر دیا اور تاکید کی:

''بالڈون کی فوج کے نزدیک پہنچ کر پیغام رساں کبوتروں کے ذریعے ہمیں صورتحال سے آگاہ کر دینا، خود جنگ مت چھیڑنا اور دشمن کی پیش قدمی جاری رہنے دینا۔''

سلطان کا منصوبہ یہ تھا کہ جب دشمن قریب آجائے تو مختلف اطراف سے چھاپہ مار حملوں اور قلعہ بند جنگوں کے ذریعے اس کے دانت کھٹے کر دیے جائیں۔

فرخ شاہ کے سپاہیوں کی تعداد ایک ہزار سے بھی کم تھی۔ وہ ان جانبازوں کے ساتھ دشمن کے علاقے کے قریب پہنچ کر کئی دنوں تک ان کی تیاریوں کا مشاہدہ کرتا رہا۔ ایک دن وہ دشمن کی سرحدوں میں گھس گیا۔ اس نے دیکھا حریف لشکر پیش قدمی کے لیے تیار ہے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کی صفیں حرکت میں آگئیں۔ اس سے قبل کہ فرخ شاہ ان کی نظروں سے بچ کر نکل جاتا، دشمن کے سپاہیوں نے اسے دیکھ لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کے غول کے غول اس طرف لپکنے لگے۔ فرخ شاہ کے اکثر ساتھی پیچھے تھے، وہ ایک سو سے کم سپاہیوں کو لے کر جاسوسی کے لیے آگے آیا تھا۔ اس تعداد کے ساتھ دشمن سے مقابلہ بظاہر ناممکن تھا مگر اب کترا کر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں رہ گیا تھا۔ وہ اپنے بچاؤ کے لیے لڑنے پر مجبور ہو گیا۔ اگرچہ دشمن کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ بچ نکلنے کے امکانات نہ تھے مگر فرخ شاہ کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ ہتھیار ڈال کر مسلمانوں کی عزت کو بٹہ لگائے۔ اس نے مدد لانے کے لیے ایک دو برق رفتار سواروں کو عقب میں روانہ کیا اور اپنے باقی ساتھیوں کو شہادت کا شوق دلاتے ہوئے ایک جگہ جمع کر لیا۔ پھر ان میں سے چند بہترین نشانہ بازوں کو آگے بڑھ کر دشمن پر تیر اندازی کا حکم دیا۔ تیر اندازوں نے تیزی سے صف باندھ کر دشمن پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ دشمن کے سپاہی جوان مٹھی بھر مجاہدوں کے سرنگوں ہونے کا یقین کیے ہوئے تھے اس خلاف توقع صورتحال پر بوکھلا گئے۔ انہوں نے فوراً دفاعی ہیئت اختیار کی اور پھر اپنے نشانہ بازوں کو آگے لا کر جوابی تیر اندازی شروع کر دی۔

اس دوران فرخ شاہ اپنے ان ساتھیوں کی مدد آنے کا انتظار کرتا رہا، جنہیں وہ پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ کچھ

ہی دیر میں وہ تمام سپاہی فرخ شاہ کے پاس پہنچ گئے۔ ان کی کل تعداد ایک ہزار سے کم تھی۔ فرخ شاہ نے انہیں جنگی حکمت عملی سمجھائی جو صرف ایک نکتے پر مشتمل تھی:

''دشمن کی قیادت پر طوفانی حملہ کر کے اسے ٹھکانے لگاتے ہوئے خود شہادت کی منزل پالینا۔''

اسے آج کل کی اصطلاح میں فدائی حملہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ فرخ شاہ اپنے مٹھی بھر جاں نثاروں کے ساتھ دشمنوں سے ٹکرا گیا اور اس شدت سے لڑا کہ ان کے چھکے چھڑا دیے۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''فرخ شاہ نے خود کو جنگ میں جھونک دیا، وہ لڑائی پر چھا گیا اور معرکے کو تنہا اپنی ذمہ داری سمجھ کر لڑا۔''

اس موقع پر مسلم تیر اندازوں نے کمال کر دیا، انہوں نے نصرانی فوج کے قلب کو تیروں کی زد میں لے لیا۔ یہاں بڑے بڑے نواب، امراء اور نائٹ موجود تھے، خود شاہ یروشلم بالڈون بھی یہیں تھا۔ یہ سب تیروں کی برسات سے بری طرح گھائل ہونے لگے۔

بالڈون فرار۔ ہمفری مقتول: کچھ تیر اندازوں نے بالڈون کو ہدف بنا کر پے در پے نشانے لگائے۔ یہ دیکھ کر مشہور عیسائی نائٹ ہمفری اپنی جان کی بازی لگا کر بڑھا اور شاہ یروشلم کی ڈھال بن کر کھڑا ہو گیا۔ مسلمانوں کے تیروں کے لیے ہمفری بھی معمولی ہدف نہ تھا۔ کئی تیر اس سفاک دشمن کے جسم سے پار ہو گئے، ایک تیر اس کی ناک میں گھس کر داڑھ کو اکھاڑتا ہوا تھوڑی کے نیچے سے نکل گیا۔ اسے انتہائی زخمی حالت میں واپس لے جایا گیا اور دو دن بعد اس کی روح پرواز کر گئی۔ ہمفری نے ایک عرصے سے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہاء کر رکھی تھی، وہ بے حد تجربہ کار، جنگ آزمودہ اور نڈر انسان تھا۔ علامہ ابن اثیر کہتے ہیں:

''ہمفری کی شجاعت اور جنگی امور میں مہارت ضرب المثل تھی، وہ ایک بلا تھا جسے اللہ نے مسلمانوں پر مسلط کر دیا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کے شر سے مسلمانوں کو راحت پہنچائی۔''

ہمفری کے گرتے ہی بالڈون اپنی جان بچا کر بھاگا، اس دوران اس کی پوری فوج میں بھگدڑ مچ گئی تھی اور مسلمانوں نے انہیں تلواروں کی دھار پر رکھ لیا تھا۔ جو تلواروں سے بچ نکلے انہیں تیر اندازوں نے نہ بخشا۔ عماد اصفہانی کا بیان ہے کہ اس جنگ میں تیر اندازوں نے اتنے تیر چلائے کہ ان کے ترکش خالی ہو گئے۔

جنگ کے اختتام پر ہلاک شدہ نصرانیوں کی لاشیں دور دور تک بکھری نظر آ رہی تھیں۔ ان کے بہت سے قیدی سر جھکائے ایک طرف کھڑے تھے۔ دشمن کا لشکر بکھر کر بھاگ چکا تھا۔ بالڈون تھوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ اپنے ٹھکانے تک پہنچ سکا۔ علامہ شہاب الدین المقدسی فرماتے ہیں:

• البرق الشامی: 151/3 • الکامل فی التاریخ: تحت 574ھ • الکامل فی التاریخ: تحت 574ھ

"فرنگی بڑی رسوائی کے ساتھ واپس لوٹے، ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو زخمی نہ ہو۔ روزانہ ان کے کسی نہ کسی زخمی افسر کی موت کی خبر مسلمانوں تک پہنچ رہی تھی۔"

چند سو سپاہیوں کے ساتھ شاہ یروشلم کی فوج کا تیا پانچا کر دینا ایک غیر معمولی کارنامہ تھا جس کے باعث فرخ شاہ کا نام تاریخ میں محفوظ ہو گیا۔ یہ فتح اس بات کا ثبوت تھی کہ اللہ تعالیٰ کی وہ مدد جو غزوۂ بدر اور غزوۂ احزاب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شامل حال ہوا کرتی تھی، ہر دور میں اہل ایمان کو نصیب ہو سکتی ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اس فتح کی خوشخبری اسی دن نامہ بر کبوتروں کے ذریعے دمشق پہنچ گئی۔ سلطان صلاح الدین اس بشارت سے مسرور ہو کر فاتحین کے استقبال کے لیے دمشق سے نکل پڑے۔ وہ راستے ہی میں تھے کہ فاتح سپاہی مقتول نصرانیوں کے کٹے ہوئے سروں اور قیدیوں کی قطاروں کے ساتھ ان سے آ ملے۔ ۵

---

۵ صبح الاعشیٰ: 2/21، تحت 574ھ

فصل:8

بانیاس کے میدان میں

شام اور عراق میں قحط سالی نے نہایت خطرناک صورت حال اختیار کر لی تھی۔ ادھر شاہ یروشلم کی اس شکست کے بعد سلطان کو کچھ عرصہ کے لیے نصرانیوں سے کسی جارحیت کی توقع نہ تھی لہٰذا سلطان نے مناسب سمجھا کہ بھوک سے درماندہ فوج کے بڑے حصے کو مصر بھیج دیا جائے تاکہ شام کے غذائی ذخیرے جلد ختم ہو جانے کا خطرہ کم ہو سکے۔

ذیقعدہ 574ھ (مئی 1179ء) کے آخر میں سلطان نے اپنے بڑے بھائی توران شاہ کو جسے حال ہی میں بعلبک کا قلعہ دیا گیا تھا ترغیب دی کہ وہ فوج کے ایک حصے کو لے کر مصر چلا جائے۔ جمعہ 24 ذیقعدہ (3 مئی) کو توران شاہ نماز جمعہ کی ادائیگی سے فارغ ہو کر ایک بڑے قافلے کے ساتھ مصر روانہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ سپاہیوں کے علاوہ تاجروں اور عام مردوں عورتوں اور بچوں کی بڑی تعداد بھی تھی۔ فوج کی وجہ سے یہ لوگ راستے میں کسی خطرے کا سامنا کیے بغیر مصر پہنچ گئے۔ یوں قحط سالی سے دمشق کے خزانے پر پڑنے والا ناقابل برداشت بوجھ کسی حد تک کم ہو گیا۔ ●

<u>نصرانیوں کی عہد شکنی اور سلطان کی چھاپہ مار کاروائیاں</u>: دو مہینے آرام سے گزر گئے، سلطان بانیاس کے مقام "تل قاضی" پر پڑاؤ ڈالے ہوئے چوکیوں سے دشمن کی حرکات و سکنات کا معاینہ کر رہے تھے۔ یہ علاقہ فرنگیوں کی سرحد پر تھا جن کی جانب سے ایک بار پھر چھیڑ چھاڑ شروع ہو چکی تھی۔ عکا کے اور ہونین کے حاکم نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اسلامی عملداری کے علاقے شیزر پر چھاپہ مار کر بہت سے مویشی چھین لیے تھے۔ طرابلس کے حاکم ریمنڈ (قومص) نے اپنی سرحدوں کے قریب آباد ترکمان مسلمانوں سے معاہدہ توڑ کر ان پر شب خون مارا تھا۔ یہ دیکھ کر سلطان نے کچھ ترتیب سے اپنے <u>افسران کو مختلف علاقوں پر تعینات کر دیا</u>۔ اپنے بھتیجے تقی الدین عمر کو لشکر مقدم اور

● طبقات الشافعیہ 7/22

امیر مشطوب کے ساتھ حماۃ کی سرحد پر بھیج دیا۔ اپنے چچازاد بھائی ناصر کو ریمنڈ کے بالمقابل حمص کے محاذ پر متعین کر دیا۔ ساتھ ہی مصر میں اپنے نائب ابوبکر الملک العادل کو لکھ بھیجا کہ وہ صرف ڈیڑھ ہزار منتخب شہسواروں کو ان کے پاس بھیج دے۔ اب سلطان کے جانبازوں نے روزانہ آخرِ شب میں دشمن کے علاقوں میں چھاپے مارنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ان کی زیادہ تر کارروائیاں دشمن کی خوراک ورسد کے ذخیرے لوٹنے سے متعلق تھیں۔ ❶

<u>مرج عیون کا یادگار معرکہ</u>: نیا اسلامی سال 575ھ اس حال میں شروع ہوا کہ شام میں مسلمانوں اور نصرانیوں کے درمیان سرحدوں پر چھاپہ مار کارروائیاں جاری تھیں۔ بانیاس کے میدان کے ایک حصے میں ایوبی سپاہ کی خیمہ گاہ سے ہر رات جواں مردوں کی ٹولیاں نکلتیں اور دشمن پر شہد کی مکھیوں کی طرح ٹوٹ پڑتیں، مگر ان کامیابیوں کے باوجود سب سے پریشان کن مسئلہ یہ تھا کہ قحط کی وجہ سے اپنی پیداوار بھی ختم ہونے کو تھی اور دشمن سے چھینے گئے اناج کے ذخائر بھی اب لشکر کی ضروریات کے لیے ناکافی تھے۔ اس لیے سلطان کے لشکر کے لیے یہاں قیام آسان نہیں رہا تھا۔

اُدھر دشمن کے علاقوں میں قحط کی صورتحال نہیں تھی بلکہ وہاں فصلیں ہری بھری تھیں اور ان کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کافی تھیں۔ عزالدین فرخ شاہ جو مُنری کے قتل کے بعد خاصا مشہور ہو چکا تھا ان حالات میں بڑا فکر مند تھا۔ وہ اسی خیمہ گاہ میں ٹھہرا ہوا تھا، اس کے سپاہیوں کے خیمے سلطان کے احاطے سے خاصے دور تھے۔ جس رات محرم کا چاند دکھائی دیا وہ اپنے ساتھیوں اور امراء کی ایک جماعت کے ساتھ سلطان کے پاس حاضر ہوا اور تجویز پیش کرتے ہوئے کہا:

"یہاں قیام دشوار ہو چکا ہے، گرمی بڑھتی جارہی ہے، فصلیں اجڑ چکی ہیں، ہمارا لشکر بکھرا ہوا ہے جبکہ دشمن بالکل تیار ہے، مناسب ہوگا کہ ہم کسی ایسے مقام کی طرف منتقل ہو جائیں جہاں تنگی کی بجائے وسعت اور نقصان کی جگہ نفع میسر آئے۔"

سلطان صلاح الدین ایوبی نے فرخ شاہ کی رائے کو یوں مسرت سے سنا جیسے ان کے دل کی بات کہہ دی گئی ہو۔ وہ بولے:

"کیا خوب تجویز ہے۔ سمجھیں آپ حضرات کی کوشش کامیاب ہوئی۔ اب بس اتنی کسر رہ گئی ہے کہ آپ سب آج رات اٹھ کھڑے ہوں اور دشمن کے علاقے میں گھس جائیں۔ وہ جو کچھ چھوڑ چھاڑ کر فرار ہوں، اسے جمع کر کے کیمپ میں لوٹ آئیں۔ جب آپ کامیابی کے ساتھ واپس

❶ البرق الشامی: 162/3

آجائیں گے تو ہم اصل ہدف کی طرف پیش قدمی کریں گے جس سے اسلام کو نفع اور اس کے پرچم کو بلندی نصیب ہوگی۔"

اسی رات سلطان کی فوج کا اکثر حصہ مختلف ٹکڑوں میں بٹ کر دشمن کے علاقے میں خوراک لوٹنے کے لیے نکل گیا۔ فرخ شاہ ان کی قیادت کر رہا تھا۔ اگلا دن اتوار کا تھا۔ سلطان کو صبح سے عجیب سی بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ فرخ شاہ کے بارے میں فکرمند تھے جو اب تک نہیں لوٹا تھا۔ ••

سلطان کا خدشہ بالکل درست تھا۔ فرخ شاہ دشمن کی زد میں آچکا تھا۔ رات بھر شب خون مارنے کے بعد صبح سویرے اسے دشمن کی نقل وحرکت کا علم ہوا تھا۔ اس نے سلطان کو اس خطرے کی اطلاع تو بھجوا دی تھی مگر اس کے لیے سب بڑا مسئلہ یہ تھا کہ دشمن کے علاقے میں داخل ہونے کے بعد تیز رفتاری کے باعث وہ باقی سپاہیوں سے خاصا آگے نکل گیا تھا۔ اب اس کے ساتھ تیس سے بھی کم سپاہی رہ گئے تھے۔

وہ محتاط انداز میں واپسی کا راستہ تلاش کر رہا تھا کہ اسے ایک پہاڑ پر نصرانیوں کا ایک دستہ نظر آیا۔ یہ چھ سو گھڑسوار تھے جو فرخ شاہ کی کمک کا راستہ بند کرنے کے لیے مقرر کیے گئے تھے۔ پہاڑ کے سامنے ندی بہہ رہی تھی۔ فرخ شاہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"میرا خیال ہے ہمیں ندی عبور کر کے ان پر حملہ کر دینا چاہیے۔"

امیر سسام الدین تمیرک نے ٹوکتے ہوئے کہا:

"کیا کہہ رہے ہو، کن کے ساتھ اور کس چیز سے ان پر حملہ کرو گے۔" فرخ شاہ نے اٹل لہجے میں کہا: "جب ہم ندی عبور کر کے ان پر حملہ کریں گے تو یہ لوگ مرعوب ہو جائیں گے۔ اتنی دیر میں ہمارے بقیہ ساتھی بھی پہنچ جائیں گے اور یہ گھبرا کر بھاگ نکلیں گے۔ اس کے برخلاف اگر ہم یہیں رکے رہے یا پیچھے ہٹے تو یہ لوگ جری ہو کر ہم پر ٹوٹ پڑیں گے۔"

فرخ شاہ کے ساتھیوں نے اس رائے سے اتفاق کیا اور ندی عبور کر کے پہاڑی پر چڑھنے لگے۔ چند لمحوں بعد وہ دشمن سے ٹکرا چکے تھے۔ ان گنتی کے پچیس چھبیس گھڑسواروں اور چھ سو نصرانیوں میں شدت کی جنگ شروع ہوگئی۔ ••

ادھر سلطان ایوبی صبح سویرے گھوڑے پر سوار ہو کر چند مصاحبین کے ساتھ اپنے سپاہیوں کی خیر خبر لینے دشمن کے علاقے کی طرف نکل پڑے تھے کیونکہ اب تک انہیں اپنے چھاپہ ماروں کی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ بانیاس کا حاکم سسام الدین بھی ان کے ساتھ تھا۔ دشمن کی سرحد پر پہنچ کر وہ راستے کے

•• طبری اسلامی:3/162 ••• سلسلہ الکامل:1/16، طبری اسلامی:3/173

کنارے کھڑے ہو گئے اور مخبر کا انتظار کرنے لگے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اللہ تعالیٰ سے مجاہدین کی کامیابی کی دعائیں بھی کر رہے تھے۔

اچانک سلطان کی نظر گایوں، بکریوں اور گھوڑوں کے گلوں پر پڑی۔ یہ بانیاس کے چرواہوں کے مویشی تھے جو چراگاہوں سے لوٹ رہے تھے حالاں کہ یہ ان کے لوٹنے کا وقت نہیں تھا۔ جانور گھبرائے ہوئے تھے اور جنگل سے نکل کر تیزی سے وادی میں اتر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر بے اختیار سلطان کے منہ سے نکلا:

''جنگ چھڑنے کو ہے۔''

سلطان کے دیکھتے ہی دیکھتے ایک چرواہا لپکتا ہوا ان کے پاس آن پہنچا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا:

''میں نے دیکھا ہے کہ دشمنوں کا ایک لشکر آپ کے ان سپاہیوں سے لڑائی کے لیے تیار ہے جو رات کو لوٹ مار کے لیے ان کے علاقے میں داخل ہوئے تھے۔''[1]

ویسے تو سلطان کا محکمۂ خبر رسانی اور شعبۂ جاسوسی نہایت فعال تھا۔ یہ بہت مشکل تھا کہ دشمن کا لشکر اتنی خاموشی سے قریبی علاقے میں پہنچ جائے اور انہیں خبر تک نہ ہو مگر آج مخبر چوک ہی گئے تھے۔ بہر حال سلطان نے چرواہے کو مطمئن کرتے ہوئے کہا:

''اگر فرنگیوں نے پیش قدمی کا ارادہ کیا ہوتا تو ہمارا جاسوس نہ صرف ہمیں خبر دے چکا ہوتا بلکہ دشمن کی تعداد، وسائل اور منصوبہ بندی تک سے آگاہ کر چکا ہوتا۔''

مگر سلطان جانتے تھے کہ چرواہے کی بات سچ ہے اور دشمن کا لشکر زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ چرواہے کو مطمئن کرنا اس لیے ضروری تھا تا کہ وقت سے پہلے ہی افواہیں نہ پھیل جائیں۔ کچھ ہی دیر میں جاسوسوں نے آکر اس خبر کی تصدیق کر دی کہ دشمن کے ایک بڑے لشکر نے ''مرج عیون'' کے مقام پر ہمارے چھاپہ مار دستوں کو روک لیا ہے۔ یہ سن کر سلطان بڑی تیزی سے اپنی خیمہ گاہ کی طرف لوٹے۔ ظہر کا وقت ہو چکا تھا۔ سلطان نے منادی کرا دی کہ جو امراء، غلام، خدام اور سپاہی چھاپہ مار کارروائیوں میں حصہ لینے سے رہ گئے ہیں وہ سب فوراً جمع ہو جائیں۔ تھوڑی دیر میں پوری خیمہ گاہ کے باقی افراد ان کے گرد جمع ہوئے۔ اصطبل میں زائد گھوڑے موجود تھے۔ ان پر زینیں کس دی گئیں۔ سلطان نے ان افراد کو ایک دستے کی شکل میں منظم کیا اور انہیں اپنی قیادت میں لے کر تیزی سے دشمن کی طرف لپکے۔ انہیں اچھی طرح احساس تھا کہ فرخ شاہ کے ساتھی کتنے بڑے خطرے سے دوچار ہیں۔

ادھر مسلمان چھاپہ مار دستوں نے جو خوراک کے ذخائر لوٹ کر لا رہے تھے دشمن کے لشکر کی نقل

[1] الروضتین:3/162

وحرکت کو بھانپتے ہی لوٹے ہوئے سامان کو وہیں چھوڑ کر خود کو زائد بوجھ سے آزاد کرلیا تھا۔ وہ پہلے مختلف سمتوں میں پھیلے ہوئے تھے اور اب ایک جگہ جمع ہونے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ صف بستہ جنگ لڑی جاسکے، ادھر دشمن نے ان کی واپسی کا راستہ روکنے کے لیے سرحد پر جگہ جگہ گشتی دستے متعین کردیے تھے۔ [1]

بہرکیف مسلمانوں کے چھاپہ مار دستے ہر طرف سے سمٹ کر فرخ شاہ کے ساتھ جاملے۔ ادھر سے نصرانیوں کی بڑی فوج بھی جو دس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی، میدان کارزار میں پہنچ گئی۔ اس کی کمان شاہ یروشلم بالڈون کے ہاتھ میں تھی جو کچھ دنوں پہلے کی شکست کا انتقام لینے کے لیے دیوانہ ہو رہا تھا۔ بڑے بڑے حکام، امراء اور نواب اس کے ہم رکاب تھے۔ آخر معرکہ شروع ہوا اور مسلمان جان ہتھیلی پر رکھ کر پوری ثابت قدمی سے لڑنے لگے۔ [2]

فرخ شاہ ایک بار پھر غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس نے بعد میں اس معرکے میں اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا: ''میں اس لڑائی میں آر یا پار کی حالت سے گزر رہا تھا اور متنبی شاعر کے یہ دو شعر دہرا رہا تھا:

فَإنْ تَكُنْ الدَّوْلَاتُ قِسْماً فَإنَّهَا لِمَنْ وَرَدَ الْمَوْتَ الزُّؤَامَ تَدُوْنُ

لِمَنْ هَوَّنَ الدُّنْيَا عَلَى النَّفْسِ سَاعَةً وَلِلْبِيْضِ فِيْ هَامِ الْكُمَاةِ صَلِيْلُ

''اگر فتوحات کسی کی قسمت میں ہیں تو یہ اسی شخص کا حصہ ہوسکتی ہیں جو خود موت کے لیے تیار ہو اور دنیا کو اپنے لیے اس گھڑی بے حیثیت کردے جب تلواریں مسلح سپاہیوں کی آہنی ٹوپیوں سے ٹکرا کر جھنکار پیدا کر رہی ہوں۔'' [3]

معرکہ پوری شدت سے جاری تھا کہ سلطان صلاح الدین اپنے وفاداروں کا امدادی دستہ لیے آن پہنچے۔ اب مجاہدین کی ہمت بڑھ گئی۔ وہ گھمسان کی جنگ کے بعد دشمن کو عبرت ناک شکست دینے میں کامیاب ہوگئے۔ سلطان معرکے کے بعد اپنی خیمہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے تو ان کی تلوار سے خون ٹپک رہا تھا۔

اس لڑائی میں نصرانیوں کے بے شمار افراد قتل اور باقی فرار ہونے پر مجبور ہوگئے تھے۔ عام قیدیوں کی ایک خاصی تعداد مسلمانوں کے ہاتھوں آئی تھی مگر اس جنگ کا سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ اس میں 70 کے لگ بھگ بڑے بڑے عیسائی حاکم، نائٹ اور نواب گرفتار ہوئے تھے جن میں حاکم طرابلس ریمنڈ، ابلین کا حاکم بالیان، طبریہ کا نواب ہیوگ اور ٹیمپلرز اور ہاسپٹلرز کے گرینڈ ماسٹرز قابل ذکر ہیں۔ ان میں

[1] البرق الشامی: 3/163

[2] صلاح الدین، لین پول، ص: 71

[3] الکامل فی التاریخ: 7/277، البرق الشامی: 3/163

رملہ اور نابلس کا حاکم ابن بیرزان ابن بھی شامل تھا جو شاہ یروشلم کے بعد سب سے معزز نصرانی قائد شمار ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کا بھائی حاکم ھیپل، جتین کا نواب اور کئی مشہور امراء پکڑے گئے تھے البتہ شاہ یروشلم ایک بار پھر زخمی ہونے کے باوجود فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ ①

قیدیوں کی سلطان کے سامنے پیشی ※ اتنی بڑی تعداد میں صلیبی حکام کی گرفتاری سے عیسائی ریاستوں میں صف ماتم بچھ گئی تھی جبکہ مسلمانوں کے لیے یہ نہایت مسرت کا موقع تھا۔ اپنے معسکر پہنچ کر سلطان ایوبی نے ساتھیوں کو جمع کیا، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور فرمایا:

''اگر اللہ تعالیٰ کی تائید شامل حال نہ ہوتی تو یہ واقعہ بہت بڑے خطرے اور سخت نقصان کا باعث ہوتا۔ ان لوگوں نے ہم پر یکدم دھاوا بول دیا جبکہ ہم بے خبر تھے۔ انہوں نے اپنے راز کو خوب چھپایا جبکہ ہم اپنی دھن میں چلے جا رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی بصارت پر پردہ ڈال دیا اور انہیں صحیح راہ سے بھٹکایا۔ اگر یہ لوگ پہلے ہماری خیمہ گاہ پر حملہ آور ہوتے تو کھلا موقع پالیتے اور انہیں میدان خالی ملتا۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کے ارادے کی تکمیل میں حائل ہوگیا۔''

اس کے بعد سلطان نے گرفتار شدگان میں سے اونچے درجے کے قیدیوں کو اپنے پاس طلب کیا۔ وہ خوف و دہشت سے لڑکھڑاتے ہوئے سلطان کے سامنے حاضر ہوئے۔ اس وقت سلطان کی خدمت میں جو خاص مصاحبین موجود تھے وہ بیس سے زیادہ نہیں تھے۔ جبکہ ان کے سامنے 70 سے زائد قیدی کھڑے تھے مگر ان پر کچھ ایسی ہیبت طاری تھی کہ وہ عاجزی اور مسکنت کے ساتھ چپ چاپ کھڑے رہے۔ انہیں گڑبڑ کرنے کی جرأت نہ ہوسکی۔

اس وقت رات کا ایک پہر بیت چکا تھا۔ سلطان کے خیمے میں شمعیں روشن تھیں اور امراء و خواص آس پاس موجود تھے۔ قیدیوں پر کوئی سختی نہیں کی گئی پھر بھی ان کی حالت پتلی تھی۔ سلطان نے ان ظالم وجابر لوگوں کو سرنگوں دیکھ کر نرمی کا معاملہ کیا۔ انہیں بٹھا کر شائستہ انداز سے بات چیت کی۔ عشاء کی نماز سے لے کر فجر کی اذان تک سلطان اسی مجلس میں بیٹھے جنگ کے بعد کے معاملات کو حل کرتے رہے اور پھر عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد دوبارہ اپنی نشست پر آکر عام قیدیوں کو جو دو سو سے زائد تھے بلوایا۔ ان کے حال احوال کا جائزہ لیا۔ بعدازاں ان تمام قیدیوں کو دمشق کے قید خانے میں بھیج دیا۔ ②

سلطان نے ان قیدیوں کی پوری پوری قیمت وصول کی۔ ابن بارزان کو ایک سال تک جیل میں رکھنے

---

① البرق الشامی: 165/3، کتاب الروضتین: تحت 575ھ، صلاح الدین، لین پول، ص: 71

② البرق الشامی: 165/3، کتاب الروضتین: تحت 575ھ

کے بعد اس کے بدلے اپنے دستِ راست فقیہ عیسیٰ الہکاری اور ان کے بھائی سمیت ایک ہزار مسلمان قیدیوں کو آزاد کرایا (فقیہ عیسیٰ رملہ کے معرکے میں گرفتار ہوئے تھے) اس کے ساتھ ساتھ ڈیڑھ لاکھ دینار بھی وصول کیے۔ ابن قومصیہ نامی عیسائی سردار کو اس کی ماں نے پچپن ہزار شامی دینار فدیہ دے کر آزاد کرایا۔ البتہ ٹیمپلرز گروہ کے گرینڈ ماسٹر (مقدم الداویہ) ''اوڈ'' کو رہا نہ کیا گیا اور وہ مختلف جیل خانوں میں سڑتا ہوا کئی سال بعد مر گیا۔"

دو مزید فتوحات:- مرج عیون کی اس شاندار فتح کے ساتھ سلطان کو ایک اور خوشخبری ملی۔ ایشیائے کوچک کے حکمران قلیج ارسلان کو سلطان کے لشکر کے مقابلے میں شکست ہوئی تھی۔ یہ لشکر اپنی سرحدوں کے دفاع کے لیے روانہ کیا گیا تھا۔ ہوا یہ تھا کہ کچھ مدت پہلے قلیج ارسلان نے سلطان کے پاس سفیر بھیج کر سرحدی قلعے ''رعبان'' پر اپنا حق جتایا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ قلعہ زنگی نے اس سے چھینا تھا اور الملک الصالح نے اسے لوٹا دیا ہے اس لیے سلطان اس سے دست بردار ہو جائے۔ اس غیر معقول مطالبے پر سلطان کو غصہ آ گیا اور سفیر کو درشت جواب دے کر واپس بھیج دیا جس کے بعد قلیج ارسلان طاقت آزمائی پر اتر آیا اور اس نے فوج بھیج کر رعبان کا محاصرہ کر لیا۔

سلطان صلاح الدین نے مرج عیون کے معرکے سے کچھ دن پہلے اس محاصرے کو توڑنے کے لیے اپنے معتمد جرنیل تقی الدین عمر اور سیف الدین مشطوب کو ایک ہزار سپاہی دے کر ادھر روانہ کیا تھا۔ ادھر قلیج ارسلان کے پاس بیس ہزار سپاہی تھے مگر تقی الدین بہت تجربہ کار انسان تھا۔ اس نے حکمت عملی سے کام لے کر قلیج ارسلان کی عددی برتری کو بے حیثیت کر دیا۔ رعبان کا قلعہ نہایت دشوار گزار پہاڑی علاقے میں تھا۔ یہاں کی پرپیچ گھاٹیوں اور تنگ راستوں کو زیادہ تر پیدل ہی طے کیا جا سکتا تھا۔ رات کی تاریکی میں تقی الدین یہاں پہنچا تو اس کے ساتھ صرف دو سو سپاہی تھے۔ باقی راستے کی دشواری کے باعث خاصے پیچھے آ رہے تھے۔

تقی الدین نے دیکھا کہ دشمن کے سپاہی بہت زیادہ ہیں اور قلعے کے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''دشمن بے خبر اور مطمئن ہے۔ ہمیں مختلف سمتوں میں پھیل کر چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں ان پر حملہ کر دینا چاہیے۔ ہم نعرے لگاتے، بگل بجاتے اور نقارے پیٹتے ہوئے آگے بڑھتے جائیں گے۔ اس سے بے خبر دشمنوں کے پاؤں اکھڑ جائیں گے۔''

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ایوبی سپاہیوں نے گھوڑوں کی ٹاپوں سے فضا کو دہلاتے، نعرے لگاتے

.. سفرنامہ ابن جبیر: 1/ 18

نقارے پیٹتے ہوئے دشمن پر حملہ کر دیا۔ دشمن کے بہت سے سپاہی بیدار تھے اور قلعے کے محاصرے میں مصروف تھے۔ یہ تین ہزار ترک سپاہی تھے۔ انہوں نے تقی الدین کو گھیرنے کی کوشش کی مگر تقی الدین ان پر پل پڑا۔ اس کے ساتھی بھی اس کے پیچھے حریف پر ٹوٹ پڑے۔ تھوڑی دیر میں قلج ارسلان کے سپاہی بھاگ نکلے اور ان کی خیمہ گاہ کا سارا ساز و سامان ایوبی سپاہیوں کے ہاتھ لگ گیا۔ ان کے کئی افسران گرفتار ہوئے مگر تقی الدین نے کشادہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان سب کو زادِ راہ اور سواریوں کے علاوہ خلعتوں سے نوازتے ہوئے ان کے ملک واپس روانہ کر دیا۔

مرج عیون کے اسی معرکے کے دن بحیرۂ روم میں بھی سلطانی افواج کو ایک فتح نصیب ہوئی تھی۔ وہاں سلطان کے بحری بیڑے نے جس میں بیس جہاز اور ساٹھ جنگی کشتیاں شامل تھیں، رومیوں کے ساحلی شہروں پر حملے کیے اور سلطان کے بحری افسران ایک ہزار قیدیوں کو لے کر مصر لوٹے۔

تقریباً ایک ہی وقت میں ان تین اکٹھی فتوحات نے سلطان صلاح الدین کی حالت بہت مستحکم بنا دی جبکہ ان کاری ضربات کے زخم دشمنوں کے لیے خاصے دنوں تک حوصلہ شکن رہے۔ پورے عالم اسلام میں سلطان کی ان فتوحات کا چرچا ہو گیا۔ بغداد کے ایک شاعر ابن التعاویذی نے ان کامیابیوں پر سلطان کی تعریف کرتے ہوئے کہا:[1]

لَوْ اَنَّ لِلَّیْثِ الْهِزَبْرِ بِسَطْوَةٍ — لم یَلْجَأْ اِلٰی غَابٍ لَهٗ وَعَرِیْنٍ
اگر شیرِ خونخوار میں ان جیسی دلیری ہوتی — تو وہ اپنی کچھار میں پناہ نہ لیتا

وَالْبَحْرُ لَوْمُزِجَتْ بِهٖ اَخْلَاقُهٗ — لَغَدَتْ مِیَاهُ الْبَحْرِ غَیْرَ اَجُوْنٍ
اگر سمندر میں انکے اخلاق ڈال دیے جائیں تو — تو سمندر کا پانی کھارا نہ رہے

لَكَ عِفَّةٌ فِیْ قُدْرَةٍ وَتَوَاضُعٌ — فِیْ عِزَّةٍ وَشَرَاسَةٌ فِیْ لِیْنٍ
اے بادشاہ آپ قدرت رکھتے ہوئے پاک دامن — عزت کیساتھ متواضع اور نرمی کیساتھ سخت گیر بھی ہیں

وَاَرَیْتَنَا بِجَمِیْلِ صُنْعِكَ مَارَوٰی — الرَّاوُوْنَ عَنْ اُمَمٍ خَلَتْ وَقُرُوْنٍ
آپ نے ہمیں اپنے عمدہ کارنامے دکھا کر گزشتہ — صدیوں اور نسلوں کی روایات تازہ کر دی ہیں

وَضَمِنْتَ اَنْ تُحْیِ لَنَا اَیَّامَهُمْ — بِالْمَكْرُمَاتِ فَكُنْتَ خَیْرَ ضَمِیْنٍ
آپ نے ذمہ لیا ہے کہ ہمیں عظمتِ اسلام کے گزشتہ ایام — اعزاز کیساتھ واپس دلائیں گے پس آپ بہترین ضامن ہیں

[1] سنا بالکان 1/20، 24 ب الروضتین، تحت 575ھ

فصل:9

حصن الاحزان کی فتح
سلطان صلاح الدین ایوبی کا استحکام

سلطان صلاح الدین نے اب اپنی پوری توجہ حصن الاحزان پر مرکوز کردی جو نصرانیوں کے لیے ایک مضبوط پناہ گاہ تھا اور جس کی بدولت عیسائی اتنے جرأت مند ہو چکے تھے کہ انہوں نے تھوڑی سی مدت میں سلطان کے خلاف دو بار فوج کشی کی تھی۔ سلطان نے عیسائی حکام کو لکھوا بھیجا کہ وہ حصن الاحزان کو فوری طور پر منہدم کردیں۔ جواب نفی میں ملا تو سلطان نے خبردار کرتے ہوئے کہا:

''قلعے کو خود منہدم کردو ورنہ میں اسلامی لشکر لے کر آرہا ہوں۔''

عیسائی اس قلعے کو اپنے ہاتھوں منہدم کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ انہوں نے اس پر بے پناہ رقم خرچ کی تھی جس میں ٹیمپلرز نے سب سے زیادہ مالی تعاون کیا تھا مگر اب جبکہ انہیں یقین ہو چلا تھا کہ مسلمان قلعے کو تباہ کیے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے تو انہوں نے سلطان کے سامنے یہ شرط پیش کی کہ قلعے کی تعمیر پر لگنے والے اخراجات انہیں دے دیے جائیں۔ سلطان نے اسے قبول کرتے ہوئے ساٹھ ہزار دینار کی پیش کش کی مگر نصرانیوں نے اسے کم گردانتے ہوئے انکار کردیا۔ اب سلطان نے ایک لاکھ دینار کی پیش کش کی، یہ بات انہیں پرکشش معلوم ہوئی مگر وہ اس میں مزید اضافے کے خواہش مند تھے۔ ادھر سلطان نے اس خطیر رقم میں مزید اضافہ کرنے نہ کرنے کی بابت اپنے امراء کا اجلاس بلا کر مشورہ لیا۔ امراء کی اکثریت اس پر رضامند ہوگئی کہ فرنگیوں کو مطلوبہ رقم دے کر قلعہ منہدم کروالیا جائے۔ [1]

تقی الدین کا بے باکانہ مشورہ: ان دنوں سلطان کا امیر تقی الدین حماۃ کے قلعے کی مرمت کے لیے گیا ہوا تھا۔ سلطان نے اس سے مشورہ بھی ضروری سمجھا اور امراء کی ایک جماعت کو اپنے مکتوب کے

[1] البرق الشامی: 3/175، 176؛ کتاب الروضتین: 3/37

ساتھ اس کے پاس بھیجا تا کہ وہ اسے معاملے کی نزاکت سمجھا کر پوری وضاحت کے ساتھ اس سے رائے لے لیں۔ تقی الدین نے سلطان کا خط پڑھ کر ان امراء سے کہا:

''مجھے رقم ادا کرنے کی بات پسند نہیں آئی۔''

پھر سلطان کو دوٹوک انداز میں لکھا:

''آپ جس رائے پر عمل کا ارادہ کر رہے ہیں وہ کچھ حقیقت نہیں رکھتی بلکہ اللہ تعالیٰ آپ سے فرنگیوں کو خواہ مخواہ اتنا مال دینے کے بارے میں باز پرس کریں گے جب کہ آپ فرنگیوں پر حملہ کرنے کی قدرت بھی رکھتے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ یہ دولت اپنے سپاہیوں پر خرچ کر کے حصن الاحزان پر حملہ کیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا۔''

سلطان نے تقی الدین کا خط پڑھا تو خوش ہو کر بولے:

''درست رائے یہی ہے۔''

اب سلطان نے دریائے فرات کے دونوں کناروں پر آباد ترکمان قبائل کی طرف نقد مال، تحائف اور خلعتیں روانہ کر کے انہیں اپنی مدد کے لیے بلایا۔ انہوں نے ندائے جہاد پر لبیک کہتے ہوئے بکثرت جوان سلطان کی خدمت میں بھیج دیے۔ سلطان کی ترغیب پر دیگر شہروں اور قصبوں سے بھی بڑی تعداد میں سپاہی پہنچنے لگے۔ یکم ربیع الثانی 575ھ (5 ستمبر 1179ء) کو تقی الدین خود سپاہیوں کی خاصی تعداد لے کر حماۃ سے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ سلطان اس وقت دمشق پہنچ چکے تھے۔ وہ تقی الدین کی آمد سے بہت خوش ہوئے۔ ۞

<u>حصن الاحزان کا محاصرہ</u> ※ اب ایک مضبوط لشکر تیار ہو چکا تھا۔ سلطان جمعرات 5 ربیع الثانی 575ھ (9 ستمبر 1179ء) کو دمشق سے حصن الاحزان کی سمت روانہ ہوئے۔ منگل 11 ربیع الثانی (13 ستمبر) کو وہ قلعے کی فصیلوں کے سامنے تھے۔ اردگرد کے عیسائی قلعے میں پناہ لے کر مورچہ بند ہو چکے تھے۔ قلعے کی مضبوطی مسلمانوں کے اندازوں سے کہیں بڑھ کر تھی۔ اس کو ساڑھے دس مربع فٹ کے بیس ہزار پتھروں سے جوڑ کر بنایا گیا تھا۔ دیکھنے میں وہ ایک ٹھوس چٹان معلوم ہوتا تھا۔

شدید گرمی کے دن تھے، سورج آگ برسا رہا تھا اور زمین تپ کر بھٹی بن چکی تھی۔ اس کے باوجود سلطان نے طویل محاصرہ کر کے حصن الاحزان کو منجنیقوں کے ذریعے کمزور کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ چونکہ اس علاقے میں پتھر کم دستیاب تھے اس لیے سلطان نے منجنیقوں میں پتھروں کی جگہ درختوں کے تنے

۞ سنا البرق الشامی: 25/1

استعمال کرنے کی ترکیب سوچی اور اگلے دن کچھ فوج کے ساتھ صبح سویرے قریبی علاقے میں واقع قلعۂ صفد کی جانب چلے گئے جو نصرانیوں کی جنگجو تنظیم ٹیمپلرز (داویہ) کے پاس تھا۔ انہوں نے صفد کے قلعے کے آس پاس انگوروں کے باغ صاف کرا دیے اور بڑے بڑے درختوں کے تنے کٹوا دیے۔ ظہر کے بعد سلطان یہ سامان لے کر اپنی خیمہ گاہ لوٹ آئے۔

نمازِ عصر سے فارغ ہو کر انہوں نے امراء کو مشورے کے لیے بلایا۔ امیر عزالدین جاولی نے عرض کیا:

''ہم چاہتے ہیں کہ منجنیقیں چلانے سے پہلے آپ ہمیں عام حملہ کرنے کا موقع دیں۔ ہم ان سے دست بدست لڑائی کا مزا بھی لیں اور ان کی اوقات بھی دیکھ لیں۔ ہوسکتا ہے ہمیں اس دوران قلعے پر قبضے کا موقع مل جائے۔''

سلطان نے کہا:

''آپ استخارہ کرلیں اور پھر جو مناسب معلوم ہو کریں۔''

کچھ دیر بعد ایوبی امراء قلعے کی بیرونی فصیل پر حملہ کر رہے تھے۔ بیرونی فصیل کے محافظ عیسائی مقابلے کرنے کی بجائے پسپا ہو کر قلعے میں داخل ہوگئے۔ انہوں نے اندر جانے کے تمام راستے بند کردیے اور قلعے کے برجوں میں چھپ کر تیر اندازی اور آتش باری کرنے لگے۔

اس کے باوجود ایوبی سپاہیوں نے بیرونی فصیل پر قبضہ کر کے قلعے کو گھیر لیا اور اپنا زیادہ تر سامان وہیں منتقل کرلیا۔ رات بھر وہ جاگ کر پہرہ دیتے رہے، سلطان مسلسل انہیں تازہ دم سپاہی بھیج رہے تھے۔ خطرہ تھا کہ موقع پاتے ہی نصرانی سپاہی دروازے کھول کر باہر نکل آئیں گے اور ان پر شب خون مارنے کی کوشش کریں گے مگر اس دوران اسلامی فوج کے ایک غلام نے قلعے کے دروازے کے پاس پہنچ کر اندر کی سن گن لی۔ اسے اندازہ ہوا کہ فرنگی ہر دروازے کے آگے بھاری پتھر رکھ کر الاؤ روشن کر رہے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ فرنگیوں کا رات کو دروازے کھول کر حملہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا بلکہ وہ خوفزدہ تھے اور اپنی مدافعت کا سوچ رہے تھے۔ غلام نے یہ خبر تقی الدین عمر تک پہنچائی۔ تقی الدین نے سمجھ لیا کہ اب قلعے کو فتح کرنے میں دیوار کے سوا کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اس نے یہ خبر سلطان کو دی۔ سلطان نے قلعے کو پے در پے حملوں کے ذریعے سر کرنے کا عزم کرلیا۔ رات بھر دونوں جانب سے تیر چلتے رہے اور آگ کے گولے پھینکے جاتے رہے۔ ●

سرنگوں کی کھدائی ۞ اصل مسئلہ اب قلعے کی دیوار گرانا تھا۔ یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ قلعہ لوہے کی

طرح مضبوط ہے جسے منجنیقوں سے خستہ کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اب متبادل صورت یہ تھی کہ قلعے کی بنیادوں میں نقب لگا کر سرنگیں بنائی جائیں اور انہیں بارود سے اڑا کر دیواروں کو تڑقانے کی کوشش کی جائے۔ اس کے باوجود دیواروں کو گرانا آسان نہیں تھا کیوں کہ فصیل تقریباً چودہ فٹ چوڑی تھی۔ اگلے دن سلطان نے امراء کو جمع کر کے قلعے کی فصیل کی مختلف حصے ان پر تقسیم کر دیے۔ ناصر الدین بن شیر کوہ ایک جانب سے سرنگ کھودنے لگا اور سلطان صلاح الدین نے دوسری جانب سے اپنی سرنگ کھدوانا شروع کی۔ سرنگیں کھودنے والے انجینئر اور مزدور قلعہ بند نصرانیوں کی تیر اندازی اور سنگ باری کے باوجود اپنا کام جاری رکھے ہوئے تھے۔

اتوار کی شام تک سلطان ایوبی نے اپنی سرنگ مکمل کرالی جو 45 فٹ لمبی اور ساڑھے چار فٹ چوڑی تھی۔ اسی رات سرنگ کو ایندھن سے بھر کر آگ لگادی گئی۔ رات بھر مسلمان دیوار پھٹنے کے منتظر رہے مگر کچھ نہ ہوا۔ صبح سرنگ میں آگ اسی طرح دہک رہی تھی۔ اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ آگ بجھا کر سرنگوں کو ٹھنڈا کیا جائے اور از سرِ نو کھدائی کر کے سرنگوں کو مزید لمبا، چوڑا اور گہرا کیا جائے۔ سلطان اس کام کو فوراً کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے تین سو دینار کی ایک تھیلی نکالی اور عزالدین جاولی کو تھما کر صدا لگائی:

''جو ایک مشکیزہ پانی لاکر ڈالے، اسے ایک دینار ملے گا۔''

پانی کا چشمہ قریب ہی تھا۔ اعلان سنتے ہی سپاہی، مزدور اور دوسرے لوگ مشکیزے اور برتن لے کر دوڑ پڑے، تھوڑی ہی دیر میں انہوں نے پانی ڈال ڈال کر سرنگ کو ٹھنڈا کر دیا۔ اب سرنگ کی کھدائی دوبارہ شروع ہوئی اور مسلسل دو دن جاری رہی۔ اس دوران سلطان کو طبریہ میں نصرانیوں کی ایک فوج کے جمع ہونے کی اطلاع ملی۔ سلطان کو خطرہ محسوس ہوا کہ یہ فوج حصن الاحزان کے محصورین کی مدد کے لیے وقت پر نہ پہنچ جائے۔ اس لیے سرنگ کی کھدائی کا کام تیز تر کر دیا گیا۔ بدھ کی شام کھدائی مکمل ہوئی اور ایندھن بھر کر اسے آگ لگادی گئی۔ رات بھر اس سے شعلے اٹھتے رہے۔ جمعرات 24 ربیع الثانی 575ھ (28 ستمبر 1179ء) کا دن مسلمانوں کے لیے نہایت مسرت انگیز تھا۔ شدت کی گرمی کے ساتھ سرنگ میں بھڑکتی آگ نے کام دکھایا اور دوپہر کے وقت قلعے کی دیوار بیٹھنے لگی۔

اسلامی لشکر میں تکبیریں گونجنے لگیں۔ افسران اور سپاہی دیوار کے شگاف کی طرف دوڑ پڑے۔ ادھر فصیل کی دوسری جانب نصرانیوں نے آگ لگادی تھی تاکہ فصیل گرنے پر بھی مسلمان فوراً ادھر نہ آسکیں مگر جب فصیل کا متاثرہ حصہ گرا تو ہوا کے جھونکوں نے دھول اور گرد و غبار کے ساتھ نصرانیوں کی لگائی ہوئی آگ کا رخ انہی کی طرف پھیر دیا اور ان کے مکانات جلنے لگے۔ سلطان ایوبی دیوار گرنے اور اپنے سپاہیوں کے

فصیل کو پھلانگنے کا منظر بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ ان کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ مسلمانوں نے تھوڑی ہی دیر میں دشمن کے سات سو کے لگ بھگ سپاہیوں کو جو مزاحمت کر رہے تھے مار ڈالا۔

اس وقت سلطان کے پاس حاکم طرابلس ریمنڈ (قومس) کا قاصد آیا ہوا تھا۔ وہ بھی اپنی قوم کی شکست کا عبرتناک منظر بچشم خود دیکھ رہا تھا۔ قلعے سے سو کے قریب مسلمان قیدی بھی برآمد ہوئے جن کے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ مسلمانوں نے بیڑیاں کھول کر اسی وقت فرنگی قیدیوں کو پہنادیں۔ یہاں مال غنیمت میں خوراک کے بڑے بڑے ذخائر بھی ملے جو قلعے والوں کو کئی سال کے لیے کافی تھے۔ اب سلطان صلاح الدین ایوبی نے قلعے کو ناپ کر اپنے امراء میں تقسیم کردیا اور کہا:

''میں اس وقت تک یہاں سے نہیں ہٹوں گا جب تک قلعے کو بالکل مسمار نہ کرادوں۔''[1]

<u>قلعے کا انہدام</u>٭ سلطان نے فرنگی قیدیوں کو جو سات سو سے زائد تھے دمشق روانہ کردیا اور قلعے کے انہدام کا کام شروع کرادیا۔ ناقابل برداشت گرمی کے باعث سپاہیوں کا زیادہ دنوں تک اس جگہ ٹھہرنا مشکل تھا۔ پھر معرکے میں مرنے والے نصرانیوں کی لاشیں گرمی کے سبب پھٹ کر ماحول کو متعفن کررہی تھیں۔ اس تعفن سے فضا اتنی آلودہ ہوگئی تھی کہ مسلمانوں کے دس سے زیادہ افسران بیمار پڑ کر جاں بحق ہوگئے مگر سلطان نے قلعے کی توڑ پھوڑ کا کام روکنا گوارا نہ کیا۔ قلعے کے درمیان ٹیلے پر ایک گہرا کنواں کھودا گیا تھا۔ سلطان کے حکم سے ساری لاشیں اس میں ڈال کر اسے مٹی سے پاٹ دیا گیا۔[2]

آخر حصن الاحزان فنا ہوگیا۔ یہ علاقہ جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی رہائش گاہ کی برکات کے باعث ''مشہد یعقوبی'' مشہور تھا اور گریہ یعقوب علیہ السلام کی مناسبت سے ''بیت الاحزان'' کہلاتا تھا، اپنی سابقہ حیثیت پر لوٹ آیا۔

حصن الاحزان فتح کرنے کے چودھویں دن سلطان نے اس مقام سے کوچ کیا تو وہاں قلعے کی جگہ صرف مٹی اور پتھروں کا ڈھیر دکھائی دے رہا تھا۔ سلطان دمشق پہنچے تو دور دور سے انہیں مبارکباد کے پیغامات آئے۔ احمد بن نفاذۃ دمشقی نے اس موقع پر یہ اشعار پڑھے:

هَلاكُ الفَرنجِ أتى عاجِلاً — وَقَدْ آنَ تَكْسِيرُ صُلْبَانِها

فرنگیوں کی موت یکدم آگئی — اور ان کی صلیبوں کے ٹوٹنے کا وقت آن پہنچا

وَلَوْ لَم يَكُنْ قَدْ دَنا حَتْفُها — لما عَمَرَتْ بَيْتَ أحْزانِها

اگر ان کی موت سر پر نہ آگئی ہوتی — تو وہ غموں کا گھر تعمیر نہ کرتے

[1] سنا البرق الشامی: 1/27، [illegible]: 3/170 [2] کتاب الروضتین: 3/37، 38، سنا البرق الشامی: 1/29، 30

علی بن محمد الساعاتی نے کہا:

نَصَحْتُكُمْ وَالنُّصْحُ لِلدِّيْنِ وَاجِبٌ
ذَرُوْا بَيْتَ يعقوبَ جَآءَ يُوْسُفُ

تمہیں میں خیر خوانہ طور پر کہہ رہا ہوں کیوں کہ دین میں خیر خواہی لازمی ہے
تم بیت یعقوب چھوڑ دو کہ اس کا اصل وارث یوسف آ گیا ہے ❶

خلیفہ مستضیی کی وفات - دنیا میں سیاسی تبدیلیاں ❋ اس دوران جبکہ سلطان صلاح الدین شام کے میدانوں میں کامیابی کے جھنڈے گاڑ رہے تھے، 2 ذیقعدہ 575ھ (30 مارچ 1180ء) کو عباسی خلیفہ مستضیی بامر اللہ دنیا سے رخصت ہوگیا۔ مؤرخین کے مطابق وہ ایک عادل حکمران اور خدا ترس انسان تھا۔ اس کی وفات عالم اسلام کے لیے ایک بڑا سانحہ تھی۔ اس نے 45 سال کی عمر پائی تھی اور نو سال سات ماہ حکومت کی تھی۔ اس کے دور میں بغداد میں اہل سنت کا بول بالا ہوا اور رافضی کونے کھدروں میں جا چھپے۔ وہ علماء وفقہاء کا بڑا قدر دان تھا۔ علامہ ابن جوزی کو مجلس وعظ کے لیے مدعو کرتا اور خود ایک گوشے میں بیٹھ کر ان کی تقریر سنتا۔ ❷

مستضیی بامر اللہ کا جانشین خلیفہ ناصر لدین اللہ ہوا، عباسی خلافت میں سب سے طویل دور حکومت پانے والے اس خلیفہ نے ابتداء میں کئی سال تک اچھی حکومت کی مگر بعد میں اس نے اہل تشیع کے نظریات اپنا لیے اور اہل سنت کے لیے متعدد آزمائشوں اور عالم اسلام کے لیے کئی فتنوں کا سبب بنا۔ سنتوں کی پامالی، جہاد اور مجاہدین کی حوصلہ شکنی، رافضیوں کی ہمت افزائی اور تاتاریوں کو عالم اسلام پر حملہ کی دعوت دینا اس کے "سیاہ کارنامے" ہیں۔

575ھ میں پیش آنے والے دیگر اہم واقعات ❋ اس سال سلطان کے بیٹے الملک المنصور حسن نے شام میں وفات پائی اور دمشق کے باہر اپنے مرحوم چچا شاہنشاہ بن ایوب کے پہلو میں دفن ہوا۔ سلطان اس کی وفات سے بے حد رنجیدہ ہوئے۔ 575ھ کا آخری اہم واقعہ یہ تھا کہ فرخ شاہ نے 18 ذی قعدہ (15/اپریل 1180ء) کو صفد کے علاقے میں ان نصرانیوں کے خلاف ایک کامیاب کاروائی کی جو بانیاس اور مضافات سے مسلمانوں کے خلاف جمع ہو رہے تھے۔ فرخ شاہ مال غنیمت کے انبار حاصل کر کے اس مہم سے لوٹا۔ ❸

❶ الروضتین: 3/31؛ الکامل: 7/277، 278
❷ شذرات الذہب: 2/251؛ الکامل: 10/97
❸ الروضتین: تحت 575ھ

<u>576ھ کا آغاز</u>: مستضیئ باللہ کی وفات اور خلیفہ ناصر کی مسند نشینی کے کچھ عرصے بعد 576ھ کے آغاز میں عالمِ اسلام کی سیاسی صورتحال میں کچھ اور تبدیلیاں بھی آئیں۔ مصر میں سلطان کے بڑے بھائی توران شاہ نے ماہ محرم میں اسکندریہ کی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ وہ کچھ عرصے پہلے ہی سلطان کی ہدایت پر مصر پہنچا تھا اور وہاں کا انتظام سنبھالے ہوئے تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو جب یہ خبر ملی تو وہ حمص کے باہر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ وہ رنج وغم سے بے حال ہو گئے اور کئی دردبھرے اشعار ان کی زبان پر جاری ہو گئے۔ انہیں دیوانِ حماسہ زبانی یاد تھا۔ اس کے مرثیے اکثر وہ ایسے مواقع پر پڑھا کرتے تھے۔"

انہی دنوں موصل اور الجزیرہ کا حکمران سیف الدین غازی دوئم جو ایک عرصے تک سلطان صلاح الدین ایوبی کا سخت حریف رہا تھا، 3 صفر 576ھ (28 جون 1180ء) کو وفات پا گیا۔ اس کی عمر تیس سال تھی۔ اس نے دس برس حکومت کی تھی۔ اس کی موت کا قصہ عجیب ہے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ قحط کے دن تھے۔ موصل کے لوگ نمازِ استسقاء کے لیے نکلے۔ مجمعے نے منکرات سے توبہ کی اور بعض شرابیوں کے گھروں میں گھس کر شراب کی بوتلیں بہادیں۔ اس ہنگامے میں کچھ افراد نے لوٹ مار بھی شروع کر دی۔ ابوفرج الدقاق نامی ایک بزرگ یہ سب دیکھ رہے تھے، انہوں نے شراب بہانے کی کارروائی میں تو ساتھ دیا مگر لوگوں کو لوٹ مار سے منع کرتے رہے۔ تاہم کسی نے ان کی روک ٹوک پر توجہ نہ دی۔ اس ہنگامے سے جن لوگوں کا نقصان ہوا انہوں نے سیف الدین کے دربار میں فریاد کی۔ اس نے مشتبہ افراد کو گرفتار کر لیا۔ ان میں ابوفرج الدقاق بھی تھے۔ انہیں قلعے میں لایا گیا۔ سیف الدین کے حکم سے ایک پولیس افسر نے آگے بڑھ کر ابوفرج الدقاق کا عمامہ اتارا اور سر پر ضربیں لگائیں۔ سزا کے بعد ابوفرج الدقاق کو قلعے سے باہر لایا گیا تب بھی وہ ننگے سر تھے۔ لوگوں نے ان کے سر پر عمامہ رکھنے کی کوشش کی تو بولے:

"میں نے قسم کھائی ہے کہ اس وقت تک سر نہیں ڈھانپوں گا جب تک اللہ پاک مجھ پر زیادتی کرنے والوں سے انتقام نہیں لے لیتا۔"

اس واقعے کے چند دن بعد وہ پولیس افسر فوت ہو گیا جس نے ان کو سزا دی تھی۔ پھر تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ سیف الدین بھی بیمار ہو کر چل بسا۔ وفات سے قبل وہ اپنے 12 سالہ بیٹے کو جانشین بنانا چاہتا تھا مگر پھر امرائے سلطنت کے مشورے پر اپنی خواہش کے برخلاف اپنے بھائی عزالدین مسعود کو جانشین قرار دے دیا۔[2]

---

[1] الروضتین: تحت 575ھ، فصل فی وفاۃ شمس الدولہ [2] الکامل: تحت 576ھ

سلطان صلاح الدین ایوبی کو سیف الدین کی موت اور عزالدین مسعود کی تخت نشینی کی اطلاع اس وقت ملی جب وہ ایشیائے کوچک کی سرحدوں پر ''کوک سو'' نامی علاقے میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ کچھ دنوں بعد انہیں یہ افسوسناک خبر بھی ملی کہ ان کے استاذ شیخ ابوطاہر سلفی وفات پا گئے ہیں۔ ان کی عمر 100 برس کے لگ بھگ تھی۔ سلطان ایوبی اسکندریہ میں اپنے بیٹوں سمیت ان کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث کی سماعت کیا کرتے تھے۔ ان کی وفات 5 ربیع الثانی 576ھ (28/ اگست 1180ء) کو ہوئی۔ [1] اسی سال فرانس کا حکمران لوئی جان، پوپ الیگزینڈر اور شاہ مینوئیل کامینوس بھی دنیا سے رخصت ہوئے۔ اس طرح یورپ کے لیے بھی یہ سال غم انگیز ثابت ہوا۔ [2]

<u>سلطان صلاح الدین ایوبی کی فیصلہ کن حیثیت کا استحکام</u> ✽ چوں کہ فرنگیوں کو تین مسلسل شکستوں کے بعد اچھا خاصا سبق مل گیا تھا اور یورپ میں ان کی بڑی بڑی شخصیات اور حکمرانوں کی موت بھی ان پر بھاری تھی لہٰذا سال 576ھ کا باقی حصہ قدرے سکون سے گزرتا جا رہا تھا۔ سلطان صلاح الدین کو شام، مصر، عراق اور ایشیائے کوچک کی سیاست میں اب ایک فیصلہ کن حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔ اردگرد کے چھوٹے بڑے حکمران ان سے ناتا جوڑنے میں عافیت محسوس کرنے لگے تھے، باہمی جھگڑوں کو بھی وہ سلطان کی خدمت میں پیش کر کے ان سے فیصلہ لینے لگے تھے۔

حصن کیفا و دیار بکر کے حکمران نورالدین اور اس کے داماد ایشیائے کوچک کے سلجوقی حکمران قلج ارسلان کے مابین چپقلش چل رہی تھی۔ نورالدین نے قلج ارسلان کے استبداد سے بچنے کے لیے سلطان سے پناہ کی درخواست کی تھی۔ ادھر قلج ارسلان نے سلطان کو باہمی اتحاد کی پیش کش کر دی اور ساتھ ہی یہ گزارش کی تھی کہ سلطان، ارمنی ریاست کے عیسائی سردار ابن لاؤن کی شرارتوں اور دست درازیوں کی روک تھام کرے۔ [3]

ایوبی خاندان کے ممتاز مؤرخ محمد بن تقی الدین نے اپنی یادداشتوں میں ابن لاؤن کی فتنہ انگیزی کی وضاحت یوں کی ہے:

''ابن لاؤن نے ترکمان مسلمانوں کو (جو خانہ بدوش تھے) بہلا پھسلا کر اپنے علاقے کی چراگاہوں میں بلایا اور ان کی حفاظت کا وعدہ کیا۔ مگر جب وہ وہاں بس گئے تو اچانک حملہ کر کے ان کو قیدی بنا لیا اور مال مویشی لوٹ لیے۔ اس کی مسلمانوں پر ایسی زیادتیوں کی شکایات بکثرت آ رہی تھیں۔'' [4]

چونکہ سلطان کی سرحدیں بھی اب ابن لاؤن کے علاقے سے مل گئی تھیں اور ان کی فوجی قوت بھی اس

---

[1] کتاب الروضتین: تحت 576ھ
[2] سوانح صلاح الدین، لین پول، ص: 74
[3] النوادر السلطانیہ، ص: 98، 99
[4] مضمار الحقائق، ص: 421

محلے کے تمام حکمرانوں سے زیادہ تھی اس لیے قلیج ارسلان کو یقین تھا کہ وہ اس فتنے کی روک تھام آسانی سے کرلیں گے۔

سلطان نے ایشیائے کوچک کی سرحدوں کی طرف پیش قدمی ضروری سمجھی، اس سے قبل فرنگیوں سے جنگ بندی کا معاہدہ ہو چکا تھا۔ لین پول کا بیان ہے کہ خود عیسائی بادشاہ بالڈون نے سلطان کو صلح کی پیش کش کی تھی اور دو سال کے لیے برابری کی بنیاد پر طے شدہ شرائط کے ساتھ عارضی صلح طے پاگئی۔ لین پول لکھتا ہے:

"اب تک صلیبی ہمیشہ اپنی شرائط پر صلح کرتے رہے تھے مگر یہ پہلا موقع تھا کہ انہیں دب کر صلح کرنا پڑی۔ صلیبیوں کو بالڈون کا یہ اقدام سخت ناپسند آیا۔ طرابلس کے نواب ریمنڈ نے اس معاہدے کی کھلم کھلا مذمت کی مگر جب مسلمانوں نے اس کی ریاست پر حملہ کیا اور صلاح الدین کا بحری بیڑہ طرطوس پہنچا تو اسے ہوش آ گیا۔"

لین پول کا بیان واضح کرتا ہے کہ صلح کی ابتداء خود نصرانیوں نے کی تھی اور کم و بیش تمام عیسائی حکمران اس میں شامل ہو گئے تھے۔ ①

<u>ایشیائے کوچک کا سفر</u> ✽ سلطان نے شمال کی طرف رختِ سفر باندھا تو ان کے سامنے تین مقاصد تھے، ایک قلیج ارسلان سے معاہدۂ اتحاد کرنا، دوسرے ابن لاؤن کے مظالم سے مقامی ترکمان مسلمانوں کو نجات دلانا۔ تیسرے قلیج ارسلان اور اس کے سسر نورالدین میں صلح کرانا۔

حلب کا حاکم الملک الصالح بھی جو سلطان سے صلح کر چکا تھا اس سفر میں ہمرکاب تھا۔ شام کی سرحدوں پر قلیج ارسلان کے سفیروں سے گفتگو ہوئی اور آخر بات چیت ایک معاہدے پر ختم ہوئی۔ قاضی بہاؤالدین شداد کا بیان ہے:

"اس موقع پر قلیج ارسلان نے سلطان سے مستقل معاہدۂ صلح کی درخواست کی تاکہ وہ ارمنی نصرانیوں کی تاخت و تاراج سے محفوظ رہ سکے۔"

چنانچہ 10 جمادی الاولیٰ 576ھ (2/ اکتوبر 1180ء) کو دریائے سنجہ کے کنارے ایک معاہدہ ہوا جس میں سلطان اور قلیج ارسلان کے علاوہ موصل اور دیار بکر کے حکام بھی شامل تھے۔ حلب پہلے ہی سلطان سے صلح نامے پر کاربند تھا اور اس لیے اس کی فوج اس مہم میں سلطان کے ساتھ تھی۔ حصن کیفا کا حاکم نورالدین بھی پہلے سے سلطان کا دامن تھام چکا تھا۔ چنانچہ اس معاہدے کے بعد ایشیائے کوچک، کیفا، دیار بکر، حلب اور دیگر قریبی ریاستوں میں سلطان صلاح الدین کی فیصلہ کن سیاسی حیثیت مزید مستحکم ہو گئی۔ ②

① سوانح صلاح الدین، لین پول، ص: 76 ② اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 190/12 [illegible] النوادر السلطانیہ [illegible] ص 57 [illegible] کتاب الروضتین [illegible] 57

ارمن حکمران کے خلاف کاروائی: اب سلطان نے ترکمان مسلمانوں کو نصرانی ارمن حکمران ابن لاؤن کی دست درازیوں سے نجات دلانے کے لیے فوج کشی کی اور دریائے اسود پر کیمپ لگا کر چھاپہ مار کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ کچھ دور ایک بلند پہاڑ پر ابن لاؤن کا بہترین قلعہ حصن قابوس تھا۔ سلطان کو قریب آتے دیکھ کر ارمنی حکمران نے قلعہ خالی کرنے اور اس میں موجود خوراک کے تمام ذخائر کو جلا ڈالنے کا حکم دیا مگر سلطان کے سپاہی بروقت پہنچ گئے اور انہوں نے اناج کے زیادہ تر ذخیروں کو بچالیا۔ آگے بڑھنے سے قبل سلطان کے حکم سے یہ قلعہ مسمار کر دیا گیا۔ ابن لاؤن نے سلطان کو آگے بڑھتا دیکھا تو گھبرا کر اظہار اطاعت کیا اور گرفتار شدہ پانچ سو ترکمان گلہ بانوں کو رہا کر کے ان سے چھینا گیا مال واپس کر دیا۔ سلطان نے اسے امن کا پروانہ لکھ دیا۔

سلطان ابھی بلاد روم میں ''کوک سو'' کے مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے کہ کہ موصل کے وزیر اعظم مجاہد الدین قائماز کا سفیر حاضر ہوا اور درخواست کی کہ جس طرح سابق حکمران سیف الدین کے دور میں سروج، رہا، رقہ، حران، خابور اور نصیبین کے علاقے موصل کے پاس تھے اسی طرح نئے حکمران عزالدین مسعود کے دور میں بھی انہیں یونہی رہنے دیا جائے مگر سلطان اس پر آمادہ نہ ہوئے اس لیے کہ یہ علاقے سیف الدین غازی کے دور میں خلیفہ کی سفارش سے اس کی تحویل میں دیے گئے تھے اور شرط عائد کی گئی تھی کہ وہ سلطان کی عسکری امداد کا پابند ہوگا۔ سیف الدین غازی کی وفات کے بعد سلطان نے خلیفہ کو خط لکھ کر تازہ صورتحال سے آگاہ کر دیا تھا اور بتایا تھا کہ شام کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے ان قلعوں کا ہمارے پاس رہنا ضروری ہے۔ خلیفہ ناصر نے سلطان کو اس کی اجازت دے دی تھی۔ اس صورتحال کے پیش نظر سلطان نے موصل کی نئی حکومت کی درخواست قبول نہیں کی۔ یوں ایوبی سطوت کا سایہ یہاں بھی چھا گیا۔[1]

دمشق واپسی اور خلیفہ ناصر کا پیام تہنیت: سلطان حلب سے ہوتے ہوئے جمادی الاخری 576ھ کے وسط میں حماۃ پہنچے اور پھر حمص کے سامنے پڑاؤ ڈال دیا۔ یہاں دور دور سے علماء، فقہاء اور شعراء نے سلطان کی خدمت میں حاضری دی اور مسلسل فتوحات پر انہیں مبارک باد پیش کی۔[2]

یکم رجب 576ھ (20 نومبر 1180ء) کو سلطان دمشق پہنچے۔ چند روز بعد بغداد سے نئے خلیفہ ناصر کے سفیر دربار خلافت کی جانب سے سلام، پیام تہنیت اور خلعت لے کر آئے۔ سلطان نے سفیروں کا بھرپور خیر مقدم کیا اور ان کے اعزاز و اکرام میں دمشق کو سجانے کا حکم دیا۔[3]

[1] سنا البرق الشامی: 44/1
[2] کتاب الروضتین: 66/3، سنا البرق الشامی: 51/1
[3] کتاب الروضتین: 60/3

فصل:10

مصر روانگی کا فیصلہ

قاہرہ سے سلطان کے بڑے بھائی توران شاہ کی وفات کی خبر آچکی تھی، انہیں اس حادثے کا سخت صدمہ تھا، پھر مصر سے ان کی غیر حاضری کو تقریباً تین سال گذر چکے تھے لہٰذا ان کا مصر جانا ضروری تھا۔۔۔ تاہم وہ یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ آئندہ ان کا مستقل قیام شام میں ہی رہے گا اور مصر کے معاملات کا جائزہ لینے اور ضروری امور نمٹانے کے بعد وہ نصرانیوں سے معاہدۂ صلح ختم ہونے سے پہلے واپس آجائیں گے۔ سلطان نے روانگی سے قبل فرخ شاہ کو شام میں اپنا نائب مقرر کیا اور تقی الدین عمر کو حماۃ پہنچ کر سرحدوں کا خاص خیال رکھنے کی تاکید کی۔ پیر 18 رجب 576ھ کو سلطان صلاح الدین دمشق سے قاہرہ روانہ ہوئے، ان کو الوداع کہتے ہوئے عماد اصفہانی نے کہا:

أَسْأَلُ اللهَ ذَا الْعُلاَانْ تَعِيْشَا   أَلْفَ عَامٍ لِنَصْرِهِ مُسْتَجِيْشَا

"میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ آپ ہزار سال اس کی مدد و نصرت سے بہرہ ہو کر جیتے رہیں۔"

اس سفر میں خلیفۂ بغداد کی سفارت کے ایک اہم رکن شیخ ابو القاسم عبد الرحیم بھی ہم رکاب تھے۔ انہیں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مزار کی زیارت کا شوق مصر لیے جا رہا تھا۔ سلطان جمعرات 13 شعبان 576ھ (30 جنوری 1181ء) کو خیر و عافیت سے مصر پہنچ گئے۔ [1]

حج بیت اللہ کی حسرت نایافت: سلطان صلاح الدین کو حج بیت اللہ کی آرزو تھی ایک عرصے سے وہ اس کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں تھے مگر حالات کے تقاضوں سے مجبور تھے۔ پے در پے مہمات سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی تھی کہ اس تمنا کو پورا کر سکتے۔ سلطان کے حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے پاس ذاتی ملکیت میں اتنی رقم نہیں رہتی تھی کہ حج فرض ہوتا۔ اس کے باوجود اللہ کے گھر کی زیارت کا

[1] کتاب الروضتین: 3/67، سلطان ابن: 1/63

شوق بہرحال ان کے دل میں چٹکیاں لیتا رہتا تھا۔ سلطان کے ساتھ مصر آنے والے سفیر بغداد شیخ ابوالقاسم عبدالرحیم کا ارادہ تھا کہ وہ مصر میں چند دن گزار کر بحری راستے سے مکہ معظمہ چلے جائیں گے۔ سلطان نے بھی ارادہ کرلیا کہ وہ اسی سال حج کی سعادت حاصل کریں گے۔

چونکہ شیخ ابوالقاسم عبدالرحیم رمضان کا مہینہ حرمین میں گزارنے کے خواہش مند تھے اس لیے وہ صرف چند دن مصر ٹھہر کر سمندری راستے سے حجاز روانہ ہوگئے اور انہیں رمضان وہیں گزارنے کا موقع مل گیا۔ سلطان رمضان کے اختتام تک مصر ہی میں ٹھہرنا چاہتے تھے اس لیے وہ رک گئے، تاہم صلاح الدین کے وزیر قاضی فاضل نے یمن، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں یہ اطلاع بھیج دی تھی کہ سلطان اس سال حج کے لیے حجاز پہنچ رہے ہیں۔[1]

اب سلطان مصر میں تمام حکومتی انتظامی اور عسکری امور کا جائزہ لے کر ان معاملات کو مربوط اور مرتب سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کررہے تھے اور دفاعی نظام کو مضبوط کرنے اور عوام کی حالت بہتر بنانے کے لیے فکرمند تھے۔ حالات بڑی حد تک ان کے لیے سازگار تھے۔ مصر میں ان کے نائبین نے امورِ سلطنت کو خوش اسلوبی سے سنبھالا ہوا تھا اور مصری بیڑے نے بحیرۂ روم میں یورپی طاقتوں کے خلاف کئی اہم کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ سلطان کو اطمینان تھا کہ ایام حج سے پہلے پہلے وہ مصر کے معاملات سے فارغ ہوجائیں گے مگر بعد میں وہ کچھ اہم مسائل مہمات اور حکومتی ذمہ داریوں میں کچھ اس طرح گھر گئے کہ ایام حج میں اس مقدس سفر کے لیے رخت سفر نہ باندھ سکے۔

<u>سلطان کی عدم موجودگی میں شام کی صورتحال</u>: نئے ہجری سال 577ھ کا آغاز اس حال میں ہوا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی قاہرہ میں مقیم تھے اور حالات بظاہر پرسکون تھے۔ یورپ میں فرانس کا بادشاہ لوئی جان، شاہ مینوئل کامینوس اور پوپ الیگزنڈر یکے بعد دیگرے مرچکے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کا عیسائی حکمرانوں سے دو سال تک عارضی صلح کا معاہدہ ابھی باقی تھا۔ یورپ اور ایشیا کے اس نقطے پر جہاں نصرانی اور اسلامی افواج معرکہ زن رہا کرتی تھیں ایک خاموشی طاری تھی۔ سلطان صلاح الدین قاہرہ میں ہر ہفتے پیر اور جمعرات کے دن ''دارالعدل'' میں بیٹھا کرتے تھے۔ یہاں فریادی اور مظلوم کسی رکاوٹ کے بغیر ان سے مل سکتے تھے۔ سلطان ان کی شکایات سنتے اور انہیں فوری انصاف فراہم کرتے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے اوقات کا ایک بڑا حصہ امام تاج الدین المسعودی رحمہ اللہ سے حدیث نبوی کی سماعت میں صرف کررہے تھے۔

[1] البدایۃ والنہایۃ: 834/7

شام سے آنے والی اطلاعات بھی اطمینان بخش تھیں۔ اس لیے فوری طور پر شام کے سفر کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس زمانے میں افریقہ میں عبدالمومن نے بڑی قوت حاصل کر لی تھی اور وسیع و عریض علاقوں پر قبضہ کر کے مصر کی سرحدوں کے قریب تک آ پہنچا تھا تاہم سلطان کے مصری امیر شرف الدین قراقوش نے عبدالمومن کے سالار ابراہیم کو قیروان میں زبردست شکست دی تھی اور بھاری مقدار میں مال غنیمت لے کر لوٹا تھا۔

577ھ کے آغاز میں سلطان کو فرخ شاہ کے ذریعے ایک خوشخبری ملی۔ مکتوب میں بتایا گیا کہ شام میں اس سال مسلمانوں کے ہاں جڑواں بچے کثرت سے پیدا ہو رہے ہیں، وبائی امراض ختم ہو چکے ہیں اور قحط سالی جاتی رہی ہے۔ سرسبز و شادابی کا دور شروع ہو رہا ہے اور گرانی کا زور ٹوٹ رہا ہے۔ ①

<u>ریجی نالڈ کا ناپاک منصوبہ ناکام</u>❋ اس سال شام میں مسلمانوں کو ایک اور کامیابی نصیب ہوئی۔ کرک کا عیسائی حاکم ریجی نالڈ اسلام دشمنی میں ہر حد کو پھلانگتا جا رہا تھا۔ وہ پرلے درجے کا شاطر، دغاباز، متعصب اور کینہ پرور انسان تھا۔ شیطنت اس کی رگ رگ میں بھری تھی۔ وہ انطاکیہ کا سابق حاکم تھا جو ایک لڑائی میں قید ہو کر حلب میں قید رہا تھا۔ رہائی کے بعد اس نے مشہور سورما ہمفری کی بیوہ سٹیفانیا سے شادی کر لی تھی جو قلعہ کرک کی وارث تھی۔ ریجی نالڈ اس طرح قلعہ کرک کا حاکم بن گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین سے نصرانیوں کے معاہدۂ صلح کے باوجود اس دغاباز نے آس پاس کے علاقوں میں لوٹ مار کا طوفان برپا کیا ہوا تھا۔ ②

اس بدبخت نے اردگرد کے علاقوں سے نصرانیوں کو جمع کر کے یہاں تک منصوبہ بندی کر لی تھی کہ بحیرۂ احمر کے ساتھ ساتھ ساحلی علاقے طے کر کے چپکے چپکے حجاز مقدس تک جا پہنچے اور حرمین شریفین پر قبضہ کر کے مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کو تباہ کر دے۔ اس ناپاک مقصد کے لیے ریجی نالڈ افواج مرتب کر چکا تھا اور کوچ کرنے والا تھا کہ فرخ شاہ کو اطلاع مل گئی۔ اس نے ریجی نالڈ کو سبق دینے کا فیصلہ کر لیا اور دمشق کی فوج لے کر ریجی نالڈ کے علاقے میں گھس گیا، بڑے پیمانے پر تاخت و تاراج کے بعد اس نے اپنی سرحد کی طرف ہٹ کر ریجی نالڈ کے راستے میں پڑاؤ ڈال دیا تاکہ اگر وہ بدطینت انسان حجاز کا رخ کرنے کی کوشش کرے تو اسے روک لیا جائے۔

ریجی نالڈ میں لڑنے کی ہمت نہیں تھی چنانچہ وہ اس انتظار میں دن گزارنے لگا کہ مسلمان اکتا کر واپس چلے جائیں اور وہ موقع پا کر حجاز کی طرف نکل جائے مگر فرخ شاہ دھن کا پکا تھا۔ آخر ریجی نالڈ کو یقین

① البدایہ والنہایہ: 7/838، کتاب الروضتین: 3/73_90 ② سلطان صلاح الدین ایوبی، ص: 73

ہو گیا کہ فرخ شاہ راہ سے نہیں ہٹے گا۔ ریجی نالڈ کے ساتھ جمع ہونے والے نصرانیوں کا جوش بھی اب ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ آخر وہ سب ادھر ادھر بکھرنے لگے اور یوں ریجی نالڈ اپنے مکروہ عزائم کے ساتھ کرک واپس لوٹ گیا۔ سلطان کی غیر موجودگی میں شام کے محاذ پر مسلمانوں کی یہ ایک اہم فتح تھی۔ ❶

اس واقعے سے جہاں یہ ثابت ہو گیا کہ نصرانیوں کا معاہدۂ صلح محض فریب ہے وہاں یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ سلطان کے سپاہی ان کی عدم موجودگی میں بھی شام کا دفاع کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ بدھ 18 ذی قعدہ 577ھ (25 مارچ 1182ء) کو فرخ شاہ نے ایک اور بڑی کارروائی کی اور صفد کے زرخیز علاقے میں گھس کر تاخت و تاراج کی۔ جب وہ واپس ہوا تو اس کے پاس بے شمار مال غنیمت اور بہت سے عیسائی قیدی تھے۔

سال اسی طرح دبے پاؤں گذرتا جا رہا تھا۔ سلطان مصر میں رہتے ہوئے شام کے حالات سے پوری طرح باخبر تھے۔ انہیں ریجی نالڈ کے گھناؤنے منصوبوں کی اطلاع بھی مل چکی تھی۔ اگرچہ فرخ شاہ کی مستعدی کے باعث فوری خطرہ ٹل گیا تھا تاہم سلطان نے جان لیا تھا کہ معاہدۂ صلح کی اب کوئی حیثیت باقی نہیں رہ گئی اور شام میں فرزندانِ توحید اور پرستارانِ صلیب کے معرکے دوبارہ شروع ہونے والے ہیں۔ سلطان شام میں اپنی موجودگی کی ضرورت محسوس کر رہے تھے مگر بہت سے مسائل انہیں گھیرے ہوئے تھے جن میں یمن کے نظامِ حکومت کی اصلاح سرفہرست تھی۔

سلطان کے بھائی توران شاہ نے یمن کا انتظام اچھی طرح سنبھالا ہوا تھا۔ اس کے واپس مصر آنے اور وفات پا جانے کے بعد یمن میں اس کے نائبین باہم الجھ پڑے تھے اور ان میں باقاعدہ خانہ جنگی شروع ہو گئی تھی۔ یہ صورتحال ایوبی سلطنت کے لیے نہایت خطرناک تھی اس لیے سلطان نے مصر کے والی صارم الدین کو اپنا نائب بنا کر یمن بھیج دیا۔ اس طرح وہاں خانہ جنگی رک گئی۔ ❷

<u>الملک الصالح کی وفات اور حلب کی نئی حکومت</u>٭ عراق اور شام میں حالات نے ایک نئی کروٹ لی تھی۔ رجب کے مہینے میں سلطان نور الدین زنگی کا جانشین حاکم حلب الملک الصالح شدید بیمار ہوا اور 25 رجب 577ھ (4 دسمبر 1181ء) کو دنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔

<u>نوٹ</u>٭: ''مصنف داستان ایمان فروشوں کی'' نے بڑی بے رحمی سے تاریخ کو پس پشت ڈالتے ہوئے اس پاکباز انسان کو شرابی اور زانی باور کرایا ہے۔ حد یہ ہے کہ اس کی موت کا سبب بھی شراب نوشی بیان کیا ہے جبکہ تاریخ گواہی دیتی ہے کہ اس متقی نوجوان نے ایک قطرہ شراب پینے پر موت کو ترجیح دی تھی۔

❶ الکامل فی التاریخ: 7/286
❷ الکامل فی التاریخ: 7/287؛ کتاب الروضتین: 3/76

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''جب اس کا مرض بڑھ گیا تو طبیبوں نے دوا کے طور پر شراب تجویز کی، اس نے کہا: جب تک علماء سے فتویٰ نہ لے لوں نہیں پیوں گا۔ ایک فقیہ نے ایسی حالت میں جواز کا فتویٰ دے دیا، تب اس نے فقیہ سے کہا: بتایئے اگر موت طے ہو چکی ہے تو کیا شراب سے ٹل جائے گی، اس نے کہا نہیں۔ الملک الصالح نے کہا تو میں حرام شے استعمال کر کے اللہ سبحانہٗ سے نہیں ملنا چاہتا۔''[1]

مؤرخین یہ گواہی بھی دیتے ہیں کہ شراب کی طرح وہ بے حیائی بدکاری سے بھی دور تھا۔

وکان حلیماً کریماً عفیف الید والفرج واللسان

''وہ بردبار اور سخی تھا، کسی پر دست درازی، عصمت دری اور بدگوئی سے پاک تھا۔''[2]

حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں: وہ ان بادشاہوں میں سے تھا جو نہایت پاکباز شمار ہوتے ہیں، کوئی اپنے باپ جیسے اخلاق سے آراستہ ہو تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔[3]

ان حقائق کی روشنی میں الملک الصالح پر بہتان طرازی کا کوئی جواز نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت یہ بیس سالہ خوبصورت اور خوش اخلاق نوجوان اہل حلب کے دلوں پر حکومت کرتا تھا۔ حلب کے شہریوں کی اپنے نوجوان حکمران سے محبت کا نتیجہ تھا کہ وہ اس کی خاطر سلطان صلاح الدین سے لڑنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اس دوران جبکہ الملک الصالح کی وفات سے حلب کے گلی کوچوں میں سوگ طاری تھی، موصل کا حاکم عزالدین مسعود نئے حکمران کی حیثیت سے وہاں پہنچ گیا۔ 20 شعبان 577ھ (29 دسمبر 1181ء) کو وہ اپنے امراء کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ مرحوم حاکم الملک الصالح نے موت سے پہلے حلب کی حکومت صرف اس ڈر سے عزالدین کے نام کر دی تھی کہ کہیں شہر پر سلطان صلاح الدین قبضہ نہ کر لے۔ اس طرح گویا سلطان کے بارے میں بداعتمادی ظاہر کر کے ان کے خلاف ریشہ دوانیوں کی ابتداء کر دی گئی تھی۔

یہ عزالدین مسعود کی خوش قسمتی تھی کہ اسے کسی خاص تگ و دو کے بغیر تھوڑی سی مدت میں دو سلطنتیں مل گئی تھیں۔ سیف الدین غازی موصل اس کے سپرد کر گیا اور الملک الصالح اسے حلب کا وارث بنا گیا۔ اس طرح عزالدین مسعود کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ اب وہ اس قابل تھا کہ سلطان صلاح الدین سے ٹکر لے سکے اور ایوبی امراء کو شام سے بے دخل کر سکے۔ یہ صورتحال سلطان صلاح الدین کے لیے تشویش ناک تھی۔ انہوں نے فوراً حماۃ میں اپنے سالار تقی الدین عمر کو ہدایت بھیجی کہ وہ اپنی افواج کو ہر

---

[1] البدایہ والنہایہ: تحت 577ھ، الکامل فی التاریخ: تحت 577ھ

[2] الکامل فی التاریخ: تحت 577ھ

[3] البدایہ والنہایہ: تحت 577ھ

ممکنہ خطرے سے مدافعت کے لیے تیار رکھے۔ ۞

سلطان نے یہ بھی اطمینان دلایا کہ عنقریب وہ خود شام آرہے ہیں مگر پہلے وہ اسکندریہ کے دفاع کو یقینی بنانا چاہتے تھے تاکہ یورپ سے کسی تازہ بحری یلغار کی صورت میں انہیں مصر کی فکر دامن گیر نہ ہو۔ شوال کے مہینے میں سلطان نے اس مقصد کے لیے خود اسکندریہ جاکر فصیل اور قلعے کی تعمیر نو کا جائزہ لیا۔ اس دوران انہوں نے شیخ ابوطاہر بن عوف سے مؤطا امام مالک کی سماعت بھی مکمل کی۔

ذی قعدہ 577ھ میں سلطان اسکندریہ سے قاہرہ پہنچ گئے اور سفر کے انتظامات کرنے لگے۔ انہوں نے امیر قراقوش کو قاہرہ اور فسطاط کی زیرِ تعمیر فصیل جو دونوں شہروں کا ایک ساتھ احاطہ کرتی تھی جلد مکمل کرنے کی تاکید کی۔ ۞

شام میں عزالدین مسعود کی نہ صرف طاقت بڑھتی جارہی تھی بلکہ رائے عامہ کو بھی سلطان صلاح الدین کے خلاف ہموار کیا جارہا تھا۔ حماۃ سلطان صلاح الدین کا اہم مرکز تھا مگر وہاں بغاوت کا شدید خطرہ تھا۔ عوام کو عزالدین مسعود کی حمایت اور سلطان ایوبی کی مخالفت پر ابھارا جارہا تھا۔ عزالدین مسعود موقع سے فائدہ اٹھاتا تو اس کے لیے حماۃ سمیت سلطان صلاح الدین کے کئی دوسرے شہروں پر قبضہ کرنا زیادہ مشکل نہ ہوتا مگر قسمت سلطان صلاح الدین کا ساتھ دے رہی تھی۔

<u>حلب عمادالدین کے حوالے</u>: عزالدین مسعود نے ابھی حلب کی حکومت سنبھالے چند ماہ ہی گزارے تھے کہ اس کے بھائی عمادالدین نے جو سنجار کا حاکم تھا، اس پر دباؤ ڈالنا شروع کردیا کہ وہ حلب اس کے حوالے کرکے بدلے میں اس سے سنجار لے لے۔ عزالدین مسعود اپنے بھائی کا مطالبہ ماننے پر آمادہ نہ تھا مگر عمادالدین نے دھمکی دی کہ اگر حلب اس کے حوالے نہیں کیا جائے گا تو وہ سنجار سلطان صلاح الدین کو دے گا۔ یہ دھمکی کام کر گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ موصل کے وزیراعظم مجاہدالدین قائماز سمیت کئی امراء نے عمادالدین کی تائید کی جس سے عزالدین بالکل مجبور ہوگیا۔ آخر اس نے حلب عمادالدین کے سپرد کردیا اور خود موصل لوٹ گیا۔ سلطان صلاح الدین عزالدین مسعود کی بڑھتی ہوئی طاقت کو نہ صرف شام میں اپنے جہادی مقاصد کے لیے نئی رکاوٹ تصور کررہے تھے بلکہ انہیں محسوس ہورہا تھا کہ اب شام کے حالات ان کے لیے سازگار نہیں۔ تاہم جونہی انہیں حلب پر عمادالدین کے قبضے اور عزالدین کے موصل لوٹ جانے کی خبر ملی ان کی تشویش جاتی رہی۔ یہ خوش آئند اطلاع ملتے ہی انہوں نے شام کے لئے رختِ سفر باندھ لیا۔ ۞ آدھی فوج مصر کی حفاظت کے لیے چھوڑی اور باقی اپنے ساتھ لے لی۔

۞ سفرنامہ ابن جبیر: 60/1 ۞ کتاب الروضتین: 3/ 86_89 ۞ الکامل فی التاریخ: 7/ 238_239

سلطان کی مصر سے روانگی: نئے ہجری سال 578ھ نے سلطان صلاح الدین کو مصر سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوتے دیکھا۔ 5 محرم (29/اپریل 1183ء) کو وہ قاہرہ کے باہر خیمہ گاہ میں اپنے قافلے کے ساتھ پابہ رکاب تھے۔ امرائے سلطنت، علماء، مشائخ، تجار اور عام لوگ ان سے الوداعی ملاقات کے لیے جمع تھے۔ ہر شخص اپنے اپنے انداز میں رخصتی کے دعائیہ کلمات کہہ رہا تھا۔ اس بھری پُری محفل میں ایک عالم نے جو سلطان کے ایک بیٹے کے استاد تھے، قدیم عرب شعراء کے کلام میں سے یہ شعر پڑھ دیا:

تَمَتَّعْ مِنْ شَمِيمِ عَرَارِ نَجْدٍ فَمَا بَعْدَ الْعَشِيَّةِ مِنْ عَرَارِ

”نجد کی نرگس کی خوشبو سے لطف لے لو کہ شام گزر جانے کے بعد خوشبوئے نرگس باقی نہیں رہے گی۔“

شاعر نے یہ شعر جس سوز و گداز سے کہا تھا، پڑھنے والے نے اسی کیفیت میں ڈوب کر پڑھا مگر یہ شعر حاضر باش امراء کو ناگوار محسوس ہوا کیونکہ وہ سلطان کو بخیریت واپسی کی دعائیں دے رہے تھے۔ سب جھنجلا گئے اور اسے بے ادبی پر محمول کیا۔

پُر رونق محفل میں ایک مغموم سا سناٹا چھا گیا۔ خود سلطان صلاح الدین کے دل پر یہ شعر تیر کی طرح لگا۔ ان کے چہرے کی بشاشت جاتی رہی اور رنج و ملال کا تاثر ابھر آیا۔ حاضرین نے نگاہیں نیچی کرلیں۔ ہر ایک سوچ رہا تھا کہ کاش یہ شعر اس وقت نہ پڑھا جاتا۔ دلوں کے نہاں گوشوں سے اک آواز ابھر رہی تھی کہ کہیں سچ مچ ایسا ہی نہ ہوجائے۔

کاتب عماد اصفہانی کا بیان ہے کہ اس استاد کا یہ شعر پڑھنا چاہے بے ادبی سہی مگر گویا یہ اک صدائے غیب تھی کیوں کہ سلطان کو اس کے بعد کبھی قاہرہ لوٹ کر آنے کا موقع نصیب نہیں ہوا۔ اگرچہ اس کے بعد سلطان تقریباً گیارہ سال تک زندہ رہے مگر انہیں کبھی اتنی فرصت نہ مل سکی کہ وہ مصر آسکتے حالاں کہ شام اور مصر میں چند دن کی مسافت تھی۔ ❶

سلطان اب ایک ایسے سفر پر جارہے تھے جس کا اختتام القدس کی آزادی پر ہوتا تھا۔ اس سفر میں مہمات کا ایک صحرا اور مصائب کا ایک دریا تھا جسے سلطان نے اللہ کی مدد و نصرت اور اپنی قوتِ ایمانی کے بل بوتے پر عبور کرنے کا عزم کیا ہوا تھا۔

❶ کتاب الروضتین: 3/103، 104

فصل:11

ایوبی پایۂ تخت کی دمشق منتقلی

آپ پڑھ چکے ہیں کہ مصر میں سلطان کے قیام کے دوران ہی عیسائی امن معاہدہ توڑ چکے تھے اور تاخت و تاراج سے بڑھ کر منظم حملوں پر اتر آئے تھے مگر ہر بار انہیں منہ کی کھانا پڑ رہی تھی۔ ان ناکامیوں نے نصرانیوں کے سلگتے جذبات کو مزید بھڑکا دیا چنانچہ وہ سلطان کی روانگی کی خبر سنتے ہی انہیں روکنے کے لیے سرحدوں پر منڈلانے لگے۔ ان کی بڑی تعداد شام اور مصر کی شاہراہ پر واقع قلعۂ کرک میں جمع ہو رہی تھی۔

<u>عیسائیوں کا سرحد پر اجتماع اور فرخ شاہ کی کارروائیاں</u>: شام میں سلطان کے نائب فرخ شاہ کو سلطان کی روانگی کی اطلاع کے ساتھ خبر ملی کہ عیسائی امراء اپنے جتھوں کے ساتھ مصر کی سرحد کی طرف چلے گئے ہیں اور اب ان کے علاقوں میں محافظوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے چنانچہ اس نے اس موقعے سے فائدہ اٹھایا اور اپنے شہ سواروں کے ساتھ "دبوریہ" نامی بستی پر جا پڑا۔ یہاں سے وہ ایک ہزار نصرانی قیدی اور بیس ہزار مویشی ہانکتا ہوا نکلا اور "حبیس جلدک" کے قلعے پر حملہ آور ہوا جو طبریہ کے حاکم کا تھا اور نصرانیوں کے اطلاعاتی مرکز کی حیثیت رکھنے کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے نہایت پریشانی کا باعث تھا۔ عام حالات میں اسے فتح کرنا آسان نہیں تھا مگر فرخ شاہ نے موقعے سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اسے فتح کر کے وہاں مسلمانوں کو آباد کر دیا۔ کاتب عماد اصفہانی کہتے ہیں کہ اس کے بعد یہ قلعہ مسلمانوں کے لیے جاسوسی اور خبر رسانی مرکز بن گیا۔ اس کامیابی کے بعد فرخ شاہ سلطان سے ملنے کے لیے مصر کی سرحد کی طرف روانہ ہو گیا۔[1]

<u>راستے کے خطرات سے نمٹنے کے لیے سلطان کی تدبیر</u>: سلطان صلاح الدین 5 محرم 578ھ <u>(29 اپریل 1183ء) کو مصر سے روانہ ہوئے تھے</u>۔ ان کے ساتھ سپاہیوں کے علاوہ ان تاجروں اور

[1] سنا البرق الشامی: 1/ 094، کتاب الروضتین: 2/ 106، الکامل فی التاریخ: 7/ 630

عام لوگوں کی بھی خاصی تعداد تھی جو شام میں قحط سالی کے سبب سلطان کے ساتھ مصر آ گئے تھے اور اب وطن واپس جا رہے تھے۔ مصری تاجروں کی ایک جماعت بھی تجارتی مال کے ساتھ ان کے ہمراہ تھی۔ پانچویں رات یہ قافلہ ساحلی قصبے ایلہ پہنچا۔ یہاں مخبروں نے انہیں اطلاع دی کہ ریجی نالڈ کرک کے قلعے میں گھات لگا کر حملہ کے لیے تیار ہے۔ [4]

سلطان نے آگے چلنے سے پہلے قافلے کے دونوں اطراف کی حفاظت کا انتظام کیا۔ فرنگیوں پر پہلے سے دھاک بٹھانے کیلئے وہ دائیں بائیں کی عیسائی بستیوں پر چھاپہ مار کارروائیاں کرتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھتے رہے۔ ''عقبہ شاز'' سے دو گاؤں آگے نکل کر سلطان نے قافلے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصے میں صرف منتخب کہنہ مشق سپاہی شامل کیے اور دوسرے حصے میں باقی لوگوں کو رکھا۔ سلطان نے اپنے بھائی تاج الملک بوری سے کہا:

''ان سب لوگوں کو سارے ساز و سامان اور تجارتی اموال کے ساتھ لے کر شاہراہ کی دائیں جانب سے نکلتے چلے جاؤ۔'' تاج الملوک نے حکم کی تعمیل کی۔

کرک پر سلطان کا حملہ: اب سلطان نے اپنے آزمودہ سپاہیوں کے ساتھ قلعۂ کرک کا رخ کیا جو ان نصرانیوں سے بھرا ہوا تھا جو سلطان کو راستے میں روکنے کا عزم کر کے دور دراز سے جمع ہوئے تھے۔ سلطان کو اس قدر جرأت مندی کے ساتھ اپنے سامنے پا کر ان کی خود اعتمادی جاتی رہی۔ اب وہ محصور ہو کر لڑنے میں ہی عافیت سمجھ رہے تھے۔ سلطان نے کرک کا محاصرہ کر لیا، اردگرد کی فصلوں کو گھوڑوں کا چارہ بنایا اور باغات کے تمام درختوں کو کاٹ ڈالا۔ اس کے ساتھ ساتھ سلطان کے سپاہیوں نے قلعۂ شوبک اور دیگر بستیوں پر بھی چھاپے مارے۔ [5]

سلطان نے دس دن تک کرک کا محاصرہ جاری رکھا مگر نصرانیوں کو باہر نکل کر لڑنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ادھر سلطان صلاح الدین خود حالتِ سفر میں تھے اور جلد از جلد دمشق پہنچنا چاہتے تھے۔ یہاں زیادہ دن ٹھہرنا اور طویل محاصرہ کرنا اس لیے بھی ناممکن تھا کہ ان کے پاس خوراک و رسد کا انتظام نہ تھا۔ دسویں دن سلطان نے فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ مخبروں نے انہیں ''دبوریہ'' میں فرخ شاہ کی فتح کی خبر دی۔

سلطان بصریٰ کے قریب پہنچے تھے کہ فرخ شاہ اپنے سواروں سمیت ان سے آن ملا۔ پیر 17 صفر 578ھ (20 جون 1182ء) کو سلطان دمشق پہنچ گئے۔ [6]

[4] الکامل فی التاریخ: 7/290؛ سلطان صلاح الدین: 1/93
[5] کتاب الروضتین: 2/105؛ سلطان صلاح الدین: 1/94
[6] سلطان صلاح الدین: 1/95

دمشق سلطان ایوبی کا نیا پایہ تخت: سلطان کا شام میں مستقل قیام کرنے کا ارادہ نہ تھا لیکن اس کے بعد سلطان کو عمر بھر مصر واپس جانا نصیب نہ ہوا چنانچہ مرکز کے تمام سرکاری امور رفتہ رفتہ قاہرہ سے دمشق منتقل ہو گئے اور یہی شہر ایوبی خاندان کا پایہ تخت بن گیا۔

دمشق آ کر سلطان نے شام کے حالات کا تفصیل سے جائزہ لیا اور اگلے ماہ نصرانیوں کے ان اہم مراکز پر حملے کا فیصلہ کر لیا جنہیں کمزور کیے بغیر القدس کی جانب کامیاب پیش قدمی ناممکن تھی۔ ان دنوں ایوبی سلطنت کے صوبے یمن میں حالات ایک بار پھر بے قابو ہونے لگے تھے۔ وہاں سلطان کے نائب حطان بن منقذ کا بڑھتا ہوا اثر ورسوخ ایوبی خانوادے کے لیے تشویش ناک تھا، چنانچہ سلطان نے اپنے بھائی سیف الدین الاسلام طغتگین کو یمن روانہ کر دیا جس نے حطان کو معزول کر کے یمن کے نظم ونسق کو بہتر بنایا۔

نصرانیوں کے سرحدی قلعوں پر حملے: اتوار 17 ربیع الاول 578ھ (20 جولائی 1182ء) کو سلطان صلاح الدین نے طبریہ کا رخ کیا، منگل کو بوقتِ سحر ان کے سپاہی طبریہ پر چھاپے مار رہے تھے۔ سلطانی لشکر کا کیمپ اردن کی سرحدی بستی "اقحوانہ" میں تھا۔ سلطان سے مقابلے کے لیے نصرانیوں کی بہت بڑی تعداد "طبریہ" پہنچ چکی تھی مگر ان کی بزدلی کا یہ عالم تھا کہ وہ سلطان کے آتے ہی قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ سلطان نے بیسان کی طرف کوچ کیا اور فرخ شاہ کو آگے روانہ کر دیا جس نے دریائے اردن عبور کر کے حریف کے مویشیوں کو چھین لیا۔ سلطان کی اگلی منزل بیسان کے قریب نیا تعمیر ہونے والا نصرانیوں کا قلعہ عفربلا (بلفور) تھا۔ سلطان نے یہاں "موران" کے مضافات میں کیمپ لگا کر قلعے پر حملے کی تیاری کی۔ صلیبی جو "عیون صوریہ" کے علاقے میں خیمہ زن تھے فوراً ادھر لپکے۔ سلطان کو بروقت خبر مل گئی۔ چونکہ ایک عرصے بعد اب کھلے میدان میں صلیبیوں سے مقابلے کی نوبت آنے والی تھی اس لیے اپنی عادت کے مطابق انہوں نے فوج کو جہاد کی ترغیب دے کر اس کا حوصلہ بلند کیا اور اسے از سر نو ترتیب دیا۔ تقی الدین عمر کو دائیں اور فرخ شاہ کو بائیں بازو پر مقرر کیا۔ آخر کار 12 ربیع الاول 578ھ کو دونوں فوجیں آمنے سامنے آ گئیں۔ مسلمان میدان کی خاک کو دشمن کے لہو سے سیراب کرنے کیلئے بے چین تھے۔ ان کی تیاری مکمل اور تعداد بھی زیادہ تھی۔ یہ دیکھ کر نصرانیوں کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ لڑائی کے بغیر "حصن کوکب" کی طرف پسپا ہونے لگے مگر سلطان کے بائیں بازو نے آگے بڑھ کر ان پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ ساتھ ہی تقی الدین عمر دائیں بازو کو لے کر آگے بڑھا اور ایک تنگ وادی میں نصرانیوں کو جا لیا۔ یہاں نہایت شدید لڑائی ہوئی۔ آخر کار مسلمانوں کے پے در پے حملوں نے صلیبی فوج کی کمر توڑ دی۔ ان کے بہت سے سپاہی قتل اور گرفتار ہوئے۔ مسلمانوں کے بھی کئی نامور بہادر اس

موقع پر شہید ہوگئے۔ باقی ماندہ عیسائی حصن کوکب میں گھس گئے۔ اس معرکے کے بعد سلطان اپنے کیمپ میں آکر ٹھہر گئے۔ حلب کی مہم تک ان کی خیمہ گاہ موران ہی میں رہی۔[1]

<u>بیروت کا محاصرہ اور ایک خوشخبری</u>: سلطان کا اگلا حملہ نصرانیوں کے مضبوط مرکز "بیروت" پر تھا جو بڑی مضبوط فصیلوں والا ساحلی شہر تھا۔ سلطان نے مصر کے بیڑے کو حکم بھجوایا تھا کہ وہ سمندر کی جانب سے بیروت پر حملہ کردے۔ جوں ہی سلطان کو مصری بیڑے کے بیروت پہنچنے کی اطلاع ملی وہ خشکی سے بیروت پر حملہ آور ہوگئے۔ بیڑہ بھی سمندر کی جانب حملے کرتا رہا۔ اس نے دشمن کے بہت سے سپاہی گرفتار کیے اور خاصی مقدار میں مال غنیمت بھی حاصل کیا تاہم خشکی اور سمندر دونوں طرف سے حملوں کے باوجود بیروت سرنگوں نہ کیا جاسکا۔ دراصل سلطان کئی اہم کام چھوڑ کر آئے تھے جن میں سرحدوں کی حفاظت کا مسئلہ اہم ترین تھا چنانچہ محاصرے کو طول پکڑتا دیکھ کر سلطان نے فرخ شاہ کو دمشق بھیج دیا تاکہ وہ سرحدوں کے دفاع پر نظر رکھے۔ چند دن بعد سلطان نے بھی واپسی کا اعلان کردیا۔[2]

اس بظاہر ناکام مہم کی کوفت اس وقت دور ہوگئی جب کوچ سے پہلے انہیں بحیرۂ قلزم میں صلیبیوں کے ایک بحری بیڑے کی تباہی کی خبر ملی۔ یورپ کے یہ اڑھائی ہزار سپاہی القدس کی زیارت کے لیے جارہے تھے مگر یہ بھی بعید نہ تھا کہ وہاں جاکر وہ سلطان کے خلاف عیسائی امراء کی نئی صف بندی کا حصہ بن جاتے۔ ان کی بدقسمتی سے طوفانی ہواؤں نے انہیں گھیر گھار کر دمیاط کے ساحل پر لا پھینکا۔ ان میں سے بہت سے ڈوب کر مرگئے جب کہ ایک ہزار چھ سو چھہتر (1676) افراد سرحدی محافظوں اور بحری فوج کے ہاتھوں زندہ گرفتار ہوگئے۔[3]

---

[1] سیرت سلطان: 1/66 مع حیات صلاح الدین ایوبی: 74
[2] سیرت سلطان: 1/67
[3] سیرت سلطان: 1/67، کتاب الروضتین: 2/99 مع الکامل فی التاریخ: 7/202

اسباقِ تاریخ

آپ نے دوسرے حصے کا مطالعہ کیا جو سلطان ایوبی کی شام میں سیاسی سرگرمیوں، مقامی امراء سے جھڑپوں، دمشق پر قبضے، حلب پر حملے، شام ومصر کے اسفار اور شام کے نصرانیوں سے بعض معرکوں پر مبنی ہے۔ ان واقعات پر غور کرنے سے بہت سے اسباق ملتے ہیں مثلاً:

- سیاسی امور بڑے پیچ دار ہوتے ہیں۔ ان کے مختلف پہلو ہوتے ہیں جن کے ہوتے ہوئے صحیح یا غلط راستے کا فیصلہ مشکل ہو جاتا ہے۔ سلامتی کا راستہ یہ ہے سب سے پہلے انسان ذاتی مفادات اور اغراض سے دستبردار ہو جائے جیسے سلطان ایوبی نے کیا۔ پھر راہِ سیاست میں کوئی بڑا مقصد سامنے رکھ کر چلے جو امت کے مفادات، تحفظ، سلامتی اور ترقی سے ہم آہنگ ہو۔ اس مقصد سے مطابقت رکھنے والے فیصلے اور اقدامات کرے چاہے وہ صلح ہو یا مخالفت، جنگ ہو یا معاہدۂ امن۔ مقصد سے متصادم فیصلوں اور اقدامات سے دور رہے۔
- جس موڑ یا مرحلے پر بھی ہوں سابقہ مراتب، معاہدوں اور اقدار کا بہت خیال کریں جیسا کہ سلطان ایوبی حتیٰ الامکان الملک الصالح کی بادشاہت کو تسلیم کیے رہے اور جب تک ممکن ہوا اس کے وفادار رہے۔
- اختلاف اگر جنگ تک پہنچ جائے تو اسے ضروری حد تک رکھا جائے۔ شدید ضرورت کے بغیر خونریزی سے گریز کیا جائے۔ مخالفین سے حسن سلوک کا ثبوت دیا جائے۔ جب وہ سرنگوں ہو جائیں تو ان کی ہر ممکن رعایت کی جائے۔
- موقع کبھی کبھی ملتا ہے۔ جب ملے تو اس سے فائدہ اٹھانے میں دیر نہ لگائی جائے۔ اگر سیف الدین غازی کی طرح سلطان ایوبی بھی ابن مقدم کی دعوت پر دمشق نہ جاتے تو کبھی حکمران شام ومصر نہ بن پاتے۔
- مال ودولت خرچ کرنے کے لیے ہے نہ کہ خزانے کا پیٹ بھرنے کے لیے۔ خزانے کو بھوک محسوس

نہیں ہوتی، ہاں لوگ ضرورت مند ہوتے ہیں۔ ان کی وفاداریاں، دعائیں اور نیک تمنائیں حکمران کا اصل خزانہ ہیں۔

- حکومت کا استحکام عوام کی خوشحالی، دین کی نصرت اور جہاد کے لیے ہونا چاہیے۔ اسلامی سرحدوں کا دفاع اوّلین ترجیح رکھتا ہے۔ ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے سلطان کا طرزِ عمل ایک مثال ہے۔
- جب تک حکومت کے پائے مضبوط نہ ہوں، حکمران کو متحرک رہنا چاہیے۔ اہم ترین کام سربراہِ حکومت کو خود انجام دینے چاہئیں۔ خالی بیٹھنے والے حکمران کی مملکت امن، ترقی، تحفظ اور خوشحالی سے خالی ہو جاتی ہے۔
- جہاں تک ممکن ہو ہمسایہ ممالک سے معاہدوں کے ذریعے قیامِ امن کا راستہ اپنائے رکھنا چاہیے۔ ایک وقت میں ایک ہی دشمن پر توجہ مرکوز رکھنا دانش مندی ہے۔ بیک وقت سب سے لڑائی مول لینا حماقت ہے۔

باب:4

الجزیرہ اور کردستان کی مہمات

578ھ(1182ء)

......تا......

582ھ(1186ء)

شخصیات

مظفرالدین کوکبری	....	حران کا حاکم
ناصرالدین شیرکوہ	....	حاکم حمص، سلطان کا جرنیل اور بہنوئی
اسدالدین	....	ناصرالدین شیرکوہ کا کم عمر بیٹا اور جانشین
عزالدین مسعود	....	حاکم موصل، سلطان کا حریف، نورالدین زنگی کا بھتیجا
مجاہدالدین قائماز	....	موصل کا وزیر اعظم
عمادالدین	....	حاکم حلب، حاکم سنجار
شیخ الشیوخ صدرالدین	....	عباسی خلیفہ کے سفیر
فقیہ عیسیٰ ہکاری	....	سلطان کے مشیر خاص
عماد اصفہانی	....	سلطان کے کاتب (سیکرٹری)
قاضی فاضل	....	سلطان کے وزیر
بہاؤالدین ابن شداد	....	سفیر موصل
الملک العادل ابوبکر	....	سلطان ایوبی کا چھوٹا بھائی
تاج الملوک بوری	....	سلطان ایوبی کا سب سے چھوٹا بھائی
الملک الافضل علی	....	سلطان کا سب سے بڑا بیٹا
الملک الظاہر	....	سلطان کا منجھلا بیٹا
الملک العزیز عثمان	....	سلطان کا دوسرا بڑا بیٹا
سلیمان بن جندر	....	سلطان کا دوست، مشیر
تقی الدین عمر	....	سلطان کے بڑے بھائی شہنشاہ کا بیٹا۔ سب سے بہادر کمانڈر
حسام الدین لؤلؤ	....	سلطان کا ایڈمرل (امیر البحر)
عزالدین جوردیک	....	سلطان کا پرانا دوست اور کمانڈر
عزالدین جاولی الاسدی	....	سلطان کا کمانڈر

نورالدین محمد قرا ارسلان	....	حاکم کیفا، سلطان کا حلیف
قطب الدین عثمان	....	نورالدین قرا ارسلان کا بیٹا اور جانشین
سنجر شاہ	....	سلطان کا حلیف، سیف الدین غازی دوئم کا بیٹا
رینی نالڈ	....	متعصب نصرانی کمانڈر، حاکم کرک
ریمنڈ	....	حاکم طرابلس، نصرانی کمانڈر
شمس الدین بہلوان	....	حاکم آذر بائی جان
ارمن شاہ	....	حاکم خلاط
سیف الدین بکتمر	....	ارمن شاہ کا غلام، خلاط کا نیا حاکم
ابن جبیر	....	اندلس کا سیاح

فصل:1

زنگیوں کی ریشہ دوانیوں کے خلاف سلطان کا اِعلان جنگ

نصرانیوں سے ان جھڑپوں کے ساتھ ساتھ سلطان ایوبی کی نظر شام اور عراق کے وسیع رقبے پر حکومت کرنے والے زنگی خاندان کی ریشہ دوانیوں پر بھی تھی۔ اگرچہ اس خانوادے کے موجودہ حکمران عماد الدین زنگی اور نور الدین زنگی کے نسبی وارث ہونے کے باعث سلطان کے لیے قابل احترام تھے مگر یہ بھی ایک اٹل حقیقت تھی کہ زنگی کے موجودہ وارثین سلطان صلاح الدین ایوبی کی حکومت و اقتدار اور فتوحات کو شروع سے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے آئے تھے۔ وہ سلطان کو یکسوئی کے ساتھ نصرانیوں سے نبرد آزمائی کا موقع نہیں دے رہے تھے۔ دو برس پہلے انہوں نے سلطان سے دب کر جو صلح کا معاہدہ کیا تھا اس کا وقت پورا ہونے والا تھا مگر اس سے پہلے ہی وہ سلطان کے خلاف محلاتی سازشوں کا آغاز کر چکے تھے۔ سلطان کے جاسوسوں نے معلوم کیا تھا کہ زنگی کے ورثاء عیسائی حکمرانوں کو بھاری رقمیں دے کر ایوبی سلطنت کی سرحدوں پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دیتے رہے ہیں۔ ۞

اس سازش کے ثبوت فراہم ہو جانے کے بعد سلطان کے لیے نور الدین زنگی کے نام پر دھبہ بننے والے ان حکمران کو سبق سکھانا ضروری ہو گیا تھا۔ تاہم سلطان نے صلح نامے کی مدت ختم ہونے تک صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ جوں ہی میعادِ صلح ختم ہوئی سلطان نے کہا:

''ہم پر زنگیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا اور جہاد کرنا واجب ہو چکا ہے۔''

کوکبری کا مشورہ ۞ اس اعلان کے ساتھ ہی سلطان نے زنگیوں کے مرکز حلب کی طرف کوچ کر دیا۔ بعلبک اور حمص سے گزرتے ہوئے وہ حماۃ میں ٹھہرے اور وہاں کے والی تقی الدین عمر کو شہر کا انتظام اور

۞ سنا البرق الشامی: 1/55

سرحدوں کا دفاع بہتر بنانے کے بارے میں ہدایات دیں۔ دودن بعد سلطان یہاں سے روانہ ہوئے۔ جب وہ حلب سے ایک منزل دور جباب الترکمان میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے کہ حران کا حاکم مظفرالدین کوکبری ابن زین الدین حاضرِ خدمت ہوا۔ وہ ایک جنگجو سپاہی اور دوراندیش سیاست دان تھا۔ اس کا باپ زین الدین عراق کی ریاست اربل کا حاکم تھا۔ اس کے انتقال کے وقت مظفرالدین لڑکا تھا اس لیے اربل کی حکومت اس کے چچا نے سنبھال لی اور حاکمِ موصل سیف الدین غازی نے اسے اربل کی جگہ ''حران'' کی حکومت دے کر اپنا تابع دار بنا لیا۔ مظفر نے سیف الدین سے وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے تل السلطان کے معرکے میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف زبردست جنگ لڑی تھی مگر سلطان کا یہ حریف آج اپنی وفاداریاں سلطان کے دربار سے وابستہ کرنے اور ان کا حلقہ بگوش بننے کو تیار تھا۔ بات یہ تھی کہ مظفرالدین کوکبری حلب کا حاکم بننا چاہتا تھا اور اسی جذبے نے اسے زنگیوں کا مخالف بنا دیا تھا۔ گزشتہ سال الملک الصالح کے انتقال کے بعد حلب کو عزالدین مسعود کی تولیت میں دیے جانے فیصلہ ہوا تو اس وقت بھی مظفرالدین کوکبری نے حلب کے قلعے پر قبضے کی کوشش کی تھی مگر جب امرائے حلب نے حلب عمادالدین کی تحویل میں دینے کا فیصلہ کیا تو مظفرالدین کوکبری کو حلب سے بھاگنا پڑا تھا۔ تب سے مظفرالدین کو زنگی خاندان کے باغی کی حیثیت دے دی گئی تھی اور مظفرالدین بھی انہی دنوں سے زنگیوں سے بدلہ لینے کے لیے مناسب وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ اب جبکہ سلطان صلاح الدین ایوبی شام میں نئی مہمات شروع کر رہے تھے تو اسے زنگیوں سے بدلہ لینے کا بہترین موقع مل گیا تھا۔ مظفرالدین نے اس ملاقات میں سلطان کو یہ قیمتی مشورہ دیا کہ وہ حلب سے پہلے دریائے فرات کے پار واقع شہروں پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں۔[1] اس نے کہا:

''میں آپ کا خیرخواہ اور آپ کے کارناموں کا گرویدہ ہوں، آپ زنگیوں کی بدعہدی اور وعدہ خلافی سے خوب واقف ہیں۔ اگر آپ دریائے فرات کے پار والے شہروں پر قبضہ کرلیں تو آپ کو پشت سے مدد حاصل رہے گی اور اس کے بعد آپ اپنے عزم کے مطابق (حلب کی) مہم پر جا سکتے ہیں۔ آپ کو اس وقت عوام کی محبت حاصل ہے اور آپ کی ہیبت سب پر طاری ہے، دریائے فرات پار کرتے ہی شہر آپ کے لیے مسخر ہو جائیں گے، لوگ اطاعت کریں گے۔ آپ نہ صرف حران، رہا، رقہ، خابور اور نصیبین جیسے شہروں پر قبضہ کرسکیں گے بلکہ موصل بھی یقیناً آپ سرنگوں ہوگا۔ ان علاقوں میں کوئی آپ کی نافرمانی کرنے والا نہ ہوگا لیکن اگر آپ

[1] الروضتین: 578ھ

نے پہلے حلب پر حملہ کیا تو یہ شہر (اپنی سنگین فصیلوں کے باعث) آپ کو بہت سے اہم کاموں اور الجزیرہ کی فتح سے روک دے گا۔''[1]

سلطان نے یہ مشورہ غور سے سنا اور مظفر الدین کا شکریہ ادا کر کے اسے واپس بھیج دیا۔ سلطان اس کے مشورے پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے مگر انہوں نے اپنا ارادہ کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ وہ 18 جمادی الاولیٰ کو حلب کے سامنے پہنچ کر تین دن تک ٹھہرے رہے۔ پھر 21 جمادی الاولیٰ کو یکدم ان کا رخ دریائے فرات کی طرف ہو گیا۔ تل خالد سے گزر کر وہ دریا کے چوڑے پاٹ تک پہنچ گئے۔ آگے فرات اور دجلہ کی وادی الجزیرہ ان کی منتظر تھی۔[2]

<u>دریائے فرات کے پار</u>❀ دریائے فرات کے پار البیرہ کا مضبوط قلعہ تھا جس کا حاکم شہاب الدین ارتقی سلطان سے خط و کتابت کر کے حمایت کا وعدہ کر چکا تھا کیونکہ ان دنوں حاکم ماردین اس کے کئی علاقوں پر قابض ہونے کے بعد البیرہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ سلطان کی پیش قدمی کی اطلاع سن کر حاکم ماردین البیرہ سے بھاگنے پر مجبور ہو گیا اور ارتقی کی جان میں جان آئی۔ ارتقی چاہتا تھا کہ سلطان صلاح الدین کی سرپرستی حاصل کر کے وہ حاکم ماردین کی زیادتیوں سے مستقل طور پر محفوظ ہو جائے چنانچہ سلطان کے آتے ہی وہ حاضرِ خدمت ہو گیا۔ اس نے سلطان کو البیرہ کے قلعے کی چابیاں پیش کرتے ہوئے درخواست کی کہ وہ اسی محفوظ قلعے میں قیام کریں۔ سلطان نے یہ دعوت قبول کی مگر قلعے کی چابیاں اسے لوٹا دیں۔ وہ اس کے مسائل سے واقف تھے اس لیے وعدہ کیا کہ وہ اسے حاکم ماردین کی زیادتیوں سے نجات دلائیں گے۔ جلد ہی سلطان نے حاکم ماردین سے مراسلت کر کے شہاب الدین ارتقی کو اس کے غصب شدہ علاقے واپس دلا دیے۔ اب سلطان نے دریائے فرات پر پل بنوا کر سپاہیوں کو پار اترنے کا حکم دیا۔ بھاری ساز و سامان کشتیوں کے ذریعے منتقل کیا جاتا رہا۔ دریا کے پار سلطان کا خیمہ نصب کر دیا گیا اور سلطان نے وہاں منتقل ہو کر ارد گرد کے امراء کو مراسلے بھیجنا شروع کر دیے کہ وہ حلقۂ اطاعت میں داخل ہوں...... سب سے پہلے حصن کیفا کے والی نور الدین نے اطاعت کا مکتوب بھیجا۔ پھر دیگر امراء کے اطاعت نامے آنے لگے۔[3]

<u>سلطان مسلم حکام سے لڑنے پر کیوں مجبور تھے؟</u>❀ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان اسباب پر

[1] البرق الشامی: 23/5

[2] النوادر السلطانیہ: 101 [illegible] حوالے سے تمام کی مدت [illegible] ہے۔

[3] الکامل فی التاریخ: 7/293؛ [illegible] 1/103؛ [illegible] 678ھ

ایک بار پھر غور کرلیں جن کی وجہ سے سلطان صلاح الدین ایوبی کو نصرانیوں کی بجائے اپنے کلمہ گو مسلمان بھائیوں سے جنگوں کا یہ طویل سلسلہ شروع کرنا پڑا تھا۔ سلطان کا ان مسلم حکمرانوں سے لڑنا بظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے خصوصاً اس تناظر میں کہ دنیائے اسلام کے تنزل کے اس دور میں بھی مسلم حکمرانوں میں دینداری، وضع داری اور شرافت کے نمونے عام تھے۔ خود وہ حکمران جن کے خلاف سلطان کو تلوار اٹھانا پڑی تھی قومی اور مذہبی روایات کی بڑی حد تک پاسداری کرتے تھے۔ سلطان کا سب سے بڑا اور ناقابلِ شکست حریف عزالدین مسعود ایک عادل اور رعایا پرور حکمران تھا۔ رات کا تہائی حصہ نماز تہجد میں گزارتا تھا۔ اپنے چچا نورالدین زنگی کی طرح وہ بردبار اور کم گو تھا۔ اسے خاندانی شرافت کا عمدہ نمونہ کہا جا سکتا تھا۔ مگر اس کے باوجود یہ حکمران سیاسی اغراض کے پردے اور رقابت کی دھند کے باعث سلطان کے مشن اور مقصد کو نہ سمجھ سکے۔ آج نو سو سال بعد ہم سلطان کو جس مقام پر دیکھتے ہیں، اسے ان کے ہم عصر حکمران تو کجا معاصر مورخ بھی پوری طرح نہیں سمجھ سکے تھے۔ معاصرت کے باعث پیدا ہونے والا طبعی حسد انسان کو اپنے زمانے کے بہت سے باعظمت افراد کے مقام و مرتبے کی پہچان سے محروم رکھتا ہے۔ یہی حسد بہت سے مخلص نیک اور شریف لوگوں کو بھی ایسی ہی کسی شخصیت کے خلاف پست اقدامات پر ابھارتا ہے اور انہیں بالکل احساس نہیں ہوتا کہ وہ حالات کے دھارے کو کس قدر تباہ کن رخ دے رہے ہیں اور کل تاریخ میں ان کا مقام کیا ہوگا۔ وہ تنگ نظری کے باعث اپنے ایسے اقدامات کو بھی قوم کی خیرخواہی پر محمول کرتے ہیں جنہیں اگلی نسل کے لوگ حد درجے عاقبت نااندیشی کا نام دیتے ہیں۔

سلطان کے یہ معاصرین جن میں موصل کے شرفاء اور شہزادے سرفہرست تھے اپنے ذاتی نیک اوصاف کے باوجود ایسی ہی خطرناک سیاسی غلطیاں کر رہے تھے لہٰذا سلطان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ بزور شمشیر ان مراکز کو زیروزبر کر دیں جہاں سے مسلمانوں کی فلاح کے زعم میں در حقیقت ان کو کلیسا کی بھینٹ چڑھا دینے کے سودے ہو رہے تھے۔ جب تک سلطان ان حکمرانوں سے نمٹ نہ لیتے نصرانیوں کی طرف یکسوئی سے توجہ دینا اور القدس کی بازیابی کی فیصلہ کن جنگ لڑنا ممکن نہ تھا۔ اگر سلطان موجودہ حالت میں کسی طرح القدس پر قبضہ کر بھی لیتے تو یہ قبضہ ہرگز مستحکم نہ ہوتا۔ سلطان صلاح الدین کی دوراندیش نظریں دیکھ رہی تھی کہ القدس پر قبضہ برقرار رکھنا اس کی فتح سے کہیں زیادہ دشوار ثابت ہوگا۔ وہ جانتے تھے کہ یورپ جواب تک القدس کی تولیت اور قبضے پر مطمئن ہے، اس کے چھن جانے کے دھچکے کو برداشت نہیں کر پائے گا اور پہلی صلیبی جنگ کی طرح اس کی ٹڈی دل افواج ایک بار پھر ایشیا کے ساحلوں پر اتر پڑیں گی۔ ایسے میں اگر القدس کے وارثوں کے پاس پہلے سے ایک مضبوط، متحد، منظم

اور مستحکم حکومت نہ ہوئی تو یورپیوں کا یہ نیا سیلاب القدس کو بازیاب کرانے کے ساتھ ساتھ عالم اسلام کی چھوٹی چھوٹی درجنوں ریاستوں کو بھی خس وخاشاک کی طرح بہالے جائے گا۔

یہ وہ خوفناک حقائق تھے جو سلطان پر پوری طرح واضح مگران کے ہم عصروں سے اسی قدر اوجھل تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان کی ان لڑائیوں کو جو شام، الجزیرہ اور عراق کے حکمرانوں سے ہوئیں، ان کے معاصرین خانہ جنگی اور برادر کشی پر محمول کرتے رہے۔ حالانکہ دیکھا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ سلطان نے یہ لڑائیاں بادلِ نخواستہ لڑیں اور بار بار جنگ کو ٹال کر مذاکرات سے بات چیت طے کرنے کی کوششیں کیں۔ اکثر مواقع پر صلح وصفائی یا ڈرانے دھمکانے سے مقصد حاصل کرنا چاہا۔ تلوار صرف ناگزیر مواقع پر استعمال کی اور وہ بھی بقدرِ ضرورت۔ ان لڑائیوں میں سلطان نے کہیں بھی فتح کے بعد اپنے کلمہ گو حریفوں سے جانی دشمن جیسا سلوک نہیں کیا بلکہ ان سے انتہائی فراخدلانہ رویہ رکھا۔ چونکہ سلطان کا اصل مقصد یہی تھا کہ وہ اپنے ہم عصر مسلم حکمرانوں کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ ہو کر نصرانیوں سے جہاد کے لیے یکسو ہو جائیں اس لیے کئی بار انہوں نے مسلمان حکام سے صلح کے معاہدے کیے اور باہمی تعاون کے عہد وپیمان باندھے مگر جب بار بار وعدہ خلافیاں ہوئیں اور یہ حکام صلیبیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کرنے سے باز نہ آئے تو سلطان کو اپنے تمام جذبات واحساسات کا گلا گھونٹ کر اپنے ہم قوموں کے خلاف مہم جوئی کا وہ فیصلہ کرنا پڑا جس کے بغیر تاریخ کے دھارے کا رخ بدلنا ممکن نہیں تھا۔

سلطان کا ایک حقیقت کشا مکتوب: سلطان کے ان احساسات کی ترجمانی اور ان کے موقف کی وضاحت کے لیے ان کے ایک مکتوب پر نظر ڈالنا ضروری ہے جو انہوں نے دریائے فرات عبور کرنے کے بعد البیرہ کے مقام سے عباسی خلیفہ ناصر کے نام لکھا تھا۔ اس میں سلطان تحریر کرتے ہیں:

"ناچیز پر یہ واضح ہو گیا کہ اہل موصل فرنگیوں سے دوستی کے روابط بڑھا رہے ہیں۔ انہوں نے ان سے جو معاہدہ کیا ہے، اس کی گواہی مجلس معاہدہ میں موجود چشم دید گواہوں نے دی ہے۔ یہ گیارہ سال کا معاہدہ ہے جس میں یہ طے کیا گیا کہ فرنگی انہیں سالانہ دس ہزار دینار دیا کریں گے اور اس کے بدلے مسلمانوں کی سرحدیں فرنگیوں کو دے دی جائیں گی جن میں بانیاس، شقیف تیرون، اور حمص جلدک کے علاقے شامل ہوں گے۔ وہ تمام فرنگی قیدی جو اہل موصل کے یا اس ناچیز کی قید میں ہیں، فرنگیوں کو لوٹا دیے جائیں گے۔

اس معاہدہ کی تکمیل کے بعد اہل موصل نے یہ سمجھ لیا تھا کہ باطل حق پر غالب آجائے گا اور کفر اسلام پر چھا جائے گا اور یہ ناچیز اگر اُن (اہل موصل) کی گوشمالی کرنا چاہے گا تو اسے فرنگیوں سے

سح کرنا پڑے گی۔ انہوں نے سمجھا کہ میں یہ نہیں کر سکوں گا کہ اپنے لشکر کے دو حصے کر کے ایک ہی وقت میں فرنگیوں اور ان سے ٹکر لے سکوں۔ چنانچہ انہوں نے اس خیال کے مطابق فرنگیوں کو پیش قدمی کی دعوت دے دی۔ اگرچہ فرنگیوں کو پے در پے کئی معرکوں میں زخم لگ چکے تھے مگر اہل موصل کی حوصلہ افزائی نے ان کے قدموں کو توانائی بخشی۔ فرنگیوں نے اپنے لشکر پر وہ دولت کثیر خرچ کی جو اہل موصل نے انہیں بھیجی تھی، گویا مسلمانوں پر فرنگیوں کے جس لشکر نے چڑھائی کی ہے اسے اسلام کے نام نہاد دعوے داروں نے تیار کیا تھا جو عملاً اسلام سے دور ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ بندے کی سلطنت پر ایک طرف سے اہل موصل حملہ کریں گے اور دوسری طرف سے فرنگی۔ اہل موصل صرف یہ سوچتے ہیں کہ کس چیز سے بندے کا نقصان ہوگا۔ وہ یہ نہیں دیکھ رہے کہ اس کا اثر اسلام کے مستقبل پر کیا ہوگا۔

چنانچہ موصل کی افواج جمع ہو کر تیزی سے نصیبین تک آگئیں اور فرنگی جارحانہ انداز میں شام پر حملے کے لیے روانہ ہو گئے۔ تب الجزیرہ کے امراء اور خواص نے سمجھ لیا کہ ان حالات میں ان کے لیے فرزندان توحید کے گروہ سے الگ ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کو راضی کرتے ہوئے اپنے حکمرانوں کی ناراضگی مول لی اور اپنے دین کا ایسا خیال کیا جس سے ان کی پرہیزگاری اور احتیاط عیاں ہوتی ہے۔ انہوں نے حق کا اتباع کیا اور اس کی راہ پر چلے، ھدایت نے ان کے لیے اپنا مینار بلند کیا سو وہ اس کے پیچھے چل دیے جس کی دلیل یہ آیت قرآن مجید ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ ❶

"اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے والوں کو تم کبھی اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی لگاتا نہ پاؤ گے۔" پس بندے نے اپنے بھتیجے فرخ شاہ کو فرنگیوں کے مقابلے کے لیے دمشق بھیج دیا اور خود اللہ عزوجل کے عائد کردہ فریضے کی تکمیل کے لیے مصری فوج کے ساتھ اس جانب (دریائے فرات کے پار) چلا آیا۔" ❷

سمندر کے لیے سمندر ہی کافی ہو سکتا ہے۔ البیرہ کے بعد سلطان سروج پہنچے تو یہاں کے حاکم [illegible] مالک نے بھی سر تسلیم خم کر دیا، سلطان نے اسے اس کے علاقے پر برقرار رکھا۔ ان فتوحات میں سلطان نے داد و دہش کا خوب مظاہرہ کیا اور حلقہ بگوش ہونے والے امراء پر انعامات کی بارش کر دی۔ وہاں [illegible]

❶ سورۃ المجادلۃ: آیت 22 ❷ کتاب الروضتین: 3/118_121

تھے کہ سیاست دانوں کی وفاداریاں جیتنے کے لیے سخاوت ناگزیر ہے۔ سلطان نے ان فتوحات سے پہلے دمشق میں فرخ شاہ کو جو خط لکھا تھا اس سے ان کی پالیسی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ انہوں نے تحریر کیا تھا:

''تمہارے پاس جو دولت ہے اسے یہاں بھیجنے میں جلدی کرو کیوں کہ شہروں کی فتح کے ساتھ ساتھ یقیناً مال ہڑپ کرنے والے منہ کھلیں گے۔ ہمیں ایسے سمندر سے واسطہ پڑا ہے جسے سمندر ہی کافی ہو سکتا ہے، اور ایسے ہاتھوں سے سابقہ پڑ گیا ہے جو مالدار ہوتے بھی دل کے فقیر ہیں۔''[1]

الرہا سرنگوں ❊ سلطان کی آمد کی اطلاع پا کر موصل کا حکمران عزالدین مسعود اپنے وزیر اعظم مجاہد الدین قائماز کے ساتھ ایک بڑی فوج لے کر دفاع کے لیے نصیبین پہنچ گیا مگر سلطان کے دریائے فرات عبور کرتے ہی اس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ موصل لوٹ گیا تاہم اس نے مسعود زعفرانی کی کمان میں ''الرہا'' کی حفاظت کے لیے فوج کا بہترین حصہ چھوڑ دیا تھا۔ یہی وہ قلعہ تھا جو عماد الدین زنگی سے پہلے نصرانیوں کی ریاست اڈیسہ کا مرکز تھا۔ عماد الدین زنگی نے 539ھ (1144ء) میں اسے فتح کیا تھا، بعد میں نور الدین زنگی کو بھی اس قلعے پر قبضہ برقرار رکھنے کے لیے صلیبیوں سے سخت معرکے لڑنے پڑے تھے۔ دوسری صلیبی جنگ الرہا کی بازیابی کے لیے ہی برپا کی گئی تھی۔

جمادی الاولیٰ 578ھ (ستمبر 1182ء) میں سلطان نے الرہا کا محاصرہ کر لیا۔ چونکہ یہاں زنگیوں کی فوج بڑی تعداد میں جمع تھی لہٰذا شدید لڑائی برپا ہوئی۔ سلطان صلاح الدین نے بذات خود لڑائی میں حصہ لیا۔ تیروں کی بارش میں قلعے پر حملہ کرتے کرتے وہ موت کے منہ سے بال بال بچے۔ آخر مسعود زعفرانی ہتھیار ڈال کر اظہار اطاعت پر مجبور ہو گیا۔ سلطان نے حران کے ساتھ رہا کی تولیت بھی کوکبری کو سونپ دی۔ پھر سلطانی لشکر رقہ پہنچا جہاں سلطان کا پرانا حریف ینال بن حسان مورچہ بند تھا۔ اس بار اسے چوں چراں کی جرأت نہ ہوئی اور رقہ کسی دقت کے بغیر مسخر ہو گیا۔[2]

فرخ شاہ کی وفات ❊ رہا کے محاصرے سے پہلے ایک ایسا سانحہ رونما ہو چکا تھا، سلطان کو یہ افسوس ناک خبر موصول ہوئی تھی کہ ان کا بھتیجا فرخ شاہ دمشق میں وفات پا گیا ہے۔ وہ سلطان کے بڑے بھائی شہنشاہ کا بیٹا اور تقی الدین عمر کا بھائی تھا۔ ایک بہترین سپاہی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک نامور شاعر بھی تھا۔ سلطان کا دست راست اور شام میں ان کا نائب بن کر وہ مثالی وفاداری کا ثبوت پیش کرتا چلا آیا تھا۔ اس نے تھوڑے ہی عرصے میں نصرانیوں پر اپنی تلوار اور مسلمانوں پر اپنے حسن انتظام کی دھاک بٹھا دی تھی۔ شام میں سلطان کی فتوحات میں اس کا کردار نا قابل فراموش تھا۔ اس کی وفات سلطان کے

[1] کتاب الروضتین: 116/3 [2] مفرج الکروب: 105/1

لیے سخت صدمے کا باعث تھی۔ سلطان نے اس کی جگہ شمس الدین ابن مقدم جیسے کہنہ سال امیر کو نائب بنا کر دمشق بھیج دیا جس نے انتظام اپنے ہاتھ میں لے کر سلطنت کا امن وامان برقرار رکھا۔ [1]

الجزیرہ میں مزید فتوحات ❊ رہا اور رقہ کی فتح کے بعد سلطانی لشکر عرابان پہنچا تو شہر کے مرد وزن اور بچے بوڑھے سب استقبال کے لیے نکل آئے۔ سلطان نے ان کے ساتھ نہایت فیاضی کا معاملہ کیا اور حکم دیا کہ ان اطراف کے تمام لوگوں سے ہر قسم کا ٹیکس معاف کر دیا جائے۔ عرابان کے ساتھ خابور کے تمام قلعہ دار سلطان کے حسن سلوک کی شہرت سن کر سرنگوں ہو چکے تھے۔ ایوبی لشکر نے خابور سے دریا کو پل کے ذریعے عبور کیا اور بائیں طرف مڑ کر تین دن کے بعد نصیبین کو جا گھیرا۔ اہل شہر نے منجنیقوں اور دیگر آلات حرب نصب کر کے لڑائی کی تیاری کر لی تھی۔ سلطان نے بلاضرورت خونریزی سے احتراز کرتے ہوئے اردگرد کے راستوں کی ناکہ بندی کرادی۔ چند ہی دنوں میں نصیبین کے عمائد کو سلطان کی قوت کا اندازہ ہو گیا اور انہوں نے شہر کے دروازے کھول دیے۔ سلطان نے یہاں بھی فراخدلانہ رویے کا مظاہرہ کیا اور تمام ٹیکس معاف کرنے کا اعلان کیا۔ [2]

موصل کی طرف پیش قدمی ❊ الجزیرہ کے کئی اہم شہر فتح ہو چکے تھے۔ اب اصل ہدف موصل سلطان صلاح الدین کے سامنے تھا۔ اس کے ساتھ سنجار اور جزیرہ ابن عمر بھی خاصے اہم تھے جنہیں فتح کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ سلطان نے مجلس شوریٰ کو طلب کر کے پوچھا:

''سنجار، جزیرہ ابن عمر اور موصل میں سے پہلے کس پر قبضہ کرنا بہتر ہوگا؟''

مظفر الدین کوکبری نے عرض کیا:

''موصل سے پہلے کسی اور شہر کا رخ کرنا مناسب نہیں۔ اس وقت سمجھئے کہ موصل ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اسے بچانے والا کوئی نہیں۔ مجاہد الدین قائماز اور عز الدین مسعود ہمارے موصل پہنچتے ہی شہر چھوڑ کر پہاڑی قلعوں میں چلے جائیں گے۔''

سلطان کے چچازاد ناصر الدین بن شیرکوہ نے بھی اس رائے کی تائید کی۔ چنانچہ سلطان موصل کی طرف روانہ ہو گئے۔ دریائے دجلہ کے کنارے آباد یہ شہر جو نصف صدی سے زنگی حکمرانوں کا پایہ تخت چلا آرہا تھا بہترین دفاعی انتظامات سے لیس تھا۔ یہاں عز الدین مسعود کے ساتھ زنگیوں کا مدبر اعظم مجاہد الدین قائماز اور دیگر بڑے بڑے کہنہ مشق امراء موجود تھے۔ زنگیوں کی اصل فوجی قوت یہیں محفوظ تھی۔

---

[1] سفرنامہ ابن جبیر: 103/3
[2] سفرنامہ ابن جبیر: 106/1

<u>شام پر نصرانیوں کے حملے</u>: فرخ شاہ کی وفات سے نصرانیوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے، انہیں ہمت دلانے میں موصل کے امراء کا بھی بڑا ہاتھ تھا، جو نامہ و پیام اور مال و دولت کا لالچ دے کر انہیں شام پر قبضے کے لیے ابھار رہے تھے۔ پھر شام کی زیادہ تر فوج سلطان کے ساتھ تھی جس کا نصرانیوں کو اندازہ تھا لہٰذا وہ دمشق کے نواحی دیہاتوں میں لوٹ مار کرنے لگے تھے۔ دمشق کی مقامی فوج نصرانیوں کے ان مظالم کو روکنے کی استطاعت نہیں رکھتی تھی۔ اس سے قبل نصرانیوں کے لیے فرخ شاہ جیسے جری سالار کا نام ہی کافی تھا، جسے سن کر ان کے چھکے چھوٹ جاتے تھے، مگر اب صورتحال یہ تھی کہ نصرانیوں کی ایک فوج دمشق کے نواح میں "داریا" تک پہنچ چکی تھی، وہاں قبضہ کرنے کے بعد وہ علاقے کی جامع مسجد کو شہید کرنے کا اعلان بھی کر چکے تھے۔

دمشق میں سلطان کے نائب نے اس موقع پر سیاسی تدبیر سے کام لیتے ہوئے اپنے علاقے کے چند نصرانیوں کے ہاتھ عیسائی لشکر کے سالار کو ایک خط بھیجا جس میں تحریر تھا:

"اگر تم نے جامع مسجد شہید کر دی تو ہم اسے دوبارہ تعمیر کرالیں گے لیکن اس کے بعد ہم تمہارے ملک کے ہر گرجے کو تباہ کر دیں گے اور کسی کو ان منہدم شدہ گرجوں کی از سر نو تعمیر کی اجازت نہیں دیں گے۔"

عیسائی سالار اس دھمکی سے مرعوب ہو گیا اور اس طرح "داریا" کی جامع مسجد، محفوظ رہ گئی مگر دمشق کے اردگرد نصرانیوں کی تاخت و تاراج اہلِ شام کے لیے بے حد تشویش و اضطراب کا باعث تھی۔ سلطان صلاح الدین اس صورتحال سے پوری طرح آگاہ تھے مگر ان کے نزدیک موصل کو فتح کرنا ہر کام سے زیادہ اہم تھا۔ جب انہیں دمشق کے مضافات میں نصرانیوں کی اس لوٹ مار کی خبر ملی تو ایک مصاحب نے انہیں واپسی کا مشورہ دیا۔ اس پر سلطان نے اٹل لہجے میں کہا:

"وہ ہمارے دیہات اجاڑتے جا رہے ہیں، ہم اس کے بدلے ان کے شہروں پر قبضہ کریں گے، اپنے اجڑے ہوئے گاؤں ہم واپس لوٹتے ہی پھر آباد کرلیں گے۔ اس وقت ہم نصرانیوں کے شہروں پر قابض ہونے کی طاقت حاصل کر چکے ہوں گے۔" سلطان نے اپنا ارادہ تبدیل نہ کیا اور موصل کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ مؤرخ ابن اثیر سلطان کے مذکورہ الفاظ کو نقل کرنے کے بعد ان کی سیاسی و عسکری بصیرت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں: "پھر وہی ہوا جیسا کہ سلطان نے کہا تھا۔"[1]

<u>موصل کا محاصرہ</u>: جمعرات 11 رجب 578ھ (10 نومبر 1182ء) کو سلطان صلاح الدین ایوبی

[1] الکامل فی التاریخ: 7/294

نے فوج کو موصل سے کچھ فاصلے پر ٹھہرایا اور خود مظفر الدین کوکبری، ناصر الدین بن شیرکوہ اور چند مصاحبوں کو ساتھ لے کر موصل کی فصیل کے پاس جا پہنچے۔ یہ شہر دریائے دجلہ کے کنارے آباد تھا۔ اس کی بلند و بالا فصیل اور برجوں پر مسلح سپاہیوں کے سر ہی سر نظر آرہے تھے، ان کے علاوہ بہت سے تماش بین بھی تھے جو ایوبی لشکر کا نظارہ کرنے چلے آئے تھے۔ قلعے کو دیکھ کر ناصر الدین بن شیرکوہ کے منہ سے نکلا:

''اس شہر پر قبضے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔''

سلطان نے بھی شہر پناہ کی سنگینی اور سپاہیوں کی کثرت پر ایک نظر ڈال کر محسوس کیا کہ شاید انہیں موصل سے بے نیلِ مرام واپس جانا پڑے۔ انہوں نے مظفر الدین کوکبری اور ناصر الدین شیرکوہ کو ملامت کرتے ہوئے کہا:

''تم دونوں نے مجھے غلط رائے دی اور ایک ناقابلِ حصول چیز کی امید دلائی۔ اگر میں پہلے کسی اور شہر پر چڑھائی کرتا تو فتح کے لیے ہمارا نام ہی کافی ہوتا لیکن اب یہاں محاصرہ کرنے کے بعد جب ناکام واپسی اختیار کرنا پڑے گی تو ہماری عزت مٹی میں مل جائے گی اور ہمارا رعب و داب جاتا رہے گا۔''[1]

<u>جھڑپوں کا آغاز</u>: اگلی صبح سلطان نے لشکر کو فصیل کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ سپاہیوں نے موصل کے فلک بوس برج دیکھ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ سلطان چند امراء کے ساتھ آگے بڑھے اور فصیل کے گرد ایک چکر لگا کر دفاعی انتظامات کا اندازہ لگایا۔ اس کے بعد محاصرے کی ترتیب طے کی اور لشکر کے مختلف ٹکڑوں کو مختلف سمتوں پر مقرر کر دیا۔ تقی الدین عمر کو مشرق میں اور اپنے بھائی تاج الملوک بوری کو باب عمادیہ کی طرف تعینات کیا۔ سلطان خود اپنے خاص دستے کے ساتھ شہر کے عقبی حصے میں پہنچ گئے۔ کئی دن تک محاصرہ جاری رہا، دونوں جانب سے تیر انداز نشانہ بازی کے کمال دکھاتے رہے۔ موصل کے حکام نے فوجیوں کو باہر نکلنے سے سختی سے منع کر دیا تھا البتہ شہر کے من چلے لوگ کبھی کبھار باہر نکل آتے اور سلطان کے سپاہیوں کو چھوٹا موٹا نقصان پہنچا کر بھاگ جاتے۔

جب محاصرہ طول پکڑنے لگا تو ایک دن تقی الدین عمر نے منجنیقوں کے ذریعے فصیل منہدم کرنے کا مشورہ دیا۔ سلطان نے کہا:

''ایسے عظیم الشان شہر کو منجنیقوں کا نشانہ بنانا درست نہیں۔ پھر اگر ہم منجنیقیں نصب کر بھی دیں تو حریف ان کو تباہ کر دے گا۔ مانا کہ ہم سنگ باری سے کوئی برج یا دمامہ گرانے میں کامیاب ہو بھی جائیں جس سے شہر میں داخلہ ہو سکے تب بھی اس کارروائی میں کتنے بے قصور لوگ مارے جائیں گے۔''

[1] الکامل فی التاریخ: 295/7

مگر تقی الدین عمر نے اپنی رائے پر اصرار جاری رکھا اور کہا: ''آزما کر دیکھنے میں کیا حرج ہے؟''
سلطان نے اجازت دے دی۔

پھر وہی ہوا جس کا سلطان نے اندیشہ ظاہر کیا تھا۔ابھی ایوبی لشکر نے ایک ہی منجنیق لگائی تھی کہ شہر کی فصیل پر یکدم نو منجنیقیں چڑھادی گئیں۔یہ دیکھ کر ایوبی لشکر نے اپنی منجنیق آزمانے کا خیال ترک کر دیا۔
اب دونوں فریق فصیل کے اندر اور باہر چپ چاپ وقت گزارنے لگے۔کبھی کبھار موصل کے ان زندہ دل باشندوں کی کوئی حرکت اس خاموشی کو توڑ دیا کرتی تھی جو گروہوں کی صورت میں ایوبی سپاہیوں کو عجیب وغریب ترکیبوں سے تنگ کرتے تھے۔معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے فوج کو عوام پر ہتھیار اٹھانے سے منع کر رکھا تھا۔اس لیے کہ موصل کے لوگ اتنے جری نظر آتے تھے کہ سلطان کے افسران تک کی درگت بنادیتے تھے۔ ❶

<u>ایسے احمقانہ طریقے</u> ❁ ایک دن ایسا ہی ایک لطیفہ پیش آیا۔شہر سے عوام کا ایک گروہ نکلا اور سلطان کے سپاہیوں کی نظر بچا کر ان کی نصب کردہ واحد منجنیق کو گھسیٹ کر لے جانے لگا۔سلطان کے سپاہی اور افسران دوڑتے ہوئے آئے تو آپس میں زبردست ہاتھا پائی شروع ہوگئی۔سلطان کا قدیم مصاحب اور اعلیٰ فوجی افسر جاولی اسدی یہ ہنگامہ دیکھ کر بھاگا ہوا آیا۔اتنے میں موصل کے ایک شخص نے اپنے پاؤں سے بڑا جوتا (فل بوٹ) اتار کر پوری طاقت سے اس کے سینے پر پھینک مارا۔جوتے کے تلے میں میخیں ابھری ہوئی تھیں۔اس سے جاولی زخمی ہوگیا۔وہ سلطان کی خدمت حاضر ہوا اور جوتا ان کے سامنے رکھتے ہوئے بولا:

> ''موصل کے باشندے ایسے احمقانہ طریقوں سے ہم سے لڑ رہے ہیں کہ آج تک ان کی مثال کہیں دیکھی نہ سنی۔''

جوتا کھانے کے بعد جاولی اسدی نے شرم کے مارے اہل موصل سے کبھی نہ لڑنے کی قسم کھالی۔ ❷

<u>مجاہد الدین قائماز کی چال</u> ❁ ایک شب دریائے دجلہ کے کنارے مشعلیں جلتی نظر آئیں،کچھ دیر بعد مشعلیں بجھ گئیں۔سلطان کے سپاہیوں کو محسوس ہوا کہ دشمن شب خون کے لیے فوج اتار رہا ہے۔یہ اطلاع سلطان کو دی گئی۔سلطان نے حکم دیا کہ فوج شہر سے ذرا دور ہٹالی جائے تاکہ دشمن کے لیے شب خون مارنا آسان نہ رہے۔چنانچہ لشکرِ ایوبی پیچھے ہٹ گیا۔اصل میں یہ مجاہد الدین قائماز کی چال تھی۔اس نے کچھ لوگوں کو مشعلیں جلا کر فصیل کے چور دروازے سے نکالا تھا جنہوں نے دریائے دجلہ کے

---

❶ الکامل فی التاریخ:7/295

❷ الکامل فی التاریخ:7/295

کنارے جاکر چند لمحوں تک مشعلیں جلنے دیں اور پھر بجھادیں۔اس طرح ان کا مقصد سلطان کی فوج کو پیچھے ہٹانا تھا۔وہ اس میں کامیاب رہے۔ ①

سنجار کی فوج کی چھاپہ مار کارروائیاں اس دوران سنجار سے عمادالدین کی فوج نے سلطان کی کمک اور رسد پر چھاپہ مار حملے شروع کردیے تھے۔مجبور ہوکر سلطان نے تقی الدین عمر کو ایک دستہ دے کر ان چھاپہ ماروں کی روک تھام کے لیے روانہ کیا جس نے ایک صبح ارنجان کے مقام پر باقاعدہ صف بندی کرکے سنجاری چھاپہ ماروں کو گھیر لیا اور انہیں شکست دینے کے بعد ان کا ساز و سامان چھین لیا۔ان کے افسران کو گرفتار کرلیا گیا جبکہ عام سپاہیوں کو پاپیادہ موصل کی طرف بھاگنے کا موقع دیا گیا۔ ②

سفیر بغداد کی مصالحانہ بھاگ دوڑ موصل کو فتح کرنا مشکل ضرور تھا لیکن ناممکن نہیں۔اگر ایوبی امراء چند ماہ کے لیے کمر کس لیتے تو شہر والے خوراک کی کمی کا شکار ہوکر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوجاتے مگر مجاہد الدین قایماز جیسے سیاست دان نے اس کا علاج بھی پہلے سے سوچ رکھا تھا۔اس نے محاصرے سے پہلے خلیفہ بغداد ناصرلدین اللہ کے دربار میں عرضی روانہ کردی تھی کہ سلطان صلاح الدین اور ہمارے درمیان صلح کا انتظام کیا جائے۔خلیفہ ناصر نے اس درخواست پر فوری توجہ دیتے ہوئے شیخ الشیوخ صدرالدین کو فریقین میں مصالحت کے لیے روانہ کردیا تھا۔

وہ محاذ پر پہنچ کر پہلے سلطان سے ملنے آئے۔سلطان نے گرم جوشی سے استقبال کیا اور قریب بٹھایا۔ سلطان کے پاس آذربائی جان کے حاکم قزل ارسلان اور خلاط کے حاکم شاہ ارمن کے سفیر بھی اہل موصل سے صلح کی سفارش کے لیے پہنچ چکے تھے۔خود لشکر کے کئی امراء بھی سلطان کو مصالحت پر آمادہ کرنے کی کوشش شروع کرچکے تھے مگر سلطان کے نزدیک موصل سے ناکام واپسی کا دوسرا مطلب اپنے تمام نئے مقبوضات میں بغاوت کا خطرہ مول لینا تھا۔اس لیے وہ محاصرے پر ڈٹے ہوئے تھے۔ان کا مایہ ناز جرنیل تقی الدین عمر اب بھی مشرق کی جانب سے فصیل شہر کو سر کرنے کی کوشش کررہا تھا۔مگر اب جبکہ شیخ الشیوخ خلیفہ بغداد کے مصالحتی سفیر بن کر آگئے تھے، سلطان کا نرمانا لازمی تھا، جب شیخ الشیوخ نے سلطان سے کہا:

''میں اہل شہر کی سفارش لے کر آیا ہوں، آپ اپنی روش پر اصرار چھوڑ دیجیے تاکہ میں ان لوگوں سے گفت و شنید کرکے ان کا موقف معلوم کروں۔''

تو سلطان نے فوراً جواب دیا:

---

① الکامل فی التاریخ: 7/205 ② مسامرۃ الاخبار: 1/110

"میں نے سنا اور مانا۔"

اب شیخ الشیوخ نے موصل کے حکام کے پاس اپنا نمائندہ بھیج کر ان کا عندیہ معلوم کرنے کی کوشش کی۔ اگلے روز اہل موصل کے دو سفیر شیخ الشیوخ کو اپنا موقف بتانے ان کے خیمے میں پہنچ گئے۔ شیخ الشیوخ کے کہنے پر سلطان نے اپنے وزراء قاضی فاضل اور فقیہ عیسیٰ الھکاری کو بات چیت کی ساعت کے لیے ان کے پاس بھیج دیا۔"

پہلے دن بے سود گفتگو ہوتی رہی اور کوئی بات طے نہ ہو سکی۔ موصل کے نمائندے یہ کہہ کر لوٹ گئے کہ کل ہم حتمی موقف لے کے آئیں گے۔ اگلے دن وہ پینترا بدل کر کئی غیر معقول شرائط منوانے کی کوشش کر رہے تھے جن میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ تمام مقبوضہ شہر موصل کے حکام کو واپس کر دیے جائیں۔ کئی دن تک اس بات پر بحث ہوتی رہی۔ سلطان کے لیے یہ مطالبہ مان لینا ناممکن تھا مگر جب مذاکرات کی گفتگو یہاں تک آ گئی اور شیخ الشیوخ کو سلطان کے بارے میں یہ بدگمانی ہونے لگی کہ وہ مصالحت میں دلچسپی نہیں لے رہے تو سلطان نے ان کی لاج رکھنے کے لیے یہ تلخ گھونٹ بھی بھر لیا۔ تاہم انہوں نے اس مطالبے کو قبول کرنے کی یہ شرط رکھی کہ حلب ان کے حوالے کر دیا جائے۔ مگر حکام موصل اس پر راضی نہ ہوئے تب سلطان کی جانب سے مزید نرمی اختیار کرتے ہوئے صرف یہ کہا گیا کہ اہل موصل حلب کی عسکری مدد نہ کرنے کا وعدہ کریں۔ عزالدین مسعود کی جانب سے اس کا جواب بھی نفی میں ملا اور کہا گیا:

"حاکم حلب میرا بھائی ہے، اس سے ہمارا پیمان وفا ہے جسے توڑنا ممکن نہیں۔"

اس طرح مذاکرات میں ایک ماہ گذر گیا۔ آخر یہ صاف نظر آنے لگا کہ موصل کے حکام مذاکرات میں سنجیدہ نہیں اور صرف وقت ضائع کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر سلطان کے دونوں نمائندوں میں سے پہلے قاضی فاضل اور پھر فقیہ عیسیٰ الھکاری نے مذاکرات میں شرکت ترک کر دی۔ اب صرف شیخ الشیوخ اور موصل کے نمائندے گفت و شنید کر رہے تھے۔ موصل کے نمائندوں نے مجلس میں سلطان کے نمائندوں کی عدم موجودگی سے مزید فائدہ اٹھایا اور اردگرد کے حکام میں مشہور کر دیا کہ ہم تو اتفاق چاہتے ہیں مگر سلطان ایوبی کی طرف سے انکار ہے۔ اس طرح اہل موصل نے دوسرے حکام کو اپنا حامی بنانے کی کوشش کی۔

اس طویل بحث میں ایک موقع پر شیخ الشیوخ کے اصرار اور دلائل کے سامنے موصل کے نمائندے کمزور پڑ گئے اور انہوں نے وعدہ کر لیا کہ وہ سلطان کی عسکری مہمات میں معاون بنیں گے اور حلب سلطان کے حوالے کر دیا جائے گا بشرطیکہ سلطان ان کے دیگر مقبوضات واپس کر دے مگر پھر وہ اپنی اس

۵ سلسلہ ارتقاء:1/107، 108

بات پر بھی قائم نہ رہے اور کچھ نئے مطالبات رکھ دیے۔ جب نمائندوں کے ذریعے گفتگو بے کار ثابت ہوئی تو شیخ الشیوخ نے خود موصل کے حاکم عزالدین مسعود اور وزیر قایماز کے پاس جانے کا فیصلہ کرلیا۔ جب وہ دربار موصل میں پہنچے تو حکام موصل کا موقف بالکل بدلا ہوا پایا۔ وہ اپنے نمائندوں کی گفتگو اور موقف سے لاتعلقی ظاہر کررہے تھے۔ ان کا کہنا تھا:

''اگر سلطان ہم سے اتحاد کا خواہش مند ہے تو موصل سے کوچ کر جائے اور ہمارے تمام علاقے لوٹا دے، تب ہم حلب پر اس کی فوج کشی سے غیر جانبدار رہیں گے۔ وہ ہم سے یہ امید ہرگز نہ رکھے کہ ہم حلب کے خلاف اس کی مدد کریں گے کیوں کہ حاکم حلب عمادالدین ہمارا بھائی اور حلیف ہے، اس کے خلاف ہم کسی کی مدد نہیں کرسکتے۔ اگر سلطان کو یہ منظور ہے تو ٹھیک۔ ورنہ اب تک کا سب کہا سنا کالعدم۔''

ظاہر کہ یہ موقف سفیروں سے طے کردہ اس بات کے بالکل خلاف تھا جس میں حلب سلطان کے حوالے کرنے اور جنگی مہمات میں ساتھ دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔[1]

<u>شیخ الشیوخ کی مایوسی اور سلطان کی واپسی</u>: مایوس کن صورتحال دیکھ کر شیخ الشیوخ نے موصل میں چوبیس گھنٹے گزارنے کے بعد وہیں سے سیدھے بغداد جانے کی تیاری کرلی۔ وہ اتنے دلبرداشتہ تھے کہ سلطان صلاح الدین سے ملنے سے کترا رہے تھے اور اپنے طور صلح کے معاملات سے دامن جھٹک چکے تھے۔ اب حکام موصل کو اندازہ ہوا کہ وہ کتنی بڑی غلطی کررہے ہیں۔ باعزت صلح نہ ہونے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایوبی لشکر بزور شمشیر شہر پر قابض ہوجائے۔ چنانچہ امرائے موصل شیخ کے سامنے گڑگڑا کر کہنے لگے:

''حضرت! آپ سلطان کے پاس تشریف لے جاکر انہیں ہماری معروضات سے آگاہ فرما دیجیے، شاید سلطان کی ناراضگی دور ہو اور وہ کوئی سہل راستہ اختیار کریں۔''

شیخ نے سلطان کے پاس آکر سارا ماجرا کہہ سنایا اور یہ بے سود سفارت کاری ترک کرکے بغداد واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ سلطان نے کہا:

''آپ کی تشریف آوری کے اعزاز میں ہم موصل کی مہم ترک کرتے ہیں، ویسے بھی یہ شعبان و رمضان کے بابرکت مہینے ہیں۔ سو ہم واپسی کا ارادہ کرچکے۔'' شیخ یہ سن کر مطمئن ہوگئے۔[2]

<u>11 شعبان 578ھ (9 دسمبر 1182ء) کو سلطان نے موصل کا محاصرہ اٹھادیا۔</u>[3] وہ تو پہلے ہی یہ

---

[1] البرق الشامی: 5/39_40؛ سنا البرق: 1/109_110
[2] البرق الشامی: 5/39_40؛ سنا البرق: 1/109_110
[3] سنا البرق: 1/109_110

رائے رکھتے تھے کہ موصل کا محاصرہ نہ کیا جائے کہ یہ مہم مہنگی پڑ سکتی ہے۔ ان کا اندازہ درست ثابت ہوا اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ موصل کو فتح کرنے کے لیے کھلے وقت، مزید طاقت اور خطیر سرمائے کی ضرورت تھی۔

قاضی بہاؤ الدین شداد جو بعد میں سلطان ایوبی کے مشیر اور سفیر بنے، ان ایام میں موصل میں درس وتدریس کے حوالے سے ایک اونچا مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی یادداشتوں میں سلطان کی اس مہم کا حال یوں لکھا ہے:

''سلطان صلاح الدین ایوبی نے جمعرات گیارہ رجب 578ہجری کو موصل کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ میں اس وقت موصل میں تھا۔ محاصرے سے چند دن قبل (حاکم موصل عز الدین مسعود کی طرف سے) مجھے بغداد روانہ کر دیا گیا تھا۔ میں دریائے دجلہ میں سفر کرتا ہوا تیز رفتاری سے گیا اور دو دنوں اور تیسرے دن کے دو گھنٹوں میں بغداد پہنچ گیا تا کہ خلیفہ سے مدد لوں مگر اتنا ہی ہوا کہ مجھے شیخ الشیوخ کو ساتھ لے جانے کے لیے بھیج دیا گیا۔ ان کے ساتھ حکام موصل کی جانب سے ایک سفیر بھی تھا۔ انہیں حکم دیا گیا کہ سلطان ایوبی سے بات کریں اور اصلاح احوال کریں۔ موصل کے والی نے (آذربائیجان کے حاکم) بہلوان کے پاس سفیر بھیج کر اس سے بھی مدد طلب کی مگر اس نے شرط رکھی کہ حاکم موصل اس کا ماتحت ہو جائے۔ یہ شرط منظور کرنا سلطان ایوبی سے جنگ کرنے سے بھی زیادہ خطرناک تھا۔ سلطان نے کچھ دنوں تک محاصرہ جاری رکھا۔ پھر جان لیا کہ اس طرح محاصرے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا کیونکہ یہ بہت بڑا شہر ہے۔ اس کی فتح کا طریقہ یہ ہے کہ اردگرد کے قلعوں اور شہروں پر قبضہ کر لیا جائے اور وقت کے گزرنے کے ساتھ اہل موصل کو کمزور کیا جائے۔ چنانچہ سلطان نے موصل سے کوچ کر دیا۔''[1]

---

[1] النوادر السلطانیہ، ص: 102

فصل:2

ریجی نالڈ کا حجازِ مقدس پر حملہ

سلطان صلاح الدین ایوبی کا رخ اب سنجار کی طرف تھا۔ اب تک الجزیرہ کے جتنے بھی شہر سلطان کے قبضے میں آئے تھے ان میں سے الرہا کے سوا کسی کا قلعہ مستحکم نہ تھا۔ اگر سنجار فتح نہ ہوتا تو سلطان کے واپس جاتے ہی یہ تمام نو مفتوحہ علاقے دوبارہ اہلِ موصل کے قبضے میں چلے جاتے۔ پھر یہ شہر ایوبی لشکر کے لیے خطرناک بھی ثابت ہو رہا تھا۔ موصل کے محاصرے کے دنوں میں سنجار کی فوج ان کی کمک و رسد پر چھاپے مارتی رہی تھی جسے کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ سنجار کی اس مہم میں دربارِ خلافت کے سفیر بھی سلطان کے ہمراہ تھے۔[1]

ادھر موصل میں مجاہد الدین قائماز نے سنجار کی طرف سلطان کی پیش قدمی کا سنتے ہی ایک فوج اہلِ سنجار کی مدد کے لیے روانہ کردی مگر سلطان صلاح الدین کو پتہ چل گیا، انہوں نے اس امدادی فوج کو راستے میں روک کر اسلحہ اور سواریاں چھین لیں۔[2]

سنجار مسخر ہو گیا: 16 شعبان 578ھ (14 دسمبر 1182ء) کو ایوبی لشکر سنجار کے سامنے پہنچ چکا تھا۔ یہ شہر موصل کی طرح مضبوط دفاعی انتظامات رکھتا تھا نہ یہاں عز الدین مسعود اور قائماز جیسے زیرک سیاستدان تھے۔ یہاں کا حاکم ایک کم ہمت امیر شرف الدین بن قطب الدین تھا جسے زیر کرنا کوئی خاص مشکل نہیں تھا۔ سنجار کے قریب میٹھے پانی کے کئی چشمے تھے، سلطان نے ان کے پاس پڑاؤ ڈال کر شرف الدین کو قاصد اور پیام کے ذریعے اطاعت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ لڑائی پر بضد تھا۔

سلطان نے منجنیقیں نصب کرا کے شہر پر حملہ شروع کر دیا، کئی دن تک لڑائی ہوتی رہی۔ ماہِ رمضان شروع ہوا تو سلطان نے لڑائی روکنے کا حکم دیا، تاہم ان کے سپاہی اپنی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کرتے رہے، ان کے دستے شہر کی فصیل کے گرد چکر لگاتے رہتے۔ سلطان خود روزانہ فصیل کی طرف

---

[1] سلطان الناصر: 1/110

[2] الکامل فی التاریخ: 7/208

نکلتے تا کہ حریف پر رعب برقرار رہے۔

ایک رات مخبر نے سلطان کو اطلاع دی کہ فصیل کے ایک گوشے کے پہرے دار غافل ہیں۔ سلطان نے فوراً اپنے بہترین سپاہی ادھر بھیج دیے جنہوں نے فصیل پر چڑھ کر پہرے داروں کو بے خبری کے عالم میں گرفتار کرلیا۔ علامہ ابن اثیر کے بیان کے مطابق ایوبی سپاہ کی اس کامیاب کارروائی میں سنجار کے ایک کرد امیر کا بڑا ہاتھ تھا جس نے خفیہ طور پر سلطان سے ساز باز کرلی تھی۔[1]

بیرونی فصیل پر قبضے کے باوجود حاکم سنجار شرف الدین چاہتا تو لڑسکتا تھا کیوں کہ اندرونی فصیل اور قلعہ بالکل محفوظ تھے مگر شرف الدین ایسا گھبرایا کہ اسی وقت ہتھیار ڈال دیے۔ سلطان نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ اس کے مال و دولت اور متعلقین کو کوئی گزند نہ پہنچائی۔ شرف الدین اپنے کنبے، خادموں اور ساز و سامان کے ساتھ موصل کی طرف نکل گیا، شہر فتح ہونے پر مقامی رؤساء سلطان کے استقبال کے لیے آئے تو سلطان نے ان سے بھی فراخدلانہ برتاؤ کیا اور تمام ٹیکس معاف کردیے۔ یہاں دمشق کے سابق امیر معین الدین انر کے بیٹے سعد الدین کو حاکم مقرر کیا جو ایک نہایت باصلاحیت اور شریف انسان تھا۔

سنجار کی فتح سے الجزیرہ پر سلطان کی گرفت مضبوط ہوگئی تھی۔ اب سنجار اور الرھا کے ذریعے سلطان کی افواج مفتوحہ علاقوں کو ایک آہنی حلقے میں لے کر دشمن سے مکمل طور پر محفوظ رکھنے کے قابل ہوگئیں تھیں۔[2]

ریجی نالڈ کی سازش:- اِدھر سلطان صلاح الدین عراق اور الجزیرہ کی مہمات میں مشغول تھے اور اُدھر کرک کا شیطان ریجی نالڈ (ارناط برنس) ایک بار پھر مکہ معظمہ پر چڑھائی کی تیاریاں کررہا تھا۔ اب اسے فرخ شاہ کا خطرہ بھی نہیں تھا جو ہمیشہ اس کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھتا تھا۔

ریجی نالڈ نے موآب کے جنگلات سے بڑے پیمانے پر لکڑی کاٹ کر ایک مضبوط بحری بیڑہ تیار کیا۔ کرک کے جہاز سازی کے کارخانوں میں کئی جہاز ٹکڑوں کی شکل میں تیار کیے گئے۔ پھر راتوں رات ان ٹکڑوں کو بار برداری کے جانوروں کے ذریعے ایلہ کے ساحل تک پہنچا دیا گیا۔ یہاں ٹکڑوں کو جوڑ کر جہاز بنائے گئے اور بیڑہ بحیرۂ احمر میں اتار دیا گیا۔ اس بحری فوج کا ایک حصہ ایلہ کے قلعے پر حملہ آور ہوا جو سمندر کے بیچوں بیچ ایک جزیرے پر واقع تھا۔ کچھ مدت قبل سلطان نے اس پر قبضہ کیا تھا جس سے ریجی نالڈ کی نیند حرام ہوگئی تھی چنانچہ اس نے ہر قیمت پر اسے مسلمانوں سے چھیننے کا عزم کر رکھا تھا۔ ریجی نالڈ کی فوج کے ایک دستے نے ایلہ کا اس سختی سے محاصرہ کیا کہ اہل قلعہ کا باہر کی دنیا سے رابطہ بالکل ختم ہوگیا یہاں تک کہ ان کے لیے پانی کی فراہمی کی راہ بھی مسدود ہوگئی۔

[1] الکامل فی التاریخ: 200/7

[2] الکامل فی التاریخ: 7/...

اُدھر دوسرے دستے نے عیذاب کی بندرگاہ پر حملہ کیا جو بحیرۂ احمر کے افریقی ساحل "نوبہ" پر مکہ معظمہ کے بالمقابل واقع ہے۔ یہاں انہوں نے بے انتہا لوٹ مار کی، بستیوں کو اجاڑا، تجارتی قافلے لوٹے اور پورے علاقے کو تاراج کر ڈالا۔ نوبہ کی بندرگاہ اس لحاظ سے نہایت محفوظ تصور کی جاتی تھی کہ یہاں کبھی فرنگیوں کا کوئی جہاز نہیں پہنچ سکا تھا۔ چنانچہ علاقے کے لوگ ریجی نالڈ کے حملے کے وقت اپنی حفاظت سے بے فکر تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بندرگاہ کے تمام بحری جہازوں پر فرنگیوں نے قبضہ کر کے انہیں اپنے ساتھ لے لیا۔

ایلہ کے محاصرے اور عیذاب کی بندرگاہ لوٹنے ... فرنگیوں کو پشت سے کسی حملہ کا خطرہ نہیں رہا تھا چنانچہ وہ بے خوف ہو کر حجازِ مقدس کی طرف روانہ ہوئے تا کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے بارے میں اپنے ناپاک ارادوں کو پورا کریں۔ وہ یہ بھی طے کر چکے تھے کہ مقاماتِ مقدسہ کی بے حرمتی کے بعد جنوب کی طرف یلغار کرتے ہوئے یمن پر بھی قابض ہو جائیں گے اور یوں پورے بحیرۂ احمر پر ان کا تسلط ہو جائے گا۔ یہ شوال 578ھ (فروری 1183ء) کا واقعہ ہے۔ اس وقت سلطان صلاح الدین سنجار کی فتح کے بعد حران میں قیام پذیر تھے لہذا فرنگیوں کو سینکڑوں میل دور بیٹھے سلطان کی جانب سے بھی کوئی تشویش نہیں تھی۔ [1]

حسام الدین لولو کا شاندار کارنامہ: مگر اس موقع پر سلطان کے بھائی الملک العادل نے جو مصر میں ان کا نائب تھا، حیرت انگیز مستعدی کا مظاہرہ کیا۔ اس نے "ایلہ" پر فرنگیوں کے حملے کی ابتدائی اطلاع کے ساتھ ہی امیر البحر حسام الدین لولو کو ایک نیا مضبوط بحری بیڑا دے کر ریجی نالڈ کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔ حسام الدین لولو سلطان کی بحری فوج کا مایہ ناز افسر تھا جس کی جرأت اور عسکری مہارت کی داستانیں تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔ اس نے نہایت سرعت سے کارروائی کا آغاز کرتے ہوئے اپنی فوج کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ ایک حصے کے ساتھ وہ ایلہ کے قلعہ کا محاصرہ کرنے والی عیسائی فوج پر حملہ آور ہوا۔ حافظ ابن کثیر کے بقول یہ حملہ ایسا تھا جیسے عقاب اپنے شکار پر جھپٹتا ہو۔ ریجی نالڈ کے بیشتر آدمی مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہو گئے۔ اس دوران اسلامی فوج کا دوسرا حصہ عیذاب کی بندرگاہ پر جا پہنچا تھا مگر یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ عیسائی بندرگاہ کو لوٹ کر مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ صورتحال بے حد نازک تھی۔ ایامِ حج شروع ہو چکے تھے اور حجاج کے قافلے مکہ معظمہ میں جمع ہونے لگے تھے، بہت سے قافلے بحیرۂ احمر میں اور ساحلی پٹی پر سفر کر رہے تھے۔ اگر فرنگیوں کا لشکر مکہ معظمہ پہنچ جاتا تو بڑی ہولناک صورتحال درپیش ہو سکتی تھی۔

حسام الدین لولو نے بڑی برق رفتاری سے حجاز کی طرف سفر شروع کیا اور آخر کار فرنگیوں کو مقاماتِ مقدسہ تک پہنچنے سے پہلے جا لیا۔ رابغ کے قریب حوراء کے مقام پر جہاں سے حجاز کی ساحلی پٹی کا آغاز

---

[1] البدایۃ والنہایۃ: 7/207، 208

ہوتا ہے، حسام الدین نے ریجی نالڈ کے بیڑے کو سمندر کی سمت سے گھیر لیا۔ بحیرۂ احمر کی پرسکون لہروں میں ایک خون ریز جنگ نے تلاطم پیدا کر دیا، حسام الدین نے پے در پے حملے کر کے ان سے لوٹا ہوا مال اور تمام مسلمان قیدی چھین لیے۔ فرنگی ساحل کی طرف پسپا ہوتے رہے، آخر انہیں ریگستانی ساحل پر اترنا پڑا۔ وہ تیزی سے پہاڑی گھاٹیوں کی پناہ لینے لگے۔ ان کی کوشش تھی کہ کسی طرح صحرا کی وسعتوں میں خود کو چھپالیں اور پھر شمال کی طرف بڑھتے ہوئے شام پہنچ جائیں، ریجی نالڈ خود تو فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا مگر اس کے ساتھیوں کی خاصی تعداد صحرا میں پھنس کر رہ گئی۔ لولو نے ساحل پر اترتے ہی ان کے تعاقب کے لیے مقامی بدوؤں سے مدد لی جو ریگزار کے بھیدی تھے۔ انہوں نے بخوشی اپنے گھوڑے بھی فوج کے حوالے کر دیے۔ حسام الدین لولو نے چٹیل پہاڑوں میں پانچ دن تک نصرانیوں کا پیچھا کیا اور آخر کار انہیں ایک تنگ گھاٹی میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا جہاں دانے پانی کا نام ونشان تک نہ تھا۔

آخر محصور فرنگیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ حسام الدین لولو ایک سو ستر (170) قیدیوں کو اپنے ساتھ قاہرہ لے گیا۔ الملک العادل نے سلطان کو فتح کی خوشخبری دے کر قیدیوں کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔ سلطان نے جواب میں الملک العادل کو دو خطوط بھیجے جن میں سے ایک میں لولو کی تعریف کرتے ہوئے لکھا:

''ہمیں اس کے جہاد کے ثواب پر رشک آتا ہے، اس کی جدوجہد کامیاب ہوئی، اس نے خشکی اور سمندر دونوں میں جہاد کیا، خوش قسمت ہے اس گھوڑے کی لگام بھی جو اس جہاد میں استعمال ہوئی اور کیا خوب ہے وہ مال جو اس جہاد میں خرچ ہوا۔''

پھر آگے تحریر کرتے ہیں:

''خدانخواستہ اگر دشمنوں کا یہ وار کارگر ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارا کوئی عذر قبول نہ ہوتا اور مشرق ومغرب میں ہمارے خلاف مذمت کا شور مچ جاتا۔ ارض حجاز کو کفار کی ناپاکی سے اور فضائے حرمین کو ان کے سانسوں سے اس طرح پاک کرنا لازمی ہے کہ ان کا کوئی جاسوس بھی زندہ لوٹ کر نہ جانے پائے جو کفار کو مسلمانوں کی کمزوریوں سے آگاہ کر سکے۔''

چونکہ سرزمین حجاز پر قبضے کی ناپاک جسارت ہرگز قابل معافی نہیں تھی اس لیے سلطان نے الملک العادل کو دوسرے خط میں قیدیوں کے بارے میں لکھا:

''ان قیدیوں کو قتل کرنے کا فیصلہ اٹل ہے، شریعت میں انہیں زندہ چھوڑنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ رکھنے میں کوئی مصلحت نہیں۔ اس سے چشم پوشی اور درگزر کا خدا کی بارگاہ میں کوئی عذر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے معاملات میں اللہ کا فیصلہ کیا ہے؟ یہ

اہل علم کے نزدیک ذرا بھی مبہم یا مجہول نہیں۔ انہیں قتل کرنے کے عزم کو پورا کرو تا کہ ایسے دوسرے بد بخت اپنے ارادوں سے باز رہیں۔"

الملک العادل نے سلطان کی حکم کے مطابق اکثر قیدیوں کو قاہرہ ہی میں قتل کرا دیا۔ البتہ کچھ قیدیوں کو اس سے قبل قربانی کے جانوروں کی طرح ہانک کر مکہ معظمہ بھیج دیا گیا تھا، وہاں انہیں منیٰ کے میدان میں 10 ذی الحجہ کو حاجیوں کی موجودگی میں عین اسی وقت ذبح کرایا گیا جب حجاج کرام قربانیاں کر رہے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ حاجیوں کے دل سے وہ دہشت دور ہو جائے جو فرنگیوں کی حجاز پر یلغار سے پیدا ہوگئی تھی۔ نیز مقامات مقدسہ کی طرف بری نگاہ ڈالنے والے دشمنوں کو بھی اس انجام سے عبرت حاصل ہو۔

حسام الدین لؤلؤ کے اس کارنامے پر اسلامی شعراء نے اسے بڑھ چڑھ کر خراج تحسین پیش کیا۔ ابوالحسن بن الزردی نے کہا:[1]

قُلْتُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ لَمَّا تُبْدِي   هٰكَذَا هٰكَذَا يَكُونُ الْجِهَادُ

"میں نے اس واقعے کے ظہور پر تکبیر کا نعرہ پڑھتے ہوئے کہا۔ جہاد تو یوں ہوتا ہے، یوں ہی ہوا کرتا ہے۔"

حَبَّذَا لُؤْلُؤٌ يَصِيدُ الأَعَادِي   وَسِوَاهُ مِنَ اللَّآلِيْ يُصَادُ

"یہ موتی کیا خوب ہے جو دشمنوں کا شکار کرتا ہے ورنہ دوسرے موتی تو خود شکار کیے جاتے۔"

(لؤلؤ کا معنی موتی ہے اس لیے شعر میں اس لفظ کی رعایت سے نزاکت پیدا کی گئی ہے)

<u>ابن جبیر کا چشم دید بیان</u> ❁ یہاں یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جب ریجی نالڈ کے شکست خوردہ سپاہیوں کو گرفتار کر کے مصر کی بندرگاہ اسکندریہ پہنچایا گیا تو ان دنوں مشہور سیاح ابن جبیر الاندلسی وہاں موجود تھے۔ وہ اپنے اس ناقابل فراموش سفر کا آغاز کر چکے تھے جو مراکش، شمالی افریقہ، مصر، یمن، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بغداد، شام اور جزیرہ نما صقلیہ (سسلی) تک پھیلا ہوا تھا جس کی تفصیل ان کے سفرنامے "رحلۃ ابن جبیر" میں ملتی ہے جو دنیا کے چند بہترین سفرناموں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اپنے اس سفرنامے میں جب وہ اسکندریہ میں داخلے کا ذکر کرتے ہیں تو ریجی نالڈ کے حملے کا ذکر تفصیل سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب ہم اسی مہینے (محرم 579ھ میں) اسکندریہ پہنچے تو سب سے پہلے ہم نے لوگوں کا ایک عظیم مجمع دیکھا۔ یہ لوگ فرنگی قیدیوں کا تماشا دیکھنے نکلے تھے جنہیں اونٹوں پر اس طرح بٹھایا گیا تھا کہ ان کے منہ اونٹوں کی دموں کی جانب تھے۔ ان کے اردگرد ڈھول پیٹے جا رہے تھے، بگل بج رہے تھے، ہم نے قصہ دریافت کیا تو ہمیں جو کچھ بتایا گیا اس سے تشویش و اضطراب کے مارے

---

[1] کتاب الروضتین: 3/134_139، البدایۃ والنہایۃ: 7/298

جگر پھٹنے لگا۔ ہوا یوں کہ شام کے نصرانیوں کی ایک جماعت جمع ہوئی اور انہوں نے بحر قلزم (بحیرہ احمر) کے قریب ترین علاقے (کرک) میں کشتیاں تیار کیں۔ پھر پڑوس میں بسنے والے ان بدو شتربانوں کو جوان کے ساتھ شامل ہو گئے تھے، کرایہ طے کر کے یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ کشتیوں کے یہ ٹکڑے اونٹوں پر لاد کر ساحل تک پہنچا دیں۔ جب وہ سمندر تک پہنچ گئے تو اپنی کشتیوں کو تیار کر کے جوڑ جاڑ کے سمندر میں روانہ ہو گئے اور حاجیوں کو لوٹنے لگے۔ پھر وہ بحر نعم پہنچے اور 16 کشتیاں جلا دیں۔ پھر عیذاب پہنچے اور ایک کشتی پر قبضہ کر لیا جو جدہ سے حاجیوں کو لا رہی تھی۔ اس طرح انہوں نے خشکی پر اتر کر ایک بڑے قافلے کو لوٹا جو قوص سے عیذاب آ رہا تھا۔ ان سب اہل قافلہ کو قتل کر دیا۔ کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ پھر یمن کے تاجروں کو لانے والی دو کشتیوں پر قبضہ کر لیا اور ساحل (عیذاب) پر مکہ اور مدینہ (اللہ ان کی عزت برقرار رکھے) کے لیے جمع شدہ بہت سا اناج جلا ڈالا۔ ان فرنگیوں نے ایسے ایسے مظالم کیے کہ اس سے قبل اسلام کی تاریخ میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ نہ اس سے پہلے کبھی کوئی فرنگی ان علاقوں تک پہنچا تھا۔ ان سب سانحوں سے بڑھ کر وہ سانحہ جو کانوں کو مذمت اور قباحت سے بھر دیتا ہے یہ ہے کہ یہ فرنگی مدینۃ الرسول اللہ ﷺ میں داخل ہونے اور جسد اطہر کو نکال کر لے جانے کا عزم کیے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس ارادے کا اعلان بھی کر دیا تھا۔ اس بات کا ذکر ان کی زبانوں پر عام ہو چکا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی گستاخی اور کارستانی پر ایسی گرفت کی کہ اس کی عطا کردہ شان مرتبت، حضور ﷺ اور ان فرنگیوں کے درمیان حائل ہو گئی۔ حالانکہ مدینہ منورہ اور ان فرنگیوں کے درمیان صرف ایک دن کی مسافت رہ گئی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے مصر میں ترتیب دیے گئے بحری بیڑے کے ذریعے ان کی بدمعاشی کو روک دیا۔ حاجب جو کہ لولو کے نام سے مشہور ہے، مراکش کے بہترین جہاز رانوں کے ساتھ آن پہنچا اور دشمن کو ایسے وقت میں آ پکڑا جب وہ اپنے عزم میں کامیابی کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔ یہ خداوند جبار کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کیونکہ مصر کے سپاہیوں نے ان فرنگیوں کو خاصی تاخیر سے پکڑا تھا کہ (ان نصرانیوں کو لوٹ مار کرتے ہوئے) اس دوران تقریباً ڈیڑھ ماہ یا اس کے لگ بھگ وقت گزر گیا تھا۔ ان سب فرنگیوں کو قتل کرا دیا گیا یا وہ گرفتار کر لیے گئے۔ قیدیوں کو مختلف شہروں میں تقسیم کر دیا گیا تاکہ انہیں وہاں قتل کیا جائے۔ ان میں سے کچھ مکہ معظمہ اور کچھ مدینہ منورہ میں بھی بھیجے گئے۔ یوں اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو ایک بہت بڑے حادثے سے بچانے میں بخوبی کافی ہو گیا۔ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔"[1]

[1] رحلۃ ابن جبیر: 1/ 57، 58

فصل:3

حلب کی فتح

سنجار کی فتح کے بعد سلطان نے اپنے مصاحبین سے آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں مشورہ کیا۔ یہ بات تو طے تھی کہ موصل پر فی الحال قبضہ بہت مشکل ہے اس لیے کم از کم حلب پر قبضہ کرنا ضروری تھا تاکہ سلطان کی یہ مہم کسی درجے میں نتیجہ خیز شمار ہوتی مگر اب سخت سردیاں شروع ہونے والی تھیں، ایسے میں تھکی ماندی فوج کو مزید مہمات میں جھونکنا مناسب نہیں تھا۔ تجربہ کار امراء نے مشورہ دیا کہ موسم سرما کسی محفوظ علاقے میں پڑاؤ ڈال دیا جائے اور بہار میں اگلی مہمات شروع کی جائیں۔ اب تک بغداد کے معزز سفیر شیخ الشیوخ سلطان کے ہمراہ تھے، سلطان نے انہیں حالیہ مہمات اور اہل موصل کی بدعہدی و مکاری کے حالات پر مشتمل ایک تفصیلی مکتوب دے کر قیمتی تحائف کے ساتھ خلیفہ کی خدمت میں واپس روانہ کر دیا اور خود حران کی طرف بڑھے جو مظفر الدین کوکبری کا علاقہ تھا۔ موسم سرما گزارنے کے لیے اس سے زیادہ محفوظ مقام کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ راستے میں نصیبین سے گزرتے ہوئے انہیں وہاں اپنے مقرر کردہ والی ابوالہیجاء السمین کی بدعنوانیوں کا علم ہوا تو اسے فوراً معزول کر کے ایک دوسرے عامل کو مقرر کیا۔ ❶

ماہ ذی قعدہ کے آغاز (مارچ 1182ء) میں سلطان نے حران پہنچ کر شہر کے باہر پڑاؤ ڈال دیا۔ کچھ دن بعد انہوں نے افواج کو استراحت کے لیے چھاؤنیوں میں چلے جانے کی اجازت دے دی اور خود ایک محافظ دستے اور چند مصاحبین کے ساتھ وہیں ٹھہر گئے۔ ❷

سلطان کے مخالفین کا باہم گٹھ جوڑ اور متحدہ لشکر کشی ❁ سلطان اپنے طور پر کئی ماہ تک کسی جنگ و جدل سے یکسو ہو چکے تھے تاہم انہیں معلوم تھا کہ ان کے حریف اب بھی ان کے خلاف تلوار تیز کر رہے ہیں۔ عزالدین مسعود کے بعد اب خلاط کا حاکم شاہ ارمن بھی سلطان کے سخت ترین مخالفین

❶ مفرج الکروب: 1/111_112

❷ الکامل فی التاریخ: 7/206؛ مفرج الکروب: 1/11

شامل ہوگیا تھا۔ موصل کے محاصرے کے دوران عزالدین مسعود نے شاہ ارمن کو اپنا ہمنوا بنالیا تھا۔ شاہ ارمن نے پہلے موصل اور پھر سنجار کے محاصرے کے دوران سلطان صلاح الدین کو ان مہم جوئیوں سے باز رہنے کی تاکید کی تھی اور اس کے سفیر نے آخر میں سلطان کو سنگین نتائج کی دھمکی تھی۔ اگرچہ سلطان صلاح الدین نے شاہ ارمن کے سفیر کی غیر معمولی خاطر مدارات کی تھی مگر یہ سفیر بڑا نک چڑھا تھا، اس نے سلطان کی خلعت اور تحائف کو ٹھکرادیا تھا اور اپنے آقا کی سفارش قبول نہ کیے جانے پر غصے میں بھرا واپس لوٹا تھا۔ اس کے بھڑکانے سے شاہ ارمن نے سلطان کے خلاف فوج کشی کا فیصلہ کرلیا تھا۔ سلطان کے سنجار فتح کرتے ہی وہ خلاط سے ایک لشکر لے کر چل پڑا تھا۔ راستے میں ماردین، بدلیس اور ارزن کے وہ حکمران جو سلطان کی فتوحات سے خوفزدہ تھے اپنی اپنی فوجوں کو لے کر اس کے ساتھ ملتے گئے اور یہ ایک بہت بڑا لشکر بن گیا۔

عزالدین مسعود جو شروع سے شاہ ارمن کی مہم سے نہ صرف باخبر بلکہ اس ساری متحدہ فوج کشی کا اصل محرک تھا، اپنی فوج کے ساتھ پہلے ہی تیار تھا۔ اس کے آنے سے یہ فوج مزید مضبوط ہوگئی۔ اب یہ متحدہ افواج ایک آندھی کی طرح سلطان صلاح الدین سے لڑنے روانہ ہوئیں۔ آگے حلب کی فوج بھی ان سے آملی۔

سلطان صلاح الدین کو اتحادیوں کی پیش قدمی کی اطلاع ایسے وقت میں ملی جب وہ اپنی افواج کو چھاؤنیوں میں واپس بھیج چکے تھے۔ اب ان کے پاس صرف منتخب سپاہیوں کا ایک دستہ تھا۔ شدید سردی پڑ رہی تھی، پھر ماہ ذی الحجہ شروع ہو چکا تھا اور عیدالاضحیٰ سر پر تھی۔ ایسے میں یہ ناگہانی یلغار ایک عجیب امتحان بن کر سامنے آئی۔ سلطان نے فوراً تیز رفتار قاصد حماۃ بھیج کر تقی الدین عمر کو حکم دیا کہ وہ جلد از جلد اپنی فوج لے کر ان کی مدد کو پہنچے۔ تقی الدین عمر پیغام ملتے ہی بجلی کی طرح حران کی طرف لپکا، پانچویں دن وہ اپنی فوج کے ساتھ سلطان کی خدمت میں حاضر تھا اور کہہ رہا تھا:

''سلطان عالی وقار! اٹھیے اور ان اتحادیوں کی طرف بڑھیے۔''

سلطان صلاح الدین خود بھی آگے بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہتے تھے مگر ان کے کئی امراء انہیں دشمن کی غیر معمولی کثرت کے باعث جنگ سے گریز کرنے اور صلح پر غور کرنے کا مشورہ دے رہے تھے اس لیے سلطان نے تقی الدین عمر کے سامنے استفسار کے طور پر یہ پہلو بھی پیش کردیا تھا اور کہا:

''حریف کی تعداد خاصی زیادہ ہے اور پھر یہ ذی الحجہ کا پہلا عشرہ ہے، اس میں جنگ سے دامن بچالیا جائے تو کیا حرج ہے؟''[1]

[1] سیرۃ ابن واصل: 114/1

مگر تقی الدین عمر کا اصرار بڑھتا گیا، غالباً خود سلطان کی ذاتی رائے بھی یہی تھی جسے تقی الدین عمر نے بھانپ لیا تھا۔ آخر سلطان نے عید الاضحیٰ کے فوراً بعد اس تھوڑی سی فوج کے ساتھ حریف کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ حریف نے حرزم کے میدان میں ڈیرے ڈال دیے تھے۔ یہ حاکم ماردین قطب الدین کا علاقہ تھا جہاں ایک مضبوط قلعہ بھی تھا۔ اتحادی سمجھ رہے تھے کہ سلطان کو ان کے اجتماع سے خوفزدہ ہو کر پسپائی اختیار کرنا پڑے گی مگر سلطان کی پیش قدمی کی خبر سن کر وہ دم بخود رہ گئے۔ ان کے قدم شل ہونے لگے۔ سب سے پہلے ارمن شاہ یہ کہہ کر خلاط واپس ہولیا کہ میں مزید فوج جمع کر کے لارہا ہوں، پھر عزالدین مسعود کی ہمت بھی ٹوٹ گئی اور وہ موصل لوٹ گیا۔ کھیل کے اصل دو کرداروں کے غائب ہوتے ہی اتحادی لشکر کے ہر گروہ نے اپنی اپنی راہ لی۔ [1]

سلطان صلاح الدین ابھی راستے میں تھے کہ انہیں اتحادیوں کے بکھرنے کی خوشخبری ملی۔ عزالدین مسعود دریا کے پار اتر چکا تھا۔ ارمن شاہ خلاط کو سب سے بہتر پناہ گاہ سمجھ کر واپس جاچکا تھا۔ سلطان کے کاتب عماد اصفہانی نے اتحادیوں کی اس بزدلی پر طنز کرتے ہوئے کہا:

''ہم نے آندھی بن کر انہیں ریت کی طرح اڑا دیا جب کہ وہ خود کو پہاڑ تصور کرتے تھے۔ جب وہ آئے تو مرد معلوم ہوتے تھے مگر لوٹے تو ان کے دل عورتوں کی طرح لرز رہے تھے۔'' [2]

سلطان کی اتحادیوں کے قلعوں پر یلغار ٭ اتحادیوں کے فرار کے باوجود سلطان ایوبی نے مخالفین پر نفسیاتی دباؤ بڑھانے کے لیے حرزم کے میدان تک یلغار کی اور حاکم ماردین کے قلعے کے سامنے پڑاؤ ڈال دیا۔ حاکم ماردین قطب الدین جو کل تک میدان میں صف بندی کر رہا تھا، اب قلعے کی اوٹ میں جاچھپا تھا۔ قلعے سے کچھ فاصلے پر اس کا نہایت خوشنما محل تھا جو اب خالی رہ گیا تھا۔ اس کے فلک بوس برج اور مینار مرعوب کن معلوم ہوتے تھے۔ عمارت پر نقاشی اور خطاطی کا خوبصورت کام کیا گیا تھا، اندرونی حصے میں بکثرت باغات اور نہریں تھیں۔ سرسبز درختوں کی شاخوں پر خوبصورت پرندے پھدکتے نظر آتے تھے۔ سلطان کے بھائی تاج الملوک بوری نے اس محل کو خالی دیکھ کر کچھ دن کے لیے یہاں رہائش اختیار کر لی۔ [3]

آمد کا محاصرہ ٭ سلطان نے حرزم کے میدان میں چند دن تک ٹھہرنے کے بعد اتحادیوں کے علاقوں پر قبضہ کر کے انہیں سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ اس مہم کا پہلا نشانہ آمد کی ریاست بنی جس کا حاکم

[1] الکامل فی التاریخ: 297/7؛ کتاب الروضتین: 3/142_143
[2] البرق الشامی: 5/83
[3] البرق الشامی: 5/83

مسعود ابن نیسان بھی ان اتحادیوں میں شامل تھا جو حرزم میں سلطان کے خلاف جمع ہوئے تھے۔ مگر اس سے قبل سلطان نے خلیفۂ بغداد سے رابطہ کیا۔ یہ اس لیے ضروری تھا کہ موصل کے محاصرے میں خلیفہ کی سفارش کے باعث محاصرہ اٹھانا پڑا تھا۔ آمد کی مہم میں بھی اس کا امکان تھا کہ محاصرہ طول پکڑ جائے اور حاکم آمد خلیفہ سے سفارش کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ چنانچہ خلیفہ کو غلط فہمی سے بچانے کے لیے سلطان نے پہلے دربار خلافت میں عرضی روانہ کی۔

خلیفہ کی جانب سے جازت ملنے کے بعد 17/ذی الحجہ 578ھ (12/اپریل 1183ء) کو سلطان کی فوجیں آمد کے گرد جمع تھیں۔ اس قلعے کو دمادے کے ذریعے سرنگوں کرنا مشکل تھا اس لیے حسب توقع محاصرہ طول پکڑنے لگا۔ نئے سال 579ھ کا چاند اس حال میں طلوع ہوا کہ سلطان کی عقابی نگاہیں آمد کی فصیلوں کو ٹٹول رہی تھیں۔

حاکم آمد مسعود بن نیسان ایک بدسیرت اور خودغرض انسان تھا۔ اس کے پاس مال و دولت کے بے پناہ ذخائر تھے جن کا اندازہ لگانا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس کی توجہ رعایا کی ضروریات سے زیادہ اپنے خزانے بھرنے پر تھی، یہی وجہ تھی کہ لوگ اسے ناپسند کرتے تھے۔ اسے ہتھیار ڈالنے کی صورت میں اس مال و دولت سے محرومی کا یقین تھا جسے وہ جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا اس لیے اس نے بہر حال مقابلے کا تہیہ کر رکھا تھا۔

ادھر سلطان صلاح الدین کسی مسلمان کا خون بہانے سے حتی الامکان بچنا چاہتے تھے۔ انہوں نے شہر کے گرد منجنیقیں نصب کرا دی تھیں مگر انہیں استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ لشکر کو فصیل سے ذرا فاصلے پر رکھ کر درمیان میں سنگر (حفاظتی پشتے) لگا دیے گئے تھے تاکہ حریف کی تیر اندازی اور سنگ باری سے محفوظ رہا جا سکے۔ فوج کو یہ تاکید تھی کہ وہ از خود حریف کے کسی فرد پر ہاتھ نہ اٹھائے۔ سلطان کی غرض یہ تھی کہ اس طرح آمد کے حاکم کو ان کی نرم طبعی کا اندازہ ہو جائے اور وہ لڑے بغیر ہتھیار ڈال دے مگر ابن نیسان نے اسے سلطان کی کمزوری سمجھا، چنانچہ اس کے حکم پر آمد کے سپاہیوں نے موقع پا کر سلطان کے کیمپ پر حملہ کیا اور سنگروں کو آگ لگا دی۔ سلطان کی فوج حکم کے مطابق صرف اپنا دفاع کرتی رہی۔

دشمن کے حملے معمول بن گئے تو سلطان کو بھی لڑنا پڑا۔ وہ ایک دن منتخب سپاہی اپنی کمان میں لے کر حملہ آوروں کی طرف لپکے اور انہیں فصیل کی طرف دھکیل دیا۔ اس کے ساتھ ہی سلطان کے بہت سے سپاہی سیڑھیاں لگا کر فصیل پر چڑھنے لگے۔ کچھ دیر تک فصیل پر لڑائی ہوتی رہی۔ آخر سلطان کے سپاہیوں نے فصیل پر قبضہ کر لیا۔ حریف کے سپاہی بھاگ کر اندرونی فصیل میں داخل ہو گئے۔ سلطان

کے سپاہی دونوں فصیلوں کے درمیانی حصے میں جمع ہونے لگے۔ سلطان نے حکم دیا کہ اندرونی فصیل میں سرنگیں لگائی جائیں، حکم کی تعمیل ہوئی، سرنگیں کھودی جانے لگیں۔ ابن عیسان نے یہ رنگ دیکھا تو اپنے آدمیوں کو غیرت دلا کر حملے کا حکم دیا۔ ایک بار پھر زوردار لڑائی شروع ہوگئی، ابن عیسان کے سپاہی اندرونی بلند فصیل کے برجوں سے پتھر اور کانچ کے تیز دھار ٹکڑے پھینک رہے تھے۔ چند دن اسی حال میں گزرے۔ ❶

سلطان کی کامیاب چال ❀ سلطان شہریوں کو حاکم کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنے کا سوچنے لگے مگر شہر میں پہلے سے ان کا کوئی جاسوس موجود نہ تھا۔ نامہ و پیام اور سفارت کا راستہ بھی بند تھا۔ اندرونی فصیل میں کوئی رخنہ بھی نہ تھا جس سے راستہ بنایا جاسکتا۔ تب عوام کو متوجہ کرنے کے لیے سلطان نے ایک انوکھا طریقہ اپنایا، انہوں نے کاتبوں کو کہہ کر ایسے بہت سے پرچے تیار کرائے جن میں عوام کو وعدوں اور دھمکیوں کے ذریعے حاکم آمد کی مدد سے باز رہنے کی تلقین کی گئی تھی۔ ان پرچوں پر تحریر تھا:

''اپنے ہاتھوں کو روک لو ورنہ اگر ہم تمہاری مسلسل مزاحمت کے باوجود غالب آگئے تو تمہیں تباہ کردیں گے۔ اطاعت کی صورت میں ہم تمہاری ضروریات اور مطالبے پورے کریں گے۔''

یہ پرچے تیروں پر باندھ کر شہر کے اندر پھینکے گئے۔ اس کا خاطر خواہ اثر ہوا، شہریوں نے شہر کے دفاع میں حصہ لینا چھوڑ دیا۔ حاکم آمد اس صورتحال سے سخت پریشان ہوا، اس کے پاس فوج بہت کم تھی، شہریوں کی مدد کے بغیر اس کے لیے لڑنا ناممکن تھا۔ آخر وہ صلح پر آمادہ ہوگیا۔ ❷

مصالحت کی گفتگو ایک دن صبح ہی صبح شہر کا دروازہ کھلا اور بہت سی پردہ دار عورتیں سلطان کی خیمہ گاہ کی طرف آتی دکھائی دیں۔ یہ ابن عیسان کے خاندان کی عورتیں تھیں۔ قاضی فاضل نے انہیں اپنے خیمے میں بلوالیا۔ انہوں نے درخواست کی:

''ہم سلطان سے امن کی طلب گار ہیں، جان و مال کی امان دی جائے اور اجازت دی جائے کہ ہم لوگ ساز و سامان سمیت کہیں اور چلے جائیں۔''

قاضی فاضل نے سلطان کو آگاہ کیا۔ سلطان نے امان دے دی اور کہا:

''ابن عیسان اگر یہیں رہنا چاہے تو امن و امان سے ہمارے زیرِ سایہ رہ سکتا ہے لیکن اگر وہ ہم سے تعلق نہیں رکھنا چاہتا تو تین دن تک جتنا مال و دولت شہر سے نکال کر لے جاسکتا ہے، لے جائے۔''

جب یہ عورتیں واپس ہونے لگیں تو سلطان خود انہیں رخصت کرنے آئے۔

---

❶ البرق الشامی: 5/ 84_85، سنا البرق الشامی: 1/ 138_139، کتاب الروضتین: 3/ 146 ❷ ایضاً

یہ فراخدلانہ پیش کش ابن نیسان کے لیے توقع سے بھی بڑھ کر تھی۔اس نے فوراً شہر سلطان کے حوالے کر دیا۔وہ خود سلطان سے خائف تھا اس لیے شہر میں رکنا قبول نہ کیا۔اب اس نے اپنے مال و دولت کے ذخیرے شہر سے باہر منتقل کرنا شروع کیے۔اس موقعے پر اس نے سلطان سے درخواست کی کہ اس کے پاس غلاموں اور خادموں کی کمی ہے، اکثر غلام بھاگ گئے ہیں لہٰذا کچھ آدمی مہیا کیے جائیں جو خزانے کی منتقلی کا کام انجام دیں۔

سلطان نے ایک بار پھر غیر معمولی کشادہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے 300 خدام اور افسران کو ابن نیسان کی اعانت کے لیے بھیج دیا، اس کے علاوہ بہت سے بار برداری کے جانور بھی فراہم کر دیے۔ اب خزانہ خالی کرنے کا کام شروع ہوا، دیناروں اور درہموں کے صندوق، ہیروں، موتیوں اور نادر جواہرات کی تھیلیاں، سونے چاندی کے برتن، عمدہ پوشاکیں، قیمتی غالیچے اور طرح طرح کی نادر و نایاب چیزیں تھیں۔اتنا بڑا خزانہ تھا کہ تین دن تک صرف بیش قیمت اشیاء نکالی جاتی رہیں۔جب یہ میعاد ختم ہوگئی تو ابن نیسان مال و دولت کے انبار سمیت کرا ایشیائے کوچک کی سمت روانہ ہوگیا۔اس کے باوجود ابھی تک اس عظیم خزانے کا دسواں حصہ بھی نہیں نکالا گیا تھا۔گوداموں اور قلعے کے برجوں میں بھی بہت کچھ تھا، یہ تمام عمارتیں غلے، غذائی اجناس اور عسکری ساز و سامان سے لبالب بھری ہوئی تھیں۔شہر میں ایک بہت بڑا محل بھی تھا جس کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے برجوں میں ایک لاکھ شمعیں روشن کی جاتی تھیں۔یہ بھی اموال، اجناس، اور قیمتی سامان سے بھرا ہوا تھا۔

اس موقع پر سلطان کی سخاوت کا ایک اور عجیب منظر سامنے آیا۔سلطان نے کچھ عرصہ پہلے اپنے حلیف نورالدین محمود بن قرا ارسلان کے تعاون کے بدلے میں اس سے یہ وعدہ کیا تھا کہ آمد کی فتح کے بعد شہر اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ دراصل اس سردار کی خدمات واقعی اس کی مستحق تھیں کہ ان کا بہترین بدلہ دیا جاتا، وہ سلطان کے دریائے فرات عبور کرتے ہی اپنے لشکر سمیت ان کی خدمت میں حاضر ہوگیا تھا اور تب سے ہر مہم میں نمایاں کردار ادا کرتا رہا تھا۔محرم 579ھ (مئی 1183ء) کا پہلا عشرہ گزر رہا تھا کہ آمد کے قلعے پر ایوبی پرچم لہرا دیا گیا، تب سلطان پر اپنا وعدہ نبھانا لازم ہوگیا۔[1] ......

سلطان نے نورالدین محمد بن قرا ارسلان کو بلایا اور شہر کے ساتھ ساتھ ان تمام گوداموں، برجوں اور سرکاری عمارتوں کی چابیاں اس کے حوالے کرنے لگے۔یہ دیکھ کر بعض خاص مصاحبین نے عرض کیا:

''شہر کے ساتھ اس ساز و سامان اور غلے کے ذخیروں کو نورالدین محمد کے حوالے کرنا کسی شرط یا

[1] کتاب الروضتین: 3/146

اقرار کے تحت نہیں آتا۔ آپ نے اس سے شہر کا وعدہ کیا تھا نہ کہ مال و دولت کا۔ یہ ذخائر 30 لاکھ دینار کی مالیت سے کم کے نہیں۔ انہیں آپ اپنی اہم ضروریات کے لیے لے لیجیے۔ نورالدین شہر کو بہت کافی سمجھے گا۔"

مگر سلطان نے اٹل لہجے میں کہا:

"میں ان ذخیروں میں سے کچھ بھی لینے کی گنجائش نہیں سمجھتا۔ نورالدین محمد ہمارے تابع داروں اور وفادار ساتھیوں میں سے ہے۔ ہم اس کی دوستی کے مقابلے میں ان چیزوں کی حرص نہیں کریں گے۔ جب ہم کسی کو درخت دے دیں تو شاخوں کے بارے میں بخل کرنا کیسا؟ یہ اہلِ سخاوت کے شایانِ شان نہیں۔"

کہا جاتا ہے کہ نورالدین محمد ان ذخائر کا ضرورت سے زائد سامان جس میں غذائی اجناس کے علاوہ غالیچے، قالین اور خیمے بھی شامل تھے، سات سال تک فروخت کرتا رہا۔

مؤرخ محمد ایوبی جو سلطان صلاح الدین ایوبی کے جرنیل تقی الدین عمر کے صاحبزادے تھے، یہ واقعہ نقل کر کے کہتے ہیں:

"سلطان صلاح الدین کے نزدیک ساری دنیا کی دولت کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی۔"

آمد کے مالِ غنیمت میں کتابوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ بھی ہاتھ لگا۔ ابوشامہ ابن مقدسی کے بیان کے مطابق یہ دس لاکھ چالیس ہزار کتابیں تھیں جو سلطان نے سب کی سب اپنے وزیر قاضی فاضل کو دے دیں۔ ❶

ان واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سلطان اپنے ساتھیوں میں سے کام کے آدمیوں کو راضی رکھنے اور ان کی وفاداریوں کو برقرار رکھنے کے لیے سارا روپیہ پیسہ خرچ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ ان کو مالی لحاظ سے مستحکم کر کے خوش ہوتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے اکثر ساتھی دل و جان سے ان کے اطاعت گزار تھے۔ انہیں کوئی دوسری حکومت خرید نہیں سکتی تھی۔ ان میں سے کئی ایک کے لیے دنیاوی مفادات خاصے اہم تھے مگر انہیں سلطان کی داد و دہش کے سامنے دیگر تمام درباروں کی نوازشات ہیچ معلوم ہوتی تھیں۔ سلطان کی یہ پالیسی ہر موقعے پر ان کے لیے بے حد مفید ثابت ہوتی رہی۔ مگر ہر کوئی اس پالیسی پر عمل پیرا نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ یہ جس بلند حوصلے، سخاوت، زہد و قناعت بلکہ ایثار کا تقاضا کرتی ہے اس کے لیے سلطان صلاح الدین جیسا دل و جگر درکار ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ

❶ سنا برقی: 1/126_129، الروضتین: 3/147

سلطان کے مخالفین کبھی بھی ان کے خلاف ایسے وفادار اتحادی نہ فراہم کر سکے۔ ان کے لیے دنیا ہی سب کچھ تھی۔ ہر فتح کے بعد مال و دولت کی تقسیم ان میں ایک نئے جھگڑے کا باعث بنتی تھی۔ وہ سلطان جیسا حوصلہ کہاں سے لاتے جس نے اپنے دوستوں کے لیے بڑی سے بڑی دولت سے دامن جھاڑ دیا۔

ایوبی لشکر کا حلب کی طرف کوچ: سلطان کے نزدیک موصل اور حلب میں سے کسی ایک کی فتح ناگزیر تھی۔ موصل کی مہم ناکام ہو چکی تھی تو حلب کو فتح کرنا ضروری تھا۔ ویسے بھی حریف ایک اتحاد بنانے کے بعد یکدم بکھر کر اپنی بے ثباتی ظاہر کر چکے تھے اور سلطان کو حلب سے روکنے والا کوئی نہ تھا۔ ایسے موقعے پر سلطان کا پیش قدمی سے باز رہنا بذات خود ایک نادانی شمار ہوتا۔ چنانچہ سلطان نے آمد سے کوچ کیا اور تیزی سے دریائے فرات عبور کر کے تل خالد کے اہم قلعے کو جا گھیرا، محاصرانہ لڑائی کے بعد 12 محرم 579ھ (6 مئی 1183ء) کو یہ قلعہ فتح ہو گیا۔ سلطان نے راستے کے ایک اور قلعے عین تاب کے سامنے پڑاؤ ڈالا تو قلعہ دار ابن خمار تگین بہت سے تحائف لے کر اظہار اطاعت کے لیے حاضر ہوا۔ سلطان صرف ایک رات یہاں ٹھہر کر سیدھے حلب تک جا پہنچے اور فصیلِ شہر کے سامنے میدان اخضر کے مقام پر پڑاؤ ڈال کر طویل محاصرے کی تیاری شروع کر دی۔ یہ سرسبز و شاداب وادی ایک بہترین چھاؤنی کا کام دے سکتی تھی۔ سلطان کا لشکر روزانہ خیمہ گاہ سے فصیل کی جانب جاتا اور صف بندی کر کے دشمن پر رعب ڈالتا۔ سلطان کا چھوٹا بھائی تاج الملوک بوری ایک جوشیلا نوجوان تھا، وہ سلطان کی اجازت کے بغیر اپنے دستے کے ساتھ محصورین پر حملے کرتا اور انہیں مقابلے کے لیے للکارتا۔ سلطان لڑائی سے منع کرتے رہے اور افسران فوج کے سامنے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دہراتے رہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا﴾

"اے ایمان والو! ثابت قدم رہو، استقامت اختیار کرو اور مورچوں پر جمے رہو۔"[1]

سلطان کا کہنا تھا:

"ہمارا مقصد صرف شہر پر قبضہ کرنا ہے، ہمیں کسی مسلمان کو قتل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب شہر فتح ہو جائے گا اور اس کے معاملات خوش اسلوبی سے حل ہو جائیں گے تو یہ لوگ از خود دشمنی سے باز آ جائیں گے اور ضرر رسانی چھوڑ دیں گے۔"

دراصل سلطان کو پورا اندازہ تھا کہ حلب میں اب الملک الصالح یا عز الدین مسعود کے دور جیسی طاقت نہیں۔ اب یہاں عماد الدین جیسا کمزور حکمران ہے جسے سرنگوں ہونا پڑے گا۔ تاہم سلطان کی دوررس

[1] سورۂ آل عمران، آیت: 200

اور احتیاط پسندانہ سوچ کے باوجود تاج الملوک بوری اپنے طور پر موقع پا کر شہر پناہ پر حملے کرتا رہا۔ اس کا نتیجہ اچھا نہ نکلا۔ شہر والوں کے ایک جوابی حملے میں تاج الملوک بری طرح زخمی ہوگیا۔ اس کی ران میں گہرا گھاؤ لگا۔ طبیبوں کی تمام کوششوں کے باوجود زخم بگڑتا گیا۔ سلطان نے اس واقعے کے بعد فوج کو میدان اخضر سے ہٹا کر پیچھے جبل جوشن پر ٹھہرا دیا۔ یہاں سلطان نے ایک عجیب منصوبے پر عمل شروع کیا۔ انہوں نے حلب کے بالمقابل ایک اور شہر آباد کرنے کا حکم دے دیا۔ بڑی تعداد میں معمار اور مزدور نئے مکانات بنانے میں جت گئے۔ سلطان نے اس کام کا افتتاح کرتے ہوئے کہا:

''اگر حلب ان لوگوں کا ٹھکانہ ہے تو یہ بستی ہمارا مسکن ہوگی۔ ہم یہاں رہ کر آس پاس کے شہروں پر حکومت کریں گے اور حلب کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے۔''

سلطان کے اس اقدام کے بعد عماد الدین کو یقین ہوگیا کہ سلطان کو کسی طرح واپس نہیں لوٹایا جاسکتا۔ اب اس نے سفیروں کے ذریعے بات چیت شروع کی۔ ان سفیروں کا انداز نہایت جارحانہ تھا، انہوں نے ابتداء میں سلطان کو حلب کی سابقہ عظمت کے بل بوتے پر مرعوب کرنا چاہا اور درشت کلامی کے ساتھ غیر معقول مطالبات پر اصرار کیا مگر سلطان نہایت تحمل سے سب کچھ برداشت کرتے رہے۔ ہر بار انہوں نے سفیروں سے اچھا سلوک کیا اور شریفانہ مگر اٹل جواب دے کر واپس بھیجا۔ [1]

ادھر عماد الدین محسوس کر رہا تھا کہ اگر محاصرہ طویل ہوگیا تو اسے اپنی ہی فوج کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ خزانچی نے اسے بتا دیا تھا کہ حالتِ جنگ میں فوج کا ماہانہ خرچہ تیس ہزار دینار تک پہنچ رہا ہے۔ جنگ طویل ہوجانے کی صورت میں خزانہ خالی ہوجانے کا خطرہ سامنے تھا۔ آخر عماد الدین نے اپنے معتمد وزیر طمان ارتقی سے مشورہ کیا جو دل سے سلطان صلاح الدین ایوبی کا خیر خواہ تھا۔ اس نے سلطان کی اطاعت اختیار کر لینے کا مشورہ دیا۔ عماد الدین نے پوچھا:

''آیا سلطان مجھے حلب کے بدلے سنجار، خابور، نصیبین، رقہ اور سروج کی حکومت دینے پر رضامند ہوجائے گا؟''

طمان ارتقی نے اسے یقین دلایا کہ سلطان یہ مطالبہ ضرور مان لے گا۔

صلح کے مذاکرات ؛ اپنے آقا سے اجازت لے کر طمان ارتقی رات کی تاریکی میں ایک خفیہ دروازے سے شہر پناہ سے نکل کر سلطان کی لشکرگاہ پہنچ گیا۔ یہ رازداری اس لیے برتی جارہی تھی کہ عماد الدین کے دیگر امراء اب تک اپنی سابقہ نخوت کی بنیاد پر سلطان کی اطاعت پر تیار نہیں تھے۔ طمان

[1] سنا البرق الشامی: 1/140_142

ارتق اس رات سلطان کے جرنیل تقی الدین عمر سے ملا اور اسے عماد الدین کے مطالبے سے آگاہ کیا۔ تقی الدین عمر نے اسی وقت سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ ماجرا سنایا اور رائے دی کہ اس پیش کش کو مسترد نہ کیا جائے۔ سلطان کو یاد تھا کہ سنجار، نصیبین، رقہ اور سروج سمیت الجزیرہ کے علاقے تقی الدین عمر کی تولیت میں دیے جا چکے ہیں، اسی لیے انہوں نے حیرت زدہ ہو کر کہا:

''یہ علاقے جن کا ذکر عماد الدین نے کیا ہے، تمہارے نام ہو چکے ہیں، اب انہیں تم سے واپس لینے کی کوئی گنجائش نہیں۔''

تقی الدین عمر نے عرض کیا: ''آقا! اس معاملے کو طے ہو جانے دیجیے۔ اس میں گھر کی خیر خواہی ہے۔''

سلطان ایوبی نے بھی جواب میں فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: ''اچھا! اگر تم اپنے علاقے عماد الدین کو دے رہے ہو تو میں حلب، اس کا قلعہ اور متعلقہ اضلاع تمہارے نام کرتا ہوں۔''[1]

وہ ایثار کا بدلہ اسی طرح بے پناہ نوازش کی صورت میں دیتے تھے۔

<u>حلب سرنگوں ہو گیا</u>: سلطان نے کچھ دیر بعد طمان ارتق کو طلب کر لیا اور اپنے ہاتھ سے عماد الدین کے مطالبے کی منظوری کا پروانہ لکھ کر اس کے حوالے کر دیا۔ طمان ارتق نے اسی رات کے آخری پہر عماد الدین کی خدمت میں حاضری دی اور سلطان کی تحریر اس کے حوالے کر کے سلطان کے لطف و کرم کا تذکرہ کیا۔ اب عماد الدین کو اپنے مستقبل کے بارے میں اطمینان ہو گیا۔ اس نے شہر کے دروازے کھلوا دیے۔ چونکہ عماد الدین کے اکثر امراء کو اس فیصلے سے اختلاف تھا لہٰذا وہ جل بھن کر رہ گئے مگر جلد ہی سلطان صلاح الدین کے انعامات اور نوازشوں نے ان کا غصہ دور کر دیا۔[2]

<u>ایک عجیب بات</u>: علامہ ابو شامہ المقدسی نے کتاب الروضتین اور سلطان کے بھتیجے محمد بن شاہنشاہ ایوبی نے اپنے روزنامچے ''مضمار الحقائق'' میں حلب کی فتح کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک عجیب واقعہ تحریر کیا ہے۔ وہ بتاتے ہیں:

''مجد الدین ابن جہبل رحمہ اللہ حلب میں فقہ شافعی کے بڑے عالم تھے۔ ایک دن وہ مراکش کے عالم ابو الحکم مغربی کی تفسیر (جو اسی دور میں چند برس پہلے لکھی گئی تھی) پڑھ رہے تھے کہ اس میں سورۃ الروم کی آیت ﴿الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ﴾ پر نظر پڑی۔ یہاں ابو الحکم مغربی رحمہ اللہ نے دلائل دے کر پیش گوئی کی گئی تھی کہ رجب 583ھ میں مسلمان رومیوں کو شکست دے کر بیت المقدس واپس لے لیں

[1] مضمار الحقائق: 1/421، 143

[2] مضمار الحقائق: 1/421، 143؛ کتاب الروضتین: 3/170

گے۔ یہ پڑھ کر مجد الدین ابن جہبل کو یقین ہوگیا کہ ایسا ہی ہوگا۔
انہوں نے ایک پرچہ لکھا جس میں سلطان صلاح الدین کو بشارت دی گئی تھی کہ اگر زندگی نے وفا کی تو ان شاء اللہ 583ھ میں بیت المقدس آپ ہی کے ہاتھوں فتح ہوگا۔ حلب فتح ہوا تو ابن جہبل نے یہ پرچہ فقیہ عیسیٰ الهکاری کے حوالے کردیا کہ اسے سلطان کو پیش کردیں۔ چونکہ سلطان صلاح الدین عملیت پسند انسان تھے اور قیاسات پر یقین نہیں کرتے تھے اس لیے فقیہ عیسیٰ کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ سرکاری ملازم ہوتے ہوئے ایسا پیغام سلطان کو دیں۔ تاہم انہوں نے پرچے میں کی گئی پیش گوئی کا ذکر قاضی محی الدین ابن زکی سے کردیا۔ قاضی ابن زکی بھی یہ پیش گوئی سن کر حیران ہوئے کہ کوئی ایسا دعوے کیسے کرسکتا ہے مگر وہ ابن جہبل کے علم وتقویٰ سے متاثر تھے۔ انہیں یقین ہونے لگا کہ یہ واقعہ اسی طرح پیش آئے گا۔ انہوں نے یہ بات سلطان کے سامنے پیش کرنے کے لیے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ پہلے فتح حلب کا ایک قصیدہ تیار کیا اور اس میں یہ شعر بھی شامل کردیا:

وفتحكم حلباً بالسيف في صفر قضىٰ لكم بافتتاح القدس في رجب

''صفر میں آپ کے حلب پر بزور شمشیر فتح نے طے کردیا ہے کہ ماہ رجب میں آپ القدس کو فتح کریں گے۔''

جب سلطان صلاح الدین کے سامنے یہ قصیدہ پڑھا گیا تو یہ شعر سن کر انہیں بھی تعجب ہوا۔
آخرکار رجب 583ھ میں بیت المقدس فتح ہوا تب مجد الدین ابن جہبل رحمہ اللہ خود سلطان سے آکر ملے اور عرض کیا:

''چار سال قبل ایک رقعہ بھیج کر اس فتح کی پیشگی خوش خبری میں نے دے دی تھی۔''

سلطان نے چونک کر کہا:

''ہمیں تو ابن زکی نے یہ خوش خبری آپ سے پہلے دی ہے۔ بہر حال ہم آپ کو وہ اعزاز دیں گے جو کسی اور کو نہ ملا ہوگا۔''

یہ کہہ کر سلطان نے انہیں صخرہ مبارکہ پر درسِ فقہ دینے کا موقع دیا۔ یہ ان کے لیے بہت بڑا انعام تھا۔[1]

سلطان کے بھائی تاج الملوک بوری کی وفات: سلطان کے بھائی تاج الملوک بوری کا زخم خطرناک حد تک بگڑ چکا تھا، اس کا بچنا مشکل نظر آتا تھا۔ عماد الدین سے صلح کی بات چیت طے ہوجانے کے بعد سلطان اپنے جواں سال بھائی کے خیمے میں آئے اور اسے خوشخبری دیتے ہوئے مسرت آمیز

[1] کتاب الروضتین: 170/3؛ مفرج الکروب: 143/1

لہجے میں کہا: "یہ لو، ہم نے حلب فتح کر لیا۔"

تاج الملوک نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

"اللہ کی قسم! آپ نے یہ شہر بہت گراں قیمت ادا کر کے لیا ہے کہ اس کے بدلے آپ کو مجھ جیسا بھائی ضائع کرنا پڑا۔"

یہ کہہ کر تاج الملوک رو پڑا۔ سلطان کے بھی آنسو بہہ نکلے۔ ❶

سلطان کی قوتِ برداشت ❁ فتح کے بعد شہر میں داخلے سے پہلے سلطان نے اپنی خیمہ گاہ میں عمادالدین اور اس کے امراء کی شاندار ضیافت کی، خوب خاطر مدارت کے ساتھ انہیں بیش قیمت تحائف عنایت کیے۔ محفل میں سلطان نے عمادالدین کو اپنے پہلو میں بٹھایا ہوا تھا۔

حاضرینِ محفل مسرت سے نہال تھے۔ سلطان کی نوازشوں نے سب کے دل جیت لیے تھے۔ اس دوران کہ محفل کی شادمانیاں عروج پر تھیں، سلطان کے حاجب نے آکر ان کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے یہ دردناک اطلاع دی کہ تاج الملوک دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔

سلطان کے لیے یہ وقت بڑی آزمائش کا تھا۔ پیارے بھائی کی جدائی کا غم دل و جگر کو چھلنی کر رہا تھا مگر مہمانوں کو اپنے رنج و غم میں شامل کر کے مسرتوں کی فضا سے محروم کر دینا سلطان کو گوارا نہ ہوا۔ انہوں نے حیرت انگیز قوتِ برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے چہرے پر ذرا بھی تغیر نمودار نہ ہونے دیا۔ اپنی توجہ مہمانوں کے اعزاز و اکرام پر مرکوز رکھی، البتہ چپکے سے بعض خواص کو کہہ دیا کہ وہ جا کر تاج الملوک کی تجہیز و تکفین کا کام شروع کر دیں۔

سلطان نے عمادالدین کو رخصت کرنے سے پہلے گراں قدر تحائف اور اپنے اصطبل کے بہترین گھوڑے پیش کیے، اس کے امراء میں سے بھی بہت سوں کو خلعتوں سے نوازا۔ جب محفل برخاست ہوئی اور مہمان رخصت ہو چکے تب سلطان صلاح الدین "انا للّٰہ وانا إلیہ راجعون" کہتے ہوئے تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ غم واندوہ کے جس طوفان کو اب تک وہ خداداد ہمت کی بدولت دبائے ہوئے بیٹھے تھے وہ اب اشکوں کی صورت میں بہہ نکلا۔ سلطان کچھ دیر اپنے کم عمر بھائی کی وفات پر روتے رہے۔ پھر اس کی تجہیز و تکفین میں شرکت کی اور نماز جنازہ ادا کی۔

حلب فتح ہو چکا تھا مگر سلطان نے اس کے بعد بھی شہر میں داخل ہونے سے کسی عجلت کا مظاہرہ نہ کیا جیسا کہ یہ ان کے لیے ایک عام سی بات ہو۔ ❷

❶ الکامل فی التاریخ: 7/302 ❷ سنا البرق الشامی: 1/144، تاریخ ابن خلدون: 5/130، کتاب الروضتین: 2/166_168

جب عمادالدین حلب سے رخصت ہوا۔ 16 صفر 579ھ (9جون 1183ء) کو عمادالدین کے نمائندے سلطان سے حسب وعدہ جاگیریں طلب کرنے حاضر خدمت ہوئے، سلطان نے سنجار، نصیبین اور خابور کی ولایت کی اسناد ان کے حوالے کر دیں۔ ان لوگوں نے حلب کا قلعہ سلطان کے نمائندوں کے سپرد کر دیا۔

سلطان نے عمادالدین پر واضح کر دیا تھا کہ انہیں صرف حلب کی زمین اور دیواریں چاہئیں، اس لیے وہ جو کچھ ساتھ لے جاسکتا ہے لے جائے، چنانچہ عمادالدین نے قلعے اور محل میں جو کچھ تھا، سب سمیٹ لیا تھا۔ جو چیزیں ساتھ لے جانا ممکن نہ تھا، انہیں فوراً بازار میں فروخت کر ڈالا۔ سلطان نے عمادالدین کو زیادہ سے زیادہ سامان لے جانے میں سہولت کے لیے بہت سے گھوڑے، اونٹ اور خچر بھی دے دیے تھے۔ عمادالدین اور سلطان کے درمیان معاہدے میں یہ طے پا گیا تھا کہ جب بھی سلطان کو ضرورت پڑے گی عمادالدین اپنے لشکر سمیت خود ان کی امداد کے لیے پہنچے گا اور کسی قسم کی کوتاہی روا نہیں رکھے گا۔ گویا اب عمادالدین سلطان کا ماتحت تھا۔ اس کی خودمختاری ختم ہو چکی تھی۔

حلب اب سلطان صلاح الدین کا تھا۔ عمادالدین نے اپنا ساز وسامان اور مال واسباب سمیٹ کر نورالدین زنگی کے عظیم شہر کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا۔ 16 صفر 579ھ (9جون) کو وہ اپنے خاص مصاحبین کے ساتھ حلب کی فصیل سے نکلا۔ ادھر سلطان بھی اس سے الوداعی ملاقات کے لیے نکلے۔ ان کا آمنا سامنا حلب کی شمالی فصیل کے باہر ہوا۔ دونوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ اسی حالت میں ایک دوسرے کو سلام کیا۔ کچھ دیر بعد عمادالدین کا بیٹا قطب الدین بھی پہنچ گیا، سلطان کو دیکھتے ہی وہ گھوڑے سے اتر پڑا۔ سلطان نے بھی انتہائی شفقت کا ثبوت دیتے ہوئے گھوڑے سے نیچے اتر کر اسے گلے لگا لیا۔ ان باپ بیٹے کو میدان اخضر کی خیمہ گاہ میں لایا گیا جہاں سلطان نے ان پر انعامات کی بارش کر دی۔ عتابی، اطلس، عتق اور مہرش کپڑوں کے بیس صندوقچے ان کے حوالے کیے۔ یہ اس زمانے کے اعلیٰ ترین قسم کے کپڑے تھیں۔ چمڑے کے دس گرم لباس، پانچ خاص خلعتیں جن پر عمادالدین اور قطب الدین کے نام تھے، ایک سو کرتے، ایک سوویسٹ کوٹ، ساز وسامان سمیت دو عربی باندیاں، باربرداری کے جانور جن میں خچر اور اونٹ شامل تھے، انہیں ہدیہ کر دیے۔ پرتکلف کھانے سے فارغ ہو کر جب عمادالدین رخصت ہونے لگا تو سلطان بھی گھوڑے پر سوار ہو کر کچھ دور تک اسے چھوڑنے گئے۔ عمادالدین قراحصار کے راستے سنجار کی طرف روانہ ہو گیا۔[1]

[1] کتاب الروضتین: 106/3

بعض مؤرخین نے عمادالدین کے حلب سے دستبرداری کے فیصلے کو حماقت سے تعبیر کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ عمادالدین کا یہ فیصلہ نہ صرف امت مسلمہ کے بلکہ خود اس کے حق میں بھی مفید ثابت ہوا۔ اگر وہ ضد پر اڑا رہتا تب بھی سلطان کے آہنی عزم کو نہیں بدل سکتا تھا، حلب ایک مستقل محاذ بن جاتا جہاں دونوں حکمرانوں کی طاقت ضائع ہوتی رہتی۔ اب اس کے بدلے عمادالدین کو سنجار اور دیگر وسیع و عریض علاقوں پر عزت کے ساتھ حکومت کرنے اور جہاد کی مہمات میں سلطان کا ساتھ دینے کا موقع مل رہا تھا لہٰذا اس فیصلے میں خیر ہی خیر تھی۔ اس فیصلے نے سلطان کو ان مہمات کے تسلسل سے بھی بچا لیا جو حلب سے محرومی کی صورت میں عراق و شام کے مخالفین کے بار بار سر اٹھانے سے پیش آسکتی تھیں۔ اب سلطان کے لیے القدس کا طویل سفر مختصر ہو گیا تھا۔

اے اللہ! تو ہی بادشاہت کا مالک ہے ﷺ 18 صفر 579ھ (11 جون 1183ء) سلطان کا نارنجی پرچم قلعۂ حلب کی فصیل پر نصب کر دیا گیا۔ کچھ دیر بعد سلطان فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہو گئے۔ نورالدین زنگی کا حلب اب اس کے اصل وارث کو مل گیا تھا جو اپنے مجاہد آقا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ارض شام و فلسطین اور بیت المقدس سے صلیبیوں کو بے دخل کرنا اپنی زندگی کا سب سے بڑا فرض تصور کرتا تھا۔

سلطان سب سے پہلے شہر کے عظیم الشان قلعے کی طرف چلے جس کی ہر اینٹ پر سلطان نورالدین زنگی کے شکوہ و دبدبے اور اس کی انتھک جہادی مہمات کی داستانیں نقش تھیں۔ سلطان صلاح الدین باب الجبل سے قلعے میں داخل ہوئے، اس کی بلندی پر پہنچ کر ان کی زباں پر بے اختیار قرآن مجید کی یہ آیت جاری ہو گئیں:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

”کہو اے خدا اے بادشاہی کے مالک! تو جس کو چاہے بادشاہی بخش دے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے۔ اور جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کرے۔ ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے۔ اور بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔“[1]

اس لمحے سلطان ماضی کے دھندلکوں میں جھانکتے ہوئے وہ زمانہ یاد کر رہے تھے جب وہ اپنے مربی نورالدین زنگی کے ساتھ یہاں گھوما پھرا کرتے تھے۔ سلطان نے ان دنوں کو یاد کرتے ہوئے کہا:

[1] سورۂ آل عمران، آیت:26

"ایک دن وہ بھی تھا جب میں نورالدین رحمہ اللہ کے ساتھ اس قلعے کی بلندی پر چڑھا تھا۔ یہاں میں نے ان سے اسی آیت کی تلاوت سنی۔ وہ پڑھ رہے تھے:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ﴾

سلطان کے چہرے سے مسرت کے سوتے پھوٹ رہے تھے وہ فرما رہے تھے:

"اللہ کی قسم! مجھے اس شہر کی فتح سے جتنی خوشی ہو رہی ہے اتنی کسی فتح سے بھی نہ ہوئی۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میں سب (مقبوضہ اسلامی) شہروں کو فتح کر لوں گا۔ مجھے اطمینان ہے کہ میری سلطنت اب مستحکم ہو گئی ہے۔"

قلعے کے باب عمادالدین پر پہنچ کر سلطان کے ہونٹوں پر یہ آیت سنائی دے رہی تھی:

﴿وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا﴾

"اور ان کی زمین اور ان کے گھروں کا اور ان کے مال کا اور اس زمین کا جس میں تم نے پاؤں بھی نہیں رکھا تھا تمہیں وارث بنا دیا۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔"[10]

سلطان نے یہاں ایک جگہ دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی جس میں بہت طویل سجدے کیے۔ پھر پورے قلعے کا ایک چکر لگا کر دوبارہ شہر کے باہر اپنی خیمہ گاہ میں چلے گئے۔ فتح حلب کی خوشی میں ایک مجلس آراستہ کی گئی جس میں امراء نے سلطان کو مبارکباد پیش کی اور شعراء نے اپنا کلام سنایا۔ یوسف بزاعی نے کہا:

شَرُفَتْ بِسَامِي مَجْدِكَ الشَّهْبَاءُ وَتَجَلَّلَتْهَا بَهْجَةٌ وَضِيَاءُ

"شہر حلب جو اپنے پتھروں کی سفیدی کی وجہ سے) شہباء (کہلاتا ہے) آپ کی عظمت کی وجہ سے شرف پا گیا ہے اور یہاں رونقیں اور روشنیاں پھیل گئی ہیں۔"

أَلْقَتْ عَلَيْكَ قِيَادَهَا وَبِهَا عَلٰى كُلِّ الْمُلُوْكِ تَرَفُّعٌ وَإِبَاءُ

"اس شہر نے خود آپ کو اپنی زمام تھما دی ہے حالانکہ یہ باقی تمام بادشاہوں کے سامنے سربلند اور ڈٹا رہا ہے۔"

مشہور شیعہ مؤرخ ابن ابی طی کے والد ابو طی النجار نے کہا:

حَلَبُ شَامَةُ الشَّامِ وَقَدْ زِيْدَتْ جَلَالًا بِيُوْسُفَ وَجَمَالًا

10 [illegible] الاحزاب:27

''حلب شام کا دل ہے جسے یوسف کے ذریعے بیعت اور مزید حسن و جمال نصیب ہوگیا۔''

حلب کی باگ ڈور سنبھالتے ہی سلطان نے عدل و انصاف کا بول بالا کر دیا، ٹیکس معاف کر دیے۔ دمشق کے قاضی محی الدین زکی کو حلب بلا کر یہاں کا عہدۂ قضا سونپ دیا، قاضی ابن بانیاس کو ان کا نائب مقرر کیا تاکہ ان ہستیوں کے دم سے اس مرکزی شہر کے باشندوں کو گھروں کی دہلیز پر انصاف میسر ہوا۔ [1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''حلب کی فتح سے سلطان صلاح الدین کی حکومت مضبوط ہوگئی۔ اس کے بغیر وہ ڈگمگا رہی تھی مگر اب حلب پر قبضے سے سلطان کے قدم مضبوط ہوگئے۔'' [2]

<u>صرف اللہ کا کلمہ بلند ہو</u>: اس موقع پر سلطان نے خلیفۂ بغداد کو ایک اہم مکتوب روانہ کیا جس میں فتح حلب کی خوشخبری دینے کے بعد اپنے مقاصد اور عزائم کی وضاحت اور مخالفین کے الزامات کی تردید کرتے ہوئے تحریر کیا:

''خادم صرف اس بات کو ترجیح دیتا ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، انہیں کوئی ضرر نہ پہنچے۔ خادم صرف یہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں کی افواج اپنے دشمن کے خلاف متحد ہو جائیں نہ کہ تکبر کی بناء پر آپس میں حسد کرتی رہیں۔ اگر عسکری امور میں فیصلوں کا اختیار بہت سے افراد میں تقسیم کرنا بہتر ہوتا تو خادم کو ایسی کسی مجلسِ ادارت کا عام سارکن بننے سے بھی انکار نہ تھا۔ خادم کو یہ بھی برا محسوس نہ ہوتا کہ اس زمین کے حکمران بہت سے رہتے، مگر جنگی معاملات کا نظم و ضبط تب ہی قائم رہ سکتا ہے جب اعلیٰ کمان ایک شخص کے ہاتھ میں ہو۔ جب نظم و ضبط درست ہو جائے تو مقابلے کے لیے پھر صرف وسائل کی ضرورت رہ جاتی ہے۔

خادم کے تین مقاصد ہیں: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، اللہ کے بندوں پر ہونے والے ظلم و ستم کو روکنا، اور خلیفۂ وقت کی اطاعت کرانا۔ شہروں کی فتوحات سے خادم کی صرف یہی آرزو ہے اور دنیا مل جانے پر خادم کا حصہ اس میں سے اتنا ہی ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ بندہ نہ تو اس زندگی سے زیادہ آرام دہ زندگی کی خاطر جنگ کر رہا ہے نہ کسی غیظ و غضب کی بناء پر ایسا کر رہا ہے۔ اس کے مقاصد وہی ہیں جو ذکر کیے گئے ہیں۔ خادم اسی بات کی نیت کیے ہوئے ہے کہ جو اعمال نامہ میں لکھی جانے والی باتوں میں بہترین بات ہے۔'' [3]

---

1. کتاب الروضتین: 3/167، 168
2. البدایہ والنہایہ: تحت 579ھ
3. کتاب الروضتین: 3/178، 179

فوج کی دواہم کامیابیاں: جب سلطان حلب کے محاصرے میں مشغول تھے مصر میں سلطان کی فوج کو دو مزید اہم کامیابیاں نصیب ہو چکی تھیں۔ غزہ سے 12 میل دور مصر کی جانب جاتے ہوئے ''داروم'' نامی ایک چھوٹا سا شہر پڑتا ہے جس کے قلعے کے برجوں سے سمندر صاف دکھائی دیتا ہے۔ یہاں عیسائی قابض تھے۔ محرم 579ھ (مئی 1183ء) میں داروم اور اس کے گردونواح سے نصرانیوں کی ایک فوج مصر کے دیہاتوں پر شب خون مارنے روانہ ہوئی۔ مصر میں سلطان کے نائب الملک العادل نے یہ اطلاع ملتے ہی سعد الدین اور علم الدین قیصر کی قیادت میں ایک فوج روانہ کر دی۔ مسلمان ایلہ سے ہوتے ہوئے انہیں روکنے کے لیے آگے بڑھے۔ صحرائی راستے میں ان کے پانی کا ذخیرہ ختم ہونے کو تھا، اکثر سپاہی پیاس سے بے حال تھے، انہیں عسیلہ میں پانی ملنے کی امید تھے مگر جب وہ وہاں پہنچے تو عیسائی فوج کو اپنے سامنے پایا۔ یہاں صرف ایک چشمہ تھا جس پر عیسائی پہلے پہنچ کر قبضہ کر چکے تھے۔ یہ شدید گرمی کا موسم تھا، صحرا کی بھاپ اٹھتی تھی، گرم ریت اور سورج کی تمازت ہوش اڑانے کے لیے کافی تھی۔ ایسے میں تشنہ لب سپاہیوں کا پانی سے محروم رہ جانا جنگ سے پہلے ہی ہلاکت کا باعث ہو سکتا تھا۔

مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس کی غیبی مدد طلب کی۔ دعا قبول ہوئی اور کچھ ہی دیر میں موسم ابر آلود ہو گیا، بادل کھل کر برسا اور مسلمان اچھی طرح سیراب ہو کر مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس نصرت خداوندی نے ان کی ہمتوں کو بہت بلند کر دیا۔ چنانچہ معرکے میں نصرانیوں کو شکست فاش ہوئی اور ان میں سے چند ایک کے سوا سب مارے گئے۔ دس محرم 579ھ (4 مئی) کو مصر کی بحری فوج نے یورپ سے آنے والے ایک فوجی جہاز کا راستہ روک لیا جو مال و دولت اور اسلحے کے ذخائر لے کر شام کی عیسائی ریاستوں کی مدد کے لیے جا رہا تھا، اس میں تین سو سپاہی تھے۔ مصری مسلمانوں نے انہیں روکا تو جنگ شروع ہو گئی۔ ایک صبر آزما معرکے کے بعد نصرانیوں کو شکست ہوئی، بہت سے قتل ہوئے اور باقی گرفتار کر کے مصر پہنچا دیے گئے۔ ان کا تمام اسلحہ اور مال سرکاری خزانے میں پہنچ گیا۔

سلطان صلاح الدین کو ان دونوں کامیابیوں کی خوشخبری ماہ صفر میں حلب کی فتح کے ساتھ ملی جس سے فتح حلب کی مسرت دوچند ہو گئی۔ ⁵

حارم کی فتح: حلب پر قبضہ مستحکم رکھنے کے لیے حارم کے عظیم الشان قلعے کو حاصل کرنا بہت ضروری تھا۔ یہاں گمشتگین کا ایک نائب جو سلطان نورالدین زنگی مرحوم کا کوئی غلام تھا، قبضہ جمائے ہوئے تھا، اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ فرنگیوں سے تعلقات بڑھا رہا ہے۔ سلطان صلاح الدین نے

⁵ الهرج: 141/5_143

اسے اطاعت پر آمادہ کرنے کے لیے اس سے خط و کتابت شروع کی۔ اسے بصریٰ کی ولایت، دمشق کے مضافات میں اپنی ذاتی جاگیر، اپنے باپ نجم الدین ایوب کی شاندار حویلی ''دار العقیقی'' اور 30 ہزار دینار دینے کا وعدہ کیا مگر وہ نہ مانا۔ سلطان نے یہاں تک لکھ بھیجا کہ حارم کے بدلے جو علاقے پسند ہوں مانگ لو مگر قلعہ دار مزید سخت شرائط پیش کرتا رہا۔ خوش قسمتی سے قلعے کا چوب دار سلطان کا خیر خواہ تھا۔ اس نے سلطان سے خفیہ رابطہ کر کے قلعے پر قبضے کی یقین دہانی کرائی مگر اس خدمت کے بدلے معقول معاوضہ طلب کیا۔ سلطان نے وعدہ کر لیا۔ ایک دن قلعہ دار کسی کام سے قلعے سے باہر نکلا تو چوب دار نے قلعے کے دروازے بند کرا دیے اور سلطان کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ جوں ہی سلطان کو اطلاع ملی انہوں نے فوراً تقی الدین عمر کو روانہ کر دیا مگر قلعے پر قابض چوب دار نے کہا کہ وہ قلعے کے دروازے سلطان کے آنے پر کھولے گا۔ اب سلطان صلاح الدین خود چند مصاحبین اور ایک دستے کے ساتھ حارم کی طرف نکلے۔ جب قلعے کے نزدیک پہنچے تو چوب دار اور قلعے کے دیگر افسران نیچے اتر آئے اور قلعے کی چابیاں ان کے حوالے کر دیں سلطان نے فوراً قلعے پر قبضہ کر لیا۔ [1]

ان کی باتوں پر کان نہ دھریں ❁ اس موقع پر ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ حارم کا چوب دار اور اس کے ساتھی سلطان سے انعام و اکرام وصول کرنے حاضر ہوئے۔ انہوں نے سلطان سے گفتگو کے دوران اپنی کارگزاری سناتے ہوئے قلعہ دار پر الزام لگایا کہ وہ فرنگیوں سے ساز باز کر رہا تھا۔

دربار میں دایہ خاندان کا مشہور امیر بدر الدین حسن ابن دایہ بھی موجود تھا۔ وہ اہلِ حارم کے خلاف جلا بھنا بیٹھا تھا۔ ان پر سلطان کی عنایات دیکھ کر برداشت نہ کر سکا اور کسی لحاظ کے بغیر بول اٹھا:

''آقا ان لوگوں کی بات پر کان نہ دھریں، انہوں نے اس قلعہ دار کو اذیت بھی دی، اس پر فرنگیوں سے دوستی کا جھوٹا الزام بھی لگا دیا اور انجام کار اسے ان مراعات و انعامات سے محروم کر دیا جن کا آپ قلعے کی حوالگی کی صورت میں وعدہ کر چکے تھے۔ میں یہ بات ذاتی تجربے کی بناء پر کہہ رہا ہوں۔ جس زمانے میں میں اس قلعے کا والی تھا، ان لوگوں نے مجھ پر بھی جھوٹے الزام عاید کیے تھے اور مجھ سے ایسے معاملات کیے تھے کہ میں بربادی کے قریب جا پہنچا تھا۔ انہوں نے میرے ساتھ بھی بڑا ظلم کیا تھا، ہر بے ہودہ بات مجھ سے منسوب کی، انہوں نے میرا گھر ویران کر دیا، میرے اس قلعے سے معزول کیے جانے کا سبب یہی لوگ تھے۔ انہوں نے اس بے چارے قلعہ دار کے ساتھ جو کچھ کیا وہ آپ کے سامنے ہے۔ وہ شہر سے باہر تھا کہ انہوں

[1] کتاب الروضتین: 2/172، 173؛ مفرج الکروب: 1/146؛ الکامل فی التاریخ: 7/303

نے قلعے کے دروازے بند کر دیے۔ اس پر فرنگیوں سے صلح کا جھوٹا الزام بھی لگایا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اور اب مجھے لگ رہا ہے کہ سلطان اس تجربے کے باوجود انہی لوگوں کو اس قلعے کی ذمہ داری سونپ دیں گے۔ تو جناب اگر ایسا ہی کرنا ہے تو ان سے کم از کم محتاط تو ضرور رہیں۔"

وہ سانس لیے بغیر جلے بھنے انداز میں کہتا چلا گیا اور سلطان ہنس پڑے۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد انہوں نے پہلے چوب دار اور اس کے ساتھیوں کو ان کی توقع سے بڑھ کر انعام و اکرام سے نوازنے کا حکم دیا۔ پھر ابن دایہ سے مخاطب ہو کر کہا:

"ابھی ہمارے سامنے کئی مقامات ہیں جنہیں ہم فتح کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم اپنے وعدے پورے نہیں کریں گے اور لوگوں کو دل کھول کر نہیں دیں گے تو ہم پر کوئی بھی اعتماد نہیں کرے گا۔"[1]

سلطان ایوبی دو راتیں حارم میں گزارنے کے بعد واپس حلب روانہ ہو گئے تاہم انہوں نے ابن دایہ کی بات کا خیال کرتے ہوئے اتنی احتیاط ضرور برتی کہ چوب دار اور اس کے ساتھیوں کی بجائے حارم کے قلعے کی ذمہ داری ایک اور امیر ابراہیم بن شردہ کو سونپ دی۔[2]

---

[1] مفرج الکروب: 1/146؛ کتاب الروضتین: 3/173
[2] النوادر السلطانیۃ، ص 106؛ کتاب الروضتین: 3/173

فصل:4

گستاخ نصرانیوں کو سزا دینے کی مہم

حارم سے واپسی پر سلطان صلاح الدین ایوبی 3 ربیع الاوّل 579ھ (25 جون 1183ء) کو دوبارہ حلب پہنچے۔ اب وہ ان بدطینت نصرانیوں کی سرکوبی کرنا چاہتے تھے جو حجازِ مقدس تک کو اپنی ناپاک سازشوں کا نشانہ بنانے پر تلے ہوئے تھے۔ سلطان کے قدم اب شام میں اتنے مضبوط ہو چکے تھے کہ انہیں پشت سے کسی رخنہ اندازی کا خطرہ نہیں تھا۔ صرف موصل میں عزالدین مسعود اب تک سرنگوں نہیں ہوا تھا مگر اس سال اپنے وزیر مجاہدالدین قایماز سے اختلافات نے موصل کی اتابک سلطنت کا رہا سہا وقار بھی ختم کر دیا تھا۔ مجاہدالدین قایماز کو عتابِ شاہی کا نشانہ بن کر جیل کی ہوا کھانا پڑی تھی جبکہ عزالدین مسعود کے کئی امراء اس ناروا فیصلے سے اختلاف کرتے ہوئے اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ یوں سلطان کے رہے سہے مخالفین خود آپس میں لڑ بھڑ رہے تھے اور سلطان کو ان سے کوئی خدشہ نہیں رہا تھا۔

مگر اس سے قبل کہ سلطان عیسائی ریاستوں کی جانب قدم بڑھاتے، انہوں نے مفتوحہ علاقوں کے نظم وضبط کو بہتر سے بہتر بنانے کی طرف توجہ دی، شہروں اور قلعوں کے والیوں کی نئی تشکیلات طے کیں۔ حلب میں عارضی طور پر اپنے بیٹے الملک الظاہر غازی کو انتظامی امور سونپے اور اپنے آزمودہ کار امیر سیف الدین یازکوج کو قلعہ دار بنایا۔ تل خالد کی جاگیر بدرالدین یاروقی کو بخش دی جو کہ پہلے تل باشر کا جاگیردار بھی تھا۔ عزاز کے قلعے کا مسئلہ ذرا پیچیدہ تھا کیوں کہ سابق حاکم حلب عمادالدین نے اسے بیرونی حملہ آوروں کے لیے ناکارہ بنانے کی خاطر تباہ کر دیا تھا۔ سلطان نے اسے علم الدین سلیمان کے حوالے کر کے دوبارہ تعمیر کرانے کا حکم دیا۔ [1]

<u>حاکم انطاکیہ کی مصلحت پسندی</u>❁ اب سلطان نے اپنے امراء اور حلیفوں کو خطوط روانہ کیے کہ وہ <u>جہاد کی تیاریاں شروع کر دیں تاکہ گستاخ نصرانیوں کو عبرتناک سزا دی جائے</u>۔ سلطان ایوبی بدبخت

[1] سنا البرق الشامی: 1/146، الکامل فی التاریخ: 7/303

ریجی نالڈ کو نشانِ عبرت بنا دینا چاہتے تھے جس نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کی جسارت کی تھی۔ تاہم ریجی نالڈ کے مضبوط قلعے کرک سے پہلے دیگر کئی علاقوں پر قبضہ ضروری تھا۔

سلطان کی تیاریوں سے عیسائی ریاستوں میں خوف و دہشت کی لہر دوڑ گئی تھی۔ خاص طور پر حلب کے نزدیک انطاکیہ کی عیسائی ریاست کا حاکم اپنے علاقے کو شدید خطرے کی زد میں دیکھ رہا تھا۔ اس سے قبل اس کی سلطان کے ساتھ صلح چل رہی تھی اور بظاہر وہ صلح کو نبھا بھی رہا تھا مگر حلب کی فتح کے ساتھ یہ مدتِ صلح پوری ہو چکی تھی۔ آخر حاکمِ انطاکیہ نے مصلحت پسندی سے کام لیتے ہوئے اپنے سفیر سلطان کی خدمت میں بھیج دیے جن کے ساتھ بہت سے مسلمان قیدی بھی تھے جنہیں سلطان کی خوشنودی کے لیے آزاد کیا گیا تھا۔ سفیروں نے سلطان سے صلح نامے کی تجدید کی درخواست کی۔ سلطان نے اسے قبول کر لیا کیوں کہ اس طرح دشمن کی طاقت خود منتشر ہو رہی تھی۔ [1]

دمشق میں 24 دن: فرنگیوں پر حملے شروع کرنے سے پہلے سلطان نے دمشق پہنچ کر رعایا کو حلب اور دیگر تازہ فتوحات کی خوشیوں میں شریک کرنا مناسب سمجھا۔ چنانچہ ہفتہ 22 ربیع الثانی 579ھ (13/ اگست 1183ء) کو وہ حلب سے دمشق روانہ ہو گئے، الجزیرہ اور حلب کی افواج ان کے ہمراہ تھیں۔ قنسرین، تلِ سلطان اور جباب سے ہوتے ہوئے دو دن بعد یہ لشکر حماۃ پہنچا تو تقی الدین عمر نے یہاں سلطان اور امراء کے اعزاز میں ایک شاندار دعوت کی۔

سلطان یہاں آدھے دن سے زیادہ نہ رکے اور مسلسل کوچ و قیام کرتے ہوئے حمص اور بعلبک کے راستے سے 3 جمادی الاولیٰ 579ھ کو (23 اگست) دمشق پہنچ گئے۔ عوام نے شہر سے باہر آکر فاتح حکمران کا پرجوش استقبال کیا۔ سلطان نے دارالحکومت میں صرف 24 دن گزارے اور اس کے فوراً بعد فوج کو اردن کی عیسائی ریاست بیسان پر حملے کے لیے کوچ کا حکم دیا۔ [2]

جہاد کے لیے روانگی: 27 جمادی الاولیٰ 579ھ (16 ستمبر) کو وہ اپنے لشکر کے ساتھ دمشق سے نکلے اور دریائے اردن کے چوبی پل کے پاس پڑاؤ ڈال دیا۔ نو دن تک سلطان کی افواج یہاں جمع ہوتی رہیں۔ 8 جمادی الثانیہ (27 ستمبر) کو سلطان نے "فوار" پہنچ کر فوج کو جنگی ساز و سامان تیار کر لینے کا حکم دیا اور تمام تیاریوں کے ساتھ آگے بڑھے۔ قصیر میں رات گزار کر اگلے دن وہ اسلامی اور عیسائی ریاستوں کی سرحدی لائن "الحسینیہ" کے مشہور دریائی گھاٹ کو عبور کر چکے تھے۔

سلطان نے اپنے ہراول دستے کو عزالدین جردیک اور جاولی جیسے آزمودہ کار امراء کی قیادت میں

[1] سلطان نامہ: 1/144_146
[2] سلطان نامہ: 1/161

آگے بھیج دیا تھا۔ 10 جمادی الثانیہ (29 ستمبر) کو اس دستے کا فرنگیوں کی اس فوج سے تصادم ہو گیا جو مشہور عیسائی نائٹ ہمفری کے نوجوان بیٹے کی کمان میں "شوبک" اور "کرک" سے چلی آرہی تھی، یہ فوج مقامی نصرانیوں کی کمک کے لیے بھیجی گئی تھی مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنی منزل تک پہنچتی سلطان کے ہراول نے اسے جا لیا۔ ایک خون ریز جھڑپ کے بعد فرنگی بھاگ نکلے، ان کے بیسیوں افراد قتل ہوئے جبکہ سو کے قریب گرفتار ہو گئے۔ مسلمانوں کا صرف ایک آدمی کام آیا۔

ادھر سلطان جب بیسان پہنچے تو دیکھا عیسائی یہ علاقہ چھوڑ کر جا چکے ہیں، وہ بھاری بھرکم سامان کے سوا سب کچھ لاد کر لے گئے تھے، سلطان کی فوج نے وہاں باقی ماندہ ذخائر کو لوٹ لیا اور جو سامان اٹھا کر لے جانا ممکن نہ تھا اسے نذر آتش کر دیا۔ اس کے بعد سلطان عین جالوت کے مشہور چشمے کے کنارے ٹھہر کر نصرانیوں کی ٹوہ لینے لگے۔ ❶

<u>فولہ کا معرکہ</u>: 11 جمادی الثانیہ کو سلطان نے صفوریہ میں عیسائی افواج کے زبردست اجتماع کی خبر سنی جو فولہ (بالفور) کی طرف بڑھ رہے تھے۔ سلطان نے بلا تاخیر ادھر کا رخ کیا۔ عیسائی بھی بڑھے چلے آرہے تھے، یہ پندرہ ہزار پیادے، پندرہ سو نیزہ باز اور پندرہ سو گھڑ سوار تھے۔ لین پول کے مطابق اس فوج میں یورپ اور شام کے بڑے بڑے سورما اور بہادر شامل تھے، عیسائی اتنی بڑی تعداد میں پہلے کبھی جمع نہیں ہوئے تھے۔

فولہ سے کچھ فاصلے پر دونوں فوجوں میں گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں نصرانیوں کے بہت سے افراد قتل اور بہت سے زخمی ہو گئے پھر بھی وہ ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے مگر کچھ دیر بعد انہیں معلوم ہو گیا کہ کھلے میدان میں شکست یقینی ہے چنانچہ انہوں نے منظم انداز میں پسپائی شروع کر دی۔ سلطان کے سپاہی ان کا تعاقب کر کے حملے کرتے رہے مگر نصرانیوں کے پیادہ اور سوار ایک دوسرے کی ڈھال بن کر کسی خاص نقصان کے بغیر مسلسل ایک طرف بڑھتے رہے۔ یاد رہے کہ اس دور میں پیش قدمی یا پسپائی میں صلیبیوں کا انداز بڑا منظم ہوتا تھا۔ اس تکنیک میں وہ مسلمانوں پر فوقیت رکھتے تھے۔ ان کی رفتار بڑی سست ہوتی تھی مگر لشکر اس طرح چلتا تھا کہ کوئی سپاہی اپنی جگہ سے ذرا بھی ادھر اُدھر نہیں ہوتا تھا۔ وہ اپنی قد آدم ڈھالیں اس انداز میں تان کر چلتے تھے کہ پورا لشکر لوہے کی ایک چادر میں چھپا ہوا معلوم ہوتا تھا اور دائیں بائیں سے تیر اندازی یا گھڑ سواروں کی نیزہ بازی ان میں کوئی رخنہ نہیں ڈال سکتی تھی۔

صلیبی لشکر اسی طرح سرکتا ہوا اپنی چھاؤنی تک پہنچ گیا جو ایک چشمے کے کنارے پہاڑ کے دامن میں

❶ الروضتین: 3/186، مفرج الکروب: 1/162

تھی اور اس کے تین اطراف میں چوڑی اور گہری خندق کھودی گئی تھی۔ مسلمان جب وہاں پہنچے تو صلیبی محفوظ دفاعی ہیئت میں تھے۔ پشت پر پہاڑ کی وجہ سے ان کا عقب بھی محفوظ تھا۔ سلطان نے اس حالت میں ان پر حملہ کرنا بے سود سمجھا اور کچھ فاصلے پر رک کر انہیں موقع دیا کہ وہ تیار ہو کر نئی صف بندی کے ساتھ مقابلے پر آئیں مگر نصرانیوں نے آخر تک دفاعی حکمت عملی اپنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ سلطان کے سپاہیوں کی تیر اندازی، سنگ باری اور مقابلے پر ابھارنے والے نعروں کے باوجود وہ اپنی جگہ جمے رہے۔ اردگرد کی بستیوں پر مسلمانوں کے شب خون کا سلسلہ بھی انہیں مقابلے پر برانگیختہ نہ کر سکا۔ اگرچہ اس جگہ ان کے پاس کمک و رسد کا کوئی انتظام نہ تھا اس لیے سلطان کی جانب سے باقاعدہ محاصرے کی صورت میں ان کے سخت مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں مگر اس کے باوجود وہ ہتھیار ڈالنے پر آمادہ تھے نہ لڑنے پر۔ دراصل انہیں یہ اطمینان تھا کہ کم از کم اس حالت میں مسلمان ان پر حملہ نہیں کر سکیں گے اور شاید انہیں جلد ہی کسی اور مہم پر جانا پڑے گا لہٰذا وہ زیادہ دنوں تک انتظار بھی نہیں کر سکیں گے۔

لین پول نے فرنگیوں کے میدان میں نکل کر داد شجاعت نہ دینے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ عیسائی امراء میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔ ممکن ہے ایسا بھی ہوا ہو۔ مگر اصل بات یہ تھی کہ یورپ کے صلیبی کھلے میدان میں مسلمانوں کی ہم پلہ فوج سے لڑنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ یہ ان کا خاص انداز جنگ تھا کہ وہ جہاں چھاؤنی لگاتے وہاں مدتوں جمے رہتے۔ اپنے پڑاؤ کو خندقوں، مٹی کی قد آدم دیواروں اور چپے چپے پر تیر اندازوں کے ذریعے اس قدر محفوظ بنا لیتے تھے کہ ان پر شب خون مارنا بہت مشکل ہوتا تھا۔ یہ تدابیر وہ عموماً طاقتور دشمن کے مقابلے میں اختیار کرتے تھے اور جہاں تک ممکن ہوتا دفاعی ہیئت کو نہیں چھوڑتے تھے۔ ہاں جب دیکھتے کہ دشمن کمزور یا غافل ہو گیا ہے تو پھر طوفان کی طرح کھلے میدان میں نکل آتے۔ آگے ہم دیکھیں گے کہ تیسری صلیبی جنگ میں بھی یورپی نصرانیوں نے جگہ جگہ اسی انداز سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔

بہر کیف عیسائی امراء محصور رہے۔ ان کا اندازہ درست تھا کہ مسلمان زیادہ انتظار نہیں کر سکتے تھے۔ پانچ دن تک ان کی طرف سے حملے کے منتظر رہنے کے بعد جمعرات 16 جمادی الثانیہ 579ھ (15 اکتوبر) کو سلطان نے فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ واپسی کا اصل مقصد یہ تھا کہ دشمن کچھ ہمت کر کے میدان میں آ جائے۔ چنانچہ سلطان نے کچھ فاصلے پر جا کر کوہ طور کے دامن میں پڑاؤ ڈال دیا اور خندق کی پناہ لینے والے نصرانیوں کی نقل و حرکت کے منتظر رہے مگر جوں ہی نصرانیوں نے سلطان کو غائب پایا، وہ پہاڑی سلسلے اور خندق کے حصار سے نکل کر اپنے شہروں کی طرف بھاگ گئے۔

سلطان نے اپنا پڑاؤ چھوڑ کر ان کا تعاقب کیا اور بار بار کوشش کی کہ کسی طرح وہ رک کر باقاعدہ کھلے میدان کی جنگ پر آمادہ ہوں مگر عیسائی رکے بغیر بھاگتے چلے گئے اور فولہ (بالفور) کے قلعے میں جا کر دم لیا۔ وہاں سے وہ اپنے اپنے علاقوں کو لوٹ گئے۔

سلطان نے اس مہم میں جنین، عفربلا، زرعین اور بیسان سمیت نصرانیوں کی متعدد بستیاں ویران کر ڈالیں اور کامیاب وکامران ہو کر جمعرات 24 جمادی الاخریٰ 579ھ (13/ اکتوبر 1183ء) کو دمشق واپس پہنچے۔ ❶

قاضی بہاؤالدین شداد سلطان کی اس طوفانی مہم کا ذکر کر کے کہتے ہیں:

''اس ہمت وحوصلے کو دیکھیے کہ حلب کی فتح وکامرانی بھی سلطان کو جہاد سے بے فکر نہ رکھ سکی، بلکہ سلطان رحمہ اللہ کا شہروں کی فتح سے صرف یہ مقصد تھا کہ جہاد کی قوت حاصل کی جائے۔ اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں ایسا ہی بہترین بدلہ عطا کرے جیسا کہ دنیا میں انہیں اپنے پسندیدہ اعمال کی توفیق عنایت کی ہے۔'' ❷

<u>کرک کی مہم</u>: بیسان میں نصرانیوں کی شرمناک پسپائی کے بعد سلطان صلاح الدین نے اذرعات کے علاقے میں پڑاؤ ڈال دیا اور پوری تیاری کر کے رجب 579ھ (نومبر 1183ء) میں کرک کا محاصرہ کر لیا۔ یہ قلعہ ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا، اس کے گرد نوے فٹ گہری خندق تھی۔ خندق کے اردگرد شہری آبادی تھی۔ بزدل ریجی نالڈ میں باہر نکل کر مقابلے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ حسبِ عادت محصور ہو گیا۔ سلطان کی فوج نے آبادی پر قبضہ کر لیا مگر خندق کو عبور کرنا ممکن نہ ہو سکا۔ سلطان کے حکم سے سات منجنیقیں وہیں نصب کر دی گئیں اور فصیل پر بھاری پتھر پھینکے جانے لگے۔ سلطان نے اپنا خیمہ پڑاؤ سے آگے منجنیقوں کے قریب لگوا لیا تھا تاکہ سنگ باری کے نتائج کا بذاتِ خود مشاہدہ کرتے رہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے تیراندازوں کے گروہوں کو اس ترتیب سے قلعے کے گرد پھیلایا کہ جونہی محصور عیسائی قلعے کے جھروکوں سے جھانکتے تیروں کا نشانہ بن جاتے۔ اس کے باوجود قلعہ سر ہونے کے آثار دور دور تک دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ شدید سردی شروع ہو چکی تھی۔ کچھ نصرانیوں کے ''الوالہ'' میں جمع ہونے کی خبریں بھی ملنے لگیں تھیں۔ اس کے علاوہ سلطان منجنیقوں کی کارکردگی سے اندازہ لگا چکے تھے کہ یہ ہتھیار اتنے بڑے قلعے کو کبھی سرنگوں نہیں کر سکتے۔ اس کے لیے مزید تیاری کی ضرورت ہے۔ سپاہیوں کا یہ حال تھا کہ وہ تھک چکے تھے جبکہ سلطان شعبان کے ختم ہونے سے قبل واپس جا کر ماہ

❶ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/124_167؛ مفرج الکروب: 1/151_153 ❷ النوادر السلطانیہ، ص 110

مبارک یکسوئی کے ساتھ عبادت میں گزارنا چاہتے تھے۔ ان وجوہ کی بناء پر سلطان نے محاصرہ اٹھانے کا فیصلہ کرلیا، انہوں نے امرائے فوج کو حوصلے بلند رکھنے کے لیے انہیں کہا:

"یہ محاصرہ طویل ہوتا جارہا ہے، ہم قلعے کی ناکہ بندی کرچکے ہیں، اس محنت کے ضائع ہونے کا ڈر نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس قلعے پر اس وقت تک حملے کرتے رہیں گے جب تک اللہ تعالیٰ اس کی فتح کو آسان نہیں کردیتا۔ اب جبکہ فرنگی ایک جگہ جمع ہورہے ہیں انہیں ہماری فوج ہی جاکر منتشر کرسکتی ہے۔"

امرائے فوج کو محاصرہ اٹھانے کے لیے ذہنی طور پر تیار کرنے کے باوجود سلطان ماہ رجب کے آخر تک وہیں ٹھہرے رہے۔ شعبان میں انہوں نے دمشق کا رخ کیا۔

الوالہ میں جمع ہونے والے فرنگیوں کی پھر کوئی سن گن نہ ملی، شاید وہ سلطان کے خوف سے منتشر ہوگئے تھے۔ سلطان 14 شعبان 579ھ (یکم دسمبر 1183ء) کو دمشق پہنچ گئے۔[5]

مصر اور شام کی نئی عہدے داریاں: الملک العادل سلطان کا بھائی اور قابل اعتماد ساتھی تھا۔ سلطان اس کے مشوروں کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ سلطان کے مستقل طور پر شام منتقل ہوجانے کے بعد زمینی فاصلے اتنے بڑھ گئے تھے کہ الملک العادل سے بہت سے امور میں مشورہ کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ اس لیے سلطان چاہتے تھے کہ الملک العادل کو شام بلالیا جائے۔ حلب کی فتح کے بعد یہ ضرورت اور بڑھ گئی تھی، اس لیے کہ نورالدین زنگی کے پایۂ تخت کا انتظام سنبھالنا کوئی آسان کام نہیں تھا، پھر سلطنت میں بہت سے نئے علاقوں کی شمولیت نے انتظامی مشکلات بڑھادی تھیں۔ سلطان یہ بھی محسوس کررہے تھے کہ بیت المقدس کی آزادی کے لیے فیصلہ کن جنگ کا وقت قریب آچکا ہے اور اس کے لیے انہیں انتظامی معاملات کا بوجھ کم کرنے کی ضرورت ہے، یہ سہولت الملک العادل جیسے رفیق کار ہی کی بدولت حاصل ہوسکتی تھی۔

ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے سلطان نے حلب کی فتح کے بعد طے کرلیا تھا کہ اپنے بھائی کو مصر سے بلالیں گے مگر چوں کہ مصر کی حکومت سے محرومی کی صورت میں الملک العادل کی دل شکنی یقینی تھی اس لیے سلطان یہ بھی سوچ چکے تھے کہ اسے حلب کی عظیم الشان ولایت دے کر اس کی حوصلہ افزائی کردیں گے۔ اگرچہ حلب کی ولایت تقی الدین عمر کو دی جاچکی تھی اور نیابت کے طور پر وہاں سلطان کا لڑکا الملک الظاہر غازی تمام امور کا ذمہ دار تھا مگر سلطان نے الملک العادل کو راضی رکھنے کے لیے اپنے بیٹے کو آزمائش میں ڈالنا قبول کرلیا تھا۔ تقی الدین عمر کے بارے میں وہ بہرحال کوئی اور حوصلہ افزا فیصلہ

[5] مفرج الکروب: 1/153، 154؛ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/190؛ الکامل فی التاریخ: 7/305

کرنا چاہتے تھے کیوں کہ اس کی خدمات اسی لائق تھیں۔

اس موقع پر قاضی فاضل کی فراست کام آئی اور انہوں نے سلطان کو مخمصے میں پڑا دیکھ کر مشورہ دیا کہ تقی الدین عمر کو مصر کا والی بنا دیا جائے۔ سلطان کو یہ مشورہ پسند آیا۔ انہوں نے طے کر لیا کہ مصر تقی الدین کو اور حلب الملک العادل کو دے دیا جائے۔ جہاں تک ان کے اپنے لڑکے الملک الظاہر کا تعلق تھا سلطان کو اس کی دل شکنی کا یقین تھا مگر وہ اپنے اس سب سے باصلاحیت اور ہونہار بیٹے کی خوشی کو ملکی مصالح کے لیے قربان کر رہے تھے۔ انہیں اعتماد تھا کہ ان کا فرماں بردار بیٹا یہ کڑوا گھونٹ خاموشی سے پی لے گا۔

آخر سلطان نے حلب کی فتح کے کچھ دنوں بعد الملک العادل کو لکھ بھیجا کہ وہ اپنے اہل خانہ، سپاہیوں، خادموں اور مال و دولت سمیت شام چلا آئے۔ اس خط میں انہوں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ ان کا حلب کی حکومت کے بارے میں کیا ارادہ ہے۔ الملک العادل کے لیے یہ حکم نہایت گراں تھا تاہم اس نے بھی دل میں یہی سوچا کہ اگر سلطان مصر کی حکومت اس سے واپس لیتے ہیں تو اسے حلب کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ اس شش و پنج میں اس نے سلطان کے وزیر قاضی فاضل کو خط لکھ کر مشورہ مانگا کہ آیا مصر کے بدلے حلب کا مطالبہ کرنا درست ہوگا؟

قاضی صاحب نے جواباً تحریر کیا:

”آپ ایک برستا بادل ہیں جسے اللہ تعالیٰ جس طرف موڑتا ہے وہ مڑ جاتا ہے۔ سلطان دنیا کی سیاست کا زیادہ علم رکھتے ہیں اور اس کی تدبیر وہی بہتر سمجھتے ہیں۔“

حلب الملک العادل کے حوالے ❁ اب الملک العادل نے شام منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا اور کسی ولایت کا مطالبہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ادھر سلطان نے کرک کے محاصرے سے پہلے الملک العادل کو پھر لکھا کہ وہ کرک کے باہر ان سے آملے۔ رجب 579ھ (نومبر 1183ء) میں جب سلطان کرک کے محاصرے میں مشغول تھے، الملک العادل مصر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر اپنے خاندان، مال و اسباب اور خدام کے ساتھ سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ تب اسے امید ہو رہی تھی کہ سلطان کرک کا قلعہ اس کے حوالے کر دیں گے مگر جب محاصرہ ناکامی پر ختم ہو گیا اور سلطان اسے اپنے ساتھ لے کر دمشق روانہ ہوئے تو الملک العادل اپنے مستقبل کے بارے میں تشویش کا شکار ہو گیا۔

سلطان نے بھی اب تک اس بارے میں کوئی وضاحت نہیں کی تھی۔ شاید وہ الملک العادل کی وفاداری کا ایک کڑا امتحان لے رہے تھے۔ وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ الملک العادل مصر کے سرکاری خزانے سے جو مال و دولت ساتھ لایا ہے، وہ توقع سے کم ہے۔ انہوں نے ایک رات الملک العادل کو

اپنے پاس بلوایا اور کہا:

''مرکز کو مصر کے خزانے سے ڈیڑھ لاکھ دینار قرض درکار ہے جو مالی حالات بہتر ہونے پر ادا کر دیا جائے گا۔''

''بہت بہتر'' الملک العادل یہ جواب دے کر چلا آیا اور ایک رقعہ لکھا:

''سب مال و دولت آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں، میں آپ کا غلام ہوں، چاہتا ہوں کہ یہ ساری دولت سلطان کی خدمت میں چلی جائے، بس مجھے حلب کا شہر اور قلعہ معاوضے میں دے دیا جائے۔''

سلطان نے اس کے جواب میں لکھا:

''اللہ کی قسم! میں نے تمہیں حلب کی حکومت دینے کے لیے ہی بلایا ہے۔ جب تمہارے دل میں بھی یہی خیال آ رہا ہے تو گویا اس بات پر ہم دونوں متفق ہیں۔''

اب الملک العادل پوری طرح مطمئن ہو گیا۔ دمشق پہنچ کر سلطان نے اپنے بیٹے الملک الظاہر کو حلب چھوڑنے کا حکم دیا۔ 2 رمضان 579ھ (19 دسمبر 1183ء) کو انہوں نے حلب کی سپرد ولایت الملک العادل کے حوالے کر دی۔ الملک العادل نے اسی دن حلب کی طرف کوچ کر دیا۔

اس سے قبل سلطان نے تقی الدین عمر کو مصر کا پروانہ ولایت دے کر اسی مصری فوج کے ساتھ جو الملک العادل کے ساتھ آ کر کرک کے محاصرے میں شریک رہی تھی، مصر روانہ کر دیا تھا۔ تقی الدین عمر شعبان ہی میں مصر پہنچ گیا تھا اور امور حکومت کو بحسن و خوبی انجام دینے لگا تھا۔

ادھر الملک الظاہر نے باپ کے فیصلے کو خاموشی سے مان تو لیا تاہم وہ دلی طور پر بے حد رنجیدہ تھا، اسے حلب آئے ہوئے چھ ماہ ہی گزرے تھے، یہ شہر اسے بے حد پسند تھا، اس کی آب و ہوا اور خوشنمائی نے اسے بے حد متاثر کیا تھا اور وہ ہمیشہ یہیں رہنا چاہتا تھا، حلب چھوڑتے ہوئے اپنی کیفیت کو ایک موقع پر اس نے خود یوں بیان کیا:

''جب مجھے اطلاع ملی کہ سلطان نے حلب میرے چچا الملک العادل کو دے دیا ہے تو مجھے اتنا غم ہوا جسے میں برداشت نہیں کر سکتا تھا، میں نے تمنا کی کہ کاش میں نے حلب دیکھا ہی نہ ہوتا اور اس میں داخل نہ ہوا ہوتا کیوں کہ میں دل سے اس شہر سے محبت کرتا تھا اور اسے پسند کرتا تھا، اس کی آب و ہوا مجھے موافق آئی تھی۔ جب میں نے حلب چھوڑا تب بھی میرا دل وہیں اٹکا ہوا اور اسی کی جانب مائل تھا۔''

بہر کیف ایک نیک بیٹے کی طرح اس نے باپ کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا۔ الملک العادل جمعہ 22 رمضان کو حلب کے قلعے میں داخل ہوا اور نظام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ الملک الظاہر اپنے دست راست سیف الدین یازکوج کے ساتھ حلب کو الوداع کہہ کر دمشق روانہ ہو گیا۔ 18 شوال 579ھ (3 فروری 1184ء) کو وہ سلطان کی خدمت میں حاضر تھا۔

سلطان کو اپنے بیٹے کے دل کا حال اچھی طرح معلوم تھا، وہ اس کی بہادری، فرمانبرداری اور حکومتی امور میں بصیرت کے باعث سب بیٹوں سے زیادہ پیار کرتے تھے مگر فی الحال وہ اس کا دل توڑنے پر مجبور تھے۔ الملک الظاہر کی سعادت مندی تھی کہ وہ حسب سابق پوری توجہ، فرض شناسی اور وفاشعاری کے ساتھ باپ کی طرف سے مجوزہ خدمات انجام دیتا رہا۔ ❶

❶ [illegible] 2/100_109 [illegible] 7/306

فصل:5

عراق کے امراء کا سلطان کی طرف جھکاؤ

شوال اور ذی قعدہ 579ھ (فروری، مارچ 1184ء) میں سلطان صلاح الدین کو ایک اور بڑی سیاسی کامیابی حاصل ہوئی۔ موصل کی حکومت کے ماتحت کئی صوبے دار سلطان کی طرف جھکنے لگے، دراصل جب سے حاکمِ موصل عزالدین مسعود نے اپنے وزیرِاعظم مجاہدالدین قایماز کو قید کیا تھا، سلطنت میں افراتفری پھیل گئی تھی اور باقی ماندہ امراء بھی ایک مدبر اور مخلص سیاست دان کا یہ انجام دیکھ کر اپنی وفاداریاں تبدیل کرنے لگے تھے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سلطان کا وہ اعلامیہ نقل کر دیا جائے جو اس موقع پر نشر کیا گیا تھا جس سے سلطان کے اعلیٰ وارفع مقاصد اور عزائم کی وضاحت ہوتی ہے، اس اعلامیہ میں درج تھا:

''جب اللہ نے ہمیں زمین میں حکومت عطا کی اور فرض کی ادائیگی کے لیے حق کی تعظیم اور اظہار کی توفیق بخشی تو ہم نے جہاد فی سبیل اللہ کو ہر چیز پر ترجیح دینا ضروری سمجھا۔ پس ہم نے اس کا راستہ واضح کیا، دین کی سربلندی کے لیے جٹ گئے اور اس کے حامیوں کی مدد کرنے لگے۔ ہم نے عالمِ اسلام میں اللہ کے دوستوں کو اللہ کے دشمنوں کے خلاف جہاد کے لیے بلایا اور زمین پر اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے مسلمانوں کی رائے کو متفق کیا تا کہ اللہ کی مدد آسمان سے نازل ہو۔ پس جو اس فرض کی ادائیگی اور اس فضیلت کے حصول کے لیے ہماری مدد کرے گا وہ اچھی کارکردگی کی بدولت ہماری بڑی عنایات کا حقدار ہوگا اور جو دنیا کی طرف جھکا اور خواہش نفسانی کا پیروکار بنا اور باطل کی طرف متوجہ ہو کر دینِ حق سے بے پروا ہوا، اگر وہ باز آ گیا تو ہم عذر قبول کر لیں گے، اگر وہ اپنی سرکشی پر ڈٹا رہا تو ہم اپنا دستِ حمایت ہٹا کر اسے الگ کر دیں گے۔''[1]

<u>سنجر شاہ کا اظہارِ اطاعت</u>: موصل کے منحرف امراء میں معزالدین سنجر شاہ سب سے نمایاں تھا۔

[1] البرق الشامی: 5/163

موصل کے سابق حکمران سیف الدین غازی دوئم کا بیٹا تھا اور خود کو موصل کے تخت وتاج کا اصل وارث تصور کرتا تھا۔ اس سوچ میں وہ کسی حد تک حق بجانب بھی تھا اس لیے کہ اس کے باپ نے اپنے بعد بطور حکمران اسی کو نامزد کیا تھا مگر پھر اس کی کم عمری کو دیکھ کر امرائے سلطنت نے اس کے چچا عزالدین مسعود کو حکمران چن لیا۔ تب سے سنجر شاہ اپنے چچا کے ماتحت صرف الجزیرہ کا والی چلا آرہا تھا، مگر اس کے دل میں برابر یہ خیال جما ہوا تھا کہ چچا اس کے حق کا غاصب ہے۔

چونکہ اس میں اپنے چچا سے سلطنت چھیننے کی ہمت تھی نہ ہی وہ خودمختاری کا دعویٰ کرسکتا تھا اس لیے اس نے سلطان صلاح الدین سے تعلق استوار کر کے اپنے چچا کے اقتدار کو کمزور کرنے کا سوچا۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ سلطان ایوبی کی سرپرستی میں آکر وہ اپنے چچا کے کسی بھی انتقامی اقدام سے محفوظ رہے گا۔ چنانچہ حلب پر سلطان کے قبضے کے بعد دولتِ ایوبی کو مضبوط تر دیکھ کر وہ ادھر مائل ہوگیا۔ معزالدین سنجر شاہ کے علاوہ اربل کے والی زین الدین یوسف اور تکریت اور الحدیثیہ کے حکام نے بھی اپنے اپنے سفیر سلطان کی خدمت میں بھیج دیے کہ انہیں موصل کی بجائے دمشق کے وفاداروں میں شامل کرلیا جائے۔ سلطان نے اسے بخوشی قبول کرلیا۔ [4]

<u>حکومت موصل کی سفارت</u>: امراء اور والیان حکومت کے انحراف سے عزالدین مسعود بڑا اسٹپٹایا۔ اس نے فوری طور پر دربار خلافت سے درخواست کی کہ وہ اس معاملے کو سلجھائے۔ خلیفہ ناصر نے شیخ الشیوخ صدرالدین اور شہاب الدین بشیر کو اس قضیے کے حل کے لیے سلطان صلاح الدین کے پاس بھیج دیا۔ ان کے ساتھ موصل کے سفیر قاضی محی الدین ابن کمال بھی تھے۔ سلطان دربار خلافت کے معزز سفیروں کے اعزاز میں استقبال کے لیے خود نکلے۔ انہیں دیکھ کر سواری سے اتر پڑے، بغداد کے سفیر بھی سواریوں سے اتر کر سلطان سے ملے۔ سلطان نے مذاکرات سے قبل ان کی خوب خاطر مدارت کی۔ قاضی بہاؤالدین ابن شداد جو بعد میں سلطان کے خاص مصاحب بنے، ان دنوں حکومت موصل کی خدمات انجام دے رہے تھے، وہ اس موقع پر موصل کے سفارتی وفد کے ایک رکن کی حیثیت سے پہلی بار سلطان سے ملے اور سلطان کے اخلاق واندازِ جہانبانی سے بے حد متاثر ہوئے۔ سلطان نے بھی ان کی صلاحیتوں کا اندازہ لگالیا اور نہ صرف ان کی خدمات حاصل کرنے کے امکان کو ذہن میں رکھ لیا تھا بلکہ شیخ الشیوخ صدرالدین کی وساطت سے انہیں مصر میں ایک اعلیٰ منصب کی پیش کش بھی کی مگر قاضی ابن شداد نے معذرت کردی۔ [5]

---

[4] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/196، مفرج الکروب: 1/102 [5] ایضاً

شیخ صدرالدین کو صدمہ: شیخ الشیوخ صدرالدین ایک طرف تو موصل کے سفیر قاضی محی الدین کمال کے بچپن کے دوست تھے، دوسری طرف ان کے سلطان صلاح الدین کے ساتھ بھی بہت اچھے مراسم تھے، اس لیے وہ اس معاملے کو سلجھانے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ سلطان خلافت کے وفادار اور اتحادِ امت کے علمبردار ہیں اس لیے دربارِ خلافت کی جانب سے وہ حکومتِ موصل کے سفارشی بن کر آنے کے باوجود اس معاملے کا زمینی حقائق کے مطابق بہتر تصفیہ کرانا چاہتے تھے۔ مگر ہونی ہو کر رہتی ہے۔ ان کا جواں سال بیٹا احمد جو سفر میں ان کے ساتھ تھا، بیمار پڑ گیا اور پھر دمشق پہنچنے کے دوسرے دن اللہ کو پیارا ہو گیا۔ اس سے قبل ان کے اور بھی کئی بیٹے انہیں جدائی کا غم دے چکے تھے۔ اب اس جوان بیٹے کی ناگہانی موت نے شیخ الشیوخ کو بالکل نڈھال کر دیا۔

سلطان صلاح الدین اور دمشق کے امراء تعزیت کے لیے ان کے پاس آئے اور حتی الامکان تسلی دی تاہم شیخ الشیوخ کی طبیعت اتنی گر گئی تھی کہ وہ اب دو حکومتوں کے درمیان نازک سیاسی معاملات کی گتھیوں کو سلجھانے کے لیے یکسو نہیں ہو سکتے تھے۔ چنانچہ جب مذاکرات شروع ہوئے تو شیخ الشیوخ صدرالدین اس میں کوئی کردار ادا نہ کر سکے۔

ان دنوں سلطان کے دربار میں دیگر کئی حکمرانوں کے سفیر آئے ہوئے تھے جن میں عجم کے حاکم طغرل بن پہلوان، قزل برادر پہلوان، حاکمِ خلاط ارمن شاہ، حاکمِ سنجار عمادالدین اور ایشیائے کوچک کے بادشاہ قلیج ارسلان کے نمائندے بھی تھے۔ ان سب کے خطوط اہم مندرجات پر مشتمل تھے جن کے جوابات کے لیے سلطان کو الملک العادل کا مشورہ لینا ضروری محسوس ہوا۔ الملک العادل حلب کے حکومتی انتظامات کو اچھی طرح ترتیب دے چکا تھا، سلطان کا پیغام ملتے ہی وہ 17 ذی قعدہ 579ھ (2 مارچ 1184ء) کو حلب سے چل پڑا۔ پیر 4 ذی الحجہ (19 مارچ) کو اس کے دمشق پہنچتے ہی سلطان نے اسے بلوا کر یہ تمام خطوط اور اپنی طرف سے ان کے لیے لکھوائے گئے جوابات سنوائے اور اس کے اظہارِ اطمینان کے بعد اسے واپس حلب بھیج دیا۔ [1]

سفیرِ موصل کا جارحانہ رویہ: موصل کے سفیر محی الدین بن کمال شہرزوری ایک خالص علمی شخصیت تھے اور سفارتی امور کا کوئی تجربہ نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے حکومتِ موصل کا موقف سخت انداز میں پیش کرتے ہوئے کہا:

''سلطان کو موصل کے ان امراء سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہیے جو اپنی حکومت سے منحرف ہو کر

[1] البرق الشامی/164

سلطان سے ساز باز کر رہے ہیں۔ سلطان کو حکومتِ موصل سے اپنے معاہدے کی تجدید کر کے اس کا مددگار بن جانا چاہیے۔ سلطان کو چاہیے کہ حکمرانِ موصل جس سے صلح کرے سلطان بھی اس سے صلح کر لیں اور جس حکومت سے حکمرانِ موصل کی جنگ ہو، سلطان بھی اس سے برسرِ پیکار ہوں۔"

سفیر کا مقصد یہ تھا کہ چوں کہ منحرف امراء موصل کی حکومت کے باغی ہو چکے ہیں لہٰذا سلطان کو موصل سے دوستی نبھاتے ہوئے ان امراء کے خلاف موصل کا ساتھ دینا چاہیے اور انہیں نہتا کر کے دوبارہ موصل کی اطاعت پر مجبور کرنا چاہیے۔ موصل کے سفیر کا جارحانہ اندازِ گفتار ایک برتر ذہنیت کی عکاسی کر رہا تھا۔ گویا اہلِ موصل سلطان کو اپنا حلیف نہیں ماتحت حکمران تصور کر رہے تھے۔ تاہم سلطان نے پوری بشاشت سے ان کا موقف سنا اور سفیرِ بغداد کی سفارش کی وجہ سے انہیں نہایت نرم جواب دیا۔ سلطان نے کہا:

"میں آپ کا مطالبہ آپ کی مرضی کے مطابق پورا کر دیتا ہوں مگر میں ان امراء کو (جنہیں موصل کی حکومت سلطان کی حمایت کی وجہ سے اپنا باغی قرار دے رہی تھی) باہمی مدد و نصرت کا حلف دے چکا ہوں۔ لہٰذا معاہدہ اس طرح طے ہونا چاہیے کہ ان امراء کو مستثنیٰ کر دیا جائے۔"

سلطان کا مقصد یہ تھا کہ دیگر حکومتوں سے صلح و جنگ کی مشترکہ پالیسی چونکہ اب تک طے نہیں ہوئی تھی، اس لیے اس کا نفاذ آئندہ کے لیے تو ضرور ہو، مگر ان حکام کو خارج از بحث رکھا جائے جو اس سے قبل کسی فریق سے معاملات طے کر چکے ہیں۔ موصل کے سفیر نے اس سے بھی اتفاق نہ کیا اور اصرار کیا کہ صلح نامے میں موصل کے منحرف امراء کے بارے میں، یہ وضاحت کرنا لازمی ہے کہ وہ اب موصل کے ماتحت رہیں گے۔ سلطان نے اسے تسلیم کرنے میں توقف کیا۔ چنانچہ مذاکرات میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ [۵]

عماد اصفہانی کا مشورہ: سلطان کے کاتب شیخ عماد اصفہانی کہتے ہیں کہ ایک دن علی الصبح سلطان نے مجھے بلایا اور کہا:

"مجھے معاہدے کے لیے ایسا نکتہ لکھ دیں جو باہمی اتحاد کے لیے لائحہ عمل بن جائے۔"

مگر عماد اصفہانی اس موضوع پر ایک دوسرے انداز سے غور کر رہے تھے۔ وہ سلطان کی جانب سے غیر معمولی نرمی کو نقصان دہ سمجھ رہے تھے اور چاہتے تھے کہ سلطان اپنے حمایتی امراء کی بھرپور وکالت کریں، چاہے وہ امراء پہلے موصل کے ماتحت رہے ہوں یا کسی اور حکومت کے۔ سلطان کو بہر حال اپنا یہ اختیار واضح کر دینا چاہیے کہ وہ کسی بھی خود مختار یا نیم خود مختار حاکم سے معاملات طے کرنے میں آزاد ہیں اور اسی طرح دوسرا فریق بھی ان کی حمایت اور مخالفت میں آزاد ہے۔ شیخ عماد اصفہانی کا خیال تھا کہ

۵ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: ۲/۱۰۹

اگر سلطان نے اپنے حلیف امراء کی وکالت میں کمزوری دکھائی تو آئندہ کے لیے ان امراء کا اعتماد اٹھ جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے سلطان کی بات پر توجہ دینے سے پہلے ایک چبھتا ہوا سوال کر ڈالا اور کہا:

''آپ اپنی حمایت کرنے والے امراء کو کیسے خارج از بحث قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ ان امراء کو یقین ہے کہ ان کا آپ سے پختہ معاہدہ ہو چکا ہے۔ انہیں آپ کے وعدے پر اعتماد ہے۔ ادھر اہل موصل کی یہ حالت ہے کہ وہ آپ کی جانب سے معاہدے میں کسی کے استثناء پر راضی نہیں ہیں اور اس سے مسلسل انکار کر رہے ہیں۔ اس صورتحال میں اگر کوئی معاہدہ طے پا بھی گیا تو کیا آپ پر دوستوں سے بے وفائی کا الزام نہیں لگے گا؟ اور کیا یہ معاملہ دوستوں اور دشمنوں میں شہرت نہ پائے گا؟''

یہ سن کر سلطان نے معاملہ عماد اصفہانی ہی کے سپرد کرتے ہوئے کہا:

''اچھا آپ مجھے صرف ایک بات تحریر کر دیں جس سے مجھ پر کسی سے وعدہ خلافی کا الزام نہ لگے اور حلیفوں سے سابقہ معاہدے بھی برقرار رہیں۔''

وہ بولے:

''آپ حکمران موصل سے تو دوستانہ تعلقات برقرار رکھنے کا معاہدہ کریں اور دیگر حکمرانوں کے معاملے کو انہی کے اختیار پر چھوڑ دیں۔ معاہدے میں طے کریں کہ دیگر امراء میں سے جو چاہے حاکم موصل کی سرپرستی میں آجائے اور جو چاہے ہماری اطاعت قبول کر لے۔''

سلطان مطمئن ہو کر بولے:

''تم اسی وقت معاملے کو اس انداز میں شیخ الشیوخ صدر الدین کے سامنے پیش کرو اور انہیں بتاؤ کہ اس طرح معاملہ طے پا جانے میں حکمرانوں اور عوام دونوں کی مصلحت ہے۔ پھر موصل کے سفیر قاضی شہرزوری کو اس سے آگاہ کر کے بتاؤ کہ ہم اس انداز میں معاہدے اور حلف پر تیار ہیں۔''

<u>مذاکرات کا نتیجہ</u> ؛ عماد اصفہانی نے شیخ الشیوخ کو معاملے کا یہ حل بتایا تو وہ مطمئن ہو گئے اور پرزہ تائید کی مگر موصل کے سفیر نے اسے سنتے ہی کہا:

''ہم اسے قبول نہیں کرتے، یہ ایک محال بات ہے۔ ہمارے منحرف امراء جب یہ دیکھیں گے کہ آپ ان سے معاہدے پر قائم ہیں تو ان کے حوصلے بڑھ جائیں گے اور وہ ہم سے ناتا پھیر لیں گے۔ لہٰذا آپ ان کی مدد نہ کیجئے۔ آپ ان سے یہ کہہ کر معذرت کر لیں کہ ہم نے تمہیں اس وقت سرپرستی میں قبول کیا تھا جب موصل سے ہمارے تعلقات بگڑے ہوئے تھے مگر اب

ہماری ان سے مکمل صلح ہو چکی ہے لہٰذا تم بھی سابقہ دستور کے مطابق رہو۔"[1]

اس پر سلطان کے نمائندوں نے کہا:

"ہم نے پوری احتیاط کے ساتھ تمام پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے شرائطِ معاہدہ مرتب کی ہیں۔ آپ مزید تاخیر کے بغیر ان پر ہم سے حلف لے لیں اور ناممکن باتوں کی راہ اختیار نہ کریں۔"

مگر قاضی شہروزی اس موقف پر ڈٹے رہے کہ منحرف امراء کو تمام حکمرانوں سے قطع تعلق کرتے ہوئے صرف حکومت موصل کی حلقہ بگوشی اختیار کرنا ہوگی۔ اس غیر لچکدار رویے کی وجہ سے مذاکرات کسی نتیجہ کے بغیر ختم ہو گئے۔

سلطان نے مذاکرات کی ناکامی کے باوجود موصل کے سفیروں کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔ انہیں افسوس تھا کہ شیخ الشیوخ جیسے بزرگوں کی تشریف آوری کے باوجود بات چیت ثمر آور نہیں ہوئی۔[2]

سلطان کی مروت ❀ شیخ الشیوخ صدرالدین اور موصل کے سفیر دمشق سے نکل کر شہر کے باہر قصیر کے مقام پر خیمہ زن تھے کہ سلطان صلاح الدین نے اپنے مشیروں سے کہا:

"مجھے شرم آرہی ہے کہ شیخ الشیوخ صدرالدین جب بھی کسی معاہدے کے لیے سفارشی بن کر آئے انہیں ناکام لوٹنا پڑا۔ میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ شیخ کی بات من وعن مان لوں، معاہدے کی عبارت وہ جس طرح چاہیں لکھوا دیں۔ کیوں کہ بہرحال ایسے بزرگوں کو رضامند کرنا ضروری ہے۔"

کاتب عماد اصفہانی نے اسی وقت جا کر شیخ الشیوخ کو سلطان کے اس ارادے سے آگاہ کر دیا۔ کچھ دیر بعد سلطان خود اپنے خاص امراء کے ساتھ شہر سے نکلے اور شیخ الشیوخ کے خیمے میں حاضری دے کر انہیں بتایا کہ وہ دربارِ خلافت کے نمائندے کی رضامندی حاصل کرنا ضروری سمجھتے ہیں، لہٰذا وہ فریقین میں صلح کے لیے جس طرح پسند کریں معاہدے کی شقیں طے کر دیں۔ شیخ الشیوخ نے سلطان کی اس وسعتِ ظرفی پر مسرت کا اظہار کیا اور قاضی شہروزی کو سلطان کی اس فراخدلانہ پیش کش سے آگاہ کر کے گفت و شنید کے لیے حاضر ہونے کا کہا۔

مگر قاضی شہروزی نے سلطان کی مروت دیکھ کر مزید نخوت کا مظاہرہ کیا اور سلطان کو کہلوایا: "ہمارے ساتھ جو کچھ ہوا ہے اس کے بعد مجھے گفت و شنید کے لیے حاضر ہونے میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ شاید آپ نے سمجھ لیا ہے کہ ہمارا کوئی یار و مددگار نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ ہمارے ایسے حامی ہیں جو ہماری خیر خبر لیتے ہیں اور ہماری حفاظت کرتے ہیں۔"

---

[1] الروضتین: 167/3 [2] ایضاً

قاضی شہرزوری کا اشارہ عراق کے حکمران شمس الدین پہلوان کی طرف تھا جو کہ حکومت موصل کا قریبی حلیف اور سلطان ایوبی کا سخت مخالف تھا۔ ❶

سلطان کو موصل کے سفیر کا یہ تلخ جواب سنایا گیا تو وہ مسکرا دیے۔ انہوں نے وفد کو عزت واحترام سے رخصت کیا اور خاموشی سے دمشق واپس چلے آئے۔ موصل کے سفیر کے طرزِ عمل نے انہیں باور کرا دیا تھا کہ ان بدعہدوں سے خیر کی توقع رکھنا فضول ہے۔ سلطان اس واقعے سے پہلے موصل کی آزاد اور خود مختار حیثیت بحال رہنے دینے پر مطمئن تھے اور وہاں کسی فوج کشی کا ارادہ نہیں رکھتے تھے مگر اب انہوں نے سوچ لیا تھا کہ موقع ملتے ہی وہ موصل کا رخ کریں گے تا کہ اہلِ موصل کے غرور وتکبر کا بت پاش پاش کیا جاسکے۔ ❷

سفارت کی ناکامی کا یہ پہلو سلطان کے حق میں تھا کہ سلطان کی جانب سے اسے کامیاب کرنے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی گئی تھی۔ اب اس کی ناکامی کی مکمل ذمہ داری خود موصل پر عائد ہوتی تھی جبکہ سلطان کا دامن بالکل بے داغ تھا۔ نقصان موصل ہی نے اٹھایا تھا کہ ان کے منحرف امراء اب بھی سلطان کے دامن سے وابستہ تھے۔ یوں سلطان کی سیاسی حیثیت مزید مضبوط ہو گئی تھی۔

اہلِ موصل کی ساکھ مزید گر گئی ❋ نیا اسلامی ہجری سال 580ھ شروع ہوا تو شدید جاڑے کا موسم تھا اور بارشیں بھی خلافِ معمول بکثرت ہو رہی تھیں، سرزمینِ شام میں ہر طرف جل تھل کا عالم تھا۔ ❸

ادھر عراق میں سلطان کے خلاف سازشیں ایک بار پھر زوروں پر تھیں۔ عزالدین مسعود نے مجاہد الدین قائماز کے بغیر نظامِ حکومت کو درہم برہم دیکھا تو اسے آزاد کر کے سابقہ عہدے پر بحال کر دیا اور اسے سلطان کے خلاف ایک نیا اتحاد بنانے کی مہم سونپی۔ اس مقصد کے لیے قائماز کو سب سے پہلے ہمدان کے حاکم شمس الدین پہلوان اور اس کے بھائی قزل کی طرف روانہ کیا گیا تا کہ انہیں سلطان اور ان کے حامی امراء سے جنگ پر آمادہ کیا جاسکے۔

قائماز پہلے قزل کے پاس پہنچا جو آذربائیجان کا حاکم تھا اور اسے عراق کے ان امراء کے خلاف ابھارا جو دو ماہ پہلے سلطان کے حلقہ بگوش بنے تھے چنانچہ قزل تین ہزار کا لشکر ترتیب دے کر فوراً اربل پر حملہ آور ہوا جو سلطان کے نئے حامی زین الدین یوسف کا علاقہ تھا۔ قزل کے سپاہیوں نے اربل کے قریب پہنچتے ہی نواحی بستیوں میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا، گھر بار ویران کر ڈالے اور مرد وزن کو قیدی بنالیا۔ مجاہد الدین قائماز جو اس مہم میں قزل کے ساتھ تھا، سلطان صلاح الدین کا مخالف ہونے کے باوجود سلجھا

❶ البرق الشامی: 5/168
❷ سنا البرق الشامی: 1/163
❸ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/202

ہوا انسان تھا۔ اس نے قزل کو عوام پر دست اندازی سے منع کرنے کی بہت کوشش کی مگر قزل نے اس کی ایک نہ مانی۔

ادھر اربل کے دیہاتوں پر قزل کے حملے کی خبر سنتے ہی زین الدین یوسف اپنے سپاہیوں کے ساتھ مقابلے پر نکل آیا۔ قزل کے سپاہی اس وقت مختلف بستیوں میں پھیل کر گھروں کو خاکستر کر رہے تھے۔ زین الدین یوسف کے سپاہیوں نے انہیں اسی حالت میں جالیا اور بری طرح روند ڈالا، قزل کے سپاہی لوٹے ہوئے مال اور قیدیوں کے علاوہ اپنا بیشتر اسلحہ، سواریاں اور جنگی ساز وسامان چھوڑ کر واپس بھاگے۔ اس شکست سے سلطنت موصل کے اتحادیوں کی ساکھ کو مزید دھچکا لگا، جب کہ سلطان صلاح الدین کے اتحادی امراء کے رعب داب میں اضافہ ہو گیا۔

مجاہد الدین قائماز اس شکست کے بعد نہایت مردہ دلی کے ساتھ موصل لوٹ آیا۔ اسے بے گناہ عوام پر اپنے اتحادیوں کے سفاکانہ مظالم کا افسوس بھی تھا اور سلطان کے ایک حلیف امیر کے ہاتھوں اپنے اتحادیوں کی شکست پر ندامت بھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اب سلطنتِ موصل کی آزادی وخود مختاری کے دن گنے جا چکے ہیں کیوں کہ ظلم کی سرپرستی کرنے والی حکومت پائیدار نہیں ہوتی۔ مجاہد الدین قائماز اس واقعے کے بعد کہا کرتا تھا:

> ”میں اہلِ عجم کی بداعمالیوں پر ایک عرصے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی عذاب کا منتظر تھا۔ کیوں کہ میں نے ان کی وہ کارستانیاں دیکھی ہیں کہ کوئی مسلمان کسی مسلمان سے ان کے سرزد ہونے کا گمان تک نہیں کرسکتا۔ میں انہیں منع کرتا رہا مگر وہ نہیں سنتے تھے۔ آخر کار انہیں شکست ہونا تھی وہ ہو کر رہی۔“[1]

<u>کرک پر حملہ</u>: ادھر سلطان صلاح الدین کرک کے گستاخ ریجی نالڈ کو سزا دینے پر تلے ہوئے تھے۔ جوں ہی بارشوں کا سلسلہ تھما اور موسم کچھ معتدل ہوا، انہوں نے کرک پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ تقی الدین عمر کو افواج کے ساتھ مصر سے ”کرک“ پہنچنے کا حکم دیا اور مشرقی شہروں کی افواج کو بھی بلا بھیجا۔ حلب سے الملک العادل، آمد سے نور الدین بن قرا ارسلان اور سنجار سے عماد الدین کا نائب حسام الدین طمان اپنی اپنی فوجوں سمیت دمشق کے لیے چل پڑے۔ ادھر یہ تیاریاں ہو رہی تھیں کہ سلطان صلاح الدین اچانک شدید بیمار پڑ گئے۔ کئی دن تک ان کی حالت غیر رہی مگر اللہ تعالیٰ کو ابھی ان سے بہت کچھ کام لینا منظور تھا اس لیے وہ ایک بار پھر نئی توانائی کے ساتھ بستر سے اٹھ بیٹھے اور فوجوں کو ترتیب

[1] الکامل لابن اثیر: 7/306

دینے لگے۔ الملک العادل اور نورالدین بن قرا ارسلان ایک ساتھ دمشق آ رہے تھے۔ سلطان نے دمشق سے باہر جا کر ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ یہ واقعہ 9 ربیع الاول 580ھ (20 جون 1184ء) کا ہے۔ ①

کچھ دن دمشق میں گزار کر سلطان فوج کے ایک حصے کے ساتھ شہر کے باہر "راس الماء" کے مقام پر ٹھہر گئے۔ 2 ربیع الثانی کو کوچ کر کے وہ 5 ربیع الثانی (15 جولائی) کو کرک سے کچھ فاصلے پر "ادر" کے نواح میں فروکش ہوئے اور مصری افواج کا انتظار کرنے لگے۔ ②

چار دن بعد تقی الدین عمر مصری افواج کے ساتھ پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ سلطان کے وزیر قاضی فاضل بھی تھے۔ سلطان کی وہ فوجیں جو دور دراز کے شہروں سے آ رہی تھیں یہاں جمع ہوتی رہیں۔ 14 جمادی الاولیٰ (22 اگست) کو سلطان نے افواج کے جمِ غفیر کے ساتھ کرک کا محاصرہ کر لیا۔ لین پول اور ہیرلڈ لیمب کے بیان کے مطابق شہر پر سلطان کے حملے کے وقت ریجی نالڈ بالکل بے فکر تھا۔ یروشلم کے بادشاہ بالڈون نے اپنی سوتیلی بہن ازابیلا کا رشتہ مشہور صلیبی نائٹ ہمفرے آف ٹورون سے کر دیا تھا اور اس شادی کا جشن کرک میں منایا جا رہا تھا جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ دولہا ریجی نالڈ کا عزیز تھا۔ اس موج مستی میں شہر کی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں ہو سکا تھا۔

مسلمانوں نے ان کی غفلت سے فائدہ اٹھایا اور اچانک حملہ کر کے بیرونی فصیل پر قبضہ کر لیا اور شہری آبادی میں داخل ہو گئے۔ اگر وہ چاہتے تو نصرانیوں سے انتقام لینے کے لیے یہاں قتل و غارت کا بازار گرم کر سکتے تھے مگر سلطان صلاح الدین کی طرف سے فوج کو عام لوگوں پر دست درازی کی اجازت نہیں تھی۔ سلطان کی توجہ کرک کے قلعے پر تھی جو آبادی کے آگے ایک پہاڑ کی طرح سر اٹھائے کھڑا تھا۔ آبادی اور قلعے کے درمیان خوفناک خندق موت کی وادی کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ اگر یہ خندق نہ ہوتی تو سلطان کی فوج قلعے کی فصیل تک پہنچ چکی ہوتی۔

سلطان نے شہر پر قبضے کے بعد حاکمِ شہر کی خالی رہائش گاہ میں قیام کیا اور اسی جگہ کو قلعے پر سنگ باری کے لیے چن لیا۔ اس بار مسلمان اپنے ساتھ نو بڑی منجنیقیں لے کر آئے تھے۔ انہیں صف کی شکل میں قلعے کے ایک دروازے کے بالمقابل نصب کر دیا گیا۔ سلطان نے بہترین نشانہ بازوں کو سنگ باری کا کام سونپا جنہوں نے قلعے کی فصیل اور برجیوں کو نشانہ بنانا شروع کیا مگر قلعے کی دیواریں جو سنگِ خارا سے بنی ہوئی تھیں شکستہ نہ ہو سکیں۔ دن رات سنگ باری ہوتی رہی اس کے باوجود قلعہ سر ہونے کے آثار دکھائی نہیں دیتے تھے۔

---

① کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 203/3 ② مفرج الکروب: 188/1

خندق یا وادی 1 آخر سلطان نے محسوس کیا کہ جب تک خندق عبور کر کے قلعے پر دھاوا نہیں بولا جاتا، کامیابی مشکل ہے مگر اتنی بڑی خندق کو پُر کیے بغیر عبور کرنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ سلطان نے حکم دیا کہ خندق کو پاٹ کر راستہ بنایا جائے۔ یہ کام پہاڑ کھودنے کے مترادف تھا کیوں کہ ایک تو خندق تیس گز گہری تھی، شیخ عماد اصفہانی کے بقول: "یہ عام خندق نہیں تھی بلکہ کشادہ وادی تھی۔"

دوسرے اس علاقے کی زمین سخت اور پتھریلی تھی، اسی لیے خندق کو پر کرنے کے لیے مٹی کہاں سے آتی؟..... سلطان نے اس مسئلے کا حل بھی ڈھونڈ نکالا، ان کے حکم کے مطابق کچی اینٹیں تیار کی جانے لگیں، سپاہی دور دور سے درخت کاٹ کاٹ کر لانے لگے۔ جب اینٹوں اور لکڑیوں کا یہ انبار خندق میں پھینکا جانے لگا تو قلعۂ کرک سے زبردست مزاحمت شروع ہوگئی۔ تیروں اور پتھروں کی ایسی بارش ہوئی کہ مسلمانوں کے لیے خندق کو پُر کرنے کا کام جاری رکھنا ناممکن ہوگیا۔ سلطان نے اس کا حل بھی سوچ لیا۔ ان کے حکم سے خندق تک دو طرفہ دیواروں میں گھرا ہوا ایک گلی نما کشادہ راستہ بنایا جانے لگا۔ جب یہ گلی تیار ہوگئی تو اس پر مضبوط پلاستر کی چھت ڈال دی گئی، اب سلطان کے سپاہی اس محفوظ گلی سے گزر کر خندق کے کنارے پہنچ جاتے اور اسے بھرتے رہتے۔ ①

نصرانیوں کی تیراندازی اور سنگ باری اب ناکام ہوگئی تھی، مسلمان دن رات یہ کام جاری رکھے ہوئے تھے۔ عماد اصفہانی کا بیان ہے کہ محاصرے کے آخری ایام میں خندق اس قدر پُر ہوچکی تھی کہ ایک مسلمان قیدی نے قلعے سے خود کو خندق میں گرا دیا اور زندہ سلامت نکل آیا، حالاں کہ فرنگی اس پر مسلسل پتھر پھینکتے رہے تھے۔

اس دوران منجنیقوں نے قلعے کی چند برجیوں اور فصیل کے کچھ حصے کو قدرے شکستہ بھی کر دیا تھا گویا قلعہ فتح ہونے کے قریب تھا کہ اچانک سلطان کو یروشلم سے ریمنڈ کی قیادت میں نصرانیوں کے ایک بھاری امدادی لشکر کی روانگی کی خبر ملی۔ اگر یہ لشکر کسی طرح کرک پہنچ جاتا تو محصورین کی قوت دوچند ہو جاتی۔ ②

مسلمانوں کے لیے اس حالت میں محاصرہ جاری رکھنا نقصان دہ تھا کیوں کہ اس طرح وہ اس دشوار گزار پہاڑی علاقے میں وہ دونوں طرف سے دشمن کے درمیان گھر جاتے۔ اس کے علاوہ کرک کے قریب اس لشکر کی موجودگی کے باعث مصر سے شام کی شاہراہ بند ہوچکی تھی اور مسلمانوں کی امدادی افواج اور قافلوں کی آمد و رفت ناممکن ہوگئی تھی اس لیے مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ پہلے نصرانیوں کے امدادی لشکر سے نمٹا جائے اور پھر کرک کا رخ کیا جائے۔

① کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/200؛ مفرج الکروب: 1/150 ② الکامل فی التاریخ: 7/307

ریمنڈ سے مقابلے کے لیے روانگی: چنانچہ سلطان نے محاصرہ اٹھا کر کرک کے عقب میں الوالہ کی طرف کوچ کیا جہاں مخبروں کی اطلاع کے مطابق ریمنڈ کا لشکر ٹھہرا ہوا تھا۔ سلطان نے فوج کے پڑاؤ کا بھاری ساز و سامان قریبی شہروں میں بھجوا دیا اور فوج کو ہلکا پھلکا رکھ کر پوری احتیاط کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے بلقاء کے قریب حسان نامی ایک گاؤں میں پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ جگہ فرنگیوں کے عین راستے پر تھی۔ اس سے آگے نہایت تنگ اور دشوار گزار گھاٹیاں شروع ہو جاتی تھیں اس لیے مسلمانوں کا آگے بڑھنا خلاف احتیاط تھا۔

یہاں ٹھہر کر مسلمان پانی کے چشموں پر بھی قبضہ کر چکے تھے۔ اگر وہ تاخیر سے یہاں پہنچتے یا اب اس جگہ کو چھوڑتے تو فرنگی پانی کے ان وسائل پر قبضہ کر لیتے جس کے بعد مسلمان کرک کے چٹیل علاقے میں گھر کر شام کی جانب سے آنے والی کمک اور پانی کے ذرائع دونوں سے محروم ہو جاتے۔ اس لیے سلطان چند دن 'حسان' میں ٹھہر کر فرنگیوں کے آگے بڑھنے کا انتظار کرتے رہے تاکہ کھلے میدان میں ان سے دو دو ہاتھ کیے جا سکیں مگر فرنگی پہاڑوں کی اوٹ میں دبکے رہے۔ کئی دن اس طرح گزر گئے تو سلطان نے ان کے لیے راستہ کھلا چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا اور امرائے افواج سے کہا:

"میری رائے یہ ہے کہ ہم یہاں سے کوچ کر کے ان کی راہ سے دور ہٹ جائیں تاکہ وہ تنگ گھاٹیوں سے کھلے علاقے میں نکل آئیں، تب ہم پلٹ کر ان پر ٹوٹ پڑیں اور غلبہ حاصل کر لیں۔"

امرائے لشکر کے اتفاق کے بعد سلطان نے امیر عزالدین جاولی کو راستے میں فرنگی لشکر کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے مقرر کر دیا اور خود فوج کے ساتھ چند میل دور ماعین کے مقام تک ہٹتے چلے گئے۔

ریمنڈ کا لشکر 26 جمادی الاخریٰ 580ھ (3/ اکتوبر 1184ء) تک الوالہ کے پہاڑی علاقے میں رکا رہا، پھر راستہ صاف دیکھ کر آگے بڑھا اور حیرت انگیز طور پر سلطان کے مخبروں کی نگاہوں سے بچ کر راتوں رات دشوار گزار غیر معروف پہاڑی راستوں سے کرک کی طرف نکل گیا۔ سلطان کے جاسوسوں اور سپاہیوں کو اس کا اندازہ خاصی دیر سے ہوا۔ ان کے بعض افسران اپنے دستوں کے ساتھ اس فوج کے پیچھے لپکے اور انھیں روکنے کے لیے اگلے دن سورج ڈھلنے تک ان پر حملے کرتے رہے مگر فرنگی لشکر رکے بغیر آگے بڑھتا رہا اور بالآخر کرک تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ تاہم یہ غیر معروف راستہ اتنا کٹھن تھا کہ فرنگیوں کی اکثر سواریاں ضائع ہو گئی تھیں۔ سلطان کو یہ اطلاع ملی تو وہ کف افسوس مل کر رہ گئے۔ نئی فوج کے آجانے سے کرک کا دفاع بہت مضبوط ہو چکا تھا، اس لیے محاصرے پر وقت ضائع کرنا بے سود تھا۔ ❶

❶ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/204 : 1/169

نابلس پر حملہ اور واپسی ❋ سلطان نے کرک کی مہم ملتوی کردی اور فوج کو ساحلی علاقوں کی طرف بڑھنے کا حکم دیا جہاں اس وقت فرنگیوں کی قوت بہت کم رہ گئی تھی۔ پہلے نابلس پر حملہ کیا اور بہت سا مال غنیمت حاصل کرنے کے بعد شہر کو آگ لگادی۔ پھر فوج کو یہاں سے مختلف سمتوں میں پھیلا کر فرنگیوں کی بستیوں پر چھاپہ مار حملے شروع کردیے۔

ایک دن سلطان نے ایک جگہ رک کر اس بکھری ہوئی فوج کو جمع کیا اور پھر پوری قوت سے سبسطیہ پر حملہ کیا۔ یہ وہ بستی ہے جہاں مشہور تاریخی روایات کے مطابق حضرت زکریا علیہ السلام کو شہید کیا گیا تھا۔ ان کے مقام شہادت پر نصرانیوں نے گرجا بنایا ہوا تھا جس میں بے اندازہ مال و دولت جمع تھا۔ پادریوں اور راہبوں کی ایک بڑی جماعت اس گرجے میں مقیم تھی۔ گرجے میں ایک جیل خانہ بھی تھا جس میں بہت سے مسلمان ایک عرصے سے قید تھے۔ سلطان سے خوفزدہ ہوکر پادریوں نے جان کی امان طلب کی اور تمام مسلمان قیدی آزاد کردیے۔ ان کارروائیوں میں ''سمرة'' فرقے کے یہودی بھی زد میں آئے۔ یہ ''سامرا'' نامی پہاڑ کی طرف منسوب متعصب یہودی فرقہ تھا۔ سلطان نے ان کے بہت سے افراد کو قیدی بنایا اور ان سے خوراک اور مویشیوں کے بڑے بڑے ذخائر غنیمت میں حاصل کیے۔ ان علاقوں میں قید بے شمار مسلمانوں کو آزاد کرالیا گیا۔ اس دوران سلطان کو خلافت عباسیہ کے سفیروں کے دمشق پہنچنے کی اطلاع ملی جس کی وجہ سے ان کی واپسی ضروری ہوگئی۔ [1]

وہ اکثر فوج کو وہیں چھوڑ کر فوراً دمشق کی طرف روانہ ہوگئے۔ سلطان کی فوج نے ان کی عدم موجودگی میں بھی کئی دن تک چھاپہ مار کارروائیاں جاری رکھیں اور جینن کو بھی ویران کردیا۔ نابلس کے صرف دو قلعے ان کی دست برد سے محفوظ رہ گئے۔ ان کارروائیوں کے بعد فوج نے واپسی اختیار کی اور دمشق کے قریب راس الماء کے مقام پر سلطان سے آملی۔ [2]

مشہور مسلم سیاح ابن جبیر اندلسی سلطان کی اس مہم کے دوران شام کی سیاحت کررہا تھا، وہ لکھتا ہے:

''اس جہاد کی مثال دنیا میں نہیں سنی گئی۔ جب ہم دمشق سے نکل رہے تھے تو مسلمانوں کے ابتدائی قافلے مال غنیمت سے لدے پھندے آرہے تھے۔ قیدیوں کی تعداد کا کوئی حد و حساب نہ تھا۔ سلطان دمشق سے ہماری روانگی کے بعد ہفتے کے دن شہر میں داخل ہوئے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ تھوڑی فوج کے ساتھ لوٹے ہیں اور اس مہم پر دوبارہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے۔'' [3]

---

1. سلطان الفتح: 1/180
2. ہمارا سلطان ص 113، بحوالہ ...
3. رحلۃ ابن جبیر: 1/209

<u>دربارِ خلافت کے سفیر</u>: 7 جمادی الثانیہ کو سلطان دمشق پہنچے، دربارِ خلافت کے سفیر شیخ الشیوخ صدرالدین اور علامہ شہاب الدین بشیر بے چینی سے ان کے منتظر تھے۔ وہ ایک بار پھر حکومت موصل اور سلطان کے درمیان بہتر تعلقات استوار کرنے کی غرض سے نکلے تھے اور سلطان کے محاصرہ کرک کے دوران ہی دمشق پہنچ گئے تھے مگر جب سلطان دمشق پہنچے تو یہ دونوں بزرگ شدید بیمار پڑ گئے تھے۔ سفارتی وفد کے کئی دیگر ارکان کا بھی یہی حال تھا بلکہ ان میں سے بعض اس بیماری میں فوت ہو گئے تھے۔ سلطان کو اس ناگہانی المیے پر بے حد رنج ہوا۔ وہ روزانہ ارکانِ وفد کی عیادت کے لیے منیبع کی مہمان سرائے جاتے جہاں یہ حضرات قیام پذیر تھے۔ سلطان نے ان کی بھرپور مہمان نوازی کی اور علاج معالجے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ سفارت جس مقصد کے لیے آئی تھی اس پر گفتگو کی نوبت نہ آسکی تاہم شیخ الشیوخ نے سلطان کو دربارِ خلافت کی جانب سے خلعت پہنائی۔ اس کے ساتھ انہوں نے خلیفہ کی جانب سے الملک العادل اور ناصر الدین محمد بن شیرکوہ کو بھی خلعتیں دیں۔ سلطان کے امیر نورالدین محمد بن قرا ارسلان کے لیے بھی دربارِ خلافت سے خلعت آئی تھی جو سلطان نے خود اسے پہنائی۔ [1]

<u>بغدادی عالم کا قصیدہ</u>: اس موقع پر بغداد کے جید عالم محمد بن عبیداللہ الکاتب کا ارسال کردہ ایک قصیدہ سلطان کی خدمت میں پڑھ کر سنایا گیا۔ شاعر نے کہا تھا:

وَغَضِبْتَ لِلدِّيْنِ الْحَنِيْفِ وَلَمْ تَزَلْ فِي اللهِ تَرْضىٰ مُنْذُ كُنْتَ وَتَغْضَبُ

آپ دین اسلام کے لیے غضبناک ہوئے اور جب سے آپ موجود ہیں، آپ ہمیشہ اللہ ہی کی خاطر راضی اور غضبناک ہوتے ہیں۔

فَادَرْتَ اهلَ البَغْيِ بَيْنَ مُجَنْدِلٍ لَقِيَ الْحَمَامَ وَخَائِفٍ يَتَرَقَّبُ

آپ نے سرکشوں کو اس حال تک پہنچا کر چھوڑا کہ ان میں سے کچھ ادھ موئے موت کے گھاٹ اتر رہے ہیں اور کچھ خوفزدہ ہو کر اس کے منتظر ہیں۔

أوهاربٍ ضاقَتْ عليهِ بِرُحْبِهَا الارضُ القضاءُ وايْنَ مِنْكَ الْمَهْرَبُ

اور کچھ فرار ہو رہے تھے جن پر کشادہ زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہو چکی تھی اور بھلا آپ سے بچ کر وہ کہاں جا سکتے ہیں۔ [2]

<u>سفرائے بغداد کی وفات</u>: جب سفارتی وفد کے قیام کو کئی دن گزر گئے تو شیخ الشیوخ صدرالدین نے

---

[1] النوادر السلطانیہ، ص 113؛ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/204
[2] سنا البرق الشامی: 1/190

واپسی کی اجازت طلب کی مگر سلطان نے انہیں قدرے آرام آجانے تک دمشق میں ٹھہرنے کی تاکید کی کہ ان کی طبیعت اب تک ناساز تھی۔

کچھ دنوں بعد شیخ الشیوخ نے ایک بار پھر واپسی پر اصرار کیا، سلطان نے بادلِ نخواستہ اجازت دے دی اور انہیں اعزاز واحترام کے ساتھ رخصت کیا۔ عماد الدین کا دست راست حسام الدین طمان کرک کی مہم میں سنجاری سپاہیوں کی کمان کرتے ہوئے سلطان کے ساتھ تھا اور اب واپس جا رہا تھا۔ سلطان نے اسے تاکید کی کہ شیخ الشیوخ اور شہاب الدین بشیر کو اپنے ساتھ ہی لے جائے اور ان کا پورا پورا خیال رکھے۔ یہ شعبان (نومبر) کا مہینہ تھا، موسم شدید تھا، اس لیے سفرائے بغداد کو رخصت کرنے کے بعد بھی سلطان کو ان کے متعلق برابر فکر دامن گیر رہی۔ سلطان کا خدشہ درست ثابت ہوا۔ یہ دونوں بزرگ راستے میں نیم جان ہوگئے۔ شہاب الدین بشیر نے راستہ میں سخنہ کے مقام پر وفات پائی اور صدر الدین نے بغداد پہنچتے ہی رحبہ میں جان جانِ آفریں کو سونپ دی۔ سلطان کو ان کی وفات کا گہرا دکھ ہوا۔ [۱]

یوسف بن عبدالمؤمن کی وفات ✽ انہی دنوں (ربیع الاول 580ھ میں) مراکش کے حکمران یوسف بن عبدالمؤمن کا اندلس کی عیسائی ریاست شنترین پر یلغار کے دوران انتقال ہوگیا۔ اس نے مؤحدین کے دوسرے حکمران کی حیثیت سے مراکش اور اندلس پر بائیس سال تک بڑی آن بان سے حکومت کی تھی۔ یورپی حکمران اسے اپنا خطرناک دشمن تصور کرتے تھے۔ علامہ ابن اثیر کے قول کے مطابق ''وہ ایک نیک سیرت حکمران تھا۔ علماء سے محبت کرتا تھا۔ انہیں قریب رکھتا اور مشوروں میں شریک کرتا تھا۔''[۲]

۱ کتاب الروضتین: تحت 580ھ، فصل رحیل السلطان الی دمشق
۲ الکامل: 1/194

فصل: 6

موصل پر فوج کشی کی تیاری

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ماہ رمضان سے پہلے مختلف شہروں کی افواج کو اپنے اپنے مقام پر واپس بھیج دیا۔ مصری فوج 15 شعبان کو تقی الدین عمر کے ساتھ مصر روانہ ہوگئی۔ سلطان صلاح الدین عموماً ماہ رمضان پورے اطمینان سے عبادت میں مصروف رہ کر گزارتے تھے، اسی لیے ہم ان کی جہادی مہمات کا دورانیہ اکثر شوال سے شروع ہوتا دیکھتے ہیں۔ اس بار بھی انہوں نے رمضان دمشق میں گزارا اور پورے اہتمام سے روزے، تراویح اور دیگر عبادات ادا کیں۔

شوال میں عید کی مسرتوں سے لطف اندوز ہونے کے بعد سلطان نے موصل پر فوج کشی کی منصوبہ بندی شروع کردی۔ دو وجوہ سے یہ کام ناگزیر تھا۔ اول تو اہلِ موصل اور عراق کے حکمرانوں قزل بن پہلوان اور شمس الدین پہلوان کے گٹھ جوڑ اور سلطان کے خلاف ان کے اتحاد سے دونوں حکومتوں کے درمیان تعلقات کشیدہ تر ہو چکے تھے۔ دوسرے موصل سے معاہدوں کے ایفاء، سفارتی آداب کے لحاظ اور مذاکرات میں کوئی معقول رویہ اختیار کرنے کی امید بھی باقی نہیں رہی تھی۔ پھر موصل کا اپنے اتحادیوں کے ساتھ مل کر سلطان کے حلیف زین الدین یوسف کے علاقے اربل پر حملہ کر کے وہاں کے باشندوں کو قتل کرنا اور بستیوں کو خاکستر بنا دینا سلطان صلاح الدین ایوبی کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ زین الدین یوسف کے سفیر سلطان کے پاس یہ فریاد لے کر آ چکے تھے کہ انہیں اہلِ موصل کے مظالم سے نجات دلائی جائے اور سلطان اس پکار سے بے توجہی نہیں برت سکتے تھے۔

ان پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے سلطان صلاح الدین اب نہ صرف موصل بلکہ عراق وشمالی ایران کے ان تمام حکمرانوں کی گوشمالی ضروری سمجھتے تھے جن کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ وہ ان کے خلاف کسی بھی اتحاد میں شمولیت کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے۔ [1]

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/211، الکامل فی التاریخ: 7/310

<u>حماۃ میں پڑاؤ</u>٭- ماہ ذی قعدہ 580ھ (فروری 1185ء) میں جبکہ موسم معتدل ہو چکا تھا سلطان ایوبی نے جنگی مہم کی تیاری کا حکم دیا۔ افواج کے تیار ہونے تک سلطان چستی برقرار رکھنے کے لیے روزانہ شکار پر نکل جاتے تھے۔ جب افواج جمع ہو گئیں تو سلطان نے کوچ کیا اور 24 گھنٹوں کے سفر کے بعد 20 ذی قعدہ (23 فروری) کو بعلبک پہنچ گئے۔ پھر حمص سے ہو کر حماۃ میں پڑاؤ ڈالا۔ ذی الحجہ کے آخر تک وہ یہیں رک کر اطراف کے انتظامی معاملات بہتر بنانے میں مصروف رہے۔[1]

<u>مظفر الدین کوکبری پر عتاب</u>٭- نئے ہجری سال 581ھ کے آغاز میں سلطان نے حماۃ سے کوچ کیا اور حلب جا پہنچے جہاں الملک العادل نے شہر سے باہر آ کر تل السلطان کے مقام پر ان کا استقبال کیا۔ سلطان چند دن حلب کے باہر ٹھہرے رہے۔ مختلف شہروں کی افواج یہاں جمع ہوتی رہیں۔ ماہ صفر (مئی 1185ء) میں وہ اصل ہدف موصل کی طرف روانہ ہوئے۔ دریائے فرات پر آس پاس کے شہروں اور قلعوں سے کشتیاں جمع کی گئیں اور مزید بہت سی نئی چھوٹی بڑی کشتیاں بنائی گئیں۔ البیرہ سے چھ میل دور برسا کے مقام سے لشکر تین دن تک دریا کے پار اترتا رہا۔[2]

سلطان دریا عبور کر کے پہلے حران جانا چاہتے تھے جس کے حاکم مظفر الدین کوکبری نے گزشتہ بار کی طرح اس مرتبہ بھی موصل پر فوج کشی کے لیے کئی ترغیبی خطوط بھیجے تھے۔ اس کے سفیر ابن ماہان نے سلطان کے دریا پار کرنے سے پہلے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں اپنے آقا کا دستخط شدہ رقعہ بھی دیا تھا جس میں سلطان کو موصل پر فوج کشی کے لیے پچاس ہزار دینار بطور اخراجات پیش کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ سلطان کے حران پہنچتے ہی پہلے دن یہ رقم نذر کر دی جائے گی۔

معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کو ان دنوں رقم کی شدید ضرورت تھی اس لیے انہوں نے اس رقم کی وصولی کو غیر معمولی اہمیت دی۔ البیرہ میں مظفر الدین نے ان کا استقبال کیا مگر رقم کے بارے میں کچھ نہ کہا۔ حران پہنچ کر سلطان منتظر رہے کہ مظفر الدین اپنا وعدہ پورا کرے۔ تاہم کئی دن تک حران کے باہر پڑاؤ ڈالے رہنے کے باوجود مظفر الدین کی جانب سے مکمل خاموشی نے انہیں تشویش میں مبتلا کر دیا۔ مظفر سلطان کا سامنا کرنے سے کترا رہا تھا۔ پہلے تو سلطان مروت کی وجہ سے برداشت کرتے رہے مگر جب مظفر الدین کی جانب سے کوئی یقین دہانی یا عذر سامنے نہ آیا تو سلطان نے عماد اصفہانی اور قاضی شمس الدین بن فراشی سے کہا:

---

1. الکامل فی التاریخ: 7/310؛ سلطان صلاح الدین: 1/200
2. سلطان صلاح الدین: 1/212؛ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/224

''مظفر کے پاس جا کر اس کے حال کی خبر لو اور اسے بتاؤ کہ اس کے سفیر نے اس کی جانب سے ایک رقم نذر کرنے کا وعدہ کیا تھا۔''

یہ دونوں مظفر الدین سے ملنے گئے تو ان کا سامنا ہوتے ہی وہ قرآن مجید ہاتھ میں لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور قسم کھا کر کہا کہ ابن ماہان نے سلطان سے دروغ گوئی کی تھی، اور یہ کہ اس کی جانب سے کوئی ایسا وعدہ نہیں کیا گیا جس کا ابن ماہان نے ذکر کیا تھا۔ عماد اصفہانی اور قاضی شمس الدین نے سلطان کو یہ ماجرا سنایا تو سلطان سر جھکا کر کچھ سوچنے لگے۔

اگلے دن صبح سویرے سلطان نے میدان میں گشت کے دوران مظفر الدین کو ساتھ لے لیا، پھر اسے اپنے ساتھ شاہی قنات میں لے گئے اور وہاں اسے ایک خیمے میں نظر بند کر دیا۔

مظفر الدین کوکبری بہت بڑا سردار تھا، اس کی گرفتاری کا فیصلہ یقیناً خوش آئند نہیں تھا۔ اس سے ان تمام امراء کے اعتماد کو ٹھیس پہنچی تھی جو کوکبری کی تقلید میں سلطان کے حامی بنے تھے، چنانچہ پورے لشکر میں چہ می گوئیاں شروع ہو گئیں۔ اگرچہ بعض امراء اس فیصلہ کی حمایت کر رہے تھے مگر دور اندیش لوگوں نے اسے ایک غیر معقول کارروائی تصور کیا۔ ادھر کئی امراء جو کوکبری سے پرخاش رکھتے تھے، اسے مزید عتاب کا نشانہ بنوانے پر تل گئے۔ وہ خدشہ ظاہر کر رہے تھے کہ کہیں کوکبری کے سپاہی سلطان کے خلاف بغاوت نہ کر دیں۔ انہوں نے سلطان سے عرض کیا:

''اس شخص کے شر سے بے فکر نہ رہیے گا، ہماری رائے یہ ہے کہ اسے حلب کے قلعے میں منتقل کر کے جیل خانے میں ڈال دیا جائے۔''

مگر ان امراء کے جاتے ہی فقیہ عیسیٰ الہکاری اور قاضی شمس الدین سلطان کے پاس حاضر ہوئے اور انہیں عفو و درگزر کی تلقین کی۔ سلطان کو احساس ہو چلا تھا کہ کوکبری پر اس طرح ہاتھ ڈالنا مناسب نہیں تھا، چنانچہ انہوں نے فقیہ عیسیٰ الہکاری سے کہا:

''آپ جا کر کوکبری کو تسلی دیں اور اس کی گھبراہٹ دور کرنے کی کوشش کریں۔''

ادھر گرفتاری کے بعد مظفر الدین کوکبری کو موت کا خطرہ سر پر منڈلاتا دکھائی دے رہا تھا۔ فقیہ عیسیٰ نے جا کر اسے تسلی دی تو اس کی جان میں جان آئی، وہ عاجزی سے بولا:

''سلطان میری گردن کے مالک ہیں، میں اپنے تمام شہران کے حوالے کرنے اور ان کی خدمت میں ایک عام غلام کی طرح رہنے کے لیے بخوشی تیار ہوں۔''

فقیہ عیسیٰ نے کہا:

''اس کی ضرورت نہیں مگر سلطان چاہتے ہیں رُھا اور حران کے قلعے آپ ان کے سپرد کر دیں۔''

''بسر و چشم۔۔۔۔'' کوکبری نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا۔

فقیہ عیسیٰ نے سلطان کو یہ اطلاع دی تو ان کی بدگمانی خاصی حد تک دور ہو گئی تاہم تادیب کے لیے انہوں نے کچھ دنوں تک اسے نظر بند رکھا اور احتیاطاً پہلے اس سے رہا اور حران کے قلعے لے لیے۔

ربیع الاول کا چاند طلوع ہوا تو سلطان نے مظفر الدین کوکبری کو آزاد کر دیا اور اسے اپنے پاس بلا کر خلعت سے نوازا۔ بعد میں اس کی حسن کارکردگی نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ سچا وفادار ہے۔ چنانچہ سلطان نے چند ماہ بعد حران اور رُہا اسے واپس کر دیے۔ ۵

2 ربیع الاول 581ھ (2 جون 1185ء) کو سلطان نے حران سے کوچ کیا اور اسی دن راس عین پہنچ گئے، یہاں قلیج ارسلان کے سفیر نے آ کر سلطان کو اطلاع دی کہ مشرقی علاقوں کے تمام حکمران ان سے مقابلے پر آمادہ ہیں اور اگر سلطان نے موصل پر یلغار کی تو وہ سب کے سب ایک صف میں کھڑے ہو کر سلطان سے کھلے میدان میں لڑیں گے۔ یہ سلطان کے لیے ایک خطرناک دھمکی تھی مگر سلطان اسے خاطر میں لائے بغیر راس عین میں صرف ایک دن قیام کر کے دنیسر (دارا) پہنچے جہاں 8 ربیع الاول کو دیار بکر اور آمد کی افواج آملیں جو نور الدین بن قرا ارسلان کے بھائی عماد الدین کی قیادت میں تھیں، نور الدین خود شدید بیماری کے باعث اس مہم میں حاضر نہیں ہو سکا تھا۔ آگے بین النہرین کے علاقے میں معز الدین سنجر شاہ بھی آن پہنچا، اب سلطان نے عام شاہراہ کو چھوڑ کر دریائے دجلہ کی جانب جانے والا ایک مختصر ترین راستہ اختیار کیا۔

14 ربیع الاول 581ھ (14 جون) کو انہیں اطلاع ملی کہ ان کا مضبوط حلیف نور الدین بن قرا ارسلان شدید بیماری کے باعث دنیا سے رخصت ہو گیا ہے، سلطان نے یہ افسوسناک خبر سنتے ہی اس کے بھائی عماد الدین کو جو سلطان کے ہمراہ تھا، واپس بھیج دیا تاکہ وہ اپنے بھائی کے بعد ان علاقوں کا انتظام سنبھال لے۔

ربیع الاول کے آخر میں سلطان دریائے دجلہ کے کنارے پہنچ گئے۔ یہاں سے موصل زیادہ دور نہ تھا۔ سلطان نے آگے بڑھ کر موصل کی ایک نواحی بستی اسماعیلیات میں پڑاؤ ڈالا۔ مظفر الدین کوکبری کا بھائی حاکم اربل زین الدین یوسف بھی یہاں اپنی فوج کے ساتھ سلطان کے لشکر میں شامل ہو گیا۔ ۵

۵ مفرج الکروب: 213/1

۵ الحرب الصلیبیہ فی المشرق: 2/228، 230؛ مفرج الکروب: 214/1

موصل کا محاصرہ اور خلیفہ کے نام مکتوب ربیع الثانی 581ھ (جولائی) کے آغاز میں موصل کا محاصرہ شروع ہوا۔ روزانہ ایک دستہ روانہ ہو کر موصل کی فصیل کے سامنے پہنچنے لگا۔ سلطان نے افسران فوج کو تاکید کی تھی کہ وہ حملے میں جلدی نہ کریں اور لڑائی کو حتی الامکان موخر کرتے رہیں۔ سلطان چاہتے تھے کہ حملے سے پہلے خلیفہ بغداد ناصر کو مطمئن کر دیا جائے تا کہ اہل موصل دربار خلافت کو سلطان کے خلاف ورغلا نہ سکیں۔ چنانچہ سلطان نے کیمپ لگانے کے پہلے دن ہی خلیفہ کے نام ایک تفصیلی مراسلہ لکھوایا جس میں موصل کے محاصرے پر مجبور کرنے والے حالات کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا تھا کہ اہل موصل فرنگیوں سے خط و کتابت کر رہے ہیں، وہ انہیں اسلامی سرحدوں پر حملے کے لیے ابھار رہے ہیں اور امت مسلمہ میں تفرقہ پھیلا رہے ہیں۔ سلطان نے یہ بھی بتایا کہ وہ اپنی حدود مملکت میں اضافے کے لیے یہاں نہیں آئے بلکہ ان کا مقصد فقط اہل موصل کو خلیفہ کے حلقہ اطاعت میں واپس لانا اور اسلام کی نصرت کرنا ہے۔ وہ ان مظالم کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں جن کے اہل موصل عادی بن چکے ہیں اور انہیں پڑوسیوں کے حقوق کی نگہداشت اور صلہ رحمی کا سبق سکھانا چاہتے ہیں۔

سلطان نے اس خط میں اہل موصل کی قطع رحمی کی مثال میں حاکم موصل عزالدین مسعود کی اپنے بھتیجے سنجر شاہ سے بدسلوکی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ سنجر شاہ کو اس کے باپ نے موصل کا ولی عہد مقرر کیا تھا مگر امرائے موصل نے اسے اپنے موروثی حق سے محروم رکھا اور اس کی پرورش و تربیت میں رکاوٹ ڈالی، اس کے گھرانے کی خواتین کو خوفزدہ کیا اور قطع رحمی کا ثبوت دیا، اگر ممکن ہوتا تو وہ اسے قتل کرنے سے بھی گریز نہ کرتے۔ اس کے ساتھ ساتھ سلطان نے زین الدین یوسف کی ریاست پر اہل موصل کے مظالم کا تذکرہ کر کے یہ بھی ثابت کیا کہ حکومتِ موصل کو حقوق ہمسائیگی کا بھی کوئی پاس نہیں ہے۔ یہ مراسلہ قاضی ضیاء الدین شہروزی کو دے کر خلیفہ کی خدمت میں روانہ کر دیا گیا۔

سلطان نے موصل کے محاصرے کے ساتھ ان کرد قبائل کے قلعوں کو فتح کرنا بھی ضروری سمجھا جو عماد الدین زنگی کے دور سے اتابک سلطنت کے مضبوط بازو شمار ہوتے تھے۔ سلطان نے سیف الدین مشطوب ھکاری کو کرد امراء اور سپاہیوں کے ساتھ ھکاریہ کی طرف اور حمیدیہ قبائل کے امراء کو ''عقر'' اور اس کے نواحی علاقے فتح کرنے روانہ کر دیا۔ [1]

اہل موصل کی زنانہ سفارت موصل کا محاصرہ ہوا تو عزالدین مسعود کو اپنا کوئی مددگار نظر نہ آیا۔ اس کے اتحادی جو سلطان کے خلاف شانہ بشانہ لڑنے کے دعوے دار تھے، اپنی اپنی جگہ دبک گئے۔ آخر

[1] ...

عزالدین مسعود کو بھی مناسب معلوم ہوا کہ اپنا پہلو کمزور ظاہر کیے بغیر سلطان کو بہلا پھسلا کر مصالحت پر آمادہ کرے۔ اس مقصد کے لیے سلطان کے آقا نور الدین زنگی کے گھر کی خواتین کو واسطہ بنایا گیا۔ نور الدین زنگی کی صاحبزادی کو چند امرائے سلطنت، عزالدین مسعود کی والدہ اور کچھ دوسری معزز خواتین کے ہمراہ سلطان کی خدمت میں بھیجا گیا۔

سلطان صلاح الدین نے اس وفد کا غیر معمولی اعزاز و اکرام کیا تاہم جب انہوں نے سفارش کی کہ سلطان مصالحت کر لے اور محاصرہ چھوڑ کر واپس چلا جائے تو سلطان شش و پنج میں پڑ گئے۔ انہوں نے اپنے امراء اور مشیروں کی مجلس طلب کر کے یہ معاملہ ان کے سامنے رکھا۔

بہت سے امراء نے سلطان نور الدین زنگی کی صاحبزادی کے بیچ میں پڑنے کا لحاظ کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ مصالحت کر لی جائے مگر کرد امراء خصوصاً فقیہ عیسیٰ ہکاری اور علی بن احمد مشطوب نے دوٹوک انداز میں کہا:

"موصل جیسے شہر کو ایک عورت کی سفارش پر ہاتھ سے نہیں جانے دیا جائے گا، عزالدین مسعود نے انہیں اس لیے ہمارے پاس بھیجا ہے کہ وہ شہر کی مدافعت سے عاجز آ چکا ہے۔"[۵]

علامہ ابن اثیر الجزری کا بیان ہے کہ سلطان نے کرد امراء کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے مصالحت سے انکار کر دیا اور ان خواتین کو بے نیل مرام واپس کر دیا۔ اس پر موصل کے عوام غیظ و غضب اور نفرت سے بھر گئے۔ انہوں نے سلطان کا اس پامردی سے مقابلہ کیا جس کی سلطان کو بالکل توقع نہ تھی، سلطان کو اپنے فیصلے پر ندامت ہوئی اور انہوں نے ان امراء کو برا بھلا کہا جنہوں نے یہ غلط مشورہ دیا تھا۔ سلطان کے وزیر قاضی فاضل نے بھی خط لکھ کر سلطان کے اس فیصلے پر تنقید کی۔ یاد رہے کہ علامہ ابن اثیر الجزری، سلطان صلاح الدین کے ہم عصر مورخ تھے جن کی شہرہ آفاق تاریخ "الکامل فی التاریخ" اس دور کے حالات کا ایک اہم مآخذ ہے۔ ابن اثیر موصل سے تعلق رکھتے تھے اور یہاں کے حکمرانوں کے مداح تھے۔ سلطان کے اس محاصرے کے دوران وہ موصل میں موجود تھے۔

آئندہ دنوں میں سلطان نے پل باندھ کر موصل کے قریب سے گزرنے والی نہر عبور کر کے شہر کے ارد گرد پھیلے ہوئے خشک میدانی علاقے میں قدم رکھ دیا۔ یہاں لشکر کو نیم دائرے کی شکل میں شہر کے گرد تعینات کر دیا گیا۔ زین الدین یوسف اور مظفر الدین کوکبری جیسے امراء کو شہر کی مشرقی جانب متعین کر دیا گیا۔ باب عمادی کے باہر فریقین میں ہلکی پھلکی چھڑپیں بھی ہوتی رہیں۔ بہر کیف محاصرے کے کچھ دنوں بعد ہی سلطان کو اندازہ ہو گیا موصل کی فوج کی کمزوری کے باوجود شہر کی مضبوط فصیل ناقابل تسخیر ہے،

۵ الکامل: 311/7 تحت 581ھ

اس لیے محاصرہ لامحالہ طویل تر ہوگا۔ موصل کے باشندے اب تک کامیاب مزاحمت کر رہے تھے خصوصاً ان کے بعض گروہ جو دریائے دجلہ عبور کر کے لشکر پر مشرق سے حملے کر رہے تھے سخت پریشانی کا باعث تھے۔

اس موقع پر سلطان کو بعض امراء نے یہ مشورہ دیا کہ اگر دریائے دجلہ کا رخ موڑ کر شہر کو پانی کی فراہمی بند کر دی جائے تو جنگ اور طویل محاصرے کی نوبت نہیں آئے گی اور شہر والے خود ہی مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیں گے۔ اگرچہ یہ تجویز بڑی عجیب تھی تاہم سلطان نے اس پر غور کیا اور پھر مشہور ماہر تعمیرات فخر الدین بغدادی سے جو موصل کے باشندے تھے اور ان دنوں سلطان کے سایۂ عاطفت میں چلے آئے تھے، اس بارے میں رائے طلب کی۔ فخر الدین بغدادی نے غور و فکر کے بعد بتایا کہ ایسا بالکل ممکن ہے اور یہ کام زیادہ مشکل بھی نہیں ہوگا۔ سلطان کے سوانح نگاروں میں سے عماد اصفہانی، محمد بن تقی الدین اور المقدسی یہ بتاتے ہیں کہ سلطان نے اس مقصد کے لیے آلات منگوا لیے تھے، ماہر کاریگروں اور مزدوروں کی بھرتی شروع ہو گئی تھی مگر اس کے باوجود یہ کام شروع نہ کیا جاسکا۔ ①

ابن اثیر کے بیان سے اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس مسئلے میں سلطان کو غلط معلومات دی گئی تھیں اور حقیقت میں یہاں دریا کا رخ موڑ کر بھی اہل شہر کو پانی سے مکمل طور پر محروم کر دینا ممکن نہ تھا۔ جب سلطان پر یہ حقیقت آشکارا ہوئی تو انہوں نے اس بے فائدہ کام کو، جو خطیر اخراجات، طویل مدت اور بھاری پیمانے پر افرادی قوت کا تقاضا کر رہا تھا روک دیا۔ یہی نہیں بلکہ ان لوگوں کو ملامت بھی کی جنہوں نے اس فضول منصوبے کا مشورہ دیا تھا۔ ②

<u>محاصرہ اٹھانے کا فیصلہ اور اس کے اسباب</u> ٭ موسم گرما کے آغاز کے ساتھ ہی سلطان کے لیے ایک اور صبر آزما مرحلہ شروع ہو چکا تھا، موصل کے آس پاس کی گرم صحرائی آب و ہوا میں لو کے تھپیڑے ناقابل برداشت ہونے لگے تھے۔ سپاہی شدید گرمی کے باعث بھاری فوجی لباس اور فولادی زرہوں میں بڑی تکلیف محسوس کر رہے تھے، خطرہ تھا کہ وہ سب بیمار نہ پڑ جائیں۔ چنانچہ ربیع الثانی 581ھ (جولائی 1185ء) کے اختتام پر سلطان نے محاصرہ ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

موسم کی شدت کے علاوہ محاصرہ اٹھانے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اہل موصل کا ایک مضبوط اتحادی شاہ ارمن جو خلاط کا حکمران تھا، وفات پا گیا تھا۔ وہ لاولد تھا، مرنے سے پہلے اس نے کسی کو جانشین مقرر نہیں کیا تھا، چنانچہ خلاط میں ایک سیاسی بحران پیدا ہو گیا تھا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دو افراد خلاط پر قابض ہونے کی کوشش کر رہے تھے، ایک شاہ ارمن کا غلام بکتمر تھا اور دوسرا امدان او

① سنا برق الشامی:1/216، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین:3/230 ② الکامل فی التاریخ:7/311 تحت 581ھ

آذربائیجان کا حکمران شمس الدین پہلوان تھا جو مرحوم شاہ ارمن کا سسر بھی تھا۔ [1]

کہا جاتا ہے کہ شمس الدین پہلوان نے اپنی لڑکی اسی مقصد کے لیے ارمن شاہ کے نکاح میں دی تھی کہ مستقبل میں وہ اس رشتہ کا فائدہ حاصل کر کے خلاط کا اقتدار حاصل کر سکے۔ ارمن شاہ کی وفات 9 ربیع الثانی 581ھ (9 جولائی 1185ء) کو ہوئی تھی، اس کے مرتے ہی اس سلطنت کا بااثر مملوک بکتمر حکومت پر قابض ہونے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ ادھر شمس الدین پہلوان نے اپنے داماد کا ملک ہڑپ کرنے کے لیے ایک لشکر کے ساتھ خلاط کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ اہل خلاط شمس الدین پہلون سے جان بچانا چاہتے تھے، چنانچہ فوراً سلطان صلاح الدین کو خطوط بھیجے کہ وہ آ کر خلاط کی حکومت سنبھال لیں ورنہ شمس الدین پہلون اس پر قابض ہو جائے گا۔

سلطان کو شاہ ارمن کی وفات کی خبر اور اہل خلاط کی پیش کش 20 ربیع الثانی کو پہنچی۔ وہ پہلے ہی موصل کے محاصرے کے طول پکڑ جانے سے اکتا چکے تھے، اس لیے فوراً امراء کو جمع کر کے اس بارے میں مشورہ طلب کیا۔ امرائے لشکر نے مختلف آراء دیں۔ کچھ کا کہنا تھا کہ موصل کا محاصرہ ہرگز نہ ختم کیا جائے اور شہر فتح ہونے تک یہ مہم جاری رکھی جائے۔ بعض امراء کہہ رہے تھے کہ موصل کا محاصرہ کچھ دنوں بعد دوبارہ کیا جا سکتا ہے، جبکہ خلاط جیسے مضبوط اور اہم شہر کی حکومت جو آج ہمیں مفت مل رہی ہے، بعد میں لاکھ جتن کرنے سے بھی نہیں ملے گی۔

ان امراء کا یہ کہنا اس لحاظ سے درست تھا کہ خلاط کا قلعہ اور شہر پناہ ناقابل تسخیر شمار ہوتے تھے۔ یہ شہر ایسے مقام پر واقع تھا جہاں سے عراق، ایران، گرجستان، شام اور ایشیائے کوچک پر بیک وقت نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔ کہا جاتا تھا کہ اگر کوئی فاتح عرب و عجم اور اہل روم کو شکست دے کر ان سب پر اپنا قبضہ مستحکم رکھنا چاہے تو اس کے لیے خلاط سے بہتر مرکز کوئی نہیں۔

ظاہر بات تھی کہ ایسے اہم شہر پر اہل موصل کے قدیم حلیف شمس الدین پہلون کا قبضہ عراق پر سلطان کی گرفت کو کمزور اور اہل موصل کے متحدہ محاذ کو بہت مضبوط کر دیتا۔ چند مشیروں نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے، ایک موصل کا محاصرہ بدستور جاری رکھے اور دوسرا جا کر خلاط پر قبضہ کر لے۔

ابھی یہ مشورے جاری تھے کہ خلاط کے امراء میں سے عماد الدین ملک خود سلطان سے آ کر ملا اور سلطان کو فی الفور کوچ کی ترغیب دی۔ سلطان صلاح الدین نے رات بھر غور کیا اور اگلی صبح محاصرہ ختم کر کے پوری فوج کے ساتھ خلاط کی طرف بڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔ [2]

[1] الکامل فی التاریخ: 312/7 [2] سلطان ایوبی: 217/1

اواخر ربیع الثانی 581ھ (اواخر جولائی) میں سلطان نے موصل سے کوچ کیا۔ ہراول دستے کے طور پر ناصر الدین شیر کوہ اور مظفر الدین کوکبری کو بھیجا جنھوں نے مختصر ترین راستے سے پیش قدمی کر کے نواح خلاط میں بطوانہ کے مقام پر ڈیرے ڈال دیے۔ ❶

اہل خلاط کی عجیب سیاست مگر وہاں پہنچ کر انھیں معلوم ہوا کہ ارمن شاہ کے مملوک سیف الدین بکتمر نے خلاط کا اقتدار سنبھال لیا ہے اور خلاط کے عوام بھی اس کے حامی ہیں تو وہ ششدر رہ گئے۔ ادھر شمس الدین پہلوان بھی اپنے لشکر کے ساتھ آن پہنچا اور شہر کی دوسری سمت خیمہ زن ہوگیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اہل خلاط سلطان کی فوج کے لیے دروازے کھول دیتے مگر ایسا نہ ہوا۔ خلاط کا وزیر مجد الدین ابن رشیق جو اس کھیل کا اہم کردار تھا، اپنے نمائندوں کے ذریعے سلطان سے محبت اور دوستی کا اظہار کرتا رہا، اس نے سلطان کے سالار ناصر الدین محمد کو یہاں تک کہا کہ وہ فوجیں مزید آگے لا کر فصیل کے بالکل قریب پڑاؤ ڈالے تاکہ اس کی گرفت مضبوط رہے مگر اس کے باوجود اہل خلاط نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا اور شہر سلطان کے حوالے کرنے میں ٹال مٹول کرتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شمس الدین پہلوان سے بھی خط و کتابت کررہے تھے جو شہر کی دوسری سمت موجود تھا۔ سلطان کی افواج کو پہلے سے خلاط کے سامنے پا کر اسے خطرہ محسوس ہورہا تھا کہ اگر اس نے شہر پر حملہ کیا تو اہل خلاط کسی پس و پیش کے بغیر سلطان کی حمایت کا اعلان کر کے شہر کو شامی فوجوں کے حوالے کر دیں گے۔ اس لیے وہ چپ چاپ کھڑا رہا۔ اسے بہتر یہی محسوس ہوا کہ شہر پر سلطان کا قبضہ ہو نہ اس کا۔ یہی ہوا، خلاط پر کسی کا قبضہ نہ ہوسکا۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے اس واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اہل خلاط کی سلطان سے خط و کتابت ایک فریب تھی، ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ سلطان کے ذریعے شمس الدین پہلون سے اپنی مدافعت کریں اور پہلوان کے ذریعے سلطان کا راستہ روکیں۔ چنانچہ وہ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب رہے۔ ❷

آخر میں اہل خلاط، شمس الدین پہلوان اور سلطان کے نمائندوں کے مذاکرات ہوئے اور طے پایا کہ دونوں بیرونی فوجیں خلاط کو اس کے حال پر چھوڑ کر واپس چلی جائیں گی۔ چنانچہ سلطان کی افواج واپس چلی آئیں۔ اس طرح خلاط کے نئے حاکم بکتمر اور وزیر مجد الدین نے اپنے سے بڑے دو نامور سیاست دانوں کو آپس میں الجھا کر اپنا دامن صاف بچالیا۔

بعد کے دنوں میں اہل خلاط کا شمس الدین پہلوان کی طرف جھکاؤ اس وقت واضح ہوگیا جب انھوں

---

❶ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/231، الکامل فی التاریخ: 7/312

❷ مفرج الکروب: 1/217، الکامل فی التاریخ: 7/312

نے اپنے ہاں پہلوان کی سیاسی بالادستی تسلیم کرتے ہوئے اس کے نام کا خطبہ جاری کر دیا۔[1]

غرض خلاط کی مہم سلطان کے لیے مکمل طور پر ناکامی کا مرقع ثابت ہوئی۔ اگر سلطان موصل کے محاصرے پر ڈٹے رہتے تو یہ اس ناکام مہم میں وقت ضائع کرنے سے کہیں بہتر ہوتا۔ درحقیقت سلطان کو موصل کا محاصرہ چھوڑنے پر آمادہ کرنے والے امراء میں زیادہ تر وہی لوگ تھے جو سلطان نورالدین زنگی کے خانوادے کی نسبت سے اتابکی حکمرانوں کا دل سے احترام کرتے تھے اور سلطان کا ان سے الجھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ علامہ ابن اثیر جزری اس حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جو امراء اتابکی خانوادے کی تکالیف کو ناپسند کرتے تھے، انہوں نے سلطان کو موصل سے کوچ کر جانے کا مشورہ دیا اور کہا: خلاط کی مملکت وسیع اور بڑی ہے اور وہ کسی حکمران سے محروم ہے جبکہ موصل کا ایک بادشاہ ہے جو اس کی حفاظت اور مدافعت کر رہا ہے۔ جب ہم وہاں (خلاط) پر قابض ہو جائیں گے تو اس (موصل) کا اور دوسرے شہروں کا مسئلہ آسان ہو جائے گا۔"[2]

معاملے کے ان پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ سلطان دوطرفہ دھوکے کا شکار ہوئے تھے۔ ایک طرف ان کے کچھ امراء نے مشورے میں اپنی حکومت کی بجائے اہل موصل کی خیرخواہی کو پیش نظر رکھا اور سلطان کو بہکانے میں کامیاب ہو گئے۔ دوسری طرف خود خلاط کے امراء نے سلطان کو فریب دیا اور ان کے ذریعے اپنا مفاد حاصل کر لیا۔

آمد اور میافارقین کا مسئلہ ✽ خلاط کی مہم تو کامیابی سے ہم کنار نہ ہوسکی مگر سلطان صلاح الدین کی بلند اقبالی نے اس ناکام سفر کو بھی فتوحات کے پھولوں سے سجا دیا۔ جن دنوں سلطان کے ہراول کے افسران ناصرالدین محمد اور مظفرالدین خلاط کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، سلطان ان کے پیچھے آتے ہوئے دیاربکر کے علاقے میافارقین کے سامنے رک گئے تھے تاکہ اس علاقے کے سیاسی منظرنامے کا مشاہدہ کرتے ہوئے جائیں۔

دیاربکر دریائے دجلہ کے مغرب میں صفین کے قریبی پہاڑوں سے شروع ہو کر ایشیائے کوچک کی حدود تک پھیلا ہوا علاقہ ہے۔ آمد، ارزن، میافارقین اور ماردین اس کے اہم شہر شمار ہوتے ہیں۔ یہاں جگہ جگہ پہاڑی قلعے تھے جن میں جنگجو کرد سرداروں کی حکومت تھی، یہ سارا علاقہ کردستان میں شامل سمجھا جاتا تھا۔ اس علاقے کی دفاعی اہمیت کے لحاظ سے سلطان کی ایک مدت سے اس پر نظر تھی۔ پھر یہ سلطان کے ہم قبیلہ لوگوں کا وطن تھا جو سلطان کے بہترین حامی ثابت ہو سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان

[1] الکامل فی التاریخ: 312/7

[2] الکامل فی التاریخ: 312/7

نے موصل کے محاصرے کے ساتھ ہی اپنے بعض امراء کو دیار بکر سے متصل کردستان کے علاقوں ہکاریہ اور عقر وغیرہ کے قلعے فتح کرنے بھیج دیا تھا۔ دیار بکر میں سلطان کے قیام کی سب سی بڑی وجہ یہاں آمد اور میافارقین جیسے دو اہم شہروں کے سیاسی معاملات تھے۔

آمد کی ولایت سلطان نے نورالدین محمد بن قرا ارسلان کو دی تھی مگر نورالدین سلطان کی حالیہ مہم موصل کے دوران 14 ربیع الاول 581ھ (14 جون 1185ء) کو انتقال کر گیا تھا۔ سلطان نے اس وقت آمد کے معاملات کو سنبھالنے کے لیے نورالدین کے بھائی عمادالدین کو وہاں روانہ کر دیا تھا مگر اس کے پہنچنے سے پہلے ہی نورالدین کا کم عمر بیٹا سقمان (جس کا لقب قطب الدین تھا) باپ کی گدی پر براجمان ہو گیا تھا۔ سقمان کو یہ ڈر تھا کہ کہیں سلطان صلاح الدین اس سے باپ کی وراثت چھین نہ لیں، اس لیے جب سلطان نے اس کے چچا کو آمد کے معاملات سنبھالنے کے لیے بھیجا تو اس نے چچا کو اقتدار پر ہاتھ ڈالنے کا موقع نہ دیا۔

میافارقین پر بنو ارتق کی حکومت تھی، یہ شام کا وہ مشہور قبیلہ ہے جس کے بہادر امراء نے پانچویں صدی ہجری میں بیت المقدس کی بڑی پامردی سے حفاظت کی تھی۔ پھر شام پر سلجوقیوں اور بیت المقدس پر فرنگیوں کے قبضے نے انہیں دیار بکر کی حدود میں سمٹ جانے پر مجبور کر دیا تھا، تب سے یہ خاندان نسل در نسل دیار بکر کا وارث چلا آ رہا تھا، ماردین اور میافارقین اس وقت بھی اسی خاندان کے پاس تھے مگر ایک سال قبل جمادی الثانیہ 580ھ میں میافارقین کے حکمران قطب الدین ایلغازی کے وفات پا جانے کے بعد سے یہ شہر ایک سیاسی بحران سے گزر رہا تھا۔

سلطان صلاح الدین نے اس بحرانی کیفیت سے بروقت فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور میافارقین کی طرف بڑھے۔ اس دوران آمد کا بحران حل کرنے کے لیے سلطان نے طے کر لیا تھا کہ شہر کی حکومت مرحوم امیر نورالدین کے بیٹے سقمان ہی کے پاس رہنے دی جائے گی۔ اس وقت سلطان کے بعض امراء نے انہیں آمد پر قبضے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا:

''آپ نے یہ شہر نورالدین کو عطا کیا تھا، اب اس میں کوئی حرج نہیں کہ اس کے لڑکے سے جو کم عمر ہے، یہ ولایت واپس لے لی جائے۔ خصوصاً اس لیے کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضری سے کترا رہا ہے۔''

سلطان نے اس مشورے کو مسترد کرتے ہوئے کہا:

''اس طرح تو یہ معاملہ اتنا بگڑ جائے گا کہ تلافی ناممکن ہو جائے گی۔ ہم قابل اعتماد افراد کے ذریعے

پہلے تحقیق کریں گے کہ اصل صورتحال کیا ہے؟ اور اپنا معاملہ یقینی معلومات پر انجام دیں گے۔"

اب سلطان نے قاضی الدین محمد بن فراش کو آمد بھیجا تا کہ وہ حالات کا رخ بھانپیں۔ قاضی صاحب نے وہاں جا کر دیکھا کہ مرحوم نور الدین کا لڑکا نہ صرف سلطان کی اطاعت پر آمادہ ہے بلکہ خدمت میں حاضر ہونے کی تیاری کر رہا ہے۔

اس دوران سلطان میافارقین کی طرف گامزن تھے جہاں سابق حاکم قطب الدین ایلغازی کی موت کے بعد اس کا ایک کم سن بیٹا علامتی طور پر تخت نشین تھا، حکومت کے معاملات مرحوم کی بیوی نے سنبھال رکھے تھے جبکہ افواج کی باگ ڈور ایک بہادر تجربہ کار سالار اسد الدین برنقش کے ہاتھ میں تھی۔ ان لوگوں نے سلطان سے ڈٹ کر مقابلے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چنانچہ یکم جمادی الاولیٰ 581ھ (30 جولائی 1185ء) کو سلطان نے میافارقین کا محاصرہ کر لیا۔ [1]

اسد الدین برنقش نے زبردست دفاعی انتظامات کے ساتھ شہر پناہ اور قلعے کو مسلح سپاہیوں سے بھر دیا تھا۔ منجنیقیں اور عرادے نصب کر دیے تھے۔ اس لیے کئی دنوں کے محاصرے کے بعد بھی شہر کے سر ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔

سلطان کے سپاہی بار بار کے دھاووں کے باوجود کوئی کامیابی حاصل نہ کر پائے۔ ان کی منجنیقیں شہر پناہ کو شکستہ نہ کر سکیں۔ ایک دن میافارقین کے چھاپہ ماروں نے شہر سے نکل کر ایک طوفانی حملے میں سلطان کی خاص منجنیق کو نذر آتش کر دیا، اس دن زبردست معرکہ ہوا اور فریقین کے بہت سے سپاہی کٹ مرے۔ سلطان کا بہترین افسر یوسف منجنیقی بھی اس دن کی لڑائی کی نذر ہو گیا۔ [2]

<u>میافارقین کی بہادر ملکہ</u> ❊ میافارقین کے سپاہیوں کی مدافعت میں جہاں ان کے سالار اسد الدین کی صلاحیتوں کا دخل تھا، وہاں ان کی بلند ہمتی کا بڑا سبب سابق حاکم کی بیوی کا حوصلہ تھا۔ وہ اپنے سپاہیوں میں آخر دم تک لڑنے کی روح پھونک چکی تھی۔ یہ خاتون بڑی پارسا اور غیرت مند تھی۔ اس کی کئی بیٹیاں تھیں جن کی پرورش اور حفاظت کے لیے وہ فکر مند رہتی تھی۔ سلطان کو اس کی نیکی اور شرافت کا علم ہوا تو انہوں نے چاہا کہ کسی طرح لڑائی کا سلسلہ ختم کر کے محصورین کو گفت شنید اور مصالحت پر آمادہ کر لیا جائے۔ اس مقصد کے لیے سلطان نے حریف سالار اسد الدین کو مراسلے بھیجنے شروع کیے۔ کسی میں حسن سلوک کے وعدے اور خاص عنایات کی پیش کش تھی اور کسی میں باز نہ آنے پر خطرناک نتائج کی <u>دھمکیاں۔ اسد الدین پر اس نامہ و پیام کا بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ اس نے جواب میں کہلوا دیا:</u>

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/232؛ سلطان اعظم: 1/210 ما عن البدایۃ والنہایۃ: حوادث 581ھ

[2] سلطان اعظم: 1/210

''میں اپنے آقا کا حق ادا کر رہا ہوں۔''

اس نے سلطان پر یہ بھی واضح کر دیا کہ اس کے آقا قطب الدین ایل غازی کی وفات کے بعد اصل اختیارات آقا کی بیگم کو حاصل ہیں لہٰذا سلطان کو اس سے رابطہ کرنا چاہیے۔ اس وضاحت کے بعد سلطان نے کئی مراسلے بھیج کر ملکہ کو ہتھیار ڈالنے کی تلقین کی مگر بے سود۔ آخر سلطان نے لکھوا بھیجا:

''ہم بہر صورت اس وقت تک یہاں سے نہیں اٹھیں گے جب تک شہر فتح نہ ہو جائے۔ مگر ہم آپ کے گھرانے کی نگہداشت اور آپ کے حقوق کی ادائیگی کے سب سے زیادہ ذمہ دار ہیں۔ ہم اس شہر کو فتح کرنے کے بعد بھی آپ کی رضامندی کے خلاف کچھ نہیں کریں گے۔ اس کے علاوہ ہم آپ کی بیٹیوں میں سے کسی ایک سے اپنے ایک بیٹے کا رشتہ کرنا چاہیں گے۔''

سلطان نے اس قسم کی فراخ دلانہ پیش کشوں پر مشتمل کئی پیغامات پے در پے بھیجے اور ملکہ کو اطمینان دلایا کہ میافارقین اور نواحی علاقوں پر اسی کا حکم چلتا رہے گا۔ آخر کار ملکہ کو سلطان کی باتوں پر یقین آ گیا اور اس نے شہر حوالے کر دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ [1]

سلطان نے اس کے فوراً بعد حریف فوج کے سالار اسد الدین برنقش کو پیغام بھیجا:

''جھگڑا اور بے کا تکی ترک کر دو، تمہاری ملکہ ہم سے مصالحت اور رشتہ داریوں پر آمادہ ہے۔''

اسد الدین یہ پیغام ملتے ہی نرم پڑ گیا اور جنگ روک دی۔ میافارقین کا گرم محاذ جہاں طاقت کی زبان کام نہ آئی، افہام و تفہیم سے کام چل گیا۔ شہر کے دروازے کھول دیے گئے۔ سلطان نے ملکہ کے ساتھ بہترین سلوک کیا۔ اس نے جو مانگا بلا تکلف دے دیا، کسی وعدے کی تکمیل میں ذرا بھی دیر نہ لگائی گئی، خاتون نے ذاتی رہائش کے لیے ''ہتاخ'' کا قلعہ مانگا اور سلطان نے بلا تردد اس کے نام کر دیا۔

بدھ 29 جمادی الاولی 581ھ (27/ اگست 1185ء) کو سلطان میافارقین شہر میں داخل ہوئے۔ یہاں عماد اصفہانی اور قاضی نجم الدین عصرون نے سلطان کے حکم سے ان کے بیٹے الملک المعز اسحٰق اور ملکہ کی بیٹی کے مابین عقد نکاح کی تیاریاں کر رکھی تھیں۔ سلطان کی جانب سے عماد اصفہانی اور خاتون کی طرف سے قاضی نجم الدین عصرون نکاح کے وکیل تھے۔ سلطان اور میافارقین کے امراء اور عمائد کی موجودگی میں عقد نکاح ہوا۔

رسم نکاح کے بعد سلطان ایوبی مبارکباد وصول کرنے کے لیے شادی کی قنات میں بیٹھے رہے۔ یہاں شہر کے رؤساء اور اہم شخصیات آ کر ان سے ملتی رہیں۔ سلطان نے ملکہ کی خدمت میں دلہن کے لیے بیش

[1] مسلمانان عالم: 220/1

قیمت تحائف پیش کیے، امیر اسدالدین برتقش کو بھی اس موقع پر گراں قدر انعامات سے نوازا۔

اسی دن سلطان کو ایک اور خوشی دیکھنے کو ملی۔ آمد کے سابق حاکم نورالدین کا کم سن بیٹا سقمان اظہار اطاعت کے لیے ان کی خدمت میں آن پہنچا، سلطان نے اپنے امراء کو آگے بڑھ کر اس کے استقبال کا حکم دیا اور پھر خود بھی ان کے پیچھے چلے آئے۔ سقمان کے لیے اعزاز واکرام کا یہ منظر حیران کن تھا۔ وہ سلطان کی فیاضی اور حسن سلوک کا قائل ہو گیا۔ [1]

سلطان نے سقمان کو آمد سمیت اس کے والد کی تمام ولایت کا حاکم مقرر کر دیا اور اس کی رہنمائی کے لیے اس کے باپ کے ایک معتمد امیر کو ذمہ دار بنا دیا۔ سلطان نے اس سے یہ وعدہ لیا کہ وہ اپنے تمام اہم فیصلوں اور احکام میں مرکز سے رجوع کا پابند رہے گا۔ [2]

یوں دیار بکر کی مہم جو ابتداء میں ناکام نظر آ رہی تھی، فتوحات اور مسرتوں کے ملاپ کے ساتھ نہایت خوشگوار انداز میں اختتام پذیر ہوئی۔

---

1. کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/233، 234، سنا البرق الشامی: 1/221
2. ایضاً

فصل:7

خود احتسابی اور اصل مقصد کے لیے تجدید عزم

دیار بکر اور کردوں کے تمام علاقے سلطان صلاح الدین کے لیے مسخر ہو چکے تھے۔ اب سلطان پورے اطمینان کے ساتھ موصل کا رخ کر سکتے تھے تاہم اس سے پہلے خلاط کے معاملے کو دوبارہ ایک نظر دیکھنا ضروری تھا جسے فتح کرنے کے لیے وہ موصل کا محاصرہ ادھورا چھوڑ کر آئے تھے مگر خلاط ان کے بس سے باہر ہی رہا تھا۔

سلطان میافارقین سے چل کر شاطئی قرامان نامی ایک بستی میں ٹھہر گئے اور شمس الدین بہلوان سے مراسلت شروع کی جواب تک خلاط کے باہر اپنی فوج کے ساتھ موجود تھا۔ سلطان کو معلوم ہوا تھا کہ اہل خلاط شمس الدین بہلوان کی حمایت پر آمادہ ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی سابق حکمران خلاط ارمن شاہ کی بیوی شمس الدین بہلوان کی بیٹی تھی، وہ اہل خلاط کی طرف سے گراں قدر تحائف اور مال و دولت لے کر اپنے باپ کے پاس گئی تھی اور اسے راضی کر لیا تھا۔ اس کے بعد خلاط میں بہلوان کے نام کا سکہ جاری کر دیا گیا تھا اور جمعہ کے خطبے میں خلیفہ کے نام کے ساتھ اس کا نام بھی لیا جانے لگا تھا۔[1]

<u>فقیہ عیسیٰ الہکاری خلاط میں</u> ❊ سلطان صلاح الدین نے اہل خلاط کی اس وعدہ خلافی اور فریب کاری پر احتجاج کے لیے اپنے مصاحب فقیہ عیسیٰ الہکاری کو خلاط بھیج دیا۔ وہ خلاط کے وزیر مجد الدین ابن رشیق سے ملے اور اسے سلطان کی تشویش سے آگاہ کیا۔ وزیر نے شمس الدین بہلوان کی بالادستی اور دباؤ کو ان تمام تبدیلیوں کا سبب قرار دے کر اپنی گلو خلاصی کی کوشش کی اور ساتھ ہی کہا:

"اگر آپ جلدی کر لیتے اور بہلوان سے پہلے خلاط پہنچ جاتے تو یقیناً اپنا مقصد حاصل کر لیتے مگر اب ہم مجبور ہیں۔"

<u>خلاط میں قیام کے ان دنوں میں فقیہ عیسیٰ الہکاری نے بہلوان کی عسکری قوت کا اندازہ لگانے کے</u>

[1] مفرج الکروب: 1/221

لیے ایک جاسوس اس کے کیمپ میں بھیجا تھا جو پکڑا گیا، تاہم اس نے ذہانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود کو سلطان کے سفیر فقیہ عیسیٰ کا نمائندہ کہہ کر متعارف کرایا، اس پر پہلوان کے امراء نے اسے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ فقیہ عیسیٰ کو خود یہاں آنا چاہیے۔ فقیہ عیسیٰ نے سلطان کو خط لکھ کر اجازت طلب کی اور اثبات میں جواب ملنے پر پہلوان کے کیمپ پہنچ گئے۔ وہاں انہوں نے بہترین سفارت کارانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر پہلوان کو دونوں حکومتوں کے مابین صلح وصفائی اور اتحاد وتعاون کی ضرورت کا احساس دلایا۔ پہلوان بھی سلطان کی طاقت سے خوب واقف تھا اور یہ اندازہ بھی لگا چکا تھا کہ اہل موصل کے اقبال کے دن گنے جا چکے ہیں چنانچہ اس نے سلطان سے تعلقات بہتر بنانے کے لیے لچک دار رویہ اختیار کیا اور فقیہ عیسیٰ کو اعزاز واکرام اور اس یقین دہانی کے ساتھ واپس بھیجا کہ وہ اپنی فوج کے ساتھ واپس لوٹ جائے گا۔ [1] ...... اگرچہ اس طرح سلطان کو خلاط سے کچھ حاصل نہ ہوا مگر وہ جانتے تھے کہ اس مضبوط ترین شہر کو مسخر کرنے کے لیے انہیں پہلے شمس الدین پہلوان سے لڑنا پڑے گا اور پھر طویل مدت کے لیے شہر کا محاصرہ کرنا ہوگا، ظاہر ہے کہ موصل کی مہم کے ادھورے ہوتے ہوئے یہ دونوں کام ممکن نہ تھے۔ اس وقت یہی غنیمت تھا کہ انہوں نے موصل کے ایک اہم اتحادی کو کسی قدر رام کر لیا تھا۔

موصل کا آخری محاصرہ ❊ ماہ رجب 581ھ (اکتوبر 1185ء) میں سلطان شاطئی قرمان سے روانہ ہو کر نصیبین پہنچے۔ رجب کے آخر میں یہاں پورا لشکر جمع ہو گیا تو سلطان نے موصل کی طرف پیش قدمی کی۔

راستے میں ایک حادثہ پیش آ گیا، ان کا قدیم نمک خوار امیر عزالدین جاؤلی جو ان کے مرحوم چچا اسدالدین شیرکوہ کا خاص رفیق کار رہا تھا، گھوڑے کے بدک جانے کے سبب زخمی ہو گیا، اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی، اسے دمشق لے جایا گیا مگر زخم بگڑتا چلا گیا اور آخر چند ماہ بعد یہی زخم اس کی موت کا سبب بنا۔

4 شعبان 581ھ (30/ اکتوبر) کو سلطان صلاح الدین کی فوج دریائے دجلہ کے کنارے موصل کی نواحی بستی ''کفرزمار'' کے مقام پر پڑاؤ ڈال چکی تھی۔ افق کے دھندلکے پر موصل کی فصیل اور برج دکھائی دے رہے تھے۔ یہاں شدید سردی پڑ رہی تھی تاہم سلطان نے موسم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے شہر کا سختی سے محاصرہ کر لیا۔ یہ موصل پر ان کی تیسری فوج کشی تھی اور اس بار وہ فتح کے بغیر واپس نہ جانے کا تہیہ کیے ہوئے تھے۔ محاصرے کے انتظامات کا معاینہ کرنے کے لیے وہ کبھی کبھار خود گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کے گرد گشت کرتے تھے اور افسران وسپاہ کی ہمت بلند رکھتے تھے۔

جہاں تک اہل موصل کا تعلق ہے وہ نہایت سراسیمہ تھے، عزالدین مسعود نے شہر کے دروازے

---

[1] سلطان نامہ: 222/1

مضبوطی سے بند کر کے سخت پہرہ مقرر کر دیا تھا، فصیل پر جگہ جگہ سپاہیوں کو چوکس کر دیا گیا تھا مگر اس کے باوجود اس بار اسے سلطان کی گرفت سے بچ نکلنا ناممکن محسوس ہو رہا تھا، اس کا آخری سہارا اس کے اتحادی تھے جو بالکل بے حس نظر آتے تھے۔ ❶ اہل موصل کی اس وقت جو حالت تھی اس کا اندازہ قاضی بہاؤالدین شداد کے درج ذیل بیان سے لگایا جا سکتا ہے:

''عزالدین حاکم موصل نے امداد حاصل کرنے کے لیے مجھے خلیفہ کے پاس بھیجا۔ وہاں سے بھی کچھ حاصل نہ ہوا، جب میں بغداد سے لوٹا اور اسے مکتوب کا جواب پہنچایا تو وہ کمک سے ناامید ہو گیا۔''

اب موصل سے مختلف عمائد کو صلح کی درخواست کے لیے سلطان کے پاس بھیجا جانے لگا۔ ❷

اتابکی خواتین کا وفد اور مذاکرات کا آغاز: اس دوران موصل کے گرد و نواح سے بھی سرکردہ افراد کے کئی وفود سلطان کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے۔ اکثر سلطان کو اپنی وفاداریوں کا یقین دلا رہے تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو سلطان سے محصورین کے ساتھ بہتر سلوک کی درخواست کر رہے تھے۔ عزالدین مسعود کے بھیجے ہوئے وفود میں سے ایک خواتین کا تھا جن میں اتابک خانوادے کی معزز بیگمات شامل تھیں۔ مسعود کو یقین تھا کہ سلطان اس بار ان معزز عورتوں کی درخواست نہیں ٹھکرائے گا۔ اس وفد نے عاجزانہ لہجے میں التماس کی کہ جنگ بندی کر کے مصالحت کر لی جائے اور اہل شہر سے لطف و مہربانی کا معاملہ کیا جائے۔ سلطان نے مستورات کا بے حد اعزاز و اکرام کیا اور ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے کہا:

''بہر صورت ہمارے اور اہل موصل کے درمیان کوئی ایسا معاملہ طے مکمل طور پر طے پایا جانا ضروری ہے جس پر دل جڑ جائیں، ذہن مطمئن ہو جائیں اور جس کا فائدہ سب کو ہو۔'' ❸

سلطان کے ان الفاظ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ محاصرے کے ابتدائی دنوں میں جہاں وہ اپنی کامیابی کے بارے میں پر امید تھے وہاں پوری وسعتِ قلبی کا ثبوت بھی دینا چاہتے تھے اور فریق مخالف کی بے بسی کو کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی اس کی خاندانی شرافت کا پورا لحاظ کرنا چاہتے تھے۔ سلطان کا مقصد موصل کے قلعے اور شہر پر قبضہ کرنا تھا نہ اس کی فوجی قوت کو پارہ پارہ کرنا۔ بلکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح موصل کے حکام ان کے دست و بازو بن کر اپنی قوت جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کریں اور ان کے خلاف روزانہ نت نئی سازشوں کے جال پھیلانے کی بجائے اپنی صلاحیتوں کو اس حکومت کی

❶ کتاب الروضتین: 3/237، 247، سلطان ایوبی: 1/223
❷ النوادر السلطانیہ، ص: 110
❸ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/234

حمایت میں استعمال کریں جو بیت المقدس کی آزادی کا پرچم اٹھائے ہوئے ہے۔

بعض مورخین نے یہاں تاثر دیا ہے کہ سلطان موصل پر قبضے سے عاجز آگئے تھے۔ مگر یہ خیال درست نہیں۔ موصل کی فتح دیر طلب ضرور تھی مگر ناممکن نہیں۔ اگر سلطان اس بار شہر فتح کرنے پر تل جاتے تو شاید دنیا کی کوئی طاقت ان کو روک نہیں سکتی تھی مگر یہ سلطان کی عالی ظرفی تھی کہ انہوں نے از خود صلح کو ترجیح دی کیوں کہ ان کی یہ لڑائی کفار سے نہیں، مسلمانوں سے تھی، اس لیے وہ اس میں حتی الامکان نرمی سے کام لینا چاہتے تھے۔ وہ محسوس کررہے تھے کہ اگر گفت و شنید کے ذریعے اہل موصل کو اطاعت پر آمادہ کرلیا جائے تو ان کا مقصد بہتر انداز میں پورا ہوجائے گا، اس وقت مذاکرات کی کامیابی کے امکانات اس لیے بہت روشن تھے کہ اہل موصل پہلے کبھی اتنے تنہا نہیں تھے جیسا کہ اس وقت۔ اتابک خاندان کی مستورات کا خود آکر صلح کی التماس کرنا مجبوری کی انتہا ہی تو تھی۔

آخر کار اہل موصل کی مجبوری اور سلطان کی نرم خوئی نے مذاکرات کا دروازہ کھول دیا، دونوں جانب سے سفیروں کی آمد و رفت شروع ہوگئی۔ موصل کی حکومت کا وزیر باتدبیر مجاہد الدین قایماز اس میں سرگرم کردار ادا کررہا تھا۔ چونکہ اہل موصل کو سلطان سے شدید عداوت رہی تھی اور سلطان کو بھی ان کے عہد و پیمان پر اعتماد نہ تھا اس لیے درمیان میں کسی ایسے ثالث کا پڑنا ضروری تھا جس پر دونوں فریق بھروسہ کرسکتے ہوں۔ سلطان کو حاکم سنجار عماد الدین اس مقصد کے لیے سب سے موزوں دکھائی دیا۔ اہل موصل بھی اس پر مطمئن ہوگئے کیوں کہ وہ حاکم موصل عز الدین کا بھائی اور سابق اتحادی تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنا قاصد بھیج کر عماد الدین سے اس کا نمائندہ بطور ثالث طلب کیا، اس نے اپنے وزیر شمس الدین الکافی کو بھیج دیا، اِدھر سلطان کی جانب سے قاضی عسکر قاضی شمس الدین کو سفیر مقرر کیا گیا تھا، اس طرح مصالحتی وفد میں دونوں طرف سے "شمس الدین" آمنے سامنے ہوگئے۔

اب انہیں حکام موصل سے مل کر صلح کے نکات طے کرنا تھے۔ یہ بات ظاہر تھی کہ اس صلح نامہ میں سلطان صلاح الدین فاتح اور حکام موصل مفتوح تھے، معاملات برابری کی سطح پر نہیں تھے بلکہ سلطان کی بالادستی مسلم تھی۔ حکام موصل سلطان کی خوشنودی کے لیے شہرزور، قرابلیہ، بنو قفجاق اور بوازیج ورستاق کے علاقے قلعوں اور جاگیروں سمیت حوالے کرنے کے لیے تیار تھے۔ لیکن ابھی صلح کی بات چیت جاری تھی کہ اچانک سلطان کی شدید بیماری نے اس سلسلے کو روک دیا اور تقریباً دو ماہ تک اس علاقے کے سیاسی معاملات معلق رہے۔ ۵

---

۵ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/226، مفرج الکروب: 1/224

سلطان کی شدید ترین بیماری ✽ سلطان کی بیماری کی یہ روداد بڑی عجیب ہے۔ موصل کا محاصرہ شعبان 581ھ (اکتوبر 1185ء) میں شروع ہوا تھا۔ غالباً اس کے ساتھ ہی سلطان صلاح الدین کی طبیعت ناساز ہو چلی تھی مگر انہوں نے اس کا اظہار نہ ہونے دیا۔ وہ کئی سالوں سے مسلسل جنگی مہمات میں مشغول تھے، درمیان میں کوئی وقفہ آتا تو دو چار ماہ سے زیادہ کا نہ ہوتا۔ اتنے سالوں میں سلطان نے گنے چنے کچھ دن فصیل بند شہروں اور محفوظ عمارتوں میں گزارے تھے۔ ان کا زیادہ تر قیام متشکر کے اپنے سادے سے خیمہ میں رہتا۔ محرم 578ھ میں مصر سے شام چلے آنے کے بعد اکثر جنگی مہمات کی کمان وہ خود کر رہے تھے۔ ان کے بڑے بڑے جرنیل رخصت پر جاتے رہتے تھے مگر سلطان کے لیے تعطیل یا آرام کا لفظ اجنبی تھا۔ ان کی زندگی اب مسلسل کٹھن اور طویل سفروں میں بسر ہو رہی تھی۔ شب و روز مختلف علاقوں کے سرد و گرم موسموں کا سامنا کرنے میں گزرتے۔ بدنی مشقتوں کے ساتھ ساتھ وہ اکثر سوچ بچار میں مصروف رہتے۔ اس کے علاوہ عبادات اور ذکر و وظائف کا بھی ناغہ نہ کرتے، اسی ذہنی اور جسمانی ریاضت نے انہیں اندرونی طور پر تھکا کر کئی امراض میں مبتلا کر دیا تھا۔ اور اب ان امراض کا اثر آہستہ آہستہ ظاہر ہونے لگا تھا۔

سلطان نے بیماری کے اس حملے کا بڑے حوصلے سے سامنا کیا۔ وہ موصل کی فیصلہ کن مہم پر نکلے تھے اور بے نتیجہ واپس نہیں جانا چاہتے تھے۔ ان کی بیماری کا شہرہ صورتحال کا پانسا پلٹ سکتا تھا۔ اس لیے وہ اپنی خداداد ہمت کے بل بوتے پر تمام کام معمول کے مطابق انجام دیتے رہے۔ طبیب ان کی بیماری کی سنگینی کو بھانپ چکے تھے اور انہیں مکمل آرام کا مشورہ دے رہے تھے مگر سلطان خود کو ہشاش بشاش اور چاق و چوبند ظاہر کرتے رہے۔ وہ گھوڑے پر ایک صحت مند آدمی کی طرح سواری کرتے تھے حالاں کہ ان کی حالت کے پیش نظر یہ مناسب نہ تھا۔

رمضان کا مقدس اور بابرکت مہینہ شروع ہوا تو سلطان کی محنت و ریاضت اور بڑھ گئی، اس بار خلاف معمول وہ ماہ مبارک حالت جنگ میں گزار رہے تھے۔ انہوں نے روزوں کا کوئی ناغہ نہ ہونے دیا۔ روزوں اور مرض کی وجہ سے ان کی خوراک بہت کم رہ گئی تھی۔ جنگی امور کے ساتھ ساتھ وہ عبادت کا بھرپور اہتمام کر رہے تھے۔ زیادہ وقت تلاوت کلام اللہ میں صرف کر رہے تھے۔ انہیں قرآن مجید حفظ کرنے کا بے حد شوق تھا۔ وقت نکال کر وہ اسے تھوڑا تھوڑا حفظ کرتے رہتے تھے۔ اس ماہ کی مبارک ساعات میں انہوں نے حفظ قرآن کا اہتمام زیادہ شروع کر دیا۔ ناساز طبیعت پر یہ اضافی مجاہدہ آخر کار ان کے مرض کی شدت کا باعث بن گیا۔[1]

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/237،235

موصل سے کوچ، حران میں قیام اور بیماری کی شدت: صلح کی بات چیت شروع ہونے کے ساتھ ہی موصل کا محاذ ٹھنڈا پڑ گیا تھا، اگرچہ برتری کا تاثر برقرار رکھنے کے لیے سلطان کا وہاں ٹھہرے رہنا بہتر تھا مگر ان کی صحت اجازت نہیں دے رہی تھی۔ موصل کی آب و ہوا انہیں موافق نہ آئی تھی، پھر محاذ کے ماحول میں آرام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا چنانچہ ماہ رمضان کے آخر میں اچانک موصل کا محاصرہ اٹھا لیا گیا اور عید الفطر سے ایک دن پہلے سلطان نے کوچ کر دیا۔ 8 شوال 581ھ (یکم جنوری 1186ء) کو سلطان ''نصیبین'' پہنچے اور آخری عشرے تک ٹھہرے رہے۔ اس دوران موصل کے حکام سے سفیروں کے ذریعے مذاکرات جاری رہے اگرچہ ان کی رفتار بہت سست تھی۔

شوال کے آخر میں سلطان صلاح الدین نے دمشق کا رخ کیا مگر حران پہنچ کر بیماری اتنی شدت اختیار کر گئی کہ وہ بستر سے لگ گئے۔ سفر موقوف ہو گیا اور تمام مصروفیات معطل ہو گئیں۔ مرض روز بروز بڑھتا گیا۔ ایک دن طبیبوں نے سلطان کی خلوت گاہ سے نکلتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا:

''کوئی امید باقی نہیں ہے، ہر شخص کی عمر طے ہے۔''

اس جملے سے سلطان کے وفاداروں پر بجلی گر پڑی جبکہ کچھ لوگ اپنی خدمات کی وابستگیاں تبدیل کرنے پر غور کرنے لگے، خطرہ تھا کہ سب کچھ الٹ پلٹ نہ ہو جائے۔ حلب میں الملک العادل ابو بکر یہ المناک خبر سنتے ہی منزلیں پھلانگتا ہوا چند دن میں حران پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ بہترین طبیب تھے جنہوں نے سلطان کے علاج معالجے میں اپنی تمام صلاحیتیں صرف کر دیں۔ الملک العادل نے اس موقع پر ذمہ داری کا سب سے بڑھ کر ثبوت پیش کیا۔ سلطان کی اُمور سلطنت سے لاتعلقی بہت بڑے بحران کا سبب بن سکتی تھی مگر الملک العادل نے قائم مقام حکمران کے طور پر سلطنت کی باگ ڈور سنبھال لی اور تمام معاملات کو خوش اسلوبی سے انجام دینا شروع کر دیا۔[1]

اس وقت سلطان کی جانشینی کے بارے میں بھی چہ مگوئیاں شروع ہو چکی تھیں۔ سلطان نے یہ دیکھ کر یہ وصیت لکھوا دی:

''اگر مجھے موت آ جائے تو میں نے ابو بکر و عمر عثمان و علی کو پیچھے وارث چھوڑ دیا ہے، ان میں سے ہر ایک کو میں اپنی مراد کے مطابق جہاد فی سبیل اللہ کے لیے کافی محسوس کرتا ہوں۔''[2]

(ابو بکر سے سلطان کے بھائی الملک العادل ابو بکر، عمر سے مراد سلطان کے چچا زاد تقی الدین عمر، عثمان

---

[1] سلسلہ الایوبی: 1/227، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/238، 239

[2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/240

سے اپنے بیٹے الملک العزیز عثمان اور علی سے دوسرے بیٹے الملک الافضل علی کی طرف اشارہ ہے)

مرض میں سلطان کی بلند ہمتی: عام طور پر بیماری اور تکلیف انسان کو چڑچڑا اور بدمزاج بنا دیتی ہے۔ خصوصاً حاکموں کی نازک مزاجیاں ایسے حالات میں بہت شدت اختیار کر لیتی ہیں مگر سلطان کی حالت یہ تھی کہ جسم ناتواں مگر حوصلہ جواں تھا، طبیعت کی گراوٹ کا اخلاق پر کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا تھا بلکہ اپنے خدمتگاروں، ملاقاتیوں، مصاحبین اور منصب داروں سے وہ عام دنوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ شفقت اور مہربانی کے ساتھ پیش آتے رہے۔ [1]

بیماری کے باعث اگرچہ وہ امور سلطنت کی انجام دہی سے قاصر تھے مگر انہوں نے گوشہ نشینی اختیار نہیں کی۔ علماء، فقہاء، مشائخ، امراء، ادیب اور شاعران کی محفل میں ستارے بن کر جھلملاتے رہتے۔ کبھی فقہی مسائل اور شرعی احکام پر گفتگو ہوتی اور کبھی شعر و ادب کے نکات زیر بحث آجاتے۔ کبھی سلطان کی روح کو نئی توانائی بخشنے والے موضوع ''جہاد'' کے تذکرے چھڑتے، قرآن و حدیث میں مذکور اس عمل کے فضائل بیان کیے جاتے جنہیں سن کر سلطان کو ہر بار اک نیا سرور محسوس ہوتا تھا۔

کبھی کبھی سلطان کے لیے محفلِ سماع بھی منعقد کی جاتی جس میں شرعی آداب کے مطابق خوش الحانی کیساتھ حمد و نعت اور عارفانہ کلام پیش کیا جاتا۔ باجے، ساز اور طبلے سارنگی کا اس محفل میں قطعاً گزر نہیں ہوتا تھا۔ [2]

مرض کی شدت کی حالت میں بھی سلطان حران کے شہری علاقے کی کسی شاندار عمارت کی بجائے فوجی کیمپ کے خیمے میں ہی مقیم رہے۔ تاہم جب بیماری طول پکڑتی چلی گئی تو انہوں نے خیمے کے ساتھ ایک مکان اور حمام تعمیر کرالیا۔ یہ سادہ سی تعمیر چار پانچ دن میں مکمل ہوگئی۔ اس دوران دمشق سے سلطان کے چھوٹے بیٹے توران شاہ اور ملک شاہ اپنی والدہ سمیت آگئے تھے۔ سلطان نے انہیں بھی اس نئے گھر میں ٹھہرالیا۔ بعد میں جب سلطان صحت یاب ہوکر دمشق چلے گئے تو یہ مکان مسافروں کے لیے خیراتی سرائے کے طور پر وقف کردیا گیا اور سلطان کی شفایابی کی یاد میں اس کا نام ''دار العافیۃ'' رکھ دیا گیا۔ [3]

ملکہ عصمت الدین کی وفات: بیماری کے دنوں میں سلطان پر ایک اندوہ گین حادثہ گزرا۔ ماہ ذی قعدہ میں جبکہ ان کی بیماری انتہائی حدود کو چھو رہی تھی، ان کی اہلیہ ملکہ عصمۃ الدین کا دمشق میں انتقال ہوگیا۔ عصمۃ الدین دمشق کے عظیم جرنیل معین الدین انز کی بیٹی تھی، سلطان نے 572ھ میں اس سے نکاح کیا۔ یہ نہایت نیک سیرت، پرہیزگار اور صدقہ اور خیرات کی عادی خاتون تھی۔ سلطان کو اس سے

[1] کتاب الروضتین تحت 581ھ [2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 230/3 [3] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 241/3

اتنی محبت تھی کہ عماد کاتب کے بقول "وہ بیماری کی اس شدت میں بھی روزانہ اسے ایک طویل خط لکھا کرتے تھے، حالانکہ لکھنے کی تکان اور تفکر سے سلطان کے ضعف میں مزید اضافہ ہو رہا تھا۔" جب ملکہ عصمۃ الدین کی وفات کی خبر حران پہنچی تو سلطان کے خواص نے کئی دنوں تک اسے راز میں رکھا کہ کہیں اس شدید صدمے سے سلطان کی طبیعت مزید نہ بگڑ جائے۔ ❶

بستر مرگ پر بھی نوازشوں کا سلسلہ ❀ سلطان کی خطرناک بیماری کی خبر جنگل کی آگ کی طرح مشرق و مغرب میں پھیل گئی تھی، جگہ جگہ سلطان کی صحت یابی کے لیے بے تابانہ دعائیں کی جارہی تھیں۔ جہاں تک سلطان کا تعلق ہے وہ خود صاحب فراش ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ پر بھرپور اعتماد اور توکل کا مظاہرہ کر رہے تھے، اس کے ساتھ ساتھ ان کی سخاوت اور فیاضی ان دنوں حد سے متجاوز ہو گئی تھی۔ عماد کاتب اصفہانی جو سلطان کے اس سفر میں بھی ان کے شب و روز کے ساتھی تھے، ان المناک دنوں کے حالات کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہاتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بلند تھے اور عقیدتیں اخلاص کے ساتھ سفارش کر رہی تھیں، کفر کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں اور تقدیر اپنے فیصلے کر رہی تھی۔ جب بھی سلطان کی تکلیف بڑھتی جاتی تھی، اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے ان کی امید میں بھی اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ جب بھی وہ کمزور ہوتے اللہ تعالیٰ پر ان کا بھروسہ اور طاقتور ہو جاتا تھا۔ میں رات دن ان کے ساتھ ساتھ رہتا۔ وہ ہر وقت مجھے وصیتیں املاء کراتے رہتے، اور میرے قلم سے اپنے تیمارداروں پر عطایا نچھاور کرتے رہتے۔" ❷

وہ مزید لکھتے ہیں:

"ایک رات ان کی حالت اس قدر بگڑ گئی کہ طبیب بھی ان کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ ناامیدی غالب آ گئی اور امید جاتی رہی، صبح ہوئی تو ان کے تیماردار، آستانے کے درباری اور ان کی بارگاہ سے امید وابستہ رکھنے والے لوگ جمع ہو گئے، ان کی سسکیوں کا یہ عالم تھا کہ اس سے اندھیری رات ڈر جائے اور ٹھوس چٹان پگھل جائے۔ سلطان نے اس بارے میں دریافت کیا تو عرض کیا گیا: یہ آپ کے ملاقاتی ہیں جو آپ کے دروازے پر جمع ہیں اور آپ کی حالت پر غمزدہ ہیں۔ سلطان نے مجھے بلوا کر ان لوگوں کے نام تحریر کرنے اور خزانے میں موجود سارا مال ان میں تقسیم کر دینے کا حکم دیا۔ ہم نے شام کو دیکھا کہ ان کی چوکھٹ پر کوئی سوالی باقی نہیں رہا۔ ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ سلطان اپنی تکلیف کے سوا کسی چیز پر توجہ نہیں دے سکیں گے مگر سلطان نے اس فیاضی کی وجہ سے ہی آرام محسوس کیا۔"

❶ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/243، 244 ❷ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/238

سلطان صلاح الدین نے اپنی بیماری کے ایام میں نہ صرف خود اسی طرح مال و دولت خرچ کرنے کا سلسلہ جاری رکھا بلکہ دیگر عہدے داروں کو بھی اس کی تاکید کرتے رہے۔ عماد کاتب سے شام اور مصر کے نائبین کے نام حکم نامے لکھوائے کہ فقراء اور مساکین پر صدقہ و خیرات کے دروازے کھول دیے جائیں۔ سلطان کے سوانح نگاروں کے بقول ان دنوں میں سلطنت کا کوئی غریب ایسا نہ رہا جسے اس فیاضی سے حصہ نہ ملا ہو۔ [1]

اپنا محاسبہ، قاضی فاضل رحمہ اللہ کا مشورہ اور سلطان کی زندگی کا اہم موڑ:۔ بیماری کے دنوں میں سلطان صلاح الدین ایک سچے خدا ترس مسلمان کی طرح اپنے اعمال اور کردار کا تنقیدی جائزہ بھی لے رہے تھے اور اپنی زندگی کا محاسبہ کر رہے تھے۔ بادشاہ ہوتے ہوئے انہوں نے دنیا پرستی اور عیش و آرام سے جس طرح منہ موڑ رکھا تھا اس کی بدولت انہیں دنیا چھوڑنے کا کوئی افسوس نہیں تھا۔ تاہم موت کو اتنا قریب دیکھ کر انہیں یہ خوف ضرور تھا کہ ان کی سالہا سال کی جدوجہد اور جاں سوزی کہیں رائگاں نہ چلی جائے اور ان کے بعد آزادیٔ القدس کی منزل کی طرف بڑھنے والا قافلہ اپنی راہ سے بھٹک نہ جائے۔ سلطان کو اس کا پختہ یقین تھا کہ موت کا وقت اٹل ہے جس میں لمحہ بھر کی تبدیلی نہیں ہو سکتی لیکن اگر وہ اس وقت دنیا سے رخصت ہو جاتے تو یقیناً القدس کی صبح آزادی کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھنے کا صدمہ انہیں آخری سانس تک بے چین رکھتا۔ وہ جینا چاہتے تھے القدس کو غاصب نصرانیوں سے چھڑانے کے لیے ...... پیغمبروں کی سجدہ گاہ کو جبین کی نیاز مندیوں سے سجانے کے لیے ...... مسجدِ اقصیٰ میں سلطان نور الدین زنگی کا منبر نصب کرانے کے لیے ...... وہ بسترِ علالت پر بارگاہ خداوندی میں بڑی بے قراری سے اس تمنا کے برآنے کی دعائیں کر رہے تھے۔ نہ صرف ان کے تیماردار اور مصاحبین بلکہ عالم اسلام کے کونے کونے میں مسلمان اس دعا میں ان کا ساتھ دے رہے تھے۔

اس موقع پر اپنے اعمال کے احتساب کے دوران سلطان نے بڑی شدت سے یہ محسوس کیا کہ ان کے اوقات اور وسائل کا ایک بڑا حصہ اپنے معاصر مسلمان حکمرانوں سے تنازعات اور معرکوں میں صرف ہوتا رہا ہے۔ اگرچہ حالات نے ہی انہیں ایسے تنازعات میں الجھنے پر مجبور کیا تھا اور القدس کی آزادی کی خاطر اپنی طاقت کو بڑھانے کے لیے بھی ایسا کرنا ضروری تھا مگر اس موقع پر انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ انہی بکھیڑوں میں کہیں وقت ہاتھ سے نہ نکل جائے اور فرشتۂ اجل آن پہنچے۔ وہ یہ بھی سوچ رہے تھے کہ اپنوں سے اس کش مکش میں کہیں اس ہوسِ اقتدار کا دخل نہ ہو جس سے عموماً کوئی بادشاہ خالی نہیں ہوتا۔

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 240/3

سلطان ایوبی یہ بھی جانتے تھے کہ اوّل تو ہر حکمران کا نفس اسے تمام ناروا مہمات کے لیے وجہِ جواز سجھاتی دیتا ہے اور پھر حاشیہ بردار ہر فیصلے کو خوشنما تاویلات کے ذریعے اس قدر معقول، ضروری اور مستحسن ثابت کرتے چلے جاتے ہیں کہ خود اسے کبھی اپنے طرزِ عمل پر غور کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی خوش قسمت تھے کہ انہوں نے اب تک خود کو ظلم کے بارگراں سے محفوظ رکھا تھا...... اتنا محفوظ کہ صدیوں بعد آنے والا کوئی مؤرخ بھی ان کی کسی مہم اور فوج کشی پر ظلم وستم، بے جا قتل وغارت اور عوام کی ایذاء رسانی کا دھبہ لگانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ مگر یہ سلطان ایوبی کا غیر معمولی احساسِ ذمہ داری اور خوفِ آخرت تھا کہ انہوں نے اپنے معقول طرزِ عمل کو بھی زندگی کے مسلسل کم ہوتے لمحات کی ٹمٹماتی روشنی میں جانچا، پرکھا اور پھر ایک بہت بڑا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے کے پیچھے ان کی اپنی حساس طبیعت اور عاقبت اندیش فکر کے علاوہ ان کے وزیر قاضی فاضل رحمہ اللہ کے مشورے کا سب سے زیادہ دخل تھا۔

مؤرخین کے مطابق جب سلطان کی شفایابی کے تمام ظاہری امکانات ختم ہوگئے اور ذات باری تعالیٰ سے فریاد کے سوا کوئی سہارا نہ رہا تو قاضی فاضل رحمہ اللہ نے جو انہی دنوں مصر سے شام آگئے تھے، انہیں دعاؤں کو مؤثر بنانے کی ایک تدبیر بتاتے ہوئے کہا:

''تمناؤں کے برآنے اور مشکلات سے نجات پانے کے لیے ایک تیر بہدف نسخہ یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں قرب کا ذریعہ بننے والے کسی بہترین عمل کی نذر مان لی جائے۔ اگر سلطان کسی بڑی نیکی کی نذر مانیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول اعمال کا وسیلہ پیش کریں تو اس مشکل کے دور ہونے کی بڑی امید ہے۔''

مزید وضاحت کرتے ہوئے قاضی صاحب نے کہا:

''اس وقت سب سے بڑی نیکی یہ ہوگی کہ مسلمانوں سے قتل وقتال کو مکمل طور پر ترک کرکے اہل کفر وشرک سے جہاد کی طرف پوری توجہ دی جائے۔ القدس کو آزاد کرانے اور گستاخ رسالت نصرانی امراء کو سزا دینے سے بڑھ کر خیر کا کام اور کوئی نہیں ہوسکتا لہٰذا سلطان کو اس کی نذر مان لینی چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے ان نیک اعمال کی تکمیل کا پختہ وعدہ کرنا چاہیے۔''

سلطان صلاح الدین کو پہلے ہی ان باتوں کا احساس ہو چلا تھا۔ اب قاضی صاحب کی بات ان کے دل کو ایسی لگی کہ انہوں نے فوراً اللہ تعالیٰ سے عہد وپیمان کرلیا کہ وہ آئندہ کسی مسلمان حکمران سے جنگ وجدال نہیں کریں گے اور صرف فرنگیوں سے جہاد کے لیے وقف ہوجائیں گے۔ اگرچہ بظاہر کسی بھی

حکمران کے لیے اپنے معاصرین سے ہمیشہ دوستانہ روابط رکھنا قابلِ عمل نظر نہیں آتا مگر سلطان کو اطمینان تھا کہ ان کی نیک نیتی اور حسن تدبیر کی بدولت آئندہ ایسی نوبت نہیں آئے گی کہ کسی مسلمان سے لڑنا پڑے۔ ویسے بھی ان کے تقریباً تمام حریف زیر ہو چکے تھے یہاں تک کہ اہلِ موصل بھی سلطان کی بالا دستی عملاً تسلیم کر چکے تھے۔ حافظ ابن کثیر دمشقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"سلطان نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بیماری سے شفایاب کر دے تو وہ اپنی پوری توجہ فرنگیوں سے جہاد پر مرکوز کر دیں گے، آئندہ کسی مسلمان سے جنگ نہیں کریں گے اور ان کی سب سے پہلی ترجیح القدس کی فتح ہوگی، اس کے لیے اگر انہیں اپنے تمام مال و دولت اور خزانوں کو خرچ کرنا پڑے تو بھی وہ دریغ نہیں کریں گے۔"

سلطان نے اس موقع پر یہ قسم بھی کھائی تھی کہ وہ کرک کے حاکم ریجی نالڈ کو ضرور قتل کریں گے۔ ریجی نالڈ کا روضۂ رسول ﷺ کی بے حرمتی کے ارادے سے حجاز پر چڑھائی کرنا اور پھر مصر سے شام آنے والے حاجیوں کے ایک قافلے کو لوٹ کر قتل کر دینا سلطان کے لیے ایک عرصے سے شدید غیظ و غضب کا باعث بنا ہوا تھا۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ ریجی نالڈ نے حاجیوں کو قتل کرنے سے پہلے حضور اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرتے ہوئے ان سے کہا تھا: "تمہارا محمد کہاں ہے؟ اسے بلاؤ کہ تمہاری مدد کرے۔"

سلطان نے اللہ تعالیٰ سے القدس کو کفار سے آزاد کرانے اور گستاخ ریجی نالڈ کو قتل کرنے کا عہد و پیمان کرتے ہوئے اس کی شانِ رحمت کو جھنجھوڑا اور اپنا دامنِ امید پھیلا دیا۔

آہ جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

اس سے قبل سلطان کی شفایابی سے متعلق دعاؤں کے ان گنت عریضے بارگاہِ خداوندی میں پہنچ چکے تھے مگر شاید قبولیت کسی بہت بڑے نیک عمل کے وسیلے پر موقوف تھی۔ جوں ہی سلطان کا یہ عزم بارگاہِ الٰہیہ میں پیش ہوا، سلطان کے دامن میں شفایابی کا عطیہ ڈال دیا گیا۔ [1]

جب شفایابی کے اثرات ظاہر ہوئے: نذر ماننے کے بعد شفایابی کے اثرات ظاہر ہونے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ تب سلطان کو یقین ہو گیا کہ یہ شدید بیماری اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے گناہوں کی مغفرت، ان کے رخ کی اصلاح اور انہیں زیادہ اہم محاذ پر متوجہ کرنے کے لیے ایک تنبیہ تھی۔ ماہ ذی الحجہ 581ھ (مارچ 1186ء) کے پہلے عشرے میں سلطان کی طبیعت سنبھلنے لگی اور ہر طرف مسرت و شادمانی کا سماں ہو گیا، بقر عید کی خوشیاں دوبالا ہو گئیں۔ اس موقع پر موصل سے سفارتی وفد بھی سلطان

[1] البدایہ والنہایہ: 7/846، کتاب الروضتین: 3/239 تحت 583ھ

سے مذاکرات کو حتمی شکل دینے کے لیے حران آیا ہوا تھا، وفد کے قائد قاضی بہاؤالدین ابن شداد اس سفارت کا حال یوں بیان کرتے ہیں:

”جب حکام موصل کو سلطان کی بیماری کی خبر پہنچی تو انہوں نے اسے اچھا موقع سمجھا اور جان لیا کہ سلطان اس وقت نرم دلی کا مظاہرہ کریں گے اور بات جلد مان لیں گے، لہٰذا انہوں نے مجھے اور بہاؤالدین الربیب کو بھیجا اور معاہدے کی تشکیل کے کاغذات میرے حوالے کرتے ہوئے کہا: جہاں تک تمہارا بس چلے اور ممکن ہو کوشش کر گزرو۔ ہم روانہ ہو گئے۔ جب سلطان کے معسکر میں پہنچے تو وہاں لوگ سلطان کی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ ہم ذوالحجہ کی ابتداء میں وہاں پہنچے تھے۔ سلطان نے ہمارا غیر معمولی اعزاز و اکرام کیا اور ہمارے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھے۔ بیمار ہونے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ وہ کسی مجلس میں تشریف لائے تھے۔“ ۵

رقیب دوست بن گئے: سلطان نے بیماری سے ذرا افاقہ پاتے ہی موصل کے وفد کو باریابی کا موقع دیا تھا۔ بابرکت دن یعنی یوم عرفہ، 9 ذی الحجہ 581ھ (3 مارچ 1186ء) کو معاہدے پر حلف اٹھایا گیا جس کے مطابق اہل موصل الزاب سے پرے کے علاقوں اور شہرزور، بنی قفجاق، قرابیلہ، عانہ اور بوازیج کے تمام قلعوں اور جاگیروں سے دست بردار ہو گئے۔ یہ بھی طے پا گیا کہ اہل موصل سلطان صلاح الدین کے احکام کے تابع ہوں گے اور ضرورت پڑنے پر ہمیشہ سلطان کو فوج مہیا کریں گے۔ جمعہ وعیدین میں خلیفہ کے ساتھ سلطان کا نام لیا جائے گا اور ان کے علاقوں میں سلطان کے نام کا سکہ رائج ہوگا۔ معاہدے کے مطابق سلطان نے اہل موصل کو ”بین النہرین“ کا علاقہ واپس کر دیا جو سلطان نے عزالدین مسعود کے بھتیجے سنجر شاہ سے لیا تھا۔

سلطان کی عادت تھی کہ وہ دشمنی میں حدود واصول پر قائم رہتے تھے اور دوستی میں وفاداروں کو حد سے زیادہ نوازتے تھے چنانچہ اس خوشی کے موقع پر انہوں نے عزالدین مسعود، اس کی والدہ اور سلطان نورالدین زنگی کی صاحبزادی کے لیے دس ہزار دینار کے تحائف روانہ کیے۔ ان کے علاوہ بہت سے گھوڑے، خوشبوئیں اور عجیب و غریب اشیاء بھی ہدیہ کیں۔ اس طرح وہ اہل موصل کے دل جیت لینے میں کامیاب ہو گئے۔ بہتر تعلقات کا یہ سلسلہ نہایت پائیدار ثابت ہوا اور سلطان کی وفات تک اس میں کوئی رخنہ نہیں آیا۔ ۵

غموں کی اطلاعات: دنیا خوشیوں اور غموں کا سنگم ہے، یہاں ایک طرف شادمانی کے نقارے بجتے

۵ النوادر السلطانیہ، ص 119/ الفتح القسی
۵ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 2/ 237، 241/ مرآۃ الزمان: 1/ 223

ہیں تو دوسری طرف مصائب کی آندھیاں چلتی ہیں۔ سلطان کی شفایابی کی مسرت بھی غموں کی کدورت سے محفوظ نہ رہ سکی۔ ان کی اہلیہ عصمۃ الدین کچھ دنوں پہلے وفات پا گئی تھیں مگر یہ خبر اب تک سلطان سے چھپائی گئی تھی۔ اُدھر 9 ذی الحجہ کو جب سلطان بیماری سے قدرے افاقے کے بعد اہل موصل کے ساتھ معاہدے پر حلف اٹھا رہے تھے، حمص میں ان کے چچازاد بھائی ناصر الدین محمد کا انتقال ہو گیا۔ سلطان کے کاتب عماد اصفہانی نے جب انہیں ناصر الدین محمد کے انتقال کی خبر دی تو ساتھ ہی ملکہ عصمۃ الدین کی وفات کی اطلاع بھی دے دی۔ سلطان کے لیے یہ دو بہت بڑے صدمے تھے۔ عصمۃ الدین جیسی وفاشعار بیوی ان کی مجاہدانہ زندگی کے ہر قدم پر حوصلے اور ولولے کا پیام بن کر ساتھ نباہ رہی تھی۔ اس کی موت سلطان کو نڈھال کرنے کے لیے کافی تھی۔ ناصر الدین محمد، ایوبی خاندان کے بزرگ شیرکوہ کا نہایت قابل اور ہونہار بیٹا تھا، جس کی بہادری، وفاداری، فنون حرب میں کامل مہارت اور قائدانہ صلاحیتوں کے باعث سلطان اس پر بھرپور اعتماد کرتے تھے۔ سلطان کی کئی جنگوں میں اس نے شاندار کارنامے انجام دیے تھے۔ وہ سلطان کا بہنوئی بھی تھا۔ رفاہی کاموں کے حوالے سے تاریخ میں نام پانے والی سلطان کی بہن ست الشام بنت ایوب اس کے نکاح میں تھی۔ اس بہنوئی کا عین جوانی میں اچانک رخصت ہو جانا سلطان کے لیے نہایت تکلیف دہ تھا، اس کے باوجود سلطان نے ان اطلاعات کو بڑے صبر و تحمل کے ساتھ سنا۔ [5]

<u>بچے کو تعزیتی مکتوب</u> ❁ ناصر الدین محمد کا ایک کم عمر بیٹا اسد الدین اب اس کا وارث تھا، سلطان نے اسے تعزیتی خط لکھا جس میں لڑکے کو مکمل سرپرستی کا اطمینان بھی دلایا۔ انہوں نے لکھا:

''ہم آپ کے والد کے سانحۂ ارتحال سے آگاہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نازل فرمائے اور ہمیں اور انہیں اس سانحے پر اجر عظیم سے نوازے۔ بہرکیف وہ رخصت ہو گئے تو اب ہمارے بچے اسد الدین تم بہترین اور نیک جانشین کے طور پر موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جیتا رکھے۔ اگر تمہارے والد دارِ بقا کی طرف منتقل ہو گئے تو بھی تم ان کی جگہ عزت و عظمت کے ساتھ ثابت قدم ہو۔ شہروں اور جاگیروں کی نیابت تمہارے لیے باقی اور تمہارے سپرد ہے۔ ہمارے بچے! تم اپنا سینہ کشادہ رکھو۔ مرحوم کے خاص مصاحبین، منصب دار اور حمص و رحبہ وغیرہ میں ان کے نائبین یہ جان لیں کہ وہ سب اپنے عہدوں پر برقرار ہیں۔''

سلطان نے قاضی نجم الدین کو یہ خط دے کر حمص بھیجا اور یوں مرحوم ناصر الدین کے پس ماندگان کی

[5] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/243، 244

بھرپور سرپرستی کرکے ایک اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کیا۔ ❶

دو ضعیف روایتیں ٭ یہاں ابن اثیر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں سلطان صلاح الدین سے متعلق دو انتہائی کمزور روایات نقل کی ہیں۔ یاد رہے کہ ابن اثیر رحمہ اللہ موصل کے باشندے اور سلطان صلاح الدین کے معاصر تھے۔ عام اہل موصل کی طرح وہ بھی کسی حد تک سلطان کے سیاسی مخالف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سلطان کے بارے میں کوئی بھی منفی روایت نقل کرتے ہوئے زیادہ جانچ پڑتال سے کام نہیں لیتے۔

✦ یہاں 581ھ کے حالات کے ضمن میں انہوں نے نامعلوم راویوں کے حوالے سے یہ روایت نقل کردی ہے کہ سلطان ایوبی نے ناصر الدین محمد کو قتل کرایا تھا۔ روایت کے مطابق جب سلطان کی حالت نازک ہوگئی تو ناصر الدین محمد نے دمشق پر قبضے کی تیاری شروع کردی اور امراء کو ساتھ ملانے لگا، سلطان کو اس کی خبر ہوگئی اور انہوں نے ایک امیر ناصح بن عمید کو اس کے قتل کا منصوبہ سمجھا کر حمص بھیج دیا، نو اور دس ذی الحجہ کی درمیانی شب وہ ناصر الدین سے ملا اور شراب نوشی کی مجلس جما کر اسے اتنی شراب پلائی کہ وہ صبح کو مردہ پایا گیا، جبکہ امیر ناصح راتوں رات سلطان کے کیمپ کی طرف نکل گیا۔ ❷

......اس روایت پر کئی سوال اٹھتے ہیں؟

1- ابن اثیر رحمہ اللہ کے سوا کسی اور مورخ نے اس واقعے کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

2- ابن اثیر رحمہ اللہ نے اس کی ذمہ داری نامعلوم راویوں پر کیوں ڈالی ہے؟

3- اگر ناصر الدین واقعی غداری کررہا تھا تو کیا سلطان اسے معزول یا گرفتار نہیں کرسکتے تھے؟ وہ تو اپنے بڑے سے بڑے مخالف کے لیے بھی حد درجے کشادہ دل تھے۔ ناصر الدین نہ صرف ان کا چچازاد بلکہ بہنوئی بھی تھا، کیا وہ اپنے وفادار جرنیل اور قریبی رشتہ دار کو اتنی بے دردی سے کیسے قتل کراسکتے تھے؟

4- اگر سلطان نے ناصر الدین کو مروایا ہوتا تو اس کی جگہ اس کے کم سن بچے کو مقرر کیوں کیا۔ کیا یہ بچہ کل اپنے باپ کے قاتل کے خلاف بغاوت نہ کردیتا۔ سلطان اگر ناصر کے قاتل ہوتے تو اس کے بعد اس کی آل اولاد کو اس عہدے سے کوسوں دور رکھتے۔ اپنے کسی قابل اعتماد جرنیل کو وہاں تعینات کرتے۔ مگر سلطان نے ناصر الدین ہی کے لڑکے کو حمص جیسے اہم شہر کا والی بنائے رکھا۔

5- نامعلوم راوی کی یہ روایت اس لحاظ سے بھی ناقابل اعتبار ہے کہ یہ صحیح روایت سے متصادم ہے۔ اس کے مطابق ناصر الدین 9 اور 10 ذی الحجہ کی درمیانی شب فوت ہوا اور صبح کو اپنے بستر پر مردہ

❶ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/248 ❷ الکامل فی التاریخ: 7/314 حوادث 581ھ

پایا گیا تھا، جب کہ صحیح روایت کے مطابق ناصر الدین اتوار 11 ذی الحجہ شام کو فوت ہوا تھا۔ [1]

6- روایت کے مشکوک ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ سلطان اور مرحوم کی زوجہ یعنی سلطان کی بہن ست الشام کے درمیان آخر تک بہت اچھے تعلقات رہے۔ ست الشام نے سلطان کی وفات پر بے اندازہ صدقہ وخیرات کے ذریعے ایصال ثواب کا اہتمام کیا؟ [2] کوئی وفادار بیوی اپنے شوہر کے قاتل کے لیے (چاہے وہ سگا بھائی ہی ہو) ایسے پیار بھرے جذبات کیسے رکھ سکتی ہے؟ ان حقائق کی موجودگی میں ابن اثیر کی اس کمزور ترین روایت پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔

❖ ابن اثیر نے دوسری ضعیف روایت یہ نقل کی ہے کہ سلطان نے ناصر الدین محمد کے بعد اس کے وارث اسد الدین کے اکثر مال ودولت پر زبردستی قبضہ کرلیا تھا۔ علامہ ابن اثیر نے یہ روایت بڑے اعتماد سے بیان کی ہے اور یہ بھی تحریر کیا ہے کہ اسد الدین نے کم سنی کے باوجود سلطان کو یتیموں کا مال ہڑپ کرنے پر قرآن پاک کی وعید سنائی تھی جس پر سلطان حیران رہ گئے تھے۔

یہ روایت حقائق کے بالکل منافی ہے۔ تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ سلطان ایوبی نے ناصر الدین محمد کے اس بیٹے پر نوازشات میں کوئی کمی نہیں کی۔ یہ لڑکا سلطان کا بھانجا بھی تھا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ سلطان اپنی بہن کی وراثت پر قبضہ کرتے؟ تاریخ بتاتی ہے کہ سلطان نے اس لڑکے کو ناصر الدین کا جانشین مانا اور مکمل سرپرستی کی۔

سب سے زیادہ قابل غور بات یہ ہے کہ سلطان ایوبی کو کیا پڑی تھی کہ وہ ناصر الدین محمد کا مال ہڑپ کرتے اور اس کے لیے باپ کو قتل کرا کے یتیم اولاد کی بے کسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جائداد پر ڈاکہ ڈالتے؟ سلطان کی زندگی کا حرف حرف گواہ ہے کہ وہ مال ودولت کو پرِ کاہ کی حیثیت نہیں دیتے تھے۔ خصوصاً اپنے جرنیلوں پر دل کھول کر خرچ کرتے تھے۔ بالفرض اگر ان کو ناصر الدین مرحوم کا مال ودولت ہڑپ کرنا ہوتا تو اس کی زندگی ہی میں اسے عہدے سے ہٹا کر سب کچھ چھین سکتے تھے۔ مگر سلطان کی مہربانی کا یہ عالم تھا کہ ناصر کے مرنے کے بعد اس کی اولاد اور دوستوں کو بھی انہی عہدوں پر فائز رہنے دیا اور ہر طرح اس کی یتیم اولاد کی سرپرستی کی۔

ہاں تاریخ سے اتنا ضرور ثابت ہے کہ سلطان نے ناصر الدین مرحوم کے خزانوں میں محفوظ مال ودولت کے ذخائر کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا، مگر اس کا مقصد یتیموں کا مال ہڑپ کرنا نہیں تھا۔ اس کے بارے میں عماد اصفہانی کی وضاحت سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان کے دو مقاصد تھے، ایک یہ کہ مرحوم

---

[1] کتاب الروضتین: 244/3 [2] تاریخ اسلام ذہبی: 126/9 ق

کا ترکہ ورثاء میں شریعت کے مطابق تقسیم ہوجائے۔ دوسرے جو ورثاء نابالغ ہیں، ان کا حصہ ضائع ہونے سے محفوظ رہے۔

چنانچہ سلطان نے حمص پہنچتے ہی مرحوم بہنوئی کے مال ودولت کو جمع کر کے کسی تاخیر کے بغیر شریعت کے مطابق تقسیم کر دیا تھا مگر چونکہ اسد الدین ابھی صرف تیرہ سال کا تھا اس لیے اس کی کم سنی کے باعث اس دولت کے ضیاع کا خوف تھا، لہٰذا سلطان نے خاندان کا سر پرست ہونے کی حیثیت سے اس دولت کو اپنی حفاظت میں لے لیا تھا۔ یہ بات بالکل غلط ہے کہ اسد الدین کا حق کالعدم کیا گیا تھا۔ [1]

غالباً ابن اثیر رحمہ اللہ ان تفاصیل سے ناواقف تھے اس لیے جو کچھ آس پاس کے ذرائع سے سنا وہ نقل کر دیا۔

<u>نئے علاقوں کا انتظام</u> ❁ اہل موصل سے معاہدے کے بعد سلطان ایوبی نے نئے مملوکہ علاقوں کا اختیار سنبھالنے اور انتظام بہتر بنانے کے لیے اپنے قابل اعتماد امراء کو بھیج دیا۔ شہرزور میں ترکمان ایوانیہ نامی قبائل نے غلبہ حاصل کیا ہوا تھا، سلطان کے فرستادہ امیر مجاہد الدین ایاز نے وہاں جا کر ان کا زور توڑ دیا اور علاقے کا نظم ونسق بخوبی چلانے لگا۔ بوازیج اور دیگر علاقوں کے لیے بھی چند نائبین مقرر کیے گئے اور ان کی رہنمائی قاضی شمس الدین بن فراش کے ذمہ لگائی۔ بوازیج کی ایک جاگیر ''بافیلا'' کو سلطان نے اپنے مشفق بزرگ مرحوم شیخ الشیوخ صدر الدین بغدادی کے ورثہ کی کفالت کے لیے وقف کر دیا۔ جبکہ رہا اور حران کے قلعے جو مظفر الدین کوکبری سے تنبیہ کے طور پر لے لیے گئے تھے ایک بار پھر اس کے سپرد کر دیے گئے کیونکہ اس نے خود کو ایک وفادار مصاحب ثابت کر دکھایا تھا۔ عید الاضحیٰ کی مسرتوں کے ساتھ الجزیرہ، اور دیار بکر کے تمام علاقوں پر سلطان کی حکومت مستحکم ہو چکی تھی۔ [2]

<u>قاضی فاضل کا بشارت نامہ</u> ❁ قاضی فاضل نے اس موقعے پر مصر کے گورنر تقی الدین عمر کو بشارت نامہ روانہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''سلطان کی صحت وعافیت کی تکمیل ہوئی، اس کی خبریں نشر ہوئیں، اندھیرے کے بعد روشنیاں طلوع ہوئیں، بیماری چلی گئی، اس کا غبار دور ہو گیا، اس کی چنگاریاں ٹھنڈی ہو گئیں، یہ ایک اچانک حادثہ تھا جس کی برائی اور صدمے سے اللہ نے بچا لیا، یہ ایک بلائے عظیم تھی جس کی رسوائی سے اسلام کو بچانے کے لیے اللہ کافی ہو گیا، یہ ایک موقع توبہ کا تھا جس سے اللہ نے ہمارا امتحان

---

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 253/3

[2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/236، 247

لیا، پس اس نے اس پر ہمارا صبر بہت کم پایا مگر اللہ تعالی تعالی دعاؤں کو ضائع نہیں کرتا جبکہ دل مخلص ہوں اور قبولیت نہیں رکتی اگرچہ راستے گناہوں نے بند کر دیے ہوں، اور وہ مشکل سے نجات دینے کا وعدہ نہیں توڑتا اگرچہ دعا کرنے اور کرانے والا مایوس ہوتے جا رہے ہوں۔ سلطان معظم الملک الناصر نے نئی تازگی حاصل کی ہے۔ ان کا عزم پختہ اور تیز دھار ہے، ان کا نشاط جہاد کی طرف ہے، ہم بندوں کے پروردگار کے سامنے توبہ تائب ہیں، جنت کے قالین بچھا دیے گئے ہیں، حساب نمٹ چکا، پل صراط سے ہم گزر چکے۔ ہم پر ایسے ہولناک مصائب آئے کہ جن کے خوف سے اونٹ سوئی کے ناکے سے گزرنے پر مجبور ہو جائے۔"[1]

---

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 242/3

فصل:8

فرات سے دمشق تک

نئے ہجری سال 582ھ کا سورج طلوع ہوا تو سلطان صلاح الدین ایوبی مکمل طور پر صحت یاب ہو چکے تھے۔ انہوں نے حران سے رخت سفر باندھا اور دمشق روانہ ہو گئے۔ ان کے دو بیٹوں الملک الافضل اور الملک الظاہر کے علاوہ ان کا بھائی الملک العادل بھی ان کے ہمراہ تھا۔ اتوار 14 محرم (6 اپریل 1186ء) کو وہ حلب پہنچے، پھر حماۃ سے ہوتے ہوئے حمص میں رکے جہاں مرحوم ناصر الدین بن شیرکوہ کا 13 سالہ بیٹا اسد الدین باپ کی مسند پر بیٹھ چکا تھا۔ سلطان نے علاقے سے ان غیر شرعی ٹیکسوں کے ازالے کا حکم دیا جو ناصر الدین کے دور سے چلے آ رہے تھے، اسد الدین کو حمص، سلمیہ، تدمر، وادی بنی حصین، رحبہ اور زلبیا کا پروانہ حکومت عطا کر کے امیر ارسلان بوغا کو اس کی سرپرستی کے لیے مقرر کر دیا۔ یہاں سلطان نے ناصر الدین مرحوم کے ترکے کی تفتیش بھی کی جو دس لاکھ دینار سے بھی زیادہ تھا۔ سلطان نے خاندان کے والی ہونے کی حیثیت سے اس ترکے کو شرعی اصول کے مطابق ورثاء میں تقسیم کرا دیا، ناصر الدین کی بیوی (اپنی بہن) ست الشام کو شریعت کے مطابق آٹھواں حصہ دیا اور باقی مرحوم کی اولاد میں تقسیم کر دیا، خود ایک پیسہ بھی نہ لیا۔ [1]

2 ربیع الاول (23 مئی) کو سلطان صلاح الدین دمشق پہنچے، شہر میں جوش و مسرت کا ایک غیر معمولی سماں تھا، قاضی ابن شداد کے بقول "ایسی فرحت اور خوشی کا دن پہلے کبھی نہ دیکھا گیا تھا" دمشق کے لوگ سلطان سے بے حد محبت کرتے تھے۔ انہوں نے سلطان کی بیماری کی خبریں بڑی تشویش سے سنی تھیں۔ ان کی صحت یابی کے لیے دمشق کے ہر گھر اور ہر مسجد میں گڑگڑا کر دعائیں مانگی جاتی رہی تھیں۔ اب جبکہ سلطان صحیح و سالم ان کے سامنے تھے، ان کی خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ انہوں نے ایک جلوس کی شکل میں سلطان کا والہانہ استقبال کیا۔ سلطان عوام کی نگاہوں کے محبت بھرے پیام وصول کرنے کے

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 252/3

بعد قلعے میں گئے اور ایک طویل عرصے بعد اپنے اہل وعیال سے ملے۔[1]

آئندہ کی منصوبہ بندی اور اولاد کو اہم عہدے دینے پر غور ❁ سلطان صلاح الدین ایوبی اب صلیبیوں سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے بے چین تھے۔ وہ القدس کی آزادی میں مزید تاخیر برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی محسوس کرتے تھے کہ القدس کی فصیلوں کے سامنے لڑی جانے والی فیصلہ کن جنگ کے بعد انہیں طویل عرصے تک ساحلِ شام کی عیسائی ریاستوں اور یورپ کے صلیبیوں کی مشترکہ قوت کا واحد نشانہ بننا پڑے گا۔ انہیں خدشہ تھا کہ آئندہ سالوں میں انہیں جنگوں کے ایک ایسے سلسلے کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے جس کے آغاز کے بعد شاید ہی انہیں زندگی میں کہیں آرام کا موقع نہ مل سکے۔ ویسے بھی بسترِ علالت سے اٹھنے کے فوراً بعد ان کا اتنی بڑی جنگ میں کود پڑنا مناسب نہ تھا۔ اس سوچ کے پیشِ نظر سلطان نے اپنے جذبات کو دباتے ہوئے، بڑی ہوش مندی کے ساتھ یہ پورا سال صرف منصوبہ بندی اور تیاریوں میں صرف کیا۔

اس منصوبہ بندی کا پہلا مرحلہ امورِ سلطنت کی ترتیب کو مستحکم بنانا تھا۔ گزشتہ سال سلطان صلاح الدین کے کئی قابلِ اعتماد نائبین اور حکام جن میں توران شاہ، شہاب الدین حارمی، فرخ شاہ، ناصر الدین شیرکوہ اور جاولی الاسدی قابلِ ذکر ہیں، فوت ہو چکے تھے۔ ان باصلاحیت افراد کا خلا اب تک پُر نہیں ہوا تھا۔ کئی عہدوں پر اب تک مناسب تقرریاں عمل میں نہیں آ سکی تھیں۔ دوسری طرف سلطان کے اپنے کئی بیٹے جوانی کے دور میں داخل ہو چکے تھے مگر سلطان نے جان بوجھ کر انہیں کوئی بڑا کام نہیں سونپا تھا۔ وہ قابلیت کے باوجود عملی طور پر عضوِ معطل بنے ہوئے تھے اور امورِ سلطنت سے تقریباً لاتعلق تھے۔ سلطان کو محسوس ہو رہا تھا کہ اگر ابھی سے ان لڑکوں پر سلطنت کے انتظامات کا بوجھ نہ ڈالا گیا تو ان کی عملی تربیت کا وقت نکل جائے گا۔ اب تک سلطان نے ان لڑکوں کو بڑے عہدے دینے سے اس لیے بھی گریز کیا تھا کہ وہ "اولاد پروری" کی تہمت سے خود کو بچانا چاہتے تھے مگر پہلے ان کے پاس قابلِ اعتماد ساتھیوں کی ایک پوری جماعت موجود تھی۔ اب رجال کار ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے تھے۔ بھیانک حقائق اور سنگین تقاضے منہ کھولے سامنے کھڑے تھے جن کی موجودگی میں "اولاد پروری" کی تہمت سے خود کو بچانا اتنا اہم نہیں رہا تھا۔ مگر سلطان ایوبی ان پہلوؤں کو دیکھنے کے باوجود اپنی اولاد کو اُمورِ سلطنت میں شامل کرنے میں ایک مدت تک متذبذب ہی رہے۔

سلیمان بن جندر کا مشورہ ❁ سلطان ایوبی نے اپنے شہزادوں کو اہم عہدے دینے پر غور اس وقت

[1] النوادر السلطانیہ ص120؛ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/253

شروع کیا جب ان کے بے تکلف دوست امیر سلیمان بن جندر نے انھیں اس طرف توجہ دلائی۔ جب سلطان مہلک مرض سے شفایاب ہو کر شام کی طرف روانہ ہوئے تو ایک دن امیر سلیمان نے راستے میں ان کی بیماری اور صحت یابی پر تبصرہ کرتے ہوئے باتوں باتوں میں اچانک کہا:

''اللہ کی قسم! پرندے بھی اپنی اولاد کے بارے میں آپ سے زیادہ دوراندیش ہوتے ہیں''۔

''وہ کیسے؟''

سلطان نے حیران ہو کر پوچھا، انھیں اپنے اس پرانے دوست کی بات پر ہنسی آگئی تھی۔

''وہ ایسے کہ جب کوئی پرندہ اپنے بچوں کے لیے گھونسلہ بناتا ہے تو درخت کی بلند شاخوں کا انتخاب کرتا ہے تاکہ اپنے بچوں کو محفوظ رکھ سکے...... مگر آپ نے کیا کیا ہے؟ اپنی اولاد کو زمین سے لگا رکھا ہے۔ حلب آپ کے بھائی الملک العادل کے پاس ہے، حماۃ تقی الدین عمر کے ہاتھ میں ہے، حمص ابن شیرکوہ کی تولیت میں ہے۔ حال یہ ہے کہ آپ کا ایک بیٹا الملک العزیز مصر میں تقی الدین عمر کی ماتحتی میں ہے، تقی الدین جب چاہے اسے نکال دے، دوسرا (الملک الظاہر) آپ کے بھائی (الملک العادل) کے خیمے میں ہے۔ وہ آپ کے بیٹے سے جو چاہے سلوک کرے۔''

''تم سچ کہتے ہو'' سلطان نے جواب دیا۔ مگر اپنی اولاد کے بارے میں کوئی فوری فیصلہ نہیں کیا۔ ⁵

ایسا نہیں تھا کہ سلطان محض ایک ساتھی کی رائے سن کر اپنے بچوں کو امورِ سلطنت پر مسلط کرنے کی فکر میں پڑ گئے ہوں۔ یہ بات بھی نہیں تھی کہ وہ الملک العادل اور اس جیسے دیگر نائبین سے بدگمان ہوں یا سلیمان بن جندر نے انھیں اپنے نائبین سے بداعتماد کیا ہو، دراصل سلیمان بن جندر نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی جس سے سلطان لاعلم ہوں۔ یہ سامنے کی بات تھی کہ ان کے بیٹے کلیدی عہدوں پر نہیں تھے۔ مگر سلطان صرف اولاد کو نوازنے کے لیے عہدوں کی تبدیلیاں کرنے کا تصور نہیں کر سکتے تھے، اگر ایسا کرنا ہوتا تو وہ بہت پہلے کر گزرتے۔ ویسے وہ اولاد کو امورِ سلطنت میں جزوی طور پر پہلے سے دخیل کرنے لگے تھے۔ الافضل کی مصر میں اور الظاہر کی حلب میں تقرری اس کی مثالیں ہیں مگر وہ اس قسم کے فیصلوں میں بھی بنیادی طور پر اپنی رعایا، ملک کے مفاد اور سب سے بڑھ کر اپنے مقصدِ حیات جہاد فی سبیل اللہ کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ جب تک ان حوالوں سے کوئی ٹھوس وجہ ان کے سامنے نہ آجاتی وہ اولاد کو سلطنت پر مستقل طور پر مسلط کرنے کے حق میں نہیں تھے، کبھی انھیں عہدے دے بھی دیتے اور کبھی انھیں معزول بھی کر دیتے۔ تاہم اب حالات تبدیل ہوتے جا رہے تھے۔ سلیمان کی باتوں نے سلطان

⁵ الکامل فی التاریخ: 7/318

کو زیادہ سنجیدگی سے یہ سوچنے پر آمادہ کر دیا کہ ان کے لڑکے قابل، جوان اور تجربہ کار ہو چکے ہیں، ان کی صلاحیتوں سے فائدہ نہ اٹھانا انہیں ضائع کرنے کے مترادف ہے۔

چونکہ سلطان پہلے ہی نئے حالات اور آئندہ کی متوقع شدید جنگوں کے پیش نظر عہدوں میں بڑی تبدیلیاں کرنے پر مجبور تھے اس لیے آخر انہوں نے سمجھ لیا کہ اپنے لڑکوں کو سلطنت کے کلیدی عہدوں پر فائز کرنا ضروری ہے۔

یاد رہے کہ بیماری سے افاقہ پاتے ہی انہیں محکمہ خبر رسانی نے ایسی خبریں بھی دی تھیں جن کے مطابق ان کے بعض امراء نے ان کی صحت یابی سے مایوس ہونے کے بعد خود مختاری کے لیے باہم گٹھ جوڑ شروع کر دیا تھا۔ اگر خدانخواستہ سلطان اس حالت ہی میں دنیا سے رخصت ہو جاتے تو ان کی سلطنت چند دنوں کے اندر اندر کئی ٹکڑوں میں بٹ جاتی اور القدس کی بازیابی کی منزل بہت دور ہو جاتی۔

<u>عہدوں کی نئی ترتیب</u> ٭ ان حقائق کے پیش نظر سلطان نے سلطنت کے کلیدی عہدوں میں اہم تبدیلیوں کا فیصلہ کر لیا۔ ان تبدیلیوں کی مشترکہ اور بنیادی وجوہ تو وہی تھیں جو تفصیل سے اوپر ذکر کر دی گئیں ہیں۔ مگر ان کے علاوہ ہر تبدیلی اور تقرری اپنا الگ پس منظر بھی رکھتی تھی جسے ذکر کیا جا رہا ہے۔

مصر کی حکومت سلطان کے چچا زاد تقی الدین عمر کے پاس تھی۔ سلطان کا بڑا بیٹا الملک الافضل معاون کی حیثیت سے اس کے ساتھ تھا مگر ان دونوں میں انتظامی معاملات کے بارے میں اتفاق رائے مشکل سے ہوتا تھا۔ تقی الدین عمر قواعد و ضوابط کا پابند تھا اور بے لچک رویہ رکھتا تھا جبکہ الملک الافضل میں نرمی اور مروت حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ٹیکسوں یا تاوان وغیرہ کی بابت حکومت کی زد میں آتا تو الملک الافضل سے سفارش کروا کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو جاتا۔ اس صورتحال سے تقی الدین عمر کی بے چینی فطری تھی۔ چنانچہ اس نے سلطان کو خط و کتابت کے ذریعے اس الجھن سے آگاہ کیا جو کارِ حکومت میں خلل کا سبب بن رہی تھی۔ ❶

سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس صورتحال میں یہی مناسب سمجھا کہ مصر کا انتظام اپنے دوسرے بیٹے الملک العزیز عثمان کے حوالے کر دیا جائے جو کہ مدبر، معاملہ فہم اور زیرک نوجوان تھا۔ مگر چونکہ اس میں تجربے کی کمی تھی اس لیے الملک العادل کو بھی سرپرست کی حیثیت سے اس کے ساتھ بھیجنا ناگزیر تھا مگر الملک العادل اس وقت حلب کا حاکم تھا جو ملک شام میں اہم ترین حیثیت رکھتا تھا۔ الملک العادل کو یہاں سے ہٹا کر مصر بھیجنے کی صورت میں وہاں کوئی ایسا شخص مقرر کیا جانا ضروری تھا جسے اہل حلب دل

❶ الکامل فی التاریخ: 7/317، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/265

وجان سے چاہتے ہوں اور سلطان بھی اس پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکیں۔ سلطان کی یہ الجھن الملک العادل نے خود ہی دور کر دی۔ اس نے ہمیشہ کی طرح سلطان کے وفادار بھائی ہونے کا ثبوت دیا۔ سلطان کی منشاء سے آگاہ ہونے کے بعد اس نے دمشق میں سلطان کے بیٹے الملک الظاہر سے ملاقات کی۔ دراصل اس وقت الملک العادل کے بعد یہی شہزادہ حلب کی حکومت کے لیے سب سے موزوں تھا۔ اول اس لیے کہ وہ اس سے قبل حلب پر چھ ماہ حکومت کر کے وہاں کے عوام میں خاصی مقبولیت حاصل کر چکا تھا، پھر سلطان کو اس پر کامل بھروسہ تھا، نیز کچھ عرصے پہلے اس کا الملک العادل کی بیٹی سے نکاح ہو چکا تھا۔ اس لیے الملک العادل اپنے بھتیجے اور داماد کے لیے حلب کی حکومت چھوڑنا، ناگوار محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے الملک الظاہر سے مل کر نہایت شفقت سے کہا:

''میں نے تمہاری خاطر حلب سے دستبرداری کا فیصلہ کر لیا ہے، مجھے میرا بھائی جہاں کہے اور جو بھی جاگیر دے میں اس پر قناعت کر لوں گا۔ میں سلطان کی وفاداری سے انحراف نہیں کروں گا۔ اب اگر تمہیں حلب کی حکومت لینا پسند ہو تو میں تمہارے والد سے اس کی درخواست کروں گا۔''

الملک الظاہر تو پہلے ہی حلب کا دلدادہ تھا، اسے چند سال پہلے حلب کی ولایت سے معزولی کا بہت رنج ہوا تھا، لہٰذا اس پیش کش سے اسے بھلا کیسے انکار ہو سکتا تھا؟ اس کی رضامندی سے آگاہ ہونے کے بعد الملک العادل نے سلطان صلاح الدین کی خدمت میں حاضری دی اور عرض کیا:

''حلب سے اپنی طبعی دل بستگی اور اس کی حکومت کی پسندیدگی کے باوجود میں آپ کی اولاد کو اس کا زیادہ حق دار سمجھتا ہوں۔ الملک الظاہر ہمارا بچہ ہے۔ میں پسند کرتا ہوں کہ حلب کی حکومت کے لیے اسے خود پر ترجیح دوں۔''

سلطان نے اس بات سے اتفاق کرنے کے بعد کہا:

''مصر میں بھی ہمارا ایک بیٹا ہونا چاہیے جس پر میں بھروسہ کر سکوں اور حکومت مصر کی نسبت اس کی طرف کروں۔''

الملک العادل کو معلوم تھا کہ سلطان، الملک الافضل کو مصر سے واپس بلانا چاہتے ہیں، اس صورت میں وہاں سلطان کے کسی دوسرے بیٹے کی تقرری ناگزیر ہے۔ سلطان نے الملک العادل پر واضح کر دیا کہ وہ الملک العزیز عثمان کو مصر کا حاکم بنا کر بھیجنا چاہتے ہیں اور الملک العادل کو اس کا سرپرست بن کر اس کے ساتھ جانا چاہیے۔ دراصل خود الملک العزیز کی بھی یہی خواہش تھی کہ چچا اس کے ساتھ ساتھ رہے۔ اسے اپنی ناتجربہ کاری کا احساس اور چچا کی شفقتوں اور مہربانیوں کا اعتراف تھا، اس لیے کچھ دنوں پہلے جب

اسے یہ معلوم ہوا کہ سلطان اسے مصر بھیجنا چاہتے ہیں تو اس نے از خود دربار سلطانی میں درخواست کی تھی کہ چچا کو اس کے ساتھ سرپرست بنا کر روانہ کیا جائے۔ جب سلطان نے الملک العادل کو یہ ذمہ داری سونپی تو اس نے اسے بسر و چشم قبول کر لیا۔ تاہم ساتھ ہی یہ خواہش ظاہر کی کہ اسے حلب کے بدلے مصر کے کچھ شہر اور دیہات دے دیے جائیں۔ سلطان نے اسے قبول کر لیا۔ ۞

اس سے قبل سلطان نے الملک الافضل اور تقی الدین عمر کا تنازعہ دور کرنے کے لیے الملک الافضل کو اس کی والدہ، بیوی، بچوں اور حشم و خدم سمیت مصر سے دمشق طلب کر لیا تھا اور تقی الدین عمر کو لکھ بھیجا تھا کہ اب وہ مصر میں کسی کی مداخلت کے بغیر آرام سے انتظام چلا سکتا ہے۔ پیر 23 جمادی الاولیٰ 582ھ (10/ اگست 1186ء) کو الافضل دمشق پہنچ گیا۔ اس نے زندگی میں پہلی بار شام دیکھا تھا۔ اس کے بعد سلطان نے الملک العادل سے حلب میں الملک الظاہر کی تعیناتی اور مصر میں الملک العزیز کی حکومت کے معاملات کی بابت مشورے کر کے تمام امور طے کر لیے۔ الملک الافضل کو دمشق میں اپنا نائب مقرر کر دیا اور الملک العادل اور الملک العزیز کو بلا تاخیر مصر روانہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

جب یہ امور طے ہو گئے تو الملک العادل اپنے دونوں بھتیجوں الملک العزیز عثمان اور الملک الظاہر سے ملا۔ ان کو دائیں بائیں بٹھایا، الملک العزیز سے کہا:

"سلطان نے مجھے تمہاری خدمت کے لیے مصر ساتھ جانے کا حکم دیا ہے مگر میں جانتا ہوں کہ دنیا میں فسادی لوگوں کی کثرت ہے۔ کل وہ میرے بارے میں تمہارے کان بھریں گے اور تمہیں مجھ سے خوفزدہ کریں گے۔ اگر تم ان کی باتوں پر کان دھرنا چاہتے ہو تو مجھے ابھی بتا دو تاکہ میں تمہارے ساتھ نہ چلوں۔"

الملک العزیز نے کہا: "میں بھلا ایسا کیوں کروں گا، میں ہرگز ایسی باتیں نہیں سنوں گا۔"

الملک الظاہر نے بھی چچا کو آڑے وقت میں ہر تعاون کا یقین دلایا۔ اس کے بعد الملک الظاہر سلطان کے حکم سے حلب روانہ ہو گیا۔ ہفتہ 9 جمادی الآخری 582ھ (26/ اگست 1186ء) کو اس نے حلب کے قلعے میں پہنچ کر انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ حلب کے لوگوں نے اس کی آمد پر بڑی خوشی ظاہر کی۔ ۞

تقی الدین عمر کی مصر سے معزولی ❁ ادھر مصر میں تقی الدین عمر کا جاہ و اقتدار عروج پر تھا، اس کے قدم اچھی طرح وہاں جم چکے تھے۔ اس کے علاوہ اس کے دو آزاد کردہ غلام قراقوش اور یوزبا افریقہ میں دور

۞ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/258، ابن الدلان: 5/301

۞ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/257

دراز مقامات تک یلغار کر چکے تھے۔ برقہ پر ان کا قبضہ ہو چکا تھا اور ان کے دھاووں سے مراکش کی سلطنت موحدین دہل رہی تھی۔ اگر تقی الدین عمر افریقہ کو فتح کرنے میں سنجیدہ ہوتا اور سلطان کی جانب سے بھی ایسی مہمات کی بھرپور تائید کی جاتی تو قراقوش اور یوزبا پورے شمالی افریقہ کو ایوبی سلطنت کا حصہ بنا سکتے تھے۔ مگر مرکز کی توجہ ایسی مہمات کی بجائے شام وعراق کے محاذوں پر مرکوز تھیں اس لیے تقی الدین عمر نے بھی فتح افریقہ میں زیادہ دلچسپی نہ لی۔ بہر حال یہ بات طے تھی کہ اس جرنیل کے ہاتھوں میں مصر کی مکمل باگ ڈور تھی اور اس کا پلہ بہت بھاری تھا۔ الملک الافضل کے شام چلے جانے کے بعد مکمل اختیارات اس کے پاس آ گئے تھے اور وہ بڑے اطمینان سے نظام حکومت چلا رہا تھا مگر دو تین ماہ بعد سلطان کی جانب سے اسے پھر نیا حکم ملا کہ الملک العادل اور الملک العزیز مصر کی حکومت کی اسناد اور اختیارات کے ساتھ قاہرہ آرہے ہیں، لہٰذا وہ شام آجائے۔ جب تقی الدین عمر کو معلوم ہوا کہ مصر کی حکومت اس سے واپس لی جارہی ہے تو اس کا دل ٹوٹ گیا مگر وہ ایک اطاعت شعار اور مخلص انسان تھا، اس نے مرکز کے خلاف بغاوت کے خیال کو دل میں جگہ نہ دی۔

تاہم اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اب دربار سلطانی سے دور ہی رہے گا اور اپنی دنیا آپ بسائے گا۔ اس سوچ میں اس کے مملوک جرنیلوں، قراقوش اور یوزبا کا بڑا ہاتھ تھا۔ انہوں نے اسے سمجھایا کہ اگر وہ آمادہ ہو تو افریقہ میں یلغار کر کے کئی دیگر ممالک پر قبضہ کیا جا سکتا ہے۔

تقی الدین عمر نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے قاہرہ سے جیزہ کی راہ لی مگر اس کی وفاداری اسے مجبور کر رہی تھی کہ وہ یہ اقدام سلطان ایوبی کی سرپرستی میں کرے چنانچہ اس نے سلطان کو خط بھیج کر درخواست کی کہ وہ افریقہ میں یلغار کر کے ایک نیا ملک حاصل کرنا چاہتا ہے، لہٰذا اسے اس مہم سے نہ روکا جائے۔ [1]

قاضی فاضل کا ناصحانہ خط: سلطان کو تقی الدین عمر کا خط ملا تو سمجھ گئے کہ اس مخلص ساتھی کی دل شکنی ہوئی ہے اور اسے خود سے دور کر کے وہ اپنے بہترین مددگار کو کھو دیں گے جس کے نتیجے میں القدس کی آزادی کی مہم کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ چنانچہ یہ خط پڑھتے ہی وہ حاضرین سے گویا ہوئے:

> ”میری جان کی قسم! افریقہ کی فتح اہم ہے مگر بیت المقدس کی بازیابی اس سے زیادہ ضروری ہے۔ اگر تقی الدین عمر افریقہ کی مہم پر چلا گیا تو ایسے لوگوں کو جمع کرنے میں ہماری عمر بیت جائے گی۔ ہاں جب القدس اور شام کا ساحلی علاقہ فتح ہو جائے گا تو ان افریقی ممالک کے فاصلے بھی سمٹ جائیں گے۔“

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 256/3

یہ کہہ کر سلطان نے تقی الدین عمر کو حکم نامہ بھیجا کہ وہ تمام مصروفیات اور مہمات ترک کر کے فوراً دمشق کے دربار میں حاضری دے۔ تقی الدین عمر یہ حکم نامہ پڑھ کر سرتابی نہ کر سکا اور شام روانہ ہو گیا۔

اسے دمشق حاضری پر آمادہ کرنے میں قاضی فاضل کے مکتوب کا خاص دخل تھا، انہوں نے اس کے افریقہ کی طرف کوچ کرنے اور مرکز سے دوری اختیار کرنے کو نامناسب قرار دیتے ہوئے لکھا تھا:

''اے ہمارے سردار! کیا دنیا اپنی وسعت کے باوجود ہم پر تنگ ہو گئی ہے؟ کیا ہم اسباب دنیوی سے محروم ہو گئے ہیں؟ بخدا ایسا نہیں ہے۔ اے ہمارے سردار! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ کیا ہماری گزران تنگ ہے یا ہماری تعداد کم ہے؟ یا ہمارے پاس ملک نہیں، یا ہمیں مال سے محرومی کا شکوہ ہے؟ بھلا ہم کیسے مسلمانوں سے جنگ کی طرف جا سکتے ہیں جو شرعاً ممنوع ہے؟ جبکہ ہمیں حربی کافروں سے لڑنے کے لیے بلایا جا رہا ہے؟''

اس خط نے تقی الدین کو شمالی افریقہ کے موحدین سے لڑنے سے روک کر سلطان ایوبی کے ہاں حاضری پر آمادہ کر دیا۔ 23 شعبان 582ھ (7 نومبر 1186ء) کو تقی الدین عمر دمشق پہنچا۔ سلطان نے اس کے اعزاز میں دمشق سے باہر برج صفر کے مقام پر آ کر اس کا استقبال کیا اور غیر معمولی مسرت ظاہر کی۔ پھر اس کی ہر ممکن دلجوئی کی اور حماۃ، منبج اور معرۃ کی حکومت اس کے حوالے کر دی۔ یہ علاقے ماضی میں بھی اسی کے پاس تھے۔ کچھ دنوں بعد سلطان نے میافارقین کی ولایت بھی اسے دے دی۔ یوں تقی الدین مطمئن ہو گیا۔ [1]

اس کے ساتھ ساتھ سلطان نے مصر کی ان افواج کو جو افریقہ میں مہم جوئی کے لیے پابہ رکاب تھیں، حکم بھیجا کہ اس مہم کو ترک کر کے نصرانیوں سے جہاد کے لیے شام چلی آئیں۔

اس دوران سلطان نے الملک الظاہر کو حلب اور الملک العادل اور الملک العزیز کو مصر کے انتظامات کے لیے روانہ کر دیا تھا۔ یہ دونوں چچا بھتیجے رمضان کو قاہرہ پہنچے اور حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی۔ [2]

<u>سلطان کے تفریحی مشاغل</u>: جیسا کہ اس باب کے شروع میں لکھا جا چکا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بستر علالت سے اٹھنے کے بعد 582ھ کو آئندہ کی منصوبہ بندی، ملکی نظم و نسق کی بہتری اور اپنی صحت و تندرستی کا خیال کرتے ہوئے گزارا تھا۔ منصوبہ بندی میں نئی تقرریاں اور عہدوں کی تبدیلیاں سب سے اہم تھیں جن کا ذکر اوپر خاصی تفصیل سے ہو چکا۔ دوسری چیز افواج کا نظم و نسق تھا جس کے لیے سلطان بطور خاص سوچ بچار کرتے رہے۔ انہوں نے افواج کے نظام کو ہر ممکن پہلو سے جانچنے اور پرکھنے کے بعد

---

[1] البدایہ والنہایہ: 7/848، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/258
[2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/267

بہتر بنایا، اس کے علاوہ آئندہ کے معرکوں کے لیے مصر سے افواج کو بھی شام طلب کر لیا تھا۔

اس کے ساتھ وہ اپنی صحت اور آرام کا بھی خیال کر رہے تھے تا کہ صلیبی جنگوں کے طویل تر سلسلے سے پہلے اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو بحال کر سکیں۔ وہ تفریح اور ورزش کے لیے دمشق کے نواحی جنگلات میں نکل جاتے تھے، چند خاص مصاحبین ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ سلطان گھوڑے پر سوار ہو کر اکثر تل راہط تک چلے جاتے۔ یہاں وہ سدھائے ہوئے بازوں کے ذریعے شکار کھیلتے۔ سلطان کے ایک عقاب کا نام ''بحری'' تھا۔ یہ سمندر کی موج کی طرح شکار کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا تھا، اور روزانہ درجنوں پرندے پکڑ لاتا تھا۔ ۞

رمضان اور عید الفطر کی رونقیں ❊ ماہ رمضان وشوال 582ھ سلطان کے لئے کئی خوشیوں کا پیغام لائے۔ الملک الظاہر کا الملک العادل کی بیٹی سے نکاح ہو چکا تھا مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ یہ رسم بدھ 26 رمضان (9 دسمبر 1186ء) کو انجام پائی۔ شوال میں سلطان کے بڑے بیٹے الملک الافضل کی شادی مرحوم ناصر الدین محمد بن شیر کوہ کی لڑکی یعنی سلطان کی بھانجی سے ہوئی۔ کاتب عماد کے مطابق رمضان کا مہینہ سلطان نے اس طرح گزارا کہ روزانہ صبح شہر سے علماء، واعظین، حفاظ کرام، قراء حضرات اور دیگر لوگ سلطان سے ملنے آتے تھے۔ سلطان کی مجلس جو روزانہ قلعے کے ایوان میں منعقد ہوتی تھی، ایمانی و روحانی رنگ سے رنگی ہوئی تھی۔ روزانہ ایمان، تقویٰ، موت، آخرت اور جنت وجہنم جیسے موضوعات پر ایک عالم یا واعظ کی تقریر ہوتی۔ دو ہفتے گزر جانے کے بعد اس مجلس میں فقہاء کو بیانات کا موقع دیا گیا چنانچہ کبھی ''المدرسۃ المعمورۃ النوریۃ'' کے مدرس برہان الدین مسعود تقریر کرتے، کبھی شیخ بدر الدین عسکر بیان فرماتے جو دمشق کے سب سے بڑے حنفی عالم تھے۔ کبھی شافعی علماء وفقہاء تقریر کرتے۔ یہ تقاریر خالص فقہی موضوعات پر ہوتیں اور اس دوران حنفی اور شافعی علماء کے درمیان سنجیدہ علمی بحثیں بھی ہوتی رہتیں جن سے سلطان خوب لطف اندوز ہوتے۔ سلطان کی جانب سے محفل میں آنے والے علماء، فقہاء، قراء اور واعظین کو خلعتوں سے بھی نوازا جاتا۔ ۞

۞ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/268، 270 ۞ ایضاً

فصل:9

صلاح الدین کا شام

مجموعی طور پر سال 582ھ امن وسکون سے گزر رہا تھا۔ سلطان کے حالات کے مآخذ میں ہم ان دنوں سلطان کو زیادہ تر علمی محفلوں، وعظ ونصائح کی مجلسوں اور دمشق کے گرد ونواح کی شکارگاہوں میں دیکھتے ہیں۔ ان حالات سے اس دور کی معاشرت کے مختلف رنگ سامنے آتے ہیں۔ صلاح الدین کے دور میں شام کیسا تھا؟ دمشق کے لوگ کیسے تھے؟ ان تہذیبی وثقافتی حالات کے کئی دلچسپ اور حیرت انگیز پہلو سفر نامہ ابن جبیر سے سامنے آتے ہیں۔ اہل ذوق کو اس سفرنامے کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

سلطان کے حالات پر نگاہ ڈالنے والا کوئی شخص یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ مرد مجاہد علماء، فقہاء اور صوفیہ کرام کا بے حد احترام کرتا تھا۔ ویسے تو سلطان کے ہاں ادیبوں، شاعروں اور دیگر اصحاب فن کی بھی خاطر خواہ قدر دانی کی جاتی تھی مگر جو مقام ان کے ہاں کتاب وسنت کے ماہرین اور مشائخ تصوف کا تھا وہ کسی اور کا نہیں تھا۔ سلطان کو یہ ذوق عقیدت اپنے والد نجم الدین ایوب اور اپنے پیشرو سلطان نورالدین محمود زنگی سے ملا تھا۔

سلطان نورالدین زنگی کے زمانے سے ہی شام میں علوم دینیہ اور سلوک واحسان سے وابستہ لوگوں کی عزت افزائی کا ایک مثالی ماحول بن چکا تھا جو دیگر ممالک اسلامیہ میں کم دیکھنے میں آتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور میں اس رجحان کو مزید تقویت ملی۔ طلبہ کے لیے بکثرت مدارس بنائے گئے جن کے خرچے کے لیے بڑی بڑی جائدادیں وقف تھیں۔ سلطنت کے امراء میں عام رجحان تھا کہ وہ صوفیاء کے لیے خانقاہیں اور لنگر خانے بنواتے، بڑی بڑی عمارتیں مدارس کے لیے وقف کر دیتے۔ طلبہ کو ان درسگاہوں میں ضروریات زندگی کی ہر شئے فراہم کی جاتی تھی۔

ابن جبیر اندلسی جب سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور میں دمشق آیا تو اسے یہ ایمان پرور ماحول دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ وہ دمشق کے تذکرے میں ایسے مکانات کا ذکر کرتا ہے جو سلطان نورالدین

زنگی کے دور سے قراء حضرات کی رہائش کے لیے وقف تھے، وہ لکھتا ہے:

''اس شہر میں پردیسیوں سے حسن سلوک کے طور طریقے شمار کرنا ممکن نہیں۔ خصوصاً قرآن مجید کے حفاظ اور علم کے طالبین کے احترام میں یہاں کے لوگوں کی عادات بڑی عجیب ہیں۔''

وہ لکھتا ہے:

''ہمارے ممالک کے لوگوں میں سے جو بھلائی حاصل کرنا چاہتا ہے وہ ان شہروں کے لیے رخت سفر باندھے اور علم کی طلب میں دور نکل جائے۔ یہاں وہ (طلب علم میں) سعادت بخشنے والی بہت سی چیزیں پائے گا جن میں سے سب سے پہلی چیز روزی کمانے کی فکر سے آزادی ہے۔''

وہ بیان کرتا ہے:

''یہاں کی مالدار اور بااثر خواتین بھی مساجد، مسافر خانوں اور مدرسوں کی تعمیر کے لیے دل کھول کر خرچ کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ جو بھی نئی مسجد، مدرسہ یا خانقاہ تعمیر ہوتی ہے اس میں سلطان ایوبی تعاون کرتا ہے اور اس کے اخراجات کے لیے جاگیریں وقف کرتا ہے۔''

دمشق کے گرد ونواح کے لوگوں میں نیکی کا رجحان بہت عام تھا غریب مفلس لوگ بھی علماء، طلبہ، درویشوں اور مسافروں کی خدمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ ابن جبیر نے شام کے دیہاتوں میں اس خصلت کو بہت راسخ پایا۔ وہ لکھتا ہے:

''بسا اوقات کوئی فقیر ان لوگوں میں سے کسی کا پیش کیا ہوا کھانا قبول کرنے سے معذرت کرتا ہے تو صاحب خانہ زار و قطار روتا ہے اور کہتا ہے: ''اگر اللہ کو مجھ میں کوئی خیر نظر آتی تو فقیر میرا کھانا کھالیتا۔''

ابن جبیر کے سفرنامے سے صلاح الدین ایوبی کے دمشق کی شان وشوکت اور رعنائی کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ وہ دمشق کی مشہور تاریخی مسجد الجامع الاموی کا تذکرہ نہایت تفصیل کے ساتھ کرتا ہے اور اس کی وسعت کو پوری پیمائش کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ وہ جامع اموی کے مرکزی گنبد کی بناوٹ سجاوٹ اور نقاشی کی دلکش تصویر یوں کھینچتا ہے:

''آباد زمین کی سطح پر بیت المقدس کے گنبد کے سوا، کوئی عمارت اس گنبد سے زیادہ خوش منظر، بلند وبالا اور عجیب وغریب نہیں ہے۔''

وہ بتاتا ہے کہ الجامع الاموی صبح شام قرآن مجید پڑھنے پڑھانے والوں سے آباد رہتی ہے۔ یہاں تدریس کے بڑے بڑے حلقے لگتے ہیں۔ ناخواندہ لوگوں کی تعلیم قرآن کے لیے صبح وشام کی کلاسیں لگتی تھیں جن میں پانچ سو سے زائد افراد بیٹھتے ہیں۔ یہ لوگ سبق لینے کے بعد مسجد کے ستونوں کے ساتھ بیٹھ

جاتے ہیں اور ہر آدمی اپنا پڑھا ہوا سبق کسی بچے کو پڑھاتا ہے۔

وہ ذکر کرتا ہے کہ یہاں بچوں کو ناظرہ قرآن کے ساتھ ساتھ انہیں لکھنا بھی سکھایا جاتا ہے مگر اس کے لیے قرآن مجید کے الفاظ کی بجائے عربی اشعار لکھوائے جاتے ہیں تا کہ قرآن مجید کی آیات بار بار لکھنے اور مٹانے کی بے ادبی نہ ہونے پائے۔ لکھائی کا استاد الگ ہوتا ہے جسے مُکَتِبْ کہا جاتا ہے اور پڑھانے کے لیے الگ استاد ہوتا ہے جسے مُلَقِن کہتے ہیں۔

وہ شہر میں سو کے لگ بھگ حماموں، چالیس وضوخانوں اور یتیم بچوں کے ایک وقف مدرسے کا ذکر بھی کرتا ہے۔ شہر کے بازاروں کی رونق، حسن انتظام اور حفاظتی اقدامات کی تعریف کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ دمشق شہر میں پانی کی فراہمی کا انتظام نہایت عمدہ ہے اور شاہراہوں کے علاوہ تقریباً ہر گلی میں راہ گیروں اور مسافروں کو پانی پلانے کے لیے سبیلوں کا انتظام ہے۔

دمشق کے تاریخی مقامات میں وہ جامع اموی سے متصل حضرت زکریا علیہ السلام کی شہادت گاہ اور جبل قاسیون کے دامن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے ولادت کا ذکر بڑی عقیدت سے کرتا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق مولدِ ابراہیم علیہ السلام ایک تنگ مستطیل غار ہے جس کے اوپر ایک بلند اور وسیع مسجد ہے۔ مسجد میں بہت سے جھروکے ہیں اور اس کے اوپر ایک بڑا گنبد ہے۔ ابن جبیر اس علاقے میں جگہ جگہ مدفون انبیائے کرام کا تذکرہ کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ ان کی تعداد ستر ہزار یا سات سو ہے۔ شہر کے مغربی حصے میں قبورِ شہداء کا ذکر کرتا ہے جہاں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین مدفون ہیں۔ وہ لکھتا ہے:

''دمشق کے عین وسط میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی قیام گاہ کے طور پر منسوب ربوۃ (ٹیلہ) ہے۔ یہ دنیا کا خوبصورت ترین مقام ہے جو ایک بلند اور مضبوط محل کی طرح ہے، اس کے چاروں طرف سڑکیں ہیں اور ٹیلے پر جانے کے لیے سیڑھیاں ہیں۔ یہاں نہایت خوبصورت تالاب ہے جس میں بلندی سے پانی بہہ کر آتا ہے۔ پھر نالیوں سے گھروں کو فراہم کیا جاتا ہے۔ یہ ٹیلہ شہر کے باغوں میں مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں سے شہر کو پانی تقسیم ہوتا ہے۔ پانی کی سات نہریں الگ الگ جانب نکل جاتی ہیں۔ اس ٹیلے سے شہر کے تمام باغات کو دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ نظارہ نہایت خوش نما ہوتا ہے کہ سات نہریں ملتی اور جدا ہوتی نظر آتی ہیں۔''

دمشق امن وامان کا گہوارہ ہونے کے باوجود شیعہ سنی منافرت سے محفوظ نہ تھا۔ ابن جبیر اس کشاکش کا حال یوں بیان کرتا ہے:

''ان شہروں میں شیعوں کے حالات بڑے عجیب ہیں، ان کے کئی فرقے ہیں: ایک فرقہ رافضیہ

ہے، یہ لوگ گالم گلوچ کرتے ہیں، امامیہ اور زیدیہ بھی ہیں جو تفضیل (حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی برتری) کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ کچھ لوگ اسماعیلی اور نصیری ہیں۔ یہ کافر ہیں کیوں کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا کہتے ہیں۔"

پھر وہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان شیعوں پر سنیوں کی ایک جماعت کو مسلط کر دیا ہے جس میں لڑنے، بھڑنے والے مردانگی کے پیکر نوجوان شامل ہیں۔ یہ لوگ شیعوں کو جہاں دیکھتے ہیں مارتے ہیں۔

شہر کی وسعت بیان کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

"اس کے آٹھ دروازے ہیں۔ باب مشرقی پر وہ سفید مینار ہے جس پر روایت کے مطابق نزول عیسیٰ علیہ السلام ہوگا۔ شہر کا رقبہ لمبائی کی طرف مائل ہے۔ مکانات مٹی اور بانسوں سے بنائے جاتے ہیں، لہٰذا یہاں آتش زدگی بہت کم ہوتی ہے۔ شہر تین حصوں پر مشتمل ہے اسی لیے اس کی آبادی تین شہروں کے برابر ہے۔ شہر میں بیس (بڑے) مدارس ہیں اور دو ہسپتال ہیں۔ طبیب حضرات صبح سے شام تک یہاں مریضوں کو مشورہ اور دوا دیتے ہیں، یہاں کے شفا خانے اور مدارس اسلامی دنیا کے لیے فخر ہیں۔ یہاں دنیا کا سب سے خوبصورت مدرسہ، مدرسہ نور الدین ہے، سلطان نور الدین کی قبر بھی اسی میں ہے۔ یہ مدرسہ حسین محلات میں سے ایک محل ہے۔"

شہر کی تفریح گاہوں کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ شہر کے اردگرد باغوں کا سلسلہ دور تک چلا جاتا ہے۔
وہ سلطان صلاح الدین کی رہائش گاہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"شہر میں ایک قلعہ ہے جہاں سلطان کی سکونت ہے۔ یہ شہر کے مغربی حصے میں باب الفرج کے سامنے ہے۔ یہیں ایک جامع مسجد ہے جس میں سلطان جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں۔ اس کے قریب مغرب کی طرف دو میدان ہیں، سبزے کی زیادتی کی وجہ سے محسوس ہوتا ہے کہ وہاں سبز مخمل بچھی ہوئی ہے۔ میدانوں کے گرد جنگلات ہیں اور ان کے درمیان سے ایک نہر گزرتی ہے۔ میدانوں کے ساتھ ساتھ بید کے درختوں کا جھنڈ ہے، اس طرح یہ میدان نہایت دلفریب منظر پیش کرتے ہیں، سلطان یہاں آتے ہیں، چوگان کھیلتے ہیں اور گھڑ دوڑ میں حصہ لیتے ہیں۔ ہر رات سلطان کے بیٹے ان میدانوں میں نشانہ بازی کرتے ہیں، گھڑ دوڑ اور چوگان کھیلتے ہیں۔"

وہ دمشق کے لوگوں کی عجیب عادات بھی ذکر کرتا ہے مثلاً یہ کہ:

"ان کے چھوٹے بڑے سب چلتے ہوئے اپنے ہاتھ کمر پر باندھ کر چلتے ہیں، ایک ہاتھ اوپر

ہوتا ہے دوسرا نیچے، اسے یہ شرافت اور تمیز شمار کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ملتے ہوئے یہ سلام کرتے ہیں تو رکوع کی طرح جھک جاتے ہیں، ایسے میں ان کے عمامے بھی گر پڑتے ہیں۔"

وہ افسوس کے ساتھ کہتا ہے:

"ہم سمجھتے تھے ایسا ادب محفل میں گانے بجانے والی عورتیں اور باندیاں بجالاتی ہیں مگر عجیب بات ہے کہ یہاں مرد ایسا کیا کرتے ہیں۔"

ابن جبیر اندلسی دمشق سے متعلق اپنی معلومات کے لیے حافظ ابن عساکر دمشقی رحمہ اللہ کی تاریخ دمشق کا حوالہ بھی دیتا ہے اور حیرت و ستائش کے ساتھ بتاتا ہے کہ یہ عظیم تصنیف سو کے لگ بھگ جلدوں میں ہے۔ [1]

ابن جبیر 579ھ میں دمشق آیا تھا، اس سے آٹھ سال قبل حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ وفات پاچکے تھے، تاہم دمشق اب بھی بڑے بڑے علماء و فضلاء اور مشائخ سے آباد تھا جن میں شیخ الشیوخ ابو الفرج ابن الصابونی تھے، یہ سلطان نور الدین زنگی کے زمانے سے یہاں آباد تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے والد نجم الدین کو ان سے گہری عقیدت تھی۔ اسی لحاظ سے سلطان خود بھی ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔

ان میں محمد بن ابی المعالی بھی تھے جو صاحب کرامات بزرگ تھے، سن رسیدگی کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور تھے مگر جمعہ کو پالکی میں جامع مسجد جایا کرتے تھے اور تقریر کیا کرتے تھے۔ [2]

ان میں شیخ نجم الدین الخبوشانی بھی تھے جو نامور فقیہ اور عابد و زاہد انسان تھے۔ سلطان نے ان کے لیے ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا۔ ان میں قطب الدین نیشاپوری بھی تھے جو مدرسہ غزالیہ میں حدیث پڑھاتے تھے اور فقہ شافعی کے امام تھے۔ [3]

دمشق کی ان بلند پایہ شخصیات کے علاوہ خود سلطان کا اپنا دربار زمانے کے بہترین علماء، فضلاء، اور ادباء سے آراستہ تھا۔ سلطان سے قریبی تعلق رکھنے والے اہل علم و ادب میں ایک نام اسامہ بن مرشد کا بھی ہے۔ اسے اسامہ بن منقذ بھی کہا جاتا ہے کہ منقذ اس کے پردادا کا نام تھا۔ جب سلطان نے دمشق کو دار الحکومت بنایا تو اس کی عمر 80 برس سے تجاوز کر چکی تھی۔ یہ بوڑھا بیک وقت نابغۂ روزگار شاعر، بہترین ادیب اور بلا کا شمشیر زن تھا۔ اس کی پوری زندگی جنگی کارناموں سے بھرپور تھی۔ عماد الدین زنگی کے زمانے سے لے کر اب تک وہ بے شمار جنگیں لڑ چکا تھا اور درجنوں انقلابات میں صف اول کا سپاہی ثابت ہوا تھا۔ اس کے آباؤ اجداد "شیزر" کے سرحدی علاقے کے جاگیردار تھے، اسامہ بھی یہاں رہ کر

[1] رحلۃ ابن جبیر، ص: 180_200
[2] سیر اعلام النبلاء: 21/358
[3] سیر اعلام النبلاء: 21/204

فرنگیوں سے اسلامی سرحدوں کا دفاع کرتا رہا۔ جب 552ھ (1157ء) کے ہولناک زلزلے نے شیزر کو تہہ وبالا کردیا تو اسامہ کا خاندان بنو منقذ بھی ادھر ادھر بکھر گیا۔ اس وقت اسامہ کی عمر 50 سال سے اوپر ہوچکی تھی، تب وہ ایک عرصے تک حصن کیفا میں زندگی بسر کرتا رہا۔ جب 570ھ (1175ء) میں سلطان صلاح الدین نے دمشق فتح کیا تو اسامہ کی شہرت سے متاثر ہوکر اسے اپنے دربار میں طلب کرلیا۔ اسامہ سلطان ایوبی کے دربار میں آیا تو 68 سال کا ہوچکا تھا۔

اس کی بقیہ زندگی سلطان کے دربار میں ان کی مدح سرائی اور اپنے ایام شباب کے کارناموں کے تذکرہ کرنے میں گذری۔ اس کی کتب میں سے "کتاب الاعتبار" بہت مشہور ہے جس میں پانچویں صدی ہجری کی صلیبی ریاستوں اور مسلمانوں سے ان کے تعلقات کے علاوہ شکار اور جنگوں کے انوکھے پہلو آشکار ہوتے ہیں۔ ①

سلطان کے مصاحبین میں رشید بن البوتیجی بھی تھا جو بہترین شاعر وادیب اور مزاح نگار تھا۔ اس کے علاوہ مرد میدان بھی تھا۔ سلطان کو اس پر اتنا اعتماد تھا کہ ایک بار اسے خلیفہ بغداد کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ ②

سلطان کے دربار میں فقیہ عیسیٰ الہکاری جیسے صاحب سیف وقلم بھی تھے جو سیاست میں سلطان کے بہترین مشیر اور دربار کے سب سے بلند پایہ امیر تھے۔

علم وفضل میں ان سب سے بڑھ کر درجہ قاضی القضاۃ شرف الدین تمیمی کا تھا جو 573ھ میں دمشق کے قاضی مقرر ہوئے تھے، یہ اپنے زمانے میں شوافع کے امام شمار ہوتے تھے۔

ملکی انتظام وانصرام کے لحاظ سے تمام امور کا مدار قاضی فاضل رحمہ اللہ پر تھا جو سلطان کے وزیر اعظم تھے۔ یہ ضرورت کے لحاظ سے کبھی مصر اور کبھی شام میں قیام کرتے تھے۔ جید عالم دین اور بلند پایہ ادیب تھے۔ سلطان کے اہم ترین مکتوبات یہ تحریر کیا کرتے تھے۔

دمشق میں سلطان کے مستقل کاتب کی حیثیت سے شیخ عماد کاتب اصفہانی کو حاصل تھی۔ سلطان کے نام آنے والے خطوط کو پڑھنے اور جواب تحریر کرنے کے علاوہ دفتری امور کی پوری ذمہ داری انہی پر تھی۔ یہ سلطان کے سب سے بڑے وقائع نگار بھی تھے۔ بعد کے تمام مؤرخین کو سلطان کی سیرت سے واقف کرانے میں ان کا سب سے بڑا کردار ہے۔

اس حوالے سے قاضی بہاؤالدین ابن شداد کے کردار کو بھی نہیں بھلایا جاسکتا۔ وہ اگرچہ دربار سلطانی سے خاصی دیر میں وابستہ ہوئے تھے مگر سلطان کے حالات کو قلم بند کرنے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔

① الروضتین: 1/196، 199 ② تاریخ اسلام ذہبی: 41/216

دمشق کے ان باکمال لوگوں میں ایک نام مشہور طبیب اسعد بن الیاس کا ہے جو سلطان کا بھی ذاتی معالج تھا۔ خاندانی لحاظ سے نصرانی تھا۔ نوجوانی میں اسلام قبول کرلیا اور علم طب میں بڑی شہرت پائی۔[1]

ابن جبیر نے دمشق سے شام کے ساحلی علاقوں کی طرف جاتے ہوئے یہاں مسلمانوں اور نصرانیوں کے باہم تعلقات کا بھی گہری نظر سے مشاہدہ کیا۔ اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں اور نصرانیوں میں جنگوں کا سلسلہ جاری رہنے کے باوجود معاشرتی سطح پر ایک دوسرے سے برتاؤ فراخدلانہ تھا۔ اسلامی شہروں کے باشندے عیسائی ریاستوں میں اور نصرانیوں کے قافلے اسلامی شہروں میں آزادانہ طور پر آتے جاتے تھے۔ ان میں پیشہ ور افراد تاجر، اور ہر قسم کے لوگ شامل ہوتے تھے۔ مسلمانوں کے قافلے شام کے ساحل تک جانے کے لیے عیسائی ریاستوں سے گزرتے تو انہیں ٹیکس دینا پڑتا تھا، اسی طرح عیسائی تاجر اسلامی ریاستوں کی سرحدوں کو عبور کرتے ہوئے تجارتی ٹیکس ادا کرتے تھے۔ سلطنتوں کی جنگوں کے باوجود تجارتی تعلقات اور رواداری کی سہولیات موجود تھیں۔ جنگ وجدل سے ریاستوں کے تجارتی، مواصلاتی اور معاشرتی تعلقات پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا تھا۔

ابن جبیر اس کی مثال میں دمشق سے نصرانیوں کے ایک شہر عکا کی طرف اپنی روانگی کا منظر بیان کرتا ہے کہ مسلمانوں کے قافلے فرنگیوں کے علاقوں کی طرف جارہے تھے جبکہ عیسائی قیدی اسلامی شہروں میں لائے جارہے تھے۔ ابن جبیر اس صورتحال کی تعریف کرتے ہوئے اسے سیاسی اعتدال کا واضح ثبوت قرار دیتا ہے۔

دنیا بھر میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مابین ایسی دوطرفہ رواداری کہیں اور نہیں تھی۔ شاید سلطان صلاح الدین ایوبی کے دبدبے اور سطوت نے اکثر عیسائی حکام کو انتہاپسندی سے گریز کرنے اور اعتدال کی راہ اپنانے پر مجبور کر رکھا تھا ورنہ اس دور میں اور اس کے بعد بھی نصرانیوں کو جہاں آرام پسند مسلم حکمرانوں کا پڑوس ملا وہ سنگین زیادتیوں کے مرتکب ہوتے رہے۔

سلطان ایوبی کے شہروں میں نصرانیوں کے قانونی حقوق کا پورا خیال کیا جاتا تھا۔ ان کے تاریخی آثار کو باقی رکھا گیا تھا۔ ابن جبیر دمشق میں رومی دور کے اس چرچ کا ذکر کرتا ہے جسے "کلیسائے مریم" کہا جاتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ بیت المقدس کے بعد نصرانیوں کے نزدیک اس سے افضل جگہ اور کوئی نہیں۔

وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے نصرانیوں سے جہاد کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

"دمشق سے آگے کوئی اسلامی شہر نہیں ہے اور شام کا اکثر (ساحلی) علاقہ فرنگیوں کے قبضے میں

[1] مدنیہ سامراج 203/41

ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے سلطان کو ان علاقوں کے مسلمانوں کے لیے رحمت بنا دیا ہے، یہ بادشاہ نہ راحت و آرام کا خوگر ہے نہ عیش پسند۔ اس کی نشست ہمیشہ گھوڑے کی زین پر ہوتی ہے۔“[5]

ابن جبیر اندلسی کے سفرنامے سمیت اس دور کی تحریروں سے یہ بات بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ سلطان صلاح الدین اپنی رعایا کو ہر ممکن راحت و آرام پہنچانے کے لیے کوشاں رہتے تھے، یہ ان کی تعمیری سوچ اور عوام پروری کا اثر تھا کہ اس دور کا شام اپنی تعمیر و ترقی میں اپنی مثال آپ تھا۔

---

[5] رحلۃ ابن جبیر، ص: 201، 210

اسباقِ تاریخ

اس حصے میں ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کو شام کے دوسرے بڑے مرکز حلب پر قابض ہوتا اور الجزیرہ کے پایۂ تخت موصل تک یلغار کرتا دیکھتے ہیں۔ اس مطالعے میں زیادہ تر سیاسی جوڑ توڑ کے مناظر سامنے آتے ہیں جن پر غور کرنے سے بہت سے اسباق ملتے ہیں مثلاً:

- مسلمانوں کے مرکزِ وحدت خلافت کا قیام، استحکام اور اس کا احترام نہایت ضروری ہے۔ خلیفۂ بغداد اور اس کے نمائندوں سے سلطان کا برتاؤ اس بارے میں ہمیں اچھا درس دیتا ہے۔
- انسان کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جائے، کسی کو اپنا بڑا بنا کر رکھے۔ سلطان نے عالمِ اسلام کا سب سے طاقتور بادشاہ بن کر بھی دربارِ خلافت کے سامنے خود کو غلام ظاہر کیا۔ مشائخ اور بزرگوں کے آستانوں پر دوزانو بیٹھے۔ جو درخت پھل دار ہوتا ہے وہ جھکتا ضرور ہے۔
- حرمین شریفین کا تحفظ مسلم حکمرانوں پر فرض ہے۔ اس میں کوئی کوتاہی روا نہیں۔ سلطان اور ان کے ماتحتوں نے اس ذمہ داری کو سمجھا اور اس کا حق ادا کیا۔ پس ریجنالڈ جیسے بدباطن منہ کی کھاتے رہے۔
- بیماری اور آزمائش کے وقت اپنا احتساب ضروری ہے۔ اپنی غلطیوں کی تلافی کر کے انسان آزمائش کے منجدھار سے نکل سکتا ہے۔
- اپنے نیک ارادوں کی تکمیل میں دیر نہ کی جائے کہ موت کا کچھ پتا نہیں۔ سلطان نے موت کو سامنے دیکھ کر اپنے نیک عزم کی تجدید کی اور اللہ سے مہلت مانگ کر پھر خود کو اس کے لیے وقف کر دیا۔
- قائد وہ ہے جو اچھے اور باصلاحیت لوگوں کی تلاش میں رہے۔ ایسے لوگوں کو کسی بھی قیمت پر اپنے ساتھ رکھے اور ان سے کام لے۔ ان کی دل جوئی کو اہم سمجھے نہ کہ دولت کو۔ سلطان میں یہ خوبی بہت راسخ تھی۔
- شہروں میں ترقیاتی کام کرانا، انھیں پرسہولت، محفوظ اور خوبصورت بنانا مسلم حکمرانوں کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ سلطان ایوبی کا دمشق، قاہرہ اور حلب اس کی مثال تھے۔

- قابل حکمران علماء وفقہاء کے مسلکی اختلافات میں فریق نہیں بنتا۔ سب کو احترام دیتا ہے۔ تعصب سے پاک اور بالغ نظر ہوتا ہے۔ سلطان ایوبی شافعی ہوتے ہوئے بھی دیگر مسلکوں کے علماء کے لیے کشادہ دامن تھے۔
- مملکت کے مفاد کو عہدے داروں کی ذاتی خواہش، ذوق یا پسند پر ترجیح دینا ضروری ہے چاہے وہ عہدے دار اپنا بیٹا یا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ سلطان کا شہزادہ ظاہر اور الملک العادل کو ان کے پسندیدہ شہروں سے دوسری جگہوں پر منتقل کرنا اس کی ایک مثال ہے۔
- ماتحتوں کی ذمہ داریوں کو تبدیل کرتے رہنا چاہیے۔ ان کا تجربہ بھی بڑھے گا اور ان کی وفاداری کی آزمائش بھی ہوتی رہے گی۔ عوام پر زیادہ دن ایک شخص مسلط رہے تو مطلق العنان ہو جاتا ہے۔ سلطان کسی کو اس طرح بے لگام چھوڑنے کے عادی نہیں تھے۔

باب:5

شاہراہِ بیت المقدس

محرم 583ھ (مارچ 1187ء)

......تا......

شعبان 583ھ (ستمبر 1187ء)

شخصیات

ریمنڈ	....	طرابلس کا حاکم، القدس کا منتظم
گائی اوف لوسگنان	....	شاہ یروشلم
ازبیلا (سبل)	....	یروشلم کی ملکہ
ہرکولیس	....	یروشلم کا بڑا پادری
ریجی نالڈ	....	کرک کا قلعہ دار
کونرڈ مارکویس	....	یورپی نواب، صور کا نیا حکمران
بالیان بن بارزان	....	القدس کا عارضی حاکم
الملک الافضل	....	سلطان کا بیٹا، فوج کے ایک حصے کا سالار
حسام الدین محمد بن لاجین	....	سلطان کا بھانجا
مظفرالدین کوکبری، بدرالدین		
دلدرم یاقوتی اور صارم الدین قائماز	....	سلطانی افواج کے امراء
تقی الدین عمر	....	سلطان کا بھتیجا، مصری افواج کا سالار
الملک العزیز عثمان	....	سلطان کا بیٹا۔ مصر کا گورنر
الملک العادل	....	سلطان کا بھائی
قاضی فاضل	....	سلطان کے وزیر اعظم
قاضی ابوالمعالی	....	دمشق کے قاضی القضاۃ
زین الدین ابن نجیہ	....	سلطان کے درباری، عالم، نامور خطیب

فصل:1

تاج وتخت یروشلم

سلطان ایوبی کے شام پر قبضے سے 78 برس قبل القدس پر فرنگیوں کا قبضہ ہوا تھا اور سلطنتِ یروشلم وجود میں آئی تھی۔ نواب گاڈفرے ڈی بوئلین جو بالڈون اوّل کے لقب سے مشہور ہوا، اس سلطنت کا پہلا تاجدار تھا۔ اس نے شام کے ساحلی علاقے ارسوف پر بھی قبضہ کرلیا تھا۔ ساحل کے دیگر شہروں، قیساریہ اور عسقلان کے حکام اسے خراج دیا کرتے تھے۔

یروشلم کی مسندِ حکومت شام کے عیسائی امراء کے لیے شروع سے پرکشش چلی آرہی تھی اور بڑے بڑے کاؤنٹ اس مسند پر براجمان شخصیات کو رشک کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ ان امراء میں اپنے حمایت یافتہ شہزادوں کو شاہِ یروشلم بنانے کے لیے چپقلشیں بھی چلتی رہتی تھیں، خصوصاً جب یروشلم کا کوئی حکمران فوت ہوتا تو محلاتی سازشیں عروج پر پہنچ جاتیں اور تمام عیسائی ریاستوں کے امراء حرکت میں آجاتے۔ ❶

<u>بالڈون اوّل</u>: یعنی گاڈفرے رمضان 493ھ (جولائی 1100ء) میں فوت ہوا تو اس کی جگہ اس کا چھوٹا بھائی جو اڈیسا کا حاکم تھا، تخت نشین ہوا۔ اس نے عکا کو فتح کرکے مسلمانوں کا قتلِ عام کیا، 512ھ (1118ء) میں مصر پر حملہ کرکے واپس آتے ہوئے بیمار پڑ کر مرگیا۔ اسی کے دور میں نصرانیوں نے طرابلس فتح کیا جہاں عالمِ اسلام کے عظیم کتب خانے کی تین لاکھ کتب کو خاکستر کیا گیا۔

<u>بالڈون دوئم</u>: اب اس کا چچیرا بھائی بالڈون ڈی بورگ بالڈون دوئم کے لقب سے یروشلم کا تاجدار بنا۔ اس نے شام کے مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے۔ آخرکار یہ ایک لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوگیا۔ مگر حلب کے امیر حسن الدین ابن غازی کو چوبیس ہزار دینار اور کچھ جاگیر کے دے کر رہائی حاصل کرلی۔ بالڈون دوئم نے مسلمانوں کے انتشار سے فائدہ اٹھا کر سلطنتِ یروشلم کو بے حد وسیع اور مستحکم کرلیا۔ صور جیسے مضبوط اسلامی مرکز پر اسی نے قبضہ کیا۔ اس کے دور میں ٹمپلرز اور

❶ دیکھئے: 1/220

ٹمپلرز کے عیسائی فرقوں کو عروج ملا اور ان کی طاقت نے مسلمان حکام کو عاجز کر دیا۔ بالڈون دوئم رمضان 525ھ (اگست 1131ء) میں فوت ہوا۔

اس کے بعد اس کا داماد فلپ کاؤنٹ آف انجو بادشاہ بنا۔ اس نے شوال 531ھ (جولائی 1137ء) میں عماد الدین زنگی سے شکست فاش کھائی۔ مئی 538 (نومبر 1143ء) میں اس کا انتقال ہوا۔ ⓿

بالڈون سوئم ❁ فلپ کے بعد اس کا بڑا بیٹا بالڈون صرف تیرہ برس کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اسے بالڈون ثالث کا لقب ملا۔

اس کی تخت نشینی کے تیسرے برس عماد الدین زنگی کا انتقال ہو گیا اور نور الدین زنگی نے مسلمانوں کی قیادت شروع کی۔ اسی کے دور میں دوسری صلیبی جنگ چھڑی۔ بالڈون ثالث نے اس وقت غیر ملکی بادشاہوں اور افواج کی میزبانی کی اور انہیں لے کر دمشق پر چڑھائی کی جو ناکام رہی تاہم چند سالوں بعد اسی بالڈون نے 548ھ (1153ء) میں عسقلان پر قبضہ کر کے نصرانیوں سے خوب داد حاصل کی۔ پھر دمشق پر بھی حملہ کیا جسے نجم الدین ایوب نے پسپا کر دیا۔ ذی قعدہ 556ھ (نومبر 1161ء) میں اس کا انتقال ہو گیا۔ ⓿

املرک (اماری) ❁ اب اس کا بھائی ایملرک تخت نشین ہوا، جسے عرب مؤرخین "مری" یا "اماری" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ نور الدین زنگی سے اس کے معرکے جاری رہے۔ نور الدین زنگی کی وفات کے کچھ عرصے بعد ذوالحجہ 569ھ (جولائی 1174ء) میں اس کا بھی انتقال ہو گیا۔ ⓿

بالڈون چہارم ❁ ایملرک کے بعد اس کا 13 سالہ لڑکا بالڈون چہارم کے لقب سے تخت نشین ہوا، یہ جذام کا مریض تھا، اس لیے عرب اسے "الملک المجذوم" کہا کرتے تھے۔ چند ہی سالوں میں اس نے خود کو سلطان صلاح الدین ایوبی کا سخت ترین حریف ثابت کر دیا۔ کم عمری اور بیماری کے باوجود وہ انتظامی امور پر مضبوط گرفت رکھتا تھا۔ اس نے سلطان سے کئی جنگیں لڑیں۔ ایک لڑائی میں جب اس کا سامنا سلطان کے شیر دل جرنیل فرخ شاہ سے ہوا تو وہ مرتے مرتے بچا۔ اگر عیسائی نائٹ ہمفری نہ ہوتا تو بالڈون چہارم کی لاش ہی میدان جنگ سے واپس جاتی۔ ⓿

بالڈون چہارم کی موت اور بالڈون پنجم ❁ اس کے کچھ دنوں بعد بالڈون نے شکست کا انتقام لینے کے لیے خود سلطان صلاح الدین کی زیر قیادت فوج سے ٹکر لی مگر اس بار نہ صرف اسے عبرتناک شکست

⓿ [illegible]: 2/78
⓿ [illegible]: ص 162_163، [illegible]: 2/272_276
⓿ [illegible]: 2/272_276 ⓿ ایضاً

ہوئی بلکہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا۔ اس نے ڈیڑھ لاکھ دینار اور ایک ہزار مسلمان قیدیوں کا فدیہ دے کر اپنی جان چھڑائی۔ اس کے بعد اس نے سلطان صلاح الدین سے دو سال کی مدت کے لیے عارضی صلح نامہ کرلیا۔ یہ اس کے لیے ناگزیر تھا، بچپن سے وہ جذام کے موذی مرض میں مبتلا تھا، جس کی وجہ سے اس کے اعضاء گل سڑ رہے تھے۔ چہرہ گوشت کا لوتھڑا بن گیا تھا۔ آخر 580ھ (85-1184ء) کے موسم سرما میں اس کی آنکھوں کے سامنے موت کے سائے لہرانے لگے، وہ بے اولاد تھا، اس لیے اپنے پیچھے سلطنت یروشلم کے وارث کا انتظام کرکے رخصت ہونا چاہتا تھا۔ اس کی نگاہ انتخاب اپنی بہن شہزادی سبل (سبیلا، ازابیلا) کے آٹھ نو سالہ لڑکے یعنی اپنے بھانجے پر پڑی۔ شہزادی سبل کی پہلی شادی ولیم صاحب شمشیر سے 1176ء میں ہوئی تھی۔ شادی کے ایک سال بعد ولیم مرگیا تھا۔ اس کے بعد سبل کی دوسری شادی مشہور عیسائی نواب گائی آف لوسگنان سے ہوئی جس سے ایک بیٹا ہوا تھا۔ اب بالڈون کو بہن کا یہی بچہ تاج و تخت کا واحد حق دار نظر آرہا تھا، اس نے سلطنت کا فیصلہ اس کے حق میں کردیا اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے خالہ زاد بھائی ریمنڈ حاکم طرابلس کو اس بچے کا خیال رکھنے کی تاکید کی۔

کچھ دنوں بعد وہ مرض کے انتہائی درجے سے گزر کر سسکتے ہوئے مرگیا۔ اب سبل کا آٹھ سالہ لڑکا بالڈون پنجم کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ امراء نے اس کی کم عمری کو مدنظر رکھتے ہوئے ریمنڈ کو اس کا سرپرست مقرر کردیا۔ ❶

<u>ریمنڈ</u>: ریمنڈ افواج یروشلم کا سپہ سالار ہونے کے ساتھ ساتھ طرابلس اور گیلیلی (طبریہ) کا حاکم بھی تھا۔ اس وقت عیسائی حکمرانوں میں وہی ایسا باحشمت اور جہاں دیدہ آدمی تھا کہ کم سن بادشاہ کی تربیت اور سرپرستی کی ذمہ داری نبھا سکتا تھا۔ ریمنڈ کو عرب مؤرخین نے قومص ابن قومص کے نام سے یاد کیا ہے۔ مگر قومص یا ریمنڈ کوئی نام نہیں بلکہ لقب تھا جو اس علاقے کے حکمران کے لیے مخصوص تھا جہاں ریمنڈ کی حکومت تھی۔ جیسا کہ بوہیمنڈ انطاکیہ کے حاکم کا لقب ہوا کرتا تھا۔

"طرابلس" ساحل شام پر واقع عیسائی پٹی کے لیے جغرافیائی لحاظ سے ایک اہم معسکر تھا جہاں یورپی حملہ آوروں کے جہاز آکر آسانی سے لنگر انداز ہوسکتے تھے۔ ریمنڈ کو اس ریاست کا والی ہونے کے علاوہ اپنی دلیری، معاملہ فہمی، اور مذہبی غیرت کی بناء پر شام کی عیسائی ریاستوں میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ تاہم شہزادی سبل کا دوسرا شوہر گائی اس کا شدید مخالف تھا اور اسے کسی توقع پر نیچا دکھانے سے باز نہیں رہتا تھا۔ ❷

❶ ویکیپیڈیا، مقالہ: سلطنت یروشلم ❷ الکامل فی التاریخ: 7/319، 320؛ صلیبی جنگیں ... ص 20، 34

<u>گائی آف لوسگنان</u> ⁂ لوسگنان خاندان یروشلم کی سیاست میں خاصا اثر ورسوخ رکھتا تھا، یہ یورپی خاندان تھا، اس کے مشہور فرد گائی کو یورپی تاریخ میں ایک کم عقل مگر بہادر اور خوش شکل قائد کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ گائی کی ابتدائی زندگی مسائل اور جھمیلوں سے بھرپور تھی۔ وہ پوشو کا نائٹ تھا، اسے طنزاً بے ریاست نواب کہا جاتا تھا۔ اس کا باپ لوئی، شاہ بالڈون کے خاص سالاروں میں سے تھا۔ گائی حکومتِ انگلستان کے معتوب افراد میں شمار ہوتا تھا۔ انگلستان میں اس کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ مشہور تھا کہ اسے کسی ڈیوک کے قتل کے الزام میں جلاوطن کیا گیا تھا۔ تب اس نے شام کے لیے رختِ سفر باندھا اور سلطنت یروشلم کی ملازمت اختیار کرلی۔ یہ اس کے لیے زیادہ مشکل ثابت نہ ہوا کیونکہ وہ ایک دلیر سپاہی کے طور پر مشہور تھا اور پھر اس کا چھوٹا بھائی امالریک پہلے ہی یروشلم میں نائٹ کانسٹیبل کے معزز عہدے پر تعینات تھا۔ امالریک کے علاوہ گائی کا ایک بھائی جیفرے اوف لوسگنان بھی سلطنت یروشلم کا ایک اہم رکن تھا، یوں گائی کا پلہ خاصا بھاری تھا۔

گائی کی خوش قسمتی تھی کہ یہاں اس کی شادی شاہ یورشلم بالڈون چہارم کی بہن شہزادی سبل سے جو بیوہ تھی، طے ہوگئی اور یوں اس کے لیے اقتدار کا راستہ ہموار ہوگیا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شہزادی پہلے ہی اس پر دل وجان سے فدا تھی مگر اس نے کسی کو اپنے دلی راز کی بھنک نہ پڑنے دی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شہزادی سبل خود شادی پر آمادہ نہ تھی مگر بالڈون چہارم نے اسے محض اس جذبے کے تحت شادی پر تیار کرلیا کہ شاید اس طرح یروشلم کو تخت کا وارث مل جائے۔ بالڈون چہارم خود تو بے اولاد تھا، مگر چاہتا تھا کہ اس کی بیوہ بہن شادی کرلے، شاید اسے اولادِ نرینہ نصیب ہو تو وہ اس تخت پر یروشلم کی وارث بن سکے۔

بہرصورت یروشلم میں اس شادی کی تقریب منعقد ہوئی۔ جہیز کے طور پر گائی کو عسقلان اور جافا کے شہروں کی حکومت بھی عطا کی گئی۔ پھر شادی کے کچھ عرصے بعد سبل کی گود بھی ہری ہوگئی، بالڈون پنجم پیدا ہوا اور یوں گائی کی وقعت اور بڑھ گئی۔

بالڈون چہارم نے مرنے سے پہلے اسے یروشلم کا ناظم الامور بھی مقرر کردیا تھا۔ جب کہ ولی عہد کی تربیت ریمنڈ کے سپرد کردی تھی۔

گائی کو اوّل تو یہی گوارا نہ تھا کہ اس کی موجودگی میں اس کے بیٹے کو بادشاہت دی جائے۔ مگر جب اس کا فیصلہ ہو چکا تو اسے یہ اور بھی برا لگا کہ اس کی جگہ ولی عہد کی تربیت اور سرپرستی ریمنڈ کو دی گئی ہے۔ اس کا صاف مطلب یہی تھا کہ اس کو عقل وفراست اور بھرد سے کے اعتبار سے ریمنڈ سے کم سمجھا جاتا ہے۔ ۵

۵ وکی پیڈیا مقالہ: گائی آف لوسگنان ... ص 44-60

ٹیمپلرز اور ہاسپٹلرز ❊ ٹیمپلرز کا مطلب ہے عبادت گاہ کے خدام اور ہاسپٹلرز کا مطلب ہے شفا خانے کے خدام۔ اس تصنیف میں ان کا ذکر کئی بار آچکا ہے۔ یہ دونوں جماعتیں دراصل نیم مذہبی اور نیم عسکری قسم کی تنظیمیں تھیں۔ عرب ٹیمپلرز کو الداویہ اور ہاسپٹلرز کو الاسبتاریہ کہتے تھے۔ ان کے سردار گرینڈ ماسٹر (مقدم) کہلاتے تھے۔ یہ تنظیمیں براہ راست روم کے پوپ کے تابع شمار کی جاتی تھیں اور سلطنتِ یروشلم کی قانونی اطاعت سے بالاتر تھیں۔ قانون کے مطلوب افرادان کے ہاں پناہ لے کر خود کو محفوظ تصور کرتے تھے۔ شام کی عیسائی ریاستوں میں ان کا بے حد زور تھا۔ چند ایک کے سوا سرحدوں کے تمام قلعے ان کے پاس تھے۔ وہ زمینیں جو کلیسا کی ملکیت نہیں تھیں، انہی تنظیموں کے قبضے میں تھیں۔ یہ خود کو سرزمین مقدس کا خادم باور کراتے تھے مگر درحقیقت پرلے درجے کے سفاک قاتل تھے۔ مسلمانوں کے حق میں نہایت خوں خوار تھے۔ یہ مقامی عیسائی حکمرانوں کے بھی شدید مخالف تھے اور ان کی سیاسی چپقلشوں میں لگائی بجھائی کا کردار ادا کرتے تھے۔ ٹمپلرز ریمنڈ کے شدید مخالف تھے اور ہاسپٹلرز گائی کے بدخواہ تھے۔ یہ بدلگام گروہ یروشلم کے ہر حکمران کو اپنی مٹھی میں رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان دو گروہوں کے علاوہ ایک تیسرا نیم مذہبی وعسکری گروہ "ڑکوپولز" بھی تھا۔ یہ یروشلم کے کلیسا سینٹ جان کے راہبوں کی جماعت تھی جو بڑی گنوار اور جنگجو تھی۔ [1]

ریمنڈ کا سلطان صلاح الدین سے صلح نامہ ❊ جب ریمنڈ، کم سن بادشاہ بالڈون پنجم کا سرپرست بنا تو شام کے نصرانیوں کے درمیان نااتفاقی پیدا ہوگئی۔ ریمنڈ یہ چاہتا تھا کہ صلاح الدین ایوبی سے صلح کرلی جائے۔ صیدا، طرابلس اور انطاکیہ کے عیسائی روساء بھی اس کے حق میں تھے مگر دوسری طرف ہاسپٹلرز اور ٹیمپلرز بہرصورت لڑائی پر مصر تھے۔ کرک کا بدقماش ریجی نالڈ بھی آمادۂ پیکار تھا۔ یوں عیسائی دوگروپوں میں تقسیم ہوگئے تھے۔

عجیب بات یہ تھی کہ ریمنڈ کو جنگ بندی کے موقف میں اپنے سب سے بڑے سیاسی حریف گائی کی حمایت حاصل تھی، غالباً ریمنڈ کی طرح گائی بھی مستقبل میں نصرانیوں کا مرکزی رہنما بننے کے لیے فی الوقت بیرونی خطرات سے تحفظ چاہتا تھا۔ بہرکیف اختلاف رائے کے باوجود فیصلہ دو بڑی شخصیتوں ریمنڈ اور گائی کی تجویز کے مطابق ہوگیا اور مسلمانوں سے چار سالہ صلح طے پاگئی۔ اس طرح سلطان اور عیسائی روساء کے درمیان جاری جنگ ایک عرصے کے لیے رک گئی۔ [2]

---

[1] ٹیمپلرز۔ ہارون یحییٰ، ص 10-32

[2] سوانح سلطان، لین پول، ص 82، ... ص 55-61

<u>ریمنڈ اور گائی کی چپقلش</u>: صلح کے اس زمانے میں ریمنڈ اور گائی اپنا سیاسی قد و کاٹھ مضبوط کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے رہے۔ ریمنڈ ہوشیار تھا اور گائی خوش نصیب۔ ریمنڈ نے اپنا دائرۂ اثر بڑھانے کے لیے بہت کچھ کیا۔ اس نے ریاست طبریہ کی ملکہ سے شادی کر لی جس سے طرابلس اور یروشلم کے ساتھ ساتھ طبریہ بھی اس کی عملداری میں آ گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے صلاح الدین سے تعلقات بڑھانا شروع کیے حالانکہ وہ پہلے سلطان کا سخت ترین مخالف تھا۔ 576ھ (1180ء) میں جب بالڈون نے سلطان سے دو سال کے لیے صلح کی تھی تو ریمنڈ نے سب سے زیادہ مخالفت کی تھی مگر اب اپنے سیاسی مفادات کے لیے ریمنڈ خود کو سلطان کا بہترین دوست ثابت کرنا چاہتا تھا اسی لیے اس نے 581ھ (1185ء) کے قحط میں دمشق کو بھاری پیمانے پر غلہ فراہم کیا تھا۔ پھر اپنے حریف گائی کو مغلوب کرنے کے لیے اس نے سلطان سے باقاعدہ امداد طلب کی اور سلطان کی خوشنودی کے لیے طرابلس کی جیل سے تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ریمنڈ مسلمانوں کے نزدیک بھی ایک اعتدال پسند نصرانی حکمران کے طور پر معروف ہو گیا۔

اب ریمنڈ کو اطمینان تھا کہ یروشلم کا آئندہ بادشاہ وہی ہوگا اور اگر موجودہ شاہی خاندان کے رؤساء اور اس کے حریف گائی نے کوئی رکاوٹ ڈالی تو مسلمان اس کی مدد کریں گے۔ لین پول بتاتا ہے کہ ریمنڈ سلطان سے تعلق مضبوط کرنے کے لیے خود ان سے ملنے آیا تھا۔ بعض مسلم مورخین ان دنوں ریمنڈ کے مسلمانوں سے اچھے تعلقات کی تعریف کرتے ہوئے یہاں تک لکھتے ہیں کہ ریمنڈ کو اگر اپنی قوم کا خوف نہ ہوتا تو وہ مسلمان ہو جاتا۔

بہر حال ریمنڈ نے سلطان سے صلح کر کے خاطر خواہ سیاسی فوائد حاصل کیے اور اپنی پشت مضبوط کر لی۔ تاہم 583ھ (1187ء) میں سلطان صلاح الدین کی عیسائی ریاستوں سے فیصلہ کن جنگ کی تیاری سے قبل ریمنڈ کو زندگی کے تلخ ترین تجربہ سے گزرنا پڑا۔[1]

<u>بالڈون پنجم کی موت اور گائی کی بادشاہت</u>: یروشلم کا کمسن حکمران بالڈون پنجم بھی مختصر مدت کی رسمی تخت نشینی کے بعد اچانک مر گیا۔ اس کی عمر کے دس برس بھی پورے نہ ہوئے تھے۔ اب ریمنڈ اپنے زعم میں اس کا سرپرست ہونے کی حیثیت سے یروشلم کی فرمانروائی کا حق دار تھا مگر فرنگی امراء اس پر تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے مشورہ کر کے شہزادی سبل کو تخت پر بٹھا دیا، ان کی نظر میں سابق حکمران کی ماں ہونے کے ناطے وہی اس اعزاز کی حق دار تھی، ریمنڈ کو اب بھی امید تھی کہ شہزادی سبل رسمی تخت نشینی کے

[1] الفتح القسی، عماد اصفہانی: ص: 43 ،46 تحت سن 583ھ، صلاح الدین لین پول: 187؛ الکامل: تحت سن 583ھ

بعد سب اختیارات اسے منتقل کر دے گی مگر شہزادی نے اس کا خواب پورا نہ ہونے دیا اور سلطنت اپنے شوہر گائی کی نذر کر دی۔

یروشلم میں ایک بہت بڑی تقریب منعقد ہوئی جس میں ملکہ نے عیسائی بطریقوں، پادریوں، نوابوں، ہاسپٹلرز اور ٹیمپلرز کے جنگجوؤں اور تمام رؤساء کے سامنے یروشلم کی بادشاہت اپنے شوہر گائی کو سونپ دی۔ گائی تخت شاہی پر بیٹھا اور یروشلم کی بادشاہت کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا گیا۔ [1]

سلطنت کے دو دعوے دار: یہ سب کچھ ریمنڈ کے لیے ناقابل برداشت تھا، اس کے تمام خواب چکنا چور ہو گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اسے ایک اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ شہزادی سبل نے اس سے ان اموال کا حساب طلب کر لیا جو وہ اپنے دورِ اقتدار میں یروشلم کے خزانے سے خرچ کرتا رہا تھا۔ ریمنڈ نے یہ ثابت کرنے کی بہت کوشش کی کہ وہ رقم اس نے دیانت داری سے بالڈون پنجم کے اخراجات میں صرف کی ہے مگر سبل نے اس پر یقین نہ کیا اور اس طرح ریمنڈ کی ساکھ کو زبردست دھچکا لگا۔ اب وہ انتقامی حربوں پر اتر آیا۔ اس نے گائی کو یروشلم کے جائز حکمران کی حیثیت سے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کئی امراء کو اپنا ہم خیال بنا کر شاہ امالرک کی چھوٹی بیٹی ازابیل کے شوہر ہنری آف ٹورون کو یروشلم کا بادشاہ مقرر کر دیا۔ اس طرح ایک ہی وقت میں یروشلم کی سلطنت کے دو دعوے دار ہو گئے اور دونوں کے ساتھ عیسائی امراء کی ایک بڑی جماعت تھی۔ شام کے نصرانیوں کی مرکزی حکومت کو پہلے کبھی اتنے بڑے بحران کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

اس کے ساتھ ریمنڈ نے سلطان صلاح الدین ایوبی سے اپنے تعلقات مزید مضبوط کر لیے۔ وہ جانتا تھا کہ یروشلم میں اپنی مخالف جماعت کو سلطان ایوبی کی پشت پناہی کے بغیر مغلوب کرنا ناممکن ہے۔ اس وقت گائی یروشلم کے بادشاہ کی حیثیت سے ریمنڈ کو باغی قرار دے کر اس کے خلاف فوج کشی کا فیصلہ کر چکا تھا۔ ریمنڈ نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو اس صورتحال سے آگاہ کیا تو سلطان نے اس کی مدد کا وعدہ کر لیا۔ [2]

عیسائی ریاستوں میں اس جتھہ بندی سے پیدا شدہ سیاسی بحران مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑی نعمت ثابت ہوا۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نصرانیوں کے اس انتشار کا ذکر کر کے فرماتے ہیں:

"یہ صورتحال نصرانیوں کے شہروں کی فتح اور بیت المقدس کی بازیابی کا سب سے بڑا سبب بن گئی۔" [3]

سلطان صلاح الدین ایوبی نے محسوس کیا کہ القدس کے دروازے تک پہنچنے کے لیے بہتر موقع شاید پھر کبھی نہ مل سکے۔ چنانچہ انہوں نے القدس کی طرف بڑھنے کے لیے حتمی منصوبہ بندی کر لی۔

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/253، ... ص 60_64
[2] الروضتین ... 582ھ ... ص 67_70، ... ص 42_46 ... 583ھ
[3] الکامل فی التاریخ ... 582ھ

فصل:2

حطین کی رزمگاہ

583ھ (1187ء) معرکوں اور فتوحات کا سال بن کر نمودار ہوا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اب نصرانیوں سے بھرپور انداز میں نبرد آزمائی کے لیے تیار تھے۔ القدس کی آزادی کے لیے فیصلہ کن جنگ لڑنے کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ نفیر جہاد سن کر مصر، عراق اور کردستان کی باقاعدہ افواج کے علاوہ رضا کار مجاہدین کی جماعتیں بڑی تعداد میں سلطان کے معسکر کا رخ کر رہی تھیں۔ ان میں سے ہر شخص بیت المقدس کو فرنگیوں کے ناپاک تسلط سے آزاد کرانے کے لیے جان کا نذرانہ پیش کر دینا اپنی خوش بختی تصور کرتا تھا۔

یہ نئے ہجری سال کا پہلا دن تھا، اس دن کا آفتاب اسلام کے مجاہد اعظم سلطان صلاح الدین ایوبی کو ایک عجیب شان کے ساتھ دمشق کی فصیل سے نکلتے دیکھ رہا تھا۔ سلطان کی عمر اب 45 برس سے زیادہ ہو چکی تھی، ان کے سنجیدہ اور باوقار چہرے سے گزشتہ 20 سالہ عسکری اور سیاسی تجربات کی پختگی عیاں تھی۔ ان 20 سالوں میں انہوں نے جنگی اور سیاسی دنیا کے سینکڑوں رنگ دیکھے، زمانے کے ہزاروں نشیب و فراز عبور کیے اور ان گنت آزمائشوں سے گزرے مگر درحقیقت ان کی زندگی کے وہ معرکے اب شروع ہو رہے تھے جن کے باعث اسلامی تاریخ میں انہیں تمام سلاطین سے بلند مقام ملنے والا تھا۔ اگر سلطان کی زندگی میں جان گسل امتحانات کا یہ دور نہ آتا تو یقیناً تاریخ میں انہیں وہ جگہ نہ ملتی جسے آج تک نہ صرف اپنے بلکہ غیر بھی رشک بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اب شروع ہونے والی یہ جنگیں جو سلطان کی وفات تک جاری رہیں سلطان کی داستانِ حیات کا مرکزی حصہ اور ان کی کہانی کا نقطۂ عروج ہیں۔

ان جنگوں کا آغاز ناگزیر تھا کہ سلطان کی زندگی کا مقصد ان کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا تھا...... پہلے ان میں کچھ تاخیر ممکن تھی...... مگر جب بدبخت ریجی نالڈ کی گستاخیاں عام ہوئیں تو سلطان کی طرف سے التواء اور پس و پیش جیسے الفاظ بے معنی ہو گئے۔ گزشتہ سالوں میں سلطان کی جانب سے اس کے خلاف پے در پے مہمات جاری رہی تھیں جن سے گھبرا کر اس نے جنگ بندی کا اعلان کر دیا تھا۔ مگر جنگ بندی کی

مدت کے دوران اس نے ایک بار پھر بدعہدی کا ثبوت دیتے ہوئے مصر سے شام آنے والے ایک بڑے قافلے پر حملہ کیا تھا اور اہل قافلہ کو گرفتار کر کے ان کے اموال پر قبضہ کر لیا تھا۔ سلطان کی جانب سے تنبیہی پیغامات اور دھمکیوں نے بھی اس پر کوئی اثر نہ کیا۔ اس سے سلطان کا برانگیختہ ہونا لازمی تھا۔ پھر اپنی شدید بیماری کے دنوں میں سلطان نے اسے قتل کرنے کی نذر بھی مان لی تھی جس کے ایفاء میں تاخیر انہیں گوارا نہیں تھی۔ اس کے علاوہ اب نصرانیوں کے باہمی تنازعات نے حالات کو فوج کشی کے لیے سازگار بنا دیا تھا، لہٰذا سلطان اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

<u>حجاج کے قافلوں کی حفاظت</u> ❁ سلطان کے ساتھ اس مہم میں ان کا بیٹا الملک الافضل بھی تھا۔ راس الماء پہنچ کر سلطان نے اسے ٹھہرنے کا حکم دیا کیونکہ فوج کا ایک بڑا حصہ جس میں عرب بدو، ترک اور قبائل عجم کے مجاہدین شامل تھے، پیچھے آ رہا تھا۔ سلطان نے الافضل کو ہدایت کی کہ وہ ان سب کو لے کر آئے۔

سلطان نے خود بصریٰ پہنچنے تک کہیں پڑاؤ نہ ڈالا، بصریٰ میں ٹھہرنا اس لیے ضروری ہو گیا تھا کہ مصر کے حاجیوں کے قافلے فریضۂ حج ادا کر کے اب اسی راستے سے اپنے وطن کی طرف جار[illegible] میں سلطان کی بہن اور بھانجا حسام الدین محمد بھی تھے۔ سلطان کو اطلاع مل گئی تھی کہ حجاج کرام کی واپسی کے موقع پر ایک بار پھر دست درازی کے لیے تیار ہے، اس۔ معلوم ہوا تھا کہ حجاج کو لوٹنے کے بعد وہ مصر کی طرف بڑھ کر شام کی کمک کا راستہ بند کرنا چ[illegible] ں لیے سلطان بذات خود حجاج کرام کے قافلوں کے تحفظ کے لیے بصریٰ میں رکے رہے۔

<u>کرک پر حملہ</u> ❁ ماہ صفر 583ھ (مئی 1187ء) کے آخر تک حجاج کرام [illegible] گئے، اب سلطان نے سب سے پہلے اسی رخ پر آگے بڑھتے ہوئے کرک [illegible] کمان میں لشکر کا صرف ایک منتخب حصہ تھا، حملے کا مقصد شیطان ریجی نالڈ کو حجا[illegible] اور اسے خوفزدہ کرنا تھا۔

اس حملے میں کرک کے گرد و نواح سے انگوروں کے باغ اجاڑ دیے گئے، درختوں کو کاٹ د[illegible] کھیتوں میں فصل کا کوئی دانہ نہ رہنے دیا گیا۔ نواحی بستیوں سے کمک و رسد کے لیے خاصے ذخائر لوٹ لیے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ سلطان کے سپاہیوں نے شوبک کے قلعے کے آس پاس بھی اسی طرح تاخت و تاراج کی اور خاصا مال غنیمت حاصل کیا۔ ریجی نالڈ اس دوران اپنے محفوظ قلعے میں پناہ گزین رہا، اسے معمولی مزاحمت کی بھی ہمت نہ ہوئی۔

❶ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/276، الکامل فی التاریخ: تحت 583ھ

چوں کہ دیگر عیسائی ریاستوں میں بھی سلطان کی آمد آمد کا غلغلہ تھا اور سلطان کی فوج کا بڑا حصہ جو راس الماء میں الافضل کے زیر انتظام جمع ہو رہا تھا نصرانیوں کو بری طرح بدحواس کیے دے رہا تھا، اس لیے سب عیسائی حکمران اپنے اپنے قلعوں میں دبک چکے تھے اور ریجی نالڈ کے لیے کسی امداد کا حصول ناممکن تھا۔

اس دوران مصر سے سلطان کی ندائے جہاد پر لبیک کہنے والے امدادی دستے آگئے۔ سلطان نے ان کو دو حصوں میں تقسیم کر کے کرک اور شوبک کے قلعوں اور نواحی بستیوں کی نگرانی کا حکم دیا اور خود بھی اپنے عساکر کے ساتھ اس علاقے میں پڑاؤ کر کے تقریباً دو ماہ قیام کیا۔ ① ریجی نالڈ کو سزا دینے کا فیصلہ بہر حال حتمی تھا مگر سلطان نے قلعہ کرک کا محاصرہ اس لیے نہیں کیا کہ وہ سابقہ تجربات کی روشنی میں بخوبی جانتے تھے کہ محاصرے کا نتیجہ اس بار بھی مختلف نہیں ہوگا اس لیے سلطان ریجی نالڈ کو کھلے میدان میں لانا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ القدس پر کامیاب اور بھرپور حملے کے لیے بھی یہ ضروری تھا کہ ریجی نالڈ سمیت تمام عیسائی امراء کو ان کے محفوظ قلعوں سے نکلنے پر ابھارا جائے اور اس سے پہلے یہ بھی ناگزیر تھا کہ نصرانیوں کو چھوٹی چھوٹی مہمات کے ذریعے اچھی طرح تھکا دیا جائے اور ان کا اس قدر جانی و مالی نقصان کر دیا جائے کہ جب وہ مقابلے کے لیے باہر نکلیں تو اسلامی لشکر کے لیے زیادہ سخت حریف ثابت نہ ہوں۔

عکا کے گرد و نواح میں چھاپہ مار حملے ❊ اس منصوبے کے تحت سلطان نے الملک الافضل کو پیغام بھجوایا کہ وہ لشکر کے بہترین سپاہیوں پر مشتمل چند دستوں کو عکا اور نواحی قصبات پر چھاپہ مار حملوں کے لیے روانہ کر دے۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ سلطان اس وقت دمشق کے جنوب میں کوئی سو میل دور فوج کے منتخب حصے کے ساتھ قیام پذیر تھے جبکہ دمشق سے چلنے والا بھاری لاؤ لشکر جنوب مغرب کی طرف پیش قدمی کر کے طبریہ کے قریب رکا ہوا تھا، مگر اتنے فاصلے کے باوجود سلطان کے احکام وہاں برابر پہنچ رہے تھے اور لڑائی کا پورا نقشہ جسے سلطان نے مربوط حکمت عملی کے ساتھ مرتب کر کے عیسائی ریاستوں کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا دیا تھا، انہی کی ہدایات کے مطابق تشکیل پا رہا تھا۔ ②

پرجوش نوجوان الملک الافضل پہلے ہی نصرانیوں کے خلاف کارروائی کے لیے بے چین تھا اور اس نے کئی بار سلطان کو خطوط لکھ کر عیسائی ریاستوں کی طرف پیش قدمی کی اجازت طلب کی تھی مگر سلطان بعض مصلحتوں کی بناء پر تاخیر کرتے رہے، اسی انتظار میں دو ماہ گزر گئے تھے، اب جوں ہی الملک الافضل کو سلطان کا حکم ملا اس نے موقع محل کو ملحوظ رکھتے ہوئے مظفر الدین کوکبری، دلدرم یاقوتی اور صارم الدین قایماز جیسے سرکردہ امراء کو عکا کی طرف روانہ کر دیا۔

① الروضتین، تحت 583ھ، [illegible]

② الکامل فی التاریخ، تحت 582ھ، [illegible] 2/202 [illegible] تحت 583ھ

یہ ماہ صفر 583ھ (مئی 1187ء) کے آخری ایام تھے، راتیں اندھیری تھیں، یہ جانباز رات بھر سفر کرتے رہے اور صبح کے وقت جھیل طبریہ سے تقریباً 25 کلومیٹر مغرب میں صفوریہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ وہ عیسائیوں کے فصیل بند شہر طبریہ کو پیچھے چھوڑ آئے تھے جو سلطان کے سابق حریف اور موجودہ حلیف ریمنڈ کی عشرت گاہ تھا۔[1]

طبریہ کا راحت کدہ: طبریہ کے راحت کدے میں ریمنڈ اپنی بیوی کے ساتھ عیش وطرب کے دن گزار رہا تھا۔ یہ قلعہ اصل میں اس کی بیوی کا تھا، ریمنڈ کو یہاں کا قیام بہت لطف دیتا تھا۔ جھیل طبریہ کے کنارے یہ ایک بڑا خوبصورت شہر تھا۔ سیاہ سنگ خارا سے تعمیر شدہ قلعہ دور سے خاصا ہیبت ناک نظر آتا تھا مگر اس کے اندر کیف وسرور کو انتہا تک پہنچانے والا ہر سامان میسر تھا۔ قلعے کے محلات اور میناروں کا سلسلہ جھیل کے شفاف پانی تک چلا گیا تھا۔ اونچی فصیلوں کے سائے میں ڈھلوانی چٹانوں پر ماہی گیروں کا ایک انبوہ صبح سے شام تک مچھلیاں شکار کرتا رہتا تھا۔ قلعۂ طبریہ سے مشرق کی طرف وہ سرمئی پہاڑیاں نظر آتی تھیں جو سلطان ایوبی کی سرحد تھیں اور جہاں مسلمان محافظ سواروں کے گھوڑے سرپٹ دوڑتے رہتے تھے۔ ان پہاڑوں سے کئی راستے نکل کر طبریہ کی جانب آتے تھے۔ دمشق کی شاہراہ بھی یہیں سے گزرتی تھی۔ قلعۂ طبریہ سے ان سب راستوں کی ناکہ بندی کی جاسکتی تھی۔ ریمنڈ جانتا تھا کہ مسلمان عن قریب ساحل شام پر حملے کے لیے انہی راستوں سے گزریں گے مگر اس کے باوجود وہ اس راستے کی ناکہ بندی نہیں کرسکتا تھا کیوں کہ سلطان سے اس کا معاہدۂ صلح برقرار تھا اور اسے یقین تھا کہ سلطان سے وعدہ خلافی کا انجام اچھا نہیں ہوسکتا۔ بہرصورت ایک انجانا خطرہ اسے بے چین کیے دے رہا تھا، اس خوف سے نجات پانے کے لیے وہ اس موسم بہار میں بے تحاشا شراب نوشی کرتا رہا۔[2]

اس کی عیش ومستی کے انہی دنوں میں سلطان صلاح الدین کی جانب سے فوج کشی شروع ہوگئی اور پھر ایک دن سلطان کے کچھ سپاہی الملک الافضل کی قیادت میں یہاں سے گزرے۔

الملک الافضل طبریہ میں: لین پول بتاتا ہے کہ الملک الافضل نے ریمنڈ سے اجازت مانگی کہ وہ دریائے اردن کے پار ریمنڈ کی عملداری میں سیر وتفریح کرنا چاہتا ہے اس کے جواب میں ریمنڈ نے یہ شرط عائد کی کہ مسلمان کسی کے جان ومال کو گزند پہنچائے بغیر سیر کرکے غروب آفتاب سے پہلے پہلے واپس ہوجائیں گے۔ مسلمانوں نے اس کا وعدہ کرلیا۔ ہم یہ اندازہ لگاسکتے ہیں کہ الملک الافضل نے

---

1. الکامل فی التاریخ تحت 583ھ، سلطان السلاطین: 5/302، مختصر تاریخ ابن کثیر تحت 583ھ
2. سلیمی کی سیر ولیب، ص 83

جو پہلی بار شام آیا تھا اور ہر لمحہ جنگ کے نقارے پر چوٹ پڑنے کا منتظر تھا، یہ دورہ محض سیر سپاٹے کے لیے نہیں کیا ہوگا بلکہ اسے یلغار سے پہلے اس بہانے اردگرد کے علاقے سے آگاہی حاصل کرنے سے زیادہ دلچسپی ہوگی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ریمنڈ سلطان کا حلیف بن چکا تھا تو الملک الافضل نے اسے واضح طور پر اپنا مقصد کیوں نہ بتایا۔ وہ سیر و تفریح کا بہانہ بنانے پر کیوں مجبور ہوا؟ حالات پر غور کرنے سے اس کا جواب سمجھ آجاتا ہے۔ دراصل ان دنوں خود ریمنڈ پر عیسائی حکمرانوں کی جانب سلطان سے معاہدہ توڑ کر ان کے اتحاد میں شامل ہونے کے لیے دباؤ بڑھ رہا تھا، ایسی صورتحال میں مسلمانوں کا اس کے علاقوں میں عسکری مقاصد کے تحت جانا ریمنڈ کے لیے مسائل کا باعث بن سکتا تھا اور مسلمان اپنے حلیف کو کسی پریشانی دو چار نہیں کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہیں سیر سپاٹے کا عنوان سامنے لانا پڑا ہوگا۔ بہرکیف لین پول بتاتا ہے کہ ریمنڈ کی اجازت سے الملک الافضل دریائے اردن کے پار سیر و تفریح کے لیے نکل گیا۔

اس کے فوراً بعد ایک عجیب واقعہ پیش آگیا۔ ہوا یہ کہ ان دنوں یروشلم کے نئے بادشاہ گائی کے دو سردار ریمنڈ سے صلح کی بات چیت کرنے اور اسے مسلمانوں کے خلاف عیسائی اتحاد میں شامل کرنے کی نیت سے وہاں آئے تھے۔ ان سرداروں کا تعلق نصرانیوں کے سب سے متعصب جنگجو گروہوں ہاسپٹلرز (اسبتاریہ) اور ٹیمپلرز (داویہ) سے تھا۔ انہیں ریمنڈ کے علاقے میں مسلمانوں کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔ ان متعصب نصرانیوں کے لیے یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ سلطان ایوبی کے سپاہی عیسائی علاقے میں سیر و تفریح کریں اور وہ بھی ریمنڈ کی اجازت سے۔ چنانچہ ان کے چار سو جنگجو مشتعل ہو کر ان مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے جو سیر و تفریح سے فارغ ہو کر واپس جا رہے تھے۔ تاہم مسلمانوں نے سراسیمہ ہوئے بغیر ایسا منہ توڑ جواب دیا کہ حملہ آور کے پشتوں کے پشتے لگ گئے۔ پھر انہوں نے مقتول نصرانیوں کے کٹے ہوئے سر نیزوں پر بلند کیے اور طبریہ پہنچ گئے۔ ریمنڈ نے اپنی آنکھوں سے جنگجو نصرانیوں کا یہ انجام دیکھا مگر وہ جانتا تھا کہ مقتولین نے اپنے جذباتی پن کی سزا پائی ہے، اس لیے بالکل خاموش رہا۔ مسلمانوں نے بھی اس سے کیے گئے معاہدے کا احترام کیا اور اس کے علاقے کی آبادی کو کوئی گزند پہنچائے بغیر وعدے کے مطابق سورج غروب ہونے سے پہلے واپس چلے گئے۔

اس لڑائی کی یہ روداد یورپی مؤرخین کی مرتبہ کردہ صلیبی جنگوں کی تاریخ سے لی گئی ہے جس میں یہ وضاحت موجود ہے کہ یہ لڑائی اتفاقیہ طور پر برپا ہوئی تھی اور اس میں الملک الافضل بھی شریک تھا۔

لیکن عرب مؤرخین کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ الملک الافضل کے بھیجے ہوئے چھاپہ

ماروں نے شروع کی تھی اور یہ کہ افضل خود اس میں شامل نہ تھا۔ اس طرح معاملہ ذرا الجھ جاتا ہے۔ مگر تمام روایات پر غور کرنے سے سمجھ آتا ہے کہ الملک الافضل نے دو دستے مرتب کیے تھے۔ ایک دستے کو عکا کے گرد و نواح میں جو ریمنڈ کی عملداری سے باہر کا علاقہ تھا، چھاپے مارنے بھیجا تھا جیسا کہ سلطان ایوبی نے الافضل کو اس کی تاکید کی تھی۔ دوسرے دستے کو لے کر الافضل طبریہ چلا گیا تھا۔ اگلے دن جب وہ طبریہ سے لوٹ رہا تھا تو جنگجو نصرانیوں نے بے خبری میں اس پر حملہ کر دیا۔ عین اسی وقت وہ دستہ جو عکا پر چھاپے مارنے کے لیے بھیجا گیا اپنی مہم انجام دے کر واپس آ رہا تھا، چنانچہ وہ الافضل کی مدد کے لیے پہنچ گیا اور یہ معرکہ پیش آ گیا۔

یہ بات اس لیے بھی قرینِ قیاس ہے کہ عکا جہاں سلطان نے افضل کو حملے کی ہدایت کی تھی اور صفوریہ جہاں عرب مؤرخین کے مطابق یہ معرکہ پیش آیا تھا طبریہ سے زیادہ دور نہ تھے، اس لیے ایسا بالکل ممکن تھا کہ وہ چھاپہ مار جنہیں الافضل نے عکا روانہ کیا تھا، اس کی مدد کے لیے بروقت پہنچ گئے ہوں۔

بہرکیف اس لڑائی کا تمام تر فائدہ مسلمانوں کو ہوا۔ ہاسپٹلرز اور ٹمپلرز کے بہت سے سردار اس معرکے میں مارے گئے تھے جن کے مظالم کی داستانیں مسلمانوں میں مشہور تھیں۔ ان کے قتل اور اس فتح سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور انہوں نے اسے مزید بڑی فتوحات کا پیش خیمہ سمجھا۔

اگرچہ اس واقعے میں غلطی ہاسپٹلرز اور ٹمپلرز کے جنگجو سرداروں کی تھی جنہوں نے پر امن مسلمانوں پر بے خبری میں حملہ کیا تھا اور اپنی شامتِ اعمال کو آواز دی تھی مگر شام کی عیسائی ریاستوں نے اسے مسلمانوں کی زیادتی قرار دیا اور ''بے قصور نصرانیوں'' کے اس ''قتل عام'' کا ڈھنڈورا اس طرح پیٹا کہ ریمنڈ بھی شرمندہ ہو گیا اور اس پر بزدلی کی چھاپ لگ گئی۔ ❶

ریمنڈ اتحادیوں میں شامل ❋ چوں کہ جنگجو ریمنڈ کے علاقے میں مارے گئے تھے اس لیے نصرانیوں نے براہ راست اس واقعے کی ذمہ داری اسی پر ڈال دی۔ عیسائی حکام نے پادریوں اور راہبوں کو ریمنڈ کے خلاف ابھارا جنہوں نے ریمنڈ سے مل کر اسے برا بھلا کہا اور اس کی مذہبی غیرت ابھارنے کے لیے یہاں تک کہہ ڈالا کہ تم یقیناً مسلمان ہو گئے ہو ورنہ اس دن تم نے مسلمانوں کو ہاسپٹلرز اور ٹمپلرز کے قتل عام اور گرفتاریوں سے کیوں نہ روکا۔

ان پادریوں کی لعنت ملامت سے خود ریمنڈ کے افسران بھی متاثر ہوئے اور پادریوں کی موافقت میں بولنے لگے۔ اس طرح ریمنڈ کی ساکھ کو زبردست دھچکا لگا اور اس کو نصرانیوں میں اپنا سیاسی مقام

❶ حلب الدمشقی فی اخبار الدولتین: 3/277، صلاح الدین ایلین لین پول ص 94

بچانے کا واحد راستہ یہی نظر آیا کہ وہ ان کے اتحاد میں شامل ہو جائے۔ چنانچہ ریمنڈ ان پادریوں، راہبوں اور مذہبی رہنماؤں کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف مہم جوئی کے لیے نکل پڑا۔ اس نے اپنے بدترین حریف گائی کو پہلی بار یروشلم کے بادشاہ کی حیثیت سے قبول کیا۔ لین پول کے مطابق ایک بڑے جشن میں دونوں حریف بغل گیر ہوئے۔ دونوں نے دیگر حکام اور نوابوں کے ساتھ مل کر اپنے دفاع کے لیے مشورے کیے اور طے یہ ہوا کہ تمام ریاستوں کی افواج عیون صفوریہ کے مقام پر جمع ہو جائیں جہاں مسلمانوں کا متحد ہو کر مقابلہ کیا جائے گا۔ ①

<u>سلطان، کرک سے طبریہ تک</u> سلطان صلاح الدین ایوبی کرک کے نواح میں ٹھہر کر حالات کا اتار چڑھاؤ دیکھ رہے تھے۔ جب انہیں اس معرکے میں ہاسپٹلرز اور ٹیمپلرز کے سرداروں کے قتل عام کی اطلاع ملی تو وہ سمجھ گئے کہ طبلِ جنگ پر چوٹ پڑ چکی ہے اور فیصلہ کن جنگ کا وقت قریب آ گیا ہے۔ چنانچہ وہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر راتوں رات شمال کی جانب چلے۔ اس دوران سلطان کو یہ اطلاع بھی مل گئی کہ ان کا حلیف ریمنڈ معاہدہ توڑ کر اپنے ہم مذہب نصرانیوں سے مل گیا ہے، یہ خبر تشویشناک ضرور تھی مگر سلطان نے اس کا کوئی خاص اثر نہ لیا۔

اس دوران شمال سے اطاکیہ کے محاذ پر سرگرم تقی الدین عمر جہاد کا مژدہ سن کر پورے لشکر کے ساتھ ان کی خدمت میں پہنچ گیا تھا جبکہ راس الماء کے معسکر میں الملک الافضل کے پاس دور دراز شہروں کی تمام افواج جمع ہو چکی تھیں۔ سلطان کو یقین تھا کہ القدس کی بازیابی کے لیے سر پر کفن باندھ کر نکلنے والے اس لشکر کے جذبے، ولولے اور اخلاص میں کمی نہ ہوئی اور تائید الٰہی اس کے شامل حال رہی تو دنیا کی کوئی طاقت اس کا راستہ نہیں روک سکے گی۔

سلطان نے "عشترا" پہنچ کر پڑاؤ ڈالا اور افواج کو مرتب کیا، لشکر کے پیشہ ور سپاہی جو مختلف شہروں یا امراء کی جاگیروں سے تعلق رکھتے تھے 12 ہزار تھے جبکہ رضا کار مجاہدین کی جماعتیں ان کے علاوہ تھیں۔ سلطان نے لشکر کو قلب، میمنہ، میسرہ، ہراول اور ساقہ میں تقسیم کیا۔ قلب کو اپنی کمان میں رکھا، میمنہ پر تقی الدین عمر اور میسرہ پر مظفر الدین کو کبری کو امیر مقرر کیا۔ جمعہ 17 ربیع الثانی 583ھ (26 جون 1187ء) کو لشکرِ اسلام ساحل کی طرف بڑھنے لگا اور اسی رات "خسفین" میں دم لے کر اگلے دن اردن کی سرحد میں داخل ہو گیا۔ "الاقحوانہ" میں لشکر پانچ دن ٹھہرا رہا۔ سلطان ایوبی نے امرائے فوج کو لڑائی کے شعار (شناختی نعرے، کوڈ ورڈز) سمجھائے اور ان کی پوزیشنیں متعین کیں۔ چوں کہ یہ مقام جھیل

① الکامل فی التاریخ: حوادث 583ھ۔ صلاح الدین، لین پول، ص:۵۵

طبریہ کے ساتھ تھا، اس لیے سلطان کے سپاہیوں نے جب یہاں چھاؤنی لگائی تو جھیل کے کنارے خیموں کی ایک دیوار کھڑی ہوگئی۔ [1]

<u>نصرانیوں کی تیاریاں</u> ❊ اس دوران صلیبی ریاستوں میں نہایت تندہی سے سامانِ جنگ مرتب کیا جاچکا تھا۔ پیادے، شہ سوار، تیر انداز، خدام، ملاح، زمیندار، کسان، نواب اور حکام سب ہی آمادۂ پیکار تھے۔ نیزہ باز نائٹ، زرہ بکتروں میں ملبوس ٹمپلرز اور ہاسپٹلرز قطار در قطار چلے آرہے تھے۔ کلیسا سینٹ جان کے ''تروکوپول'' عام طور پر اپنے آپ میں مست رہتے تھے مگر اس موقع پر یہ خون آشام قسم کے راہب بھی میدان میں نکل پڑے تھے۔ شام کے کونے کونے سے جمع ہو کر یہ سب لوگ ایک سمت جارہے تھے۔ یروشلم کے پادری اپنی سب سے مقدس نشانی ''صلیب الصلبوت'' نکال لائے تھے جسے صلیب اعظم بھی کہا جاتا تھا، یہ سونے چاندی اور ہیرے جواہرات سے مرصع غلاف میں لپیٹ کر رکھی جاتی تھی۔ [2] بعض پادری کہتے تھے کہ یہی صلیب ہے جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی، بعض کہتے تھے کہ اُس صلیب کی کچھ لکڑی اِس صلیب میں شامل ہے۔ [3]

سلطان ایوبی کے جھیل طبریہ پہنچنے سے پہلے صلیبی اس جھیل سے تقریباً 18 کلومیٹر مغرب کی سمت عیون صفوریہ کے میدان میں ڈیرے ڈال چکے تھے۔ انہوں نے صلیب الصلبوت کو یہیں گاڑ دیا تھا جس کے تقدس کے نام پر چاروں طرف سے عیسائی جنگجو یہاں کا رخ کر رہے تھے۔ یہ علاقہ گھڑ سواروں، پیادوں، نیزہ بازوں اور تیر اندازوں سے بھر گیا تھا۔ شاہ یروشلم گائی، ریمنڈ، کاؤنٹ اوف مانسریٹ، کانسٹیبل امالریک، بالین ڈی ابلین، ہمفرے اوف ٹورون کے علاوہ ہاسپٹلرز اور ٹیمپلرز کے جنگجو اور درجنوں دیگر عیسائی امراء اپنی جمعیتوں کے ساتھ یہاں پہنچ چکے تھے۔ گستاخ رسالت ریجی نالڈ بھی کرک کے مورچے سے نکل کر یہاں آگیا تھا کیونکہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس کے قلعے کی ناکہ بندی نہیں کی تھی، وہ خود چاہتے تھے کہ ریجی نالڈ سے کسی کھلے میدان میں سامنا ہو سکے۔ ریجی نالڈ کے پہنچ جانے کے بعد نصرانیوں کی مجموعی تعداد 63 ہزار کے لگ بھگ ہوگئی تھی۔ [4]

<u>سلطان کی شوریٰ کا اجلاس</u> ❊ دشمن کی قوت کا اچھی طرح اندازہ لگانے کے بعد سلطان ایوبی نے عسکری مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کیا اور اگلے اقدام کے بارے میں بحث شروع ہوئی۔ نصرانیوں کی کثرت کے پیشِ نظر اکثر امراء نے یہ رائے دی کہ کھلے میدان میں براہ راست مقابلے سے گریز کیا

---

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 10/277 مع النوادر السلطانیۃ، ص 583ھ　　[2] البدایہ والنہایہ: تحت 583ھ

[3] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/277.

[4] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 10/278

جائے، اس کی بجائے چھاپہ مار حملے جاری رکھے جائیں اور ان کے شہروں کو یکے بعد دیگرے تاخت وتاراج کا نشانہ بنایا جائے۔ یہ سن کر ایک مشیر نے کہا:

”اگر دوبدو مقابلے سے احتراز کیا گیا تو اس کا عالم اسلام میں ہماری ساکھ پر منفی اثر پڑے گا، لوگ کہیں گے کہ یہ لوگ مسلمانوں سے جنگ وجدال میں چست ہیں جبکہ کفار سے نبرد آزمائی سے کتراتے ہیں۔ میری رائے تو یہ ہے کہ ہم دشمن کے شہروں میں گھستے چلے جائیں، انہیں لوٹتے، تاراج کرتے، قیدی بناتے اور بستیوں کو نذر آتش کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہیں، اس دوران اگر نصرانیوں کا کوئی لشکر سامنے آجائے تو ہم اس سے بھی نمٹ لیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم ایسا کام کریں جس کا رعایا کو جواز پیش کیا جاسکے اور لوگوں کو ہمارے خلاف زبانیں کھولنے کا موقع نہ ملے۔“

سلطان صلاح الدین ایوبی ان پختہ اور ناپختہ آراء کو دلچسپی سے سنتے رہے اور پھر بولے:

”یہ وہ دن ہے جس کا میں مدت سے انتظار کررہا تھا۔ میرا فیصلہ یہ ہے کہ ہم اہل ایمان کی اس پوری جمعیت کے ساتھ بہر حال کفار کی متحدہ فوج کا مقابلہ کریں گے۔ تقدیر کے فیصلے انسان کے بس میں نہیں ہوتے۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ ہماری زندگی کے کتنے دن باقی رہ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے یہ لشکر فراہم کردیا ہے۔ جہاد کے لیے اتنا بڑا لشکر بہت مشکل سے جمع ہوتا ہے۔ اسے بھرپور جہاد کے بغیر منتشر کردینا مناسب نہیں۔ میں بھی بوڑھا ہوتا جارہا ہوں۔ نہ معلوم کب موت آجائے، اس دن کو غنیمت سمجھو اور قتال کرو۔ میری خاطر نہیں صرف اللہ کے لیے۔“

سلطان کے فیصلے سے سب نے اتفاق کیا اور آگے بڑھ کر کھلے میدان میں نصرانیوں کے متحدہ لشکر سے ٹکرانے کا فیصلہ ہوگیا۔ [1]

سلطان نے اقحوانہ سے کوچ کیا اور بحیرۂ طبریہ کو پشت پر چھوڑتے ہوئے مغرب کی طرف بڑھتے چلے گئے، وہ لڑائی کے لیے ایسے مقام کی تلاش میں تھے جہاں سے نصرانیوں کو جو تعداد میں تین یا چار گنا تھے، اپنے جال میں پھانسا جاسکے۔ اس جال کے تانے بانے سلطان اپنے ذہن میں بن چکے تھے، اور شاید ان کے چند رازدار ساتھیوں کے سوا کسی اور کو اس کی بھنک بھی نہیں پڑی تھی۔ [2]

آگے چل کر سلطان نے ”صبرہ“ میں پڑاؤ کرنے کے بعد کہیں سے دریائے اردن کو عبور کیا اور کفر

---

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 2/287؛ ... 583ھ

[2] کتاب ہذا کے سابق اقحوانہ سے سلطان کی حطین کی طرف روانگی بمطابق 23 ربیع الثانی (2 جولائی) کو ہوئی تھی جو درست معلوم نہیں ہوتا، [illegible] درست یہ ہے کہ 21 ربیع الثانی (30 جون) کو سلطان حطین میں اتر چکے تھے کیونکہ سب کا اتفاق ہے کہ حطین میں [illegible] کے انتظار میں سلطان نے تین چار دن گزارے تھے اور 25 ربیع الثانی (4 جولائی) کو اصل معرکہ ہوا تھا۔

سمت سے شمال کی طرف بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ منگل 21 ربیع الثانی 583ھ (30 جون) کو بحیرۂ طبریہ کے مغرب میں کوئی پانچ میل دور جا کر ایک سرسبز وشاداب اور بلند سطح مرتفع پر اپنا کیمپ لگایا۔[1]

حطین میں ✽ آگے چلنے سے پہلے قارئین کو اس جگہ کا محل وقوع اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کیوں کہ اس کے بغیر حطین کے تاریخی معرکے کے مختلف پہلوؤں اور سلطان کی حیران کن جنگی منصوبہ بندی کو سمجھنا بہت مشکل ہوگا۔

سلطان کا کیمپ ان کے منصوبے کے لحاظ سے نہایت موزوں تھا۔ اس جگہ ہر طرف ہریالی ہی ہریالی نظر آتی تھی، سواریوں کے چارے کا قدرتی انتظام موجود تھا۔ زیتون کے درخت کثرت سے تھے اور پانی کی بہتات تھی کیوں کہ شمال مغرب کی طرف وادیٔ حمام میں شیریں پانی کا ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ ریمنڈ کا مرکزی شہر طبریہ جنوب مشرق میں صرف چھ میل دور نظر آتا تھا۔ اس کے آس پاس بھی پانی وافر مقدار میں تھا۔ سلطان کے کیمپ کے نزدیک ترین آبادی حطین نامی ایک دیہات تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر ہے۔[2] اس دیہات سے جنوب کی طرف ایک پہاڑی ٹیلا تھا، لوگ اسے ''رأس حطین'' کہتے تھے۔ اس ٹیلے پر کھڑے ہو کر مغرب کی طرف جھانکنے سے ایک وسیع وعریض لق ودق میدان نظر آتا تھا جو تقریباً 16 میل لمبا اور مشرق سے مغرب کی طرف پھیلا ہوا تھا، اس میدان کے دوسرے سرے پر ''صفوریہ'' تھا جہاں 63 ہزار فرنگی جنگ کے لیے تیار کھڑے تھے۔ ان کے پاس سلطان کے کیمپ تک پہنچنے کے لیے اس میدان کے سوا کوئی اور راستہ نہ تھا۔ میدان کی لمبائی میں صفوریہ سے حطین تک ایک کشادہ سڑک تھی جو آگے جنوب کی طرف مڑ کر حجاز کی طرف نکلتی تھی۔ اگر عیسائی پیش قدمی کرتے تو انہیں اسی سڑک سے گزرنا پڑتا۔ بظاہر اس سڑک پر 16 میل کا فاصلہ طے کر کے سلطان کے پڑاؤ پر حملہ کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ یہ صرف ایک دن کی مسافت تھی ...... مگر سلطان صلاح الدین ایوبی نے نئی جنگی چالوں کے ذریعے اس مختصر سے فاصلے کو نصرانیوں کے لیے موت کا راستہ بنا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ انہوں نے اس میدان کو دیکھ کر ہی جنگ کی منصوبہ بندی کی تھی جو اس قدر کامیاب رہی کہ نصرانیوں کے جہاں دیدہ امراء اور شمشیر آزما افسران بھی اس جال میں الجھتے چلے گئے۔ قرین قیاس ہے کہ سلطان کی اس کامیاب منصوبہ بندی میں الملک الافضل اور ان امراء کا حصہ بھی ہوگا جو جنگ سے پہلے طبریہ کے گرد ونواح اور دریائے اردن کے پار صفوریہ تک کا علاقہ دیکھ بھال چکے تھے۔ سلطان کے پیش نظر اس سولہ میل لمبے میدان کی طبعی ساخت

[1] النوادر السلطانیہ: 127
[2] البدایہ والنہایہ تحت 583ھ

تھی۔ میدان بالکل خشک اور بنجر تھا، اس سے گزرنے والی سڑک کے دونوں طرف دور دور تک کوئی چشمہ، کنواں یا ندی نہیں تھی، یہ بات یقینی تھی کہ اگر نصرانیوں کو اس میدان میں روک لیا جاتا تو ان کے لیے پانی حاصل کرنا ناممکن ہو جاتا۔ سڑک کی دو جانب یعنی میدان کے شمالی اور جنوبی کناروں پر ٹیلوں اور چھوٹی پہاڑیوں کا ایک سلسلہ تھا جن کی اوٹ سے نصرانیوں پر بھرپور تیر اندازی کی جا سکتی تھی۔

مگر اس کے ساتھ ساتھ لشکر اسلام ایک پہلو سے بڑے خطرناک مقام پر کھڑا تھا۔ بلندی پر قائم سلطان کی خیمہ گاہ کی پشت پر 5 میل دور گہرے نشیب میں جھیل طبریہ کی لہریں ہلکورے لے رہی تھیں، جنوب میں سطح مرتفع پر نصرانیوں کا قلعہ بالفور بھی بہت زیادہ فاصلے پر نہیں تھا، شمال میں ان کے ایک اور قلعے صفد کے برج نظر آ رہے تھے، اگر سلطان کو شکست ہو جاتی تو دائیں بائیں سے راستہ بنا کر بچ نکلنے کے امکانات کم تھے اور عقبی پسپائی کے دوران ان کی پوری فوج جھیل کی بے رحم گہرائی کی نذر ہو سکتی تھی۔ اس طرح سلطان ایوبی نے نصرانیوں کو اس وادی میں روکنے کے لیے حطین کے مقام کو چن کر ایک زبردست خطرہ بھی مول لیا تھا۔ اس خطرناک صورتحال کا اندازہ لگانے کے باوجود سلطان کا عزم اٹل تھا۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت پر کامل بھروسہ تھا اور اپنی تدبیر کے کارگر ہونے کے متعلق وہ پر امید تھے۔ ①

دونوں حریف نہایت محتاط اور ہوشیار تھے۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ دوسرا پیش قدمی شروع کرے۔ سلطان ایوبی آگے بڑھ کر نصرانیوں پر حملے کو خودکشی کے مترادف تصور کرتے تھے کیونکہ چٹیل میدان سے گزرتے ہوئے وہ خود دشمن کی چال کا شکار ہو سکتے تھے۔ ادھر عیسائی منتظر تھے کہ مسلمان اکتا کر خود شام واپس چلے جائیں یا سمندر کے کنارے کنارے القدس کی طرف بڑھیں۔ مسلمانوں کی اصل منزل بھی القدس ہی تھی اور وہ جنوب کی طرف یلغار کر کے القدس پر سیدھے چڑھائی کر سکتے تھے جو اس وقت سپاہیوں سے تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ لیکن عقب میں دشمنوں کی اتنی بڑی تعداد چھوڑ کر ان کا القدس کی طرف جانا کم خطرناک نہ تھا۔ دشمن یہی چاہتا تھا کہ مسلمان عقب سے اس کے حملوں کا نشانہ بن جائیں۔

جب عیسائی آگے بڑھنے پر آمادہ نہ دکھائی دیے تو سلطان ایوبی نے انہیں یلغار پر برانگیختہ کرنے کے لیے چھاپہ مار حملے شروع کیے، چوں کہ اصل مقصد دشمن کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اسے پیش قدمی پر ابھارنا تھا، اس لیے یہ حملے دن کے وقت کیے جا رہے تھے۔ سلطان نے دو دن تک منتخب سپاہیوں کے ساتھ بذات خود دشمن کے پڑاؤ کی طرف جا کر ان پر حملے کیے۔ مجاہدین کچھ فاصلے سے ان پر تیر اندازی کرتے ہوئے ایک طرف سے دوسری طرف نکل جاتے۔ سلطان کے ان حملوں سے نصرانیوں کو شدید

① حرب ارض مقدس کی لڑائیاں، حتی: 3/ 278، صلاح الدین لین پول: 101، ماہنامہ سلطان: ص 127

پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، ان کی اکثریت سلطان کے تعاقب میں کیمپ سے نکلنا چاہتی تھی مگر ریمنڈ اور چند کھاگ سردار انہیں منع کر رہے تھے۔ جب سلطان نے دیکھا کہ عیسائی کسی طرح پیش قدمی شروع نہیں کر رہے تو انہوں نے ریمنڈ ہی کی دُکھتی رگ پکڑنے کا فیصلہ کیا۔

بدھ 22 ربیع الثانی (یکم جولائی) کو سلطان ایوبی فوج کو چوکس کرنے کے بعد ایک طوفانی دستہ لے کر یکا یک جنوب مشرق کی طرف روانہ ہو گئے اور چھے میل یلغار کر کے طبریہ پر حملہ کر دیا، سلطان کے کچھ سپاہی شہر میں گھس گئے اور شہر والوں پر رعب طاری کرنے کے لیے جگہ جگہ آگ لگا دی، چوں کہ طبریہ کی اکثر فوج ریمنڈ کی قیادت میں صفوریہ جا چکی تھی اس لیے کسی دشواری کے بغیر چند گھنٹوں میں شہر پر قبضہ ہو گیا البتہ قلعے میں داخل ہونا آسان نہ تھا۔ ریمنڈ کی بیوی جو شوہر کی غیر موجودگی میں شہر کا انتظام سنبھالے ہوئے تھی اپنے خاندان اور تھوڑی سی فوج کے ساتھ قلعے میں پناہ لے چکی تھی۔ سلطان کے سپاہی طبریہ شہر سے اناج کے ذخائر لوٹ کر اپنی رسد کا انتظام کرتے رہے۔ جو سامان منتقل کرنا ان کے لیے فوری طور پر ممکن نہ تھا، اسے وہ نذرِ آتش کر رہے تھے۔ سلطان نے نقب زنوں اور فصیل شکنی کے ماہرین کے ساتھ شہر کی فصیل کا چکر لگایا اور حکم دیا کہ فصیل کے برج گرا دیے جائیں۔ چنانچہ نقب زن برجوں کی بنیادوں میں تیزی سے سرنگیں کھودنے لگے۔ جلد ہی بڑے برج کو منہدم کر دیا گیا۔ نصرانیوں کے اہم شہر کی یہ گت صرف اس لیے بنائی جا رہی تھی تا کہ صفوریہ میں مجتمع ہونے والا لشکر بے تاب ہو کر اسے بچانے کے لیے دوڑ پڑے۔[1]

<u>عیسائی حکمرانوں کی مشاورت</u> ریمنڈ کی بیوی نے جو قلعے میں محصور تھی، اسی دن مخبر بھیج کر صفوریہ میں جمع ہونے والے عیسائیوں کو یہ پریشان کن اطلاع دے دی۔ یہ اطلاع شام کو وہاں پہنچی۔ اسے سنتے ہی پرجوش امراء نے شور مچا دیا:

''اب چپ چاپ بیٹھے رہنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ ہمیں مسلمانوں سے لڑنا ہی ہوگا۔ جب وہ طبریہ پر قبضہ کر چکے ہیں تو باقی شہر بھی جلد ہی فتح کر لیں گے، اب صبر نہیں کیا جا سکتا۔''[2]

ٹیمپلرز کے گرینڈ ماسٹر ڈی فورڈ نے کہا:

''کتنے شرم کی بات ہے کہ دشمن اُس قلعے پر بھی قبضہ کر لے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اور ہم یہاں بیٹھے تماشا دیکھتے رہیں۔''

---

1. الروضتین: 3/279، [illegible] 583ھ، [illegible]: 127
2. کتاب الروضتین: 3/279

یہ سن کر سب نے گائی کی طرف دیکھا۔ وہ اس رائے سے اتفاق کر رہا تھا مگر کچھ متذبذب بھی تھا۔ آخر اس نے گھبراتے ہوئے کہا: ''مجھ میں جنگ شروع کرنے کی جرأت نہیں ہے۔''

اب سب کی نگاہیں ریمنڈ پر مرکوز ہو گئیں جو طبریہ پر مسلمانوں کے حملے سے براہ راست متاثر ہوا تھا اور اب تک آگے بڑھ کر حملہ کرنے کو غیر معقول قرار دیتا آیا تھا۔ سب کا خیال تھا کہ وہ اب اپنی رائے بدل دے گا مگر ریمنڈ نے جذبات کو ایک طرف رکھتے ہوئے صاف گوئی سے کہا:

''بے شک طبریہ میرا اور میری بیوی کا شہر ہے مگر ایوبی کو وہاں جو کرنا تھا، کر چکا۔ ویسے قلعہ اب بھی ہمارے قبضے میں ہے اور میری بیوی وہاں محفوظ ہے لیکن اگر ایوبی قلعے پر بھی قبضہ کر کے میری بیوی اور مال و دولت تک کو چھین کر لے جائے تب بھی میں پیش قدمی کی حمایت نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں کا اتنا بڑا اور ایسا طاقتور لشکر جو آج صلاح الدین کے پاس ہے، پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ ایسے لشکر کو طبریہ پر قابض ہونے کے بعد بھی (خوراک و رسد کی کمی کی وجہ سے) جلد واپس جانا پڑے گا۔ زیادہ دنوں تک وہاں ٹھہرنا ان کے لیے ممکن نہیں ہوگا۔ جوں ہی مسلمان واپس ہوں گے ہم شہر دوبارہ حاصل کرلیں گے۔ اگر صلاح الدین اس علاقے میں جمے رہنے پر مصر رہا تو اسے اپنی پوری فوج کے ساتھ ہی رہنا ہوگا، اور یہ ناممکن ہے کہ اس کی سپاہ زیادہ طویل عرصے تک اپنے وطن اور گھروں سے دور رہے۔ جب وہ واپس کوچ کریں گے تب ہم ان سے اپنے قیدی بھی چھڑانے کی کوشش کریں گے۔''

ریمنڈ کی یہ مدبرانہ تقریر شاید مشاورتی کونسل پر چھایا ہوا جوش ٹھنڈا کر دیتی مگر بڈھے ریجی نالڈ نے فوراً اس کی تردید کر دی۔ اس نے غصے سے بے قابو ہو کر کہا:

''تم نے تو ہمیں مسلمانوں سے ڈرانے کے لیے بڑی لمبی تقریر کر ڈالی، ہمیں یقین ہے کہ تم ان سے ملے ہوئے اور ان کے ہمدرد ہو، ورنہ ایسی بات کیوں کہتے؟ رہی یہ بات کہ ان کی فوج بکثرت ہے تو کیا آگ کو ایندھن کی زیادتی سے کچھ نقصان پہنچ سکتا ہے؟''

ریجی نالڈ کی پر جوش گفتگو نے صلیب کے نام پر جمع ہونے والے فرنگی سورماؤں کو پھر مشتعل کر دیا اور وہ حملے پر متفق نظر آنے لگے۔ یہ دیکھ کر ریمنڈ نے کہا: ''میں تم میں سے ایک ہوں، اگر تم آگے بڑھو گے تو میں تمہارے ساتھ آگے بڑھوں گا، پیچھے ہٹو گے تو میں بھی پیچھے ہٹوں گا، پھر جو کچھ ہوگا وہ تم خود دیکھ ہی لو گے۔''

بس پھر کیا تھا! مسلمانوں پر جارحانہ حملے کا فیصلہ ہو گیا اور کوچ کے نقارے پر چوٹ پڑنے لگی۔ [1]

[1] الکامل فی التاریخ: حوادث 583ھ، راہنما، الغایۃ: حوادث 583ھ

__متحرک ترین لمحات__ ❁ جاسوسوں نے رات ہی کو یہ اطلاع طبریہ میں سلطان تک پہنچادی کہ مع صفوریہ سے عیسائی لشکر روانہ ہو رہا ہے۔ سلطان کے کان یہی خبر سننے کے لیے ترس رہے تھے۔ انہوں نے مسرت انگیز لہجے میں کہا:

”خدا کا شکر ہے مقصد پورا ہو گیا، وہی خبر ملی ہے جو ہم چاہتے تھے۔ ہم سخت جنگوں کے شوقین ہیں۔ امکانی حد تک بھرپور جنگ کریں گے۔ اللہ کی نصرت اترنے کو تیار ہے، ان فرنگیوں کو شکست دینے کے بعد ان شاء اللہ طبریہ سے لے کر ساحل شام تک ہمیں روکنے والا کوئی نہ ہوگا۔“①

آئندہ چوبیس گھنٹے نہایت اہم تھے۔ سلطان صلاح الدین جانتے تھے کہ جنگ کا نتیجہ مکمل فتح یا شکست فاش کی صورت میں نکلے گا۔ انہوں نے حسب عادت اللہ تعالیٰ سے خیر کی دعا کی کیوں کہ ان کی زندگی کے متحرک ترین لمحات سامنے تھے۔ وہ تھوڑی سی فوج کو طبریہ کے قلعے کے محاصرے پر چھوڑ کر اپنے دستے کے ساتھ نہایت تیزی سے کیمپ کی طرف روانہ ہوئے۔ فیصلہ کن معرکہ اب بالکل سر پر تھا۔ اگرچہ سلطان کا منتخب کردہ میدان مسلمانوں کے لیے سازگار تھا مگر پنہاں خطرات بھی کچھ کم نہ تھے۔ قاضی بہاؤ الدین شداد کے بقول:

”مسلمان خوب آگاہ تھے کہ ان کے پیچھے بحیرۂ اردن ہے اور سامنے دشمنوں کا ملک۔ اللہ کے سوا کوئی ان کی حفاظت نہیں کر سکتا۔“②

ہیرلڈ لیمب کا بیان ہے:

”نصرانیوں کو معلوم تھا کہ مسلمان ایک گہرے نشیب کے کنارے پر صف بستہ ہیں۔ یہ نشیب جھیل طبریہ کی طرف جھکتا چلا جاتا ہے جو سطح سمندر سے چھ سو فٹ نیچے ہے۔ نصرانیوں کا منصوبہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی صفوں کو توڑ کر انہیں پیچھے دھکیل دیا جائے۔ اس طرح وہ گہرے نشیب میں گر کر ہلاک ہو جائیں گے اور ان کے باقی ماندہ سپاہی طبریہ کے قلعے کی فوج کی زد میں آجائیں گے۔“③

__معسکر ایوبی کا نظارہ__ ❁ رات بھر معسکر ایوبی میں چہل پہل رہی۔ کچھ سپاہی اسلحہ پہن رہے تھے اور کچھ اللہ اکبر اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ کی ایمان افروز صدائیں بلند کرتے ہوئے اپنی مقرر کردہ جگہوں پر جا رہے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی پوری رات جاگتے رہے۔ وہ دشمن کو اپنے جال میں پھانسنے کے بعد اس سنہرے موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے اور کل کی جنگ کو فیصلہ کن بنانے کے لیے اہم

① الفتح القسی: ص43، کتاب الروضتین: 4/170
② النوادر السلطانیہ: ص128، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/280_284
③ صلیبی جنگیں، ہیرلڈ لیمب: 110

اقدامات کر رہے تھے۔ میدان جنگ کا نقشہ کے سامنے رکھ کر افسران کو ہدایات دی جارہی تھیں۔ صف بندی کی مناسب ترین صورتوں پر غور کر کے ان کی ترتیب طے کی جارہی تھی۔ اسلحہ تقسیم کیا جارہا تھا۔ عماد اصفہانی اس رات کے کیف وسرور کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''وہ ہم نے وہ رات اس طرح گزاری کہ گویا جنت حاضر تھی اور سنت نافذ تھی، حوض کوثر کے ساقی سامنے کھڑے تھے، بہشت کے پھلوں کے خوشے جھکے جارہے تھے، سلسبیل کی راہ واضح تھی، سعادت کی سمت ظاہر تھی، فتح کی دلیل ثابت تھی اور اللہ اسلام کا حامی و ناصر تھا۔''[1]

اس جہادی مہم میں مدینہ منورہ کے امیر عزالدین القاسم حسینی بھی سلطان کے ہمراہ تھے۔ وہ حجاز سے واپس آنے والے حاجیوں کے ایک قافلے کے ساتھ آکر سلطان کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ وہ ایک متقی اور تجربہ کار آدمی تھے، سلطان ایوبی ان سے اکثر مشورہ کرتے رہتے تھے، لشکر میں ان کی موجودگی کو برکت کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ سلطان کے بعض خواص کو یقین تھا کہ جس مہم میں القاسم حسینی ساتھ ہوں گے اس میں فتح ضرور قدم چومے گی۔[2]

سلطان کی خاص توجہ تیر اندازوں اور گھڑ سوار چھاپہ مار حملہ آوروں پر تھی جنہیں "جالیشیہ" کہا جاتا تھا، ان کے پاس آگ لگانے والے تیر بھی ہوتے تھے، سلطان نے انہیں جنگ کے متوقع نقشے کے مطابق اہم ترین مقامات پر تعینات کر دیا، ان میں سے ہر سپاہی کو تاکید کی گئی تھی کہ وہ اپنا ترکش تیروں سے بھر لے۔

اسلحہ سازوں نے جنگ کے لیے بہت بڑی مقدار میں تیر تیار کر لیے تھے جو چار سو اونٹوں پر لدے ہوئے تھے، ستر تیز رفتار سواریاں صرف اس مقصد کے لیے مقرر کی گئی تھیں کہ ان کے ذریعے تیر اندازوں کو مسلسل تیروں کی کھیپ پہنچتی رہے اور ان کے ترکش کسی لمحے خالی نہ ہونے پائیں۔[3]

متحدہ عیسائی لشکر کی پیش قدمی: جمعرات کا دن تھا اور ربیع الثانی 583ھ کی 23 تاریخ (2 جولائی 1187ء) صبح عیسائی لشکر نے نقاروں کی دھمک اور نفیریوں کی تانوں میں طبریہ کی جانب کوچ کا آغاز کیا۔ یہ ٹڈی دل لشکر ایک متحرک سیاہ پہاڑ کی طرح زمین کو دہلاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ یلغار کے آغاز میں صلیب کے پرستاروں کو قطعاً اندازہ نہیں تھا کہ تھوڑی دیر کے بعد وہ کیسی افتاد میں مبتلا ہونے والے ہیں۔ انہیں اپنی کثرت پر پورا بھروسہ تھا۔ پھر 16 میل کا فاصلہ ان کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ وہ حطین میں فروکش سلطان کے لشکر کو جو تعداد میں ان سے چوتھائی ہے، گاجر

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/280

[2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/300

[3] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/280

مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیں گے اور شام یا رات تک طبریہ پہنچ کر اسے بھی سلطان سے چھین لیں گے۔

گائی، ریجی نالڈ اور ان کے تمام ہمراہی اسی طرح فتح کے سہانے سپنے دیکھتے ہوئے بڑے طمطراق سے چلے جا رہے تھے۔ ان کا یہ سفر چونے کی اس پختہ سڑک پر ہو رہا تھا جو صفوریہ سے کوہ حطین اور پھر حجاز کو جاتی تھی۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اسی سڑک پر ان کے لیے ہلاکت خیز شکنجہ تیار کر چکے ہیں۔

سلطان نے فوج کے چالیس دستوں کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تقسیم کر کے صفوریہ سے حطین تک جگہ جگہ سڑک کے دائیں بائیں مقرر کر دیا تھا جبکہ چند دستے سڑک کے شمال و جنوب میں کسی بھی پانی کے ذخیرے تک فرنگیوں کی رسائی ناممکن بنانے کے لیے متعین کر دیے گئے تھے۔

جب فرنگیوں کی پیش قدمی شروع ہوئی تو چند گھنٹوں بعد سلطان کے چھاپہ مار ان کی مزاج پرسی کرنے لگے۔ یہ ایک انوکھی جنگ کا آغاز تھا۔ لشکرِ صلیب کے دو بڑے قائد شاہ یروشلم گائی اور ریمنڈ شام تک طبریہ پہنچ جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے اتنا ہی پانی ساتھ لیا تھا جو ایک یا دو دن کے لیے کافی ہوتا، مگر جب مسلمانوں کے تیر انداز بار بار حملے کر کے انہیں پریشان کرنے لگے تو لشکر کی پیش قدمی سست پڑ گئی، نصرانیوں کو ان متواتر حملوں سے بچنے کے لیے بار بار دفاعی پوزیشن لینا پڑتی۔ پیادہ اور سوار ڈھالیں تان کر ساکت ہو جاتے اور ان کے حفاظتی دستوں کو لشکر سے الگ ہو کر حملہ آوروں کی تلاش میں نکلنا پڑتا۔

دونوں فوجوں میں اس قسم کی جھڑپیں کسی بڑے وقفے کے بغیر ہوتی رہیں تاہم مسلمانوں کا زور نہ توڑا جا سکا۔ عیسائی اپنی پیش قدمی اور جنگ دونوں جاری رکھنے پر مجبور تھے مگر پیش قدمی کی رفتار برقرار رکھنے کی کوشش رائگاں ہی جا رہی تھیں۔ سڑک دھوپ کی تیزی سے بری طرح تپ رہی تھی۔ جولائی کے مہینے کی شدید گرمی نے دوپہر تک نصرانیوں کو اَدھ موا کر دیا۔ سپاہی پیاس بجھانے کے لیے ڈٹ کر پانی پی رہے تھے۔ انہیں کل پیش آنے والی صورتحال کا اندازہ ہوتا تو وہ یقیناً پانی کے استعمال میں احتیاط سے کام لیتے مگر انہیں یقین تھا کہ شام تک وہ طبریہ کے چشموں تک پہنچ جائیں گے۔ خطرے کا صحیح اندازہ صرف ریمنڈ کو تھا۔ مسلمان چھاپہ ماروں کے پے در پے حملے اور اپنے لشکر کی مسلسل دھیمی پڑتی رفتار اس کے چھپے ہوئے خدشات کو تقویت دے رہی تھی۔ سلطان صلاح الدین کا لشکر جو صبح نصرانیوں کے سامنے کے رخ پر تھا، انہیں آگے بڑھنے کا راستہ دیتے ہوئے نہ صرف ان کے دائیں بائیں بلکہ ان کے عقب میں بھی پھیلتا جا رہا تھا۔ ①

① کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/299، صلاح الدین ایوبی از لین پول، ص 108، صلیبی جنگیں ہیرلڈ لیمب، 106

پیاسی فوج کا پڑاؤ: عیسائی شام تک نہایت ابتری کی حالت میں آگے بڑھتے رہے۔ عقب کے غیر محفوظ ہونے کے سبب وہ واپس جاتے ہوئے بھی گھبرا رہے تھے حالانکہ صفور یہ زیادہ دور نہ تھا مگر سلطان کے چھاپہ ماروں کے عقبی حملوں انہیں مسلسل آگے ہانک رہے تھے۔ شام کے وقت تھک کر گائی نے فوج کو رکنے کا حکم دیا۔ دیکھا گیا تو اب تک فوج صرف 5 میل طے کر پائی تھی یعنی دو تہائی راستہ ابھی باقی تھا۔ دوسرے لفظوں میں انہیں کل کا پورا دن پھر اس سڑک کو ناپنے میں گزارنا تھا۔

ریمنڈ جانتا تھا کہ کل سپاہیوں کی پیاس کا عالم زیادہ شدید ہوگا اور پانی کا بچا کھچا ذخیرہ بھی رات تک ناپید ہو جائے گا اس لیے جب بادشاہ گائی نے پڑاؤ کا حکم دیا تو اس نے مخالفت کرتے ہوئے اصرار کیا کہ جب تک ممکن ہو فوج آگے بڑھتی رہے تاکہ پانی کے کسی ذخیرے تک پہنچ جائے مگر سپاہی گائی کے فیصلے سے خوش تھے۔ گائی کے حکم سے 'مارس کاشیا' کے مقام پر خیمے گاڑے گئے۔ تب ریمنڈ نہایت مضطربانہ انداز میں صفوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور پہلی صف میں جا کر فریاد کی:

"ہائے افسوس! خداوندا! جنگ تو ختم ہو چکی...... ہم مر چکے ہیں...... خداوندا! تیری روحانی سلطنت ختم ہو گئی۔"[1]

سپاہیوں کو پیاس، مشقت اور ذہنی کوفت نے ادھ موا کر دیا تھا، وہ بہرصورت آرام کرنا چاہتے تھے۔ پھر وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ آگے پہاڑیوں پر سلطان کے سپاہی منڈلا رہے ہیں، ان میں ہمت نہ تھی کہ ان سے لڑتے بھڑتے آگے نکل سکتے۔ انہوں نے جی بھر کے پانی پیا اور سو گئے۔

اگلے دن جمعہ 24 ربیع الثانی 583ھ (3 جولائی) کو انہوں نے پھر سفر شروع کیا۔ کوچ کی رفتار اسی طرح نہایت سست رہی۔ سلطان کے سپاہی تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے دائیں بائیں سے ان پر تیر اندازی کرتے رہے۔

قاضی ابن شداد کے مطابق جمعے کے دن سورج ڈھلنے کے بعد سلطان خود قلب کے سپاہیوں کے ساتھ نصرانیوں کے عقب میں پہنچ چکے تھے اور یوں عیسائی نرغے کی سی حالت میں آ چکے تھے۔ مسلمانوں کے حملوں کے تسلسل کے باعث فرنگیوں کو عقب کے دفاع کے لیے خاصا وقت صرف کرنا پڑ رہا تھا۔ ان کی زیادہ فوج آگے نکل گئی تھی اور عقب کے باقی لشکر سے کٹ جانے کا خطرہ محسوس کیا جانے لگا تھا۔

مسلمانوں کے حملوں کا سب سے بڑا ہدف لشکرِ صلیب کا عقبی حصہ ہی تھا، یہاں خوراک و رسد کا سامان اور پانی سے لدے ہوئے خچر تھے، جنہیں مسلمان تتر بتر کر رہے تھے۔ یہ مسلمانوں کا سب سے کارگر وار

[1] سوا ہلدی لین پول ص 202

تھا جس کی وجہ سے صلیبی فوج سہ پہر تک پانی سے تقریباً محروم ہوگئی۔ اب نصرانیوں کے پاس وہی پانی تھا جو ان کی چھاگلوں میں رہ گیا تھا اور شدید پیاس انہیں مجبور کر رہی تھی کہ وہ اسے بھی پی لیں۔ آخر گرمی اور پیاس سے بے حال ہو کر انہوں نے پانی کے آخری گھونٹ بھی پی ڈالے اور خالی مشکیزے پھینک دیے۔

سلطان کے وہ سپاہی جو مشرق میں نصرانیوں کے لیے تازہ پانی کی فراہمی ناممکن بنانے پر مقرر تھے، پوری طرح چوکس تھے۔ صفوریہ سے حطین تک راستے میں پانی کا کوئی قدرتی ذریعہ نہیں تھا۔ البتہ حطین کے آس پاس یا پھر طبریہ کے راستے میں چشمے اور ندی نالے بہتے تھے۔ یہاں بعض مقامات پر پختہ حوض اور تالاب بھی تھے جہاں قافلے اتر کر پانی لیتے اور اپنے جانوروں کو سیراب کرتے تھے۔ مگر سلطان کے سپاہیوں نے ان ندی نالوں اور چشموں کے راستوں کی ناکہ بندی کر لی تھی اور تالابوں کا پانی ضائع کر دیا تھا۔ اب طبریہ تک فرنگیوں کے لیے تازہ پانی حاصل کرنا تقریباً ناممکن تھا۔

اگرچہ فرنگی تعداد کے لحاظ سے حریف پر واضح برتری رکھتے تھے...... مگر مقابلے سے پہلے ہی نیم جان ہو چکنے والی فوج کب تک لڑ سکتی تھی ...... اس چٹیل میدان میں پھنس کر وہ شکست کو کھلی آنکھوں سے سامنے دیکھ رہے تھے۔ انہیں احساس ہو رہا تھا کہ ریمنڈ نے صفوریہ میں رک کر دفاعی حصار تیار کرنے کا جو مشورہ دیا تھا وہ کس قدر برمحل تھا مگر اس وقت طبریہ پر سلطان کے اشتعال انگیز حملے نے ان کی نگاہ سے یہ حقیقت اوجھل کر دی تھی کہ وہ حملہ آور نہیں، مدافعت کرنے والے ہیں، ان کا ہدف آگے بڑھ کر منہ توڑ جواب دینا نہیں، اپنا دفاع کرنا ہے۔ انہیں مناسب ترین دفاعی دیوار کے پیچھے رہ کر خود کو بچانا اور حریف کو تھکانا چاہیے تھا...... مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

شام تک وہ دو تہائی فاصلہ طے کر چکے تھے، طبریہ کے چشمے اب پانچ چھ میل دور تھے مگر سامنے سلطان کی فوج راستہ روکے کھڑی تھی جسے ہٹائے بغیر پانی تک پہنچنا ممکن نہ تھا۔ رات کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ عیسائی اس چٹیل میدان میں پڑاؤ ڈال کر بڑی بے یقینی کی حالت میں صبح کے منتظر رہے۔ ان پر یہ رات حشر کی رات کی طرح بھاری تھی...... کیمپ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک سراسیمگی اور گمبھیر خاموشی طاری تھی، البتہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کسی پیاسے سپاہی کے منہ سے "پانی، پانی" کی پکار اس سکوت کو توڑ دیتی تھی۔ انسان ہی نہیں، سواری کے جانور بھی پیاس سے بلبلا رہے تھے، گھوڑوں کی بے چین ہنہناہٹوں سے فضا بار بار گونج گونج جاتی تھی۔[1] فرانسیسی مؤرخ میچاڈ لکھتا ہے:

"کبھی وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر خدا سے اپنی سلامتی کی دعائیں مانگتے۔ کبھی ان

---

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/281، [illegible] تحت 583ھ

مسلمانوں کو جوان کے نزدیک منڈلا رہے تھے دھمکیاں دیتے۔ اپنے خوف کو چھپانے کے لیے وہ ساری رات ڈھول اور نفیریاں بجاتے رہے۔"❶

اس سے کچھ دور اسلامی لشکر میں جوش وخروش کا ایک عجیب ہی عالم تھا...... مسلمانوں کو یقین تھا کہ کل میدان میں قبلہ اوّل کی آزادی کا فیصلہ ہو جائے گا...... اگر عیسائی پیاس سے بدحال نہ ہوتے تو یقینا مسلمانوں پر ان کی کثرت کا کچھ نہ کچھ رعب طاری ہوتا۔ انہیں یہ بھی ڈر تھا کہ ان کی پشت پر بحیرہ طبریہ ہے، لہٰذا شکست کی صورت میں انہیں راہِ فرار مشکل سے مل پائے گی۔ مگر اب صورتحال بڑی حد تک سازگار نظر آرہی تھی اور مجاہدینِ اسلام بہت سے اندیشوں سے نجات پا چکے تھے، ان کے چہرے کل کی متوقع فتح کی خوشی سے تمتما رہے تھے، عماد اصفہانی اس رات مجاہدین کی کیفیت کا نقشہ کھینچتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"ہمارے سپاہی جری تھے اور پیش آمدہ خطرات سے بے فکر ہو چکے تھے۔ کوئی اپنا نیزہ تیز کر رہا تھا، کوئی اپنے گھوڑے کی لگام تھامے تیار کھڑا تھا۔ کوئی تیرانداز تھا جو درست نشانے لگانے کی مشق کر رہا تھا، کوئی فاتح پہلوان بنا داؤ پیچ لگا رہا تھا۔ کوئی کثرت سے اللہ اکبر کے نعرے بلند کر رہا تھا اور کوئی بے چینی سے صبح کا منتظر تھا، کوئی فتح کی سعادت کا متلاشی تھا اور کوئی شہادت کے لیے بے قرار تھا۔ یہ وہ رات تھی کہ اس میں ہمارے پہرہ دار فرشتے تھے۔ اس کی صبح اللہ تعالیٰ کی عنایت کے ساتھ دم لیتی نمودار ہوئی۔"❷

<u>معرکہ حطین ...... فیصلہ کن جنگ</u> ❊ رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹ رہی تھی۔ اسلحہ مسلمانوں نے اتارا تھا نہ نصرانیوں نے ...... بلکہ دونوں لشکر کل کی لڑائی کے لیے تیاری کر رہے تھے۔ پھر سپیدۂ سحر نمودار ہوا۔ یہ 25 ربیع الثانی 583ھ (4 جولائی) کی صبح تھی اور ہفتے کا دن۔ مجاہدین نے اذانیں دے کر نمازِ فجر ادا کی اور جنگ کے لیے صفیں درست کرنے لگے۔ عماد اصفہانی کہتے ہیں:

"سلطان کو اللہ کی نصرت شاملِ حال ہونے کا وثوق ہو چکا تھا، وہ خود صفوں میں چل پھر کر مسلمانوں کا حوصلہ بلند کر رہے تھے، انہیں اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کا وعدہ یاد دلا رہے تھے، سپاہیوں کو ثابت قدمی پر ابھار رہے تھے، سپاہی سلطان کو اپنے درمیان پا کر بہترین کارکردگی دکھانے کے لیے تیار ہو چکے تھے۔"❸

ادھر عیسائی لشکر بھی صف آرا تھا۔ صبح کی مدہم روشنی میں ان کے گھڑسوار دستے ایک طویل صف میں

❶ مجموعہ حیات صلاح الدین ایوبی، ص 141
❷ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 282/3
❸ کتاب الروضتین: 282/3

آگے بڑھ رہے تھے، سرخ صلیب پوش ٹیمپلرز اور بکتر بند نائٹ سب سر بکف تھے۔ حطین اور صفوریہ کے درمیان سولہ میل لمبے اس میدان میں اب دونوں فوجیں بالکل آمنے سامنے تھیں، جذبہ ایمانی اور شوق شہادت سے معمور 12 ہزار بلند ہمت مسلمان اور 63 ہزار سر پر کفن باندھے نصرانی......

حطین سے دو میل جنوب مغرب میں "لوبیا" کا مقام خاص میدان جنگ تھا۔ لوبیا کا گاؤں سنگلاخ پہاڑوں کی دو جڑواں چوٹیوں کے دامن میں واقع تھا جو "قرنا الحطین" کہلاتی تھیں۔ سلطان خود اپنی فوج کے قلب میں تھے، دائیں بازو کی کمان تقی الدین عمر اور بائیں بازو کی مظفرالدین کوکبری کے پاس تھی۔ نصرانیوں کی جنگی حکمت عملی اب بنیادی طور پر دفاعی ہو چکی تھی مگر اس دفاع کی کامیابی بھرپور جارحانہ حملے میں پوشیدہ تھی۔ ان کے لیے پیاس اب ناقابل برداشت ہو چکی تھی۔ اپنی جان بچانے کے لیے وہ سب سے پہلے طبریہ یا حطین کے شمال مشرق میں واقع وادی حمام کے چشموں تک پہنچنا چاہتے تھے۔ عیسائی فوج کے دائیں بازو کے لیے جو گائی کی قیادت میں تھا طبریہ تک جانا زیادہ آسان تھا...... جبکہ بایاں بازو جو شمال کی طرف تھا، وادیٔ حمام کی طرف نکلنے کی کوشش کر سکتا تھا، بہرصورت نصرانیوں کی کوشش یہ تھی کہ اپنی عددی برتری کو بروئے کار لاتے ہوئے مسلمانوں کی صفوں کو روند کر پانی کے ذخائر کی طرف نکل جائیں، اس مقصد کے لیے ان کی زرہ پوش گھڑسوار فوج خوب کام آسکتی تھی، بشرطیکہ وہ ہمت برقرار رکھتی۔

صبح کی روشنی پھیلتے ہی طبلِ جنگ پر چوٹ پڑی اور عیسائی گھڑسوار تیزی سے آگے بڑھنے لگے۔ ادھر مسلمانوں نے تیر اندازی شروع کر دی۔ علامہ ابن اثیر کے بقول سلطان کے "جالیشیہ" دستے اس طرح تیر پھینک رہے تھے جیسے ٹڈیوں کا غول امنڈ آیا ہو۔ عیسائی اس وقت گھڑسوار اور پیادہ فوج میں بٹ کر الگ الگ سمتوں سے مسلمانوں کی صفوں کو توڑنے کی تگ و دو کر رہے تھے...... گھڑسوار فوج مسلمانوں کی تیر اندازی کی زد میں تھی...... جالیشیہ کے سپاہی دمادم تیر برسا رہے تھے، جب وہ کمانوں کی تانتیں ایک ساتھ کھینچ کر تیر چلاتے تو تیروں کی سنسناہٹ سے فضا گونج اٹھتی اور کمانوں کی تانتیں کپکپا کر ایک عجیب سا ترنم بکھیر دیتیں۔ اس طوفانی تیر اندازی نے عیسائی گھڑسواروں کو آگے بڑھنے کے قابل نہ چھوڑا، تیروں کی ہر باڑھ ان کے درجنوں افراد کو ہلاک اور بیسیوں کو زخمی کر رہی تھی۔

عیسائی لشکر کا مضبوط ترین حصہ گائی کی قیادت میں میدان جنگ کے جنوب کی طرف تھا جو طبریہ جانے والی شاہراہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ فوج کا یہ حصہ میدان جنگ کے اطراف میں اُگی جھاڑیوں کے جنگل سے پرے آچکا تھا، یوں یہ گھڑسوار فوج سے جو قلب میں تھی، کافی دور ہو گیا تھا، تاہم سورج بلند ہونے تک عیسائی فوج کے تمام حصوں کا باہمی رابطہ برقرار تھا...... سلطان صلاح الدین کی نگاہِ دوربین

میدان جنگ کے ہر گوشے کو دیکھ رہی تھی، وہ نصرانیوں کی جنگی منصوبہ بندی کا اندازہ لگا کر جوابی اقدامات کی تیاری کر چکے تھے۔

گائی کو جنوب سے طبریہ کی شاہراہ تک پہنچنے سے روکنے کے لیے انہوں نے ''کفر سبت'' کے کنارے اپنی فوج کا ایک مضبوط حصہ متعین کر دیا تھا۔ سلطان کے ان سپاہیوں نے جنگ کی ابتداء ہی میں گائی کو طبریہ کی شاہراہ سے دور ہٹا دیا...... اب گائی کی دوسری کوشش یہ تھی کہ وہ شمال میں وادی حمام کے چشموں اور کنوؤں تک پہنچ جائے مگر ایوبی سپاہیوں نے اسے اس طرف بڑھنے سے بھی روک لیا۔

کچھ دیر تک مسلمان نصرانیوں پر ہر طرف سے تیروں کا مینہ برساتے رہے۔ اس دوران سلطان نے دیکھا کہ عیسائی گھڑسوار میدان میں اُگی خشک گھاس کو روندتے چلے آ رہے ہیں۔ نصرانیوں کے نزدیک یہ عمل بدشگونی سمجھا جاتا تھا مگر اس وقت وہ اس پر مجبور تھے۔ سلطان نے ان کی بدشگونی کو مزید پختہ اور حوصلوں کو پست کرنے کے لیے نفط اندازوں کو حکم دیا کہ وہ گھاس کو آتش زنی کا نشانہ بنائیں۔ حکم کی تعمیل ہوئی، جلتے ہوئے روغن نفط کی چند ہانڈیوں نے صحیح نشانے پر گر کر میدان میں روندی جانے والی خشک گھاس کو آتش کدہ بنا دیا۔ نصرانیوں کے گھوڑے بدک کر ادھر ادھر بھاگنے لگے اور صفوں میں بدنظمی پیدا ہو گئی۔ تب سلطان نے نعرۂ تکبیر بلند کر کے یک بارگی بھرپور حملے کا حکم دیا۔ [1] بہاؤ حملے کے آغاز کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''جب صلاح الدین نے وہ ہیبت ناک لفظ (اللہ اکبر) پکارا تو مسلمان سب طرف سے حملے کی خوفناک آوازیں (تکبیریں) بلند کرتے ہوئے ٹوٹ پڑے۔''[2]

<u>گھمسان کی جنگ</u>: دست بدست جنگ کی ابتداء سلطان کے ایک کم عمر غلام ''منکورس'' کے فدائی حملے سے ہوئی، منکورس جس نے ابھی شباب کی چند بہاریں دیکھی تھیں، اللہ کی راہ میں جان دینے کے لیے بے چین تھا اور اسے جنت چند قدم پر مسکراتی نظر آ رہی تھی۔ وہ حملے کا اشارہ پاتے ہی اپنے برق رفتار گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھ گیا، دیگر سپاہیوں نے اس کا ساتھ دینے کی کوشش کی مگر اس تک نہ پہنچ سکے، دیکھتے ہی دیکھتے منکورس گرد کے بادل اڑاتا نصرانیوں کی پہلی صف پر ٹوٹ پڑا، عیسائی سورما اس کی جواں مردی پر حیرت زدہ رہ گئے، نہ معلوم کیوں انہیں یقین ہو گیا کہ ایسا دلیر انسان سلطان صلاح الدین کا کوئی بیٹا ہی ہو سکتا ہے، انہیں اندازہ نہیں تھا کہ شوقِ شہادت ایک عام مسلمان کو بھی سلطان صلاح الدین ایوبی کے تیور عطا کر دیتا ہے۔ نصرانیوں نے منکورس کو ہر طرف سے گھیر لیا اور اس پر

[1] کتاب الروضتین: 283/2 [2] النوادر السلطانیہ، ص 142

بھوکے درندوں کی طرح جھپٹ پڑے۔ منکورس بڑی بے جگری سے اکیلا ان کا مقابلہ کرتا رہا، آخر وہ زخموں سے چور ہوگیا اور نصرانیوں نے اس کا سر دھڑ سے الگ کر دیا۔[1]

نصرانیوں کی اس حرکت نے مسلمانوں کو مزید جوش دلایا۔ انہوں نے بیک آواز اس جوش وخروش سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا کہ حطین کی وادی لرز اٹھی۔ مسلمانوں نے عام حملہ شروع کیا تو نصرانیوں کی صفیں درہم برہم ہونے لگیں اور وہ ان گنت لاشیں چھوڑ کے پیچھے ہٹنے لگے۔

انہوں نے بار بار پیچھے ہٹ کر صفیں درست کرنے کے بعد پوری طاقت سے جوابی حملے کیے مگر ہر مرتبہ انہیں الٹے قدموں لوٹنا پڑا۔

عیسائی اب اپنے آپ کو ہر طرف سے گھرا ہوا محسوس کر رہے تھے، سورج سر پر آچکا تھا۔ زرہ بکتروں میں ملبوس نصرانیوں کے لیے گرمی قیامت ڈھا رہی تھی، پیاس سے ان کے منہ کھلے ہوئے تھے اور زبانیں باہر لٹکنے لگی تھیں، تاہم قومی وقار اور مذہبی جذبہ انہیں ہتھیار ڈالنے سے روکے ہوئے تھا۔ ایسے عالم میں مسلمانوں نے ایک اور خطرناک وار کر ڈالا، انہوں نے میدان کے دوسرے کنارے کی جھاڑیوں کو بھی آگ لگا دی...... میدان کی اس پٹی میں شعلوں کی دیوار کھڑی ہوگئی اور عیسائی گھڑ سوار فوج کا جو گائی کی قیادت میں جھاڑیوں سے پرے تھی، پیادہ فوج سے رابطہ منقطع ہوگیا۔[2]

<u>ریمنڈ کا فرار</u>٭ ریمنڈ اپنی قوم کی تباہی کا یہ منظر دیکھ کر صدمے سے بے حال ہو رہا تھا۔ اس نے نوشتۂ دیوار پڑھ کر اپنے سپاہیوں سے کہا:

''میں آگے بڑھ کر ان پر حملہ کرتا ہوں اور ان کی صفوں کو چیر کر نکلنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

اس نے اپنے خاص رفقاء اور سپاہیوں کے ساتھ جنونی انداز میں لشکر اسلام کی ایک صف پر حملہ کر دیا۔ اس جانب غازیٔ اسلام تقی الدین عمر اپنی جمعیت کے ساتھ چوکس کھڑا تھا، اس نے نصرانیوں کی اس پیش قدمی کو دیکھ کر فوراً بھانپ لیا کہ یہ لوگ جان بچا کر بھاگنے کی کوشش کر رہے ہیں، انہیں روکا گیا تو شاید لڑتے لڑتے مر جائیں لیکن انہیں بچ نکلنے کا موقع دیا گیا تو یہ پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر میدان چھوڑ دیں گے۔

جہاں دیدہ تقی الدین عمر نے فوری طور پر یہ فیصلہ کیا کہ نصرانیوں کے اس ریلے کے لیے راستہ چھوڑ دینا چاہیے۔ یہ فیصلہ جو ایک عام سپاہی کے نقطۂ نظر سے شجاعت کے خلاف تھا، درحقیقت مسلمانوں کے لیے بہت بابرکت ثابت ہوا۔ تقی الدین عمر نے جوں ہی اپنے دستوں کو راستے سے ہٹایا، ریمنڈ اپنے ساتھیوں

---

1. کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/283
2. الکامل فی التاریخ: تحت 583ھ، ابن خلدون: 5/303، النجوم الزاہرۃ: 6/32، کتاب الروضتین: 3/284

کے غول سمیت میدان سے بھاگ نکلا۔ تقی الدین عمر نے ایک بار انہیں میدان سے نکلنے کا موقع دینے کے بعد گھڑسواروں کو ان کے تعاقب میں دوڑا دیا، ریمنڈ کے اکثر ساتھی تعاقب کرنے والوں کے ہاتھوں مارے گئے، وہ خود بہت مشکل سے جان بچا کر نکل سکا۔ اس نے پیچھے مڑ کر اپنی قوم کا عبرتناک انجام دیکھنے کی ضرورت تک محسوس نہ کی، اس میں شاید یہ حوصلہ شکن منظر دیکھنے کی ہمت بھی نہ تھی۔

ریمنڈ کے فرار ہونے کے چند لمحوں بعد صیدا کا شہزادہ بھی اپنے سپاہیوں کے ساتھ مسلمانوں کی ایک صف کو توڑ کر نکل گیا۔ ان کے فرار سے دوسرے نصرانیوں کی ہمت بھی جواب دینے لگی اور ان کی قوت کو سخت دھچکا لگا۔ تاہم گائی اور ریجی نالڈ جیسے کفر کے سرخیلوں نے مذہبی حمیت کا واسطہ دے کر ان کی غیرت کو جھنجھوڑا اور ہمت بڑھائی۔ وہ بہت جلد منظم ہو کر پھر سے مسلمانوں پر جارحانہ حملے کے لیے آگے بڑھے۔ انہیں یقین تھا کہ اگر وہ جان کی بازی لگا کر نہ لڑے تو صلیب اعظم سرنگوں ہو کر رہے گی، انہوں نے بڑے زور و شور سے حملہ کیا۔ دیر تک خون کے دریا بہتے رہے۔ علامہ ابن اثیر کہتے ہیں کہ اگر اللہ کا لطف و کرم شامل حال نہ ہوتا تو فرنگی اپنی قوت کے بل بوتے پر مسلمانوں کے قدم اکھاڑ دیتے مگر مسلمان ثابت قدم رہے اور آخر کار نصرانیوں کو پسپا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد نصرانیوں نے یکے بعد دیگرے کئی خطرناک حملے کیے تاہم ہر بار شدید لڑائی کے بعد انہیں پیچھے ہٹنا پڑا۔

زوال کے وقت عیسائی پیاس سے بے دم ہو رہے تھے، سورج انہیں جھلسائے دے رہا تھا، تیروں کی لگاتار بارش میں انہیں کہیں جائے پناہ نہیں مل رہی تھی۔ شعلہ زن جھاڑیوں اور گھاس نے ان کی نقل و حرکت کو محدود تر کر دیا تھا۔ چوں کہ قدرتی طور پر ہوا کا رخ نصرانیوں کی طرف تھا اس لیے آگ کی لپٹوں اور دھوئیں کے مرغولوں سے وہ غیر معمولی طور پر متاثر ہو رہے تھے۔ کاتب عماد اصفہانی تحریر کرتے ہیں:

> ''تین خداؤں کے پرستار تین طرح سے جل رہے تھے، لکڑیوں کے ایندھن کی آگ سے، پیاس کی آگ سے اور تیروں کی آگ سے۔''[1]

گائی اور گھڑسواروں کے بیچ آگ کی دیوار ❁ عیسائی فوج اب واضح طور پر دو حصوں میں نظر آرہی تھی، گھڑسوار بھڑکتی ہوئی آگ کے ایک طرف مشرق کی طرف بڑھ رہے تھے، وہ کسی طرح جھیل طبریہ تک پہنچنا چاہتے تھے مگر یہ ممکن نہ ہوا، سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے زیر کمان دستوں کے ساتھ ان کا راستہ روک لیا۔ اب گھڑسوار جان بچانے کی خاطر ایک پہاڑی پر چڑھ گئے اور مدافعانہ پوزیشن لے لی۔ آگ کی لپٹوں اور دھوئیں کے مرغولوں کے پار گائی فوج کے بڑے حصے کے ساتھ انتہائی تذبذب

---

[1] کتاب الروضتین: 284/3

کے عالم میں کھڑا تھا، وہ فرار ہونا نہیں چاہتا تھا، اسے بہرحال مسلمانوں کے مقابلے میں عددی اکثریت حاصل تھی۔ اس نے سوچا کہ اب بھی گھڑسواروں کو ساتھ لے کر مسلمانوں پر بھرپور حملہ کر کے جان بچانا ممکن ہے۔ اس نے گھڑسواروں کو پیغام بھیجا کہ وہ پہاڑی سے اتر کر اس سے آملیں۔ اس نے انہیں صلیبِ اعظم اور تختِ شاہی کا واسطہ بھی دیا مگر گھڑسوار اپنی جگہ ساکت کھڑے رہے۔ ان کا آخری جواب یہ تھا کہ ہم خود پیاس سے جاں بلب ہیں اور لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ❶

اگر گھڑسوار گائی کی پکار کا مثبت جواب دیتے تو مسلمانوں کے لیے پریشان کن لمحات آسکتے تھے مگر یہ شش و پنج نصرانیوں کے لیے مہلک ثابت ہوا۔ تب مسلمانوں نے مہلت دیے بغیر اس پہاڑی پر ہلہ بول دیا جو گھڑسواروں کی پناہ گاہ تھی، اس حملے میں گھڑسواروں کی خاصی تعداد ماری گئی اور باقی گرفتار ہو گئے۔ تاہم گائی اب بھی میدان میں تھا گستاخ ریجی نالڈ سمیت ہاسپٹلرز اور ٹیمپلرز کے سردار بھی اس کے ساتھ تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی سمجھ چکے تھے کہ جنگ آخری مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ ان کے اشارے پر اسلامی فوج کے دستے ایک وسیع دائرے میں پھیل کر گائی کو گھیرے میں لینے لگے۔ ❷

آخری مرحلہ ❁ گائی جو کہ از سرِ نو صف بندی کی ضرورت محسوس کر رہا تھا، اپنی فوج کو لے کر حطین کی سطحِ مرتفع کی طرف بڑھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ راہِ فرار مسدود ہو چکی ہے۔ اب بچنے کی ایک موہوم سی امید یہ تھی کہ کہیں سے مدد پہنچ جائے اور تب تک وہ سطحِ مرتفع پر دفاعی پوزیشن لیے رہے۔ بلندی پر آتے ہی اس نے صلیبِ اعظم نصب کرادی۔ میدانِ جنگ میں اس کی تنصیب کے بعد نصرانیوں کے لیے مرنے مارنے کے سوا کوئی راستہ نہیں رہتا تھا۔ صلیب کے ساتھ شاہی خیمہ بھی لگا دیا گیا تھا، ابھی مزید خیمے لگانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں مسلمانوں نے سلطان کے اشارے پر اپنا دائرہ تنگ کرتے ہوئے اس بلند ٹیلے پر دھاوا بول دیا، نصرانیوں نے بلندی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بھرپور مدافعت کی اور ایک نہایت خون ریز لڑائی شروع ہو گئی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی اس ٹیلے کے قریب آکر افواج کی قیادت کر رہے تھے اور افسران و سپاہ کی ہمت بڑھا رہے تھے۔ عیسائی صلیبِ اعظم کی حفاظت کے لیے جان کی بازی لگا چکے تھے، گائی اپنے ایک سو پچاس نائٹوں کے ساتھ ٹیلے پر کھڑا افواج کو جوش دلا رہا تھا۔ دست بدست گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ جن نصرانیوں کے پاس گھوڑے تھے، وہ بھی پیدل ہو کر لڑ رہے تھے، معرکہ اتنا شدید تھا کہ کبھی مسلمان نصرانیوں کو دھکیل کر اوپر لے جاتے اور کبھی وہ مسلمانوں کو دھکیلتے ہوئے دور ہٹا دیتے۔ ❸

---

❶ سورج الدین لین پول، ص110 ❷ الکامل فی التاریخ، حوادث 583ھ ❸ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/284؛ الکامل فی التاریخ، حوادث 583ھ

میدانِ جنگ کے اس حصے کو دھول اور مٹی کے بادلوں نے چھپالیا تھا، شکستہ تیر اور ٹوٹے ہوئے نیزے کٹی ہوئی فصل کی طرح زمین پر بکھرے تھے۔ کچلے ہوئے جسم تڑپ رہے تھے، کٹے ہوئے اعضاء پھڑک رہے تھے۔ گردنیں سروں سے جدا ہو رہی تھیں، زمین خون سے سرخ ہو چکی تھی۔ نصرانیوں کی جانبازی نے جنگ کے اس مرحلے میں صورتحال کو غیر یقینی بنا دیا تھا۔ مسلمان سمجھ رہے تھے کہ جنگ کا فیصلہ اب چند لمحوں میں ہو جائے گا مگر سلطان صلاح الدین ایوبی کو صحیح طور پر اس لمحے کا اندازہ تھا جو فیصلہ کن تھا۔ وہ پوری تندہی سے ٹیلے اور اس کی ڈھلوان پر گتھم گتھا سپاہیوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی نگاہیں بار بار ٹیلے پر نصب شاہی خیمے اور صلیب سے الجھ رہی تھیں۔ ان کا نوجوان لڑکا الملک الافضل ان کے بالکل ساتھ کھڑا خون کی ندیاں بہتے دیکھ رہا تھا۔ اتنی بڑی جنگ میں اس کی یہ پہلی شرکت تھی۔

اچانک ٹیلے سے نصرانیوں کا ایک ریلہ اس زور سے آیا کہ مسلمانوں کے قدم ڈگمگا گئے۔ عیسائی سیلابی ندی کی طرح مسلمانوں کو دھکیلتے ہوئے نیچے آنے لگے اور مسلمان الٹے قدموں پیچھے ہٹتے ہٹتے سلطان کے قریب آن پہنچے۔ یہ دیکھ کر سلطان نے غیرت اور جوش سے اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں دبالیا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھے، ساتھ ہی ان کا نعرہ گونجا:

"کذب الشیطان" (شیطان جھوٹا ہو)

یہ نعرہ سن کر پسپا ہوتے مسلمان ایک بار پھر پلٹے اور نصرانیوں کو دھکیلنے لگے، عیسائی پیچھے ہٹتے ہوئے پھر ٹیلے پر چڑھ گئے۔ شہزادہ الافضل یہ دیکھ کر خوشی سے چلایا: "ہرا دیا، ہم نے انہیں ہرا دیا۔"

مگر تھوڑی ہی دیر بعد عیسائی ایک بار پھر مسلمانوں کو دھکیلتے ہوئے نیچے لا رہے تھے اور مسلمان افراتفری میں پیچھے ہٹ رہے تھے۔ ہٹتے ہٹتے وہ دوبارہ سلطان کے نزدیک آ گئے۔ تب سلطان پھر اٹھے اور مجاہدین کو جوش دلا کر آگے بڑھانے لگے۔ مسلمانوں نے پھر تازہ حوصلہ پایا اور نصرانیوں کو ایک بار پھر پسپا ہونا پڑا۔ الملک الافضل یہ دیکھ کر پھر بے اختیار چیخا: "ہرا دیا۔ ہم نے انہیں ہرا دیا۔" سلطان نے پلٹ کر اسے دیکھا اور درشت لہجے میں گویا ہوئے:

"چپ رہو! جب تک وہ خیمہ نہیں گرتا ہم انہیں شکست نہیں دے سکتے۔"

یہ کہتے ہوئے سلطان کا اشارہ گائی کے خیمے کی طرف تھا۔ ابھی ان کے الفاظ پورے نہ ہوئے تھے کہ اچانک ٹیلے کی بلندی پر گائی کا خیمہ گرتا دکھائی دیا۔ صلیبِ اعظم بھی سرنگوں ہو رہی تھی۔ سلطان یہ دیکھتے ہی تیزی سے گھوڑے سے نیچے اترے اور سجدے میں گر گئے۔ شکرِ باری تعالیٰ کے احساس سے ان پر گریہ طاری ہو گیا، ان کی آنکھوں سے مسرت کے آنسو پھوٹ رہے تھے، اشکوں کے یہ موتی ان کے

تھمائے گالوں پر بہتے ہوئے ڈاڑھی میں جذب ہوتے جارہے تھے۔ ٹیلے پر جنگ ختم ہورہی تھی، نصرانیوں کی صلیب اعظم جسے لڈا کے پادری نے آخر تک بچانے کی کوشش کی تھی، مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھی، یہ رسوا کن منظر دیکھ کر عیسائی بالکل بے دم ہو گئے تھے۔ (1)

ائمۃ الکفر مجاہدین کی قید میں: نصرانیوں نے ہتھیار ڈال دیے تھے، ٹیلے پر موجود ان کے وہ جیالے جو بھڑکتی شمع کی آخری لو کی طرح جنگ کے آخری مرحلے میں بے حد متحرک ہو گئے تھے، شکست کا یقین ہوتے ہی گھوڑوں سے اتر کر بے جاں لکڑیوں کی طرح زمین سے لگ گئے تھے۔ ان میں سے بہت سے اٹھنے اور چلنے پھرنے کی سکت بھی نہیں رکھتے تھے، آخری لمحات کی شدید لڑائی نے ان کی پیاس اور بھڑکا دی تھی۔ اب وہ مسلمانوں کے رحم وکرم پر تھے۔ مسلمان انہیں قیدی بنا رہے تھے، بڑے بڑے حکمران، شہزادے، نواب، نائٹ اور سردار سر جھکائے قیدیوں میں شامل ہو رہے تھے، ان میں گائی بھی تھا اور اس کا بھائی الم یک بھی۔ گستاخ رسالت ریجی نالڈ بھی تھا اور ٹورون کا متعصب جنگجو حکمران ہمفری ابن ہمفری بھی، ابلین کا حاکم بالیان بھی تھا اور متعصب پادری اور راہب بھی۔ خونخوار ٹیمپلرز بھی تھے اور جنگجو ہاسپٹلرز بھی۔

عیسائی امراء میں سے ریمنڈ اور صیدا کا شہزادہ رینالڈ بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو سکے تھے۔ ریمنڈ بھاگ کر زخمی حالت میں صور پہنچا اور کچھ دنوں بعد سلطان کے حملے کے پیش نظر طرابلس منتقل ہو گیا جہاں غم کی شدت سے ذات الجنب کے مرض میں مبتلا ہو گیا، چند دنوں بعد صدمے، زخموں اور بیماری نے اس کا کام تمام کر دیا۔

کافر سرداروں کے علاوہ حطین کے عام قیدیوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ مسلمان انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر لے جارہے تھے۔ دوسری طرف ان کے مقتولین سے میدان پٹا پڑا تھا جگہ جگہ لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

عماد اصفہانی اس صورتحال پر نہایت بلیغ انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

فمن شاهد القتلیٰ قال ماهناك اسیر، ومن عاین الاسریٰ قال ما هناك قتیل

یعنی مقتولین اتنے زیادہ تھے کہ انہیں دیکھنے والا باور نہیں کر سکتا تھا کہ مسلمانوں نے کسی کو قیدی بنانے کے لیے زندہ چھوڑ دیا ہوگا... اور قیدی اتنے زیادہ تھے کہ انہیں دیکھ کر یقین نہیں آتا تھا

(1) کتاب الروضتین: 3/268، الکامل فی التاریخ: حوادث 583ھ، تاریخ ابن خلدون: 6/303، البدایہ والنہایہ: حوادث 583ھ

کہ مسلمانوں نے کسی کو قتل بھی کیا ہوگا۔"°

491ھ (1098ء) میں القدس پر نصرانیوں کے قبضے کے بعد سے لے کر اب تک یہ ان کی سب سے بڑی شکست تھی جس نے مسلمانوں کے لیے اگلی تمام فتوحات کا دروازہ کھول دیا۔

ریجی نالڈ کا انجام: جنگ کا ہنگامہ تھمتے ہی سلطان صلاح الدین ایوبی نے میدان جنگ میں خیمے گاڑنے اور اہم قیدیوں کو پیش کرنے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے سلطان کا خیمہ نصب کیا جانے لگا۔ اس دوران سلطان خیمے کے سامنے بیٹھ گئے۔ جن جن سپاہیوں کو نصرانیوں کے معزز لوگ ہاتھ لگے تھے، وہ انہیں سلطان کے سامنے لا رہے تھے۔ سلطان کا خیمہ گڑ چکا تو وہ خیمے میں اپنی نشست پر جا بیٹھے۔ ان کا چہرہ مسرت اور احساسِ تشکر سے جگمگا رہا تھا۔

چند لمحوں کے بعد سلطان کی خدمت میں بادشاہ گائی، اس کا بھائی اور ریجی نالڈ حاضر کیے گئے۔ گائی کو ایک سپاہی درباس کردی نے گرفتار کیا تھا جبکہ ریجی نالڈ کو امیر ابراہیم سہرانی کے ایک غلام نے پکڑا تھا۔

گائی کی حالت سب سے زیادہ خراب تھی، پیاس کی شدت سے اس کی زبان باہر لٹک رہی تھی۔ سلطان نے ایک حکمران کے شایانِ شان سلوک کرتے ہوئے اسے اپنے قریب بٹھا لیا اور برف ملا ٹھنڈا مشروب منگوا کر اسے پلوایا۔ کھجور اور کشمش سے تیار کردہ اس مشروب کو "حلاب" کہا جاتا تھا۔

بدبخت ریجی نالڈ بھی گائی کے قریب بیٹھا بے تابی سے اسے شربت پیتا دیکھ رہا تھا۔ گائی نے اس کی پیاس کا اندازہ لگا کر پیالے میں بچا ہوا مشروب اسے دے دیا۔ ریجی نالڈ نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اسے حلق سے نیچے اتار لیا۔ چوں کہ عربوں کے ہاں قیدی کو کھانا کھلانا یا پانی پلانا جان کی امان دینے کی علامت سمجھا جاتا تھا اس لیے شاید ریجی نالڈ کو امید تھی کہ اس طرح سلطان کی مہمانی کا اعزاز حاصل کر کے وہ سزائے موت سے بچ جائے گا..... مگر سلطان کو ان حیلہ سازیوں سے دھوکا نہیں دیا جا سکتا تھا۔ ریجی نالڈ کو شربت پیتا دیکھ کر ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ انہوں نے ترجمان کے ذریعے گائی سے کہا:

"میں خود اسے ہرگز پانی نہ پلاتا۔ تم نے میری اجازت کے بغیر اس شخص کو پانی پلایا ہے، لہٰذا اسے امان نہیں ملے گی۔"

پھر سلطان اپنی نشست سے اٹھے اور اس بڑے خیمے سے کچھ دور اپنی خلوت گاہ میں چلے گئے۔ چند لمحوں بعد انہوں نے ریجی نالڈ کو وہاں طلب کیا۔ جب وہ اندر پہنچا تو سلطان نے تلوار سنبھالی اور اس کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ یہی تو وہ بدبخت تھا جس نے بارہا سلطان سے معاہدوں کی خلاف ورزی کی

° النوادر السلطانیہ: 288/3

تھا۔ مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے تھے۔ سب سے بڑھ کر اس نے حرمین شریفین پر حملہ کیا تھا، حاجِ کرام کے قافلے لوٹے تھے اور حضور رحمت عالم ﷺ کی شان میں گستاخیاں کی تھیں۔ سلطان نے اسے قتل کرنے کی قسم کھائی تھی اور اب اس قسم کو پورا کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ اس کے باوجود اسلامی عدل وانصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لیے سلطان نے پہلے اس کے جرائم ایک ایک کر کے گنوائے اور پھر اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ مگر اس شقی القلب انسان کی قسمت میں یہ سعادت کہاں تھی۔ تکبر ونخوت کے خول میں بند اس کی ناپاک روح، اسلام کے چشمۂ صافی سے خود کو پاک کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔ چوں کہ ریجی نالڈ نے قافلۂ حجاج پر حملے کے دوران قیدی بنائے گئے حاجیوں کے سامنے حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ اپنے محمد سے کہو آ کر تمہیں چھڑا لے۔ (نعوذ باللہ)

اس لیے گستاخ نبوت کو اس کا وہ بے ہودہ جملہ یاد دلاتے ہوئے سلطان نے کہا:

"اچھا تو لے! میں تجھ سے محمد ﷺ کا انتقام لیتا ہوں، میں حضور ﷺ کا نمائندہ بن کر ان کی طرف سے ان کی امت کا بدلہ لے رہا ہوں۔"

یہ کہتے ہی سلطان نے اپنی چھوٹی تلوار جسے "مجاہ" کہا جاتا تھا، نیام سے کھینچ لی اور ایک ہی وار میں ریجی نالڈ کو کاندھے سے سینے تک چیر کر رکھ دیا۔ گستاخ نبوت وہیں ڈھیر ہو گیا۔ سلطان کے خادموں نے مزید وار کر کے اسے بالکل ٹھنڈا کر دیا۔

اس موقع پر سلطان نے کہا:

"میں نے دو بار اسے قتل کرنے کی نذر مانی تھی، ایک اس وقت جب اس نے حرمین شریفین پر حملے کی کوشش کی تھی اور دوسری بار جب اس نے حاجیوں کے قافلے پر دھوکے سے حملہ کیا تھا۔"

ملعون کے کٹے ہوئے سر اور لاش کو گھسیٹ کر اس خیمے کی چوکھٹ پر پھینک دیا گیا جہاں گائی اور دیگر قیدی امراء کو بٹھایا گیا تھا۔ انہیں اس دوران سلطان کے حکم سے کھانا کھلا دیا گیا تھا۔ گائی اس خوفناک منظر کو دیکھ کر لرز اٹھا، اسے یقین ہو گیا کہ اب میری باری ہے۔ سلطان کو اس کی تشویش کا علم ہوا تو اسے بلوایا اور قریب بٹھا کر تسلی دیتے ہوئے کہا:

"بادشاہوں کی روایت نہیں کہ وہ بادشاہوں کو قتل کریں۔ مگر اس شخص کی حرکتیں ہر حد سے بڑھ چکی تھیں، اس لیے اس کے ساتھ جو ہوا سو ہوا۔"

ریجی نالڈ کے علاوہ ہاسپٹلرز اور ٹمپلرز کے سردار اور جنگجو بھی کسی رعایت کے بغیر قتل کر دیے گئے کیوں کہ یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف نصرانیوں کو بھڑکانے میں سب سے پیش پیش رہے تھے۔ گائی اور

دیگر اہم قیدیوں سے بہر حال اچھا برتاؤ کیا گیا اور انہیں دمشق کے قید خانے بھیج دیا گیا۔ [1]

فتح کی یہ رات یوم عید کی طرح پر رونق تھی، ایوبی لشکر سے مسرت انگیز آوازیں سکوت شب کو توڑتے ہوئے دور دور تک جا رہی تھیں۔ مگر یہ آوازیں محفل رقص و سرود کی تھیں، نہ بزم شراب و کباب کی۔ اس چہل پہل میں گویوں کی تانیں سنائی دیتی تھیں نہ سارنگی اور بانسری کے سُر...... بلکہ یہ خوش الحانی قاریوں کی تلاوت تھی جو دلوں کو منور کر رہی تھی...... تکبیر کے جوشیلے نعرے تھے جو مجاہدین کے سینوں سے نکل رہے تھے...... لا الہ الا اللہ کی صدائیں تھیں جو تاریکی میں توحید کا اجالا پھیلا رہی تھیں۔ [2]

جنگ کی چند دلچسپ یادیں: حطین کی اس شاندار فتح کے تذکرے عرصہ دراز تک مسلمانوں کی محفلوں کو گرماتے رہے۔ جنگ کے عجیب و غریب واقعات کئی نسلوں تک سنے اور سنائے جاتے رہے۔ حطین کے میدان میں سالہا سال تک مقتول نصرانیوں کی لاشوں کے پنجر نظارہ عبرت بنے رہے۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"میں معرکہ حطین کے تقریباً ایک سال بعد اس معرکہ کی جگہ سے گزرا تو زمین کو ہڈیوں سے بھرا پایا جو دور سے نظر آتی تھیں۔ بہت سی ڈھیروں کی شکل میں اوپر تلے پڑی تھیں اور بہت سی بکھری ہوئی تھیں۔ یہ باقیات ان آثار کے علاوہ تھیں جنہیں سیلابوں نے مٹا دیا تھا یا جنہیں درندے جنگلوں اور کھائیوں میں ختم کر چکے تھے۔" [3]

- نصرانیوں کے 30 ہزار گرفتار کیے گئے تھے۔ جنگ کے چشم دید گواہ کاتب عماد اصفہانی کہتے ہیں:
"قیدیوں کی تعداد اتنی تھی کہ خیموں کی رسیاں بھی انہیں باندھنے کے لیے کم پڑ گئی تھیں، میں نے خود دیکھا کہ 43 قیدی ایک ہی رسی سے باندھے گئے اور انہیں ایک گھڑ سوار کھینچ کر لے جا رہا تھا۔ ایک جگہ میں میں نے سو، دو سو قیدی دیکھے جن پر صرف ایک نگران پہرہ دے رہا تھا۔" [4]
- نصرانی گھڑ سوار جنہیں نائٹ کہا جاتا تھا، سر سے پاؤں تک لوہے میں چھپے ہوئے تھے، ان پر تلواروں کی ضرب اثر کرتی تھی نہ تیر اندازی۔ مگر سورج کی تپش نے نائٹوں کی سر تا پا محیط زرہ بکتروں کو ان کے لیے آگ کا شکنجہ بنا دیا تھا اور پیاس کی شدت نے ان کے گھوڑوں کو نڈھال کر دیا تھا۔ نائٹوں کی تعداد ہزاروں میں تھی اور وہ فوج کا مضبوط ترین عنصر تھے۔ جب تک وہ

---

[1] کتاب الروضتین: 3/283، نادر در سالہ پیرس: ص 130، 131، الکامل فی التاریخ: حوادث 583ھ، مفرج الکروب: 5/303، البدایۃ والنہایۃ: حوادث 583ھ
[2] کتاب الروضتین: 3/288، نادر در سالہ پیرس: ص 131
[3] الکامل فی التاریخ: حوادث 583ھ
[4] کتاب الروضتین: 3/286

گھوڑے کی پشت پر جمے رہتے تھے ان پر کاری وار کرنا بہت دشوار ہوتا تھا مگر قدرت خداوندی نے انہیں مسلمانوں کے لیے مسخر کردیا تھا۔ مسلمان پہلے نائٹوں کے گھوڑوں پر حملہ کرتے، گھوڑے کے زخمی ہونے سے نائٹ گر پڑتا اور مسلمان فوراً اسے بھالوں اور تلواروں سے چھید ڈالتے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں کو مال غنیمت میں کوئی صحیح وسالم گھوڑا نہ مل سکا، اکثر گھوڑے مر چکے تھے یا زخمی تھے۔ [1]

- مال غنیمت میں حاصل شدہ اسلحے خصوصاً زرہوں اور خودوں (ہیلمٹ) کا شمار مشکل ہوگیا۔
- قیدیوں کو دمشق کے بازاروں میں فروخت کیا جانے لگا۔ ان کی ارزانی کا یہ عالم تھا کہ تین تین دینار میں ایک قیدی بک رہا تھا۔ قیدیوں میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے جو نصرانیوں کی خیمہ گاہوں سے گرفتار ہوئے تھے، ان میں سے بہت سے خاندان ایک ہی بولی میں فروخت ہو رہے تھے۔ ایک مؤرخ آنکھوں دیکھا حال بیان کرتا ہے کہ میرے سامنے ایک آدمی، اس کی بیوی، اس کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں بیک وقت 80 دینار میں فروخت ہوگئے۔
- مال غنیمت کے دیگر ذخائر کا اندازہ بھی حد وشمار سے باہر تھا۔ گھوڑوں، گایوں، بکریوں اور مویشیوں کے گلے اتنے زیادہ تھے کہ ان کے خریدار کم پڑ گئے تھے۔
- فرنگی قیدیوں میں سے جن کا تعلق ہاسپٹلرز اور ٹمپلرز سے ثابت ہوجاتا انہیں سلطان کے حکم سے قتل کرکے ان کے سروں کی سرعام نمائش کی جاتی تھی۔ دمشق میں آئے دن ایسے سر خربوزوں کی طرح بازار میں سجے نظر آتے۔ وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ مسلمانوں کا قتل عام کرنے کے عادی تھے۔
- ایک عجیب لطیفہ یہ ہوا کہ سلطان کے ایک غریب سپاہی کے حصے میں ایک قیدی آیا، اس سپاہی کو جوتوں کی ضرورت تھی، اس نے کسی سے جوتے خریدے اور قیمت کے طور پر قیدی اسے دے دیا۔ لوگوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ قیدی اتنا سستا کیوں دے دیا؟ بولا:

  ''میں چاہتا ہوں کہ یہ واقعہ نصرانیوں کی ذلت کی مثال بن کر یاد کیا جاتا رہے۔'' [2]
- شاہ یروشلم گائی کی گرفتاری اور صلیب الصلبوت کا مسلمانوں کے ہاتھ لگ جانا نصرانیوں کے لیے ایک ایسی ذلت تھی جس نے ان کا سر بالکل نیچا کردیا تھا۔

عماد اصفہانی لکھتے ہیں:

''بادشاہ کے گرفتار ہوتے ہی صلیب الصلبوت بھی چھین لی گئی اور اس وقت باطل تباہ ہوگیا۔ یہ؛

[1] کتاب الروضتین: 288/3 [2] کتاب الروضتین: 289/3

صلیب ہے کہ جب اسے گاڑا، کھڑا کیا یا اٹھایا جاتا ہے تو ہر عیسائی اسے رکوع وسجدہ کرتا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ اس لکڑی سے بنائی گئی ہے جس پر ان کے معبود (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے گمان کے مطابق) سولی دی گئی تھی۔ نصرانیوں نے اسے سرخ سونے کا غلاف پہنا رکھا تھا اور اس پر ہیرے موتی جڑے تھے۔ انہوں نے اسے انتہائی خطرات کے وقت مجتمع ہونے اور خاص مقررہ دنوں کے لیے تیار کیا تھا، جب پادری اور راہب اسے (جنگ کے موقع پر) نکالتے اور سروں پر رکھتے تو سب اس کی طرف لپکتے اور جھپٹتے۔ کسی کے لیے جائز نہ ہوتا کہ وہ رُکا رہے۔ اس سے پیچھے رہ جانے والوں کے لیے جان کی امان نہ رہتی تھی۔ اس صلیب کا چھن جانا ان کے لیے اپنے بادشاہ کی قید سے بھی زیادہ الم ناک تھا اور اس معرکے میں یہ انہیں پہنچنے والی سب سے سخت مصیبت تھی۔ اس لیے کہ چھنی ہوئی صلیب کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا تھا۔''❶

صلیب کو قاضی ابن عصرون کے حوالے کر دیا گیا، وہ اسے لے کر دمشق میں داخل ہوئے تو عوام کا ایک سیلاب اس تاریخی منظر کو دیکھنے کے لیے جمع ہو گیا۔ نصرانیوں کی سب سے بڑی مذہبی علامت الٹی لٹکی ہوئی تھی اور مسلمان اسے ساتھ لیے چلے آرہے تھے۔ یہ صلیب دمشق کے مقام ''قطاریہ'' میں ایک عرصے تک اوندھی لٹکی رہی اور مسلمانوں کو توحید کی شاندار فتح اور تثلیث کی عبرتناک شکست کی یاد دلاتی رہی۔❷

<u>فریقین کی تعداد</u>:۔ اس جنگ میں فریقین کی تعداد کا تناسب کیا تھا؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ سلطان کی فوج کے بارے میں مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وہ بارہ ہزار پیشہ ور سپاہیوں اور ان کے علاوہ بہت سے رضا کار مجاہدین پر مشتمل تھی۔ نصرانیوں کے لشکر کی تعداد مختلف بتائی جاتی ہے۔ بعض مؤرخین نے 50 ہزار کی تعداد بیان کی ہے مگر صحیح تر تعداد وہ معلوم ہوتی ہے جو خود سلطان کی جانب سے اس معرکے کی تفصیلات پر مشتمل ایک مراسلے میں بیان کی گئی ہے۔ اس کے مطابق عیسائی لشکر میں 63 ہزار گھڑسوار اور پیادے تھے۔ اس خط میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے معرکے میں 30 ہزار عیسائی مارے گئے اور اتنے ہی گرفتار ہوئے۔

اس تفصیل کی موجودگی میں یہ بات یقینی ہو جاتی ہے کہ نصرانیوں کی تعداد 63 ہزار تھی۔ بعض مؤرخین نے ان کی تعداد 36 ہزار بتائی ہے جو بالکل خلاف واقعہ ہے۔ مغربی مؤرخین مثلاً لین پول نے نصرانیوں کی تعداد کو 12 سو نائٹوں، 18 ہزار پیادوں اور بہت سے گھڑسواروں میں تقسیم کر کے اصل تعداد کو چھپانے کی کوشش کی ہے، تا کہ بارہ ہزار مسلمانوں سے 63 ہزار نصرانیوں کے شکست فاش کھانے کی خفت کم کی جاسکے۔ اس ضمن میں سب عجیب <u>بلکہ مضحکہ خیز دعویٰ امریکی مستشرق ہیرلڈ لیمب کا ہے جس</u>

❶ کتاب الروضتین: 3/207 ❷ کتاب الروضتین: 3/341، البدایہ والنہایہ: تحت 583ھ

نے اپنی تصنیف ''کروسیڈز'' میں جنگ حطین کے حوالے سے حاشیے پر یہ اضافہ کیا ہے کہ اس لڑائی میں ایک نصرانی کے مقابلے میں چھ مسلمان گھڑسوار تھے۔ یہ دعویٰ اس بددیانتی کی ایک معمولی مثال ہے جس کا مظاہرہ مستشرقین اپنی ''تحقیقات'' میں عموماً کرتے رہتے ہیں۔

بشارت نامے ٭ فتح حطین کے چند دن بعد سلطان نے خلیفہ بغداد کو اپنے مکتوب میں معرکے کے نتائج کی بشارت یوں دی:

''عیسائی بادشاہ کو قید کرلیا ہے، یہ دن کفار پر بڑا بھاری رہا۔ ریجی نالڈ بھی گرفتار کرلیا گیا، اس پر اللہ کی لعنت ہو، اس کے سر کی فصل کاٹ دی گئی ہے۔ خادم نے اپنے ہاتھ سے اسے قتل کرکے اپنی نذر پوری کی۔ عیسائی بادشاہ کی سلطنت
کے بڑے بڑے سردار اور گمراہی کے سرخیل قید ہوگئے ہیں، مقتولین کی تعداد چالیس ہزار سے زائد ہے۔ داویہ (ٹیمپلرز) کا کوئی فرد زندہ نہیں بچا۔ پس سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ خادم یہ عریضہ ''عکا'' کی سرحد سے تحریر کررہا ہے، اس وقت اسلام کی جولان گاہ وسیع ہوچکی ہے اور اس کے مددگار اور جواں مرد غالب آچکے ہیں، جبکہ کفر پر خوف و دہشت مسلط ہے اور اس کی موت قریب آچکی ہے۔''[۵]

٭ سلطان کے وزیر قاضی فاضل نے جو ان دنوں دمشق کے انتظامی معاملات سنبھالے ہوئے تھے، فتح کی خوشخبری سن کر سلطان کو مبارکباد کا یہ مکتوب تحریر کیا:

''آقا کو مبارکباد ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے دینِ قیم کو استوار کردیا اور وہ جو کل تک ''میرے اور ہر مسلمان کے آقا بن گئے'' اللہ نے ان پر دونوں قسم کی نعمتیں مکمل کردیں، باطنی بھی اور ظاہری بھی۔ انہیں دونوں طرح کی بادشاہت عطا فرمائی، دنیا کی بھی اور آخرت کی بھی۔ تاہم اس حال میں یہ خط لکھ رہا ہے کہ اب تک سر سجدے میں ہے اور اشکِ مسرت رخساروں سے نہیں پونچھے گئے۔ خادم جب بھی یہ سوچتا ہے کہ اب گرجے، مساجد بن جائیں گے اور وہ مقامات جہاں اللہ کو تین میں سے تیسرا کہا جاتا تھا وہاں آج اللہ کو ایک کہا جارہا ہے، تو (یہ سوچ کر) بار بار از سرِ نو شکر بجا لاتا ہے۔ کبھی زبان سے اور کبھی دل سے۔''[۵]

اس موقع پر عماد اصفہانی اپنے ایک خط میں القدس کی فتح کے لیے بے چین ہو کر تحریر کرتے ہیں:

---

۵ کتاب الروضتین، ص [illegible]
۵ کتاب الروضتین، ص [illegible]

"مقدس گنبدِ صخرہ اب ہمیں پکار رہا ہے، فریاد کر رہا ہے۔ اللہ کے نیک بندے اللہ کے سچے موعودہ وعدے کے مطابق وہاں پہنچنے والے ہیں۔ القدس کی فتح کی بشارت پوری ہونے میں اب دیر نہیں رہ گئی۔ اس شاندار فتح کے بعد ہمتیں خوب بلند ہوگئی ہیں۔ سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس کی حمد سے سب بھلائیاں تمام ہوتی ہیں۔"●

اس "فتح مبین" پر شعراءِ اسلام نے بے شمار قصائد لکھے، ابن ساعاتی نے جھوم کر کہا:

جَلَتْ عزماتُكَ الفتحَ المُبِيْنا — فقد قَرَّتْ عیونُ المُؤمِنِیْنا
آپ کے پختہ ارادوں نے کھلی فتح کو ظاہر کردیا — جس سے مومنوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں

يُقَاتِلُ كُلُّ ذی مُلْكٍ رِیاءً — وَأَنتَ تُقَاتِلُ الأعداءَ دِیناً
ہر بادشاہ شہرت اور دکھاوے کے لیے لڑتا ہے — مگر آپ دشمنوں سے مذہب کی خاطر لڑتے ہیں

قَضَیْتَ فریضةَ الإسلامِ مِنْها — وَصَدَّقْتَ الأمانِی وَالظُّنُونا
آپ نے اسلام کا فریضہ جہاد ادا کردیا — اور مسلمانوں کی آرزوئیں اور توقعات کو پورا کر دکھایا

تَهُزُّ مَعاطِفَ القُدْسِ ابْتِهاجاً — وَتَرْضیٰ عَنْكَ مَكَّه والحُجُونا
بیت المقدس کے شانے مسرت سے جھوم رہے ہیں — اور مکہ اور حجون آپ سے خوش ہیں

فَلَوْ أنَّ جماداً یُطِیقُ نُطْقاً — لَنَادَتْكَ ادْخُلُوها آمِنِیْنا
اگر جمادات بولنے کی قدرت رکھتے — تو پکار کر کہتے: "بے خوف و خطر القدس میں داخل ہو جائیے"

● [illegible]

فصل:3

غازیانِ اِسلام کی سیلابی فتوحات

سلطان صلاح الدین ایوبی کئی راتوں سے آرام نہیں کر سکے تھے، حطین کے معرکے کے اختتام تک وہ اس طرح رہے تھے کہ کئی دنوں سے انہیں اپنا خیمہ لگانے کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔ معرکے کے اختتام پذیر ہونے کے بعد ہی ان کا خیمہ گاڑا گیا تھا۔ مگر اتوار 26 ربیع الثانی 583ھ (5 جولائی 1187ء) کی صبح طلوع ہوئی تو سلطان صلاح الدین ایوبی نماز فجر ادا کر کے آمادۂ سفر نظر آئے۔ ان کا خیمہ پھر اکھاڑ لیا گیا اور وہ کچھ فوج کے ساتھ طبریہ کی طرف روانہ ہو گئے۔[1]

طبریہ پر قبضہ: انہوں نے اسی دن طبریہ پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ ریمنڈ کی بیوی جو کسی بیرونی امداد سے مایوس ہو چکی تھی، فوراً ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہو گئی، اس نے اپنے بال بچوں اور ساتھیوں کے لیے جان کی امان کے وعدے پر قلعہ سلطان کے حوالے کر دیا۔ سلطان نے وعدے کا پورا پورا لحاظ کیا اور وہ اپنے خاندان، رفقاء اور مال و دولت سمیت بحفاظت وہاں سے نکل کر اپنے مقتول شوہر ریمنڈ کے شہر طرابلس چلی گئی۔[2] سلطان حطین واپس لوٹے اور یہاں حضرت شعیب علیہ السلام کے مقبرے پر حاضری دی۔ وہ قیدیوں کے معاملے کو جلد از جلد نمٹانا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے بادشاہ گائی اور دیگر عیسائی امراء کو قلعۂ دمشق کے والی ناصح الغیدی کی حراست میں دمشق روانہ کر دیا۔[3]

ہاسپٹلرز اور ٹیمپلرز کو سزائے موت: ہاسپٹلرز اور ٹمپلرز کے جنگجو سلطان کے نزدیک قابلِ معافی نہ تھے، ان کی طبیعت میں اسلام اور مسلمانوں کا بغض کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ سلطان نے ان سے کوئی رعایت نہ برتنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا اس لیے حکم دیا کہ انہیں ایک جگہ جمع کر کے قتل کر دیا جائے۔

لشکرِ اسلام میں ابھی تک زیادہ تر قیدی سپاہیوں کی تحویل میں تھے۔ ہاسپٹلرز اور ٹمپلرز کے قیدی بھی

1. النوادر السلطانیہ: 131
2. الکامل فی التاریخ: تحت 583ھ، کتاب الروضتین: تحت 583ھ
3. النوادر السلطانیہ: 131

انہی میں مکمل مل گئے تھے۔ سلطان کے بہت سے سپاہی اپنے اپنے قیدیوں کی آزادی کے عوض فدیے کی مناسب رقم کی امید رکھتے تھے، سلطان کی جانب سے یہ اعلان سننے کے بعد بھی انہوں نے اس تحقیق میں دلچسپی نہ لی کہ آیا ان کے ہاتھ آنے والا قیدی مطلوبہ طبقے کا ہے یا نہیں۔ سلطان کو خبر ہوئی تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ جو سپاہی ہاسپٹلرز اور ٹیمپلرز کے قیدی لا کر دے گا، اسے فی قیدی 50 مصری دینار دیے جائیں گے۔ اس اعلان کے بعد تھوڑی ہی دیر میں ہاسپٹلرز اور ٹیمپلرز کے دو سو قیدی سلطان کی بارگاہ میں حاضر کر دیے گئے۔

سلطان نے ان علماء، صوفیاء اور درویشوں کو بلالیا جو بیت المقدس کی فتح میں ان کے ساتھ تھے اور انہیں پیش کش کی کہ وہ چاہیں تو ایک ایک قیدی کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار سکتے ہیں۔ کچھ نے موقع غنیمت جان کر اس پیش کش کو شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔ کچھ نے اپنی طبیعت کی کمزوری کی وجہ سے معذرت کر لی۔ کچھ نے کسی کو اپنا نائب بنا کر اس کام میں حصہ لیا۔ ان قیدیوں کے سر قلم کرانے کے ساتھ ہی سلطان نے دمشق میں اپنے نائب کو بھی حکم بھیج دیا کہ ہاسپٹلرز اور ٹیمپلرز کا جو بھی قیدی دمشق پہنچے اسے فوراً قتل کر دیا جائے۔ [1]

ٹیمپلرز اور ہاسپٹلرز کے بارے میں سلطان کا یہ سخت رویہ ان کے عام معمول کے خلاف تھا۔ جو لوگ ان تنظیموں کی تاریخ سے ناواقف ہیں وہ سلطان کی اس سختی کو غیر معقول روش یا جذباتی پن سے تعبیر کریں گے مگر حقیقت آگاہ لوگ تسلیم کریں گے کہ سلطان کا یہ فیصلہ بالکل درست تھا۔ مناسب ہوگا کہ یہاں ہم ان تنظیموں کی اصلیت کچھ کھول کر بیان کر دیں۔

ان تنظیموں کا ظہور پانچویں صدی ہجری (گیارہویں صدی عیسوی) کے اواخر میں اس وقت ہوا جب پہلی صلیبی جنگ چھڑی اور صلیبیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ قبضے کے بعد اکثر یورپی حکام اپنی فوجوں سمیت واپس چلے گئے۔ پیچھے شہر کی حفاظت کے لیے کوئی فوج تھی نہ خدمات کے لیے کوئی انتظامیہ۔ اس وقت یورپ سے آئے ہوئے کچھ شہزادوں، نوابوں اور سپاہیوں نے رضاکار جماعتوں کی شکل میں خود کو بیت المقدس کی حفاظت کے لیے پیش کر دیا۔ ان میں سے جو عسکری خدمات کے لیے مشہور ہوئے وہ ٹیمپلرز اور جو علاج معالجے اور رفاہی کاموں میں آگے آئے وہ ہاسپٹلرز کہلائے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم بغیر تنخواہ کے شہر کا نظام چلائیں گے۔ یورپ کی حکومتوں نے ان کے ساتھ تعاون کیا اور انہیں بہت مراعات دیں۔ ان کو عموماً نصرانیوں کی مسلح مذہبی رضاکار تنظیمیں سمجھا جاتا رہا اور بڑی حد

[1] الکامل فی التاریخ: تحت 583ھ، کتاب الروضتین: تحت 583ھ

تک یہ بات درست تھی مگر خوفناک سربستہ راز جو دو صدیوں بعد کھلا، یہ تھا کہ ان کی باگ ڈور چند پس پردہ یہودیوں کے ہاتھ میں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان لوگوں نے اپنا ہیڈ کوارٹر بیت المقدس میں مسجدِ اقصیٰ کے پاس وہاں بنایا جہاں یہود ہیکلِ سلیمانی بنانا چاہتے ہیں۔ یہ ہیڈ کوارٹر بظاہر گرجا (Church) تھا لیکن اندر کیا ہو رہا تھا، یہ پادریوں کو بھی دو سو سال بعد معلوم ہوا۔

ان جنونی کارکنوں نے مقدس مقامات کی حفاظت کے عنوان سے الگ فوجیں بنائیں اور پورے شام میں ساحل کے ساتھ ہر پہاڑ پر ایک قلعہ تعمیر کر لیا۔ رفتہ رفتہ یہ فوجیں یورپ کی تمام فوجوں سے زیادہ مضبوط ہو گئیں۔ ان کے سپاہی متعصب عیسائی تھے لیکن ان کے پس پردہ قائدین نے نظام ایسا بنایا تھا کہ منصب کے اعتبار سے ترقی کر کے اوپر آنے والے صرف ایسے متعصب یہودی ہوتے تھے جو شیطان کی پوجا کرتے تھے۔ دو صدیوں تک اس تنظیم کو نصرانی ہی تصور کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ خفیہ طور پر شیطان کے پجاری تھے اور ہم جنس پرستی سمیت تمام شیطانی کاموں کے عادی تھے۔ یہود کی سرشت کے مطابق یہ لوگ سود خوری اور سرمایہ داری میں بھی طاق تھے۔ بڑے بڑے عیسائی بادشاہ ان سے قرضے لیتے اور ان کی تنظیم کی اعزازی رُکنیت اختیار کرتے تھے۔

چھٹی صدی ہجری میں جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے نصرانیوں سے جہاد شروع کیا تو ٹیمپلرز کی یہ خفیہ کارستانیاں دنیا سے مخفی تھیں مگر سلطان صلاح الدین اللہ کی بخشی ہوئی فراست سے دیکھ رہے تھے کہ یہ لوگ عام نصرانی نہیں ہیں بلکہ کفر و سرکشی میں ہر حد سے گزرے ہوئے ہیں۔ اس لیے سلطان نے عام عیسائیوں کے ساتھ تو اچھا سلوک کیا، لیکن ٹیمپلرز اور ہاسپٹلرز کو صفحۂ ہستی سے مٹانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ سلطان ایوبی کے سوا سو سال بعد فرانس کے بادشاہ فلپس چہارم نے ان بدبختوں سے تنگ آ کر ان کے خلاف تحقیقات کروائیں تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ عیسائی نہیں شیطان کی پوجا کرنے والے یہودی ہیں، تب پورے یورپ میں ان پر پابندی عائد کی گئی اور ان کے بہت سے سرکردہ لوگوں کو قتل کیا گیا۔[1]

سلطان کا حیرت انگیز دور اور لائحہ عمل ❁ حطین کے معرکے سے فارغ ہو کر منگل 28 ربیع الثانی (7 جولائی) کو ظہر کے وقت سلطان نے حطین کے گوشے "لوبیا" میں اپنے لشکر کو از سر نو مرتب کیا اور بدھ کو صبح سویرے مغرب کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ بحیرۂ روم کا مشہور ساحلی شہر "عکا" ان کا ہدف تھا۔[2]

یہاں ہم سلطان کی دور اندیشی کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ انہوں نے حطین سے جنوب کی طرف مڑ کر براہِ راست القدس تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی حالانکہ ان کے لئے القدس پر حملے میں کوئی رکاوٹ نہ

[1] ٹیمپلرز۔ ایڈسن پبلکن، ص 16_40 [2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/337

تھی مگر وہ اس سے قبل عقب کو مکمل طور پر محفوظ کر لینا چاہتے تھے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ شام کے شمال اور جنوب میں آباد عیسائی شہروں اور قلعوں کے درمیان رابطہ منقطع کر دیا جائے۔ اس کی صورت یہی ہو سکتی تھی مشرق سے مغرب کی طرف ایک عسکری حصار کھینچ کر فلسطین کو باقی شام سے کاٹ دیا جاتا۔ چنانچہ سلطان نے یہی کیا۔ انہوں نے حطین سے مغرب کی طرف پیش قدمی کر کے ساحل تک دھاوا بولا اور شمالی وجنوبی شام کا رابطہ ختم کر دیا۔ یہ بہت بڑی جنگی چال تھی جسے اہلِ نظر ہی سمجھ سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ سلطان معرکۂ القدس سے پہلے ساحلِ شام کے ان بڑے شہروں کو فتح کرنا ضروری سمجھتے تھے جو آئندہ کی متوقع جنگوں میں نصرانیوں کی جوابی کارروائیوں کے مراکز اور یورپ سے اترنے والی فوج کی ''چھاؤنیاں'' بن سکتے تھے۔ اگر ساحل نصرانیوں کے پاس رہتا تو وہ جلد یا بدیر موقع ملتے ہی القدس پر دوبارہ حملہ کر سکتے تھے مگر اس دوراندیش سپہ سالار نے ایسا محتاط طریقہ اختیار کیا جس کی بناء پر القدس کی بازیافت سے پہلے ہی اس کے تمام اطراف خطرات سے محفوظ ہو گئے۔ سلطان کے اس لائحہ عمل کے نتیجے میں کفار آٹھ صدیوں تک القدس کو اپنے قبضے میں نہ لے سکے۔ فتح القدس کے بعد سلطان ایوبی کی زندگی میں وہ پانچ برس تک ان سے آمادۂ پیکار رہے اور ان کے بعد ان کے جانشینوں سے پون صدی تک لڑتے بھڑتے رہے مگر اپنا مقصد حاصل نہ کر سکے۔ القدس کے گرد اسلامی شہروں کی چوطرفہ دیواریں سربلند اور مجاہدین اسلام کی شمشیریں بے نیام رہیں۔ جب تک مسلمانوں نے خود تلوار نیام میں نہ ڈال دی، کفار اس پر دوبارہ قبضے کی جرأت نہ کر سکے۔

عکا کی فتح ٭ ساحلِ شام کی طرف اس لشکر کشی میں بھی مدینہ منورہ کے امیر قاسم ابن المہنا الحسینی سلطان کے ہم رکاب تھے۔ آخر عکا کی بلند فصیل اور اس پر لہراتے صلیبی پرچم نظر آنے لگے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی افواج مختلف پہاڑیوں سے اتریں اور شہر کا محاصرہ شروع کر دیا۔ کاتب عماد اصفہانی کہتے ہیں:

''فصیل پر مزاحمت کرنے والے جمع ہو چکے تھے مگر ان کے پرچموں کی پھڑپھڑاہٹ بتارہی تھی کہ ان کے دلوں پر کپکپی طاری ہے اور روح پرواز کرنے کو ہے۔'' [1]

سلطان کا خیمہ شہر کے قریب ایک ٹیلے پر نصب کر دیا گیا۔ نشیب میں سلطان کی فوج دور دور تک پھیل گئی۔ یہ بات یقینی تھی کہ شہر والے مزاحمت نہیں کر سکیں گے، اس لیے سلطان کے ارد گرد موجود رفقاء اور امراء بے فکر نظر آرہے تھے۔ تاہم سلطان سنجیدگی سے ان کے درمیان بیٹھے کل اور اس کے بعد کی لڑائیوں کی حکمت عملی پر غور کررہے تھے۔ خاصی دیر وہ سپاہ و افسران کو حوصلہ دلاتے رہے، ان سے

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/338

تجاویز لے کر ان پر بحث کرتے رہے۔ کھلے ماحول میں مشورہ سلطان کی محفلوں کی ایک خصوصیت تھی جس سے ہر معاملے کے اچھے برے پہلو خوب واضح ہو جاتے تھے اور غلطیوں کا امکان کم سے کم رہ جاتا تھا۔ سلطان کے بعض رفقاء انہیں عسکری امور کے بارے میں مشورہ دے رہے تھے، بعض ان سے عہدِ وفاداری کی تجدید کر رہے تھے، کچھ انہیں دعائیں دے کر اظہارِ محبت کر رہے تھے۔ کچھ انہیں مزید فتوحات کی خوشخبری دے رہے تھے۔ [1]

اگلے دن جمعرات کو سلطان ایوبی گھوڑے پر سوار ہو کر فوج کے ساتھ فصیلِ شہر کی طرف بڑھے اور صفیں آراستہ کر دیں۔ اردگرد کے ٹیلوں پر بھی مسلمان سپاہی نظر آ رہے تھے، عکا کے باشندوں میں مزاحمت کی قوت نہیں تھی، وہ امان طلب کرتے ہوئے شہر سے باہر نکل آئے۔ انہیں اندیشہ تھا کہ مسلمان ان کے خون سے ضرور ہاتھ رنگیں گے مگر سلطان کا عفو و کرم دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔ سلطان نے عیسائی عوام کو جان و مال کے تحفظ کا یقین دلایا اور اجازت دی کہ جو لوگ شہر میں رہنا چاہتے ہیں خوشی سے رہیں اور جو کہیں اور منتقل ہونا چاہتے ہیں امن و امان سے چلے جائیں۔ وہ جو کچھ ساتھ لے جا سکتے ہیں وہ بھی لے جائیں۔ البتہ جو وہ چھوڑ جائیں گے وہ مسلمانوں کا ہوگا۔

سلطان کی اس فراخدلانہ پیش کش کے بعد عکا کی اکثر آبادی نے قریبی عیسائی ریاستوں میں نقل مکانی کو ترجیح دی، وہ زیادہ تر قیمتی ساز و سامان اور سونا چاندی لے گئے، تاہم جو کچھ شہر میں رہ گیا تھا، وہ بھی کم نہیں تھا۔

اب سلطان کے سپاہی شہر میں داخل ہوئے، ان کے سپاہیوں نے ہر محلے میں نیزے گاڑ کر فصیلوں پر اسلامی پرچم نصب کر دیے۔ سلطان نے شہر کی ولایت اپنے بڑے بیٹے الملک الافضل کو سونپ دی۔ شہر میں اب بھی اجناس کی شکل میں بے حساب دولت تھی۔ یہ شہر مقامی نصرانیوں اور یورپ کے تاجروں کا اہم تجارتی و اقتصادی مرکز تھا، ان تاجروں نے بازار کی مندی کے باعث اموالِ تجارت کے بے پناہ ذخائر یہاں جمع کر رکھے تھے، اس کے ساتھ ساتھ یہ شہر ٹیمپلرز کے ان جنگجوؤں کا بڑا گڑھ تھا جو حطین کی جنگ میں مارے گئے تھے۔ ان کی جائدادیں جو یہاں رہ گئی تھیں سلطان نے فقیہ عیسیٰ کے نام کر دیں۔ اس کے ساتھ ہی فقیہ کو شہر کے تمام سرکاری ذخیروں، گوداموں اور اثاثوں کو تحویل میں لینے اور مدفون ذخائر و خزائن کی تلاش کا حکم دیا۔

اس سرگرمی کے نتیجے میں عکا سے سونے چاندی، جواہر، اسلحے، شکر، اناج اور دیگر ساز و سامان کے

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/339

اتنے ذخائر ہاتھ لگے کہ فوج کے غریب سپاہی بھی مالدار ہو گئے۔ الملک الافضل کی سخاوت طبع کے باعث یہ ذخائر سپاہیوں ہی میں تقسیم کر دیے گئے تھے۔ غالباً انہیں یہ رخصت بھی دے دی گئی تھی کہ ان کے ہاتھ جو لگے وہ اسے اپنی ملکیت میں لے سکتے ہیں۔

شیخ عماد اصفہانی اس قدر سخاوت کو غیر مناسب قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اس مال و دولت کو فوج میں تقسیم کرنے کی بجائے بیت المال کے لیے محفوظ کر لیا جاتا تو سلطنت کے اہم امور اور ناگہانی مسائل میں یہ سرمایہ بہت کام دے سکتا تھا۔[1]

بہر حال یہ فیصلہ اس لحاظ سے ٹھیک تھا کہ مسلسل جنگوں اور مہمات کے تھکے ہارے سپاہیوں میں اس کرم نوازی نے ایک نئی جان ڈال دی۔ عکا سے چار ہزار کے لگ بھگ مسلمان قیدی بھی بازیاب کرائے گئے تھے، ان کے چہرے قید و بند کی اذیتوں سے جھلسے ہوئے تھے مگر آزاد ہو کر دارالکفر کو دارالاسلام میں بدلتا دیکھنے کے بعد وہ ہر غم اور صدمے کو بھول چکے تھے۔[2]

جمعہ یکم جمادی الاولیٰ 583ھ (9 جولائی 1187ء) کو سلطان فاتحانہ انداز میں عکا میں داخل ہوئے۔ اسی دن سلطان کے وزیر اعظم قاضی فاضل بھی دمشق سے یہاں پہنچ گئے تھے۔ شہر کی قدیم جامع مسجد جسے نصرانیوں نے گرجا بنا لیا تھا، ایک بار پھر سجدوں سے آباد ہوئی۔ یہاں منبر نصب کیا گیا اور فقیہ جمال الدین عبداللطیف نے خطبہ دیا۔ سلطان نے ان کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا کی۔ نصرانیوں کے قبضے سے لے کر اس وقت تک 90 برس میں یہ پہلی نماز جمعہ تھی جو شام کے ساحلی شہروں میں ادا کی گئی تھی۔ سلطان نے عکا کی قضا اور خطابت کے مناصب فقیہ جمال الدین کے سپرد کر دیے۔[3]

<u>الملک العادل کی آمد</u>: سلطان نے عکا میں چند دن قیام کے بعد کوچ کر دیا، اس دوران فتح حطین کی خوشخبری مصر پہنچ چکی تھی، سلطان نے اپنے بھائی الملک العادل کو فی الفور شام کی طرف یلغار کرتے ہوئے شام و مصر کی سرحد پر واقع عیسائی قلعوں کے محاصرے کا حکم دے دیا تھا۔ الملک العادل کے سپاہیوں کا ایک بڑا حصہ اس مہم کے آغاز ہی سے شام آکر سلطان کے پرچم تلے لڑ رہا تھا۔ اب سلطان کا حکم ملتے ہی الملک العادل باقی ماندہ فوج کے ساتھ مصر کی جانب سے نصرانیوں کی سرحدی علاقوں پر ٹوٹ پڑا اور نصرانیوں کا اہم قلعہ ''مجدل یابا'' فتح کر لیا۔ سلطان کو یہ خوشخبری ملی تو انہوں نے الملک العادل کو تاکید کی کہ وہ شام و مصر کی سرحد پر پڑاؤ ڈال دے اور وہاں مصر سے مزید سپاہیوں اور رضا کار

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: تحت 583ھ فصل فی فتح عکا
[2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: تحت 583ھ فصل فی فتح عکا
[3] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: تحت 583ھ فصل فی فتح عکا

مجاہدین کو جمع کرے۔ "مجدل یابا" کے بعد العادل نے نصرانیوں کے اہم ساحلی شہر یافا پر حملہ کیا اور اسے بزورِ شمشیر فتح کر کے عیسائی مردوں اور عورتوں کی بہت بڑی تعداد کو قیدی بنالیا۔

اب سلطان کے لیے القدس تک راستہ بالکل ہموار تھا۔ حطین کے معرکے میں بڑے بڑے عیسائی جرنیلوں کے قتل اور گرفتاری سے ان کی قیادت کا صفایا ہو چکا تھا لہٰذا کوئی ایسا قائد دور دور تک نظر نہیں آتا تھا جو نصرانیوں کو حوصلہ دلاتا یا انہیں مجتمع کرتا۔ ویسے بھی حطین میں شام کے نصرانیوں کی طاقت کا جنازہ نکلنے کے بعد نصرانیوں کے قلعوں اور شہروں میں صرف وہی سپاہی رہ گئے تھے جو حفاظتی امور پر مقرر تھے۔ عکا اور یافا کی فتح کے بعد اکثر عیسائی صلح کو ترجیح دے رہے تھے لہٰذا سلطان کو کسی جوابی حملے کا خطرہ نہیں تھا۔

سلطان صلاح الدین عکا سے آگے بڑھے تو ان کا لشکر ایک سیلاب کی طرح راہ میں آنے والے ہر قلعے، فصیل اور شہر کو اپنی لپیٹ میں لیتا چلا گیا۔ مہینوں کی فتوحات دنوں میں حاصل ہوتی چلی گئیں، اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ہر ہر قدم پر شاملِ حال نظر آتی رہی، دشمنانِ اسلام کے دلوں پر مجاہدینِ اسلام کا رعب و دبدبہ بیٹھ گیا تھا۔

نصرانیوں میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں تھی جو اپنے حکمرانوں کے ظلم و تشدد سے نالاں تھے، غریبوں کی اکثریت حکام کے جبر و جور تلے پستی چلی آرہی تھی۔ یہ لوگ ایک وقتی جوش کے تحت مسلمانوں کی مخالفت میں اپنے حکمرانوں کے گرد جمع ہو گئے تھے مگر اب وہ مسلمانوں کے اس حسنِ سلوک کا مظاہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے جس کی متعصب عیسائی معاشرے میں کہیں مثال نہیں ملتی۔ ان علاقوں میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان بھی آباد تھے۔ ساڑھے پانچ صدیوں تک یہ علاقے ان کے رہے تھے مگر گزشتہ 90 سالوں سے وہ نصرانیوں کے ماتحت تھے۔ سقوطِ القدس کے بعد ان کی تیسری نسل نصرانیوں کی غلامی میں تھی۔ یہ لوگ اس امید پر زندہ تھے کہ کبھی ان کے مسلمان بھائی آکر انہیں کفار کی غلامی سے آزاد کرائیں گے۔ سلطان کی فاتحانہ آمد پر ان بے کسوں کی مسرت و سرشاری دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ یہ ان کی زندگی کے سب سے مسرت انگیز دن تھے جب وہ اہلِ تثلیث کی غلامی سے آزاد ہو کر توحید کے پرچم تلے جمع ہو رہے تھے۔ ①

<u>فتوحات ہی فتوحات</u> ❊ عکا سے اگلے قدم پر سلطان نے اپنے لشکر کو مختلف ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ مسلمان الگ الگ راستوں سے یلغار کرتے ہوئے ہر فصیل بند بستی اور شہر پر قبضہ کرتے چلے گئے، ہر فتح میں مالِ غنیمت کے انبار لگ رہے تھے، جنگی قیدیوں کی قطاریں چلی آرہی تھیں۔ "خولہ" "میمیل (وادیہ)

① کتاب الروضتین: حوادث 583ھ فصل فی فتح یافا

کے جنگجوؤں کا اہم قلعہ تھا، انہوں نے قلعے سے نکل کر سلطان کے سپاہیوں کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور سب کے سب مارے گئے۔ صرف ان کے غلاموں اور نچلے طبقے کے ماتحت لوگوں کو زندہ چھوڑا گیا۔

عکا اور طبریہ کے نواح میں بیسان، دبوریہ، جنین، طور، زرعین، اللجون، القیمون، الزیب، معلیا، الہبیہ، متوات اور اسکندرونہ جیسے قلعے دیکھتے ہی دیکھتے فتح ہو گئے۔ سلطان کے مایہ ناز جرنیل تقی الدین عمر نے ''تبنین'' اور ''صور'' کی ناکہ بندی کر کے وہاں سے فرنگیوں کی کمک اور رسد کا راستہ مسدود کر دیا۔ مغوریہ جیسے اہم شہر کو جس کے باہر حطین کے صلیبی لشکر کی چھاؤنی تھی، نصرانیوں نے سلطان کے خوف سے ازخود خالی کر دیا۔ ادھر مظفر الدین کوکبری ناصرہ پر حملہ آور ہوا اور اسے فتح کر لیا۔[1]

فلسطین کی فتح: سلطان کے دو اور سالاروں بدرالدین دلدرم اور غرس الدین قلیج نے فلسطین تک یلغار کی اور ساحلی شہر قیساریہ پر آن کی آن میں قبضہ کر لیا۔ حیفا اور ارسوف جیسے آباد اور دولت مند شہر بھی کسی پس و پیش کے بغیر ان کے آگے سرنگوں ہو گئے۔

سلطان کا بھانجا حسام الدین فلسطین کے اہم شہر نابلس کو فتح کرنے پر مامور تھا جس کی اکثر آبادی مسلمان تھی۔ اسے خود نابلس کے مقامی مسلمانوں نے بلایا تھا۔ جب یہاں کی عیسائی آبادی کو مسلمانوں کی پے در پے فتوحات کا علم ہوا تو ایک کہرام مچ گیا اور انہیں مسلم اکثریت والے اپنے شہر میں رہنا خطرناک محسوس ہوا، چنانچہ اکثر عیسائی شہر چھوڑ کر چلے گئے جبکہ بہت سے عیسائی مقامی فوج کے ساتھ قلعے میں محصور ہو گئے۔ مقامی مسلمانوں نے اس افراتفری سے فائدہ اٹھایا اور مفرور نصرانیوں کے مال و متاع اور جانوروں پر قبضہ کر لیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے قلعے کی ناکہ بندی بھی کر لی اور سلطان ایوبی کو فوری پیغام بھیجا کہ وہ حسام الدین کو یہاں بھیج دیں کیونکہ مقامی مسلمانوں میں اس نوجوان کے کارناموں کی خاصی شہرت حاصل تھی۔

حسام الدین اپنے لشکر کے ساتھ نابلس کی طرف بڑھا تو پہلے ''سبسطیہ'' نامی بستی سے گزرا۔ یہ بستی حضرت زکریا علیہ السلام کی شہادت گاہ کی حیثیت سے مشہور ہے۔ یہ مقام اسلامی دور میں بھی غیر معمولی شرف واحترام کا حامل اور معروف زیارت گاہ تھا مگر نصرانیوں نے اپنے دور حکومت میں یہاں ایک بہت بڑا گرجا بنا لیا تھا۔ شہادت گاہ کو خوبصورت پردوں اور سونے چاندی کی جالیوں سے آراستہ کر دیا تھا۔ عیسائی دور دور سے اس کی زیارت کے لیے آتے تھے۔ پادریوں کی طرف سے پابندی تھی کہ ہر زائر کوئی نہ کوئی قیمتی ہدیہ پیش کرے، اس طرح یہ زیارت گاہ ان کے لیے آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ بن گئی تھی۔

حسام الدین یہاں پہنچا تو اس زیارت گاہ کو نصرانیوں کی تحویل سے لے کر اس کے اصل وارثوں کے

[1] صلاح الدین ایوبی، تحت 583ھ فصل فی فتح نابلس

سپرد کردیا۔ شہادت گاہ کو زیارت کے لیے عام کھول دیا گیا اور عمارت میں قبلہ رخ محراب بنا کر نماز کا اہتمام شروع کیا گیا۔

اس کے بعد حسام الدین نابلس کی طرف بڑھا۔ شہر کے دروازے کھلے تھے، عیسائی فوج قلعے میں پناہ گزیں تھی، حسام الدین نے محاصرہ کیا تو انہوں نے جان کی امان پر ہتھیار ڈال دیے۔ حسام الدین نے جان بخشی کے ساتھ ساتھ ان کی جائیداد اور مال و دولت سے بھی کوئی سروکار نہ رکھا۔ سلطان صلاح الدین نے نابلس اور اس کے نواحی قلعوں اور بستیوں کو جاگیر کے طور پر حسام الدین کے نام کردیا۔ مرتے دم تک حسام الدین یہاں کا جاگیردار رہا۔ [1]

<u>تبنین کی فتح</u>:- ادھر تقی الدین عمر نے آگے بڑھ کر دمشق اور صور کے درمیان واقع تبنین کا محاصرہ کرلیا تھا، یہ مضبوط قلعہ ایک پہاڑ پر واقع تھا اور اسے فتح کرنا آسان نہ تھا۔ قاضی ابن شداد کے بقول یہاں کے لوگ بڑے دلیر، جنگجو اور کٹر مذہب پرست تھے، اس لیے شدید مزاحمت کررہے تھے۔ تقی الدین عمر نے فوراً اندازہ لگالیا کہ مسلمانوں کی طوفانی فتوحات کا ریلا یہاں آکر تھم سکتا ہے اور اگر ایسا ہوا تو نصرانیوں کو تیاری کا موقع مل جائے گا۔ اس نے بلاتاخیر سلطان کو مراسلہ بھیج کر بذاتِ خود اس محاذ پر آنے کی ضرورت کا احساس دلایا، سلطان نے مراسلہ ملتے ہی 8 جمادی الاولیٰ 583ھ کو تبنین کی طرف کوچ کیا اور تین دن کے سفر کے بعد 11 جمادی الاولیٰ (19 جولائی) کو اپنی زیر کمان فوج کے ساتھ محاذ پر پہنچ گئے۔ اب سخت ترین محاصرہ اور بھرپور حملہ شروع ہوا۔ سلطان ایوبی کی بذاتِ خود آمد نے اہل قلعہ پر دہشت طاری کردی تھی انہوں نے جنگ کی شدت کم کرانے اور مسلمانوں کو نرمانے کے لیے اپنے قید خانے سے 100 مسلمان قیدیوں کو رہا کرکے سلطان کی خدمت میں بھیج دیا۔ دراصل انہیں یقین تھا کہ آج نہیں تو کل قلعہ بزورِ شمشیر فتح کرلیا جائے گا اور تب جان کی امان ملنا بھی یقینی نہ ہوگا۔ قیدیوں کی رہائی سلطان کے لیے خوشی کا باعث بنی، انہوں نے ان کو اپنے پاس بلوایا، انہیں نیا لباس اور زادِ راہ دیا تاکہ وہ سہولت سے اپنے ملکوں اور گھروں تک پہنچ جائیں۔ پانچ دن بعد محصور نصرانیوں کی ہمت بالکل جواب دے گئی۔ انہوں نے سلطان سے نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کیا اور جان کی امان کی شرط پر پانچ دن کے اندر ہتھیار ڈالنا اور شہر خالی کرنا قبول کرلیا۔ سلطان نے انہیں مہلت دے دی۔ طے یہ ہوا کہ عیسائی اپنے اسلحے، مویشی اور دولت کو یہیں چھوڑ جائیں گے اور مسلمان انہیں آرام سے نکلنے کا موقع دیں گے۔ <u>پانچ دن تک عیسائی نقل مکانی کرتے رہے۔</u> جب شہر خالی ہوگیا تو سلطان نے ان بے گھر

[1] کتاب الروضتین: حوادث 583ھ فصل فی فتح نابلس

نصرانیوں کا اتنا لحاظ کیا کہ انہیں محافظ سپاہیوں کی نگرانی میں سہولت کے ساتھ "صور" پہنچا دیا جو ایک بڑا ساحلی شہر تھا جہاں وہ اطمینان سے رہ سکتے تھے۔ [1]...... 18 جمادی الاولیٰ کو سلطانی لشکر فاتحانہ شان سے تبنین میں داخل ہو گیا۔

صیدا اور بیروت ❁ سلطان کا اگلا ہدف مشہور ساحلی شہر، صیدا تھا۔ سلطان نے اس پر حملے کے لیے شمال کی طرف یلغار کی، راستے میں پھولوں اور پھلوں سے لدا ہوا سرسبز و شاداب شہر "صرفند" کسی لڑائی کے بغیر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ 20 جمادی الاولیٰ 583ھ کو سلطان "صیدا" کی فصیل کے سامنے کھڑے تھے۔ شہر کی دوسری جانب بحیرۂ روم تھا جس کی لہروں کو چھو کر آنے والی ٹھنڈی ہوائیں اسلامی لشکر کا استقبال کر رہی تھیں۔ شہر کا حاکم گھبرا کر فرار ہو گیا تھا اور مسلمانوں سے مزاحمت کے لیے کوئی طاقت سامنے نہ تھی۔ چنانچہ اگلے دن یعنی بدھ 21 جمادی الاولیٰ (29 جولائی) کو علی الصبح شہر کے معززین نے حاضر ہو کر شہر کی چابیاں خدمتِ سلطانی میں پیش کر دیں۔ لشکرِ اسلام کا نارنجی جھنڈا صیدا کی بلند فصیل اور برجوں پر لہرا دیا گیا۔ سلطان ایوبی نے یہاں بالکل قیام نہ کیا اور فوراً شمال کی طرف ساحل کے ساتھ ساتھ مزید آگے بڑھے اور ایک دن رات میں صیدا سے بیروت پہنچ گئے جو علامہ ابن اثیر کے بقول شام کے ساحلی شہروں میں سب سے مستحکم، پاک صاف، پر رونق اور خوبصورت شہر تھا۔ اس شہر کی فصیل آسمان سے باتیں کر رہی تھی جس پر مسلح افراد کے سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔ ان کا ہتھیار ڈالنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ انہیں اپنی قوت اور شہر کے مضبوط دفاعی نظام پر بھروسہ تھا اور یہ کچھ ایسا غلط بھی نہ تھا۔ کئی سال پہلے ایک بار اس شہر پر سلطان کی فوج کشی ناکام ہو چکی تھی تاہم اس بار سلطان کے تیور مختلف تھے۔ انہوں نے شہر پر پے در پے حملے شروع کیے، اہلِ شہر دفاعی لڑائی لڑتے رہے مگر وہ سلطان کا عزم تبدیل نہ کر سکے۔ زبردست جنگ جاری رہی۔ سلطان کسی وقفے کے بغیر ایک کے بعد ایک دستے کو حملے کے لیے آگے بڑھاتے رہے۔

ایک ہفتے تک یہ سلسلہ چلتا رہا، محصورین ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے مگر آٹھویں دن جنگ کے دوران یہ افواہ پھیل گئی کہ مسلمان ایک جانب سے شہر پر قابض ہو گئے ہیں۔ ممکن ہے یہ افواہ مسلمانوں نے ہی پھیلائی ہو کیوں کہ عین اس وقت جبکہ عیسائی بے خبر ہو رہے تھے، شہر کے ایک گوشے سے زبردست نعروں، شور شرابے اور چیخ و پکار کی آوازیں آ رہی تھیں۔ نصرانیوں کے حواس جواب دے گئے تاہم ان کے چند ہوش مند افراد نے خبر کی تصدیق کے لیے مخبروں کو اس جانب روانہ کیا، انہوں نے واپس آ کر بتایا

[1] الکامل فی التاریخ: تحت 583ھ، کتاب الروضتین: تحت 583ھ فصل فی فتح تبنین

کہ خبر جھوٹی ہے۔ شہر کا ہر گوشہ محفوظ ہے۔ مگر اتنی دیر میں افواہ ہر طرف پھیل چکی تھی، بدحواسی میں عیسائی ایک دوسرے سے الجھ رہے تھے اور ہتھیار ڈالنے یا نہ ڈالنے کے اختلاف سے خود ان کے درمیان تلوار چلنے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا، یہ دیکھ کر شہر کے عمائد نے شہر سلطان کے حوالے کر دینے ہی میں عافیت سمجھی۔ [1] ...... یہ واقعہ جمعرات 29 جمادی الاولیٰ 583ھ (6/اگست 1187ء) کا ہے۔ سلطان کے کاتب عماد اصفہانی نے جوان دنوں بیمار پڑ گئے تھے، صلح بیروت کا مسودہ تحریر کیا اور سلطان نے انھیں رخصت دے کر علاج کے لیے دمشق واپس بھیج دیا۔ [2]

بیروت کے محاصرے کے دوران ہی ''جبیل'' بھی فتح ہو گیا تھا۔ ہوا یہ کہ جبیل کے حاکم ''اوک'' نے جو حطین کی لڑائی میں گرفتار ہو کر دمشق کے قید خانے میں زندگی بسر کر رہا تھا، مسلمانوں کو پیش کش کی کہ اگر اسے آزاد کر دیا جائے تو وہ جبیل ان کے حوالے کرا دے گا۔ یہ پیش کش سلطان کو پہنچی تو اسے دمشق کی جیل سے بلوا لیا۔ بیروت کے محاصرے کے دوران یہ سخت پہرے میں سلطان کی خدمت میں لایا گیا۔ سلطان نے اس سے براہ راست بات چیت کی اور پھر اپنے نمائندے جبیل بھیج کر شہر کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ پھر حاکم کو وعدے کے مطابق رہا کر دیا گیا۔

صیدا، بیروت اور جبیل مسلم اکثریتی شہر تھے۔ ان کی فتح نے مقامی مسلمانوں کو جو 90 سال سے ذلت و مسکنت کی زندگی گزار رہے تھے از سر نو عزت بخشی۔ غلامی سے آزادی کے بعد اب وہ ایک نئی صبح کا نظارہ کر رہے تھے جس میں مسلمانوں کی عظمت کا آفتاب ایک بار پھر بلندی کی طرف جا رہا تھا۔ [3]

صور کا قضیہ ❊ شام کے ساحلی شہروں میں اب صرف صور اور عسقلان باقی رہ گئے تھے جو نصرانیوں کی مدافعانہ سرگرمیوں کے مراکز اور یورپ سے آنے والی افواج کے لیے محفوظ چھاؤنی ثابت ہو سکتے تھے۔ بچے کھچے زیادہ تر عیسائی ہر طرف سے سٹ کر صور میں جمع ہو رہے تھے جو سمندر کے اندر ایک جزیرہ نما کی طرح تھا اور اس کی فصیل بھی غیر معمولی طور پر وسیع اور بلند تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی جو القدس پر فیصلہ کن حملے سے پہلے ساحل کے تمام عیسائی مورچوں کو مسمار کرنا ضروری سمجھتے تھے ''صور'' کی اہمیت سے بخوبی واقف تھے مگر اس کے جغرافیائی استحکام کے پیش نظر جانتے تھے کہ یہاں قبضہ کرنے میں زیادہ وقت صرف ہو سکتا ہے لہٰذا پہلے وہ اردگرد کے ساحلی شہر فتح کرتے رہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ صور اپنی بہترین حفاظتی فصیل اور مضبوط قلعے کے باوجود کسی مرتب پیشہ ور فوج اور قائد سے خالی ہے۔

---

[1] الکامل فی التاریخ: تحت 583ھ

[2] الکامل فی التاریخ: تحت 583ھ، کتاب الروضتین: تحت 583ھ، فصل فی فتح صیدا و بیروت

[3] الکامل فی التاریخ: تحت 583ھ، کتاب الروضتین: تحت 583ھ، فصل فی فتح صیدا و بیروت

یہاں صرف پناہ گزین تھے یا لٹے پٹے شکست خوردہ سپاہی۔ یہ صور کی کب تک حفاظت کر سکتے تھے۔اس لیےاس کی مہم مؤخر کرنے میں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ بہر کیف جمادی الاولیٰ 583ھ کے اختتام تک سلطان کی سپاہ صور کے دائیں بائیں پوری ساحلی پٹی پر قابض ہو چکی تھی اور اب ان کا اگلا ہدف لازماً صور ہی تھا۔ [1]

کونرڈ مارکوئیس عکا کے ساحل پر: مگر سلطان ایوبی کے صور پر حملے سے پہلے اچانک وہ ہو گیا جس کی کسی کو توقع نہ تھی۔ایک جنگجو سالار اپنے سپاہیوں کے ساتھ اچانک ساحل پر آ نکلا اور اس نے صور کو مسلمانوں کے ہاتھوں میں جانے سے بچالیا۔ اس کا نام کونرڈ تھا۔ وہ نواب مانسٹریٹ، مارکوئیس کا بیٹا تھا۔ تاریخ میں وہ کونرڈ مارکوئیس آف مونٹ فرٹ یا مارکوئیس آف مانسٹریٹ کے لقب سے مشہور ہوا۔ عرب مؤرخین اسے مرکیس یا مرکیش کہتے ہیں حالانکہ مارکیس اس کے باپ کا نام تھا۔ کونرڈ ایک خودغرض انسان اور مکار جنگجو تھا۔ یورپی مؤرخ کہتے ہیں کہ بہادری کے سوا اس میں کوئی خوبی نہ تھی۔ اس کا تعلق قسطنطنیہ کی بازنطینی سلطنت سے تھا۔اٹلی کے خلاف جنگوں میں اس نے بڑی شہرت پائی تھی۔ پھر وہ قیصر آئزک دی اینجل (اسحٰق فرشتہ صفت) کا بہنوئی بن گیا۔ اس کا باپ مارکوئیس جو شام میں مسلمانوں سے مذہبی لڑائیوں میں بڑے جوش و جذبے سے شریک رہتا تھا کچھ دنوں پہلے حطین کے معرکے میں گرفتار ہو چکا تھا مگر کونرڈ مارکوئیس کو اپنے باپ کی گرفتاری کا علم نہ تھا۔ وہ اپنے ملک میں سیاسی داؤ کھیل کر کوئی بڑا ہاتھ مارنے کی کوشش کرتا رہا پھر ناکامیوں سے تنگ آ کر اس نے قسطنطنیہ چھوڑ دیا۔ اب وہ القدس کی زیارت کے لیے شام آرہا تھا۔اس کے ساتھ ساتھ وہ تجارت کے ذریعے مال و دولت بھی کمانا چاہتا تھا، چنانچہ جب وہ شام روانہ ہوا تو تجارتی سامان کے انبار اس کے بیڑے پر لدے تھے۔کونرڈ کے ساتھ زائرین کے علاوہ پیشہ ور سپاہی بھی تھے۔

یہ لوگ کسی جنگی مہم پر نہیں نکلے تھے مگر کونرڈ کو معلوم تھا کہ شام میں سلطان صلاح الدین کا نام عیسائی ریاستوں کے خاتمے کا عنوان بن چکا ہے لہٰذا وہ اپنے ہم مذہبوں کی مدافعت کے لیے فکر مند بھی تھا۔ البتہ ساحل تک پہنچتے پہنچتے اسے یہ علم نہیں تھا کہ سلطان کی حالیہ فوج کشی نے ساحل کا سیاسی جغرافیہ کتنا تبدیل کر دیا ہے۔وہ عیسائی امراء کے دستور کے مطابق پہلے القدس کی زیارت کرنا چاہتا تھا۔اس لیے بیڑے کو عکا کے ساحل پر لے آیا۔شامی نصرانیوں کی عادت تھی کہ وہ یورپ سے آنے والے سپاہیوں، تاجروں اور زائرین یروشلم کا بگل اور نقارے بجا کر ساحل پر بڑی گرم جوشی سے استقبال کرتے تھے مگر جب کونرڈ کا بیڑا عکا کے ساحل پر لنگر انداز ہوا تو اس کے استقبال کے لیے کوئی نہ نکلا۔ جو لوگ ساحل پر

[1] مرجع

نظر آ رہے تھے ان کی وضع قطع بھی الگ تھی۔ گرجوں کی گھنٹیاں بھی خاموش تھیں۔ یہ دیکھ کر کونرڈ کا ماتھا ٹھنکا۔ تاہم وہ حقیقتِ حال سے واقف نہ ہو سکا۔ ادھر عکا میں سلطان کے نائب الملک الافضل نے بندرگاہ کے پاس غیر ملکی جہاز لنگر انداز دیکھا تو اس کی خبر لینے آدمی بھیجے جو کشتی میں بیٹھ کر جہاز تک پہنچے اور کونرڈ سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ کونرڈ نے اپنا تعارف کرانے کے بعد ان سے عکا میں خلافِ معمول خاموشی کی وجہ پوچھی۔ مسلمانوں نے بتایا کہ حطین کے میدان میں عیسائی شکست فاش کھا چکے ہیں۔ شاہ یروشلم اور بڑے بڑے صلیبی امراء دمشق کے قید خانے میں ہیں، عسقلان اور صور کے سوا تمام ساحلی پٹی پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ عکا بھی ان کے پاس ہے اور اب وہ القدس پر حملہ کرنے والے ہیں۔

الملک الافضل کے اہلکار جب ایک غیر ملکی کو یہ حقائق صاف صاف بتا رہے تھے تو انہیں اس بات کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ ان کی صاف گوئی کا نتیجہ کتنا خطرناک نکلے گا۔ وہ اس جہاز کو ایک عام تجارتی جہاز اور کونرڈ کو محض ایک تاجر سمجھ رہے تھے۔ شاید اس بے احتیاطی کے پیچھے اپنی فتوحات کا کچھ زعم بھی کارفرما ہوگا، تب ہی وہ کسی غیر ملکی کے ساتھ ایسی بے فکری برت رہے تھے۔

مگر کونرڈ کوئی عام آدمی نہیں تھا۔ اس نے حالات کی نزاکت کا اندازہ لگا کر فیصلہ کر لیا کہ اسے فوراً لنگر اٹھا کر یہاں سے قریب تر عیسائی شہر صور پہنچنا چاہیے۔ مگر خاصی دیر سے سمندری ہوا رکی ہوئی تھی۔ ایسے میں بادبان کام نہیں دے سکتے تھے لہٰذا سفر ممکن نہ تھا۔ کونرڈ یہ بھی جانتا تھا کہ بندرگاہ پر اترنے میں اس کا تذبذب مسلمانوں کو چوکنا کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے نمائندوں کے ذریعے الملک الافضل سے بات چیت جاری رکھی اور ساتھ ساتھ سمندری ہوا کے چلنے کا انتظار کرتا رہا۔

بات چیت کے پہلے مرحلے میں اس کے قاصد نے الملک الافضل سے مال و متاع سمیت شہر میں داخلے کی اجازت اور امن و امان کی ضمانت طلب کی۔ الملک الافضل کی جانب سے مثبت جواب ملا۔ کونرڈ نے اس پر خواہ مخواہ شک کا اظہار کرتے ہوئے کہلوایا کہ وہ الملک الافضل کے ہاتھ کی تحریری ضمانت کے سوا کسی بات پر یقین نہیں کرے گا۔ اس طرح وہ وقت گزاری کے لیے مختلف ضمانتیں طلب کرتا رہا۔ الملک الافضل ان پر غور کر کے اپنا جواب بھیجتا رہا۔ اس کی جگہ اگر یہاں تقی الدین عمر یا الملک العادل ہوتے تو ضرور چونک کر فرنگی جہاز کی نگرانی شروع کرا دیتے مگر سادہ مزاج اور پرجوش الافضل کو دیر تک کوئی شک و شبہ نہ ہوا۔ ابھی نامہ و پیام کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ سمندری ہوا چل پڑی۔ کونرڈ نے فوراً لنگر اٹھوایا، بادبان کھلوائے اور اپنے بیڑے کا رخ صور کی طرف پھیر دیا۔ الملک الافضل کو اطلاع ہوئی تو جنگی کشتیاں

تو تب میں روانہ کیں مگر اب دیر ہو چکی تھی۔ کونرڈ ہاتھ نہ آیا اور بحفاظت صور کی بندرگاہ پر اتر گیا۔ •

ادھر سلطان صلاح الدین خشکی کی جانب سے صور کا محاصرہ کر چکے تھے۔ اس گنجان شہر میں اگرچہ ہزاروں مسلح لوگ موجود تھے مگر کسی قائد کی عدم موجودگی میں وہ مزاحمت سے مایوس تھے اور سلطان سے رابطہ کر کے شہر حوالے کرنے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ جب کونرڈ اپنے جہاز کے ساتھ وہاں اترا تو ان میں زندگی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے بڑی گرم جوشی سے اس نامور سپاہی کا خیر مقدم کیا۔ صور میں شام کے ان کئی شہروں اور درجنوں دیہاتوں کے پناہ گزین جمع تھے جنہیں سلطان نے حال ہی میں فتح کیا تھا اور پھر فراخ دلی کے ساتھ عیسائیوں کو وہیں بسے رہنے یا کسی اور شہر چلے جانے کی اجازت دی تھی۔ ان کی اکثریت نے صور کو ترجیح دی تھی اور سلطان نے انہیں ان کے مال و اسباب سمیت بحفاظت صور پہنچانے کا حکم بھی دیا تھا۔ اب یہی احسان فراموش لوگ کونرڈ کے گرد جمع ہو کر سلطان کے خلاف لڑنے پر تل گئے۔

کونرڈ نے اہل شہر کو یقین دلایا کہ وہ ان کی حفاظت کر کے دکھائے گا تاہم اس نے یہ شرط عائد کی کہ صور اور اس کے نواحی اضلاع کا حاکم وہی ہوگا۔ لوگوں نے اسے بخوشی قبول کر لیا۔ کونرڈ نے اپنا تجارتی سرمایہ شہر کے دفاعی انتظامات اور لوگوں کی ضروریات پر صرف کر دیا۔ شہر کی خندقیں دوبارہ گہری کر کے کھودی گئیں۔ فصیل کی مرمت کا کام شروع ہوا اور اسے پہلے سے زیادہ مضبوط کر دیا گیا۔ سلطان ایوبی نے محصورین کا تازہ جوش و خروش دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ اب اس شہر کی فتح میں کئی ماہ بیت سکتے ہیں جبکہ اس مدت میں دوسرے اہم ترین ساحلی شہر عسقلان پر قبضہ کیا جا سکتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان ایوبی کو القدس کی جنگ میں یورپی طاقتوں کی طرف سے مداخلت کا شدید خدشہ لاحق تھا۔ صور میں کونرڈ کی مورچہ بندی کے بعد یہ خطرہ مزید قوی ہو گیا تھا۔ آخر سلطان نے صور کے محاصرے میں مزید وقت ضائع نہ کرنے پر غور شروع کر دیا، اس لیے کہ اگر محاصرہ طویل ہو جاتا تو اتنے میں یورپ کی افواج صور پہنچ جاتیں اور بیت المقدس کی فتح کا مسئلہ مہینوں بلکہ سالوں تک ملتوی ہو سکتا تھا۔ خاص کر اگر مسلمانوں کو صور کے محاذ پر شکست ہو جاتی تو یورپی طاقتیں آگے بڑھ کر القدس کے گرد ایسی مزاحمتی دیواریں کھڑی کر دیتیں جنہیں گرانا شاید ممکن نہ ہوتا۔ صور کا محاصرہ ترک کرنے کی کچھ اور وجوہ بھی تھیں مثلاً سپاہیوں کی تکان اور فوج کا انتشار۔ کاتب عماد اصفہانی کہتے ہیں:

"سلطان کی فراست انہیں بتا رہی تھی کہ صور کی مہم دشوار گزار اور اس پر قبضہ تھکا دینے والا ہوگا۔ کیونکہ ساحل پر اس سے زیادہ مستحکم شہر کوئی اور نہ تھا۔ چنانچہ سلطان نے اپنا رخ اس مہم کی طرف

• [illegible]

پھیر دیا جو نسبتاً آسان تھی۔"[1]

سلطان کے دوسرے سوانح نگار قاضی بہاؤ الدین ابن شداد کہتے ہیں:

"سلطان نے صور کی مہم میں مصروف رہنا بہتر نہ سمجھا حالانکہ وہ اس کے سامنے فوج اتار چکے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ ان کی فوج ساحلی علاقوں میں منتشر ہو رہی تھی اور ہر انسان اپنے لیے غنیمت جمع کرنے میں لگ گیا تھا۔ سلطان کے سپاہی مسلسل جنگ و جدال سے تھک بھی چکے تھے۔ ادھر ساحل کے باقی ماندہ تمام فرنگی صور میں جمع ہو گئے تھے۔ (ان سے لڑنا دشوار تھا) اس لیے سلطان نے عسقلان کا رخ کرنا بہتر سمجھا۔"[2]

<u>عسقلان کا معرکہ</u> ❁ صور کے بعد عسقلان بھی غیر معمولی نوعیت کا حامل تھا۔ القدس سے پہلے اس پر قبضہ کرنا ضروری تھا۔ دراصل یہ شہر مصر اور شام کی سرحد پر واقع تھا اور دونوں ملکوں کی تجارتی شاہراہ یہاں سے گزرتی تھی۔ اگر یہ نصرانیوں کے پاس رہتا تو مصری شام کو کمک ملنے میں رکاوٹ پڑتی رہتی۔ چنانچہ سلطان صور کو اسی حال میں چھوڑ کر عسقلان روانہ ہو گئے۔ اس دوران ان کی ہدایت کے مطابق الملک العادل بھی مصری فوج کے ساتھ عسقلان کی طرف بڑھ رہا تھا۔[3]

سلطان رملہ، یبنی اور داروم پر قابض ہوتے ہوئے 16 جمادی الثانیہ کو عسقلان پہنچ گئے۔ یہاں الملک العادل بھی ان سے آملا۔ عسقلان کے سامنے صحرا میں لشکرِ اسلام کے خیمے گڑ گئے اور سیاہ و سبز پرچم لہرانے لگے۔ عسقلان کا قلعہ خشکی اور ساحل کے اہم عسکری نقاط پر واقع تھا۔ شہر کے دفاعی انتظامات بھی غیر معمولی تھے۔ اس لیے یہاں بھی ایک سخت جنگ کی توقع تھی۔ تاہم سلطان جلد از جلد اپنے اہداف حاصل کرنا چاہتے تھے اور خون ریزی سے حتی الامکان گریز کے حق میں تھے یہی وجہ تھی کہ عسقلان کے محاصرے کے آغاز میں انہوں نے نرمی کا مظاہرہ کیا مگر اہلِ شہر اسے سلطان کی کمزوری گمان کر کے مقابلے پر کمربستہ ہو گئے۔ تب سلطان نے محاصرے میں شدت پیدا کی اور منجنیقیں نصب کرا کے شہر پر سنگ باری شروع کی۔ شہر والے قلعہ بند ہو کر لڑتے رہے۔ سلطان کی سپاہ فصیل میں نقب لگانے کی کوشش بھی کر رہی تھی۔ اس لڑائی میں سلطان کا ایک خاص امیر حسام الدین ابراہیم مہرانی شہید ہو گیا۔

کچھ دنوں تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر سلطان نے معاملہ جلد نمٹانے کی خاطر دمشق کے قید خانے سے <u>نصرانیوں کے بادشاہ گائی اور ٹمپلرز کے سردار ڈی رڈفورڈ</u> کو اپنے پاس بلوا لیا اور ان سے

1. کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: تحت 583ھ، فصل فی فتح عسقلان
2. النوادر السلطانیہ: ص 1120 کا ادہوت
3. الکامل فی التاریخ: تحت 583ھ، ذکر فتح عسقلان؛ النوادر السلطانیہ: ص 120؛ کتاب الروضتین: تحت 583ھ، ذکر فتح عسقلان

وعدہ کیا کہ اگر وہ یہ شہر مسلمانوں کے سپرد کرادیں تو انہیں رہا کردیا جائے گا۔گائی کے لیے اس سے بڑھ کر فراخدلانہ پیش کش اور کیا ہوسکتی تھی، اس نے فوراً عسقلان کے امراء کو خط لکھ کر ہتھیار ڈالنے کا مشورہ دیا اور انہیں کہا: ''اس سے پہلے کہ تم بالکل بے بس ہوجاؤ، صلح کرلو۔''

مگر اہل شہر نے گائی کے مشورے کو بھی نظر انداز کردیا۔گائی کی جانب سے نمائندے خطوط لے کر جاتے رہے۔آخرکار گائی نے اپنے نمائندے کے ذریعے انہیں خفیہ طور پر یہ کہلا بھیجا:

''میرا مشورہ مان لو، میری جان کی حفاظت کرو۔یہ تمہارا قومی سرمایہ ہے۔جب مجھے رہائی مل جائے گی تو میں اپنے شہروں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکا دوں گا، یورپ کے حکمرانوں سے مدد طلب کروں گا اور نصرانیوں کی تمام ریاستوں سے گھڑسواروں اور پیادوں کی افواج منگوالوں گا۔''

اتنے دنوں میں شہر والوں کو بھی شکست کا یقین ہوگیا تھا۔اس لیے انہوں نے گائی کے مشورے کے مطابق ہتھیار ڈالنے کا معاہدہ کرلیا۔انہوں نے جو بھی شرائط لکھیں سلطان نے منظور کرلیں جن کے مطابق انہیں ان کے تمام مال و دولت اور اہل وعیال سمیت بحفاظت نقل مکانی کی سہولت مہیا کی گئی۔کچھ نصرانیوں کو ڈر تھا کہ سلطان کے سپاہی اپنے اعلیٰ افسر حسام الدین ابراہیم مہرانی کے قتل کا بدلہ لیں گے، خاص کر مہرانی کے قبیلے والے ان کے قافلے پر حملے ضرور کریں گے مگر یہ تمام خدشات غلط ثابت ہوئے۔ سلطان کے سپاہیوں نے ان کی خواہش کے مطابق انہیں پوری حفاظت سے بیت المقدس تک پہنچادیا۔

شاہ گائی اور ٹیمپلرز کے سردار سے بھی سلطان نے اپنا وعدہ نبھایا اور اگلے سال موسم گرما میں بادشاہ، اس کے بھائی، ٹیمپلرز کے سردار اور بہت سے عیسائی امراء کو رہا کردیا۔چودہ دن کے محاصرے کے بعد ہفتہ 29 جمادی الثانیہ 583ھ (5 ستمبر 1187ء) کو مسلمان عسقلان میں داخل ہوئے۔فرنگیوں نے جمادی الثانیہ 548ھ (ستمبر 1153ء) میں اسے مسلمانوں سے چھینا تھا۔35 سال بعد یہاں ایک بار پھر اذانیں گونجیں اور اسلامی شعائر زندہ ہوئے۔

عسقلان کی فتح کے بعد سلطان ایوبی چند دن شہر کے سامنے پڑاؤ ڈالے رہے اور افواج کو کئی حصوں میں تقسیم کرکے گردونواح کے فلسطینی شہروں پر قبضے کے لیے بھیجتے رہے۔غزہ، بیت جبریل، بیت اللحم اور نظرون جیسے تاریخی اور مذہبی حیثیت کے اہم علاقے انہی دنوں فتح ہوئے۔ٹیمپلرز کے تمام گڑھ سرنگوں ہوگئے۔اس دوران سلطان کا منجھلا بیٹا الملک العزیز عثمان القدس کی فتح میں شرکت کے لیے مصر سے چلا آیا۔سلطان کو اس کی آمد سے بے حد خوشی ہوئی۔عسقلان سے سلطان نے اپنے گھر والوں کو ایک

تفصیلی خط بھیج کر حالات سے آگاہ کیا جس میں تحریر کیا:

''ہم اس سمت میں آ گئے ہیں جہاں القدس اور عسقلان ہیں۔ہم نے اس علاقے کے قلعے اور شہر فتح کر لیے ہیں جن میں حیفہ، قیساریہ، ارسوف، یافا، رملہ، تل صافیہ، بیت جبریل، الدیر اور الخلیل شامل ہیں۔ہم نے عسقلان پر دھاوا بولا جو کہ ایک مضبوط گڑھ اور مستحکم علاقہ ہے اور بلند ٹیلے پر واقع ہے، یہاں دشمن کی قوت، جنگی ساز وسامان اور تعداد اتنی تھی کہ آرزوئیں اس کی فتح سے عاجز تھیں مگر ہم نے یہ مقام چودہ دن بعد صلح سے فتح کر لیا۔شہر کی فصیلوں اور برجوں پر توحید کے پرچم نصب کر دیے گئے ہیں۔یہاں مسلمان آباد ہو گئے ہیں۔شہر مشرکین و کفار سے خالی ہو گیا ہے۔یہاں چار سو مؤذنوں کی اذانیں گونج رہی ہیں۔اب ساحل شام میں جبیل سے لے کر مصر کی سرحد تک القدس اور صور کے سوا کوئی شہر (فرنگیوں کے پاس) باقی نہیں رہا۔اب عزم مصمم ہے کہ القدس کا رخ کیا جائے۔اللہ تعالیٰ اس مہم کو آسان کرے اور جلد پورا فرمائے۔جب اللہ تعالیٰ فتح بیت المقدس کی ارزانی فرمادیں گے تو ہم صور کی طرف بڑھیں گے۔والسلام''[1]

عسقلان سے روانگی سے پہلے سلطان نے شہر کی خطابت اور قضا سمیت دیگر دینی معاملات کا ذمے دار شیخ جمال الدین دمشقی کو بنا دیا جو قاضی الیمن کے لقب سے مشہور تھے۔[2]

<u>مصری بحری بیڑے کی آمد</u> ❋ اب جبکہ سلطان بیت المقدس کی فتح کو اوّلیت دیتے ہوئے اس جانب روانہ ہو رہے تھے انہیں اپنی پشت پر یقینی تحفظ درکار تھا۔انہیں مصری بحریہ کی آمد کا انتظار تھا جس کی طلبی کے احکام وہ دے چکے تھے۔مصری بحریہ کو طلب کرنے کی ضرورت اس لیے تھی کہ فتح بیت المقدس تک کوئی یورپی بیڑہ امدادی فوجیں لے کر ساحل پر اترنے نہ پائے۔بصورت دیگر بیت المقدس کی فصیل تلے لڑی جانے والی جنگ کا نتیجہ مسلمانوں کے خلاف جا سکتا تھا۔چند دنوں بعد مصری بحریہ اپنے مایہ ناز امیر حاجب حسام الدین لؤلؤ کی قیادت میں ساحل شام پر آن پہنچی۔یہ بیڑہ مصر سے شام تک فرنگیوں کی بحری کمک کے راستے مسدود کرتا ہوا آیا تھا۔لؤلؤ نے راستے میں فرنگیوں کی جس بھی کشتی یا جہاز کو دیکھا اس پر قبضہ کر لیا۔اس کی کوشش تھی کہ بیت المقدس کی فتح تک شام کے فرنگیوں کے یورپ سے رابطے منقطع رہیں اور اہل یورپ کو یہاں کی کوئی خبر پہنچنے نہ پائے۔

<u>ساحل پر مصری بیڑے کے آنے کے بعد سلطان بیت المقدس کے محاصرے کیلئے گامزن ہو گئے۔</u>[3]

[1] الکامل فی التاریخ: تحت 583ھ ذکر فتح عسقلان ... الروضتین: تحت 583ھ ذکر فتح عسقلان
[2] ... ج۔
[3] الکامل فی التاریخ: تحت 583ھ ذکر فتح بیت المقدس

فصل:4

فتح بیت المقدس

بیت المقدس میں شام کے نصرانیوں کی تمام باقی ماندہ قوتیں اکٹھی ہو چکی تھیں۔ ان میں پیشہ ور سپاہی بھی تھے اور زائرین بھی، تارک الدنیا راہب بھی تھے اور مذہبی پیشوا بھی۔ خود مقامی باشندوں کی تعداد کچھ کم نہ تھی جو القدس کو اپنا مذہبی ورثہ تصور کرتے تھے اور اس سے کسی قیمت پر دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھے۔ نصرانیوں کے متعصب جنگجو گروہوں ٹیمپلرز، ہاسپٹلرز اور بارونیہ کے لوگ بھی یہاں بکثرت تھے۔ سلطان کے حملے کے خوف کے باوجود ان میں لڑنے کا زبردست جوش وخروش پایا جاتا تھا۔ یروشلم کے سب سے بڑے پادری ''بطریق اعظم'' کی موجودگی ان کے حوصلے بلند کر رہی تھی۔ پھر بالیان بن بارزان کی شکل میں انہیں ایک نیا عسکری قائد بھی مل گیا تھا۔

بالیان قلعۂ ابلین کا حاکم تھا، وہ معرکۂ حطین میں شکست کے بعد گرفتار ہو گیا تھا۔ پھر سلطان نے ابلین حوالے کر دینے کی شرط پر اسے رہا کر دیا تھا۔ القدس پر سلطان کے حملے سے کچھ ہی دنوں پہلے وہ اپنے اہل وعیال کو جو بیت المقدس میں تھے، ساتھ لینے یہاں پہنچا تھا مگر بطریق اعظم ہرکولیس نے اس کی مرضی کے خلاف اسے روک لیا تھا اور اس کے مذہبی جذبات کو بھڑکا کر اسے القدس کی حفاظت کے لیے سلطان سے جنگ پر آمادہ کر لیا تھا۔ کسی عسکری رہنما سے محروم عوام نے بالیان کی موجودگی کو غنیمت تصور کیا اور جوق در جوق اس کے گرد جمع ہو گئے۔ بالیان نے ان میں جنگ کا ولولہ پیدا کر دیا۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ القدس کی اس صورتحال کو یوں بیان کرتے ہیں:

''عیسائی مسلمانوں کے القدس پر قبضہ کرنے سے پہلے مرجانا بہتر سمجھتے تھے، وہ اپنی جان، مال اور اولاد کو القدس کی حفاظت کے لیے قربان کرنا لازمی تصور کرتے تھے۔''[1]

چنانچہ یہ لوگ شہر کے دفاع اور مزاحمت کی بھرپور تیاریاں کر رہے تھے۔ فصیلوں پر منجنیقیں نصب

[1] الکامل فی التاریخ تحت 583ھ، ذکر فتح بیت المقدس

کردی گئی تھیں تا کہ شہر کے سامنے پڑاؤ ڈالنے والی فوج پر سنگ باری کی جا سکے۔ شہر پناہ کی مرمت کی جاری تھی جبکہ خندق کی کھدائی کر کے اسے مزید وسیع اور گہرا کر دیا گیا تھا۔ ہر برج پر مسلح افراد کے جتھے تعینات تھے۔ فصیل کا کوئی گوشہ لڑنے والوں سے خالی نہیں رہا تھا۔ ❶

ادھر سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے جانبازوں کے ساتھ القدس کی جانب چلنے کے لیے تیار تھے، مسلمانوں کے جوش و خروش کا عالم دیدنی تھا۔ ہر سپاہی اس مقدس جہاد میں شرکت کو سعادت سمجھتا تھا۔ فتح بیت المقدس کا شرف حاصل کرنے کے لیے شام اور مصر کے علماء، فقہاء اور مشائخ کی بہت بڑی تعداد بھی اس لشکر میں شامل ہو گئی تھی، برسوں سے وہ جس دن کے منتظر تھے وہ آیا چاہتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے جذبات کا اندازہ لگانا شاید کسی کے لیے ممکن نہ تھا۔ جس ہدف کو پانے کے لیے انہوں نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی اب وہ چند گام کے فاصلے پر تھا۔ ان کی سالہا سال کی جہادی مہمات، تھکا دینے والے اسفار اور جسم و جان کو پگھلا دینے والی صعوبتوں کا ثمرہ ملنے والا تھا۔ جس مقصد کے لیے ان کے پرچم تلے ہزاروں مجاہدوں نے خون بہایا تھا وہ حاصل ہونے کو تھا۔ شہیدوں کی قربانیاں رنگ لانے والی تھیں اور قبلۂ اوّل کی بازیابی کی خاطر تین نسلوں کی دعائیں قبول ہو رہی تھیں۔

کوچ سے پہلے سلطان ایوبی نے دربار آراستہ کیا۔ امراء، جرنیل، شہزادے، علماء و مشائخ، اور غلام سب ہی جمع تھے۔ سلطان نے پہلے ان سے مشورہ کیا کہ بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کے لیے کونسا راستہ مختصر اور موزوں تر ہے۔ پھر سلطان نے خلاف معمول ایک طویل خطبہ دیتے ہوئے حاضرین کے جذبۂ شوق کو مہمیز دی۔ انہوں نے کہا:

"اگر اللہ اپنے دشمنوں کو بیت المقدس سے نکال باہر کرنے کی توفیق ہمیں عطا کرے تو اس سے بڑھ کر سعادت اور کیا ہو سکتی ہے۔ اگر وہ اس کام میں ہماری مدد کرے تو اس سے بڑی نعمت اور کیا ہو گی۔ 91 برس ہو گئے کہ بیت المقدس کافروں کے قبضے میں ہے۔ اس تمام مدت میں ایک لمحے کے لیے بھی یہاں خدائے واحد کی عبادت نہیں ہوئی۔ مسلم بادشاہوں کی توجہ اس کے سوا دوسری مہمات میں صرف ہوتی رہی، اس سے غفلت میں کئی نسلیں گزر گئیں اور فرنگی اس کے مالک بنے رہے۔ شاید اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت آل ایوب کے مقدر میں لکھی ہے تا کہ اس خدمت کو قبول کر کے مسلمانوں کو ان کے گرد متحد کرے۔ بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کی فتح کے لیے ہمیں دل و جان سے کوشش کرنا ہو گی۔ مسجد اقصیٰ وہ ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے...... بیت

❶ النوادر السلطانیۃ: 127؛ کتاب الروضتین: فتح بیت المقدس [illegible] 583ھ

المقدس انبیائے کرام کا مسکن ہے۔ اولیائے عظام کا ٹھکانہ ہے...... پرہیز گاروں کی عبادت گاہ ہے...... زمین کے ابدال اور آسمان کے فرشتوں کی زیارت گاہ ہے...... یہ وہ مقام ہے جہاں مخلوق کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور حساب و کتاب ہوگا۔ اللہ کے پیارے بندے اس کی زیارت کے لیے جوق در جوق آتے رہے۔ یہیں وہ مقدس چٹان ہے جس پر حضور اکرم ﷺ کے معراج پر جانے کا نشان یادگار کے طور پر بنا ہوا ہے جس پر ایک اونچا گنبد تاج کی طرح سایہ فگن ہے جس سے حضور اکرم ﷺ برق رفتار براق پر سوار ہو کر بجلی کی تیزی سے آسمان پر تشریف لے گئے تھے۔ اس رات نے سراج منیر ﷺ سے وہ روشنی پائی کہ جس سے سارا جہان روشن ہو گیا۔ اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی محراب اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت تھا۔ یہاں چشمہ سلوان بھی ہے جسے دیکھ کر حوض کوثر یاد آجاتا ہے۔

بیت المقدس مسلمانوں کے دو قبلوں میں سے پہلا قبلہ ہے، اللہ کے گھروں میں سے دوسرا مقدس گھر ہے۔ حرمین شریفین میں سے تیسرا حرم ہے۔ یہ ان تین مساجد میں سے ایک ہے جن کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد

”انہی تین مساجد کی طرف سواریاں تیار کر کے خصوصی سفر کیا جائے“ لوگ عقیدت مندی کے ساتھ انہی کی طرف کوچ کرتے ہیں۔

امید ہو چلی ہے کہ اللہ تعالیٰ اب یہ مقدس مقام ہمیں اسی حسنِ کامل کے ساتھ دوبارہ عطا کر دے گا جس کا ذکر اس نے کلام پاک میں اشرف الخلائق ﷺ کے ذکر کے ساتھ تفصیل سے کیا ہے۔

اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی﴾

”پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک“

اس کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔ اسی سے رسول خاتم الانبیاء حضور اکرم ﷺ کو معراج ہوئی۔ اس کی زمین کے لیے آسمانوں کے دروازے کھلے۔ کتنے پیغمبروں کے حالات، اولیاء کے واقعات، شہداء کی قربانیاں، صالحین کی کرامات اور علماء کی نشانیاں اس شہر سے وابستہ ہیں۔ یہ برکات کا سرچشمہ اور خوشیوں کی پرورش گاہ ہے۔ یہاں کا مبارک صخرہ شریفہ قدیم قبلہ ہے

جہاں سے خاتم الانبیاء ﷺ کے قدم مبارک آسمان کی طرف بلند ہوئے...... یہاں آسمانی برکات کا نزول مسلسل ہوتا ہے...... یہیں رسول اللہ ﷺ نے تمام انبیاء کی امامت کی جبکہ حضرت روح الامین علیہ السلام ہمراہ تھے۔ حضور ﷺ نے یہیں سے اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کی۔ یہیں حضرت مریم کی وہ محراب ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا﴾

''جب بھی حضرت زکریا ان کے پاس محراب میں داخل ہوتے ان کے پاس رزق موجود پاتے۔''

خدا کے نیک بندے یہاں دن بھر عبادت کرتے اور رات کو بیدار رہتے۔ یہ وہ مسجد ہے جس کی بنیاد حضرت داؤد علیہ السلام نے ڈالی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی تعمیر کی وصیت کر گئے۔ اس سے بڑھ کر اس کی بزرگی کی دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ پاک نے اس کی تعریف کو سبحان الذی سے شروع کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے فتح کیا تھا۔ اس کی تعریف میں اللہ پاک نے ایک باعظمت سورت (الاسراء) کا آغاز فرمایا۔

پس یہ مقام کتنا باعظمت ہے، کتنا عالی شان ہے، کس قدر شرافتوں کا حامل ہے۔ کیسا عظیم ہے۔ کتنا بلند مرتبہ ہے۔ کیسا جلیل القدر ہے۔ یہ جگہ کیا ہی حسین اور روشن ہے۔ یہ مسجد کتنی بابرکت ہے، کیسی مامون ہے۔ اس کے محاسن کتنے زیادہ ہیں۔ اس کی خوبیاں کیا ہی شیریں ہیں۔ اس کی دلکشی کتنی عجیب ہے۔ اس کی زینت کیا پر رونق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی عظمت شان کو یوں بیان کیا ہے:

﴿الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا﴾

''یعنی یہ وہ مقام ہے جس کے اردگرد کو ہم نے برکت عطا کی۔''

یہاں اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو اپنی قدرت کاملہ کی کتنی نشانیاں دکھائیں۔ اس مقام کے فضائل ہم نے حضور ﷺ سے سنے جو حدیث کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں۔''[1]

اس خطاب کا ایک ایک لفظ نہ صرف بیت المقدس سے سلطان صلاح الدین کے عشق کا گواہ ہے، بلکہ اس سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ سلطان کو القدس سے متعلق آیات، احادیث اور تاریخی روایات کا گہرا علم تھا۔ اس تقریر نے حاضرین محفل پر ولولے اور سرور کی ایک عجیب کیفیت طاری کر دی۔ سب بیت المقدس کی آزادی کے لیے جان نچھاور کرنے پر تیار نظر آنے لگے۔ اب سلطان نے سب کے سامنے قسم کھا کر کہا:

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین، حوادث 583ھ ذکر فتح بیت المقدس، بروایۃ العماد

"جب تک میں بیت المقدس میں اسلام کا پرچم نصب نہ کردوں، جب تک حضور نبی اکرم ﷺ کے اقدام عالیہ سے مس ہونے والی اس سرزمین تک خود چل کر نہ پہنچوں اور جب تک صخرہ مقدسہ کو کفار کی گرفت سے آزاد نہ کرالوں...... میں چین سے نہیں بیٹھوں گا۔"[1]

آخر کار امنگوں اور دعاؤں کے ساتھ لشکر نے القدس کی طرف کوچ کیا۔ ابھی سلطان راستے میں ہی تھے کہ انہیں ایک رنج کا سامنا کرنا پڑا۔ لشکر کے ہراول دستوں میں سے ایک دستے کا امیر "جمال الدین الزرزاری" عجلت کے عالم میں اپنے ساتھیوں سے کچھ آگے نکل گیا تھا، غالباً اسے گمان نہیں تھا کہ راستہ اتنا پرخطر ہوگا مگر القدس کے عیسائی دور دور تک گشت کر رہے تھے، ان کی ایک ٹولی نے جو خوراک ورسد لینے یا جاسوسی کرنے پر مقرر تھی، "قیبات" کے علاقے میں امیر جمال الدین پر حملہ کردیا۔ امیر لڑتے لڑتے شہید ہوگیا۔[2] سلطان کو اطلاع ہوئی تو غمگین ہوئے۔ تاہم راہ جہاد میں ایسے زخم ناگزیر تھے اور سلطان کو ان کی عادت پڑ چکی تھی۔ اگلے دن اسلامی لشکر القدس کے نواح میں پہنچ گیا۔

لشکرِ اسلام القدس کے سامنے ❊ اتوار 15 رجب (20 ستمبر 1187ء) کو اسلامی لشکر پہاڑیاں اور وادیاں عبور کرتے ہوئے مغرب کی سمت سے القدس کے سامنے اترنے لگا۔ مسلمان قبلہ اوّل کے امین شہر کو اپنے سامنے پاکر مسرت سے نہال نظر آرہے تھے۔ یہ وہ شہر تھا جہاں پیغمبر آخر الزمان ﷺ نے شب معراج میں تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت کی تھی، جو سولہ (16) ماہ تک امت مسلمہ کا قبلہ رہا تھا، جس کا چپہ چپہ انبیاء سابقین کی برکات سے معمور اور وحی کے انوار سے روشن تھا۔ یہی وہ مقام تھا جس کی وراثت کا دعویٰ ایک صدی سے مسلمانوں اور نصرانیوں میں خوں ریز جنگوں کی بنیاد بنا ہوا تھا۔ اکیانوے (91) برس سے یہ شہر نہ صرف شام کی عیسائی ریاستوں کا دارالحکومت تھا بلکہ یورپی ممالک کے نزدیک بھی اس کی اہمیت اپنے سیاسی مرکز اور پایہ تختوں سے کہیں زیادہ تھی، وہ اسے اپنے مذہب کا عالمی مرکز مانتے تھے اور مسیح ومریم کی میراث کی حیثیت سے اس پر جان نچھاور کرتے تھے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی جب القدس کی وادی میں اترے تو دیکھا شہر پناہ جنگجوؤں سے بھری پڑی ہے۔ مسلمان سپاہی حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ دشمن کی تعداد ان کی توقع سے کہیں زیادہ ہے۔ نہ صرف فصیل پر کھڑے عیسائی نعرے بلند کر رہے تھے بلکہ اندرون شہر سے بھی جوش وغضب سے بھرپور نعروں کی گونج اٹھ اٹھ کر وادی میں دور دور تک پھیل رہی تھی۔[3]

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: تحت 583ھ، ذکر فتح بیت المقدس، روایۃ العماد
[2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: تحت 583ھ، ذکر فتح بیت المقدس، روایۃ العماد
[3] کتاب الروضتین؛ الکامل فی التاریخ: تحت 583ھ؛ ابن خلدون: 305/5

یہ بات واضح تھی کہ حریف ہتھیار ڈالنے کی بجائے لڑکر مرجانے کو ترجیح دے گا تاہم ان میں پیشہ ور سپاہی زیادہ نہ تھے، اکثریت عوام کی تھی جنہیں بالیان اور بطریق اعظم کی پرجوش تقاریر نے سردھڑ کی بازی لگانے پر آمادہ کردیا تھا۔ عماد کاتب کے مطابق ان لڑنے والوں کی تعداد 60ہزار سے کم نہ تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی بیت المقدس میں خوں ریزی سے احتراز کرنا چاہتے تھے مگر نصرانیوں کا جوش وخروش ظاہر کررہا تھا کہ ارضِ مقدس کی عزت واحترام کے مشترکہ جذبات کے باوجود جنگ ہوکررہے گی۔

معرکۂ القدس بپا ہوتا ہے ☆ اسلامی لشکر پانچ دن تک القدس کے مغرب میں فروکش رہا۔ اس دوران سلطان اپنے ساتھیوں کے ساتھ القدس کے اردگرد چکر لگا کر فیصلہ کن حملے کے لیے بہتر جگہ تلاش کرتے رہے۔

بیت المقدس کی عمارت اور خاص طور پر گنبد صخرہ کو تو شہر کے باہر ہر طرف سے دیکھا جاسکتا تھا مگر اردگرد کی بلند پہاڑیوں اور ٹیلوں سے شہر کے اندر کا منظر بھی صاف نظر آتا تھا۔ اس وقت بیت المقدس پر جگہ جگہ صلیبیں نصب تھیں، فصیل کے ہر برج پر صلیبی نشان والے پرچم پھڑ پھڑا رہے تھے۔ ان سب سے بڑھ کر گنبدِ صخرہ پر ایک بہت بڑی صلیب جگمگا رہی تھی۔ یہ مناظر مسلمانوں کی حمیت پر چوٹیں لگا رہے تھے۔ ہر افسر جلد از جلد حملے کے لیے بے چین تھا تاہم مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ پہلے صحیح منصوبہ بندی کرلی جائے اور موزوں تر مقام چن لیا جائے۔ مغرب کی سمت جہاں اس وقت فوج تھی وادی وسیع نہیں تھی۔ پھر یہاں صبح سے لے کر دوپہر تک سورج آنکھوں کے سامنے رہتا تھا، اس حالت میں محصورین کی تیر اندازی اور سنگ باری سے بچ کر آگے بڑھنا بہت مشکل تھا۔ شہر پناہ اتنی بلند اور مضبوط تھی کہ کسی بھی جانب سے کامیاب حملہ کرنا بہت مشکل تھا۔

جمعہ 20رجب (25ستمبر) کی شام سلطان کی افواج اپنے خیمے اور ڈیرے اکھاڑ کر القدس کے سامنے سے ہٹنے لگیں۔ نصرانیوں نے یہ منظر دیکھ کر گمان کیا کہ مسلمان جارہے ہیں، چنانچہ شہر میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ عیسائی خود کو فاتح تصور کرکے مسرت کے نعرے لگانے لگے مگر سلطان نے صرف حملے کی سمت تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ رات کو سلطانی افواج القدس کے شمال میں خیمے لگا رہی تھیں۔ اسی رات سلطان کے سپاہیوں نے منجنیقیں نصب کرنا شروع کردیں، صبح تک وہ اس کام سے فارغ ہوچکے تھے۔ اس جانب شہر پناہ کا دروازہ "باب عمود" کہلاتا تھا۔ فصیل کے پیچھے دور دور تک القدس کی گنجان آبادی تھی۔ بلند عمارتوں کا سلسلہ شہر پناہ کے پار سے بھی نظر آتا تھا، یہاں ایک قدیم معبد تھا جو "کنیسہ صیہون" کہلاتا تھا۔

سورج نکلتے ہی حملہ شروع ہوگیا، منجنیقیں فصیل پر بھاری پتھر برسانے لگیں۔ نصرانیوں میں اس شدید

حملے سے افراتفری پھیل گئی مگر جلد ہی وہ منظم ہو گئے۔ انہوں نے بھی جوابی کارروائی کے لیے منجنیقیں تیار کر لیں اور کچھ دیر بعد فصیل شہر سے سلطان کی فوج پر سنگ باری کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پھر اچانک عیسائی گھڑسوار پرجوش نعرے لگاتے ہوئے شہر سے باہر نکل آئے اور اسلامی لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ ایک زوردار معرکہ شروع ہو گیا۔ فرنگی دیر تک لڑتے بھڑتے رہے اور مسلمانوں کو فصیل شہر تک پہنچنے سے روکے رکھا۔

اگلے دن بھی اسی طرح جنگ ہوتی رہی، عیسائی گھڑسوار میدان میں آکر مسلمانوں کو روکنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ ان سے دست بدست مقابلے کے دوران سلطان کی فوج کا امیر عزالدین عیش بن مالک شہید ہو گیا۔ وہ ہر دلعزیز شخص تھا، اس کا باپ "مطلبر" کا قلعہ دار تھا، اس کی شہادت سے مسلمانوں میں ایک جوش پیدا ہو گیا۔ تب اسلامی لشکر نے یک بارگی ایک طوفانی حملہ کیا جس کے سامنے صلیبی گھڑسوار ٹھہر نہ سکے۔ وہ پشت پھیر کر بھاگے اور شہر پناہ میں داخل ہو گئے۔ مسلمان آگے بڑھتے ہوئے خندق عبور کر کے فصیل سے قریب تر ہو گئے۔ اب فصیل شکن بھاری اسلحہ طلب کیا گیا۔ فصیل پھلانگنے والے جانبازوں اور فصیل کی بنیادوں میں بارودی سرنگیں بچھانے والے ہنرمند اپنے اپنے کارکنوں کے ساتھ تیزی سے آگے آئے۔ مگر ان سب کو روکنے کے لیے فصیل سے نصرانیوں نے زبردست سنگ باری اور تیراندازی شروع کر دی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ کھولتا ہوا پانی اور گرم گرم تارکول بھی پھینک رہے تھے۔ فصیل سے ہونے والی شدید مزاحمت کے دوران سرنگیں بچھانے کا کام تسلسل سے نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے سلطان کی فوج کے تیرانداز حرکت میں آ گئے۔ منجنیقیں دور سے فصیل پر سنگ باری کرنے لگیں، اس کے ساتھ ساتھ جلتے ہوئے تیل کی ہانڈیاں بھی پھینکی گئیں جن سے فصیل پر جگہ جگہ آگ لگ گئی۔ مسلم تیرانداز مناسب مقامات پر آکر نشانہ بازی کرنے لگے۔ ان کی پوری کوشش یہ تھی کہ عیسائی جنگجوؤں کو فصیل سے ہٹا دیا جائے۔ ادھر سلطان نے اپنی گھڑسوار فوج بھی میدان میں اتار دی۔ 10 ہزار شہسواروں نے جوزفات اور سینٹ اسٹیفن کے پھاٹکوں پر حملہ کر کے وہاں سے عیسائیوں کو پسپا کر دیا۔

اس وقت تیروں، پتھروں اور آگ کے گولوں کی بارش سے القدس کے شمال میں ایک ہنگامہ محشر بپا تھا۔ فصیل شکن اسلحہ، آہنی پھاٹک توڑنے والے آلات اور سرنگیں بچھانے کا سامان تیزی سے فصیل تک پہنچایا جا رہا تھا۔ یہ سامان آگے منتقل کرنے والوں کی حفاظت کے لیے تیرانداز بار بار تیروں کا مینہ برسا رہے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو گرد و غبار کے مرغولوں، خون کے فواروں اور تلواروں کی کوندتی بجلیوں کے درمیان بیت المقدس کا سنہرا گنبد نظر آ رہا تھا۔ سپاہیوں کی للکار، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور تکبیر کے نعروں کے ساتھ انہیں مسجد اقصیٰ میں گونجنے والی وہ اذان سنائی دے رہی تھی جو مدتوں سے خاموش تھی۔

تیروں کی بے پناہ بارش دونوں طرف سے جاری تھی کہ سلطان کے اشارے پر پیادہ دستے ڈھالوں کی اوٹ میں فصیل کی طرف بڑھنے لگے تھے۔ ان دستوں کے پیچھے لکڑی کے بلند وبالا مینار نما ''دبابے'' تھے جنہیں سینکڑوں غلام اور مزدور دھکیل رہے تھے۔ ان کے پہیوں کی گڑگڑاہٹ سے زمین دہل رہی تھی (عربی میں دبابوں کو عرادات کہا جاتا ہے، یہ اس زمانہ کی بکتر بند گاڑی تھی) جوں جوں دبابے فصیل کے قریب تر ہو رہے تھے، نصرانیوں کی بے چینی بڑھتی جارہی تھی، اس کے ساتھ ان کی مدافعت کا جوش واضطراب بھی بڑھ رہا تھا۔ تاہم ان کی بھرپور مزاحمت کے باوجود مسلمان ''دبابوں'' کو دھکیل کر فصیل کے ساتھ لے آئے۔ دبابوں کی چوٹی فصیل سے کچھ اوپر رہی تھی۔ اب بہترین تربیت یافتہ سپاہی تیزی سے دبابوں کے اندر لگی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر کے درجے میں پہنچے۔ پھر ایک زوردار نعرے کے ساتھ انہوں نے سامنے لگا دروازہ گرادیا جس کا دوسرا سرا کسی پل کی مانند فصیل سے جالگا۔ مسلمان سپاہی نعرۂ تکبیر بلند کر کے اس پل سے فصیل پر کودنے لگے اور پوری فصیل پر ایک خوں ریز جنگ شروع ہوگئی۔

شدید لڑائی کے باوجود نصرانیوں نے فصیل پر مسلمانوں کے قدم نہ جمنے دیے۔ شام تک القدس کے برجوں پر صلیبی جھنڈے بدستور لہرارہے تھے۔ مگر اس دوران مسلمان انجینئروں نے فصیل کی بنیادوں میں سرنگیں بچھانے کا کام بڑی حد تک پورا کرلیا تھا۔

اگلے دن منجنیقوں کی پے در پے سنگباری اور بارودی سرنگوں کے دھماکوں نے فصیل کا ایک حصہ اڑا کر رکھ دیا۔ عیسائی جو سر ہتھیلی پر رکھ کر لڑ رہے تھے، اب مدافعت سے مایوس ہوگئے۔ ان کے نائٹوں اور جانبازوں نے فصیل کے منہدم حصے پر انسانی جسموں کی دیوار بنا کر مسلمانوں کو اندر داخل ہونے سے روکے رکھا مگر تابکے۔ بارودی سرنگیں پھٹنے کا سلسلہ جاری تھا اور شگاف وسیع ہوتا جارہا تھا۔ ❶

لین پول اس وقت شہر کی اندرونی حالت بیان کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ شہر میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی، چرچ لوگوں سے بھر گئے تھے، دعائیں ہورہی تھیں، لوگ پادریوں کے سامنے اپنے اپنے گناہوں کا اقرار کررہے تھے اور خود کو اذیتیں دے کر خدا سے رحم کی فریادیں کرتے تھے۔ شہر کو آغوشِ رحمت میں لانے کی خاطر پادریوں اور راہبوں نے انجیل اور صلیب کے ساتھ مناجات گاتے ہوئے شہر میں جلوس نکالا مگر (خود لین پول کے الفاظ میں)

''خدا اس شہر کی بدکاری اور شہوت پرستی سے نالاں ہوچکا تھا، گناہوں میں ڈوبے ہوئے لوگوں کی دعائیں اس کی دربار میں قبول نہ ہوئیں۔'' ❷

❶ کتاب الروضتین: تحت 583ھ ذکر فتح بیت المقدس، البدایۃ والنہایۃ، الکامل فی التاریخ: تحت 583ھ [illegible] ❷ [illegible]

صلح کی بات چیت: اب فصیل کا اتنا بڑا حصہ گر چکا تھا کہ عیسائی کسی طرح بھی مسلمانوں کے ریلے کو نہیں روک سکتے تھے۔ اب دو ہی صورتیں تھیں وہ ہتھیار ڈال دیتے یا لڑتے لڑتے مرجاتے۔ عوامی طبقات سے تعلق رکھنے والے سرکردہ لوگ ہتھیار ڈالنے کے حق میں تھے مگر فوجی جرنیل اور پیشہ ور سپاہی لڑکر مرجانے کو ترجیح دیتے تھے۔ اس دوران بطریق اعظم ہرکولیس نے ایک درمیانی راہ سجھائی وہ یہ کہ معقول شرائط پر باعزت صلح کر لی جائے۔

اس مشورے کے مطابق شہر کے سرکردہ افراد پر مشتمل ایک وفد سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ارکان وفد نے مقدس شہر سلطان کے حوالے کردینے پر رضامندی ظاہر کی اور اس کے بدلے سلطان سے جان و مال کی امان طلب کی مگر سلطان صلاح الدین ایوبی کو خوب یاد تھا کہ ان صلیبیوں نے القدس پر قبضے کے وقت بے گناہ مسلمانوں پر کیسے لرزہ خیز مظالم ڈھائے تھے۔ سلطان کے تصور میں وہ ستر ہزار بے گوروکفن جسم تڑپ رہے تھے جنہیں صلیبی درندوں نے اپنی خون آشامی کی بھینٹ چڑھایا تھا۔ مسجد اقصیٰ میں پناہ لینے والے ان بچوں اور عورتوں کی چیخیں سلطان کے کانوں میں گونج رہی تھیں جن کی بوٹیاں اڑادی گئی تھیں۔ شہداء کی وہ پامال لاشیں سلطان کے سامنے آکھڑی ہوئی تھیں جن کے خون کا دریا صلیبی نائٹوں کے گھوڑوں کی لگاموں کو چھونے لگا تھا۔ تب وقت کی باگ شیطان کے کارندوں کے ہاتھوں میں تھی اور رحمان کے بندے بے بس تھے۔ آج اللہ واحد و قہار نے مسلمانوں کو زمانے کی مقتدر قوت بنادیا تھا۔ آج فیصلے کا اختیار اللہ کے بندوں کے پاس تھا۔ وہ صلیبیوں کو عبرت کا نمونہ بنا سکتے تھے۔ ان کے ماضی کی ستم خیزیوں کو دیکھتے ہوئے وہ ایسا کرنے میں حق بجانب تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے فیصلہ سنادیا:

"میں بیت المقدس کو تم سے اسی طرح چھینوں گا جیسے اکانوے برس پہلے تم نے مسلمانوں سے چھینا تھا۔ تب صلیبیوں نے قتل عام کو روا سمجھا تھا اور کسی جان کو زندہ نہیں چھوڑا تھا۔ پس اب میں صلیبیوں کے مردوں کو قتل کر کے فنا کر ڈالوں گا اور ان کی عورتوں کو باندیاں بنالوں گا۔ برائی کا بدلہ اس کی مثل ہی ہوتا ہے۔"[1]

سلطان نے اس جواب کے ذریعے اپنے اختیار کو واضح کردیا تھا۔ تاہم فتح القدس کے بعد انہوں نے مقامی لوگوں سے جو انتہائی فراخ دلانہ سلوک کیا، اسے سامنے رکھیں تو صاف محسوس ہوتا ہے سلطان نے اس وقت وفد پر اسلام کی برتری اور اپنے اختیار کا سکہ جمانے کے لیے یہ سخت فیصلہ سنایا تھا۔ وہ چاہتے

[1] کتاب الروضتین ج۳

تھے کہ پہلے مسلمانوں کے قہر اور شوکت کا رعب طاری کر کے دشمن کے غرور و تکبر کا بت پاش پاش کر دیا جائے اور فتح کے بعد برعکس خلاف توقع احسانات کرتے ہوئے ممنون کیا جائے۔

بہر حال سلطان کے اعلان نے ان کی توقع کے عین مطابق نصرانیوں کو لرزا دیا۔ جب وفد کے ارکان واپس پہنچے تو القدس میں ایک کہرام مچ گیا۔ سب کو یقین ہو گیا کہ اب وہ زندہ نہیں بچیں گے۔

تب شہر کے عارضی حاکم بالیان نے آخری کوشش کے طور پر ایک بار خود سلطان کے پاس جانے کا فیصلہ کیا۔ بالیان ایک ہوشیار اور دلیر آدمی تھا۔ محاصرے کے دوران بالیان نے القدس کو سلطان سے بچانے کے لیے جو کوششیں کیں اس کی بنا پر اسے یورپی مؤرخین خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ اس نے پہلے سلطان کو خط بھیج کر جان کی امان کے ساتھ حاضری کی اجازت طلب کی کیوں کہ سلطان نے اسے جن وعدوں پر قید سے رہائی دی تھی، وہ ان کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو چکا تھا، لہٰذا اسے سلطان سے عہد شکنی کی سزا کا خوف تھا۔ مگر سلطان نے بڑی بردباری کے ساتھ اسے جان کی امان اور حاضری کی اجازت مرحمت کی۔ تب وہ سلطان کے خیمے میں پہنچا۔ اس نے بڑی منت وزاری کے ساتھ اہل شہر کے لیے امان کی درخواست کی مگر سلطان نصرانیوں کو مزید مرعوب کرنا چاہتے تھے۔ ان کا جواب تھا:

''تمہارے لیے کوئی امن ہے نہ امان۔ اب ذلت ہی تمہارا اوڑھنا بچھونا ہے۔ کل ہم بزورِ قوت تم پر حکومت کریں گے۔ فوج کو قتل و گرفتاری کی کھلی چھوٹ دیں گے۔ مردوں کا خون بہائیں گے، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنائیں گے۔''

جب بارزان نے دیکھا کہ سلطان کو منانا مشکل ہے تو اس نے مایوسی اور غصے کے ملے جلے جذبات سے مغلوب ہو کر کہا:

''ٹھیک ہے، جب ہم آپ کی امان سے مایوس اور آپ کے احسان سے محروم کر دیے گئے ہیں اور اب نجات اور صلح و صفائی کی کوئی صورت نہیں رہ گئی تو ہم لڑتے لڑتے مر جائیں گے۔ سلطان عالی مقام! آپ جان لیں کہ شہر میں آبادی اتنی زیادہ ہے کہ اس کی تعداد خدا ہی جانتا ہے۔ یہ لوگ امان کی امید پر سست پڑ گئے ہیں۔ انہیں توقع ہے کہ آپ دیگر شہروں کی طرح انہیں امان طلبی کا مثبت جواب دیں گے۔ یہ لوگ موت سے بے زار اور زندگی کے مشتاق ہیں مگر جب ہم یہ دیکھیں گے کہ موت کے سوا کوئی چارہ نہیں تو بخدا ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو خود قتل کر دیں گے، مال و دولت اور ساز و سامان کے ذخیروں کو نذرِ آتش کر دیں گے۔ آپ کو غنیمت کے طور پر ایک درہم و دینار بھی نہیں ملے گا، آپ ہمارے کسی مرد و عورت کو غلام یا باندی نہیں بنا سکیں گے۔ صرف

یہی نہیں بلکہ پھر ہم گنبد صخرہ اور مسجد اقصیٰ کو منہدم کردیں گے۔ ہمارے پاس آپ کے پانچ ہزار مسلمان قیدی ہیں۔ ان سب کو قتل کردیں گے۔ شہر میں کوئی جانور یا مویشی نہ چھوڑیں گے جو آپ کے کام آئے۔ یہ سب کرکے ہم آپ کے مقابلے میں آئیں گے۔ ہمارا ہر آدمی آپ کے کم از کم ایک آدمی کو قتل کرکے مرے گا اور ہمارا ہر زخمی آپ کے دس افراد زخمی کرچکا ہوگا۔ ہم فاتح نہ ہوئے تب بھی عزت کی موت تو مریں گے۔ بتایئے پھر اس فتح سے آپ کو کیا حاصل ہوگا......؟"

بارزان کی اس پرجوش تقریر سے واضح ہوگیا کہ نصرانی مایوس اور خوفزدہ ہیں اور ان سے رحم کے طلب گار بھی۔ پھر مایوسی و اشتعال کی انتہاء میں وہ مسجد اقصیٰ تک کو تباہ کرنے پر آمادہ ہیں۔ سلطان خود بے جا خون ریزی کے خلاف تھے مگر نصرانیوں کی حد سے متجاوز سرکشی دیکھنے کے بعد وہ چاہتے تھے کہ پہلے اسلام کی قوت کا سکہ کفار پر اچھی طرح جما کر نصرانیوں کو گھٹنوں کے بل جھکنے پر مجبور کردیں، پھر انہیں حسن سلوک سے نہال کردیں۔ اب جب کہ بیت المقدس میں صلیب کی قوت کو توڑا جاچکا تھا، خونریزی کی نہیں، احسان کی ضرورت تھی۔ پھر بھی سلطان نے ضابطے کی کارروائی پوری کرنے کے لیے امراء اور مشیروں سے مشورہ کیا۔ سب نے سلطان کو نرمی اختیار کرنے کی رائے دی۔ [1]

معاہدۂ القدس: آخر سلطان نے مذاکرات کی پیش کش قبول کرلی۔ صلح کی ابتدائی بات چیت میں طے یہ ہوا کہ اہل شہر کو جان کی عام امان دی جائے گی۔ تاہم وہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں قیدی تصور کیے جائیں گے، اس کے بعد مسلمان انہیں طے شدہ نرخ یا زرِفدیہ کے مطابق رہا کرتے جائیں گے۔ معاہدے کی خوشخبری القدس پہنچی تو جان سے مایوس ہونے والوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ سلطان اور نصرانی نمائندوں کے درمیان مزید چند ملاقاتوں اور اجلاسوں کے بعد دیگر تفصیلات بھی طے ہوگئیں۔ طے یہ پایا کہ ہر مرد چاہے مالدار ہو یا غریب، دس دینار زرِفدیہ ادا کرے گا۔ عورت پانچ دینار اور بچے اور بچیاں دو، دو دینار ادا کرکے آزاد ہوتے جائیں گے۔ [2]

زرِفدیہ کی ادائیگی کے لیے خاصا وسیع وقت دیا گیا۔ یعنی چالیس دن۔ جو شخص اس مدت کے گزرنے پر بھی ادائیگی نہ کرسکے گا وہ بہرحال غلام شمار ہوگا۔ نصرانیوں کے مویشیوں، اناج خانوں، گوداموں، اسلحہ خانوں اور خالی گھروں کو مسلمانوں کی ملکیت مانا جائے گا۔ تمام نصرانیوں کو دوسرے محفوظ شہر (صور) تک بحفاظت پہنچانے کا کام مسلمانوں کے ذمے ہوگا۔ [3]

[1] الکامل فی التاریخ: تحت 582ھ، کتاب الروضتین: تحت 583ھ، مذکرہ فتح بیت المقدس، از دائرہ [illegible] سلطانیہ: 135
[2] کتاب الروضتین: تحت 583ھ، مذکرہ فتح بیت المقدس، از دائرہ [illegible] البدایہ والنہایہ: تحت 583ھ
[3] البدایہ والنہایہ: تحت 583ھ

بارزان، پادری، ہاسپٹلرز، ٹیمپلرز اور دیگر جنگجو گروہوں کے افراد، پیشہ ور سپاہی، نائٹ، یروشلم کے اسیر بادشاہ گائی کی ملکہ اور تمام خواص بھی اس معاہدے میں شامل سمجھے گئے۔ سب کو جان کی امان دی گئی۔ سلطان نے کسی سخت سے سخت دشمن کا بھی استثنا کر کے اس کا خون بہانے پر اصرار نہیں کیا۔ بات چیت کے دوران بارزان نے ہزاروں غریب شہریوں کی طرف سے جو زرِ فدیہ کی ادائیگی سے معذور تھے 30 ہزار دینار پیش کرنے کی تجویز دی۔ سلطان نے اسے بھی قبول کیا۔ مسلمانوں اور نصرانیوں کے درمیان اس معاہدے پر 27 رجب 583ھ (2/اکتوبر) کو دستخط کیے گئے۔ اسی دن شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا۔

یہ امت کی تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش دن تھا۔ ارضِ مقدس اس دن فاتحین اسلام کی قدم بوسی کر رہی تھی، مسلمانوں کے چہروں پر خوشی، نشاط اور بشاشت کا ایسا عالم تھا جو کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ القدس کی روح پرور فضا کا ہر جھونکا ان کے مشامِ جان کو معطر کر رہا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور ان کے عالی ہمت رفقاء کے جذبات ثریا کی بلندیوں پر تھے۔ احساسِ تشکر میں لبی مناجاتیں ان کے ہر سانس کے ساتھ جاری تھیں۔ ان کے دل کی ہر دھڑکن کے ساتھ سپاس و منت کے ترانے عرش تک پہنچ رہے تھے۔ القدس کے قلعے، فصیل اور برجوں سے صلیبیں ہٹائی جا رہی تھیں، ان کی جگہ سرخ ہلالی پرچم نصب کیے جا رہے تھے۔ ❶

---

❶ الروضتین، تحت 583ھ، الکامل فی التاریخ، تحت 583ھ، ابن خلدون: 306/5

بعض بے سند مغربی روایتوں کا محاکمہ

القدس کی فتح کے بارے میں مغربی مؤرخین بڑے وثوق سے نقل کرتے ہیں کہ:

عسقلان کی فتح کے دن (یکم رجب 4 ستمبر کو) سلطان کی دعوت پر بیت المقدس کے معزز شہریوں کا ایک وفد سلطان سے مذاکرات کے لیے آیا۔ سلطان نے انہیں سمجھایا کہ وہ بیت المقدس کو اللہ کا گھر مانتے ہیں اور جنگ کے ذریعے مقامات مقدسہ کی توہین کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ سلطان نے انہیں پیش کش کی کہ اگر وہ القدس کو پر امن طور پر مسلمانوں کے حوالے کردیں تو وہ جتنا علاقہ بھی سنبھال سکیں انہیں عطا کردیا جائے گا اور بھاری مقدار میں مالی تعاون بھی کیا جائے گا۔ عیسائی وفد نے اس پیش کش کو یہ کہہ کر ٹھکرادیا کہ جس سرزمین پر مسیح نے جان دی ہم اسے مسلمانوں کے حوالے کریں گے نہ ہی فروخت کریں گے۔ سلطان نے مزید فراخدلی کا مظاہرہ کیا اور انہیں کہا کہ اگر وہ پر امن طور پر شہر مسلمانوں کی نگرانی میں دے دیں تو انہیں بدستور وہیں بسے رہنے کی اجازت دی جائے گی اور وہ القدس اور شہر کے اردگرد "یوم خمیس" تک پانچ میل کے علاقے کے مختار ہوں گے، وہاں زراعت کرسکیں گے اور شہر کے دفاعی انتظامات کو مزید مضبوط بنانے کے بھی مجاز ہوں گے، مسلمان ایک طے شدہ مدت تک انہیں سامان خورد ونوش بھی مہیا کریں گے اور ان کے تمام اخراجات کی کفالت کریں گے۔ اس طے شدہ مدت کے اندر اندر اگر نصرانیوں کو بیرونی کمک پہنچ جائے تو القدس بدستور انہی کے پاس رہنے دیا جائے گا لیکن اگر کمک نہ پہنچ سکی تو وہ شہر مسلمانوں کے حوالے کردیں گے اور مسلمان انہیں مال ومتاع سمیت کسی اور عیسائی ملک میں پہنچادیں گے۔ نصرانیوں نے اسے بھی مسترد کردیا۔ تب سلطان نے قسم کھائی کہ اب شہر کو بزور شمشیر فتح کیا جائے گا۔ [1]

مگر یاد رکھیے اس روایت کا کہیں کوئی ثبوت موجود نہیں۔ عسقلان میں سلطان کی القدس کے نصرانیوں سے ایسی کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔

[1] صلاح الدین لین پول:107، الحروب الصلیبیۃ:162

رہی یہ بات کہ سلطان القدس میں خون ریزی کو ناپسند کرتے تھے...... تو حقیقت یہ ہے کہ وہ القدس تو کیا کہیں بھی بے جا خون ریزی کے حق میں نہیں تھے۔ مگر معرکۂ القدس سے پہلے جانبین میں اتنی سخت کشیدگی تھی کہ تلوار کے سوا کسی اور زبان کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ فریقین مرنے مارنے پر تلے تھے۔ نہ نصرانیوں نے اس وقت صلح کی کوئی بات کی نہ سلطان نے انہیں کوئی امید دلائی۔ سلطان نے عیسائیوں کو ایسی پیش کش ہرگز نہیں کی تھیں کہ وہ ہتھیار ڈال دیں تو اتنا مال یا فلاں فلاں علاقے انہیں دے دیے جائیں گے۔ یہ بات بھی بالکل ہی غلط ہے کہ سلطان نے بس عیسائیوں کی ضد سے جھلا کر القدس کو بزورِ شمشیر فتح کرنے کی قسم کھالی تھی۔ اسلامی تاریخی روایات میں ایسا کوئی اشارہ تک نہیں ملتا۔ ظاہر ہے سلطان ایوبی کے قول وفعل کے بارے میں ان مسلم مؤرخین پر اعتماد کیا جانا چاہیے، جو سلطان کے رفیق کار تھے اور ان کی ہر بات کو قلم بند کیا کرتے تھے۔ ان کی روایات اس بات کی قطعاً تصدیق نہیں کرتیں کہ سلطان نے ایسی کوئی پیش کش کی تھی یا ایسی کوئی قسم کھائی تھی۔ عقلاً بھی یہ بعید ہے کہ سلطان ایوبی جیسے دانش مند قائد نے شہر فتح کرنے کی حکمت عملی کے بارے میں اپنا اختیار خود ختم کر دیا ہو اور خود کو ایک خاص حالت کا پابند بنانے کی غلطی کرلی ہو۔ صحیح بات جو ہم مستند روایات کے تحت پیچھے بیان کر چکے ہیں یہ ہے کہ سلطان کسی ”قسم“ کی وجہ سے نہیں بلکہ پیش آمدہ صورتحال کے تحت القدس کو بزورِ قوت فتح کر رہے تھے۔

❖ فتح القدس کے تحت ہم بتا چکے ہیں کہ جب سلطان کے حملے سے شہر کی فصیل ٹوٹ گئی تو اس وقت صلح کی پیش کش خود عیسائی وفد نے کی۔ مگر سلطان نے کہا کہ فیصلہ تلوار ہی کرے گی۔

مغربی مؤرخین کے مطابق سلطان نے اتنا سخت فیصلہ اس لیے سنایا تھا کہ ان پر القدس کو بزورِ شمشیر فتح کرنے کی قسم پورا کرنا واجب تھا۔ مگر پہلے بتایا جا چکا ہے کہ قسم کھانے کی بات افسانہ ہے۔ صحیح بات یہ تھی کہ سلطان نے یہ سخت فیصلہ عیسائیوں کو نفسیاتی طور پر مرعوب کرنے کے لیے سنایا تھا، تاہم انہیں خوفزدہ کرنے کا ہدف حاصل کر لینے کے بعد سلطان نے بعد میں مذاکرات بھی کیے اور دشمن سے حسن سلوک بھی روا رکھا۔

❖ لین پول نے لکھا ہے کہ چونکہ سلطان پر شہر کو بزورِ قوت فتح کرنے کی قسم کی پابندی لازم تھی اس لیے وہ نرمی اختیار کرنے کی گنجائش محسوس نہیں کرتے تھے مگر مشیروں اور علماء کے کہنے پر انہوں نے اپنی قسم کو نرم کر دیا، مشیروں نے سلطان کو سمجھایا کہ اگر عیسائی غیر مشروط طور پر شہر حوالے کر دیں تو یہ شہر پر بزورِ قوت قبضے کے مترادف ہوگا اور سلطان کی قسم پوری ہو جائے گی۔ اس کے بعد سلطان اپنی صوابدید پر اہلِ شہر سے رحم دلانہ سلوک کر سکتے ہیں۔ سلطان نے اس تجویز کو قبول کرتے ہوئے اس پر عمل کیا۔

یہ بیان بھی بالکل غلط ہے۔ جب بزور شمشیر قبضے کی قسم کھانا ہی ثابت نہیں تو اس سے متعلقہ دیگر باتوں کا کیا جواز۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی اور سلطان نے علماء سے مشورہ کیا ہوتا تو اس کا علم کاتب عماد اصفہانی، ابن شداد اور سلطان کے دوسرے وقائع نگاروں کو کیوں نہ ہوسکا؟ انہوں نے اشارۃً بھی ایسے کسی واقعے کا ذکر نہیں کیا۔ بالفرض اگر سلطان نے ایسی قسم کھائی ہوتی تو بھی وہ اس کی پابندی پر مجبور نہ ہوسکتے تھے۔ شرعی مسئلے کے مطابق دس غریبوں کو کھانا کھلا کر یا غلام آزاد کر کے یا تین روزے رکھ کر قسم سے آزاد ہوجانا کوئی مشکل نہ تھا۔ اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ قسم والی روایت افسانہ ہے۔

فصل:5

اقصیٰ کا مسافر، منزل کی آغوش میں

27 رجب 583ھ کو القدس مسلمانوں کے حوالے کیا گیا۔ مشہور قول کے مطابق اسی تاریخ کی شب حضور رحمت ﷺ کو سفر معراج کرایا گیا تھا، آپ ﷺ کو فرشتوں کی معیت میں براق پر مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لایا گیا۔ یہاں آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیائے سابقین نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ کیسا عجیب موقع تھا کہ اسی دن القدس ایک بار پھر اپنے ورثاء کو واپس مل رہا تھا۔ مسجد اقصیٰ 91 برس کی ویرانی کے بعد پھر سجدوں سے آباد ہونے والی تھی۔

سلطان کے سوانح نگار قاضی ابن شداد 27 رجب کو القدس کی فتح پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس عجیب اتفاق کو دیکھیے، کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح یہ مقام ایسے وقت میں مسلمانوں کو واپس دلایا جیسے وقت میں ان کے پیغمبر ﷺ کو معراج ہوئی تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اطاعت کی قبولیت کی علامت ہے۔''[1]

شہر فتح ہوتے ہی مسلمان مسجد اقصیٰ کی طرف دوڑ پڑے۔ گنبدِ صخرہ کی چوٹی پر سونے کی مرصع صلیب ڈھلتے سورج کی کرنوں سے چمک رہی تھی مگر یہ اس کی چمک دمک کے آخری لمحات تھے۔ چند جوان تیزی سے گنبد پر چڑھ گئے، شہر کے اندر ہزاروں عیسائی اور فصیل کے باہر ہزاروں مسلمان بیک وقت یہ تاریخی منظر دیکھ رہے تھے۔ پرجوش جوانوں نے دیکھتے ہی دیکھتے طلائی صلیب کو اکھاڑ کر پھینک دیا۔ اس کے ساتھ ہی چاروں طرف ایسا شور اٹھا کہ زمین و آسمان دہل گئے۔ مسلمان خوشی سے تکبیر کے نعرے بلند کر رہے تھے اور نصرانیوں کی صدمے میں ڈوبی ہوئی آہیں سنائی دے رہی تھیں۔[2]

مسلمانوں کے لیے کئی خوشیاں ایک ساتھ جمع ہو گئی تھیں۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ بیت المقدس مسلمانوں

---

[1] النوادر السلطانیہ ص 135
[2] الکامل فی التاریخ: تحت 583ھ، فتح بیت المقدس

کے حوالے کیا گیا تو سورج ڈھل رہا تھا۔ نماز جمعہ کا وقت گزرتا جا رہا تھا۔ صورتحال ایسی تھی کہ مسجد اقصیٰ میں نماز جمعہ ادا کرنا ممکن نہ تھا۔ مسجد کی مغربی سمت کو جس طرف خانہ کعبہ تھا، نصرانیوں نے ایک عرصے سے نجاست گاہ بنا دیا تھا۔ یہاں ہر طرح کی آلائش ڈالی جاتی تھی۔ مردار خنزیر تک یہیں پھینک دیے جاتے تھے۔ پھر مسجد اور بیت المقدس کے احاطے میں جگہ جگہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہیں اور صلیبیں آویزاں تھیں۔ مسجد میں نمازوں کی ادائیگی شروع کرنے سے پہلے ان نجاستوں سے پاکی اور کفر و شرک کے مظاہر سے تطہیر ضروری تھی چنانچہ اس روز مسجد اقصیٰ میں نماز جمعہ ادا نہ کی جا سکی۔ [1]

<u>اظہار تشکر کی محفل</u> ✿ فتح کی خوشخبری راتوں رات دور دور تک پھیل گئی تھی اور اب ہر طرف سے عمائد سلطنت، فقہاء، علماء، صوفیاء، شعراء اور ادباء سلطان کو مبارک باد دینے چلے آ رہے تھے۔ ان معزز مہمانوں کو باریابی کا موقع دینے کے لیے سلطان صلاح الدین ایوبی نے شہر پناہ کے باہر ایک تقریب منعقد کی۔ اس دور کے عام بادشاہوں کے برخلاف سلطان صلاح الدین بڑی سے بڑی فتح اور انتہائی مسرت کے مواقع پر بھی حدود شریعت سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ وہ ایسا جشن نہیں مناتے تھے جس میں راگ رنگ اور غل غپاڑہ ہو۔ وہ ایسی تقاریب کے قائل نہیں تھے جن میں اسلام کو بالائے طاق رکھتے ہوئے شراب و کباب اور رقص و سرود سے فتح کی شادمانی کو آلودہ کیا جائے۔ ان کی محفلیں اور جشن سب سادگی، وقار اور سنجیدگی کا نمونہ ہوتے تھے جن میں سخاوت، مہمان نوازی اور خاطر مدارات کے ساتھ حقیقی مسرت کا بڑے باوقار انداز میں اظہار کیا جاتا تھا۔

اس دن بھی سلطان کی مجلس ایسی ہی متانت کی عکاسی کر رہی تھی۔ شامیانوں کے درمیان سلطان کی نمایاں نشست تھی۔ دائیں بائیں ارکانِ دولت، امرائے فوج اور علماء و فقہاء براجمان تھے۔ باہر سے آنے والے مہمانوں کے لیے نشستیں نمایاں رکھی گئی تھیں۔ سلطان سے ملاقات پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ مہمان جوق در جوق چلے آ رہے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے چہرے پر ایک عجیب چمک اور لبوں پر ایک معصوم سی مسکراہٹ تھی..... نو وارد مہمان جو ابتداء میں سلطان سے مرعوب ہو جاتے تھے اس مسکراہٹ سے حوصلہ پاتے تھے۔ [2]

<u>فتح کے بشارت نامے</u> ✿ سلطان کے مصاحب ان سے درخواست کر رہے تھے کہ فتح کی خوشخبری پر

---

[1] الکامل فی التاریخ: تحت 583ھ، ذکر ملک ...: تحت 583ھ فی ...
[2] النوادر السلطانیہ: 136، ... تحت 583ھ ...

مشتمل مراسلے بھیجنے میں مزید تاخیر نہیں ہونی چاہیے مگر سلطان کو اپنے دست راست شیخ عماد اصفہانی کا انتظار تھا جو بیروت کے محاصرے کے دوران بیمار پڑ کر علاج کے لیے دمشق چلے گئے تھے اور اب فتح القدس کی خبر سن کر تیزی سے ادھر چلے آرہے تھے۔ فتح کے دوسرے دن ہفتے کو عماد اصفہانی آفتاب کی پہلی کرن کے ساتھ سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور مراسلے نگاری کا کام شروع کر دیا۔ پہلے ہی دن ستر (70) خطوط مختلف اسلامی شہروں اور ملکوں کو روانہ کر دیے گئے۔ [1]

✦ خلیفہ بغداد کے نام درج تاریخی خط ارسال کیا گیا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ [2]

''اللہ تعالیٰ نے تم میں سے اہل ایمان اور اعمال صالحہ کے حامل لوگوں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور حکومت عطا کرے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو حکومت عطا کی۔''

سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے بندوں کے لیے وعدۂ خلافت کو سچ کر دکھایا، مشرکین اور نافرمانوں پر فرزندانِ توحید کو غالب کر دیا اور دیوانِ عزیز (خلافت عباسیہ) کی سطوت کو اس خلافت کے ساتھ خصوصیت دی۔ یہ وہ فتح ہے کہ گزشتہ بادشاہ اور سابقہ زمانے اس کی آرزو کی مسرت، اس کی توقع کی سنسنی خیزی اور اس کے حصول کی حسرت کے ساتھ گزر گئے۔ اس تک رسائی سے ہمتیں جواب دے گئیں اور قوم کے حکمران القدس کا انتقام لینے میں ناکام رہے۔ پس سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے القدس نیک لوگوں کو لوٹا دیا، اسے ناپاکی سے بچا لیا اور اس کی فتح کی بابت من کی مرادیں پوری کیں، اسی نے یہاں کفر کی وحشت کو اسلام کی مانوسیت سے بدل دیا، یہاں آج کی اس فتح سے گزشتہ کل کی ذلت کو مٹا دیا۔ یہاں پادریوں، راہبوں، صلیب کے پجاریوں اور مشرق کی طرف منہ کر کے عبادت کرنے والوں کی جہالت اور ضلالت کی جگہ فقہاء، علماء کو لا بسایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے گمراہ شہروں پر اپنے اہل علم مؤمن بندوں کو فتح یاب فرمایا اور ظالموں کی جڑ کاٹ ڈالی۔ الحمد للہ رب العالمین۔'' [3]

✦ وزیر اعظم قاضی فاضل کو جو دمشق میں تھے مراسلے میں کہا: ''الحمد للہ ثم الحمد للہ یہاں جاہلوں اور احمقوں کی جگہ اہل علم و حلم آباد ہو گئے ہیں۔ اب ہمیں بھی اور اس جگہ کو بھی آپ کی آمد کا انتظار ہے

[1] کتاب الروضتین: ج، 583ھ فصل فی ذکر یوم فتح بیت المقدس
[2] سورۃ النور: آیت 55
[3] کتاب الروضتین: ج، 583ھ فصل فی ذکر یوم فتح بیت المقدس

کیونکہ ان فتوحات کے پیچھے آپ کی دعائیں کام کر رہی تھیں۔"

❖ اپنے بھائی سیف الاسلام کو جو یمن میں تھا خط میں لکھا: "اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو فتح کرا دیا جو 91 سال سے کفار کے ہاتھوں میں گروی تھا۔ اس کی قید بہت طویل ہو گئی تھی، کمزوری بڑھ گئی تھی، مسئلہ القدس سے اجنبیت عام ہو گئی تھی، اس کے ستون ضعیف ہو چکے تھے، غم بڑھ گیا تھا، حسن زائل ہو گیا تھا، زمین خشک اور ہدایت کی شادابی ختم ہو چکی تھی۔ خوف غالب تھا اور امیدیں دم توڑ چکی تھیں۔ اسلام غمزدہ تھا کہ یہاں اللہ واحد کی بجائے عیسیٰ کو ابن اللہ کہا جا رہا تھا۔ تثلیث قائم تھی اور صلیب حاکم۔ گزشتہ بادشاہوں نے بھی اس کو چھڑانے کی آرزوئیں کیں مگر شیطان نے اپنا قبضہ مستحکم رکھا۔ لیکن اللہ کی مشیت میں طے تھا کہ انجام کار شیطان کی طاقت دفع ہو گی۔ چنانچہ اب یہاں قرآن کی تلاوت ہو رہی ہے، احادیث بیان ہو رہی ہیں، علم دین کے حلقے لگے ہیں۔ صخرہ شریفہ دلہن کی طرح سج گیا ہے۔"[5]

<u>شعراء کا خراج تحسین</u>: اس بے پایاں مسرت کے موقع پر سلطان کی تعریف و توصیف اور بیت المقدس کی شان و عظمت پر مشرق و مغرب میں سینکڑوں قصیدے کہے گئے، درجنوں شعراء نے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مدحیہ کلام سنایا۔

❖ کاتب عماد اصفہانی جو ہر فتح پر قصیدہ پیش کرنے میں آگے آگے رہتے تھے، اس موقع پر اپنے جذبات پر کیسے قابو پا سکتے تھے۔ ان کے طویل قصیدے کے چند اشعار یہ ہیں:

جُنُوْدُكَ اَمْلَاكُ السَّمَاءِ وَظَنُّهُمْ
عُدَاتُكَ جِنَّ الارضِ فِي الْفَتْكِ لَاالِانْسا
آپ کے سپاہی آسمانی فرشتے ہیں مگر ان کے
دشمن ان کی خونریزی دیکھ کر انہیں زمین کے جنات سمجھتے ہیں

فَلا يَسْتَحِقُّ الْقُدْسَ غَيْرُكَ فِى الورىٰ
فَاَنْتَ الَّذِى مِنْ دُوْنِهِمْ فَتَحَ الْقُدساَ
آپ کے سوا مخلوق میں القدس کی فتح کا حقدار کوئی نہ بن سکا
ان میں آپ ہی ہیں جس نے القدس فتح کیا

وَمِنْ قَبلِ فتحِ القُدسِ كُنتَ مُقَدَّساً
فَلاعَدِمَتْ اَخلاقُكَ الطُّهْرَ والقُدسا

[5] [illegible]

القدس کی فتح سے پہلے بھی آپ پاکیزہ تھے
آپ کے اخلاق طہارت و پاکیزگی سے کبھی خالی نہ رہے

نَزَعْتَ لباسَ الكُفْرِ عَن قُدْسِ أرضِها
وَألْبَسْتَها الدِّينَ الَّذِي كَشَفَ اللُّبْسا

آپ نے اس پاک سرزمین سے کفر کا لباس اتار کر
اسے دین کی پوشاک پہنائی جو فریب کھول دیتا ہے

وَأعَدْتَ بيتَ اللہِ أحكامَ دِينِهِ
وَلا بِطرِكًا أبْقَيْتَ فيه وَلا قِسّا

آپ نے اللہ کے گھر میں اس کے دینی احکام دوبارہ نافذ کر دیے
یہاں کوئی پادری باقی چھوڑا نہ راہب

وَقَد شاعَ فِي الآفاقِ عَنْكَ بَشارةٌ
بِأنَّ أذانَ القُدْسِ قد بَطَلَ النَّقْسا

آپ کی جانب سے پوری دنیا میں یہ بشارت پہنچ گئی
کہ القدس کی اذان نے ناقوس کو فنا کر دیا ہے

مصر سے ابو علی الحسن جوینی نے اس بھی شاندار قصیدہ ارسال کیا جسے سلطان کے روبرو پڑھ کر سنایا گیا، اس میں کہا گیا:

جُنْدُ السَّماءِ لِهٰذا المَلِكِ أعْوانُ
مَنْ شَكَّ فيهِم فَهٰذا الفَتْحُ بُرْهانُ

آسمانی فوجیں اس بادشاہ کی مددگار ہیں
جسے اس میں شک ہو اس کے لیے یہ فتح کافی ثبوت ہے

هٰذي الفُتُوحُ فُتُوحُ الأنبِياءِ وَما لَها
سِوى الشُّكرِ بِالأفْعالِ أثْمانُ

یہ فتوحات دراصل انبیاء علیہم السلام (کے دین) کی فتوحات ہیں
اور اعمال (صالح) کیساتھ شکر ادا کرنے کے سوا ان کی کوئی قیمت نہیں ہو سکتی

تِسْعُونَ عَاماً بِلادُا تَصْرَخُ
وَالإِسْلَامُ نصارُهُ صُمٌّ وَعُمْيَانٌ
نوے برس تک اللہ کے یہ مقدس شہر فریاد کرتے رہے
جب کہ اسلام کے مددگار بہرے گونگے بنے رہے
فَالآنَ لَبّٰی صَلاحُ الدین دَعْوَتُهم
بِأَمْرِمَنْ هُوَلِلْمِعْوَانِ مِعْوانٌ
بس اب صلاح الدین نے ان شہروں کی پکار پر
اس کے حکم سے لبیک کہا جو مددکرنے والے کا مددگار ہے

✤ مصر کے ایک اور معروف شاعر الجوانی نے اپنے دلی تاثرات کو یوں لکھا کہ آنکھیں بھر آتی ہیں:

أَ تَرَی مَناماً مَا بِعَيْنِیْ اَبْصُرُ
اَلْقُدْسُ يُفْتَحُ وَالْفَرَنْجَةُ تُكْسَرُ
میں جو کچھ جاگتی آنکھ سے دیکھ رہا ہوں کیا تو اسے خواب سمجھ رہا ہے؟
بیت المقدس فتح ہو چکا ہے اور فرنگی شکست کھا چکے ہیں
وَمَلِيْكُهُم فِي الْقَيْدِ مَصْفُودٌ وَلَمْ
يُرَقَبْلَ ذالِكَ لَهُم مَلِيْكٌ يُؤْسَرُ
ان کا بادشاہ (گائی) زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے
جبکہ اس سے پہلے ان کا کوئی بادشاہ گرفتار نہیں ہوا
قَد جَاءَ نَصْرُا ِ وَالْفَتْحُ الَّذی
وَعَدَالرَّسُوْلُ فَسَبِّحُوْا وَاسْتَغْفِرُوْا
اللہ کی مدد آن پہنچی اور وہ فتح نصیب ہوئی
جس کا رسول ﷺ نے وعدہ کیا تھا، پس تسبیح اور استغفار کرو
فُتِحَ الشامُ وَطُهِرَ الْقُدْسُ الَّذی
هُوَفِی الْقِيامَةِ لِلأَنامِ الْمَحْشَرُ
شام فتح ہوا اور وہ ارض مقدس پاک ہوگئی
جو قیامت میں تمام مخلوق کی اجتماع گاہ بنے گی

◆ اسپین کے مشہور مسلم سیاح ابوالحسین ابن جبیر اندلسی جو فتح القدس سے چند برس پہلے عالم اسلام کے کئی ممالک کے علاوہ ایوبی سلطنت کا دورہ بھی کر چکے تھے، اس فتح کی خوشخبری ملنے پر ہلکی پھلکی بحر میں اپنی مسرت کا اظہار یوں کرتے ہیں:

ثَأَرْتَ لِدِينِ الْهُدٰى فِي الْعِدٰى
فَآثَرَكَ اللّٰهُ مِنْ ثَائِرٍ
آپ نے دشمنوں سے دین ہدایت کا انتقام لیا
پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر بدلہ لینے والے پر فضیلت دی

وَقُمْتَ بِنَصْرِ إِلٰهِ الْوَرٰى
فَسَمَّاكَ بِالْمَلِكِ النَّاصِرِ
آپ مخلوق کے رب (کے دین) کی نصرت کے لیے کھڑے ہوئے
تو اس نے آپ کو "الملک الناصر" کا نام دے دیا

وَجَاهَدْتَ مُجْتَهِدًا صَابِرًا
فَلِلّٰهِ أَجْرُكَ مِنْ صَابِرٍ
آپ نے جدوجہد کے ساتھ صبر کرتے ہوئے جہاد کیا
پس اے صبر کرنے والے اللہ ہی آپ کو اجر دے

تَبِيتُ الْمُلُوكُ عَلٰى فُرْشِهِمْ
وَتَرْفُلُ فِي الزَّرَدِ السَّابِرِ
دوسرے بادشاہ اپنے بستر پر شب گزارتے ہیں
جبکہ آپ اپنی زنجیر دار زرہ میں مزے سے چلتے ہیں

وَتُؤْثِرُ جَاهِدَ عَيْشِ الْجِهَادِ
عَلٰى طِيبِ عَيْشِهِمِ النَّاضِرِ
آپ نے جہاد کی سخت زندگی کو
ان بادشاہوں کی ناز و نعمت کی زندگی پر ترجیح دی ہے

فَتَحْتَ الْمُقَدَّسَ مِنْ أَرْضِهِ
فَعَادَتْ إِلٰى وَضْعِهَا الطَّاهِرِ

آپ نے ارضِ مقدس کو فتح کیا
اب وہ اپنے اصل پاکیزہ وصف پر واپس لوٹ آئی ہے
لَكُمْ ذَخَرَ اللّٰهُ هٰذَا الْفُتُوْحَ
مِنَ الزَّمَنِ الْأَوَّلِ الْغَابِرِ
اللہ نے یہ فتوحات آپ کے لیے جمع کر رکھی تھیں
زمانہ قدیم سے، ہمیشہ سے
وَخَصَّكَ مِنْ بَعْدِ فَارُوْقِهٖ
بِهَا لِاصْطِنَاعِكَ فِى الْاٰخِرِ
اللہ نے اپنے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کو اس سعادت کے لیے چنا
کیونکہ آپ آخرت کو ترجیح دیتے ہیں
مَحَبَّتُكُمْ أُلْقِيَتْ فِى النُّفُوْسِ
بِذِكْرِكُمْ فِى الْوَرٰى طَائِرٍ
آپ کی محبت دلوں میں اتاردی گئی ہے
اور آپ کی شہرت کا پنچھی زمانے میں محوِ پرواز ہے [1]

<u>بیت المقدس کو پاک کر دیا گیا</u>: سلطان صلاح الدین ایوبی اگلے جمعہ کی نماز پورے اہتمام سے مسجد اقصیٰ میں ادا کرنا چاہتے تھے، انہوں نے فوری طور پر کفر وشرک کی علامات سے مسجد کی تطہیر، اس کی ضروری مرمت اور تعمیراتی کام کا حکم دے دیا تھا۔ نصرانیوں نے مسجد اقصیٰ کی پاکیزگی، خوبصورتی اور دلکشی کو پامال کرتے ہوئے گنبد صخرہ اور مسجد اقصیٰ کی اصل شکل کو مسخ کر دیا تھا۔ دیواروں پر پیغمبروں اور ولیوں کی فرضی تصاویر نقش کر دی تھیں۔ جگہ جگہ ان کی مورتیاں نصب اور صلیبیں آویزاں تھیں۔ بیت المقدس میں کئی چرچ بنا لیے گئے تھے۔ مسجد اقصیٰ کے ساتھ رہائشی مکانات بنا کر اس کی ہیئت بدل دی گئی تھی۔ محراب مسجد کو دیوار چن کر چھپا دیا گیا تھا۔ گنبد صخرہ کے نیچے چرچ اور قربان گاہ بنا کر وہاں بے ہودہ تصاویر کی بھرمار کر دی گئی تھی۔ وہاں موجود مقدس چٹان "صخرہ شریفہ" پر خنزیر کی شبیہیں بنا دی گئی تھیں اور اس کو سنگ مرمر کی سلوں سے اس طرح ڈھانپ دیا گیا تھا کہ اسے دیکھنا ناممکن ہو گیا تھا۔

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/360، 372 فصل فی سنۃ ثلاث وثمانین

علامہ ابن اثیر اسے ڈھانپنے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ پادری ایک عرصے تک زائرین کو اس مقدس چٹان کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہم وزن سونے کے عوض فروخت کرتے تھے۔ یورپ میں اس تبرک کی بڑی مانگ تھی۔ جو زائر اس کا ایک ٹکڑا بھی پانے میں کامیاب ہو جاتا وہ اسے اپنے وطن لے جا کر اس کی بنیاد پر ایک چرچ تعمیر کر لیتا اور اس ٹکڑے کو چرچ کی قربان گاہ کی زینت بناتا۔ آخر کسی عیسائی حکمران نے یہ محسوس کیا کہ اس طرح چٹان بالکل ختم ہو جائے گی، اس نے یہ سلسلہ روکنے کے لیے اسے سنگ مرمر کی سلوں سے ڈھانک دیا۔

ان تبدیلیوں کے علاوہ نصرانیوں نے مسجد کی مغربی سمت ایک بڑا رہائشی بنگلہ اور ایک بلند و بالا چرچ تعمیر کر لیا تھا۔ مسجد کا جو حصہ اس رہائشی تعمیر کی زد میں آ گیا تھا، وہ ان کے لوازمات مثلاً طہارت خانوں اور بیت الخلاؤں وغیرہ سے بھی آلودہ ہو رہا تھا۔ تعصب و عداوت پر مبنی ان بھونڈی تعمیرات نے پیغمبروں کی مقدس عبادت گاہ کا حلیہ بدل کر رکھ دیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے حکم کے مطابق نصرانیوں کی ان تمام تعمیرات کو منہدم کر دیا گیا، محراب مسجد کو کھول دیا گیا، صخرہ شریف سے سنگ مرمر کی سلوں کو ہٹا دیا گیا، مورتیاں توڑ دی گئیں، تصاویر اور صلیبیں مٹا دی گئیں۔ گنبد صخرہ اور مسجد کو مکمل طور پر پاک و صاف کر دیا گیا۔[4]

القدس میں پہلا جمعہ، قاضی ابو المعالی کا تاریخی خطبہ ❊ القدس کی فتح کے آٹھویں دن تک مسجد کی تطہیر کا کام مکمل ہو چکا تھا، البتہ مرمت کا کام جاری تھا۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور شعبان کی چوتھی تاریخ۔ سلطان نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ یہ جمعہ بہر حال مسجد اقصیٰ میں ادا کرنا ہے۔ چنانچہ صبح سے بیت المقدس میں ایک عجیب چہل پہل دکھائی دے رہی تھی۔ دور دور سے عوام و خواص کے قافلے اس اجتماع میں شرکت کے لیے چلے آ رہے تھے۔ نماز جمعہ کے وقت مسجد میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ پہلی صف سے گنبد صخرہ تک مسلسل صفیں بن چکی تھیں۔ سلطان صلاح الدین آخری صفوں میں تھے جو گنبد صخرہ کے سائے میں بنائی گئی تھیں۔[5]

اس دن نماز جمعہ کے خطبے اور امامت کی ذمہ داری ایک بہت بڑی سعادت اور ایک بے مثل شرف تھا۔ لوگ صبح سے اندازے لگا رہے تھے کہ یہ اعزاز کسے نصیب ہوگا۔ سلطان کے وابستگان میں ایک سے بڑھ کر ایک اہل علم و فضل اور ورع و تقویٰ کے آفتاب و ماہتاب موجود تھے۔ پھر اس موقع پر عالم اسلام کے اور بھی کئی نامور ائمہ، مشائخ اور فقہاء تشریف لے آئے تھے۔ جمعہ کی پہلی اذان تک تذبذب

---

[4] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/377، 378؛ الکامل فی التاریخ: حوادث 583ھ
[5] کتاب الروضتین: 3/381

کی یہ فضا قائم تھی۔ تب سلطان نے دمشق کے قاضی القضاۃ محی الدین ابوالمعالی کو یہ اعزاز سونپا۔ قاضی صاحب منبر پر تشریف فرما ہوئے تو لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر ان کی زیارت کرنے لگے۔ مؤذن نے دوسری اذان دی اور قاضی صاحب خطبے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ ❶

انہوں نے فصیح و بلیغ عربی میں ایسا شاندار خطبہ دیا کہ لوگ وجد میں آ گئے۔ کاتب عماد اصفہانی کے بقول سحبان بن وائل کی سجع بندیاں بھی اس تقریر کے آگے ہیچ تھیں۔ قاضی صاحب نے انوکھے انداز میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، حضور ﷺ اور خلفائے اربعہ پر درود بھیجا اور پھر انتہائی مؤثر پیرائے میں ایک تقریر کی جس میں اظہارِ مسرت بھی تھا اور احساسِ تشکر بھی۔ جوش بھی تھا اور سنجیدگی بھی، حوصلہ افزائی بھی تھی اور تنبیہ و نصیحت بھی۔ تقریر کے دوران حاضرین کے دل موم کی طرح پگھل رہے تھے، آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہو رہی تھی اور دل شکر و امتنان کے جذبات سے لبریز تھے۔ قاضی القضاۃ نے موقع کے مطابق پہلے درج ذیل آیات قرآنیہ تلاوت کیں:

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿45﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿1﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿2﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿3﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ڛ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿111﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ﴿1﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰي عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

پھر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مُعِزِّ الْاِسْلَامِ بِنَصْرِهٖ وَمُذِلِّ الشِّرْكِ بِقَهْرِهٖ وَمُصَرِّفِ الْاُمُوْرِ بِاَمْرِهٖ وَمُدِيْمِ النِّعَمِ بِشُكْرِهٖ وَمُسْتَدْرِجِ الْكَافِرِيْنَ بِمَكْرِهِ الَّذِيْ قَدَّرَ الْاَيَّامَ دُوَلًا بِعَدْلِهٖ وَجَعَلَ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ بِفَضْلِهٖ

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اسلام کو اپنی نصرت سے عزت بخشی، شرک کو اپنے قہر سے

❶ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 201/3

رسوا کیا، جو تمام امور کو اپنے حکم سے ادلتا بدلتا ہے، جو نعمت کا شکر کر[illegible] اسے باقی رکھتا ہے، جو

کفار کو اپنی تدبیر سے ڈھیل دیتا ہے، جو دنوں کو اپنے انصاف کے مطابق پھیر دیتا ہے، جس نے اپنے فضل سے اخروی کامیابی کو پرہیزگاروں کے لیے خاص کیا ہے، جس نے بندوں پر اپنا سایۂ رحمت پھیلا رکھا ہے، جس نے اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کر دکھایا ہے۔ وہ رب تمام بندوں پر غالب ہے، اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ وہ اپنی شان کے مطابق ظاہر ہے، اس سے کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے، اس کے خلاف کوئی درخواست دائر نہیں ہو سکتی۔ وہ اپنی مرضی کے مطابق حکم دیتا ہے، اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔

میں اس کی تعریف بیان کرتا ہوں کہ اس نے اپنے دوستوں کو غالب کیا اور عزت دی، اپنے دین کے مددگاروں کی مدد کی، اپنے بیت المقدس کو شرک کی ناپاکی سے پاک کیا۔ یہ ایسے شخص کی حمد ہے جو دل کی گہرائیوں سے بھی ثنا خواں ہے اور ظاہراً زبان سے بھی۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ یکتا ہے، بے مثال ہے۔ نہ کوئی اس سے پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ یہ ایسے شخص کی گواہی ہے جس کا دل توحید نے پاک کر دیا ہے اور اس نے اس کلمے سے اپنے رب کو راضی کیا ہے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ جنھوں نے شکوک دور کیے، شرک کو مٹایا اور جھوٹ کے پردے چاک کیے۔ جن کو مسجد حرام سے اس مسجد اقصیٰ تک لایا گیا۔ یہاں سے آسمان کی بلندیوں اور سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا جس کے پاس جنۃ الماویٰ ہے۔ ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى﴾ رسول اللہ ﷺ کی نگاہ چوکی نہ حد سے بڑھی۔

اللہ کی رحمتیں ہوں ان پر اور ان کے خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر جو سب سے پہلے ایمان لائے اور امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر جنھوں نے سب سے پہلے اس جگہ سے صلیبی نشانات ہٹائے۔ اور امیر المومنین عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پر جنھوں نے قرآن مجید جمع کیا اور امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر جنھوں نے شرک کو اکھاڑ پھینکا اور بتوں کو توڑ ڈالا۔ اور آل و اولاد اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر اور ان سب پر جنھوں نے ان کی نیکی کے ساتھ پیروی کی۔

لوگو! اللہ کی رضامندی کی خوشخبری لو جو اصل مقصود اور اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ اللہ نے ہماری گم شدہ متاع گمراہ لوگوں سے ہمیں واپس دلا دی۔ تقریباً ایک صدی تک مشرکین کے ہاتھوں پامال ہونے کے بعد اسے پھر سے اسلام کی آغوش میں پہنچا دیا۔ یہ گھر جس کا اللہ نے احترام کرنے اور اس میں اپنا نام لینے کا حکم دیا ہے، پاک کر دیا گیا ہے۔ اس کے راستے جن میں شرک کی آلودگی

بھر چکی تھی اور شرکیہ علامات ثبت ہو چکی تھیں، صاف کر دیے گئے ہیں۔ اللہ نے اسے توحید کے ساتھ پھر سے سربلند کر دیا ہے، کیونکہ توحید اور تقویٰ پر ہی اس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ ہر دور میں اس کی تعمیر تقویٰ کی اساس پر ہوئی ہے۔ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا وطن اور تمہارے پیغمبر ﷺ کی جائے معراج ہے۔ یہ وہی قبلہ ہے جس کی طرف تم ابتدائے اسلام میں رخ کر کے نمازیں پڑھتے رہے۔ یہ انبیاء کا مسکن، اولیاء کی جائے ارادت، رسولوں کا ٹھکانہ، وحی کا مقام اور امر و نہی کی منزل ہے۔ اسی جگہ حشر و نشر ہوگا۔ یہ وہی مقدس سرزمین ہے جس کا ذکر اللہ نے قرآن پاک میں کیا ہے۔ یہ وہی مسجد ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ملائکہ مقربین کی موجودگی میں نماز ادا کی۔ یہی شہر ہے جس میں اللہ نے اپنے بندے، رسول اور کنواری مریم کی طرف القاء کیے گئے کلمے اور روح یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا۔ اللہ نے انھیں رسالت سے مشرف اور نبوت سے مکرم بنایا۔ وہ اپنے مقام عبودیت سے کبھی نہ ہٹے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾

مسیح کو اس بات سے ہرگز کوئی عار نہیں کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور نہ ہی مقرب فرشتوں کو۔

اور ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾

بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی تو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہے۔

حضرات! یہ قبلہ اوّل، کائنات کی دوسری قدیم ترین مسجد اور تیسرا حرم پاک ہے۔ مسجد الحرام اور مسجد نبوی کے بعد اسی کی طرف مستقل سفر کیا جاتا ہے۔ اگر اللہ نے اپنے بندوں اور پوری دنیا کے باشندوں میں سے آپ کو بطور خاص نہ چنا ہوتا تو اس شہر کی فتح کی فضیلت کیوں عطا کرتا۔ اس شرف میں کوئی آپ کا شراکت دار اور ہم سر نہیں۔ خوش قسمت ہے وہ لشکر جس کے ہاتھ پر نبیوں کے معجزات جیسے واقعات، اصحاب بدر رضی اللہ عنہم کی سی کرامات، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسی عزیمت، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسی فتوحات، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسی لشکر کشی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسی شجاعت ظاہر ہوئی۔

تم نے اسلام کی تاریخ میں قادسیہ کے معرکے، یرموک کی لڑائی، خیبر کے حملے اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جنگوں کی یاد تازہ کر دی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے حبیب محمد ﷺ کی طرف سے بہترین جزائے خیر عطا کرے اور دشمنوں کے مقابلے میں تمہاری جان نثاری اور جد و جہد کو قبول فرمائے۔

اس کا قرب پانے کے لیے تمہارے بہنے والے خون کو شرف قبولیت نصیب ہو۔ اللہ تمہیں اس کے بدلے میں جنت میں داخل کرے جو اہل سعادت کا گھر ہے۔

لوگو! اللہ تم پر رحم کرے، اس نعمت کی قدر کر لو جیسا کہ اس کی قدردانی کا حق ہے۔ تم پر جو شکر واجب ہے اسے اللہ کی رضا کے لیے ادا کرتے رہو۔ اس کا تم پر بہت بڑا احسان ہے کہ یہ فتح کی نعمت بطور خاص تمہیں عطا کی اور تمہیں اس خدمت کے لیے قبول کیا۔

یہی تو وہ فتح ہے جس کے لیے آسمان کے دروازے کھل گئے۔ جس کی روشنی سے اندھیروں کے چہرے منور ہو گئے۔ جس پر مقرب فرشتے بھی خوش ہوئے اور انبیاء و رسل کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ اس سے بڑھ کر تم پر کیا انعام ہو سکتا ہے کہ اس آخری دور میں تم کو بیت المقدس کا فاتح بنایا۔ آفتاب نبوت کے پردہ کر جانے کے بعد تمہیں وہ لشکر بنایا گیا جس کی شمشیروں نے اسلام کے پرچم بلند کیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ محروموں کی بہ نسبت اس نعمت کو پانے والے زیادہ غافل ہو جائیں اور ناقدرے بن جائیں۔

کیا یہ وہی گھر نہیں جس کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کیا اور ارشاد فرمایا:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا﴾

کیا یہ وہی جگہ نہیں جس کی عظمت بادشاہوں نے مانی، جس کی تعریف رسولوں نے کی۔ جس میں تمہارے رب کی چاروں آسمانی کتب پڑھی جاتی رہیں۔ کیا یہ وہی گھر نہیں جسے حضرت یوشع علیہ السلام کے ہاتھ پر فتح کرانے کے لیے اللہ پاک نے سورج کو غروب ہونے سے روک دیا اور اس کی مسافت کو طویل کر دیا تاکہ القدس کی فتح آسان اور قریب تر ہو جائے۔

کیا یہ وہی قبلہ نہیں جس کی فتح کے لیے اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا اور ان کی قوم میں سے دو کے سوا کسی نے ان کا ساتھ نہ دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر اس سرکشی کی پاداش میں ان کی قوم کو وادی تیہ میں محصور کر دیا۔

لوگو! اللہ کا شکر بجا لاؤ کہ اس نے ایسے مقام کی فتح کے بارے میں تمہارے عزائم پورے کیے، جس سے بنی اسرائیل تمام جہانوں پر فضیلت کے باوجود محروم رہے۔ تمہیں ایسی سعادت بخشی جس سے گزشتہ اقوام نامراد رہیں اور اس مہم کے بہانے تمہیں متحد اور مجتمع کر دیا حالانکہ تم پہلے منتشر تھے اور اس نے تمہیں آج کل اور پرسوں کے تذبذب سے بچا لیا۔

مبارک ہو کہ اب اللہ نے تمہارا ذکر اپنے فرشتوں میں کیا ہے۔ تم جو کل تک اپنی خواہشات کے تابع تھے اب اس کا لشکر بن چکے ہو۔ فرشتے تمہارے قدردان ہیں کہ تمہی اس گھر میں کلمہ توحید بلند کر رہے ہو۔ اسے تسبیح وتحمید سے آباد کر رہے ہو۔ اس کے راستوں سے کفر وشرک اور تثلیث کی نجاستوں اور گندے عقائد کی پلیدی کو دور کر چکے ہو۔ ہاں اب فرشتے بھی تمہارے لیے استغفار کر رہے ہیں اور تمہارے لیے رحمت کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔

لوگو! اللہ تم پر رحم کرے! پرہیزگاری کے ساتھ اللہ کے اس ہدیے کی حفاظت کرو اور اس عطیے کی نگرانی رکھو، جسے تقویٰ نصیب ہوا وہ سلامت رہے گا۔ جس نے اس کا دامن تھام لیا وہ نجات پائے گا۔ خواہشات کی پیروی سے، ہلاکت خیز کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے سے اور الٹے پاؤں پھرنے سے بچتے رہنا۔ فرصت سے فائدہ اٹھالو، جو کسر رہ گئی ہے اسے پورا کرلو۔

اللہ کے بندو! اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا جہاد کا حق ہے۔ اللہ کی خوشنودی میں اپنی جانوں کو بیچ ڈالو کہ اس نے تمہیں اپنا خاص بندہ بنایا ہے۔

خبردار! بچتے رہنا کہیں شیطان تم پر مسلط نہ ہوجائے۔ کہیں تم سرکشی نہ کرنے لگو اور یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ یہ فتح تمہاری تیز دھار تلواروں، تمہارے برق رفتار گھوڑوں اور دشمن کی سرزمین میں تمہاری پامردی کی وجہ سے نصیب ہوئی ہے۔ نہیں!

﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾

اللہ کی قسم، فتح ونصرت کے فیصلے صرف اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ بے شک وہ زبردست، حکمتوں والا ہے۔

اللہ کے بندو! اب جبکہ اللہ نے تمہیں یہ عظیم فتح عطا فرمادی، یہ گراں مایہ تحفہ بخش دیا، فتح مبین تمہارے لیے مختص کردی اور تمہارے ہاتھوں کو اپنی مضبوط رسی سے وابستہ کرلیا تو ایسا نہ ہو کہ تم کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے لگو، بڑی بڑی معصیتوں میں منہمک ہوجاؤ۔

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ م بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا﴾

اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو تمہاری مثال اس سوت کاتنے والی کی سی ہوگی جو سوت کاتے اور پھر اسے دھجی دھجی کرکے پھینک دے، کہیں تم اس بدبخت کی طرح نہ ہوجاؤ۔

﴿اَلَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ﴾

جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا علم دیا ہو مگر وہ اس سے روگردانی کرے، شیطان اس کے پیچھے پڑ

جائے اور آخر وہ راہ سے بھٹک کر رہ ہے۔
لوگو! جہاد! جہاد تو افضل ترین عبادت ہے، بڑے شرف والی مصروفیت ہے۔
﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾
لوگو! تم اللہ کے دین کی مدد کرتے رہو، اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اللہ کو یاد کرو اللہ تمہیں یاد رکھے گا۔ اللہ کا شکر کرتے رہو وہ تمہیں اور زیادہ عطا کرے گا اور تمہاری قدردانی کرتا رہے گا۔
ہاں! بیماری کے خاتمے کی خوب کوشش کرو، دشمنوں کا قلع قمع کر دو، اللہ کی باقی اس زمین کو بھی پاک صاف کر دو جہاں سے ہونے والے اعمال اللہ اور اس کے رسول کی ناراضی کا سبب بن رہے ہیں۔ کفر کی شاخوں کو بھی کاٹ ڈالو اور اس کی جڑوں کو بھی نابود کر دو۔ زمانہ پکار رہا تھا کہ اسلام اور ملت محمدیہ کا انتقام کب لیا جائے گا۔ اللہ اکبر! اللہ کے دین کو فتح ملی۔ اللہ نے اپنے بندوں کی مدد کی۔ اس کا حکم غالب آ گیا۔ اسی کا فیصلہ نافذ ہوا اور اس نے کفار کو ذلیل وخوار کر دیا۔
مسلمانو! یاد رکھنا یہ فرصت ملی ہے تو اسے غنیمت جانو، شکار سامنے ہے اس پر جھپٹ پڑو! مہمات در پیش ہیں ان کے لیے اپنی ہمتوں کا اظہار کرو اور اپنی صلاحیتیں بروئے کار لاؤ۔ اپنے عزم کے لشکروں کو مرتب کرو اور حرکت دو۔ تمام کاموں کا دارومدار ان کے اختتام پر ہی ہوتا ہے۔ تمام محنتوں کی حیثیت جمع پونجی کے بقدر ہوتی ہے۔ اللہ نے تمہیں ان نامراد دشمنوں پر غالب کر دیا ہے جو تمہارے برابر یا تم سے تعداد میں زیادہ تھے۔ پھر اب کیا ڈرنا ہے کہ اب تو تمہارے بیس افراد کے مقابلے میں ان کا ایک رہ گیا ہے۔ دیکھو! اللہ نے کیا فرمایا ہے۔
﴿اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ﴾
تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوئے تو کفار کے دوسو افراد پر غالب رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے احکام کی تعمیل اور ممنوعات سے احتراز میں ہماری اور آپ کی مدد فرمائے، اور ہم مسلمانوں کی اپنی بارگاہ سے خاص نصرت فرمائے۔
﴿اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ مبَعْدِهٖ﴾
اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا، مگر وہی تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے۔"
اس کے بعد قاضی القضاۃ نے آہوں اور سسکیوں کی گونج میں یہ بے تابانہ دعا کی!!

"یااللہ! اس بادشاہ کی حکومت کو باقی رکھ جو تیری ہیبت کے آگے جھکا ہوا بندہ ہے، تیری نعمتوں کا معترف اور تیری عطا کا شکر گزار ہے، جو تیری شمشیرِ آبدار ہے، جو تیرا چمکتا شعلہ ہے۔ تیرے دین کا محافظ ہے۔ تیری حدود کا نگران ہے۔ تیرے احکام کی دیکھ بھال کرنے والا ہے۔ یہ سیدنا صلاح الدین سلطان الناصر ہے جس نے کلمہ توحید پر لوگوں کو اکٹھا کر دیا ہے اور صلیبیوں کو مٹادیا ہے۔ یہ صلاح الدین بھی ہے اور صلاح الدنیا بھی۔ دین و دنیا کی اصلاح کرنے والا ہے۔ یہ اسلام اور مسلمانوں کا سلطان ہے جس نے بیت المقدس کو پاک کیا ہے۔ یہ یوسف بن ایوب ہے جس نے عباسی خلیفہ کی حکومت کو حیاتِ نو بخشی ہے۔

یااللہ! اس کی وسیع مملکت کو مستحکم فرما، اپنے فرشتوں کو اس کے پرچموں کے ہمراہ رکھ۔ دینِ حنیف کے لیے اس کی کوششوں کا بہترین بدلہ دے۔ ملت محمدیہ کے لیے اس کے عزائم کو پایہ تکمیل تک پہنچا۔ اسلام کے لیے اس کی ذات کو تادیر باقی رکھ۔ ایمان کے لیے اس کے چشمے کو جاری رکھ۔ مشرق و مغرب میں اس کے پیغام کو عام فرما۔

یااللہ! جس طرح بیت المقدس کی فتح سے ہماری پس و پیش اور مایوسی کے باوجود تو نے اس بادشاہ کے ہاتھ پر اس سرزمین کو آزاد فرمادیا، اسی طرح اس کی فتوحات کو دنیا کے کونے کونے تک لے جا۔ کفار کے گڑھ اور ان کی پیشانیاں اس کے آگے مسخر کردے۔ جو لشکرِ کفار اس سے بھڑے وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے، جو گروہ اس کے آڑے آئے وہ بکھر جائے۔

اے اللہ! حضرت محمد ﷺ کی جدوجہد کو مشکور فرما، ان کے اوامر و نواہی کو مشرق تا مغرب ساری دنیا میں نافذ فرما۔ یااللہ! آپ ﷺ کی برکت سے شہروں کے مراکز کو بھی اچھا کردے اور مضافات کو بھی۔ ملک کے اضلاع کو بھی درست کردے اور سرحدوں کو بھی۔ اے اللہ ان کے طفیل کفار کے مسخ چہروں کو رسوا کردے اور سرکشوں کی ناک نیچی کردے۔ اس وطن کے گیسوؤں کو سب شہروں تک پھیلادے۔ اس کے لشکروں کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچادے۔

اے اللہ! اس بادشاہت کو اس حکمران اور اس کی اولاد میں تاقیامت باقی رکھ۔ اور اس کا سایہ اپنی اولاد اور سعادت مند بھائیوں پر تادیر قائم رکھ۔ بادشاہ کی قوت کو ان کی بقا کے ذریعے مضبوط کر۔ ان کے دوستوں کی عزتوں کو باقی رکھ۔ اے اللہ جس طرح تو نے اس بادشاہ کو ایسی عظیم نیکی کی توفیق دی جو مدتوں بعد بھی زندہ رہے گی اور کتنے ہی ماہ وسال گزرنے پر بھی اس کی شہرت رہے گی، تو اسی طرح اسے وہ دائمی بادشاہت بھی دے دے جو متقیوں کو جنت میں نصیب ہوگی۔ اس

کے حق میں یہ دعا قبول فرمالے:

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ﴾

میرے رب مجھے توفیق مرحمت کر کہ میں تیری نعمتوں کا شکر گزار رہوں جو مجھ پر اور میرے والدین پر ہوئیں اور میں ایسے نیک عمل کرتا رہوں جن سے تو خوش ہو اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل فرمالے۔"

نماز جمعہ کے بعد سلطان ایوبی نے زین الدین نجا الواعظ سے فرمائش کی کہ وہ حاضرین سے خطاب کریں۔ انہوں نے منبر پر چڑھ کر بیت المقدس کی فتح، فریضۂ جہاد، علامات قیامت، میدانِ محشر اور جنت و جہنم پر ایک ایسی مؤثر، پرجوش اور فصیح و بلیغ تقریر کی جس سے حاضرین کی آنکھیں نم ہو گئیں اور سب کے دلوں پر گہرا اثر ہوا۔[1]

نصرانیوں کا انخلاء اور سلطان کا حسن انتظام ❁ القدس کے بعد سلطان کی فوج اردگرد کے قلعے اور فصیل بند بستیاں بھی فتح کر چکی تھی۔ فلسطین میں کوئی زمین نصرانیوں کے قبضے میں باقی نہیں رہ گئی تھی۔ القدس کے غیر مسلم معاہدے کے مطابق چالیس دن کے اندر اندر فدیے کی رقم ادا کر کے ارضِ مقدس چھوڑ دینے کے پابند تھے۔ القدس کی فتح کے بعد اب تک شہر کے دروازوں پر کڑے پہرے لگے ہوئے تھے تاکہ اہلِ شہر کے لیے انخلاء کے سرکاری انتظامات کی تکمیل اور زرِ فدیہ کی ادائیگی سے پہلے کوئی شخص نقل مکانی نہ کر پائے۔ شہر کی آبادی بہت زیادہ تھی۔ ساٹھ ہزار تو صرف وہ پیشہ ور گھڑسوار اور پیادہ سپاہی تھے جو مسلمانوں سے لڑتے رہے تھے۔ کاتب عماد اصفہانی کے مطابق شہر کے مرد و زن اور بچے ایک لاکھ سے متجاوز تھے۔ علامہ ابن اثیر کے بقول شہر اتنا گنجان تھا کہ اس کی گلیاں اور چرچ لوگوں سے بھرے رہتے تھے اور چلنا پھرنا دشوار ہو جاتا تھا۔ پھر اس میں ہزاروں لوگ وہ تھے جو دور دراز سے القدس کی زیارت کے لیے آئے تھے اور بہت سے ایسے تھے جو عسقلان، رملہ اور غزہ جیسے شہروں پر مسلمانوں کے حملے سے پہلے یا اس کے بعد نقل مکانی کر کے القدس آ گئے تھے۔

زرِ فدیہ کی وصولی اور عیسائی آبادی کا انخلاء ایک بہت بڑا اور پیچیدہ کام تھا مگر سلطان صلاح الدین نے اپنے رفقاء کی مدد سے اسے پوری خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دینے کی تیاری کر لی تھی۔ آخر انخلاء شروع ہوا۔ شہر کے اندر اور باہر ہر جگہ سلطان کے سپاہی تعینات تھے تاکہ امن و امان برقرار رہے۔ ان

[1] کتاب الروضتین: تحت 583ھ

سپاہیوں کی نگرانی کرنے کے لیے سلطان کے معتمد امیر موجود تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ کسی غیر مسلم سے بدسلوکی نہ ہونے پائے۔ شہر کے تمام دروازوں پر سلطان کے افسران فدیہ کی رقم جمع کرنے کے لیے متعین تھے۔ ہر مرد دس دینار، ہر عورت پانچ دینار اور ہر بچہ یا بچی دو دو دینار ادا کر کے شہر سے نکل رہے تھے۔ جو لوگ زرِ فدیہ ادا کرتے جا رہے تھے وہ صور جانے والے قافلوں میں شامل ہو رہے تھے۔ قافلوں کو صور تک بحفاظت لے جانا بھی سلطان کے سپاہیوں کی ذمہ داری تھی۔

فدیے کی ادائیگی کی ابتداء شہر کے سابق حاکم بالیان نے کی۔ اس نے باب داؤد پر تعینات افسر کو شاہ ہنری کے خزانے سے 70 ہزار دینار ادا کیے اور اپنی قوم کے سات ہزار غریب افراد کو آزاد کرا لیا۔ ان لوگوں کو شہر سے نکلنے کی اجازت دی گئی۔ اس کے بعد ہر دروازے سے فدیہ ادا کر کے نکلنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ مالدار اور صاحبِ حیثیت لوگوں کے لیے اتنی معمولی رقم ادا کرنا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ وہ آسانی سے نکل گئے۔ اگر ان کی اکثریت بالیان کی طرح اپنی قوم سے ہمدردی کا ثبوت دیتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ القدس کے تمام غریب عیسائی سہولت سے آزاد ہو کر اپنی منزل کی طرف نکل جاتے مگر خوشحال نصرانیوں میں سے چند ایک کے سوا سب نے بخل کا ثبوت دیا۔ وہ اپنی جان بچا کر نکل گئے اور مفلس لوگوں کو بڑی بے فکری سے غلامی کے لیے چھوڑ گئے۔ اگر زرِ فدیہ کچھ گراں ہوتا تو یقیناً نصرانیوں کی اکثریت غلام رہ جاتی مگر فدیے کی رقم معمولی تھی، متوسط طبقے کے لوگ بھی اسے ادا کر کے نکلتے جا رہے تھے۔ اس کے باوجود ایسے نادار لوگ کم نہ تھے جو کچھ ادا کرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر رحم دل سلطان اور ان کے کشادہ دل امراء رعایتوں میں اضافہ کرتے گئے۔ [1]

انخلاء کے عمل میں سلطان کی خوش تدبیری کا یہ عالم تھا کہ مقامی لوگوں سے ناروا سلوک کا کوئی ایک واقعہ بھی رونما نہیں ہوا۔ خود یورپی مؤرخین نے اس پر حیرت کا اظہار کیا ہے اور سلطان کے اس بے مثال حسنِ سلوک اور حسنِ انتظام کی تعریف کی ہے۔ شہر کے دروازوں پر جہاں فدیہ وصول کیا جا رہا تھا سلطان کے خاص معتمد امیر موجود تھے جو ایک رجسٹر میں فدیہ ادا کر کے نکلنے والوں کے نام درج کر رہے تھے۔ ایسا کہیں نہیں ہوا کہ کسی سے فدیہ وصول کر لیا گیا ہو مگر اس کا اندراج رہ گیا ہو اور پھر اسے دوبارہ ادائیگی پر مجبور کیا گیا ہو۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ سلطان کی رعایت اور نرمی سے فائدہ اٹھا کر بعض افسر فدیہ وصول کرنے کی جگہ معمولی رشوت لے کر لوگوں کو چھوڑتے رہے۔ بعض مسلمانوں نے نصرانیوں سے زرِ فدیہ کی بہ نسبت کم رقم وصول کر کے انہیں مسلمانوں کا لباس پہنا دیا اور اس طرح ان کے نکل جانے کا انتظام

[1] الکامل فی التاریخ: حوادث 583ھ

کیا۔ بعض نے انہیں رسیوں کے ذریعے فصیل پھلانگ کر فرار ہونے کا موقع دیا۔ کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے سلطان سے اجازت لے کر فدیہ کی رقم خود رکھ لی۔ بہر صورت نظم وضبط کی اس کمی سے صرف سلطان کے سرکاری خزانے کا نقصان ہوا۔ غیر مسلموں کو اس سے کوئی گزند نہیں پہنچ رہی تھی بلکہ ان کے لیے اس طرح آسانی پیدا ہوگئی تھی۔ [1]

اس موقع پر کئی امراء نے سلطان سے درخواست کر کے غیر مسلموں کے مختلف طبقات کے قیدیوں کا معاملہ اپنے ذمے لے لیا اور پھر ان میں سے بعض کو کچھ لے کر اور بعض کو مفت میں جلد از جلد چلتا کر دیا۔ مظفر الدین کوکبری نے رُہا کے ایک ہزار اَرمنی نصرانیوں کا معاملہ سنبھال لیا۔ البیرہ کے حاکم نے بھی پانچ سو اَرمنیوں کو اپنا ہم وطن بتا کر ان کا فدیہ خود وصول کرنے کی اجازت لے لی۔ کاتب عماد اور کئی مشیروں کا خیال تھا کہ یہ رقم مرکزی خزانے ہی میں محفوظ کی جائے تاکہ آڑے وقت اور اگلی متوقعہ مہمات میں کام آئے مگر سلطان نے فدیے سے حاصل شدہ اس رقم کو جو مجموعی طور پر ایک لاکھ دینار تھی بلاتکلف امرائے سلطنت، علماء، فقہاء، صوفیاء، مہمانوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا۔ اس میں سے ایک دینار بھی اپنے پاس نہ رکھا۔ [2]

<u>سلطان کا رحم وکرم انتہاء پر</u> ٭ القدس میں نصرانیوں کا ایک طبقہ وہ تھا جو یہاں مسلمانوں کی سابقہ حکومت کے دور سے آباد چلا آ رہا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کا نسلی تعلق اسی سرزمین سے تھا۔ سلطان کی جانب سے انخلاء کی پابندی کا اصل مقصد ان لوگوں کو باہر نکالنا تھا جو گزشتہ اکانوے برس میں مسلمانوں کو بے دخل کر کے یہاں آباد ہوئے تھے۔ یورپی نسل کے یہ عیسائی یقیناً اب ارض مقدس میں رہنے کے حق دار نہیں تھے۔ مگر جو عیسائی خاندان صدیوں سے یہاں آباد تھے سلطان نے ان کے لیے رعایتی پہلو باقی رکھا۔ جب انہوں نے سلطان سے گزارش کی کہ وہ جزیہ ادا کرتے ہوئے یہیں رہنا چاہتے ہیں تو سلطان نے اس درخواست کو فوراً قبول کر لیا۔ یہی نہیں بلکہ شہر کے ضعیف نصرانیوں اور زائرین کی خدمت کے لیے ہاسپٹلرز کے کارکنوں کو بھی شہر میں رہنے کی اجازت دے دی۔

شہر چھوڑنے والے نصرانیوں کو اسلحے اور گھوڑوں کے سوا تمام مال ودولت کا بدستور مالک تسلیم کیا گیا تھا، اس لیے ان سے جتنا ممکن ہوسکتا تھا ساز وسامان اور نقدی ساتھ لے جا رہے تھے مگر اس کے باوجود گھروں کا سارا اثاثہ سمیٹنا عام لوگوں کے لیے ممکن نہ تھا چنانچہ نقل مکانی کرنے والے اپنا بہت سا فالتو

---

[1] کتاب الروضتین: تحت 583ھ؛ والبدایۃ والنہایۃ: تحت 583ھ

[2] کتاب الروضتین: تحت 583ھ؛ والنوادر السلطانیۃ، ص: 135_136

سامان بیچ رہے تھے۔ ان میں قالین، مسہریاں، الماریاں، صندوق، عمارتی سامان، سنگ مرمر، منقش چوکے، کھڑکیاں، دروازے، تیار شدہ سامان، گل کاری کیے ہوئے پتھر، نگینے اور آرائشی چیزوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ یہ سامان وہ عیسائی بہت سستے داموں خرید رہے تھے جنہیں سلطان نے یہاں رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس کے علاوہ مسلمان سپاہی اور افسران بھی سامان خریدنے میں شریک تھے۔ اس کے باوجود بہت کچھ بچ گیا تھا۔[1]

آخر شہر تقریباً خالی ہو گیا۔ صرف وہی نصرانی باقی رہ گئے جو زرِ فدیہ ادا کرنے سے قاصر تھے۔ اب معاہدے کے تحت یہ سب کے سب مسلمانوں کے غلام تھے مگر سلطان نے یہاں بھی پوری فراخ دلی کا ثبوت دیا۔ جب بطریق (بڑے پادری) اور سابق حاکم بالیان نے جو ابھی تک القدس میں ٹھہرے ہوئے تھے، سلطان سے درخواست کی کہ ان غلاموں میں ایک ایک ہزار افراد انہیں عطا کر دیے جائیں تو سلطان نے فوراً ان کی خواہش پوری کر دی اور انہوں نے ان دو ہزار افراد کو آزاد کر دیا۔ اس کے بعد سلطان نے غلامی کی زد میں آنے والے تمام بوڑھے لوگوں کو اپنی صوابدید پر آزادی کا تحفہ عطا کر دیا۔ سلطان کے کئی امراء نے اس طرح ہزاروں باندیاں اور ہزاروں غلام سلطان سے مانگ مانگ کر آزاد کیے۔[2]

<u>یروشلم کی ملکہ ازابیلا سے برتاؤ</u> ✽ اب تک شام اور یورپ کے بعض معزز عیسائی خاندانوں کی خواتین القدس میں مقیم تھیں۔ سلطان نے ان کے ساتھ بھی احسان کا معاملہ کیا۔

سب سے اہم مسئلہ نصرانیوں کی ملکہ ازابیلا (سبل) کا تھا۔ القدس کے شاہی محل میں بسنے والی اس عورت نے اپنی مذہبی جنگ بڑی دلیری سے لڑی تھی۔ درحقیقت شام کے فرنگیوں کی اصل حکمران اور شاہی خاندان کی وارث یہی تھی۔ جہاں تک اس کے شوہر گائی کا تعلق ہے، وہ شاہی خاندان کا نہیں، بلکہ ایک یورپی سپاہی تھا۔ شاہ بالڈون چہارم کی موت کے بعد جب شاہی خاندان میں کوئی بالغ مرد نہ بچا تو ازابیلا نے اپنی قوم کو ایک مضبوط قیادت بخشنے کے لیے گائی سے شادی کر لی تھی اور اسے شاہی اختیارات دے کر مسلمانوں سے جنگ کا مرکزی کردار بنا دیا تھا مگر گائی حطین کے معرکے میں رسوا کن شکست کے بعد گرفتار ہو گیا تھا جس سے ملکہ کے منصوبے چکنا چور ہو گئے تھے۔ اب القدس پر مسلمانوں کے قبضے کے بعد ازابیلا اپنے بارے میں کسی اچھے سلوک کی توقع نہیں رکھ سکتی تھی مگر ایک بے بس، کمزور

[1] کتاب الروضتین، تحت 583ھ، الکامل فی التاریخ، تحت 583ھ
[2] صلاح الدین، لین پول، ص 202

اور بے سہارا عورت پر طاقت جتانا سلطان صلاح الدین ایوبی کی شرافت کے خلاف تھا۔ انہوں نے حسب عادت مہربانی کا برتاؤ کرتے ہوئے اسے اس کے تمام مال و دولت اور حشم و خدم سمیت اس کی مرضی کی جگہ چلے جانے کی اجازت دے دی۔ ملکہ اس حسن سلوک سے بے حد متاثر ہوئی، اس نے سلطان سے اجازت طلب کی کہ وہ اپنے شوہر گائی کے پاس جانا چاہتی ہے۔ گائی اس وقت مسلمانوں کی قید میں نابلس کے قلعے میں بند تھا۔ وعدے کے مطابق اسے چند ماہ بعد رہا کرنا طے تھا۔ سلطان نے اتنی مدت کے لیے ملکہ کو اس کے پاس بھیج دیا۔[4]

اپنے سب سے بڑے دشمنوں کے لیے اتنی فراخدلی کا مظاہرہ صلاح الدین ایوبی ہی کا کام تھا۔

ریجی نالڈ کی بیوہ پر احسان ❁ سلطان کے ہاتھوں قتل ہونے والے ملعون ریجی نالڈ کی بیوہ اس وقت قلعۂ کرک اور قلعۂ شوبک کی ملکہ تھی۔ وہ سوالی بن کر اپنے قلعے ''کرک'' سے سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس کا بیٹا ہُمُفری مسلمانوں کی حراست میں تھا۔ اس نے سلطان کا رحم و کرم دیکھ کر اپنے بیٹے کی رہائی کی درخواست کی۔ جب سلطان نے شرط لگائی کہ وہ قلعۂ کرک مسلمانوں کے حوالے کر دے تو اس نے خواہش ظاہر کی کہ پہلے اس کے بیٹے کو دمشق کے قید خانے سے بلوا کر اس کے سامنے لایا جائے۔ سلطان نے یہ خواہش پوری کر دی اور اسے اطمینان دلایا کہ جوں ہی کرک کا قلعہ مسلمانوں کو دیا جائے گا مسلمان اس کے لڑکے کو آزاد کر دیں گے۔ وہ بخوشی اس پر آمادہ ہوگئی مگر جب وہ اپنے مصاحبین کے ساتھ اپنے علاقے واپس گئی اور حسب وعدہ قلعہ مسلمانوں کے حوالے کرنا چاہا تو اس کے امراء نے بغاوت کر دی اور اسے وہاں سے دھتکار دیا۔ مجبور ہو کر اس نے ''صور'' میں پناہ لی اور سلطان سے ایک بار پھر اپنے بیٹے کی رہائی کی التماس کی۔ اس صورت حال میں سلطان اس کے بیٹے کو رہا کرنے کے پابند نہ تھے مگر انہوں نے اتنی رعایت کی کہ اس کا مال و دولت اور خدام وغیرہ جو مسلمانوں کی تحویل میں تھے واپس کر دیے اور ساتھ ہی تسلی دی کہ جب مسلمان کرک کا قلعہ فتح کر لیں گے تو اس کے بیٹے کو آزاد کر دیا جائے گا۔[5] (بعد میں سلطان نے یہ وعدہ پورا کیا)

یورپی تارک الدنیا ملکہ ❁ القدس میں یورپ کی ایک تارک الدنیا ملکہ بھی رہتی تھی۔ وہ الگ تھلگ درویشانہ زندگی گزار رہی تھی۔ اس کے پاس غلاموں، باندیوں اور خدمتگاروں کی ریل پیل تھی۔ طرح طرح کے ہیرے جواہر اور نادر و نایاب موتی اس کے خزانے کی زینت تھے۔ سلطان نے اس کی

---

[4] کتاب الروضتین: تحت 583ھ
[5] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: تحت 583ھ، الکامل فی التاریخ: تحت 583ھ

درخواست پر اسے تمام مال و دولت اور نوکروں چاکروں سمیت بحفاظت القدس سے نکلنے اور کسی نئی منزل تک جانے کی سہولت دی۔ [1]

بڑے پادری سے چشم پوشی ❊ شہر سے نکلنے والے آخری چند لوگوں میں بڑا پادری بطریق اعظم ہرکولیس بھی تھا۔ یہ القدس کے علاوہ وہاں کے سب سے قدیم اور بڑے گرجے "کلیسائے قمامہ" (چرچ سینٹ جان) کا سربراہ تھا۔ کلیسائے قمامہ دنیا بھر کے نصرانیوں سے نذرانے وصول کرتا تھا۔ اس کی شان و شوکت نگاہوں کو خیرہ کر دیتی تھی۔ عمارت پر پیسہ پانی کی طرح بہایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی منقولہ دولت اور ساز و سامان بھی حد و شمار سے باہر تھا۔ قیمتی قالین، ریشمی پردے اور سونے چاندی کی درجنوں انواع کی چیزیں یہاں تھیں۔ نصرانیوں کے عقیدے کے مطابق یہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے تدفین تھی جسے سونے چاندی کی تختیوں سے سجایا گیا تھا۔ بڑا پادری ہرکولیس یہ سب کچھ لے کر جانا چاہتا تھا چنانچہ جب وہ شہر کے پھاٹک کی طرف روانہ ہوا تو اس کے پاس بڑا بھاری قیمتی ساز و سامان تھا۔ اس نے چرچ کی جتنی دولت ممکن تھی سمیٹ لی تھی، تبرکات کی حفاظت کے نام پر اس نے گرجے سے سونے کے پیالے، آب مطہر رکھنے اور بپتسمہ دینے کا سامان حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب "مرقد مسیح" کے طلائی برتن تک ساتھ لے لیے تھے۔ اس کے علاوہ اس کی ذاتی دولت اور ساز و سامان بھی بہت تھا۔ یہ مالدار پادری چاہتا تو اس مال کے ایک حصے سے کتنے ہی نصرانیوں کو آزاد کرا سکتا تھا مگر اسے اپنا مفاد زیادہ عزیز تھا۔

بہر کیف سلطان نے اس کے مال سے کوئی سروکار نہ رکھا۔ عماد اصفہانی کو یہ بات گوارا نہ ہوئی کہ بڑا پادری سب کے سامنے اتنا سامان سمیٹ کر لے جائے، انہوں نے سلطان سے کہا:

"ہم نے نصرانیوں کو ان کی ذاتی دولت کے بارے میں امان دی تھی۔ مگر یہ تو سب کا سب سامان لوٹ کر لے جا رہا ہے۔"

بعض مشیروں نے کہا:

"کیوں نہ ہم اس نالائق سے یہ سامان چھین لیں، اس طرح ہم اپنی معاشی طاقت بڑھا سکتے ہیں۔"

مگر سلطان نے ناگوار لہجے میں جواب دیا:

"میں اس سے عہد شکنی نہیں کروں گا۔"

انہوں نے کاتب عماد کو سمجھاتے ہوئے کہا:

---

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: تحت 583ھ

"یہ لوگ ہماری تاویل کو نہیں سمجھیں گے۔ بلکہ ہم پر حلال کو حرام قرار دینے کا الزام لگائیں اور کہیں گے کہ مسلمانوں نے عہد کی پاسداری نہیں کی۔ ہم امان کے ظاہری مطلب کی پاسداری کریں گے اور انہیں موقع دیں گے کہ وہ اہل ایمان کی خوبیوں کا تذکرہ کرتے رہیں۔"

آخر کار بڑا پادری بھی عام آدمیوں کی طرح صرف 10 دینار دے کر نکل گیا اور سلطان کی دیانت داری کی ایک اور مثال تاریخ کے صفحات پر نقش ہوگئی۔ ❶

ارنول کا اعتراف ❊ صلیبی جنگوں کے ایک مشہور کردار ارنول نے سلطان کے حسن سلوک کے یہ واقعات بچشم خود ملاحظہ کیے تھے، اس کا بیان ہے کہ سلطان نے صلیبی جنگوں کے مقتول اور گرفتار نائٹوں کی بیویوں سے بڑا شریفانہ برتاؤ کیا، جب ان خواتین نے سلطان کے سامنے اپنی بدحالی کی فریاد کی تو سلطان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ان خواتین کے شوہروں میں سے جو گرفتار تھے، وہ فوراً رہا کر دیے گئے۔ جن عورتوں کے خاوند قتل ہو چکے تھے انہیں ان کے مرتبے کے مطابق مال و دولت دے کر عزت واحترام کے ساتھ رخصت کیا گیا اور ہر طرح ان کی تشفی اور دلداری کی گئی۔ وہ سلطان کے اس احسان سے اتنی متاثر ہوئیں کہ ہمیشہ ان کی سخاوت کا ذکر ممنون لہجے میں کیا کرتی تھیں۔ ❷

لین پول کا خراج تحسین ❊ اس موقع پر لین پول پہلی صلیبی جنگ میں القدس پر نصرانیوں کے قبضے کے دوران مسلمانوں پر توڑے گئے مظالم کو یاد کر کے سلطان صلاح الدین کے رحم وکرم کو داد دیے بغیر نہیں رہ پاتا۔ وہ کہتا ہے:

"جب ہم سلطان کے ان احسانات کو یاد کرتے ہیں تو ہمیں وہ وحشیانہ حرکات یاد آتی ہیں جو صلیبیوں نے بیت المقدس فتح کرتے وقت کی تھیں۔ جب گاڈفرے اور ٹنکرڈ یروشلم کے بازار سے گزر رہے تھے اور وہاں مسلمانوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں اور زخمی جاں بلب ہو کر تڑپ رہے تھے۔ جب صلیبیوں نے بے قصور اور بے کس مسلمانوں کو شدید اذیتیں دے دے کر قتل کیا تھا اور انسانوں کو زندہ جلا دیا تھا۔ جب مسلمان القدس کی چھت پر پناہ کی تلاش میں چڑھے تھے اور نصرانیوں نے انہیں وہیں سے تیروں سے چھلنی کر کے نیچے گرا دیا تھا۔ ان کے اس قتل عام نے مسیحی دنیا کی عزت کو بٹہ لگایا، انہوں نے اس مقدس شہر کو ظلم اور بدنامی کے رنگ میں رنگ دیا جہاں مسیح نے رحم ومحبت کا وعظ سنایا تھا اور فرمایا تھا: مبارک ہیں وہ لوگ جو رحم کرتے ہیں کیوں کہ ان پر بھی رحم کیا جائے گا۔ یہ عیسائی اس پاک اور مقدس شہر کو مسلمانوں کے خون سے مقتل بنائے

❶ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: تحت 583ھ ❷ گم گشتہ حیات صلاح الدین: 196

ہوئے اس کلام کو بھول گئے تھے۔ یہ بے رحم نصرانیوں کی خوش قسمتی تھی کہ سلطان صلاح الدین نے ان کے ساتھ لطف و مہربانی کا سلوک کیا۔ اگر صلاح الدین کے کارناموں میں سے صرف یہی ایک کام دنیا میں مذکور ہوتا کہ اس نے کس انداز سے یروشلم کو واپس لیا تو ایک یہی کارنامہ یہ بات ثابت کرنے کے لیے کافی تھا کہ وہ نہ صرف اپنے زمانے کا بلکہ تمام زمانوں کا سب سے بڑا عالی ہمت انسان تھا جو شان و مرتبے میں تنہا اور بے نظیر تھا۔"[1]

بیت المقدس میں اسلام کی بہارِ نو: سلطان صلاح الدین ایوبی نے تقریباً ایک ماہ القدس میں قیام کیا اور اس مختصر سی مدت میں اس شہر کو دوبارہ اسلامی تہذیب و ثقافت کا گہوارہ بنانے کا کام بڑی حد تک پورا کر لیا۔ گنبد صخرہ کی چھاؤں تلے مقدس چٹان اب زیارت کے لیے کھول دی گئی تھی۔ یہاں ہر دم خوش الحان قاریوں کی تلاوت گونجتی رہتی تھی جنہیں سلطان نے معقول تنخواہوں پر مقرر کیا تھا۔ سلطان نے انتہائی خوشنما کتابت کے مصاحف قرآنی بڑی تعداد میں صخرہ شریف اور محراب مسجد کے پاس رکھوا دیے تھے۔ یہ مصاحف خوبصورت الماریوں میں سجے ہوئے تھے۔ زائرین یہاں آ کر تلاوت میں ایک عجیب لطف محسوس کرتے تھے۔

صخرہ شریف کے لیے خاص طور پر اور پورے بیت المقدس کے لیے عمومی طور پر حفاظ، قراء، علماء، صالحین اور صوفیاء کی جماعتیں تشکیل دیں جو یہاں ہمیشہ ذکر و عبادت اور تلاوت میں مشغول رہتی تھیں۔ القدس کے انتظامات کے مصارف کے لیے بڑی بڑی جائدادیں وقف کر دی گئیں۔ خاص گنبد صخرہ کی دیکھ بھال کے اخراجات کے لیے ایک عمارت ایک جاگیر اور ایک باغ وقف کیا گیا۔ فقیہ عیسیٰ کو صخرہ سے متعلق تمام امور کا نگران بنا دیا گیا۔ انہوں نے کچھ دنوں بعد صخرہ کی حفاظت کے لیے اس کے گرد آہنی جالیوں والی کھڑکیاں نصب کرا دیں۔

سلطان کے دیگر امراء، بیٹوں اور ارکان سلطنت نے بھی بیت المقدس کی خدمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تقی الدین عمر ایک دن آبِ گلاب کے مشکیزوں کے ساتھ گنبد صخرہ تلے آیا۔ یہاں خود جھاڑو دی، پانی سے اس جگہ کو خوب دھویا، پھر مقدس چٹان، فرش اور دیواروں پر عرق گلاب اس طرح بہایا کہ فضا دور دور تک معطر ہو گئی، پھر عمارت کو خوشبو کی دھونی دے کر مزید مہکایا، اس کے بعد اس نے ایک بہت بڑی رقم القدس کے غریبوں میں تقسیم کر دی۔

سلطان کا بیٹا الملک الافضل نہایت دیدہ زیب اور بیش قیمت قالین لے کر حاضر ہوا اور بیت المقدس میں

[1] سوانح صلاح الدین، ص: 204، 206

بجھادیے۔ سلطان کے منجھلے بیٹے الملک العزیز عثمان نے جو فتح میں شرکت کے لیے مصری افواج کے ساتھ آیا تھا، واپسی کے موقع پر اپنا تمام اسلحہ القدس کے دفاع کے لیے وقف کر دیا۔ مصری فوج کا یہ اسلحہ اتنا زیادہ تھا کہ القدس کو آئندہ کسی بھی ممکنہ جنگ میں سامانِ حرب کے لحاظ سے بیرونی کمک کی ضرورت نہ رہی۔

صرف مسجد اقصیٰ اور گنبدِ صخرہ ہی کو نہیں سلطان نے پورے شہر کو اسلامی شعائر سے منور کر دیا۔ یہاں دینی مدارس کھلوائے، خانقاہیں اور سرائیں بنوائیں، ہاسپٹلرز جنگجوؤں کی پرشکوہ عمارت ''دارالاستبار'' کو مدرسہ شافعیہ بنا دیا۔ شہر کے پھاٹک کے پاس ایک بلند قلعے میں ''محراب داؤد علیہ السلام'' تھی۔ القدس کا عیسائی حاکم یہیں رہتا تھا، اسی قلعے میں دارِ داؤد علیہ السلام اور دارِ سلیمان علیہ السلام نامی دو عمارتیں بھی تھیں۔ سلطان نے ان مقدس مقامات کا ایک مستقل نگران اور یہاں نمازوں کے لیے امام اور مؤذن مقرر کر دیے۔

باب اسباط کے قریب مشہور چرچ ''صندحنہ'' تھا، سلطان نے اسے مدرسہ بنا دیا۔ کلیسا قمامہ کے پاس القدس کے بڑے پادری کی حویلی تھی۔ سلطان نے اسے صوفیاء کی خانقاہ اور قیام گاہ کے طور پر وقف کر دیا۔ [1]

ایک طرف شہرِ مقدس میں یہ تعمیراتی و ترقیاتی کام ہو رہے تھے دوسری طرف سلطان کی سادگی، بے نفسی اور جفاکشی کا یہ عالم تھا کہ اس حالت میں بھی وہ ایک عام سپاہی کی طرح شہر کے باہر فوجی کیمپ کے خیمے میں مقیم تھے حالانکہ شہر میں ان کے قیام کے لیے بہتر سے بہتر عمارتیں موجود تھیں۔ عیسائی امراء کے خالی کیے ہوئے محلات کی آسائشیں ان کی مہینوں کی تھکان دور کر سکتی تھیں، مگر سلطان نے خود کو عام سپاہیوں اور مجاہدین پر ترجیح نہ دی اور خانہ بدوشوں کی سی زندگی کا وطیرہ ترک نہ کیا۔ [2]

<u>بڑے گرجے کا قضیہ</u> ✽ توحید کے فروغ اور اسلامی شعائر کی ترویج کے ساتھ شہر سے تثلیث کی بیخ کنی اور صلیبی آثار کو مٹانے کا کام بھی جاری تھا۔ اس کے ذیل میں سلطان نے القدس کے سب سے بڑے گرجے کلیسائے قمامہ کو بند کرا دیا اور نصرانیوں کو اس کی زیارت سے روک دیا۔ اس پر بڑی کھلبلی مچی، یہ مسئلہ تنازعہ بن گیا، آخر سلطان کے ہاں اس موضوع پر مجلسِ مشاورت منعقد ہوئی۔ بعض مشیروں نے کلیسا کو منہدم کر دینے اور اس کا نام و نشان مٹا دینے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے کہا:

''جب کلیسا منہدم ہو جائے گا اور (عیسیٰ علیہ السلام کی فرضی) قبر اکھاڑ دی جائے گی اور اس جگہ کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا تو ایک زمانہ گزرنے کے بعد یہاں عیسائی زائرین کی آمد بھی بند

---

1. کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: حوادث 583ھ
2. کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: حوادث 583ھ

ہوجائے گی اور اس جگہ کی زیارت کے ارادے اور آرزوئیں خاک ہوجائیں گی۔اس کے برعکس اگر یہ عمارت باقی رہے گی تو زیارت کا سلسلہ بھی نہیں رک سکے گا۔"

مگر سلطان کے کچھ اور معتمدین کا کہنا تھا:

"گرجے کی عمارت گرانا بے سود ہے۔اس لیے کہ نصرانیوں کے نزدیک مقدس عبادت گاہ یہ جگہ ہے جہاں صلیب نصب کی جاتی رہی ہے اور یہ زمین ہے جہاں مقبرہ ہے۔جب تک زمین کا یہ ٹکڑا باقی ہے، نصرانیوں کا اس سے جذباتی تعلق ختم نہیں کیا جاسکتا چاہے اس خاک کے ذرات اڑا کر آسمان تک کیوں نہ پہنچا دیے جائیں۔"

ان مشیروں نے یہ بھی کہا:

"حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے القدس کو فتح کیا تھا تب بھی نصرانیوں کے اس گرجے کو باقی رکھا گیا تھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی عمارت کو منہدم کرانے کا حکم نہیں دیا تھا۔"

غرض اکثر امراء نے گرجے کو باقی رکھنے کی تجویز دی اور سلطان نے دلائل کی روشنی میں ان سے اتفاق کیا۔نئے فیصلے کے مطابق "کلیسائے قمامہ" کھول دیا گیا۔وہاں چار پادریوں کو رہنے کی اجازت مل گئی اور انہیں ٹیکس اور جزیے سے استثناء کی رعایت بھی دے دی گئی۔[1]

میں حق دار کا حق کیوں روکوں؟ ❊ القدس سے رخصت ہونے سے پہلے سلطان نے زرِ فدیہ کے ذریعے جمع کردہ تمام آمدن یہیں کے غریبوں، مسکینوں اور درویشوں میں تقسیم کردی۔اس کا قصہ سلطان کے بھائی الملک العادل ابوبکر نے خود یوں سنایا:

"القدس کی آمدن جمع کرنے کا ذمہ دار میں تھا۔میں نے کل رقم سے ستر ہزار دینار سلطان کو بھیج دیے مگر علی الصبح سلطان کے خزانچی نے آکر کہا: 'آج صدقہ وخیرات کے لیے مزید رقم درکار ہے کیوں کہ جو کچھ (آپ نے دیا) تھا وہ کل ہی ختم ہوگیا تھا۔' میں نے یہ سن کر باقی 30 ہزار دینار بھی اسی وقت بھیج دیے۔"

کاتب عماد کہتے ہیں کہ سلطان کے مصاحبین نے اس قدر صدقہ وخیرات کرنے پر اعتراض کیا اور سلطان پر خاصی تنقید کی تو سلطان نے جواباً کہا:

"میں حق داروں سے ان کے حق کو کیوں روکوں؟ جو خرچ کررہا ہوں، دراصل اسی کو محفوظ کررہا ہوں، جب کوئی حق دار اس رقم کو قبول کرتا ہے تو دراصل میں اس پر نہیں وہ مجھ پر احسان کررہا

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: تحت 583ھ

ہوتا ہے۔ کیوں کہ وہ مجھے امانت کی ادائیگی کے فرض سے سبکدوش اور اس کی زنجیروں کی جکڑ سے آزاد کرتا ہے۔ بے شک جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے وہ اہل حقوق کی امانت ہے جس کا میں صرف محافظ ہوں۔"[4]

سلطان سے کسی نے کہا:

"کاش آپ اس مال کو ذخیرہ کر لیا کریں تو بہتر ہوگا۔"

سلطان نے جواب دیا:

"میں اللہ سے بہت پر امید ہوں۔ وہی آرزوؤں کو پورا کرنے کا کفیل ہے۔"[5]

سلطان نے اس رقم کا ایک بڑا حصہ ان مسلمان قیدیوں پر خرچ کیا تھا جو بیت المقدس میں نصرانیوں کے قید خانوں سے آزاد کیے گئے تھے۔ ان کی تعداد پانچ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ سلطان نے ان سب کو اپنے پاس جمع کیا۔ انہیں لباس پہنایا، خرچہ دیا، ان سے مہربانی کا سلوک کیا اور ان کی تمام تکالیف کو دور کیا۔ وہ سب اپنے اپنے وطن کو اس طرح خوش و خرم واپس لوٹے کہ انہیں کسی بات کا خوف اور رنج نہیں تھا۔[6]

نور الدین زنگی کا تیار کردہ منبر مسجد اقصیٰ میں ⁂ برسوں پہلے سلطان نور الدین زنگی نے نصرانیوں کو بے دخل کرنے اور مسجد اقصیٰ کو واگزار کرانے کے لیے جہاد کا آغاز کیا تھا، ان کے خوابوں میں القدس کی آزادی کا منظر ہر روز و شب ابھرتا رہا۔ جب وہ مسجد اقصیٰ میں نماز کی ادائیگی کے تصور سے سرشار ہوتے تو انہیں خیال آتا کہ اس عظیم مسجد کی آرائش بھی اسی کے شایان شان ہونی چاہیے۔ مگر سر دست یہ ممکن نہ تھا۔ تب انہوں نے سوچا کہ کم از کم اتنا تو کیا جا سکتا ہے کہ مسجد اقصیٰ کے لیے ایک بے مثال منبر تیار کرا لیا جائے جس کی رعنائی اور دلکشی مبہوت کر دینے والی ہو۔ سلطان زنگی کو یقین تھا کہ القدس بہت جلد آزاد ہوگا۔ اس بنا پر انہوں نے منبر کی تعمیر میں ایسی دلچسپی لی گویا کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے مسجد اقصیٰ میں نصب کرنے والے ہیں۔

ان کے دار الحکومت حلب میں "الاختریني" نامی ایک نہایت ماہر فن بڑھئی تھا، سلطان زنگی نے اس کی شہرت سن کر اسے بلوایا اور حکم دیا کہ بیت المقدس کے لیے ایسا منبر تیار کرو جس کی مثال کہیں نہ ملے۔ الاختریني کو کھلا سرمایہ فراہم کیا گیا۔ نہایت باریک بینی، نفاست اور مہارت کے ساتھ کیے جانے والے اس کام میں کئی برس لگے مگر جب یہ منبر تیار ہوا تو لوگ اسے دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ چوں کہ القدس پر ان

[4] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: تحت 583ھ
[5] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: تحت 583ھ
[6] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: تحت 583ھ

وہاں فرنگیوں کی گرفت بہت مضبوط تھی اس لیے اس منبر کو دیکھ کر لوگ حسرت سے کہتے تھے:

"ایسا کب ہوگا کہ القدس واپس مل سکے، فرنگی مدتوں سے وہاں قابض ہیں اور شاہانِ اسلام انہیں ہٹانے سے عاجز ہیں۔"❶

سلطان نورالدین زنگی کی زندگی میں واقعی القدس کی بازیابی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا اور یہ منبر حلب کی جامع مسجد میں رکھا رہا۔ مگر نورالدین زنگی کا اخلاص رائگاں نہیں گیا، انہوں نے امت کو جہاد کا بھولا ہوا سبق یاد دلا کر القدس کی آزادی کا جو راستہ متعین کر دیا تھا، سلطان صلاح الدین نے اسے اپنا کر مسلمانوں کو ان کا قبلۂ اوّل واپس دلا دیا تھا۔ جب سلطان صلاح الدین نے قبلۂ اوّل میں پہلا جمعہ ادا کیا تھا تو اس دن محراب میں لکڑی کا عام سا منبر لا کر رکھ دیا گیا تھا۔ اس دوران مسجد کی تزئین و آرائش کا کام شروع ہو چکا تھا، محراب میں خوبصورت ٹائلیں لگائی جا رہی تھیں، سلطان نے سوچا کہ مسجد اقصیٰ کا منبر بھی بہت عمدہ ہونا چاہیے۔ اس وقت ان کے مشیروں نے انہیں سلطان زنگی کا منبر کی یاد دلایا جو مسجد اقصیٰ ہی کے لیے بنوایا گیا تھا اور کب سے اپنی منزل کے لیے تڑپ رہا تھا۔ سلطان نے فوراً حلب سے وہ منبر منگوا کر مسجد اقصیٰ میں نصب کرا دیا۔ یوں فتح القدس کی شاندار تکمیل مسجد اقصیٰ کی محراب میں سلطان نورالدین زنگی کے تیار کردہ منبر کی تنصیب سے ہوئی۔❷

علامہ ابن اثیر کہتے ہیں کہ منبر کی تیاری اور اسے القدس میں نصب کرنے کے درمیان 20 برس سے زائد عرصہ گزر گیا تھا۔ یہ نورالدین زنگی کی کرامت اور ان کی حسن نیت کا اثر تھا کہ وفات کے بعد بھی ان کی محنت بارآور ہوئی۔❸

---

❶ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: تحت 583ھ

❷ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: تحت 583ھ، الکامل فی التاریخ: تحت 583ھ

❸ الکامل فی التاریخ: تحت 583ھ

اسباقِ تاریخ

اس حصے میں ہم نے 583ھ میں نصیب ہونے والی فتوحات خاص طور پر معرکہ حطین اور فتح بیت المقدس کا مطالعہ کیا ہے۔ ان فتوحات پر غور کرنے سے بہت سے اسباق ملتے ہیں مثلاً:

- اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ جب اس کا حکم ہوجائے تو پھر مشکل سے مشکل مہم آسان ہوجاتی ہے۔ جو علاقے تقریباً ایک صدی سے نصرانیوں کے زیرِ قبضہ تھے اور مسلمانوں کی تین چار نسلیں ان کی بازیافت سے عاجز رہی تھیں، اللہ نے چند ہفتوں میں سلطان کو نصیب کردیں۔
- حطین کا معرکہ عسکری قائدین اور مجاہدین کے لیے بطورِ خاص مطالعے کی چیز ہے۔ اس کے ہر ہر جزو میں سلطان کی تدبیر اور منصوبہ بندی کی مثالیں اور عجیب و غریب جنگی چالیں دکھائی دیتی ہیں۔ سلطان کا طرزِ عمل ارشادِ نبوی "الحرب خدعة" (جنگ چالبازی کا نام ہے) کا مصداق دکھائی دیتا ہے۔
- دشمنوں میں سے بعض سے صلح کرنا اور بعض سے جنگ جاری رکھنا، سیاسی تدبیر کا حصہ ہے۔ ہر حکمران کو ایسے مواقع سے سابقہ پڑسکتا ہے۔ سلطان کی کوشش تھی کہ وہ نصرانیوں کو متفرق کرکے رکھیں۔ اس لیے وہ ریمنڈ سے صلح کے پابند رہے۔ یہ ریمنڈ کی بدقسمتی تھی کہ وہ آخر میں نصرانیوں سے مل گیا۔
- بڑی مہمات سے پہلے اپنے رفقاء، ماتحتوں اور کارکنوں کے جذبات کو ابھارنے اور سب کی فکر و نظر کو ایک نکتے پر مرکوز کرنے کے لیے ان سے خطاب کرنا بہت مفید ہوتا ہے جیسا کہ القدس کے معرکے سے پہلے سلطان نے امراء کو جمع کرکے ان سے خطاب کیا۔ یہ خطاب طویل نہیں ہونا چاہیے۔ عملیت پسند لوگوں کی باتیں مختصر مگر پر اثر ہوتی ہیں۔
- بیت المقدس کی فتح کے بعد مقامی نصرانیوں سے سلطان کا حسنِ سلوک اس اعلیٰ کردار کی روشن مثال ہے جس کا مظاہرہ مسلم فاتحین ہمیشہ کرتے چلے آئے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے اور جہاد کا مقصد اسی امن و سلامتی کے دشمنوں کا خاتمہ ہے۔
- مشورے میں خیر ہوتی ہے۔ قائد کتنا بھی تجربہ کار اور بصیرت مند کیوں نہ ہو، اسے مشورے کی

ضرورت رہتی ہے۔ مشورے میں معاملے کا ہر پہلو سامنے آجاتا ہے اور صحیح فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ مجلسِ مشاورت میں کھلے انداز میں دلائل سے بات کرنے کا ماحول ہونا چاہیے اور اگر کوئی بات دلائل میں وزنی ہو تو اسے قبول کرنے میں ہچکچانا نہیں چاہیے۔ سلطان کے ہاں ایسا ہی تھا۔ انہوں نے امراء کے دلائل سن کر نصرانیوں کے گرجے کو منہدم کرنے کا خیال ترک کر دیا۔

- سچے جذبے سے شروع کیا گیا سفر کبھی ادھورا نہیں رہتا۔ ایک راہبر راستے میں دم توڑ دے تو قافلہ دوسرے رہنما کی سرکردگی میں منزل تک جا پہنچتا ہے۔ نورالدین زنگی نے القدس کی آزادی کا جو سفر شروع کیا وہ ان کی زندگی میں نہ سہی، ان کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی کے ذریعے پورا ہوا۔ زنگی کا منبر مسجد اقصیٰ کی زینت بن کر رہا۔

اِختتامیہ

تیسری صلیبی جنگ کا مختصر احوال

سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس فتح کیا تو یورپ کی تمام چھوٹی بڑی عیسائی مملکتوں میں اشتعال کی ایک لہر دوڑ گئی۔ القدس کا لاٹ پادری راہبوں، مذہبی پیشواؤں اور امراء کے ایک وفد کے ہمراہ سیاہ ماتمی لباس میں روم پہنچا اور پاپائے اعظم کی سرپرستی میں پورے یورپ کا دورہ کیا۔ وہ مسلمانوں کے مظالم کے فرضی افسانوں کے ذریعے یخ بستہ یورپ کو ایک دہکتے آتش فشاں میں تبدیل کرنے لگا۔ چنانچہ پورے یورپ میں کہرام مچ گیا۔

اس مہم میں صور کا حاکم کونراڈ مارکوئیس پیش پیش تھا۔ اس نے یورپ کے سادہ لوح عوام کو مشتعل کرنے کے لیے ایک بہت بڑی تصویر بنوائی جس میں ایک مسلم گھڑسوار کو قبر مسیح پر چڑھتے اور اسے گھوڑوں کے سموں سے پامال کرتے دکھایا گیا تھا۔ یہ دیوہیکل تصویر یورپ کے کونے کونے میں گھمائی گئی اور بڑے بڑے جلسوں میں دکھائی گئی جس نے عیسائیوں کو مزید جوش دلا دیا۔ دراصل عیسائی مذہبی پیشواؤں اور بادشاہوں کو یقین تھا کہ اگر دیر کی گئی تو ایک طرف عیسائی اقوام میں صلیبی جنگوں کا ابھرا ہوا جذبہ اور بیت المقدس کی بازیافت کا جوش سرد پڑ جائے گا اور دوسری طرف مسلمانوں کا اقتدار دن بدن مستحکم ہوتا جائے گا چنانچہ پورے یورپ میں "تیسری صلیبی جنگ" کا بگل بجا دیا گیا۔

دو سال کی مسلسل تیاریوں کے بعد 585ھ (1139ء) میں تمام یورپ کی متحدہ افواج عالم اسلام سے بیت المقدس کو چھیننے کے لیے شام کے ساحل پر لشکر انداز ہونے لگیں۔ شاید ہی کوئی معروف یورپی حکمران ہو جو اس جنگ میں اپنے لشکر سمیت شامل نہ ہوا ہو۔ فرانس کا بادشاہ فلپ آگسٹس، شاہ برطانیہ رچرڈ شیر دل اور جرمنی کا حکمران فریڈرک باربروسا ان میں پیش پیش تھے۔ سسلی، آسٹریا اور دیگر چھوٹے چھوٹے یورپی ملکوں اور جزیروں کے حاکم اور نواب بھی اپنے اپنے زرہ پوش دستوں سمیت اس سیلاب میں شامل تھے جبکہ عالم اسلام کی طرف سے مدافعت کا فریضہ ادا کرنے کے لیے سلطان صلاح الدین ایوبی تنہا تھے۔ خلافت عباسیہ عافیت کوشی کا لحاف اوڑھے بغداد میں محوِ خواب تھی اور دیگر چھوٹے

بڑے مسلم ممالک کے حکمران بھی اپنی سیاسی چپقلشوں سے فارغ نہ تھے۔

آخر کار صلیبی شام کے اہم ساحلی شہر عکا کے ساحل پر پہنچ گئے اور خشکی وتری دونوں جانب سے اس کا سخت محاصرہ کرلیا۔ سلطان ایوبی ان کے مدمقابل آئے تو ایک ہولناک جنگ کا آغاز ہوا جسے تاریخ تیسری صلیبی جنگ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ یہ پانچ برس تک جاری رہی جس میں سو سے زیادہ لڑائیاں اور نو بڑے معرکے ہوئے۔ سلطان صلاح الدین اور ان کے سپاہیوں نے حملہ آوروں کا ہر محاذ پر بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا۔ نصرانیوں کی پوری کوشش یہ رہی کہ انہیں ساحلی قلعوں پر قبضہ جما کر بیت المقدس کی طرف بڑھنے کا موقع مل جائے، اس قبضے کے لیے انہوں نے عکا پر قبضے کے لیے اپنی پوری قوت آزما ڈالی، بحری اور بری دونوں راستوں سے وہاں مسلسل حملے کیے مگر سلطان کے سپاہیوں نے اس پہلی دفاعی لائن پر اتنی زبردست مزاحمت کی کہ صلیبیوں کے دانت کھٹے ہو گئے۔ تین سال تک صلیبی حملہ آوروں کی سنگ باری سے فصیل ٹوٹ گئی تو عکا کے مسلمانوں کو مجبوراً ہتھیار ڈالنے پڑے۔ مجاہدین کی بڑی تعداد قید ہوگئی۔ سلطان صلاح الدین نے مذاکرات کے ذریعے ان کی جان بچانے کی کوشش کی مگر صلیبیوں نے بدعہدی کی اور بڑی تعداد میں قیدیوں کو شہید کر ڈالا۔ سلطان صلاح الدین کے لیے یہ ایک شدید دھچکا تھا مگر ان کی ہمت اور حوصلے میں فرق نہ آیا۔ انہوں نے دیگر محاذوں پر بھرپور مزاحمت جاری رکھی اور عکا کے علاوہ ہر مقام پر صلیبیوں کو منہ کی کھانی پڑی۔ ادھر حملہ آوروں میں سے جرمنی کا بادشاہ ایشیائے کوچک کے ایک دریا میں ڈوب کر مر گیا اور شاہ فرانس فلپ آگسٹس نے برطانوی فرمانروا رچرڈ سے اختلافات کی وجہ سے بددل ہو کر واپسی اختیار کی تاہم رچرڈ اور دیگر یورپی فرمانروا میدان میں جمے رہے۔

عکا پر قبضے کے بعد صلیبی حملہ آور رچرڈ کی قیادت میں عسقلان کی طرف بڑھے، سلطان صلاح الدین افواج کی کمی کے باعث عسقلان کا فوری دفاع نہ کر سکتے تھے، بہرحال انہوں نے صحرائے ارسوف میں رچرڈ کے ٹڈی دل لشکر کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر انہیں اس میں کامیابی نہ ہوئی، بہت سے مجاہدین اس معرکے میں شہید ہوئے اور باقی پسپا ہو گئے۔ اب رچرڈ عسقلان کی طرف بے روک ٹوک پیش قدمی کر رہا تھا۔ ''عسقلان'' کی فصیل نہایت بلند اور قلعہ بڑا مستحکم تھا مگر سلطان صلاح الدین فوج کے مختلف محاذوں پر مصروف ہونے کے باعث اس کی زیادہ دنوں تک حفاظت نہیں کر سکتے تھے۔ اگر رچرڈ عسقلان پر قابض ہو جاتا تو بیت المقدس پر حملے کے لیے اسے ایک مضبوط چھاؤنی اور یورپ سے کمک و رسد کے لیے ایک بہترین بندرگاہ ہاتھ آ جاتی۔ سلطان صلاح الدین کے پاس وقت کم تھا، انہوں نے بیت المقدس کو بچانے کے لیے ایک عجیب اقدام کیا، ان کے حکم سے عسقلان کی آبادی کو وہاں سے منتقل

کردیا گیا اور فصیل شہر، قلعہ، دیگر عمارتوں اور بندرگاہ کو تباہ و برباد کر کے مٹی کا ڈھیر بنادیا گیا۔ جب رچرڈ کی فوجیں وہاں پہنچیں تو ان کو آڑ میں لینے والی کوئی دیوار اور ان پر سایہ کرنے والی کوئی چھت تک وہاں نہ بچی تھی، رچرڈ کو سخت مایوسی ہوئی اور وہ وہاں کوئی مورچہ نہ بنا سکا۔

ایک عارضی وقفے کے بعد 588ھ (1192ء) میں رچرڈ نے فرانسیسی افواج کو ساتھ ملا کر بیت المقدس پر حملہ کیا اور ارض مقدس کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اس نازک وقت پر سلطان صلاح الدین نے بڑی دانائی سے کام لیا اور حملہ آوروں کے اردگرد کے تمام علاقوں اور راستوں کے پانی کے ذخائر ناقابل استعمال بنادیے۔ برطانوی اور فرانسیسی افواج طویل عرصے تک محاصرہ کیے بغیر القدس کو فتح نہیں کرسکتی تھیں اور اتنے دنوں بغیر پانی کے ان کا زندہ رہنا ممکن نہ تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ متحدہ فوجیں اس حملے کو کسی مناسب موقع پر ملتوی کر کے پسپا ہوگئیں۔

محدود وقفوں کے ساتھ کئی سال تک ہلال اور صلیب کے مابین جنگوں سے دونوں فریق تھک کر بے حال ہوگئے۔ عکا کے ساحل سے لے کر بیت المقدس جانے والی شاہراہ تک لاتعداد مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا مگر عیسائیوں کے سیلاب کو مقدس شہر تک نہ پہنچنے دیا۔ انجام کار یورپی طاقتوں کو شدید نقصانات اٹھانے کے بعد مایوس ہونا پڑا۔ رچرڈ نے اس بے نتیجہ جنگ سے بیزار ہو کر سلطان کو لکھا:

''مسلمان اور عیسائی لڑتے لڑتے تباہ ہوجائیں گے، ہمارے ملک ویران ہوگئے ہیں، معاملہ صرف بیت المقدس، فلسطین اور صلیب مقدس کا ہے، بیت المقدس ہماری عبادت گاہ ہے جس سے ہم دست بردار نہیں ہوسکتے۔ فلسطین میں اردن تک کا علاقہ ہمارا ہے اور صلیب اعظم آپ کے لیے محض ایک لکڑی اور ہمارے لیے ایک عظیم شے ہے لہٰذا سلطان کو (صلیب اعظم ہمارے حوالے کر کے) ہم پر اس بارے میں احسان کرنا چاہیے۔''

سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس کا یہ جواب دیا:

''القدس جیسے آپ کے لیے محترم ہے ہمارے لیے بھی اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر قابل احترام ہے کہ یہیں سے ہمارے پیغمبر اسلام ﷺ کو معراج ہوئی تھی لہٰذا اس کا تصور بھی نہ کریں کہ ہم اس سے دست بردار ہوں گے، جہاں تک فلسطین کا مسئلہ ہے تو وہ ہمارا ملک ہے، آپ نے محض مسلمانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس کو غصب کرلیا تھا، رہی صلیب کی بات تو اس پر قبضہ برقرار رکھنا ہماری مصلحتوں پر موقوف ہے۔''

بالآخر پانچ سال کے طویل کشت وخون کے بعد صلیبی حملہ آوروں کے حوصلے پست ہوگئے اور شعبان

588ھ مطابق (ستمبر 1192ء) میں "صلح رملہ" نامی معاہدے پر اس تیسری صلیبی جنگ کا خاتمہ ہوا جس میں فریقین نے اپنی پوری قوت جھونک دی تھی۔ جنگ کے اختتام پر صورتحال یہ تھی کہ بیت المقدس سمیت مسلمانوں کے شہر اور قلعے ان کے پاس تھے صرف عکا کا ساحلی شہر نصرانیوں کے قبضے میں تھا۔

ایک صلیبی مؤرخ اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"پاپائے روم کی فریاد سنتے ہی کل مسیحی دنیا نے ہتھیار اٹھا لیے تھے، قیصر فریڈرک، شاہان انگلستان وفرانس وسلی آسٹریا کا لیو پلولڈ، برگنڈی کا ڈیوک، فلانڈر کا کاؤنٹ، سینکڑوں مشہور ومعروف بیرن، اور تمام عیسائی قوموں کے نائٹ، یروشلم کا عیسائی بادشاہ اور فلسطین کے دیگر عیسائی والیان ملک، طبقہ داویہ اور طبقہ اسبطار کے بڑے بڑے شہسوار، یہ سب کے سب اس کوشش میں مصروف رہے کہ بیت المقدس پر اپنا قبضہ جمالیں اور یروشلم کی مسیحی سلطنت جو مٹنے کے قریب ہے پھر شاداب ہو جائے...... لیکن اس کا انجام کیا ہوا؟ اس عرصے میں قیصر فریڈرک فوت ہو گیا، شاہان انگلستان وفرانس اپنے اپنے ملک لوٹ گئے جبکہ ان کے بڑے عالی مرتبت معزز ساتھی سرزمین ایلیا میں دفن ہو گئے۔ اس کے باوجود القدس سلطان صلاح الدین ایوبی ہی کے پاس رہا۔"

دس گنا صلیبی افواج کے سیلاب کو روکنا اور منہ توڑ جواب دینا بلاشبہ چھٹی صدی ہجری میں اسلام کا زندہ معجزہ تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے جس پامردی سے اس ہولناک یلغار کا مقابلہ کیا وہ تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کیا اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ حکومت، طاقت اور اختیار کو اسی کی رضامندی اور طاعت میں صرف کرتے ہوئے دشمنوں سے مسلسل جہاد کیا، بیت المقدس کو آزاد کرا لیا اور زندگی کے آخری لمحے تک اپنی جان سے بڑھ کر اس کی حفاظت کی۔

جہاد کی پر مشقت زندگی اور مسلسل بے آرامی نے سلطان کو مستقل مریض بنا دیا تھا، مرض کی شدت میں رمضان کے کئی روزے قضا ہو گئے مگر جہاد نہ چھوٹا، اب جو موقع ملا تو روزے قضا کرنا شروع کر دیے، معالج نے ان کی تکلیف کا لحاظ کرتے ہوئے اس سے منع کیا مگر سلطان نے یہ کہہ کر "نہ معلوم آئندہ کیا حالات پیش آئیں" تمام قضا روزے پورے کیے۔

وسط صفر 589ھ میں مرض شدت اختیار کر گیا اور وفات سے تین روز قبل غشی کی سی حالت طاری ہو گئی، معلوم ہوتا تھا کہ بیس سال کا تھکا ماندہ مجاہد تکان اتار رہا ہے۔ 27 صفر (3 مارچ 1193ء) کی صبح کا ستارہ افق پر نمودار ہوا تو سلطان صلاح الدین ایوبی کی نبضیں ڈوب رہی تھیں۔ شیخ ابو جعفر رحمہ اللہ نے سکرات

موت کے آثار محسوس کر کے سورہ حشر کی تلاوت شروع کی جب آیت:

(هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ)

پہنچ تو یکایک سلطان نے آنکھیں کھول دیں، مسکرائے اور تبسم ریز لہجے میں کہا: "سچ ہے" یہ کہہ کر ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ سلطان کے غم میں ہر آنکھ اشکبار نظر آتی تھی، صلیبی دنیا کے چھکے چھڑا دینے والے بطل جلیل کا انتقال اس حال میں ہوا کہ ترکے میں کوئی باغ اور مکان نہ چھوڑا تھا۔ اتنی رقم بھی نہ تھی کہ تجہیز و تکفین کے اخراجات پورے ہو سکتے۔ قرضہ لے کر کفن منگوایا گیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے ارض مقدس بازیاب کرا کے اُمت پر جو احسان کیا اُمت تا قیامت سے نہیں بھول سکتی۔ ان کے سنہری کارنامے آج بھی صلیبی جنگجوؤں سے ٹکرانے والے مجاہدین کے حوصلوں کو جلا بخش رہے ہیں۔

......نوٹ......

تیسری صلیبی جنگ کی تفصیلی روداد آپ اس تصنیف کی جلد دوم میں ملاحظہ کریں گے۔

ملک شاہ کے دور میں سلجوقی سلطنت

ملک شاہ کی وفات کے بعد اس کی سلطنت کئی ٹکڑوں میں بٹ گئی، بنوعبید نے نصرانیوں کو عالم اسلام پر حملے کی دعوت دی اور اہل یورپ شام کے ساحلوں پر ٹوٹ پڑے۔

پانچویں صدی ہجری
پہلی صلیبی جنگ کے بعد
ایشیا اور یورپ کا جغرافیہ
براعظم ایشیا
براعظم یورپ
براعظم افریقہ
بحیرۂ خزر
بحیرۂ اسود
بحیرۂ روم
بحر اوقیانوس
بحر ہند
خلیج فارس
خراسان
بغداد
قاہرہ
ہنگری
جرمنی
فرانس
پولینڈ

جھیل طبریہ
طبریہ
قلعہ صفد
وادی حمام
میدان جنگ
سلطان کے چھاپہ مار دستے
عکا
صفوریہ
حیفا
معرکۂ حطین
رجب ۵۸۳ھ
جو القدس کی فتح کی بنیاد بنا

سلطنت سلاجقہ روم
رومی بازنطینی حکومت
قسطنطنیہ
انقرہ
قونیہ
یونان
آرمینیا
کردستان
الجزیرہ
موصل
ارمنی ریاست
حلب
انطاکیہ
روڈس
کریٹ
قبرص
حماہ
حمص
طرابلس
بیروت
صور
شام
دمشق
عکا
حیفا
قیساریہ
یافا
عسقلان
غزہ
القدس
دمیاط
اسکندریہ
بحیرۂ روم
صحرائے عرب
قاہرہ
ایلہ
مصر
صحرائے اعظم
اسوان
عیذاب
بحیرۂ احمر
ینبوع
مدینہ منورہ
جدہ
مکہ معظمہ
مصر جہاں سے سلطان صلاح الدین ایوبی کا اقتدار شروع ہوا
شام جسے ایوبی نے زنگی کے بعد سنبھالا
سلطان ایوبی کے زیر انتظام حجازِ مقدس
سلطان کے ماتحت الجزیرۃ، موصل اور کردستان کے نیم خود مختار علاقے
جنگِ حطین ۵۸۳ھ کے بعد بازیاب کرائے گئے علاقے
فرنگیوں کے وہ علاقے جو سلطان صلاح الدین ایوبی فتح نہ کر سکے

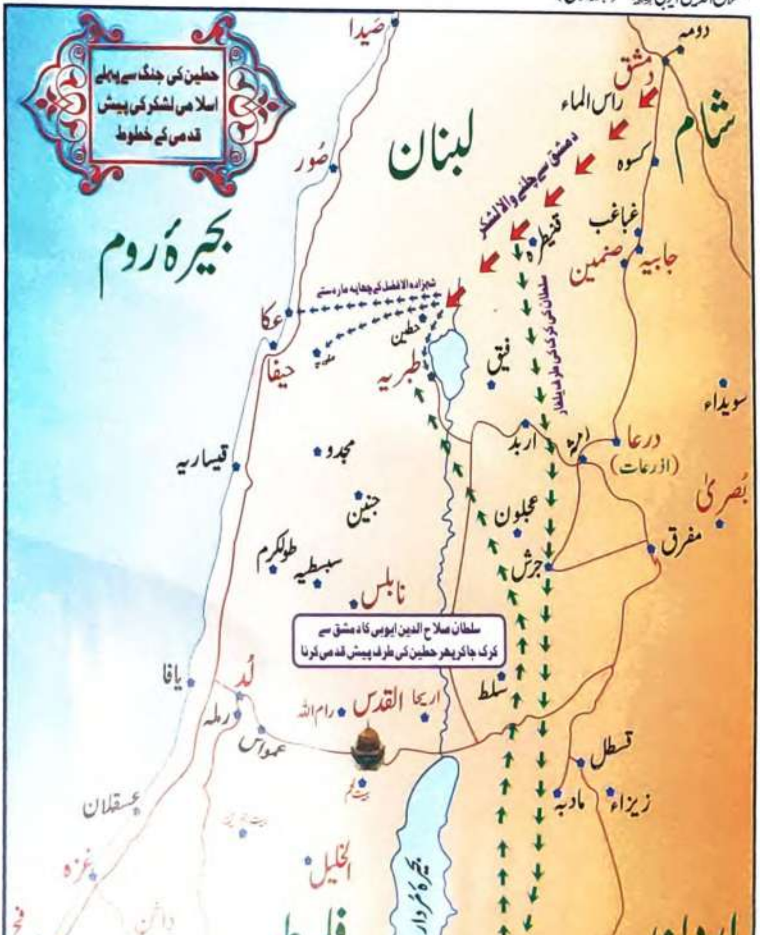
حطین کی جنگ سے پہلے
اسلامی لشکر کی پیش
قدمی کے خطوط
بحیرۂ روم
لبنان
شام
اردن
فلسطین
صیدا
صور
عکا
حیفا
دومہ
دمشق
راس الماء
کسوہ
دمشق سے چلنے والا لشکر
غباغب
جابیہ
صنمین
قنیطرہ
شہزادہ الافضل کی چھاپہ مار دستے
حطین
طبریہ
فیق
سویداء
اربد
درعا
(اذرعات)
بصریٰ
مفرق
قیساریہ
مجدو
جنین
عجلون
جرش
سبسطیہ
طولکرم
نابلس
سلطان صلاح الدین ایوبی کا دمشق سے
کرک جا کر پھر حطین کی طرف پیش قدمی کرنا
یافا
لد
رملہ
رام اللہ
القدس
اریحا
سلط
عمواس
قسطل
مادبہ
زیزاء
عسقلان
غزہ
الخلیل
بحیرۂ مردار
رفح
خان یونس
قطرانہ
کرک
سدوم
مزار
منزل
عربہ

جنوبی شام
(اردن و فلسطین)
بحر روم
عکا
حیفا
بحیرہ طبریہ
طبریہ
ناصرہ
قیساریہ
بیسان
جنین
بصری
دریائے اردن
نابلس
تل ابیب
لد
رملہ
رام اللہ
بیت المقدس
عسقلان
بیت جبرین
مجدل
بیت لحم
غزہ
الخلیل
فلسطین
العریش
کرک
غور
اردن
وادی العریش
مصر
شوبک
مصر
(سیناء)
ایلہ
عقبہ

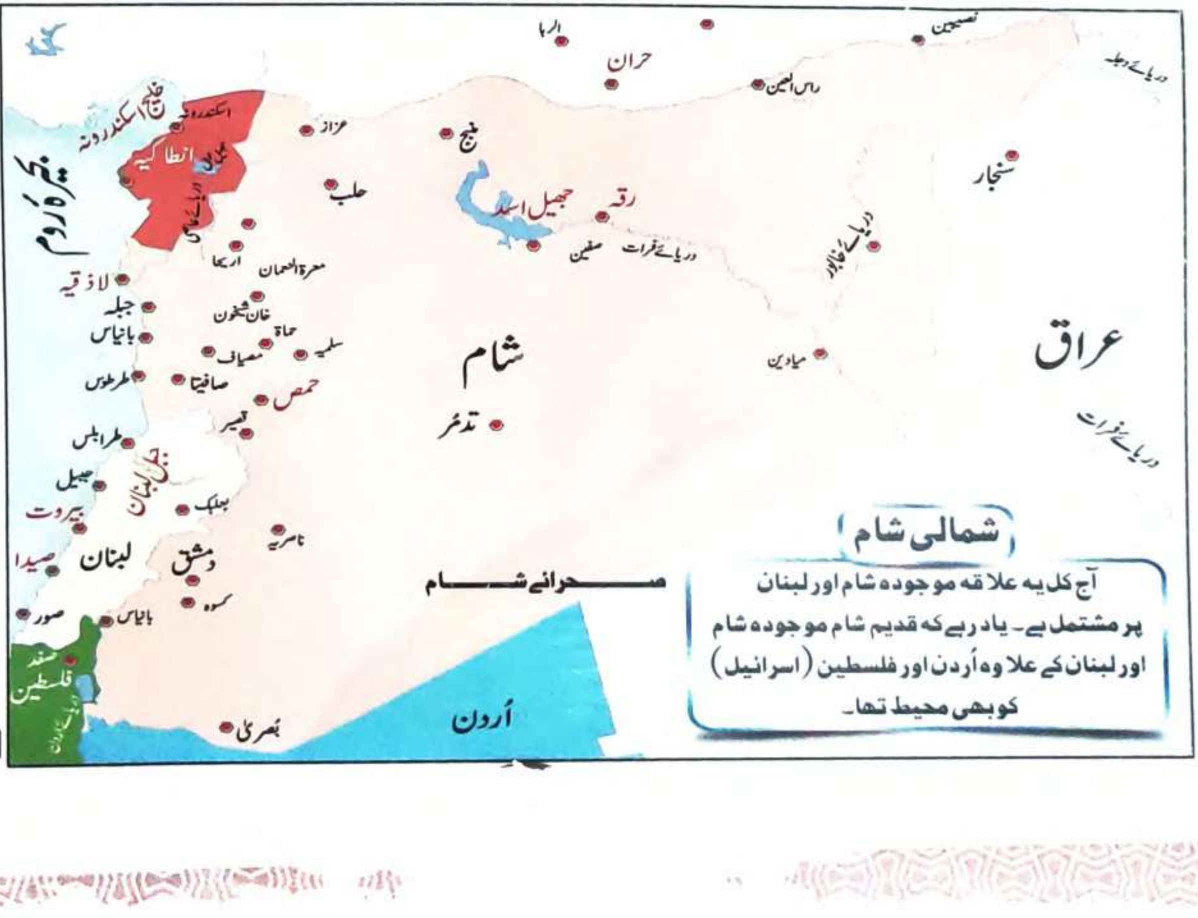
بحیرۂ روم
خلیج اسکندرونہ
اسکندرونہ
انطاکیہ
عزاز
منبج
الرہا
حران
راس العین
نصیبین
دریائے دجلہ
سنجار
حلب
جھیل اسد
رقہ
صفین
دریائے فرات
دریائے خابور
اریحا
معرۃ النعمان
لاذقیہ
جبلہ
بانیاس
خان شیخون
حماۃ
سلمیہ
مصیاف
طرطوس
صافیتا
حمص
شام
تدمر
میادین
عراق
طرابلس
جبیل
جبل لبنان
بیروت
بعلبک
ناصریہ
لبنان
صیدا
دمشق
صحرائے شام
کسوہ
صور
بانیاس
صفد
فلسطین
بُصریٰ
اُردن
شمالی شام
آج کل یہ علاقہ موجودہ شام اور لبنان پر مشتمل ہے۔ یاد رہے کہ قدیم شام موجودہ شام اور لبنان کے علاوہ اُردن اور فلسطین (اسرائیل) کو بھی محیط تھا۔

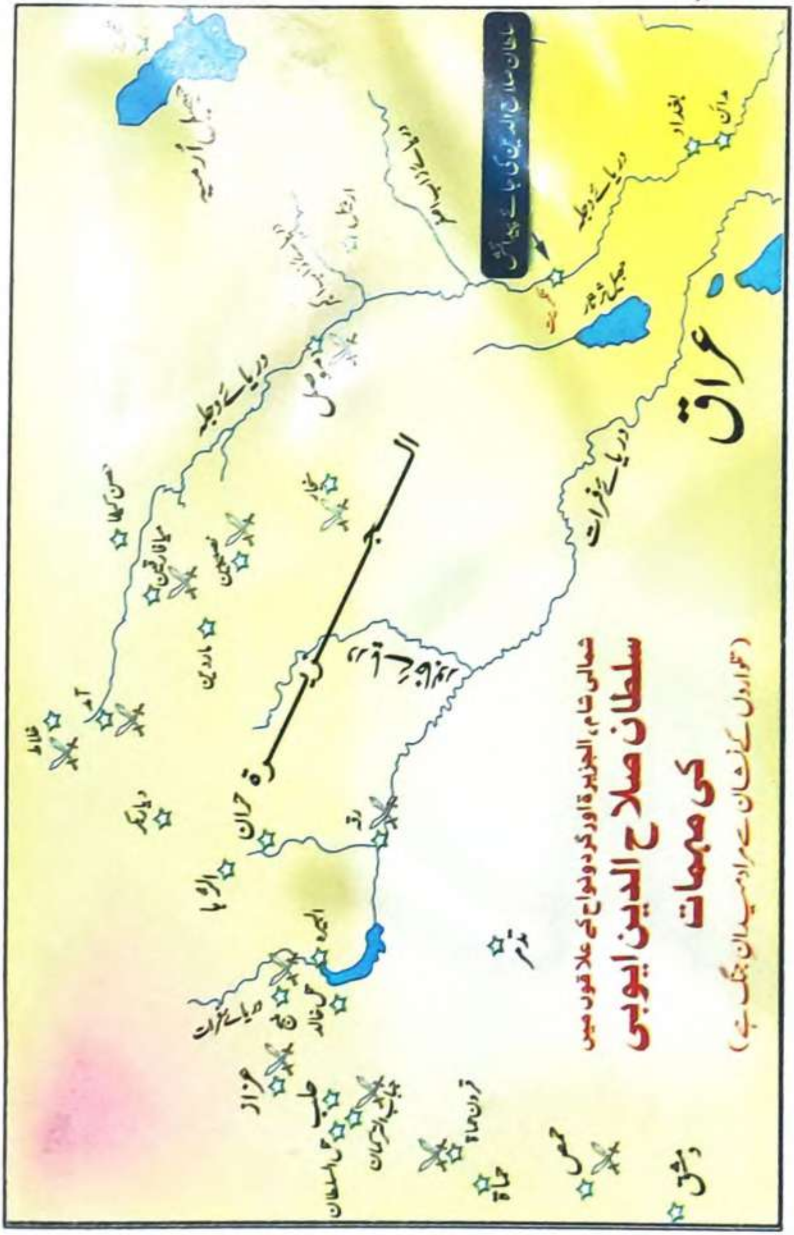
شمالی شام، الجزیرۃ اور گردونواح کے علاقوں میں
سلطان صلاح الدین ایوبی
کی مہمات
(تلواروں کے نشان سے مراد میدان جنگ ہے)
عراق

ایشیائے کوچک
طفلیس
خلاط
تبریز
دوین
بحیرۂ خزر
قزوین
الموت
رے
کردستان
ہمدان
کاشان
اصفہان
دیار بکر
الرہا
نصیبین
سنجار
موصل
حلب
انطاکیہ
قبرص
حماہ
حمص
طرابلس
بیروت
عکا
حیفا
یافا
عسقلان
بعلبک
دمشق
بحیرۂ روم
زنگی خاندان کی ریاست
تکریت
بغداد
خلافتِ عباسیہ
کوفہ
بصرہ
خوزستان
خلیج فارس
القدس
کرک
شوبک
صحرائے سینا
ایوبی خاندان کا سفر
شاذی بن مروان کردستان کی بستی دوین سے
بغداد اور پھر تکریت پہنچا اس کا بیٹا
نجم الدین ایوب تکریت سے موصل،
پھر بعلبک اور آخر میں دمشق
میں سکونت پذیر ہوا۔

تاریخ افغانستان

محمد اسماعیل ریحان

افغانستان کی مکمل تاریخ ۔ زمانہ ماقبل از اسلام سے حالیہ دور تک ۔ افغان کون ہیں؟ صحابہ کرام نے افغانستان میں کس طرح جہاد کیا؟ انہوں نے اسلام کب قبول کیا؟ افغانستان میں کون کون سے حکمران خاندان اقتدار میں رہے؟ ان تمام سوالات کے جواب۔ ایک تحقیقی شاہکار۔
سوویت روس کے خلاف جہاد، طالبان دورِ حکومت اور امریکا کے خلاف مزاحمتی تحریک کی پوری تفصیلات ۔ ایک ساتھ۔

دو جلدیں ۔ جلد اوّل صفحات:433 جلد دوم:صفحات 498

شیرِ خوارزم سلطان جلال الدین خوارزم شاہ اور تاتاری یلغار

محمد اسماعیل ریحان

آٹھ صدیوں میں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے جہادی کارناموں پر والہانہ اسلوب میں لکھی گئی پہلی مفصل کتاب ۔ وہ مردِ مجاہد جس کی شمشیر آبدار نے فاتح جہاں سوز چنگیز خان کا غرور خاک میں ملا دیا ۔ وہ شہسوار جس کے گھوڑے کی جولان گاہ سمرقند بخارا سے کابل اور غزنی تک وسیع تھی ۔ جس نے دریائے سندھ کے دھارے میں بے خوف و خطر جست لگا دی ۔ خوارزم کے گلستانوں سے قفقاز کے پہاڑوں تک بکھری ہوئی داستانوں کو گرما دینے والا ایک ایمان افروز تاریخی و ادبی شاہکار۔

صفحات:554

نظریاتی جنگ کے محاذ

محمد اسماعیل ریحان

نظریاتی جنگ کے مختلف محاذوں کو طشت ازبام کرنے والی مفصل کتاب ۔ استشراق، استعمار، جمہوریت، عالمگیریت اور سیکولرازم سمیت مختلف طاغوتی ازموں کا بے لاگ تجزیہ ۔ مسلمان دنیا میں اس طرح زبوں حال کیوں ہیں؟ مسلم حکمران متحد کیوں نہیں ہوتے؟ جگہ جگہ علاقائی، لسانی اور فرقہ وارانہ فسادات کیوں ہوتے ہیں؟ ان تمام سوالات کے تفصیلی جوابات ایک ہی کتاب میں۔ اسلام دشمن طاقتوں کی سازشیں اس طرح بے نقاب کہ آپ قدم قدم پر چونک اٹھیں گے۔

صفحات:400

نظریاتی جنگ کے اُصول

محمد اسماعیل ریحان

عسکری اور نظریاتی جنگ میں کیا فرق ہے؟ استعمار اور استشراق کی تحریکیں کس طرح پروان چڑھیں؟ مشنری ادارے کس طرح مسلمانوں کا ایمان چھین رہے ہیں؟ مسلمانوں کو کس کس طرح سے نظریاتی طور پر گمراہ کیا جا رہا ہے؟ صیہونی ادارے کس طرح کام کر رہے ہیں؟ ایک ایسی کتاب جو آپ کی آنکھوں سے اندھیرے دور کر کے آپ کو روشن حقائق کی دنیا میں لا کھڑا کرے گی۔
ہمہ گیر موضوعات کو مختصر اوراق میں سمیٹ لینے والی ایک کتاب جسے ہر اسکول، کالج اور مدرسے میں داخلِ نصاب ہونا چاہیے۔

صفحات:126

AL-MANHAL
04628

بلاک A-1، گلستانِ جوہر، یونیورسٹی روڈ، کراچی
0321-3135009 | 0321-2000870
almanhalpublisher@gmail.com
almanhalpublisher@hotmail.com
www.almanhalpublisher.com

صلاح الدین ایوبی

کی زندگی پر اردو زبان میں پہلی مرتبہ تفصیلی اور تحقیقی کتاب

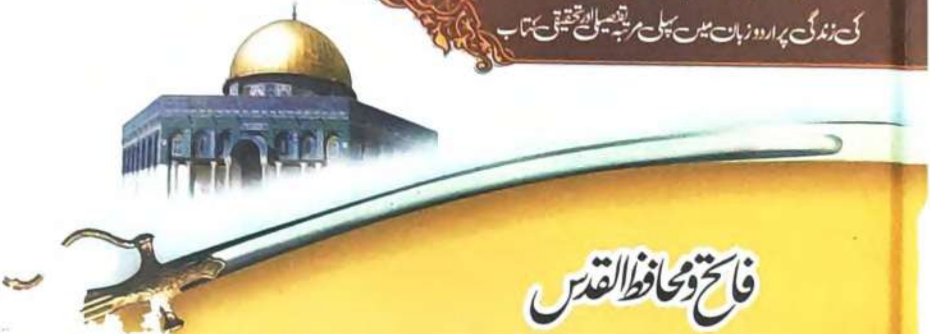

فاتح ومحافظ القدس

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ علیہ

شخصیت وکارنامے

(جلد دوم)

مولانا محمد اسماعیل ریحان

استاذ تاریخ اسلام جامعۃ الرشید کراچی

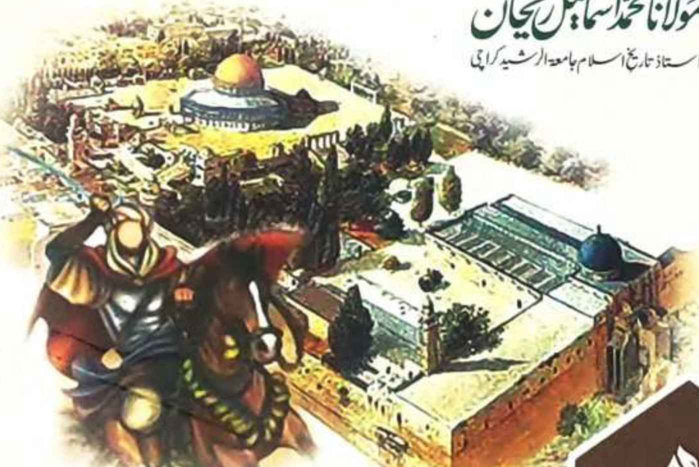

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ

فاتح و محافظ القدس

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ

—— شخصیت و کارنامے ——

صلاح الدین ایوبیؒ کی زندگی پر اردو زبان میں پہلی مرتبہ تفصیلی اور تحقیقی کتاب

جلدِ دوم

مولانا محمد اسماعیل ریحان

استاذ تاریخ اسلام جامعۃ الرشید کراچی

الناشر

المنهل

بلاک A-1، گلستان جوہر، یونیورسٹی روڈ، کراچی

021-34612901 ; 0321-2000870

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: سلطان صلاح الدین ایوبیؒ

مؤلف: مولانا محمد اسماعیل ریحان

طبع جدید: ستمبر 2014ء

ناشر: المنہل بلاک A-1، گلستان جوہر، [illegible] روڈ، کراچی
021-34612901 | 0321-2000870

پاکستان بھر میں ملنے کے پتے

لاہور

- مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور
042-37228196
- ادارہ اسلامیات، 190 انارکلی، لاہور
042-32722401
- البرہان، اردو بازار، لاہور
042-37122543

ملتان

- ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان
061-4540513
0322-6180738
- مکتبہ اشاعت الخیر، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان
061-4514929

کوئٹہ

- مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ
081-2662263,
0333-7825484
- مکتبہ فاروقیہ، [illegible] روڈ، کوئٹہ
0311-3737656

راولپنڈی

- اسلامی کتب گھر، CDA اسٹاپ، راولپنڈی
051-4830451
- اکمیل پبلشنگ، کمیٹی چوک، راولپنڈی
051-5553248

پشاور

- مکتبہ عمر فاروق، پشاور
091-2580301,
0311-8845717

اسٹاکسٹ: ادارۃ النور
دوکان نمبر 2-3، مائز سینٹر، بنوری ٹاؤن، گرومندر، کراچی
021-34914596, 0324-2855000
Idaratunnoor@gmall.com

فہرستِ مضامین

فہرستِ مضامین 05

ابتدائیہ 15

باب: 1

شام سے نصرانی مورچوں کا خاتمہ 23

شخصیات 24

فصل: 1

صور کی جان گسل مہم 25

سلطان صور کے سامنے 26

ایک شب کی غفلت مسلمانوں کو بہت بھاری پڑی 27

صور کے خون ریز معرکے 28

دربار خلافت میں سلطان کی ساکھ کو زبردست دھچکا 30

خلیفہ ناصر کی سلطان صلاح الدین ایوبی سے رنجش کی وجوہ 32

بغدادی سفیر کی آمد اور سلطان کا عمدہ برتاؤ 34

صور سے سلطان کی واپسی 36

صور کی مہم کی ناکامی کے اسباب 38

سلطان پر ایک اور اعتراض 40

قلعۂ کوکب کے نصرانیوں کا عفربلا پر قبضہ 42

عکا میں 43

فصل: 2

شمالی شام میں فتوحات کا ریلا 44

عکا کی تعمیر نو 45

قلعۂ کوکب پر ناکام حملہ 46

قاضی ابن شداد کی سلطان کے پاس آمد 46

دمشق میں دس دن 47

جسے موت کا یقین ہو...... 48

نئی مہم شروع ہوتی ہے 49

یلغار کے نئے خطوط 50

جبلہ کے قاضی منصور بن نبیل 51

انطرطوس تباہ کر دیا گیا 52

موت کا پھندا 53

دشوار گزار راہیں 55

جبلہ اور نواحی قلعوں کی فتح 55

لاذقیہ پر حملہ 56

مارگریٹ کی دھمکی اور سلطان کا جواب 57

پہاڑ کی چوٹی پر 58

جب منجنیقیں بے کار ثابت ہوئیں	60	یورپ میں تیسری صلیبی جنگ کا نقارہ	92
الملک الظاہر ''سرمینیہ'' کے محاذ پر	62	تقدیر کا معاملہ جاری وساری ہے	97
قلعۂ برزیہ کی خوں ریز لڑائی	63	فریبی فریب دیتا رہا	98
انطاکیہ میں سلطان کی عیسائی جاسوسہ	67	گائی آف لوسگنان کی بدعہدی	99
درب ساک کی فتح	68	گائی اور کونرڈ	101
قلعۂ بغراس بھی سرنگوں	69	فرنگیوں کی صیدا پر قبضے کی کوشش	102
قلعوں کے انہدام کا فیصلہ کیوں کیا گیا؟	70	بے فائدہ جوش وخروش اور اس کا نقصان	102
لشکر اسلام انطاکیہ کے سامنے	71	فرنگیوں کی صور کی طرف پسپائی اور سلطان کی معسکر کو واپسی	103
فصل :3		جنگل میں فرنگیوں سے مقابلہ	104
وسطی شام کی پرخطر مہمات	73	عرب مجاہدین اور ایبک الساقی	105
ناقابل تسخیر کرک مسخر ہو گیا	74	ریجی نالڈ گرفتار	107
صفد کا محاصرہ	75	قیصر روم کا دوستانہ مراسلہ	109
صور کے سورما پکڑے گئے	75	اتنی تاخیر کیوں ہوئی؟	111
اسامہ بن مرشد کی وفات	76	صور سے گائی کے لشکر کی روانگی	111
اللہ کے راستے میں رات کی شب بیداری	77	اَسباقِ تاریخ	113
طوفانی موسم اور قلعۂ کوکب کا محاذ	78	باب :2	
آپ کو شکر ادا کرنا چاہیے	80	عکا کا میدان کارزار	115
مسلم حکمران غفلت کی نیند سو رہے تھے	83	شخصیات	116
سلطان صلاح الدین مسجد اقصیٰ میں	85	فصل :1	
سلطان کے بلند عزائم	86	محاصرۂ عکا	118
فصل :4		وادیٔ عکا کا نقشہ	119
شقیف ارنوم	87	شہر عکا کا نظارہ	120
سفیر بغداد دربار سلطانی میں	88	عکا محاصرے میں	121
قلعۂ شقیف ارنوم	88	جب یورپی افواج ساحل پر اُترنے لگیں	122
فتح شوبک	91	فریقین کی طاقت کا موازنہ	126
مغرب سے اُٹھتے ہوئے شعلے	91		

صلیبی جنگ کا پہلا معرکہ	127
عکا کا راستہ کھل گیا	129
ایک سنگین غلطی	131
حملہ مزید موخر ہو گیا	132
فرنگیوں کا اچانک حملہ	132
اسلامی خیمہ گاہ تل العیاضیہ پر	133
بدؤوں کا چھاپہ	134
فصل: 2	
معرکہ کبریٰ	136
سلطان کے لشکر کی ترتیب	138
جنگ شروع ہوتی ہے	139
قلبِ لشکر اسلام درہم برہم	140
مسلمانوں کو شدید ترین ہزیمت	141
اسلامی میسرہ کی استقامت	141
مفرور سپاہیوں کی حالت	142
خیمہ گاہ بھی لٹ گئی	142
سلطان صلاح الدین ایوبی کی حوصلہ مندی	142
میدانِ جنگ کا منظر	143
صلیبیوں کی لوٹ مار	143
صلیبی کیوں واپس ہوئے	144
شکست کی کھائی سے فتح کی چوٹی تک	145
لڑائی کے بعد	146
غیبی مدد و نصرت	149
ایک نیا مسئلہ اور سلطان کا حسنِ انتظام	149
فرنگیوں کی لاشیں دریائے عکا میں	150
قاضی فاضل کا تہنیتی مکتوب	152
لشکرِ اسلام میدان سے کیوں ہٹا؟	153
سلطان کی تقریر	154
فصل: 3	
طوفانی موسم	158
وادی عکا اور صلیبی کیمپ کی صورتحال	158
اُمید وبیم کے دن	161
فریڈرک بار بروسا کی یلغار	162
سلطان کی مجلس مشاورت	162
قاضی ابن شداد سفارتی محاذ پر	163
اہل ایمان کی غیرت کہاں ہے؟	164
جب سیلاب پہاڑ سے ٹکراتا ہے	164
آپ بستروں پر کیوں مطمئن ہیں	165
شاہِ جرمنی ایشیائے کوچک میں	167
جرمنوں کا سیلاب بے اماں	170
مصری بری و بحری فوج کی آمد	171
بعض اکابر اور رفقاء کی وفات	173
سفارتی وفود سے معاملات	173
صلیبی دیو پیکر دبابے بنا رہے تھے	173
فصل: 4	
ہولناک دبابے	175
وقعۃ الرمل (ریت کا معرکہ)	176
بہار کی شوخیاں	177
فرنگیوں کی کمک کی بحالی اور تازیانِ افرنگ کی آمد	177
فرنگی حسینائیں، سامانِ ہوس پرستی	178
مسلمانوں کیلئے دامِ فرنگ	179

کبوتروں کا کمال	179
پیراکوں کا کارنامہ	180
موصل کا امدادی سامانِ حرب	181
کفر پنجے پھیلائے ہوئے ہے	181
قلعہ شقیف ارنوم سرنگوں	182
خلیفہ بغداد کا سفیر اور امدادی سامان	183
اسلامی افواج کی آمد	184
ہولناک دبابے عکا کے سامنے	184
شدید معرکوں کا ہفتہ	185
الملک الظاہر اور کوکبری کی آمد	187
علی بن عریف کا کارنامہ	188
یوم تکبیر	190
سنجار اور الجزیرہ کی امدادی فوجیں	193
فصل 5:	
جرمن ٹڈی دل، شام میں	194
تین محاذوں پر بیک وقت جنگ	194
مزید امدادی فوجیں	196
جرمنوں کی خبریں	196
غیر متوقع خوشخبری	198
شمالی سرحدوں پر افواج کی تشکیل	199
وبائی موسم اور امراض	200
نیا جرمن حکمران فریڈرک اور ارمن حکمران	200
جرمنوں میں پھوٹ پڑ گئی	201
یَا لَلْاِسْلَام	202
عبرت انگیز نظارے	205
خسارے کی جگہ نفع	205
خوشگوار لمحات	206
غیبی مدد و نصرت	206
جرمن انطاکیہ میں	206
ابھی قبروں سے نکلے ہیں	207
خوراک و رسد ختم	207
ایک دانہ بھی فروخت نہ کرنا	208
صلیبی صلح پر آمادہ	209
فصل 6:	
بحر و بر میں جہاد مسلسل	210
ہنری آف شیمپین اور دیگر نوابوں کی کمک	211
لشکرِ اسلام کی عقب نشینی	212
نامعلوم نواب۔ اسیر عکا	213
مارکویس انطاکیہ میں	214
جرمنوں کا حشر نشر	214
شہید ہو کر بھی فرض ادا کیا	216
بیروت کے جانباز ملاح	216
بحری جہازوں کی جنگ	219
کاؤنٹ ہنری کی بڑی منجنیق	222
ایک اور کارنامہ	222
شعلہ زن تیر	223
برج الذباب پر حملہ اور اللہ کی نصرت	223
فصل 7:	
موسم خزاں کے معرکے	225
جرمنوں کا ناکام حملہ	226
صلیبیوں کے نئے ہتھیار، کبش اور سنور	227
شمالی افواج کی واپسی	229

برطانوی فوج کی آمد 229
برج الذباب کا دوسرا معرکہ 229
حاکم انطاکیہ کی ہزیمت 230
ماہِ رمضان کی بقیہ جھڑپیں 230
برسات اور اسلامی افواج کی عقب نشینی 231
سنجر شاہ کی ہٹ دھرمی 232
عمادالدین کی اُکتاہٹ 235
معرکۂ مرج عکا 236
سلطان کی صف بندی 238
ہنگامہ خیز رات 241
نوبۃ التھر۔۔۔۔۔معرکہ دریائے عکا 242
اس کے ساتھ مجھے قتل کردو 244
جنگ کا آخری منظر 246
ایک کامیاب حملہ 247

فصل :8

موسم سرما کی تباہ کاریاں 249
فاقہ کش صلیبیوں سے حسن سلوک 250
وفود کی آمد 251
عکا کی فوج تبدیل کرنے کا سلسلہ 251
ایک حسرت ناک حادثہ 253
عکا پر صلیبیوں کا حملہ 254
فصیل عکا میں شگاف 255
پناہ گزین نصرانیوں کا صلیبیوں پر حملہ 256
سمندری طوفان اور صلیبی کیمپ کا قحط 256
جرمن بادشاہ کی موت 257
بحری جھڑپیں 258
آؤ گلے ملیں 258
افواج کی تبدیلی کا کام 259
کیا دفاعی انتظامات ادھورے تھے؟ 259
حالات بدلنے لگے 261
اسلامی افواج کی واپسی اور جھڑپوں کا آغاز 262
ابھی یہ فرق نہیں سمجھتے 263
شاہِ فرانس کی آمد 263
لاذقیہ کے نصرانیوں کی قبرص میں کارروائی 264

فصل :9

رچرڈ کی آمد 266
صلیبی عکا پر حملے کے لئے تیار 268
ایک فرنگی ماں سے سلطان کا حسن سلوک 268
عکا کی جنگ نئی شدت سے شروع 270
معسکر کی تبدیلی 271
رچرڈ عکا کے ساحل پر 272
دو فرنگی غلام مشرف با اسلام 273
بیروت کا سفینہ انگریزوں کے نرغے میں 273
خوفناک دبابہ 275
عکا پر بڑا حملہ ۔ سلطان کی جوابی کارروائی 276
رچرڈ ۔ سلطان ایوبی سے ملاقات کا خواہشمند 278
رچرڈ کی طرف سے پرفریب گفت وشنید 278
رچرڈ کا پیغام اور تحائف کا تبادلہ 279
رچرڈ کی آمد کے بعد صلیبی افواج کی تعداد 280
خنجر کی نوک پر 281
دو معرکے 282
اسلامی شہروں سے کمک 282

تقی الدین عمر کہاں تھا؟	282
کونرڈ کا فرار	283
عجیب وغریب محاصرانہ جنگ	284
نئے آلات۔ نئے حربے	284
فصل:10	
سقوطِ عکا	287
برج قتال منہدم	288
چھ فرنگی نائٹوں کا قتل	289
عکا پر ہولناک حملہ	290
امیر مشطوب کا پیغام	291
8 جمادی الاخریٰ کا معرکہ	292
مشطوب کی شاہِ فرانس سے ملاقات	294
چند کم ہمت امراء کا عکا سے فرار	295
سلطان کا ایک منصوبہ جس پر عمل نہ ہوا	295
پھر صلح کا جھانسا	296
سلطان کا ایک اور منصوبہ جو ادھورا رہ گیا	296
ایک اور سفارت۔ انگریزوں کا اصل مقصد	298
سبز پوش لشکر	298
ہم نے موت پر بیعت کر لی ہے	300
اسلامی اور صلیبی کمک	300
مشطوب کا صلیبی قیادت سے معاہدہ	301
تقدیر کا لکھا	302
فرنگی عکا میں	303
نہ ہوا تقی الدین عمر	304
کاش کہ بحری امداد مل جاتی	304
فصل:11	
اہل عکا کا قتل عام	307
فرنگیوں کی اہل عکا سے عہد شکنی	308
یروشلم کا بادشاہ کون؟	308
فلپ اور کونرڈ کی واپسی	309
سلطان نے معاہدۂ عکا قبول کر لیا	310
لشکرِ اسلام کی عقب نشینی اور مذاکرات کا دور	310
ایک خون ریز جھڑپ	311
قسطوں میں شرائط کی تکمیل کی تجویز	311
صلیب الصلبوت، صلیبیوں کے سامنے	312
مذاکرات کا انجام	312
اہل عکا کا قتل عام	315
اسلامی ہراول اور فرنگیوں میں معرکہ	316
جاسوسی نظام کی کمزوری	317
رچرڈ کا دامن داغدار رہے گا	317
صلیب اور فرنگی قیدی دمشق روانہ	318
سلطان کا ایک دل سوز مراسلہ	319
دوسالہ محاذِ عکا کا ایک تجزیہ	319
شکست اور کامیابیاں	322
اسباق تاریخ	323
باب:3	
عکا سے بیت المقدس تک	325
شخصیات	326
فصل:1	
بحیرۂ روم کے ساحل پر	328
سلطان کی نئی حکمت عملی	329
لشکرِ اسلام کی تیاری	329

تعاقب کا پہلا دن (یکم شعبان، 23 اگست) 330
تعاقب کا دوسرا دن (2 شعبان، 24 اگست) حیفا 332
تعاقب کا تیسرا دن (3 شعبان، 25 اگست) 333
تعاقب کا چوتھا دن (4 شعبان، 26 اگست) 333
تعاقب کا پانچواں دن (5 شعبان، 27 اگست) 334
تعاقب کا چھٹا دن (6 شعبان، 28 اگست)
قیساریہ 335
تعاقب کا ساتواں دن (7 شعبان، 29 اگست) 336
تعاقب کا آٹھواں دن (8 شعبان، 30 اگست) 336
قیساریہ کے باہر خون ریز جنگ 338
نواں دن (9 شعبان، 31 اگست) دوسرا معرکہ 339
غدار مسلمانوں کا انجام 341
دسواں دن (10 شعبان، یکم ستمبر) ارسوف میں 342
گیارہواں دن (11 شعبان، 2 ستمبر) 342
بارہواں دن (12 شعبان، 3 ستمبر)
مذاکرات کا ڈول 342
ارسوف کا ہولناک معرکہ 343
معرکے کے بعد 347
فریقین کے نقصانات 348
ساحل کی آخری جھڑپ 349
فصل 2:
عسقلان 350
رملہ میں مجلس شوریٰ کا اہم اجلاس 351
اس شہر کا ایک پتھر اُکھاڑنا بھی..... 353
عسقلان اور روزِ محشر 354
شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی 355
سلطان بسترِ علالت پر 356
عسقلان کی تباہی کا حاصل 357
عاشقِ القدس اپنے مرکزِ عشق میں 357
جب رچرڈ نرغے میں آیا 358
صلیبیوں کا ذہنی انتشار اور عیاشیاں 359
ایک اہم سوال 360
فصل 3:
مراسلے، ملاقاتیں اور صلح کے مذاکرات 361
رچرڈ کی پریشانیاں اور نئی مصروفیات 362
شیرکوہ کا قصہ 363
رچرڈ کا خط اور سلطان کا دوٹوک جواب 363
رچرڈ کا حیران کن مصالحتی فارمولا 366
رچرڈ کی کہہ مکرنیاں 367
جھڑپوں کا نیا سلسلہ ...... دونوں فوجیں
آمنے سامنے 368
اشکوں کی برسات 369
تقی الدین عمر کے آخری ایام 370
خلیفہ کا خط اور سلطان کا محتاط جواب 371
فرنگیوں سے ایک اور خونی جھڑپ 371
رچرڈ کا نیا مراسلہ 372
کونرڈ مارکوئیس کی سفارت 373
العادل اور رچرڈ کی ملاقات 373
رچرڈ سلطان سے ملنے کا مشتاق 374
رچرڈ القدس کے ایک ٹکڑے کا سوالی 374
اِسی جدوجہد میں موت آجائے...... 376
شوریٰ کا اجلاس، صلح رچرڈ سے یا کونرڈ سے 377

فصل :4

القدس پر رچرڈ کی پہلی یلغار 378
سلطان کی مزاحمت 379
صلیبیوں کی عبرتناک پسپائی 380
صلیبی عسقلان میں 381
سلطان القدس کے مزدوروں کے ساتھ 382
رچرڈ کی نئی مصالحانہ سازشیں 383
سلطان نے مذاکرات پر حامی کیوں بھری؟ 385
رچرڈ کی بدنیتی 386
سلطان کا کونرڈ مارکوئیس سے صلح کا فیصلہ 387
رچرڈ کونرڈ کی تاج پوشی پر آمادہ 388
کونرڈ کا انجام 389
نیا تاجدار یروشلم 390
آمد بہار اور جنگ کی تیاریاں 391
قیصر روم کا ایلچی 391
سیف الدین مشطوب کی رہائی 392
سلطان کیلئے ایک نئی پریشانی اور اسکا حل 393
افواج کی طلبی اور امدادی دستوں کی آمد 394

فصل :5

معرکۂ بیت المقدس 396
رچرڈ کی القدس کی طرف یلغار 397
مصر سے آنیوالے قافلے پر رچرڈ کا حملہ 399
سلطان کی جنگی حکمت عملی اور امراء کا اجلاس 404
سلطان کا امراء سے تاریخی خطاب 405
امراء کا اختلاف رائے 407
بھاری تھی شب مریض پر...... 408
سلطان کے آنسو، اقصیٰ کے مصلے پر 410
صلیبیوں میں اختلاف رائے 412
صلیبی ناکام لوٹ گئے 415
چھٹا باب: یافا کا معرکہ 417
عسقلان کا مسئلہ 419
لشکرِ سلطانی یافا کی طرف 421
نصرانی قلعے میں محصور 425
بدنظمی اور ہنگامہ آرائی 425
ایک پریشان کن اطلاع 426
بحری بیڑے کا کمک 427
رچرڈ کے کارنامے کی حقیقت 432
صلاح الدین عظیم ہے 433
میں جہاد ہمیشہ جاری رکھوں گا 434

فصل :2

آخری جھڑپ اور صلح نامہ رملہ 436
آخری جھڑپ 436
تازہ افواج اور المنصور کی آمد 440
رچرڈ کو برف اور پھلوں کے تحائف 441
سلطان کا نیا منصوبہ 441
رچرڈ کا چونکا دینے والا پیغام 442
سلطان صلح پر آمادہ کیوں ہوئے؟ 443
صلح نامہ طے ہو گیا 444
صلیبیوں نے کیا کھویا کیا پایا 446
معاہدۂ رملہ کے بعد 448
عسقلان کی فصیل کا انہدام 449
صلیبیوں کو زیارت القدس کی سہولت 450

سلطان کا شوق حج	451
اسباق تاریخ	454
باب :4	
تیسری صلیبی جنگ کے بعد	456
شخصیات	557
فصل :1	
بیت المقدس اور دمشق میں سلطان کے آخری ایام	458
بیٹے کو گراں مایہ نصائح	458
القدس میں ترقیاتی کام	459
صلیبی جنگ کے اختتام پر سلطان کا مقام	460
سلطان کی فتح کی اہم وجوہ	461
ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں	464
ارادۂ حج پر عمل کیوں نہ ہو سکا؟	466
باغبان کی گل گشت	468
سیف الدین مشطوب کی وفات	469
دمشق تک منزل بہ منزل	469
حاکم انطاکیہ کی اچانک آمد	470
سلطان اپنے وطن میں	471
دمشق کے پرلطف ایام	471
سیر و شکار اور العادل کی آمد	472
دمشق میں سلطان کی مصروفیات	472
پیام الوداع	473
قاضی ابن شداد سلطان کی خدمت میں	474
جب ننھا ابوبکر رو پڑا	474
حاجیوں کا استقبال	475
فصل :2	
شمشیر اسلام زیر خاک	478
سلطان کی قوت برداشت	479
لوگوں کا قلق اور اضطراب	479
آخری سنبھالا	480
الملک الافضل نے حلف لیا	481
اُمیدیں دم توڑ گئیں	482
آخری لمحات	482
آج یوسف نے رہائی پالی	483
پورا شہر سوگوار	484
اِسی تلوار پر سہارا لے کر اُٹھیں گے	485
خوابوں میں بشارت	485
سلطان کی وصیت اور تدفین	485
فصل :3	
سلطان صلاح الدین ایوبی کی سیرت پر ایک نظر	486
عدل و انصاف	486
زہد و قناعت	488
شجاعت	488
جہاد کا ولولہ	489
صبر و تحمل	491
عفو و درگزر	492
سخاوت	495
مہمان نوازی	497
اخلاق، رہن سہن، علم کا ذوق اور مجلسی زندگی	499
عقیدہ و نظریہ	500

شریعت کی پابندی 501
نماز کی پابندی 502
روزے 503
قرآن مجید کا شوق 503
شوق حدیث 504
صدقہ و خیرات 504
بعض عادات 505
سلطان کا خاندان 505
اولاد 506
ازواج 507

فصل 4:

سلطان ایوبی کے جانشین اور صلیبی جنگیں 508
چوتھی صلیبی جنگ 509
پانچویں صلیبی جنگ 510
دمیاط کا معرکہ 511
وادیٔ نیل کا تاریخ ساز معرکہ 513
چھٹی صلیبی جنگ۔ القدس جرمنوں کے حوالے 515
سلطان بیبرس اور ساتویں صلیبی جنگ 516
آٹھویں صلیبی جنگ 517
اسباق تاریخ 519

اختتامیہ

بیت المقدس اور یہود 521
یہود کا دیرینہ خواب 522
ٹیمپلرز اور فری میسنری 522
فلسطین میں یہود کی آباد کاری 524
تحریک جہاد اور وائٹ پیپر 525
اسرائیل کا قیام 525
سقوط بیت المقدس 526
یہود اور امریکا 526
مآخذ و مراجع 529

اِبتدائیہ

ملتِ نصاریٰ سے فدائیانِ اسلام کے معرکوں کا آغاز جناب رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہو چکا تھا، سریہ موتہ اور غزوۂ تبوک میں روم کے نصاریٰ ہی مدمقابل تھے۔ حضور رحمت عالم ﷺ کی زندگی کے آخری ایام میں تیار کیا جانے والا لشکر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی اسی مہم کے لیے روانہ کیا جا رہا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ان معرکوں میں شدت آگئی اور شام کی حدود میں بڑی بڑی لڑائیں ہوئیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں رومی افواج کی کمر ٹوٹ گئی، یرموک کے میدان میں ان کو زبردست شکست ہوئی، بیت المقدس فتح ہو گیا اور ارض مقدس کے علاوہ شام اور مصر بھی مسلمانوں کے زیر نگیں آگئے۔ بیت المقدس کا ہاتھ سے نکل جانا نصرانیوں کے لیے ایک ناقابل برداشت بات تھی، وہ ہر قیمت پر اسے واپس لینا چاہتے تھے مگر اسلام کے شمشیر بکف محافظ بیدار تھے، اس لیے صدیوں تک ان کو اپنے اس خواب کی تعبیر پانے کے لیے کچھ کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

مگر پانچویں صدی عیسوی میں خلافتِ اسلامیہ کی کمزوری اور مسلمانوں کے انتشار سے فائدہ اٹھا کر نصرانیوں نے عالم اسلام پر قبضے کے خواب دیکھنے شروع کر دیے۔ 492ھ میں یورپ کے صلیبی لشکر نے شام پر حملہ کر کے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ بیت المقدس میں عیسائی فاتحین نے مسلمانوں کا بہیمانہ قتل عام کر کے جس طرح اپنی درندہ صفتی کا ثبوت فراہم کیا تھا اس سے پورے عالم اسلام میں صف ماتم بچھ گئی تھی۔ خود یورپی مؤرخین نے دہشت اور درندگی کے اس افسوسناک واقعے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ مسجد اقصیٰ میں مقتول مسلمانوں کا اتنا خون بہا جس میں صلیبیوں کے گھوڑے گھٹنوں تک ڈوب گئے تھے۔

ایک چوتھائی صدی بعد عماد الدین زنگی اور پھر ان کے حوصلہ مند فرزند سلطان نور الدین زنگی رحمہ اللہ نے صلیبیوں سے جہاد کا علم سنبھال لیا اور اپنے مسلسل حملوں سے تمام دنیائے عیسائیت کو بدحواس کر دیا۔ یوں محسوس ہونے لگا کہ نور الدین زنگی کی قیادت میں مسلمان جلد یا بدیر بیت المقدس کو بازیاب کرا لیں

گے۔اس خطرے کو بھانپ کر جرمنی کے بادشاہ کونراڈ ثالث نے فرانس کے تاجدار لوئی ہفتم نے مشترکہ تیاری کے ساتھ ایک ٹڈی دل لشکر ترتیب دیا اور 542ھ (1147ء) میں عالم اسلام پر چڑھائی کردی۔ سلطان نورالدین نے مومنانہ شجاعت اور غیر معمولی استقامت کے ساتھ دو سال تک ان کا بھرپور مقابلہ کیا اور انہیں عبرتناک شکست دے کر واپس لوٹنے پر مجبور کردیا۔ عیسائی حملہ آوروں کی اس دوسری مشترکہ یلغار کو تاریخ میں دوسری صلیبی جنگ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

چند سال بعد سلطان نورالدینؒ نے ایک زبردست معرکے میں دس ہزار صلیبی جنگجوؤں کو تہ تیغ کر کے ان کے اہم مرکز قلعۂ حارم پر قبضہ کرلیا، بعدازاں دنیائے عیسائیت کے مقابلے میں مضبوط مورچے تیار کرنے کے لیے انہوں نے دمشق کو بھی زیرنگیں کرلیا۔ مصر کے آخری فاطمی خلیفہ عاضد کو اندرونی باغیوں اور نصرانیوں کے خلاف کمک کی ضرورت پڑی تو نورالدین نے اپنے قابل سالاروں شیر الدین ایوبی کو بھیج کر مصر کے عسکری امور بھی اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ دمیاط اور اسکندریہ پر تسلط کے بعد انہوں نے یورپ کے بحری راستے سے شام اور بیت المقدس کے نصرانیوں . راستہ بند کردیا۔ سلطان نورالدین زنگی رحمہ اللہ بیت المقدس کی آزادی کے لیے اپنی تیاریوں کو آخری دے رہے تھے کہ ان کا وقت موعود آگیا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے سالار صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے اس ادھوری مہم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کی شخصیت اسلامی تاریخ میں ایک ناقابل ان کی زندگی کا ہر لمحہ جہد مسلسل سے عبارت تھا، انہوں نے دین مبین کی سربلندی، المقدس کی بازیابی کے لیے انتھک جدوجہد کی اور اللہ بزرگ و برتر نے انہیں ان میں کامیاب کیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کا تعلق کرد قوم سے تھا جو شام، عراق اور ترکی کی جنوبی سر میں پائی جاتی ہے، ان کے والد نجم الدین ایوب مشرقی آذربائیجان کے ایک گاؤں ''دوین'' کے رہنے والے تھے، بعد میں وہ شام آکر عمادالدین زنگی کی فوج میں شامل ہوگئے۔ ان کے بھائی 'اسدالدین شیر کوہ' بھی ان کے ساتھ تھے، دونوں نے اپنی صلاحیتوں کی بناء پر نمایاں ترقی کی، نجم الدین ایوب کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے صلاح الدین ایوبی کے لیے بھی ترقی کے راستے کھل گئے۔ سلطان نورالدین زنگی نے ان کی قابلیت دیکھتے ہوئے مصر کی فتح کے لیے انہیں اسدالدین شیرکوہ کا دست راست بنا کر روانہ کیا تھا۔ مصر پر تسلط کے کچھ عرصے بعد جب شیرکوہ نے وفات پائی تو نورالدین زنگی کے نائب کی حیثیت سے صلاح الدین ایوبی نے وہاں کی حکومت سنبھال لی۔ 559ھ میں سلطان نورالدین زنگی

رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد صلاح الدین ایوبی مصر کے خود مختار حاکم بن گئے بعد ازاں انہوں نے دمشق اور شام کی چند دیگر چھوٹی کمزور مسلم ریاستوں کو بھی اپنی تحویل میں لے کر ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی جو صلیبی حکمرانوں کی متحدہ طاقت کا مقابلہ کرنے اور انہیں اسلامی مقبوضات سے نکالنے کی بھر پور صلاحیت رکھتی تھی۔

اس سے قبل سلطان کی زندگی ایک عام سپاہی کی سی تھی مگر حکمران بنتے ہی ان کی طبیعت میں عجیب تبدیلی پیدا ہوئی۔ انہوں نے راحت و آرام سے منہ موڑ لیا اور محنت و مشقت کو خود پر لازم کر لیا۔ ان کے دل میں یہ خیال جم گیا کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے کوئی بڑا کام لینا ہے جس کے ساتھ عیش و آرام کا کوئی جوڑ نہیں۔ وہ اسلام کی نصرت و حمایت اور جہاد فی سبیل اللہ کی لیے کمر بستہ ہو گئے، ارض مقدس کو صلیبی جنگجوؤں کے وجود سے پاک کرنا انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا۔

566ھ میں سلطان اور صلیبی حکمرانوں کے درمیان باقاعدہ معرکے شروع ہو گئے۔ اس سال سلطان نے شام کے ساحل پر واقع نصرانیوں کے اہم مرکز ایلہ میں فرنگیوں کے لشکر سے ٹکر لی۔ لیکن جب سلطان ان مہمات میں مصروف تھے تو مصر کے عبیدی گروہ نے فرنگیوں کو مصر پر حملے کی دعوت دے دی چنانچہ سسلی کے فرنگیوں نے دو سو بحری جہازوں کے ساتھ اسکندریہ کی بندگاہ پر دھاوا بول دیا۔ سلطان صلاح الدین کو اطلاع ہوئی تو برق و باد کی طرح کوچ کرتے ہوئے مصر پہنچے اور فرنگیوں کو ایسا منہ توڑ جواب دیا کہ ان کی فوج نہایت ابتر حالت میں واپس بھاگنے پر مجبور ہوئی۔

مصر پر صلاح الدین ایوبی کی حکومت سے پہلے پونے تین صدیوں سے عبیدی شیعہ خاندان کی حکومت چلی آ رہی تھی، سلطان نے یہاں اہلسنت والجماعت کا اقتدار قائم کیا، اس لیے اس فرقے کے کرتا دھرتا سلطان سے انتقام کی آگ میں جل رہے تھے۔ شام میں بھی مسلم امراء اور عیسائی حکام سلطان ایوبی کے دشمن تھے۔ ان لوگوں کے اکسانے پر باطنی گروہ کے فدائیوں نے یکے بعد دیگرے سلطان پر کئی قاتلانہ حملے کیے مگر پروردگار عالم کو اسلام کی فتح اور بیت المقدس کی آزادی کے لیے سلطان صلاح الدین کی زندگی منظور تھی، اس لیے وہ ہر بار محفوظ رہے۔

محرم 579ھ میں سلطان صلاح الدین نے آمد اور اس کے کچھ عرصے بعد حلب پر قبضہ کر لیا جس سے سلطان کی قوت بہت بڑھ گئی اور دریائے نیل سے لے کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تک میں سلطان کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔

فرنگی حکمرانوں میں کرک کا قلعہ دار ریجی نالڈ سب سے زیادہ فتنہ پرست، دغاباز اور اسلام کا دشمن تھا،

آنے جانے والے قافلوں کو لوٹنا اس کا معمول تھا، مسلمان تاجر اور حاجی اکثر اس کا نشانہ بن جاتے، اس کی گستاخیاں اس حد تک بڑھ چکی تھیں کہ وہ برملا خانہ کعبہ اور حضور اکرم ﷺ کے روضۂ اطہر کو مسمار کرنے کی خواہش ظاہر کیا کرتا تھا (نعوذ باللہ)۔ اس ناپاک مقصد کے لیے اس نے جدید تکنیک سے خصوصی بحری بیڑا تیار کرایا اور 579ھ میں بحیرۂ قلزم کے راستے حجاز مقدس پر حملہ آور ہوا۔ اسلامی بحری فوج کے امیر البحر حسام الدین لولو نے یہ اطلاع پاتے ہی اس کا تعاقب کیا۔ ریجی نالڈ اور اس کے سپاہی خوفزدہ ہو کر خشکی پر اتر گئے۔ لولو نے مقامی بدوؤں کے ساتھ مل کر ان کی بڑی تعداد کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا، تاہم ریجی نالڈ بذات خود بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

کچھ عرصے بعد بدفطرت ریجی نالڈ نے ایک اور بہیمانہ کارروائی کی اور مسلمان تاجروں کے ایک قافلے کو لوٹ کر تمام افراد کو قید کر لیا، قافلے کے بے سروسامان مسلمانوں نے اس سے رحم کی التجا کی تو اس نے یہ گستاخانہ جواب دیا:

"تم محمد (ﷺ) پر ایمان لائے ہو، اب اس سے کہو کہ تمہیں چھڑا لے۔"

سلطان صلاح الدین کو اس کی خبر ملی تو انہوں نے قسم کھا کر عہد کیا کہ اگر ریجی نالڈ ہاتھ لگ گیا تو اسے اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار کر گستاخی کی سزا دیں گے۔

583ھ میں طرابلس کے عیسائی حاکم ریمنڈ اور القدس کے مسیحی حکمران گائی نے اپنے سابق اختلافات بھلا کر سلطان کے مقابلے کے لیے صفوریہ میں پچاس ہزار سپاہیوں کا زبردست لشکر جمع کر لیا۔ صفوریہ نصرانیوں کے لیے ایک محفوظ اور مستحکم مقام تھا، اس لیے وہاں براہ راست حملہ کرنے کی بجائے سلطان نے ان کے ایک اہم مرکز طبریہ پر اپنی فوجیں اتار دیں، یہ دیکھ کر عیسائی افواج تلملا اٹھیں اور طبریہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ مسلمانوں نے ان کے راستوں کے چشمے اور تالاب پہلے ہی ناقابل استعمال بنا دیے تھے، اس لیے جب عیسائی افواج مسلمانوں کی لشکر گاہ کے قریب پہنچیں تو پیاس سے ان کی بری حالت تھی۔

اگلے دن 25 ربیع الثانی 583ھ کو یہاں کوہ حطین کے قریب ایک خون ریز جنگ ہوئی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی خود بجلی کی طرح لشکر اسلام کے مختلف حصوں میں جا جا کر ان کو ہدایات دے رہے تھے۔ سلطان کے حکم سے تیراندازوں نے عیسائی سواروں کو تاک تاک کر ایسے نشانے لگائے کہ وہ ایک طرف ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ ادھر سے سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے خاص دستوں کو لے کر خود آ گئے اور ان کو تیروں کی بارش میں واپس دھکیل دیا، سلطان کی ہدایت پر عیسائی لشکر گاہ کے قریب واقع

جھاڑیوں میں آگ لگادی گئی، ہوا کے رخ پر لپکتے ہوئے شعلوں نے نصرانیوں کو لپیٹ میں لے لیا، اس صورتحال سے عیسائی بددل ہو گئے۔ آخری کوشش کے طور پر انہوں نے کوہ حطین کے قریب جمع ہو کر بچ نکلنے کی کوشش کی مگر مسلمانوں نے ہر طرف سے انہیں گھیرے میں لے رکھا تھا، مایوس ہو کر انہیں ہتھیار ڈالنے پڑے، یہ یادگار معرکہ فلسطین کی مسیحی ریاستوں کے مکمل خاتمے اور بیت المقدس کی آزادی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

مغربی مورخ لین پول لکھتا ہے:

"مسیحی لشکر کے چیدہ اور منتخب جواں مرد قید کر لیے گئے، شاہ یروشلم گائی، اس کا بھائی، ریجی نالڈ اور بڑے بڑے عیسائی سردار قید کر لیے گئے...... مسیحی لشکر کے معمولی پیادے اور سوار سپاہیوں میں سے جو زندہ بچ رہے تھے مسلمانوں کے قیدی بن گئے، ایک ایک مسلمان سپاہی تیس تیس نصرانیوں کو جنہیں اس نے خود گرفتار کیا تھا خیمے کی رسی میں باندھ کر لے جاتا تھا...... کٹے ہوئے سر خربوزوں کی فصل کی مانند ہر طرف بکھرے ہوئے تھے......"

فتح کے بعد سلطان صلاح الدین نے شاہ یروشلم گائی اور ریجی نالڈ کو خیمے کے اندر طلب کیا۔ سلطان نے ریجی نالڈ سے کہا:

"سن! میں نے تجھے قتل کرنے کی دو مرتبہ قسم کھائی تھی، ایک مرتبہ اس وقت جب تو نے مکہ اور مدینہ کے مقدس شہروں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی اور دوسری مرتبہ اس وقت جب تو نے دھوکے بازی سے حاجیوں کے قافلے پر حملہ کیا تھا۔ اب دیکھ میں محمد ﷺ کی طرف سے تجھ سے انتقام لیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس کے قتل کا ارادہ کیا تاہم اس سے قبل اس کو اسلام کی دعوت دی اور اس طرح جاں بخشی کا ایک موقع فراہم کیا مگر اس نے اسلام قبول نہیں کیا، آخر سلطان نے تلوار کا وار کر کے اپنی قسم کے مطابق اپنے ہاتھ سے اس بدبخت کو واصل جہنم کر دیا، سابق بادشاہ گائی یہ دیکھ کر کانپ رہا تھا، مگر سلطان نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

"بادشاہوں کا دستور نہیں کہ وہ بادشاہوں کو قتل کریں مگر اس شخص (ریجی نالڈ) کی زیادتیاں حد سے بڑھ گئی تھیں۔"

حطین کی یادگار فتح کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے لشکر کو آرام کے لیے صرف ایک دن کا آرام دیا اور پھر اسے ایک متلاطم سیلاب کی طرح فلسطین کی حدود میں پھیلا دیا۔ سلطان کے بھائی ملک

العادل اوران کے بھتیجے تقی الدین الگ الگ سمتوں پر پیش قدمی کرتے ہوئے قلعوں پر قلعے فتح کرتے چلے گئے۔طبریہ،عکا،یافا،صیدا،بیروت اورعسقلان یکے بعد دیگرے اسلامی فوجوں کے آگے سرنگوں ہو گئے۔

عسقلان کی فتح کے بعد سلطان صلاح الدین کے لیے بیت المقدس تک پہنچنے کا راستہ بالکل صاف ہو چکا تھا،امت مسلمہ کی بے چین نگاہیں محاذ جنگ پر جمی تھیں۔تقریباً ایک صدی کے بعد ارض مقدس میں سجدہ ریزی کے لیے لاکھوں پیشانیاں مضطرب تھیں۔سلطان صلاح الدین کے لیے اس آخری معرکہ میں کامیابی کی دعائیں ہر لحہ آسمان تک پہنچ رہی تھیں۔مصراورشام کے سینکڑوں اکابر،مشائخ،علما اور بزرگان دین اس فتح کی سعادت میں شرکت کے لیے سلطان کی لشکر گاہ میں پہنچ گئے تھے۔15 رجب 583ھ(ستمبر 1187ء) کو اسلامی لشکر بیت المقدس کی بلند فصیلوں کے سامنے جا پہنچا۔بیت المقدس میں اس وقت گزشتہ کئی جنگوں کی شکست خوردہ عیسائی فوجیں جمع ہو چکی تھیں۔کئی دن تک لڑائی جاری رہی،مسلمان منجنیقوں کے ذریعے فصیل کو شکستہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے جبکہ فصیل پر موجود ہزاروں عیسائی سنگ باری اور تیر اندازی کے ذریعے اور باہر متعین عیسائی جنگجو دست بدست مقابلہ کر کے ان کو فصیل کے قریب آنے سے روک رہے تھے مگر زخموں اور شہادتوں کے باوجود غازیوں نے فصیل پر دھاوا جاری رکھا اور آخر کار فصیل کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔منجنیقیں نزدیک لائی گئیں اور کم فاصلے سے ان کی مسلسل سنگ باری نے فصیل کے پرخچے اڑا دیے۔نصرانیوں کو شکست سامنے نظر آ رہی تھی،مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے جو کچھ کیا تھا،اس کے ردعمل کے تصور سے ان پر لرزہ طاری تھا۔انہوں نے ایک وفد بھیج کر سلطان کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر آمادگی ظاہر کی بشرطیکہ ان کی جان و مال کی امان دی جائے۔سلطان نے جواب دیا:

''میں تمہارے ساتھ وہی کروں گا جو 492ھ میں تم نے مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا۔''

اس جواب سے نہ صرف عیسائی پیشواؤں بلکہ ان کے ہر خاص و عام پر موت کا سکتہ طاری ہو گیا۔ آخری کوشش کے طور پر نصرانیوں کا بڑا سردار ''بالیان'' خود سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور بڑی لجاجت کے ساتھ سلطان کو اس کے سابقہ رحم و کرم کا واسطہ دے کر کہا کہ وہ نصرانیوں کی جان بخشی کر دے۔اس وقت سلطان صلاح الدین کو پوری قوت حاصل تھی کہ وہ وہاں نصرانیوں کے خون کے دریا بہا دیتے مگر انہوں نے اسلامی رواداری،مہربانی،فیاضی اور بخشش کی ایک یادگار مثال قائم کرتے ہوئے یہ درخواست قبول کر لی۔

جمعہ 27 رجب 583ھ کو نوے برس بعد قبلہ اوّل دوبارہ مسلمان کی تحویل میں آیا۔قاضی ابن شداد

رحمہ اللہ جو سلطان کے خاص مصاحب تھے لکھتے ہیں:

''اس عظیم فتح کے موقع پر اہل علم، اہل حرفہ اور اہل طرق کی کثیر تعداد جمع تھی، اس لیے کہ لوگوں کو جب ساحلی مقامات کی فتح اور سلطان کے ارادے کی اطلاع ہوئی تو مصر و شام سے علماء نے بیت المقدس کا رخ کیا اور کوئی روشناس اور معروف آدمی پیچھے نہ رہا۔ ہر طرف دعاء، تہلیل و تکبیر کا شور تھا۔ بیت المقدس میں (90 برس بعد) جمعہ کی نماز ادا کی گئی، گنبد صخرہ پر جو صلیب نصب تھی اتار دی گئی، ایک عجب منظر تھا اور اسلام کی فتح مندی اور اللہ تعالیٰ کی مدد کھلی آنکھوں سے نظر آ رہی تھی۔''

سلطان نور الدین زنگی رحمہ اللہ نے اپنی زندگی میں بیت المقدس کے لیے ایک بیش قیمت منبر بڑے اہتمام سے تیار کرایا تھا تاکہ فتح کے بعد مسجد اقصیٰ میں نصب کیا جائے۔ سلطان زنگی رحمہ اللہ کی زندگی میں یہ موقع نہ آ سکا مگر سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے ان کی آرزو کے مطابق حلب سے وہ منبر منگوا کر مسجد اقصیٰ میں نصب کرایا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے وعدے کے مطابق فتح کے بعد نصرانیوں کو ان کی توقع سے بھی بڑھ کر امن و امان فراہم کیا، اہل شہر پر فی کس نہایت معمولی زر فدیہ لاگو کیا اور جسے اس کی ادائیگی کی طاقت نہ ہوتی اس کے ساتھ نہایت فراخ دلی کا معاملہ کیا۔ سلطان کے بھائی ملک العادل نے ایسے ایک ہزار افراد کو جو زر فدیہ ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے غلام بنا لیے گئے تھے اپنی طرف سے آزاد کر دیا۔ سلطان صلاح الدین رحمہ اللہ نے شہر میں منادی کرا دی کہ جو بوڑھے فدیہ ادا کرنے سے عاجز ہیں انہیں آزاد کیا جاتا ہے، انہیں اختیار ہے جہاں چاہیں چلے جائیں۔ شہر کے تمام گلی کوچوں اور بڑے دروازوں پر سلطان کے معتمد آدمی کھڑے تھے تاکہ کوئی فوجی کسی مقامی شخص پر زیادتی نہ کرنے پائے۔

سلطان کے اس بے مثال رحم و کرم سے متاثر ہو کر مغربی مؤرخ لین پول لکھتا ہے:

''ہم جب سلطان کے ان احسانات پر غور کرتے ہیں تو وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آتی ہیں جو صلیبیوں نے فتح بیت المقدس کے موقع پر کی تھیں، جب گاڈ فرے اور ٹنکریڈ بیت المقدس کے بازار سے اس حال میں گزر رہے تھے کہ وہ مسلمانوں کی لاشوں سے بھرا ہوا تھا اور جاں بلب زخمی وہاں تڑپ رہے تھے، جب صلیبی بے گناہ اور لاچار مسلمانوں کو سخت اذیتیں دے کر قتل کرتے تھے، زندہ آدمیوں کو جلا رہے تھے اور القدس کی چھت پر پناہ لینے والے مسلمانوں کو تیروں سے چھلنی کر کے نیچے گرا رہے تھے..... بے رحم نصرانیوں کی خوش قسمتی تھی کہ سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں ان پر رحم و کرم ہو رہا تھا۔''

قارئین! یہ تھا جلد اوّل میں پیش کی گئی سلطان ایوبی کی جہادی روداد کا خلاصہ جسے آپ وہاں پوری تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ اب ان اوراق میں آپ فتح القدس کے بعد چھڑنے والی تیسری صلیبی جنگ کے احوال پڑھیں گے جو صلیبی جنگوں کے سلسلے کی سب سے بڑی لڑائی تھی جس کا ہر موڑ سلطان صلاح الدین ایوبی اور ان کے جانثار ساتھیوں کی جرأت ایمانی، اولوالعزمی، جاں سپاری اور بے لوثی کا آئینہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ ان نیک ہستیوں کو ساری امت کی طرف سے بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور ہمیں ان کے مومنانہ ومجاہدانہ کردار کو نمونہ حیات بنانے کی ہمت وتوفیق دے۔

آخر میں ایک اہم بات...... جلد اوّل پر کام کے دوران الکامل فی التاریخ کا پرانا نسخہ زیرِ استعمال تھا جو دارالتراث العربی نے سات جلدوں میں شائع کیا تھا۔ جلد دوئم پر کام کے وقت پوری کوشش کے باوجود وہ نسخہ ہاتھ نہ آسکا۔ اس کی جگہ دارالکتب العلمیہ کے نسخے سے استفادہ کرنا پڑا جو دس جلدوں میں ہے۔ قارئین آئندہ بھی خیال رکھیں کہ جہاں الکامل جلد 10 کا حوالہ ہو، وہاں دارالکتب العلمیہ کا نسخہ مراد ہوگا۔

اسی طرح جلد اوّل کی تیاری میں البدایہ والنہایہ مطبوعہ "مکتبہ حقانیہ پشاور" زیرِ استعمال تھی جو سات جلدوں میں ہے۔ جلد ثانی کی تیاری میں وہ بھی دستیاب نہ ہوسکی، مجبوراً البدایہ والنہایہ مطبوعہ مکتبہ المعارف (بیروت) کو سامنے رکھا۔ اسی طرح بہت سی جگہوں پر کتاب الروضتین کے قدیم نسخے کی جگہ وہ نسخہ استعمال کیا گیا جو دارالکتب العلمیہ بیروت کا شائع کردہ ہے۔ النوادر السلطانیہ میرے سامنے اب بھی 1964ء کا نسخہ ہے جو مکتبۃ الخانجی قاہرہ کا شائع کردہ ہے۔ بہرحال کمپیوٹر کی تیز رفتار کتابت کی وجہ سے مارکیٹ میں کتب کے نئے نئے ایڈیشن نئی تبدیلیوں کے ساتھ آرہے ہیں اور پرانے نسخے متاعِ گم گشتہ بنتے جارہے ہیں۔ ممکن ہے دو چار سال بعد قارئین جن نسخوں میں حوالے تلاش کریں وہ بالکل الگ ہوں۔ ایسے میں آسان طریقہ یہی ہوگا کہ ان کتب میں واقعات کی فہرست دیکھ سن ہجری کے اعتبار سے مطلوبہ واقعے کو تلاش کرلیا جائے۔ نسخوں کے تنوع کے پیش نظر اب بہتر صورت یہی ہے۔

محمد اسماعیل ریحان
خادم ادارہ علوم القرآن خالقداد
تحصیل حسن ابدال
13 رجب 1434ھ
24 مئی 2013ء

باب:1

شام سے نصرانی مورچوں کا خاتمہ

25شعبان583ھ(29اکتوبر1187ء)

......تا......

12رجب585ھ(27اگست1189ء)

شخصیات

الملک العادل	....	سلطان کا بھائی اور دست راست
الملک العزیز	....	سلطان کا بیٹا مصر میں نائب
الملک الظاہر	....	سلطان کا بیٹا
قاضی فاضل	....	سلطان کے وزیر
تقی الدین عمر	....	سلطان کا بھتیجا، حاکم حماۃ
عبدالسلام مغربی	....	سلطان کا امیر البحر
سیف الدین مشطوب	....	سلطان کا کمانڈر
عماد کاتب	....	سلطان کے سیکرٹری
ابن شداد	....	سلطان کے مشیر
صارم الدین قائماز نجمی	....	سلطان کا کمانڈر۔ قلعہ کوکب کا نگران
شمس الدین ابن مقدم	....	سلطان کا عمر رسیدہ درباری، امیر حج
قاضی منصور بن نبیل	....	جبلہ کے قاضی
رشید بوشجی	....	سلطان کا درباری
خلیفہ ناصر	....	خلیفہ بغداد
بوہیمنڈ	....	انطاکیہ کا حاکم
ریجی نالڈ	....	صیدا کا سابق حاکم، شقیف ارنوم کا قلعہ دار، گستاخ ریجی نالڈ کا ہم نام
مارگریٹ	....	سسلی کا بحری کمانڈر
کونرڈ مارکوئیس	....	صور کا عیسائی حاکم
گائی	....	شام کے نصرانیوں کا بادشاہ
ازابیل	....	گائی کی ملکہ

فصل:1

صور کی جان گسل مہم

فتح القدس کے بعد سلطان کا لشکر مزید ایک ماہ تک شہر کے سامنے پڑاؤ ڈالے رہا۔اس دوران سلطان کو صور کی جانب سے تشویش ناک خبریں ملنے لگی تھیں۔سلطان کا معتمد امیر سیف الدین مشطوب جو صیدا اور بیروت میں ان کی نیابت کے فرائض انجام دے رہا تھا، انہیں خبردار کررہا تھا کہ "صور" کے قضیے کو ملتوی رکھا گیا تو ایک عظیم فتنہ برپا ہوسکتا ہے۔واقعی صور میں کونرڈ مارکوئیس نصرانیوں کے دفاع کا آخری عنوان بن گیا تھا۔اس گنجان ساحلی شہر کو اس کے جنگی تجربے نے ایک ناقابل تسخیر مورچہ بنادیا تھا۔گزشتہ دوماہ سے وہ اسے مضبوط تر کیے جارہا تھا۔اس نے بحیرۂ روم کی عیسائی ریاستوں اور یورپی حکمرانوں سے خط وکتابت کرکے مدد بھی طلب کی تھی اور اسے حوصلہ افزا جوابات ملے تھے۔یورپی حکمرانوں نے کہا تھا کہ وہ صور کی کچھ عرصے حفاظت کرے، اتنی مدت میں یورپی لشکر تیار ہوکر آجائیں گے اور صور ان کی چھاؤنی ثابت ہوگا۔

مارکوئیس نے صور میں جمع ہونے اور روز بروز بڑھنے والی پرجوش افرادی قوت سے کام لے کر تھوڑی سی مدت میں شہر کے گرد ایک نئی فصیل بھی تعمیر کرلی تھی۔اس جزیرہ نما شہر کی تین سمتیں سمندر کی وجہ سے پہلے ہی بڑی حملے سے محفوظ تھیں۔صرف ایک سمت سے زمین کی ایک سڑک نما پٹی اسے خشکی سے ملاتی تھی جسے عبور کیے بغیر کوئی فوج خشکی سے شہر پر حملہ نہیں کرسکتی تھی۔مارکوئیس نے فصیل سے خاصا آگے اسی پٹی پر ایک بہت گہری اور چوڑی خندق کھدوا کر اسے دونوں طرف سے سمندر سے ملادیا تھا، جس کے باعث اس نہر نما خندق میں سے کشتیاں ہی نہیں، بحری جہاز بھی گزر سکتے تھے۔چنانچہ صور اب ایک ایسا جزیرہ بن گیا تھا جس کے ہر طرف جنگی جہاز پہرہ دے رہے تھے۔

ان خبروں کے پیش نظر آخرکار سلطان صلاح الدین نے جمعہ 25 شعبان 583ھ (29 اکتوبر 1187ء) کو القدس سے ساحل کی طرف کوچ کیا۔ساتھ ہی انہوں نے اپنے بھتیجے لڑکے الملک العزیز

عثمان کو مصر واپس بھیج دیا جبکہ الملک الافضل اور تقی الدین عمر صور کی مہم میں شرکت کے لیے تیز رفتار دستوں کے ساتھ پہلے ہی عکا کی طرف جا چکے تھے جسے صور پر حملے کے لیے چھاؤنی کے طور پر استعمال کرنا طے ہوا تھا۔

سلطان بقیہ فوج اور اپنے بھائی الملک العادل کے ساتھ جب عکا پہنچے تو رمضان المبارک کا چاند طلوع ہو چکا تھا۔ ان دنوں خراسان سے لے کر آرمینیا تک پھیلی ہوئی اسلامی ریاستوں کے سفیر یکے بعد دیگرے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے اور فتح القدس پر مبارک باد پیش کر رہے تھے۔ عجم کے حکمران اتابک مظفر الدین قزل ارسلان کا سفیر عکا ہی میں خدمت سلطانی میں باریاب ہوا اور اپنے آقا کی طرف سے ہدیۂ تہنیت پیش کیا۔

سلطان صلاح الدین کی عادت تھی کہ وہ رمضان کے مہینے میں ہر قسم کے سیاسی و عسکری مسائل سے یکسو ہو کر یہ مقدس لمحات اپنے دارالحکومت میں گزارتے تھے اور ذکر و تلاوت، تراویح اور دیگر عبادات کا پورا اہتمام کرتے تھے، یہی رخصت وہ اپنے سپاہیوں کے لیے بھی پسند کرتے تھے جن کی جنگی مہمات عموماً سال بھر جاری رہتی تھیں۔ مگر اس بار حالات ایسے تھے کہ سلطان کو رمضان میں بھی جہاد کے لیے نکلنا پڑا کیونکہ اگر صور میں فرنگیوں کے قدم کچھ عرصے کے لیے جم جاتے تو پھر یہی جگہ یورپی طاقتوں کی مشترکہ جنگی چھاؤنی بن سکتی تھی اور القدس کو مسلمانوں سے دوبارہ چھیننے کی کوشش بھرپور انداز میں شروع ہو سکتی تھی۔ ❶

<u>سلطان صور کے سامنے</u> ❁ سلطان نے عکا سے بھی بہت جلد کوچ کیا اور 9 رمضان 583ھ (12 نومبر) کو صور کے سامنے پہنچ گئے۔ نہر نما خندق کے باعث سلطان کی فوج کا خشکی کی پٹی عبور کرنا اور شہر کے قریب اترنا ناممکن تھا۔ اس لیے خاصے فاصلے پر کیمپ لگا دیا گیا۔ سلطان چند دن تک بھاری اسلحے اور امدادی افواج کا انتظار کرتے رہے۔ اس سے قبل سلطان نے مصری بحریہ کے دس بحری جہازوں کو بھی صور طلب کر لیا تھا کیونکہ صور میں فیصلہ کن جنگ بحری فوج کے ذریعے ہی ہو سکتی تھی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی بلند ٹیلے سے شہر کا محل وقوع بغور دیکھ رہے تھے۔ جزیرہ نما صور تک جانے والی خشکی کی واحد پٹی کسی انسانی بازو جیسی اور شہر کی آبادی ایک بند مٹھی کی مانند نظر آتی تھی۔ صور نیلے سمندر میں کلے کی طرح ابھرا دکھائی دے رہا تھا۔ اہل شہر دروازے کھول کر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے تیار تھے، ان کے مسلح گروہ شہر کو ساحل سے ملانے والی پٹی سے ہوتے ہوئے نہر نما خندق کی طرف آ رہے تھے۔ خندق کے دونوں طرف ان کے بحری جہازوں پر بھی فوجی چوکس کھڑے تھے،

❶ النوادر السلطانیہ: ص137، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/411_416، الکامل فی التاریخ: 10/169، مفرج الکروب: 2/...، البدایہ والنہایہ: 6/307، حوادث 583ھ

جہازوں پر منجنیقیں، تیر چرخ، آتشیں تیر اور کھولتا ہوا تیل پھینکنے والے آلات نصب تھے۔ مسلمانوں کے لیے خشکی کی طرف سے حملے کا پہلا قدم خندق عبور کرنا تھا جبکہ نصرانیوں کی تیاریاں ظاہر کر رہی تھیں کہ مسلمانوں کے لیے یہ اقدام بے حد کٹھن ہوگا۔ لڑنے کے لیے خشک پٹی کسی بھی طرح موزوں نہ تھی۔ یہ نہایت تنگ مقام تھا، جس میں مسلمان اپنی بھاری تعداد استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ اس تنگ جگہ میں وہ ٹولیوں کی شکل ہی میں آگے بڑھ سکتے تھے جبکہ عیسائی کم افراد استعمال کر کے انہیں روک سکتے تھے۔ خندق میں اترنے کی کوشش کرنے والا ہر مسلمان ان کے نشانے پر تھا۔ یہی نہیں بلکہ خندق کی دونوں سمتوں میں نصرانیوں کے بحری جہاز بھی کھڑے تھے اور ان کی طرف سے حملہ آوروں کو بھاری اسلحے سے نشانہ بنانے کا پورا پورا انتظام کر لیا گیا تھا۔

تیرہ دن بعد 22 رمضان (25 نومبر) کو بھاری سامان جنگ، منجنیقیں، تیر چرخ، آتشی تیر، دبابے، دیگر فصیل شکن آلات اور دور مار اسلحہ پہنچ گیا۔ حلب سے سلطان کا چھوٹا بیٹا الملک الظاہر بھی کمک کے ساتھ آ گیا اور سلطان نے اسی دن جنگ شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ شہر کے قریب ایک بلند ٹیلے پر منتقل ہو گئے جہاں سے شہر پناہ کے گرد جنگ کا منظر صاف نظر آ سکتا تھا۔ سلطان نے میدان جنگ کی ان دشواریوں کے پیش نظر فوج کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تقسیم کر کے باری باری طوفانی حملوں کی حکمت عملی اپنائی۔ طے یہ ہوا کہ الملک الافضل، الملک العادل، الملک الظاہر، تقی الدین عمر اور دیگر امراء اپنے خاص جانبازوں کے ساتھ یکے بعد دیگرے خندق پر حملے کریں گے۔ ہر گروہ ایک دو گھنٹے لڑ کر واپس آ جائے گا اور دوسرا گروہ فوراً اس کی جگہ لے لے گا۔ نصرانیوں کو لڑا لڑا کر تھکا دیا جائے گا اور ان کی افرادی قوت کو آہستہ آہستہ ضائع کیا جاتا رہے گا۔

آخر حملے کا آغاز ہوا، مجاہدین خشکی سے خندق کی طرف بڑھے اور یہاں سے ان نصرانیوں پر تیر اندازی شروع کی جو خندق کے پار اس کی حفاظت کے لیے کھڑے تھے۔ نصرانیوں کی جانب سے جوابی تیر اندازی شروع ہوئی، اس کے ساتھ ساتھ خندق کے دائیں بائیں سے ان کے بحری جہازوں نے بھی مسلمانوں پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ مسلمان تین طرف سے حملے کی زد میں آ کر زیادہ دیر نہ جم سکے اور ان کا پہلا گروہ زخمیوں اور شہیدوں کو سنبھالتے ہوئے لوٹ گیا۔ اس کے بعد مزید چند پے در پے حملے کیے گئے مگر ہر بار اسی طرح نقصان اٹھانے کے بعد سلطان کو اندازہ ہو گیا کہ یہ کوشش بے سود ہوگی۔ ❶

ایک شب کی غفلت مسلمانوں کو بہت بھاری پڑی ◆ آخر کار سلطان نے بحری فوج کو استعمال

---

❶ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 412/10، 413؛ الکامل فی التاریخ: 169/10

کرنے کا فیصلہ کیا۔ سلطان کے پیغام پر مصری بحری فوج کا کمانڈر عبدالسلام المغربی اپنے جنگی جہاز صور کے بحری جہازوں کے مقابلے پر لے آیا۔ اگلے دنوں کی جنگوں میں اہل صور خشکی سے حملہ آور مسلمانوں کے خلاف اپنے بحری جہازوں کو بھرپور انداز میں استعمال نہ کر سکے۔ نصرانیوں کے بحری جہاز جوں ہی مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے حرکت میں آتے، عبدالسلام مغربی اپنے جہازوں کو آگے لا کر انہیں آزادانہ نقل و حرکت سے روک دیتا تھا۔ بحری جہازوں کی مدد سے محروم ہو جانے کے باعث صور کی فوج کی مدافعت کمزور پڑ گئی۔ مسلمان اب اس قابل تھے کہ صور پر براہِ راست حملہ کر سکیں۔ خشکی سے ان کی مسلسل سنگ باری، سخت ترین محاصرے اور پے در پے دھاووں نے صور کی ناقابل تسخیر فصیل کی بنیادیں ہلا دی تھیں۔ سمندر کی جانب سے بھی صور محاصرے میں تھا، مسلمانوں کے سامنے صرف ان کے بحری جہازوں کی دیوار تھی جسے عبدالسلام مغربی کے مسلسل حملے شکستہ کیے دے رہے تھے۔ لگتا تھا کہ صور اب چند دن کا مہمان ہے۔ مگر اب جبکہ فتح و نصرت چند گام پر تھی ایک معمولی سی غلطی نے نہ صرف اس جنگ کی کایا پلٹ دی بلکہ اس کا خمیازہ مسلمانوں کی کئی نسلوں کو بھگتنا پڑا۔ صور جو سرنگوں ہونے جا رہا تھا اگر فتح ہو جاتا تو یورپی افواج کے اترنے کے لیے ساحل شام پر کوئی محفوظ مرکز باقی نہ رہتا اور ساحل سے عیسائی مقبوضات کا خاتمہ ہو جاتا۔ مگر اس غلطی کے باعث صور فتح ہونے سے رہ گیا اور پھر تقریباً 90 برس تک عیسائی ساحلِ شام سے مکمل طور پر بے دخل نہ کیے جا سکے۔

اس رات حسب معمول عبدالسلام مغربی اپنے جانبازوں کے ساتھ صور کی بندرگاہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا، پہرے دار جہازوں پر باری باری پہرہ دے رہے تھے، آخری ٹولی جسے صبح صادق تک پہرہ دینا تھا، غیر معمولی تکان محسوس کرتے ہوئے ذرا دم لینے لگی۔ یہ رات کا آخری پہر تھا۔ پہرہ داروں کو پتا ہی نہ چلا کہ کب ان کی آنکھ لگ گئی۔ وہ پہرے کی دوسری ٹولی کو اٹھا بھی نہ سکے۔ فرنگی جہاز ران اسلامی بحریہ کی ہر نقل و حرکت کو بڑے غور سے دیکھتے رہتے تھے۔ انہیں کچھ ہی دیر میں یہ محسوس ہو گیا کہ مسلمان عالم غفلت میں ہیں۔ وہ بڑی خاموشی سے کشتیوں کے ذریعے مسلمانوں کے جہازوں تک پہنچ گئے۔ مسلمانوں کو اس وقت ہوش آیا جب فرنگی ان کے پانچ جہازوں پر چڑھ چکے تھے۔ انہیں اسلحہ سنبھالنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ ہر جہاز مکمل طور پر دشمن کی گرفت میں آ گیا تھا۔ بہت سے مصری سپاہیوں نے مزاحمت بے سود سمجھ کر گرفتاری سے بچنے کے لیے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ ان میں سے کئی ڈوب گئے اور بہت سے تیر کر ساحل تک پہنچ گئے۔ فرنگیوں نے باقی ماندہ مسلمانوں کو گرفتار کر لیا، وہ انہیں باندھتے اور زدوکوب کرتے ہوئے کشتیوں کے ذریعے صور کی بندرگاہ پر لے گئے۔ سلطان صلاح الدین

ایوبی اوران کے رفقاء خشکی پر کھڑے یہ صدمہ انگیز منظر دیکھ رہے تھے مگر وہ کچھ کرنے سے قاصر تھے۔ زیادہ پریشان کن بات یہ تھی کہ گرفتار شدگان میں کمانڈر عبدالسلام مغربی، بیڑے کے انتظامی امور کا مسؤل بدران الفارس اور پانچوں جہازوں کے اعلیٰ افسران بھی شامل تھے۔ یہ حادثہ پیش آتے ہی سلطان صلاح الدین ایوبی سمجھ گئے کہ فرنگی جہاز راں اب ان کے باقی ماندہ پانچ جہازوں کو تر نوالہ سمجھ کر ان سے دوبدو جنگ کرنے میں دیر نہیں لگائیں گے جس کا نتیجہ مصری بیڑے کی مکمل تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ سلطان نے فوراً بیڑے کے قائم مقام کمانڈر کو حکم بھیجا کہ وہ بقیہ جہازوں کو لے کر جلد از جلد بیروت کی بندرگاہ کی طرف نکل جائے۔ سلطان کا خیال بالکل صحیح نکلا۔ مصری بحری بیڑے نے لنگر اٹھایا ہی تھا کہ فرنگی جہازوں نے بھی بادبان کھول دیے، مسلمانوں نے پوری کوشش کی کہ اپنے جہازوں کو نکال کر لے جائیں مگر فرنگی تعاقب کرتے ہوئے ان کے قریب آتے گئے۔ صورتحال ایسی تھی کہ صرف ایک جہاز جو جبیل کے رئیس کا تھا بچ کر نکل سکتا تھا، باقی چار کسی بھی وقت فرنگیوں کے قبضے میں آسکتے تھے اور ایسی صورتحال میں مصری سپاہیوں کی گرفتاری بھی یقینی تھی۔ آخر کار مصری سپاہیوں نے ذہانت سے کام لیتے ہوئے ان جہازوں کا رخ ساحل کی طرف کر دیا۔ جہاز ساحل کے اتھلے پانی میں پہنچ کر ریت میں دھنس گئے۔ مصریوں کا پانچواں جہاز جو خطرے کی زد سے دور تھا، بچ کر بیروت کی طرف نکل گیا تھا۔ ساحل پر دھنسنے والے چاروں جہازوں کے سپاہی خشکی پر اتر کر خطرے کی زد سے دور نکل گئے۔ انہیں اطمینان تھا کہ فرنگی ان کے جہازوں کو فوری طور پر ریت سے نہیں نکال سکیں گے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو اس صورتحال کا علم ہوا تو انہوں نے بلا تاخیر ان جہازوں کو ناکارہ کروا دیا تا کہ فرنگی ان پر قبضہ نہ کر سکیں۔ ❶

صور کے خون ریز معرکے ﷺ اب صور کی جنگ میں مسلمانوں کی جلد کامیابی کے امکانات کم ہو گئے تھے تاہم سلطان نے خشکی کی جانب سے حملے جاری رکھے مگر ابھی تک مسلمان خندق عبور نہیں کر سکے تھے، فرنگی اب بھی بھرپور مزاحمت کر رہے تھے۔ علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ بعض دنوں میں دن بھر جھڑپیں جاری رہتی تھیں۔ مسلمانوں کو کچھ جزوی کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں مثلاً وہ محصور فرنگیوں کی خاصی تعداد کو ہلاک اور زخمی کر چکے تھے نیز سلطانی افواج انہی دنوں ہونین کا قلعہ فتح کرنے میں بھی کامیاب ہوئیں جس کا محاصرہ تبنین کی فتح کے بعد گزشتہ تین ماہ سے محاصرہ جاری تھا۔ صور کے محاصرے کے دوران جب سلطان کو اس کی اطلاع ملی کہ ہونین سرنگوں ہونے پر آمادہ ہے بشرطیکہ محصورین کو امن دیا جائے تو سلطان نے مثبت جواب دے کر ہونین فتح کر لیا۔

❶ الاعلاق الخطیرة: 137_138، الکامل فی التاریخ: 10/160

انہی دنوں ایک شب کے معرکے میں فرنگیوں کا ایک اہم کمانڈر بھی گرفتار ہو گیا تھا جس کے بارے میں یہ بات پھیل گئی کہ وہ کونرڈ مارکوئیس ہے۔ مجاہدین بے حد خوش ہوئے مگر یہ افواہ تھی۔ اس قیدی کو سلطان نے اپنے بیٹے الملک الظاہر کے حوالے کر دیا تھا جس نے اسی شب اپنی صوابدید پر اسے قتل کرا دیا تھا۔ بہر حال مارکوئیس زندہ اور سینہ سپر تھا۔ اس کی مزاحمت جاری تھی، اس نے شہر میں کئی ماہ کا راشن اور سامان رسد جمع کر رکھا تھا۔ محاصرانہ جنگ اگلے ماہ میں داخل ہو گئی۔ اس کے ساتھ موسم سرما بھی شروع ہو گیا۔ ①

دربارِ خلافت میں سلطان کی ساکھ کو زبردست دھچکا: صور کے سامنے سمندر کی یخ بستہ ہوا کے تھپیڑوں کو برداشت کرنا اور کھلے میدان میں کڑکڑاتی سردیاں حالتِ جنگ میں گزارنا یقیناً ایک دشوار کام تھا جس میں عام سپاہیوں سے لے کر سلطان ایوبی تک سب شریک تھے مگر سلطان کو ان دنوں ایک ایسا شدید ذہنی صدمہ پہنچا جس نے ان ایام کی دیگر سختیوں کو بے معنی بنا دیا۔

القدس کی فتح کے باعث اب تک عالم اسلام میں جوش و مسرت کا سماں تھا۔ ہر طرف سے علماء و مشائخ اور حکومتوں کے اعیان و نمائندے قبلہ اول کی زیارت اور سلطان سے اظہار تہنیت کے لیے آ رہے تھے۔ شاید ہی کوئی مسلمان حکمران ہو جس نے سلطان کو مبارکباد کا پیغام نہ بھیجا ہو۔ مگر عجیب بات یہ تھی کہ عالم اسلام کے مرکزِ وحدت بغداد سے اب تک سلطان کو کوئی حوصلہ افزا پیغام نہیں ملا تھا۔ سلطان کے اس عظیم کارنامے پر جس کی مشرق تا مغرب دھوم مچ رہی تھی، بغداد کا ردِ عمل بڑا غیر متوقع اور سفاکانہ تھا۔ تاریخ کا طالب علم اس موڑ پر پہنچ کر خلافتِ عباسیہ کی خود پسندی اور خود غرض ذہنیت پر حیران رہ جاتا ہے۔ جس وقت فتح بیت المقدس کی خوشخبری سے عالم اسلام کے ہر گلی کوچے میں خوشیوں کا دور دورہ تھا، دربارِ خلافت کی فضا میں نفرت کے انگارے دہک رہے تھے۔ جب اس بے مثال نعمت کے شکریہ میں ہر مسلمان کا چہرہ تشکر کے آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا، خلیفۂ بغداد الناصر لدین اللہ کے ہاں کہرام مچا ہوا تھا۔

القدس کی فتح کے فوراً بعد سلطان صلاح الدین نے اس عنایتِ خداوندی کی بشارت کے درجنوں خطوط عالم اسلام کے طول و عرض کی حکومتوں کو روانہ کر دیے تھے۔ چونکہ سلطان چاہتے تھے کہ خلیفۂ بغداد کے نام تحریر کردہ بشارت نامہ جلد از جلد اپنی منزل تک جا پہنچے اس لیے انہوں نے بغداد کے لیے کسی تیز رفتار قاصد کی ضرورت محسوس کی۔ سلطان کے کاتب عماد اصفہانی جنہوں نے بشارت نامے کا مضمون تحریر کیا تھا، سلطان کی منشا سے آگاہ ہوئے تو یہ خطرہ محسوس کیا کہ کہیں عام قاصد کے ہاتھوں سے پیغام وصول کرنے کو دربارِ خلافت اپنی توہین تصور نہ کر بیٹھے۔ اس لیے انہوں نے سلطان سے عرض کیا:

① کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 10/413، 414 (فتح صور)؛ الکامل فی التاریخ: 10/161 (محاصرہ صور)

''خلیفہ کو اس عظیم نعمت خداوندی کی بشارت اپنے بزرگ ترین علماء اور بلند پایہ سفیروں کے ذریعے پہنچانی چاہیے۔''

سلطان نے جواباً کہا:

''فی الحال فتح کی فوری خوشخبری دینے کی جلدی ہے، اس لیے قاصد بھیج رہے ہیں۔ بعد میں دربار خلافت کے اعزاز کے لیے آپ کے کہنے کے مطابق سفیر بھی روانہ کردیں گے۔''

ان دنوں سلطان کے درباریوں میں رشید بوشجی نامی ایک بغدادی نوجوان بھی تھا۔ وہ تلاشِ روزگار کے لیے بغداد سے شام آیا تھا، چونکہ بہترین شاعر اور ادیب تھا اس لیے جلد سلطان کی نگاہوں میں آگیا اور دربار میں جگہ پالی۔ وہ بہادر سپاہی بھی تھا اور سلطان کے پرچم تلے لڑتا رہا تھا۔ اس نے سلطان سے درخواست کی کہ اگر بغداد میں القدس کی فتح کی بشارت لے جانے کی سعادت اسے بخشی جائے تو وہ یہ کام پوری ذمہ داری اور تیز رفتاری سے انجام دے گا۔ یہ درخواست ایسی مخلصانہ تھی کہ سلطان کے کئی امراء بھی متاثر ہوکر اس کی سفارش کرنے لگے۔ آخر سلطان نے یہ بشارت نامہ اس کے حوالہ کرکے اسے بغداد روانہ کردیا۔

قسمت کی بات کہ سلطان کو بشارت نامے اور خطوط ارسال کرنے کے بعد اتنا موقع ہی نہ ملا کہ وہ دربار خلافت اور دیگر بڑے ممالک کے سلاطین کے ہاں اپنے معزز مصاحبین اور سفیروں کو بھیجنے کا اہتمام کرتے۔ ایسے تکلفات امن کے دور میں کیے جاتے ہیں جبکہ سلطان مسلسل حالت جنگ میں تھے۔ القدس کے فوراً بعد وہ صور کی جانب نکل آئے تھے، اس لیے دربار خلافت میں باقاعدہ سفارت بھیجنے کا ارادہ پورا نہ ہوسکا۔

ادھر کاتب عماد اصفہانی کا خدشہ درست ثابت ہوا، جب رشید بوشجی سلطان کا مکتوب لے کر دربار خلافت میں پہنچا تو وہاں القدس کی فتح پر اللہ کی حمد وثنا اور سلطان کی تعریف وتوصیف کی بجائے، نفرت انگیز صدائیں بلند ہونے لگیں۔ [1]

خلیفہ اور اس کے حاشیہ برداروں کو یہ خیال نہ آیا کہ قاصد کتنی بڑی بشارت لے کر آیا ہے۔ وہ صرف یہ دیکھ کر تیوری چڑھا رہے تھے کہ ہماری بڑی بارگاہ میں ایک غیر معروف سپاہی کو بھیجنے کی گستاخی کیوں کی گئی۔ بلاشبہ یہ منظر اسلام کے دورِ زوال کی عبرتناک تصویر تھا۔ ہم اسلام کے دورِ عروج میں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ کے باہر قادسیہ کے قاصد کا تن تنہا انتظار کرتا دیکھتے ہیں اور پھر ہم اس بے مثل حکمران کو ایلچی کے اونٹ کے ساتھ پیدل دوڑتے ہوئے بڑی بے تابی کے ساتھ جنگ کے

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/417

احوال دریافت کرتا پاتے ہیں۔مگر اسلام کے دورِ زوال میں خلیفہ، القدس کی فتح جیسی بے مثال بشارت کا استقبال بھی اس بے رخی سے کرتا ہے جیسے اسے مسلمانوں کی اس بے پایاں مسرت میں سے کوئی ذرہ تک نصیب نہ ہوا ہو۔خلیفہ نے فتح القدس کے قاصد کو اس طرح ذلیل ورسوا کر کے لوٹایا جسے مہذب قومیں دشمن کے ایلچی کے لیے بھی روا نہیں سمجھتیں۔سلطان صلاح الدین ایوبی کے اس ناقابل فراموش کارنامے کو، جس کی وجہ سے امت کے کاندھوں سے اکانوے برس کا قرض اترا تھا، مسلمانوں کا سیاسی وروحانی پیشوا صرف اس لیے قابل توجہ نہیں سمجھ رہا تھا کہ پیغام بھیجنے میں دربارِ خلافت کے خودساختہ عجمی رسم ورواج کی پابندی کیوں نہیں کی گئی؟ ہڈیوں کا گودا پانی کرنے والی سالہا سال کی جدوجہد اور اعصاب کو شکستہ کر دینے والے کٹھن ترین جہاد کے بعد القدس کو بازیاب کر کے سلطان صلاح الدین ایوبی نے امت پر ایک ایسا احسان کیا تھا جس کا بوجھ ہر مسلمان (بشرطیکہ اس کے دل میں واقعی ایمان ہو) اپنی گردن پر محسوس کر سکتا ہے مگر امت کی فلاح کے سب سے بڑے ذمہ دار اور اس کے مفادات کے سب سے بلند مرتبہ نگران کو یہ احسان شاید ایک سنگین جرم محسوس ہو رہا تھا.....تب ہی سلطان کے ساتھ ایک مجرم کا سا سلوک کیا گیا۔

<u>خلیفہ ناصر کی سلطان صلاح الدین ایوبی سے رنجش کی وجوہ</u>✵ اگر اس دور کے مؤرخین کی تحریروں کا بنظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو ہم سمجھ سکتے ہیں کہ خلیفہ، بغداد ناصر نے سلطان صلاح الدین سے اتنا برا سلوک کیوں کیا؟ یہ چھٹی صدی ہجری کا اختتامی دور تھا، بغداد اپنی کھوکھلی شان وشوکت کو بچانے کی تگ ودو کر رہا تھا۔عجم کی تمام خامیاں اور کمزوریاں جو پہلے ہی امرائے بغداد پر مسلط تھیں، خلافت کو صحیح نصب العین سے محروم کر چکی تھیں۔پھر خلیفہ ناصر جو اپنے سے پہلے اور بعد کے خلفاء کے برخلاف شیعہ عقائد کی طرف مائل ہوتا جا رہا تھا، ایک سخت گیر اور تنگ نظر انسان تھا۔اس کی طبیعت میں بخل وتکبر اور خاندانی گھمنڈ حد سے متجاوز تھا۔وہ ایک خود غرض اور پست فکر حکمران تھا جسے صرف بغداد کے مفادات اور خلافت کی ظاہری نام ونمود سے سروکار تھا۔عالم اسلام کی سیاست میں اس کا کوئی اثر نہ تھا۔البتہ وہ سازشوں کا ماہر تھا اور اپنے زیرِ عتاب حکمرانوں کے خلاف مکروہ چالیں چلتا رہتا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی اگرچہ اب تک دربارِ خلافت کے منظورِ نظر حکمرانوں میں شمار ہوتے رہے تھے مگر اس کے پس پردہ خلافت بغداد کے اپنے مفادات تھے، سلطان ہی کی بدولت مصر میں تین صدیوں کے بعد خلیفہ، بغداد کا خطبہ شروع ہوا تھا۔پھر فرنگیوں کے خلاف سلطان کی ہر فتح خلیفہ کے نام موسوم ہو رہی تھی اور ہر مفتوحہ علاقے کے محراب ومنبر سے خلافِ عباسیہ کے لیے دعائیں بلند ہو رہی تھیں۔اس مفت کی نیک نامی کو خلیفہ ہاتھ سے کیوں جانے دیتا۔تاہم سلطان کی فتوحات کے تازہ ریلے

نے خلیفہ کو کچھ انجانے خدشات میں مبتلا کر دیا تھا۔ دراصل بغداد کے آس پاس کسی بھی حکمران کی طاقت کا حد سے بڑھ جانا عباسی خلفاء کے لیے ایک عرصے سے ناقابل برداشت تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ عالم اسلام کے حکمرانوں کے کمزور اور منتشر رہنے میں بغداد کی بقا ہے جبکہ مسلمانوں کا کسی ایک حکمران کے جھنڈے تلے جمع ہونا بغداد کی سیاسی موت ہے۔ سلطان کی فتوحات کو سراہنے کے باوجود خلافتِ بغداد اس شکی ذہن سے چھٹکارا نہیں پا سکی تھی۔ پھر ان دنوں خلیفہ ناصر کے حاشیہ طراز اسے یہ کہہ کر سلطان کے خلاف بھڑکا رہے تھے کہ سلطان نے دربارِ خلافت کی ہم سری کرنے کے لیے اپنا لقب "الملک الناصر" رکھا ہے جو ایک سازش اور ایک گستاخانہ جرأت ہے۔ حالاں کہ واقع میں ایسا نہ تھا۔ خلیفہ ناصر کے مسند نشین ہونے اور الناصر کا لقب اختیار کرنے سے برسوں پہلے سلطان صلاح الدین کو الملک الناصر کا لقب مل چکا تھا۔ اہل بغداد کو یہ بات بھی ناگوار تھی کہ عراق سے جلاوطن کیے جانے والے اور دربار خلافت سے دھتکارے جانے والے کئی جوہر قابل سلطان صلاح الدین کے ہاں جمع ہو گئے تھے۔ جسے اہل بغداد اپنی توہین محسوس کرتے تھے۔ ①

مذکورہ بالا وجوہ کے علاوہ ان دنوں ایک تازہ واقعہ خلافتِ بغداد اور ایوبی سلطنت کے درمیان کشیدگی کا باعث بنا تھا۔ ہوا یہ کہ دمشق کے سب سے عمر رسیدہ اور تجربہ کار امیر شمس الدین ابن مقدم نے القدس کی فتح کے بعد سلطان سے اجازت مانگی کہ وہ القدس سے احرام باندھ کر حج بیت اللہ کے لیے جانا چاہتا ہے۔ سلطان نے اجازت دے دی۔ ابن مقدم ایمانی ولولے اور مخلصانہ ومومنانہ جذبات کے ساتھ شام سے روانہ ہوا، اس کے ساتھ شام کے ہزاروں افراد اسی طرح القدس سے احرام باندھ کر کشاں کشاں چلے۔ یہ اتنا بڑا قافلہ تھا کہ 9 ذی الحجہ کو عرفات میں جمع ہونے والے تمام قافلوں میں ممتاز نظر آتا تھا۔ وقوفِ عرفات کے بعد جب شام کو قافلوں کے مزدلفہ روانہ ہونے کا وقت آیا تو ابن مقدم کے ہمراہیوں نے اپنے خیمے اکھاڑے اور نقارے بجا کر تمام اہل قافلہ کو کوچ کے لیے ہوشیار کرنا شروع کیا۔ ذرا فاصلے پر عراقی حاجیوں کا قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ ان میں بغداد کے حاجی بھی تھے۔ اس قافلے کے امیر طشت کین کو بغدادی نسبت پر بڑا ناز تھا۔ اس لیے اس سے یہ برداشت نہ ہوا کہ کوئی روانگی میں اس سے پہل کر جائے۔ اس نے ابن مقدم کو کہلوایا کہ وہ اس سے پہلے عرفات سے نہ نکلے۔ ابن مقدم نے جوابا کہا کہ میرا تم سے کوئی تعلق ہے نہ جھگڑا۔ تم عراقی حاجیوں کے امیر ہو اور میں شامی حاجیوں کا۔ ہم دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہے، وہ جب چاہے جا سکتا ہے۔

① کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/410، 421

طشت گین نے یہ دیکھ کر اپنے افراد کو جوش دلایا اور میدان عرفات ہی میں یہ لوگ شامی حجاج پر ٹوٹ پڑے۔ ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ زیادہ حملے عراقی حاجی کر رہے تھے، شامی صرف خود کو بچا رہے تھے۔ شمس الدین ابن مقدم چاہتا تو جوابی حملہ کر سکتا تھا مگر اس نے اس عظیم دن اور مقدس جگہ کی حرمت کو پامال ہونے سے بچانے کے لیے اپنے ساتھیوں کو لڑائی سے باز رکھا۔ ایک مقدس ترین دن میں، ایک مقدس ترین جگہ پر، ایک اسلامی فریضے کی ادائیگی کے دوران یہ صورتحال انتہائی افسوسناک تھی جس سے اس دور کے مسلمانوں کی اخلاقی پستی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس بلوے کے نتیجے میں شمس الدین ابن مقدم شدید زخمی ہو گیا اور اگلے دن منیٰ پہنچ کر اس کی روح پرواز کر گئی۔

شام کے اس عظیم مدبر و تجربہ کار سیاست دان کی یہ مظلومانہ موت مسلمانوں کے لیے حد درجہ باعثِ ندامت اور سلطان صلاح الدین کے لیے بڑی صدمہ انگیز تھی۔ مگر سلطان نے کمال شرافت کا ثبوت دیتے ہوئے اہل بغداد پر کوئی الزام نہ لگایا بلکہ اپنے حجاج کرام ہی کی بداحتیاطی پر افسوس کیا۔ انہوں نے ابن مقدم کے بیٹے عزالدین ابراہیم کو اس کی جگہ مقرر کر کے مرحوم سے اظہار محبت کیا اور اپنی زبان کو کسی کے خلاف بدگمانی سے روکے رکھا۔ بہر صورت اگر دیکھا جائے تو اس معاملے میں ابن مقدم اور شامی حجاج کا دامن بالکل پاک تھا۔ [1] پھر سلطان صلاح الدین کا تو اس سانحے سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا مگر حج سے واپسی پر عراقی حاجیوں کے نمائندوں نے سارا الزام شامی حاجیوں اور ابن مقدم پر دھرا اور بالواسطہ اسے سلطان صلاح الدین کی "بے ادب و گستاخ تربیت" کا نتیجہ قرار دیا گیا۔ خلیفہ کو یہ بھی باور کرایا گیا کہ سلطان صلاح الدین نے اہلِ شام کو اتنا بگاڑ دیا ہے کہ وہ حرمتِ عرفہ اور حرمتِ حج کو بھی فراموش کر کے دربار خلافت کی رعایا پر دست اندازی کرتے ہیں۔ ایسی باتوں سے خلیفہ ناصر سلطان سے مزید کبیدہ خاطر ہو گیا۔

<u>بغدادی سفیر کی آمد اور سلطان کا عمدہ برتاؤ</u>: بہر کیف خلیفہ ناصر نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے قاصد کو لوٹانے کے کچھ دنوں بعد، عماد کاتب اصفہانی کے بھائی ابو بکر حامد کو جو دربار خلافت کے ایک اہم رکن تھے، ایک عتاب آمیز خط دے کر سلطان کی طرف روانہ کر دیا۔ ماہِ شوال میں جبکہ صور کا محاصرہ جاری تھا، خلیفہ کا یہ قاصد دمشق سے ہوتا ہوا صور پہنچا۔ اس سے قبل سلطان کا درباری رشید بوشجی واپس آچکا تھا اور دربار خلافت کی بے مہری اور برہم مزاجی کا تذکرہ کر کے امرائے فوج کو مشتعل کر رہا تھا۔ وہ یہ بھی بتا رہا تھا کہ عن قریب بغداد کا ایلچی <u>خلیفہ کا غیظ و غضب سے بھرپور</u> مکتوب لے کر آرہا ہے جس میں

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/424، 425؛ الکامل فی التاریخ: 10/163

سلطان کو بہت برا بھلا کہا گیا ہے اور شدید ملامت کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ عماد اصفہانی نے بمشکل رشید کو چپ کرایا تا کہ امراء میں بددلی نہ پھیلے مگر رشید نے جو کہا تھا سچ تھا۔ عماد کاتب نے موقع کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے سلطان سے عرض کی:

"دربارِ خلافت سے جو بھی پیغام آئے آپ کو بسر و چشم قبول کرنا چاہیے۔ خلیفہ کا آپ سے اپنی ناراضی کا اظہار کرنا بھی انتہائی کرم نوازی ہے۔"

سلطان نے عالی ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا:

"واقعی آپ نے اچھی بات کہی ہے۔"

بغدادی قاصد کے آنے سے پہلے ہی سلطان نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ بہر صورت عالم اسلام کے مرکزِ وحدت کا احترام برقرار رکھیں گے۔ خلیفہ کا قاصد صور پہنچا تو سلطان نے اپنے بھائیوں اور بیٹوں کے ساتھ آگے بڑھ کر شاندار استقبال کیا اور پھر اسے خلوت گاہ میں ساتھ لے گئے۔ یہاں سلطان کے ساتھ صرف کاتب عماد اصفہانی تھے۔ ابوبکر حامد نے آمد کا مقصد بیان کرنے کے بعد خلیفہ کا مکتوب پیش کیا۔ عماد اصفہانی نے مکتوب پڑھ کر سنانا شروع کیا۔ اس خط کا ہر لفظ ایک تند و تیز نشتر تھا، ہر جملہ ایک زہر آلود تیر تھا، سلطان کو سفارتی آداب کا لحاظ رکھے بغیر بے نقط سنائی گئی تھیں۔ درحقیقت یہ خط پڑھے یا سنے جانے کے قابل ہی نہیں تھا۔ اگر سلطان کا حکم نہ ہوتا تو عماد اصفہانی اسے ہرگز نہ پڑھتے اور دربارِ خلافت کا احترام ملحوظ نہ ہوتا تو سلطان بھی شاید اسے سننا گوارا نہ کرتے مگر...... ہمت و حوصلے کا یہ پہاڑ...... خلیفہ کے ان الفاظ کو بڑے صبر و تحمل سے سہتا رہا۔

خلیفہ نے جو کچھ تحریر کیا تھا، اس کے گواہ صرف عماد اصفہانی تھے مگر انہوں نے بھی سلطان کی سوانح میں اس خط کے متن کو ذکر کرنے سے احتراز کیا ہے اور صرف ایک جملہ ضمنی طور پر نقل کیا ہے جس میں خلیفہ سلطان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

"کیا تیرے درباریوں میں اس شخص سے زیادہ سمجھدار اور کوئی نہ تھا کہ تُو نے اسے دربارِ خلافت میں بھیجا ہے۔"

خط کی بقیہ تمام باتوں پر پردہ ڈالتے ہوئے عماد اصفہانی صرف اتنا بتاتے ہیں کہ اس میں بڑی سخت اور کڑی زبان استعمال کی گئی تھی۔ وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ سلطان کے بھائیوں ابوبکر عادل اور تقی الدین عمر کو جب خط کے مندرجات کا علم ہوا تو وہ بھڑک اٹھے اور کوشش کی کہ سلطان کو خلیفہ کے خلاف جوش دلائیں مگر سلطان نے نہایت تحمل اور انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دربارِ خلافت کی تمام کڑوی کسیلی باتوں کو

کشادہ دلی سے برداشت کیا۔ یہ ناقابل سماعت مکتوب سننے کے بعد سلطان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:
''خلیفہ کی شان اس سے کہیں بلند ہے کہ وہ ایسے سخت الفاظ اور درشت کلام کا حکم دیں۔ ان باتوں کو نسبتاً بہتر، نرم اور مہذب انداز میں بھی کہا جاسکتا تھا۔ میں اس سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ (خلیفہ سے بدگمانی کرنے کی وجہ سے) میرے عمل ضائع ہوجائیں اور میری امید خاک میں مل جائے۔''
سلطان نے مکتوب کے لب و لہجے سے قطع نظر کرتے ہوئے بغداد کے قاصد کو بڑی عزت و تکریم کے ساتھ شائستہ انداز میں سمجھاتے ہوئے کہا:
''رہیں وہ باتیں جن کا میرے مخالفین چرچا کررہے ہیں اور جنہیں سازشی لوگ پھیلا رہے ہیں تو ان کے جواب میں میری جانب سے صرف دربارِ خلافت کے احسانات کا اعتراف ہی دکھائی دے گا۔''
سلطان نے بغداد کے قاصد کو یاد دلایا کہ کس طرح انہوں نے مصر میں تین صدیوں سے معطل عباسی خلافت کا از سرِ نو احیاء کیا اور یمن میں بھی خلفائے عباسیہ کا خطبہ جاری کرایا، کس طرح انہوں نے خلافت کے دشمنوں کو پامال کیا اور کس جذبے سے بیت المقدس کی فتح کے لیے سرگرداں رہے اور آخر اسے بازیاب کرا کے مسلمانوں کا وقار بلند کیا۔
پھر سلطان نے اپنے لقب ''الملک الناصر'' کی وجہ بتاتے ہوئے کہا:
''جہاں تک میرے لقب کا مسئلہ ہے تو یہ سابق خلیفہ المستضئی کے زمانے سے چلا آرہا ہے لیکن اگر خلافت مآب اسے ناپسند کرتے ہیں تو وہ مجھے جو بھی لقب عنایت کریں گے، میں اس کو اپنالوں گا اور اسے اپنے لیے عزت و شرف سمجھوں گا۔ میرا مقصد اور عزم صرف امیر المومنین کی فتوحات کی تکمیل کرنا اور منافقین و مشرکین کی جڑیں کاٹنا ہے۔''
اس کے بعد سلطان نے بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ بغدادی قاصد کو اپنے خواص کے ہمراہ القدس کی زیارت کے لیے روانہ کردیا۔ سلطان کے اس بے مثال صبر و تحمل، لچکدار رویے اور نرمی و انکساری کا نتیجہ یہ نکلا کہ بغداد سے تعلقات کی کشیدگی ختم ہوگئی اور دو طرفہ روابط معمول پر آگئے۔ ①
صور سے سلطان کی واپسی: صور کا محاصرہ جاری تھا، مگر سلطان کے امراء اب محاصرے کی طوالت سے اکتا گئے تھے۔ وہ دس ماہ سے مسلسل ایک میدان جنگ سے دوسرے میدان جنگ میں منتقل ہورہے تھے۔ ان کے اعصاب جواب دینے لگے تھے۔ سپاہی بھی تھک کر چور ہوگئے تھے۔ مالی حالت یہ تھی کہ جنگی مصارف کے لیے لایا گیا سارا روپیہ خرچ ہوچکا تھا۔ سپاہیوں کے لیے خوراک اور جانوروں کے چارے

① کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/419_420

کے ذخائر تک ختم ہونے والے تھے۔ ادھر جاڑا شروع ہو چکا تھا اور یخ بستہ ہوائیں غضب ڈھا رہی تھیں، اس کے ساتھ شدید بارشیں بھی ہو رہی تھیں۔ سلطان نے فوج کا مزاج برہم دیکھ کر مجلس مشاورت منعقد کی۔ اس وقت سلطان کے کئی صاحب ثروت امراء کو یہ خدشہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ سلطان مالی دشواریوں کے حل کے لیے ان سے قرض نہ مانگ لیں جبکہ دیگر مصائب بھی کم نہ تھے چنانچہ انہوں نے کہا:

''بہت سے سپاہی شہید اور زخمی ہو چکے ہیں، باقی ماندہ تھکے ہوئے ہیں، خرچہ ختم ہو چکا ہے اور جاڑا آن پہنچا ہے، ہم اس سرد موسم میں آرام کر کے بہار میں دوبارہ حملے کے لیے جمع ہوں تو بہتر ہوگا۔ اب واپس جانا چاہیے، ورنہ فوج تباہ اور سامان حرب ضائع ہو جائے گا۔''

خود سلطان کا مزاج طویل محاصروں کا ساتھ نہیں دیتا تھا مگر ان کی نظر اتنی بار محاصرہ اٹھا دینے کے خوفناک عواقب کو دیکھ رہی تھی۔ یہ عواقب فرنگیوں کی منتشر قوتوں کے جمع ہونے اور مسلمانوں کو غیر متوقع آزمائشوں کا سامنا کرنے کی صورت میں بھگتنا پڑ سکتے تھے۔ سلطان کے خاص مصاحبین فقیہ عیسیٰ الھکاری، حسام الدین طمان اور عز الدین جوردیک کا بھی یہی خیال تھا کہ اب تک دی گئی قربانیوں اور خطیر اخراجات کو کسی نتیجے تک پہنچانے کے لیے ہمیں جمے رہنا چاہیے۔ وہ کہہ رہے تھے:

''فرنگیوں کا یہی ایک بڑا مرکزی قلعہ باقی رہ گیا ہے، اس کی فتح کے بعد ان کے باقی تمام قلعے فتح کرنا کوئی مسئلہ نہ رہے گا۔ اور فرنگیوں کو سمندر سے پار کمک ملنے کی بھی کوئی امید نہیں رہے گی۔''

یہ بات بھی ظاہر تھی کہ جمے رہنے کی صورت میں دشمنوں کا غذائی ذخیرہ ایک نہ ایک دن ختم ہو جاتا، تب وہ ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی راہ نہ پاتے۔ طویل بحث کے بعد سلطان نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا:

''ہم عن قریب فصیل منہدم کرنے والے ہیں، فیصلہ کن مراحل نزدیک آگئے ہیں۔ آپ صبر سے کام لیں تاکہ کامیاب ہوں، مقابلے میں جمے رہیں تاکہ فتح یاب ہوں، جلد بازی نہ کریں۔''

سلطان کے فیصلے کے سامنے کسی کو چوں چراں کرنے کی مجال نہ تھی مگر اکثر افسران اور سپاہیوں نے دل سے اسے تسلیم نہیں کیا۔ زخمیوں کی کثرت اور جانوروں کے لیے چارے کی کمی جیسے مسائل انہیں جہاد سے باز رکھنے کے لیے کافی ثابت ہو رہے تھے۔ گزشتہ دس ماہ سے وہ مسلسل فتوحات حاصل کر رہے تھے۔ بہت سے قلعے اور شہر ان کے پہنچتے ہی فتح ہو گئے تھے۔ عسقلان اور القدس جیسے مضبوط ترین شہر بھی ان کے آگے ہفتے بھر سے زیادہ مزاحمت نہیں کر پائے تھے۔ فتوحات کی عادی اس فوج کے لیے صور میں خلاف توقع حالات سے نبرد آزمائی ناقابل برداشت ہو چلی تھی۔ ان وجوہ سے امرائے فوج نے سلطان کے فیصلے کے باوجود آئندہ دنوں میں جنگ روک دی اور چپ چاپ محاصرہ کیے پڑے

رہے۔ سلطان کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ سپاہی زخمی ہیں۔ ساتھ ہی عذر پیش کیا کہ اخراجات کے لیے رقم ختم ہوگئی ہے، مزید رقم منگوانے کے لیے اہلکار روانہ کردیے گئے ہیں، ان کے واپس آنے پر جنگی کارروائیاں شروع کردی جائیں گی۔ سلطان ایوبی کی جہاندیدہ نگاہوں نے فوج کے جوش وخروش میں کمی، احکام کی بجا آوری میں سستی اور رسمی کارکردگی کو بھانپ لیا تھا۔ وہ افسران کے بہانوں، معذرت خواہیوں اور طفل تسلیوں سے بہل نہیں سکتے تھے۔ ان کے لیے یہ بھی ممکن نہ تھا کہ فوجی افسران کے مزاج کو تبدیل کردیں یا بادلِ نخواستہ لڑنے والی سپاہ کو جبراً مزید مہمات میں جھونکتے رہیں۔ ویسے بھی اگر حالات غیر معمولی نہ ہوتے تو سپاہ کو ایک طویل وقفہ ملنا ہی چاہیے تھا۔ اب فوج کی کم ہمتی دیکھ کر سلطان سمجھ گئے کہ صور میں مزید ٹھہرنا بے سود ہے چنانچہ انہوں نے واپسی کا اعلان کردیا۔

کوچ کا نقارہ بجتے ہی ان کا سالار تقی الدین عمر دیار بکر، موصل، الجزیرہ، سنجار، ماردین اور مشرقی صوبوں کی تمام فوجوں کو لے کر ہونین کی راہ سے دمشق روانہ ہوگیا۔ سلطان نے خود 30 شوال 583ھ (یکم جنوری 1188ء) کو سمندر کے ساتھ ساتھ "الناقورۃ" کے غیر معروف، دشوار گزار اور مختصر راستے سے عکا کی طرف کوچ کیا اور تین دن میں عکا پہنچ گئے۔ بقیہ ساز وسامان ایک ہفتے میں منتقل ہوا۔ صور کی مہم کے لیے بہت بڑے پیمانے پر بھاری اسلحہ اور خوراک ورسد کا ذخیرہ منگوایا گیا تھا۔ اب واپسی کے موقع پر یہ خطرہ تھا کہ دشمن جری ہوکر چھاپہ مار حملوں کے ذریعے اسے لوٹنے کی کوشش کرے گا۔ سلطان نے صور سے کوچ کرنے سے پہلے وہاں چند افسران متعین کردیے تھے جو سامان کی اپنے ٹھکانوں پر منتقلی کا اطمینان ہونے تک وہیں رکے رہے۔ اس سامان کا زیادہ حصہ سلطان کے حکم کے مطابق صیدا اور بیروت منتقل کروایا گیا تھا اور جو سامان جلد منتقل کرنا ممکن نہ تھا اسے مسلمانوں نے جلا ڈالا کہ وہ فرنگیوں کے ہاتھ نہ لگ جائے کیوں کہ فوج کے بڑے حصے کے چلے جانے کے بعد فرنگی شہر کے سامنے موجود اس ذخیرے کو کسی بھی وقت لوٹ سکتے تھے اور نگرانی کرنے والے چند افسران اور باقی ماندہ سپاہی اسے بچا نہیں سکتے تھے۔ [1]

صور کی مہم کی ناکامی کے اسباب: صور کی مہم کو ادھورا چھوڑ کر صلاح الدین ایوبی کی واپسی خونریز جنگوں کے ایک نئے سلسلے کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ یہ سلطان کی زندگی کا اہم موڑ تھا۔ اگر صور فتح ہوجاتا تو بیت المقدس کی بازیابی سے حاصل شدہ کامیابیوں کی تکمیل ہوجاتی اور سلطان صلاح الدین کو جہاں داری اور تعمیری کاموں میں گزارنے کا کھلا موقع مل سکتا تھا۔ مگر صور کی مہم کے ادھورے پن کی وجہ سے مغرب کی جانب سے عالم اسلام کی سرحدوں میں مداخلت کا دروازہ کھلا رہ گیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

[1] النوادر السلطانیہ: 138، الکامل فی التاریخ: 10/160

سلطان صلاح الدین اپنی تمام تر طاقت، ذہانت، تدبر، شجاعت اور عالی ہمتی کے باوجود صور کو فتح کیوں نہ کر سکے۔ ہم نے جو تفصیلات بیان کی ہیں، ان کی روشنی میں اس کے اسباب مندرجہ ذیل نظر آتے ہیں:

1- صور قدرتی طور پر تین طرف سے بالکل محفوظ تھا اس لیے اس پر حملہ کرنا بے حد مشکل تھا۔

2- سلطان کی فوج دس ماہ سے لڑتی آ رہی تھی اس لیے صور کی مہم سے قبل بری طرح تھک چکی تھی اور کسی طویل محاصرے کے لیے تیار نہ تھی۔

3- سلطان کا بحری بیڑا جس کی اس جنگ میں کلیدی حیثیت تھی، بحری فوج کی اپنی غفلت کے سبب تباہ ہو گیا تھا اور متبادل بیڑے کی تیاری جلد ممکن نہ تھی۔

4- جنگوں نے سلطان کو معاشی طور پر مضبوط نہیں چھوڑا تھا۔ جمع شدہ تمام رقم صور کی جنگ میں خرچ ہو گئی تھی اور مالی اخراجات پورے کرنا ایک مسئلہ بن گیا تھا۔

5- مسلم فوج فتوحات کی عادی بن چکی تھی اس لیے ایک سخت اور طویل جنگ اس کیلئے پریشان کن تھی۔

6- بارش اور موسم سرما کی شدت سپاہیوں اور افسران کے لیے ناقابل برداشت تھی۔

بہر کیف سلطان کی واپسی کے اسباب جو بھی رہے ہوں علامہ ابن اثیر اور لین پول کی رائے یہ ہے کہ صور کی مہم کو ادھورا چھوڑ کر جانا سلطان کی ایک سنگین غلطی کی تھی جس کا خمیازہ تیسری صلیبی جنگ کی صورت میں مسلمانوں کو بھگتنا پڑا۔ لین پول تو برملا کہتا ہے کہ اگر صور فتح ہو جاتا تو تیسری صلیبی جنگ کی نوبت ہی نہ آتی۔

مگر راقم کے خیال میں یہ نقطہ نظر قابل بحث ہے۔ میری رائے میں صور کے فتح ہو جانے سے تیسری صلیبی جنگ کا امکان ختم نہیں ہو سکتا تھا۔ اس دور کے زمینی حقائق اور شام کے جغرافیے پر غور کیا جائے تو یہ امکان واضح نظر آتا ہے کہ اگر صلیبیوں کے پاس صور نہ ہوتا تو بھی یورپ ایک نئی جنگ شروع کر سکتا تھا۔

درحقیقت اس دور کی یورپی طاقتیں بحری جنگ میں اتنی ماہر ہو چکی تھیں کہ وہ کسی ساحلی مقام پر دسترس نہ رکھنے کے باوجود حریف کے ساحلی قلعوں اور شہروں کے خلاف بھرپور جنگ چھیڑ سکتی تھیں۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ 492ھ کی پہلی صلیبی جنگ میں یورپ کے پاس عالم اسلام کا کوئی ساحلی قلعہ نہ تھا مگر جب ان کی ٹڈی دل افواج ساحلوں پر نمودار ہوئیں تو قلعے پر قلعے فتح کرتی ہوئی القدس تک جا پہنچیں۔ اگرچہ اب صورتحال اس لحاظ سے مختلف تھی کہ صلاح الدین ایوبی کی شکل میں شمشیر اسلام بے نیام تھی اور کئی چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستوں کی جگہ ایک بڑی حکومت مقابلے پر تھی مگر اس کا یہ مطلب نکالنا بھی درست نہ ہوگا کہ اگر صلاح الدین ایوبی صور سمیت پوری ساحلی پٹی پر قبضہ کر لیتے تو یورپی طاقتیں جنگ کا خطرہ مول لینے کی جرأت ہی نہ کرتیں۔

لین پول کا نقطۂ نظر اس لحاظ سے بھی کمزور ہے کہ صور کے علاوہ شام میں انطاکیہ اور طرابلس جیسے اہم شہر بہر حال نصرانیوں ہی کے پاس تھے۔ اگر سلطان صور فتح کر لیتے تو بھی یورپی طاقتیں اپنی افواج انطاکیہ یا طرابلس میں اتار سکتی تھیں۔ اگرچہ اس طرح انہیں القدس کی طرف بڑھنے میں خاصی دشواری ہوتی مگر وہ القدس پر قبضے کے لیے یہ ہمت کر سکتے تھے۔ بالفرض اگر یورپی طاقتوں کے پاس ساحل پر قدم جمانے کے لیے کوئی مقام نہ رہ جاتا تب بھی وہ بحیرۂ روم کے ان جزائر کو کام میں لا سکتے تھے جہاں ان کی آمدورفت رہتی تھی۔ پھر اپنی مشترکہ بحری طاقت کو بھرپور انداز میں استعمال کر کے وہ ساحل کے کسی بھی شہر پر حملہ کر سکتے تھے اور عین ممکن تھا کہ اس پر قابض بھی ہو جاتے۔

سلطان پر ایک اور اعتراض: علامہ ابن اثیر کا کہنا ہے کہ سلطان کی اپنی غلطی کی وجہ سے صور کو غیر معمولی استحکام ملا اور وہاں حریف کی بے پناہ مادی و افرادی قوت مجتمع ہو گئی۔ وہ کہتے ہیں کہ سلطان نے عکا، عسقلان اور القدس جیسے شہروں کے شکست خوردہ سپاہیوں کو مال و اسباب سمیت صور پہنچانے کا خود انتظام کیا تھا۔ اس غیر محتاط فراخدلی کا نتیجہ یہ نکلا کہ فرنگیوں کے بہترین سپاہی اور تاجر اپنے مال و دولت اور طاقت کے ساتھ صور میں جمع ہو گئے اور اسے ناقابل تسخیر بنا ڈالا۔ وہ اس موقع پر نصیحت کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ حکمران اگرچہ بلند اقبالی کے دور سے گزر رہا ہو تب بھی اسے احتیاط ترک نہیں کرنی چاہیے۔ احتیاط کرتے ہوئے کسی مہم میں ناکام رہنا، بے احتیاطی کے ساتھ کسی مہم میں کامیابی سے بہتر ہے۔ [1]

علامہ ابن اثیر کی یہ بات تو درست ہے کہ سلطان کا دستِ کرم حد سے زیادہ کشادہ تھا، ان کی فراخدلی مسلمانوں ہی کو نہیں غیر مسلموں کو بھی مالا مال کرتی تھی۔ خود سلطان کے کاتب عماد اصفہانی القدس کا زرِ فدیہ سرکاری خزانے میں جمع نہ ہونے پر حسرت کا اظہار کرتے رہے کہ یہ رقم آئندہ بڑی بڑی مہمات میں کام آ سکتی تھی۔ علامہ ابن اثیر کی یہ بات بھی واقعہ کے مطابق ہے کہ سلطان کی فراخدلی سے فائدہ اٹھا کر صور میں مسلمانوں کے خلاف زبردست افرادی و اقتصادی طاقت جمع ہو گئی تھی۔ مگر صور سے پہلے سلطان کی ہر مہم اور فتح پر تفصیلی نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوگا کہ سلطان کی جود و سخا اور نرمی ہر جگہ برمحل اور مصلحت وقت کے مطابق تھی۔ اگر وہ ہر جگہ صرف مرنے مارنے پر تلے رہتے تو عیسائی ان پر اعتماد کر کے درجنوں شہروں کو آناً فاناً ان کے حوالے کیسے کرتے؟ عکا، عسقلان اور القدس جیسے شہر اسی نرم رویے کی بناء پر مہینوں کی جگہ دنوں میں فتح ہو گئے تھے۔ اگر سلطان کا رویہ نرم نہ ہوتا تو ان میں سے ہر شہر کے لوگ آخر دم تک لڑتے، ہر مہم مہینوں پر پھیل جاتی اور نامعلوم القدس فتح ہو بھی سکتا یا اس سے پہلے ہی یورپ

[1] الکامل: 10/161

سے امدادی افواج ساحل پر اترنا شروع ہو جاتیں۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جب سلطان نے صلح وصفائی اور آسان شرائط کے ساتھ یہ علاقے فتح کیے تو کیا اس کے بعد مستقبل کے کسی خطرے کے پیشِ نظر انہیں وعدہ خلافی کرنا زیب دیتا تھا؟ کیا وہ اپنے عہد و پیمان کو خلافِ احتیاط تصور کر کے پس پشت ڈال دیتے؟ ظاہر ہے کوئی حکمران ساری دنیا بھی فتح کر لے مگر اس کا دامن بدعہدیوں سے داغدار ہو تو اسے کامیاب حکمران نہیں کہا جا سکتا۔ کیوں کہ خلقِ خدا اس کی بدعہدی، فریب کاری اور مطلب پرستی پر ہزار لعنت بھیجتی رہے گی اور اس کا یہ کردار تاریخ میں ایک دھبے کی مانند ثبت رہے گا۔

یہ درست ہے کہ ایسے فراخدلانہ رویوں کے سبب سلطان کی حکومت کو بعض اوقات اقتصادی کمزوری لاحق ہو جاتی تھی اور صور میں عیسائیوں کے پاس بے پناہ مالی و افرادی وسائل کے اجتماع کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سلطان نے انہیں القدس سے بہت کچھ ساتھ لے جانے دیا تھا مگر بغور دیکھا جائے تو صور کی مہم میں ناکامی کا تعلق ان باتوں سے نہیں تھا اور اگر تھا تو بہت معمولی سا۔ صور میں ناکامی کی اصل وجہ بحری فوج کی غفلت اور اس کی تباہی تھی ورنہ فتح تو چند گام کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ بعد میں خشکی کا محاصرہ بھی کامیابی کے قریب پہنچ گیا تھا مگر جنگوں سے تھکے ماندے امرائے فوج کی بے ہمتی نے راہ ماردی۔ صور کی مہم کو ادھورا چھوڑنے کا فیصلہ انہی امراء کا تھا ورنہ سلطان اپنا فیصلہ سنا چکے تھے کہ محاصرہ جاری رہے گا۔

ہم نے جو تفصیلات جمع کی ہیں ان کی روشنی میں مؤرخین کا صور سے واپسی کو سلطان کی غلطی شمار کرنا معقول نظر نہیں آتا۔ یہ درست ہے کہ سلطان بشر تھے جو غلطیوں سے مبرا نہیں ہو سکتا مگر صور سے واپسی سلطان کی غلطی نہیں مجبوری تھی۔ ہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مجبوری میں اٹھایا گیا ایک ایسا قدم تھا جس کے عواقب کا شاید سلطان کو پورا علم نہ تھا۔ اگر انہیں مستقبل کے نتائج کا علم ہوتا تو وہ کبھی اس مہم کو ترک نہ کرتے مگر ظاہر ہے کہ سلطان اپنے تمام تر تجربے اور عسکری مہارت کے باوجود عالم الغیب یا مستقبل بین تو نہ تھے۔ فوج کی بددلی کے بعد ان کا صور کی مہم کو چند ماہ کے لیے مؤخر کر دینے اور بہار میں دوبارہ جمع ہونے کا فیصلہ کوئی ایسا غیر معقول نہ تھا۔ ہاں اگر سلطان سے کوئی بڑی غلطی ہوئی تو وہ یہ کہ انہوں نے موسم بہار میں دوبارہ صور پر فوج کشی نہیں کی اور اس مہم میں تاخیر در تاخیر ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ وقت ہاتھ سے نکل گیا۔ ابن اثیر اور لین پول کی آراء میں جو مشترکہ نقطہ نظر کسی شک وشبے کے بغیر قبول کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر مسلمان صور کو فتح کر لیتے تو یورپی طاقتوں کا ممکنہ حملہ اتنا خطرناک نہ رہتا اور سلطان کو کئی سالہ جنگ کی وہ مشقت برداشت نہ کرنا پڑتی جو یکدم صور سے نصرانیوں کی بے پناہ طاقت کے نمودار ہونے کے بعد جھیلنا پڑی۔ بالفاظ دیگر صور فتح ہو جاتا تو ممکن تھا کہ تیسری صلیبی جنگ اتنی طویل اور خوں ریز نہ

ہوتی۔تاہم یہ مان لینا چاہیے کہ تیسری صلیبی جنگ تو بہر حال ہونا تھی۔صور پر سلطان کے قابض ہونے یا نہ ہونے سے اس جنگ کے چھڑنے یا نہ چھڑنے کا کوئی تعلق نہ تھا کیونکہ شام کے نصرانیوں اور یورپی طاقتوں کے لیے "القدس" کا مسلمانوں کے پاس واپس چلے جانا بہر صورت نا قابل برداشت تھا، وہ اس واقعے کے بعد انگاروں پر لوٹ رہے تھے۔یورپ میں تیسری صلیبی جنگ کا قرنا پھونکنے کے لیے بس یہی ایک وجہ کافی تھی اور اسی بنیاد پر اہل یورپ کو تیسری بار بھڑکا کر شام کے ساحلی علاقوں پر ہنکایا گیا۔

قلعۂ کوکب کے نصرانیوں کا عفربلا پر قبضہ ❋ صور سے لوٹ کر سلطان اپنے خاص ساتھیوں کے ساتھ عکا کے باہر ایک ٹیلے پر فروکش ہوگئے۔وہ عساکر کو بہار میں دوبارہ جمع ہونے کی ہدایت کے ساتھ رخصت دے چکے تھے۔افواج کا غالب حصہ اپنے گھروں یا چھاؤنیوں کو جا چکا تھا۔شہزادہ ملک الظاہر اپنی فوج کے ساتھ حلب اور الملک العادل مصر لوٹ گئے تھے۔بظاہر حالات پرسکون تھے۔

مختلف علاقوں میں نصرانیوں کے کچھ قلعے جو ایک مدت سے سلطانی افواج کی دارو گیر کی زد میں تھے ابھی تک سر اٹھائے کھڑے تھے۔اردن کی سرحد کے قریب قلعۂ کوکب ہاسپٹلرز کے جنگجوؤں کا مرکز تھا۔ طبریہ کے پاس قلعۂ صفد ٹمپلرز کا گڑھ تھا۔یہ دونوں حطین سے زیادہ دور نہ تھے اس لیے معرکہ حطین سے بچ نکلنے والے سینکڑوں ٹمپلرز اور ہاسپٹلرز جنگجو ان قلعوں میں چھپ گئے تھے۔سلطان نے حطین میں فتح یابی کے کچھ دنوں بعد عسقلان کی جانب پیش قدمی کے موقع پر اپنی کچھ فوج کو ان دونوں قلعوں کے محاصرے کا حکم دیا تھا۔سلطان کے حکم کے مطابق امیر مسعود صلتی گزشتہ چار ماہ سے ایک دستے کے ساتھ صفد کا محاصرہ کیے ہوئے تھا جبکہ امیر سیف الدین محمود نے کوکب کی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔تھوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ وہ ان قلعوں کی خوراک و رسد کے راستوں پر قابض تھے۔

سیف الدین محمود بڑا دلیر اور نیک و صالح انسان تھا، نماز تہجد کا پابند اور ذکر و تلاوت کا شائق تھا۔وہ سلطان کے مایہ ناز مصاحب امیر جاولی الاسدی کا بھائی تھا۔اور "اخی جاولی" کا لفظ اس کے نام کے ساتھ لقب کی طرح جڑ گیا تھا۔کوکب پر نظر رکھنے کے لیے وہ عفربلا کے قلعے کو اپنا مرکز بنائے ہوئے تھا۔وہ کوکب سے کچھ فاصلے پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ خیمہ زن رہتا تھا۔جاڑا آیا اور سردی عروج کو پہنچی تو ان قلعوں کی کڑی نگرانی ممکن نہ رہی۔ایسے میں ایک طوفانی رات میں جبکہ زوروں کا مینہ برس رہا تھا سیف الدین محمود کے وہ آدمی جو پہرے پر تھے، اونگھنے لگے۔قلعۂ کوکب کے عیسائی جو اس اندھیری رات میں کارروائی کا منصوبہ بنا چکے تھے، اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر ان کے خیموں پر حملہ آور ہوگئے۔سیف الدین محمود اور اس کے ساتھی اس اچانک حملے کے لیے تیار نہ تھے۔وہ دلیری سے لڑتے لڑتے شہید

ہو گئے۔ اس کے بعد نصرانیوں نے ان کے مرکز عفر بلا پر قبضہ کر لیا۔ اب سرحد اردن سے وادی حطین اور طبریہ کے نواح تک تین اہم قلعے نصرانیوں کے پاس آ گئے تھے اور یوں اردن کا راستہ محفوظ نہ رہا۔

یہ حادثہ عین اسی دن پیش آیا جب سلطان نے صور سے کوچ کیا تھا۔ راستے ہی میں انہیں اس کی اطلاع مل گئی تھی۔ صور میں بے شمار انسانی و مالی وسائل کے ضیاع اپنے بحری بیڑے کی تباہی اور مہم کی ناکامی کے بعد یہ خبر ان کے لیے مزید پریشانی کا باعث تھی۔ چونکہ ابھی حالات ایسے نہیں تھے کہ وہ کوئی موثر جوابی کاروائی کرتے اس لیے انہوں نے کوکب کا گھیرا برقرار رکھنے کے لئے امیر قایماز نجمی کو روانہ کر دیا۔[1]

عکا میں سلطان نے موسم سرما اطمینان وسکون سے ملکی انتظامی امور کی دیکھ بھال میں گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ کچھ دنوں عکا کے باہر ٹھہرے رہنے کے بعد شہر کے قلعے میں مقیم ہو گئے۔ ان دنوں انہوں نے عکا کی تعمیر وترقی کے لیے بطور خاص کئی اقدامات کیے۔ یہاں استباریہ (ہاسپٹلرز) کے مرکز کی عمارت دو حصوں میں تقسیم کر کے فقہاء اور صوفیاء کو سونپ دی۔ بڑے پادری کی خالی حویلی کو ہسپتال بنا دیا۔ وہ اپنے قدیم رفیق عزالدین جوردیک کو اس اہم ساحلی شہر کا حاکم بنا چکے تھے اور وہ اپنے فرائض بخوبی انجام دے رہا تھا۔[2]

---

1. کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/413، 414؛ 4/6، والکامل فی التاریخ: 10/162
2. کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/414، 415، والکامل فی التاریخ: 10/163

اس باب کی اکثر تفاصیل الکامل فی التاریخ، حصہ 583ھ، 10/159-163 اور کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/411-421 سے لی گئی ہیں۔

فصل:2

شمالی شام میں فتوحات کا ریلا

نئے ہجری سال کے پہلے مہینے محرام الحرام 584ھ کے ساتھ ہی بہار کا آغاز ہوا، سر
دور ہو گئیں اور فوج کشی کے لیے مناسب دن آ گئے۔ سلطان نے جس خیا
کیا تھا، اس کی تکمیل کا وقت آ گیا تھا۔ مگر حالات پر مزید غور وفکر کے نتیجے
شمالی شام کے کوہستانی سلسلے میں واقع فرنگی قلعوں اور ان سے بھی زیادہ انطا لیہ
کی ضرورت محسوس کی۔ اگرچہ سلطان کو صور کے محاذ کی نزاکت کا احساس ضرور تھا۔
اندازہ تھا کہ شام کے ساحل پر یورپ کی امدادی افواج ضرورات ... ان کا یہ
میں کم از کم ایک برس لگ جائے اور اس دوران وہ شمالی شام۔
جیسے قدیم نصرانی شہروں کے علاوہ وسطِ مملکت میں خنجر کی طرح
کر سکیں گے۔ سلطان نے ان قلعوں اور شہروں پر قبضے کو صور کی مہم پر
کا ایک اہم سوال ہے...... غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کے اس

1- قلعۂ کوکب کے سامنے ان کے معتمد امیر سیف الدین کی شہادت اور
فرنگیوں کے قبضے نے سلطان کو چونکا دیا تھا اور وہ سلطنت کے وسطی ومشرقی علاقوں
بالکل پاک کرنے کی ضرورت کو زیادہ شدت سے محسوس کرنے لگے تھے۔ فرنگیوں کے پار
چار قلعے کوکب، صفد، کرک اور شوبک شاہراہوں پر واقع تھے، ان کی وجہ سے کمک ورسد
راستے غیر محفوظ ہو رہے تھے جن سے آگے چل کر سخت خطرات لاحق ہو سکتے تھے۔

2- سلطان صور پر حملے سے پہلے مارکوئیس اور اس کے ساتھیوں کی ہمتیں پست کرنا چاہتے تھے اس
کا ایک طریقہ یہ ہو سکتا تھا کہ اردن اور شام کے بچے کھچے فرنگیوں کی طاقت بھی ختم کر دی جائے اور
اہلِ صور کو بالکل تنہا کر دیا جائے۔

3- ممکنہ یورپی یلغار کو روکنے اور صور پر بھرپور حملے کے لیے افواج کی اجتماعیت کی ضرورت تھی جس کا تقاضا یہ تھا کہ مختلف قلعوں کے محاصروں میں مشغول اپنی چھوٹی چھوٹی فوجوں کو صور کی مہم میں شامل کیا جائے۔ اگر ان کو شامل کیے بغیر صور پر حملہ کیا جاتا تو حسبِ سابق اس کے ناکامی سے دوچار ہونے کے امکانات موجود تھے۔

4- اگر نصرانیوں کے ان قلعوں کو فتح کیے بغیر وہاں تعینات افواج کو ہٹالیا جاتا اور اسے صور پر حملے یا یورپی خطرے سے مدافعت کی مہم میں جھونک دیا جاتا تو پس پشت شورشوں اور شرانگیزیوں کا خطرہ تھا۔ یہ کسی بڑی مہم میں مصروف مجاہدین کے لیے شدید نقصان دہ ثابت ہوسکتا تھا۔

لہٰذا سلطان نے طے کرلیا کہ پہلے ایک بار خود یلغار کرکے ان قلعوں کو فتح کرلیا جائے۔ سلطان کو یہ بھی یقین تھا کہ ان چھوٹی چھوٹی مہمات میں زیادہ وقت نہیں لگے گا اور وہ بہت جلد پوری طاقت کے ساتھ صور پر لشکرکشی کرسکیں گے اور اسے فتح کرنے کے بعد اس فوج کو ساحل پر ہی تعینات رکھیں گے۔ اس دوران اگر یورپ سے حملے شروع ہوگئے تو وہ پوری یکسوئی اور اطمینان کے ساتھ اپنا دفاع کرسکیں گے۔ لہٰذا صور کی مہم کو مزید مؤخر کردیا گیا اور سلطان نے موسم بہار آتے ہی "عکا" سے اپنی نئی مہم کے لئے کوچ کی تیاری کی۔ ❶

عکا کی تعمیرِ نو: عکا سے روانگی سے پہلے سلطان یا ان کے ہمراہیوں میں سے کوئی یہ خطرہ محسوس نہیں کرسکتا تھا کہ یہ شہر عن قریب فرنگیوں کے قبضے میں جانے والا ہے۔ اس شہر کی جدید تعمیر اور دفاعی انتظامات کے بعد بلاشبہ کسی بھی دشمن کا اس پر قبضہ نہایت دشوار تھا۔ گزشتہ سال سلطان نے حطین میں فرنگیوں کو شکست دینے کے بعد جب عکا پر قبضہ کیا تھا تو اس وقت سلطان کے بعض جہاندیدہ مشیروں نے یہ رائے دی تھی کہ اس شہر کی فصیل اور قلعے کو مسمار کردیا جائے اور ساحل پر صرف کشتی سپاہ کو چھوڑ دیا جائے تاکہ مستقبل میں یہاں فرنگیوں کے دوبارہ حملے اور قبضے کا کوئی امکان نہ رہے۔ سلطان نے اس مشورے کا وزن محسوس کیا تھا اور اس پر عمل کے لیے تیار ہوگئے تھے مگر دیگر امراء نے شدت سے مخالفت کی اور سلطان کو اس شہر کی وسعت، گنجان آبادی اور خوبصورتی کا احساس دلا کر ان کی رائے بدل دی تب سلطان نے قاہرہ سے تعمیری و ترقیاتی کاموں کے نگران امیر بہاؤالدین قراقوش کو طلب کرکے اسے عکا کی تعمیرِ نو کا کام سونپ دیا تھا۔ قاہرہ اور فسطاطِ مصر کو ایک فصیل میں گھیر کر ایک شہر بنانے کا کارنامہ انجام دینے والا یہ مدبّر امیر اب دل و جان سے عکا کو ایک بہترین شہر بنانے میں مصروف تھا۔ عکا اس غیر معمولی استحکام اور دفاعی انتظامات کی وجہ سے کسی بڑی سے بڑی فوج کو ناکوں چنے چبوا دینے کے قابل تھا۔ ❷

❶ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 6/4 ❷ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 10/4

قلعۂ کوکب پر ناکام حملہ: اندرونی فتوحات کے نئے سلسلے کا پہلا ہدف قلعۂ کوکب تھا۔ سلطان محرم 584ھ (مارچ 1188ء) میں محض ان تھوڑے سپاہیوں کے ساتھ جو ہمیشہ ان کے ہمرکاب رہتے تھے یہ قلعہ فتح کرنے نکل پڑے اور قلعے کا محاصرہ کرلیا مگر صفر کے اختتام تک قلعے کی فلک بوس دیواریں غازیانِ اسلام کی دسترس سے دور رہیں۔

کوکب کے اس محاصرے کے دوران آمد کے حکمران قطب الدین سکمان اور ایشیائے کوچک کے فرمانروا قلیج ارسلان کے سفیروں نے سلطان کی خدمت میں حاضری دے کر تازہ فتوحات کی مبارکباد دی اور سلطان سے سابقہ معاہدوں کی توثیق کی۔ دراصل ان حکام کو یہ خدشہ لاحق ہوگیا تھا کہ سلطان ان کو سپرد کردہ علاقے واپس نہ لے لیں۔

قاضی ابن شداد کی سلطان کے پاس آمد: کوکب کے محاصرے کے دوران موصل کی حکومت کے ممتاز رکن قاضی بہاؤ الدین ابن شداد سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ پینتالیس سالہ باوقار انسان تھے۔ اصل نام یوسف بن رافع تھا۔ ولادت 539ھ (1144ء) میں موصل میں ہوئی تھی جہاں اس وقت عماد الدین زنگی کا طوطی بول رہا تھا۔ یوسف بن رافع بچپن میں یتیم ہوگئے تھے، انہیں ان کے ماموؤں نے پالا پوسا تھا جو بنو شداد کہلاتے تھے، اسی مناسبت سے یوسف بن رافع کو بھی ابن شداد پکارا جانے لگا، وہ قرآن مجید کے حافظ اور قرآت سبعہ کے قاری تھے۔ بڑے بڑے محدثین اور فقہاء سے حدیث اور فقہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔

شادی کے بعد بغداد چلے گئے اور مدرسہ نظامیہ میں چار سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ 569ھ (1173ء) میں تیس سال کی عمر میں وہ اپنے وطن موصل واپس آئے اور قاضی کمال الدین کے مدرسے میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ موصل کے شاہی دربار میں ان کی خاصی وقعت تھی اور انہیں سفارت کے لیے بھی بعض مہمات پر بھیجا جاتا تھا۔ وہ 579ھ (1183ء) میں موصل کے سفیر کی حیثیت سے صلح کی بات چیت کے لیے سلطان ایوبی کی خدمت میں حاضری دے چکے تھے۔ حالیہ ملاقات کچھ اس طرح ہوئی تھی کہ قاضی ابن شداد ان دنوں فریضۂ حج ادا کرنے حجاز مقدس گئے تھے۔ وہاں انہیں القدس کی فتح کی خبر ملی تو قبلہ اول کی زیارت کے لیے نکل پڑے۔ راستے میں معلوم ہوا کہ فاتح القدس اب حصن کوکب کے محاذ پر ہیں۔ چنانچہ قاضی ابن شداد سلطان سے ملاقات کے لیے وہاں گئے۔ سلطان نے ان کا غیر معمولی اعزاز واکرام کیا۔ قاضی صاحب کا خیال تھا کہ سلطان ان سے حج کے دنوں میں شام کے امیر ابن مقدم کے قتل کے پس پردہ حقائق کے بارے میں دریافت کریں گے مگر

سلطان نے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہ کہا البتہ حدیث پاک سنانے کی فرمائش کی۔ قاضی ابن شداد نے امام بخاری کے اذکار کا ایک نوشتہ تیار کیا تھا، وہ سنایا۔ سلطان نے انہیں بڑی محبت سے القدس کی زیارت کے لیے رخصت کیا۔

قاضی صاحب کا ارادہ یہ تھا کہ القدس کی زیارت سے فارغ ہو کر سیدھے اپنے وطن موصل چلے جائیں گے مگر جب وہ سلطان کے ہاں سے نکل رہے تھے، عماد کاتب اصفہانی ان کے پاس آئے اور گویا ہوئے:

"سلطان فرماتے ہیں جب آپ القدس کی زیارت سے فارغ ہو کر وطن واپسی کا ارادہ کریں تو آگاہ کر دیں۔ سلطان کو آپ سے کوئی اہم کام ہے۔"

قاضی ابن شداد نے دوبارہ حاضری کا وعدہ کیا اور القدس روانہ ہو گئے۔ یہ یکم ربیع الاول 584ھ (30 اپریل) کا واقعہ ہے۔ اسی دن سلطان نے بھی کوکب سے دمشق کی طرف کوچ کر دیا۔ دراصل انہیں دارالحکومت سے نکلے ہوئے سولہ ماہ بیت چکے تھے۔ القدس کی فتح کے لیے وہ گزشتہ سال دارالحکومت سے نکلے تھے تو پھر واپس نہیں گئے تھے۔ سلطان نے وہاں جانے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے یہ طے کیا کہ دارالحکومت میں کچھ دن گزار کر وہ منتشر افواج کو جمع کر کے دوبارہ کوکب کی مہم پر نکلیں گے۔ انہوں نے امیر قایماز نجمی کو پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ کوکب کے محاصرے پر چھوڑا اور خود دمشق روانہ ہو گئے۔ [1]

دمشق میں دس دن ✽ 6 ربیع الاول 584ھ (5/مئی) کو دمشق پہنچنے پر سلطان کا زبردست استقبال ہوا۔ عوام اپنے اس حکمران کو دیکھنے کے لیے بے تاب تھے جس نے القدس فتح کر کے پورے عالم اسلام سے خراج عقیدت وصول کیا تھا اور انبیاء کی میراث اہل اسلام کو لوٹا کر ان کا سر فخر سے بلند کر دیا تھا۔ دمشق کا ہر مسلمان اس دن اپنے سلطان پر ناز کر رہا تھا۔ لوگوں کی نگاہیں اپنے محبوب اور عادل حکمران کی بلائیں لے رہی تھیں جس نے ساری دنیا کے سامنے ان کا سر اونچا کر دیا تھا۔ ہر شہری جو اس دن سلطان کا دیدار کر سکا اپنے آپ کو خوش قسمت محسوس کر رہا تھا۔ [2]

کچھ دنوں بعد قاضی ابن شداد بھی القدس کی زیارت سے فارغ ہو کر سیدھے دمشق پہنچ گئے۔ قاضی صاحب کا خیال تھا کہ سلطان ان کے ذریعے حکومت موصل کو کوئی پیغام بھیجنا چاہتے ہیں مگر سلطان کا ارادہ انہیں مستقل طور پر اپنے ہاں رکھنے کا تھا، یہ ارادہ بعد میں اس وقت ظاہر ہوا جب سلطان اگلی مہم پر روانہ ہوئے۔

---

① النوادر السلطانیہ: ص27؛ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 5؛ [illegible] الکامل فی التاریخ: 10/ 166 ② کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 10

انہی ایام میں ابن شداد نے سلطان کے ذوقِ جہاد کی تسکین کے لیے جہاد کے آداب و احکام سے متعلق تیس اوراق کا ایک کتابچہ تصنیف کیا۔ سلطان نے اسے بے حد پسند کیا۔ وہ ابن شداد کی صلاحیتوں کے پہلے سے معترف تھے، اب ان کی نگاہ میں ان کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی۔ [1]

جسے موت کا یقین ہو...... ❊ دمشق میں سلطنت کے ایک اہم عہدے دار صفی بن القابض نے سلطان کی عدم موجودگی میں ان کے لیے ایک خوبصورت حویلی تعمیر کرادی تھی جس کے بالاخانوں اور جھروکوں سے قلعے کے دونوں جانب کا نظارہ کیا جاسکتا تھا۔ صفی بن القابض کا خیال تھا کہ سلطان اس کی تعریف کریں گے اور اس کے عہدے میں اضافہ کردیں گے۔ مگر جب سلطان کو معلوم ہوا تو سخت برہمی کا اظہار کیا اور کہا:

"جسے موت کا یقین ہو وہ حویلی کا کیا کرے گا۔"

پھر انہوں نے صفی کو سمجھاتے ہوئے کہا:

"ہماری تخلیق کا مقصد دمشق یا کسی اور شہر میں رہنا بسنا نہیں۔ ہم صرف اللہ عزوجل کی عبادت، اس کی راہ میں جہاد اور اخروی سعادت کی کوشش کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ ہمارے دمشق آنے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم یہاں قیام کیے رہیں گے۔ ہم نے کبھی اس خیال کو دل میں جگہ نہیں دی کہ ہمیں یہاں سے کوچ نہیں کرنا۔ یہ جو تم نے تعمیر کیا ہے، نفس کو اس کے اصل مقصدِ تخلیق سے روکتا اور انسان کو ناکارہ بنادیتا ہے۔"

سلطان نے صفی الدین کی تعمیر کردہ حویلی کو نگاہ بھر کے بھی نہ دیکھا بلکہ اس حرکت سے صفی الد[ین] سلطان کی نظر میں اتنا گر گیا کہ آخر میں ملازمت سے ہی خارج کردیا گیا۔ [2]

سلطان کے وزیر اعظم قاضی فاضل ایک مدت سے بیمار تھے، اس لیے فتح القدس میں شرکت کے لی[ے] حاضر نہیں ہوسکے تھے۔ ایک صبح سلطان ان کی عیادت کے لیے چلے گئے اور ظہر تک ان کے پاس بیٹ[ھے] رہے۔ ان سے دیر تک مشورے جاری رہے۔ دمشق میں قیام کے ان گنے چنے دنوں میں سلطان پابند[ی] سے دارالعدل میں عوام کی شکایات سننے بیٹھتے رہے۔ قاضی حضرات اور علماء کرام ان کے ساتھ ہوتے اور[ ] فیصلوں میں ان کی مدد کرتے۔ شہر کا انتظام ان دنوں سلطان کے نائب بدرالدین مودود کے ہاتھ میں تھا۔ [3]

سلطان فریضۂ جہاد سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہ تھے۔ انہوں نے مملکت کے وسط اور کنارا[ں] کے باقی ماندہ عیسائی قلعہ داروں کی گوشمالی کی تیاری شروع کردی تھی۔ تمام صوبوں کی افواج کو لشکرگ[اہ]

[1] النوادر السلطانیۃ: 141
[2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 12/4
[3] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 12،11/4، الکامل فی التاریخ: 166/10

کے لیے جمع ہونے کے احکام روانہ کر دیے گئے تھے۔ سلطان کا یہ عزم تھا کہ اسلامی افواج کا سیلاب اس بار اس انداز سے آگے بڑھے گا کہ اردن سے شمالی شام تک اور جنوبی کردستان سے مصر تک کوئی قلعہ فرنگیوں کے قبضے میں نہیں رہنے دیا جائے گا اور اس کے بعد غازیانِ اسلام صور کی مہم کے لیے بالکل یکسو ہوں گے۔

سلطان کو دمشق پہنچنے کے پانچویں دن خبر ملی کہ فرنگی "جبیل" پر چھاپے مارنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ سلطان نے محسوس کیا کہ اب کوچ میں مزید تاخیر مناسب نہیں۔ دمشق میں صرف دس دن قیام کر کے اسلام کا یہ محافظ ایک بار پھر راہِ جہاد میں نکل پڑا۔ 15/ ربیع الاول 584ھ (14 اپریل 1188ء) کو دمشق سے نکلتے ہوئے وہ ایک بار پھر قاضی فاضل کی عیادت کے لیے گئے اور ان سے مفید مشورے اور دعائیں لیں۔ ①

<u>نئی مہم شروع ہوتی ہے</u> ﷺ طے یہ ہوا تھا کہ سلطنت کی افواج اب صوبہ حمص میں جمع ہوں گی۔ سلطان نے دمشق سے شمال کی طرف کوچ کیا۔ وہ کوہ یبوس، چشمۂ جز اور الدلبیہ سے گزر کر بعلبک پہنچے۔ پھر مرج عدوسہ، اللبوہ اور اللو راحۃ سے ہوتے ہوئے بحیرۂ قدس کا رخ کیا۔ اس دوران انہیں خبر مل چکی تھی کہ عماد الدین سنجار سے امدادی لشکر لے وہاں پہنچ چکا ہے۔ یہ مقام دریائے عاصی کے قریب اور حمص کے مغرب میں تھا۔ سلطان نے یہاں بحیرہ قدس کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا۔ انہیں عماد الدین کے بروقت پہنچ جانے کی بے حد مسرت تھی۔ اب وہ مزید افواج کا انتظار کر رہے تھے۔ کچھ دنوں بعد موصل اور الجزیرہ سے بھی تازہ دم افواج پہنچ گئیں۔ ②

دریائے عاصی کے کنارے سلطان کی افواج کے اجتماع کا یہ منظر نہایت پرشکوہ تھا۔ عماد الدین پہلی بار بھرپور تیاری کے ساتھ سلطان کے پرچم تلے فرنگیوں سے لڑنے آیا تھا۔ سلطان اور وہ ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور دیر تک طویل مشورے کرتے رہتے۔ اس سے پہلے سلطان کی فرنگیوں کے خلاف یلغار کا رخ مغربی ساحل اور جنوبی علاقوں کی طرف رہا کرتا تھا مگر اب سلطان شمال کی جانب بڑھنا چاہتے تھے جہاں انطاکیہ اور طرابلس جیسے نصرانیوں کے بڑے بڑے شہر تھے۔ سلطان صلاح الدین اس رخ پر پہلی بار جہاد کا آغاز کر رہے تھے تاکہ شام اور اس کے متصلہ ممالک نصرانیوں کی دسترس سے مکمل طور پر آزاد ہو جائیں۔ سلطان اور عماد الدین نے یہ طے کر لیا کہ پہلے کن قلعوں اور شہروں پر حملہ کیا جائے تاکہ انطاکیہ اور طرابلس پر قبضہ آسان تر ہو جائے۔

اس وقت سلطان کے نزدیک انطاکیہ کی اہمیت سب سے زیادہ تھی جس کا حاکم بوہیمنڈ شام کے عیسائی

① الکامل فی التاریخ: 10/166
② کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/13، الکامل فی التاریخ: 10/166

حکمرانوں میں بہت عالی مرتبہ شمار کیا جاتا تھا۔ تجربے اور عمر میں بھی وہ سب سے بڑا تھا۔ ریمنڈ کی موت اور گائی کی گرفتاری کے بعد وہی نصرانیوں کا سب سے بڑا حکمران تھا۔ چونکہ ریمنڈ کی کوئی اولاد نہ تھی لہٰذا اس کا شہر طرابلس اور اس کے تمام اضلاع بھی بوہیمنڈ کی عملداری میں دے دیے گئے تھے۔ یوں انطاکیہ کی طاقت دوگنی ہوگئی تھی۔ بوہیمنڈ خود انطاکیہ میں مورچہ زن تھا جبکہ طرابلس میں اس نے اپنے بڑے بیٹے کو نائب مقرر کر دیا تھا۔ [1]

عیسائی حکومتوں کے ان بقیہ آثار میں اپنی مدافعت کا جذبہ اس طرح کی نئی تشکیلات اور ترجیحات کو جنم دے رہا تھا جسے سلطان تشویش کی نظروں سے دیکھنے پر مجبور تھے۔

یلغار کے نئے خطوط: مہینے کے آخر تک عرب قبائل بھی معسکر میں پہنچ گئے تھے، ان افواج کو مرتب کر کے یکم ربیع الآخر 584ھ (29 مئی) کو سلطان نے کوچ کیا اور نصرانیوں کے ایک مضبوط قلعے کی مشرقی فصیل کے سامنے پڑاؤ ڈالا جسے حصن اکراد کہا جاتا تھا کیونکہ کسی زمانے میں یہاں کردوں کی چھاؤنی تھی۔ عیسائی اسے کرک ڈی شولیئر کہتے تھے (مگر یہ کرک وہ نہیں جو جنوب میں ریجی نالڈ کا مرکز تھا) پہاڑ کی چوٹی پر قائم اس پتھریلے قلعے سے دمشق، بعلبک اور ساحل تک کی آبادیاں نظر آتی تھیں۔ اس کے گرد دور دور تک باغوں، جنگلوں، اور نہروں کا سلسلہ تھا مگر سلطان اسے فتح کرنے نہیں آئے تھے، ان کی منزل بہت دور تھی۔ حصن اکراد کے سامنے دو دن گزار کے سلطان اپنے منتخب سپاہیوں کے ایک دستے کے ساتھ سرحدیں عبور کر کے فرنگیوں کے علاقے میں داخل ہوگئے اور صافیثا، عریمہ اور تحور جیسی بستیوں پر چھاپے مارتے ہوئے طرابلس کے قریب پہنچ گئے۔ چند دن کی اس مہم میں سلطان نے نصرانیوں کے شمالی علاقوں پر یلغار کے لیے پہاڑوں اور وادیوں کے راستوں کو اچھی طرح دیکھ بھال لیا اور پھر اپنے معسکر واپس پہنچ گئے۔ ربیع الآخر کے اختتام تک سلطان حصن اکراد کے سامنے ٹھہرے رہے۔ ان کے سپاہیوں نے اردگرد سے خوراک و رسد کے بے شمار ذخائر اور بڑی تعداد میں مویشیوں پر قبضہ کر لیا۔ [2]

اس دوران سلطان اپنی سرحدوں کے کمزور پہلوؤں کی حفاظت سے بے خبر نہ تھے۔ انہوں نے الملک الظاہر اور الملک المظفر کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنی فوجوں کے ساتھ مشترکہ طور پر انطاکیہ کے سامنے ''تیزین'' کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیں اور سرحدوں کی حفاظت کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ سلطان نے قاضی بہاؤالدین ابن شداد کو بھی اپنے ہاں طلب کر لیا۔ وہ ابھی تک دمشق میں تھے اور موصل واپس جانے کی تیاری کر چکے تھے مگر سلطان کا حکم ماننا ضروری تھا، اس لیے حاضر ہو گئے، سلطان نے ان کا بے

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/14؛ الکامل فی التاریخ: 10/175 [2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/14؛ الکامل فی التاریخ: 10/167

حد اعزاز واکرام کیا۔ کچھ دنوں بعد قاضی ابن شداد کو سلطان کے معتمد ارکان کی زبانی معلوم ہوا کہ سلطان انھیں مستقل طور پر اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔ قاضی بہاؤ الدین شداد اس موقع پر اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"جب سے میں نے سلطان کو اور جہاد سے ان کی محبت کو دیکھا تھا اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ان کی محبت بٹھادی تھی۔ پس میں نے سلطان کی پیش کش کو قبول کرلیا۔ اور یکم جمادی الاولیٰ (584ھ) سے جو بالائی ساحلوں پر سلطان کی یلغار کا دن ہے، ان کی ملازمت اختیار کرلی۔"[1]

مدینہ منورہ کے نیک سیرت بزرگ حاکم امیر قاسم ابن المہنا الحسینی بھی اس مہم میں سلطان صلاح الدین کے ہمراہ تھے، سلطان ان کی رائے پر پورا اعتماد کرتے تھے اور جہادی مہمات میں ان کی ہمراہی کو اپنے لیے نہایت بابرکت تصور کرتے تھے۔[2] ...... یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مشہور مورخ علامہ ابن اثیر الجزری رحمہ اللہ جنھوں نے اپنی شہرہ آفاق تاریخ 'الکامل فی التاریخ' میں سلطان کی فتوحات کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے، حصن اکراد کے معسکر میں آکر سلطان کی فوج میں بھرتی ہوگئے تھے اور کئی ماہ تک محاذ پر رہے۔ اس وقت ان کی عمر 29 سال تھی۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سلطان کی فوج میں کیسے کیسے علماء وصلحاء شامل تھے۔[3]

<u>جبلہ کے قاضی منصور بن نبیل</u>: بوہیمنڈ نہ صرف نصرانیوں کے اہم ساحلی شہروں انطاکیہ اور طرابلس کا حاکم تھا بلکہ حلب اور لاذقیہ کا قریبی شہر "جبلہ" بھی اسی کے زیر نگین تھا۔ اس کی رعایا میں مسلمانوں کی خاصی بڑی تعداد تھی جن کے مقدمات کے فیصلوں کے لیے اس نے ایک جید عالم دین قاضی منصور بن نبیل کی خدمات حاصل کررکھی تھیں۔ قاضی منصور کی قابلیت کے باعث بوہیمنڈ نے انھیں دربار میں اعلیٰ عہدہ دے رکھا تھا۔ جبلہ اور اس کے مضافات عملی طور پر قاضی منصور ہی کے زیر انتظام تھے۔ جب انھیں سلطان صلاح الدین کی لشکر کشی کی اطلاع ملی تو دینی حمیت کے تحت سلطان کا ساتھ دینے میں پس وپیش نہ کی۔ سیدھے سلطان کے معسکر قلعۂ اکراد پہنچے اور سلطان کو انطاکیہ اور طرابلس سے پہلے جبلہ پر قبضے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا:

"طرابلس کے محاصرے میں ایک طویل مدت گزر جائے گی جبکہ جبلہ کے مسلمان ازخود شہر حوالے کرنے پر آمادہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی بدبختی آپ کے طفیل خوش بختی میں بدل جائے۔"

---

[1] النوادر السلطانیہ، ص: 141
[2] الکامل فی التاریخ: 10/176
[3] الکامل فی التاریخ، تحت 584ھ

سلطان نے اس مشورے کو پسند کیا کیوں کہ قاضی منصور پوری ذمہ داری کے ساتھ یقین دلا رہے تھے کہ وہ جبلہ اور لاذقیہ پر مسلمانوں کا قبضہ کرا دیں گے۔ ❶

الطر طوس تباہ کر دیا گیا۔ جمعہ 4 جمادی الاولیٰ 584ھ (یکم جولائی) کو سلطان قاضی منصور کے ہمراہ اس سمت روانہ ہوئے، گھنے جنگلات، سرسبز وادیوں اور بلند ٹیلوں کو عبور کر کے وہ ساحلِ سمندر تک پہنچ گئے، یہاں سے سلطان کے لشکر نے سمندر کے کنارے کنارے چلنا شروع کیا۔ قاضی بہاؤ الدین ابن شداد نے جواب باضابطہ طور پر سلطان کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے، اسی تاریخ سے سلطان کی مہمات کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ شروع کیا ہے۔ اس سے قبل سلطان کی باون سالہ زندگی کے حالات کو انہوں نے چند صفحات میں سمیٹ کر یہاں سے اپنی چشم دید روداد جہاد بیان کرنا شروع کی ہے اور اس میں ایک ایک چیز کی تفصیل لکھی، ان کا یہ روزنامچہ سلطان کی وفات تک جاری رہا۔

وہ بتاتے ہیں کہ سلطان کی اس مہم میں دایاں بازو عماد الدین کی قیادت میں سب سے آگے چل رہا تھا۔ قلب کے سپاہی اور مال ومتاع کے ذخائر درمیان میں جبکہ آخر میں مظفر الدین کوکبری بائیں بازو کے سپاہیوں کو لیے چلا آ رہا تھا۔ یہ لشکر فرنگی علاقوں میں گھس کر عربیہ سے کوئی تعرض کیے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا۔

دو دن بعد سلطان شہر الطر طوس کے پاس سے گزرے۔ یہ ایک دس میل لمبی خلیج کے سرے پر واقع قدیم ساحلی شہر تھا۔ اسے "طرطوس" بھی کہا جاتا تھا۔ اسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا۔ مگر اب برسوں سے یہاں غیر ملکی قابض تھے۔ جب سلطان صلاح الدین یہاں پہنچے تو دیکھا، فرنگی سپاہی شہر خالی کر کے کچھ فاصلے پر دو قلعہ نما برجوں میں مورچہ زن ہو چکے ہیں۔ سلطان نے ان کی مرمت ضروری سمجھی۔ اس وقت دائیں بازو کی فوج آگے نکل چکی تھی۔ سلطان نے ہرکارے دوڑا کر اسے واپس بلوا لیا۔ خود سمندر کے کنارے پڑاؤ ڈالا۔ دائیں اور بائیں بازو کی افواج کو دوسری سمتوں میں پڑاؤ کا حکم دیا۔ سلطان کی خدمت میں ناشتہ پیش کیا گیا تو وہ بولے:

"ان شاء اللہ ناشتہ الطر طوس میں کریں گے۔"

ایسا ہی ہوا، مسلمان سپاہی شہر کی فصیل پھلانگ گئے اور مال غنیمت جمع کرنے لگے۔ جب وہ باہر نکلے تو بہت سے قیدی ان کے ساتھ تھے۔ اتنی دیر میں خیمے نصب کر دیے گئے تھے، سلطان خوش وخرم اپنے خیمے میں آئے۔ دستر خوان بچھا دیے گئے تھے، سلطان نے خواص کے ساتھ کھانا نوش کیا۔ اس کے بعد مسلمان سپاہیوں نے شہر پر قبضہ کر کے اس کی فصیل ڈھا دی اور اہم عمارتوں کو ناکارہ بنا دیا۔ اب سلطان

❶ النوادر السلطانیۃ: 167/10

کے حکم سے دونوں برجوں کو گھیر لیا گیا۔ ایک برج میں ٹمپلرز (داویہ) گروہ کا ایک سردار اور اس کے ساتھ نصرانیوں کا مقامی حاکم چھپے ہوئے تھے، اس حاکم کو حطین کے معرکہ میں گرفتار کیا گیا تھا۔ القدس کی فتح کے موقع پر سلطان نے دیگر بہت سے قیدیوں کے ساتھ ساتھ اسے بھی رہا کر دیا تھا، اس نے سلطان کے حسن سلوک کا یہ بدلہ دیا کہ بلا تاخیر افراد جمع کر کے یہاں سلطان کے خلاف شمشیر بکف ہو گیا تھا۔ سلطان کے سپاہیوں نے اس برج کو گھیرے رکھا مگر اسے فتح نہ کر سکے۔

البتہ دوسرے برج کو جسے مظفر الدین کوکبری نے نرغے میں لیا ہوا تھا، زیر کرنا مشکل ثابت نہ ہوا۔ اس میں محصور عیسائی جان کی امان کی شرط پر برج سے نکل آئے۔ مسلمانوں نے اس برج کی بنیادوں کو کھود کر اسے منہدم کر دیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اس کی چنائی میں استعمال ہونے والے پتھر سمندر میں پھینک دیے گئے کہ کہیں عیسائی یہاں دوبارہ کوئی برج تعمیر نہ کر لیں۔ [1]

چوں کہ سلطان کو جلد از جلد جبلہ پہنچنا تھا اس لیے انہوں نے دوسرے برج کی فتح کو مؤخر کر دیا جس میں عیسائی حاکم محصور تھا۔ انطر طوس سے روانگی سے قبل سلطان کے حکم سے شہر کا شاندار چرچ تباہ کر دیا گیا، اس چرچ کی شہرت کی وجہ سے عیسائی جوق در جوق یہاں آتے تھے۔ سلطان کے حکم سے شہر کے خالی مکانات کو آگ لگا دی گئی تاکہ یہاں عیسائی دوبارہ جمع نہ ہونے پائیں۔ اس وقت مجاہدین تکبیر و تہلیل کے نعرے لگا رہے تھے جن کی صدا ساحلی ہوا کے دوش پر دور دور تک سنائی دے رہی تھی۔ [2]

موت کا پھندا: 14 جمادی الاولی 584ھ (11 جولائی) کو سلطان نے انطر طوس کو ملبے کا ڈھیر بنانے کے بعد جبلہ کا رخ کیا جہاں ان کا بیٹا الملک الظاہر حماۃ کے راستے سے ہوتا ہوا ان سے آن ملا۔ اس کے ساتھ منجنیق چلانے کے ماہرین کے علاوہ آہن گری اور نجاری کے بہترین کاریگر بھی تھے جو محاصرانہ لڑائیوں میں اپنا فن آزماتے تھے۔ جبلہ کے راستے میں مرقیہ شہر پہلا پڑاؤ تھا جسے فرنگی مسلمانوں کے خوف سے خالی کر چکے تھے۔ سلطان نے یہاں ایک دن قیام کے بعد آگے کوچ کیا۔ اب راستہ سمندر کے ساتھ ساتھ بلند اور دشوار گزار پہاڑیوں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ یہاں ایک اونچے ٹیلے پر ہاسپٹلرز (اسبتاریہ) کا ایک مضبوط قلعہ تھا جسے مرقب کہا جاتا تھا۔ جبلہ جانے والی سڑک اس ٹیلے کے بالکل پاس سے گزرتی تھی۔ سڑک کی ایک جانب یہ ٹیلہ تھا اور دوسری جانب سمندر کی سرکش لہریں ٹھاٹھیں مارتی تھیں۔ یہاں سڑک اتنی تنگ تھی کہ ایک وقت میں صرف ایک سوار گزر سکتا تھا۔ جب

---

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/16، الکامل فی التاریخ: 10/167

[2] النوادر السلطانیہ ص 143، 144، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/16، 16، الکامل فی التاریخ: 10/167

سلطان کی فوج یہاں پہنچی تو اسے بڑی خطرناک صورتحال کا سامنا کرنا پڑا۔ دائیں طرف ٹیلے کی بلندی پر عیسائی مورچہ زن تھے اور بائیں طرف سرکش سمندر۔ کترا کر گزرنے یا متبادل راستہ اختیار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ٹیلے کے سامنے سے گزرنے والے ہر سوار کا عیسائی نشانہ بازوں کی زد میں آنا یقینی تھا۔

مگر مصیبت صرف یہی نہیں تھی۔ مسلمانوں کی قوت ایمانی اور حکمت وتدبیر کا ایک اور امتحان بھی سامنے تھا۔ چند ماہ قبل سسلی (صقلیہ) کے عیسائی حکمران نے ساحل شام پر آباد نصرانیوں کی مدد کے لیے ساٹھ جنگی کشتیوں کی بھاری کمک روانہ کردی تھی جو مارگریٹ نامی ایک کمانڈر کی قیادت میں تھیں۔ ان میں سے ہر کشتی ایک قلعے یا ایک شہر کی حفاظت کے لیے کافی تھی۔ یہ کل دس ہزار سپاہی تھے جو پہلے صور پہنچے تھے مگر پھر طرابلس کو زیادہ خطرے کی زد میں محسوس کر کے وہاں چلے گئے تھے۔ پھر جب سلطان کی اس طرف آمد کا غلغلہ سنا تو یہ بیڑا سمندر کے اس حصے کی جانب چلا آیا جہاں سے سلطان کی فوج کا گزر متوقع تھا۔ اب یہ بحری فوج قلعۂ مرقب کے سامنے ساحل سمندر پر چوکس کھڑی تھی۔ سلطان کو آگے بڑھنے کے لیے اپنے ہر سپاہی کو نصرانیوں کے بری مورچے اور بحری فوج کے سامنے سے گزارنا تھا۔ چوں کہ سلطان کے پاس اس وقت بحری فوج نہ تھی اس لیے اس بحری بیڑے سے لڑنا ممکن نہ تھا۔ دوسری طرف مرقب کا قلعہ اتنا ہیبت ناک اور مضبوط تھا کہ اس پر قبضہ کرنا مہینوں کا کام تھا۔ مگر سلطان کو تو جلد از جلد عکہ پہنچنا تھا تا کہ قاضی منصور کی مدد سے اس پر قبضہ کیا جائے۔ راستے میں رکنا اور الجھنا ان کے لیے نقصان دہ تھا۔ اس لیے موت کی اسی گھاٹی سے گزرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا؟ مگر فوج کو بچا کر یہ کام کیسے کیا جاتا؟ قوت سے زیادہ عقل وتدبیر اور حکمت وبصیرت کی جنگ کا موقع تھا۔ آخر کار سلطان اور ان کے رفقاء نے خاصی سوچ بچار کے بعد اس مشکل کا ایک نہایت حیرت انگیز حل نکال لیا اور اس کے مطابق نہایت تیزی سے اس تنگ راستے کو محفوظ بنانے کا کام شروع کرا دیا۔ زیادہ خطرہ بائیں جانب سے تھا جو سمندر کے ساتھ لگتی تھی۔ سلطان نے یہاں لکڑی کے بڑے بڑے تختوں سے ایک قد آدم دیوار چنا دی۔ یہ تختے طاریقات کہلاتے تھے اور ضرورت پڑنے پر انہیں نہایت تیزی کے ساتھ کھڑا کر کے حفاظتی دیوار بنائی جاسکتی تھی۔ طاریقات کے علاوہ 'جندیات' بھی استعمال کی گئیں۔ یہ بڑی بڑی بھاری ڈھالیں تھیں جو پورے انسان کو چھپا لیتی تھیں۔ ڈھالوں اور تختوں کی ایک محفوظ عارضی دیوار بنانے کے بعد اس کے پیچھے تیر انداز بٹھا دیے گئے جو سسلی کی کشتیوں کو ساحل کے قریب آنے سے روکتے رہے۔ جب راستہ شروع سے آخر تک محفوظ ہو گیا تو سلطان کے سپاہی اس پائپ نما حفاظتی دیوار کے اندر اندر سے تیزی سے دوسری طرف منتقل ہونے لگے۔ مال ومتاع اور مویشی بھی بحفاظت پار پہنچ

گئے۔ دیوار کی اوٹ سے سلطان کے تیر انداز اس وقت تک فرنگی بحریہ پر تیروں کی بوچھاڑ کرتے رہے جب تک کہ آخری سپاہی بھی صحیح سلامت نہ نکل گیا۔ یہ سلطان کی عجیب وغریب تدبیر تھی کہ سارا لشکر موت کے پھندے سے گزر گیا اور کسی کا بال تک نہ بیکا ہوا۔

دشوار گزار راہیں ❁ اب بلدیا س نامی شہر سلطان کے سامنے تھا، عیسائی اسے بھی خالی کر چکے تھے۔ لشکر اسلام نے رات یہاں گزاری اور سویرے سویرے کوچ کیا۔ کچھ فاصلے طے کرنے کے بعد ایک کشادہ اور گہری ندی نے ان کا راستہ روک لیا جو پہاڑوں سے نکلتے ہوئے سمندر سے ہم آغوش ہو رہی تھی۔ ندی عبور کرنے کے لیے ایک چھوٹا سا پل تھا۔ سلطان نے راستہ جلد طے کرنے کے لیے تمام مال ومتاع اور بھاری آلاتِ حرب پل کے راستے لے جانے کا حکم دیا، کچھ سپاہیوں کو پل کے دونوں کناروں پر تعینات کر دیا تا کہ ساز وسامان بحفاظت دوسری سمت پہنچ جائے۔ سلطان خود باقی لشکر کے ساتھ ندی کے کنارے چلتے چلتے اس چشمے تک پہنچے جس سے ندی کا پانی ابل رہا تھا اور اس کا چکر کاٹ کر ندی کے پار آ گئے۔ یہاں بلیدہ نامی شہر آباد تھا۔ یہ قدرتی طور پر نہایت محفوظ تھا۔ ندی کے پاٹ اور ساحل سمندر نے اس کی مغربی سمت کو گھیر رکھا تھا جبکہ باقی دو سمتوں میں ایک گہری خندق تھی جس میں ندی اور سمندر کا پانی بھرا رہتا تھا۔ عربی میں "بلید" کا مطلب ہے احمق۔ کاتب عماد کے بقول بلید شہر اسم بامسمّیٰ تھا کیونکہ قدرتی طور پر اپنے محفوظ شہر کو اہل شہر از خود خالی کر گئے تھے، اگر وہ نہ جاتے تو سلطان کے لیے اس پر قبضہ کرنے کے لیے رکنے کی زیادہ گنجائش نہیں تھی۔ سلطان کے لشکر نے رات یہاں قیام کیا۔ ندی کے پل سے سامان اتارنے والا عملہ رات بھر نقل وحمل میں مصروف رہا۔ ❶

جبلہ اور نواحی قلعوں کی فتح ❁ جمعہ 18 جمادی الاولیٰ 584ھ کو سلطان صلاح الدین جبلہ پہنچ گئے۔ مسلمان جو یہاں اکثریت میں تھے، شدت سے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ سلطان کے پہنچتے ہی شہر کے دروازے کھول دیے گئے، لشکر اسلام کا گرم جوشی سے استقبال کیا گیا اور دولتِ ایوبیہ کے پرچم شہر کے برجوں پر لہرا دیے گئے۔ شہر کی نگرانی کرنے والی مختصر سی نصرانی فوج مقابلے سے عاجز ہو کر شہر کے دو قلعوں میں مورچہ بند ہو گئی تھی تاہم قاضی منصور نے سمجھاتے بجھاتے انہیں بعض شرائط پر قلعے خالی کر دینے پر آمادہ کر لیا۔ جبلہ کے ساتھ دشوار گزار پہاڑ دور دور تک پھیلے ہوئے تھے جن میں نصرانیوں کے کئی قلعے اور بستیاں تھیں۔ ان سب نے کسی تاخیر کے بغیر سلطان کی اطاعت قبول کر لی۔ ان میں بکسرائیل کا اہم قلعہ بھی تھا جو شمالی شام کے اہم شہر حماۃ کے راستے پر واقع تھا۔ اس پر قبضے سے

---

❶ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/18، 19، الکامل فی التاریخ: 10/167، 168

مسلمانوں کو شمالی شام کے اسلامی شہروں تک رسائی اور وہاں سے کمک و رسد وصول کرنے کے لیے ایک دشوار گزار مگر مختصر راہ میسر آ گئی جسے اسی وقت کھول دیا گیا۔ جس طویل ترین راستے سلطانی لشکر آیا تھا درحقیقت وہ کوئی معروف راستہ نہیں تھا بلکہ لشکر مختلف جانبوں سے گھومتا، قلعے فتح کرتا اور رکاوٹیں دور کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ شمالی شام کے ان علاقوں تک رسائی کے لیے اہل فلسطین اور وسطی شام کے باشندے جو شاہراہ استعمال کیا کرتے تھے، وہ کئی عشروں سے اسماعیلیوں کے فدائی گروہ اور فرنگیوں کے قبضے میں ہونے کے باعث مستقل طور پر بند چلی آ رہی تھی۔ [1]

سلطان نے جبلہ کا انتظام شیزر کے والی سابق الدین عثمان کے حوالے کیا جبکہ قاضی منصور کو بجل نامی دیہات سمیت چند جاگیریں عطا کر کے ان علاقوں کے انتظامی اور عدالتی امور انہی کے حوالے کر دیے۔ [2]

لاذقیہ پر حملہ: اب سلطان لاذقیہ کی طرف بڑھے جس کی بندرگاہ کا دور دور تک چرچا تھا۔ شہر کے گرد کوئی فصیل نہ تھی البتہ ایک ٹیلے پر واقع دو جڑواں قلعے اس کی حفاظت کرتے تھے۔ بدھ 23 جمادی الاولیٰ 584ھ (20 جولائی) کو لشکر اسلام لاذقیہ کے سامنے آ کر رکا۔ رات بھر آرام کے بعد اگلے دن سلطان نے شہر پر دھاوا بولا جبکہ ان کے سپاہی دونوں قلعوں کا گھیراؤ کر رہے تھے۔ شہر پر قبضہ تو مشکل ثابت نہ ہوا البتہ قلعوں پر زبردست جنگ چھڑ گئی۔ دن بھر عیسائی قلعہ بند ہو کر لڑتے رہے اور مسلمانوں کو روکنے میں کامیاب رہے۔ رات کا اندھیرا چھا جانے پر لڑائی رک گئی۔

صبح دم ایک بار پھر حملہ شروع ہوا، سلطان کے حکم سے شمالی فصیل میں نقب لگانے کا کام شروع ہوا۔ تیس فٹ لمبی اور چھ فٹ چوڑی سرنگ فصیل کے ساتھ ساتھ کھودی جا رہی تھی جس سے فصیل کی بنیادیں لحظہ لحظہ کمزور ہو رہی تھیں۔ ادھر جنگ پوری شدت سے جاری تھی اور شور و غوغا سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ بہت سے سپاہی ٹیلے کی خطرناک پہاڑی چٹانوں پر چڑھ کر فصیلِ قلعہ کے قریب تر ہو گئے۔ اب فریقین اتنے نزدیک آ گئے تھے کہ ہاتھوں سے ایک دوسرے کو پتھروں کا نشانہ بنا رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ مسلمان بزور شمشیر دونوں قلعوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوتے، نصرانیوں نے ہمت ہار دی اور قلعے حوالے کرنے کی شرائط طے کرنے کے لیے قاضی منصور کو طلب کیا۔ قاضی صاحب قلعے میں داخل ہوئے اور نرم دلی کا ثبوت دیتے ہوئے فراخدلانہ شرائط پر معاہدہ کر کے واپس آ گئے۔ معاہدہ یہ ہوا تھا کہ عیسائی اپنے بال بچوں اور مال و دولت سمیت آزادانہ طور پر جہاں چاہیں جا سکتے

---

1. کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 19/4
2. النوادر السلطانیۃ، ص: 28، کتاب الروضتین: 20/4، الکامل فی التاریخ: 168/10، ابن خلدون: 5/306، 309، البدایۃ والنہایۃ: تحت 584ھ

ہیں۔ انہیں قتل کیا جائے گا نہ قیدی بنایا جائے گا، محفوظ مقام تک پہنچنے کے لیے سواریاں مہیا کی جائیں گی۔ شہر کے غلے کے گودام اور اسلحے کے ذخائر مسلمانوں کے حوالے کر دیے جائیں گے۔

ہفتے کے دن یہ معاہدہ طے ہوا اور شہر پر اسلامی جھنڈے لہرا دیے گئے۔ مقامی لوگوں کی بہت بڑی تعداد جو نصرانیوں اور ارمنیوں پر مشتمل تھی، وطن کی محبت اور سلطان سے حسن سلوک کی توقع کی بنا پر وہیں رک گئی تھی۔ اس کے علاوہ انہیں یہ خطرہ بھی تھا کہ سسلی کا بحری بیڑہ جو سمندر میں گشت کر رہا تھا، انہیں تنگ کرے گا، دراصل سسلی کا کمانڈر اس بات پر نہایت غضبناک تھا کہ مقامی عیسائی اتنی آسانی سے کیوں ہتھیار ڈال رہے ہیں۔

لاذقیہ کی عمارتیں نہایت خوبصورت تھیں، انہیں رنگ وروغن اور استرکاری کے ذریعے سجانے کے علاوہ مختلف قسموں کے سنگ مرمر سے آراستہ کیا گیا تھا۔ کاتب عماد اصفہانی بتاتے ہیں کہ یہاں ہر گھر میں ایک باغیچہ تھا، گلیاں بھی سنگ مرمر سے بنائی گئی تھیں۔ مکانات فن تعمیر کا بہترین نمونہ تھے، چھتیں بلند و بالا تھیں مگر سلطان کے لشکر نے (شہر پر قبضے کے بعد) عمارتوں کو اجاڑ دیا اور شہر کی رونق کو ختم کر ڈالا۔ بہت سے امراء نے عمارتوں کو توڑ پھوڑ کر پتھر نکال لیے، ان کا بہت سا ذخیرہ فروخت کر دیا اور بہت سا اپنے گھروں کو بھیج دیا۔ کاتب عماد اصفہانی اس پر افسوس کرتے رہے کہ اتنے خوبصورت شہر کی عمارت کو اس طرح خراب کرنا مناسب نہ تھا۔ اگر شہر کو اس حال پر رہنے دیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ شہر کے عالی شان گرجے کا بھی یہی حشر ہوا، تاہم اس توڑ پھوڑ کے بعد گرجا مقامی پادریوں کے حوالے کر دیا گیا۔

سلطان صلاح الدین کوچ سے قبل شہر میں داخل ہوئے اور شہر کے نئے منتظمین کو تاکید کی کہ باشندوں کو امن وسکون سے بحال رکھنے کی کوشش کریں۔ کچھ دیر سمندر کی لہروں اور ان پر چلتی کشتیوں کا نظارہ کرتے ہوئے انہوں نے اس فتح پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے مشکل ترین مہمات کو ان کے لیے آسان کر دیا تھا۔[1]

مارگریٹ کی دھمکی اور سلطان کا جواب ❁ اسی دن سلطان کی ملاقات مارگریٹ سے ہوئی جو سسلی کے بحری بیڑے کا کمانڈر اور نہایت تند مزاج انسان تھا۔ یہ بات اس کے لیے ناقابل برداشت تھی کہ مسلمان یکے بعد دیگرے شہروں پر قبضہ کرتے جائیں۔ سلطان کے لاذقیہ پر حملے کے دوران وہ اپنا بیڑہ لے کر لاذقیہ کے قریب آ گیا تھا مگر شہر اتنی جلد فتح ہو گیا کہ وہ کچھ نہ کر سکا۔ اسے لاذقیہ والوں پر بے حد غصہ آیا اور اس نے طے کر لیا کہ اب لاذقیہ کے جو لوگ سمندری راستے سے نقل مکانی کریں گے انہیں

[1] الاعلاق الخطیرۃ: 28، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 22، 23، 24، النوادر السلطانیۃ: 10، 168، تاریخ ابن خلدون: 5/ 300

بزدلی کے جرم میں گرفتار کرے گا۔ تاہم لاذقیہ میں اس بات کی بھنک پھیل گئی اور اکثر شہری ذمی بننے پر آمادہ ہو کر اپنے گھروں ہی میں رہے۔ مارگریٹ ایک دو دن تک انتظار کرتا رہا، پھر اس کا غصہ اتر گیا اور اس نے سلطان صلاح الدین سے ملاقات کی کوشش کی۔ اس کا مقصد یہ تھا سلطان کو اس پر آمادہ کر لیا جائے کہ نصرانیوں کے شہر سابقہ حکمرانوں کو واپس کر دیے جائیں۔ اس نے سلطان سے جان کی امان کے ساتھ باریابی کی اجازت طلب کی اور حاضر ہو کر سلطان کو مقبوضہ عیسائی علاقوں کے بارے میں پالیسی تبدیل کرنے کا مشورہ دیا۔ اس نے کہا:

''آپ بہت بڑے بادشاہ ہیں، رحم دل حکمران ہیں، آپ کے عدل واحسان کے چرچے ہر طرف ہیں۔ آپ نے نصرانیوں کی جو گت بنائی سو بنائی۔ اب وہ مجبور و بے بس ہو چکے ہیں۔ کیا خوب ہوگا کہ ساحل شام کے عیسائی حکمرانوں کو اپنی سرپرستی میں رکھتے ہوئے، احسان وانعام کے ساتھ ان کے شہر واپس کر دیں۔ اس طرح وہ آپ کے فرماں بردار غلام بن جائیں گے۔ آپ دور ہوں یا نزدیک وہ آپ کے تابع دار رہیں گے۔''

سلطان نے اس تجویز کو قابل اعتناء نہ سمجھا تو مارگریٹ نے سنگین نتائج سے خبردار کرتے ہوئے کہا:

''اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو سمندر پار کے تمام ملکوں کے لشکر قطار در قطار آپ پر چڑھ دوڑیں گے اور موج در موج ساحل پر چھا جائیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ یہاں کے مقامی عیسائی حکمرانوں کا پیچھا چھوڑ دیں اور ان سے درگزر کریں۔''

سلطان نے اس دھمکی سے خائف ہوئے بغیر یہ ایمان افروز جواب دیا:

''ہمیں اللہ تعالیٰ نے زمین کو مسخر کرنے کا حکم دیا ہے، ہم اس کی اطاعت کے پابند ہیں اور اسے فرض سمجھتے ہیں، جہاد میں سرگرمی ہم پر لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے ہمیں شہروں کی فتح کی توفیق دی ہے۔ اگر زمین کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ساری مخلوق بھی ہمارے خلاف جمع ہو جائے تب بھی ہم مقابلے میں اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ ہمیں دشمنوں کی تعداد کی کوئی پروا نہیں۔''

مارگریٹ یہ صاف جواب سننے کے بعد چپ چاپ واپس لوٹ گیا۔[1]

پہاڑ کی چوٹی پر ❁ اسی دن اتوار 27 جمادی الاولیٰ (24 جولائی) کو سلطان نے لاذقیہ سے صہیون کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ کاتب عماد اصفہانی بتاتے ہیں کہ راستہ انتہائی دشوار گزار تھا، سلطان کو وادیوں اور گھاٹیوں سے گزرنا پڑا جن میں گہری کھائیاں اور خوفناک غار تھے۔ یہ راستہ دو دن میں طے ہوا اور آخر

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 25/4

پیر اور منگل کی درمیانی شب 29 جمادی الاولی 584ھ (26 جولائی 1188ء) کو لشکر اسلام صہیون پہنچا۔

صہیون کا قلعہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا جس پر نصرانیوں کا بڑا پرچم لہراتا نظر آتا تھا۔ قلعے کے دونوں جانب دو ایسی گہری اور تنگ وادیاں تھیں جن میں کسی بڑی فوج کو اتارنا ممکن نہ تھا۔ قلعے کی حفاظت کے لیے پانچ فصیلیں تعمیر کی گئی تھیں اور ہر فصیل کے باہر گہری کھائیاں تھیں جو خندق کا کام دیتی تھیں۔ صرف ایک جانب جہاں ہموار زمین تھی مصنوعی خندق کھودی گئی تھی جو 90 فٹ طویل تھی اور اس کی گہرائی کا اندازہ لگانا اس لیے مشکل تھا کہ اس کی تہہ نظر نہیں آتی تھی۔ اس قدرتی محل وقوع نے قلعے کو نہایت محفوظ بنا دیا تھا۔ منگل کی صبح سلطان نے اپنی فوج کو قلعے سے متصل پہاڑ کی ایک مناسب جگہ پر رکنے کا حکم دیا اور اپنا خیمہ بھی پہاڑ کے قریب لگوا کر مختلف زاویوں پر چھ منجنیقیں نصب کرا دیں۔ ان کے بیٹے الملک الظاہر کو منجنیق کے استعمال میں مہارت حاصل تھی، اس کے ساتھ حلب کے جانباز مجاہدین تھے جن کی بہادری کا دور دور تک شہرہ تھا۔ سلطان کی ہدایت پر الملک الظاہر نے فصیل کے عین سامنے وادی کے ایک تنگ گوشے میں دو منجنیقیں نصب کر کے قلعے پر سنگ باری شروع کی اور آخر کار فصیل کو خستہ کر دیا، اس کا کچھ بالائی حصہ منہدم بھی ہو گیا جس سے فصیل کو پھلانگ کر عبور کرنا مشکل نہ رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ تیر انداز بھی مسلسل تیروں کا مینہ برسا رہے تھے۔ قلعے کے عیسائی بڑی ہمت سے اپنا دفاع کرتے رہے مگر سنگ باری اور تیروں کی بارش نے انہیں نڈھال کر دیا۔ ان کے بہت سے افراد زخمی ہو چکے تھے۔ اس کے باوجود وہ ہتھیار ڈالنے پر تیار نہیں تھے۔

محصورین کی مزاحمت میں کمزوری محسوس کر کے جمعہ 2 جمادی الاخریٰ (28 جولائی) کو سلطان نے عام حملے کا حکم دیا اور خود گھوڑے پر سوار ہو کر قلعے کی طرف بڑھے۔ سپاہی بھی تکبیر کے نعرے بلند کرتے ہوئے فصیل کی طرف دوڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے بیرونی فصیل پر چڑھ گئے، یہاں انہیں محصورین کی زبردست مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ دیر تک یہ گھمسان کی جنگ جاری رہی، لڑائی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ سپاہیوں کو کھانے کا وقفہ بھی نہ مل سکا۔

قاضی بہاؤالدین شداد کہتے ہیں، میں دیکھ رہا تھا، لوگ جنگ کے دوران ہی کھانے سے بھری ہانڈیاں لیتے تھے، کھاتے بھی جاتے تھے اور جنگ بھی لڑتے تھے۔ اس دوران سلطان کے سپاہیوں کا ایک گروہ اسی پہاڑ کی ایک اور چوٹی پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا، فرنگی اس چوٹی کی حفاظت سے بے پروا تھے۔ یہاں قبضہ کرنے کے بعد مسلمان چٹانوں کو پھلانگتے ہوئے پہلی فصیل پر چڑھ گئے اور فرنگیوں کو پیچھے دھکیل دیا، اس کے بعد انہوں نے دوسری اور تیسری فصیل پر بھی قبضہ کر لیا۔ فرنگی پہاڑ کی

چوٹی کی جانب پسپا ہو گئے جہاں ان کا قلعہ تھا۔ فصیل کے اندرونی حصے سے گایوں اور دیگر مال مویشی کے بہت سے ریوڑ اور اناج کے گودام ہاتھ لگے۔

اسلامی فوج اب چوٹی کی طرف بڑھی اور قلعے کو گھیر لیا۔ محصورین شکست کا یقین کر کے امان طلب کرنے لگے مگر سلطان نے ان کی درخواست مسترد کر دی۔ یہ دیکھ کر محصورین نے از خود پیش کش کی کہ وہ فی مرد دس دینار اور فی عورت پانچ دینار ادا کرنے کو تیار ہیں جیسا کہ بیت المقدس کے معاملے میں مسلمانوں نے بھی زر فدیہ طے کیا تھا۔ سلطان نے اسے قبول کر لیا۔ اہل قلعہ اپنے بقیہ مال و دولت سمیت بحفاظت قلعے سے نکل گئے۔ سلطان نے قلعہ ابی قبیس کے والی ناصر الدین منکورس کو یہاں کا قلعہ دار مقرر کر دیا جس نے کچھ ہی عرصے میں اس قلعے کو پہلے سے بھی زیادہ مستحکم بنا دیا۔ جمعے کے دن یہ مشکل مہم سر ہوئی۔ سلطان ہفتے، اتوار اور پیر کو بھی یہیں مقیم رہے کیوں کہ گرد و نواح میں چند اور قلعے تھے جنہیں نظر انداز کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ ہفتے کو سلطان کی فوج نے قلعہ ''العید و'' اتوار کو ''الجماہرین'' اور پیر کو ''بلاطنس'' پر بھی قبضہ کر لیا۔ عماد کاتب کے بقول صہیون کی فتح سے لاذقیہ محفوظ و مامون ہو گیا اور انطاکیہ کی فتح کی امید قوی ہو گئی کیوں کہ صہیون انطاکیہ کے دروازے کا آہنی قفل تھا۔ [1]

<u>جب منجنیقیں بے کار ثابت ہوئیں</u> ❋ 3 جمادی الاخریٰ کو سلطان صہیون سے روانہ ہوئے اور تین دن بعد منگل 6 جمادی الاخریٰ کو قلعہ بکاس پہنچے جو دریائے عاصی کے کنارے ایک پہاڑ پر تھا، دریا کی ایک نہر سے اسے پانی فراہم کیا جاتا تھا۔ سلطان نے فوج کو دریا کے کنارے ٹھہرا کر خود منتخب سپاہیوں کے ساتھ قلعے کو گھیرا اور منجنیقوں سے زبردست سنگ باری کی۔ تین دن تک زور دار جھڑپیں ہوتی رہیں، محصورین کے بہت سے افراد لڑائی میں مارے گئے، آخر کار جمعہ 9 جمادی الاخریٰ کو اہل قلعہ نے شکست کھا کر ہتھیار ڈال دیے جنہیں قیدی بنا لیا گیا۔ [2]

قلعہ بکاس کو قوت فراہم کرنے کے لیے اس کے ساتھ والے پہاڑ کی چوٹی پر ایک اور چھوٹا سا قلعہ تعمیر کیا گیا تھا جسے حصن الشغر کہا جاتا تھا۔ اس چوٹی تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ قلعہ بکاس اور 'الشغر' کے درمیان آمد و رفت کے لیے ایک پل استعمال کیا جاتا تھا، جسے اس وقت ہٹا لیا گیا تھا۔

'الشغر' کو سرنگوں کیے بغیر 'بکاس' کی فتح ادھوری تھی اس لیے سلطان صلاح الدین نے اسے بھی گھیرے میں لے لیا مگر محاصرہ بے سود ہی تھا۔ 'الشغر' جس بلند چوٹی پر تھا، اس تک سپاہیوں کی رسائی

---

1. النوادر السلطانیہ: 147،146، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/26، 27، 28، الکامل فی التاریخ: 10/169، ابن خلدون: 5/169، [illegible] 684
2. النوادر السلطانیہ: 147، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/29

ناممکن تھی۔ مسلمان اپنی منجنیقیں جہاں تک لے جاسکتے تھے، لے گئے تھے مگر آگے چڑھائی اتنی دشوار تھی کہ منجنیقیں مزید اوپر پہنچانا ناممکن تھا۔ انہیں وہیں نصب کر کے قلعے کو ہدف بنایا گیا مگر منجنیقوں سے برسائے جانے والے پتھر چوٹی تک نہ پہنچ سکے۔ ان میں سے ایک آدھ پتھر قلعے کی دیوار سے ٹکرا بھی جاتا تو وہاں پہنچتے پہنچتے اس کی قوت دم توڑ چکی ہوتی تھی۔ اس صورتحال میں قلعے کو سر کرنا ناممکن تھا۔ 'الشغر' کے محصورین لڑائی سے بے فکر تھے۔ مسلمانوں کی سنگ باری سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے مشیروں اور سالاروں کے ساتھ اس ناقابل تسخیر چوٹی تک پہنچنے کے لیے مشورے کرتے مگر کوئی قابل عمل حل سمجھ نہ آتا۔ چند دن اسی طرح گزر گئے۔

ایک دن مجلس مشاورت میں اس موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔ ایک سالار کہنے لگا:

"سلطان معظم! اس قلعے کی مثال تو ایسی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ذوالقرنین کی سد سکندری کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا﴾

"پس نہ وہ اس کو پھلانگ سکتے ہیں، نہ اس میں نقب لگا سکتے ہیں۔"

چونکہ یہ بات مایوس کن تھی اس لیے سلطان نے یہ سن کر ہمت افزا پہلو کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"ہاں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ خاص اپنی جانب سے مدد اور فتح بھیج دے۔"

ابھی قائد اور مجاہدوں کی دلچسپ گفتگو جاری تھی کہ دربان نے بتایا، اس علاقے کا ایک فرنگی باریابی کی اجازت چاہتا ہے۔ سلطان نے اجازت دے دی۔ فرنگی حاضر ہو کر عرض کرنے لگا:

"ہمارا سفیر جان کی امان کی شرط پر شرف ملاقات حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

سلطان نے مثبت جواب دیا تو کچھ دیر بعد قلعے کی طرف سے ایک سفیر حاضر ہوا اور درخواست کی:

"اہل قلعہ امان طلب کرتے ہیں اور ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار ہیں۔ تاہم آپ انہیں تین دن کی مہلت دیں تاکہ وہ انطاکیہ کے حاکم بوہیمنڈ کو اعتماد میں لے لیں۔ کیوں کہ یہ قلعہ اس کی ولایت میں داخل ہے۔"

سلطان نے تین دن انتظار کا وعدہ کر لیا۔ یہ واقعہ منگل 13 جمادی الاخریٰ (8 / اگست) کا ہے۔ مسلمان اس غیر متوقع پیش کش سے بے حد خوش تھے۔ ہوا یہ تھا کہ اہل قلعہ نے محاصرے کے دوران حاکم انطاکیہ بوہیمنڈ کو پیغام بھیجا جس میں اس سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ فوراً کمک بھیجے ورنہ وہ ہتھیار

ڈالنے پر مجبور ہوں گے۔ اب انھیں اس کے جواب کا انتظار تھا۔ وہ یہ طے کر چکے تھے کہ اگر حاکم کی جانب سے بروقت کمک نہ ملی تو وہ قلعہ مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے کیوں کہ ان کے دلوں پر سلطانی افواج کا رعب طاری ہو گیا تھا۔ علامہ ابن اثیر کہتے ہیں:

"یہ محض اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت کا کرشمہ تھا ورنہ اگر وہ طویل زمانے تک قلعے میں جمے رہتے تب بھی ان تک کوئی نہیں پہنچ سکتا تھا اور مسلمان ان کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے تھے۔"①

بہرحال اہل قلعہ کو حاکم انطاکیہ کی جانب سے کوئی مدد نہ پہنچ سکی اور معاہدے کے مطابق تین دن بعد جمعہ 16 جمادی الثانیہ 584ھ (11/اگست) کو قلعہ الشغر مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا۔ قلعے سے خوراک کے بڑے ذخائر بہت سے مویشی اور سواری کے جانور ہاتھ لگے۔ سلطان اس تھکا دینے والی مہم کے اختتام پر اپنے پڑاؤ کی جانب لوٹ آئے اور اگلے دن اپنے لڑکے الملک الظاہر کو فوج کے ایک حصے کے ساتھ قریبی شہر سرمینیہ کی جانب روانہ کر دیا۔

قلعہ بکاس، الشغر اور گردونواح کا علاقہ غرس الدین قلیج کے حوالے کر دیا گیا جو کچھ مدت پہلے قلعہ کفر جیسے مضبوط عسکری مرکز کو ارمنی قوم سے چھڑوانے میں غیر معمولی جدوجہد کے ساتھ کامیاب ہوا تھا۔②

<u>الملک الظاہر "سرمینیہ" کے محاذ پر</u>: سرمینہ حلب کے مغرب میں واقع ایک زرعی علاقہ تھا، شہر اردگرد دور دور تک زیتون کے خوشنما باغات تھے۔ الملک الظاہر نے چند دن کے محاصرے کے بعد 23 جمادی الثانیہ (18/اگست) کو قلعہ فتح کر لیا۔ معاہدے کے مطابق اہل سرمینیہ جان ومال کے بدلے مسلمانوں کو ایک بڑی رقم کی ادائیگی کے پابند قرار پائے۔ فتح کے بعد الملک الظاہر نے قلعے تباہ کرا کے زمین کے برابر کر دیا۔ سرمینیہ کے قلعوں سے مسلمان قیدیوں کی بہت بڑی تعداد بازیاب کرائی گئی جنھیں الملک الظاہر نے لباس اور زادِ راہ دے کر ان کے گھروں تک پہنچانے کا انتظام کر دیا۔ شمالی شام کی ان فتوحات کے بارے میں علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جبلہ سے لے کر سرمینیہ تک یہ تمام شہر اور قلعے (جبلہ، لاذقیہ، صہیون، بکاس، الشغر اور سرمینیہ) اپنی کثرت کے باوجود صرف چھے ہفتوں میں فتح ہوئے، حالانکہ یہ دلیر ترین سپاہیوں اور مسلمانوں کے خلاف عداوت سے بھرپور لوگوں کے تسلط میں تھے۔ پس پاک ہے وہ ذات جو جب کسی دشوار کام کو آسان کرنے کا فیصلہ کر لیتی ہے تو اسے کر گزرتی ہے۔"③

① الکامل فی التاریخ: 170/10
② اخبار سلاجقہ روم، ص29؛ تاریخ الملطی: 4/30،31،32؛ الکامل فی التاریخ: 170/10
③ الکامل فی التاریخ: 171/10

اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ تھی کہ جبلہ سے سرمینیہ تک ہر قلعہ اور شہر جمعہ کے دن ہی فتح ہوا، قاضی بہاؤالدین شداد اس بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ مسلمانوں کے خطیبوں کی دعاؤں کی قبولیت کی علامت ہے (جمعہ کے خطبے میں خطیب حکمرانوں کے لیے فتح وکامرانی کی دعائیں کیا کرتے تھے) اور یہ سلطان کی خوش بختی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دن میں فتوحات عطا کیں جس میں نیکیوں کا اجر دوگنا ہو جاتا ہے۔''

قاضی ابن شداد یہ بھی فرماتے تھے کہ مسلسل جمعوں میں اس طرح فتوحات حاصل کرنا عجائب روزگار میں سے ہے کہ جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔''[1]

کاتب عماد اصفہانی ان فتوحات پر اظہار مسرت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''جبلہ اور لاذقیہ کے صوبے انطاکیہ کی آنکھوں کی حیثیت رکھتے تھے جو پھوٹ چکی ہیں۔ یہ اس کی شہ رگ تھے جو کٹ چکی ہے۔ انطاکیہ کے کنارے نیست و نابود ہو گئے ہیں اور اس کے ہاتھ پاؤں کٹ چکے ہیں۔''[2]

قلعۂ برزیہ کی خوں ریز لڑائی ✽ انطاکیہ کی سلطنت کے اکثر شہر فتح ہو چکے تھے، اب صرف قصیر، بغراس اور دربساک باقی رہ گئے تھے۔ مگر سلطان نے انہیں فتح کرنے سے پہلے قلعۂ برزیہ کو سرنگوں کرنا ضروری سمجھا جس کے لٹیرے سپاہیوں نے ایک مدت سے مسلمانوں کو دق کر رکھا تھا۔ یہ کوہستان افامیہ کی جھیلوں کے قریب خیط پہاڑ پر تعمیر کیا گیا تھا۔ مستطیل شکل کے اس چھوٹے سے قلعے تک پہنچنے کے لیے انتہائی دشوار گزار چڑھائیاں طے کرنے پڑتی تھیں۔ قاضی ابن شداد کے بیان کے مطابق اس پہاڑ کی چوٹی 570 ہاتھ (850) فٹ سے زیادہ بلند تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر افامیہ کا مشہور قلعہ تھا جو مسلمانوں کا سرحدی مورچہ تھا۔ مرحوم شمس الدین ابن مقدم کا بیٹا عزالدین ابراہیم جو حصن افامیہ کا قلعہ دار تھا، قلعہ برزیہ پر کڑی نگاہ رکھا کرتا تھا۔ دونوں قلعوں کے درمیان ایک بڑی جھیل تھی جس میں دریائے عاصی کے علاوہ بے شمار پہاڑی چشموں کا پانی آ کر گرتا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے 24 جمادی الثانیہ 584ھ کو اس خوبصورت علاقے میں پڑاؤ ڈالا اور اگلے دن علی الصبح گھوڑے پر سوار ہو کر چند خواص کے ساتھ قلعے کے گرد و پیش کا جائزہ لیا تاکہ اس پر چڑھائی کے لیے کوئی مناسب مقام منتخب کریں۔ یہ سخت گرمی کے دن تھے، سورج ہر طرف آگ دہکا رہا تھا، سلطان نے چاروں طرف گھوم پھر کر دیکھا کہ قلعے کی شمالی اور جنوبی سمت سے حملہ ممکن نہیں

[1] النوادر السلطانیہ: 148 [2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/32

ہے، اس لیے کہ دونوں سمتوں سے پہاڑ کی چڑھائی تقریباً عمودی تھی لہٰذا قلعے تک پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مشرقی سمت بھی بہت خطرناک تھی تاہم یہاں سے اکادکا آدمی اوپر چڑھ سکتے تھے۔ مگر فوج کے حملے کے لیے یہ رخ بھی مناسب نہ تھا۔

آخر سلطان نے مغرب کی جانب کا جائزہ لیا اور انہیں محسوس ہوا کہ حملے کے لیے کوئی مقام موزوں ہے تو یہی ہے۔ اس جانب بہت بلندی پر ایک ہموار سطح کسی میدانی وادی کی طرح پہاڑ کے ساتھ ساتھ چلی جارہی تھی اور اس سطح سے قلعہ بہت زیادہ اونچائی پر نہیں رہ گیا تھا، گویا امید کی جاسکتی تھی کہ یہاں سے قلعے پر کامیاب حملہ کیا جاسکے۔ تاہم یہ جگہ بہت محدود تھی۔ فوج کا چیدہ حصہ ہی یہاں بلایا جاسکتا تھا۔ سلطان نے اسی دن یہاں اپنے لیے ایک چھوٹا سا خیمہ لگوالیا اور آزمودہ کار سپاہیوں کے چند دستوں کو پڑاؤ سے بلوا کر جنگ کی ترتیب طے کرنے لگے۔

مسلمانوں کا پہلا حملہ منجنیقوں کے ذریعے تھا۔ چند منجنیقیں اس چھوٹے سے ہموار قطعے میں نصب کردی گئیں اور قلعے پر سنگ باری کا سلسلہ شروع ہوا تاہم قلعے والوں نے زبردست مزاحمت شروع کردی۔ ان کے مرد تو مرد عورتیں بھی لڑائی میں شریک تھیں۔ ان کے پاس منجنیق بھی تھی جس سے وہ جوابی پتھروں کی بوچھاڑ کررہے تھے۔ مسلمانوں کی منجنیقیں نشیب میں ہونے کی وجہ سے صحیح نشانہ نہیں لگا پارہی تھیں جبکہ فرنگیوں کی منجنیق کامیاب کارروائی کررہی تھی۔ پھر اس نے براہ راست مسلمانوں کی منجنیقوں کو نشانہ بنانا شروع کردیا۔ آخر لشکر اسلام کی ایک منجنیق پتھروں کی زد میں آکر خراب ہوگئی۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ جو اس مہم کے دوران سلطانی لشکر میں شامل تھے، جنگ کا نظارہ کرنے کے لیے کچھ دور ایک بلند چوٹی پر چڑھ گئے، یہاں سے جھانک کر وہ "قلعہ برزیہ" میں ہونے والی سرگرمیاں صاف طور پر دیکھ رہے تھے۔ وہ فرماتے ہیں:

"میں نے دیکھا ایک عورت قلعہ سے منجنیق چلارہی تھی۔ اسی عورت نے مسلمانوں کی منجنیق کو تباہ کیا تھا۔"

اپنی منجنیقوں کے بے کار ثابت ہونے کے بعد سلطان نے دھاوا بولنے کا فیصلہ کیا مگر اہل قلعہ کی پامردی اور قلعے کی کٹھن چڑھائی کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے یہ بھی طے کیا کہ حملہ متواتر ہوتا رہے۔ اس کے لیے فوج کو تین دستوں میں تقسیم کرکے حکم دیا گیا کہ ایک دستہ حملہ کرے، دوسرا تیار حالت میں رہے اور تیسرا آرام کرے، جب پہلا دستہ لڑلڑ کر تھک جائے تو واپس آکر آرام کرے، دوسرا دستہ اس کی جگہ لے کر لڑنا شروع کردے اور تیسرا دستہ جو آرام کررہا ہو، تیار حالت میں چوکنا ہوجائے۔ اس حکمت عملی کے مطابق منگل 27 جمادی الثانیہ کو دھاوے کا آغاز ہوا۔ عمادالدین پہلے دستے کی قیادت کرتے ہوئے قلعے

کی طرف لپکا۔ ادھر فرنگی بھی قلعے کے دروازے سے باہر نکلے اور اگلی فصیل پر چڑھ کر مسلمانوں پر تیروں کی بارش کرنے لگے۔ عمادالدین کے سپاہیوں نے اوپر چڑھتے ہوئے ڈھالوں کی آڑ لے لی اور تیروں سے بچتے بچاتے ہوئے پیش قدمی جاری رکھی۔ تاہم قلعے کے قریب پہنچ کر انہیں رکنا پڑا، کیوں کہ یہاں چڑھائی عمودی تھی، اوپر قلعے کی فصیل تھی جس سے فرنگی مسلسل سنگ باری اور تیراندازی کر رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دشوار گزار چڑھائی سے بڑے بڑے دیوہیکل پتھر لڑھکا رہے تھے، اگر کوئی ان کی زد میں آتا تو پس کر رہ جاتا جبکہ پتھر سینکڑوں فٹ نیچے پہاڑ کے دامن تک لڑھکتا ہوا چلا جاتا تھا۔

اس دوران ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ سلطان نے تھوڑے تھوڑے سپاہی قلعے کی ہر سمت میں تعینات کیے ہوئے تھے جو پہاڑ کے دامن میں دم سادھے بیٹھے تھے۔ اچانک قلعے کی شمال کی جانب تعینات سپاہیوں میں سے ایک کو کسی ضرورت سے جنوبی سمت کے سپاہیوں کے پاس جانا پڑا۔ وہ پہاڑ کی خطرناک ڈھلوان پر قلعے کے گرد چکر لگاتا ہوا جنوب کی طرف بڑھنے لگا۔ چکر لگاتے ہوئے جب وہ مغرب کی سمت میں سے گزرا جہاں بلندی پر مسلمان اور عیسائی لڑ رہے تھے، تب ایک عیسائی نے اسے دیکھ لیا اور ایک بھاری چٹان اس کی جانب لڑھکا دی۔ وہ مسلمان سپاہی اس آفت سے بے خبر اپنی دھن میں مگن سیدھا چلا جارہا تھا، چند مجاہدین نے بلندی سے یہ دیکھ لیا کہ چٹان اس کی جانب لڑھکتی جارہی ہے، انہوں نے چلا چلا کر اسے خبردار کیا۔ وہ یہ آوازیں سن کر پلٹا تاکہ دیکھے، کیا معاملہ ہے؟

مگر جوں ہی اس نے منہ پھیرا اس کا پاؤں پھسل گیا، اور وہ لڑھکتی ہوئی چٹان کی عین سیدھ میں اوندھے منہ گر گیا، چٹان اب سے چند گز دور رہ گئی تھی اور تیزی سے اس کی طرف لڑھکتی آرہی تھی۔ جو مسلمان یہ ہیبت ناک منظر دیکھ رہے تھے، اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھنے لگے تھے۔ سب کو اس کی موت کا یقین ہوگیا تھا۔ مگر تب ایک عجیب بات ہوئی، چٹان گھڑگھڑاتی ہوئی جوں ہی اس کے پاس پہنچی، زمین میں گڑے ایک سخت پتھر سے ٹکرا گئی اور فٹ بال کی طرح ہوا میں اچھل کر مسلمان سپاہی سے چند انچ آگے جا گری اور پھر اسی طرح لڑھکتی ہوئی گہری کھائیوں میں گم ہوگئی۔ سپاہی نے سر اٹھا کر دیکھا تو اسے ایک خراش تک نہیں آئی تھی۔ وہ دوڑتا ہوا اپنے ساتھیوں سے جاملا۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ یہ چشم دید واقعہ تحریر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"بزدلوں کی ماں ہلاک ہو (کہ موت کا وقت جب متعین ہے تو پھر) جہاد کے لیے کیوں نہیں نکلتے۔"

اس دن عمادالدین کے سپاہی دوپہر تک آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہے مگر ان کی کوشش رائیگاں گئی۔ ادھر چلچلاتی دھوپ نے سب کے حلق خشک کر دیے تھے۔ سلطان صلاح الدین اسلحہ زیب تن کیے

حق و باطل کے سپاہیوں کا معرکہ پوری دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ سپاہیوں میں کمزوری کے آثار بھانپتے ہی انہوں نے دوسرے دستے کو آگے بڑھنے کا حکم دیا جو پہلے ہی ہتھیار اٹھائے تیار کھڑا تھا۔ عمادالدین اپنے تھکے ماندے سپاہیوں کے ساتھ واپس ہونے لگا جبکہ تازہ دم سپاہیوں نے ان کی جگہ فوراً سنبھال لی۔ یہ سپاہی سلطان صلاح الدین ایوبی کی خاصہ فوج کے جوانمرد تھے۔ سلطان صلاح الدین اوران کے چچازاد تقی الدین عمر خود ان کی کمان کررہے تھے۔ معرکہ ایک بار پھر پوری شدت سے لڑا جانے لگا۔ سلطان کے بہادر سپاہیوں نے عمودی چڑھائی چڑھ کر فصیل تک پہنچنے کی سرتوڑ کوشش کی۔ سلطان عقب سے ان کی ہمت بندھا رہے تھے اورانہیں مزید آگے بڑھنے پر برانگیختہ کررہے تھے۔ خواص سپاہیوں نے حتی الامکان کوشش کی مگر بے سود۔ فرنگی چٹان کی طرح ڈٹے ہوئے مزاحمت کررہے تھے اوران کے تیر دلا اور پتھروں سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچ رہا تھا۔ ظہر تک دھوپ کی شدت نا قابل برداشت ہوگئی ادھر مجاہدین لڑلڑ کر بری طرح تھک گئے اوران میں سے کئی ہمت ہار کر واپس آنے لگے۔

سلطان یہ دیکھتے ہی ایک لاٹھی اٹھا کر تیزی سے آگے بڑھے، انہیں روکا اور لاٹھی کے اشارے سے واپس لوٹانے لگے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے تیسرے دستے کو بلند آواز سے پکارا جو تیار حالت میں حکم ملنے کا منتظر تھا۔ سلطان کی پکار سنتے ہی یہ سپاہی لپکے اور سلطان کے خاصہ دستے کے ساتھ دھاوے میں شامل ہوگئے۔ اتنی دیر میں عمادالدین کے ساتھی بھی آرام کرچکے تھے، وہ بھی کھڑے ہوئے اور حملے میں شامل ہوگئے۔ فصیل کے قریب اسلامی لشکر کے اس اژدحام سے فرنگیوں پر غیر معمولی دباؤ پڑ گیا۔ ویسے بھی وہ صبح سے لڑتے لڑتے بری طرح تھک چکے تھے اوران کا بھاری اسلحہ دھوپ کی شدت کے سبب انہیں مزید ہلکان کیے دے رہا تھا۔ چنانچہ فصیل سے ان کی مزاحمت کمزور پڑنے لگی۔ مسلمانوں کو اس وقت کا انتظار تھا، وہ تیزی سے فصیل پر چڑھے اور فرنگیوں سے گتھم گتھا ہوگئے۔ چند لمحوں کی دست بدست لڑائی کے بعد فرنگی فصیل چھوڑ کر قلعے کی طرف پسپا ہونے لگے۔ مگر مسلمان ان کے پیچھے لگے رہے اور جب فرنگی افراتفری کے عالم میں قلعے کے دروازے سے اندر داخل ہورہے تھے، کئی مسلمان سپاہی بھی اس بھگدڑ سے فائدہ اٹھا کر ان کے ساتھ اندر گھس گئے۔ اس دوران مشرق کی جانب سے بھی سلطان کے کچھ سپاہی قلعے کی دیوار پھلانگ چکے تھے۔ دراصل سلطانی فوج کے کچھ خیمے مشرق کی طرف بھی تھے مگر اس جانب سے حملے کا کوئی خطرہ نہ دیکھ کر تمام فرنگی مغربی محاذ کی طرف متوجہ تھے اور اپنی پوری قوت اس طرف جھونک چکے تھے۔ مشرقی سمت کے مسلمانوں نے موقع سے فائدہ اٹھالیا اور دشوار گزار چٹان پر چڑھ کر پہلے قلعے کی مشرقی اور پھر دیگر سمتوں سے بھی اندر داخل ہونے

لگے۔ اتنی دیر میں مغربی دروازے سے فرنگیوں کے تعاقب میں آنے والے مسلمان سپاہی بھی اندر گھس چکے تھے۔ ان سب نے مل کر دونوں طرف سے فرنگیوں کو تلواروں کی دھار پر رکھ لیا۔ فرنگی ہر طرف سے سمٹ کر آخری کوشش کے طور پر پہاڑ کی چوٹی پر بنے ایک برج میں خیمہ زن ہو گئے۔

اس چوٹی کے ایک گوشے میں بہت سے مسلمان قید تھے جنہیں بیڑیوں میں جکڑ کر رکھا گیا تھا۔ قیدیوں نے اردگرد سے مسلمانوں کی تکبیریں سن کر جواب میں پوری آواز سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اتنے قریب سے نعرے کی گونج سن کر چوٹی کے برج میں مورچہ زن فرنگیوں کو غلط فہمی ہو گئی کہ سلطان کے سپاہی چوٹی تک آ چکے ہیں اور یہ تکبیریں وہ بلند کر رہے ہیں۔ اس سے فرنگیوں کی ہمت جواب دے گئی اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ سلطان کے سپاہیوں نے ان سب کو قیدی بنا لیا۔ ان میں قلعۂ برزیہ کا حاکم، اس کے بیوی بچے اور داماد بھی شامل تھے۔ مسلمان سپاہیوں نے قیدیوں کی تقسیم کے دوران انہیں بھی باہم بانٹ لیا تھا۔ سلطان کو اس کا علم ہوا تو فوراً انہیں تلاش کروایا اور ان کے مالک سپاہیوں اور امراء کو خطیر رقمیں دے کر انہیں، ان سے خرید لیا، یہ کل سترہ افراد تھے۔[1]

انطاکیہ میں سلطان کی عیسائی جاسوسہ ✻ سلطان نے انہیں کچھ دنوں تک اپنے ساتھ رکھا اور ان سے بہت اچھا سلوک کیا۔ اگلے مہینے جب سلطان انطاکیہ کی مہم کے لیے روانہ ہوئے تو فصیل انطاکیہ کے قریب پہنچ کر ان سب کو آزاد کر دیا۔ یہ سب بوہیمنڈ (حاکم انطاکیہ) کے پاس چلے گئے۔ یاد رہے کہ حاکم برزیہ اور حاکم انطاکیہ کی بیویاں آپس میں بہنیں تھیں، اس لیے ان دونوں حاکموں میں رشتے داری بھی تھی۔ ویسے تو دشمنوں خصوصاً حریف حکمرانوں اور ان کے خاندانوں کے ساتھ کرم نوازی سلطان کی مشہور عادت تھی اسے ہم سلطان کے معروف اخلاق عالیہ میں شمار کر سکتے ہیں مگر یہاں اس لطف و مہربانی کی ایک خاص وجہ بھی تھی جسے کاتب عماد اصفہانی نے ذکر کیا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ حاکم انطاکیہ بوہیمنڈ کی بیوی سلطان سے بہتر تعلقات کے لیے کوشاں رہتی تھی اور خفیہ طور پر سلطان کو نصرانیوں کے منصوبوں کی اطلاعات پہنچاتی رہتی تھی۔ کاتب عماد کے الفاظ یہ ہیں:

عینا له علی العدو، تهادیه وتناصحه وتطلعه علی اسرارهم والسلطان یکرمها لذلك ویهدی لها انفس الهدایا

"یہ خاتون دشمنوں کے خلاف سلطان کی جاسوسہ تھی، سلطان کو تحائف بھیجا کرتی تھی، ان کی

[1] النوادر السلطانیہ: 149، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 33، 34، 35 و 36، الکامل فی التاریخ: 10/ 172، 173، ابن خلدون: 5/ 310، 311، البدایہ والنہایہ: تحت 584ھ

خیر خواہی کیا کرتی تھی، اور انہیں نصرانیوں کے رازوں سے آگاہ کرتی رہتی تھی۔ سلطان اسی لیے اس کا احترام کرتے تھے اور اسے گراں قدر تحائف ارسال کرتے رہتے تھے۔"

چونکہ برزیہ کے حکمران خاندان کا تعلق اسی عیسائی ملکہ سے نکل آیا تھا جو مسلمانوں کی خیر خواہ تھی، اس لیے سلطان احسان کے بدلے میں احسان کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ [1]

دربِ ساک کی فتح: حصن برزیہ کے بعد سلطان صلاح الدین نے انطاکیہ کی سمت پیش قدمی شروع کردی جس کا حاکم بوہیمنڈ شام کے عیسائی حکام میں سب سے اہم حیثیت اختیار کر کے سلطان کا اہم حریف بن چکا تھا۔ سلطان نے اپنی سرحدی چوکی "شقیف درکوش" کے نزدیک سے دریائے عاصی عبور کیا، اس پر بنے ہوئے لوہے کے مضبوط پُل جسر الحدید سے فوج کو گزارتے ہوئے وہ اس وقت تک یہاں ٹھہرے رہے، جب تک کہ پیچھے رہ جانے والے دستے ان سے نہ آملے۔ چند دن یہاں ٹھہر کر افواج مرتب کرنے کے بعد وہ آگے بڑھے۔ 8 رجب 584ھ (2 ستمبر 1188ء) کو وہ انطاکیہ سے کچھ فاصلے پر قلعۂ دربِ ساک کا محاصرہ کر چکے تھے جو ٹمپلرز کا اہم مورچہ تھا۔ چند دنوں تک منجنیقوں سے قلعے کے در و دیوار کو شکستہ کیا گیا۔ فصیل کا کچھ حصہ منہدم بھی ہوگیا مگر ٹمپلرز مقابلے پر ڈٹے رہے۔ آخر عام حملے کا حکم ہوا اور سلطان کے سپاہی فصیل کی طرف دوڑ پڑے۔ انہوں نے تند و تیز حملوں کے ذریعے فصیل کو سر کرنے اور محافظوں کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی مگر ٹمپلرز فصیل چھوڑنے پر تیار نہ تھے۔ جوں ہی ان میں سے کوئی ایک قتل ہوتا یا زخم کھا کر گرتا دوسرا فوراً اس کی جگہ سنبھال لیتا۔ فصیل کا جو حصہ منہدم ہوگیا تھا اسے بھی انہوں نے گھیر رکھا تھا اور ملبے کے ڈھیر پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روکا ہوا تھا۔ اس دوران سلطان کے نقب زن سپاہی ایک برج کی بنیادیں کھوکھلی کر چکے تھے۔ کچھ دیر کی کوشش کے بعد یہ برج مسمار کر دیا گیا۔ سلطان کی سپاہ کو اب قلعے میں داخل ہونے کے لیے راستہ مل گیا مگر ٹمپلرز یہاں بھی ڈٹ گئے اور مسلمانوں کو اندر داخل نہ ہونے دیا۔

اس دن جنگ یہیں روک دی گئی۔ مسلمان واپس لوٹ آئے اور اگلے دن پھر اسی طرح حملہ کیا گیا۔ اس دوران محصورین حاکم انطاکیہ کو حالات سے آگاہ کر کے کمک طلب کر چکے تھے اور اس کے جواب کے منتظر تھے مگر چند دن کے انتظار کے بعد انہیں انطاکیہ سے مدد ملنے کی کوئی امید نہ رہی۔ آخر وہ قلعہ جان کی امان پر مسلمانوں کے حوالے کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

سلطان نے انہیں اس شرط پر امان دی کہ محصورین اپنے جسم کے کپڑوں کے سوا کوئی چیز ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ جمعہ 22 رجب 584ھ کو دربِ ساک فتح ہوگیا۔ عیسائی سر جھکائے ہوئے قطار

[1] النوادر السلطانیہ: ص149، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/35، الکامل فی التاریخ: 10/173

در قتار نکلے۔ وہ نہتے اور خالی ہاتھ تھے۔ سلطان نے انہیں انطا کیہ روانہ کر دیا۔ ①

سلطان ایوبی نے شہر اور قلعہ اپنے دوست امیر سلیمان بن جندر کے سپرد کر کے اگلے روز یہاں سے کوچ کیا۔ ②

قلعۂ بغراس بھی سرنگوں ﷺ: انطا کیہ کا تاریخی شہر اب زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا مگر سلطان اس پر براہ راست حملے سے قبل اردگرد کے ہر مضبوط قلعے کو مسخر کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ ایسے قلعوں میں سے اب صرف بغراس باقی رہ گیا تھا۔ سلطان نے اس پر حملے سے قبل اپنے مشیروں اور افسران کی مجلس مشاورت بلائی اور یہ سوال پیش کیا کہ آیا پہلے بغراس پر حملہ کیا جائے یا انطا کیہ پر؟ بعض افسران نے پہلے بغراس پر حملے کو بہتر قرار دیا مگر کچھ تجربہ کار سالاروں کی رائے میں انطا کیہ کی مہم کو مزید ملتوی کرنا درست نہیں تھا۔ اس بارے میں دلائل دیتے ہوئے انہوں نے کہا:

''انطا کیہ اور بغراس بہت قریب اور استحکام و طاقت اور دفاعی انتظامات میں تقریباً برابر ہیں بغراس اور انطا کیہ میں سے جس پر بھی حملہ کیا جائے بات ایک ہی ہوگی۔ تاہم بغراس محاصرے میں انطا کیہ کی جانب سے حملے کا خطرہ درپیش ہوگا اور ہمارے لشکر کے اکثر حصے کو عقب میں رہنا پڑے گا تا کہ انطا کیہ کے سپاہیوں کے متوقع حملوں کو روکا جاسکے۔ اس صورتحال میں بغراس پر حملے کے لیے تھوڑی فوج ہی استعمال کی جاسکے گی اور مقصد کا حصول مشکل ہوجائے گا۔''

سلطان نے ان کے دلائل کو بغور سنا مگر پھر غور و فکر اور استخارے کے بعد فیصلہ کیا کہ پہلے بغراس کا قضیہ نمٹا دیا جائے۔

انطا کیہ اور بغراس کے درمیان ایک نہر تھی۔ سلطان ایوبی نے فوج کے اکثر سپاہیوں کو نہر کے پار انطا کیہ کے اردگرد تعینات کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ سرحدی بستیوں اور دیہاتوں پر چھاپے مار کر دشمن پر خوف طاری رکھیں تا کہ وہ عقب سے حملہ نہ کر سکے۔ سلطان نے خود اپنے چیدہ سپاہیوں کے ساتھ قلعۂ بغراس کا نہایت سختی سے محاصرہ کر لیا۔ یہ قلعہ بھی ایک پہاڑ پر واقع تھا۔ منجنیقوں کی سنگ باری سے اس کو کوئی گزند نہ پہنچی۔ چند دن تک فتح کے کوئی آثار دکھائی نہ دیے جس سے سپاہیوں میں بددلی پھیلنے لگی۔ پہاڑ پر پانی کا کوئی چشمہ نہ تھا، محاصرے میں مصروف سپاہ کو پانی کی شدید کمی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ سلطان نے اس مسئلے کے حل کے لیے پہاڑ کے قریب بڑے بڑے حوض تیار کرا کے خادموں کی ایک جماعت کے ذمے لگایا کہ وہ پہاڑی راستے سے پانی اوپر پہنچا کر حوضوں کو ہر وقت لبالب پُر رکھیں۔ دشوار

---

① الکامل فی التاریخ: 10/174

② الاعلاق الخطیرۃ: 20؛ الکامل فی التاریخ: 10/174؛ تاریخ ابن خلدون: 6/311

گزار چڑھائی سے پانی اوپر لے جانا کوئی آسان کام نہ تھا تاہم اس تدبیر سے سپاہیوں کی پریشانی دور ہوگئی۔ قلعہ 'الشغر' کی طرح 'بغراس' میں بھی کچھ دنوں بعد نصرتِ خداوندی کا نزول ہوا اور اہل بغراس نے خود مرعوب ہوکر قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ ان کے ایک نمائندے نے آکر اہل قلعہ کی جانب سے یہ پیغام پہنچایا کہ وہ سب ہتھیار ڈالنے اور اہل دربساک کی طرح سب کچھ یہیں چھوڑ جانے کے لیے تیار ہیں بس انہیں جان کا تحفظ فراہم کیا جائے۔ سلطان نے اسے بخوشی منظور کرلیا اور اسی نمائندے کو اسلامی پرچم دے کر اس تاکید کے ساتھ واپس بھیجا کہ اسے قلعے کے سب سے بلند مقام پر نصب کردیا جائے۔ 2 شعبان 584ھ کو اسلامی پرچم قلعے کے اونچے برج پر لہرا رہا تھا اور قلعے کی چابیاں مسلمانوں کے حوالے کی جارہی تھیں۔ [1]

بغراس سے بے اندازہ مال غنیمت حاصل ہوا۔ کاتب اصفہانی کے مطابق "غلے کی بوریاں بارہ ہزار تھیں۔" [2]

مال غنیمت جمع کرنے کے بعد سلطان کے حکم سے اس مضبوط قلعے اور فصیل کو زمین بوس کردیا گیا۔

<u>قلعوں کے انہدام کا فیصلہ کیوں کیا گیا؟</u>❊ یہاں یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ علامہ ابن اثیر سلطان کے اس فعل پر تنقید کرتے ہوئے اسے سلطان کے حق میں نقصان دہ شمار کرتے ہیں۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

> "قلعے کا انہدام مسلمانوں کے حق میں شدید ضرر رساں ثابت ہوا، کیوں کہ ارمنوں کے حکمران ابن لیون نے جو کہ اس علاقے کے پڑوس میں آباد تھا بعد میں یہاں آکر اس قلعے کو دوبارہ تعمیر کرلیا اور اسے مستحکم کردیا، یہاں اپنی فوج کا ایک حصہ متعین کردیا جو نواحی شہروں پر غارتگری کرتا رہتا ہے۔ اس سے حلب کے نواحی علاقے متاثر ہوتے ہیں۔ اور آج تک یہ قلعہ انہی کے پاس ہے۔" [3]

علامہ موصوف کی بات اپنی جگہ بجا سہی..... مگر ہمیں سلطان کی ان دشواریوں کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے جو اس مہم میں انہیں درپیش رہیں۔ شام کے شمال میں آباد نصرانیوں کے خلاف سلطان کی یہ پہلی بھرپور مہم تھی جو ایک سال تک جاری رہی تھی۔ یہ پہاڑی علاقہ سخت دشوار گزار تھا اور اس کی کوہستانی بھول بھلیوں میں جگہ جگہ چوٹیوں پر نصرانیوں کے درجنوں مستحکم قلعے تھے۔ انہیں فتح کرنا ایک دو برس کی بات نہیں برسوں کا بکھیڑا تھا۔ جبکہ سلطان ایوبی یہاں سے فارغ ہوکر اگلے مرحلے میں دوبارہ ساحل شام کا رخ کرنا اور صور کا قضیہ نمٹانا چاہتے تھے جہاں اہل یورپ کی مشترکہ افواج کے اترنے کا شدید خطرہ تھا۔

ان حالات میں سلطان کے پاس حالیہ مہم میں وقت اور افرادی قوت کو بچا کر رکھنا سب سے زیادہ اہم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم <u>انطاکیہ کی جانب یلغار کرتے ہوئے</u> سلطان کی ہر مہم کو طوفانی انداز میں شروع

[1] اخبار سلاجقہ: 150_161، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/30_40، الکامل فی التاریخ: 10/174، ابن خلدون: 5/311

[2] کتاب الروضتین: 4/42

[3] الکامل فی التاریخ: 10/174

اور ختم ہوتا دیکھتے آئے ہیں۔ سلطان یہاں جلد از جلد ایک شہر یا قلعے کو فتح کر کے فوراً دوسرے شہر کا محاصرہ شروع کرتے رہے۔

پھر ہمیں یہ بھی دکھائی دیتا ہے کہ عام معمول کے خلاف سلطان اور ان کے نائبین اس سفر میں جگہ جگہ مضبوط قلعوں کو ڈھاتے اور فوجی تعمیرات زمین بوس کرتے رہے۔ اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ سلطان کم از کم آئندہ دو تین سالوں کے لیے اس علاقے کے جھنجھٹ سے فراغت حاصل کرنا چاہتے تھے کیونکہ ان قریبی سالوں میں انہیں یورپ کی طرف سے یلغار کا خطرہ تھا۔ اگر یورپ سے جنگ چھڑ جاتی تو شمال کے ان دشوار گزار علاقوں میں دوبارہ کسی مہم جوئی کا موقع مشکل ہی مل پاتا۔ سلطان کا فی الحال مقصد صرف یہ تھا کہ وہ یورپی یلغار سے پہلے پہلے شمال کے ان تمام قلعوں اور شہروں کو نصرانیوں سے چھین لیں یا ناکارہ بنا دیں تاکہ یورپی بادشاہ آئندہ کی خوفناک جنگ کے دوران یہاں کوئی کیمپ نہ بنا سکیں اور نہ ہی یہاں سے انہیں امداد و کمک میسر آسکے۔ وقت کی کمی کے پیشِ نظر سلطان نہ تو یہاں ہر مفتوحہ علاقے کے راستوں پر چوکیاں بنا سکتے تھے، نہ ہر قلعے میں فوج چھوڑ سکتے تھے اور نہ ہی ان مقامات کو مسلمانوں کا مدافعتی مرکز بنانے پر توجہ دے سکتے تھے۔ یہ کام فرصت کے دنوں کے تھے جو سلطان کے پاس دور دور تک نہیں تھی۔

اگر ان کے پاس بہت بڑی فوج ہوتی تو شاید وہ نصرانیوں کے ان درجنوں مفتوحہ قلعوں اور ان تک پہنچنے والے پیچیدہ پہاڑی راستوں کی حفاظت کے لیے جگہ جگہ بقدر ضرورت نفری چھوڑ دیتے مگر اتنے وسیع علاقے میں یہ بقدرِ ضرورت نفری بھی ہزاروں سپاہیوں تک جا پہنچتی۔ ظاہر ہے کہ سلطان کے پاس اس مقدار میں زائد سپاہی نہ تھے بلکہ اب سلطان آئندہ کے خطرات کے مقابلے کے لیے زیادہ سے زیادہ قوت ساحلوں پر جمع کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ ان مفتوحہ علاقوں کی حفاظت پر توجہ دینے سے یہ مقصد متاثر ہو سکتا تھا۔ مذکورہ پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے سوچا جائے تو 'بغراس' یا اس جیسے بعض قلعوں کو سلطان کے حکم سے مدافعتی مرکز بنانے کی بجائے تباہ کر ڈالنا ہرگز قابلِ اعتراض نہیں بلکہ یہ اقدام سلطان کے ترجیحی مقاصد کی روشنی میں ضروری نظر آتا ہے۔

ایسا بھی نہیں تھا کہ سلطان نے سارے ہی قلعے زمین بوس کر ڈالے ہوں بلکہ جس قلعے کو انہوں نے اسلامی سرحدوں کی مدافعت کے لیے استعمال کرنا سودمند سمجھا، اسے اپنے کسی معتمد امیر کے حوالے کر دیا۔ جیسا کہ "درب ساک" سلیمان بن جندر اور "برزیہ" عزالدین ابراہیم کو سونپا گیا۔

لشکرِ اسلام انطاکیہ کے سامنے: بغراس کی تسخیر کے بعد انطاکیہ کا انجام سامنے تھا۔ حاکم انطاکیہ بوہیمنڈ شدید بیمار تھا اور اس مشکل گھڑی میں کسی مہم کی قیادت سے عاجز تھا۔ اس نے بغراس کے سرنگوں ہونے کی خبر

سنتے ہی اپنے سالے کو صلح کا سفیر بنا کر سلطان کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ اس نے اپنے پیغام میں سلطان کو پیش کش کی کہ وہ صلح کی صورت میں ان مسلمان قیدیوں کو رہا کر دے گا جو بڑی تعداد میں اس کے پاس ہیں۔

ادھر سلطان 2 شعبان کو بغراس پر قبضہ کر کے، فوج کے پڑاؤ میں لوٹ آئے تھے جو انطاکیہ کی فصیلوں سے کچھ دور تھا۔ انطاکیہ کے برج اور قدیم عمارتوں کے گنبد یہاں سے صاف دکھائی دیتے تھے۔ قاضی بہاؤ الدین ابن شداد اور لشکر میں شامل اہل علم و فضل اس قدیم تاریخی شہر میں داخلے اور حضرت حبیب نجار شہید کی قبر کی زیارت کے لیے بے تاب تھے۔ حضرت حبیب نجار رحمہ اللہ وہ بزرگ تھے جو انطاکیہ میں توحید کا درس دینے والے پیغمبروں پر سب سے پہلے ایمان لائے اور اس حق گوئی کے بدلے میں شہید کر دیے گئے۔ سورۂ یاسین شریف کے دوسرے رکوع میں ان کا قصہ مذکور ہے جو اسلام کے لیے مر مٹنے کا پیغام دیتا اور شہیدانِ راہ وفا کے لیے اللہ کے ہاں دائمی مغفرت کا مژدہ سناتا ہے۔

انطاکیہ میں داخلے کے ان ولولوں کے باوجود سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی طبعی شرافت کی بناء پر نصرانیوں کی جانب سے صلح کے پیغام کو مسترد نہ کیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مسلسل جنگوں سے فوج کی حالت خستہ ہو چکی تھی۔ افسران اور سپاہی واپسی کے لیے بے چین تھے۔ اگر انطاکیہ کا محاصرہ طول پکڑ جاتا تو وہ بے زار ہو جاتے چنانچہ جب سلطان نے امراء سے مشورہ کیا تو اکثریت نے واپس چلنے کی رائے دی جن میں حاکم سنجار عماد الدین پیش پیش تھا، چوں کہ فوج میں ایک بڑا حصہ اسی کی فوج کا تھا اس لیے سلطان اس کے اصرار کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ انطاکیہ کے قریب ابھی طرابلس کی نصرانی ریاست کی فتح بھی باقی تھی مگر انہی وجوہ سے اس مہم کو بھی ملتوی کر دیا گیا۔

سلطان نے حاکم انطاکیہ سے صرف آٹھ ماہ کی جنگ بندی کا عارضی معاہدہ کیا۔ معاہدے میں طے ہوا کہ اگر آٹھ ماہ کے دوران اہل انطاکیہ کمک حاصل کر کے اپنے دفاع کے قابل ہو گئے تو اپنے امور کے مختار ہوں گے ورنہ انہیں مدت گزرتے ہی انطاکیہ مسلمانوں کے حوالے کرنا ہوگا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ عام قسم کا معاہدۂ صلح نہیں تھا بلکہ اپنی فوج کو آرام پہنچاتے ہوئے بغیر کسی جنگ کے میدان مارنے کی ایک مدبرانہ دستاویز تھی۔

مایوس اور لاچار بوہیمنڈ کے لیے اتنا بھی غنیمت تھا۔ اس نے فوراً معاہدہ کر لیا اور حسب وعدہ مسلمان قیدیوں کی رہائی کے انتظامات شروع کر دیے۔ سلطان کی جانب سے ان قیدیوں کے معاملات شمس الدولہ ابن منقذ کے سپرد کر دیے گئے۔ [1]

[1] النوادر السلطانیہ: 151، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/42_43_44، الکامل فی التاریخ: 10/175، ابن خلدون: 5/312، البدایہ والنہایہ: تحت 584ھ

فصل:3

وسطی شام کی پرخطر مہمات

انطاکیہ سے واپسی اختیار کر کے سلطان ایوبی 3 شعبان 584ھ (26 ستمبر 1188ء) کو حلب پہنچے جہاں شہریوں نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ تین دن بعد انہوں نے دمشق کا رخ کیا، راستے میں دیگر شہروں کے لشکروں کو رخصت کرنے سے پہلے سلطان نے افسران اور بہادروں کو بیش قیمت تحائف سے نوازا۔ عمادالدین زنگی سنجار چلا گیا، موصل کا لشکر جس میں علامہ ابن اثیر الجزری بھی شامل تھے، واپس ہو گیا۔ تاہم سلطان کی اپنی افواج ان کے ساتھ ساتھ تھیں۔

سلطان نے اب معرّہ کا راستہ اختیار کیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی مرقد پر حاضری دی، یہاں ایک صاحبِ کرامات بزرگ حضرت ابوزکریا المغربی رہا کرتے تھے، سلطان کچھ دیر ان کی خدمت میں بیٹھے۔ اس کے بعد سلطان حماۃ کے قریب سے گزرے، یہ تقی الدین عمر کا شہر تھا جو اس پوری مہم میں ساتھ ساتھ رہا تھا۔ وہ سلطان کو قلعے میں لے گیا، یہ قلعہ پہلے بلند نہ تھا مگر تقی الدین نے بڑا سرمایہ خرچ کر کے اسے ناقابلِ تسخیر بنا دیا تھا۔ سلطان ایوبی یہ تبدیلی دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔ سلطان نے یہاں صرف رات بسر کی اور صبح ہوتے ہی حمص سے کتراتے ہوئے الزراعہ اللبوۃ اور بعلبک کی راہ سے رمضان کا چاند طلوع ہونے سے ذرا پہلے دمشق پہنچ گئے۔ [1]

ان کی خواہش تھی کہ ماہِ مبارک ذکر و عبادات میں مشغول رہ کر گزاریں مگر حالات کچھ اور تھے۔ انہیں بحیرۂ روم کے افق پر صلیبی طوفان کے آثار واضح دکھائی دے رہے تھے۔ انہیں پوری طرح اندازہ تھا کہ چند مہینوں بعد مسلمان اپنی پوری قوت ساحل پر جمع کر کے ایک طویل اعصاب شکن جنگ لڑنے پر مجبور ہوں گے لہٰذا اس سے پہلے پہلے انہیں ان تمام دشمنوں سے نجات حاصل کر لینی چاہیے جو مملکت کے اہم راستوں اور بعض اندرونی حصوں میں خطرات پیدا کرنے کا باعث ہیں۔ دمشق پہنچنے کے بعد سلطان کو

[1] الروضتین: 4/44، 45۔ الکامل فی التاریخ: 10/176

مشورہ دیا گیا کہ اب سپاہیوں کو رخصت دی جائے مگر سلطان کا ذہن کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ وہ بولے:

''زندگی مختصر ہے، موت کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اب بھی ٹیمپلرز کے ہاتھوں میں کوکب، صفد، کرک اور کچھ دوسرے قلعے باقی ہیں۔ ان کو نمٹانا ضروری ہے کیوں کہ یہ اسلامی شہروں کے بیچ میں ہیں۔ اہل اسلام ان کے شر سے کبھی بے خوف نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم نے ان سے بے فکری اختیار کی تو بعد میں پچھتانا پڑے گا۔ ہم جہاد کے لیے نکلیں گے اور موسم سرما محاذ پر گزاریں گے۔''①

ناقابل تسخیر کرک مسخر ہو گیا: ادھر سلطان کوکب اور صفد پر حملے کی تیاری کر رہے تھے، ادھر کرک کے محاذ سے قاصد ایک بڑی خوشخبری لے کر دمشق کی منزلیں ناپ رہا تھا۔ سلطان نے شمالی شام کی جانب یلغار سے پہلے فوج کا ایک حصہ کرک کے محاصرے کے لیے روانہ کر دیا تھا۔ کرک پر سلطان کے کئی حملے ناکام ہو چکے تھے۔ یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ واحد قلعہ تھا جس کی فلک بوس فصیلوں نے بارہا سلطان کی دلیر فوج کے حوصلے پست کر ڈالے تھے مگر اس بار سلطان نے یہاں خود وقت ضائع کرنے کی بجائے فوج کے ایک حصے کو سخت محاصرے پر تعینات کر دیا تھا۔ سلطان خود شمالی شام چلے جانے کے باعث کرک سے بہت دور ہو گئے تھے اس لیے کرک کے محاصرے میں مصروف ان کی فوج اہم معاملات میں الملک العادل کی طرف رجوع کرتی تھی جسے سلطان نے مصر سے طلب کر کے جنوبی شام اور شام و مصر کے درمیان اہم محاذوں کی ذمہ داری سونپ دی تھی۔ الملک العادل نے حطین کو مرکز بنا کر ان محاذوں کو سنبھال لیا تھا۔ کرک کا محاصرہ تقریباً آٹھ ماہ جاری رہا تھا۔ قلعے کی فصیلیں تو ناقابل تسخیر تھیں مگر محصورین کی حالت نازک ہو گئی۔ انہوں نے محاصرے پر متعین امراء سے قلعہ سپرد کر دینے کے لیے گفت و شنید شروع کر دی۔ ان کی شرائط یہ تھیں کہ ان کے قلعہ دار ہمفری کو جو ملعون ریجی نالڈ کا بیٹا تھا اور معرکہ حطین میں گرفتار ہوا تھا، رہا کر دیا جائے اور ان سب کو جان کی امان دی جائے۔ امراء نے معاملے کی اہمیت کے پیش نظر الملک العادل سے رجوع کیا۔ آخر کار مذکورہ شرائط پر یہ عظیم الشان قلعہ مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا۔ محصور عیسائی جنہیں فاقوں نے سرنگوں ہونے پر مجبور کر دیا تھا جان سلامت لے کر نکل گئے، ریجی نالڈ کے بیٹے کو بھی رہا کر دیا گیا۔ کرک کے بعد شوبک اور چند دیگر نواحی قلعے وعر، ہرمزا اور سلع بھی مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔②

سلطان کو ریجی نالڈ کے آہنی مورچے کی فتح کی خبر رمضان کی مبارک ساعتوں میں ملی جس سے وہ بے حد مسرور ہوئے اور اس فتح کی خوشخبری کے مراسلے مختلف حکمرانوں کو روانہ کر دیے گئے۔ کاتب عماد

① الروضتین: 4/45، الکامل فی التاریخ: 10/175　② النوادر السلطانیہ: 152، کتاب الروضتین: 4/47

اصفہانی کے تحریر کردہ ایک خط کا اقتباس درج ذیل ہے:

"قلعہ کرک سرنگوں ہوگیا، یہ وہ قلعہ ہے جس کا سرغنہ حجاز مقدس پر قابض ہونے کا عزم کیے ہوئے تھا۔ ہم نے گزشتہ سال اس بد بخت کو موت کا جام پلایا اور اس سال اس کے قلعے پر قابض ہو گئے جس میں وہ پناہ لیا کرتا تھا۔ کفر اسلام میں داخلے پر مجبور ہو گیا اور اس مقام کی فتح سے مسجد الحرام کے راستے مامون ہو گئے۔"①

<u>صفد کا محاصرہ</u>: کرک کی فتح کے بعد سلطان اور ان کی سپاہ کی ہمتیں مزید بلند ہو گئیں، چنانچہ وہ اگلی مہم کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ قاضی بہاؤالدین اس جذبے اور ولولے پر اپنے تاثرات رقم کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"سلطان صفد کی طرف روانہ ہوئے۔ انہوں نے گھر والوں، بچوں اور وطن کی جدائی کا ذرہ بھر خیال نہ کیا، حالاں کہ اس ماہ میں انسان جہاں کہیں بھی ہو، اپنے وطن کی طرف روانہ ہو جاتا ہے تا کہ اپنے گھر والوں کے ساتھ گزار سکے۔"②

اس جہاد میں سلطان کے وزیر قاضی فاضل رحمہ اللہ بھی ہمراہ تھے۔ سلطان مرج برغوث اور مخاضۃ الاحزان سے ہوتے ہوئے ماہ مبارک کے عشرۂ مغفرت کے اواخر میں صفد پہنچے جس کا مشہور قلعہ جھیل طبریہ کے شمال مغرب میں ایک کوہستانی سلسلے کی دیوار دکھائی دیتا تھا۔ اس کے اردگرد نشیبی وادیاں اور گہری کھائیاں تھیں۔ یہ سخت جاڑے کے دن تھے۔ برفیلی ہوائیں چل رہی تھیں، اس کے ساتھ ساتھ طوفانی بارشوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین اور ان کے سپاہی موسم کی شدت کی کوئی پرواہ کیے بغیر روزے بھی رکھ رہے تھے اور مصروف پیکار بھی تھے۔ انہیں یقین تھا کہ اہل قلعہ کی ہمت جلد جواب دے جائے گی کیوں اسلامی فوج نے ایک برس سے صفد کے گردونواح کی ناکہ بندی کر رکھی تھی اور قلعے میں خوراک کے ذخائر یقیناً زیادہ مدت تک محصورین کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔③

<u>صور کے سورما پکڑے گئے</u>: سلطان کے صفد پہنچنے سے قبل قلعۂ کوکب کے نواح میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آ چکا تھا۔ قلعۂ کوکب، صفد سے زیادہ دور نہ تھا۔ کوکب پر سلطان نے گزشتہ سال خود حملہ کیا تھا مگر ناکامی ہوئی تھی اور سلطان اپنے امیر صارم الدین قایماز نجمی کو کچھ سپاہیوں کے ساتھ اس کی نگرانی پر چھوڑ آئے تھے جو تب سے کوکب کی مسلسل ناکہ بندی کیے ہوئے تھا۔

① کتاب الروضتین: 46/4
② النوادر السلطانیہ: 152
③ النوادر السلطانیہ: 152

ادھر صفد اور کوکب پر سلطان کی یلغار کی اطلاعات صور پہنچ چکی تھیں جہاں کونرڈ مارکوئیس نہایت جوش وخروش سے سلطان کے مقابلے کی تیاری کررہا تھا۔ وہ یہ جانتا تھا کہ صفد اور کوکب اسلامی شہروں کے درمیان ان کے آخری مورچے ہیں اور ان کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد دوبارہ شام کے اسلامی شہروں کی آہنی زنجیر کو کاٹنا ازحد دشوار ہوگا۔ اس لیے اس نے ہر قیمت پر ان قلعوں کو بچانے کی تگ ودو شروع کردی۔ اس مہم کی پہلی کارروائی کے طور پر صور سے دوسو (200) چیدہ اور نامور سوماؤں پر مشتمل کمک صفد کی جانب روانہ کردی گئی۔ یہ سورما جنگلوں، وادیوں، برساتی نالوں اور کھائیوں میں چھپتے چھپاتے ہوئے، مسلمانوں کی نظروں سے بچ بچا کر آگے بڑھتے رہے۔

ایک دن جبکہ ان کی اکثریت کسی خفیہ جگہ چھپی ہوئی تھی ان کا ایک آدمی کسی ضرورت سے جنگل کی طرف نکل گیا۔ ممکن ہے وہ آگے راستہ دیکھنے بھالنے جارہا ہو۔ یہ علاقہ قلعۂ کوکب سے قریب تر تھا۔ خوش قسمتی سے کوکب کے محاصرے میں شامل ایک مسلمان سپاہی نے جو اس جنگل میں شکار کھیل رہا تھا، اس عیسائی کو دیکھ لیا اور اسے پکڑ کر پوچھ گچھ شروع کردی۔ کچھ مار پیٹ کے بعد عیسائی نے سب کچا چٹھا کھول دیا۔ سپاہی اسے اپنے امیر قایماز نجمی کے پاس لے گیا جس نے حقیقت سے آگاہ ہوتے ہی مجاہدین کا ایک دستہ عیسائیوں کے خفیہ پڑاؤ پر بھیج دیا۔ وہاں واقعی دوسو فرنگی چھپے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے انہیں بے خبری میں جالیا۔ انہوں نے بھاگ کر گھاٹیوں اور غاروں میں چھپنے کی کوشش کی مگر مسلمانوں نے انہیں ہر گوشے سے ڈھونڈ نکالا اور ایک بھی بچ کر نہ نکل سکا۔ ان گرفتار شدگان میں ہاسپٹلرز (اسبتاریہ) کے دو سردار بھی تھے۔ انہیں سلطان صلاح الدین کی خدمت میں بھیج دیا گیا جو صفد کا محاصرہ شروع کرچکے تھے۔ ٹیمپلرز اور ہاسپٹلرز کی اسلام دشمنی اور ہٹ دھرمی کے باعث سلطان انہیں زندہ چھوڑنے کے قائل نہ تھے۔ ان دونوں سرداروں کو بھی سلطان کی آنکھوں کے سامنے قتل کیے جانے کے لیے بھیجا گیا تھا مگر سلطان کی خدمت میں پہنچتے ہی ان کافروں نے نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کی:

''آپ کا جلوہ اور دمکتا چہرہ دیکھنے کے بعد ہمیں خدشہ نہیں کہ اب ہمیں کوئی گزند پہنچے گی۔''

سلطان پر اس جملے کا ایسا اثر ہوا کہ ان کی سزا کا معاملہ ملتوی کردیا اور حکم دیا کہ انہیں پوچھ گچھ کے لیے حراست میں رکھا جائے۔ ❶

<u>اسامہ بن مرشد کی وفات</u> ❀ اس دوران جبکہ صفد کا محاصرہ جاری تھا سلطان کو ایک حزن انگیز خبر موصول ہوئی۔ <u>شام کے رکن رکین، کہن رسیدہ امیر، ممتاز ادیب وشاعر اسامہ بن مرشد نے داعی اجل کو</u>

❶ الکامل فی التاریخ: 177/10

لبیک کہہ دیا تھا۔ اسامہ بن مرشد 488ھ (1095ء) میں علی بن منقذ نامی سردار کے گھر شام کے سرحدی علاقے شیزر میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے آباؤ اجداد قلعے کے حاکم تھے۔ اسامہ نہایت زندہ دل انسان تھا۔ اس نے جوانی کے ایام شام کی سرحدوں کو فرنگیوں کے حملوں سے بچانے، جنگلوں میں شکار کھیلنے اور مختلف حکمرانوں کی باہمی لڑائیوں میں ایک سرگرم سپاہی کا کردار ادا کرتے ہوئے گزارے تھے۔ اس نے ایک مدت مصر کے عبیدی حکمرانوں کے ماتحت بھی گزاری۔ عمر کے آخری دور میں جبکہ اس کے بال سفید ہو چکے تھے وہ دمشق آگیا تھا۔ یہاں اسے سلطان صلاح الدین ایوبی کی مصاحبت کا موقع ملا۔ یہ 570ھ کی بات ہے۔ وہ تلوار کا دھنی ہونے کے ساتھ ساتھ شعروادب کے میدان کا شہ سوار بھی تھا۔ سلطان ایوبی کو اس کے اشعار بہت بھاتے تھے۔ دمشق میں اس کا مکان العزیزیہ اہل علم وادب کا شبستان تھا۔ اس نے 96 برس طویل عمر پائی اور 23 رمضان 584ھ (14 نومبر 1188ء) کو دار فانی سے رخصت ہوا۔ سلطان کے لیے یہ ایک ناگہانی صدمہ تھا۔ اسامہ نے سلطان کی تعریف میں کہا تھا:

حَسِبْتُ عَلٰی طُوْلِ عُمْرِیَ الْمَشِیْبَا	فَاِنْ کُنْتُ أَکْثَرْتُ فِیْہِ الذُّنُوْبَا
میں اپنی طویل زندگی میں بڑھاپے کی مدح کرتا رہا	اگرچہ میں نے اس دوران بکثرت گناہ بھی کیے
لِاَنِّیْ حُیِّیْتُ اِلٰی اَنْ لَقِیْتُ	بَعْدَ الْعَدُوِّ صَدِیْقًا حَبِیْبًا
کیونکہ مجھے دشمن سے (لڑائی بھڑائی) کے بعد	ایک پیارے دوست سے ملنے تک زندہ رہنا تھا[1]

اللہ کے راستے میں رات کی شب بیداری ❊ صفد کی وادی میں سپاہ اتارتے ہی سلطان نے محاصرے کو سخت تر کرتے ہوئے منجنیقیں نصب کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ چوں کہ بارش کا موسم تھا اور وادی میں ہر طرف کیچڑ تھا، اس لیے منجنیقیں نصب کرنے میں بڑی دشواری پیش آرہی تھی۔ سلطان خود اس عمل کی نگرانی کر رہے تھے تاکہ منجنیقیں صحیح زاویوں پر لگائی جائیں اور نشانے درست بیٹھیں۔ قاضی بہاؤالدین ابن شداد جو سلطان کے مشیر کی حیثیت سے ہمراہ تھے، اس شب کی روداد یوں بیان کرتے ہیں:

''میں اس رات سلطان کی خدمت میں تھا۔ یہ سال کی طویل ترین اور انتہائی سرد رات تھی۔ سلطان نے منجنیقوں کے لیے پانچ مقامات طے کر دیے تھے کہ انہیں وہاں نصب کر دیا جائے۔ سلطان نے کہا:

'آج رات جب تک ہم یہ پانچوں منجنیقیں نصب نہ کرلیں، ہم نہیں سوئیں گے۔'

پھر سلطان نے ہر منجنیق کو ایک ٹولی کے سپرد کر دیا۔ خبر رساں سلطان کو مسلسل اطلاعات دے رہے

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/69، البدایہ والنہایہ: 12/331

تھے اور انہیں آگاہ کر رہے تھے کہ فلاں فلاں منجنیق کی تنصیب کا کام اس حد تک ہو گیا ہے۔ پوری رات یہ سلسلہ جاری تھا یہاں تک کہ صبح کے آثار نمودار ہونے لگے۔ اس دوران منجنیقوں کی تنصیب کا کام مکمل ہو چکا تھا، صرف ان کی نشست باندھنا رہ گیا تھا۔ تب سلطان کی خدمت میں وہ مشہور حدیث سنائی گئی کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے، دو آنکھوں کو آگ نہ چھوئے گی، ایک وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات بھر جاگتی رہی اور وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی۔''①

اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین، رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے جذبے اور جہاد فی سبیل اللہ کے ذوق و شوق کے ساتھ قلعے کا محاصرہ اسی طرح جاری رہا۔ سلطان کی دینداری اور عالی ہمتی کا یہ عالم تھا کہ اس دوران وہ روزے بھی برابر رکھ رہے تھے۔ اکثر امراء اور بہت سے سپاہی بھی روزے دار تھے۔ آخر کار صفد کے نصرانیوں کو یقین ہو گیا کہ سلطان قلعہ فتح کیے بغیر جانے والے نہیں اور اگر انہوں نے ابھی ہتھیار نہ ڈالے تو کل خوراک بالکل ختم ہو جانے پر انہیں بہر حال سرنگوں ہونا پڑے گا مگر تب جان کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں ہوگی۔ چناں چہ اہل صفد نے سلطان سے امان کی شرط پر قلعے کے دروازے کھول دیے۔ یہ آٹھ شوال 584ھ (29 نومبر 1188ء) کا واقعہ ہے۔ بقول عماد کاتب:

''اس دن ہم رمضان کے بعد کے چھ روزے رکھ کر فارغ ہو چکے تھے اور فضیلت صوم و جہاد کو جمع کر چکے تھے۔''

سلطان نے صفد کے نصرانیوں کو صور چلے جانے کی اجازت دے دی جہاں پہلے ہی مختلف مفتوحہ شہروں سے نکالے گئے عیسائی بہت بڑی تعداد میں جمع ہو چکے تھے۔ قلعہ صفد شجاع الدین طغرل جاندار کے سپرد کر دیا گیا۔②

<u>طوفانی موسم اور قلعۂ کوکب کا محاذ</u>:- اب سلطان نے کوکب کے قریبی پہاڑ پر معسکر بنایا اور خود اس کوہ پیکر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ پہلے قاصد کے ذریعے اہل کوکب کو ڈرایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ آخر منجنیقوں سے سنگ باری شروع کی گئی اور درمیان میں وقفے وقفے سے قلعے پر حملے بھی کیے جانے لگے مگر طوفانی ہوا اور تیز بارش کی وجہ سے نہ تو سنگ باری بھرپور انداز میں کی جا سکتی تھی نہ سپاہی زوردار حملوں کے قابل تھے۔ سپاہ کی ہمت بڑھانے اور ان کی براہ راست نگرانی کے لیے سلطان نے اپنا خیمہ معسکر سے ہٹا کر قلعے کے قریب منتقل کرا لیا۔ باقی خیمے بھاری ساز و سامان سمیت وادی میں نصب کرا دیے گئے۔ بقول کاتب عماد:

① النوادر السلطانیہ: 152 ② النوادر السلطانیہ: 152؛ کتاب الروضتین: 4/51؛ الکامل فی التاریخ: 10/176؛ تاریخ ابن خلدون: 5/321

''حالت یہ تھی کہ سیلابی پانی کی کثرت تھی اور ہر طرف تہہ در تہہ کیچڑ تھا۔ بارش مسلسل اشک نشانی میں مصروف تھی۔ خیمے کیچڑ میں ڈوب گئے تھے۔ مگر ہم کھونٹے اکھاڑنے، قدم جمانے، رسوں کے کمزور پڑنے اور خیموں کے گرنے سے زیادہ اہم مسئلے میں مصروف تھے۔''

قاضی بہاؤالدین ابن شداد بتاتے ہیں کہ سلطان نے قلعے کا اتنا تنگ گھیراؤ کر رکھا تھا کہ ان کا خیمہ دشمن کے تیروں کی زد میں تھا۔ خیمے کو محفوظ بنانے کے لیے اس کے گرد گارے اور پتھروں کی دیوار کھڑی کر دی گئی تھی، حال یہ تھا کہ سلطان کے خیمے کے سامنے صرف وہی شخص کھڑا ہو سکتا تھا جو زرہ بکتر میں چھپا ہوا ہو۔

دن گزرتے گئے۔ موسم کی شدت میں کمی آئی نہ فرنگیوں کے دم خم میں فرق آیا۔ محاصرہ طول پکڑ گیا۔ حملوں میں مسلمان شہید بھی ہو رہے تھے اور زخمی بھی کیوں کہ فرنگیوں کو بلندی پر ہونے کی وجہ سے مسلمانوں پر کاری وار کرنے کا موقع میسر تھا اس لیے ہر حملے میں مسلمان نقصان بھی اٹھا رہے تھے۔ ادھر بارش کی وجہ سے وہ وادی جہاں سے سلطان کی سپاہ قلعے پر حملہ کرتی تھیں ایک دلدلی میدان بن گئی تھی جس میں پیدل چلنا بھی مشکل تھا اور سوار ہو کر بھی۔ سلطان کے وزیر قاضی فاضل سلطان کے بھائی سیف الدین کو ایک مکتوب میں میدان جنگ کا حال یوں بتاتے ہیں:

''ہم جب قلعۂ کوکب کے سامنے اترے تو سردی نقطۂ عروج پر تھی، پہاڑوں پر برف باری ہو رہی تھی اور ندی نالے پانی سے بھر کر بہہ پڑے تھے۔ سیلاب کی سرکشی زمین کو پھاڑ رہی تھی اور بلندی میں پہاڑوں کو پہنچ رہی تھی، کیچڑ نے راستوں کو اس طرح بند کر دیا تھا کہ آزاد آدمی بھی بیڑیاں پہنے قیدی کی طرح چلنے پر مجبور تھا، ہم اور سپاہی سخت مشقت میں تھے، دشمن اور موسم دونوں ہمارے مقابلے پر تھے۔''[1]

ان تمام مشکلات کے باوجود سلطان کا حوصلہ بلند رہا اور آخر کار ایک دن انہوں نے فوج کو ہمت دلا کر قلعے پر پے در پے حملے کرنے کا حکم دیا۔ مسلمان پورے جوش و خروش سے بیرونی فصیل پر حملہ آور ہوئے۔ تیر کمان اور تیر چرخ خوفناک سنسناہٹ کے ساتھ چل رہے تھے، کسی وقفے کے بغیر سلطانی سپاہ کا دھاوا اس طرح جاری تھا کہ قلعے کی بیرونی فصیل پر کھڑے فرنگیوں کو سر اٹھانے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ اس ہنگامے کا فائدہ اٹھا کر سلطان کے نقب زن فصیل تک پہنچ گئے اور بنیادوں میں سرنگ کھودنے لگے۔ آخر بیرونی فصیل کا ایک حصہ خوفناک دھماکے کے ساتھ منہدم ہو گیا۔ فرنگی قلعے کی طرف پسپا ہو گئے اور سلطان کے سپاہی منظم انداز میں آگے بڑھتے ہوئے بالائی فصیل پر قابض ہو گئے جو

[1] کتاب الروضتین 66/4

بیرونی فصیل کے بعد اندر مزید بلندی پر تھی۔ اب فرنگیوں کو اپنی شکست سامنے نظر آرہی تھی لہٰذا انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ یہ وسط ذوالقعدہ 584ھ (3 جنوری 1189ء) کا واقعہ ہے۔ سلطان اس مہم کی انجام دہی کے بعد قدرے استراحت کے لیے اپنے معسکر میں آگئے۔ ''کوکب'' اتنے دشوار گزار مقام پر واقع تھا کہ فتح کے بعد کوئی امیر اس کی قلعہ داری کا منصب لینے پر تیار نہ تھا۔ آخر کار صارم الدین قایماز نجمی نے بادل نخواستہ یہ ذمہ داری قبول کرلی۔ ①

قلعۂ کوکب کی فتح کے ساتھ شام کے وسطی اضلاع میں فرنگیوں کے خلاف سلطان صلاح الدین ایوبی کے جہاد کا سلسلہ مکمل ہوگیا۔ اس مہم کی تکمیل پر شام کے مسلمانوں نے مدتوں بعد سکھ کا سانس لیا۔ اب مصر سے حجاز اور شام سے عراق تک کی شاہراہوں پر نصرانیوں کا کوئی قلعہ باقی نہیں رہ گیا تھا جو مسلمانوں کے لیے باعث تکلیف ہوتا۔ قاضی فاضل رحمہ اللہ اس فتح یابی پر اظہارِ مسرت کر کے لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے کلمۂ کفر کو لپیٹ دیا۔ کلمۂ اسلام کو پھیلادیا، پس آج شام کے اضلاع میں کہیں بھی بے ہودہ اور گناہوں پر مبنی صدائیں نہیں سنائی دے رہیں بلکہ ہر طرف سلام ہی سلام کی پکار ہے۔'' ②

آپ کو شکر ادا کرنا چاہیے: فتوحات کی ان مسرتوں کے بعد سلطان کو ایک عجیب اطلاع ملی جو تشویش اور اطمینان دونوں پہلو لیے ہوئے تھی۔ ہوا یہ کہ مصر سے سلطان کی غیر حاضری کے باعث عبیدیوں کے حامی اسماعیلی شیعوں کے ایک گروہ کو یہ خوش فہمی ہوگئی کہ وہاں سلطان کی حکومت گرائی جاسکتی ہے۔ ان احمقوں کو غلط طور پر عوام سے یہ توقع تھی کہ وہ عبیدی حکومت کے قیام میں بھرپور ساتھ دیں گے چنانچہ یہ سازشی عناصر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ پہلے مرحلے میں وہ عوام کی شیعیت میں دلچسپی اور حکومت مخالف سوچ کی پختگی کا اندازہ لگانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ان کے بارہ کارندے تلواریں سونت کر مصر کی گلیوں اور بازاروں میں ''ہائے اولادِ علی! ہائے اولادِ علی'' کے نعرے لگاتے ہوئے گھومنے لگے مگر اس وقت انہیں نہایت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہے بلکہ ان کی حرکات کو ہر جگہ ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جارہا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ نامراد ہوکر منتشر ہوگئے۔ اس دوران سرکاری اہلکار ان کی نگرانی شروع کرچکے تھے۔ چنانچہ ان کو گرفتار کرلیا گیا۔ سلطان کو اس خبر پر مشتمل خط صفد کے محاصرے کے دوران موصول ہوا۔ سلطان جو اس وقت عالمِ اسلام کے دفاع کے لیے سر ہتھیلی پر رکھ کر جہاد کررہے تھے، اس اطلاع کے باعث الجھ سے گئے۔ انہیں محسوس ہوا

① کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 63، ابن خلدون: 5/ 312　② کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 64

کہ مصر میں ابھی سازشی عناصر بڑی تعداد میں زیرزمین موجود ہیں جو آئندہ کسی بھی وقت شدید خطرہ بن سکتے ہیں خاص طور پر یورپ سے متوقع جنگ کے دوران ان کی فتنہ پروری بہت خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔اپنی ذمہ داریوں میں مصر کی دیکھ بھال کا اضافی بوجھ محسوس کر کے سلطان اعصابی تناؤ کا شکار ہو گئے اور انہیں مختلف اندیشوں نے گھیر لیا۔یہ ذہنی تناؤ یہاں تک بڑھا کہ وہ مصر سے آئے ہوئے وفود کو ملاقات کا وقت دیتے ہوئے ناگواری محسوس کرنے لگے۔اہلِ مصر کی گزشتہ بغاوتیں یاد کر کے ان کے منہ سے نکلا:

''ہم کب تک ان کی کارستانیاں برداشت کریں گے جبکہ وہ بہرصورت ہماری اطاعت کا حلقہ اتار پھینکنے پر تلے ہوئے ہیں۔''

مصر سے آئے ہوئے جو وفود سلطان سے ملاقات کے منتظر تھے ان میں وہاں کے چند وزراء کے لڑکے، کچھ امراء اور بعض نیک وصالح معزز اشخاص شامل تھے۔سلطان کی طبعی گرانی کے سبب یہ لوگ بھی پریشان تھے۔خوش قسمتی سے اس دوران سلطان کے معتمد وزیر قاضی فاضل رحمہ اللہ تشریف لے آئے۔سلطان کے ہاں ان کی آمد ورفت پر کوئی پابندی نہ تھی، وہ حاضر ہوئے تو سلطان کی طبیعت میں غیر معمولی تغیر صاف نظر آرہا تھا۔قاضی صاحب نے پریشانی کی وجہ دریافت کی تو سلطان نے یہ صورتحال تفصیل سے ان کے سامنے رکھ دی اور اپنی تشویش سے انہیں آگاہ کیا۔

جہاندیدہ بزرگ نے سلطان کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا:

''آپ کو اس نعمت پر شکر ادا کرنا چاہیے۔پریشان نہیں خوش ہونا چاہیے۔اس واقعے سے آپ کو ازخود اپنی رعایا کی اندرونی کیفیت کا علم ہوگیا ہے کہ عوام آپ کے تابعدار اور آپ کے ارادوں کے ہم آہنگ ہیں۔وہ آپ کے خیرخواہ اور آپ کے دشمنوں سے کنارہ کش ہیں۔کیا ان میں سے کسی ایک نے بھی دشمنوں کی پکار پر لبیک کہا؟ اور کسی نے ان سازشیوں کی پشت پناہی کی؟ اگر آپ خود اپنے بارے میں عوام کی دلی رائے جاننے کے لیے ایک جماعت مقرر کرتے جو اس طرح آپ کے خلاف ہرزہ سرائی کر کے لوگوں کے تاثرات کا اندازہ کرتی تو آپ کو اس کام پر ٹھیک ٹھاک سرمایہ خرچ کرنا پڑتا تب بھی اتنا فائدہ نہ ہوتا جو آپ کو حالیہ حقائق جان کر ہوا۔آپ تسلی رکھیے اور اللہ کے ہاں مرتبہ پانے کے لیے اس کی بارگاہ سے لو لگایئے۔''

قاضی صاحب کا یہ دانشمندانہ جواب سن کر سلطان کی بے چینی میں قدرے کمی ہوئی مگر ابھی طبیعت کی گھٹن باقی تھی، سلطان نے دل کی جلن زبان پر لاتے ہوئے کہا:

''گزشتہ حکمران عوام کو ڈرا کر رکھتے تھے، رعایا ان سے دور بھاگتی تھی کہ ان سے خطرات اور

مصائب کا اندیشہ تھا مگر اب یہی لوگ ہر وقت ہم سے ملنے آتے رہتے ہیں۔ ملاقاتیوں کا تانتا بندھا رہتا ہے، ان لوگوں نے ہمیں تنگ کر دیا ہے، تھکا مارا ہے، سفر ہو یا حضر، یہ دنیا بھر کی باتیں لے کر ہمارے پاس چلے آتے ہیں۔"

قاضی صاحب نے بشاشت کے ساتھ عرض کیا:

"حضرت آپ اس سعادت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے سب سے زیادہ ذمہ دار ہیں۔ آپ کے زیر کفالت لوگ کہاں کہاں آباد ہیں۔ دیکھئے مصر میں آپ کے کتنے نائبین ہیں، ان کے کتنے حشم وخدم ہیں، کتنے امراء اور ماتحت اہلکار ہیں، کتنے خواص ہیں، ان میں سے ہر ایک اپنے انعام واکرام کے چمن میں مخلوقِ خدا کی خدمت کر رہا ہے۔ پھر شام کے ہر شہر میں بھی آپ کی جانب سے ایک والی متعین ہے، ہر جگہ ایک ذمہ دار کا تقرر ہے، ان میں سے ہر ایک اپنی رعیت کو نوازنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر دوسری ریاستوں میں کتنے حکام آپ کے ماتحت ہیں۔ یہ سب بکھرے ہوئے لوگ آپ ہی کے آستانے سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی لیے وفد بنا کر آپ ہی کی بارگاہ میں حاضری دیتے ہیں۔ آپ کا وجود اور آپ کی جود وسخا ہی ان سب کا آخری سہارا ہے۔ پس آپ کو ان وفود کے ساتھ اکرام واعزاز کا معاملہ ہی کرتے رہنا چاہیے۔" [1]

قاضی فاضل رحمہ اللہ کی اس حکیمانہ گفتگو نے سلطان کی تشویش کو یکسر دور کر دیا، ان کا دل تشکر کے احساس سے لبریز ہو گیا۔ آنسو بہہ بہہ کر رخساروں کو تر کرنے لگے۔ انہیں اپنی چند لمحوں پہلے کی سوچ پر ندامت ہوئی اور انہوں نے قسم کھا کر کہا:

"جب تک زندگی باقی ہے، کبھی کسی ملاقاتی کو واپس نہیں لوٹاؤں گا، نہ کسی آنے والے کو روکوں گا۔"

سلطان نے اسی وقت بازیابی کے منتظر وفود سے ملاقات کی اور ان سے خندہ پیشانی کے ساتھ گفت وشنید کر کے اپنے طرزِ عمل کی فوری تلافی کی۔ [2] ...... بغداد کے شاعر ابوالفتح سبط ابن التعاویذی نے اس واقعے کے پس منظر میں سلطان صلاح الدین ایوبی کو چند اشعار لکھ کر بھیجے اور ان کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

فَلا يُضجِرَنَّكَ ازْدِحامُ الوُفود عَلَيْكَ وَكَثْرَةُ مَاتُبْذِلُ

"آپ ملاقاتیوں کے رش اور اخراجات کی کثرت سے پریشان مت ہوں"

فَإنَّكَ فِی زَمَانٍ لَيْسَ فيه جَوَادٌ سِواكَ ولا مُفْضِلُ

---

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/61،62

[2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/62، الکامل فی التاریخ: 10/178

''کیونکہ اس زمانے میں آپ کے سوا نہ کوئی سخی ہے نہ کوئی فضل وکرم کرنے والا۔''[1]

عماد کاتب کی روایت کے مطابق اس واقعے کے بعد سلطان نے مصر میں اپنے عمال کی معاونت کے لیے قاضی فاضل کو بھیجنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ قاضی صاحب نے سفر کی تیاری کر لی۔[2]

مسلم حکمران غفلت کی نیند سو رہے تھے: اس سے پہلے کہ ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کی زندگی کے آخری اور سب سے پرخطر مرحلے میں داخل ہوں ذرا ایک نظر عالم اسلام پر ڈالتے ہیں کہ ان دنوں وہاں کیا ہو رہا تھا؟ سلطان صلاح الدین ایوبی کے جہاد فی سبیل اللہ سے دیگر خطوں کے مسلم حکمران کیا سبق حاصل کر رہے تھے؟ آیا انہیں اس آتشیں آندھی کا کچھ اندازہ تھا جو مغربی افق سے امنڈ کر عالم اسلام کے ساحلوں کو بھسم کرنے والی تھی؟ کیا وہ ان بجلیوں کی کڑک سن رہے تھے جو بلاد اسلامیہ کے قلب وجگر کو خاکستر کر کے اس کی بڑی بڑی مملکتوں کی دھجیاں اڑا دینے کے لیے تیار تھیں؟؟ کیا والیانِ عالم اسلام نے ان خطرات کے مقابلے کے لیے کوئی منصوبہ بندی یا کوئی حکمت عملی طے کی تھی؟ اور کیا یورپی اتحاد کے بالمقابل کسی اسلامی اتحاد کے وجود میں آنے کے امکانات روشن تھے؟؟

ان دنوں ہر مسلمان کے لیے یہ تمام سوالات نہایت اہم تھے مگر...... ان کے جوابات یقیناً بے حد مایوس کن تھے۔ صرف دو مثالوں سے اس ناخوشگوار صورتحال کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

① سلطان صلاح الدین ایوبی کی ہم عصر حکومتوں میں سے سلطنت خوارزم اہم حیثیت رکھتی تھی۔ ماوراء النہر کے مردم خیز خطے کی اس اسلامی سلطنت میں دو عشروں سے اقتدار کی خوں ریز جنگ جاری تھی۔ دو بھائی سلطان شاہ اور علاؤ الدین تکش خوارزم کے دارالحکومت ''اورگنج'' پر اپنا اپنا حق جتا رہے تھے اور ان کے درمیان کشت وخوں کا سلسلہ ان گنت مسلمانوں کی جانوں کے ضیاع کا سبب بن رہا تھا۔

② خوارزم تو پھر خاصا دور تھا مگر سلطان کی عراقی سرحدوں کے قریب عالم اسلام کا مرکز بغداد تھا، اس مرکز ہی سے طرح طرح کے فتنے پھوٹ رہے تھے۔ خلیفہ بغداد الناصر لدین اللہ سلاجقہ عراق کے آخری حکمران طغرل سے دشمنی رکھتا تھا۔ طغرل اور قزل باہم اقتدار کی رسہ کشی میں مصروف تھے جبکہ خلیفہ ایک کی پیٹھ ٹھپکنے اور دوسرے کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف تھا۔ جن دنوں سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ لاذقیہ اور جبلہ کے میدانوں میں نصرانیوں سے جہاد کر رہے تھے، خلافت بغداد سلطان طغرل کے خلاف لشکر کی تیاری میں مصروف تھی۔ 3 صفر 584ھ (2 اپریل 1188ء) کو خلیفہ نے اپنے وزیر عبیداللہ بن یونس کو فوج کا قائد بنا کر محاذ کی طرف روانہ کیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو یہ ناخوشگوار

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/62 [2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/62

اطلاع اس وقت ملی جبکہ وہ نصرانیوں کے خلاف محاذ پر جا رہے تھے۔ یہ خبر سنتے ہی انہوں نے کہا:

''بس یوں سمجھو کہ تمہیں اہل بغداد کی شکست کی اطلاع پہنچ چکی۔''

''آپ نے یہ اندازہ کیسے لگایا؟'' حاضرین نے حیرت سے سوال کیا۔

''میں یہ اندازہ اس طرح لگا سکتا ہوں کہ میرے ساتھی خلیفہ کے وزیر کی بہ نسبت بہت جنگ آزمودہ ہیں، میری فوج بغدادی فوج کی بہ نسبت نظم وضبط کی زیادہ پابند ہے مگر اس کے باوجود جب میں اپنے کسی ساتھی کو لشکر کا امیر بنا کر جنگ کے لیے بھیجتا ہوں تو مجھے اس کی فکر لگی رہتی ہے۔ ادھر یہ بغدادی وزیر خود بھی جنگی معاملات سے ناواقف ہے اور اس کے افسران بھی نظم وضبط سے عاری ہیں مگر خلیفہ نے بڑی بے فکری سے اسے سلطان طغرل کے مقابلے میں روانہ کر دیا ہے جو نہ صرف خود دلیر اور تلوار کا دھنی ہے بلکہ اس کے سپاہی بھی اس کے تابعدار ہیں۔''

سلطان کی یہ پیش گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ 8ربیع الاوّل (7 مئی 1188ء) کو ہمدان کے قریب خلیفہ اور سلطان طغرل کی افواج کا ٹکراؤ ہوا۔ کچھ دیر کی خوں ریز جنگ کے بعد بغداد کے راحت پسند افسران اور سالار میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے اور سپاہیوں نے ان کی تقلید کی۔ صرف وزیر جسے سپہ سالار کی حیثیت دی گئی تھی میدان میں ڈٹا رہا۔ وہ ایک ہاتھ میں قرآن مجید اٹھائے ہوئے تھا اور دوسرے میں شمشیر۔ طغرل کی سپاہ نے اسی حالت میں اسے گرفتار کر لیا۔ بغدادی لشکر کا چھوڑا ہوا مال غنیمت بے حساب تھا جس میں خزانہ، اسلحہ خانہ، سواری کے جانور اور ان گنت مویشی تھے۔ یہ سب کچھ سلطان طغرل نے سمیٹ لیا۔ دو بڑے مسلمان حکمرانوں کی اس جنگ سے ایک طرف تو عالم اسلام کا ہر دردمند شخص دلگیر ہوا اور دوسری طرف اس کے بڑے ذمہ داروں یعنی خلیفہ اور اس کے ارکان دولت کی سخت سبکی ہوئی۔ ❶

اس موقع پر بغداد کے ایک شاعر احمد بن واثق کے یہ طنزیہ اشعار دور دور تک مشہور ہو گئے:

ۃ رَ کلّٰہُ و زِقِیَنُ لَہ تَہ تَہ ا　　فَ لِہ ھُ ھٰذَا جُنُدُ سَنا تَہ قیمَہ
وزیر صاحب کی برکتیں ہمارے شامل حال ہیں تب ہی تو ہمارے تمام معاملات ٹھیک ٹھاک ہیں

خَ رَجُحِتْ تُنُ دِنلِحُ لِرُ اسان　　جَ یہ یٰۃ بِعَاُ ۃ بھاتَہ طیمہ
ہمارا لشکر سارے خراسان کو فتح کرنے کا عزم کر کے عظیم الشان ساز وسامان کے ساتھ روانہ ہوا

بِخُ یَۃ لِہَعُ لُ وَ قِہ لِہ ید　　دَ سُ یبوفِی رَ بلِقِدِیمہ
اس کے ساتھ گھوڑے، مال ومتاع، بکثرت سپاہی اور مدتوں سے آزمائی ہوئی تلواریں تھیں

❶ الکامل فی التاریخ: 10/ 178

وَوَزِيرٍ وَطَاقٍ طُنُبٍ وَنَقْشٍ وَخُيُولٍ مُعَدَّةٍ لِلْهَزِيمَةِ
وزیر صاحب خیمے، ڈیرے، سامان اور ایسے گھڑ سوار ساتھ لے جا رہے تھے جنہیں فرار کی تربیت دی گئی تھی
هُمْ رَأَوْا غُرَّةَ الْعَدُوِّ وَقَدْ أَقْبَلَ وَلَّوْا وَانْحَلَّ عَقْدُ الْعَزِيمَةِ
جب انہوں نے اچانک آدھمکنے والے دشمن کی چال دیکھی تو پشت پھیر کر بھاگ نکلے اور ان کے عزائم کی گرہ کھل گئی

سلطان صلاح الدین مسجد اقصیٰ میں ﷺ اسلامی دنیا کے عاقبت نااندیش حکمرانوں کی محاذ آرائی اور انتشار در انتشار کے باوجود سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے مورچے پر ڈٹے ہوئے تھے، ان کی زندگی کا ہر لمحہ اب صرف اور صرف عالم اسلام کے دفاع اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف ہو کر رہ گیا تھا۔ صفد اور حصن کوکب کی شاندار فتوحات کے بعد فتوحات کا ایک کٹھن مرحلہ مکمل ہو چکا تھا اس لیے سلطان نے اکثر سپاہیوں کو رخصت دے دی۔ ان کی بڑی تعداد گھروں کو روانہ ہو گئی۔ سلطان کوہستانی سلسلے سے مڑ کر نشیبی علاقوں کی طرف آ گئے۔ قاضی فاضل رحمۃ اللہ علیہ یہاں سلطان سے رخصت لے کر مصر روانہ ہو گئے اور سلطان انہیں الوداع کہنے گھوڑے پر سوار ہو کر قافلے کے ساتھ دور تک گئے۔ سلطان نے مصری افواج کو بھی واپسی کی اجازت دے دی جو الملک العادل کی کمان میں تھیں۔

اب سلطان صلاح الدین ایوبی اگلی متواتر مہمات سے پہلے ایک بار مسجد اقصیٰ میں نماز عید ادا کرنے کی زبردست خواہش محسوس کر رہے تھے۔ وہ صحرائے بیسان کی طرف آئے اور جمعہ کے دن ذی الحجہ کا چاند نظر آنے پر کوچ کیا۔ اس موقع پر کاتب عماد اصفہانی بیماری کے باعث سلطان سے اجازت لے کر دمشق روانہ ہو گئے جبکہ سلطان اپنے بھائی الملک العادل کے ہمراہ "الغور" کے راستے سے بیت المقدس کی طرف خراماں خراماں چلے جا رہے تھے۔ القدس کا ہر ذرہ ان کے دل کی دھڑکنوں کو کھینچ رہا تھا۔

جمعہ 8 ذی الحجہ 584ھ (27 جنوری 1189ء) کو وہ ارض مقدس پہنچ کر مسجد اقصیٰ میں گنبد صخرہ کے سائے تلے نماز جمعہ ادا کر رہے تھے۔ القدس کے در و دیوار اس مجاہد اسلام کو اپنے درمیان پا کر مسرت سے جگمگاتے محسوس ہوتے تھے۔ اتوار کے دن یہیں نماز عید الاضحیٰ ادا کر کے اس مرد خدا نے قبلہ اوّل کو الوداع کہا کیوں کہ ابھی اسے القدس کی حفاظت کے لیے اَن تھک جدوجہد کرنا تھی، بے شمار لڑائیاں لڑنا تھیں۔ قبلہ اوّل کو دوبارہ کفار کے چنگل میں جانے سے بچانے کے لیے سلطان کو ابھی امتحانات کے کئی سمندر عبور کرنا تھے اس لیے آرام سے بیٹھنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

بقر عید کے دوسرے دن سلطان شام اور مصر کے درمیان واقع ساحلی شہر عسقلان کے معائنے کے

---
1 الروضتین: 4/179

لیے روانہ ہوئے۔ وہاں کے دفاعی انتظامات کے جائزے اور مناسب ہدایات دینے کے بعد انہوں نے اپنے بازوئے شمشیر زن الملک العادل کو عسقلان کی ذمہ داری سے سبک دوش کر کے کرک کی ولایت سونپی اور ساتھ ہی تاکید کی کہ وہ فوراً مصر واپس جا کر وہاں کے انتظامات میں الملک العزیز کی مدد کرے۔

سلطان کے بلند عزائم ﷺ اس کے بعد سلطان نے اپنی فوج کو عسقلان میں چھوڑ کر تھوڑے سے سپاہیوں کے ہمراہ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ شمال کا رخ کیا تا کہ عکا تک تمام ساحلی قلعوں اور شہروں کے حفاظتی انتظامات کا جائزہ لے کر انہیں بہتر بنایا جا سکے۔ سلطان کے امراء نے انہیں منع بھی کیا کہ وہ اس طرح مختصر سی فوج کے ساتھ ساحلی شاہراہ پر سفر نہ کریں کیونکہ فرنگیوں کی بہت بڑی تعداد صور میں جمع تھی جو زیادہ دور نہیں تھا مگر سلطان کسی اندیشے کو خاطر میں نہ لائے اور ساحلی شہروں کے معاینے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

ساحلی شاہراہ پر اس سفر میں قاضی ابن شداد بھی سلطان کے ساتھ تھے۔ سردی اور طوفانی ہوا کی وجہ سے سمندر میں زبردست تلاطم تھا جسے دیکھ کر قاضی صاحب پر ایک ہیبت طاری ہوگئی۔ وہ سوچنے لگے کہ وہ لوگ کتنے کم عقل ہیں جو چند دیناروں اور درہموں کے لیے سمندر میں سفر کرتے ہیں۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ سلطان نے کہا:

''میرے دل میں یہ بات آرہی ہے کہ جب میں ساحل کے باقی شہر بھی فرنگیوں سے واپس لے لوں تو پھر تمام مفتوحہ علاقے اپنے نائبین میں تقسیم کر دوں، وصیت لکھوا کر انہیں الوداع کہہ دوں۔ پھر خود سمندر میں نکل جاؤں اور اس کے جزیروں کو فتح کرتا چلا جاؤں یہاں تک کہ اسی مہم میں مجھے موت آجائے یا دنیا میں کہیں بھی کفر باقی نہ رہے۔''

قاضی صاحب فرماتے ہیں یہ سن کر مجھے یقین ہوگیا کہ سلطان سے بڑا بہادر اور اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے بے تاب شخص روئے زمین پر موجود نہیں۔

النوادر السلطانیہ: 153، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/59، البدایہ والنہایہ: 12/331
النوادر السلطانیہ: 54، 55

فصل:4

شقیف ارنوم

نئے ہجری سال کا آغاز ہوا تو سلطان صلاح الدین ایوبی عکا میں مقیم تھے۔اب محرم 585ھ (فروری 1189ء) برس میں وہ 53 برس کے ہو چکے تھے۔ان کے بالوں کی سیاہی پر سفیدی غالب آ رہی تھی۔ان کے چہرے پر ابھرنے والی تفکرات کی لکیریں اب ہلکی ہلکی جھریوں کی شکل اختیار کرنے لگی تھیں۔جسم وجان کی وہ توانائیاں جس کے ساتھ وہ عمر عزیز کا ہر لمحہ جہادی پر مشقت زندگی میں گزار رہے تھے دھیرے دھیرے کمزور پڑتی جارہی تھیں۔اب یقیناً ان کو آرام کی ضرورت تھی……ایک طویل آرام کی۔مگر حقیقت یہ تھی کہ ابھی ان کی جہادی زندگی کا سب سے شدید اور جاں گسل مرحلہ باقی تھا۔سو اب آرام کی مہلت کہاں تھی۔وہ خطرناک اور مہیب دن ابھی پردۂ غیب میں تھے جن کی صعوبتیں ہڈیوں کا گودا پگھلانے کے لیے کافی تھیں البتہ ان حالات کی تمہید بننے والے واقعات مرحلہ وار تیزی سے سامنے آ رہے تھے۔

عکا میں سلطان نے مصر سے اپنے معتمد امراء بہاؤالدین قراقوش اور حسام الدین بشارہ کو طلب کر کے انہیں عکا کی فصیل، قلعے اور دیگر دفاعی انتظامات کو ناقابل شکست بنانے کا کام سونپ دیا تھا کیونکہ ان کی چھٹی حس انہیں خبردار کر رہی تھی کہ عکا اپنے محل وقوع کے لحاظ سے مستقبل قریب میں دشمن کے سخت ترین وار کا نشانہ بن سکتا ہے۔سلطان محرم کے اواخر تک عکا میں ٹھہرے رہے۔اپنی موجودگی میں تعمیراتی کام شروع کرا کے مہینے کے آخر میں انہوں نے کوچ کیا۔

یکم صفر (21 مارچ 1189ء) کو سلطان نے دمشق پہنچ کر ملک کے اہم داخلی معاملات پر توجہ دی۔ اپنے غلام فارس الدین کو شہروز کا پروانہ حکومت عطا کیا اور دمشق میں اپنے نائب بدرالدین مودود کے منصب کی تجدید کی،سلطان کچھ دنوں کے لیے طبریہ بھی گئے اور وہاں چند اہم معاملات طے کرنے کے بعد جلد ہی دمشق لوٹ آئے۔

سلطان نے ماہ صفر کے ایام دمشق میں گزارے جہاں ان کا معمول تھا کہ دارالعدل میں بیٹھ کر عوام کی

شکایات اور مقدمے سماعت کرتے تھے۔ [1]

<u>سفیرِ بغداد دربارِ سلطانی میں</u> ایک دن دمشق میں غیر معمولی چہل پہل دکھائی دے رہی تھی۔ اس دن خلیفۂ بغداد الناصر کے سفیر یہ پیغام لے کر دمشق پہنچے تھے کہ خلیفہ نے اپنے بیٹے ابو نصر محمد کو ولی عہد مقرر کر دیا ہے لہٰذا آئندہ جمعہ کے خطبہ میں خلیفہ کے ساتھ ولی عہد کا نام بھی لیا جائے۔ [2]

سلطان نے اس حکم پر عمل درآمد یقینی بنایا۔ سفیروں کی آمد کے تیسرے دن جمعہ 13 صفر 585ھ (کم اپریل 1189ء) کو جامع اموی دمشق کے خطیب نے خطبہ دیا تو خلیفہ کے ساتھ ولی عہد کے لیے بھی دعا کی۔

دربارِ خلافت کے سفیروں کی واپسی کا جلوس بھی قابل دید تھا۔ سلطان نے شیخ قاسم بن یحییٰ المشہر وزی کو نمائندہ بنا کر خلیفہ کے لیے نادر و نایاب تحائف روانہ کیے تھے۔ ان میں دو چیزیں سب سے عجیب تھیں۔ ایک تو کچھ فرنگی قیدی تھے جنہیں اسی وضع قطع کے ساتھ روانہ کیا گیا جس میں وہ گرفتار کیے گئے تھے۔ وہ اپنی وردیاں اور زرہیں پہنے ہوئے تھے اور ان کے چہروں پر ذلت و خواری چھائی ہوئی تھی۔ دوسرا عجیب تحفہ پیتل کی وہ صلیب تھی جو گنبد صخرہ کی چوٹی پر نصب تھی جس پر سونے کا کام کیا گیا تھا۔ بغداد میں ان تحائف کو حیرت اور دلچسپی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ [3]

<u>قلعۂ شقیف ارنوم</u> اب وہ وقت آ گیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو صور پر فیصلہ کن حملہ کر دینا چاہیے تھا۔ سلطان خود اس کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ ان کا لشکر از سرِ نو تیار ہو رہا تھا۔ مگر دوسری طرف دشمن نے سلطان کو الجھانے اور ان کا وقت ضائع کرنے کی منصوبہ بندی کر لی تھی اور اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر ساحل پر یورپی افواج اتارنے کی تیاریاں کر لی گئی تھیں۔

اگرچہ بظاہر سلطان صلاح الدین ایوبی کسی طرح وقت ضائع کرتے نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ پوری طرح متحرک تھے۔ وہ دمشق میں زیادہ دن نہیں رکے۔ 3 ربیع الاول 585ھ (21 اپریل 1189ء) کو نماز جمعہ ادا کرتے ہی وہ مغربی ساحل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ''مرج فلوس'' سے ہو کر دوسرے دن ''مرج برغوث'' پہنچے جہاں 11 ربیع الاوّل تک ان کا لشکر جمع ہوتا رہا۔ سلطان نے کوچ کیا تو پہلے ''بانیاس'' اور پھر ''مرج عیون'' پر منزل کی۔

<u>بانیاس سے ذرا دور صور کے راستے میں نصرانیوں کا ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا جسے دو سال پہلے ہی تعمیر</u>

[1] النوادر السلطانیۃ: 154، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 63، 64، الکامل فی التاریخ: 10/ 180

[2] دلچسپ بات یہ ہے کہ اس ولی عہد کے اقتدار کی باری آتے آتے 37 سال گزر گئے، اس دوران دیگر ملکوں میں کئی کئی حکمران آ کر گزر گئے۔ اس کی ولی عہدی کا اعلان 585ھ میں ہوا اور اس کو خلافت 623ھ میں ملی اور وہ "ظاہر" کے لقب سے خلیفہ بنا مگر جب تک خود اس کے بال سفید ہونے لگے تھے۔ وہ کہتا تھا: "ہم نے دکان اس وقت کھولی جب شام ہو چکی ہے" 37 سال کے انتظار کے بعد ملنے والی مسندِ خلافت پر اسے صرف 9 ماہ تک بیٹھنا نصیب ہوا کیونکہ اس کی مدتِ حیات اتنی ہی تھی۔

[3] النوادر السلطانیۃ: 154، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 65، 66

کرایا گیا تھا۔ مسلمان اسے شقیف ارنوم یا حصن ارنون اور عیسائی بالفورٹ کہتے تھے۔ یہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر تھا جس کے دامن میں معیطہ ندی بہتی تھی۔ قلعے کا ایک حصہ پہاڑ کی چٹانیں کاٹ کر اور دوسرا اینٹوں اور پتھروں سے چن کر بنایا گیا تھا۔ نصرانیوں نے اسے تعمیر کرنے میں فن تعمیر کی انتہا کر دی تھی۔ اس قلعے کی بنیادیں ایک مستطیل سطح مرتفع پر رکھی گئی تھیں اور دیواریں گہری گھاٹیوں کے کناروں سے بالکل سیدھی اوپر اٹھائی گئی تھیں۔ ایک جانب سے پانی کے گہرے تالاب اور سطح مرتفع کی طرف سے گہری گھاٹی نے اسے بے حد محفوظ بنا دیا تھا۔ گھاٹی کو مزید خطرناک بنانے کے لیے اس کے دونوں سرے بند کر کے اس میں پانی چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس ہیبت ناک قلعے کے سپاہی کسی بھی حملہ آور فوج کو خطرناک ڈھلوانوں سے نیچے دھکیل کر آسانی سے تباہ کر سکتے تھے۔ کوئی فوج اس کے پہرے داروں سے چھپ نہیں سکتی تھی۔

گھاٹی کے پرے ایک دشوار گزار چوٹی پر 23 فٹ بلند دیوار کا احاطہ تھا جس کے کونوں پر بنائے گئے برجوں سے لبنان، کوہ ہرمون اور ساحل سمندر تک کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ دو سال سے مسلمانوں نے اس زیر تعمیر قلعے پر توجہ نہیں دی تھی۔ یہ غفلت خطرناک تھی۔ اس کا قلعہ دار صیدا کا سابق حاکم ریجی نالڈ تھا۔ کرک کے واصل جہنم ہونے والے ریجی نالڈ کا یہ ہم نام شخص حطین کے معرکے سے زندہ بچ نکلنے والے چند اہم عیسائی رہنماؤں میں سے ایک تھا۔

گزشتہ سال اپنے ساحلی شہر صیدا پر سلطان کے حملے کے موقع پر بھی یہ جان بچا کر بھاگ نکلا تھا اور شقیف ارنوم (بالفورٹ) میں مورچہ زن ہو گیا تھا۔ تجربے اور مکر و فریب میں وہ کرک کے ریجی نالڈ سے کم نہ تھا۔ اہلِ عرب کرک کے ''ریجی نالڈ'' کی طرح اسے بھی ''ارناط'' کہتے تھے، شام کے عیسائی امراء میں وہ نہایت ممتاز حیثیت رکھتا تھا اور ایک دنیا اس کے علم و فہم اور تجربے کی قائل تھی۔ اس کی مکاری کا یہ عالم تھا کہ سلطان صلاح الدین جیسا عبقری انسان بھی اس کے بچھائے ہوئے دام میں آ گیا۔

مرج عیون میں سلطان کو کچھ دنوں تک بہر حال رکنا تھا تاکہ دور دراز کے صوبوں کی افواج یہاں جمع ہو جائیں۔ اس وقت سے فائدہ اٹھانے کے لیے قدرتی طور پر ہر مسلمان سپاہی یہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ اس دوران شقیف ارنوم کو فتح اور ریجی نالڈ جیسے خطرناک دشمن کو سرنگوں کر لیا جائے۔ یہی سوچ کر سلطان ان کے کئی امراء اور سپاہی روزانہ شقیف ارنوم کی طرف جاتے اور اس کے ارد گرد چکر لگا کر لوٹ آتے۔ اس قلعے کو فتح کرنا اس لحاظ سے بھی اہم تھا کہ یہاں سے صور جانے والے اسلامی قافلوں پر حملے کیے جا سکتے تھے۔ اگر مسلمان اسے چھوڑ کر چلے جاتے تو ان کی خوراک و رسد قلعے کے نصرانیوں کے حملوں کی زد میں رہتی اور ان کی کمک کا نظام بھی متاثر ہوتا۔

ان تمام پہلوؤں کے پیش نظر قلعے کا محاصرہ کرلیا گیا۔ ریجی نالڈ نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان اس کے قلعے کو فتح کیے بغیر آگے نہیں بڑھیں گے تو اس نے نہایت مکاری سے کام لیتے ہوئے سلطان کے دل میں جگہ بنانے کی کوشش شروع کردی۔ وہ خود سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور خیمے کے پردے کے سامنے کھڑے ہوکر باریابی کی اجازت طلب کی۔ سلطان نے اسے اندر بلوالیا۔ ریجی نالڈ بہت اچھی عربی جانتا تھا۔ عربی ادب کا مطالعہ کرتا تھا، تفسیر، احادیث اور اسلامی تاریخ سے بھی واقف تھا۔ مشہور تھا کہ اس نے اسلامی تعلیمات سیکھنے کے لیے عالم اور قاری حضرات کو اپنے ہاں رکھا ہوا ہے۔ اسی پس منظر میں سلطان نے اسے بڑی عزت دی اور قریب بٹھا کر خلعت سے نوازا۔ کھانے کی مجلس میں بھی وہ سلطان کے ساتھ شریک رہا۔ مجلس طعام کے بعد ریجی نالڈ نے سلطان سے تنہائی میں کچھ رازدارانہ باتیں کہنے کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر اس نے بڑے محو پیرائے میں سلطان سے عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"مجھے آپ سے بے حد محبت ہے، آپ کے احسانات کا میں ہمیشہ معترف رہا ہوں۔ میں آپ کا بے دام غلام ہوں۔"

پھر اس نے سلطان کو اطمینان دلایا کہ وہ قلعہ ان کے حوالے کردے گا۔ صرف ایک شرط ہے کہ اسے دمشق میں رہائش کے لیے ایک مکان اور گزراوقات کے لیے کوئی جاگیر دے دی جائے کیوں کہ اتنا بڑا قلعہ مسلمانوں کے سپرد کرنے کے بعد فرنگیوں پر اس کی اسلام دوستی عیاں ہوجائے گی اور وہ اس کے دشمن بن جائیں گے۔ لہٰذا وہ عیسائی معاشرے میں رہنے کے قابل نہیں رہے گا۔

اتنے اہم قلعے کے بدلے دمشق میں مکان اور کوئی جاگیر دینا کوئی مہنگا سودا نہ تھا۔ چنانچہ سلطان نے بخوشی اس کی شرط کو مان لیا مگر جب دوران گفتگو قلعہ حوالے کرنے کی تاریخ کا معاملہ سامنے آیا تو اس نے نہایت مسکین صورت بنا کر اپنی مجبوریوں کی فرضی داستان سنائی اور کہا:

"میں تو یہ قلعہ کسی پس و پیش اور تکلیف کے بغیر ہی آپ کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہوں مگر بات دراصل یہ ہے کہ میرے بیوی، بچے رشتہ دار اور کچھ قریبی متعلقین ابھی صور میں کونرڈ مارکوئیس کے پاس ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے ابھی سے قلعہ آپ کے حوالے کردیا تو کونرڈ کو میری اور آپ کی خفیہ دوستی کا علم ہوجائے گا اور وہ میرے اہل وعیال اور متعلقین کو عذاب میں ڈال دے گا۔"

پھر اس نے سلطان کی نرم خوئی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا:

"میری گزارش یہ ہے کہ آپ مجھے اتنی مہلت دے دیں کہ میں اپنے اہل وعیال کو کونرڈ کے چنگل سے چھڑا لوں۔ پھر میں اور میرے بیوی بچے سب آپ کے سایۂ عاطفت میں آجائیں گے اور

قلعہ آپ کے حوالے کردیں گے۔ آپ ہمارے گزارے کے لیے جو جاگیر دیں گے ہم اسی پر قناعت کریں گے۔"

سلطان اس فرنگی کی باتوں پر یقین کرتے ہوئے اسے مہلت دینا منظور کرلیا مگر ساتھ ہی معاملے کی وضاحت کے لیے یہ پوچھ لیا کہ اسے اپنے بیوی بچوں کو صور سے بلوانے میں زیادہ سے زیادہ کتنے دن لگیں گے؟ اس نے تین ماہ کی مدت بتائی۔ معاہدے کے مزید وثوق کے لیے اس نے یہ بھی یقین دلایا کہ وہ آج سے لے کر تین ماہ کی مدت تک روزانہ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہے گا۔ اس طرح کی بات چیت سے اس نے سلطان کو اپنے مخلص ہونے کا یقین دلا دیا۔ اس کی درخواست پر سلطان نے اسے اس سال اپنے علاقے کی پیداوار وصول کرنے کی بھی اجازت دے دی۔ یہ سارا معاہدہ وسط ربیع الاول میں طے پایا تھا اس لحاظ سے 18 جمادی الثانیہ کو اس کی مدت ختم ہو رہی تھی۔ ۞

__فتح شوبک__ ۞ حصن شقیف کے محاصرے کے دوران سلطان کو قلعہ شوبک کی فتح کی خبر ملی۔ یہ عظیم قلعہ کرک کے جنوب میں واقع تھا۔ سلطان کے سپاہیوں نے ایک سال سے اس کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ کرک کے سرنگوں ہونے کے بعد اس کی تسخیر سے شام سے مصر جانے والی شاہراہ مکمل طور پر محفوظ ہوگئی۔ ۞

__مغرب سے اُٹھتے ہوئے شعلے__ ۞ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ سورج روز مشرق سے طلوع ہو کر مغرب میں چھپ رہا تھا۔ چاند کی گردش کسی توقف کے بغیر جاری تھی۔ موسم بہار کے خوشگوار دن ست رہے تھے اور موسم گرما باد سموم کے لشکر لیے چلا آرہا تھا۔ سلطان شقیف ارنوم کے سامنے یوں رک گئے تھے جیسے ان کے طوفانی دھاووں کا سیلاب کسی غیر مرئی حصار سے ٹکرا کر آگے بڑھنے کے قابل نہ رہا ہو۔

جوں جوں دن گزرتے جارہے تھے سلطان کا اطمینان بے چینی میں بدل رہا تھا۔ ساحلِ شام کے تشویش ناک حالات سلطان کے سامنے تھے مگر یورپ سے عیسائیت کی مشترکہ یلغار کا خطرہ ان تمام پریشان کن تصورات سے کہیں بڑھ کر تھا۔ یہ وہ بھیانک خواب تھا جو اب حقیقت بننے کو تھا۔ مغرب سے اٹھتے ہوئے جنگ کے شعلوں کی تپش ساحلِ شام تک محسوس ہونے لگی تھی۔ یورپ کسی تنور کی مانند تپ رہا تھا جس کے دھانے سے بلند ہوتے سیاہ دھوئیں کے مرغولے عالم اسلام میں دیکھے جاسکتے تھے۔ مغرب سے چلنے والی تند ہوا کا ہر جھونکا آتشیں بگولوں کی مانند گرم تھا۔ بحیرۂ روم کی لہروں میں تلاطم پیدا کرتی ہوئی یہ ہوائیں جب دہشت ناک سرسراہٹ کے ساتھ ارضِ شام کے کوہساروں سے ٹکراتیں تو ان کے دوش پر بپھرے ہوئے صلیبیوں کی وہ بے ہنگم چیخ و پکار بھی اہلِ ہوش کے گوش تک پہنچ جاتی جو یورپ کے طول و عرض سے بلند ہو رہی تھی۔

۞ کتاب الروضتین: 4/87، [illegible] 301/2، [illegible] 12/335 ۞ کتاب الروضتین فی [illegible]

مہیب طوفان آنے کو تھا...... مگر عالم اسلام کے حکمران پیکرِ مدہوشی اور سراپا خود فراموشی بن کر ایک دوسرے کے خلاف شمشیر بکف تھے۔ وسطِ ایشیا میں علاؤ الدین تکش اور سلطان شاہ کی محاذ آرائیاں جاری تھیں۔ خلیفہ بغداد نے سلطان طغرل سلجوقی کو ایران کے میدان میں شکست دے دی تھی اور یوں سال گزشتہ سال کی خفت کے داغ دھوتے ہوئے جشنِ فتح منا رہا تھا۔ نصرانیوں سے اسلام کی مدافعت کے لیے، سلطان صلاح الدین ایوبی تنہا سربکف تھے۔ اگر اس دور میں کوئی ان کی طرح اسلام کا کلمہ بلند کرنے کے لیے کوشاں تھا تو وہ غوری خاندان کے سپوت غیاث الدین غوری اور شہاب الدین غوری تھے جن کے گھوڑے سرزمین ہند میں سرپٹ دوڑتے نظر آتے تھے۔ مگر یہ مجاہد ارضِ فلسطین سے اتنی دور تھے کہ ان کا یورپی سیلاب کی مدافعت کے لیے سلطان کی مدد کے لیے پہنچنا بعید از قیاس تھا۔

<u>یورپ میں تیسری صلیبی جنگ کا نقارہ</u>: 584 ھ (1188ء) کے دوران جبکہ سلطان صلاح الدین ایوبی مملکت کے دفاع کو مضبوط، القدس کی شاہراہوں کو محفوظ اور شام کے ساحلوں کو یورپی فوجوں کے مقابلے میں ناقابلِ تسخیر بنانے کی جدوجہد میں مصروف تھے، یورپ میں تیسری صلیبی جنگ کا بگل بجا دیا گیا تھا۔ بیت المقدس پر سلطان صلاح الدین ایوبی کے قبضے کی خبروں نے سارے یورپ میں بے چینی کی ایک زبردست لہر دوڑا دی تھی۔ القدس کا لاٹ پادری ولیم صوری راہبوں، مذہبی پیشواؤں اور امراء کے ایک وفد کے ہمراہ سیاہ ماتمی لباس میں ملبوس، روم پہنچ چکا تھا اور اب پاپائے اعظم کی سرپرستی میں پورے یورپ کا دورہ کر رہا تھا۔ وہ القدس پر سلطان صلاح الدین کے قبضے کی ایسی دردناک منظر کشی کر رہا تھا کہ مجمعے میں شامل سنگ دل سے سنگ دل انسان بھی آنسو ضبط نہ کر پاتا۔ مسلمانوں کے مظالم کے فرضی افسانوں کے ذریعے یخ بستہ یورپ کو ایک دہکتے آتش فشاں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔

یورپ کے مفاد پرست پادریوں اور جنونی راہبوں نے بھی اس اضطراب اور ہل چل کا رخ ایک نئی مذہبی جنگ کی تیاریوں کی طرف موڑنے میں دیر نہ کی۔ تب یورپ کے ہر بادشاہ، شہزادے، نواب، اور کاؤنٹ نے ایک بار پھر اپنے مردہ دلوں میں تسخیر کائنات کے ولولے محسوس کیے۔ سمندر پار کر کے عالم اسلام کو تہ و بالا کر دینے کے ان جذبات نے انہیں ایک ہدف پر جمع کر دیا۔ سرحدی تنازعے اور مملکتوں کے پرانے اختلافات پس پشت ڈال دیے گئے۔ جگہ جگہ پادری جوشیلی تقریریں کرتے نظر آتے تھے۔ نہ صرف شاعر اور گویے دردناک نغموں کے ذریعے عوام کے جذبات کو بھڑکا رہے تھے بلکہ مصور بھی اپنے فن کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اندھی نفرت پھیلانے کے لیے استعمال کر رہے تھے۔ تصاویر بنوا کر یورپ میں اشتعال پیدا کرنے میں صور کا عیار کونرڈ مارکویس پیش پیش تھا۔ قارئین پڑھ چکے ہیں کہ

دنیائے نصرانیت کے لیے القدس کا کلیسائے قمامہ (چرچ سینٹ جان) عقیدتوں کا مرکز تھا، اسی چرچ میں ایک فرضی قبر ہے جسے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر تصور کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کے بعد یہیں دفن کیا گیا تھا۔ (نعوذ باللہ من ذلک) وہ یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہر سال خاص تہواروں کے موقع پر یہاں آسمان سے انوارات کا نزول ہوتا ہے۔ یہ مزار ان کے نزدیک ایسا محترم ہے جیسے مسلمانوں کے ہاں کعبۃ اللہ۔ سونے چاندی کی تختیوں سے آراستہ و پیراستہ اس فرضی مزار کی زیارت کے لیے دنیا بھر کے عیسائی جمع ہوا کرتے تھے۔ مسلمانوں نے القدس فتح کرنے کے بعد نصرانیوں کے اس مقدس مقام کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ سلطان ایوبی نے کلیسا کو منہدم کرنے کا سوچا ضرور تھا مگر پھر امراء کے مشورے کے بعد ایسا کوئی قدم اٹھانے سے باز رہے تھے۔ کلیسا کا اگر کوئی نقصان ہوا تھا تو اس کا مرتکب خود القدس کا لاٹ پادری تھا جو جاتے ہوئے فرضی مرقدِ مسیح سے سونے کی تختیاں، چاندی کی جالیاں اور کلیسا میں بچھے ہوئے قیمتی قالین تک لپیٹ کر ساتھ لے گیا تھا۔

مگر کونرڈ نے یورپ کے سادہ لوح عوام کو مشتعل کرنے کے لیے یہ مشہور کر دیا کہ مسلمان مزارِ مسیح کی بدترین توہین کر رہے ہیں۔ اس نے ایک بہت بڑی تصویر بنوائی جس میں ایک مسلم گھڑ سوار کو قبرِ مسیح گھوڑوں کے سموں سے پامال کرتے اور گھوڑے کو قبر پر پیشاب کرتے دکھایا گیا تھا۔ یہ دیوہیکل تصویر یورپ کے کونے کونے میں گھمائی گئی اور بڑے بڑے جلسوں میں دکھائی گئی۔ پادری مصوروں سے ایسی تصاویر بھی بنواتے تھے جن میں ایک عربی شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لڑتے دکھایا جاتا تھا، بعض تصاویر میں یہ منظر پیش کیا جاتا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اس عربی شخص کے ہاتھوں پٹ کر زمین پر گر چکے ہیں اور ان کے بدن سے خون جاری ہے۔ لوگ یہ دہشت ناک تصاویر دیکھ کر پادریوں سے پوچھتے:

"یہ کون ہے جو یسوع مسیح کو مار رہا ہے؟"

پادری جواب دیتے:

"یہ عرب کا نبی ہے، جو یسوع مسیح کو مار رہا ہے، دیکھو انہیں کتنے زخم لگا چکا ہے۔ اور یہ دیکھو! مسیح اس کے ہاتھوں مر گیا ہے۔"

یہ سن کر لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگتے اور ان کا خون کھولنے لگتا۔ ❶

یہ حربے تمثیل پرست نصرانیوں پر ہزاروں جوشیلی تقریروں سے زیادہ اثر کر رہے تھے اور یہ فرضی مناظر ان لوگوں کو رُلانے اور شعلۂ جوالا بنانے کے لیے کافی تھے جو پیدائشی گناہ اور کفارے جیسے گمراہ

❶ الکامل فی التاریخ: 10/ 183، 184، البدایہ والنہایہ: 12/ 335، حروب صلیبیہ، ص: 208

کن عقائد کے جال میں پھنس کر نجانے کب سے ضمیر پر جرائم کا بوجھ برداشت کر رہے تھے اور اس سے چھٹکارے کے لیے کلیسا کی کوئی بڑی خدمت کرنا چاہتے تھے..... وہ کلیسا جس کے ہاں اسلام اور مسلمانوں سے نفرت ہی کا دوسرا نام مذہب تھا۔ کلیسائے روم کے پاپائے اعظم نے صلیبیوں کی ہمتیں بلند کرنے کے لیے یہ اعلان کر دیا کہ مقدس جنگ میں شرکت کرنے والے لوگوں کے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اس میں حصہ نہ لینے والوں کا نکاح کرنا اور رکھانا، حرام ہوگا۔

نئی صلیبی جنگ کا سب سے زیادہ جوش انگلستان میں تھا۔ کنٹر بری کے بڑے پادری بالڈون کی شعلہ نوائی نے وہاں ہلچل مچادی تھی۔ خود انگلستان کا بادشاہ ہنری دوم صلیب کے لیے کٹ مرنے کو تیار تھا۔ فرانس اور انگلستان میں مدتوں سے سخت رقابت چلی آ رہی تھی مگر اس موقع پر بالڈون جیسے مذہبی پیشواؤں کی کوششوں سے ان کے حکمرانوں نے صلیبی جنگ میں ایک دوسرے کا دست و بازو بننے کا عہد کیا اور سارے اختلافات فراموش کر دیے۔

جنگ کے اخراجات کے لیے بہت بڑے پیمانے پر کام ہو رہا تھا، کوئی حکومت تنہا لاکھوں سپاہیوں کے ساتھ سمندر پار کی اس طویل ترین مہم کا خرچہ برداشت نہیں کر سکتی تھی چنانچہ اخراجات پورے کرنے کے لیے "صلاح الدین عشر" (Saladin Tenth) کے نام سے یورپ میں ایک نیا ٹیکس عائد کر دیا گیا جس کے مطابق ہر شخص کو اپنی دولت کا دسواں حصہ صلیبی جنگ کے لیے دینا لازم تھا۔ اس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں تھا حتیٰ کہ یورپ میں آباد یہودیوں سے بھی یہ ٹیکس جبراً وصول کیا جا رہا تھا۔ ٹیکس کی وصولی کے لیے نہ صرف سرکاری سطح پر مہم جاری تھی بلکہ پادریوں نے اس کی ادائیگی کو نہایت مبالغے کے ساتھ لازم قرار دے دیا تھا۔ پادری برملا کہہ رہے تھے کہ جو شخص اس ٹیکس کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گا وہ دین مسیح سے خارج مانا جائے گا۔ پادری جو خود اس جنگ کی آگ بھڑکا رہے تھے، اپنے مال سے ٹیکس کی ادائیگی میں کچھ پس و پیش کرتے رہے اور کہتے رہے کہ ان کی طرف سے دعائیں ہی کافی ہیں مگر آخر کار انہیں بھی اس ٹیکس میں حصہ ڈالنا ہی پڑا۔

ابھی جنگ کی تیاریاں جاری تھیں کہ فرانس اور برطانیہ پھر دست و گریباں ہو گئے اور صلاح الدین ٹیکس کا کچھ حصہ اس کی نذر ہو گیا۔ پھر اسی جھگڑے میں خود شاہ برطانیہ ہنری دوم اور اس کے نوجوان بیٹے شہزادہ رچرڈ میں سخت کشیدگی پیدا ہو گئی، پھر وقت کی نزاکت کا لحاظ کر کے دونوں نے لڑائی ترک کر دی تا کہ صلیبی جنگ کی تیاری کر سکیں۔ مگر ہنری دوئم خود صلیبی جنگ میں شرکت نہ کر سکا اور کچھ دنوں بعد فوت ہو گیا۔

جب اس کے لڑکے رچرڈ نے تخت سنبھالا تو جنگ کی آگ میں کودنے کے لیے سب سے زیادہ سرگرمی

کا مظاہرہ کیا۔ اس نے سب سے پہلے صلیب اٹھا کر یروشلم کی بازیابی اور مسیحیت کے غلبے کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگانے کا اعلان کیا۔ پھر فرانس کا بادشاہ فلپ آگسٹس، جرمنی کا حکمران فریڈرک بار بروسا اور سسلی کا فرمانروا ولیم بھی اسی جوش و جذبے کے ساتھ عالم اسلام پر چڑھائی کے لیے تیار ہو گئے۔

جنگ کے اخراجات برداشت کرنے میں یورپی بادشاہ، شہزادے اور امراء بھی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصے لے رہے تھے۔ سب سے نمایاں کردار رچرڈ کا تھا، اس کے جذبے اور ولولے کا یہ عالم تھا کہ اس نے اپنی بڑی بڑی جائیدادیں بیچ ڈالیں، انگلستان کے رئیسوں کو بھاری معاوضے پر ان کے پسندیدہ عہدے فروخت کر ڈالے اور یہ ساری رقم صلیبی جنگ کے لیے وقف کر دی۔ وہ یہاں تک کہہ رہا تھا کہ اگر کوئی شخص دار السلطنت لندن خریدنے کی استطاعت رکھتا ہو تو میں اسے فروخت کرنے سے بھی دریغ نہیں کروں گا اور اس کی قیمت یروشلم کی مہم میں جھونک دوں گا۔ ①

شام اور فلسطین کے نصرانیوں کو یورپ سے جو چندہ مل رہا تھا وہ الگ تھا۔ ابن اثیر الجزری بتاتے ہیں کہ شام کے کچھ عیسائی چار بڑی کشتیوں میں سوار ہو کر بحیرۂ روم کے یورپی جزیروں اور روم سے امداد طلب کرنے گئے۔ جب وہ واپس آئے تو چاروں کشتیاں چاندی سے بھری ہوئی تھیں۔ ②

تیسری صلیبی جنگ کا آوازہ در حقیقت غیظ و غضب کا ایک طوفان تھا جس نے پورے یورپ کو آن کی آن میں اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ نہ صرف شرفاء بلکہ رذیل، بدمعاش، بدکار اور اوباش لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ جنسی بے راہ روی کے شکار اور شراب و شباب کے رسیا مرد و زن بھی جو یورپ میں شریف و مہذب شمار ہوتے تھے، صلیب اٹھا رہے تھے۔ لچے لفنگے آوارہ اور بھٹکے قسم کے لوگ بھی خود کو "مجاہد" تصور کر رہے تھے۔ عورتیں اس جنگ میں شرکت کے لیے بری طرح بے تاب تھیں چنانچہ ان گنت عورتیں بذات خود لشکر میں شامل ہوئیں۔ لاکھوں ماؤں نے اپنی اولاد کو اس مذہبی فریضے کی نذر کر دیا۔ جو لوگ جسمانی معذوری یا کسی اور سبب سے اس جنگ میں شرکت نہیں کر سکتے تھے انہوں نے اپنی جگہ دوسرے افراد کو تیار کر کے بھیجا۔ بہت سے لوگوں نے لڑنے والوں کو سرمایہ اور اسلحہ فراہم کر کے اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی کوشش کی۔

ابن اثیر الجزری رحمہ اللہ نے ایک یورپی سپاہی سے بذات خود سنا کہ وہ اپنی غریب ماں کا اکلوتا لڑکا ہے۔ ان کا کل اثاثہ ایک گھر تھا۔ ماں نے گھر فروخت کر کے اسلحہ اور سامان سفر تیار کیا اور اسے جنگ کے لیے بھیج دیا۔

---

① ایضاً، ص 442/ الحیات سلطان صلاح الدین، ص 149 ② الکامل فی التاریخ: 10/184

صلیبی جنگ کی یہ تیاریاں القدس پر سلطان ایوبی کے قبضے کے چند ماہ بعد شروع ہوگئی تھیں مگر افواج کی باقاعدہ روانگی کا عمل تاخیر کا شکار ہوتا گیا۔ آخر کار ربیع الثانی 585ھ (مئی 1189ء) میں جب سلطان کو شقیف ارنوم کا محاصرہ کیے ہوئے ایک ماہ گزر چکا تھا، جرمنی کے بادشاہ فریڈرک باربروسا نے اڑھائی لاکھ سپاہیوں کے لشکرِ جرار کے ساتھ سب سے پہلے کوچ کر دیا۔ اس نے ہنگری اور بلغاریہ سے ہوتے ہوئے قسطنطنیہ اور پھر وہاں سے آبنائے عبور کر کے ایشیائے کوچک کے راستے سے شام پر حملہ کرنے کا منصوبہ طے کیا تھا۔ ❶

فریڈرک باربروسا کروسیڈ کے مشہور واعظ ولیم آف ٹائر (ولیم صوری) کی ان جوشیلی تقاریر سے بڑا متاثر ہوا تھا جو اس نے جرمنی میں کی تھیں۔ باربروسا خود مشہور جنگجو تھا، وہ دوسری صلیبی جنگ سمیت چالیس بڑی جنگوں میں شرکت کر چکا تھا، اس نے ایک مجلس میں جرمنی کے امراء اور نوابوں کو جمع کر کے ولیم آف ٹائر کے ہاتھ سے صلیب لی۔ اسی طرح اس کے بیٹے ڈیوک اوف سوابیا، لیوپولڈ آف آسٹریا، برتھولڈ ڈیوک آف مریویا، ہرین مارکوئیس ڈیوک آف بیڈن، کاؤنٹ آف نسو اور دوسرے کئی جاگیرداروں اور سرداروں نے صلیبیں لیں اور مزارِ مسیح کو آزاد کرانے کی قسمیں کھائیں۔ جرمنی میں جنگ کے جوش کی وجہ سے اس قدر لوگ مہم جوئی کے لیے تیار ہوئے کہ انہیں روکنے کے لیے بادشاہ کو خود رکاوٹیں کھڑی کرنا پڑیں، اس نے اعلان کیا کہ صرف وہی شخص مہم پر جا سکے گا جو تین مارک (چاندی کے سکے) ساتھ لے جا سکے۔ اس پابندی کی وجہ سے فوج میں مفلسوں اور آوارہ گردوں کی شمولیت کی روک تھام ہوگئی اور صرف منتخب لوگ جانے کے اہل رہ گئے۔ دراصل باربروسا کو پہلی صلیبی جنگ کی تاریخ یاد تھی اور دوسری صلیبی جنگ کے راستے میں پیش آنے والے مصائب وہ خود جھیل چکا تھا اس لیے جانتا تھا کہ بہت بڑی بھیڑ ساتھ لے جانا بے حد مضر ہے۔ اس کے باوجود اس کی فوج اڑھائی لاکھ افراد تک پہنچ گئی تھی۔

مغربی مؤرخین کے بیانات سے پتا چلتا ہے کہ باربروسا نے روانگی سے قبل سلطان ایوبی کو ایک دھمکی آمیز خط بھی لکھا تھا جس میں نہایت غرور و تکبر کے ساتھ کہا گیا تھا:

"پتا چلا ہے کہ آپ نے ارضِ مقدس کو ناپاک کر دیا ہے اور ایک مجرمانہ دلیری کی جسارت کی ہے، ہم شہنشاہ وائی اور محافظ فلسطین کی حیثیت و اختیارات کے ساتھ آپ کو بارہ ماہ کی مہلت دیتے ہیں کہ آپ سرزمینِ مقدس کو خالی کر کے نصرانیوں کو مطمئن کر دیں ورنہ ہم جنگ کے لیے آرہے ہیں۔"

اس خط میں اس نے اپنے بارے میں بے سروپا شیخیاں بھگارنے کے بعد اپنے معاون نوابوں

❶ الکامل فی التاریخ: 10/183، 184؛ البدایہ والنہایہ: 12/335؛ صلاح الدین ایوبی: 161

اور حکام کی فہرست دے کر سلطان کو مرعوب کرنے کی کوشش کی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو ان باتوں سے کہاں دبایا جاسکتا تھا۔ انہوں نے اس خط کا دوٹوک جواب دیا اور مسلمانوں کی طاقت کا اظہار کرنے اور اپنے معاونین کے نام شمار کرانے کے بعد کھلے لفظوں میں لکھا:

''عیسائی اگر اپنی خیریت چاہتے ہیں تو جو شہر ان کے پاس باقی رہ گئے ہیں انہیں چھوڑ کر واپس چلے جائیں ورنہ وہ شہر بھی ہم اسی طرح بزور قوت فتح کر کے دکھائیں گے۔''[1]

تقدیر کا معاملہ جاری وساری ہے ✽ سلطان اور ان کے امراء یورپ میں مچنے والی ہل چل سے واقف تھے مگر شقیف ارنوم کے محاصرے تک وہ حالات کی باگ ڈور اپنی دسترس میں سمجھ رہے تھے اور انہیں اپنی حکمتِ عملی اور قوتِ مدافعت پر بھی بھروسہ تھا۔ وہ صور کو حریف کا مضبوط مورچہ سمجھنے کے باوجود زیادہ تشویش کی نگاہ سے نہیں دیکھ رہے تھے۔ قاضی فاضل کا یہ خط جو انہوں نے سال گزشتہ کے اواخر میں حصن کوکب کی فتح کے موقع سلطان کے بھائی سیف الدین کو لکھا تھا، اس کا ثبوت ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''آپ جانتے ہیں کہ اہل یورپ ہماری فتوحات برداشت نہیں کر سکتے اور ہمارے لگائے ہوئے زخموں پر صبر نہیں کر سکتے۔ وہ ان گنت اقوام ہیں اور بے انتہا لشکروں کے مالک ہیں۔ بہر حال اللہ کا دستِ حمایت اہلِ ایمان کے سروں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد تنگی کو کشادگی سے بدل دے گا۔ مغربی سرحدوں کے ذمہ داروں نے ہمیں آگاہ کر دیا ہے کہ دشمن نے اپنے معاملات طے کر لیے ہیں، وہ بدی پر اتر آیا ہے۔ فرنگی طیش میں ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں مزید طیش میں جلا رکھے۔ انہوں نے جنگ کی آگ بھڑکا دی ہے، اللہ تعالیٰ انہی کو اس کا ایندھن بنا دے۔ انہوں نے سرکشی کی شمشیر سونت لی ہے مگر کوئی بعید نہیں کہ وہ خود اس کی میان بن جائیں (اور یہ تلواریں انہی کے جسموں میں اتر جائیں) ان کی گمراہ کنندہ جماعتوں نے باہم معاہدے کر لیے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے عہد و پیمان کو پورا نہ ہونے دے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم اللہ کے بھروسے پر ہی جنگ لڑ رہے ہیں چاہے اس کی ہم میں سکت ہے یا نہیں۔''

صور کے محاذ کے بارے میں شکوک وشبہات کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''اب اس خطے میں صرف 'صور' باقی رہ گیا ہے۔ اگر سمندر اس کا محافظ اور بحری بیڑہ اس کا نگہبان نہ ہوتا تو اسے قابو کرنا آسان تھا اور اس کی سرکشی کا زور ٹوٹ چکا ہوتا۔ بہر حال الحمدللہ وہ لوگ اب کسی قلعے میں نہیں جو ان کا محافظ ہو بلکہ وہ ایک جیل میں ہیں جو انہیں گھیرے ہوئے ہے۔ وہ

[1] کو الہ حیات صلاح الدین ص 160

آزاد ہوتے ہوئے بھی قیدی اور زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ ہیں۔"

پھر یورپی خطرات کے مقابلے میں وہ اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت پر کامل اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"یہ سب کچھ اپنی جگہ...... بہر حال تقدیر کا معاملہ جاری وساری ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت سرگرم ہے۔ وہ چاہے تو ہمیں کئی گنا بڑے لشکروں پر فتح دے دے کیوں کہ ہمیں اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حالیہ فتوحات اس لیے عنایت نہیں کیں کہ ان کا دروازہ بند کردے اور اس نے امت کو ہمارے ساتھ (جہاد فی سبیل اللہ میں) اس لیے جمع نہیں کیا کہ پھر اسے منتشر کردے۔"[1]

قاضی فاضل کے طویل مکتوب کے یہ اقتباسات ظاہر کرتے ہیں کہ سال 584ھ (1188ء) کے اختتام اور 585ھ (1189ء) کے آغاز تک مسلمانوں کو ساحلوں پر اپنی گرفت کی مضبوطی کا یقین تھا۔ عمالِ حکومت یورپی یلغار کے خطرات کے احساس اور مدافعانہ تیاریوں میں سرگرمی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھروسے اور اعتماد کی دولت سے مالا مال تھے اور صور کا محاذ بھی ایسا نہیں تھا جسے مسلمان اپنی دسترس سے باہر تصور کررہے ہوں مگر شقیف ارنوم کے محاصرے میں جو طویل وقت ضائع ہوا، اس نے حالات پر مسلمانوں کی گرفت مضبوط نہ رہنے دی۔ انہیں ریجی نالڈ کے مکروفریب کا اندازہ دیر سے ہوا۔ اور جب ہوا تو نہ صرف صور پر حملہ کرنے کا موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا بلکہ عکا کی حفاظت بھی مشکل ہوگئی تھی۔

<u>فریبی فریب دیتا رہا</u>: دن تیزی سے گزرتے گئے، مگر لشکرِ اسلام شقیفِ ارنوم سے کچھ فاصلے پر بے حس وحرکت پڑا تھا۔ غالباً جنگوں کے ایک طویل سلسلے کے اختتام اور خوں ریز معرکوں کے ایک نئے باب کے آغاز سے پہلے قدرے راحت کے ان دنوں کو ہر شخص غنیمت سمجھ رہا تھا۔ ریجی نالڈ کو سلطان کی جانب سے دی جانے والی مراعات میں کوئی کمی نہیں کی گئی تھی۔ محاصرہ بھی درحقیقت برائے نام ہی تھا۔ کیوں کہ شقیف ارنوم کے بند دروازے روزانہ کھول دیے جاتے تھے۔ مسلمان سپاہی تو معاہدے کی پاسداری کے تحت شہر میں داخل نہیں ہوتے تھے مگر عیسائی اپنی ضروریات کی اشیاء خریدنے اور قابلِ فروخت سامان بیچنے کے لیے بلاتکلف سلطان کی لشکرگاہ اور اس سے ملحقہ بازار میں آجاتے تھے۔ اس بازار میں ہر وقت ان کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ سلطان کی جانب سے دی گئی اس غیر معمولی سہولت کی وجہ سے شقیف ارنوم کے باسیوں کو خوراک ورسد کی کوئی کمی نہیں رہی تھی بلکہ قلعے کے غذائی گودام پہلے سے بھی زیادہ بھر چکے تھے۔ ریجی نالڈ قلعے، فصیل اور دیگر دفاعی انتظامات کو چپکے چپکے مضبوط تر بنا رہا تھا اور مزید اسلحہ بھی خرید خرید کر جمع کر رہا تھا۔

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 54، 55

گزرتے دنوں کے ساتھ سلطان کے بعض امراء کو ریجی نالڈ پر شک ہونے لگا تھا کہ کہیں وہ مکردہ فریب سے مسلمانوں کا وقت ضائع نہ کر رہا ہو۔ انہوں نے سلطان کو بھی اس طرف توجہ دلائی اور کہا:

''شاید ریجی نالڈ ہمیں یہاں ٹھہرا کر صور میں یورپی افواج کی آمد کا راستہ کھلا رکھنا چاہتا ہے۔''

مگر سلطان کے خیال میں اب تک ریجی نالڈ سے حسن ظن کی گنجائش موجود تھی اس لیے انہوں نے شروع میں احتیاط پسند امراء کی باتوں پر توجہ نہ دی۔ دراصل ریجی نالڈ نہایت عیاری کے ساتھ یہ ظاہر کرنے لگا تھا کہ وہ مشرف با اسلام ہونے کے لیے تیار ہے۔ وہ بکثرت سلطان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ سلطان کے مقرب علماء کی مجلسوں میں بیٹھتا اور ان سے اسلام کے بارے میں سوالات پوچھتا، مذہبی بحثیں کرتا۔ دربار سلطانی کے اہل علم و فضل اسے اسلام کی حقانیت، توحید کے اثبات اور تثلیث کے بطلان پر دلائل دیتے۔ وہ ان دلائل پر غور کرتا اور مزید سوالات پوچھتا۔ اس طرح وہ یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ مشرف با اسلام ہونے کی منزل کے قریب آتا جا رہا ہے۔ [1]

<u>گائی آف لوسگنان کی بدعہدی</u>: اس دوران ایک معاہدے کی پاسداری مسلمانوں کے لیے نئے مسائل کا باعث بن کر سامنے آ گئی۔ سلطان صلاح الدین نے ڈیڑھ سال پہلے حطین کے تاریخی معرکے میں شاہ یروشلم گائی کو گرفتار کیا تھا۔ بعد میں القدس کی فتح سے قبل عسقلان کے محاصرے کے دوران سلطان نے اسے ترغیب دی کہ وہ اہل شہر کو ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کرلے۔ سلطان کے کہنے پر اس نے عسقلان مسلمانوں کے حوالے کرا دیا تھا اور سلطان نے بدلے میں وعدہ کیا تھا کہ اسے اگلے سال رہا کر دیا جائے گا۔

584ھ (1188ء) کے موسم گرما میں جبکہ سلطان شمالی شام کے ساحلوں کو فتح کر رہے تھے گائی کی بیوی ازابیلا نے سلطان کو یہ وعدہ یاد دلایا۔ ازابیلا القدس کی فتح کے موقع پر گرفتار ہوئی تھی، سلطان نے اسے آزاد کر دیا تھا مگر وہ خود اپنی خوشی سے اپنے شوہر کے پاس دمشق کے قید خانے میں منتقل ہو گئی تھی۔ اس نے وقت آنے پر سلطان کو وعدہ یاد دلایا تو سلطان نے ذرا بھی تاخیر نہ کی۔ گائی کو اس کے دس ساتھیوں سمیت طرطوس طلب کیا اور اس وعدے کے ساتھ آزاد کر دیا کہ وہ آئندہ مسلمانوں سے نہیں لڑے گا۔

مگر گائی نے رہائی کے بعد سلطان کے حسن سلوک اور فراخدلی کا یہ بدلہ دیا کہ فوراً مسلمانوں سے جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ وہ جہاں جاتا، نصرانیوں کو سلطان سے مقابلے کے لیے ابھارتا، اس طرح اس نے شکست خوردہ اور بکھرے ہوئے عیسائی سپاہیوں اور رضاکاروں کی بہت بڑی جمعیت کو اپنے گرد اکٹھا کر لیا۔ پھر اس نے سلطان صلاح الدین کے خلاف ایک بھرپور جنگ شروع کرنے کے لیے صور

[1] النوادر السلطانیہ: 165، الکامل فی التاریخ: 10/180 تا 181، مفرج الکروب: 6/313

جا کر کونرڈ مارکوئیس سے اتحاد کا فیصلہ کیا اور ساتھ ساتھ اپنی فریاد یورپی حکمرانوں تک پہنچا کر ان سے بھی فوری مدد طلب کی۔ گائی اور ازابیلا کی یہ وعدہ خلافی سلطان کے لیے حد درجے اذیت ناک تھی، خصوصاً ان کا صور میں کونرڈ سے اتحاد کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں نہایت ضرر رساں ثابت ہو سکتا تھا۔

شقیف ارنوم کے سامنے ڈیرے ڈالے ہوئے سلطان صلاح الدین ایوبی کو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ اندازہ ہو گیا کہ گائی کی طرح ریجی نالڈ بھی مسلمانوں کے ساتھ دغابازی کر رہا ہے مگر سلطان اصولوں کے پابند انسان تھے۔ اگر ریجی نالڈ سے معاہدہ نہ ہو چکا ہوتا تو وہ شقیف ارنوم کو بزورِ شمشیر فتح کی سرتوڑ کوشش کر ڈالتے مگر ایک مسلمان حکمران کی حیثیت سے وہ اسلامی تاریخ کو بدعہدی کے دھبوں سے بدنما نہیں کرنا چاہتے تھے۔

ایک صورت یہ ہو سکتی تھی کہ سلطان قلعے کو اس حال پر چھوڑ کر صور کی طرف کوچ کر دیتے جہاں گائی اپنی فوج کے ساتھ کونرڈ کی مدد کے لیے پہنچ چکا تھا اور دونوں کے مل جانے سے نصرانیوں کی ایک بڑی قوت وجود میں آ چکی تھی مگر شقیف ارنوم کو اس حالت پر چھوڑ کر آگے جانے سے دمشق اور دیگر شہروں سے سلطان کی کمک و رسد کا راستہ جو بانیاس کے بعد شقیف ارنوم کے قریب سے گزرتا تھا بند ہو سکتا تھا۔ ریجی نالڈ سلطان کے جانے کے بعد اس راستے کو مسدود کر کے سلطانی افواج تک کمک کی رسائی مشکل بنا سکتا تھا۔ یہ بھی خطرہ تھا کہ مسلمانوں کے یہاں سے کوچ کر جانے کے بعد ریجی نالڈ کو انطاکیہ اور طرابلس سے مدد ملنے لگے۔ اس کے علاوہ یورپی افواج بھی انطاکیہ یا طرابلس کی بندرگاہوں پر اتر کے شمالی شام سے ہوتے ہوئے شقیف ارنوم پہنچ سکتی تھیں۔ حاکم انطاکیہ بوہیمنڈ کی جانب سے بھی خطرات لاحق تھے جس سے سلطان کا ہشت ماہی معاہدہ عن قریب ربیع الثانی 585ھ میں ختم ہو رہا تھا اس لیے سلطان کو یہ فکر بھی لاحق تھی کہ انطاکیہ کی جانب سے اسلامی شہروں پر حملے شروع نہ ہو جائیں۔ دوسری طرف جرمنی کے حکمران فریڈرک باربروسا کی یورپ سے عالم اسلام کی جانب روانگی کی خبر بھی مشہور ہو چکی تھی۔ اِدھر ریجی نالڈ بھی پاؤں کی زنجیر بن چکا تھا۔ اس الجھی ہوئی صورتحال میں سلطان ایوبی اور ان کے امراء کوئی فوری فیصلہ نہ کر سکے۔ [1]

خاصی سوچ بچار کے بعد سلطان نے سب سے پہلے انطاکیہ کی طرف توجہ دی اور فقیہ عیسیٰ الہکاری کو حماۃ بھیج کر تقی الدین عمر کو پیغام دیا کہ وہ اپنی اور مشرقی صوبوں کی افواج کو لے کر انطاکیہ کے سامنے اس طرح ناکہ بندی کر لے کہ عیسائی اس جانب سے شام کی طرف نہ بڑھ سکیں۔ انطاکیہ سے معاہدہ ختم

[1] النوادر السلطانیہ: 156، صلاح الدین لیون پول 172، بیلی مکیس پیرو لیمب 144

تاریخوں کے مطابق ہوا تھا جس کی میعاد یکم اکتوبر 1188ء سے 31 مئی 1189ء تک (8 شعبان 584ھ سے 13 ربیع الثانی 585ھ) تھی۔ تقی الدین عمر نے مدت معاہدہ ختم ہونے سے پہلے پہلے انطاکیہ کے قریب اسلامی سرحدوں پر فوج کی دیوار کھڑی کر دی اور یوں کم از کم ایک جانب سے سلطان کی تشویش دور ہوگئی۔ یہ مدافعتی دیوار کھڑی کرنا اس لیے بھی ضروری تھا کہ جرمن فوج کی آمد کا متوقع راستہ بھی تھا۔ اگر یہاں مضبوط دفاعی انتظامات نہ ہوتے تو چند ماہ کے اندر کسی بھی وقت فریڈرک بار بروسا اڑھائی لاکھ سپاہ کے ساتھ دمشق تک پہنچ سکتا تھا۔ اب سلطان کے ساتھ شقیف ارنوم میں صرف ان کی شامی افواج رہ گئی تھیں چنانچہ انہوں نے تقویت کے لیے آمد کے گورنر قطب الدین سکمان کو طلب کرلیا۔ وہ سلطان کا حکم ملتے ہی اپنی فوج اور سامان حرب کے ساتھ شقیف ارنوم پہنچ گیا۔ ❶

<u>گائی اور کونرڈ</u>: حصن شقیف کے محاصرے میں سلطان کی طویل مشغولیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے شام کے ساحلوں پر نصرانیوں کی قوت منظم ہو چکی تھی۔ کونرڈ نے صور کے اندر مورچہ بندی کر لی تھی جبکہ گائی شام کے منتشر صلیبیوں کو جمع کر کے صور کے باہر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ کونرڈ اور گائی دونوں سلطان کے خلاف لڑنے کے نکتے پر متفق تھے، دونوں کا مقصد ایک تھا مگر کونرڈ مارکویس کو گائی کا دوبارہ شاہ یروشلم بننا گوارا نہیں تھا۔ اس لیے اس نے احتیاطاً گائی کے لیے صور کے دروازے نہ کھولے اور اس کی فوج کو باہر ہی ڈیرے ڈالے پڑے رہنے دیا۔ اگرچہ گائی نے کونرڈ کو پے در پے پیغامات بھیجے کہ وہ اسے شہر میں داخل ہونے کی اجازت دے مگر کونرڈ نہایت چالاک انسان تھا۔ اس نے جواب میں صاف کہہ دیا:

> ''میں یورپی ہوں، یورپ کے بادشاہوں کا تابع دار ہوں، انہوں نے اب تک مجھے اجازت نہیں دی کہ میں یہ شہر آپ کے حوالے کر دوں۔''

دونوں میں مذاکرات کے کئی دور چلے۔ آخر طے ہوا کہ گائی کو صور میں داخل کرنے کی بجائے مارکویس اپنی فوج کو صور سے باہر لے آئے گا اور دونوں فوجیں جمع ہو کر صور سے صیدا کی طرف بڑھتی چلی جائیں گی اور مسلمانوں کے ساحلی شہروں پر قبضہ کرتے ہوئے القدس کا رخ کیا جائے گا۔ جمادی الاولیٰ 585ھ (جون 1189ء) کے آغاز میں فرنگی صور سے نکل کر صیدا کی طرف روانہ ہوئے۔ انہوں نے صور اور صیدا کے درمیان رابطہ برقرار رکھنے والے پل پر قبضہ کرلیا اور یوں صیدا کے محاصرے میں آنے کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ سرحدی سپاہیوں نے یہ دیکھ کر فوراً سلطان کو اطلاع روانہ کر دی۔ ❷

---

❶ النوادر السلطانیہ: 160، کتاب الروضتین: 4/69، صلاح الدین ایک ہیرو 173، صلیبی جنگیں، ہیرلڈ لیمب 148

❷ النوادر السلطانیہ: 160، کتاب الروضتین: 4/76،75، الکامل فی التاریخ: 10/161

<u>فرنگیوں کی صیدا پر قبضے کی کوشش</u> ❁ مخبر یہ 17 جمادی الاولیٰ 585ھ کو سلطان کے پاس پہنچا۔ سلطان نے یہ تشویش ناک خبر سنتے ہی فوج کے ایک حصے کو ہمراہ لیا اور اسی دن عقب اور اطراف کے تمام خطرات کو نظر انداز کرتے ہوئے صیدا کی محافظ گشتی فوج کی امداد کے لیے نکلے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ مجاہدینِ اسلام فرنگیوں کے ہراول سے زوردار ٹکر لے چکے ہیں۔ تفصیلات میں انہیں بتایا گیا کہ فرنگیوں کا ایک دستہ پل عبور کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا، سلطان کے گشتی سپاہیوں نے بروقت مدافعت کی تیاری کر لی اور پل کے آگے پہاڑی علاقے کی ایک تنگ گھاٹی میں انہیں روک لیا اور خوں ریز لڑائی شروع ہو گئی۔

سلطان کے غلام ایبک الاخرش نے گھمسان کی جنگ کے دوران بہادری کے حیرت انگیز کارنامے دکھائے، لڑتے لڑتے وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ مگر فوراً ایک چٹان پر چڑھ گیا اور کمان سے دشمن پر تیر برساتا رہا، جب تیر ختم ہو گئے تو وہ تلوار لے کر فرنگیوں کے جتھے پر ٹوٹ پڑا اور ان کی ایک بڑی تعداد کا جر مولی کی طرح کاٹ دیا، یہ دیکھ کر فرنگیوں نے ہر طرف سے اسے گھیر لیا اور یوں یہ مردِ مجاہد لڑتے لڑتے مقامِ شہادت کو پہنچا۔ مسلمانوں کی بہادری اور بے جگری کے سامنے فرنگیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ بے شمار لاشیں چھوڑ کر واپس بھاگ گئے، بہت سے گرفتار کر لیے گئے جبکہ بہتوں نے جان بچانے کے لیے دریا میں چھلانگ لگا دی مگر ان کی اکثریت غرق ہو گئی۔ اس معرکے میں الاخرش کے سوا مسلمانوں کا کوئی فرد شہید نہیں ہوا۔ سلطان کو اخرش کی شہادت کا گہرا صدمہ تھا، تاہم انہیں یہ دیکھ کر قدرے اطمینان ہوا کہ مجاہدین کے حوصلے بلند ہیں اور صیدا پر دشمن کا قبضہ نہیں ہو سکا۔ ❶

<u>بے فائدہ جوش و خروش اور اس کا نقصان</u> ❁ بدھ 19 جمادی الاولیٰ (جولائی 1189ء) کو سلطان چند خواص کے ساتھ دشمن کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے نکلے۔ گھوڑے پر سوار ہو کر وہ پل کی طرف جا رہے تھے کہ عرب اور خراسانی مجاہدین کا ایک بڑا گروہ ہمراہی کا شرف حاصل کرنے کے شوق میں ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ یہ سب کے سب پیدل تھے اور دور دراز کے علاقوں سے سلطان کے پرچم تلے رضاکارانہ طور پر لڑنے یہاں آئے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں لڑنا وہ اپنی سب سے بڑی خوش نصیبی تصور کرتے تھے۔ اس وقت سلطان کو محاذ کی طرف جاتا دیکھ کر انہیں غلط فہمی ہو گئی تھی کہ سلطان کسی معرکے میں شرکت کے لیے جا رہے ہیں۔ حالاں کہ ایسا ہوتا تو سلطان کی رکاب میں لشکر ضرور ہوتی۔ سلطان نے انہیں ساتھ چلتے دیکھا تو چاہا کہ انہیں واپس کر دیں کیوں کہ اس کٹھن پہاڑی راستے پر پیدل جانا دشوار تھا اور پھر اتنے آدمیوں کا خواہ مخواہ ساتھ چل پڑنا بالکل فضول تھا مگر اتنی دیر

❶ النوادر السلطانیہ: 167، الکامل لابن اثیر: 10/161

میں یہ مجاہدین تیزی سے آگے بڑھ گئے۔ وہ جوش سے لبریز تھے اور ان فرنگیوں کو مزہ چکھا دینا چاہتے تھے جنہوں نے پل عبور کر کے ادھر گھسنے کی ہمت کی تھی۔ امیر کی اجازت کے بغیر ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے یہ لوگ اندھا دھند آگے بڑھتے ہوئے پل کی طرف چلے گئے۔

سلطان نے یہ دیکھ کر خطرہ محسوس کیا اور چند امراء کو ان کی طرف دوڑایا کہ وہ انہیں واپس بلا لائیں مگر مجاہدین نے جوش کے عالم میں کسی بات پر کان نہ دھرا اور آگے ہی آگے نکلتے چلے گئے۔

پل کی دوسری جانب خیمہ زن فرنگی دور سے مجاہدین کو پیش قدمی کا جائزہ لے رہے تھے۔ انہیں صرف یہ خدشہ تھا کہ کہیں آنے والے مسلمانوں کے پیچھے مزید فوج نہ ہو۔ مگر جب چند لمحوں بعد مخبروں نے آکر بتایا کہ ان کی پشت پر دور دور تک مسلمان سپاہی موجود نہیں ہیں تو فرنگی بے خطر ہو کر مقابلے کے لیے نکل آئے۔ ادھر سے یہ مجاہدین بھی پل تک پہنچ چکے تھے، اس جگہ زور دار معرکہ شروع ہو گیا۔ بہت سے مجاہدین پل پار کر کے دشمن کی صفوں میں گھس گئے تھے مگر چوں کہ ان کی تعداد بہت کم تھی اور دشمن پوری طرح چوکس تھا اس لیے جلد ہی یہ ہر طرف سے گھر گئے۔

سلطان ابھی معرکۂ کارزار سے خاصی دور تھے، انہیں اس خطرناک صورتحال کا فوراً علم نہ ہو سکا۔ البتہ وہ امراء اور سپاہی جنہیں سلطان نے مجاہدین کو واپس بلانے کے لیے بھیجا تھا، کچھ دیر بعد میدان جنگ تک پہنچ گئے۔ وہاں مجاہدین کو گھرا ہوا دیکھ کر وہ کف افسوس ملنے لگے۔ کیوں کہ دشمن کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ان چند افراد کی شرکت سے مجاہدین کو کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ کچھ دیر کے شدید کشت و خون کے بعد اکثر مجاہدین گرفتار ہو گئے جبکہ 180 مجاہدین لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان میں سے بہت سے نامی گرامی مجاہدین بھی تھے جن کے جہادی کارنامے شام کے عوام و خواص میں مشہور تھے۔ ان میں امیر غازی بن سعد نامی ایک خوبصورت نوجوان بھی تھا جسے اس کے والد نے جہاد کے لیے وقف کر دیا تھا۔ جوان بیٹے کی شہادت پر اس بلند ہمت باپ نے ایک آنسو بھی نہ ٹپکایا بلکہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔ ان بہادر جوانوں نے شہید ہوتے ہوتے فرنگیوں کا خاصا نقصان کیا تھا، ان کے حملے سے کئی فرنگی دریا میں ڈوب گئے اور درجنوں قتل ہوئے جن میں المانیا (جرمنی) کا ایک نامور سالار فوج بھی شامل تھا۔[1]

<u>فرنگیوں کی صور کی طرف پسپائی اور سلطان کی معسکر کو واپسی</u> ❁ <u>180 مجاہدین کی شہادت کا زخم ایسا نہ تھا کہ سلطان اسے آسانی سے نظر انداز کر دیتے۔</u> انہوں نے اس سانحے کے بعد مجلس مشاورت طلب کی اور فرنگیوں کے خلاف جوابی کارروائی کے لیے تجاویز پر بحث کی۔ طے یہ ہوا کہ اب مسلمان

---

[1] الروضتین: 167/1، الکامل فی التاریخ: 10/182

آگے بڑھیں اور صیدا اور صور کا درمیانی پل عبور کر کے فرنگیوں کی خیمہ گاہ پر حملہ کر دیں۔
لیکن ابھی مسلمان اس حملے کی تیاریاں مکمل نہیں کر پائے تھے کہ فرنگیوں کو خطرے کا احساس ہو گیا، انہوں نے پل کے قریب سے خیمے اکھاڑ لیے اور تیزی سے پیچھے ہٹتے ہوئے صور کی فصیلوں میں پناہ گزین ہو گئے۔ پل سے صور شہر کا فاصلہ تین چار میل کے لگ بھگ تھا، اس لیے فرنگیوں کو صور تک پہنچنے میں زیادہ وقت نہ لگا۔ اب وہ مضبوط فصیلوں کی اوٹ میں سلطان کے فوری حملے سے محفوظ ہو چکے تھے۔ یہ دیکھ کر سلطان نے جنوب کا رخ کیا اور تبنین سے ہوتے ہوئے تیزی سے عکا پہنچ گئے۔ عکا میں چندروزہ قیام کے دوران سلطان نے شہر پناہ کی مرمت اور نئے دفاعی و تعمیراتی کاموں کی رفتار کا جائزہ لیا۔ سلطان کو خدشہ تھا کہ دشمن کا آئندہ خطرناک ترین وار اسی شہر پر ہوگا لہٰذا وہ اس بارے میں بہت سنجیدہ تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ صور میں محصور دشمن پر ضرب کاری لگانے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے مگر چوں کہ معسکر سے زیادہ دنوں تک دور رہنا مناسب نہ تھا اس لیے سر دست سلطان مرج عیون لوٹ آئے جہاں حصن شقیف کا محاصرہ کرنے والی فوج کا پڑاؤ تھا۔ ❶

جنگل میں فرنگیوں سے مقابلہ ہفتہ 6 جمادی الثانیہ 585ھ (22 جولائی) کو جاسوسوں نے خبر پہنچائی کہ صور کے فرنگی خطرہ ٹلتے دیکھ کر شہر پناہ سے باہر نکلنے لگے ہیں اور ان کا ایک بڑا گروہ ایندھن کے لیے لکڑیاں کاٹنے اور چارہ جمع کرنے کے لیے تبنین کے جنگلات میں پھر رہا ہے۔ سلطان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی پشت پر گھڑ سوار سپاہیوں کی خاصی تعداد بھی موجود ہے۔ یہ خبر پاتے ہی سلطان صلاح الدین نے دشمنوں کو شدید نقصان پہنچانے کا منصوبہ ترتیب دے ڈالا۔ وہ خود فوج کے ایک حصے کے ساتھ تبنین روانہ ہو گئے اور ساتھ ہی تیز رفتار قاصد عکا کی طرف روانہ کر کے وہاں کی فوج کو حملے کے منصوبے سے آگاہ کیا۔ منصوبے پر عملدرآمد کے لیے پیر 8 جمادی الثانیہ کا دن طے ہوا۔ اس دن سلطان اپنی اور عکا کی فوج کے ہمراہ تبنین سے آگے پہاڑی سلسلے میں پہنچ گئے۔ انہوں نے سپاہیوں کو آٹھ دستوں میں تقسیم کیا اور ہر حصے سے بیس بیس بہترین شہ سوار چن لیے، اس طرح یہ ایک سو ساٹھ سپاہیوں کا دستہ بن گیا۔ بقیہ لشکر کو پہاڑی راستے میں اردگرد خفیہ مقامات پر مورچہ زن ہونے کا حکم دیا جبکہ ان ایک سو ساٹھ گھڑ سواروں کو تاکید کی کہ وہ آگے بڑھتے چلے جائیں، جب ان کا دشمن سے آمنا سامنا ہو تو وہ اسے اپنے تعاقب میں لگا کر ان پہاڑی مورچوں کے درمیان میں لے آئیں۔

گھڑ سوار مجاہدین منصوبے کے مطابق آگے روانہ ہو گئے۔ اس دوران سلطان کے حکم کے مطابق عا

❶ النوادر السلطانیہ: 158

کی سپاہ بھی حرکت میں آ چکی تھی۔ سلطان نے انہیں ہدایت دی تھی کہ وہ حملے کے دوران دشمن کی خیمہ گاہ کے عقب میں پھیل جائیں اور اگر خیمہ گاہ سے کوئی فوج اپنے ساتھیوں کی مدد کے لیے روانہ ہونے لگے تو یہ فوراً خیموں کو نذرِ آتش کرنا شروع کر دیں اور اس فوج کو وہیں الجھالیں۔ منصوبہ ہر لحاظ سے مکمل تھا، سلطان نے ہر گوشے کو ملحوظ رکھ کر اسے ترتیب دیا تھا مگر عین وقت پر خاصی غیر متوقع صورتحال پیدا ہوگئی۔ ہوا یہ کہ سلطان کے گھڑسوار سرسبز وشاداب جنگل کے اندر گھستے ہوئے دشمن کے قریب پہنچ گئے۔ حریف کے سپاہیوں نے گنتی کے چند مسلمانوں کو سامنے دیکھا تو حملہ کر دیا۔ کچھ دیر بعد جب جنگ میں شدت پیدا ہونے لگی تو مسلم شہ سواروں نے منصوبے کے مطابق اس وادی سے نکل کر ان مورچوں کی جانب پسپا ہونے کی کوشش کی جہاں لشکر کا بڑا حصہ چھپا ہوا تھا۔

عرب کے قبیلہ ربیعہ بنی طے کے چار نامور امراء اس وقت مسلمانوں کے آگے آگے تھے مگر وہ اس پہاڑی علاقے سے ناواقف تھے، وادی سے نکلنے کی کوشش میں انہوں نے نشیبی راستے پر گھوڑے دوڑا دیے، ان کی دیکھا دیکھی سپاہیوں کی اکثریت نے بھی اسی طرف کا رخ کیا حالاں کہ واپسی کا راستہ وادی کی بلندی کی طرف تھا۔ فرنگیوں نے مسلمانوں کو نشیبی راستے کی جانب جاتے دیکھا تو سمجھ گئے کہ یہ غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔ چنانچہ وہ جری ہو کر ان کے پیچھے لپکے اور انہیں وادی کے ایک تنگ گوشے میں گھیر لیا جہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ یہ دیکھ کر مسلمان بھی وہیں مقابلے پر ڈٹ گئے اور گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ ادھر نصرانیوں کی پشت پر موجود فوج بھی ان کی مدد کو پہنچ گئی جس کی قیادت خود گائی کر رہا تھا۔ اب مٹھی بھر سرفروشوں کے لیے بڑی خطرناک صورتحال پیدا ہوگئی تاہم وہ شوقِ شہادت سے سرشار ہو کر لڑتے رہے۔ دشمن اپنی عددی برتری کی بنا پر آہستہ آہستہ ان کے گرد گھیرا تنگ کر رہا تھا۔ بڑھتے ہوئے دباؤ کے باعث مٹھی بھر مسلمان کئی حصوں میں تقسیم ہو گئے، اور ہر ٹولی اپنی اپنی جگہ شمعِ اسلام پر نچھاور ہونے کے لیے پروانہ وار لڑنے لگی، اس دوران کچھ مجاہدین یہ کوشش کر رہے تھے کہ کسی طرح گھیرا توڑ کر ادھر ادھر نکل جائیں۔ ان میں سے کئی اس کوشش میں کامیاب بھی ہو گئے مگر ان کی اکثریت غروب آفتاب تک دشمن کے نرغے میں تھی۔ ❶

جان توڑ مقابلہ کرنے والوں میں عرب مجاہدین سب سے نمایاں تھے، ان میں ربیعہ بنو طے کے چاروں معزز امراء بھی شامل تھے۔ انہوں نے آخری سانس تک مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

عرب مجاہدین اور ایبک الساقی رحمہ اللہ- سلطان صلاح الدین ایوبی کا ایک ماہر نشانہ باز غلام ایبک الساقی

❶ الحروب الصلیبیہ: 150، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 76، الکامل فی التاریخ: 10/ 162

بھی امرائے بنو ربیعہ کے شانہ بشانہ لڑ رہا تھا۔ جب امراء شہید ہو گئے تو ایک الساقی نے گھوڑے کو بلندی کی طرف دوڑایا اور وہاں گھوڑے سے اتر کر ایک بلند چٹان پر چڑھ گیا۔ پھر اس نے کمان سنبھالی اور تاک تاک دشمن پر تیر برسانے لگا۔ اس کا ہر تیر کسی نہ کسی دشمن کو خاک وخون میں لوٹا دیتا، اب بہت سے عیسائی اس چٹان کے گرد جمع ہو گئے۔ سب نے مل کر بڑی بڑی کمانوں سے جنہیں ''زنبورک'' کہا جاتا تھا، اس تنہا مجاہد کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ ایک نے شدید زخمی ہو جانے کے باوجود ہتھیار نہ ڈالے۔ اس کے تیروں سے بہت سے عیسائی گھائل ہو چکے تھے۔ آخر اس نے ترکش کا آخری تیر بھی چلا دیا۔ اس کے ساتھ ہی نصرانیوں کی کمانوں سے نکلے ہوئے کئی تیر اس کے جسم میں پیوست ہو گئے۔ خون میں نہایا ہوا ایک ایک کٹے ہوئے تنے کی طرح گر پڑا۔ نصرانیوں نے قریب آ کر اس کا معاینہ کیا، اس کا سارا جسم چھلنی ہو چکا تھا اور نبضیں ڈوب رہی تھیں۔ عیسائی اسے چھوڑ کر دوسرے مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ امیر زال نامی ایک خوبصورت اور جری عرب نوجوان بطور خاص بڑھ چڑھ کر دشمن پر وار کر رہا تھا، وہ مانا ہوا شہسوار تھا، جس طرف گھوڑے کا رخ پھیرتا، نصرانیوں میں تہلکہ مچا دیتا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے چند عرب رشتہ دار دیوار بن کر دشمن کے سامنے ڈٹے ہوئے تھے۔

اس دوران سلطان صلاح الدین ایوبی نہایت بے چینی سے اپنے ساتھیوں کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ سورج ڈھل چکا تھا اور منصوبے پر عملدرآمد میں غیر معمولی تاخیر ان کے لیے حد درجہ تشویش کا سبب بن رہی تھی۔ شام کے وقت مخبر نے سلطان کو صحیح صورتحال سے آگاہ کیا۔ سلطان نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر کمک روانہ کر دی۔ جب یہ سپاہی محاذ پر پہنچے تو رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اس وقت جنگ میں مصروف مجاہدین دشمن کے آخری اور بھرپور حملوں کا نشانہ بن رہے تھے۔ موت کو سامنے دیکھ کر امیر زال کا گھوڑا بدک رہا تھا، اس کے چچازاد بھائی نے ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا گھوڑا اسے پیش کر دیا مگر امیر زال جوں ہی اس گھوڑے پر سوار ہوا، یہ بھی بدکنے لگا۔ اس دوران دشمن کو ان عرب مجاہدوں پر ہاتھ ڈالنے کا موقع مل گیا چنانچہ انہوں نے امیر زال اور اس کے تین عرب رشتہ داروں کو وہیں جکڑ لیا مگر اسی لمحے سلطان کی جانب سے کمک کے لیے بھیجے گئے شہسواروں کی آمد کا شور وغل سنائی دیا جسے سن کر نصرانیوں نے امیر زال اور اس کے بندھے ہوئے تینوں رشتہ داروں کو وہیں شہید کر ڈالا۔ ادھر سلطان کے تازہ دم سپاہی تکبیر کے نعرے بلند کرتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ حریف کچھ دیر تک قدم جما کر لڑنے کے بعد میدان سے نکل بھاگا۔

مسلمانوں نے تعاقب مناسب نہ سمجھا کیوں کہ اس وقت اپنے ساتھیوں پر توجہ دینے کی زیادہ

ضرورت تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اتنی شدید اور طویل لڑائی کے باوجود فریقین کا جانی نقصان بہت کم ہوا تھا۔ نصرانیوں کے دس افراد ہلاک اور مسلمانوں کے صرف آٹھ سپاہی شہید ہوئے تھے تاہم زخمیوں کی تعداد بہت تھی۔ اس کے علاوہ بہت سے سپاہی رات کے ہنگامے میں بھٹک کر ادھر ادھر نکل گئے تھے۔ ان کی فوری تلاش ضروری تھی۔ ان لاپتا افراد میں ایک الساقی بھی شامل تھا جس کے بارے میں سلطان ایوبی بذات خود خاصے فکرمند تھے۔ انہوں نے کچھ سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ اس علاقے کا چپہ چپہ چھان ماریں اور ہر قیمت پر اس کا سراغ لگائیں۔ یہ سپاہی رات بھر وادی میں گھوم پھر کر شہیدوں اور زخمیوں کو تلاش کرتے رہے۔ جو شہداء مل گئے ان کی تدفین کردی گئی اور زخمیوں کو علاج کے لیے خیمہ گاہ بھیج دیا گیا۔ صبح کے وقت سپاہی وادی کے اس گوشے سے گزرے جہاں چار شہداء اور کئی مردہ نصرانیوں کے درمیان ایک کا وجود کسی مسخ شدہ لاش کی طرح نظر آرہا تھا۔ سپاہیوں نے قریب آکر دیکھا۔ اس کی سانس بہت آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ حالت اتنی دگرگوں تھی کہ اسے پہچاننا مشکل تھا، سپاہیوں کو یقین ہوگیا کہ اس کا زندہ بچنا ناممکن ہے۔ انہوں نے اسے شہادت کا شرف حاصل ہونے پر مبارک باد دی اور کلمہ شہادت کی تلقین کی۔ پھر اسے ایک چادر میں اچھی طرح لپیٹ کر دوسرے زخمیوں کی تلاش میں آگے چل دیے۔

اپنی مہم انجام دے کر جب وہ اس جگہ دوبارہ گزرے جہاں انہوں نے ایک کو چھوڑا تھا تو ایک بار پھر اس کا جائزہ لیا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس کا سانس اب قدرے بحال ہو چکا تھا اور نبض باقاعدہ چل رہی تھی۔ انہوں نے فوراً اسے ایک شربت پلایا جس سے اس کی حالت مزید بہتر ہونے لگی۔ اسے اٹھا کر سلطان کی خیمہ گاہ میں لایا گیا، سلطان کو اس کے زندہ بچ جانے سے بڑی خوشی ہوئی۔ ایک کا علاج جاری رہا اور بہت جلد مکمل طور پر تندرست ہوگیا۔ علامہ ابن اثیر کے بقول:

"اس کے بعد بھی ایک ہر معرکے میں شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کرتا رہا۔"[1]

<u>ریجی نالڈ گرفتار ہوا:</u> اگلے دن سلطان مرج عیون کے معسکر میں لوٹ آئے کیونکہ 18 جمادی الثانیہ کو ریجی نالڈ کو دی گئی تین ماہ کی مدت ختم ہورہی تھی اور تب وہ وعدے کے مطابق قلعہ شقیف مسلمانوں کے حوالے کرنے کا پابند تھا۔[2]

سلطان اب اپنا معسکر تبدیل کرکے پہاڑی ڈھلوان پر قلعے کے نزدیک پڑاؤ ڈالنے کی تیاری کرنے لگے تاکہ اگر ریجی نالڈ معاہدے کی خلاف ورزی کرے تو قلعے کا محاصرہ فوری طور پر تنگ کردیا جائے اور

---

[1] النوادر السلطانیہ: 160، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 76، 77، الکامل فی التاریخ: 10/ 183

[2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 76

وہاں اشیاء خورد ونوش کی ترسیل ناممکن بنادی جائے مگر چونکہ ریجی نالڈ کو معسکر کی تبدیلی کے انتظامات سے تشویش ہوسکتی تھی اور وہ اس دوران ہوشیار ہوکر کوئی اور چال چل سکتا تھا اس لیے سلطان نے اس پر یہ ظاہر کیا کہ وہ فوج کو گرمی کی شدت سے بچانے کے لیے پہاڑ کی بلندی پر لے جانا چاہتے ہیں۔[1]

آخر کار معاہدے کے اختتام کا وقت آن پہنچا۔ معینہ تاریخ سے تین دن قبل سلطان نے ریجی نالڈ کو بلوالیا اور قلعہ حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس مکار نے ایک بار پھر دھوکہ دینے کی کوشش کی اور نہایت عاجزی کے ساتھ کہا:

"میرے متعلقین اب تک صور سے نکل کر یہاں نہیں پہنچ سکے۔ آپ نے ہم پر احسان کیا ہے تو اس کی تکمیل بھی فرمادیجیے۔"

اس نے سلطان کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ مارکیس اس کے بیوی بچوں اور ساتھیوں کو صور سے نکلنے کا موقع نہیں دے رہا، ان کی آمد کا کوئی بندوبست ہونے میں مزید وقت لگ جائے گا۔ اس سے پہلے قلعہ مسلمانوں کے حوالے کیا جانا خلافِ مصلحت ہے۔ بہتر ہوگا کہ سلطان مہلت کی مدت ایک سال تک بڑھادیں۔

مگر اب اس کی چالبازی مخفی نہیں رہی تھی۔ اس لیے سلطان نے اس کی باتوں کا کوئی اثر نہیں لیا۔ تاہم انہوں نے بداعتمادی کا اظہار نہ ہونے دیا اور اسے گول مول جواب دیتے ہوئے نرمی کے ساتھ کہا:

"ہم اس معاملے میں غور وفکر کریں گے اور اپنے امراء کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیں گے۔"

اس کے بعد سلطان نے خیمہ گاہ کو قلعے کے قریب منتقل کرنے کا حکم دیا اور ریجی نالڈ کو اپنے امراء کے سپرد کردیا گویا اب وہ مسلمانوں کی غیر اعلانیہ حراست میں تھا۔ مسلمانوں کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر ریجی نالڈ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ جب اس نے گھبراہٹ کا اظہار کیا تو سلطان کے افسران نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

"قلعے کی سپردگی میں دو ہی دن رہ گئے ہیں، اب آپ ہماری حفاظت میں رہیں کیوں کہ قلعہ بھی ہمارے حوالے ہونے والا ہے۔"

ریجی نالڈ کو حقیقت کا ادراک ہوگیا تھا۔ اپنا انجام سامنے دیکھ کر وہ زار وقطار رونے لگا۔ کچھ دیر بعد خود پر قابو پایا تو کہنے لگا:

"ہمارا کام سننا اور حکم بجالانا ہے۔"

---

[1] النوادر السلطانیہ: 161، 162۔ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 66/4

خیمہ گاہ قلعے کی فصیل کے پاس منتقل ہوئی تو ریجی نالڈ کو بھی وہیں پہنچا دیا گیا۔ بظاہر وہ آزاد تھا مگر خفیہ کارندے ہر آن اس پر نگاہ رکھے ہوئے تھے کہیں وہ بھاگ نہ جائے۔

18 جمادی الثانیہ (3 اگست 1189ء) کو سلطان نے اسے بلوا کر آگاہ کیا کہ مزید مہلت ملنا ممکن نہیں، لہٰذا حسب وعدہ قلعہ سپرد کر دیا جائے۔ شاید ریجی نالڈ کو سلطان کے عفو و درگزر پر بہت زیادہ بھروسہ تھا اس لیے اس حالت میں بھی وہ مسلمانوں کو دھوکا دینے سے باز نہیں آیا جبکہ خود اس کے بچ نکلنے کے امکانات ختم ہو چکے تھے۔ اس نے سلطان کو اپنی وفاداری کا یقین دلاتے ہوئے کہا کہ قلعے سے اس کے معتمد پادری کو بلوا لیا جائے، وہ اس کے ہاتھ اپنا رقعہ اندر بھیج دے گا اور اندر محصور لوگ ہتھیار ڈال دیں گے۔ سلطان کے افسران نے پادری کو قلعے سے بلوا کر ریجی نالڈ سے ملوایا۔ اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر ریجی نالڈ نے پادری سے کانا پھوسی کی اور اسے یہ تاکید کر دی کہ وہ قلعہ کسی قیمت پر مسلمانوں کے حوالہ نہ ہونے دے۔ چنانچہ پادری کے قلعے میں جانے کے بعد اہلِ قلعہ آمادۂ پیکار نظر آنے لگے۔

اب ریجی نالڈ کا مکر و فریب ثابت ہو چکا تھا۔ سلطان کو اس دغاباز انسان پر سخت غصہ آیا جس کی مکاری اور دروغ گوئی کے باعث مسلمانوں کے تین مہینے ضائع ہو گئے۔ یہ اتنا بڑا نقصان تھا جس کی تلافی اب ممکن نہیں تھی۔ ریجی نالڈ کو اس بدترین جرم کی پاداش میں وہیں قتل کر دیا جاتا تو غلط نہ تھا مگر سلطان نے اپنے جذبات پر قابو رکھتے ہوئے اسے قید خانے میں ڈال دینے کا حکم دیا، لہٰذا اسے پہلے بانیاس اور پھر 6 رجب 585ھ کو دمشق کے جیل خانے بھیج دیا گیا۔ سلطان نے حصن شقیف کو چند معتمد امراء کے حوالے کر کے انہیں نہایت سخت محاصرے کی تاکید کی اور خود باقی لشکر کے ساتھ سخت ترین معرکوں کا سامنا کرنے کے لیے ساحل شام کی طرف روانگی کی تیاری شروع کر دی جہاں تیسری صلیبی جنگ پوری شدت سے چھڑنے کو تھی۔ [1]

<u>قیصر روم کا دوستانہ مراسلہ</u>: جنگ کے ان ہنگاموں میں بھی سلطان کے ہاں بیرونی وفود سے گفت و شنید اور مراسلہ نگاری کے معمولات جاری تھے۔ اسی سلسلے کا ایک اہم واقعہ قیصر روم کے سفیر کی حاضری تھا۔ ان دنوں جب کہ شام سے لے کر یورپ تک کی عیسائی طاقتیں اسلام کے خلاف متحد ہو رہی تھیں روم کی قدیم بازنطینی سلطنت مسلمانوں سے دوستانہ مراسم کی داغ بیل ڈال رہی تھی۔ قسطنطنیہ کا قیصر آئزک (اسحاق فرشتہ صفت) اس روبہ تنزل سلطنت کی بقا کے لیے ضروری سمجھتا تھا کہ وہ مسلمانوں کی یلغار سے مامون رہے۔ اسے اپنے یورپی ہمسایوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے بھی ہمیشہ دھڑکا لگا رہتا تھا۔

[1] النوادر السلطانیہ: 162، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 60، 70، الکامل فی التاریخ: 10/ 181

ممکن ہے یورپ میں صلیبی جنگ کا اعلان ہونے کے بعد اسے یہ خدشہ بھی لاحق ہو گیا ہو کہ صلیبی جم
قسطنطنیہ سے گزرتے ہوئے کہیں اس کا تاج وتخت نہ چھین لیں، کیونکہ پہلی صلیبی جنگ میں بھی قسطنط
راستہ بنانے والی صلیبی افواج کا رویہ قسطنطنیہ کے لیے سخت پریشان کا باعث بنا رہا تھا۔ چنانچہ قیصر
محسوس ہوا کہ ابھی سے مسلمانوں سے تعلقات بہتر بنا کر وہ اپنی پشت مضبوط کر سکتا ہے۔ یہ بھی
ہوسکتا ہے کہ قیصر کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا ہو کہ صلیبی جنگ میں یورپی شکست کھا جائیں گے اور اس کے
بعد صلاح الدین کا لشکر صلیبیوں کی مدد کی پاداش میں قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوسکتا ہے۔ قیصر کو ضرور معلوم تھا
کہ حضور اکرم ﷺ کی حدیث کے مطابق قسطنطنیہ کے جہاد میں حصہ لینے والوں کے لیے جنت واجب
ہے، اسی بناء پر خلفائے اسلام قسطنطنیہ کی فتح کے لیے کئی بار لشکر کشی کر چکے تھے مگر گزشتہ ساڑھے پانچ
صدیوں میں ایسی کوئی مہم بوجوہ کامیاب نہیں ہو سکی تھی، تاہم اب بازنطینی سلطنت انحطاط کی اس انتہا
تھی کہ وہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی بڑا حملہ برداشت نہ کر پاتی۔ اس صورتحال میں قیصر روم نے اول
مسلمانوں سے بہتر تعلقات استوار کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لیے اس نے تاریخ میں پہلی بار قسطنطنیہ
میں مساجد کی تعمیر کی حوصلہ افزائی کی اور ساتھ ہی مسلم دنیا سے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کی۔ قیصر کے
سفیر رجب 585ھ کے ابتدائی ایام میں مرج عیون کے معسکر میں حاضر ہوئے اور قیصر کا مراسلہ پیش
کیا۔ اس میں بنیادی طور پر دو باتیں اہم تھیں:

1- سلطان سے دوستانہ معاہدے کی التماس کی گئی تھی۔
2- اطلاع دی گئی تھی کہ قسطنطنیہ میں مسلمان باشندوں اور تاجروں کے لیے مساجد تعمیر کی جارہی ہیں
جن میں علماء، اور قراء کی ضرورت ہے۔

سلطان نے احتیاط کا پہلو اختیار کرتے ہوئے دوستانہ معاہدے کی پیش کش کا مثبت جواب دینے میں
تامل کیا۔ تاہم مساجد کی تعمیر کے ارادے پر بے حد مسرت کا اظہار کیا اور قیصر کے سفیر کے ساتھ ایک عالم
دین خطیب، کئی قراء اور مؤذن قسطنطنیہ روانہ کر دیئے۔ نیز ایک خوبصورت منبر بھی بھجوا دیا تا کہ اسے
قسطنطنیہ کی جامع مسجد میں نصب کیا جائے۔ قاضی ابن شداد کہتے ہیں:

''ان لوگوں کے قسطنطنیہ میں داخل ہونے کا دن تاریخ اسلام کا ایک یادگار دن تھا، (مسلم)
تاجروں کے ایک جم غفیر نے اسے بچشم خود دیکھا۔ خطیب صاحب منبر پر تشریف فرما ہوئے،
مقامی مسلمان باشندے اور تاجر وہاں جمع ہو گئے۔''[1]

---

[1] النوادر السلطانیہ، ص 202

اتنی تاخیر کیوں ہوئی؟ بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے زیرک اور جہاں دیدہ جرنیل کو شقیف ارنوم سے روانگی میں تاخیر پر تاخیر ہوتی چلی گئی، پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ریجی نالڈ کا فریب ثابت ہونے اور اس کی گرفتاری کے بعد بھی سلطان نے فوراً کوچ کا اعلان نہیں کیا۔

اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ موجودہ معسکر بھی جنگ کے ممکنہ محاذوں یعنی عکا یا صور سے بہت زیادہ دور نہیں تھا۔ سلطان یہاں سے کسی بھی وقت سوار فوج لے کر صور کے فرنگیوں پر دھاوا بول سکتے تھے۔ اسی لیے کئی ماہ سے اسی معسکر میں رہتے ہوئے وہ چھوٹی موٹی جھڑپوں اور جنگوں کی کمان کرتے آرہے تھے اور مزید کچھ عرصے تک یہ ترتیب جاری رہ سکتی تھی۔

تاہم اس تاخیر کی ایک اور وجہ بھی معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ ان دنوں غالباً سلطان کا محکمہ خبر رسانی مستعد نہیں تھا۔ وہ بعض اہم خبریں بھی معمولی انداز میں پہنچا رہا تھا جس سے سلطان صحیح نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے تھے۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ فرنگی جان بوجھ کر ایسے حالات پیدا کرتے رہتے ہوں جن سے اصل حقائق مشتبہ ہو جائیں اور سلطان بروقت کوئی صحیح فیصلہ نہ کر سکیں۔ یہ بات بھی طے ہے کہ فرنگیوں کی پوری کوشش سلطان کو دیر تک ساحل سے دور رکھنے کی تھی اور شقیف ارنوم کے عیار قلعہ دار کے ذریعے وہ اس مقصد میں پورے پورے کامیاب رہے تھے۔ مگر اس کے بعد بھی وہ مزید کچھ دنوں تک سلطان کو الجھن میں مبتلا رکھنا چاہتے تھے۔

ریجی نالڈ کی گرفتاری کے بعد بھی سلطان نے فوری طور پر کوچ کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ وہ اب بھی اس انداز سے سوچ رہے تھے کہ کسی طرح زوردار حملوں کے ذریعے پہلے اس قلعے کو سر کر لیا جائے اور اس دوران جب تک عکا یا صور کے محاذوں پر انتہائی ضرورت نہ پڑ جائے خواہ مخواہ اس محفوظ معسکر کو نہ چھوڑا جائے۔

صور سے گائی کے لشکر کی روانگی اس شش و پنج کے دوران سلطان کو اطلاع ملی کہ صور سے گائی کا لشکر روانہ ہو چکا ہے۔ سات ہزار فرنگی اس کی قیادت میں ''نواقیر'' سے ہوتے ہوئے ''عکا'' کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ گائی یہ خوش فہمی نہیں پال سکتا تھا کہ وہ ان سات ہزار سپاہیوں کے ساتھ عکا کو فتح کر لے گا۔ درحقیقت اس کا منصوبہ یہ تھا کہ یورپ سے آنے والی افواج اور امدادی لشکر اسی مقام پر جمع ہو کر اس کا ساتھ دیں گے اور وہ ان کی مدد سے القدس کی بادشاہت دوبارہ حاصل کر لے گا۔ ابن اثیر کے بقول فرنگیوں کی یہ پیش قدمی 8 رجب کو شروع ہوئی تھی۔

سلطان کے لیے یہ خبر نہایت پریشان کن تھی۔ تاہم یہ اطلاع جس ادھورے انداز سے وصول ہوئی تھی اس سے سلطان کو شبہ ہوا کہ کہیں فرنگی عکا کی طرف محض نمائشی پیش قدمی کر کے انہیں شقیف ارنوم

سے کوچ کرنے پر مجبور نہ کرنا چاہتے ہوں۔ سلطان اس امکان کو اس لیے نظر انداز نہیں کر سکتے تھے کہ انہیں اسکندرونہ میں صلیبیوں اور اپنے پیادہ سپاہیوں میں جھڑپ کی اطلاع بھی مل چکی تھی۔ اگرچہ فرنگیوں کا یہ حملہ ناکام ہو گیا تھا اور ان کے کئی افراد قتل ہوئے تھے مگر یہ خبر ظاہر کرتی تھی کہ دشمن سلطان کی توجہ کو اہم معاملے سے ہٹانے کے لیے ادھر ادھر حملے کر رہا ہے۔ چنانچہ چند دنوں تک سلطان نے مرج عیون کا معسکر نہ چھوڑا۔ تاہم وہ برابر جاسوسوں سے اطلاعات لیتے رہے۔

اتوار 12 رجب (26 اگست) کو انہیں خبر ملی کہ گائی اپنے لشکر کے ساتھ عکا کی جانب نکل چکا ہے، اس کا اصل لشکر 'بصہ' کے چشمے کے پاس خیمہ زن ہے جب کہ اس کے ہراول دستے ''زیب'' نامی مقام تک پہنچ چکے ہیں۔ [1]

خاصی دیر سے ملنے والی یہ پختہ اطلاع یقین دلا رہی تھی کہ فرنگی بہت جلد عکا پہنچنے والے ہیں اور یہ کہ اب مجاہدینِ اسلام کی وہاں فوری روانگی ناگزیر ہے۔ سلطان نے اسی دن کوچ کا حتمی فیصلہ کر لیا۔ فوج کے اس حصے کے سوا، جو شقیف ارنوم کا محاصرہ کیے ہوئے تھا، تمام ساز و سامان اور بھاری آلاتِ حرب باربرداری کے جانوروں اور چھکڑوں پر لاد دیے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ مملکت کے تمام صوبے داروں اور ماتحت حکام کو تاکیدی فرمان روانہ کر دیا گیا کہ وہ امدادی افواج فی الفور روانہ کر دیں۔

ادھر گائی کی فوج بڑے نظم و ضبط کے ساتھ سمندر کے کنارے کنارے صور سے عکا کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ان کا بحری بیڑہ جس میں اسلحے کے ذخائر اور خوراک و رسد کا سامان تھا سمندر میں ان کے دائیں ہاتھ پر ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا۔ یہ ساحلی شاہراہ صور اور عکا کے درمیان کئی جگہوں پر نہایت دشوار گزار ڈھلوانوں اور تنگ پہاڑی چڑھائیوں سے گزرتی تھی مگر فرنگی اس سے ہٹ کر کوئی اور راستہ اختیار کرنے پر تیار نہیں ہوئے، ان کے پیشِ نظر یہ تھا کہ اگر راستے میں سلطان کی فوجیں حملہ آور ہو گئیں تو وہ اپنے بحری بیڑے سے مدد لے سکیں گے یا کم از کم اس پر سوار ہو کر صور لوٹ جائیں گے اور مسلمانوں سے محفوظ رہیں گے۔ سمندر سے دور سفر کر کے وہ بحری بیڑے کی مدد نہیں لے سکتے تھے۔ [2]

---

[1] النوادر السلطانیۃ: 163

[2] النوادر السلطانیۃ: 163؛ الکامل فی التاریخ: 10/184

اَسباقِ تاریخ

- میدانِ جنگ میں ایک ایک لمحہ قیمتی ہوتا ہے۔بعض اوقات ایک گھڑی کی غفلت ایک صدی کا نقصان کر دیتی ہے۔صور میں اسلامی بحریہ کی ایک شب کی غفلت کا نتیجہ یہ نکلا کہ پھر اگلی صدی میں جا کر یہ شہر فتح ہوا۔
- جن کو بڑا مانا ہے ان کی کڑوی کسیلی برداشت کرنی چاہیے۔قوم،ملک وملت اور اداروں کا اتحاد اسی پر منحصر ہے۔خلیفہ ناصر عمر تجربے اور قابلیت میں سلطان سے کم تھا مگر منصب میں بلند تھا سلطان نے اس کی کڑوی باتیں بھی شکر سمجھیں۔تب ہی امت کا اتحاد برقرار رہا۔ورنہ اک نئی خانہ جنگی شروع ہونے میں دیر نہ تھی۔
- جب کوئی بڑا کام ختم ہونے کے قریب ہو تو تھکان کو نظر انداز کر کے اسے مکمل کر لینا چاہیے۔ورنہ بعض اوقات اسے ازسرِنو شروع کرنا پڑتا ہے۔صور کا تجربہ سامنے ہے۔
- جوہر قابل کو تاڑنا اور اس سے کام لینا بہت بڑا ہنر ہے۔سلطان نے ابن شداد کو پہچانا تو پھر جانے نہ دیا۔
- چھوٹوں سے برائے تحقیق احوال یا برسبیل تذکرہ بھی کوئی ایسی بات چھیڑنا مناسب نہیں جس میں آگے چل کر بڑوں کی برائی کا پہلو سامنے آتا ہو۔سلطان نے ابن شداد سے بھول کر بھی حج کے قضیے کا کوئی سوال نہ کیا۔اس میں خلیفہ کی عیب جوئی اور غیبت کا احتمال تھا جو ایک کارِ عبث تھا اور بے ادبی بھی۔
- دشمنوں کے افراد سے کام لینا اعلیٰ درجے کی سیاست ہے۔ایسے لوگوں پر دل کھول کر خرچ کرنا پڑتا ہے مگر فائدے کے لحاظ سے دوگنا وصول ہو جاتا ہے۔انطاکیہ میں عیسائی خاتون سلطان کے لیے کام کر رہی تھی۔
- ہمیشہ منصوبے کے مطابق کام نہیں ہوتا۔ناگہانی حالات پیش آ کر منصوبے کو ملتوی کر دیتے ہیں۔کوکب کا محاصرہ ناکام جانا اور انطاکیہ اور طرابلس کو فتح کیے بغیر واپس آ جانا ناگہانی حالات ہی کی وجہ سے تھا۔

- ماتحتوں کی ذہنی حالت اور بشاشت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اتنا بوجھ نہ ڈالا جائے کہ وہ کام بس دکھانے یا رسم نبھانے کے لیے کرنے پر اتر آئیں۔ ایسے حال میں کام کروانا وقت اور سرمایے کے ضیاع کے مترادف ہے۔
- رمضان گھر میں یکسوئی سے عبادات کا موسم ہے۔ مگر جہاد کا تقاضا ہو تو رمضان کی اعلیٰ ترین عبادت جہاد ہے۔ سلطان اس معاملے میں بھی رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے قدم بقدم پیروکار تھے۔
- بشری کمزوریوں سے کوئی خالی نہیں۔ رنج وغم، وقتی مایوسی، اعصابی و ذہنی تناؤ جیسے عوارض بڑے بڑوں کو لاحق ہوتے رہتے ہیں۔ مخالفین کی سازشوں، سوالیوں کی کثرت اور لوگوں کی ہٹ دھرمی سے سلطان بھی کبھی تنگ آجاتے تھے۔ ایسے میں اللہ کا ذکر، اس کے سابقہ احسانات کی یاد، ہمدرد دستوں سے گفتگو اور اللہ والوں کی صحبت طبیعت کو اعتدال پر لانے کے بہترین ذرائع ہیں۔
- تجربہ کار انسان حالات دیکھ کر اندازے لگاتا ہے جو بہت مرتبہ دو اور دو چار کی طرح درست نکلتے ہیں۔ خلیفہ اور طغرل کی کشمکش دیکھ کر سلطان نے جو کچھ کہا وہ حرف بحرف ویسے ہی ہوا۔
- دانش مند کبھی عیاروں سے مات کھا جاتا ہے، جھوٹ کو سچ سمجھ لیتا ہے۔ ریجی نالڈ کے مسئلے میں سلطان ایسے ہی دھوکے کا شکار ہوئے۔ مگر مستقل کامیابی دانش مند کو نصیب ہوتی ہے مکار کو نہیں۔

باب:2

عکا کا میدانِ کارزار

13رجب585ھ(27اگست1189ء)

......تا......

29رجب587ھ(21اگست1191ء)

شخصیات

الملک العادل	سلطان کا بھائی اور دست راست
الملک الظاہر	سلطان کا بیٹا
الملک الافضل	سلطان کا بیٹا
الملک الظافر	سلطان کا بیٹا، حاکم بصریٰ
تقی الدین عمر	سلطان کا بھتیجا، حاکم حماۃ
سیف الدین مشطوب	سلطان کا امیر
ابوالہیجاء السمین	سلطان کا امیر
بہاؤالدین قراقوش	عکا کا حاکم
فقیہ عیسیٰ	سلطان کے مشیر اور سالار
صارم الدین قایماز نجمی	سلطان کا کمانڈر۔قلعہ کوکب کا نگران
حسام الدین لؤلو	بحریہ کا کمانڈر
سیف الدین یازکوج	سلطان کا سالار
علاؤالدین مسعود	حاکم موصل
علی بن عریف	نوجوان کیمیادان
عمادالدین	حاکم سنجار
سلیمان بن جندر	سلطان کا دوست
عزالدین جادلی الاسدی	سلطان کا کمانڈر
عزالدین جردیک	سلطان کا کمانڈر
حسام الدین لاجین	سلطان کا بھانجا، سالار
بدرالدین دلدرم	سلطان کا کمانڈر
سنجر شاہ	سیف الدین غازی کا بیٹا، ایک دستے کا سالار

عزالدین اسامہ	....	حاکم بیروت
قلج ارسلان	....	سلطانِ ایشیائے کوچک
ابن لاؤن	....	آرمینیا کا عیسائی حکمران
آئزک دی اینجل	....	قیصر قسطنطنیہ
کونرڈ مارکوئیس	....	صور کا عیسائی حاکم
گائی	....	شام کے نصرانیوں کا بادشاہ
فریڈرک بار بروسا	....	جرمنی کا بادشاہ
فریڈرک ڈیوک آف سوابیا	....	بار بروسا کا جانشین
ہنری کاؤنٹ اوف شیمپین	....	شاہ فرانس کا بھتیجا، یورپی نواب
فلپ آگسٹس	....	فرانس کا بادشاہ
رچرڈ	....	برطانیہ کا بادشاہ

فصل:1

محاصرۂ عکا

پیر 13 رجب 585ھ (27 اگست 1189ء) کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے شقیف ارنوم کو محاصرے کی حالت میں چھوڑ کر عکا کا رخ کیا۔ سلطان کے اکثر امراء عکا پہنچنے کے لیے طبریہ کے راستے سے جانے کو ترجیح دے رہے تھے۔ بڑی فوج اور بھاری سامان حرب کے ساتھ سفر کے لیے یہ طویل مگر کشادہ راستہ بہتر تھا مگر سلطان تبنین کی دشوار گزار وادیوں کا مختصر راستہ اختیار کر کے جلد از جلد دشمن کے قریب پہنچنا چاہتے تھے۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ دشمن کو راستے میں روک کر اس پر مسلسل چھاپہ مار حملے کیے جائیں اور اس کی پیش قدمی روک دی جائے۔ مگر سلطان ہر معاملے میں اپنے امراء کی رائے ضرور لیتے تھے۔ اس لیے دریافت کیا:

''کیا ہم فرنگیوں کو راستے میں ہی جالیں اور ان کی پیش قدمی کے دوران متوازی چلتے ہوئے ان پر حملے کرتے رہیں یا انہیں ان کے راستے پر چھوڑ کر خود کسی اور راستے سے بسہولت عکا پہنچ جائیں۔''

امرائے فوج نے جواب دیا:

''ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ فرنگیوں کے متوازی چلنے کی مشقت برداشت کریں کیوں کہ وہ راستہ بڑا پیچیدہ اور تنگ ہے جس پر چلتے ہوئے ہم دشمن کو حسب منشا نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ کشادہ راستے سے سفر کیا جائے۔ عکا پہنچ کر ہم ان کے خلاف کارروائی شروع کریں گے اور انہیں فوراً تتر بتر کر دیں گے۔''

سلطان نے کہا:

''فرنگی عکا پہنچ کر زمین سے چپک جائیں گے۔ جب وہ پیادوں کو اپنی دیوار بنالیں گے اور خندقیں کھودلیں گے تو ہم ان تک رسائی سے عاجز ہو جائیں گے اور شہر خطرے میں پڑ جائے گا۔ پھر ہم نہ تو ان کے قدم اکھاڑ سکیں گے نہ ان کو حسب مراد نقصان پہنچا سکیں گے۔''

تاہم امرائے فوج مصر رہے کہ فی الحال کشادہ سڑک سے آرام دہ سفر اختیار کیا جائے، عکا کا معاملہ وہیں جا کر دیکھا جائے گا۔ آنے والے وقت نے بتادیا کہ سلطان کی دوراندیش نگاہیں درست دیکھ رہی تھیں۔ وہی ہوا جو سلطان نے کہا تھا۔ فرنگیوں نے عکا کے محاذ پر ایسے قدم جمائے کہ انہیں ہٹانا مشکل ہوگیا۔

بہر حال امراء کے اصرار پر سلطان نے اپنی رائے کے خلاف طبریہ کی شاہراہ پر سفر شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک برق رفتار دستہ تبنین کے مختصر راستے سے آگے روانہ کر دیا تا کہ وہ دشمن کے قریب پہنچ کر اس کی نقل وحرکت کی خبریں روانہ کرتا رہے۔

سفر کے پہلے دن دوپہر کے وقت حولہ میں پڑاؤ کیا گیا اور اس کے بعد سلطان نے رات گئے تک مسلسل سفر جاری رکھا۔ منگل 14 رجب کی صبح وہ "منیۃ" نامی قصبے میں پہنچے تو مخبر نے بتایا فرنگی عکا کے سامنے پہنچ چکے ہیں۔

سلطان نے یہاں خوراک ورسد اور بھاری سامان حرب لادنے والے سپاہیوں کو تاکید کی کہ وہ مرج صفوریہ تک پہنچ کر رک جائیں اور تمام سامان اور بھاری آلات وہیں اتار دیں۔ اس کے بعد سلطان تیزی سے آگے بڑھتے گئے۔ مرج صفوریہ میں انہیں اپنی وہ فوج مل گئی جسے انہوں نے تبنین کے راستے روانہ کیا تھا، یہ سپاہی ایک دن پہلے فرنگیوں کے قریب پہنچ گئے تھے اور سرحدی محافظ ٹولیوں کے ساتھ مل کر فرنگیوں کی رفتار کو سست کرنے کے لیے ان پر چھاپہ مار حملے کرتے رہے تھے۔ مگر دشمن ان کے جھانسے میں نہ آیا اور ان کی پروا کیے بغیر اسی رفتار سے چلتا رہا۔ یہ سپاہی سلطان کی تاکید کے مطابق اب یہاں رک کر دشمن کی نقل وحرکت کا معاینہ اور سلطان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ سلطان منگل کی شام "کفر کنا" میں اور فرنگیوں کے عکا پہنچنے کے اگلے دن یعنی بدھ کے روز کو وہ خروبہ پہنچ گئے جہاں سے فرنگیوں کا لشکر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ افق پر عکا کی فصیل تھی اور فصیل کے پیچھے قلعے کے برج پوری وقار سے ایستادہ تھے۔ شہر کے پیچھے نیلا سمندر پھیلا ہوا تھا۔ [1]

<u>وادیٔ عکا کا نقشہ</u>: اس سے پہلے کہ ہم عکا کے محاذ پر پیش آنے والے ان خون ریز تاریخی معرکوں کا ذکر شروع کریں جن کا سلسلہ کم وبیش اڑھائی سال تک جاری رہا، مناسب ہوگا کہ اس میدان، ساحل اور شہر کے جغرافیے کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ کیوں کہ مطالعے کے اس سفر میں اب ہم خاصی دیر تک اس ماحول میں محصور رہیں گے۔

<u>یہ چھٹی صدی ہجری ہے۔ عکا شام کے ساحل پر کچھ اس طرح واقع ہے</u> کہ اس کے شمال میں تقریباً دو

[1] النوادر السلطانیہ: ص 163، 164

دن کی پیدل مسافت پر صور اور جنوب میں تقریباً دو دن کی مسافت پر حیفا ہے۔ عکا سے صور جانے کے لیے ساحل کے ساتھ ساتھ کا راستہ اختیار کیا جائے تو پہاڑیوں کے دشوار گزار سلسلے کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ یہ سلسلہ کسی زینے کی طرح بتدریج بلند ہوتا جاتا ہے، اس لیے اسے "صور کا زینہ" کہا جاتا ہے۔

صور سے آنے والے قافلے جب ساحل تک پھیلے ہوئے اس پہاڑی سلسلے سے نیچے اترتے ہیں تو انہیں سامنے وادیٔ عکا دکھائی دیتی ہے جبکہ عکا سے صور جانے والوں کو پہاڑیوں پر چڑھتے ہی دور بلند و بالا پہاڑوں کے پیچھے شمال میں کوہ ہرمون کی چٹیل چوٹی نظر آنے لگتی ہے۔ وادی عکا یا عکا کا میدان ساحل پر لمبائی میں اکیس میل تک شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ہے۔ شمال میں یہ صور کی پہاڑیوں اور جنوب میں جبل کارمل کے دامن سے جا لگتا ہے۔ اس کی چوڑائی سات میل سے کم نہیں، جو عکا کی فصیلوں سے شروع ہو کر خروبہ کی پہاڑیوں پر ختم ہوتی ہے۔ اس علاقے میں عموماً موسم معتدل رہتا ہے مگر اگست میں شدید گرمی اور دسمبر سے جنوری تک شدید سردی پڑتی ہے۔

اس وادی میں ہر طرف سبزے کی چادر بچھی رہتی ہے۔ میدان مکمل طور پر ہموار نہیں بلکہ اس میں جگہ جگہ ٹیلے بھی ہیں جیسے تل العجول، تل الکیسان اور تل العیاضہ۔ میدان کے بعض گوشوں میں کھجور، زیتون اور انگور کے باغات ہیں۔ سایہ دار درختوں کی کثرت ہے۔ عکا کی فصیل پر چڑھ کر پوری وادی کا بخوبی نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ ایسے میں وادی کے کناروں پر جگہ جگہ کھجور کے درختوں کا سبز حاشیہ بڑا بھلا معلوم ہوتا ہے۔

اس وادی کے جنوبی حصے میں میٹھے پانی کی ایک رو بہتی ہے۔ یہ دریائے عکا ہے۔ عرب اسے "النهر الحلو" کہتے ہیں۔ یہ وادی سے گزرتا ہوا سمندر کی طرف چلا جاتا ہے اور آگے پانچ چھ شاخوں میں تقسیم ہو کر اپنا آبِ شیریں ان دلدلوں کی نذر کر دیتا ہے جو سمندر تک چلی گئی ہیں اور جن میں جگہ جگہ سبز سرکنڈوں کے جھنڈ چوکس سپاہیوں کی مانند کھڑے نظر آتے ہیں۔ میدان کے جنوبی حصے کا ساحل ریتیلا ہے۔ یہاں سمندر کا پانی ساحل کو کاٹ کر ایک کمان کی مانند مڑتا ہوا خشکی میں داخل ہو گیا ہے۔ یہ کمان دار خلیج کوہِ کارمل کے دامن تک پہنچ گئی ہے۔[1]

<u>شہر عکا کا نظارہ</u>❀ ساحل پر عکا کا تاریخی شہر ہے۔ پہاڑ کی مانند پرہیبت اور کسی چٹان کی طرح ٹھوس یہ ساحلی شہر خشکی کی ایک لمبی اور پتلی پٹی پر آباد ہے جو زمین سے الگ ہو کر سمندر کے اندر دور تک چلی گئی ہے۔ یہ پٹی چاروں طرف سے بلند فصیل میں گھری ہوئی ہے۔ ساحل کی جانب سے یہ پٹی خاصی تنگ ہے مگر جوں جوں یہ سمندر میں گھستی جاتی ہے اس کا عرض بڑھتا جاتا ہے۔ اس کا آخری سرا کٹے پھٹے نم

[1] سیکی جنگیں مع روالمب: 154_155

دائرے میں پھیلا ہوا ہے۔ بلندیوں پر پرواز کرتے ہوئے عقابوں کو یقیناً یہ جگہ ایک انسانی ہاتھ کی مانند نظر آتی ہوگی گویا زمین سمندر سے مصافحہ کر رہی ہو یا کوئی من چلا لڑکا سمندری لہروں سے چلو بھر رہا ہو۔

عکا کی فصیل دوہری ہے۔ ساحل کی طرف بیرونی فصیل جو شمالاً جنوباً ہے، ایک نہایت بلند پہاڑ نما برج پر ختم ہو جاتی ہے۔ عیسائی اسے ''منحوس برج'' کہہ کر یاد کرتے ہیں۔ اس بیرونی فصیل کے پیچھے گھوڑوں کے اصطبل، شہر کے بازار اور فوجیوں کی چھاؤنی ہے۔ کچھ آگے چل کر زمین بلند ہو کر سطح مرتفع کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ مدافعت کے سب سے مضبوط مورچے یہیں ہیں۔ اس بلند جگہ پر ہر قسم کے حفاظتی آلات نصب ہیں۔ فصیل کی حفاظت کے لیے گہری اور چوڑی خندق بھی موجود ہے جسے عام حالات میں عبور کرنا ممکن نہیں۔ اندرونی فصیل اتنی چوڑی ہے کہ چار گھڑسوار بیک وقت آسانی سے چل سکتے ہیں۔ اس میں جا بجا مضبوط برج، آہنی دروازے اور کھڑکیاں ہیں۔ کوئی محاصرہ کرنے والا لشکر اس فصیل کو آسانی سے سر نہیں کر سکتا۔ عکا کی شمالی اور جنوبی فصیلیں بھی جو خشک پٹی پر سمندر کے ساتھ ساتھ تعمیر کی گئی تھیں خاصی محفوظ ہیں۔

شہر کی بندرگاہ کی حفاظت کے ہر ممکن اقدامات کیے گئے ہیں۔ بندرگاہ شہر کے جنوب میں شرقاً غرباً ہے۔ جہازوں کے لنگر انداز ہونے کے لیے شہر کی بحری فصیل کا کچھ حصہ کھلا رکھا گیا ہے مگر ساتھ ہی حفاظت کے لیے عجیب وغریب انتظامات کیے گئے ہیں۔ یہاں ساحل پر ایک بلند وبالا برج کھڑا ہے جس سے ایک الگ تھلگ فصیل کھینچی گئی ہے جو کسی پہاڑی سلسلے کی طرح سمندر میں داخل ہو رہی ہے۔ یوں اس کے اور بندرگاہ کے درمیان پانی کی ایک گلی سی بن گئی ہے۔ اس گلی کے آخری سرے پر دو اور حفاظتی برج ہیں۔ ایک فصیل کے کونے پر ہے اور دوسرا گلی کے درمیان گہرے پانی میں تعمیر کیا گیا ہے جسے ''برج الذباب'' کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں برج بندرگاہ کے چوکیدار ہیں۔ یہ کسی بھی اجنبی جہاز کو بندرگاہ تک پہنچنے سے روک سکتے ہیں کیونکہ یہاں سمندر کے اندر زیر آب ایک دیو پیکر زنجیر آر پار پھیلا دی گئی ہے۔ اس کا ایک سرا دیوار سے اور دوسرا ''برج الذباب'' سے منسلک ہے۔ یہیں سے اسے حرکت دی جاتی ہے۔ جب کوئی جہاز آتا دکھائی دیتا ہے تو برج الذباب کے پہرے دار ایک ''کل'' کو حرکت دیتے ہیں اور زنجیر نیچے بیٹھ جاتی ہے۔ یوں جہاز گزر جاتا ہے۔ کسی اجنبی جہاز کو روکنے کے لیے یہی زنجیر اٹھا دی جاتی ہے اور یوں جہاز کا پیندا زنجیر سے ٹکرا جاتا ہے اور اس کو رکنا پڑتا ہے۔[1]

عکا محاصرے میں — اتنے زبردست دفاعی انتظامات کے باوجود اب عکا خشکی اور سمندر دونوں طرف

[1] سلجی مکی: 109، 165

سے شدید خطرے کی زد میں تھا۔ عرب مؤرخین بتاتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین جب عکا کے قریب پہنچے تو صورتحال یہ تھی کہ شہر کے سامنے دور دور تک عیسائی گھڑ سواروں اور پیادوں کی قطاریں نظر آتی تھیں۔ گائی نے شہر کے دونوں اطراف سے محاصرے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ شہر کے شمال سے جنوب تک عیسائی سپاہ کا کمان کی مانند حصار قائم ہو رہا تھا یعنی فرنگی نیم دائرے میں پھیل رہے تھے۔ [1]

سلطان نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ فوری طور پر بہت سے سپاہی عکا کی فوج کی تقویت کے لیے شہر کی طرف روانہ کر دیے۔ یہ سپاہی دشمن کا محاصرہ مکمل ہونے سے پہلے پہلے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ سلطان نے بقیہ لشکر کے پہنچنے کے بعد عکا کے مزید قریب جا کر ایک ٹیلے تل کیسان پر اپنا خیمہ نصب کروایا اور پھر افواج کی صف بندی شروع کی مگر اس وقت تک فرنگیوں نے شہر کو مکمل طور پر گھیرے میں لے لیا۔ ان کی ناکہ بندی شہر کے جنوبی کونے پر متلاطم سمندر سے شروع ہوتی تھی اور شمال میں جا کر ساحل ہی پر ختم ہوتی تھی۔ اس طرح اب شہر میں داخل ہونے کا کوئی راستہ نہ بچا تھا۔ چند دن یوں ہی گزرے۔ ہر روز فرنگیوں کی کشتیوں اور جہازوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی کیوں کہ عیسائیوں کی چھوٹی چھوٹی امدادی افواج سیدھا یہیں آ رہی تھیں جبکہ خشکی کی جانب سے مسلمانوں کو بھی کمک پہنچ رہی تھی۔ [2]

جب یورپی افواج ساحل پر اُترنے لگیں ❊ مغربی مؤرخین کا دعویٰ ہے کہ گائی کے لشکر کی اصل منزل یروشلم تھی، اتفاق سے عکا پہلا شہر تھا جو راستے میں آیا چنانچہ اس کا محاصرہ کر لیا گیا۔ مگر غور کیا جائے تو عکا کا محاصرہ کوئی اتفاقی واقعہ معلوم نہیں ہوتا۔ گائی جانتا تھا کہ وہ تنہا سلطان کی افواج کو روندتا ہوا بیت المقدس تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسے یقیناً یورپی افواج کا انتظار تھا۔ ان کا تعاون حاصل کرنے کے لیے صور کے بعد عکا کی بندرگاہ ہی بہترین انتخاب ثابت ہو سکتی تھی اس لیے گائی کے لشکر کا یہاں پڑاؤ ایک معقول منصوبہ بندی کا حصہ تھا۔

گائی بذات خود اتنا ہوشیار نہ تھا مگر اس کے ساتھ کئی جنگ آزمودہ امراء تھے جو منصوبہ بندی کے ماہر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عکا پہنچ کر فصیل کے سامنے خیمے گاڑنے اور وادی کے باغات میں قیام کرنے کی بجائے شہر کے جنوب میں ساحل سمندر سے نصف میل دور ٹیلوں کے ایک سلسلے پر پڑاؤ ڈالا تھا۔ اس کے فوراً بعد وہ خیمہ گاہ کے ارد گرد خندق کھودنے لگے تھے۔ گائی کے سات ہزار سپاہیوں نے رات بھر کام کیا اور صبح تک خندق مکمل کر لی۔ پھر انہوں نے دریائے عکا کی ایک شاخ کا رخ موڑ کر اس کا پانی خندق میں چھوڑ دیا۔ مزید حفاظت کے لیے خیموں کے سامنے مٹی کی پشتہ نما دیوار کھڑی کر دی۔

[1] النوادر السلطانیۃ: 164، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 83، 84

[2] النوادر السلطانیۃ: 164، الکامل فی التاریخ: 10/ 185

یوں عکا کے قریب باقاعدہ ایک چھاؤنی تیار ہوگئی جسے صلیبیوں نے "توردن" کا نام دیا۔

یورپی سپاہیوں کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی۔ سب سے پہلے ہالینڈ کا ایک نواب جیمز اوف ایونیز چودہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ کہا جاتا تھا کہ وہ صلیبی جنگ کے اخراجات کے لیے اپنی تمام جائیداد اور سامان فروخت کر کے آیا ہے۔ ڈنمارک فریز لینڈ (بلجیم) اور اٹلی کی ریاست پیزا (پیسا) کی بحری فوجیں بھی آگئیں۔ وہ پہلے طرابلس کے راستے صور پہنچی تھیں۔ جب وہاں انہیں گائی کے عکا چلے جانے کی خبر ملی تو وہ فوراً ادھر آگئیں۔ فرانس اور برطانیہ کی ایک فوج جور جرڈ اور فلپ آگسٹس کی باقاعدہ فوجوں سے پہلے چل پڑی تھی، ایک کپتان جیمز فوبیس کی قیادت میں پہنچ گئی تھی۔ ادھر جنیوا اور اٹلی کے دیگر صوبہ جات کی افواج بھی آتی چلی گئیں۔ ①

صلیبیوں کا یہ جوش و خروش اور یورپ سے کمک کا تسلسل دیکھ کر صور کا گرگ باراں دیدہ کونرڈ مارکوئیس بھی حرکت میں آگیا اور کئی جہازوں میں سپاہی لاد کر اتحادیوں کے لشکر میں شرکت کے لیے آن پہنچا۔ سمندری راستے سے یورپی ملکوں اور جزیروں کے اتنے کاؤنٹ اور شہزادے فوجیں لے کر آئے کہ توردن کی موجودہ چھاؤنی ناکافی ہوگئی۔ اب اس چھاؤنی کو وسعت دینے کا کام شروع ہوا۔ عکا کے جنوب سے شمال کی طرف صلیبیوں کے خیمے گڑتے چلے گئے۔ ساتھ ساتھ کچی دیواروں والے مکانات بھی تعمیر ہونے لگے۔ یہ خیمہ گاہ ایک نیم دائرے کی شکل میں عکا کے سامنے آن پہنچی۔ اس کے گرد باقاعدہ گہری خندق کھودی جاتی رہی جس کے آگے مٹی کا بلند پشتہ بنایا جاتا رہا۔

ادھر صلیبیوں کے بحری جہازوں نے سمندر میں عکا کا گھیراؤ کر لیا تھا جس کی وجہ سے عکا کی بندرگاہ تک مسلمانوں کی رسائی ناممکن ہوگئی تھی۔ صلیبی امراء کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ کاؤنٹ اوف برین اپنے بھائی اینڈرو کی معیت میں تازہ دم جوان لے کر آیا۔ پھر جرمنی کا ایک شہزادہ بہترین قسم کے اسپینی گھوڑوں کے ساتھ ساحل پر اترا، ہالینڈ کا ایک رئیس بیس سے زائد سرداروں اور بولیس کا لاٹ پادری اپنے جنگجو بھائی کاؤنٹ رابرٹ کے ساتھ محاذ پر پہنچا، کاؤنٹ اوف بار اور درجنوں عیسائی سردار یکے بعد دیگرے اپنی فوجوں کے ساتھ آتے گئے۔ ②

حقیقت یہ ہے کہ یورپی حکام کی اس قدر بڑی نمائندگی نے تیسری صلیبی جنگ کو تمام صلیبی جنگوں سے زیادہ ہمہ گیر بنا دیا تھا۔ اس سے پہلے اور بعد میں جتنی بھی صلیبی جنگیں ہوئیں ان میں کسی میں اتنے بڑے بڑے بادشاہ شامل نہ تھے۔ پہلی اور دوسری صلیبی جنگ میں عام لوگ اور دوسرے درجے کے حکام تھے۔

① مجاہد بہاء الدین، ص:153
② صلیبی جنگیں، ص:157، 160

کوئی ایک خودمختار بادشاہ بھی بذاتِ خود شریک نہیں ہوا تھا۔ بعد کی صلیبی جنگوں میں اگرچہ بعض بادشاہوں نے شرکت کی تھی مگر ایک جنگ میں ایک ہی بادشاہ آگے بڑھتا رہا اور دوسرے درجے کے نواب و جاگیردار اس کی پیروی کرتے رہے۔ تیسری صلیبی جنگ وہ واحد مہم تھی جس میں جرمنی، فرانس اور برطانیہ جیسے بڑے یورپی ممالک کے بادشاہ خود شریک ہونے آرہے تھے اور ان سے پہلے پورے یورپ سے بیسیوں نواب اور امرائے سلطنت محاذِ جنگ پر پہنچ کر مسلمانوں سے جنگ چھیڑنے کے لیے تیار تھے۔ اس لحاظ سے یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تیسری صلیبی جنگ میں صلاح الدین ایوبی نے یورپ کی جس مشترکہ اور ہمہ گیر یورش کا مقابلہ کیا تاریخ یورپ و ایشیا میں اس کی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔

مسلمان سپاہی جو سلطان کی [illegible] میں پہنچ رہے تھے، نصرانیت کے اس سیلاب کو دیکھ کر حیرت زدہ تھے۔ سب سے زیادہ فکر سلطان صلاح الدین کو لاحق تھی۔ بہاؤ الدین ابن شداد کے بقول ان دنوں ان کی کیفیت اس ماں کی طرح تھی جس کا بچہ گم ہو گیا ہو۔[1]

عکا کو دشمن کے محاصرے میں دیکھ کر ان کا سکون کافور ہو گیا تھا اور وہ ہر قیمت پر اس اہم ساحلی شہر کو دشمن کے چنگل سے نکالنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے غور و خوض کے بعد ایک بالکل نئی حکمتِ عملی اختیار کی۔

اس وقت تک موصل، سنجار، دیار بکر اور الجزیرہ سے امدادی افواج پہنچ چکی تھیں اور سلطان اس قوت کے ساتھ خاصے وسیع علاقے کی ناکہ بندی کر سکتے تھے۔ سلطان نے نئی حکمتِ عملی کے مطابق اپنے دائیں بازو کو شمال میں عیاضیہ کے ٹیلے تک اور بائیں کو جنوب میں دریائے عکا تک پھیلا دیا۔ اب صورتحال ایسی ہو گئی کہ عیسائی عکا کے سامنے فصیل سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر نیم دائرے کی شکل میں خیمہ زن تھے اور سلطان کی فوج نے تقریباً پانچ میل کے فاصلے سے ان کے گرد حلقہ بنایا ہوا تھا۔

کاتب عماد اصفہانی کے بقول:

''ہم محاصرین کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، وہ شہر کو گھیرے ہوئے تھے اور ہم ان کو نرغے میں لے چکے تھے۔''[2]

کئی دنوں تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ مسلمان سمندر کی جانب سے دشمن کا محاصرہ نہیں کر سکتے تھے۔ وہاں اس کا مکمل تسلط تھا اور اسی سمت سے اسے مسلسل امداد مل رہی تھی۔ عکا دہرے محاصرے میں تھا اور بیرونی دنیا سے اس کا رابطہ بالکل منقطع تھا۔ اگرچہ شہر میں خوراک کے ذخائر بھی بہت

① النوادر السلطانیہ:167 ② کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین:4/84

تھے اور سپاہی بھی مگر محاصرہ طویل ہونے کی صورت میں ان وسائل کا ختم ہو جانا یقینی تھا۔ صلیبی اس دوران اپنے محاصرے کو مضبوط کر رہے تھے۔ مورچے بنائے جا رہے تھے، خندقیں کھودی جا رہی تھیں۔ چھاؤنی وسیع ہو جانے کے بعد گائی نے اپنا خیمہ شہر کے مرکزی دروازے کے سامنے تل المصلبین پر نصب کرا لیا تھا۔ یہاں سے مغرب میں عکا کی فصیل اور مشرق میں مسلمانوں کے پڑاؤ کا بخوبی مشاہدہ کیا جا سکتا تھا۔ گائی اور صلیبی امراء دونوں جانب نگاہ رکھتے اور مشوروں میں مصروف رہتے۔ نائٹ اور گشتی سپاہی دن رات حرکت میں رہتے تھے تاکہ مسلمانوں کی جانب سے کسی بھی غیر متوقع حملے کا مقابلہ کیا جا سکے۔

مسلمان بھی ہمہ وقت چوکس رہتے تھے، پہرے داروں کی ٹولیاں شب و روز جاگتی تھیں۔ مسلمان تیر انداز ہر وقت کمانوں پر تیر چڑھائے رکھتے، دشمن کا جو سپاہی ان کی زد میں آ جاتا وہ گھائل ہوئے بغیر نہ رہتا۔ بعض اوقات دونوں طرف کے سپاہی ایک دوسرے پر حملے بھی شروع کر دیتے اور خون ریز جھڑپیں شروع ہو جاتیں تاہم سلطان صلاح الدین ابھی باقاعدہ جنگ چھیڑنے کے حق میں نہیں تھے۔ ان کو مزید افواج کا انتظار تھا اس لیے وہ امراء اور سپاہ کو صبر و تحمل کی تلقین کر رہے تھے۔ [1]

ادھر مصلبین کے ٹیلے پر خیمہ زن گائی اب خاصا مطمئن تھا۔ وہ سات ہزار سپاہی لے کر صور سے چلا تھا مگر اب اس کی قیادت میں 32 ہزار سپاہی تھے جن میں سے دو ہزار گھوڑ سوار اور باقی پیادے تھے۔ پھر سمندر کی جانب مزید نفری مل رہی تھی۔ وہ اس وقت ایک ہیرو کی حیثیت حاصل کر چکا تھا جس کے اشارے پر ہزاروں گردنیں کٹنے کو تیار تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ گائی نے اپنے گم شدہ تاج و تخت کی بازیابی کے لیے آخری بازی کھیلنے کا فیصلہ کر کے تاریخ میں اپنی جگہ بنا لی تھی مگر یہ فیصلہ افسوس ناک اور شرمناک بھی تھا اس لیے کہ وہ سلطان کے خلاف تلوار نہ اٹھانے کی ضمانت پر رہا ہوا تھا مگر اس نے وعدہ خلافی میں ذرا بھی دیر نہ لگائی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ تلوار نہ اٹھانے کی قسم پوری کرنے کے لیے اس نے ایک حیلہ اختیار کر لیا تھا۔ اب میدانِ جنگ میں اس کی تلوار کمر بند کے ساتھ منسلک نہیں ہوتی تھی بلکہ گھوڑے کی زین میں اڑسی ہوتی تھی۔ یہ اس فرنگی بادشاہ کا ایفائے عہد تھا جسے القدس جیسے مقدس مقام کی وراثت کا دعویٰ تھا۔ عہد شکنی کی اس شرمناک حرکت میں وہ پادری بھی شریک تھے جنھوں نے گائی کی رہائی کے بعد اسے یقین دلایا تھا کہ کلیسا کے قوانین اور دینِ مسیح کے نقطۂ نظر سے ایسے قول و قرار پر عمل گناہ اور ایسے وعدے کو توڑ ڈالنا ضروری ہے۔ ان پادریوں کے بہکاوے میں آ کر اور کچھ اپنی ہوسِ اقتدار سے مجبور ہو کر گائی پھر قسمت آزمائی کے لیے نکلا تھا۔ [2] اس نے سلطانِ صلاح الدین سے ٹکر لینے

[1] النوادر السلطانیہ: 164
[2] صلیبی جنگیں: 162

کا فیصلہ اس اطمینان کے بعد کیا تھا کہ اسے ساحل سے صور کے بحری بیڑے کی مدد حاصل رہے گی اور یورپی بادشاہ بھی اس کی مدد کیلئے پہنچ جائیں گے۔ اس کے علاوہ اسے یہ خبر بھی مل چکی تھی کہ جرمنی کا حکمران فریڈرک باربروسا اڑھائی لاکھ سپاہیوں کے لشکر جرار کے ساتھ چند ماہ میں قسطنطنیہ اور ایشیائے کوچک سے ہوتا ہوا شام پہنچ جائے گا۔ شام اور یورپ کے صلیبیوں کی اتنی بڑی تعداد کے ساتھ گائی بڑی سے بڑی جنگ لڑ سکتا تھا۔

فریقین کی طاقت کا موازنہ ❊ صلیبیوں کے اس سیلاب کے مقابلے میں سلطان صلاح الدین ایوبی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی کسی میدان میں پچاس ساٹھ ہزار سے زائد سپاہی جمع نہیں کر سکتے تھے۔ گائی کا سات ہزار سپاہیوں کے ساتھ صور سے عکا تک چند میل یلغار کرنا اور شہر کا محاصرہ کر لینا ایک جسارت کہنے کے لائق تو ہے مگر یہ دلیری کا کوئی ایسا حیرت انگیز کارنامہ نہ تھا جس پر کوئی فخر کر سکے۔ اس کے باوجود صلیبی اس کارنامے پر ناز کرتے رہے۔ امریکی مستشرق ہیرلڈ لیمب نے تو اپنی تالیف ''کروسیڈ'' (صلیبی جنگیں) میں بعض گمنام تذکرہ نویسوں کا نام نہاد حوالہ دیتے ہوئے یہ لاف زنی بھی کی ہے کہ گائی دشمن کی پچیس گنا یا اس سے زیادہ بڑی تعداد کے مقابلے پر آیا تھا۔[1] حالانکہ اس گپ کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں کیوں کہ ابتداء ہی سے گائی کے ساتھ کم از کم فوج سات ہزار تھی، اس کی پچیس گنا تعداد ایک لاکھ 75 ہزار بنے گی مطلب یہ نکلے گا کہ گائی 7 ہزار سپاہی لے کر سلطان کی پونے دو لاکھ سپاہ سے مقابلے کے لیے نکلا تھا۔ یہ بات بالکل بے حقیقت اور لغو ہے۔ ہیرلڈ لیمب اس کا کوئی حوالہ بھی نہیں دے سکا۔ دنیا کے کسی مورخ نے صلیبی جنگوں کے کسی مرحلے کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس میں اتنے مسلمان جمع ہو سکے ہوں۔

اصل بات یہ ہے کہ جب گائی سات ہزار افراد کے ساتھ عکا پہنچا تو اس وقت سلطان بھی تھوڑی فوج کے ساتھ ہی وہاں پہنچ سکے تھے۔ بعد میں دونوں فریقوں کو کمک ملتی گئی۔ مستند روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عکا کے محاصرے کے شروع میں بھی عیسائیوں کی تعداد مسلمانوں سے تین چار گنا تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان اپنی آنکھوں کے سامنے شہر کا محاصرہ ہوتے دیکھتے رہے مگر حملہ نہ کر سکے۔ بعد میں جب دوسرے صوبوں سے امدادی فوجیں پہنچیں تب سلطان نے باقاعدہ جنگ کا آغاز کیا مگر اس کے باوجود عکا کے ''معرکہ کبریٰ'' تک سلطان کو خاطر خواہ کمک نہیں ملی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ ان کی افواج کئی محاذوں پر مصروف تھیں۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ واضح طور پر فرماتے ہیں:

وکان کثیر من عسکر صلاح الدین غائبا عنہ[2]

---

[1] صلیبی جنگیں: 152

[2] الکامل فی التاریخ: 10/ 160

یعنی سلطان کی فوج کا ایک بڑا حصہ ان کے ساتھ موجود نہیں تھا۔ ان کے کچھ دستے انطاکیہ کے حاکم بوہیمنڈ کی جانب سے حلب پر ممکنہ حملے کی مدافعت کے لیے تعینات تھے۔ کچھ طرابلس کی سرحد پر کھڑے تھے اور کچھ صور کے سامنے چوکس تھے۔ ابھی تک سلطان کو مصر سے الملک العادل کی کمک بھی نہیں پہنچی تھی۔ ایسے میں سلطان کی فوج کو نصرانیوں سے 25 گنا زائد بتانا نری گپ کے سوا کچھ نہیں۔ [1] قاضی ابن شداد لکھتے ہیں:

"دشمن کے گھڑ سوار دو ہزار اور پیادے تیس ہزار تھے، میں سمجھتا ہوں کہ ان کی تعداد اس سے کم نہ تھی البتہ میں نے بعض لوگوں کو اس سے زیادہ تعداد شمار کرتے ہوئے پایا ہے۔" [2]

یہ وہ تعداد ہے جو معرکہ کبریٰ سے پہلے تھی۔ جبکہ معرکہ کبریٰ میں خود ٹمپلرز کے گرینڈ ماسٹر کے بیان کے مطابق صلیبی ایک لاکھ بیس ہزار تک تھے [3] اور پھر جب برطانیہ اور فرانس کی فوجیں آئیں تو یہ تعداد کئی گنا بڑھ گئی جسے خود ایک صلیبی سردار بالیان نے چھ لاکھ تک بیان کیا تھا۔ [4]

محاصرے کے دوران 27 رجب کو سلطان کے معتمد امیر حسام الدین سنقر خلاطی کا انتقال ہو گیا۔ وہ ایک بہادر اور دیندار انسان تھا۔ مسلمانوں کو اس کی وفات کا بڑا دکھ ہوا۔ [5]

<u>صلیبی جنگ کا پہلا معرکہ</u> ٭ آخر حماۃ سے سلطان کا مایہ ناز بھتیجا تقی الدین عمر اور حران سے جہاں دیدہ امیر مظفر الدین کوکبری مزید سپاہیوں کے ساتھ پہنچے تو سلطان نے کھلے میدان میں لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ رجب 585ھ کی آخری تاریخیں تھیں جب سلطان نے حملے کی ترتیب پر مشورہ شروع کر دیا اور سپاہ میں ایک نیا جوش نظر آنے لگا۔ عکا پہنچنے کے دو ہفتے بعد جمعہ یکم شعبان 585ھ (14 ستمبر 1189ء) کو صبح سے حملے کی تیاری ہونے لگی۔ مشورے میں طے یہ ہوا کہ سورج ڈھلنے کے بعد نماز جمعہ کے وقت دھاوا بول دیا جائے گا کیوں کہ اس وقت نماز جمعہ کے اجتماعات میں ہونے والی دعائیں شامل حال ہوں گی۔ کتب تاریخ سے حاصل شدہ معلومات کی روشنی میں ہم اگر اس وقت میدان جنگ کو چشم تصور سے دیکھیں تو کچھ ایسا منظر دکھائی دے گا:

"ساحل سمندر کے ساتھ اکیس میل لمبا اور سات میل چوڑا ایک میدان ہے۔ اس کے مغربی کنارے پر سمندر کے کنارے عکا شہر ہے اور مشرقی کنارے پر پہاڑی سلسلہ ہے۔ عکا کی

[1] اسی طرح صلابی نے ایسی ہی گپ ہانکی خوارزم اور چنگیز خان کی افواج میں تناسب بتاتے ہوئے کی ہے اور خوارزم کی افواج کو دس لاکھ جبکہ چنگیز خان کے لشکر کو ڈیڑھ لاکھ بتایا ہے جو حقائق کے بالکل برعکس ہے۔
[2] النوادر السلطانیہ: 164
[3] النوادر السلطانیہ: 51،50 باب ا/ محاصرہ
[4] کتاب الروضتین: 70/4
[5] کتاب الروضتین: 96/4

فصیلوں سے تقریباً ایک میل ہٹ کر صلیبیوں کا پڑاؤ ہے جو شہر کے گرد کمان کی طرح پھیلا ہوا ہے۔ شہر کا صرف شمالی کونا اس پڑاؤ کی زد سے باہر ہے۔ ادھر مشرقی پہاڑوں سے آگے ٹیلوں پر اسلامی لشکر کی خیمہ گاہ ہے۔ دونوں فوجوں کی خیمہ گاہوں کے درمیان تقریباً پانچ میل کا فاصلہ ہے۔ یہی جنگ کا اصل میدان ہے جہاں اگلے کئی دنوں تک معرکے جاری رہیں گے۔"

سورج ڈھلتے ہی مسلمان نمازِ جمعہ کے لیے صف بستہ ہو گئے۔ وہ ہتھیار باندھے ہوئے اپنے رب کے حضور جھک گئے۔ ان کا رُواں رُواں فتح و نصرت کی بے تابانہ دعائیں کر رہا تھا۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی وہ جنگ کی صف بندی کر چکے تھے۔ خوش الحان قاری سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ کی تلاوت کر رہے تھے۔ نقاروں پر چوٹ پڑی۔ تکبیر کے نعرے بلند ہوئے، لا الہ الا اللہ کی صدائیں گونجیں اور لشکرِ اسلام کے دائیں اور بائیں بازو نے زعفرانی پرچموں کے سائے میں ایک وسیع نیم دائرہ بنا کر آگے بڑھنا شروع کیا۔ اُدھر صلیبی بھی پوری طرح چوکنا تھے۔ انہوں نے دائیں بائیں پھیل کر میدان کے کناروں پر واقع اونچے ٹیلے اپنے قبضے میں لے لیے تھے۔ اب ان کا دایاں بازو ساحلِ سمندر کے ساتھ اس مقام کو چھو رہا تھا جہاں دریائے عکا سمندر میں گم ہو رہا تھا۔ بایاں بازو عکا کے قلعے کے سامنے صف آرا تھا۔ ان کی صفیں ایک آہنی دیوار کی مانند دکھائی دیتی تھیں، بکتر بند نائٹوں اور نیزہ بردار پیادوں نے عکا کے شمال سے جنوب تک ایک پر ہیبت فصیل کھڑی کر دی تھی جس کی چنائی اینٹوں کی جگہ گوشت پوست کے جسموں سے ہوئی تھی۔ ان کی تہہ در تہہ صفوں میں کہیں ذرہ برابر رخنہ نہیں تھا۔ انہیں کچل یا چیر کر فصیل تک پہنچنا کوئی آسان بات نہ تھی مگر مسلمانوں کو ہر قیمت پر یہ کر کے دکھانا تھا۔ مجاہدین اسلام کو آگے بڑھتا دیکھ کر بھی فرنگی اپنی جگہوں پر جمے رہے۔ ان کی حکمت عملی دفاعی تھی جبکہ سلطان صلاح الدین یہ چاہتے تھے کہ دشمن آگے بڑھے تاکہ اس کے مضبوط دفاعی نظم و ضبط میں خلل پیدا ہو جائے جس سے فائدہ اٹھا کر مسلمان عکا کی فصیل تک راستہ بنا لیں۔ مگر حریف نہایت کایاں تھا وہ سلطان کی چال کو سمجھ کر اپنی جگہ جما رہا۔ آخر کار مسلمانوں نے حملہ کیا، اللہ اکبر کے زوردار نعروں کے ساتھ گرد و غبار کے بادل اڑنے لگے، تلواروں کی جھنکار، زخمیوں کی آہ و بکا اور تیروں کی سنسناہٹ نے جنگ کے شور و غل کو مزید ہولناک بنا دیا، اندھیرا پھیلنے تک یہ معرکہ جاری رہا۔ مسلمان فرنگیوں کو ذرا بھی نہ ہلا سکے، نائٹوں کی بکتر بند دیوار میں کوئی شگاف پیدا ہوا نہ نیزہ بازوں کے منہ پھیرے جا سکے۔

اس رات دونوں فوجوں کے سپاہیوں نے اسلحہ نہ اتارا۔ مشعلوں کی روشنیاں تاریکی میں جگنوؤں کی طرح حرکت کر رہی تھیں۔ یہ پہرے دار تھے جو کسی بھی ممکنہ خطرے سے نمٹنے کے لیے چوکس تھے۔

گھوڑوں کی ٹاپیں رات بھر سنائی دیتی رہیں۔ سپاہی ذرا آنکھیں جھپکتے اور پھر یہ خیال ان کی نیند اڑا دیتا کہ علی الصبح معرکہ شروع ہونے والا ہے۔

سلطان صلاح الدین ایک بے چین روح کی طرح اِدھر سے اُدھر پھر رہے تھے۔ پہرے پر نظر، میدان جنگ کا جائزہ، زخمیوں کی پرسان حالی، شہداء کی تدفین، سپاہیوں کے خورد ونوش اور آرام کا خیال اور سب سے بڑھ کر کل کی جنگ کی منصوبہ بندی۔ یہ سب پٹھان کی بیدار مغزی اور حرکت مسلسل پر موقوف تھا۔ وہ کھانے اور نیند کو بالکل بھول چکے تھے۔ کل کے معرکے کے سوا ہر شے ان سے اوجھل ہو چکی تھی۔

عکا کا راستہ کھل گیا: اگلے دن صبح سویرے مسلمان ایک بار پھر حملے کے لیے صفیں درست کرتے نظر آئے۔ سلطان نے آج بہرصورت فصیل تک راستہ بنانے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ میدان جنگ اور دشمن کی صف بندی کے نقشے کو بغور دیکھنے کے بعد انہوں نے تقی الدین عمر کو جو دائیں بازو کا سالار تھا تاکید کی کہ وہ دوران جنگ بہترین شہسواروں کو لے کر شمالی جانب سے عکا کی فصیل تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ شہر کا صرف یہی ایک گوشہ تھا جس کے سامنے صلیبیوں کے خیمے نہیں تھے۔ اس لئے اس جانب سے کامیابی کا امکان موجود تھا۔

صبح کی روشنی پھیلتے ہی ایک بار پھر تکبیر کے نعرے گونجے، تلاوت قرآن کی پرسوز صدائیں مجاہدین کے جوش وجذبے کو ابھارنے لگیں۔ سلطان ایوبی حسب معمول قلب لشکر میں تھے جبکہ دائیں بازو پر تقی الدین عمر تعینات تھا۔ دشمن کی صف بندی بھی نہایت منظم تھی۔ بائیں طرف ٹمپلرز اور ہاسپٹلرز کی سرخ پوش صفیں تھیں۔ کاؤنٹ اوف برین جرمن شہزادے اور اس کے سپاہیوں کے ساتھ قلب میں تھا، ایک ویران مسجد اور قبرستان اسکے عقب کو محفوظ بنا رہے تھے۔ شاہ گائی دائیں بازو میں اطالوی سپاہیوں کے ساتھ اپنی چھاؤنی ”ٹورون“ کے سامنے ڈٹا ہوا تھا۔

آخر کار اللہ اکبر کے بلند آہنگ نعروں اور رجز کی پرجوش صداؤں کے ساتھ لشکر اسلام نے حملے کا آغاز کر دیا۔ اِدھر سے صلیب کے پرستار زرنگار پرچم اڑاتے ہوئے تثلیث کے نعروں کے ساتھ جھپٹے اور گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ ساحل عکا کی ریت شراروں کی طرح اڑنے لگی، نیزوں کے پھل سینوں سے پار ہو کر زمین کو لہو کا خراج دینے لگے۔ اگرچہ دشمن کی خیمہ گاہ کا سلسلہ جنوب سے شروع ہو کر شہر کے وسط پر ختم ہو جاتا تھا مگر جنگ کے دوران اس کی صفوں کے دونوں بازو اتنے پھیلے ہوئے تھے کہ بایاں بازو شہر کے شمال تک پہنچ رہا تھا جہاں ہاسپٹلروں اور ٹمپلروں کے دستے تھے جو جنگوں میں عموماً حملے کا آغاز کرتے تھے۔ اس دن بھی یہ نہایت سرگرمی سے لڑے۔ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کے

بہترین سپاہی تقی الدین عمر کی قیادت میں صف آراء تھے۔ دیر تک لشکروں کے تینوں حصے ایک دوسرے سے گتھم گتھا رہے۔ فضا میں لہو کے چھینٹے اڑتے رہے اور تیر سنسناتے ہوئے موت کا پیغام بنتے رہے۔ صبح سے دوپہر تک نہایت شدت کی جنگ جاری رہی۔ علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں:

''فریقین نے ایسی ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا کہ لگتا تھا آج دونوں فوجیں ایک ہی جگہ لڑتے لڑتے ختم ہو جائیں گی مگر ان میں سے کوئی دوسرے کو اپنی جگہ سے سرکانے میں کامیاب نہ ہوگا۔''

آخر زوالِ آفتاب کے وقت تقی الدین عمر نے دشمن کے میسرہ پر ایک غیر متوقع اور شدید ترین حملہ کیا۔ اس دباؤ نے کچھ ہی دیر میں حریف کی صفیں الٹ دیں۔ عیسائی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور منتشر حالت میں پسپا ہونے لگے۔ ان کا رخ عقب میں جنوب کی طرف اپنی چھاؤنی کی جانب تھا۔ مسلمان ان کے تعاقب میں تھے۔ اس بھگدڑ میں بہت سے عیسائی مارے گئے جبکہ باقی ماندہ اپنے لشکر کے محفوظ حصوں سے جا ملے۔ اس کے ساتھ ہی نصرانیوں نے منظم انداز میں پیچھے ہٹ کر مصلبہ کے بلند ٹیلے کے پاس دفاعی ہیئت اختیار کرلی۔ انہوں نے فولادی ڈھالوں، چوبی تختوں اور لوہے کی چادروں کے پیچھے ایک دیوار کی طرح جم کر مزاحمت شروع کردی۔ چھاؤنی کے پشتوں پر تیر چرخ چڑھا دیے گئے اور مسلمانوں پر بڑے بڑے آہنی تیروں کی بارش ہونے لگی۔ اس کے باوجود مسلمان چھاؤنی تک ان کے تعاقب میں آگئے اور اسے نرغے میں لے لیا مگر دشمن کے دفاعی انتظامات خاصے مضبوط تھے۔ پھر مسلمانوں کو فتح کی خوشی نے کچھ بے فکر سا کردیا تھا۔ انہوں نے مزید تکلیف اٹھانا ضروری نہ سمجھا اور یہ سوچ کر اپنے پڑاؤ کی طرف لوٹ گئے کہ تازہ دم ہوکر کچھ دیر بعد حریف کی خبر لیں گے۔ اس دن کی جنگ کے نتیجے میں عکا کا شمالی نصف حصہ دشمن کی گرفت سے مکمل طور پر آزاد ہو چکا تھا۔ سلطان نے سب سے پہلے شہر کے راستے پر محافظ دستے مقرر کردیے جنہوں نے دشمن کے پڑاؤ اور عکا کے اس راستے کے درمیان ایک انسانی حصار قائم کردیا۔ راستے کا تحفظ یقینی بنانے کے بعد عکا کے شاہی قلعے ''قلعہ الملک'' کے بڑے دروازے کے سامنے کھلنے والا فصیل کا پھاٹک ''باب قراقوش'' آمدورفت کے لیے کھول دیا گیا جو سلطان کے نائب بہاؤ الدین قراقوش نے کچھ مدت پہلے ہی تعمیر کیا تھا۔

عکا میں اچھی خاصی چہل پہل ہوگئی۔ شہریوں نے جو دو ہفتے سے محاصرے میں تھے بہت بڑے خطرے کی زد سے نکل کر سکون کا سانس لیا اور اپنے معمولاتِ زندگی انجام دینے لگے۔ سلطان کے حکم سے خوراک و رسد سے لدے ہوئے قافلے عکا پہنچنے لگے۔ تاجروں کی آمدورفت سے عکا کے بازاروں میں میلہ کا سماں ہوگیا۔ سلطان کا فراہم کردہ راستہ اتنا محفوظ تھا کہ تنہا افراد حتیٰ کہ خواتین بھی اپنی ضروریات کے لیے شہر

سے نکل رہی تھیں۔ اسی دن سلطان صلاح الدین اپنے معتمد جرنیل تقی الدین عمر کے ساتھ عکا میں داخل ہوئے۔ سپاہی اور شہری انہیں اپنے درمیان پا کر بڑے خوش ہوئے۔ سلطان عکا کی فصیل پر چڑھ گئے اور بغور دشمن کے پڑاؤ کا جائزہ لینے لگے۔ وہ اس ابتدائی کامیابی پر کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ تھے اور جانتے تھے کہ ابھی منزل دور ہے۔ اس لیے وہ عکا کے دفاعی انتظامات بہتر بنانے کے بارے میں اہم ہدایات دیتے رہے کیونکہ دشمن دوبارہ کسی بھی وقت محاصرہ کر سکتا تھا۔ قاضی بہاؤ الدین بتاتے ہیں کہ شدتِ فکر کے باعث سلطان نے جمعہ سے اتوار تک چند لقموں کے سوا کچھ نہیں کھایا تھا۔ امتِ مسلمہ کے دفاع کی عظیم ذمہ داری کا بوجھ انہیں بے چین کیے ہوئے تھا اور وہ ایک لمحہ بھی غفلت کی نذر نہیں کر سکتے تھے۔ اہلِ شہر کی کمر مضبوط کرنے اور ہمت بندھانے کے لیے انہوں نے اپنی فوج کے بہت سے سپاہی اور کئی معتمد امراء عکا میں تعینات کر دیے جن میں "اربل" کا مشہور کرد امیر ابوالہیجاء بھی تھا جو اپنے مٹاپے کی وجہ سے السمین کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ عسکری امور کا بڑا ماہر تھا۔ غیر معمولی حد تک موٹا ہونے کے باوجود وہ میدان جنگ میں کمال مہارت سے لڑتا تھا۔ اس دن کی لڑائی میں بھی اس نے بہت سے نصرانیوں کو واصل جہنم کیا تھا۔ ❶

<u>ایک سنگین غلطی</u> ❊ اس دن عیسائی مکمل طور پر "تورون" میں دبکے رہے، ادھر سلطان کے سپاہی جو دشمن کو پسپا کرنے کے بعد یہ سوچ کر لڑائی سے رک گئے تھے کہ کچھ دیر استراحت کر کے دوبارہ حملہ کریں گے مزید سستی کا شکار ہو گئے۔ صبح سے زوال تک چھ سات گھنٹے کی مسلسل لڑائی کے باعث انہیں خاصی تھکن ہو گئی تھی۔ سہ پہر کو انہوں نے ڈٹ کر آرام کیا اور عصر کے وقت اپنے جانوروں کو پانی پلانے اور چارہ کھلانے میں مصروف رہے۔ اس طرح شام کا اندھیرا پھیل گیا۔ اب لڑائی کا کوئی وقت نہیں بچا تھا۔ اس لیے امرائے فوج نے طے کیا کہ کل اتوار کا سورج نکلتے ہی فیصلہ کن جنگ کے لیے دشمن پر بھرپور حملہ کر دیا جائے گا اور حطین کے میدان کی طرح لاشوں کے ڈھیر لگا کر اس جنگ کا قضیہ ختم کر دیا جائے گا۔ علامہ ابن اثیر اس فیصلے پر تنقید کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"اگر مسلمان رات تک جنگ جاری رکھتے تو اپنی مراد پا لیتے۔ کیوں کہ مصیبت کا فوری اثر دہشت ناک ہوتا ہے مگر جب مسلمانوں نے اس قدر کامیابی حاصل کر لی تو آرام کی طرف مائل ہو گئے اور جنگ بند کر دی۔"

عماد کاتب اصفہانی نے بھی اس قسم کا تبصرہ کیا ہے اور کہا ہے کہ "اس کے نتیجے میں دشمن کو حواس بحال کرنے کا موقع مل گیا۔" ❷

---

❶ النوادر السلطانیہ: 160، الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/84، 85، الکامل فی التاریخ: 10/185، 186 ❷ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/85

حملہ مزید مؤخر ہو گیا: اتوار تین شعبان (16 ستمبر) کو علی الصبح مسلمانوں نے حملے کی تیاری شروع کردی، سلطان کی مجلس مشاورت میں طے ہوا تھا کہ اکثر سپاہی صلیبی چھاؤنی پر پاپیادہ حملہ کریں گے۔ چنانچہ صبح ہی کرد، ترکمان، ترک اور عرب مجاہد اپنی کمانیں، لچکدار نیزے، ہلالی شمشیریں اور فولادی خنجر تیز کر چکے تھے، اب صرف طبلِ جنگ پر چوٹ پڑنے کی دیر تھی مگر اس دوران امرائے فوج میں ایک نئے پہلو پر بحث شروع ہوگئی۔ چند امراء کا یہ کہنا تھا کہ ہماری یہ پیدل فوج جو دشمن پر سامنے سے حملہ کرنے پر تلی ہے، اگر عکا چلی جائے اور وہاں کی مقامی سپاہ کو ساتھ ملا کر دشمن پر عقب سے حملہ آور ہو تو وار زیادہ کارگر ثابت ہوگا، ادھر میدان میں موجود گھڑسوار سپاہی سامنے سے دھاوا بول دیں گے اور یوں دشمن دو طرفہ حملہ سے زیادہ نقصان اٹھائے گا۔

آخر ان امراء کی بات مان لی گئی اور دو طرفہ بھرپور حملے کی تیاری کے خیال سے، اس دن لڑائی کا ارادہ ترک کر دیا گیا پھر اسی حیص بیص میں چار دنوں تک مسلمانوں کو دوبارہ حملے کا موقع نہ سکا۔ مگر اس دوران حریف کے زخم بھر چکے تھے اور اس میں جارحانہ حملے کی جرأت پیدا ہوگئی تھی۔ [1]

فرنگیوں کا اچانک حملہ: جمعہ 8 شعبان (21 ستمبر) کو فرنگی منظم انداز میں اپنی چھاؤنی سے باہر نکلے۔ انہوں نے اطمینان سے صف بندی کی اور دیوار کی طرح قدم سے قدم ملا کر مسلمانوں کی طرف بڑھنے لگے۔ ان کے آگے آگے پیادوں کے دستے تھے جو مستطیل ڈھالوں کی اوٹ میں لمبے نیزے تانے بڑھتے چلے آرہے تھے۔ پیچھے سرخ صلیبی وردیوں اور زرہ بکتروں میں ملبوس گھڑسوار رکاب سے رکاب ملائے چلے آرہے تھے۔ ان کی صفیں مشینی انداز میں پھیلنے لگیں اور دائیں بائیں کے ٹیلے صلیبی پرچموں سے بھر گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک خاص نظم کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے لشکرِ اسلام کی ان چوکیوں تک پہنچ گئے جو وادی کے بیچ میں قائم تھیں۔ یہ دیکھ کر سلطان کی خیمہ گاہ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہل چل مچ گئی۔ سلطان صلاح الدین نے سپاہ کو ہنگامی بنیادوں پر مدافعت کا حکم دیا۔ اس وقت ان کے ہونٹوں پر ایک ہی پکار تھی:

یَا لَلْاِسْلَام یَا لَلْاِسْلَام

''ہوشیار......اسلام خطرے میں......اسلام کی حفاظت کے لیے تیار......''

یہ دردناک صدا لشکر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک گونجتی چلی گئی جسے سن کر محافظینِ اسلام چند لمحوں کے اندر اندر صف بستہ ہوگئے۔ انہوں نے دشمن پر یک بارگی اس شدت سے جوابی حملہ کیا کہ

[1] النوادر السلطانیۃ: 167_168

اس کے قدم اکھڑ گئے۔ اس کے بعد کئی دنوں تک عمومی جنگ کی نوبت نہ آئی۔ صلیبی ایک بار پھر چھاؤنی میں محصور ہو گئے تھے۔ سلطانی لشکر اور عکا کے درمیان راستہ بدستور کھلا تھا۔ سلطان کے امراء اور سپاہی آزادی سے وہاں آتے جاتے تھے۔ فریقین کے محافظ سپاہیوں میں چھوٹی موٹی جھڑپیں چلتی رہتی تھیں۔ عکا کے سپاہی بھی فصیل سے دشمن کی پناہ گاہ پر نشانہ آزمائی کرتے رہتے تھے۔ ❶

<u>اسلامی خیمہ گاہ تل العیاضیہ پر</u>: صلیبیوں نے اپنی خیمہ گاہ کو چھاؤنی کی شکل میں نہایت محفوظ بنا رکھا تھا۔ دفاعی اور خندقی جنگ کا تجربہ رکھنے والے ماہر یورپیوں نے اس کے لیے بہترین حفاظتی انتظامات کیے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمان چھاؤنی پر براہِ راست کوئی بھرپور حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ معرکے میں زک اٹھا کر فرنگی فوراً چھاؤنی میں محصور ہو جاتے تھے اور خود کو زیادہ نقصان سے بچا لیتے تھے۔

سلطان صلاح الدین کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح فرنگی ایک بار پھر کھلے میدان میں آئیں مگر کئی دن گزرنے کے باوجود وہ باہر نہ نکلے۔ سلطان ایوبی یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ دونوں فوجوں کی خیمہ گاہوں کے درمیان پانچ میل چوڑا میدان اب اپنی اپنی پوری طاقت کو بروئے کار لانے کے لئے کافی نہیں رہا۔ پھر فرنگی یہاں اپنی چھاؤنی کی قربت سے فائدہ اٹھا کر ہزیمت کا شکار ہوتے ہی خود کو محفوظ کر لیتے تھے۔ ان پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے سلطان نے 11 شعبان 585ھ (24 ستمبر 1189ء) کو اپنی خیمہ گاہ عقب میں العیاضیہ کے ٹیلوں پر منتقل کر دی۔ یہ ٹیلے مصلبین کے ٹیلوں کی سیدھ میں تھے جہاں عیسائیوں کی قیادت کے خیمے تھے۔ اس بلندی سے عکا کی خاکستری فصیل سامنے نظر آتی تھی۔

اب تک شمال کی جانب عکا کا راستہ مسلمانوں کے قبضے میں تھا اور شہر میں ان کی آمد و رفت جاری تھی۔ قاضی بہاؤ الدین ابن شداد خود بھی عکا کی سیر کر آئے تھے۔ وہاں فصیل پر چڑھ کر انہوں نے فرنگیوں کی خیمہ گاہ پر تیر بھی برسائے تھے اور یوں جہاد فی سبیل اللہ میں تیر اندازی کا اجر حاصل کیا تھا۔

ادھر موسم سرما کی آمد آمد تھی، عکا کی ساحلی ہوائیں دن بدن سرد تر ہوتی جا رہی تھیں۔ ایک رات سلطان کی خیمہ گاہ میں گہری اداسی طاری تھی۔ سلطان کا تجربہ کار مصاحب اور عسکری ماہر حسام الدین طمان فوت ہو گیا تھا۔ قاضی ابن شداد بتاتے ہیں کہ وہ ایک بہادر سالار تھا۔ کاتب عماد اصفہانی لکھتے ہیں کہ موت کے وقت اس مردِ مجاہد کو بستر پر جان دینے کا سخت صدمہ تھا۔ حالتِ نزع میں وہ گھوڑا منگوا رہا تھا تاکہ اس پر سوار ہو کر جہاد کرتے ہوئے اپنے خالق سے جا ملے۔ رات گئے اس کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور <u>العیاضیہ کے ٹیلے پر ہی اسے دفن کر دیا گیا۔</u> ❷

❶ النوادر السلطانیہ: 100

❷ النوادر السلطانیہ: 100۔ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/106

میدان جنگ میں اب وہ ہنگامہ نہ تھا مگر فریقین موقع پا کر ایک دوسرے پر چوٹ لگانے سے باز نہیں رہتے تھے۔ روزانہ مسلمانوں کی کچھ ٹولیاں میدان میں نکل جاتیں، ادھر سے دشمن کے سپاہی بھی منڈلاتے نظر آتے۔ کبھی وہ دور ہی سے ایک دوسرے کو گھورتے اور کبھی نعرے لگا کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ دونوں طرف موڈ خوشگوار ہوتا اور لڑائی کی بجائے زبانی فقرے کسے جاتے، ایک دوسرے کی بھد اڑائی جاتی، کسی موقع پر بہادروں کو جوش آ جاتا تو وہ دعوتِ مبارزت دے ڈالتے اور ایکا ایکی لڑائیاں ہوتیں۔ تب سینکڑوں لوگ ان دلچسپ مگر خونی مقابلوں کو دیکھنے جمع ہو جاتے۔ مسلمانوں کی خیمہ گاہ کے پیچھے ایک بہت بڑا بازار لگ گیا تھا۔ ہزاروں سپاہیوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے سینکڑوں دکانیں آراستہ ہو گئی تھیں۔ حبشی، عرب بدو، کرد اور ترک تاجر یہاں ضرورت کی ہر شے کے ساتھ موجود تھے۔ ان میں سے بہت سے مسلح تھے کیوں کہ جنگ کا دائرہ بازار تک بھی پھیل سکتا تھا۔

سلطان کی فوج میں رضاکارانہ طور پر جہاد میں حصہ لینے والے بہت سے بدو اور کسان بھی تھے۔ ان سے بعض مواقع پر بہترین کام لیا جاتا تھا۔ وہ فرنگیوں کا سامان لوٹتے اور انہیں گھائل کرتے رہتے تھے۔ اگر کبھی ناواقف یورپی سپاہی ٹولیوں کی شکل میں اِدھر اُدھر لوٹ مار کرنے نکل جاتے تو قبائلی بدو انہیں جی بھر کے نشانہ بناتے۔ عموماً فرنگی ایسا خطرہ کم ہی مول لیتے تھے۔ سمندر کی جانب سے فرنگیوں کو کمک پہنچ رہی تھی بعض اوقات مسلمان اس میں سے بھی اپنا حصہ وصول کر لیتے تھے۔ ایک دن کوئی یورپی جہاز چھاؤنی کے لیے اعلیٰ نسل کے گھوڑے لے کر آیا۔ ان میں سے ایک گھوڑا بدک کر سمندر میں کود گیا اور بڑی مہارت سے تیرنے لگا۔ فرنگی اس کے پیچھے لگے رہے مگر وہ ہاتھ نہ آیا اور تیرتا ہوا عکا کی بندرگاہ تک پہنچ گیا جہاں مسلمان یہ عجیب تماشا دیکھ رہے تھے۔ گھوڑا سیدھا مسلمانوں کے پاس آ گیا۔ [1]

<u>بدوؤں کا چھاپہ</u> ❀ 16 شعبان کو صلیبیوں کا ایک گروہ چھاؤنی سے نکل کر دریائے عکا کی طرف چلا جا رہا تھا تاکہ وہاں سے گھاس جمع کر کے مویشیوں کے لیے چارے کا بندوبست کرے۔ سلطان کے جاسوسوں نے بروقت یہ اطلاع دے دی اور سلطان کے حکم سے چھریرے چاق اور چوبند بدو اپنے قبائلی بھیس میں وہاں منڈلانے لگے۔ اس حلیے میں کوئی ان پر سلطان کے سپاہی ہونے کا شک نہیں کر سکتا تھا۔ جوں ہی فرنگی وہاں پہنچے عرب مجاہد ان پر جھپٹ پڑے اور ان کو واصلِ جہنم کر کے ان کے کٹے ہوئے سر سلطان کی خدمت میں پیش کر دیے۔ سلطان نے انہیں خلعتیں عطا کیں اور انعام و اکرام سے نوازا۔ [2]

---

[1] النوادر السلطانیہ: 169، 170، الکامل فی التاریخ: 10/186

[2] النوادر السلطانیہ: 170

اسی دن سورج ڈھلتے وقت عکا کی فصیل پر زبردست جنگ چھڑ گئی۔ ویسے تو روزانہ ہی تیروں اور پتھروں کا ہلکا پھلکا تبادلہ ہوتا رہتا تھا مگر فرنگیوں کا یہ حملہ بڑا بھرپور تھا، تاہم عکا کے محافظین نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور دشمن کی ایک نہ چلنے دی۔ اندھیرا پھیلنے تک عکا کی فصیل کی جانب سے مار دھاڑ کا شور سنائی دیتا رہا پھر یکدم خاموشی طاری ہوگئی۔ فرنگی اپنی چھاؤنی میں واپس چلے گئے تھے۔[1]

مسلمان فیصلہ کن جنگ کے منتظر تھے مگر فرنگیوں کو محفوظ پناہ گاہ مل گئی تھی لہٰذا انہیں زبردستی میدان میں گھسیٹنا ممکن نہ تھا۔ فرنگی بھرپور لڑائی کے دن کا فیصلہ اپنی مصلحتوں کو سامنے رکھ کر کرنا چاہتے تھے۔ صورتحال غیر یقینی تھی اور کسی بھی دن ان کی جانب سے بڑا حملہ ہوسکتا تھا اس لیے سلطان ایوبی نے اپنی خیمہ گاہ کو جنگی صف بندی کے انداز میں مرتب کرلیا۔ میمنہ، میسرہ اور قلب کے سپاہیوں کو ان کی جگہوں کے مطابق خیمہ گاہ کے دائیں، بائیں یا وسطی حصے میں خیمے دیے گئے تھے۔ ان کے گھوڑے ان کے خیموں کے قریب ہر وقت تیار رہتے تھے تاکہ جوں ہی طبل جنگ پر چوٹ پڑے، یہ خیموں سے نکل کر طے شدہ ترتیب کے مطابق فوراً صفیں بنالیں۔[2]

---

[1] النوادر السلطانیۃ: 170

[2] النوادر السلطانیۃ: 170

فصل:2

معرکۂ کبریٰ

طول پکڑتی اس جنگ کا فیصلہ جتنی جلد ہوتا، مسلمانوں کے لیے بہتر تھا کیونکہ یورپ سے مزید بڑی افواج کی آمد متوقع تھی اور تب مسلمانوں کے لیے اس سیلاب کا رخ پھیرنا زیادہ مشکل ہو جاتا اس لیے سلطان صلاح الدین دشمن کو اس کی موجودہ پوری طاقت میدان میں لانے کا موقع دے رہے تھے۔ اپنی خیمہ گاہ دور لے جا کر انہوں نے دشمنوں کو کھلا میدان فراہم کر دیا تھا۔ اب وہ ان کے ردعمل کے منتظر تھے۔ کچھ دنوں تک فرنگی اسے سلطان کی خطرناک چال سمجھ کر میدان میں نکلنے سے گریز کرتے رہے۔ یہ سلطان کی طرف سے دعوتِ مبارزت تھی جسے سوچ سمجھ کر قبول کرنا چاہتے تھے۔ اگر وہ کچھ انکار کر لیتے اور جرمنی، برطانیہ اور فرانس کی افواج کے آنے پر میدان میں نکلتے تو کامیابی کے امکانات زیادہ تھے۔ مگر وہ فوجیں کب آئیں گی؟ ان کے آنے تک حالات کچھ اور رخ اختیار نہ کر لیں؟ یہ وہ زاویے تھے جن پر فرنگی رہنما غور کر رہے تھے۔ ان کے جوشیلے نائٹوں کو ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنے کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

یورپ سے آئے ہوئے جنونی صلیبیوں کو اپنی کثرت کے باوجود گائی کا تذبذب قطعاً نہیں بھا رہا تھا۔ وہ سراپا سوال تھے کہ آخر ہم اپنی موجودہ طاقت کے ساتھ سلطان کا مقابلہ کیوں نہیں کر سکتے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ اب تک سلطان کی تمام افواج اس محاذ پر جمع نہیں ہو سکیں بلکہ وہ طرابلس، صور اور انطاکیہ کی سرحدوں پر بکھری ہوئی ہیں، دمیاط اور اسکندریہ کی بندرگاہوں پر پہرہ دے رہی ہیں، شمالی شام کے شہروں حلب اور حماۃ میں ان کی ایک بڑی تعداد تعینات ہے کیونکہ شاہِ جرمنی فریڈرک باربروسا کی پیش قدمی جاری ہے اور وہ کسی بھی وقت ایشیائے کوچک سے شام کی شمالی سرحدوں پر نمودار ہو سکتا ہے۔ ادھر مصر سے الملک العادل کی بحری فوج اور حسام الدین لؤلؤ کا بحری بیڑہ بھی اب تک نہیں پہنچا تھا۔ اگر جنگ میں تاخیر کی صورت میں وہ سلطان سے آ ملے تو کیا مسلمانوں کو شکست دینا مشکل نہ ہو جائے گا؟ ان پہلوؤں پر سوچنے کے بعد بڑے حملے کا دن طے کر لیا گیا۔ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ حملہ اچانک کیا جائے گا۔

بدھ 21 شعبان 585ھ (4 اکتوبر 1189ء) کو علی الصبح فرنگی خیمہ گاہ میں ناقوس بج اٹھے۔ سپاہی قطار در قطار کچے پشتے کی اوٹ سے نکل کر خندق کا چوبی پل عبور کر رہے تھے۔ صبح کی روشنی پھیلنے تک ان کی صف بندی مکمل ہو چکی تھی۔ لشکر میمنہ، میسرہ اور قلب کے تین روایتی حصوں میں تقسیم تھا۔ گائی قلب میں شاہانہ طمطراق سے کھڑا تھا۔ نیزہ بردار محافظ اس کے دائیں بائیں چوکس تھے۔ بائبل کا ایک بڑا نسخہ ریشمی کپڑے میں لپٹا اس کے سامنے تھا جسے چار خادموں نے چاروں کونوں سے تھاما ہوا تھا۔ یہ لوگ آہستہ آہستہ اپنی چھاؤنی سے میدان کے وسط کی طرف بڑھ رہے تھے۔ لشکر کے دائیں اور بائیں بازو پھیل کر ٹیلوں کی بلندیوں تک پہنچ گئے تھے۔ دایاں بازو دریائے عکا اور بایاں بازو عکا شہر کے شمال میں ساحلِ سمندر کو چھو رہا تھا۔ اٹلی، جرمنی، ہالینڈ اور ڈنمارک کے سپاہی اپنے اپنے خاص نشانوں کے ساتھ چلے آ رہے تھے۔ ان کے سروں پر سینکڑوں صلیبیں بلند تھیں اور ہزاروں چھوٹے بڑے پرچم ان کے ہاتھوں میں لہرا رہے تھے۔ دو میل تک پھیلی ہوئی ان صفوں میں سب سے آگے تیر انداز تھے۔ ان کے بعد پیادوں کی صفیں تھیں جو دُہری قد آدم ڈھالوں کی دیوار بنائے چلے آ رہے تھے۔ پھر نائٹوں اور گھڑ سواروں کے دستے تھے جو چمکدار بھاری زرہوں میں ملبوس نیزے لہراتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ کاتب عماد کے بیان کے مطابق اس حملے میں نصرانیوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ یہ تعداد جنگ میں گرفتار ہونے والے ٹمپلروں کے گرینڈ ماسٹر نے خود بتائی تھی۔

نصرانیوں کا یہ حملہ مسلمانوں کے لیے غیر متوقع تھا۔ اس دن صبح مسلمان حسبِ معمول بیدار ہوئے تھے۔ اطمینان سے نمازِ فجر ادا کی تھی۔ پھر کچھ سپاہی تیغ آزمائی کا شوق پورا کرنے میدان میں نکل گئے تھے جبکہ اکثر اپنے اپنے معمولات میں مصروف تھے۔ کوئی اپنے خیمے میں تھا، کوئی کسی دوست سے ملنے لشکر کے کسی دوسرے حصے میں پھر رہا تھا۔ کچھ اپنے گھوڑوں کو دانا کھلا رہے تھے، کچھ بازار میں گھوم کر ضرورت کا سودا خرید رہے تھے۔ ایسے میں سرپٹ سواروں نے آ کر آواز لگائی۔

يَالَلإِسْلَام يَالَلإِسْلَام يَاعَسَاكِرَ مُوَحِّدِيْن يَاخيل الله اركبي [1]

ساتھ ہی طبلِ جنگ پر چوٹ پڑنے لگی۔ مسلمان تیزی سے اٹھے اور سلطان صلاح الدین کی پکار پر جمع ہونے لگے۔ صف بندی کے مطابق خیمے لگنے کی وجہ سے مسلمانوں کو سہولت رہی اور صفیں بننے میں دیر نہ لگی۔ اگر پہلے سے یہ انتظام نہ ہوتا تو مسلمان یقیناً شدید نقصان سے دوچار ہوتے اور صف بندی سے پہلے ہی دشمن کی زد میں آ جاتے۔ سلطان نے لشکرِ اسلام کی صف بندی شروع کی اور بڑی سرعت

---

[1] اسلام کو نصرت! اسلام کو نصرت! توحید کے سپاہیو! اللہ کے شہسوارو! سوار ہو جاؤ

سے صفوں کو حریف لشکر کے دونوں کناروں تک پھیلا دیا۔ نظم ونسق بہتر بنانے کے لیے انہوں نے لشکرِ اسلام کے تینوں حصوں یعنی میمنہ، میسرہ اور قلب کو مزید چار چار حصوں میں تقسیم کر دیا تھا یعنی ان میں سے ہر ایک کو دائیں، بائیں، وسط اور ہراول میں بانٹ دیا تھا تاکہ جنگ کا دائرہ پھیلنے کے بعد بھی نظم وضبط برقرار رہے۔ [1]

سلطان کے لشکر کی ترتیب: سلطان صلاح الدین خود قلب لشکر کے وسط میں تھے۔ قلب کے دائیں بازو کی قیادت شہزادہ الملک الافضل کر رہا تھا۔ ذیلی سالاروں میں بڑے بڑے نامور افسران شامل تھے۔ انہی میں شہزادہ الملک الظافر کا دستہ تھا۔ برابر میں موصل کے سپاہی زہیر الدین بلنکری کی کمان میں تھے۔ دیار بکر کی فوج نوجوان قلعہ دار قطب الدین سقمان کی سرکردگی میں صف آرا تھی۔ قلب لشکر کا ہراول فقیہ عیسیٰ الہکاری کی کمان میں تھا۔

میمنہ کی کمان جنگ آزمودہ سالار تقی الدین عمر کے ہاتھ میں تھی۔ وہ دائیں بازو کے آخری کونے پر عکا کے شمال میں بحیرۂ روم کی پرسکون موجوں کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی بائیں جانب دیگر دستے تھے جن کی قیادت سلطان کا بھانجا حاکم نابلس حسام الدین بن لاجین اور جانباز امیر قایماز نجمی کر رہے تھے۔

میسرہ کے قائد کہنہ سال کردستانی سیف الدین مشطوب کے سپاہیوں کی صفیں قلب لشکر سے متصل تھیں، مہرانی اور ہکاری قبائل اس کی سرکردگی میں تھے۔ معرکہ آزما امیر مجاہد الدین یرنقش بھی سنجار کے بہادروں اور مملوک سپاہیوں کے ساتھ موجود تھا۔ حران کا امیر مظفر الدین کوکبری بھی میسرہ میں تھا۔ میسرہ کے آخری سرے پر دریائے عکا کے کنارے مملوک اسدیوں کے سرکردہ امراء سیف الدین یازکوج اور ارسلان بغا مقرر تھے۔

قلب، میمنہ اور میسرہ کے یہ تمام دستے وادی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک کمان کی شکل میں کھڑے تھے۔ ہر دستے کا سالار اپنے سپاہیوں سے چند قدم آگے تھا۔ ان میں سے ہر ایک اسلام کے دفاع کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے کے لیے تیار تھا۔ ایک فرانسیسی مؤرخ سلطان کی صف بندی کی داد دیتے ہوئے لکھتا ہے:

''سلطان نے فوج اس طرح ترتیب دی تھی کہ نصرانیوں کو دریا اور سمندر کے درمیان گھیر لیا تھا کہ اگر نصرانیوں کو شکست ہو جائے تو ان کی واپسی کی کوئی صورت نہ رہے۔'' [2]

---

[1] النوادر السلطانیہ، ص: 171؛ الکامل فی التاریخ: 10/188؛ ابن خلدون: 5/315۔

نوٹ: یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ لشکر کے دائیں بازو کو میمنہ، بائیں بازو کو میسرہ، درمیانی حصے کو قلب، تازہ دم سپاہیوں کو ساقہ اور دستہ اول کو ہراول یا مقدمۃ الجیش کہا جاتا ہے۔

[2] حیات صلاح الدین، ص: 155

مسلمانوں کی مجموعی تعداد کسی مورخ نے بیان نہیں کی مگر اندازہ ہے کہ وہ 20 سے 30 ہزار کے لگ بھگ تھے۔ اس سے زیادہ کی امید اس لیے نہیں کی جا سکتی کہ معرکہ حطین میں سلطان ایوبی اپنے زیر انتظام تمام صوبوں کی افواج جمع کر کے بھی 12 ہزار سے زائد سپاہی جمع نہیں کر سکے تھے، اس کے بعد سلطان کی فوج میں کسی بڑے اضافے کا ذکر نہیں ملتا۔ لہٰذا موجودہ مہم میں سلطان کے پاس پیشہ ور سپاہی بارہ تیرہ ہزار ہی ہو سکتے ہیں۔ پھر اگر ان میں رضا کاروں کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ مقدار دوگنی سمجھی جا سکتی ہے۔ اس لحاظ سے ہم کل سپاہ کو 20 سے 30 ہزار کے درمیان شمار کر سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ حطین کے معرکے سے لے کر اب تک سلطان کو کسی اسلامی ملک سے افواج میسر نہیں آئی تھیں حالانکہ مقابلے پر اب کئی یورپی ممالک کی افواج تھیں۔ مستشرقین صلیبیوں کی شرمناک شکستوں پر پردہ ڈالنے کے لیے ان کی تعداد کم اور سلطان ایوبی کی افواج کو کئی گنا زائد بتاتے رہے ہیں جو ایک سنگین خیانت ہے۔

جنگ شروع ہوتی ہے: سلطان صلاح الدین ایوبی گھوڑے پر سوار ہو کر دستوں کے درمیان گشت کر رہے تھے اور انہیں اسلام کی خاطر کٹ مرنے پر ابھار رہے تھے۔ وہ پورے یقین سے کہہ رہے تھے:

"اللہ کی مدد ہمارے شامل حال ہے۔"

وہ فوج کو برابر حوصلہ دلا رہے تھے اور صفوں کے سامنے سے گزرتے ہوئے وہ بار بار سپاہ کو ثابت قدمی کی تاکید کر رہے تھے اور جنت کی ابدی مسرتوں سے ہمکنار ہونے کا مژدہ سنا رہے تھے۔ سورج بلندی پر جا رہا تھا اور صبح کی خنکی پر اس کی تمازت غالب آ گئی تھی۔ دونوں فریق ایک دوسرے کے بالکل آمنے سامنے آ چکے تھے مگر حملے میں پہل کرنے میں متذبذب تھے۔ [1]

چار گھنٹے یوں ہی گزر گئے۔ آخر کار صلیبیوں کے بائیں بازو نے ہولناک شور شرابے کے ساتھ لشکرِ اسلام کے دائیں بازو کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ نصرانیوں کو اپنی کثرت پر اس قدر غرور تھا کہ ایک سورما نے چلا کر کہا:

"خدا کو اس وقت خاموش رہنا چاہیے، فتح ہماری ہے۔" [2]

قلبِ لشکر میں کھڑے سلطان صلاح الدین نے شمال کی طرف گرد و غبار اڑتے ہوئے دیکھا۔ ایک میل دور ساحلِ سمندر کے سامنے معرکہ شروع ہونے کو تھا۔ سلطان کی نگاہیں اسی طرف جمی ہوئی تھیں۔ انہیں تقی الدین کی صلاحیتوں پر پورا اعتماد تھا جو ان کی فوج کا سب سے ماہر سالار تھا مگر جنگ میں کسی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

---

[1] النوادر السلطانیہ: 171؛ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/96 [2] حیات صلاح الدین ایوبی، ص 166

ادھر تقی الدین عمر صلیبی میسرہ سے نبرد آزمائی کے بالکل تیار تھا۔ اس نے تیر انداز جالیشیہ دستے کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ صلیبی نائٹ گھوڑوں کو ایڑ لگا کر مسلمانوں کے قریب پہنچ چکے تھے، ان کے پیچھے پیادہ دستے ڈھالوں کی اوٹ میں نیزے تانے چلے آ رہے تھے۔ تقی الدین کے اشارے پر جالیشہ دستے دم بدم تیر برسانے لگے، فرنگیوں میں سے بہت سے زخمی ہو کر گر پڑے مگر ان کی تنظیم بہت عمدہ تھی لہٰذا صف میں کوئی رخنہ نہیں آیا۔ آخر مسلمان اور عیسائی باہم گتھ گئے اور ایک خونریز لڑائی شروع ہوگئی۔ کئی بار مسلمانوں نے عیسائیوں کو پیچھے دھکیلا اور کئی بار عیسائی انہیں پیچھے ہٹانے میں کامیاب ہو گئے۔ دشمن کا یہ دم خم اور اس کی صف بندی کی پختگی دیکھ کر تقی الدین عمر کو یقین ہو گیا کہ جھانسا دیے بغیر اس کا توڑ ممکن نہیں، اس نے فرنگیوں کے برسرِ پیکار سپاہیوں کو میدانِ جنگ سے دور لے جا کر باقی لشکر سے الگ کر دینے کی ضرورت محسوس کی کہ شاید اس طرح صلیبیوں کے مختلف پہلوؤں پر حملہ کرنے کا موقع مل جائے۔ چنانچہ اس نے اپنی سپاہ کو پسپائی کا حکم دے دیا۔ مسلمانوں نے گھوڑوں کے رخ پھیر دیے اور مشرقی پہاڑوں کی طرف بھاگنے لگے۔ دشمن یہ دیکھ کر جری ہو گیا اور ایک ریلے کی طرح ان کے پیچھے آیا۔

قلب لشکر میں سلطان ایوبی یہ منظر دیکھ کر پریشان ہو گئے کیونکہ تقی الدین نے کسی طے شدہ منصوبے پر عمل نہیں کیا تھا بلکہ یہ پسپائی اس کا ذاتی فیصلہ تھا۔ سلطان یہ سمجھے کہ مسلمان کمزوری کی وجہ سے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ چونکہ اب تک دونوں لشکروں کے قلب میدانِ کارزار میں نہیں اترے تھے اور سلطان کے زیرِ کمان قلب کے سپاہی محفوظ دستوں کے طور پر کھڑے تھے چنانچہ سلطان نے فوری طور پر ان کا ایک حصہ تقی الدین کی امداد کے لیے روانہ کر دیا۔①

<u>قلبِ لشکرِ اسلام درہم برہم</u>: اُدھر عیسائیوں کے قلب سے گائی اور اس کے افسران یہ منظر بغور دیکھ رہے تھے۔ انہیں سلطان پر حملے کے لیے ایسے ہی کسی وقت کا انتظار تھا۔ جوں ہی لشکرِ اسلام کے قلب میں سپاہی کم ہوئے صلیبی مسیح اور مریم کے نعرے بلند کرتے ہوئے اس پر ٹوٹ پڑے۔

یہ لمحات نہایت نازک تھے۔ مسلمانوں کی تعداد نصرانیوں سے بہت کم تھی۔ ہر مسلمان کے مقابلے میں کم از کم چار عیسائی تھے۔ پھر نصرانیوں کے لشکر کا سب سے بڑا حصہ ان کا قلب تھا جبکہ مسلمانوں کے قلب میں اب فوج مزید کم ہو گئی تھی۔ نصرانیوں نے مزید موقع شناسی سے کام لیتے ہوئے زیادہ زور مسلم قلب کے دائیں پہلو پر دیا جہاں دیار بکر کی سپاہ قطب الدین سقمان کی سرکردگی میں تھی قطب الدین ایک بہادر نوجوان تھا مگر اسے بڑی جنگوں کا کوئی تجربہ نہ تھا چنانچہ اس اچانک حملے سے اس کے قدم اکھڑ

① [illegible] 172 [illegible] 186/10

گئے جس سے پورے قلب کی صف بندی میں دراڑیں پڑ گئیں، عیسائی گھڑ سواروں نے مسلمانوں کی صفوں کو دھکیلتے ہوئے دائیں بائیں الٹ دیا۔ قاضی بہاء الدین ابن شداد کہتے ہیں:

"فرنگیوں کے پیادوں اور گھڑ سواروں نے قلب کے دائیں پہلو پر دھاوا بول دیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ ان کے پیادے بھی گھڑ سواروں کی طرح مانند تیزی سے دوڑتے جا رہے تھے۔"[1]

<u>مسلمانوں کو شدید ترین ہزیمت</u> ❁ سلطان صلاح الدین کی زندگی میں شاید اس سے زیادہ حوصلہ شکن لمحہ پہلے کبھی نہ آیا ہوگا۔ عین فیصلہ کن مرحلے میں ان کی حکمت عملی ناکام ہو گئی تھی۔ کوئی کام طے شدہ منصوبے کے مطابق نہیں ہو سکا تھا۔ بساط جنگ کی چالیں دشمن اپنے حساب سے چل رہا تھا اور مسلمان پٹے جا رہے تھے۔ اگرچہ ابھی مسلمانوں کا جانی نقصان زیادہ نہیں ہوا تھا مگر میدان جنگ اب صلیبیوں کے ہاتھ میں تھا۔ وہ ہر طرف چھائے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ قلب کے سپاہی تقی الدین کی پسپائی دیکھ کر پہلے ہی بددل ہو چکے تھے اور اب خود اپنی صفوں میں زبردست توڑ پھوڑ نے ایک لمحے کے لیے انہیں یقین دلا دیا تھا کہ وہ فیصلہ کن معرکہ ہار چکے ہیں اور اب دمشق سے پہلے ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں رہی۔ چنانچہ اسلامی قلب کے اکثر سپاہی گھوڑوں کے منہ پھیر کر دمشق کی طرف فرار ہونے لگے۔ پیادوں نے بھی ان کی تقلید کی۔ قلب کی صفیں خالی ہوتی گئیں۔ مسلمانوں کی اس مرعوبیت نے نصرانیوں کو مزید حوصلہ بخشا۔ ان کی بڑی تعداد اپنی صفوں کو چھوڑ کر فرار ہونے والوں کی تعاقب میں دوڑ پڑی۔[2]

سلطان صرف پانچ سپاہیوں کے ساتھ اپنی جگہ جمے رہے۔ عیسائی ایک ریلے کی طرح آئے اور ان سے کنی کترا کر اندھا دھند آگے بڑھتے چلے گئے۔ غالباً انہوں نے سادہ وضع سلطان کو پہچانا نہیں ہوگا اور چند ثابت قدم مسلمانوں کو دیکھ کر انہوں نے سوچا ہوگا کہ ان کا کہیں بچ کر نکلنا ممکن نہیں لہٰذا پہلے بھاگنے والی بڑی ٹولیوں کو ٹھکانے لگایا جائے۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ اَن گنت افراد مشرق کی جانب گرد و غبار کے بادلوں میں روپوش ہو گئے۔ مفرور مسلمان دوڑتے دوڑتے العیاضیہ کے ٹیلوں پر واقع اپنی خیمہ گاہ سے بھی آگے نکل گئے اور ادھر ادھر پھیل گئے۔ فرنگی بھی ان کے پیچھے پیچھے خیمہ گاہ تک جا پہنچے۔

<u>اسلامی میسرہ کی استقامت</u> ❁ اب میدان جنگ کے شمالی اور وسطی حصے خالی ہو گئے تھے اور ایک عجیب سا سناٹا چھا گیا تھا۔ ہاں ایک ٹیلے کے پیچھے سلطان اور ان کے چند جانثار سپاہیوں کی موجودگی یہ ثابت کر رہی تھی کہ ابھی جنگ کا حتمی فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دریائے عکا کے کنارے لشکر اسلام کا میسرہ (بایاں بازو) ابھی تک صلیبیوں کے میمنہ (دائیں بازو) کے مقابلے میں ڈٹا ہوا تھا۔ اگر میسرہ

---

[1] النوادر السلطانیہ ص 172، الکامل فی التاریخ: 10/167

[2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/95

کے سپاہی بھی کم ہمتی کا مظاہرہ کرتے تو مسلمانوں کو شکست فاش ہونے میں چند لمحے بھی نہ لگتے اور صلیبی میمنہ انہیں کچلنے کے بعد بلا تامل سلطان کے بقیہ سپاہیوں پر حملہ آور ہو جاتا مگر میسرہ کے عمر رسیدہ قائد سیف الدین مشطوب نے بڑے بڑے معرکے دیکھے تھے۔ وہ سنگین ترین حالات میں بھی مایوس نہیں ہوتا تھا۔ اس کے حوصلے کے باعث اس کی زیر قیادت سپاہ اپنی جگہ جمی رہی۔ ❶

<u>مفرور سپاہیوں کی حالت</u>❋ اس دن قلب لشکر کے مسلمانوں کو کتنی بڑی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا، اس کا اندازہ کاتب عماد کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے:

"اس دن میں اہل علم و فضل کی ایک جماعت کے ساتھ تھا۔ ہم سوار ہو کر ایک ٹیلے پر جا پہنچے۔ یہاں سے ہم معرکے کا نظارہ کر رہے تھے۔ ہم نہتے تھے اور خچروں پر سوار تھے۔ اچانک ہم نے اپنے لشکر کو پشت پھیر کر فرار ہوتے دیکھا۔ وہ اپنی خیمہ گاہ کو بھی خالی چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے سو ہم (بھی جان بچا کر) طبریہ پہنچ گئے مگر دیکھا (فرنگیوں کے خوف سے) لوگ اسے بھی خالی کر گئے ہیں۔ پس ہم نے (دریائے اردن کا) پل صنبرہ عبور کیا اور اس کے مشرقی کنارے پر پہنچ گئے۔ مفرورین میں سے بہت سے فیق کی گھاٹی تک چلے گئے تھے بلکہ بعض تو سیدھے دمشق پہنچ گئے تھے۔" ❷

<u>خیمہ گاہ بھی لٹ گئی</u>❋ مسلمانوں کی خیمہ گاہ اس وقت بالکل خالی رہ گئی تھی کیونکہ لڑنے کے قابل ہر مرد یا تو معرکۂ کارزار میں تھے یا فرار ہو گئے تھے۔ پڑاؤ کی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ چنانچہ لشکر کے من چلے خدام، مزدور اور لالچی غلام خیمہ گاہ میں گھس گئے۔ انہوں نے سوچا فرنگیوں کے خیمہ گاہ لوٹنے اور تباہ کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ ہم ہی اسے لوٹ لیں۔ چنانچہ وہ بے دریغ اندر گھس گئے اور بے شمار مال و اسباب کو سواریوں پر لاد کر محفوظ مقامات کی طرف بھاگ گئے۔ ❸

<u>سلطان صلاح الدین ایوبی کی حوصلہ مندی</u>❋ اس نازک ترین صورتحال میں ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کا ردِ عمل دیکھتے ہیں تو شدید حیرت ہوتی ہے وہ اب بھی مایوسی کی بجائے امید کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے اور جان کی بازی لگا کر میدانِ جنگ میں ثابت قدم تھے۔ یقیناً اس وقت انہیں وہ غائبانہ تائید آسمانی میسر تھی جو دلوں کو فولاد سے زیادہ مضبوط بنا دیتی ہے۔ ان پر اس سکینہ کا نزول ہو رہا تھا جو ہر اضطراب کے لمحات میں بھی سکون و اطمینان کا سرچشمہ ثابت ہوتا ہے۔ مسلمانوں سے ہونے والی خطرناک غلطی پر افسوس میں وقت ضائع کرنے کی بجائے وہ نصرانیوں کی ایک حماقت سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

❶ كتاب الروضتين في اخبار الدولتين: 96/4
❷ النوادر السلطانية: 173، 174
❸ كتاب الروضتين في اخبار الدولتين: 95/4

مفرور مسلمانوں کا تعاقب کرنے والے اکثر یورپی سپاہی تھے جو علاقے کے نشیب و فراز سے ناواقف تھے، وہ تعاقب میں دور تک جا کر راستے سے بھٹک سکتے تھے اس کی بجائے اگر وہ مسلمانوں کو پسپا کر کے خود میدانِ جنگ میں موجود رہتے اور باقی ماندہ لشکرِ اسلام پر پورا دباؤ ڈال دیتے تو میسرہ اور قلب کے باقی ماندہ چند ہزار سپاہی ایک لاکھ صلیبیوں کے سیلاب میں پس کر رہ جاتے۔ فرار ہونے والے مسلمان تو اب دشمن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ صلیبی سمجھداری سے کام لیتے تو ان کا تعاقب بعد میں کر لیتے۔ مگر صلیبیوں سے یہاں چال چلنے میں غلطی ہو گئی تھی اور اسی سے فائدہ اٹھا کر سلطان اپنی شکست کو فتح میں تبدیل کرنا چاہتے تھے۔ ❶

<u>میدانِ جنگ کا منظر</u> ❁ اس وقت صلیبی مسلمانوں کا تعاقب دو حصوں میں بٹ کر کر رہے تھے، ان کا قلب، لشکرِ اسلام کے قلب کے تعاقب میں تھا اور بایاں بازو مسلمانوں کے دائیں بازو کے پیچھے۔ لشکرِ اسلام کا قلب تو بری طرح پسپا ہوا تھا اور فرنگی ان کے تعاقب میں دریائے اُردن کے پل تک بڑھتے چلے گئے تھے۔ ❷

مگر ان کا بایاں بازو تقی الدین عمر کو زیادہ دور نہ دھکیل سکا، اس لئے کہ تقی الدین کی پسپائی منصوبہ بندی کے تحت منظم انداز میں تھی۔ پھر قلب کے وہ سپاہی بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے تھے جو سلطان کی جانب سے جنگ کے آغاز میں کمک کے طور پر اس کی طرف بھیجے گئے تھے۔ چنانچہ تقی الدین اب اچھی طرح لڑنے کے قابل تھا۔ جلد ہی ایک مناسب مقام پر پہنچ کر اس نے پسپائی ختم کر دی۔ یہ دیکھ کر تعاقب کرنے والے بائیں بازو کے ٹمپلروں اور ہاسپٹلروں نے بھی سمندر کے قریب ایک بلند ٹیلے پر ازسرِنو منظم ہونا شروع کر دیا۔ ❸

<u>صلیبیوں کی لوٹ مار</u> ❁ اُدھر صلیبیوں کے قلب کے سپاہی جو اسلامی قلب کے سپاہیوں کا تعاقب کر رہے تھے مسلمانوں کو مشرقی پہاڑوں کی بلندیوں میں غائب ہوتا دیکھ کر واپس آنا شروع ہو گئے تھے۔ ❹ وہ اپنی فتح کو کامل تصور کر کے بے فکر تھے اس لیے اب انہیں لوٹ مار کی سوجھی۔ راستے میں انہیں چند مسلمان غلام، سائیس اور مزدور نظر آئے جو بار برداری کے خچروں پر سوار ہو کر فرار ہو رہے تھے۔ فرنگیوں نے ان پر حملہ کر دیا اور ان میں سے تین افراد کو قتل کر دیا۔ باقی ادھر ادھر بھاگ گئے۔ فرنگیوں کی ایک ٹولی خیمہ گاہ کے پیچھے آباد بڑے بازار میں گھس گئی اور نہ صرف لوٹ مار کی بلکہ بہت سے

---

❶ النوادر السلطانیہ: 173، 174، الکامل فی التاریخ: 10/168
❷ النوادر السلطانیہ: 173، 174
❸ النوادر السلطانیہ: 173، 174
❹ النوادر السلطانیہ: 173، 174، تاریخ ابن خلدون 5/315

لوگوں کو قتل بھی کر دیا مگر بازار میں کئی شمشیر زن اور خنجر زن موجود تھے۔ انہوں نے مل کر لٹیرے فرنگیوں کا مقابلہ شروع کر دیا اور ان میں سے کئی افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ فرنگی جس تیزی سے بازار میں گھسے تھے، اسی تیزی سے باہر نکل گئے۔ ● ...... اب ان کا ارادہ مسلمانوں کی خیمہ گاہ کو لوٹنے کا تھا، چنانچہ وہ ٹولیوں میں بٹ کر ادھر ادھر پھیل گئے۔ ان کی ایک ٹولی سلطان ایوبی کی خصوصی خیمہ گاہ میں گھس گئی اور خیموں کو لوٹنے لگی۔ یہاں انہیں جو شخص بھی نظر آیا وہ اسے تہ تیغ کرتے گئے۔ کچھ لوگ سلطان کے خیمے کے قریب شہید ہوئے جن میں ایک عالم شیخ علی ابن رواحہ اور سلطان صلاح الدین کا طشت دار بھی شامل تھے۔ اب صلیبیوں کے سامنے سلطان کا اونچا خیمہ تھا جس پر لہراتا ہوا پرچم اور نشان خاص دور سے دکھائی دیتا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ سلطان کے خیمے کو لوٹتے انہیں میدان جنگ سے ایک پریشان کن خبر ملی اور وہ واپس دوڑ پڑے۔ ●

صلیبی کیوں واپس ہوئے ؟ انہیں اطلاع ملی تھی کہ مسلمانوں کا میسرہ سیف الدین مشطوب کی قیادت میں ان کے میمنہ کو دھکیلتا ہوا تورون چھاؤنی کی خندق تک لے گیا ہے اور محفوظ صلیبی دستے اب مسلمانوں کے تعاقب میں نکلنے کی بجائے میدان جنگ میں اپنے میمنہ کی مدد کے لئے جا رہے ہیں۔ ابھی صلیبی اس جھٹکے سے سنبھلنے نہیں پائے تھے کہ پتا چلا میدان جنگ کی شمالی سمت میں بھی صورتحال تبدیل ہو گئی ہے اور وہاں تقی الدین عمر نے دائیں بازو کے سپاہیوں کے ساتھ پلٹ کر ایک بار پھر میدان میں قدم جمالئے ہیں۔ اس صورتحال سے قلب کے یہ صلیبی جو خیمہ گاہ میں لوٹ مار کر رہے تھے، حواس باختہ ہو گئے، انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ اگر وہ ذرا دیر بھی یہاں رکے تو اپنے لشکر سے کٹ کر رہ جائیں گے، کیوں کہ اگر مسلمانوں کا میمنہ یا میسرہ غالب آ گیا تو فارغ ہو کر وہ سب سے پہلے انہی کا راستہ روکنے کی کوشش کرے گا۔ وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ لشکر کے محفوظ دستوں کی کمک آنا بند ہو گئی ہے لہٰذا یہاں ٹھہرنا خطرناک تھا جبکہ میدان جنگ میں ان کی زیادہ ضرورت تھی۔ چنانچہ وہ اسلامی خیمہ گاہ کو مزید نقصان پہنچانے کے بجائے تیزی سے وادی کی طرف دوڑ پڑے۔ ● ...... وہ ایسے ہیبت زدہ ہو کر بھاگے کہ جاتے جاتے سلطان کے خیمے اور پرچم کو بھی گرانا بھول گئے۔ علامہ ابن اثیر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”یہ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر خاص کرم ہوا کہ انہوں نے سلطان کے خیمے کو نہیں گرایا۔ اگر وہ اس کو گرا دیتے تو سب مسلمانوں کو پتا چل جاتا کہ فرنگی ہماری خیمہ گاہ تک پہنچ گئے ہیں اور لشکر اسلام

● النوادر السلطانیہ، ص:174
● النوادر السلطانیہ، ص:174
● حسب ترتیب: [illegible] 4/65، [illegible] 10/187

شکست کھا کر پسپا ہو گیا ہے، یہ دیکھ کر (میسرہ اور میمنہ کے) باقی سب مسلمان بھی (جواب تک لڑ رہے تھے) پسپا ہو جاتے۔" [5]

شکست کی کھائی سے فتح کی چوٹی تک: لشکرِ اسلام کے قلب اور دائیں بازو کے میدان چھوڑنے کے بعد سلطان ایوبی اپنے گرد ثابت قدم پانچ افراد کے ساتھ ایک ٹیلے پر آ گئے تھے۔ اب بھی وہ اس شکست کو فتح میں بدلنے کے متعلق پر امید تھے۔ انہوں نے فتح کے نشے میں چور دشمن کی فولادی صف بندی کو مسلمانوں کے اندھا دھند تعاقب کی وجہ سے ٹوٹتا اور انہیں بکھرتا دیکھ کر دو طرفہ حملے کا منصوبہ بنا لیا تھا۔ وہ "یا للاسلام یا للاسلام" پکار پکار کر منتشر سپاہیوں کو جمع کرنے لگے۔ جہاں جہاں کسی بھولے بھٹکے سپاہی نے یہ صدا سنی وہ لبیک کہتا ہوا دوڑا چلا آیا۔ جب کچھ لوگ جمع ہو گئے تو سلطان نے میدانِ جنگ کے اطراف میں گشت شروع کیا اور قلب کے بکھرے ہوئے سپاہیوں کو جمع کرنے کی کوشش کی اگر چہ اس میں زیادہ کامیابی نہ ہوئی کیوں کہ اکثر سپاہی بہت دور نکل گئے تھے مگر پھر بھی دن ڈھلنے تک ایک ہزار کے لگ بھگ جوان جمع ہو گئے۔ اس دوران سلطان کو مشرقی افق پر گرد و غبار کے بادل ایک بار پھر نظر آنے لگے جس کا مطلب یہ تھا کہ فرنگیوں کا قلب مسلمانوں کا تعاقب کر کے واپس آ رہا ہے۔ سلطان نے یہ اطمینان کر لیا تھا کہ ان کا بایاں بازو دشمن کے مقابلے میں دیر تک قدم جمائے رکھے گا اور ضرورت پڑنے پر ان کے ساتھ شامل ہو سکے گا۔ ساتھ میں انہوں نے عکا کے فصیل بند سپاہیوں کو پیغام بھیجا کہ وہ ان کا اشارہ ملتے ہی دشمن پر عقب سے حملہ کر دیں۔

اب سلطان نے ان ایک ہزار سپاہیوں کو مرتب کیا اور میدان کے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر فرنگیوں کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ گروہ در گروہ ٹیلوں سے اترتے نظر آئے۔ مسلمانوں نے چاہا کہ تیزی سے آگے بڑھیں اور ان پر سامنے سے حملہ کریں مگر سلطان نے انہیں منع کر دیا کیونکہ ان کی حکمت عملی کچھ اور تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے صلیبیوں کے گروہ ٹیلوں سے اتر کر میدانِ جنگ میں اپنے محفوظ دستوں کی طرف نکل گئے۔ اُن کے پیچھے دور تک مزید صلیبی آتے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں کے تعاقب میں زیادہ دور نکل جانے والے صلیبیوں کو واپس آنے میں ابھی دیر لگے گی۔ سلطان نے اب کسی پس و پیش کے بغیر واپس جانے والے صلیبیوں پر پشت سے حملہ کر دیا۔ سلطان کے بائیں بازو نے بھی اسی وقت جنوب کی سمت سے حریف پر دھاوا بول دیا۔ فتح کے نشے میں دھت فرنگی ایسے گھبرائے کہ انہیں کسی چیز کا ہوش نہ رہا۔ وہ مسلمانوں کے آگے آگے بھاگنے لگے۔

[5] الکامل فی التاریخ: 10/187

میدان کے دوسری جانب فرنگیوں کا باقی لشکر یہ منظر حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ جب انہوں نے تعاقب سے واپس آنے والی ٹولیوں کو مسلمانوں کی چمکدار تلواروں کے سائے میں بھاگتے دیکھا تو وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ مسلمانوں نے ہمارے قلب اور میمنہ کو میدان جنگ سے دور لے جا کر روند ڈالا ہے اور اب ان میں سے صرف یہ تھوڑے سے سپاہی جان بچا کر واپس آرہے ہیں۔ چنانچہ ان پر بھی مایوسی کی کیفیت طاری ہوگئی اور وہ تعاقب سے واپس آنے والوں کے ساتھ مل کر لڑنے کی بجائے اپنی جان بچانے کی فکر میں پڑ گئے۔ ان کی ادھیڑ بن سے فائدہ اٹھا کر تقی الدین عمر نے شمال کی طرف سے زوردار حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے منظم حملوں کے سامنے نصرانیوں کی اکثریت کچھ کام نہ آسکی۔ انہوں نے جم کر لڑنے کی بہت کوشش کی مگر اتنے طویل اور بے سود تعاقب کے باعث ان کے گھوڑے اور گھڑسوار دونوں تھک چکے تھے۔ پھر بساط جنگ کی اچانک تبدیلی اور مسلمانوں کے سہ طرفہ دباؤ نے انہیں پست ہمت کر دیا تھا چنانچہ وہ تینوں اطراف سے سمٹ کر پسپا ہوتے گئے۔ سلطان کے سپاہی ان کو چھاؤنی تک مارتے کاٹتے چلے گئے، یہاں کونرڈ مارکویس بھی مسلمانوں کے نرغے میں آگیا، شاہ گائی فوراً چیدہ نائٹوں کے ساتھ اس کی مدد کے لئے پہنچا اور مارکویس بچ کر نکل گیا۔ اسی اثناء میں سلطان کے منصوبے کے مطابق عکا کی گھڑسوار فوج شہر پناہ کے دروازے کھول کر باہر نکل آئی اور اس نے صلیبیوں کے منتشر لشکر پر عقب سے ایسا شدید حملہ کیا کہ انہیں میدان جنگ سے فوراً ہٹنا پڑا۔ وہ تیزی سے اپنی چھاؤنی میں پناہ لینے لگے۔[1]

صلیبی جنگوں کا مشہور شاعر "ڈیمبروز" اس واقعے کو بیان کر کے کہتا ہے:

> "عکا کی فوج نے شہر کے دروازوں سے ہم پر اتنا شدید حملہ کیا کہ اگر ہم اپنے مورچوں میں نہ گھس جاتے تو وہ ہمیں تہس نہس کر کے رکھ دیتے۔"[2]

<u>لڑائی کے بعد</u>: عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا اور سورج مغرب کی جانب جھکتا جا رہا تھا۔ عیسائی اپنی چھاؤنی میں جا چکے تھے۔ مسلمان بھی ان کے ساتھ ساتھ چھاؤنی میں داخل ہونا چاہتے تھے کہ اس دوران انہیں اطلاع ملی کہ خیمہ گاہ سے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا گیا ہے، اس خبر نے ان کو پریشان کر دیا۔ اس دوران فرنگیوں کی چھاؤنی سے تازہ دم سپاہ کی ایک بڑی تعداد مدافعت کے لئے باہر نکل آئی تھی جنہیں کسی ایسے ہی ہنگامی موقعے کے لیے پیچھے رکھا گیا تھا۔ مسلمانوں کے لئے یہاں ایک نیا معرکہ شروع کرنا آسان نہ رہا کیوں کہ دن بھر کی شدید لڑائی کے بعد وہ غیر معمولی نقاہت محسوس کر رہے تھے۔ چنانچہ وہ اپنی تلواریں نیاموں میں ڈال کر واپس ہونے لگے۔

[1] النوادر السلطانیہ:174_175، الکامل فی التاریخ:10/187 [2] صلیبی جنگیں:164

میدان میں جگہ جگہ لاشوں کے ڈھیر نظر آرہے تھے۔ ہزاروں ٹوٹے ہوئے نیزے، مڑے ہوئے خنجر، پھٹی ہوئی ڈھالیں، کند تلواریں، کٹے ہوئے خود اور چری ہوئی زرہیں کوڑے کرکٹ کی طرح قدموں میں روندی جارہی تھیں، زخمیوں کی کراہیں بلند ہورہی تھیں، شہیدوں کے خون سے زمین لالہ زار تھی، سلطان نے ان کی تدفین کا حکم دے دیا تھا، ان کے خون کی مہک الگ تھی جس کے باعث مسلمان اپنے شہداء کو آسانی سے ڈھونڈ سکتے تھے، جبکہ عیسائیوں کی لاشیں فوراً گلنے سڑنے لگی تھیں۔ان کی بدبو نے ماحول کو حد درجے متعفن بنا دیا تھا۔

اس دوران سلطان کے تیز رفتار سوار دور دور تک گھوم پھر کر اپنے منتشر ساتھیوں کو جمع کررہے تھے۔ مفرورین کی خاصی تعداد پہاڑی گھاٹی 'عقبہ فیق' سے گزر کر رک گئی تھی کیونکہ یہ محفوظ جگہ تھی اور یہاں چند آدمی پورے لشکر کو روک سکتے تھے۔ سلطان کے فرستادوں نے جب یہاں پہنچ کر 'سب ٹھیک ہے' کی اطلاع دی تو یہ مفرور سپاہی بے خوف ہوکر واپس چل دیے۔ اُدھر سلطان ایوبی اور ان کے رفقاء نمازوں سے فارغ ہوکر اس دن کی جنگ پر تبصرہ کررہے تھے۔ فوری طور پر جو لوگ لاپتا محسوس کیے جارہے تھے ان کا ذکر ہورہا تھا۔ شام تک اکا دکا مفرورین کی واپسی ہونے لگی تھی اور رات گئے تک سلطان کے سینکڑوں سپاہی واپس آچکے تھے۔ تاہم ایک بہت بڑی تعداد نے فرار ہونے کے بعد پیچھے مڑکر نہیں دیکھا تھا۔ قاضی ابن شداد لکھتے ہیں:

''صرف وہ سپاہی جو جانے پہچانے تھے اور انہیں اپنی عدم موجودگی پر مواخذے کا خوف تھا واپس آئے جبکہ دوسرے مفرورین نے لوٹنے کی زحمت نہ کی۔''❶

یہ ایک افسوسناک اور پریشان کن بات تھی کیونکہ ابھی معرکوں کا ایک طویل سلسلہ باقی تھا اور زیادہ سے زیادہ سپاہیوں کی شدید ضرورت تھی۔ بہرحال سلطان ایوبی کے دم خم اور حوصلے میں کوئی فرق محسوس نہ ہوتا تھا۔

زخمیوں کو فوری طور پر طبی امداد مہیا کی جارہی تھی جبکہ شہداء کی تجہیز و تکفین کا کام جاری تھا۔ شہداء کی تعداد پندرہ سو کے لگ بھگ تھی، ان میں کئی نامی گرامی لوگ بھی شامل تھے جن میں معروف فقیہ اور ادیب جمال الدین ابو علی بن رواحہ، الامیر مجلی ابن مروان، الحاجب خلیل الہکاری، مشہور صوفی اسماعیل قابس الاموی اور فقیہ عیسیٰ الہکاری کے بھائی حاکم القدس ظہیر الدین الہکاری قابل ذکر ہیں، لوگ فقیہ عیسیٰ کے پاس تعزیت کے لیے جمع ہوئے تو اس رجل رشید نے ہنستے ہوئے کہا:

ھذا یوم للھناء لا یوم العزاء

''یہ مبارک باد کا دن ہے، نہ کہ تعزیت کا۔''❷

❶ النوادر السلطانیہ: 176 ❷ النوادر السلطانیہ: 175

فرانسیسی مورخ مچاڑ اس جنگ کی روداد سناتے ہوئے سلطان ایوبی کی مہارت وشجاعت کا کھلے دل سے اعتراف کرتا ہے۔وہ لکھتا ہے:

''صلاح الدین میدان میں تنہارہ گیا تھا اور کئی بار سخت خطرے میں تھا۔اپنے چند وفادار مملوکوں کے ساتھ اس نے اپنی منتشر فوج کو جمع کرنے کی کوشش کی اور آخر کار ان کا حوصلہ برقرار رکھنے میں کامیاب ہوگیا۔جوں ہی اس کو سہارے کے اسباب ملے وہ اپنی مشہور اور ممتاز دلیری کے ساتھ لڑائی کے لیے واپس آیا اور نصرانیوں پر ٹوٹ پڑا۔مسلمانوں کے رسالے (گھڑسوار دستے) نے اپنی باری میں حملہ کیا اور فرنگیوں کے رسالے کو منتشر کردیا،عیسائی فوج کے مختلف دستے ایک دوسرے سے الگ ہوگئے اور بھاگتے ہوئے سنبھلنے اور جمع ہونے کی بے سود کوشش کرتے رہے۔اس وقت ٹمپلرز کا گرینڈ ماسٹر ریز روفوج (محفوظ دستوں) کو لے کر آگے بڑھا تاکہ مفرورین کو سنبھالے مگر مسلمانوں کے گھڑسوار دستے سے اس کا تصادم اس حال میں ہوا کہ مسلمان ہر چیز کو پیٹتے اور فنا کرتے آرہے تھے۔پہلے ہی ہلّے میں یہ ریز روفوج ٹوٹ گئی اور کئی دفعہ دوبارہ حملہ کرنے کے لیے آئی مگر ہر بار مسلمان سواروں کے ناقابلِ شکست حملوں کے سامنے نہ ٹک سکی۔تمام اطراف سے فتح صلیبیوں کے ہاتھ سے نکلی جارہی تھی اور تمام اطراف میں پریشانی اور ابتری پھیلی ہوئی تھی۔دائیں اور بائیں بازو کی افواج بھی بھاگ نکلیں،عقبی فوج کا دستہ مسلمانوں کو روکنے کی بے فائدہ کوشش کررہا تھا۔صلیبیوں کے دائیں بازو اور قلب پر حلب،موصل اور سنجار کے شہزادوں نے تقی الدین عمر سمیت حملہ کردیا اور ادھر عکا کے محصورین بھی صفیں باندھ کر شہر سے نکل آئے اور نصرانیوں پر ٹوٹ پڑے۔ان کے ہیبت ناک کشت وخون سے عیسائی ہر سمت سے بھاگ نکلے۔اگر ان کا کیمپ مسلمانوں کے قبضے میں آجاتا تو کچھ بھی نہ بچتا مگر فتح مند مسلمان جب کیمپ پر حملے کے لیے بڑھے تو خندق کی گہرائی اور جیفری اور جیفولیس کی بہادری نے ان کے گھڑسواروں سے کیمپ کو بچالیا۔جنگ کے وقت صلاح الدین ایک ہی وقت میں ہر جگہ نظر آتا تھا،وہ میمنہ میں جنگ کو تازہ کرکے قلب میں واپس آیا اور پھر میسرہ کو نکل گیا۔دس بار اس نے عیسائی فوج کی صفوں کو مجبور کیا۔گھڑسواروں کے ہر حملے کی ہدایات وہ خود دے رہا تھا۔''[1]

ابن اثیر الجزری معرکے کے نتیجے پر عمومی تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اگر اس جنگ میں مسلمان بکھر نہ جاتے تو فرنگیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتے اور ان کے استیصال

---

[1] مچاڑ،ص 459_460،بحوالہ حیات صلاح الدین،ص 157

میں کامیاب ہوجاتے۔ پسپائی کے باوجود معرکے میں ثابت قدم رہنے والے مسلمانوں نے انتہائی کوشش کو ڈالی اور جنگ میں بھرپور حصہ لیا۔"[1]

غیبی مدد ونصرت: وادی عکا کی یہ لڑائی صلیبی جنگوں کے تمام معرکوں میں سب سے شدید شمار کی جاتی ہے جس میں دونوں فریقوں نے اپنی تمام دستیاب طاقت جھونک ڈالی تھی۔ عرب مورخین اسے الوقعۃ الکبریٰ اور المصاف الاعظم جیسے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ اس کا آغاز مسلمانوں کے لیے تباہی کا پیغام لایا تھا مگر انجام کار انہیں دشمن پر غلبہ حاصل رہا۔ اپنی تتر بتر فوج کو مکمل شکست کے ہلاکت خیز مرحلے سے نکال کر تھوڑی ہی دیر میں حریف کو پسپائی پر مجبور کردینا سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے خدا رسیدہ مجاہد ہی کا کارنامہ ہوسکتا تھا۔ مسلمانوں نے اس لڑائی میں اللہ کی مدد ونصرت اور فرشتوں کے نزول کے عجیب و غریب واقعات بچشم خود دیکھے اور مدتوں انہیں یاد کرتے رہے۔ ایک مجاہد نے اپنا واقعہ یوں سنایا:

"میں میدان سے فرار ہو رہا تھا، ایک برق رفتار عیسائی گھڑسوار میرے پیچھے لگا ہوا تھا، مجھے موت چند قدم کے فاصلے پر دکھائی دے رہی تھی اس نے اپنے نیزے کو میری طرف جھکا دیا تھا، میں زندگی سے مایوس ہو کر نیزے کی ضرب کا منتظر تھا مگر کچھ نہ ہوا۔ میں نے پلٹ کے دیکھا تو وہ اپنے گھوڑے سمیت اوندھے منہ ڈھیر ہوچکا تھا حالانکہ آس پاس کوئی نہ تھا۔ میں نے جان لیا کہ یہ اللہ کی مدد ونصرت کے سوا کچھ نہیں۔"[2]

کاتب عماد اصفہانی لکھتے ہیں:

"عجیب بات ہے کہ ہمارے ثابت قدم رہنے والے سپاہی ایک ہزار سے بھی کم تھے مگر انہوں نے ایک لاکھ کو مار بھگایا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کمزوری کے بعد قوت عطا فرمائی۔ ہمارا ایک ایک سپاہی کہتا تھا کہ میں نے تثلیث کے پیروکاروں کے تیس تیس چالیس چالیس آدمی قتل کیے ہیں۔"[3]

ایک نیا مسئلہ اور سلطان کا حسنِ انتظام: اس خون ریز معرکے کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی خیمہ گاہ میں اپنے رفقاء سے محو گفتگو تھے۔ وہ یہ مشورہ کر رہے تھے کہ کل صبح تھکے ہارے دشمن پر کس طرح بھرپور حملہ کر کے اسے فیصلہ کن شکست دی جاسکتی ہے۔ آخر حکمت عملی طے کرلی گئی اور امراء اپنے خیموں کی طرف چلے گئے۔

مگر اگلی صبح جب سپاہ کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی تو معلوم ہوا کہ اکثر سپاہی اپنے گم شدہ سامان کی

---

[1] الکامل فی التاریخ: 10/188

[2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/96

[3] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/97 ماخوذ از سلطانیہ: 36، الکامل فی التاریخ: 10/188

تلاش میں ادھر ادھر مارے مارے پھر رہے ہیں، کسی کی رقم غائب ہے اور کس کے کپڑے۔ اس صورتحال میں سپاہیوں کو جمع کرنا ممکن نہ تھا۔ ہوا یہ تھا کہ گزشتہ روز لڑائی کے دوران اکثر سپاہی معرکے میں شریک ہونے چلے گئے تھے اور خیمہ گاہ کی حفاظت کے لیے پیچھے رہ جانے والے محافظ بھی نصرانیوں کی گشتی ٹولیوں کو مرعوب کرنے کیلئے خیمہ گاہ کے باہر گشت کر رہے تھے۔ اس دوران جب مسلمانوں کو پسپائی ہونے لگی تو لشکر کے غلام، خدام، مزدور، قلی اور ان کے ساتھ قبائلی لٹیرے اور ڈاکو بھی خیمہ گاہ میں گھس گئے۔ انہوں نے تمام خیموں کی تلاشی لے ڈالی اور سوچا کہ مسلمانوں کو شکست ہوگئی ہے تو یہ مال واسباب فرنگیوں سے پہلے ہم ہی کیوں نہ لوٹ لیں۔ انہوں نے روپے پیسے کے علاوہ ہتھیاروں، قیمتی کپڑوں، مویشیوں اور سواری کے جانوروں سے لے کر جوتوں اور برتنوں تک کو کھنگال ڈالا، ہر وہ شے جو قیمتی تھی اور آسانی سے اٹھائی جا سکتی تھی وہ لاد کر لے گئے تھے اور فالتو سامان خیموں کے باہر پھینک گئے تھے۔

اب صبح کی روشنی میں خیمہ گاہ کسی سبزی فروش کے الٹے ہوئے ٹوکرے کا منظر پیش کر رہی تھی۔ تھکے ہارے سپاہی سر پکڑ کر بیٹھ گئے تھے۔ قاضی بہاء الدین فرماتے ہیں:

"یہ مصیبت معرکے میں شکست سے بھی زیادہ بڑی تھی۔"

سلطان صلاح الدین جو پٹے ہوئے دشمن پر بھرپور حملہ کرنے کے لیے بے چین تھے، اب مجبوراً اس بکھیڑے سے نمٹنے میں مصروف ہوگئے۔ انہوں نے اس پریشان کن صورتحال میں اعصاب پر قابو رکھا، اللہ تعالیٰ سے عافیت و استقامت کی دعا کی اور گھبرائے ہوئے مجاہدین کو تسلی دینے کے بعد غلاموں کو لوٹا ہوا سامان جمع کرنے کا حکم دیا۔ سلطان کے منادی ہر طرف پھیل گئے۔ لوٹا ہوا سامان واپس کرنے کی صورت میں معافی دینے کا وعدہ کیا گیا۔ بصورت دیگر سنگین نتائج کی دھمکی دی گئی۔ اس تدبیر کے نتیجے میں اگلے دن لوٹا ہوا بہت سا مال واپس آ گیا۔ زیادہ سامان خود لشکر کے غلاموں اور خدام نے لوٹا تھا، پکڑے جانے کے خوف کی وجہ سے اگلے دن شام تک انہوں نے اکثر سامان واپس کر دیا جسے ایک ترتیب سے سلطان کے خیمے کے آگے جمع کیا جانے لگا۔ اشرفیاں، جواہرات، کپڑے، جوتے، قیمتی برتن، ہتھیار اور دیگر چیزیں ایک دائرے میں رکھ دی گئیں جن کا انبار اتنا بڑا تھا کہ بیٹھا ہوا آدمی اس کے آر پار نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لشکر میں ڈھنڈورا پیٹ دیا گیا کہ جس کی کوئی شے گم ہوئی ہے وہ سلطان کی مجلس عدل میں حاضر ہو کر نشانی بتائے اور اطمینان دلانے کے بعد وصول کر لے۔ اگلے دن جمعہ 23 شعبان (16 اکتوبر) کو یہاں سب کو جمع کیا گیا۔ لوگ اپنی گم شدہ چیزوں کی علامتیں بتاتے جسے

تلاش کر کے سلطان کے سامنے پیش کر دیا جاتا۔ سلطان لوٹے ہوئے مال اور بکھرے ہوئے سامان کی واپسی کا یہ اکتا دینے والا کام بذات خود اس لیے انجام دے رہے تھے کہ سپاہیوں کی ہمتیں برقرار رہیں اور وہ مصیبت کے ان پے در پے جھٹکوں کے دوران اپنے قائد کو خود سے دور محسوس نہ کریں۔ ❶

ابن شداد سلطان کے اس برتاؤ کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''سلطان مضبوط دل، مسکراتے چہرے، درست اٹل رائے، اللہ سے ثواب کی امید اور اللہ کے دین کی مدد و نصرت کے عزائم کے ساتھ ان حالات کا سامنا کر رہے تھے۔'' ❷

<u>فرنگیوں کی لاشیں دریائے عکا میں</u> ❖ اگلے دن سلطان نے عکا سے بیل گاڑیاں منگوائیں اور عیسائی مقتولین کی لاشیں جو ناقابل برداشت حد تک متعفن ہو چکی تھیں، لدوا کر دریائے عکا میں پھنکوا دیں۔ ایک افسر نے جو فرنگی لشکر کے دائیں بازو کی لاشیں اٹھانے پر مامور تھا، قاضی ابن شداد کو بتایا کہ اس نے چار ہزار لاشوں کو ٹھکانے لگایا ہے۔ اس میں نصرانیوں کے قلب اور میسرہ کے ہلاک شدگان کو شمار نہیں کیا گیا تھا۔ صلیبی شاعر ایمبر وز انہیں پانچ ہزار شمار کرتا ہے۔ کاتب عماد اصفہانی بتاتے ہیں کہ صلیبیوں کے پانچ ہزار کے لگ بھگ صرف گھڑ سوار مار گرائے گئے تھے۔ ابن اثیر الجزری نے بیان کیا ہے کہ ساحل کی جانب کے مقتولین کو چھوڑ کر تقریباً دس ہزار لاشیں شمار کی گئی تھیں۔ ❸

بہر حال ان بیانات سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ عیسائیوں کے تمام مقتولین بارہ تیرہ ہزار کے لگ بھگ ضرور تھے۔ ان میں ان کے بڑے بڑے سورما شامل تھے جن میں یورپی نواب اینڈرو آف برین سب سے نمایاں تھا۔ مقتولین میں اکثریت گھڑ سواروں کی تھی کیوں کہ مسلمانوں کے تعاقب میں یہی نکلے تھے جبکہ پیادے پیچھے میدان میں رہ گئے تھے، تعاقب میں نکلنے والے یہ گھڑ سوار بعد میں سلطان کے جال میں پھنس گئے اور شدید نقصانات سے دو چار ہوئے۔ بہت سے عیسائی گرفتار بھی ہوئے تھے جن میں ٹمپلرز کا گرینڈ ماسٹر ڈی رڈ فورڈ بھی شامل تھا جو جنگ کے آخری مرحلے میں مسلمانوں کے گھیرے میں آ گیا تھا، اس سے نصرانیوں کی کل تعداد دریافت کی گئی تو اس نے بتایا ''ایک لاکھ بیس ہزار'' اس کے بعد اس کی گردن تن سے جدا کر دی گئی۔ ❹

سلطان ایوبی نے اسے رعایت کا حق دار اس لیے نہیں سمجھا کہ وہ معرکہ حطین میں گرفتاری کے بعد شاہ <u>کائی کے ہمراہ اس شرط پر رہا کیا گیا تھا کہ آیندہ مسلمانوں</u> کے خلاف شمشیر بکف نہ ہوگا مگر اس نے

❶ النوادر السلطانیہ: 175، 176، 177؛ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 96۔99؛ الکامل فی التاریخ: 10/ 188
❷ النوادر السلطانیہ: 176
❸ الکامل فی التاریخ: 10/ 187
❹ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/ 96

وعدے کا قطعاً لحاظ نہ کیا اور خود کو عبرت ناک سزا کا مستحق ثابت کر دیا۔

دریائے عکا میں گرائی جانی والی صلیبیوں کی لاشیں جو پانی کے بہاؤ پر تیرتے ہوئے تُورون چھاؤنی کے پاس جمع ہو گئیں اپنے ہم قوموں کے لیے عذاب ثابت ہوئیں۔ ایمبر وز کہتا ہے:

''یہ نہایت کراہت انگیز صورتحال تھی، لاشوں کے انبار جمع ہو گئے تھے اور چاروں طرف دماغ سوز تعفن پھیل رہا تھا، بدبو اس قدر نا قابل برداشت تھا کہ ہم بہت دور تک ہٹ جانے پر مجبور ہو گئے، لاشیں دفن کرا دی گئیں مگر اس کے بعد بھی فضا میں کتنے دنوں تک بدبو محسوس ہوتی رہی۔''[1]

اس معرکے میں فرنگی عورتیں بھی اسلحہ پہن کر ناسٹوں کے شانہ بشانہ لڑتی رہی تھیں۔ اس کا انکشاف اس وقت ہوا جب تین گھڑسوار قیدیوں کے خود اور زرہ بکتر اتارے گئے، مسلمان یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان فولادی خولوں میں نازک اندام یورپی خواتین چھپی ہوئی تھیں۔[2]

صلیب کی بالادستی کی خاطر ان عیسائی عورتوں کا میدان جنگ میں اتر جانا ان بے حمیت مسلمانوں کو بھی عار دلا رہا تھا جو عیسائیت کے سیلاب کو امنڈتا دیکھ کر بھی قبلۂ اوّل کی حفاظت کے لیے نہیں نکلے تھے اور آج یہ منظر ہمارے لیے بھی باعث شرم ہے جو مدت دراز سے قبلۂ اوّل کو کفار کے قبضے میں دیکھتے آرہے ہیں مگر کچھ نہیں کر پاتے۔ حافظ ابن کثیر دمشقی کے بقول فرنگی عورتیں جنگ میں شرکت کے علاوہ اپنی قوم کے سپاہیوں کی خدمت کرنے، ان سے نکاح کرنے، انہیں جنسی آسودگی فراہم کرنے، وطن سے دوری محسوس نہ ہونے دینے اور جنگ کی کلفتیں برداشت کرنے پر ثابت قدم رکھنے کے لیے آئی تھیں۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ افسوس ناک انکشاف بھی کیا ہے کہ ان عورتوں کے خیرہ کن حسن و جمال کی وجہ سے بہت سے فاسق مسلمان ان پر فریفتہ ہو کر نصرانیوں سے جا ملے تھے۔[3]

قاضی فاضل کا تہنیتی مکتوب: عکا کے اس عظیم معرکے میں فتح کی خوشخبری پر مشتمل خطوط دیگر صوبوں کو روانہ کر دیے گئے تھے، ان کے جواب میں مصر سے سلطان کے وزیر قاضی فاضل کے دو مراسلے آئے، ایک سلطان کے نام تھا اور دوسرا کاتب عماد اصفہانی کے۔ انہوں نے سلطان کے نام مراسلے میں عکا کے محاذ کی بابت اہلِ مصر کی بے چینی کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا تھا:

''جناب کا والا نامہ اس حال میں پہنچا کہ ہنوز جنگ کا فیصلہ نہیں ہوا۔ لوگ تازہ حالات جاننے کے لیے الملک العادل اور الملک العزیز کی مجلسوں میں بڑے بے تابی سے لبیک لبیک کہتے

---

[1] صلیبی جنگیں: 165
[2] الکامل فی التاریخ: 10/187
[3] البدایۃ والنہایۃ: س585ھ کے حالات

ہوئے شریک ہوئے۔ وہ ان کے چہروں سے روشنی حاصل کر رہے تھے، ان سے اہلِ جنت یعنی مسلمانوں اور اہلِ دوزخ یعنی صلیبیوں کے انجام کے بارے میں پوچھ رہے تھے اور اپنے مذہب، اپنے قلوب و اجسام اور اپنے سلطان کی سلامتی پر اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے۔ آپ کو اندازہ نہیں کہ اپنے سلطان کی سلامتی ان کے نزدیک کیا چیز ہے۔" ٥

کاتب عماد اصفہانی کے نام مراسلے میں لکھا:

"جنگ کا ماجرا جان کر میں اللہ کی تسبیح بیان کرنے لگا کیونکہ بے شک اس کمزوری کے باوجود ہمارے آقا کا صحیح وسلامت رہ جانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائبات میں سے ایک عجوبہ ہے کیونکہ مقابلہ بہت گھمبیر ہو چکا تھا تاہم بچانے والی ذات عظیم تر ہے۔ بہت دفعہ سلطان کی سلامتی بعید از قیاس ہوتی ہے مگر ہم ایسے واقعات دیکھ کر یہ کہہ اٹھتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ ہی نے سلامت رکھا۔ اللہ تعالیٰ سلطان کی عزت افزائی فرمائے، اگر وہ سلامت ہیں تو سمجھیں سب لوگ صحیح سلامت ہیں اور جب سلطان موجود ہیں تو چاہے باقی سب لوگ نہ رہیں مگر ان کو موجود سمجھا جائے گا غائب نہیں، کیونکہ سلطان درحقیقت جوہر ہیں اور باقی سب ان کی بہ نسبت عرض کی حیثیت رکھتے ہیں۔" ٥

لشکرِ اسلام میدان سے کیوں ہٹا؟ معرکۃ الکبریٰ کے بعد صلیبیوں پر فیصلہ کن ضرب لگانے کا منصوبہ مؤخر ہوتا چلا گیا تاہم فرنگیوں کی چھاؤنی پر مسلمانوں کے ہلکے پھلکے حملے روزانہ ہوتے رہے۔ فرنگیوں نے اُس دن کی شکست کے بعد خود کو چھاؤنی میں محصور کر لیا تھا۔ وہ مسلمانوں کی کسی کارروائی کا جواب نہیں دے رہے تھے۔ مسلمان کبھی دن میں ان پر تیر برساتے، کبھی رات کو موقع پا کر ان کے گھوڑے ہنکا کر لے جاتے۔ اس دوران عیسائیوں کی مسلسل کوشش صرف یہ تھی کہ وہ اپنی چھاؤنی کو محفوظ تر بنا لیں۔ چنانچہ وہ چھاؤنی کے گرد ایک اور گہری اور بہت چوڑی خندق کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے ناکارہ کشتیوں کے شہتیروں، پھٹی ہوئی ڈھالوں اور چوبی تختوں کو جوڑ کر خندق کے گرد ایک آڑ بھی بنالی تاکہ مسلمان خندق کھودنے والوں پر حملے نہ کر سکیں۔ ادھر مسلمانوں کے محافظ دستے بدستور میدانِ جنگ میں تعینات تھے اور ان کے خیمے بھی وہیں گڑے ہوئے تھے، یہ اس بات کی علامت تھی کہ جنگ عارضی طور پر رکی ہے اور عنقریب پورے زور و شور سے دوبارہ چھڑنے کو ہے۔ ٥

---

٥ البدایہ والنہایہ ۹۹/
٥ البدایہ والنہایہ ۱۰۰/
٥ سمیع نگر ۱۶۵

سلطان کی تقریر: سلطان درد قولنج میں مبتلا تھے اور آرام کا شدید تقاضا محسوس کر رہے تھے، اس کے باوجود وہ میدان سے ہٹنے کو تیار نہ تھے اور جلد از جلد فیصلہ کن جنگ چاہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ شدید سردی کے ان مہینوں میں یورپ کے سمندر جہاز رانی کے قابل نہیں رہے اس لئے کم از کم تین چار ماہ تک صلیبیوں کو مزید کمک نہیں پہنچ سکتی۔ مگر اس کے بعد موسم بہار میں سمندری راستے کھلتے ہی جرمنی، فرانس اور برطانیہ کی بڑی فوجوں کی آمد یقینی تھی لہٰذا اس سے قبل عکا کو دشمن سے واگزار کرانا ضروری تھا۔ چونکہ افسران اور سپاہی جنگ سے تھک چکے تھے اس لیے سلطان ان سے اتفاق رائے چاہتے تھے۔ وقعۃ الکبریٰ کے نویں دن یعنی جمعرات 29 شعبان 585 (12 اکتوبر 1189ء) کو سلطان ایوبی نے اپنے خیمے میں امرائے عسکر اور مشیروں کو جمع کیا اور انہیں تاکید کی کہ ان کی باتوں کو غور سے سنا جائے، پھر یوں گویا ہوئے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمدللہ، و الصلوۃ علی رسول اللہ

امرائے لشکر و حاضرین کرام! آپ جانتے ہیں کہ خدا کے دشمنوں اور ہمارے حریفوں نے ہمارے ملک پر چڑھائی کی ہے، اور سرزمین اسلام کو روند ڈالا ہے۔ اللہ نے چاہا تو دشمن کے خلاف نصرت خداوندی کی علامات ظاہر ہونے کو ہیں، فرنگیوں کے مجمعے سے اب تھوڑے لوگ باقی رہ گئے ہیں۔ ضروری ہے کہ ہم ان کے قدم اکھاڑ دینے کی بھرپور کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جہاد ہم پر فرض کیا ہے۔ حضرات! آپ جانتے ہیں کہ ہمارا لشکر بس یہی ہے۔ ہماری پشت پر الملک العادل کے سوا کوئی کمک نہیں جس کے ہم منتظر ہوں۔ الملک العادل عن قریب پہنچنے والے ہیں۔ اگر یہ دشمن زیادہ مدت تک یہاں جما رہا اور سمندری راستے کھل گئے تو انہیں بے پناہ کمک مل جائے گی۔ میری حتمی رائے یہی ہے کہ ان سے جنگ جاری رکھی جائے۔ اب آپ حضرات مجھے اپنی اپنی آراء سے آگاہ کریں۔"

یہاں ایک بار پھر امرائے لشکر نے سلطان کی بصیرت کی بجائے اپنے فہم پر اعتماد کیا اور سلطان کی رائے کو مختلف حوالوں سے نامناسب قرار دیا۔ یہ امراء دلیر، تجربہ کار اور وفادار ہونے کے باوجود فوری اور وقتی تقاضوں کو دیکھ کر چلنے کے عادی تھے اس لیے سلطان کی دوررس نگاہ کا ساتھ نہیں دے پا رہے تھے۔ وہ اس لیے بھی جنگ روکنا چاہتے تھے کہ ان کی سالانہ تعطیلات کے دن آ چکے تھے۔ معمول تھا کہ دور دراز کے سپاہیوں اور قبائلی مجاہدوں کو موسم سرما میں رخصت دے دی جاتی تھی۔ وہ چار پانچ ماہ اپنے علاقوں میں زمین داری کرتے ہوئے گزارتے تھے اور موسم بہار میں واپس آ جاتے۔ پھر کئی سالوں سے ماہ رمضان بھی موسم سرما میں آ رہا تھا۔ رخصت پر جانے والے سپاہیوں کو اپنے شہروں اور دیہاتوں میں

رہ کر سکون سے روزے رکھنے، عبادت کرنے اور عید منانے کا موقع مل جاتا تھا۔ ان تمام وجوہ سے امرائے لشکر نے مسلسل تکان اور سرد طوفانی موسم میں جنگ جاری رکھنے کو نقصان دہ قرار دیا۔

ان میں سے بعض نے عرض کیا:

"سلطان عالی وقار! سپاہیوں کو کچھ دنوں تک آرام کی ضرورت ہے تاکہ وہ اسلحے کے بوجھ سے آرام پائیں اور ان کے اکھڑے ہوئے سانس بحال ہو جائیں۔ اس وقت وہ بری طرح تھک چکے ہیں، مشقت نے انہیں دبالیا ہے، انہیں کسی ایسے کام پر مجبور کرنا جسے ان کے اعضاء و اعصاب برداشت نہ کر سکیں ایک خطرناک اقدام ہوگا جس کے نقصانات سے ہم محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔"

کچھ افسران نے کہا:

"حضور! سپاہیوں کو اسلحہ پہنے اور گھوڑوں کی پشتوں پر سواری کرتے ہوئے مسلسل پچاس دن گزر گئے ہیں، گھوڑے بھی لگاموں کی مسلسل رگڑ سے اذیت میں ہیں۔ کچھ دنوں تک آرام کرنے سے ان کی طاقت بحال ہو جائے گی۔"

بعض امراء نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا:

"جی ہاں تب تک الملک العادل بھی تشریف لے آئیں گے اور مشورے اور عمل میں □ ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں گے نیز اس وقت تک ہم مفرور سپاہیوں کو بھی دوبارہ بلا چکے ہوں گے اور دشمن کی پیادہ صفوں کے مقابلے میں پیادہ دستے مرتب کر لیں گے۔ لہٰذا مصلحت اسی میں ہے کہ لشکر کو کوہستان خروبہ پر منتقل کر دیا جائے تاکہ وہ کچھ دن آرام کر لیں۔"

چند امراء نے فرنگیوں کا محاصرہ اٹھانے میں کسی نقصان کے خطرے کو مسترد کرتے ہوئے کہا:

"ہم نے دشمن کا اتنا سخت محاصرہ کیا ہوا ہے کہ اگر وہ یورپ واپس جانا چاہے تب بھی نہیں جا سکتا، مناسب ہوگا کہ ہم محاصرہ اٹھا کر اتنا پیچھے چلے جائیں کہ دشمن واپس چلے جانے یا ٹھہرے رہنے میں سے دونوں صورتوں پر قدرت رکھے۔ اب اگر وہ لوٹ جاتا ہے تو ہم خود بخود اس کے شر سے بچ جائیں گے اور اگر وہ ٹھہر جاتا ہے تو ہم اس پر دوبارہ حملہ کر دیں گے اور یہی جنگ دوبارہ چھڑ جائے گی۔"

بعض ہمدرد مشیروں نے سلطان کی بیماری پر بھی تشویش کا اظہار کیا اور کہا:

"آپ کی طبیعت بھی ناساز ہے، آپ شدید تکلیف میں ہیں۔ اگر خدانخواستہ آپ کو کچھ ہو گیا تو سب لوگ مارے جائیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم اس جگہ سے دور چلے جائیں۔"

ان مشیروں کی بات اس لحاظ سے درست تھی کہ میدان جنگ میں اب تک لاشوں کی سڑاند پھیلی ہوئی

تھی، جس کا اثر مسلمانوں کی خیمہ گاہ تک پہنچ رہا تھا اور لوگ اذیت محسوس کر رہے تھے۔ کئی سپاہی بیمار ہو چکے تھے۔ خود طبیبوں نے سلطان کی بیماری کی وجہ یہی بتائی تھی۔ سلطان ایوبی اپنے رفقاء کی آراء کا بہت لحاظ کرتے تھے اور ان پر کوئی فیصلہ جبراً مسلط کرنا نقصان دہ تصور کرتے تھے، اس لئے انہوں نے مستقبل کے خطرات کا اندازہ لگانے کے باوجود ایک بار پھر امراء کی تجویز کو منظور کر لیا۔ دیگر صوبوں کے سپاہی اور رضا کاروں کو موسم سرما کی چھٹیاں دے دی گئیں۔[1] اب اسلامی لشکر کے صرف محافظ دستوں کو میدانِ جنگ میں ٹھہرنا تھا اور باقی پیشہ ور فوج کو خیمہ گاہ خالی کر کے پیچھے ہٹنا تھا۔

قاضی بہاؤالدین ابن شداد سلطان کے اس فیصلے پر مجبور ہونے کی وجہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں:

''دل پر طرح طرح کے صدمات جھیلنے، مسلسل اسلحے کا بوجھ اٹھانے اور ان دنوں غیر معمولی تفکرات میں مبتلا رہنے کی وجہ سے سلطان کی طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ پس انہوں نے امراء کی رائے کو نافذ ہونے دیا اور اسی میں مصلحت سمجھی۔''[2]

محاصرہ اٹھانے سے قبل سلطان نے عکا میں موجود فوج کو اپنی مجبوریوں کے باعث پیچھے ہٹنے کے فیصلے سے آگاہ کر دیا اور انہیں تاکید کی کہ وہ شہر کے دروازے بالکل بند رکھ کر پوری احتیاط اور مستقل مزاجی کے ساتھ شہر کی حفاظت کرتے رہیں۔ 3 رمضان 585ھ (16 اکتوبر) کو سلطان کے پیشہ ور سپاہی محاصرہ اٹھا کر تقریباً تین میل پیچھے کوہ خروبہ کی بلندی پر منتقل ہو رہے تھے۔ یہاں ازسرنو خیمے گاڑے جا رہے تھے اور تھکے ماندے سپاہی اسلحہ اتار کر موسم سرما کی ہلکی دھوپ کا مزہ لے رہے تھے۔ اس بلندی پر ہوا صاف اور خوشگوار تھی۔ العیاضیہ کے ٹیلوں سے پرے میدان جنگ فرنگی چھاؤنی، عکا کی خاکستری فصیل اور نیلا پرسکون سمندر اس بلند مقام سے واضح نظر آتے تھے العیاضیہ کے ٹیلوں پر مسلمانوں کی سابقہ خیمہ گاہ اب ویران تھی۔ میدانِ جنگ اب سونا پڑا تھا۔

جاڑا شروع ہوا تو کچھ دنوں کے لئے فریقین نے جنگ کی تلخیاں بھول کر بالکل الگ مصروفیات اپنا لیں۔ مدتوں سے نیند کو ترسے ہوئے سپاہی ان سرد راتوں میں اپنے اپنے خیموں میں کمبل لپیٹ کر سکون کی نیند سوتے رہتے تھے..... مگر سلطان صلاح الدین کی آنکھیں جاگ رہی تھی..... وہ آنکھیں اہل اسلام کی حفاظت کے لیے ہمیشہ بیدار رہنے کی عادی تھیں۔[3]

---

[1] النوادر السلطانیہ: 177، 178؛ الکامل فی التاریخ: 10/188

[2] النوادر السلطانیہ: 178

[3] النوادر السلطانیہ: 177، 178

فصل:3

طوفانی موسم

رمضان کا مہینہ تھا اور اکتوبر کی ابتدائی سردی۔ خزاں کی بارشیں شروع ہونے والی تھیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی سخت بیماری کی حالت میں اپنے خیمے میں پڑے تھے۔ گھڑ سوار مخبر روزانہ فرنگیوں کے پڑاؤ کا جائزہ لے کر آتے اور انہیں تازہ ترین صورتحال سے باخبر رکھتے۔

اطلاعات یہ تھیں کہ فرنگیوں نے عکا کے گرد اپنی چھاؤنی کو ایک کمان کی شکل میں پھیلانا شروع کر دیا ہے۔ وہ دن رات ایک غیر معمولی طور پر گہری اور چوڑی خندق کھودنے میں مصروف ہیں جو لمبائی میں عکا کے جنوب سے شروع ہو کر شمال میں ساحلِ سمندر کی طرف بڑھ رہی ہے۔ خندق سے نکلنے والی مٹی سے چھاؤنی کے گرد ایک اونچی فصیل تعمیر کی جا رہی ہے جس میں بڑے بڑے دروازے اور تیر اندازی کے لیے سوراخ رکھے گئے ہیں۔ اگرچہ سلطان کے چھاپہ مار سوار خندق کی کھدائی اور فصیل کی تعمیر میں مشغول فرنگیوں پر دن رات حملے کرتے تھے مگر ان کی سرگرمیاں رکنے میں نہ آتی تھی۔

3 رمضان کو یعنی جس دن سلطان کے سپاہی کوہ خروبہ پر منتقل ہو رہے تھے عکا کے بہادر مسلمانوں نے ایک عجیب کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ انہوں نے صور کی جانب جانے والا فرنگیوں کا ساز و سامان سے لدا ہوا ایک جہاز لوٹ لیا جس میں تیس مرد اور ایک عورت سوار تھے۔ عکا کا محاصرہ کرنے والے صلیبی لشکر کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے چھاؤنی سے نکل کر عکا پر غضبناک انداز میں دھاوا بول دیا۔ چند دن تک وہ روزانہ صبح و شام حملے کرتے رہے مگر ہر حملے میں انہیں کئی کئی لاشیں چھوڑ کر پیچھے ہٹنا پڑتا تھا۔ اس کے بعد وہ ایک بار پھر یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے کہ فی الحال چھاؤنی کے حصار میں رہنا ہی بہتر ہے چنانچہ وہ یکسوئی سے چھاؤنی کے تعمیراتی کام میں جت گئے۔

سلطان کے محافظ دستے کے سپاہی موقع ملتے ہی ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دیتے تھے۔ دست بدست مقابلے کی نوبت بھی آجاتی تھی مگر فرنگیوں نے شاید قسم کھائی تھی کہ وہ خندق اور فصیل کا کام مکمل کر کے ہی

دم لیں گے۔ان کی لاشیں گرتیں، مزدور زخمی ہوتے ،مگر وہ ایک بار بھی کھلے میدان میں مقابلے کے لیے نہ نکلے۔ان اطلاعات سے سلطان کی گرانی میں مزید اضافہ ہو رہا تھا۔یہ بات ظاہر تھی کہ خندق اور فصیل بنا لینے کے بعد فرنگی گویا ایک قلعے میں محفوظ ہو جائیں گے جسے ساحل سے ہر قسم کی اعانت میسر ہوگی جبکہ عکا کے مسلمانوں کی جان پر بن جائے گی اور سلطان سے ان کا رابطہ بالکل ختم ہو جائے گا۔ایسے میں بھلا وہ کب تک اپنی مدافعت کر سکیں گے۔[1]

عکا کے بارے میں سلطان کی یہ تشویش دیکھ کر امراء ایک بار پھر میدان جنگ میں نکلنے پر آمادہ ہونے لگے مگر سلطان اتنے شدید بیمار تھے کہ بستر سے اٹھنا ان کے لیے ناممکن تھا۔ایسے میں بعض مشیروں نے کہا:

''آپ لشکر کو مرتب کر کے میدان میں بھیج دیں، خود یہیں آرام کیجیے۔''

مگر سلطان کو خوب اندازہ تھا کہ یہ فوج جو گزشتہ تین برس سے کسی بڑے وقفے کے بغیر مسلسل محاذ پر ہے،ان کے بغیر لڑنے کے قائل نہیں۔اتنی شدید اور طویل جنگوں نے مجاہدین کو بری طرح تھکا دیا تھا۔ان میں سے بہت سوں کو اب مستقل آرام کی ضرورت تھی۔یہ سلطان ایوبی کا سوزِ جگر تھا جس نے اب تک پوری فوج کو متحرک کر رکھا تھا۔یہ ان کی ایمانی حرارت تھی جس سے ان نیم جان بدنوں میں حرارت دوڑ دوڑ جاتی تھی اور وہ ہر بار سلطان کے منہ سے ''یاللاسلام'' کا نعرہ سنتے ہی پروانوں کی طرح آتشِ جنگ میں کود جاتے تھے۔انہوں نے جواب میں کہا:

''اگر میں ان کے ساتھ معرکے میں نہ ہوا تو یہ لوگ کچھ بھی نہیں کر پائیں گے۔''

پھر مشیروں کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا:

''بعض اوقات کسی پریشانی کا نتیجہ ہماری توقعات سے بھی بڑھ کر خیر کی شکل میں سامنے آتا ہے۔''[2]

اس گفت وشنید کے دوران یہ طے ہو گیا کہ اب سلطان کی مکمل صحت یابی کے بعد ہی کوئی حتمی قدم اٹھایا جائے گا۔دراصل سلطان کے سامنے اس وقت حالات کے وہ پہلو بھی تھے جن سے دیگر لوگ بے خبر تھے۔امرائے لشکر صلیبی جنگ کو عکا تک محدود دیکھ رہے تھے مگر سلطان کو اب عکا سے بھی زیادہ فکر شمال سے امنڈنے والے اس طوفان کی تھی جو شاہ جرمن کی قیادت میں بڑھا چلا آ رہا تھا۔

وادی عکا اور صلیبی کیمپ کی صورتحال ❁ طوفانی بارشوں میں رمضان کا بابرکت مہینہ دھیرے

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین:4/ 101_102، الکامل فی التاریخ:10/ 188_189، البدایہ:12/ 333
[2] الکامل فی التاریخ:10/ 189

دھیرے گزرتا جارہا تھا، مسلمان سپاہی روزے رکھ رہے تھے، تلاوت اور دعاؤں کا خاص اہتمام ہورہا تھا۔ بارش اتنی شدید تھی کہ خیموں سے باہر نکلنا مشکل تھا، وادیٔ عکا ان دنوں کیچڑ سے بھر گئی تھی، جگہ جگہ سے زمین دلدل بن گئی تھی، سپاہیوں کے لیے نقل وحرکت کرنا مشکل ہوگیا تھا۔ سلطان کے وہ سپاہی جو خروبہ کی نئی خیمہ گاہ میں قیام پذیر تھے اور وہ جو عکا میں محصور تھے دونوں اپنی اپنی جگہ ایک نہ ختم ہونے والی جنگ کے جبڑوں تلے کچلے جارہے تھے مگر یہ محض ایک جنگ نہ تھی یہ عالم اسلام کی فنا وبقا کا معرکہ تھا، یہ نہایت اعلیٰ درجے کا جہاد تھا جس کے ہر ہر قدم پر جنت کے سودے ہورہے تھے۔ عیسائی بھی موسم کی شدت سے اتنے ہی متاثر تھے۔ مذہبی جوش وجذبے کی ان میں بھی کمی نہ تھی۔ اگرچہ اس وقت بحیرۂ روم طوفانی موسم کی وجہ سے جہاز رانی کے لیے ناساز گار تھا اور انہیں یورپ سے مزید کمک نہیں مل سکتی تھی مگر بہار آتے ہی ساحل پر بادبانی جہازوں کا لنگر انداز ہونا اور خون ریز معرکوں کا نیا سلسلہ شروع ہوجانا یقینی تھا۔ صلیبی اس وقت کے منتظر تھے اور فرصت سے فائدہ اٹھا کر چھاؤنی کو محفوظ تر بنارہے تھے۔

آخرکار صلیبیوں نے چھاؤنی کا تعمیراتی کام مکمل کرلیا، عکا کی وادی میں ایک نیا فصیل بند شہر کھڑا ہوگیا تھا۔ اس کام سے فارغ ہوتے ہی انہوں نے عکا کا مکمل محاصرہ کرلیا۔ یوں عکا کے بیرونی دنیا سے تمام رابطے ختم ہوگئے۔ عکا کا شمالی راستہ جو مسلمانوں نے آزاد کرالیا تھا دوبارہ فرنگیوں کے قبضے میں آگیا۔ اب شہر تک مزید کمک اور خوراک ورسد پہنچانا ممکن نہ رہا۔ شہر میں اس وقت تقریباً بیس ہزار افراد تھے۔ ان میں سے نو ہزار سپاہی اور گیارہ ہزار شہری تھے۔ ان کی ہمت وپامردی کی وجہ سے صلیبی اتنے سخت محاصرے کے باوجود عکا پر قبضہ کرنے سے عاجز تھے۔ شہر کے سامنے بہت بڑی خندق تھی جسے عبور کرنا دشوار تھا۔ خندق کے ساتھ بلند عمودی فصیل تھی جس پر مجاہدین چوکس کھڑے رہتے تھے۔ فرنگی روزانہ فصیل سر کرنے کے لیے حملے کرتے رہے مگر عکا کے جانباز سرتوڑ مقابلہ کرکے انہیں پسپا کردیتے تھے۔ سلطانی افواج سے رابطہ ختم ہونا ان کے لیے تشویش ناک تھا مگر ان کے حوصلے بلند تھے، وہ دن رات فصیل پر موت کے فرشتوں کی طرح پہرہ دیتے اور ہر حملہ آور صلیبی کو خندق کے پار ہی تیروں کا نشانہ بنادیتے۔ فارغ وقت میں وہ حیرت اور بے چینی کے ملے جلے جذبات سے اس عظیم ومہیب چھاؤنی کو گھورتے رہتے جو عکا کے سامنے کھجوروں کے باغات کو بھی اپنے اندر سمو چکی تھی۔ کچی اینٹوں، گارے اور مٹی سے بنا ہوا یہ صلیبی شہر عکا کے گرد نیم دائرے میں پھیل گیا تھا۔ میدان کی جانب بلند دیوار اور چوڑی خندق نے اسے سلطان کے حملوں سے محفوظ بنادیا تھا۔ تاہم صلیبیوں کے لیے چھاؤنی نما شہر سے باہر جانا خطرے سے خالی نہ تھا۔ جو من چلے فرنگی سیر سپاٹے کے شوق میں دور نکل جاتے تھے، عرب بدو انہیں لوٹ کران کے سر قلم کردیتے تھے۔

فرنگیوں کے پڑاؤ میں گرجے بھی تھے جہاں پادری مذہبی تقاریر کرکے تھکے ماندے صلیبیوں کو حوصلہ دلاتے۔ یہاں بازار بھی تھے جن میں یورپی تاجر بحری راستے سے آنے والا اناج، گوشت اور دیگر اشیائے ضرورت فروخت کیا کرتے تھے۔ شام کے دیہاتی بھی سبزیاں اور پھل لے کر ان بازاروں میں پہنچ جاتے، جب وہ مال فروخت کرکے واپس آتے تو بہت سی اہم خبریں حاصل کر چکے ہوتے تھے جو مسلم افسران فوراً ان سے وصول کر لیتے۔ عکا کے فصیل بند مسلمان اور فرنگی ایک دوسرے کو دیکھنے کے اتنے عادی ہو گئے تھے کہ ان میں شناسائی پیدا ہونے لگی تھی۔ جب جنگ نہ ہوتی تو وہ ایک دوسرے پر فقرے کستے، طنزیہ جملوں کا تبادلہ کرتے اور لطیفے سناتے۔ [1]

فریقین اتنے بے تکلف ہو گئے تھے کہ اگر فصیل پر کوئی مجاہد ترنگ میں آکر جہادی نغمے چھیڑ دیتا تو نیچے صلیبی اس کا مطلب جانے بغیر جھومنے لگتے اور کبھی باقاعدہ رقص شروع کر دیتے مگر یہ صورتحال زیادہ دیر برقرار نہیں رہتی تھی دیکھتے ہی دیکھتے کوئی نعرہ بلند ہوتا اور دونوں طرف سے تیر اندازی اور سنگ باری شروع ہو جاتی۔

قاضی بہاؤالدین ابن شداد اہل عکا اور فرنگیوں کی اس زندہ دلی کی مثال پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک دن دونوں طرف کے سپاہی لڑتے لڑتے اکتا گئے۔ تو آپس میں کہنے لگے: بڑوں کی لڑائی کب تک چلے گی۔ کیا بچوں کو موقع نہیں ملنا چاہیے، کیوں نہ ہم اپنے بچے میدان میں لائیں ان کی کشتی کرائیں۔ چنانچہ دو مسلمان بچے شہر سے نکلے، ادھر سے دو فرنگی لڑکے مقابلے پر آئے۔ ایک مسلمان بچے نے اپنے مقابل فرنگی بچے کو داؤ لگا کر جکڑا اور اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ پھر اسے قیدی بنا کر ساتھ لے جانے لگا۔ یہ دیکھ کر ایک فرنگی نے اسے دو دینار پیش کیے اور کہا: مانا کہ یہ تمہارا قیدی ہے (مگر تاوان لے کر اسے چھوڑ دو) لڑکے نے دینار لے لیے اور قیدی کو چھوڑ دیا۔'' [2]

شہر عکا کی طرف تو یہ چھیڑ چھاڑ جاری رہتی تھی مگر کھلے میدان کی طرف بارشوں نے زمین کو اس قدر دلدلی بنا دیا تھا کہ وہاں کسی جنگ کا امکان نہ رہا تھا۔ اس فرصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطان صلاح الدین نے اپنے باقی لشکر کو بھی عمومی رخصت دے دی تاکہ موسم سرما کے اختتام تک وہ آرام کرکے اپنی قوتوں کو بحال کرلیں۔

کچھ دنوں پہلے تک سلطان نے عکا میں خوراک و رسد اور سپاہیوں کی کمک پہنچانے کا سلسلہ جاری رکھا تھا مگر اب فرنگیوں کے سخت محاصرے نے اسے ناممکن بنا دیا تھا چنانچہ سلطان نے سمندری راستے کو

[1] النوادر السلطانیہ: 177، 178؛ بیلی حطین: 162، 170
[2] النوادر السلطانیہ: 170

استعمال کرنے کی ضرورت محسوس کی جو اس وقت سمندر میں طغیانی کی وجہ سے صلیبیوں کے لیے ناموافق ہو چکا تھا۔ سلطان نے مصر کے نائبین کو پیغام بھیجا کہ وہ ایک بڑا بحری بیڑہ تیار کر کے عکا پہنچا دیں تا کہ سمندر میں بھی دشمن کا مقابلہ کیا جا سکے۔ ①

امید وبیم کے دن ❁ برسات میں بھیگا ہوا موسم سرما مسلمانوں کی بہ نسبت فرنگیوں پر زیادہ بھاری گزر رہا تھا۔ وہ ایسی سردی کے قطعاً عادی نہ تھے۔ بند کمروں اور قلعوں کے برجوں میں آگ تاپنے والے سپاہی وادیٔ عکا میں دندناتی سمندری ہواؤں کے تھپیڑوں سے ادھ موئے ہوئے جا رہے تھے۔ عکا کی فصیلیں شکستہ کرنے کے لیے ان کے پاس قلعہ شکن بھاری آلات بہت کم تھے اور جو تھے وہ اس بارش میں بالکل غیر موثر تھے۔ طوفانی موسم نے سمندر کو ناموافق بنا کر ان کی کمک کا راستہ بھی بند کر دیا تھا۔ مزید پریشانی یہ آپڑی تھی کہ ان کی اکثر افواج جن جہازوں میں آئی تھیں وہ غیر محفوظ ہو گئے تھے۔ اب تک یہ سفینے کھلے سمندر میں لنگر انداز تھے کیونکہ عکا کی بندرگاہ مسلمانوں ہی کے قبضے میں تھی اس لیے صلیبی جہازوں کو کھلے ساحل کے سامنے سمندر میں رکنا پڑتا تھا اور فرنگی کشتیوں میں بیٹھ کر ساحل تک آتے تھے۔ موسم سرما میں بحیرۂ روم کی لہریں نہایت شدت سے ساحل سے ٹکراتی تھیں اس لیے جہاز زیادہ دنوں تک طوفانی ہواؤں کے سامنے سمندر میں لنگر انداز نہیں رکھے جا سکتے تھے۔ ان میں سے کئی تو شکستہ ہو گئے تھے اور جو باقی رہ گئے تھے انہیں بچانے کے لیے کسی اور بندرگاہ پر لے جانا ضروری تھا۔ آخر صلیبیوں کو یہی کرنا پڑا۔ تمام جہاز طرابلس، صور، انطاکیہ اور دیگر شمالی ساحلی شہروں کی طرف بھیج دیے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سمندر کی جانب سے عکا کا محاصرہ ختم ہو گیا۔ اب اگر مسلمانوں کا بحری بیڑا پہنچ جاتا تو عکا کا دیگر اسلامی شہروں سے رابطہ بحال ہو جاتا۔

دوسری طرف اپنے جہازوں سے محروم ہونے کے بعد فرنگیوں کے لیے راہِ فرار مسدود ہو گئی تھی۔ وہ اس فکر میں غلطاں تھے کہ اگر اس دوران مسلمانوں کو مصر سے بحری کمک پہنچ گئی اور اس حالت میں ہمیں شکست ہو گئی تو انجام کیا ہو گا۔ بہر صورت وہ خود کو امیدوں سے مطمئن رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ پادری جگہ جگہ وعظ کی مجلسیں منعقد کر کے انہیں مقدس جنگ میں شرکت پر خوشخبریاں دیتے اور ابدی نجات پانے کا مژدہ سناتے تھے۔ رات کی تاریکی میں یہی پادری مشعل بردار جلوس نکالتے اور چھاؤنی روشنیوں سے جگمگا اٹھتی۔ وہ کسی نہ کسی طرح یہ اکتا دینے والے دن گزارنا چاہتے تھے۔ ان کے ساتھ ان گنت عورتیں تھیں۔ بیگمات، باندیاں اور خادمائیں۔ بیگمات صبح زنانہ سواری کے خاص گھوڑوں پر مجور کے باغوں میں سیر کرنے نکل جاتیں اور باندیاں اپنے نغمات سے سورماؤں کا دل بہلاتیں۔ یورپی جہاز

① كتاب الروضتين في أخبار الدولتين: 4/101_102 و رسائل الملك العادل

راں اپنے ساتھ شراب کا بہت بڑا ذخیرہ لائے تھے۔ صلیبی سپاہی عکا کے محصورین پر حملوں سے تھک ہار جب باہم مل بیٹھتے تو بوتلوں کے منہ کھل جاتے اور بداخلاقی اور بے راہروی کا ایک طوفان بچ جاتا۔

ان دنوں چھاؤنی میں صلیبیوں کو کچھ خوش کن اطلاعات بھی مل رہی تھیں۔ فرانس کا بادشاہ فلپ اور انگلستان کا رچرڈ ان کی مدد کے لیے بھاری لاؤ لشکر کے ساتھ روانہ ہونے والے تھے۔ ان دونوں سے پہلے جرمنی کا ستر سالہ سرخ ریش بوڑھا فریڈرک بار بروسا قسطنطنیہ پہنچنے کو تھا۔ چھاؤنی کے ماہرین حرب اور جہاندیدہ لوگوں کو یقین تھا کہ موسم سرما ختم ہوتے ہی وہ ایشیائے کوچک میں ہوگا اور گرما میں عکا پہنچ جائے گا۔ [1]

<u>فریڈرک بار بروسا کی یلغار</u>: بار بروسا کی یلغار کی اطلاع سلطان کو رمضان 585ھ کے آغاز ہی میں مل گئی تھی۔ حلب سے ان کے لڑکے الملک الظاہر کا خط آچکا تھا جس میں تصدیق کی گئی تھی کہ شاہِ جرمنی ایک لشکر جرار کے ساتھ قسطنطنیہ کی جانب بڑھ رہا ہے۔ خط میں بتایا گیا تھا کہ یہ لشکر دو لاکھ یا دو لاکھ ساٹھ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ہے اور عالم اسلام پر چڑھائی کے لیے آرہا ہے۔

یہ خبر نہایت دہشت انگیز تھی۔ شاہِ جرمنی موسم گرما کے آغاز ہی میں اپنے وطن سے روانہ ہو گیا تھا۔ اسے اپنی طاقت پر اتنا ناز تھا کہ اس نے کسی صلیبی حکمران کو ساتھ ملانا تک گوارا نہیں کیا تھا۔ اس نے راستہ بھی سب سے الگ اختیار کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اب تک عالم اسلام کی سرحدوں سے دور تھا لیکن قسطنطنیہ پہنچنے کے بعد وہ چند ماہ میں شام کی سرحدوں پر دستک دے سکتا تھا۔ اس موقع پر سلطان کو عالم اسلام کی حمایت کی سخت ضرورت تھی۔ اب تک وہ تنہا امت کے دفاع کا فرض کفایہ ادا کر رہے تھے مگر اب فوج ہاری، کئی محاذوں پر بکھری چالیس پچاس ہزار فوج کے ساتھ وہ بھلا کس کس حریف کا مقابلہ کرتے!! عالم اسلام سے امداد کی فریاد کرنا اب ناگزیر تھا۔ [2] ...... اس کے ساتھ ہی یہ بھی طے کرنا تھا کہ بدلتی ہوئی صورتحال میں عسکری حکمت عملی کیا ہونی چاہیے۔

<u>سلطان کی مجلس مشاورت</u>: سلطان نے بیماری کی حالت ہی میں شوریٰ کا اجلاس طلب کیا (سلطان کے سوانح نگاروں نے اس اجلاس کی تاریخ بیان نہیں کی مگر اندازہ ہے کہ یہ مجلس مشاورت ماہ رمضان کے پہلے عشرے میں منعقد کی گئی تھی) امرائے فوج کی اکثریت نے سلطان کو مشورہ دیا کہ ہمیں شمال کی طرف کوچ کر دینا چاہیے تاکہ جرمن فوج کو عکا کے صلیبیوں سے آن ملنے کا موقع نہ ملے اور ہم پہلے ہی اسے شام کے شمال میں روک لیں۔

<u>بظاہر یہ رائے وقت کے تقاضے کے عین مطابق تھی مگر سلطان کو پورا اندازہ تھا کہ اس طرح عکا دشمن</u>

[1] صلیبی جنگیں: 173 [2] النوادر السلطانیہ: 178

کے لیے تر نوالہ بن جائے گا۔ نیز اگر عساکرِ اسلام ایک بار شمال کی طرف نکل گئے تو پھر ان کے عکا واپس آنے کی کوئی ضمانت نہیں ہوگی اور اس دوران اگر عکا کے باہر موجود نصرانیوں نے یورپ سے آنے والی بحری فوجوں کے ساتھ مل کر القدس کی طرف پیش قدمی شروع کردی تو انہیں روکنے والی کوئی طاقت سامنے نہیں ہوگی۔ اس صورت میں مسجدِ اقصیٰ کی آزادی کے لیے کی گئی سالہا سال کی جدوجہد اور اس کی خاطر دی گئی اَن گنت قربانیاں رائگاں چلی جائیں گی۔

چنانچہ محافظِ القدس نے نقاہت کے عالم میں بھی چٹانوں کی طرح ٹھوس لہجے میں کہا:

''نہیں ...... ہم یہیں رکیں گے۔ جرمنوں کو یہاں تک آنے دیں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عکا سرنگوں ہو جائے۔''

امراء نے غور کیا تو سلطان کی بات میں وزن محسوس ہوا۔ مزید بات چیت کے بعد یہ طے پایا کہ جب جرمن فوج شام کے شمال میں نمودار ہوں تو حلب، جبلہ، لاذقیہ اور شیزر جیسے شمالی شہروں کے سپاہی حلب کی شمالی سرحدوں پر جمع ہو کر جرمنوں کا راستہ روکنے کی کوشش کریں۔ ①

قاضی ابن شداد سفارتی محاذ پر ❁ عالم اسلام کے مختلف ممالک سے امدادی افواج منگوانے کے لیے سفارتی وفد بھیجنا ناگزیر تھا۔ اس اہم اور نازک کام کے لیے سلطان نے قاضی بہاؤالدین ابن شداد کو چنا۔ انہیں موصل، الجزیرہ، اربل اور بغداد کی حکومتوں کو سلطان کی مدد پر آمادہ کرنے کی مہم سونپی گئی۔ انہیں دیے گئے مراسلوں میں سلطان نے سلاطینِ اسلام اور خلیفۂ بغداد سے درخواست کی تھی کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ اور امتِ مسلمہ کے دفاع کے لیے اپنی اپنی افواج بلاتاخیر شام کی سرحدوں کی طرف روانہ کردیں۔ حکام سے یہ اپیل بھی کی گئی تھی کہ وہ افواج کا حوصلہ بڑھانے کے لیے بنفسِ نفیس تشریف لائیں اور اس عظیم جہاد میں شریک ہوں۔

10 رمضان 585ھ (22 اکتوبر 1189ء) کو قاضی بہاؤالدین ابن شداد اس مہم پر نکلے اور تقریباً 5 ماہ تک اس سلسلے میں سرگرداں رہے۔ انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی اور 5 ربیع الاوّل 586ھ (12 اپریل 1190ء) کو وہ دربار میں واپس لوٹے۔

اہلِ ایمان کی غیرت کہاں ہے؟ ❁ سلطان کی جانب سے دیگر اسلامی ممالک اور صوبوں کے حکام و عمائد کے نام نہایت روح پرور اور ایمان افروز مکاتیب تحریر کیے گئے تھے جن میں ان کی اسلامی غیرت و حمیت کو جھنجوڑا گیا تھا اور انہیں اس عظیم جہاد میں شرکت پر برانگیختہ کیا جا رہا تھا۔ سلطان نے مسلم سلاطین

---

① النوادر السلطانیۃ: 105/10

کے نام اپنے مراسلے میں کہا:

"مسلمانوں کی حمیت، دینداروں کی آن اور اہل ایمان کی غیرت کہاں ہے؟ ہم کب تک مشرکوں کی فتوحات اور مسلمانوں کے جمود پر ورطۂ حیرت میں رہیں گے۔ ان میں سے کوئی نہیں جو داعیٔ جہاد کی پکار پر لبیک کہے۔ ذرا فرنگیوں کو دیکھو۔ وہ کتنی دور دراز کی منزل پر آ کر ٹھہرے ہیں اور کتنے بڑے لشکر لے کر آئے ہیں، وہ کونسی گم شدہ متاع ڈھونڈنے نکلے ہیں اور کیسی بھرپور کمک لے کے آ رہے ہیں۔ وہ کس قدر سرمایہ خرچ کر رہے ہیں اور کتنا سامان جمع اور باہم تقسیم کر چکے ہیں۔ ان کا کوئی ملک، کوئی شہر اور کوئی جزیرہ نہیں بچا اور نہ ان کا کوئی بڑا قائد اور رہنما ایسا رہ گیا ہے جو صلیبیوں کو کمک پہنچانے میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لے رہا ہو۔ اپنی ملت کی حفاظت کے لیے وہ جسم و جان کی اتنی قربانیاں بھی کم تصور کر رہے ہیں اور اپنے ہم مذہبوں کو ہر قسم کا اسلحہ فراہم کر رہے ہیں۔ یہ لوگ جو کچھ بھی کر رہے ہیں اور جتنا کچھ خرچ کر رہے ہیں محض اپنی عبادت گاہ کی بازیابی کے جوش میں اور اپنے عقیدے کے گھمنڈ میں۔ ان فرنگیوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جو یہ سمجھتا ہو کہ ساحل پر قبضے اور رکاوٹوں کے دور ہونے کے بعد وہ یہاں کا مالک ہو جائے گا۔

مگر مسلمانوں کی حالت اس کے برعکس ہے۔ وہ پست ہمت ہو چکے ہیں، گھبرا گئے ہیں، غفلت میں پڑے ہیں اور ان پر سستی طاری ہے۔ انہوں نے حیرت کو عادت بنالیا ہے اور غیرت سے بےگانہ ہو گئے۔

اگر نعوذ باللہ میں بھی اسلام کی حفاظت سے باگ موڑ لوں تو مشرق سے مغرب تک اور افق کے اس کونے سے اس کونے تک کوئی شخص ایسا نہ رہے گا جو اللہ کے دین کے لیے غیرت کا مظاہرہ کرے اور باطل کے خلاف حق کی نصرت کے لیے تیار ہو۔ یہ وقت ہے کہ کاہلی ترک کر دی جائے اور قوم کے اہلِ حمیت فرزندوں کو دنیا کے کونے کونے سے محاذ کے نزدیک لایا جائے۔ بہرصورت ہمیں اللہ تعالیٰ سے نصرت کی امید ہے۔ ہم اخلاص کی گہرائی کے ساتھ اس سے مناجات میں مصروف ہیں۔ مشرک اللہ کے حکم سے ہلاک ہوں گے اور اہل ایمان ہی امن اور نجات کے حق دار بنیں گے۔"[1]

<u>جب سیلاب پہاڑ سے ٹکراتا ہے</u>❋ سلطان کے ایک اور مراسلے کا مضمون یہ تھا:

"ہمیں روم کی جانب سے آنے والے منحوس (جرمن) دشمن کی اطلاع مل چکی ہے۔ یہ وقت ہے کہ غیرت مند حرکت میں آجائیں، عالی ہمت اہل عزائم والے لوگ اٹھ کھڑے ہوں کیوں کہ

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/101

بلاشبہ کفار بکثرت ہیں جو گمراہی کی راہ پر چل رہے ہیں مگر جب سیلاب مضبوط پہاڑ سے ٹکراتا ہے تو تھم جاتا ہے اور رات جب صبح تک پہنچتی ہے تو پھٹ جاتی ہے۔ ہاں تو کہاں ہیں جہاد کا وہ فریضہ ادا کرنے والے جو ہم پر لازم ہے۔ کہاں ہیں ہدایت کے اس راستے پر چلنے والے جو بہت واضح ہے؟ اور کہاں ہیں مسلمان...... خدا نہ کرے کہ وہ اسلام کو (اغیار کے) حوالے کرنے والے ہوں؟ کہاں ہیں دین میں سبقت لے جانے والے لوگ؟...... اللہ کی پناہ کہ وہ دین کی نصرت میں موت کی طرف پیش قدمی سے گریز کرنے والے ہوں۔

اگر اس محاصرہ کرنے والے دشمن کا شکنجہ نہ ہوتا تو میں یلغار کی لگامیں آنے والے (جرمن) دشمن کی طرف اُٹھا دیتا۔ عکا کے محاصرین سے تصادم اور ان ملعونوں کو نگاہیں بھر کے موت کا چہرہ دکھانے سے پہلے پہلے اس (جرمن) دشمن سے ٹکراؤ ناگزیر ہے۔"[1]

آپ بستروں پر کیوں مطمئن ہیں ✿ قاضی فاضل کے قلم سے عباسی خلیفہ کے نام اپنے خط میں سلطان نے اپنے دل و جگر کی حرارت نچوڑ کے رکھ دی۔ انہوں نے جو تحریر کیا اس کا حرف حرف آنکھوں کو پرنم کر دیتا ہے۔ ذرا دل تھام کے پڑھیے۔

"فرنگیوں کی خبر یہ ہے کہ وہ ابھی تک عکا کے باہر ہیں۔ سمندر کی لہروں کی تعداد سے زیادہ بحری جہاز ان کی مدد کو آ رہے ہیں۔ کفار بادشاہوں نے طے کر لیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی افواج میں سے ایک فوج وہاں بھیجے گا اور اسلحہ فراہم کر کے ان کی شان و شوکت بڑھائے گا۔

جب مسلمان ان کا ایک آدمی قتل کرتے ہیں تو سمندر سے اس کے بدلے مزید ہزار پہنچ جاتے ہیں۔ جتنی فصل کٹتی ہے اس سے زیادہ اُگ آتی ہے۔ جتنے پھل توڑے جا رہے ہیں ان سے زیادہ لگتے جا رہے ہیں۔ اس مد مقابل دشمن نے...... اللہ اسے غارت کرے...... خندقوں کے ذریعے مضبوط زرہ پہن لی ہے اور تختوں کے ذریعے قلعہ بند ہو گیا ہے۔ پس وہ کھلے میدان میں بھی محفوظ ہے۔ برہنہ ہوتے ہوئے بھی زرہ بکتر میں ہے۔ سامنے ہوتے ہوئے بھی غائب ہے۔ بہر کیف ان کے جم غفیر کو بکثرت قتل کیا گیا ہے، ان کی موٹی گردنوں کو نیزوں کے پھلوں نے کاٹ ڈالا ہے۔ طویل مدت کے محاصرے اور گراں بار تکالیف نے ہماری افواج کی صلاحیتوں کو تو متاثر کیا ہے مگر فرمانبرداری کو نہیں۔ ان کی کارکردگی پر تو اثر ڈالا ہے مگر ان کی دلیری پر نہیں۔ جو بھی انہیں جانتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اسی طرح فریاد کر سکتا ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے غزوہ بدر

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 140/4

میں کی تھی کہ اے اللہ! اگر یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو تا قیامت تیرا نام لیوا کوئی نہ ہوگا۔ وہ ان کے لیے مخلصانہ دعا کرے گا اور ہمارے آقا امیر المومنین (خلیفہ) کے طفیل قبولیت کی امید رکھے گا۔
صلیبیوں کے پاپائے اعظم نے ..... اس پر اور اس کے حامیوں پر خدا کی لعنت ہو..... ان لوگوں پر ہر قسم کی جائز شے کو حرام کر دیا ہے اور ان کے ہر ذخیرے سے مال وصول کیا ہے۔ اس نے گرجوں کو تالے لگوا دیے ہیں۔ خود بھی آہنی لباس پہن لیا ہے اور ان کو بھی یہی لباس پہنوا دیا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ جب تک مزار مسیح اور یروشلم کا گرجا آزاد نہ کرا لیں یہی زرہیں پہنے رہیں۔
پس اے خانوادۂ محمد (ﷺ) آپ حضور اکرم ﷺ کی امت کی خلافت سے سرفراز ہیں؟ پھر آپ اپنے بستروں پر کیوں مطمئن ہیں! حق تعالیٰ نے آپ کو ہمارے درمیان کمال عطا کیا! ہم اور سارے مسلمان آپ کے پاس امانت ہیں۔
اس گفتگو میں خادم کی حالت ایسی ہے کہ گویا وہ آپ کی چوکھٹ پر کھڑا گڑ گڑا رہا ہے! آپ کی خاک آستانہ کو چوم رہا ہے اور آپ سے سرگوشی میں دوٹوک باتیں کہہ رہا ہے۔
اگر اس ناچیز کو مجبوریاں درپیش نہ ہوتیں تو (ملاقات کے لیے) وطن چھوڑ دیتا۔ آپ جیسا معالج اسلام بلکہ مسیحا (میرے رنج وغم کے اس) روگ کو دور کر دیتا جو مجھ پر چھا چکا ہے۔ اگر ناچیز کو اطمینان ہوتا کہ دشمنانِ اسلام مخلف رخ اختیار کر لیں گے (اپنے عزائم سے باز آ جائیں گے) تو آپ کے ہاں حاضر ہونے کے لیے کوچ کر دیتا۔ اگر واضح طور پر سب کچھ بتا دینے میں مخالفین (کے طنز) کی نشتر زنی کا اندیشہ نہ ہوتا تو خادم وہ کچھ عرض کرتا جو آنکھوں کو رُلا دے اور دلوں کو زخمی کر دے۔ لیکن بندہ صبر کا دامن تھامے اللہ سے ثواب کی آس لگائے ہوئے ہے..... ٹکٹکی باندھ کر اس کی مدد کا منتظر ہے۔ جو کچھ ناچیز پر فرض ہے اسے اپنی ذات کی حد تک ادا کرنے کے لیے کوشاں ہے اور کہہ رہا ہے" اے میرے رب! میرے بس میں فقط میری جان ہے، تیری راہ میں یہ قربان ہے اور (میرے ساتھ) میرا بھائی (الملک العادل) تیری نذر ہے جو کہ تیری خاطر ہجرت کر کے آیا ہے جس کی قبولیت کی وہ امید رکھتا ہے اور یہ میری اولاد بھی حاضر ہے جس نے تیرے دشمن کے مقابلے میں اپنے روشن چہروں کو نچھاور کر دیا ہے، ہاں مگر تیرے محبوب ﷺ کی خاطر ان ناگواریوں کو جھیلنا معمولی بات ہے جو مجھے اور انہیں پیش آ رہی ہیں۔ ہم اس حد پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اور ہر شے سے پہلے اور ہر شے کے بعد، ہر معاملہ اللہ ہی کے سپرد ہے۔"[1]

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/141،142

<u>شاہِ جرمنی ایشیائے کوچک میں</u> ❁ سلطان اس دوران قاصدوں کی معرفت شمال کی اسلامی مملکت سلاجقۂ روم سے برابر رابطے میں رہے۔ اس مملکت کا فرمانروا سن رسیدہ قلیج ارسلان تھا جس کا پایۂ تخت قونیہ تھا۔ مملکت کا حدود اربعہ تقریباً وہی تھا جو موجودہ 'ترکی' کا ہے۔ اس دور میں یہ سارا علاقہ 'روم' یا 'ایشیائے کوچک' کہلاتا تھا۔ یورپ سے اگر براستہ استنبول ایشیا میں آنا ہو تو سب سے پہلے یہی خطہ راستے میں آتا ہے۔ شاہِ جرمن بھی اسی راستے سے آ رہا تھا لہٰذا اس کا قلیج ارسلان کی مملکت سے گزرنا لازمی تھا۔
قلیج ارسلان بذاتِ خود ایک دلیر حکمران تھا، اس کے آباؤ اجداد بھی نامور فاتح تھے جنہوں نے پہلی صلیبی جنگ میں ان لاکھوں سورماؤں کو جو بیت المقدس پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر کے یورپ سے نکلے تھے ساحل پر ہی گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا تھا مگر اب اس خاندان کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ قلیج ارسلان ملک کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے اپنے بیٹوں کے نام کر چکا تھا اور خود امورِ جہانبانی سے کنارہ کش تھا۔ بہرکیف اسے جرمن فوج کی آمد اور عالم اسلام کو لاحق خطرات کا اندازہ تھا۔ پھر اس کے سلطان صلاح الدین ایوبی سے حلیفانہ تعلقات بھی تھے چنانچہ وہ سلطان صلاح الدین کو خط و کتابت کے ذریعے جرمنوں کی نقل و حرکت کی اطلاعات دے کر یقین دلا رہا تھا کہ جرمنوں کو وہ اپنی سرحد پر روک کر کسی طرح شام میں داخل نہیں ہونے دے گا۔ قلیج ارسلان کے وعدے سلطان کے لیے بڑے حوصلہ افزا تھے مگر انہیں یہ دھڑکا ضرور تھا کہ اگر جرمنوں کو ایشیائے کوچک میں نہ روکا گیا تو پھر شام اور فلسطین کا کیا ہوگا۔
تندخو اور متکبر جرمن بادشاہ فریڈرک بار بروسا جب صلیب اٹھا کے القدس کو دوبارہ 'یروشلم' بنانے کے ارادے سے نکلا تھا تو اسے دوسری صلیبی جنگ کے مناظر یاد آ رہے تھے۔ 43 سال قبل (542ھ 1148ء میں) جب وہ 23 سال کا بھرپور جوان تھا، اپنے چچا کانرڈ کے ساتھ اسی جوش و جذبے سے شام کو فتح کرنے نکلا تھا، اس کے ساتھ فرانسیسی افواج بھی تھیں۔ اس وقت بیت المقدس صلیبیوں ہی کے قبضے میں تھا اور یورپی حکمران سلطنت یروشلم کو دمشق تک وسیع کر دینا چاہتے تھے مگر تب نورالدین زنگی نے ان کی کوشش ناکام بنادی تھی۔
اب بڑھاپے میں بار بروسا کا مقابلہ سلطان صلاح الدین سے تھا جو 'یروشلم' کو دو برس قبل 'بیت المقدس' بنا چکا تھا، پس بوڑھا جرمن اس بار مزارِ مسیح کی بازیابی کے لیے نکلا تھا۔ اس کی کمان میں 42 ہزار گھڑسوار تھے جبکہ باقی دو لاکھ کے لگ بھگ فوج پیادہ تھی۔ جرمن سپاہی نہایت جفاکش، سرتاپا بھاری اسلحے سے لدے اور فولادی لباس میں ڈھلے ہوئے تھے۔ پوری فوج زرہ پوش تھی جس نے یروشلم اور مزارِ مسیح کے غم میں خود پر عمدہ لباس اور جائز لذات کو بھی حرام کر لیا تھا۔ انہوں نے طے کر لیا تھا کہ جب

تک ہم یروشلم واپس نہیں لے لیتے، زرہیں اتارنے اور اسلحہ کھولنے کا نام تک نہیں لیں گے۔اس فوج میں انتہائی درجے کا نظم وضبط تھا کیونکہ باربروسا معمولی جرائم پر بھی سنگین سزائیں دینے کا عادی تھا۔نظم و ضبط کی ذراسی خلاف ورزی پر سپاہیوں کو بے دریغ ذبح کرادیتا تھا۔اس کے ہاں کسی کی سفارش بھی کارگر نہیں ہوتی تھی اس لیے سپاہی اور افسران اس سے بے حد خوف زدہ رہتے تھے۔ایسے لشکر کی قیادت کرتے ہوئے باربروسا عالم اسلام کو تباہ وبرباد کردینے کے لیے ایک زلزلے کی مانند بڑھتا چلا آرہا تھا۔

اس جرمن شہ سوار کا سفر کئی ماہ تک جاری رہا۔ہنگری اور بلغاریہ سے ہوتا ہوا وہ بازنطینی رومی سلطنت کے قدیم پایہ تخت قسطنطنیہ پہنچ گیا۔وہ راستے کے تمام ممالک کو ڈراتا دھمکاتا لوٹتا اور اپنا باج گزار بناتا ہوا آیا تھا اس لیے قیصر روم کو اس کے عزائم پر شک تھا۔وہ سمجھتا تھا کہ بوڑھا جرمن صلیب کی حمایت کے لیے نہیں، اپنی سیاست چمکانے کے لیے نکلا ہے۔جب جرمن فوج قسطنطنیہ پہنچی تو قیصر نے اس سے لاتعلقی کا اظہار کیا۔اس نے اپنے ملک کے لوگوں پر پابندی لگادی کہ وہ خوراک ورسد تو کجا کسی بھی طریقے سے اس فوج کی مدد نہ کریں۔

قیصر روم کی جانب سے اس پابندی کے باعث جرمن فوج کو خاصی مشکلات پیش آئیں اور آخر کار باربروسا نے مشتعل ہو کر قیصر کے علاقوں کو بھی لوٹنا شروع کر دیا۔تب قیصر کو جھکنا پڑا اور باربروسا نے امان دینے کے عوض اس سے نہ صرف سونے چاندی اور عمدہ کپڑوں کے بھاری ذخیرے وصول کیے بلکہ اس کے بیٹے، بھائی اور چالیس امراء کو یرغمال کے طور پر اپنی تحویل میں لے لیا۔پھر اس نے خلیج قسطنطنیہ پر آکر بہت سے جہازوں پر قبضہ کیا اور اپنی فوج کو پار اتارنے لگا۔ایشیائی ساحل پر اتر کر اس نے قیصر کے یرغمالیوں کو واپس بھجوادیا اور خود تین دن تک ترکمان اوج قبائل کے علاقوں کو طے کرتا چلا گیا۔یہاں شدید جاڑا شروع ہو چکا تھا اور برف باری کی وجہ سے پیش قدمی میں بڑی دشواری پیش آرہی تھی۔جرمن اس علاقے سے ناواقف تھے اور ان کے ساتھ کوئی راہ نما بھی نہیں تھا۔دن بھر میں وہ بمشکل ڈیڑھ دو میل طے کر پا رہے تھے۔

ایشیائے کوچک کے وسیع وعریض خطے سے گزر کر شام تک پہنچنے کے لیے مختلف راستے موجود تھے۔ مگر معروف راستہ سلاجقۂ روم کی سلطنت قونیہ اور ارمنوں کی عیسائی ریاست سے گزر کر جاتا تھا۔قونیہ کے قلیج ارسلان کی رگوں میں سلجوقیوں کا گرم خون تھا۔ادھر ارمنی ریاست کا حکمران لافون ابن لاؤن بھی سلطان صلاح الدین کا سرحدی پڑوسی ہونے کے ناتے ان سے بہتر تعلقات کا خواہش مند تھا اور اس کے بعض سرحدی قلعے سلطان کے باج گزار بھی تھے۔ان دونوں حکمرانوں کی کوشش تھی کہ کسی طرح جرمنوں کا رخ اپنے ملک سے موڑ دیں۔

اُدھر شاہ جرمن ارمنی حکمران ابن لاؤن کو خط لکھ کر اپنے مقاصد اور ہدف سے آگاہ کر چکا تھا۔ اس نے اپنی مشکلات کا ذکر کر کے اسے بتادیا تھا کہ اس کا ان علاقوں سے گزرنا ناگزیر ہے اب چاہے کوئی اسے خوشی سے راستہ دے یا مجبور ہو کر۔ ارمنی حکمران نے گھبرا کر اپنے سفیر شاہ جرمن کی خدمت میں دوڑادیے اور انہیں تاکید کی کہ کسی بھی طرح جرمنوں کو سمجھا بجھا کر اس راستے سے منحرف ہونے پر آمادہ کرلیں جو قلیج ارسلان کی سلطنت سے گزرتا ہے کیوں کہ وہاں سے گزرنے کے بعد وہ لازماً ارمنی سلطنت میں داخل ہوں گے اور ان کے سیلاب بے اماں کے ہاتھوں نہ معلوم پھر ملک کا کیا حشر ہو۔ مگر جرمن بادشاہ نے ارمنی سفیروں کی بات پر کوئی توجہ نہ دی۔ اس نے واضح لفظوں میں کہا کہ وہ اسی راستے سے گزرے گا۔ چنانچہ وہ ساحل سے یلغار کرتا ہوا سلجوقی مملکت کی حدود میں داخل ہو گیا۔

قلیج ارسلان جس نے سلطان صلاح الدین ایوبی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ جرمنوں کو سرحد پر روک لے گا، ان کی کثرت سے اتنا مرعوب ہوا کہ کچھ بھی نہ کرسکا۔ البتہ مقامی ترکمان قبائل کے جانبازوں نے جرمنوں کی لوٹ مار سے تنگ آکر ان پر چھاپہ مار حملے شروع کر دیے۔ وہ لشکر کے دونوں کناروں پر منڈلاتے رہتے اور ان میں سے جو شخص ذرا الگ نظر آتا اسے قتل کر کے غائب ہو جاتے۔ کبھی وہ ان کے مویشی ہانک کر لے جاتے اور کبھی خوراک و رسد لوٹ لیتے۔ 33دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ جرمنوں کے لیے شدید برف باری پہلے ہی قہرِ خداوندی بن کر نازل ہو رہی تھی، ان کے سینکڑوں سپاہی اور مویشی روزانہ برف باری کی نذر ہو رہے تھے۔ ترکمانوں کے حملوں نے انہیں مزید بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔

دو لاکھ سے زائد جرمنوں کا یہ سیلاب ہر قدم پر لاشوں کے ڈھیر چھوڑتا ہوا اب سلجوقی دارالحکومت قونیہ کے قریب آچکا تھا۔ پایۂ تخت کو خطرے میں دیکھ کر قلیج ارسلان کا بیٹا قطب الدین جوش میں آگیا اور جرمنوں پر حملے کے لیے نکل کھڑا ہوا مگر دشمن کا سامنا کرتے ہی اسے اپنی کمزوری کا احساس ہو گیا۔ جب دونوں فوجوں میں معرکہ ہوا تو جرمن جلد ہی سلجوقیوں پر چھا گئے۔ شہزادہ تیزی سے پسپا ہو کر پایۂ تخت میں قلعہ بند ہو گیا۔ جرمن اس کے تعاقب میں قونیہ کی فصیل کے سامنے آن پہنچے۔ شاہی افواج نے باہر نکل کر ایک بار پھر ان سے ٹکر لی مگر شکست کھا کر انہیں دوبارہ شہر میں گھسنا پڑا۔ اب جرمنوں نے پوری طاقت سے شہر پر حملہ کر دیا۔ وہ بیرونی فصیل عبور کر کے شہر کے بازار تک پہنچ گئے اور اسے نذرِ آتش کر دیا مگر اندرونی فصیل کو نہ پھلانگ سکے۔

پانچ دنوں تک وہ اس علاقے میں مسلمانوں کا خون بہاتے رہے۔ آخر قلیج ارسلان نے بار بر وسا سے امان طلب کی۔ بوڑھا جرمن بھی یہاں زیادہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ طوفانی موسم میں یہاں کی مہمات شروع کر دینا اسے منزل سے دور کر دے گا، پھر اسے شام پہنچنے کے لیے مددگاروں

اور راہنماؤں کی شدید ضرورت تھی چنانچہ اس نے قلیج ارسلان کو تحائف کے ساتھ یہ پیغام بھیجا:

''ہم آپ سے لڑنا نہیں چاہتے۔ ہماری منزل یروشلم ہے، آپ خوراک و رسد کی فراہمی کا انتظام کردیں ہم آپ کے ملک سے کوئی سروکار نہیں رکھیں گے۔''

قلیج ارسلان شکست کھا چکا تھا لہٰذا اس نے کسی حیل وحجت کے بغیر جرمنوں کو ہر قسم کی سہولیات سمیت راہنما بھی فراہم کیے اور مشورہ دیا کہ وہ ارمنوں کے علاقوں طرطوس اور مصیصہ کا راستہ اختیار کریں۔ قلیج ارسلان کی جانب سے اس حد تک تعاون کے باوجود شکی مزاج باربروسا مطمئن نہ ہوا۔ چنانچہ اس نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ قلیج ارسلان جرمن لشکر کو اپنی سرزمین عبور کرنے کے دوران مکمل تحفظ بھی فراہم کرے اور اپنی رعایا کو جرمنوں پر دست درازی سے منع کرے۔ باربروسا نے ضمانت کے طور پر سلطنت کے بیس سے زائد امراء کو بطور یرغمال طلب کیا اور کہا:

''اگر آپ ہمیں تحفظ فراہم کرنے کے انتظامات میں کمزور ثابت ہوئے تو ہم یرغمال امراء کو قیدی بنالیں گے۔''

حاکم قونیہ اس لشکر جرار سے اتنا مرعوب تھا کہ اس نے کسی پس وپیش کے بغیر یہ سب باتیں مان لیں۔ اس نے ہرکارے دوڑا کر اپنے عوام میں منادی کرادی کہ جرمنوں کو مکمل تحفظ فراہم کیا جائے۔ امرائے سلطنت بھی بطور یرغمال باربروسا کے حوالے کردیے گئے۔ مگر جب باربروسا قونیہ سے روانہ ہوا تو جنگلوں اور پہاڑوں میں چھپے جانباز قبائلی اس کی رسد پر حملے کرنے لگے۔ باربروسا نے غضب ناک ہوکر یرغمال مسلمان امراء کو قیدی بنالیا۔ ان میں سے بہت سے جرمنوں کی قید میں ہی زندگی کے دن پورے کرکے دنیا سے رخصت ہوئے اور بعض سالہا سال تک قید رہنے کے بعد کسی موقعے پر بھاری زر فدیہ ادا کرکے رہائی پاسکے۔ قلیج ارسلان باربروسا کے سامنے جھکنے کے باوجود سلطان صلاح الدین سے تعلقات خراب کرنا نہیں چاہتا تھا چنانچہ اس نے اپنی مجبوریوں کا یقین دلانے کے لیے سلطان صلاح الدین کو برق رفتار قاصدوں کے ذریعے اپنی حالات لکھ بھیجے۔ اس نے اپنے مکتوب میں لکھا:

''میں اپنی اولاد کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا۔ چونکہ وہ جرمنوں کو روکنے پر آمادہ نہیں اور میری اطاعت سے آزاد ہوگئے ہیں اس لیے میں اپنا وعدہ پورا کرنے سے معذور ہوں۔''

ساتھ ہی اس نے یہ خبر بھی دی کہ جرمن عن قریب شام پہنچنے والے ہیں۔ [1]

جرمنوں کا سیلاب بے اماں باربروسا کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ جہاں جہاں اس کی یلغار کی خبریں

[1] الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/114_115_133_134، ابن خلدون: 5/316، الکامل فی التاریخ: 10/193_104

پہنچتیں وہاں لوگ گھروں میں بند ہوجاتے، بازاروں میں اشیاء کے نرخ چڑھ جاتے کیونکہ عوام آئندہ پر آشوب حالات کے تصور سے سہم کر گھروں میں راشن جمع کرنے میں مصروف ہوجاتے اور تجار ذخیرہ اندوزی کرنے لگتے۔ سب سے زیادہ خطرہ شام اور فلسطین کے مسلمانوں کو لاحق تھا۔ پھر الجزیرہ اور عراق کے لوگ بھی خود کو خطرے سے دور محسوس نہیں کررہے تھے۔ علامہ ابن اثیر اس خوف و دہشت کی منظر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کا حال ویسا ہی تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا﴾

''جب کفار نے تم پر اوپر سے چڑھائی کی اور نیچے سے بھی اور جب نگاہیں پھرنے لگیں اور دل حلق میں آن پہنچے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔''[1]

<u>مصری بری و بحری فوج کی آمد</u>: رمضان گزرتے گزرتے سردی کی شدت خاصی بڑھ گئی۔ یہ نومبر کا مہینہ تھا۔ یکم شوال 585ھ (11 نومبر 1189ء) کو جب عالم اسلام کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک عید الفطر کی خوشیاں منائی جارہی تھیں اس دن بھی اسلام کے کچھ محافظ بوسیدہ وردیوں، شکستہ ڈھالوں اور پرانی تلواروں کے ساتھ صلیبیوں کے طوفان کے سامنے ڈٹے ہوئے تھے۔ تاہم شوال کا مہینہ ان مجاہدین اسلام کے لیے مسرت کا سندیسہ بن کر آیا۔ سلطان کی تاکید پر مصر سے الملک العادل روانہ ہو چکا تھا۔ وسط شوال (اواخر نومبر) میں وہ خشکی کے راستے سے مصری سپاہیوں کے جم غفیر کے ساتھ سلطان کے معسکر پہنچ گیا۔ اس کے پاس محاصرے کے نئے اور مضبوط آلات، قلعہ شکن منجنیقیں، بڑے چوبی اور آہنی تختے، گز دار فولادی تیر، بڑی کمانیں، سپاہیوں کو اپنی اوٹ میں لے کر چلنے والے حفاظتی ٹھیلے (دبابے) اور بہت کچھ ساز و سامان تھا۔ اس کے زیادہ تر سپاہی پیادہ تھے۔ اس دوران سلطان صلاح الدین بھی شام کے طول و عرض سے پیادہ سپاہیوں کی خاصی تعداد بھرتی کر چکے تھے۔ انہوں نے مصر کے بحری شیر حسام الدین لولو کو بھی بحری بیڑے کے ساتھ ساحل عکا پر طلب کرلیا تھا۔ وہ نہایت تجربہ کار جہازراں تھا جس کی بحری فتوحات کے چرچے پوری اسلامی دنیا میں تھے۔ یہی وہ فرزند اسلام تھا جس نے چند برس پہلے حجاز مقدس پر کرک کے ملعون رجی نالڈ کا اچانک حملہ ناکام بنایا تھا۔

وسط ذی القعدہ 585ھ (اواخر دسمبر) میں حسام الدین لولو کا بیڑا عکا کے ساحل پر نمودار ہوا جس میں

---

[1] الاحزاب، آیت:10/196

دس ہزار سپاہی اور 50 جنگی جہاز تھے۔ اس وقت دسمبر کی کڑاکے دار سردی نے بحیرۂ روم کا پانی گویا منجمد ہونے کے قریب تھا۔ لؤلؤ نے آتے ہی عکا کے گرد و نواح میں نظر آنے والی صلیبی کشتیوں پر حملہ کر دیا۔ صلیبیوں کے بحری جہاز تو طرابلس اور انطاکیہ کی بندرگاہوں کی طرف چلے گئے تھے مگر کشتیاں اور مال بردار بجرے یہاں آتے جاتے رہتے تھے۔ حسام الدین نے ان سب کو عکا سے مار بھگایا۔ دو مال بردار بجروں پر قبضہ کر کے ان کے عملے کو گرفتار کر لیا اور سامانِ رسد کے ذخائر عکا منتقل کر دیے۔ عکا کے محصورین کو حسام الدین لؤلؤ کی آمد سے بے انتہا خوشی ہوئی کیوں کہ اس کے آنے سے صورتحال یکسر تبدیل ہو گئی تھی۔ سمندر کی طرف سے عکا کا محاصرہ ختم ہو گیا تھا۔ اب وہ بسہولت خوراک و رسد حاصل کر سکتے تھے۔ سمندری راستہ کھلتے ہی سلطان نے کشتیوں کے ذریعے کئی امراء کو بہت سے سپاہیوں کے ساتھ عکا بھیج دیا اور بھاری مقدار میں غلہ، سامانِ حرب اور دیگر اشیائے ضرورت بھی مہیا کر دیں۔

دوسری طرف فرنگیوں کی جان پر بن گئی تھی۔ خشکی کی طرف سے وہ پہلے ہی غیر محفوظ تھے۔ اگر ان کا کوئی سپاہی چھاؤنی سے باہر دریائے عکا تک پانی لینے بھی نکل جاتا تو گھاس میں چھپے ہوئے رضا کار مجاہد عموماً اسے زندہ واپس نہ جانے دیتے، اس پر مستزاد یہ کہ اب اسلامی بیڑے نے سمندر کی طرف سے بھی ان کا محاصرہ کر لیا تھا۔ [1]

جس دن لؤلؤ اپنے بیڑے کے ساتھ عکا پہنچا اس دن صلیبی اپنا خاص تہوار یوم الاولیاء (All saents day) منا رہے تھے۔ متعصب مسیحی شاعر ایمبر وز یہ داستان کچھ یوں بیان کرتا ہے:

''یوم الاولیاء کی شام ہم پر سخت افتاد نازل ہوئی، تورون چھاؤنی کی بلندی سے ہمارے پہرے داروں کو حیفا کی طرف سے جہازوں کا ایک عظیم الشان بیڑا آتا دکھائی دیا جو بڑی ترتیب کے ساتھ عکا کے قریب پہنچ گیا۔ فوج میں اس کی آمد کی خبر پھیل گئی۔ کسی کو معلوم نہ تھا یہ کس ملک کا بحری بیڑا ہے۔ لوگ انہیں جنیوا، وینس، مارسلیز یا سسلی کے جہاز سمجھ رہے تھے جو ان کی کمک کے لیے آئے تھے۔ ابھی ہم تعجب اور خوف سے یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ وہ سیدھے عکا کی بندرگاہ میں داخل ہونے لگے اور جاتے جاتے ہمارا ایک جہاز بھی قبضے میں کر کے ساتھ لے گئے، اس جہاز میں ہمارا سامان رسد اور سپاہی تھے انہوں نے جہاز والوں کو مار ڈالا اور سامان پر قبضہ کر لیا......''

نیز وہ لکھتا ہو کہ اس بیڑے نے سمندر کی اتنی سخت ناکہ بندی کی کہ سردیوں میں ہمیں کہیں سے رسد نہ پہنچ سکی۔ [2]

---

[1] الکامل فی التاریخ: 10/169، [illegible]: 168

[2] صلیبی جنگیں: 166

بعض اکابر اور رفقاء کی وفات ؛ حسام الدین لؤلؤ کی کمک آنے سے چند دن پہلے 9 ذی القعد (دسمبر 1189ء) کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے مشیر خاص اور سالارِ فوج فقیہ عیسیٰ الہکاری کوہ خروبہ کے معسکر میں وفات پا گئے۔ وہ بڑے عالم فاضل انسان، باتدبیر سیاست دان اور کہنہ مشق سالار تھے۔ سلطان کی عسکری شوریٰ کے اہم رکن تھے۔ انہوں نے شیخ ابو القاسم ابن البرزی سے جزیرہ ابن عمر میں فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ پھر وہ سلطان صلاح الدین کے چچا اسد الدین شیرکوہ کے دربار سے وابستہ ہو گئے تھے۔ شیرکوہ کی ناگہانی موت کے بعد مصر میں نوجوان صلاح الدین ایوبی کے لیے راہِ اقتدار ہموار کرنے اور امرائے لشکر کو ہمنوا بنانے میں ان کا سب سے بڑا کردار تھا۔ تب سے وہ سلطان کے خاص الخاص ارکان میں شمار ہوتے تھے۔

فقیہ عیسیٰ کی رحلت سے کچھ دنوں پہلے ماہِ رمضان میں سلطان کے دار السلطنت دمشق کے سابق قاضی القضاۃ شرف الدین ابن ابی عصرون بھی وفات پا گئے تھے۔ انہی ایام میں سلطان کے ماموں زاد بھائی عز الدین موسک جو لشکر کے بڑے امراء میں شامل تھے اور حافظِ قرآن تھے شدید بیماری کے بعد 19 شعبان 585ھ (2 اکتوبر 1189ء) کو دمشق میں فوت ہو گئے تھے۔ آخری ایام تک وہ صلیبی جنگ کی مہمات میں پیش پیش رہے تھے مگر جب مرض شدت اختیار کر گیا تو سلطان سے رخصت لے کر گھر چلے گئے تھے۔ آزمائشوں اور مصائب کے ایام میں ان رفقاء اور بزرگوں کی جدائی سلطان کے لیے نہایت رنج کا باعث بنی۔ [1]

سفارتی وفود سے معاملات ؛ سال کے آخری ایام میں سلطانی کیمپ میں مختلف درباروں کے سفیروں کی آمد و رفت میں اضافہ ہو گیا۔ کچھ سفیر سلطان کی ندائے جہاد کے جواب میں اپنے حکمرانوں کے پیغامات لائے تھے اور کچھ دیگر معاملات کی خاطر آئے تھے۔ سفیروں میں رکن الدین بن طغرل کا ایلچی بھی تھا۔ رکن الدین سلطان ایوبی کے ماں شریک بھائی کا لڑکا تھا، اس حیثیت سے ان کا بھتیجا تھا۔ ایلچی نے بتایا کہ رکن الدین کو اپنے چچا قزل ارسلان کی زیادتیوں کے خلاف آپ کی مدد درکار ہے۔ سلطان نے یہ کہہ کر اس معاملے میں فریق بننے سے معذرت کر لی کہ وہ کفار سے جہاد میں مشغول ہیں۔ تاہم انہوں نے حاکم اربل اور شہرزور میں اپنے نائب کو پیغام بھجوا دیا کہ وہ رکن الدین بن طغرل سے تعاون کریں۔ [2]

صلیبی دیو پیکر دبابے بنا رہے تھے ؛ شدید سردی، طوفانی بارش، کیچڑ کی کثرت اور سمندر کی جانب

---

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/108، 110۔ الکامل فی التاریخ: 10/190
[2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/107، 108

سے ناکہ بندی کے باوجود صلیبی بے کار نہیں بیٹھے تھے۔ وہ اپنے تباہ شدہ بحری جہازوں کے شہتیروں اور لوہے کو ایک نئے انداز میں استعمال کرنے کے لیے مصروف کار تھے۔ صلیبیوں میں ہر قسم کی اسلحہ سازی کے ماہرین موجود تھے۔ وہ لکڑی اور لوہے کے بیکار ڈھیروں سے کارآمد سامان چن چن کر بڑی بڑی قلعہ شکن منجنیقیں اور دبابے تیار کر رہے تھے۔ چند انجینئروں کی نگرانی میں لوہاروں، ترکھانوں، اور مزدوروں کا ایک جم غفیر اس کام میں جتا ہوا تھا۔ یہ چند دنوں کا نہیں مہینوں کا کام تھا مگر صلیبی اس دن کو یاد کر کے خود کو تسلی دیتے رہے جب وہ قلعہ شکن آلات کے ساتھ عکا پر بھرپور حملہ کر سکیں گے۔ انکی امیدوں کی یہ دنیا مزید قریب تر دکھائی دینے لگتی جب وہ یہ تصور کرتے کہ فریڈرک بار بروسا اس وقت ایشیائے کوچک کے کوہستان عبور کر کے شام سے قریب تر ہوتا جا رہا ہوگا۔ [1]

---

[1] الکامل فی التاریخ: 10/191

فصل:4

ہولناک دبابے

نیا اسلامی سال 586ھ شروع ہوا تو سلطان صلاح الدین ایوبی کی صحت قدرے بہتر ہو چکی تھی۔ موسم سرما گزر گیا تھا۔ بہار نے پژمردہ طبیعتوں میں تازگی پیدا کر دی تھی۔ سلطان ان دنوں کبھی کبھار جنگل کو نکل جاتے اور شکار کھیلتے۔ کچھ سدھائے ہوئے باز ان کے ساتھ ہوتے۔ گھمسان کی لڑائیوں کا وقت شروع ہونے کو تھا، اس سے قبل سلطان کو مکمل صحت یابی کی ضرورت تھی۔ ماہ صفر 586ھ کے ابتدائی ایام میں سلطان نے ایک دن پھر تفریح طبع کے لیے شکار کا منصوبہ بنایا اور کچھ رفقاء کے ہمراہ جنگلات میں نکل گئے۔

مارچ کی چمکیلی دھوپ میں سرما کی بارشوں سے دُھلی ہوئی ہر شے نہایت خوبصورت دکھائی دے رہی تھی، بارشوں کا سلسلہ کچھ دنوں پہلے ہی ختم ہوا تھا، اب تک میدان عکا میں گھٹنوں گھٹنوں کیچڑ تھا اور نقل وحرکت خاصی مشکل تھی۔ سلطان کے شکار پر جانے کی خبر فرنگیوں سے مخفی نہ رہی کیونکہ مسلمانوں کی خیمہ گاہ میں ان کے جاسوس سائیسوں، مزدوروں، پھیری لگانے والوں اور طبیبوں کی صورت میں موجود تھے۔ معقول معاوضے پر ہنرمند لوگ اس قسم کے کاموں کے لیے تیار ہو جاتے تھے اور ان پر کسی کو شک بھی نہیں ہوتا تھا۔ فرنگیوں کو جوں ہی سلطان کے شکار پر نکلنے کی اطلاع ملی انہوں نے لشکر اسلام کے ان پہرے دار دستوں کو کچل ڈالنے کا فیصلہ کر لیا جو مستقل طور پر میدان میں تعینات رہتے تھے۔ دراصل ان دنوں میدان عکا دو حصوں میں تقسیم دکھائی دیتا تھا۔ شہر کے دائیں بائیں کا ساحلی میدان جو ریتیلا تھا، آمد ورفت کے لیے اب بھی موزوں تھا۔ یہاں ریت کے باعث بارش کا پانی فوراً جذب ہو جاتا تھا اور کیچڑ نہیں بنتا تھا۔ مسلمان محافظ سپاہی ان دنوں اسی ریتیلے ساحل پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ دوسرا حصہ میدان کے وسط سے لے کر ٹیلوں تک تھا جو کیچڑ سے اتنا بھر چکا تھا کہ اس کو پار کرنا نہایت دشوار تھا۔ فرنگیوں نے میدان کی اس صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمان محافظوں پر حملے کا فیصلہ کیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ میدان میں کیچڑ کی کثرت کے سبب مسلم محافظوں کو اپنے معسکر سے بروقت کمک نہیں پہنچ سکے گی پھر ساحل

عدم موجودگی میں معسکر کے سپاہی جلدی تیار نہیں ہو پائیں گے اور اگر وہ مدد کے لیے نکل بھی آئے تو دلدلی میدان ان کو تیز پیش قدمی سے روک دے گا اور اتنی دیر میں کارروائی مکمل کر لی جائے گی۔ ❶

<u>وقعۃ الرمل (ریت کا معرکہ)</u>: عصر کے وقت صلیبیوں نے اپنی چھاؤنی کی خندق عبور کی اور پہرے دار مسلم سپاہ پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے فرنگیوں کو اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر کمانوں پر تیر چڑھا لیے اور دفاعی ہیئت اختیار کر کے زبردست تیر اندازی شروع کر دی۔ یہ لڑائی ساحلی ریت پر ہو رہی تھی اس لیے مؤرخین اسلام اسے "وقعۃ الرمل" یعنی ریت کے معرکے کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ فرنگی مسلمانوں کی تیر اندازی سے بہت گھبراتے تھے، تیروں کی ہر باڑھ سے ان کے کئی کئی سوار خاک و خون میں لت پت ہو کر ریت پر گر جاتے اور بقیہ فرنگی پیچھے ہٹ جاتے مگر جلد ہی وہ سنبھل کر دوبارہ حملہ کر دیتے۔ آخر کار مسلمانوں کے ترکش خالی ہو گئے۔ صدائیں گونج اٹھیں:

"تیر لاؤ، تیر لاؤ...... ترکش خالی ہو چکے ہیں۔"

ادھر فرنگیوں نے تیروں کی بارش رکتی دیکھی تو مجتمع ہو کر زوردار حملہ کیا جس سے مسلمان دب گئے اور دریائے حکا تک پیچھے ہٹتے چلے گئے تاہم اس موقع پر معسکر کے عادلی سپاہیوں نے ڈٹ کر مقابلہ شروع کیا اور فرنگیوں کو منہ توڑ جواب دے کر پسپا کر دیا۔

فرنگیوں نے جونہی میدان چھوڑا مسلمان مال غنیمت جمع کرنے اور مقتولین کا اسلحہ اتارنے لگے۔ فرنگیوں نے موقع دیکھ کر دوبارہ ہلا بول دیا اور حاجب ایدغمش الجدری سمیت کئی دلیر مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ تاہم دیگر سپاہی سنبھل چکے تھے۔ وہ قدم جما کر فرنگیوں سے بھڑ گئے۔ یہ ایک نہایت خونریز لڑائی تھی۔ علامہ ابن اثیر کے بقول:

"پہرے دار مسلمانوں کو یقین تھا کہ ثابت قدمی اور بھرپور لڑائی ہی انہیں بچا سکتی ہے۔"

انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ میدان کی زمین دلدلی ہونے کے باعث معسکر سے کمک پہنچنے میں کافی دیر لگ جائے گی۔ چنانچہ وہ سر دھڑ کی بازی لگا کر فرنگیوں کے جم غفیر کے سامنے چٹان کی طرح ڈٹے رہے۔ لڑائی کے دوران سلطان ایوبی کا ایک مملوک سپاہی قرہ سنقر دشمن کے گھیرے میں آ گیا، وہ نامی گرامی جنگجو تھا اور گزشتہ جھڑپوں میں بہت سے فرنگیوں کو قتل کر چکا تھا اس لیے دشمن اس کی تاک میں چھپے بیٹھے تھے۔ اتفاق سے اس کا گھوڑا وہیں پھسل کر گر پڑا۔ گھات میں بیٹھے فرنگیوں نے اچانک حملہ کر کے اسے جکڑ لیا۔ ایک صلیبی نے اس کے لمبے بال پکڑ لیے۔ دوسرا صلیبی جس کے کئی رشتہ دار قرہ سنقر کے ہاتھوں

---

❶ النوادر السلطانیہ ص: 179_180، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/116، الکامل فی التاریخ: حوادث 586ھ

ہلاک ہو چکے تھے جوش کے عالم میں تلوار سونت کر آگے بڑھا تا کہ اپنی آتشِ انتقام ٹھنڈی کر سکے، اس نے پوری طاقت سے تلوار چلائی مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے...... تلوار کا وار چوک گیا۔ قرہ سنقر کا سر سلامت رہا اور اس کے بال پکڑنے والے سپاہی کا ہاتھ کلائی سے کٹ کر دور جا گرا۔ وہ اپنا بازو تھام کر تڑپنے لگا۔ قرہ سنقر کو اس طرف سے خالی راستہ مل گیا۔ وہ جست لگا کر اُدھر سے نکل گیا۔ عیسائی اس کے پیچھے دوڑے مگر اسلام کا یہ شیر ہاتھ نہ آیا اور دوڑتے دوڑتے اپنے ساتھیوں سے جا ملا۔

یہ لڑائی دیر تک جاری رہی۔ رات کا اندھیرا پھیل گیا مگر تلواریں چلتی رہیں۔ ادھر معسکر میں اس جنگ کی اطلاع پہنچ گئی تھی۔ الملک العادل نے فوراً پکار کر سپاہیوں کو جمع کیا اور مدد کے لیے پہنچ گیا۔ کمک مل جانے سے محافظینِ اسلام کے حوصلے بلند ہو گئے جبکہ صلیبیوں کی ہمت پست ہو گئی اور وہ الٹے پاؤں اپنی چھاؤنی کی طرف لوٹ گئے۔

ادھر سلطان کو بھی جنگل میں دورانِ شکار اس واقعے کی خبر مل گئی تھی۔ وہ گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے معسکر پہنچے تو معرکہ ختم ہو چکا تھا اور سپاہی واپس آرہے تھے۔ تھکن کے باوجود ان کے چہروں سے مسرت کی کرنیں پھوٹ رہی تھی کیوں کہ انہوں نے دشمن کے اچانک حملے کو ناکام بنا کر اسے ذلت و خواری کے ساتھ واپس بھگا دیا تھا۔[1]

<u>بہار کی شوخیاں</u> ٭ ہر گزرتے دن کے ساتھ بہار کی شوخیاں عروج پر پہنچتی گئیں۔ کوہستانوں کی چوٹیوں سے برف پگھلتی گئی، مرجھاتے ہوئے پودے انگڑائیاں لینے لگے۔ کوہ و دمن سبزے کا نیا لباس پہننے کو تھے۔ برساتی نالے سوکھ گئے اور خشک دریاؤں میں تازہ پانی کی دھاریں چلنے لگیں۔ میدانِ عکا کی دلدلی زمین پہلے خشک ہوئی اور پھر ہری پوشاک اوڑھنے لگی۔ بارشوں سے بھیگے ہوئے خیمے سوکھنے لگے اور عکا کی نم دیواریں اپنے اصلی رنگ میں نظر آنے لگیں۔ سپاہیوں کی تلواریں جو مسلسل نمی سے زنگ پکڑنے لگی تھیں ایک بار پھر صیقل کی جارہی تھیں۔ خودوں اور زرہوں کو تیل سے مانجھ کر چمکایا جا رہا تھا۔ کاری گر نئے تیر بنا رہے تھے۔ سیلن زدہ نیزے کٹی ہوئی فصل کی طرح دھوپ میں پھیلا دیے گئے تھے تاکہ خشک ہو جائیں۔ کمانوں کی ڈھیلی ڈھالی بوسیدہ تانتیں کھول کر نئی تانتیں چڑھائی جارہی تھیں۔ تھکے ہوئے جسموں میں نئی توانائیاں جاگ رہی تھیں۔ ہاں! ایک نئی جنگ شروع ہونے کو تھی۔

<u>فرنگیوں کی کمک کی بحالی اور تازہ نیانِ افرنگ کی آمد</u> ٭ سمندری راستے کھل جانے کے بعد صور اور طرابلس سے صلیبیوں کے بیڑے واپس آگئے اور عکا کی بندرگاہ کے سوا پورا ساحل ایک بار پھر

---

[1] ھدور مالک ہے 180، بحوالہ ارشیل الی اطہار ثمیں: 4/117، 118

صلیبیوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ مسلمانوں کے بحری جہاز اب عکا کے گرد آزادانہ نقل وحرکت سے قاصر ہو گئے تھے۔ پھر جزائرِ بحیرۂ روم سے رضا کار صلیبی جوق در جوق چلے آ رہے تھے۔ مرد کیا عورتیں بھی عکا کے ساحل پر اتر رہی تھیں۔ کاتب عماد اصفہانی بتاتے ہیں:

''تین سو حسین وجمیل فرنگی عورتیں ایک بحری جہاز میں سوار ہو کر عکا پہنچیں۔ ان کا تعلق یورپی جزائر سے تھا۔ پردیسی صلیبیوں کی مدد کے لیے انہوں نے وطن چھوڑ دیا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ اس قربانی سے بڑھ کر کوئی قربانی نہیں ہو سکتی اور اس عبادت سے افضل کوئی اور عبادت نہیں۔''

انہی کا بیان ہے:

''ایک یورپی رئیسہ پانچ سو گھڑ سواروں، غلاموں اور خدام کے ساتھ ساحل پر اتری، یہ خاتون اس فوج کے تمام اخراجات کی کفالت کر رہی تھی اور ان پر کھلا خرچ کر رہی تھی۔ یہ فوج گھوڑوں پر سوار، ساز وسامان سے آراستہ اور زادِ سفر سے لدی ہوئی تھی۔''

کاتب عماد یہ بھی بتاتے ہیں کہ ایسی عورتیں دست بدست جنگ میں حصہ لیتی تھیں۔ باقاعدہ مردوں کے بھیس میں زرہ بکتر اور خود پہن کر شہ سواری کرتی تھیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''گھر کی زینت بننے کے قابل یہ عورتیں جنگجو مردوں کا کردار ادا کر رہی تھیں۔ اپنی فطری نازک اندامی کے باوجود وہ جفاکش تھیں، زرہ بکتر کے سوا وہ کوئی اور لباس نہیں پہنتی تھیں۔ اس لیے جب تک انہیں گرفتار کر کے غیر مسلح نہ کیا جاتا، پہچاننا ممکن نہیں تھا۔ جنگوں میں ایسی کچھ عورتیں گرفتار بھی ہوئیں اور باندیاں بنا کر فروخت بھی کی گئیں۔ جہاں تک ان کی بوڑھی عورتوں کا تعلق ہے ان کا جم غفیر موجود تھا، وہ کبھی حملوں میں بھی شریک ہوتیں اور کبھی اپنے سپاہیوں کو برانگیختہ کرتیں۔ وہ کہتی تھیں: صلیب تب ہی خوش ہوگی جب تم جتے رہو گے اور فنا ہوئے بغیر تم بقا کی منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔ پس ان کے مردوزن کا گمراہی میں یہ اتحاد واتفاق قابلِ دید ہے۔''[5]

<u>فرنگی حسینائیں، سامانِ ہوس پرستی</u>: فرنگی عورتوں کا کام فقط جنگ میں حصہ لینا ہی نہ تھا۔ وہ صلیب کی خاطر اپنی عصمت و ناموس قربان کرنا بھی عبادت سمجھتی تھیں۔ جنگوں کی مشقت اٹھانے والے فرزندانِ صلیب کو جنسی طور پر آسودہ کرنے کے لیے وہ بلا تکلف خود کو پیش کر دیتی تھیں۔ خصوصاً وہ صلیبی جو کنوارے تھے یا اپنی بیگمات کو ساتھ نہیں لائے تھے، ان کے حسن و جمال سے پورا پورا لطف لیتے تھے اور ان کی قربت سے اپنے نفسانی پیاس بجھاتے تھے۔ کاتب عماد اصفہانی کہتے ہیں:

[5] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 107/4

"اہلِ یورپ کے ہاں کنواری عورتوں کے کنوارے مردوں سے جنسی تعلقات میں کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا بلکہ ان کے پادریوں کے ہاں یہ بات نہایت مقدس اور پاکیزہ ہے کہ تکلیفیں جھیلنے والے کنواروں کو ایسی عورتوں کے ناموس سے کھیلنے کا راستہ مل جائے۔"[1]

<u>مسلمانوں کیلئے دامِ فرنگ</u>: مگر بات صرف اتنی نہیں تھی۔ یہ خوبصورت لڑکیاں مسلمانوں کو بھی بہلاتی پھسلاتی تھیں، انہیں اپنی محبت کے جال میں پھانس کر یا شہوانی تسکین کے لالچ میں مبتلا کر کے گمراہ کر دیتی تھیں۔ سلطان کے وقائع نگاروں نے ایسے واقعات کی تفصیل بیان نہیں کی مگر اتنا بتایا ہے کہ متعدد کمزور مسلمان حسن و عشق اور جنسی گرم بازاری کی کھائی میں گر کر میدانِ جہاد سے بھاگ رہے تھے اور فرنگی طوائفوں کے خیموں اور اڈوں میں منہ کالا کر رہے تھے۔ ان کی ساری ہمدردیاں اور وفاداریاں فرنگیوں کے لیے وقف ہو جاتی تھیں۔ اس تلخ حقیقت کا ثبوت سلطان کے وقائع نگار عماد اصفہانی کے یہ فقرے ہیں:

"ہمارے لشکر سے بے وقوف مملوکوں اور جاہل غلاموں کی ایک جماعت باغی ہو کر بھاگ نکلی، انہیں ہوس نے گھسیٹ لیا تھا۔ انہوں نے گمراہ لوگوں کی پیروی کی، پھر ان میں سے کچھ تو ذلت و رسوائی کے ساتھ اس لذت آشنائی سے مطمئن رہے اور کچھ لوگ اس لغزش پر پچھتائے، چنانچہ انہوں نے (فرنگیوں کی چھاؤنی سے) نکلنے کے لیے حیلہ سازی سے کام لیا۔ ہاں اگر کوئی اس ہوس پرستی کا عادی بن گیا تو پھر وہ لوٹ کر نہ آیا۔ جو شخص اس طرح ان سے جا ملا، ملزم بن جانے کی وجہ سے اس کی حالت سنگین ہو گئی اور اس کے لیے شہوت کا دروازہ پاٹوں پاٹ کھل گیا کیوں فرنگیوں کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا کہ کوئی کنواری لڑکی ان لوگوں کو شہوت پوری کرنے کا موقع دے جو بیویوں سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے بلکہ پادریوں کے نزدیک یہ معاملہ بڑا پاکیزہ ہے کہ تکلیف میں گھرے ہوئے لوگ اور بیویوں سے محروم مرد کنواری لڑکیوں سے شہوت پوری کریں۔"[2]

<u>کبوتروں کا کمال</u>: عکا کی کوئی خبر اب سلطانی کیمپ تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ وہاں مزید خوراک و رسد پہنچانا بھی ممکن نہیں رہا تھا کیونکہ یہ شہر اب ایک بار پھر بحر و بر دونوں طرف سے فرنگیوں کے محاصرے آ چکا تھا۔ سلطان کے معسکر میں اس صورتحال سے پریشانی پھیل رہی تھی کیونکہ شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جس کا کوئی نہ کوئی عزیز یا رشتہ دار عکا میں نہ ہو۔ عکا میں خوراک کا ذخیرہ تو فوراً ختم ہو جانے کا خطرہ نہ تھا مگر وہاں سے مواصلاتی رابطے کا مکمل انقطاع بے حد خطرناک تھا۔ سلطان کی مجلسِ مشاورت میں اس مسئلے پر غور ہوا اور آخر ایک حل نکال لیا گیا۔

---

[1] حسب سلاطین کی اطلاعات، 4/106
[2] کتب ارزشی: 4/105_106

شام میں کبوتروں کے ذریعے پیام رسانی ایک عرصے سے جاری تھی۔ خود سلطان کے زیر انتظام بعض شہروں اور فوجی کیمپوں میں یہ ذریعۂ مواصلات کامیابی سے استعمال ہو رہا تھا جبکہ فرنگی اس سے قطعاً نابلد تھے۔ یہ پیغامات خفیہ زبان (کوڈ ورڈز) میں لکھے جاتے تھے۔ بھیجنے کا طریقہ یہ تھا کہ پیغام کی پرچی کو لپیٹ کر بتی کی شکل دے دی جاتی۔ پھر اسے پیتل یا تانبے کی نلکی میں ڈال کر ڈھکن لگا دیا جاتا۔ یہ نلکی ایک ریشمی ڈوری کے ذریعے پیام رسان کبوتر کے پیروں سے باندھ دی جاتی۔ کبوتروں کو اترنے کے لیے مخصوص چھجوں کی پہچان کرادی جاتی تھی اور مطلوبہ مقامات پر ایسے چھجے لگا دیے جاتے تھے۔ کبوتر ان کے درمیان پرواز کرتے رہتے تھے اور درمیان میں کہیں نہیں اترتے تھے۔ غرض سلطان کے افسران نے ایسے کبوتروں کے ذریعے عکا سے پیام رسانی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ طریقہ اتنا کامیاب ہوا کہ دن بھر میں کبوتروں کی کئی کئی پروازیں عکا جاتیں اور آتیں۔ اس کام کے لیے سرکاری کبوتر کم پڑ گئے۔ تب سلطان کے ایسے سپاہیوں کے کبوتر کام آئے جو شوقیہ کبوتر بازی کیا کرتے تھے۔ یہ کبوتر باز عادت سے مجبور ہو کر اپنے پالتو کبوتروں کو جہادی سفر میں بھی ساتھ لے آئے تھے۔ ان کے خیموں کے ساتھ لکڑی کے کھمبے اور بانس کے چھجے دور سے نظر آجاتے تھے۔ پالتو کبوتر دور دور تک پرواز کر کے واپس اپنے مالک کے چھجے پر ہی آکر بیٹھتے تھے۔ سنجیدہ قسم کے افسران اور سپاہی ان پر اعتراض بھی کرتے، کوئی کہتا: ''یہ کیا فضول مشغلہ ہے!!'' کوئی کہتا: ''یہ کیسا جنون ہے!!'' کوئی سمجھاتا: ''بھائی! اس کا کوئی فائدہ نہیں۔''

مگر اس موقع پر یہی مشغلہ کام آگیا جس سے عکا سے رابطے کی ناگزیر ضرورت پوری ہوتی رہی۔ ان پرندوں کے سہارے عکا والوں کو باہر کے تازہ حالات کا علم ہوتا رہا اور وہ بھی اپنی ضروریات اور مسائل سلطان تک پہنچاتے رہے۔ سلطان کے ہاں ان تازہ مسائل پر مشورہ ہوتا اور ان کا حل نکالنے کی کوشش کی جاتی۔ [1]

پیراکوں کا کارنامہ: کبوتر پیغام تو لے جاتے تھے مگر وہ دوسری چیزیں لے جانے سے قاصر تھے۔ انہیں خفیہ الفاظ میں لکھے گئے مختصر پیغامات کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ وہ باقاعدہ سفیر کا کام نہیں دے سکتے تھے۔ اس لیے عکا کے امراء تک اہم چیزیں اور تفصیلی مراسلے پہنچانے اور ان سے زبانی بات چیت کے لیے پیراکی کے ماہرین سے کام لیا جانے لگا۔ یہ جانباز پیراک رات کی تاریکی میں ساحل کے کسی ویران گوشے سے سمندر میں کود جاتے اور تقریباً اڑھائی تین میل تک تیر کر عکا پہنچ۔ سمندر میں

---

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/114، 115 بحوالہ اخبار مصر۔

نوٹ: کبوتروں کے ذریعے پیام رسانی کا سلسلہ مسلم حکمرانوں میں سب سے پہلے سلطان نور الدین زنگی نے 567 ہجری میں شروع کیا تھا جس سے پوری سلطنت میں مواصلات کا نظام بہت تیز ہو گیا تھا (الکامل: ج 10 ص 38))۔ بعد میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے بھی اسے اپنایا۔ فرنگی اس طریقے سے بالکل ناواقف تھے۔

گشت کرتی صلیبی کشتیوں سے بچنے کے لیے انہیں بے حد احتیاط کرنا پڑتی۔ خاصا فاصلہ زیر آب طے کرنا ہوتا تھا۔ شروع شروع میں یہ کام نہایت مشکل ثابت ہوا۔ کئی پیراک جان سے ہاتھ دھو بیٹھے مگر دوسروں نے ہمت بلند رکھی۔ آہستہ آہستہ وہ غوطہ خوری اور تیراکی میں غیر معمولی حد تک مشاق ہو گئے اور فرنگیوں کی نظروں سے بچ نکلنا ان کے لیے عام سا کام بن گیا۔

یہ مجاہدین عموماً ایسے اہم ترین پیغامات لے کر جاتے تھے جن کے لئے کبوتروں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بعض اوقات یہ نقد رقم کی تھیلیاں اور خاص چیزیں بھی کمر سے باندھ کر لے جاتے تھے۔

سلطان ایوبی نے اس پُر خطر کام میں حصہ لینے والوں کے لئے خزانے کا منہ کھول دیا تھا، اس لئے ان کے حوصلے تازہ رہتے تھے۔ کامیاب پیغام رسانی کے باعث اہلِ عکا کی ہمت بھی برقرار رہی۔ مشرق یا مغرب میں فرنگیوں کو کوئی نقصان پہنچتا تو ایسی خبر سلطان کے خیمے تک پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد عکا والوں بھی معلوم ہو جاتی تھی، وہ فصیل پر چڑھ کر فرنگیوں کو چڑاتے، ان پر فقرے کستے۔ یہ دیکھ کر گنوار صلیبی بہت حیران ہوتے تھے کہ اتنے سخت محاصرے کے باوجود انہیں ہر پل دور دراز کی خبریں کیسے ملتی رہتی ہیں۔ بعض فرنگیوں کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے قبضے میں جنات ہیں جو انہیں خبریں لا کر دیتے ہیں۔ [1]

<u>موصل کا امدادی سامانِ حرب</u> ❀ آمدِ بہار کے ساتھ ساتھ سلطان کو اسلامی ممالک سے امداد ملنا شروع ہو گئی، قاضی بہاؤ الدین شداد نے اپنی سفارتی مہم بڑی ذمہ داری سے انجام دی تھی۔ موصل کے حکمران علاؤ الدین مسعود نے آتش گیر مادے کی تیاری میں کام آنے والے سیال مادے نفطِ سفید کے ذخائر، نئی عمدہ ڈھالیں اور بڑی مقدار میں مضبوط نیزے روانہ کیے، سلطان کو یہ اسلحہ موصول ہوا تو خوش ہوئے اور اظہارِ تشکر پر مشتمل جوابی مراسلے میں لکھوایا:

"اسلحہ موصول ہوا اور اسلام کے دفاع کی خاطر کفر کو زخم لگانے کی تیاری مکمل ہوئی۔ بے شک وہ جنگ جس میں حریف کو مسلسل کمک پہنچ رہی ہو، سب لوگوں پر لازم ہو جاتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ دشمنوں کی خاصی تعداد فنا ہو جاتی ہے مگر دشمن ختم نہیں ہوتے۔ وہ کٹنے کے باوجود اس طرح اگتے ہیں جیسے پودے۔ سمندر سے ان کی کمک آ رہی ہے اور کفر انہیں ہلاکت کی طرف دھکیل رہا ہے۔" [2]

<u>کفر پنجے پھیلائے ہوئے ہے</u> ❀ انہی دنوں سلطان نے دربارِ خلافت میں ایک مراسلہ بھیج کر محاذ کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھا:

"تین سال گزر گئے ہیں کہ تثلیث نے توحید کے خلاف اسلحہ اٹھایا ہوا ہے۔ کفر اپنے پنجے

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/118، 119

[2] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/104

پھیلائے ہوئے ہے۔اب تک کے خون ریز اور ہولناک واقعات میں فرنگیوں کے بیس ہزار سے زائد گھڑسوار، پیادے، نیزہ بردار اور تیر انداز مارے جا چکے ہیں مگر اس سے ان کی تعداد میں کمی کا کوئی اثر نظر نہیں آ رہا بلکہ انکی آتشِ ہوس مزید بڑھی ہے۔یہ دشمن اکیلا نہیں ہے کہ کوئی اس کے خلاف منصوبہ بندی سے کامیابی حاصل کرے اور اسے برباد کر ڈالے بلکہ ان سب لوگوں پر مشتمل ہے جو سمندر پار کفرستان میں آباد ہیں۔ان کے ہر شہر، ہر قصبے، ہر چھوٹے بڑے علاقے نے اس جنگ کے لئے اپنے بحری جہاز بھیجے ہیں، اپنے لشکر تیار کیے ہیں، اپنے باشندوں کو ابھارا ہے، اپنی پوشیدہ دولتوں کو ظاہر کیا ہے، ان کے غیور لوگ جوش میں بھر گئے ہیں، ان کے چلنے والے چل پڑے ہیں، جھپٹنے والے جھپٹ رہے ہیں، انہوں نے اپنے خزانے بکھیر دیے ہیں، سرمایے کی دکانیں الٹ دی ہیں، اپنے انبار اجناس لاد لیے ہیں اور بہترین سامان خرچ ڈالا ہے۔انہوں نے گرجوں کے مدفون خزانے پیش کر دیے ہیں اور زمین میں گڑی نہایت قیمتی اشیاء نکال لی ہیں۔ان کے بشپوں اور پادریوں نے صلیبیں اٹھالی ہیں، اپنی فوجوں سے کھلی شاہراہوں اور راستوں کو بھر دیا ہے۔وہ چھنی ہوئی صلیب کی بازیابی کے لیے کمر بستہ ہو گئے ہیں اور اپنی قوم کو پہنچنے والے صدمے کے باعث متحد ہو چکے ہیں۔انہوں نے اپنی محفلوں میں آواز بلند کی ہے کہ مصیبت نے ان کے شہروں کو لپیٹ میں لے لیا ہے، اسلام نے ان کے القدس میں رہنے والے بھائیوں کو تباہ کر دیا ہے، اب اسلام سے جنگ کے لیے جو ترکِ وطن کرے گا اس کے گناہ بخشے جائیں گے، اس کے عیوب جاتے رہیں گے۔جو سفر سے عاجز ہو وہ مال و اسباب اور دولت سے حتی الامکان مدد کرے۔پس اب صلیبی جو پہلے سوگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے، اب لوہے میں ملبوس آن پہنچے ہیں اور ان لوگوں کو مسلسل کمک پہنچ رہی ہے۔''[1]

<u>قلعہ شقیف ارنوم سرنگوں</u> ❁ 15 ربیع الاول 586ھ (22 اپریل 1190ء) کو مسلمان ایک اور خوشخبری سن رہے تھے۔ناقابلِ تسخیر قلعہ شقیف ارنوم (بالفورٹ) سرنگوں ہو گیا تھا۔مسلمانوں نے ایک سال سے اس کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ویسے تو قلعہ کی دیواریں اب بھی مسلمانوں کی پہنچ سے باہر تھیں مگر قلعہ کی محصور سپاہ نے سوچ بچار کے بعد مسلمانوں کو یہ پیش کش کی کہ اگر ان کے آقا ریجی نالڈ (حاکم صیدا) کو رہا کر دیا جائے اور ان سب کو جان کی امان دے دی جائے تو وہ قلعہ حوالے کرنے کے لئے تیار ہیں۔یہ سلطان کی دانائی تھی کہ انہوں نے ریجی نالڈ کو بدترین فریب کاری کا مجرم ہونے کے بعد بھی قتل

[1] الروضتین:4/105

نہیں کیا تھا۔ اب یہی مہرا مسلمانوں کے لئے ناقابلِ تسخیر بالفورٹ کے دروازے کھول رہا تھا، مذاکرات کے کئی مراحل کے بعد ایک معاہدہ ہو گیا جس کے مطابق اہلِ قلعہ مال و دولت، سامانِ حرب اور ذخائرِ خوراک مسلمانوں کے حوالے کر کے امن و امان کے ساتھ صور کی جانب نکل گئے، ریجی نالڈ کو رہا کر دیا گیا تھا، وہ بھی ان کے ساتھ چلا گیا۔ [1]

<u>خلیفہ بغداد کا سفیر اور امدادی سامان</u> پیر 16 ربیع الاول (23 اپریل 1190ء) کو خلیفہ بغداد کی جانب سے ایک نوجوان سفیر شریف فخر الدین سلطان کی خدمت میں پہنچا۔ خلیفہ نے اس کے ساتھ آتش گیر اسلحے کے پانچ تجربہ کار انجینئر اور نقب لگانے اور سرنگیں کھودنے والے کچھ ماہرین روانہ کیے تھے۔ نیز دوں، روغن نفط کے مٹکوں اور آتشی آلات پر مشتمل اسلحہ بھی بھیجا تھا۔

سفیر نے سلطان کو خلیفہ کا ایک خصوصی رقعہ (ایک قسم کا کریڈٹ کارڈ) بھی دیا جسے تاجروں کے حوالے کر کے ان سے 20 ہزار دینار کا سامان لیا جا سکتا تھا اور یہ رقم دربارِ خلافت کے خزانے پر قرض ہوتی۔ مگر سلطان نے خلیفہ کو گراں بار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ دیگر چیزیں تو بسروچشم قبول کر لیں مگر رقم کی وصولی والا رقعہ شکریہ کے ساتھ واپس کرتے ہوئے اپنے جوابی مکتوب میں مؤدبانہ انداز سے خلیفہ کو لکھا:

> ''میرے پاس جو کچھ ہے وہ دربارِ خلافت ہی کا عطیہ ہے۔ اگر جہاد کے لیے سرمایہ خرچ کرنے کی ضرورت درپیش نہ ہوتی تو میں ان شہروں کی تمام آمدنی دربارِ خلافت کی نذر کر دیتا۔''

سلطان کئی بار خلیفہ کے سفیر کو ساتھ لے کر میدانِ جہاد تک گئے اور اسے فرنگیوں اور اپنے محافظ سپاہیوں کے درمیان کش مکش کا نظارہ کرایا۔ معزز سفیر خاصے دنوں تک سلطان کی خدمت میں رہنے کے بعد واپس لوٹا۔ [2]

خلیفہ کی جانب سے جو آتشیں اسلحے کے ماہرین آئے تھے وہ پیٹرول سے ملتی جلتی ایک چیز روغن نفط کو کمانوں اور منجنیقوں کے ذریعے دشمن پر پھینکنے کے ماہر تھے۔ کمانوں پر ایسے تیر چڑھا کر چلائے جاتے تھے جن کی نوک پر آگ کی بھڑکتی بتی لپٹی ہوتی تھی۔ منجنیقوں میں پتھروں کی جگہ تیل کی کپیاں، ہانڈیاں یا مٹکے رکھے جاتے تھے اور انہیں شعلہ دکھا کر دشمن پر پھینک دیا جاتا تھا۔ جب یہ اسلحہ استعمال ہوتا تو بالکل یوں لگتا تھا جیسے کوئی ہولناک اژدھا اپنے منہ سے شعلے اگل کر ہر شے کو بھسم کرنے پر تلا ہے۔ یہ انجینئر سلطان کی فوج میں ایک نہایت کارآمد اضافہ تھے۔ صلیبی افواج میں حفاظتی انتظامات مثلاً پوری

---

[1] النوادر السلطانیہ: 181، 182
[2] النوادر السلطانیہ: 183، 184، تاریخ ملتِ اسلامیہ/الکامل فی التاریخ: 4/120

زرہ بکتر، بڑی ڈھالوں اور پورے چہرے کو چھپا لینے والے خودوں کا اہتمام بہت زیادہ ہوتا تھا مگر وہ علم کیمیا اور طبعیات میں مسلمانوں سے بہت پیچھے تھے اس لئے آتشیں اسلحے کا ماہرانہ استعمال نہیں جانتے تھے۔ مسلمانوں کے آتشیں اسلحے کو وہ گریک فائر (یونانی آگ) کہتے تھے۔

اسلامی افواج کی آمد ❊ سلطان کی افواج جو موسم سرما کی رخصت پر تھیں اپنے اپنے صوبوں میں مرتب ہو کر ایک بار پھر محاذ کا رخ کر رہی تھیں۔ کچھ دنوں کے بعد دمشق، حمص، حماہ اور دیگر شہروں سے آنے والے افواج کے ہراول دستے خدمت سلطانی میں پہنچ گئے اب جنگ کے لیے ساز گار ماحول مہیا ہو گیا تھا۔ 18 ربیع الاوّل 586ھ (25 اپریل 1190ء) کو سلطان نے تازہ دم افواج کے ساتھ وادیٔ عکا کا رخ کیا اور تل کیسان پر کیمپ لگایا۔ وادیٔ عکا ایک بار پھر مجاہدین اسلام سے آباد ہو گئی۔

اس بار بھی کیمپ کی ترتیب صف بندی کے اصولوں پر کر کے اسے قلب، میمنہ، میسرہ اور مزید تین تین ذیلی حصوں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ شمال میں میمنہ کے آخری سرے پر تقی الدین کی سپاہ کا قیام تھا اور جنوب میں میسرہ کے آخری کونے پر الملک العادل کے خیمے تھے۔ شہزادہ الملک الافضل میمنۂ قلب کی پہلی صف میں تھا اور اس کا بھائی الظافر میسرۂ قلب کی پہلی صف میں ایک کونے پر تھا۔ [1]

ہولناک دبابے عکا کے سامنے ❊ ادھر صلیبیوں نے سات ماہ کی مسلسل جد جہد سے تین دیو ہیکل دبابے تیار کر لیے تھے جو اہرام کی مانند بلند اور کسی چٹان کی طرح مضبوط تھے۔ دور سے وہ لوہے اور لکڑی کا ایک پہاڑ نظر آتے تھے۔ صلیبی مورخین کے بقول اتنا بڑا کام شکستہ جہازوں اور کشتیوں کی لکڑی سے کیا گیا تھا مگر عرب مورخین بتاتے ہیں کہ اس کے علاوہ انہیں یورپ سے آنے والے جہازوں کے ذریعے خاص قسم کی لکڑی پہنچائی جاتی تھی۔ بہر صورت اتنی بات طے ہے کہ اس کام کے لیے شام کے جنگلات کی عام لکڑی کام نہیں آسکتی تھی۔

ان دبابوں کا نچلا حصہ پہیہ دار گاڑی کی مانند تھا۔ ان میں اوپر تلے پانچ منزلیں تھیں۔ نچلی منزل زیادہ وسیع تھی۔ پھر ہر بالائی منزل نچلی منزل کی بنسبت تنگ ہوتی تھی، تاہم بالائی سطح بھی اتنی کھلی تھی کہ اس پر منجنیق سمیت چالیس پچاس سپاہی کھڑے ہو سکتے تھے۔ ان منزلوں کو باہم ملانے کے لئے اندر زینے بنے ہوئے تھے۔ ہر منزل پر سامنے کی جانب آہنی جنگلے اور تختے لگے ہوئے تھے جن پر بڑے بڑے فولادی تیروں والی دیو پیکر کمانیں نصب تھیں۔ یہ تیر اتنے بڑے اور وزنی ہوتے تھے کہ سپاہیوں کی زرہ بکتر کو پھاڑ کر ان کی ہڈیاں توڑتے ہوئے پار ہو جاتے تھے۔ دبابوں کی ہر منزل پر سوراخ دار

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/119_120

مورچے بنے ہوئے تھے جن کی اوٹ سے دشمن پر تیر اندازی اور سنگ باری کی جاسکتی تھی۔ مجموعی طور پر ان سب منزلوں میں پانچ سو سے زائد سپاہی مورچہ زن ہوسکتے تھے۔ عرب مؤرخین کے الفاظ میں گویا یہ متحرک برج تھے۔ دبابوں کا بالائی سرا عکا کی فصیل سے بھی اونچا تھا۔ ہر دبابے کے آگے مشینی پل لگے تھے جو عام حالات میں اوپر کی طرف کھڑے رہتے تھے مگر فصیل تک پہنچ کر ان پلوں کو گرا کر فصیل سے ملا دیا جاتا تھا۔ دبابے میں موجود سپاہی ڈھالوں کی آڑ میں ان پلوں کے ذریعے سیدھے فصیل پر کود سکتے تھے۔

دبابوں کی چوبی دیواروں کو پہلے لوہے کی چادروں اور پھر مٹی کے پلاستر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ مزید حفاظت کے لئے ان پر ایسا چمڑا لپیٹ دیا گیا تھا جو سرکے اور خاص قسم کے کیمیائی محلول سے بھیگا ہوا تھا جس پر آگ اثر نہیں کر سکتی تھی۔ ہر دبابے کی بلندی 75 فٹ سے زائد تھی اور نچلی سطح کا طول و عرض تیس تیس فٹ سے کم نہ تھا۔ انہیں تیار کرنے کے بعد صلیبی پرامید تھے کہ اب وہ عکا کی بلند بالا فصیل پھلانگ سکتے ہیں۔ صرف ایک رکاوٹ رہ گئی تھی اور وہ تھی عکا کی خندق جس کے ہوتے ہوئے دبابے فصیل تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ فرنگیوں نے اس کا علاج بھی سوچ لیا تھا اور شہر کے تین گوشوں میں خندق کا تھوڑا تھوڑا حصہ آپس میں بانٹ کر کئی ہفتوں سے اسے پُر کرنے میں جتے ہوئے تھے۔ یہ کام عکا کے مسلمانوں کی مزاحمت کے باوجود جاری تھا اور اس کی تکمیل میں ذرا سی کسر ہی باقی رہ گئی تھی۔ صلیبی خوش تھے کہ عکا کی فتح اب چند دنوں کی بات ہے۔ دبابے ان کے لیے فتح کی ضمانت تھے۔ ان تین دبابوں میں سے ایک پر شاہ گائی کا، دوسرے پر کونرڈ مارکوئس کا اور تیسرے پر لینڈ گارف کا پرچم پھڑ پھڑا رہا تھا۔ ①

فرنگیوں کو عکا پر حملے کے لیے پر تولتا دیکھ کر سلطان نے تل کیسان پر کیمپ لگاتے ہی 18 ربیع الاول 586ھ (25 اپریل 1190ء) کو اپنے لشکر کو صف بندی کا حکم دے دیا تا کہ اگر فرنگی عکا پر حملہ آور ہوں تو وہ پشت سے حملہ کر کے ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لیں۔ اسی دن عکا سے ایک ماہر تیراک سمندر میں تیرتا اور فرنگیوں کی کشتیوں سے بچتا بچاتا سلطان کے کیمپ میں پہنچا اور بتایا کہ عکا والے نہایت سخت محاصرے میں ہے اور فرنگی شہر پر قبضہ کرنے کے قریب ہیں۔ ②

شدید معرکوں کا ہفتہ ❁ 20 ربیع الاول 586ھ (27 اپریل 1190ء) کا دن بڑا ہنگامہ خیز تھا۔ دونوں فریق کئی ماہ کے وقفے کے بعد ایک بار پھر وادئ عکا میں پھیل گئے تھے۔ فرنگیوں نے سلطان کی صف بندی دیکھ کر اپنی ٹڈی دل افواج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک حصہ دبابوں کے ساتھ فصیل پر حملے کے لئے تیار تھا اور دوسرا سلطان کے حملوں کو روکنے کے لئے مستعد تھا۔

① النوادر السلطانیہ: 185، الکامل فی التاریخ: 10/191 تحت 586ھ ② النوادر السلطانیہ: 185، الکامل فی التاریخ: 10/192 تحت 586ھ

آخر کار معرکے کا آغاز ہوا۔ میدان میں مسلمانوں اور صلیبیوں کی افواج کا ایک ایک حصہ باہم نبرد آزما ہوئے اُدھر ہزاروں صلیبیوں نے چھاؤنی سے نکل کر عکا کی فصیل کا رخ کیا۔ ان کے پیچھے سینکڑوں فرنگیوں نے دبابوں کو چھاؤنی سے نکال کر فصیل کی طرف دھکیلنا شروع کیا۔ انہیں فصیل تک لے جانا ایک دن کا کام نہیں تھا۔ پہاڑ جیسے دبابے بمشکل ہلائے جا سکتے تھے۔ صلیبی چیونٹیوں کی طرح ان سے چمٹے ہوئے تھے اور انہیں فصیل کے تین الگ الگ گوشوں کی طرف لا رہے تھے، ان کو فصیل تک پہنچانے کے لئے الگ الگ راستے پہلے ہی قدرے ہموار کر لئے گئے تھے۔ اب ہر دبابہ نہایت آہستہ آہستہ اپنے خاص مقام کی طرف سرک رہا تھا۔

ان خوف ناک متحرک برجوں کو دیکھ کر عکا کے مسلمان دہشت زدہ تھے۔ بہر کیف انہوں نے اللہ کا نام لے کر دبابوں کو روغنِ نفط کی ہانڈیوں کا نشانہ بنایا اور ہر قسم کا دور مار آتشیں اسلحہ استعمال کر ڈالا مگر دبابوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اہلِ عکا بھونچکا رہ گئے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ ان کی مدافعت زیادہ دنوں تک برقرار نہیں رہ سکے گی۔ سلطان کی چھاؤنی سے بھی یہ متحرک برج صاف نظر آ رہے تھے اور وہاں بھی ایک تشویش کا عالم تھا۔

لڑائی کے پہلے دن فرنگی گھڑ سوار اور پیادوں نے سب سے پہلے شہر پر بھرپور انداز میں حملہ کیا تاکہ محصورین کو مشغول رکھ کر دبابوں کو قریب آنے کا موقع دیں۔ عکا کے محصورین نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور گڑگڑاتے ہوئے خوفناک دبابوں کو فصیل کے قریب نہ پہنچنے دیا۔ ان کی مسلسل سنگ باری اور تیر اندازی کے سبب فرنگی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اُدھر صلاح الدین ایوبی کے سپاہی بھی دن بھر فرنگیوں پر مسلسل حملے کرتے رہے مگر وہ انہیں عکا پر حملوں سے باز نہ رکھ سکے۔ دن بھر لڑائی جاری رہی، رات ہونے پر سب نے اپنے اپنے ٹھکانوں کا رخ کیا، فرنگی اس رات بے حد مسرور تھے، انہیں یقین تھا کہ وہ ایک دو روز میں عکا پر قابض ہو جائیں گے اور پھر ارضِ مقدس کا رخ کر سکیں گے۔

اُدھر سلطان کو بھی اس دن میدان جنگ کی صورتحال سے خطرہ محسوس ہو رہا کہ فرنگی کسی بھی وقت شہر کو سر کر سکتے ہیں چنانچہ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ خیمہ گاہ کو میدان جنگ کے مزید قریب لے جائیں تاکہ عکا پر فرنگیوں کے ہر حملے کو براہ راست دیکھ سکیں اور فوری جوابی کارروائی کر سکیں۔

پانچ دن تک گھمسان کی لڑائی جاری رہی۔ چھٹے دن 25 ربیع الاول 586ھ (2 مئی 1190ء) کو اسلامی لشکر اپنے خیموں اور سامان رسد سمیت عکا کے نزدیک "الخروبہ" کے ٹیلوں پر آ گیا۔ اسی دن

سلطان کو عکا سے خبر موصول ہوئی کہ دشمن نے خندق کو کئی مقامات سے مکمل پاٹ ڈالا ہے اور اب کسی بھی وقت براہ راست فصیل پر حملہ کر سکتا ہے۔ ①

سلطان نے لشکر کو فیصلہ کن حملے کے لیے تیار کیا اور ساتھ ہی دوسرے شہروں کے حکام کو قاصد روانہ کیے کہ وہ جلد از جلد افواج کو لے کر محاذ پر پہنچیں۔ اگلے دو دنوں میں سلطان نے پے در پے حملوں کے ذریعے جان توڑ کوشش کی کہ صلیبیوں کا زور شہر کی جانب سے ہٹا دیا جائے مگر انہیں کامیابی حاصل نہ ہو ئی۔ فرنگی عددی اکثریت کی بنا پر آسانی سے دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے تھے۔ ایک حصہ سلطان کے حملے روکتا رہتا تھا اور دوسرا پوری تندہی سے فصیل پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

ہیب دیو نما دبابے فصیل کے قریب آ گئے تھے۔ ان پر نصب منجنیقیں بڑے بڑے پتھر پھینک کر شہر میں تباہی مچا رہی تھیں۔ ہیبت ناک کمانوں سے دو دو گز لمبے تیر زناٹے کے ساتھ نکل کر فصیل پر جمے ہوئے مجاہدین کی ڈھالوں، زرہوں اور جسموں کے پرخچے اڑا رہے تھے مگر عکا کے مسلمان اس کے باوجود نہایت پامردی سے اپنا دفاع کر رہے تھے۔

عکا میں سلطان کا نائب بہاؤ الدین قراقوش جسے الخادم الابیض کہا جاتا تھا، پوری ہوشیاری سے حریف کے حملے روک رہا تھا۔ یہ درشت مزاج امیر بیک وقت ایک نابغۂ روزگار انجینئر اور ایک تجربہ کار جرنیل تھا۔ قلعہ سازی اور قلعوں کی مدافعت کے فن کا ماہر تھا۔ آتش بار آلات کی ناکامی کے بعد وہ منجنیقوں سے دبابوں پر بھاری پتھروں کی بارش کر رہا تھا مگر ان ضربات سے دبابوں کے بڑے بڑے شہتیر فقط چرا چرا کر رہ جاتے تھے۔ ان کی قدرتی لچک پتھروں کی مار برداشت کر رہی تھی۔ قراقوش کی کارروائی سے دبابوں کو فصیل کے قریب لانے کی رفتار تو سست پڑ جاتی تھی مگر وہ کچھوے کی طرح دھیرے دھیرے سرکتے آ رہے تھے۔ اُدھر میدان کی دوسری جانب سلطان صلاح الدین ایوبی یہ منظر دیکھ کر نہایت بے چین تھے۔ فرنگیوں کی صف بندی اور مدافعتی دیوار نہیں ٹوٹ سکی تھی۔ پھر صلیبی چھاؤنی بیچ میں ناقابل عبور رکاوٹ بن کر حائل تھی۔ سلطان ایوبی کا بس نہیں چلتا تھا ورنہ وہ ان کی محصورین کی مدد کے لیے اڑ کر پہنچ جاتے اور دبابوں کے پرخچے اڑا دیتے۔ ②

<u>الملک الظاہر اور کوکبری کی آمد</u>: جمعہ 27 ربیع الاوّل 586ھ (4 مئی 1190ء) کی صبح سلطان کا بیٹا شہزادہ الظاہر اپنے برق رفتار دستے کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوا، ابھی اس کی فوج ایک منزل دور پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی۔

---

① النوادر السلطانیہ، ص 184 ② کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 120/4

اسی دن شام کو مظفرالدین کوکبری اپنے خاص دستے کے ساتھ محاذ پر پہنچ گیا۔اس کی افواج ابھی راستے میں تھیں۔سلطان تازہ افواج کے ساتھ آنے والے ہر امیر اور سردار کا بنفسِ نفیس استقبال کرتے،اسے انعام واکرام سے نوازتے،اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا کر اس کی ضیافت کرتے اور اسے دشمن کی سرگرمیوں کا مشاہدہ کراتے۔پھر اس کے لیے خصوصی خیمہ لگا کر آرام کے لیے بھیج دیتے۔اجنبی امراء کے ساتھ یہ برتاؤ زیادہ اہتمام کے ساتھ ہوتا تاکہ وہ مانوس ہو جائیں اور مل کر جہاد کرنے میں خوشی محسوس کریں۔اس قسم کے نئے امراء میں دارا کا حاکم عمادالدین محمود بن بہرام الارتقی قابلِ ذکر ہے جس کا سلطان نے خاص اعزاز واکرام کیا۔[1]

<u>علی بن عریف کا کارنامہ</u>: دو دن سے سلطان فرصت کے لمحات میں ایک ہی بات سوچ رہے تھے کہ کسی طرح لکڑی کے ان دبابوں کو آگ لگا دی جائے۔مگر یہ بات سلطان کو بھی معلوم تھی کہ دبابے سر کے سے تر چمڑے میں لپٹے ہوئے ہیں اس لیے ان پر آتش باری کے عام آلات اثر نہیں کر سکتے۔اب انہیں کس طرح جلایا جائے؟ یہ سوال عکا کے مسلمانوں کی زندگی اور موت کے مسئلہ بن گیا تھا۔سلطان نے فوج کے تمام انجینئروں،عمل کیمیا کے ماہروں،نفاط (روغن نفط سے آگ لگانے والوں) زراق (آگ کی پچکاریاں پھینکنے والوں) اور دوسرے ہنر مندوں کو جمع کر لیا۔پہلے انہیں جہاد کے لیے متفکر کر کے اس مسئلے کی اہمیت کا احساس دلایا۔پھر اعلان کیا کہ اگر وہ آتش زدگی سے محفوظ ان دبابوں کو نذرِ آتش کرنے والا اسلحہ ایجاد کر لیں تو انہیں گراں قدر انعامات سے نوازا جائے گا۔

سب سوچ میں ڈوب گئے مگر کوئی یہ معمہ حل نہ کر سکا۔حاضرین میں دمشق کا ایک نوجوان علی بن عریف بھی تھا۔وہ کوئی باقاعدہ کیمیادان یا نفاط نہیں تھا مگر اسے آگ اور بارود کے تجربات سے غیر معمولی حد تک دلچسپی تھی۔اس نے اپنے پاس طرح طرح کے کیمیائی مادے،محلولات اور آلات جمع کر رکھے تھے اور ہر وقت ان سے نت نئے تجربات میں مشغول رہتا تھا۔نفط اندازی کے ماہرین اور آتشی ہتھیاروں کے کاریگر جب اسے دیوانوں کی طرح عجیب وغریب تحقیقات میں مشغول دیکھتے تو اس کا مذاق اڑاتے اور ان خطرناک تجربات پر اسے ملامت کرتے۔وہ بے چارہ جواب میں بس اتنا کہتا:

"میں بس ان چیزوں کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔میں بھلا انہیں جنگ میں کہاں استعمال کر سکتا ہوں۔"

اس طعن وتشنیع سے اس کا ذوق وشوق کبھی کم نہیں ہوتا تھا البتہ اسے فن کے ماہروں سے نفرت سی ہو گئی تھی۔

[1] النوادر السلطانیہ، ص 185؛ کتاب الروضتین: 4/124، 126؛ [illegible] ص 586۔

اس موقعے پر وہ بھی سلطان کی مجلس میں اس مسئلے پر کی جانے والی بحث سن رہا تھا۔ ابتداء میں وہ اپنی گمنام اور غیر معروف حیثیت کے لحاظ سے خاموش رہا کہ ماہرین فن خود اس کا حل نکال لیں گے، مجھ غریب کی بات پر کون توجہ دے گا۔ مگر جب بڑے بڑے ہنرمند انجینئر تھک ہار گئے تو اس نے کچھ کہنے کی اجازت طلب کی اور کہا:

"میں ایسے محفوظ دبابوں کو بھی جلا کر راکھ کر دینے کا فن جانتا ہوں۔ اگر مجھے کیمیائی عمل میں استعمال ہونے والے کچھ عناصر فراہم کر دیئے جائیں اور مجھے کسی طرح عکا پہنچا دیا جائے تو میں یہ کام کر کے دکھا دوں گا۔"

یہ سن کر سلطان کا مغموم و متفکر چہرہ خوشی سے جگمگانے لگا۔ انہوں نے اپنے امراء کو حکم دیا کہ وہ فوری طور پر اس نوجوان کو مطلوبہ عناصر مہیا کریں اور اسے کسی بھی قیمت پر عکا پہنچا دیں۔ آخر کار نوجوان کو کیمیائی عناصر کے ذخیرے کے ساتھ خصوصی تدبیر سے بحفاظت عکا میں داخل کر دیا گیا۔ وہ حاکم شہر قراقوش کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا:

"مجھے منجنیق چلانے کا موقع دیں۔ میں ان دیو قامت برجوں کو جلا کر بھسم ڈالوں گا۔"

تند مزاج قراقوش نے بے یقینی کے عالم میں اسے گھورا اور ڈانٹ کر کہا:

"اس فن کے ماہرین بھی ناکام ہو گئے ہیں۔ انہیں جلانے کی کوشش کر کر کے تھک گئے ہیں۔ اب تم بھلا کیا کر سکو گے؟"

مگر ابن عریف بضد رہا کہ اسے ایک موقع ضرور دیا جائے۔ اس نے کہا:

"آپ منجنیق کے کارندے کو کہیں کہ وہ میرا تیار کردہ مادّہ دبابے پر پھینکے۔ پھر میں اسے جلا کر رکھ دوں گا۔"

کچھ لوگوں نے اس کا دعویٰ سن کر قراقوش سے سفارش کی اور بولے:

"اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ دیکھیں تو سہی یہ کیا کرتا ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ اسے توفیق دے ہی دے اور اس کی خاص مدد کر دے۔"

قراقوش نے بادل نخواستہ اجازت دے دی۔ اب ابن عریف نے کیمیائی اجزاء کا وہ ذخیرہ لیا جو سلطان کے امراء نے اسے مہیا کیا تھا، اس نے ان عناصر کو روغن نفط میں ملا کر پیتل کی ہانڈیوں میں خوب پکایا حتیٰ کہ وہ عناصر شعلے کی طرح سرخ مواد کی شکل اختیار کر گئے۔ اب اس نے یہ مواد مرتبانوں میں محفوظ کر لیا۔

یوم تکبیر: ہفتہ 28 ربیع الاول 586ھ (5 مئی 1190ء) کو جب کہ لڑائی کا آٹھواں دن شروع ہوا تھا اور بقول علامہ ابن اثیر:

''دونوں فریق دن رات لڑ لڑ کر تھک چکے تھے۔''

ابن عریف نے اپنا یہ عجیب وغریب مرکب استعمال کیا۔ سہ پہر کے وقت جب سورج عکا کے محافظوں کی پشت کی جانب جھک چکا تھا، علی ابن عریف سپاہیوں کے ساتھ فصیل پر چڑھا جہاں منجنیقیں نصب تھیں۔ اس وقت گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی، فرنگی فصیل کے نیچے جمع تھے اور اوپر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے، مسلمان انہیں پتھروں نیزوں اور بھالوں سے روک رہے تھے۔ سامنے ایک مہیب دبابہ سر اٹھائے کھڑا تھا جس کی چوٹی پر درجنوں فرنگی ڈھالوں کی اوٹ میں تیار کھڑے تھے۔ دبابے کی درزوں سے دیو پیکر تیر برس رہے تھے۔ یوں لحہ بلحہ وہ فصیل کے قریب آتا جا رہا تھا، اس کا پل کھلنے کی دیر تھی کہ فرنگی عکا کی فصیل پر کود پڑتے۔

اس خوفناک ماحول میں علی اپنی زندگی کا سب سے اہم تجربہ کرنے جا رہا تھا۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ اس کے آس پاس کھڑے تمام مسلمانوں کا رواں رواں دعا گو تھا۔ چند سپاہیوں نے روغن خاص کے مرتبان لا کر اس کے قریب رکھ دیے۔ اس نے تیار حالت میں کھڑی منجنیق کی ہتھیلی پر ایک مرتبان رکھا اور اسے دبابے پر پھینکنے کا اشارہ کیا۔ منجنیق انداز نے دبابے کا نشانہ باندھا، زاویہ درست کیا اور پھر لیور گھما دیا۔ منجنیق کا چوبی بازو زور سے گھوما، اس کی ہتھیلی پر رکھا ہوا مرتبان ایک زناٹے کے ساتھ اڑا اور سیدھا دبابے سے ٹکرا کر چکنا چور ہو گیا۔ روغن بہہ گیا، دبابے کا خاصا حصہ اس سے تر بتر ہو گیا مگر دبابے کا کچھ نہ بگڑا۔ یہ دیکھ کر دبابے پر تعینات فرنگی طنزیہ انداز میں چیخنے اور رقص کرنے لگے۔ ابن عریف نے یکے بعد دیگرے کئی مرتبان اس طرح دبابے پر پھینکوائے اور ہر بار فرنگی پہلے سے زیادہ بلند آہنگ قہقہے لگاتے رہے۔ جب دبابہ مکمل طور پر اس مواد سے بھیگ گیا تو علی نے منجنیق انداز کو خاص قسم کا اشارہ کیا۔ اب منجنیق اندازوں نے آگ کے شعلوں سے بھڑکتی ہوئی ایک ہانڈی دبابے پر پھینکی۔ ایک زوردار دھماکا ہوا فرنگیوں کے قہقہے لرزہ خیز چیخوں میں بدل گئے۔ دبابے نے آگ پکڑ لی تھی اور دھڑا دھڑ جلنے لگا تھا۔

علی کے اشارے پر اس طرح دو اور شعلہ زن ہانڈیاں دبابے پر ماری گئیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے چوٹی سے لے کر پہیوں تک شعلوں کا لباس پہن لیا۔ اس کے اندر کم از کم ستر گھڑ سوار اور بہت سے پیادہ سپاہی تھے جو آناً فاناً جل کر کباب ہو گئے۔ کسی کو جان بچا کر باہر نکلنے کا موقع تک نہ مل سکا۔

عکا کے مسلمان خوشی سے بے حال ہو گئے، تکبیر کے بلند نعروں سے فضا مرتعش ہو گئی۔ تحسین و مرحبا کا

ایک شور بچ گیا۔ ابن عریف کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی جبکہ بہاؤ الدین قراقوش کا گورا چہرہ خوشی کی تمتماہٹ کے علاوہ شعلوں سے منعکس ہو کر انار کی طرح سرخ نظر آرہا تھا۔

تین میل دور سلطان صلاح الدین اپنے امراء کے ساتھ عکا کے دفاع کی فکر میں منہمک تھے انہیں اچانک ایک دبابہ شعلوں کی زد میں نظر آیا۔ وہ حیران رہ گئے۔ ابن عریف سے انہیں بھی زیادہ امیدیں وابستہ نہیں تھیں اس لیے ان کی خوشی غیر متوقع تھی۔ معسکر سے لشکرِ اسلام نے بھی تکبیر و تہلیل کی فلک پاش صدائیں بلند کیں۔

چند منٹ بعد ابن عریف نے دوسرے دبابے کو بھی اس انداز سے نشانہ بنا دیا۔ وہ بھی دیکھتے ہی دیکھتے جل کر کوئلہ ہو گیا۔ فضا ایک بار پھر مسلمانوں کے مسرت انگیز شور سے گونج اٹھی۔ اکثر صلیبی اس آفت سے اتنے بدحواس ہو چکے تھے کہ انہیں سر پیر کا ہوش نہیں رہا تھا۔ جو مضبوط دل والے تھے وہ بھی حسرت سے ہونٹ کاٹنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ شعلوں کی تپش اتنی زیادہ تھی کہ کوئی آگ بجھانے کے لیے قریب بھی نہیں جا سکتا تھا۔ ہاں وہ یہ کر سکتے تھے تیسرے دبابے کو وہاں سے ہٹا لیتے مگر اس سے پہلے کہ وہ اس کو منجنیقوں کی زد سے دور لے کر جاتے، ابن عریف نے اسے بھی جلا کر بھسم ڈالا۔

اب تو اِدھر عکا اور اُدھر اسلامی معسکر میں اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ اور تسبیح و تحمید کا وہ غلغلہ ہوا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ شعلوں کی لپٹیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ بلند ہوتے دھوئیں کے مرغولوں کے ساتھ ساتھ صلیبیوں کے تمام ولولے بھی ہوا میں تحلیل ہو رہے تھے۔ انہوں نے سات ماہ کی مسلسل کوفت سے اپنی سائنس کے تین شاہکار تیار کیے تھے مگر ایک مسلمان نوجوان کی سائنسی مہارت نے چھ سات منٹ میں ان کا کھیل ختم کر دیا تھا۔ ①

قاضی ابن شداد اس محیر العقول واقعے کی منظر کشی یوں کرتے ہیں:

"جونہی دبابے کو نشانہ بنایا گیا وہ فوراً جل اٹھا اور آگ کا بلند پہاڑ بن گیا جس کے شعلے آسمان تک بلند ہو رہے ہوں۔ مسلمانوں نے لا الہ الا اللہ کے نعرے بلند کیے۔ ان پر اتنی خوشی طاری ہو گئی کہ لگتا تھا وہ پاگل ہو جائیں گے۔ لوگ ابھی یہ منظر دیکھ کر تعجب کر رہے تھے کہ دوسرے دبابے پر بھی ہانڈی پھینک دی گئی۔ جوں ہی ہانڈی اس پر لگی وہ پہلے دبابے کی طرح جلنے لگا۔ دونوں فریقوں کی چیخ و پکار کی صدائیں آسمان تک جا پہنچیں۔ پھر ایک لمحہ ہی گزرا ہو گا کہ تیسرے دبابے کو بھی نشانہ بنا دیا گیا۔ وہ بھی شعلوں میں گھر گیا۔ لوگ فرحت و مسرت سے بے ہوش

① النوادر السلطانیہ، ص 184

ہونے کو تھے۔ خوشی کا یہ عالم تھا کہ اہل علم وفضل اور سنجیدہ ومتین حضرات بھی نوجوان لڑکوں کی طرح اچھلنے لگے تھے۔"[1]

یورپی تاریخ نویس مچاڈ لکھتا ہے:

"یہ تینوں دبابے عکا کی دیواروں سے بلند تھے اور شہر کو تباہی کی دھمکی دے رہے تھے مگر جب صلیبی صلاح الدین کے حملے کی روک تھام میں مصروف تھے اور دبابوں کو بلا حفاظت چھوڑ گئے تھے، تب جلتے ہوئے تیر اور نفط سے بھرے ہوئے برتن ان دبابوں پر مارے گئے۔ اچانک نصرانیوں نے ہوا میں آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھے، دبابے جو ایک نہ بجھنے والی آگ سے جل رہے تھے ان کی آنکھوں کے سامنے جل کر یوں سیاہ خاک ہو گئے گویا ان پر آسمان سے بجلی گر پڑی ہو۔ بہت سے نصرانیوں نے یہ دیکھ کر محاصرہ چھوڑ دیا اور یہ سوچ کر یورپ واپس چلے گئے کہ خدا صلیبیوں کی مدد نہیں کرتا۔"[2]

لوگ ابن عریف کے اس عظیم کارنامے پر رشک کر رہے تھے اور اس کی بلائیں لے رہے تھے۔ وہ
قوم کا محسن تھا جس کی مہارت فن نے عکا کو سقوط سے بچا لیا تھا۔ اسے سلطا
میں پیش کیا گیا اور سلطان نے اس کے لئے عطایا کے دروازے کھول
اموال اور بڑی بڑی جاگیریں پیش کی گئیں مگر اس اللہ کے بندے نے بڑی ا
سمیٹ لیا اور یوں گویا ہوا:

"میں نے یہ سب کچھ صرف اللہ کے لئے کیا تھا۔ میں اجر بھی اس کے سوا کسی سے نہیں لوں گا۔"[3]

دبابوں کے جل جانے سے فرنگیوں پر بزدلی طاری ہو گئی تھی۔ وہ ایسے دہشت زدہ ہوئے کہ عکا
فصیل سے بالکل دور ہٹ گئے اور اپنی چھاؤنی میں دبک گئے۔ ادھر سلطان صلا
ہوئے دشمن پر ضرب کاری لگانے کا فیصلہ کیا اور دن ڈھل جانے کے باوجود
آ گئے۔ جب فرنگی باہر نہ نکلے تو سلطان ان کی چھاؤنی کی فصیل تک بڑھتے
میدان میں نکلنے کی ہمت نہیں کی۔ اس دوران عکا کے سپاہی ایک مدت کے بعد شہر کے دروا
کر کھلے میدان میں آئے، انہوں نے سب سے پہلے خندق کے ان حصوں کو خالی کرنا شروع کیا جنہیں فرنگیوں نے دبابوں کو آگے بڑھانے کے لئے پاٹ دیا تھا۔ جلے ہوئے دبابوں سے انہیں بھاری مقدار

① نوادر، ص 464، مفرج الکروب / الجلیلہ صلاح الدین، ص 161
② کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 126/4
③ الکامل فی التاریخ: 193/10

میں زرہیں، خود، تلواریں اور دوسرا اسلحہ بھی ملا۔ دبابوں کی تباہی اور خندق کی صفائی کے بعد عکا ایک بار پھر خاصا محفوظ نظر آنے لگا۔ ❶

سنجار اور الجزیرہ کی امدادی فوجیں ✽ ایک ڈیڑھ ماہ تک صلیبی اپنی چھاؤنی میں محصور رہے۔ انہیں یورپ سے امدادی لشکروں کا انتظار تھا، اس کے بعد ہی وہ میدان میں نکلنے کی ہمت کر سکتے تھے۔ ربیع الثانی 586ھ (مئی 1190ء) کا پورا مہینہ اس حال میں گزرا کہ سلطان تقریباً روزانہ اپنے جوانوں کو لے کر میدان میں نکلتے اور فرنگیوں کی چھاؤنی پر حملہ کر کے انہیں میدان میں نکالنے کی کوشش کرتے مگر فرنگی ایک بار بھی باہر نہ نکلے۔ چھاؤنی کے دفاعی انتظامات اتنے زبردست تھے کہ مسلمان سپاہی کوشش کے باوجود اندر داخل نہیں ہو سکتے تھے۔

ادھر سلطان کی امدادی افواج کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ 22 ربیع الثانی 586ھ (29 مئی 1190ء) کو افق پر حاکمِ سنجار عماد الدین زنگی کی فوج کے پرچم دکھائی دیے۔ سلطان ایوبی استقبال کے لیے فوج کے امراء اور خواص کے ساتھ باہر نکلے۔ لشکرِ سلطانی کے علماء وفقہاء اور اہلِ علم وادب نے اسے خوش آمدید کہا۔ پھر سلطان کے لڑکوں نے استقبال کیا۔ اس کے بعد سلطان صلاح الدین نے خود آگے بڑھ کر مرحبا کہا اور اسے میدانِ جنگ میں لے جا کر فرنگیوں کے اجتماع کا نظارہ کرایا۔ حاکمِ سنجار کے اعزاز میں ایک شاندار دعوت بھی ہوئی اور اسے بیش بہا تحائف پیش کیے گئے۔

7 جمادی الاولیٰ (12 جون) کو الجزیرہ کا حاکم سنجر شاہ بن سیف الدین غازی ایک فوج کے ساتھ پہنچ گیا۔ سلطان نے حسبِ روایت اس کا بھی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا اور اسے اس کے چچا عماد الدین زنگی کے برابر ایک خیمے میں ٹھہرایا۔ دو دن بعد موصل کا نیم خود مختار حکمران علاؤ الدین مسعود سلطان کے کیمپ میں پہنچا۔ وہ اس سے قبل اپنے لڑکے کی قیادت میں افواجِ موصل کا بڑا حصہ محاذ پر لا چکا تھا۔ سلطان کو اس کی آمد سے غیر معمولی خوشی ہوئی۔ انہوں نے اپنے لڑکوں، عزیزوں اور خواص کے ساتھ پڑاؤ سے خاصی دور نکل کر اس کا استقبال کیا۔ ❷

❶ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/126

❷ النوادر السلطانیہ، ص: 166، 167، 168؛ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/123، 124

فصل:5

جرمن ٹڈل دل، شام میں

اسی دن یعنی 9 جمادی الاولیٰ 586ھ (14 جون 1190ء) کو بحیرۂ روم کے جنوب مغربی افق پر سفید بادبان ابھرتے دکھائی دیے۔ یہ مصری بحری بیڑہ تھا۔ عکا کی بندرگاہ اور اردگرد سمندر میں حسام الدین لولو کے کچھ بحری جہاز پہلے سے موجود تھے مگر ان کی تعداد دشمن کے ان جہازوں کے مقابلے میں بہت کم تھی جو آمدِ بہار کے ساتھ ہی ساحل پر لنگر انداز ہو چکے تھے۔ دشمن کے بحری بیڑ
کے پیشِ نظر حسام الدین لولو کے جہاز اب بچ بچا کے رہتے تھے۔ سلطان
بیڑوں سے مقابلے کے قابل بنانے کے لیے چار ماہ قبل مصر کی انتظامیہ کو نیا بحری بیڑہ
تاکید کی تھی۔ اب یہ بحری بیڑہ عکا پہنچنے والا تھا۔

تین محاذوں پر بیک وقت جنگ ❁ سلطان کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں صلیبی بہ
گھیرنے اور عکا کی بندرگاہ میں داخل ہونے سے روکنے کی کوشش نہ کرے، انہوں نے
چھاؤنی پر دھاوا بولنے کا حکم دیا تاکہ صلیبیوں کی پوری توجہ ان سے مقابلے پر مرکوز ہو جائے او
بیڑے کو روکنے کا خیال نہ آئے مگر فرنگی غافل نہ تھے۔ مصری بیڑے کو دیکھتے ہی ان کے کئی جنگی
جنوب کی طرف بڑھنے لگے تاکہ اس کو عکا کی بندرگاہ میں داخل ہونے سے روک کر اس پر قبضہ کر لیں۔

اتفاق سے جنیوا کا بحری بیڑہ جو صور کی بندرگاہ پر موسم سرما گزارنے گیا ہوا تھا، اسی وقت عکا کی جانب واپس لوٹ رہا تھا۔ اس کے جہاز رانوں نے بھی سمندر میں اسلامی بیڑے کو دیکھ لیا اور وہ بھی اس سے مقابلے کے لیے آدھمکے، اس طرح فرنگیوں کی بحری طاقت مزید بڑھ گئی۔ فرنگی بیڑے کو اسلامی بیڑے کی طرف بڑھتا دیکھ کر سلطان نے فرنگیوں کی چھاؤنی پر ایک شدید ترین حملہ کیا، اس حملے کو روکنے کے لیے فرنگیوں کو اپنی خاصی قوت صرف کرنا پڑی۔[1]

[1] النوادر السلطانیہ: 188

ادھر معسکر کے مسلمانوں کا ایک جم غفیر اپنے خیموں سے نکل کر ریتیلے ساحل پر جمع ہو گیا تھا۔ وہ اپنے بحری بیڑے کی ہمت بندھا رہے تھے اور حتی الامکان اس کی مدد کا موقع تلاش کر رہے تھے۔ دونوں بیڑے اب لحہ لحہ قریب ہوتے جا رہے تھے۔ مصری بیڑے کے عکا کی طرف مڑنے سے پہلے ہی فرنگی بیڑے نے اس کے سامنے صف بنالی اور پھر سمندری جنگ کا ایک ہولناک منظر دیکھنے میں آیا۔ پہلے دونوں طرف سے تیروں کی بارش ہوتی رہی۔ پھر بحری جہاز نزدیک آتے آتے خوفناک آواز کے ساتھ ایک دوسرے سے جا لگے۔ کچھ جہازوں کے آگے لگے آہنی نوکیلے شہتیر ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ بعض جہاز کناروں سے ایک دوسرے سے جا ملے اور صلیبی اپنے جہازوں سے مصری جہازوں پر کودنے لگے۔ مصری سپاہی تلواریں سونت کر ان کو روک رہے تھے، ہر لمحے فریقین کے درجنوں سپاہی سمندر کی نذر ہو رہے تھے۔ ایک ہی وقت میں تین محاذوں پر لڑائی ہو رہی تھی۔ سمندر میں بحری جہازوں کے درمیان معرکہ بپا تھا۔ خشکی میں میدان کی جانب سے سلطانی سپاہی فرنگی چھاؤنی پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے جبکہ عکا کی فصیل سے قراقوش بھی صلیبیوں پر حملہ آور تھا تا کہ انہیں بحری جنگ پر توجہ دینے کا کھلا موقع نہ ملے۔ [1]

تینوں محاذوں پر دیر تک ہنگامہ جاری رہا۔ صلیبی برج الذباب کے قریب مسلمانوں کے ایک جہاز پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے اس کے عملے کو بڑی بے دردی سے قتل کر ڈالا۔ ایمبر وز لکھتا ہے:

"اس دن ہماری خوشی بے پایاں تھی، ہماری عورتیں بھی چاقو لے کر ترک قیدیوں پر جھپٹ رہی تھیں۔ وہ ان کے سر کے بالوں کو جھٹکا دیتیں اور ان کے سر کاٹ کر تڑپتی ہوئی لاشوں کو ٹھوکریں مار مار کر پھینک دیتیں۔" [2]

تاہم مسلمانوں نے بھی برابر کا جواب دیا تھا۔ انہوں نے بھی فرنگیوں کے ایک جہاز پر قبضہ کر کے اس کے عملے کو قتل کر دیا تھا اور تمام ساز و سامان پر قابض ہو گئے تھے۔ [3]

اس خونریز بحری معرکے کے آخری مرحلے میں مصری بیڑے نے فرنگی بحریہ کی صف بندی توڑ دی اور اس کے اکثر جہاز عکا کی بندرگاہ کے برج الذباب تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے جہاں آہنی زنجیر ہٹا کر ان کے لیے راستہ کھول دیا گیا اور ان کے داخل ہوتے ہی زنجیر لگا دی گئی۔ اب صلیبیوں کا بیڑا ان کا

[1] النوادر السلطانیہ: 189، الکامل فی التاریخ: 10/193

[2] النوادر السلطانیہ: 189، صلیبی جنگیں: 175

[3] النوادر السلطانیہ: 189

تعاقب نہیں کرسکتا تھا۔ اُدھر خشکی پر شام تک جنگ جاری رہی اور تاریکی شب پھیلنے پر ہی فریقین نے تلواریں نیاموں میں ڈالیں۔

نئے مصری بیڑے کے آنے سے عکا کے مسلمانوں کو بڑا حوصلہ ملا۔ اس میں دیگر اسلامی بندرگاہوں سے آنے والے جہاز بھی تھے جو اناج اور اشیائے ضرورت کے بڑے بڑے ذخائر ساتھ لائے تھے۔ عکا والوں کے لیے یہ غیبی مدد تھی کیوں کہ آمد بہار کے بعد جب سے ساحل پر فرنگیوں کے جہاز لنگر انداز ہوئے تھے ان کے لیے خوراک و رسد کے راستے بند تھے مگر اب اسلامی بیڑے میں مزید جہازوں کی شمولیت کے بعد عکا کی بندرگاہ میں اتنے جہاز جمع ہو گئے تھے کہ مسلمان کسی نہ کسی درجے میں دشمن سے ٹکر لے سکتے تھے۔ تاہم یہ بات بھی ظاہر تھی کہ دشمن کی بحریہ کی طاقت بے اندازہ تھی اور سمندر کی طرف سے عکا اب بھی ان کے محاصرے میں تھا مگر خوراک و رسد کے تازہ ذخائر ملنے کے بعد عکا کم از کم چند ماہ تک مزید مدافعت کرسکتا تھا۔ اس موسم میں عکا کے مسلمانوں کو سمندر کی جانب سے ملنے والی یہ آخری کمک تھی۔ اس کے بعد کئی ماہ تک انہیں مزید مدد نہ مل سکی۔ کیوں کہ کچھ دنوں بعد سمندر صلیبی جہازوں سے پُر ہو گیا۔ [1]

مزید امدادی فوجیں ❊ اس ہولناک معرکے کے بعد کچھ دنوں تک دونوں طرف خاموشی طاری رہی۔ سلطان کی فوج میں تھوڑے سپاہی اب بھی آ آ کر شامل ہو رہے تھے۔ جمادی الاولیٰ 586ھ (جون) کے آخری عشرے میں حاکم اربل زین الدین یوسف ایک جمعیت کے ساتھ لشکر سلطان میں شامل ہوا۔ [2]

اس قسم کی فوجیں جو تین ماہ سے سلطان کے ہاں جمع ہو رہی تھیں، بہت بڑی نہیں ہوتی تھیں کیوں کہ امدادی فوجیں بھیجنے والے یہ حکام اپنی ریاستوں کا کوئی مضبوط دفاعی نظام نہیں رکھتے تھے، لہٰذا ان میں بڑی فوجیں مہیا کرنے کی سکت نہیں تھی، ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کے بھیجے ہوئے دستے زیادہ سے زیادہ دو، دو تین تین ہزار سپاہیوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ (اس زمانے میں شام و عراق کی ریاستوں کی مقامی فوجیں اس سے زیادہ بڑی نہیں ہوتی تھیں) اس کے مقابلے میں دشمن کو بحری افواج کی جو کمک مل رہی تھی وہ حد و حساب سے بالاتر تھی۔ اب تک ان میں فرانس، برطانیہ اور جرمنوں کے تینوں بڑے لشکر شامل نہیں ہوئے تھے، ان کے آنے کے بعد تو یقیناً صورتحال بہت بدل جاتی اور عرب و عجم کے کونے کونے سے جمع ہونے والی مسلم افواج کا اجتماع ان کی کثرت کے آگے بہت معمولی رہ جاتا۔

جرمنوں کی خبریں ❊ شاہان یورپ میں سے شاہ جرمن باربروسا سب سے پہلے روانہ ہوا تھا اور اب

---

1. النوادر السلطانیہ: 190، الکامل فی التاریخ: 10/193، شیخی مگیں: 175
2. النوادر السلطانیہ: 190

تک اسے عکا پہنچ جانا چاہیے تھا۔ وہ ربیع الثانی 585ھ (جون 1189ء) میں چلا تھا۔ اس کے چار ماہ بعد آغاز سرما میں سلطان ایوبی کو اپنے بیٹے حاکم حلب الملک الظاہر سے اس کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تھی۔ تب سلطان نے قاضی ابن شداد کو سفیر بنا کر امدادی افواج طلب کرنے دیگر اسلامی ملکوں کی طرف روانہ کیا تھا۔ قاضی صاحب رمضان 585ھ (دسمبر 1189ء) میں عازم سفر ہوئے اور 5 ماہ میں اپنی مہم انجام دے کر ربیع الاول 586ھ (مارچ 1190ء) میں واپس پہنچے تھے۔ اس دوران شاہِ جرمن کے بارے میں اطلاعات آرہی تھیں کہ وہ موسم سرما کے دوران خلیج قسطنطنیہ پار کر کے ایشیا میں داخل ہو چکا ہے اور ایشیائے کوچک کے کوہ و صحرا عبور کر رہا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حکمران ایشیائے کوچک قلج ارسلان نے اس سے شکست کھا کر نہ صرف اسے محفوظ راستے بتا دیے ہیں بلکہ اسے راہبر بھی مہیا کر دیے ہیں اور اب یورپ کا یہ جلاد ارمنوں کی عیسائی ریاست کی طرف بڑھ رہا ہے جسے عبور کرتے ہی وہ شام میں داخل ہو جائے گا۔

اس کے بعد یکدم شام کی جانب سناٹا سا چھا گیا۔ موسم سرما میں شمالی علاقے ویسے بھی شدید برف باری کی زد میں رہتے ہیں، ادھر شام کا موسم بھی ایسا طوفانی رہا کہ قافلوں کی نقل و حرکت بڑی دشوار تھی۔ پھر ایشیائے کوچک سے عکا تک کئی ہفتوں کی مسافت تھی۔ اگر کوئی تیز رفتار مخبر عام دنوں میں بھی ان علاقوں سے تازہ ترین خبریں لے کر روانہ ہوتا تو دو ماہ سے پہلے سلطان کے پاس نہیں پہنچ سکتا تھا۔ خراب موسم میں اس سے دوگنا وقت بھی لگ سکتا تھا۔ اس لیے سلطان ایوبی کو جرمنوں کے ایشیائے کوچک میں داخل ہونے کی خبروں کے بعد تازہ اطلاعات نہ ملیں یہاں تک کہ موسم بہار گزر گیا۔ تاہم اس دوران انہیں قلج ارسلان کا ایک خط ضرور ملا تھا جس میں اس نے لکھا تھا کہ وہ جرمنوں کو روکنے سے معذور ہے مگر اس کا اعتذار سلطان کے نزدیک قابل قبول نہیں تھا۔ اس نے اپنے علاقے کو بچانے کی کوشش تو کی تھی مگر عالم اسلام کے دفاع سے پہلو تہی کر گیا تھا۔ سلطان ایوبی کے بعض سوانح نگاروں کو یہ شبہ بھی رہا ہے کہ قلج ارسلان اندرونی طور پر جرمنوں سے ملا ہوا تھا اور جرمنوں کے ذریعے سلطان ایوبی کا زور توڑنا چاہتا تھا۔ ان مؤرخین کے خیال میں اگر وہ چاہتا تو جرمنوں کو روک سکتا تھا کیونکہ اس کی اپنی قوت بھی کچھ کم نہیں تھی۔ اگر وہ تدبر سے کام لیتے ہوئے سلطان کے ساتھ اتحاد کر کے اپنی طاقت کو مزید مضبوط بنا لیتا تو کوئی بعید نہ تھا کہ جرمنوں کو آبنائے باسفورس پر ہی روک لیا جاتا مگر حرص دنیا، مفاد پرستی اور بدگمانی کا برا ہو کہ اس نے مسلم حکمرانوں کو نازک ترین مراحل پر بھی یکجا ہونے سے روکے رکھا اور اغیار اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئے۔

بہرکیف قلج ارسلان کے تعاون سے باربروسا نے سرما کے اواخر میں بڑے اطمینان کے ساتھ ایشیائے کوچک کی سرحد عبور کی اور شام کی راہ میں آنے والی ارمنی ریاست میں داخل ہو گیا تھا۔ ارمن

قبائل نصرانی تھے مگر انہیں اپنے مسلم پڑوسی ممالک کا لحاظ رکھنا پڑتا تھا۔ سلطان صلاح الدین نے چند سال قبل انہیں بزورِ شمشیر مسخر کر کے باج گزار بنالیا تھا مگر باربروسا کی آمد کے بعد ارمنیوں کو اپنی وفاداریاں تبدیل کرنا پڑیں۔ باربروسا ان کے خوفزدہ حاکم لافون ابن لاؤن کو اپنا تابع بنانے اور اس سے بھرپور سامانِ رسد، وصول کرنے کے بعد سیدھا شام کی طرف بڑھنے لگا۔

ادھر سلطان صلاح الدین کے پاس سب سے بڑا سہارا بارگاہِ ربوبیت میں بے تابانہ دعاؤں کا تھا۔ وہی اک ذات ہے جو بندے کی کوشش وجدوجہد کو انتہا تک آزمانے کے بعد اپنی طاقت کو اس طرح ظاہر کرتی ہے کہ ناممکنات ممکن ہوجاتے ہیں۔ اس کی قدرتِ قاہرہ کسی کو فتح کی قریب تر منزل سے کوسوں دور دھکیل کر اس طرح نامرادی کی وادی میں گراتی ہے کہ خود تاریخ حیرت میں پڑ جاتی ہے اور اسی کی نصرتِ خاصہ کی بدولت کوئی ہلاکت خیز موجوں سے نکل کر یوں ساحلِ نجات تک پہنچتا ہے کہ اس کا بال تک بیکا نہیں ہوتا۔ یہاں بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہونے کو تھا۔

غیر متوقع خوشخبری: موسم سرما کے اختتام اور بہار کے آغاز میں وقوع پذیر ہونے والی جرمنوں کی تمام خبریں سلطان کو موسم گرما میں پہنچیں مگر جو مخبر یہ خبریں لے کر آئے تھے ان کے پاس سب سے اہم اطلاع یہ تھی کہ شاہ جرمن فریڈرک باربروسا مر گیا ہے۔ وہ وہشت ناک حکمران جس کی یلغار سے مسلمان تو کیا خود اہل یورپ بھی سہمے ہوئے تھے اب عبرت کی تصویر بن چکا تھا۔ اس کے امراء ایک تھیلے میں اس کی ہڈیاں لیے چلے آرہے تھے تاکہ اسے ارضِ مقدس میں دفن کرسکیں۔ [1]

دریائے فرات کے کنارے واقع قلعہ الروم کے بڑے پادری برگری گور باسل نے جو "کاتھیکوس" کے لقب سے مشہور تھا، اس بارے میں سلطان ایوبی کو ایک تفصیلی مراسلہ لکھ بھیجا تھا جس کے مطابق فریڈرک باربروسا قلیج ارسلان کے رہبروں کی مدد سے آسانی کے ساتھ ابن لاؤن کی ارمنی ریاست تک پہنچ گیا تھا۔ یہاں "طرطوس" نامی علاقے میں ابن لاؤن کے نائب نے جرمن حکمران کو اپنی مملکت کے حلقہ بگوش ہونے کا یقین دلایا تھا اور بیش قیمت تحائف نذر کیے تھے۔ اس مقام پر ایک تندوتیز ندی تھی، پانی گہرا نہ تھا مگر نہایت ٹھنڈا اور تیز دھار تھا۔ جرمن لشکر نے یہاں پڑاؤ ڈال دیا، سپاہی کھا پی کر آرام کرنے لگے۔ بادشاہ بھی طعام سے فارغ ہو کر جی بھر کے سویا۔ جب آنکھ کھلی تو ندی کے کنارے چلا گیا۔ بہار کا موسم شروع ہوگیا تھا اور ندی میں اتر کر تازہ پانی سے غسل کا تصور بڑا پرکیف تھا۔ طویل موسم سرما سے اکتایا ہوا بادشاہ گھوڑے سے اتر کر ندی میں نہانے لگا۔ اچانک پانی کے تیز بہاؤ نے اس

---

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/130

کے قدم اکھاڑ دیئے، وہ اپنے بوڑھے وجود کو سنبھال نہ سکا اور ایک گز گہرے پانی میں بہنے لگا، اس اثناء میں وہ ایک درخت سے جا ٹکرایا اور اس کا سر پھٹ گیا۔ اس کے ساتھی دوڑ کر آئے اور اسے پانی سے نکال لیا مگر اتنی دیر ٹھنڈے پانی میں غوطے کھانے اور سر کی چوٹ کے باعث ضعیف و نزار بوڑھا شدید بیمار پڑ گیا۔ مرض اتنا بڑھ گیا کہ اس کے بچنے کی امید نہ رہی، اس نے اپنے بیٹے کو جانشین مقرر کر دیا اور چند دنوں بعد زندگی کی بازی ہار گیا۔ ❶

شمالی سرحدوں پر افواج کی تشکیل ❁ اتحادیوں کے سامنے سینہ سپر سلطان صلاح الدین ایوبی نے جرمن حکمران کی ناگہانی موت کی خبر سے خاصا اطمینان محسوس کیا اور امید کی کہ اب جرمنوں کی طاقت منتشر ہو جائے گی یا کم از کم ان کی رفتار سست پڑ جائے گی اور مسلمانوں کو تیاری کا وقت مل جائے گا۔ بہر کیف اب جرمنوں کے سرحدِ شام پر نمودار ہونے کا وقت آ چکا تھا اور اس سے پہلے پہلے وہاں مزید افواج تعینات کرنا ضروری تھا۔ اگرچہ اس وقت سلطان کو عکا کے محاذ پر بھی مزید افواج کی ضرورت تھی مگر شمال میں جرمنوں کا خطرہ کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

سلطان کا منصوبہ یہ تھا کہ کچھ دستے شام کی سرحدوں پر متعین کر دیے جائیں جو کھلے میدان میں مقابلہ کیے بغیر جرمن فوج پر چھاپہ مار حملے کرتے رہیں اور ان کی خوراک و رسد لوٹ کر انہیں واپس لوٹنے یا پیش قدمی موخر کرنے پر مجبور کرتے رہیں یہاں تک کہ عکا کے معرکے کا فیصلہ ہو جائے اور مسلمانوں کو جرمنوں کے مقابلے میں اپنی قوت ایک جگہ مجتمع کرنے کا موقع مل جائے۔

سلطان کو ملنے والی آخری مصدقہ اطلاعات کے مطابق جرمن فوج ابن لاؤن کی ارمنی ریاست سے گزر رہی تھی گویا تین یا چار ہفتوں میں وہ شام کی سرحدوں تک پہنچ سکتی تھی چنانچہ سلطان نے امراء سے طویل مشوروں کے بعد لشکر کے دائیں بازو کے اکثر سپاہیوں کو شمالی سرحدوں کی طرف روانہ کر دیا۔ اس فوج کی روانگی وقفے وقفے سے اور بڑی خاموشی سے ہوئی تا کہ غیر معمولی نقل و حرکت دیکھ کر عکا کے صلیبیوں کو مسلمانوں کی قوت کے منتشر ہونے کی بھنک نہ پڑ جائے۔ سب سے پہلے تقی الدین عمر کا دلیر بیٹا ناصر الدین (حاکم منبج) اس مہم پر روانہ ہوا، پھر حاکم کفر طاب عز الدین بن مقدم، حاکم بعلبک مجد الدین اور حاکم شیزر سابق الدین اپنے اپنے دستوں کو لے کر نکلے۔ ان کے بعد حلب اور حماۃ کے تمام سپاہیوں کو اس محاذ پر روانہ کر دیا گیا۔ لشکر کے بہترین سالاروں کے علاوہ سلطان نے اپنے بیٹے الملک الظاہر کو بھی اس خطرناک مہم پر بھیج دیا کیوں کہ حلب کا والی وہی تھا اور اس موقع پر اس کا اپنے

❶ النوادر السلطانیہ: 190؛ الکامل فی التاریخ: 10/134-135

صوبے میں موجود رہنا لازمی تھا۔ ان سب کے بعد میمنہ کے سالارِ اعلیٰ تقی الدین عمر کو اس مہم کا مرکزی قائد بنا کر روانہ کر دیا گیا جو شام کے شمالی صوبے حماۃ کا والی بھی تھا اور اس لحاظ سے شمال کی مہم کو زیادہ ذمہ داری سے انجام دے سکتا تھا۔

اگرچہ ان دنوں سلطان کی خیمہ گاہ میں ایک وبائی بیماری پھیلی ہوئی تھی۔ سینکڑوں سپاہیوں کے علاوہ حاکم حران مظفر الدین کوکبری، ناظمِ دمشق بدر الدین شحنہ اور سلطان کے دو بیٹے الملک الافضل اور الملک الظاہر بیمار پڑ گئے تھے مگر سلطان نے شمالی محاذ کی اہمیت کے پیشِ نظر الملک الظاہر، الملک الافضل اور بدر الدین شحنہ کو اسی حالت میں افواج کی نگرانی کے لیے روانہ کر دیا تھا۔ [1]

<u>وبائی موسم اور امراض</u>: یہ افواج جمادی الاخریٰ 586ھ (جولائی 1190ء) میں سلطان کے معسکر سے روانہ ہوئیں اور یوں معسکر کا دایاں بازو خالی سا ہو گیا۔ سلطان کے لشکر کے علاوہ فرنگی کیمپ میں بھی سپاہی بیمار ہو رہے تھے۔ گویا دونوں فوجیں لڑنے سے لاچار تھیں۔ [2]

سلطان کو اس وقت یہ خطرہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں جرمنوں کو روکنے کی منصوبہ بندی ناکام نہ ہو جائے اور وہ غیر مستحکم شہروں پر قبضہ کر کے مورچہ بند نہ ہو جائیں۔ چنانچہ سلطان نے طبریہ، صیدا، یافا، ارسوف، قیساریہ اور جبیل سمیت راستے کے کئی شہروں کی فصیلیں تباہ کروا دیں اور ان کے باشندوں کو بیروت بھجوا دیا کیوں کہ اس کی فصیل نہایت مضبوط تھی۔ [3]

<u>نیا جرمن حکمران فریڈرک اور ارمن حکمران</u>: ادھر جرمنوں کی قیادت سلطنت کے ولی عہد فریڈرک ڈیوک آف سوابیا نے سنبھال لی تھی جو کہ اس مہم میں باپ کے ہم رکاب تھا۔ وہ فوج کو لے کر ارمنی ریاست سے نکلا اور شام کی حدود میں واقع نصرانیوں کے ساحلی شہر انطاکیہ روانہ ہو گیا تا کہ وہاں کے وسیع قلعے میں تھکی ماندی فوج کو قدرے استراحت کا موقع دے اور اسلامی ممالک کے تازہ حالات سے آگاہی حاصل کرے۔

مگر آگے بڑھنے سے پہلے ہی اسے کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ باربروسا کی موت سے ایک ابتری سی پھیل گئی تھی اور جرمنوں کا رعب ودبدبہ کم ہو گیا تھا۔ ارمنی حکمران ابن لاؤن کے سفیر جو کئی ماہ سے جرمن بادشاہ کے ہاں تھے اس کے مرتے ہی غیر یقینی حالات کے خدشے سے وہاں سے بھاگ نکلے اور ابن لاؤن کو جو باربروسا سے ملنے آ رہا تھا راستے میں روک کر باربروسا کی موت کی خبر دی جسے سن کر ابن

[1] النوادر السلطانیہ: 104، ابن خلدون: 317/5
[2] النوادر السلطانیہ: 104
[3] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 139/4

لاؤن کو بھی جرمنوں کے پاس جانا خلافِ احتیاط محسوس ہوا لہٰذا وہ جرمنوں کا ساتھ دینے کی بجائے اپنے ایک مستحکم قلعے میں محصور ہوگیا۔ عیسائی ہونے کے باوجود وہ جرمنوں کے نسلی تعصب سے نالاں تھا۔ نوجوان فریڈرک کے لیے ایسے موقع پر ایک اہم اتحادی کا ساتھ چھوڑ دینا پریشان کن تھا۔ اس نے قاصد بھیج کر ملاطفت آمیز پیغامات کے ذریعے اس کے شکوک دور کیے اور اسے اپنے ہاں حاضر ہونے پر آمادہ کرلیا۔ مگر ابن لاؤن آیا تو فریڈرک نے رنگ بدل کر تحکمانہ انداز میں کہا:

''میرا باپ بہت بوڑھا تھا۔ اس کا مقصد یروشلم کی زیارت کے سوا کچھ نہ تھا۔ انتظامِ مملکت میں ہی کرتا رہا ہوں۔ اس راہ کی مشقتیں بھی جھیل چکا ہوں۔ اب جو میری اطاعت قبول کرے گا میں اسے باقی رکھوں گا بصورت دیگر اس کے ملک پر حملہ کردوں گا۔''

یوں ڈرا دھمکا کر فریڈرک نے ابن لاؤن کو دوبارہ اپنا ساتھ دینے پر مجبور کردیا۔ [1]

جرمنوں میں پھوٹ پڑ گئی ❊ تاہم ایک اور مسئلہ اس سے زیادہ تشویش ناک تھا۔ باربروسا کی ناگہانی موت کے باعث اس کے بہت سے امراء بددل ہو چکے تھے اور وطن واپس جانے پر اصرار کررہے تھے۔ بعض امراء نوجوان فریڈرک کی تخت نشینی پر چیں بجبیں تھے اور اس کے بھائی کو برسرِ اقتدار دیکھنا چاہتے تھے۔ جب اختلاف بڑھا اور ان کی رائے نہ مانی گئی تو وہ سب اپنے اپنے جتھوں کے ساتھ جرمنی واپس لوٹ گئے۔ یہ جرمن فوج کے لیے دوسرا بڑا دھچکا تھا۔ بہرکیف فریڈرک باقی فوج کو لے کر روانہ ہوا۔ مگر آگے چل کر صحرائی علاقے میں فوج خوراک ورسد کی کمی کا شکار ہوگئی، بھوکے سپاہیوں نے مجبور ہوکر سواری کے ہزاروں گھوڑے کاٹ کر کھالیے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انہیں پیدل چلنا پڑا۔ جب طویل مسافتیں پیدل طے کرنا ناقابلِ برداشت ہونے لگا تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ باربرداری کے گدھوں اور خچروں کو زائد سامان کے بوجھ سے آزاد کرکے سواری کے لیے استعمال کیا جائے۔ اس کارروائی میں فوری ضرورت کے سامان کے سوا لشکر کا سارا بوجھ جنگل میں پھینک دیا گیا۔ بیش قیمت مال واسباب کو حفاظت کی غرض سے کھائیوں، غاروں اور گڑھوں میں دفن کردیا گیا۔ باقی تمام ساز وسامان نذرِ آتش کردیا گیا۔ کپڑے، جوتے، برتن، تلواریں، زرہیں، خود، ڈھالیں، نیزے، بستر، گھوڑوں کی زینیں، سب کچھ اس الاؤ میں پھینک دیا گیا۔ اکثر اشیاء تو جل کر راکھ ہوگئیں مگر لوہے کا سامان سوختہ ہوجانے کے بعد ناکارہ حالت میں ایک عرصے تک وہاں پڑا رہا۔ اس کی مقدار اتنی زیادہ تھی کہ دور سے ایک سیاہ ٹیلا دکھائی دیتا تھا۔ [2]

---

[1] النوادر السلطانیہ: 102_103 [2] النوادر السلطانیہ: 195_197، کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 114_115

یَا لَلإسْلَام ﷺ اُدھر وادیٔ عکا میں اسلامی اور صلیبی لشکر وبائی امراض کا شکار تھے۔ جمادی الاخریٰ 586ھ (جولائی 1190ء) کے ابتدائی تینوں ہفتوں میں وہ لڑنے سے بالکل قاصر رہے۔ اگر وبا صرف اسلامی معسکر میں پھیلی ہوتی تو فرنگیوں کے لیے میدان میں نکلنے کا اس سے بہتر موقع کوئی نہ ہوتا کیونکہ لشکرِ اسلام کا تقریباً ایک تہائی حصہ شمالی سرحدوں کی طرف جا چکا تھا۔ مگر ایک جیسے مصائب، بیماریوں اور آفات نے فریقین کے درمیان ایک غیر مرئی حصار قائم کر دیا تھا۔ تین ہفتوں بعد یہ وبا ختم ہوئی اور فریقین کی جان میں جان آئی تب صلیبیوں نے موقع غنیمت سمجھ کر لشکرِ اسلام کی خیمہ گاہ کو لوٹنے کا منصوبہ بنایا۔ دراصل صلیبیوں کے سردار اور امراء اتنے دنوں تک بے کار بیٹھے بیٹھے اکتا گئے تھے۔ انہیں اب تک یہ معلوم ہو چکا تھا کہ معسکر میں مسلمانوں کی طاقت خاصی کم ہو گئی ہے۔ انہیں یقین تھا کہ اگر وہ اچانک حملہ کر دیں تو مسلمان مدافعت نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ دس ہزار صلیبی اس مہم کے لیے تیار ہو گئے۔ 24 جمادی الاخریٰ 586ھ (29 جولائی 1190ء) کی تپتی دوپہر میں صلیبی اپنی چھاؤنی سے نکلے۔ گزشتہ دس ماہ میں یہ پہلا موقع تھا کہ وہ میدان میں نکلنے کی ہمت کر رہے تھے۔ یہ ان کے تہوار سینٹ جیمز کا دن تھا اور وہ اس کی خوشی دوبالا کرنا چاہتے تھے۔ مسیحی شاعر ایمبروز کا بیان ہے:

''یہ دس ہزار صلیبی تھے جنہیں یقین تھا کہ عکا کی دیواروں پر چڑھنا محال ہے چنانچہ اکتا کر انہوں نے مسلمانوں کے پڑاؤ پر ضرب کاری لگانے کا منصوبہ بنایا۔ انہیں مالِ غنیمت کا لالچ بھی تھا۔''

ان کا رخ معسکر اسلامی کے دائیں بازو کی خیمہ گاہ کی طرف تھا۔ یہاں سپاہیوں کی کمی سے فائدہ اٹھا کر وہ دل کے ارمان نکالنا چاہتے تھے۔ یاد رہے کہ لشکرِ اسلامی کی خیمہ گاہ، میمنہ، میسرہ اور قلب کے تین حصوں میں تقسیم تھی اور ہر دو حصوں کے درمیان تقریباً ایک ایک میل کا فاصلہ تھا۔ یہ ترتیب اس لیے رکھی گئی تھی تاکہ دشمن کے اچانک حملے کی صورت میں مسلمان فوراً خیموں کے سامنے آ کر وہیں صف بندی کر لیں۔ اور تینوں حصے الگ سے کسی تیاری کے بغیر پورا میدان سنبھال لیں۔

صلیب کے سائے میں فرنگی بڑھے چلے آ رہے تھے۔ ان کی تو صفیں قائم تھیں، پہلی مسلمانوں کے معسکر تک اور آخری ان کی اپنی چھاؤنی تک پہنچ رہی تھی۔ نقاروں کی دھمک، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور رزمیہ نعروں کے ساتھ وہ بڑھتے چلے آئے مگر مسلمانوں نے صلیبیوں کے اس اچانک حملے کا سامنا بڑی پامردی سے کیا۔ میمنہ میں الملک العادل نے انہیں آتا دیکھا تو سپاہیوں کو ہنگامی بنیادوں پر تیار ہو جانے کا حکم دیا۔ منادیوں کی صدائیں ہر طرف گونج گئیں۔ سپاہی اسلحہ سنبھال کر لپکتے ہوئے گھوڑوں پر سوار ہونے لگے۔ ادھر معسکر کے قلب میں سلطان صلاح الدین اپنے برق رفتار گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے سامنے آئے:

یَالَلْاِسْلَام یَالَلْاِسْلَام

خبردار—اسلام کی نصرت کے لیے تیار......

ان کی پرجوش آوازیں وادی عکا میں گونج رہی تھی۔ قاضی بہاؤالدین اس لمحے کو یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"میں نے اس وقت سلطان کو دیکھا، وہ اپنے خیمے سے گھوڑے پر سوار ہو چکے تھے، ان کے ساتھ محض چند خاص مصاحبین تھے۔ عام لوگ ابھی تک سواری کے لیے تیار نہیں ہوئے تھے۔ سلطان اس ماں کی طرح بے چین تھے جس کا بچہ گم ہو گیا ہو یا جو اپنے بچے کی موت پر بے حال ہو۔"[●]

ابھی مسلمان سپاہی گھوڑوں پر سوار ہو رہے تھے کہ فرنگیوں نے میمنہ کی خیمہ گاہ پر حملہ بول دیا۔ خوش قسمتی سے اس وقت تک مصری سپاہی سوار ہو کر صف بندی کر چکے تھے، الملک العادل نے انہیں ساتھ لے کر کچھ دیر تک میدان میں دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور پھر اپنی افرادی کمی کو دیکھ کر ایک حکمت عملی کے تحت راستہ چھوڑ دیا۔ فرنگی سیدھے خیمہ گاہ میں داخل ہو گئے اور لوٹ مار کرنے لگے۔ اس دوران الملک العادل کے منادی فرنگیوں کے حملے کی صدا لگاتے ہوئے معسکر کے دوسرے حصوں میں دوڑتے چلے گئے۔ امیر قایماز نجمی تو پہلے ہی اپنے سپاہیوں کے ساتھ الملک العادل کے پاس آن پہنچا تھا، جلد ہی موصل کے سپاہیوں تک خبر پہنچ گئی اور وہ بھی تیزی سے ادھر آ گئے۔ مگر الملک العادل نے پھر بھی حملہ نہ کیا اور موقعے کا منتظر رہا۔ فرنگیوں نے یہ خیال کر کے کہ مسلمان ڈر کر فرار ہو گئے ہیں خیمہ گاہ اور اس کے قریبی بازار کو لوٹنا شروع کر دیا۔ کپڑے، پھل، اناج، برتن، اسلحہ، مویشی اور جو کچھ ان کے ہاتھ لگا وہ اٹھاتے چلے گئے۔ ان کی صفوں کا نظم و ضبط ٹوٹ چکا تھا اور وہ بالکل بے فکر ہو کر مال غنیمت پر ہاتھ صاف کر رہے تھے۔ اب الملک العادل نے اپنے گرد جمع ہونے والے سپاہیوں کو ان پر ٹوٹ پڑنے کا حکم دیا۔ مسلمان اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے ان پر جھپٹے اور خیمہ گاہ ہی میں جنگ شروع ہو گئی۔ مسلمانوں نے دیکھتے ہی دیکھتے کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ مال غنیمت سے گراں بار صلیبی گاجر مولی کی طرح کٹتے چلے گئے۔ ادھر ایک قلب لشکر سے سلطان صلاح الدین میمنہ میں جنگ کا بازار گرم دیکھ کر بے چین تھے، انہوں نے چیخ کر کہا:

"یَالَلْاِسْلَام!!! اے اسلام کے فرزندو! اے توحید کے علمبردارو! یہ اللہ کے دشمن تمہارے سامنے ہیں، وہ لالچ میں اندھے ہو کر تمہارے خیموں کو لوٹنے آئے ہیں۔ اللہ نے تمہیں ان پر حملے کا بہترین موقع دے دیا ہے۔"

سلطان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے سب سے پہلے مملوک سپاہی اور خواص، پھر حاکم موصل

● النوادر السلطانیہ: 108، 109 و الکامل فی التاریخ: 10/105

علاؤالدین اور مصری جرنیل سنقر حلبی دوڑے ہوئے آئے۔ سلطان کے حکم سے انہوں نے دشمن پر بھرپور حملہ کر کے لاشوں کے ڈھیر لگا دیے۔ نصرانیوں کا جو ریلا لشکرِ اسلام کے دائیں بازو کے خیموں اور بازار میں بکھر گیا تھا الملک العادل کی سپاہ کی زد میں تھا اور ان کا قلب علاؤالدین اور سنقر حلبی کے حملوں سے تتر بتر ہو رہا تھا۔ انہوں نے کچھ دیر تک صف بندی درست کر کے لڑنے کی کوشش کی مگر ان کی کچھ پیش نہ گئی۔ اس دوران ایک مصری دستے نے ان کی چھاؤنی کی جانب یلغار کر کے پشت سے ان کی کمک منقطع کر دی۔ اس سے فرنگی مزید حواس باختہ ہو گئے۔ آخر دو گھنٹوں کی شدید لڑائی کے بعد وہ بری طرح مار کھا کر بھاگے۔ یہ دیکھ کر سلطان نے حکم دیا کہ کسی کو زندہ بچ کر نکلنے کا موقع نہ دیا جائے۔ یہ معرکہ ظہر کے بعد جس طرح یک بارگی شروع ہوا تھا، عصر سے پہلے پہلے اتنی ہی تیزی سے ختم ہو گیا۔[۵]

مسلمانوں کے میسرہ کو جو عمادالدین زنگی کی قیادت میں تھا، اس لڑائی میں شرکت کا بالکل موقع نہ مل سکا تھا کیونکہ فاصلے کی وجہ سے میسرہ تک حملے کی اطلاع دیر سے پہنچی تھی۔

اس تند و تیز لڑائی میں مسلمانوں کے صرف دس سپاہی اور مجاہد شہید ہوئے تھے جبکہ محتاط اندازے کے مطابق مقتول نصرانیوں کی تعداد نو ہزار سے کم نہ تھی۔ کاتب عماد اصفہانی کا بیان ہے کہ حر... تھیں جوریت کے ٹیلوں سے سمندر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ لڑائی کے بعد مقتولین کا معاینہ کر... ہیں کہ ان کی ہر صف میں ایک ہزار سے زائد لاشیں گری تھیں، یوں کل مقتولین نو تا دس ہز... کئی جنگجو عورتیں بھی شامل تھیں۔ دو عورتیں اور چند صلیبی سپاہی گرفتار بھی ہوئے تھے۔ بہرکیف ا... جہہ تیغ ہو گئی تھی جن کی لاشیں تقریباً تین میل کے علاقے میں پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ نظارہ دیکھ کر سلـ... چہرے سے مسرت کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔

نصرانیوں کی درگت بنتی دیکھ کر عکا کے محصورین بھی جری ہو گئے تھے، انہوں نے فصیل... فرنگیوں کی چھاؤنی پر ایک زوردار حملہ کیا۔ چھاؤنی عکا شہر کے رخ سے کھلی ہوئی تھی لہٰذا مسـ... بہت سا سامان رسد، کپڑے یہاں تک کہ کھانے سے بھری کئی دیگیں تک اٹھا کر لے گئے۔ ... خواتین بھی ان کے ہاتھ لگ گئیں جنہیں وہ گرفتار کر کے لے گئے۔ قاضی ابن شداد فرماتے ہیں:

''بدھ (24 جمادی الآخرہ، 29 جولائی) کا دن اسلام کے لیے بہترین دن بن کر گزرا۔''[۶]

مجاہد لکھتا ہے:

''جب عیسائی اس طرح پسپا اور تتر بتر کیے جا رہے تھے، عکا کے محصور مسلمانوں نے شہر سے نکل کر

۵ حوالہ بالا، ص: 199

۶ حوالہ بالا، ص: 200

نصرانیوں کے کیمپ پر حملہ کیا اور عورتوں اور بچوں کی ایک تعداد پکڑ کر لے گئے جو وہاں بے حفاظت چھوڑے گئے تھے۔ صلیبی جن کو رات کی تاریکی نے تباہی سے بچا لیا تھا، جب اپنے کیمپ میں واپس آئے تو خیموں کے نظارے اور ان نقصانات نے ان کے حوصلوں کو پست کر دیا۔"●

عبرت انگیز نظارے: کاتب عماد اصفہانی نے اس معرکے کے فوراً بعد بہت سے بشارت نامے تحریر کر ڈالے۔ پھر میدان جنگ کا مشاہدہ کرنے خود باہر نکلے۔ یہ نظارہ انہی کے الفاظ میں دیکھئے:

"جب معرکے اور فتح مبین کا پتہ چلا تو بلیغ مضامین اور بہترین عبارتوں میں تیس چالیس خطوط لکھ دیے۔ سوچا، سلطان جوں ہی آئیں گے، خطوط تیار پائیں گے اور خوشخبریوں کو روانہ ہوتا دیکھیں گے۔ میں (یہ کام نمٹا کر) قاضی بہاؤ الدین ابن شداد کے ساتھ سواری پر لاشوں اور زخمیوں کے معاینے کے لیے نکل گیا۔۔۔ حیرت ہے فرنگی کتنی جلدی لٹ گئے تھے، سب کچھ دے گئے، کس طرح فرار ہوئے اور کس قدر سامان چھوڑ گئے۔۔۔ مردہ فرنگیوں کے پیٹ چرے ہوئے تھے، آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں، ہم نے ایک عورت کی لاش دیکھی جو جنگ میں شرکت کے باعث قتل کی گئی تھی۔ ہم مسلسل وہاں چلتے پھرتے رہے، عبرت انگیز نظارے دیکھ کر غور و فکر کرتے رہے یہاں تک کہ رات نے اندھیرے کی چادر اوڑھ لی۔ ہم خیموں کی طرف لوٹ آئے اور دیر تک مسرور ہوتے ہوئے ٹیلوں پر کھڑے رہے۔ فرنگیوں کے اترے ہوئے چہروں کو دیکھ دیکھ کر مسلمانوں کے چہرے خوشی سے کھل رہے تھے۔ ہم نے (فرنگیوں کی) لاشوں کو گنا تو یہ دس ہزار کے لگ بھگ تھے۔ یہ گنتی مبالغہ نہیں بلکہ احتیاط پر مبنی کم از کم شمار ہے۔"●

خسارے کی جگہ نفع: کاتب عماد اس جنگ کے لطائف سناتے ہوئے کہتے ہیں:

"ایک مسلمان اپنا ٹٹو (چھوٹے قد کا گھوڑا) بھگاتا جا رہا تھا کہ ایک فرنگی جو اپنے گھوڑے سے گر پڑا تھا ٹٹو کی ٹھوکر کی زد میں آ گیا۔ فرنگی نے بھڑک کر اپنی تلوار چلائی اور ٹٹو کا پیٹ چیر ڈالا۔ ٹٹو پر سوار مسلمان نیچے کودا اور فرنگی پر پل پڑا۔ اپنی ہندوستانی تلوار سے اسے قتل کرنے کے بعد اس نے فرنگی کے اسلحے کا جائزہ لیا تو اس کے کمر بند سے ایک تھیلی بندھی ہوئی پائی۔ کھول کر دیکھا تو 80 دینار تھے (تقریباً چار ہزار پونڈ، جو کہ ٹٹو کی قیمت سے کہیں زیادہ تھے) یوں وہ خسارے کی جگہ نفع لے کر لوٹا۔ اس فتح کے نتیجے میں بے شمار اسلحہ ہاتھ لگا۔ خود، زرہ بکتر اور دیگر قیمتی سامان مال غنیمت میں تقسیم ہو کر فروخت کے لیے بازار پہنچا تو اسلحے کے

● [illegible] 102 ● [illegible] 147/2

بھاؤ گر گئے، ہر چیز نہایت ارزاں بک رہی تھی۔''●

خوشگوار لمحات ✽ فتح کی یہ سہانی رات دھیرے دھیرے گزر رہی تھی۔ تھکے ماندے سپاہی بے فکری سے لمبی تان کر سو گئے تھے مگر سلطان اپنے مشیروں کے ساتھ محو گفتگو تھے، امرائے لشکر انہیں مشورہ دے رہے تھے کہ دشمن کو شدید زک پہنچ چکی ہے لہٰذا اس کی پست ہمتی سے فائدہ اٹھا کر اگر کل صبح فیصلہ کن حملہ کر دیا جائے تو امید ہے کہ کامل فتح ہمارے قدم چومے گی۔ اگلے دن 25 جمادی الاخریٰ (30 جولائی) کی صبح مسلمان ایک اور زبردست خوشخبری سن رہے تھے۔ حلب سے کچھ معزز امراء سلطان کی خدمت میں پہنچے تھے، وہ پانچ دن سے متواتر سفر کر رہے تھے۔ انہوں نے بتایا:

''جرمنوں کا بہت بڑا مجمع شام کی سرحدوں پر غارتگری کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ حلب کی افواج نے ان کی ناکہ بندی کر کے انہیں بری طرح شکست دے دی۔ ان جرمنوں میں سے شاذ و نادر ہی کوئی بچ کر نکلا ہو گا۔''

قاضی بہاؤالدین ابن شداد صبح سویرے ملنے والی اس خوشخبری کا ذکر کر کے کہتے ہیں:

''یہ ایسی حسین صبح تھی کہ کسی نے شبِ عروسی کی صبح بھی اس سے زیادہ دلکش محسوس نہ کی ہو گی۔''●

غیبی مدد و نصرت ✽ شمالی شام سے آنے والی خبروں کی تفصیلات نہایت مسرت انگیز تھیں جن سے مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت ان کے شاملِ حال ہے۔ متواتر خبروں سے معلوم ہوا کہ جرمن فوج ارمنی ریاست عبور نہیں کر پائی تھی کہ ان میں ایک نہایت خطرناک وبا پھیل گئی۔ سینکڑوں سپاہی ہلاک ہو گئے تھے، خود نیا بادشاہ فریڈرک بستر پر پڑ گیا۔ آخر اس نے پچیس گھڑسواروں، چالیس مصاحبین اور شاہی خزانے کے ساتھ وہیں ٹھہرتے ہوئے باقی لشکر کو شام روانہ کر دیا۔ اگرچہ جرمنوں کی بہت بڑی تعداد سفر کی ہلاکت خیزیوں کی نذر ہو چکی تھی تاہم اب بھی وہ ساٹھ ہزار سے کم نہیں تھے۔●

سپاہیوں کی کثرت کی وجہ سے جرمن لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ان میں سے ایک فوج جو ہراول دستوں پر مشتمل تھی سیدھی انطاکیہ چلی گئی اور دوسرے نے قلعۂ بغراس کا رخ کیا جو مسلمانوں کے پاس تھا تا کہ اس پر قبضہ کر کے کچھ دنوں آرام کیا جائے اور پھر تازہ دم حالت میں عکا پر یورش کی جائے۔●

جرمن انطاکیہ میں ✽ انطاکیہ جانے والی فوج کا یہ حشر ہوا کہ سالار راستے میں مر گیا، باقی فوج انطاکیہ پہنچ گئی مگر انطاکیہ والے ان مہمانوں کے بوجھ سے جلد از جلد چھٹکارا پانے کی سوچ رہے تھے۔ حاکم

● کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 147/4
● کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 115/4
● النوادر السلطانیۃ: 195؛ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 136/4؛ سلاطین صلیب ان: 317
● النوادر السلطانیۃ: 200

انطاکیہ بوہیمنڈ اس فکر میں تھا کہ کس طرح بیمار فریڈرک کو جو اب تک ارمنی ریاست میں ٹھہرا ہوا تھا، خزانے سمیت اپنے قلعے میں بلوالے، اس نے اسے متواتر پیغامات بھی بھیجے، اسے امید تھی کہ جب صاحب فراش فریڈرک اس کے ہاں مرے گا تو اس کا خزانہ قبضے میں آجائے گا۔ ادھر ارمنی حاکم ابن لیون بھی جرمنوں کے انتشار اور ان کے حکمران کی بیماری سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ فریڈرک اس کے علاقے "تلیات" میں صرف 165 افراد کے ساتھ کسی پناہ گزین کی مانند پڑا تھا۔ ابن لیون اس کا خزانہ ہڑپ کرنے کا سوچ رہا تھا کہ فریڈرک نے مرض سے ذرا افاقہ پا یا اور فوراً مال ومتاع سمیت کر انطاکیہ پہنچ گیا، اس نے حاکم انطاکیہ کا قلعہ اپنی تحویل میں لے کر تمام ذخائر اور خزانے وہاں منتقل کردیے۔ ❶

<u>ابھی قبروں سے نکلے ہیں</u> ✽ جو جرمن قلعۂ بغراس پر قبضہ کرنے پہنچے تھے، انہیں اندر داخل ہونے میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ یہ رات کا وقت تھا۔ قلعے میں موجود مٹھی بھر مسلم سپاہیوں نے نہ صرف یہ کہ ان کو فصیل کے سامنے سے مار بھگایا بلکہ ان کے دو سو افراد گرفتار بھی کر لیے اور ان کے ساتھ لدے ہوئے مال ومتاع کے درجنوں صندوقوں اور بوروں پر قبضہ کرلیا۔ حالت یہ تھی کہ ایک ایک مسلمان تین تین جرمنوں کو قیدی بنا کر لے جا رہا تھا۔ ان قیدیوں میں سے اکثر بیماری اور نقاہت کی وجہ سے کچھ دنوں بعد مر گئے۔ زندہ بچ جانے والے جرمن منڈیوں میں فروخت ہونے پہنچے تو ان کی نہایت معمولی قیمت لگی، کیونکہ کوئی شخص ایسے لاغر غلام خریدنے پر تیار نہیں ہو رہا تھا۔ ❷

جرمنوں کی یہ درگت بنتے دیکھ کر شمالی شام کے تمام سرحدی قلعہ دار حرکت میں آگئے۔ انہوں نے قلعوں سے باہر نکل کر مختصر اور تیز رفتار دستوں کے ساتھ جرمنوں پر چھاپے مارنا شروع کردیے۔ ایک دستہ جرمنوں کے اس جم غفیر پر حملہ آور ہوا جو جانوروں کے لیے چارہ لینے جنگلات میں گھوم رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے مقابلے کے بعد جرمنوں کی پانچ سو لاشیں جنگل میں بکھری ہوئی نظر آرہی تھیں۔ ❸

علامہ ابن اثیر الجزری رحمہ اللہ جرمنوں کی خستہ حالی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ ابھی قبروں سے نکلے ہیں۔" ❹

<u>خوراک ورسد ختم</u> ✽ شام کی شمالی سرحدوں سے لے کر سلطان کی چھاؤنی تک تیز رفتار خبر رساں اب ہر وقت نقل وحرکت کر رہے تھے۔ ایک مخبر نے آکر بتایا:

"جرمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے مگر وہ نہایت کمزور ہیں، ان کے پاس بہت کم گھوڑے اور بہت کم

---

❶ الصلیبیون: 197
❷ الصلیبیون: 201
❸ کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/125_130
❹ الکامل فی التاریخ: 10/104

سازوسامان ہے، ان کا مال ومتاع زیادہ تر گدھوں پر لدا ہوا ہے۔ ان کے گھوڑے نہایت لاغر ہیں۔"

پھر اس نے کہا:

"میں ان کی حالت دیکھنے اس پل پر کھڑا ہو گیا تھا جس سے ان کو گزرنا تھا۔ کچھ دیر بعد ان کا بہت بڑا غول وہاں سے گزرا۔ میں نے دیکھا کہ ان میں سے ایک آدھ کے سوا کسی کے پاس ڈھال تھی نہ نیزہ۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگے: ہم نے وبائی علاقے میں کچھ دن گزارے ہیں جس سے ہمارے بکثرت سپاہی مر گئے، خوراک ورسد کا سامان ختم ہو گیا تھا، ایندھن نہیں مل رہا تھا، آخرکار بھوک کی وجہ سے گھوڑوں کو ذبح کر کے کھانا پڑا، آگ جلانے کے لیے نیزوں اور لکڑی کے سامان کو جلانے پر مجبور ہو گئے۔" ❶

<u>ایک دانہ بھی فروخت نہ کرنا</u>: علامہ ابن اثیر جرمنوں کی آمد کے ابتدائی دنوں میں ان کی دہشت کی منظرکشی کے لیے ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان سے خوف کا یہ عالم تھا کہ سلطان صلاح الدین کا ایک امیر موصل کے کسی نواحی گاؤں کا جاگیردار تھا، میرے بھائی صاحب مرحوم اس گاؤں کے منتظم تھے۔ جب اس جاگیر کی فصل تیار ہوئی، گندم، جو اور بھوسے کی کٹائی ہوئی تو میرے بھائی صاحب نے اس امیر کو خط لکھ کر پیداوار کی فروخت کے بارے میں رائے معلوم کی۔ امیر نے فوراً جواب لکھوایا کہ ایک دانہ بھی فروخت نہ کرنا اور ہمارے لیے زیادہ سے زیادہ بھوسا اکٹھا کر کے رکھنا۔ کچھ مدت بعد اس امیر کا دوسرا خط پہنچا کہ غلہ فروخت کر دو، ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

کچھ مدت بعد یہ امیر موصل آیا تو ہم نے اس سے پہلے پیداوار فروخت کرنے کی ممانعت کرنے اور بعد میں اجازت دینے کا سبب دریافت کیا۔ وہ کہنے لگا: 'جب جرمن کے بادشاہ کی آمد کی خبریں مشہور ہوئیں تو ہمیں یقین ہو گیا کہ اب ہمارے لیے شام میں کوئی ٹھکانہ نہیں رہے گا۔ لہٰذا میں نے غلہ فروخت کرنے سے منع کر دیا کہ جب ہم گاؤں آئیں گے تو وہ ہمارے لیے ذخیرہ ثابت ہوگا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا تو میں نے (مطمئن ہو کر) اس غلے کو فروخت کرنے اور اس کی قیمت سے فائدہ حاصل کرنے کا خط لکھ بھیجا۔" ❷

<u>اس قدر خوف ودہشت پھیلانے والے اڑھائی لاکھ جرمنوں کا انجام یہ ہوا تھا کہ ان کا بادشاہ مر گیا تھا اور اکثر فوج جنگ میں شرکت کیے بغیر ہلاک ہو گئی تھی۔</u>

❶ النوادر السلطانیۃ: 106_107 ❷ الکامل فی التاریخ: 10/105

﴿إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ﴾

"بے شک تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت۔"

صلیبی صلح پر آمادہ: 25 جمادی الاخریٰ 586ھ (30 جولائی 1190ء) کو مسلمانوں کے معسکر میں پہنچنے والی مسرور کن خبریں اسی دن فرنگیوں کے کیمپ تک پھیل گئیں۔ وہاں ایک گہری اداسی طاری ہوگئی۔ فرنگیوں کو یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ ان کا جرمن بادشاہ مرگیا ہے۔ اب اس کی فوج کے تتر بتر ہوجانے کی اطلاعات ان کے لیے مزید مایوس کن تھیں۔ گزشتہ روز کے معرکے میں زبردست جانی نقصانات نے انہیں پہلے ہی شکستہ دل کردیا تھا۔ سلطان نے انہیں میدان میں گھوم پھر کر اپنے مقتولین کا جائزہ لینے کی اجازت دے دی تھی جن کی لاشیں سورج کی تپش سے گلنے سڑنے اور پھولنے پھٹنے لگی تھیں۔ جب یہ لوگ لاشوں کے انبار دیکھ کر لوٹے تو چھاؤنی میں ان کی باتوں سے مزید بددلی پھیل گئی۔ فرنگی یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ گیارہ ماہ سے عکا کے محاصرے کے باوجود اس کی فتح کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی۔ چنانچہ انہوں نے مایوسی کے عالم میں سلطان سے صلح کے لیے مذاکرات شروع کرنے کا فیصلہ کرلیا۔[1]

میدانِ عکا میں تعینات سلطان کی گشتی سپاہ کا سالار قایماز حرانی سہ پہر کو خبر لے کر آیا کہ فرنگی مسلمانوں کا کوئی نمائندہ طلب کررہے ہیں جو ان کی بات چیت سن کر صلح کی کوئی صورت نکالنے میں مدد دے۔[2]

اس دن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صلیبی جنگ اختتام پذیر ہورہی ہے اور فریقین اپنے اپنے گھروں کو لوٹنے والے ہیں۔ دونوں طرف کے سپاہی اس روز مدتوں بعد اپنے گھروں کے سہانے سپنے دیکھ رہے تھے۔ مسلمان ایک فاتح کی حیثیت سے واپس ہونے پر مسرور تھے اور فرنگی اپنی شکست خوردگی پر حسرت کناں۔ اس رات کو معسکرِ سلطانی میں عید کا سا سماں تھا اور صلیبی چھاؤنی پر سکوتِ مرگ طاری تھا۔ وہ جنگ ہار چکے تھے۔ بجاؤ لکھتا ہے:

"شہنشاہ فریڈرک باربروسا والیٔ جرمنی کی موت کی خبر نے ان کی مصیبت اور بدبختی کے جام کو لبریز کردیا، ان کے سرداروں کو اس قدر مایوسی ہوئی کہ انہوں نے یورپ واپس جانے کا تہیہ کرلیا۔"[3]

---

[1] حسب الاسلامی الی الماعد ترجمہ: 4/147، 148

[2] النوادر السلطانیہ: 200

[3] بجاؤ ص 447 بحوالہ صلاح الدین ایوبی ص 162

فصل:6

بحر و بر میں جہادِ مسلسل

دورانِ جنگ ہر لحہ بدلتے ہوئے حالات سے واقفیت ناگزیر ہوتی ہے۔ بعض اوقات ایک بروقت خبر سے فتح کا دروازہ کھل جاتا ہے اور کبھی کبھی کسی اطلاع ملنے میں ذرا سی تاخیر سے جیتی ہوئی بازی الٹ جاتی ہے۔ تیسری صلیبی جنگ میں ایسے کئی مواقع ملتے ہیں جب خبروں کی وصولی میں تاخیر نے جنگ کی کایا پلٹ دی۔

25 جمادی الاخریٰ (30 جولائی) کو جب دشمنوں پژمردگی طاری تھی اور ان کی جانب سے سلطان کو مذاکرات کی پیش کش کی جارہی تھی، دور کھلے سمندر میں دس ہزار سپاہ پر مشتمل ایک بحری بیڑہ صلیبیوں کے لئے تازہ دم کمک لیے چلا آرہا تھا۔ اس زمانے میں ذرائع مواصلات وآلاتِ مشاہدہ اتنے ترقی یافتہ نہ تھے کہ یہ خبر فوراً صلیبیوں یا مسلمانوں کو پہنچ جاتی۔ اگر صلیبی یہ جان لیتے تو کبھی مذکرات پر آمادہ نہ ہوتے اور اگر مسلمانوں کو پہلے اس کی بھنک پڑجاتی تو وہ بلا تاخیر پوری قوت سے صلیبیوں پر حملہ کرکے انہیں شکست فاش دینے کی کوشش کرتے یا مذاکرات کا عمل تیزی سے مکمل کرکے صلیبیوں کا محاصرہ اٹھوا دیتے۔ مگر حقیقت سے لاعلم دونوں فریق مذاکرات کے بارے میں سوچتے رہے۔ سلطان ایوبی شمال سے آنے والی کچھ اہم سفارتوں کو وقت دے رہے تھے۔ ان میں کچھ تو وہ لوگ تھے جو شمالی شام سے جرمنوں کی درگت بننے کی خبریں لائے تھے۔ مگر ایک سفارت غیر معمولی اہمیت کی حامل تھی۔ یہ قیصر روم آئزک دی اینجل (اسحاق فرشتہ صفت) کا مسلمان سفیر تھا۔ اس نے قیصر کا مکتوب پیش کیا جس پر پندرہ دینار کے بقدر روزن کی طلائی مہر ثبت تھی۔ مکتوب میں دیگر رسمی باتوں کے علاوہ سلطان کو اطمینان دلانے کی کوشش کی گئی تھی کہ جرمن فوج کے قسطنطنیہ سے گزر کر اسلامی ممالک تک پہنچنے میں حکومتِ قسطنطنیہ کی کوئی بدنیتی شامل نہیں ہے۔ قیصر نے لکھا تھا:

''جرمنوں کے میرے ملک سے گزرنے کے بعد عجب نہیں کہ دشمن اپنی اغراض کی خاطر جھوٹی

باتیں پھیلا رہے ہوں۔ اگر آپ سچ سننا پسند کرتے ہیں تو جان لیں کہ جرمنوں نے آپ کے علاقوں کی بنسبت (میرے ملک میں) کہیں زیادہ اذیت و مشقت جھیلی ہے۔ ان کے سرمایے، مویشی اور افراد کا بہت زیادہ نقصان ہوا ہے۔ بہت سے مرے اور قتل کیے گئے۔ وہ بڑی مشکل سے میرے ملک کی سپاہ سے جان بچا کر نکلے ہیں۔ وہ اتنے شکستہ ہو چکے ہیں کہ آپ کے ملک تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ اگر پہنچ گئے تو وہ سخت مشقت کے بعد اتنے کمزور ہو چکے ہوں گے کہ وہ نہ تو اپنے ہم قوموں کو کوئی فائدہ دے پائیں نہ آپ کو کوئی ضرر پہنچا سکیں گے۔ بھلا میں آپ سے تعلق خاطر کو کیسے فراموش کر سکتا ہوں نیز اپنے ملک کے اہداف مقاصد اور ضروریات کو میں بہتر سمجھتا ہوں۔ آپ کی محبت نے فرنگیوں سے ہماری نفرت کو مزید بڑھا دیا ہے۔''

سلطان کو مکتوب سناتے ہوئے قیصر کا سفیر جب آخری جملے پر پہنچا تو سلطان کے چہرے پر مسکراہٹ ابھر آئی۔ انہوں نے سفیر کو انعام و اکرام سے نوازا۔ [1]

<u>ہنری آف شیمپین اور دیگر نوابوں کی کمک</u> ❁ ابھی سلطان کے صلیبیوں سے مذاکرات شروع ہونے نہیں پائے تھے کہ 27 جمادی الاخریٰ 586ھ (یکم اگست 1190ء) کو سمندری افق پر بیڑے کے بادبان ابھرتے دکھائی دیے۔ جہاز قریب آئے تو معلوم ہوا کہ ہنری کاؤنٹ اوف شیمپئن جو شاہ فرانس کا بھتیجا اور یورپ کے کئی دیگر حکمرانوں کا عزیز ہے، دس ہزار سپاہیوں، ہتھیاروں، نقد دولت اور خوراک و رسد کے ذخائر سمیت آیا ہے۔ فرنگیوں کی شکستہ ہمتیں پھر سے جوان ہو گئیں۔ پرسوں ان کے جتنے سپاہی مارے گئے تھے، انہیں آج ان سے کچھ زیادہ کمک مل گئی تھی پس اب صلح کی کیا ضرورت رہ گئی تھی۔ بہاؤ کاؤنٹ آف شیمپین کی آمد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''صلیبی بلا مزاحمت واپس روانہ ہونے اور صلاح الدین سے ایک شرمناک صلح کرنے کے وسائل تلاش کر رہے تھے کہ یورپ سے بحری جہازوں کا ایک بیڑا اعکا پہنچ گیا جس میں فرانسیسی، انگریزی اور اطالوی افواج کی ایک بڑی تعداد تھی جن کا قائد ہنری اوف شیمپین تھا۔ اس کی آمد سے نصرانیوں کی ڈھارس ایک بار پھر بندھ گئی۔'' [2]

اس کے بعد یورپ سے امدادی افواج کا ایک تانتا بندھ گیا، کاؤنٹ اوف کلیر مونٹ، کاؤنٹ اوف شالون اور تھیبالٹ جیسے نامی گرامی نواب ساحل پر اترے۔ ہر ایک کی قیادت میں ایک منظم فوج تھی۔ [3]

---

1. النوادر السلطانیہ: 202، 203
2. پالیکس 407 بحوالہ حیات صلاح الدین: ص 163
3. کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/310

کچھ ہی دنوں میں صلیبی افراد، اسلحے اور خوراک و رسد کے لحاظ سے اتنے مضبوط ہو گئے کہ گزشتہ ایک سال سے جاری صلیبی جنگ میں انہیں اتنی بڑی طاقت پہلے کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی لہٰذا اب وہ صلح کی بجائے عکا پر فیصلہ کن حملے کرنے پر تل گئے۔ مگر اس سے پہلے انہوں نے اس قسم کی باتیں پھیلادیں جیسے وہ سلطان سے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا چاہتے ہوں یا مسلمانوں کے کیمپ پر شب خون کی تیاری کر رہے ہوں۔ سلطان کے جاسوس غلط فہمی کا شکار ہو کر یہی خبریں لائے۔ کچھ پردیسی عیسائی دونوں طرف کے لشکروں میں آزادانہ گھوم پھر سکتے تھے۔ یہ تاجر، یا سیاح قسم کے لوگ تھے۔ مسلمانوں نے ان سے بھی ایسی اطلاعات سنیں۔ سلطان نے ان حالات میں امراء سے مشورہ کیا۔ چند روز قبل کے معرکے میں قتل ہونے والے صلیبیوں کی لاشوں کے گلنے سڑنے سے میدان جنگ میں سخت تعفن پھیلا ہوا تھا اس لیے امرائے لشکر ویسے بھی کیمپ کو پیچھے لے جانا چاہتے تھے۔ اب صلیبیوں کے عزائم کی سن گن سے اس رائے کو اور تقویت ملی۔ ویسے بھی مسلمان صلیبیوں کی چھاؤنی کو مسخر کرنے میں اب تک ناکام رہے تھے، انہیں فیصلہ کن شکست دینے کا ایک ہی ممکنہ راستہ تھا، وہ یہ کہ میدان جنگ میں بھرپور معرکہ ہو اور ایسے بڑے معرکے کے لیے میدان کا دائرہ مزید کھلا چھوڑنا ضروری تھا تاکہ دونوں فریق پوری طاقت جھونک سکیں۔ ①

لشکرِ اسلام کی عقب نشینی: 27 جمادی الاخریٰ 586ھ (یکم اگست 1190ء) کو مسلمان کوہِ خروبہ پر منتقل ہو گئے، میدانِ عکا میں صرف ایک ہزار نگران سپاہی رہ گئے جو فرنگیوں کی نقل و حرکت سے سلطان کو پل پل آگاہ کرتے رہتے تھے۔ ادھر صلیبیوں کے پاس نیا اسلحہ اور قلعہ شکن آلات آ گئے تھے۔ سلطان کی افواج کا خطرہ بھی ذرا دور ہو گیا تھا۔ انہوں نے طے کیا کہ اب عکا پر فیصلہ کن حملہ کر دینا چاہیے۔ ہنری بہت ساری منجنیقیں لے کر آیا تھا جو کہ بہت بڑے پتھر پھینک کر فصیل کو شکستہ کر دینے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ عکا کے محاصرے میں فرنگی پہلی بار منجنیقیں استعمال کر رہے تھے۔ جب ان منجنیقوں کا حملہ شروع ہوا تو عکا کی فصیل لرزنے لگی۔ بھاری پتھروں کی مار سے دیواروں پر نشان پڑنے لگے۔ رجب کا مہینہ شروع ہو گیا تھا۔ فرنگیوں کی منجنیقیں دن رات کسی خاص وقفے کے بغیر لگاتار سنگ باری کرتی رہیں اس کے ساتھ ساتھ دبابے اور دیگر فصیل شکن آلات بھی میدان میں لانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ②

عکا کا والی بہاؤالدین قراقوش اور محافظِ اعلیٰ ابوالہیجاء سمین اس صورتحال سے بڑے متفکر تھے۔ انہیں خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ اگر سنگ باری اسی طرح جاری رہی تو فصیل میں شگاف پڑ جائے گا۔ آخر انہوں

① النوادر السلطانیہ:201 ② صلیبی جنگیں:173، 174

نے باہر نکل کر کسی بھی قیمت پر منجنیقوں کو نذر آتش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک دن وہ فصیل کے دروازے کھول کر یکدم باہر نکل آئے۔ پل ڈال کر خندق عبور کی اور دشمن کی خیمہ گاہ میں گھس گئے۔ فرنگی اس اچانک اور تند و تیز حملے سے ایسے گھبرائے کہ انہیں اپنی منجنیقوں کی حفاظت کا خیال ہی نہ رہا۔ وہ حملہ آوروں سے لڑتے رہے اور ادھر آتش گیر اسلحے سے لیس کچھ مجاہد منجنیقوں تک پہنچ گئے، انہوں نے آن کی آن میں انہیں آگ لگا دی اور تیزی سے عکا کی طرف واپس دوڑ گئے۔ فرنگی گھبرا کر ادھر بھاگے مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ مسلمان سپاہی بھی فرنگیوں کی بدحواسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بحفاظت واپس آ گئے۔ وہ کئی فرنگیوں کو قیدی بنا کر ساتھ گھسیٹ لائے تھے۔ میدان میں فرنگی اپنے ستر گھڑسواروں کی لاشیں دیکھ رہے تھے مگر انہیں منجنیقوں کی آتش زدگی کا زیادہ افسوس تھا کیونکہ ان کے بغیر عکا کی فتح ناممکن تھی۔ [1]

نامعلوم نواب۔ اسیر عکا: عکا کے جانباز جن قیدیوں کو پکڑ کر لائے تھے ان میں صلیبیوں کا ایک نامی گرامی نواب بھی شامل تھا، مسلمان اس سے واقف نہیں تھے۔ ادھر فرنگیوں نے دم لینے کے بعد جب اپنے افراد کا جائزہ لیا تو اس نواب کو کم پایا۔ جب وہ مقتولین میں بھی نہ ملا تو وہ سمجھ گئے کہ اسے قید بنا لیا گیا ہے۔ اب انہوں نے مسلمانوں سے قیدیوں کی آزادی کی بات چیت شروع کر کے اچھا خاصہ زر فدیہ ادا کرنے کی پیش کش کی مگر یہ ظاہر نہ کیا کہ ان کا کوئی اہم ترین آدمی گرفتار شدگان میں شامل ہے۔ تاہم جس مسلمان نے فرنگی نواب کو گرفتار کیا تھا، وہ یہ گفتگو سن کر سمجھ گیا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ اس نے سوچا کہیں ایسا نہ ہو عکا کے امراء فرنگیوں سے کوئی معاہدہ کر لیں اور اس کے تحت اس دشمنِ اسلام کو رہائی مل جائے۔ چنانچہ اس نے صلیبیوں کو تڑپانے کے لیے، بات چیت کے نتیجہ خیز ہونے سے پہلے ہی اس نواب کو قتل کر دیا۔ ادھر صلیبی بار بار فصیل کے قریب آ کر اصرار کر رہے تھے کہ فدیہ لے کر قیدی ان کے حوالے کر دیے جائیں، ان کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں نے اس نواب کی لاش فصیل پر لا کر رکھ دی۔ فرنگی ششدر رہ گئے۔ پھر ان میں کہرام مچ گیا۔ کوئی اپنے سر پر خاک ڈال رہا تھا، کوئی زمین پر لوٹ رہا تھا، اس کے بعد کئی دنوں تک ان پر سکوتِ مرگ کی کیفیت طاری رہی۔ [2]

یہ نواب کون تھا۔ صرف نواب تھا یا کوئی بادشاہ تھا، صلیبیوں کی آہ و زاری اور چھاؤنی میں سوگ جیسی خاموشی سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ غالباً یورپ کا کوئی بادشاہ تھا۔ ممکن ہے وہ ایک دو دن پہلے پہنچا ہو اور عام فرنگیوں کو اس کی آمد کا پتا نہ لگا ہو یا وہ اس سے متعارف نہ ہوئے ہوں اس لیے صلیبی قیادت اس راز کو چھپانے میں کامیاب رہی۔ مسلمانوں کے جاسوس برسوں بعد بھی اس کا پتا نہ چلا سکے کہ وہ کس ملک

[1] النوادر السلطانیہ: 205 [2] النوادر السلطانیہ: 205

کا حاکم تھا۔ کسی وقائع نگار یا مؤرخ کو یہ بھید معلوم نہیں ہوسکا۔

اس واقعے کے بعد فرنگیوں کو ٹھنڈا پڑتا دیکھ کر نہ صرف عکا کے سپاہی بلکہ اردگرد کے بدوقبائل بھی بے خوفی سے صلیبی چھاؤنی پر حملے کرنے لگے۔ بدو سامانِ رسد چرانے، مویشی بھگا لے جانے اور ہرا کیلے دُکیلے کافر کو قتل کر دینے کی کارروائیوں میں جری ہوگئے۔ [1]

مارکوئیس انطاکیہ میں: ادھر نیا جرمن بادشاہ فریڈرک انطاکیہ میں قیام کے دوران وہاں کے امور پر حاوی ہوتا جارہا تھا۔ قلعہ اب اس کے قبضے میں تھا جہاں اس نے اپنا خزانہ منتقل کرادیا تھا۔ حاکم انطاکیہ مجبوراً ایک بڑے ملک کے حکمران کے نخرے برداشت کر رہا تھا اور اس کے احکام دست بستہ بجالا رہا تھا۔ اس دوران صور کا گرگ باراں دیدہ کونرڈ مارکوئیس جرمن بادشاہ کی آؤ بھگت کے لیے ایک فوج کے ساتھ انطاکیہ پہنچ گیا۔ یورپ میں صلیبی جنگ کی آگ بھڑکانے اور شاہانِ یورپ کو حملے پر آمادہ کرنے میں مارکوئیس اور صور کے بڑے پادری ولیم آف ٹائر کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس لیے مارکوئیس نے بذاتِ خود یورپ کے ایک بڑے فرماں روا کے استقبال کے لیے جانا ضروری سمجھا۔ اس طرح وہ اس کا منظورِ نظر بن کر مستقبل میں شام کی سیاست پر زیادہ اثر انداز ہوسکتا تھا۔ جرمن حکمران نے جو اپنی فوج کے بے پناہ جانی و مالی اتلاف سے شکستہ ہمت ہوچکا تھا مارکوئیس کے انطاکیہ پہنچنے سے دوبارہ حوصلہ پایا۔ [2]

جرمنوں کا حشر نشر: 15 رجب 586ھ (18 اگست 1190ء) کو جرمن حکمران نے ہزاروں سپاہیوں کے ہمراہ سمندر کے کنارے کنارے عکا کا رخ کیا۔ دراصل حلب اور حماۃ کی محافظ افواج کے ہاتھوں جرمنوں کی جو گت بنی تھی اس نے جرمن حکمران کو خوفزدہ کر رکھا تھا، اس لیے وہ عام شاہراہوں سے کنی کترا کر جا رہا تھا۔ اس کے باوجود تقی الدین عمر اس کے انطاکیہ سے نکلتے ہی چوکنا ہوگیا۔ اس نے حماۃ کی فوج کو ساتھ لیا جو شمالی محاذ کے لیے عکا کے معسکر سے بھیجی جانے والی افواج کا ہراول دستہ تھی۔ تقی الدین عجلت کی وجہ سے الملک الظاہر کے زیرِ قیادت حلب کی فوج کا انتظار نہ کرسکا اور انہی سپاہیوں کو لے کر ساحل پر آگیا۔ تقی الدین عمر کے سپاہی تعداد میں بہت کم تھے لہٰذا کھلے میدان میں صف آرا ہونے کے بجائے گوریلا کارروائیاں ہی مؤثر تھیں۔ تقی الدین نے فوج کو چھوٹے چھوٹے دستوں میں بانٹ جرمن فوج کے پہنچتے ہی چھاپہ مار حملے شروع کردیے۔ یہ مجاہدین برابر جرمنوں کی تاک میں رہتے، تندوتیز حملے کرتے، رسد لوٹتے اور بھولے بھٹکے سپاہیوں کو گرفتار کرلیتے۔ [3]

1. النوادر السلطانیہ: 205
2. النوادر السلطانیہ: 208
3. النوادر السلطانیہ: 208

ادھر وادیٔ عکا میں جرمنوں کے کوچ کی خبر سے ایک ہل چل مچ گئی تھی۔ سلطان کے خاص مصاحبین کی تشویش سب سے بڑھ کر تھی۔ خود قاضی ابن شداد پریشان ہو گئے تھے۔ مگر سلطان ایوبی کا حوصلہ جوان تھا۔ ابن شداد کہتے ہیں:

"جب میں سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہیں نہایت بااعتماد اور پرعزم پایا۔ وہ اللہ کی قوت پر اعتماد کی دولت سے آراستہ اور پوری شدت کے ساتھ آمادۂ پیکار نظر آرہے تھے۔ یہ دیکھ کر میرے دل کی گھٹن جاتی رہی اور مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے خدا کی نصرت خاص ان کے شامل حال ہے۔"❶

انطاکیہ سے طرابلس تک کے درمیانی وسیع علاقے میں ساحل پر نصرانیوں کا کوئی شہر نہ تھا۔ سلطان صلاح الدین دو سال قبل یہ علاقے فتح کر چکے تھے۔ یہاں کی دونوں اہم بندرگاہیں جبلہ اور لاذقیہ مسلمانوں کے پاس تھیں۔ اس علاقے میں حماۃ کے سپاہی تقی الدین عمر کی کمان میں لگاتار کارروائیاں کر رہے تھے۔ انہوں نے جرمن لشکر کو بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ اگر الملک الظاہر کی افواج بھی بروقت یہاں پہنچ جاتیں تو جرمنوں کو وہیں گھیر کر بالکل ختم کر دیا جاتا۔ سلطان کو تقی الدین عمر کے مخبروں کے ذریعے برابر خبریں مل رہی تھیں کہ کس طرح جرمن انطاکیہ سے نکلے اور کس طرح وہ خود کو محفوظ کرتے ہوئے ساحل کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ مجاہدین کس طرح ان پر حملے کر رہے ہیں۔ جرمن کس بدنظمی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ان کے سپاہی بے دم اور گھوڑے خستہ حال ہیں۔❷

ایک مخبر نے لکھا:

"لاذقیہ اور جبلہ کے درمیان ساٹھ سے کچھ زیادہ جرمن گھڑسواروں کو ایک جگہ سے گزرتے دیکھا جو مرنے کے قریب معلوم ہوتے تھے۔ بھوک کی وجہ سے ان کے جسموں پر گوشت کی بجائے صرف ہڈیاں رہ گئی تھیں۔"

ایک اور مخبر کا خط آیا جس نے بتایا:

"جرمن پیادے اور گھڑسوار اب صرف پانچ ہزار کی تعداد میں باقی رہ گئے ہیں۔"

قاضی بہاؤ الدین ابن شداد اس موقع پر نہایت مسرت کے ساتھ تحریر کرتے ہیں:

"دیکھیے تو سہی اللہ نے اپنے دشمنوں کا کیسا حشر کیا۔"❸

---

❶ النوادر السلطانیہ ص:209
❷ النوادر السلطانیہ ص:209
❸ النوادر السلطانیہ ص:209

شہید ہو کر بھی فرض ادا کیا ❁ عکا بدستور سخت محاصرے میں تھا۔ مگران ایام میں بھی تیراک جان پر کھیل کر عکا سے رابطے بحال کیے ہوئے تھے۔ ان میں عیسیٰ عوام نامی ایک ماہر تیراک کے کارنامے غیر معمولی تھے۔ وہ موم جامہ (واٹر پروف) کیے ہوئے اہم خطوط اور اخراجات کے لیے رقم کمر سے باندھ کر سمندر میں غوطہ لگاتا اور عکا کا محاصرہ کرنے والے فرنگی جہازوں کے نیچے سے گزرتا ہوا، عکا کی بندرگاہ کے قریب جا کر نمودار ہوتا۔ امانتیں پہنچا کر وہ عکا سے ایک پیام بر کبوتر اڑادیتا جو سلطان کے معسکر میں جا کر اترتا، اس سے وہاں کے افسران کو عیسیٰ کے بخیر وعافیت عکا پہنچنے کا اطمینان ہو جاتا۔

رجب کے آخری ایام تھے، ایک دن عیسیٰ کی روانگی کے بعد بہت دیر تک قاصد کبوتر نہ آیا۔ سلطان کے افسران کو خدشہ محسوس ہوا کہ وہ راستے میں کسی حادثے کا شکار نہ ہو گیا ہو۔ اس دن عیسیٰ نہایت اہم خطوط اور تین تھیلیوں میں ایک ہزار دینار کی خطیر رقم ساتھ لے کر گیا تھا اس لیے افسران کی پریشانی بجا تھی۔ بعض لوگ کہہ رہے تھے کہ وہ دینار لے کر بھاگ گیا ہے۔ بعض سوچ رہے تھے کہ یہ غیر معمولی اہمیت کی چیزیں کہیں دشمن کے ہاتھ نہ لگ گئی ہوں۔

مگر عیسیٰ دھوکہ باز نہیں تھا۔ وہ فرار ہوا تھا نہ گرفتار۔ وہ اللہ کی راہ میں جان قربان کر چکا تھا۔ کئی دن بعد عکا کے مسلمان ساحل سمندر پر نگاہیں جمائے کھڑے تھے کہ اچانک سمندر کی لہروں نے ایک بھاری جسم کو کنارے پر اچھال دیا۔ لوگ دوڑ کر گئے۔ دیکھا تو وہ عیسیٰ تھا۔ موم جامہ کیے ہوئے خطوط اس کی کمر کے ساتھ بحفاظت بندھے ہوئے تھے۔ دیناروں کی تھیلیاں بھی سلامت تھیں۔ بدگمانی کرنے والوں کے سر شرم سے جھک گئے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس حادثے کا شکار ہوا۔ ممکن ہے وہ کسی کشتی یا جہاز کے پیندے سے ٹکرا گیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے فرنگیوں نے دیکھ لیا ہو اور ان کے حملے میں وہ زخمی ہو کر ڈوب گیا ہو۔ بہرکیف عیسیٰ نے شہید ہونے کے بعد بھی اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔ شاید آخری لمحات میں اس نے حق تعالیٰ سے یہی دعا کی ہوگی۔ قاضی ابن شداد فرماتے ہیں:

''اس کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا گیا جس نے زندگی میں بھی امانتیں پہنچائی ہوں اور مرنے کے بعد بھی یہ ذمہ داری پوری کی ہو۔''[1]

بیروت کے جانباز ملاح ❁ گزشتہ کئی ماہ سے عکا میں خوراک و رسد کا کوئی نیا ذخیرہ نہیں پہنچا تھا۔ آخری بار موسم بہار میں سامان رسد آیا تھا۔ اس کے بعد سمندر کی طرف سے محاصرہ اتنا سخت ہو گیا

[1] النوادر السلطانیہ: 206_207

کہ کسی جہاز یا کشتی کا بندرگاہ میں داخل ہونا ناممکن ہوگیا تھا۔ شہر کے مغرب کی طرف سے تقریباً دس پندرہ میل دور تک فرنگیوں کے بحری جہازوں کا دائرہ تھا۔ اس کے بعد شہر کے قریب بھی صلیبیوں کی کشتیاں گشت کرتی رہتی تھیں۔ خشکی کی جانب سے عکا پہلے ہی گھرا ہوا تھا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ دمشقی کے بقول محاصرہ ایسا تھا جیسے انگوٹھی نے انگلی کو اپنے حلقے میں لیا ہوا ہو۔

ماہ رجب 586ھ (اگست 1190ء) کے دوران عکا میں قحط کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔ محصورین جو فرنگیوں کے محاصرے اور تعداد سے مرعوب نہیں تھے، بھوک سے لاچار ہونے لگے۔ اس دوران سلطان ایوبی مصر میں اسکندریہ کی بحری فوج کو پیغام بھیج چکے تھے کہ وہ جلد از جلد خوراک سے لدے ہوئے جہاز لے کر عکا پہنچے مگر ان کے آنے میں تاخیر ہوتی جارہی تھی۔ آخر یہ ذمہ داری شام کے ساحلی شہر بیروت کے حاکم عزالدین اسامہ کو سونپی گئی کہ وہ ہنگامی طور پر دو تین ہفتے کی خوراک کا ذخیرہ عکا پہنچادے۔

ایک دن کئی بڑی بڑی کشتیاں بادبان کھولے شمال کی طرف سے نمودار ہوئیں جن پر صلیبی پرچم لہرارہے تھے۔ وہ تیزی سے ساحل کے متوازی چلی جارہی تھیں۔ کشتیوں کے عرشوں پر کٹے ہوئے خنزیر دور سے نظر آرہے تھے۔ زُنار باندھے ملاح اور یورپی وردیوں میں ملبوس ڈاڑھی منڈے سپاہی بے چین نگاہوں سے جنوب مشرق کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے ہمراہ ڈھیلی ڈھالی عباؤں میں لپٹے ہوئے کچھ راہب بھی تھے۔ ان کی نگاہیں عکا کی بھوری دیوار پر گڑی تھیں جہاں انہیں ہر قیمت پر پہنچنا تھا۔ یہ نصرانیوں کے بہروپ میں بیروت کے سپاہی تھے جبکہ بیروت کے چند ذمی عیسائی بھی ان کے ساتھ تھے۔ حاکم بیروت عزالدین کو جب سلطان کا پیغام پہنچا تھا کہ جلد از جلد عکا کو رسد پہنچائی جائے تو اس مردِ دانا نے فرنگیوں سے چھینی گئی چند بڑی کشتیوں کو جو خاصی مدت سے بیروت کی بندرگاہ پر تھیں، سلطان کے حکم کے مطابق مرمت کرا کے اس مہم کے قابل بنایا، اس کے سپاہیوں نے فرنگیوں کا بھیس بدلا تاکہ وہ عکا کا محاصرہ کرنے والے صلیبی جہاز رانوں کو دھوکہ دے کر نکل جانے میں کامیاب ہوجائیں۔

یہ مجاہدین محصورین عکا کے لیے غذا کی چار سو بوریوں سمیت انواع واقسام کا غلہ لیے جارہے تھے۔

لیکن ابھی وہ منزل سے ذرا دور تھے کہ انہیں ایک عجیب مشکل نے گھیر لیا۔ ہوا یہ کہ اس وقت فرنگیوں کی کچھ کشتیاں ساحل پر اپنی چھاؤنی کی طرف جارہی تھیں۔ وہ اتفاق سے اسی وقت ادھر آنکلی تھیں اور اب بیروت والوں کے پیچھے پیچھے چلی آرہی تھیں۔ بیروتی ملاحوں کے لیے ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہوگیا تھا۔ اگر وہ ان کو آگے نکلنے کا موقع دینے کے لیے رکتے تو شک کی زد میں آجاتے۔ اگر ان کے ساتھ چلتے رہتے تو جب وہ عکا کی بندرگاہ کی طرف مڑتے تو فرنگی سمجھ جاتے کہ یہ مسلمان ہیں اور

محصورین کی مدد کے لیے بندرگاہ میں داخل ہو رہے ہیں، تب وہ انہیں روکنے کی پوری کوشش کرتے۔
بہرکیف مسلمانوں نے اپنا اضطراب ظاہر نہ ہونے دیا اور اپنی کشتیاں معمول کی رفتار سے چلاتے رہے۔فرنگیوں کی کشتیاں ذرا فاصلے سے پیچھے پیچھے تھیں۔آخر کار وہ عکا کے قریب پہنچ گئے جہاں شہر کی بندرگاہ سے پہلے فرنگی بحری بیڑا لنگر انداز تھا۔اب بیروت کے مجاہدین کو ان جہازوں کے کڑے پہرے سے گزرنا تھا۔انہوں نے بڑی دانائی سے کام لیتے ہوئے اس خطرناک مرحلے کو طے کیا۔فرنگی ان کی کشتیوں پر بڑی بڑی صلیبیں، ڈاڑھی منڈے سپاہی، صلیبی وردیوں والے ملاح اور خنزیروں کا گوشت دیکھ کر نہ صرف مطمئن بلکہ خوش بھی ہوئے کہ غلے اور گوشت کی تازہ کھیپ آئی ہے۔مگر کشتیوں کے رخ سے انہوں نے کچھ خدشہ محسوس کرتے ہوئے اچانک پوچھ لیا:
''تم عکا کی بندرگاہ کی طرف جارہے ہوناں؟''
یادرہے کہ عکا کی بندرگاہ اب تک مسلمانوں کے پاس تھی۔
اس سوال کے جواب میں اگر کہا جاتا: ''نہیں'' تو فرنگی پہرے دار مزید شک میں پڑ جاتے اور ضرور پوچھتے:
''پھر تمہارا رخ اُدھر کیوں تھا؟''
لہٰذا بیروت کے ایک سپاہی نے ذہانت سے کام لیتے ہوئے فوراً کہا:
''ہاں ہاں مگر کیا ہوا! کیا تم نے عکا فتح نہیں کرلیا۔''
اس طرح اس نے یہ تاثر دیا کہ انہیں عکا کے محاذ کی صورتحال کا کوئی علم نہیں ہے۔
''نہیں! شہر ابھی تک فتح نہیں ہوا'' جہاز رانوں نے منہ بنا کر جواب دیا۔
''اچھا تو پھر ہم سیدھے لشکر کی طرف ہی جاتے ہیں۔ ہمارے پیچھے کچھ اور کشتیاں بھی آرہی ہیں۔انہیں خبردار کردو کہ وہ شہر کی بندرگاہ کی طرف نہ جائیں۔''
یہ کہہ کر ملاح تیزی سے کشتیاں آگے لے گئے۔فرنگی جہاز راں کھلے سمندر کی طرف دیکھنے لگے تاکہ دوسری کوئی کشتی آتی دکھائی دے تو اسے بھی متنبہ کردیں کہ وہ شہر کی بندرگاہ کا رخ نہ کرے۔وہ سوچ رہے تھے کہ نامعلوم کس کم بخت نے عکا کی فتح کی خبر اڑادی ہے۔خواہ مخواہ ہماری کشتیاں بندرگاہ کی طرف جانے لگی تھیں۔
تھوڑی دیر میں پیچھے آنے والی صلیبی کشتیاں بھی وہاں پہنچ گئیں۔ پہرے دار جہاز راں چیخ چیخ کر انہیں خبردار کرنے لگے کہ عکا کی طرف مت جانا، وہ ابھی تک مسلمانوں کے قبضے میں ہے۔آنے والے صلیبیوں کو پہرے داروں کی دماغی حالت پر شک ہونے لگا۔کیونکہ یہ بات تو ہر کسی کو معلوم تھی کہ عکا

ناقابل تسخیر ثابت ہو رہا تھا۔

آپس میں کچھ دیر الجھنے کے بعد انہوں نے پلٹ کر ساحل کی طرف دیکھا تو آگے جانے والی کشتیاں بادبان کھولے موافق ساحلی ہوا کے تیز جھونکوں کے ساتھ عکا کی بندرگاہ کی طرف اڑی جارہی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ برج الذباب تک پہنچ گئیں۔ فرنگیوں نے اپنی کشتیوں کے پتواروں کو تیزی سے حرکت دے کر ان کے قریب پہنچنے کی کوشش کی۔ وہ اب بھی اس گمان میں تھے کہ اگلی کشتیوں میں ان کے عیسائی ساتھی ہیں، اس لئے وہ چلا رہے تھے:

"ارے بھائیو! تم غلط راستے پر جا رہے ہو۔"

ان کی چیخ و پکار کے بعد بھی اگلی کشتیاں رکنے میں نہ آئیں تو انہوں نے تعاقب شروع کر دیا۔ تاہم اس وقت تک انہیں بہت دیر ہو چکی تھی۔ مسلمان عکا کی بندرگاہ کے پاس پہنچ چکے تھے، انہوں نے تعاقب میں آنے والی ایک کشتی کو ڈبو دیا اور فوراً بندرگاہ میں داخل ہو گئے۔ برج الذباب کی زنجیر گرا کر کھاڑی کا منہ بند کر دیا گیا تھا۔ فرنگی دیکھتے ہی رہ گئے۔ یہ ماہ رجب 586ھ کے آخری عشرے کا واقعہ ہے۔

اس دن عکا کی بندرگاہ پر عید کا سماں تھا۔ کشتیوں سے اتارے جانے والے سامان میں گندم کی چار سو بوریاں، چربی، پنیر اور پیاز کے ٹوکرے، گوشت کے خشک پارچے، تازہ گوشت کے لیے زندہ بکریاں اور دیگر غذائی اجناس سمیت، بہت کچھ تھا۔ اس کے علاوہ تیروں کے گٹھے اور روغن نفط کے پیپے بھی تھے۔ ❶

حالات کے اس اعصاب شکن اتار چڑھاؤ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا عزم و استقلال ذرا بھی کم نہیں ہوا تھا۔ ان کا اعتماد و توکل حد درجے بڑھا ہوا نظر آتا تھا۔ ان کے چہرے پر بشاشت رہتی تھی، ان کا دل قوتِ یقین سے لبریز اور تسلیم و رضا کی دولت سے مالا مال تھا۔ وہ اپنی عبادات معمول کے مطابق انجام دے رہے تھے، لشکریوں کے معاملات و مسائل کو دیکھ رہے تھے، عوامی نمائندوں سے مل رہے تھے، ملاقات کے لیے آنے والے علماء و فقہاء، صوفیاء اور درویشوں کو برابر وقت دے رہے تھے۔ واقعی وہ اپنی ذات میں ایک عجوبہ تھے۔ ❷

بحری جہازوں کی جنگ ❁ بیروت سے آنے والا سامان ہنگامی وقت کے لیے تھا۔ سپاہیوں اور شہریوں نے نہایت احتیاط کے ساتھ استعمال کیا مگر وہ تین ہفتوں کے اندر ختم ہونے کو آ گیا۔ شعبان کا دوسرا عشرہ شروع ہوتے ہی عکا کو پھر خوراک و رسد پہنچانے کی شدید ضرورت پڑ گئی۔ والی شہر بہاؤالدین قراقوش اور امیر بحریہ حسام الدین لؤلؤ نے سلطان کو خفیہ پیغام رسانی کے ذریعے بتایا کہ شہر

❶ النوادر السلطانیہ: 206 ❷ النوادر السلطانیہ: 209

میں موجود غذائی ذخیرہ صرف 15 شعبان (17 ستمبر) تک کام دے سکتا ہے۔اس کے بعد کچھ نہیں بچے گا۔سلطان نے اس پریشان کن خبر کو کسی قریبی ساتھی پر بھی ظاہر نہ ہونے دیا۔خطرہ تھا کہ اگر یہ بات پھیل گئی تو ادھر لشکرِ اسلام کی ہمت پست ہو جائے گی اور اُدھر فرنگیوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔ ❶

سلطان ایوبی اسکندریہ کے بیڑے کے منتظر تھے جو خوراک لے کر مصر سے روانہ ہو چکا تھا۔امید تھی کہ اس کی آمد سے اہلِ عکا کی فوری پریشانی دور ہو جائے گی۔14 شعبان 586ھ (16 ستمبر 1190ء) کا دن اہلِ عکا پر نہایت بھاری تھا۔لوگ خوراک کے آخری ٹکڑے نگل رہے تھے۔سلطان کی جانب سے کوئی واضح جواب نہیں ملا تھا۔لوگ سوچ رہے تھے۔نہ معلوم کل کیا ہوگا؟ سپاہی اور شہری کتنے دن بھوک برداشت کر پائیں گے؟ شاید عکا کو سرنگوں ہونا پڑے گا۔

سہ پہر کے وقت سمندر میں کچھ ہل چل محسوس ہوئی۔لوگ عکا کے برجوں اور سمندر کی طرف قائم بلند فصیل پر چڑھ گئے۔جنوب کی سمت نیلے سمندر پر تین دھندلے سے دھبے دکھائی دے رہے تھے۔لوگوں کے دل خوشی سے دھڑکنے لگے۔

''شاید اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد آن پہنچی ہے۔عکا ہتھیار نہیں ڈالے گا۔''

یہ اسکندریہ سے آنے والے تین بحری جہاز تھے۔ان میں خوراک کے اتنے بڑے ذخائر لدے ہوئے تھے جو محصورین عکا کو پورے جاڑے میں کام دے سکتے تھے۔مگر اس بار بیڑے کا بندرگاہ میں داخل ہونا آسان نہ تھا۔فرنگی بیروت کی کشتیوں سے دھوکا کھانے کے بعد بہت چوکنا ہو گئے تھے۔انہوں نے جوں ہی اسکندریہ کے جہازوں کو عکا کی طرف بڑھتے دیکھا فوراً مقابلے پر کمربستہ ہو گئے۔شمال کی طرف سے صلیبی جنگی جہاز جنوب کی طرف بڑھنے لگے، ادھر اسکندریہ کے بیڑے نے ہوا کی موافقت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کھلے بادبانوں کے ساتھ تیزی سے مشرق کا رخ کیا اور عکا سے قریب تر ہونے لگا۔فرنگی جہاز رانوں کی کوشش تھی کہ اسکندریہ کے بیڑے کو برج الذباب تک پہنچنے سے پہلے پہلے تباہ کر دیا جائے۔جبکہ اسکندریہ کے سپاہی مدافعانہ جنگ لڑتے ہوئے کسی بھی قیمت پر برج الذباب تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے، دونوں طرف سے سلاخ دار تیر چل رہے تھے، سنگ باری ہو رہی تھی۔مسلمانوں کی کوشش تھی کہ پے در پے حملوں سے صلیبی جہازوں کو قریب آنے کا موقع نہ دیں مگر فرنگیوں کے جہازوں کو نہ روکا جا سکا۔وہ نیم دائرے میں پھیل کر گھیرا ڈالنے لگے اور آخر کار دائرہ مکمل کر کے تینوں جہازوں کو مکمل نرغے میں لے لیا۔

اسلامی بیڑے نے آخری کوشش کے طور پر مشرق کی طرف کھڑے جہازوں کو ٹکر مار کر ہٹانے کی کوشش کی

❶ النوادر السلطانیۃ:210

مگر انہیں نکلنے کا کوئی راستہ نہ مل سکا۔ مسلمانوں کے پاس اب دوبدو جنگ کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔ چنانچہ اسلامی بحریہ کے سپاہی سرکس کے مداریوں کی طرح بلند و بالا مستولوں پر چڑھ گئے اور بادبانوں کے رسّوں سے لٹک کر فرنگیوں کے جہازوں پر کودتے چلے گئے۔ وہ ایک ہاتھ سے رسا تھام کر دوسرے ہاتھ میں تلوار لہراتے ہوئے بڑے ماہرانہ انداز سے دشمن کے جتھے پر جا گرتے۔ یوں دست بدست جنگ شروع ہوگئی۔ دشمن سے نجات کا اب یہی ایک طریقہ رہ گیا تھا۔ مسلمان جس جہاز کے عملے کا صفایا کرتے اسے راستے سے ہٹا کر ایک طرف کر دیتے اور اسلامی بیڑے کو ذرا سا آگے نکلنے کا راستہ مل جاتا۔ ادھر یہ خوفناک جنگ جاری تھی۔ ادھر عکا کے مسلمان فصیل پر جمع ہو کر بحری لڑائی کا یہ ہولناک منظر دیکھ رہے تھے:

''اللہ اکبر اللہ اکبر''

وہ بیک آواز یہ نعرہ بلند کرتے جس کی گونج سمندر میں دور دور تک سنائی دیتی۔ سمندر میں لڑنے والی سپاہ مصر کا جوش و خروش اور بڑھ جاتا۔ ''لا الٰہ الا اللہ''

فصیلِ عکا سے ہزاروں مسلمانوں کا ولولہ خیز نعرہ ابھرتا اور بحری مجاہدین ایک نئی روح کے ساتھ لڑنے لگتے۔

سلطان صلاح الدین بحری معرکے کے آغاز ہی میں ساحل سمندر پر پہنچ گئے تھے۔ ان کی بے چینی اور تشویش اپنے سپاہیوں اور مصاحبین سے کہیں زیادہ بڑھ کر تھی کیونکہ عکا کی اندرونی حالت کا علم ان کے سوا کسی کو نہیں تھا۔ یہ عکا کی فتح و شکست کا معرکہ تھا۔ اگر رسد پہنچانے کی یہ کوشش ناکام ہو جاتی تو عکا اگلے دن سے فرنگیوں کے رحم و کرم پر ہوتا۔

اس وقت ایک طرف سلطان نہایت عجز و نیازی کے ساتھ اپنے رب کے حضور سراپا دعا تھے، دوسری طرف عکا کے سفید ریش بزرگ اور دلیر جوان ننگے سر بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ پھیلائے، گڑگڑا کر دعائیں کر رہے تھے۔ ان کی ایک ہی دعا تھی کہ بحری بیڑہ صحیح سلامت بندرگاہ تک پہنچ جائے۔ دل سے نکلی ہوئی یہ دعائیں سیدھی عرش تک پہنچ رہی تھیں۔ عصر کے وقت مسلمانوں نے یہ حیرت ناک منظر دیکھا کہ اسکندریہ کے تینوں بحری جہاز فرنگیوں کا گھیرا توڑ کر تیزی سے برج الذباب کی طرف آرہے ہیں۔ اتنی زبردست جنگ اور توڑ پھوڑ کے باوجود تینوں جہاز صحیح سالم تھے اور سارا ذخیرۂ خوراک بھی محفوظ تھا۔ برج الذباب عبور کرنے کے چند منٹ بعد وہ بندرگاہ پر لنگر انداز ہو رہے تھے۔ یہاں جمع ہونے والے مسلمانوں نے ان کا بے مثال گرم جوشی سے استقبال کیا۔ قاضی ابن شداد کے بقول:

''انہوں نے ایسا استقبال کیا جیسا بنجر زمین بارش کا استقبال کر رہی ہے۔''[1]

---

[1] النوادر السلطانیہ ص: 210

واقعی لوگوں نے نئی زندگی پائی تھی۔ عکا سرنگوں ہوتے ہوتے بچ گیا تھا۔ سلطان کو بھی اب یہ اطمینان تھا کہ کم از کم موسم سرما اور برسات کے چار پانچ ماہ تک عکا کو کوئی بڑا خطرہ درپیش نہیں ہوگا۔

کاؤنٹ ہنری کی بڑی منجنیق: ایک ماہ قبل عکا کے سپاہیوں نے دشمن کی منجنیقوں کو خاکستر کر دیا تھا مگر اس کے باوجود ایک جانب سے عکا پر بھاری بھرکم چٹانیں برسنے کا سلسلہ جاری تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دن فرنگیوں کی ایک منجنیق آتش زدگی سے بچ گئی تھی۔ اسے کاؤنٹ ہنری نے ڈیڑھ ہزار دینار کی لاگت سے تیار کروایا تھا اور یہ تمام منجنیقوں سے بڑی اور دور مار تھی۔ چونکہ یہ عکا سے خاصے فاصلے پر نصب تھی اس لیے اس دن مسلمان اس تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ مگر جس شام اسکندریہ کا مال بردار بیڑا فرنگی بیڑے سے ٹکرا کر عکا کی بندرگاہ میں داخل ہوا اسی شب عکا کے مجاہدین نے بڑی منجنیق کو بھی تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ یہ شعبان کی 15 ویں شب تھی جب آتشیں آلات سے مسلح کچھ مجاہدین تیزی سے فصیل عکا سے باہر نکلے۔ ان کے گرد سوار اور پیادہ سپاہیوں کا حفاظتی حلقہ تھا۔ یہ جانباز نہایت خاموشی سے آگے بڑھتے ہوئے اس بڑی منجنیق تک پہنچ گئے۔ چشم زدن میں روغن نفط کی ہانڈیاں پھینک کر منجنیق کو آگ دکھا دی گئی۔ بڑی منجنیق جل اٹھی۔ اس کے ساتھ ایک ہلکی منجنیق بھی تھی، آگ کی لپیٹیں اس تک پہنچیں تو وہ بھی جلنے لگی۔ شعلے بلند ہوتے دیکھ کر صلیبیوں کے پڑاؤ میں کھلبلی مچ گئی مگر مجاہدین ان کے پہنچنے سے پہلے پہلے بڑی سرعت سے دور نکل گئے۔ ❶

ایک اور کارنامہ: چند دنوں کے بعد صلیبیوں نے پھر انگڑائی لی اور نئے سرے سے دو منجنیقیں بنانے لگے۔ ان کی عادت تھی کہ منجنیقوں کو نصب کرنے سے پہلے تیر اندازی اور سنگ باری سے حفاظت کے لیے ایک خاص قسم کی چار دیواری بنایا کرتے تھے جس کی آڑ میں کھڑے ہو کر منجنیقیں چلائی جاتی تھیں۔ جب ان نئی منجنیقوں کو نصب کرنے کے لیے فرنگیوں نے حفاظتی چار دیواریاں بنانی شروع کیں تو عکا کے مسلمانوں نے زبردست تیر اندازی شروع کر دی اور فرنگی کوشش کے باوجود فصیل کے اتنے قریب چار دیواریاں نہ بنا سکے جہاں سے فصیل پر تباہ کن مار ممکن ہوتی۔

تب انہوں نے ایک اور ترکیب آزمائی۔ فصیل سے بہت دور ایک متحرک حفاظتی پشتہ تیار کیا گیا۔ لکڑی کے بڑے بڑے تختوں کو جوڑ کر ان کے نیچے پہیے لگا دیے گئے۔ سامنے کی جانب گارے مٹی کی ایک بہت موٹی دیوار کھڑی کر دی گئی گویا یہ حفاظتی چار دیواری تھی۔ اب اس متحرک چار دیواری کو دھکیل کر آہستہ آہستہ فصیل کے اتنا قریب لایا گیا کہ جہاں سے منجنیقوں کی مار فصیل پر اثر کر سکے۔ یہاں ان پر دو منجنیقیں چڑھا دی گئیں جو اب گارے مٹی کی مضبوط دیوار کے پیچھے بالکل محفوظ تھیں۔ چنانچہ ایک ما

❶ النوادر السلطانیہ ص: 205

پھر فصیل پر سنگ باری کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ①

شعلہ زن تیر: مٹی کی دیوار کے پیچھے چھپی ان دو منجنیقوں کو نشانہ بنانا بڑا مشکل تھا۔ عکا کے مسلمان تیر چلاتے تو وہ مٹی کے پشتے میں دھنس جاتے تھے۔ پشتے کے پیچھے کھڑے فرنگی جو منجنیق چلانے پر مامور تھے محفوظ رہتے تھے۔ عکا کے ذہین افسران کئی دنوں تک دشمن کی اس چال کا توڑ سوچتے رہے۔ ایک دن انہوں نے فصیل پر چرخی دار بڑی کمان نصب کی، اس پر لوہے کی سلاخ کے دیو ہیکل تیر چڑھائے، تیروں کے پھلوں کو آتش گیر مادوں سے خوب تر کیا اور پھر آگ دکھائی۔ تیروں کی نوکوں سے شعلوں کی لپٹیں بلند ہونے لگی۔ تب نشانہ بازوں نے دونوں تیر ایک ہی چرخی میں لگا کر نشانہ باندھا اور لیور گھما دیا۔ چرخیاں زور سے حرکت میں آگئیں۔ یہ ہیبت ناک تیر آسمانی بجلی کی طرح کوندتے ہوئے چرخی دار کمانوں سے نکلے اور مٹی کی دیوار کو چیرتے ہوئے ایک منجنیق میں پیوست ہو گئے، منجنیق نے فوراً آگ پکڑ لی اور دھڑا دھڑ جلنے لگی۔ فرنگیوں نے آگ بجھانے کی کوشش کی مگر بے سود۔ اس دوران ہوا کے جھونکوں سے آگ نے دوسری منجنیق کو بھی لپیٹ میں لے لیا۔ تھوڑی ہی دیر میں دونوں منجنیقیں کوئلہ بن گئیں۔ ②

برج الذباب پر حملہ اور اللہ کی نصرت: صلیبیوں کی ساری توجہ اب محصورین کو خوراک و رسد سے محروم رکھنے پر مرکوز ہو گئی جس کے لیے ضروری تھا بندرگاہ پر قبضہ کیا جائے تا کہ آئندہ کوئی کشتی یا جہاز وہاں تازہ امدادی کھیپ نہ اتار سکے۔ مگر فرنگیوں کے سامنے بندرگاہ کا محافظ "برج الذباب" ہر وقت سینہ تانے کھڑا رہتا تھا اس پر قبضہ کیے بغیر بندرگاہ میں داخلے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ برج الذباب عکا کی بندرگاہ سے ذرا دور سمندر میں قائم کیا گیا تھا۔ یہ نہایت بلند اور مضبوط مینار تھا۔ اس کے بالائی حصے پر مسلح محافظ ہر وقت چوکنا رہتے تھے۔ برج اتنا مستحکم تھا کہ کسی طرح اسے محافظوں سے خالی کرانا ممکن نہیں تھا۔ انہی محافظوں کے پاس اس حفاظتی زنجیر کا لیور تھا جو عکا کی بندرگاہ کی طرف جانے والی کھاڑی میں لٹکی ہوئی تھی۔ برج کی حفاظت کے لیے حفاظتی زنجیر کے باہر مسلمانوں کی گشتی کشتیاں بھی تیار رہتی تھیں۔ ان انتظامات کو دیکھتے ہوئے فرنگیوں نے بہت سوچ بچار کے بعد تین دیو ہیکل کشتیاں تیار کیں۔ پہلی کشتی میں لکڑیاں، ایندھن اور آتشیں مادہ بھر دیا گیا۔ دوسری پر برج الذباب کی بلندی کے برابر ایک کھوکھلا مینار کھڑا کیا گیا۔ یہ مینار بھی ایندھن اور آتش گیر مادے سے پُر تھا۔ تیسری کشتی بکتر بند قسم کی تھی جس میں لوہے کی چادروں کا بنا ہوا ایک اتنا مضبوط کیبن تھا جس پر تیر، پتھر، آتش گیر کپیاں یا کوئی اور اسلحہ اثر نہیں کر سکتا تھا۔ کیبنوں میں داخل ہونے کے لیے تنگ دروازے اور ان سے باہر کا نظارہ کرنے کے لیے چھوٹے چھوٹے سوراخ چھوڑ دیے گئے تھے۔

① الکامل: 10/106 ② النوادر السلطانیہ: 207

طے یہ ہوا کہ سب سے پہلے، پہلی کشتی کو برج الذباب کے پاس کھڑی مسلمانوں کی کشتیوں کے درمیان گھسا دیا جائے گا اور پھر اس پر جلتا ہوا ایندھن پھینکا جائے گا، اس طرح یہ کشتی خود تباہ ہوتے ہوئے مسلمانوں کی کشتیوں کو بھی جلا ڈالے گی پھر دوسری کشتی کو آگے بڑھایا جائے گا اور اس کے ایندھن بھرے مینار کو نذر آتش کر کے اسے برج الذباب سے ملا دیا جائے گا۔ برج بھی جل کر خاکستر ہو جائے گا اور اس کے محافظ کباب ہو جائیں گے۔ جو صلیبی ملاح ان دو کشتیوں کو ہدف تک پہنچائیں گے، وہ کشتیوں کے جلتے ہی سمندر میں کود کر بکتر بند کشتی میں آ جائیں گے۔ غرض یہ منصوبہ ہر لحاظ سے مکمل تھا۔ برج الذباب عکا کی بندرگاہ کی راہ کا پہلا اور آخری مورچہ تھا۔ اس کے تباہ ہونے کے بعد فرنگیوں کا ہر جہاز بندرگاہ تک پہنچ سکتا تھا۔ 22 شعبان 586ھ (24 ستمبر 1190ء) کو صلیبی اسی ترتیب کے مطابق برج الذباب کے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے پہلی کشتی کو مسلمانوں کی کشتیوں سے ٹکرا دیا اور پھر اس پر جلتا ہوا ایندھن پھینکنے کی کوشش کی۔ ادھر دوسری کشتی جلتے ہوئے مینار کو لے کر برج الذباب کے پاس پہنچ گئی۔ مسلمان اس غیر متوقع صورتحال سے نمٹنے کے لیے تیار نہ تھے۔ ایک لمحے کے لیے انہیں یقین ہو گیا کہ برج الذباب محافظوں سمیت مسخر ہونے کو ہے مگر اس لمحے کچھ بے تاب دعائیں عرش تک پہنچ چکی تھیں اور اللہ تعالیٰ کا غیبی نظام حرکت میں آ گیا تھا۔ مغرب سے مشرق کو چلتی طوفانی ہوا نے یکدم رخ بدل لیا جس کی وجہ سے فرنگیوں کی پہلی کشتی جو ایندھن سے بھری ہوئی تھی خود تو جلنے لگی مگر اس کے شعلے مسلمانوں کی کشتیوں کی طرف نہ جا سکے۔ اس پر سوار عیسائی سپاہی سمندر میں کود گئے اور مسلمان ملاحوں نے آگ بجھا کر اس پر قبضہ کر لیا۔

ادھر دوسری کشتی جس پر آگ اگلتا مینار نصب تھا برج الذباب کے پاس پہنچ گئی تھی مگر ہوا کا رخ یکدم تبدیل ہونے سے اس کے شعلے بھی برج کی طرف بڑھنے کی بجائے خود اسی کشتی کو جلانے لگے جس پر یہ مینار کھڑا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے آتش زن مینار کشتی کے جلے ہوئے تختوں سمیت تنکوں کی طرح بہہ گیا۔

یہ خلاف توقع مناظر دیکھ کر بکتر بند کشتی کے سپاہی گھبرا گئے۔ انہوں نے افراتفری کے عالم میں کشتی کا رخ موڑ کر فرار ہونے کی کوشش کی۔ اس جلد بازی میں توازن بگڑ گیا اور کشتی ڈوبنے لگی۔ اس میں سوار سپاہی کیبن میں اس طرح بند تھے کہ ان میں سے کوئی بروقت باہر نکل کر خود کو بچا نہ سکا، یوں چند لمحوں کے اندر اندر وہ سب سمندر کی تہہ میں پہنچ گئے اور فرنگیوں کا یہ منصوبہ بالکل ناکام رہا۔ ①

مجاڈ لکھتا ہے: ”ڈیوک آف آسٹریا کے سوا جس نے خون آلود سمندر میں کود کر اپنی جان بچائی، بقیہ تمام عیسائی غرق ہو گئے۔“ ②

① النوادر السلطانیہ: 210_211_212
② مجاڈ، ص 468، کارہائے حیات صلاح الدین، ص 160

فصل:7

موسم خزاں کے معرکے

نیا جرمن بادشاہ فریڈرک طرابلس میں ٹھہر کر اپنی تتر بتر فوج کے جمع ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے عکا کا محاصرہ کرنے والے صلیبیوں کو اطلاع بھجوادی تھی کہ وہ عن قریب ان کے پاس آرہا ہے۔ عکا کے عام صلیبی تو اس خبر سے خوش تھے مگر ان کے قائدین میں کچھ تشویش پیدا ہوگئی۔ اس وقت ان صلیبیوں میں رتبے کے لحاظ سے یروشلم کا سابق بادشاہ گائی سب سے بڑا تھا مگر چوں کہ وہ بذاتِ خود کوئی ہوشیار اور متحرک آدمی نہیں تھا اس لیے عملاً اس کا بھائی جیفرے اوف لوسگنان سیاہ سفید کا مالک تھا۔ جیفرے کو اندازہ تھا کہ جرمنی جیسی طاقتور مملکت کے بادشاہ کے یہاں آنے کے بعد اس کا کردار ثانوی رہ جائے گا اس لیے وہ خاصا ناخوش تھا۔

شعبان 586ھ (ستمبر 1190ء) کے آخری دنوں میں فریڈرک بچے کچے جرمنوں کو ساتھ لے کے عکا کے لیے روانہ ہوا۔ اسے ساحلی شاہراہ پر مسلمانوں کی ترک وتاز کا تجربہ ہو چکا تھا اس لیے سپاہیوں کو بحری جہازوں میں سوار کر دیا گیا مگر ابھی جرمنوں کی بدقسمتی کے دن باقی تھے۔ سفر کے آغاز ہی میں ہوا کے تیور بگڑ گئے اور تین جہاز اپنے مسافروں سمیت ڈوب گئے۔ باقی جہاز بمشکل واپس مڑے اور دوبارہ طرابلس کے ساحل پر لنگر انداز ہوگئے۔ کچھ دنوں بعد ہوا موافق نظر آئی تو جرمنوں نے دوبارہ سفر شروع کیا گیا۔ [1] صور پہنچ کر کونرڈ مارکوئیس اور شاہِ جرمنی وہیں ٹھہر گئے اور باقی لشکر کو عکا روانہ کر دیا گیا جس میں یورپ سے آئی ہوئی ایک ملکہ بھی شامل تھی۔

6رمضان 586ھ (8اکتوبر 1190ء) کو شاہِ جرمنی خود چند افراد کے ساتھ ایک جہاز میں صور سے عکا کے لئے نکلا اور اسی دن غروبِ آفتاب کے وقت عکا کے باہر فرنگیوں کی چھاؤنی میں پہنچ گیا۔ اس کے ساتھی اس سے پہلے پہنچ چکے تھے۔ مغربی مؤرخین کے مطابق یہ صرف دو ہزار افراد تھے جن کے پاس ساٹھ لاغر وخستہ حال گھوڑے تھے۔ اپنے وطن سے اڑھائی لاکھ کے ٹڈی دل کے ساتھ چلنے والا جرمن

[1] النوادر السلطانیہ: 212، 213

لشکر محاذ پر پہنچتے پہنچتے ایک چھوٹے سے گروہ میں تبدیل ہو گیا تھا صلیبیوں کے لئے یہ نظارہ واقعی عبرتناک اور حوصلہ شکن تھا۔ [1]

جرمنوں کا ناکام حملہ ٭ فریڈرک اگر چہ تھوڑے سے سپاہی لے کر آیا تھا مگر وہ یورپ کی ایک زبردست سلطنت کا حکمران تھا۔ یورپ کے بڑے بڑے بادشاہوں میں وہ پہلا شخص تھا جو محاذ پر پہنچا تھا اس لئے صلیبیوں کے ہاں اس کی آمد غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی۔ اپنے لشکر کی تباہی کے باوجود فریڈرک کا گھمنڈ باقی تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے آنے پر کوئی ہل چل ہونی چاہئے۔ چنانچہ سفر کی تھکان اتارنے کے بعد اس نے گائی، جیفرے، اور دیگر صلیبی حکام کو مسلمانوں سے کھلے میدان میں لڑنے کے لئے ابھارا۔ سب نے اسے خطرناک اقدام قرار دیتے ہوئے شدید مخالفت کی۔

تب فریڈرک نے کہا:

''کم از کم مسلمان پہرے داروں کی چوکیوں پر حملہ کرنا ضروری ہے تا کہ وہ جرمنوں کی مار کا مزا چکھ لیں۔''

پھر اس نے متکبرانہ لہجے میں کہا:

''سنی سنائی خبر اور آنکھوں دیکھی حقیقت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔''

مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں نے ہماری دہشت کی خبریں صرف سنی ہیں، ہمارا تجربہ نہیں کیا۔

ضدی جرمن حکمران اپنے دو ہزار سپاہیوں کو لے کر چھاؤنی سے نکلا اور مسلمانوں کی پہرے دار فوج کی طرف بڑھا۔ دیگر صلیبی رؤساء اور نوابوں کے بہت سے سپاہی بھی اس موقع پر جرمنوں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ چھاؤنی سے مشرق کی طرف کچھ دور جا کر نشیبی زمین شروع ہوتی تھی۔ پھر زمین یکدم بلند ہو کر ٹیلوں کی شکل اختیار کر لیتی تھی۔ یہی جگہ تل العیاضیہ تھی جہاں سلطان کے تقریباً ایک ہزار گشتی سپاہی خیمے لگا کے پہرہ دے رہے تھے۔ ان خیموں سے مزید چار پانچ میل دور مشرق میں کوہ خروبہ پر سلطان کا نیا معسکر تھا۔

جرمنوں نے نشیبی زمین عبور کی اور تل العیاضیہ پر جا پہنچے۔ اس دن پہرے پر سلطان کی خاصہ فوج کی باری تھی۔ انہوں نے جرمنوں کو آتا دیکھ کر کمانوں پر تیر چڑھا لئے اور نیزے سیدھے کر لیے۔ صلیبیوں نے حملہ کیا تو انہیں منہ توڑ جواب ملا۔ جرمن جو مسلمانوں کو اپنی شمشیر زنی کے جوہر دکھانے آئے تھے مجاہدین اسلام کی شمشیروں کی نذر ہونے لگے۔ اس دوران برق رفتار مخبر سلطان کو جرمنوں کے حملے کی اطلاع دے چکے تھے۔ سلطان کی طبیعت بے حد ناساز تھی۔ گزشتہ چند سالوں سے وہ موسم سرما میں بیمار

[1] النوادر السلطانیہ: 209

پڑ جاتے تھے اور حالت یہ ہوتی تھی کہ گھوڑے پر سوار بھی نہیں ہو سکتے تھے مگر جب فریڈرک کے حملے کی خبر سنی تو وہ غیر معمولی قوتِ ارادی سے کام لیتے ہوئے گھوڑے پر سوار ہوئے اور کوہ خروبہ کی چھاؤنی سے نکل کر ایک دستے کے ساتھ سید ھاتل کیسان تک اتر آئے۔

سامنے عیاضیہ کے ٹیلوں پر گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ مجاہدین اب تک ثابت قدم تھے۔ ان کے مقابلے میں جرمن ہانپنے لگے تھے۔ اب جو انہوں نے سلطان کے امدادی دستوں کو آتے دیکھا تو ان کی سٹی گم ہوگئی۔ خود فریڈرک بھی بدحواس ہو گیا۔ اس نے فوراً گھوڑے کی باگ موڑ دی۔ اس کے محافظ اسے حلقے میں لے کر تیزی سے چھاؤنی کی طرف نکل گئے۔ وہ بمشکل زندہ سلامت وہاں پہنچ سکا جبکہ اس کے دو ہزار سپاہیوں میں سے بڑی تعداد تہہ تیغ ہو گئی تھی۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کے صرف دو آدمی شہید ہوئے تھے، البتہ زخمیوں کی تعداد اچھی خاصی تھی۔ [1]

صلیبیوں کے نئے ہتھیار، کبش اور سنور ❁ فریڈرک اب صلیبی لشکر کے قائد کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ سب کچھ اس کی مرضی سے ہو رہا تھا۔ کھلے میدان جنگ میں مسلمانوں سے لڑنے کا تجربہ اسے بڑا مہنگا پڑا تھا لہٰذا اس نے فیصلہ کیا کہ صلیبی پوری قوت عکا کی تسخیر پر لگا دیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جرمن انجینئر اسلحہ سازی میں دیگر اقوامِ یورپ سے آگے تھے۔ فریڈرک نے عکا کو فتح کرنے کے لیے اپنے انجینئروں کی مہارت کو استعمال کیا۔ اس نے دو عجیب وغریب فصیل شکن مشینیں تیار کرانا شروع کیں۔ عرب مورخین ان میں سے ایک کو "کبش" اور دوسری کو "سنور" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ عربی میں "کبش" کا مطلب ہے دنبہ اور "سنور" کا معنیٰ ہے بلّی۔ یہ فصیل شکن آلات متواتر ضربوں سے فصیل کے نچلے حصے یا دروازے کو شکستہ کر دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ کبش کی ضرب ہتھوڑے کی طرح ہوتی تھی جبکہ سنور چھینی کی طرح کام کرتی تھی۔ اس قسم کی مشینیں مسلمانوں کے ہاں بھی استعمال ہوتی تھیں مگر جس ساخت اور نمونے سے فریڈرک انہیں تیار کرا رہا تھا اس کی پہلے کہیں مثال نہیں ملتی۔ مسلم مورخین کے مطابق یہ آلات فریڈرک ہی نے تیار کرائے تھے جب کہ مغربی مورخین کا کہنا ہے کہ انہیں بشپ اوف بینکان اور فریڈرک نے مل کر تیار کرایا تھا۔ بہرحال دن رات کام کر کے یہ دونوں مشینیں نہایت تیزی سے صرف ایک ہفتے میں تیار کر لی گئیں۔ [2]

پیر 13 رمضان 586ھ (15 اکتوبر 1190ء) کا دن ہنگامہ خیز تھا۔ صلیبی ان دونوں خوفناک مشینوں کو میدان میں لے آئے تھے۔ مشینوں کے گرد فرنگی پیادے ڈھالیں اٹھائے اور نیزے تانے بڑھ

---

[1] النوادر السلطانیہ: 213

[2] النوادر السلطانیہ: 213، 214، صلیبی جنگیں: 188

رہے تھے۔ کبش لوہے کی ایک بلند دیوہیکل بکتر بند گاڑی تھی، جھونپڑی نما مضبوط چھت اسے تحفظ فراہم کرتی تھی۔ اس میں بیسیوں سپاہی سوار ہو سکتے تھے، اس کے اردگرد فولادی چادریں نصب تھیں، سامنے کی طرف موٹے رسوں کی حفاظتی چٹائی لٹکی ہوئی تھی تاکہ تیر اس میں الجھ کر اندر نہ جا سکیں۔ کبش کا زیادہ تر حصہ لوہے کا بنا ہوا تھا۔ اسے نذر آتش کرنا بہت مشکل تھا۔ اس کے اندرونی حصے میں ایک بہت بھاری اور لمبا شہتیر نصب تھا۔ درجنوں سپاہی مل کر اسے آگے پیچھے حرکت دیتے تھے۔ شہتیر کا اگلا حصہ جو ہتھوڑا نما اور دنبے کے سر سے ملتا جلتا تھا، گاڑی سے آگے کو نکلا ہوا تھا، جب سپاہی اسے تیزی کے ساتھ آگے پیچھے حرکت دیتے تو یہ مصنوعی دنبہ فصیل کو زوردار ٹکریں رسید کرتا۔ متواتر ایسی ٹکروں سے فصیل شکستہ ہو سکتی تھی اور دروازے ٹوٹ سکتے تھے۔ سنور بھی اس قسم کی ایک بھاری بھرکم گاڑی تھی، مگر اس کی شکل بلی سے ملتی جلتی تھی۔ اس میں بھی کبش کی طرح کا شہتیر لگا ہوا تھا۔ فرق یہ تھا کہ اس شہتیر کا سر چھینی کی طرح نوک دار تھا۔ اس کی پے در پے ضربات سے بھی فصیل کو توڑا جا سکتا تھا۔

ان دونوں مشینوں کے ساتھ فرنگیوں نے عکا پر بھرپور حملہ کر دیا۔ رات بھر لڑائی جاری رہی۔ فرنگی کبش اور سنور کو فصیل کے قریب لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ عکا کی فوج تیروں اور آتش گیر ہتھیاروں سے مزاحمت کر رہی تھی۔ تاہم فرنگی قریب آتے چلے گئے۔ آتش گیر ہتھیاروں سے سنور اور کبش کا کچھ نہیں بگڑ رہا تھا۔ جب وہ فصیل کے بالکل قریب آن پہنچے تو مسلمانوں نے ان مشینوں کو منجنیقوں کا نشانہ بنایا۔ بھاری پتھروں کی ضرب سے کبش کا بالائی حصہ کھل گیا۔ فوراً لکڑی کے گٹھے جلا کر اس پر پے در پے پھینکے گئے، یہ ترکیب کارگر رہی اور کبش نے آگ پکڑ لی۔ فرنگیوں میں کھلبلی مچ گئی، ان کی وردیاں آگ پکڑ چکی تھیں اور وہ زمین پر لوٹ پوٹ ہو کر تڑپ رہے تھے۔ انہوں نے آگ بجھانے کی بڑی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ اب عکا کے جانباز پھاٹک کھول کر باہر نکل آئے۔ انہوں نے تتر بتر ہوتے فرنگیوں کو گھیر گھیر کر قتل کیا۔ خندق میں اترنے والے فرنگی سورما وہیں مارے گئے۔ بھاگتے ہوئے فرنگی اسے بچانے کے قابل نہیں تھے۔

آگ کی لپٹ سنور تک پہنچی تو اس نے بھی آگ پکڑ لی اور فرنگی حسرت سے اپنے ہتھیاروں کو دیکھتے رہ گئے جنہیں وہ ایک بار بھی استعمال نہیں کر سکے تھے۔

''اللہ اکبر اللہ اکبر'' عکا کی فصیل پر چڑھ کر جنگ کا نظارہ کرنے والے مسلمان بیک آواز بولے۔

''لا الہ الا اللہ'' فضا گونج اٹھی۔ ''الحمد للہ...... الحمد للہ......'' زبانوں پر خالق کی تعریف تھی۔

مسلمانوں کا ذوقِ تحقیق انہیں مجبور کر رہا تھا کہ وہ اس نئے نمونے کے کبش کی ساخت کا جائزہ لیں

کیونکہ ایسا زبردست اور مہیب نمونہ ان کے پاس نہیں تھا۔ ابھی کبش شعلوں میں گھرا ہوا تھا کہ مسلمانوں نے کنڈے دار زنجیریں ڈال کر اسے گھسیٹنا شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اسے خندق کے پل سے گزار کے عکا کے اندر لے گئے، اس پر متواتر ٹھنڈا پانی ڈالا جاتا رہا مگر آگ بجھنے کے بعد بھی کئی دن تک اس کی تپش باقی رہی۔ مسلمان انجینئر اور سائنسدان اس کے ایک ایک کل پرزے کا جائزہ لیتے رہے۔ اس میں شامل لوہے کا وزن کیا گیا تو وہ دس ہزار رطل تھا۔ کبش کا سر الگ کر کے سلطان ایوبی کی خدمت میں بھیج دیا گیا جہاں امرائے فوج اور دیگر حاضرین نے بڑی دلچسپی کے ساتھ اس کا معائنہ کیا۔ [1]

شمالی افواج کی واپسی ❁ شمالی شام سے جرمنوں کے مقابلے میں سلطان کی فتح یاب افواج معسکر واپس پہنچنا شروع ہو گئی تھیں۔ حاکم شیزر سابق الدین اور سلطان کا چھوٹا بیٹا الملک الظاہر سپاہ کے کچھ دستوں کے ساتھ اسی دن حاضر خدمت ہوئے تھے جس دن کبش اور سنور کو نذرِ آتش کیا گیا تھا۔ ان فاتحین کا والہانہ استقبال کیا گیا۔ سلطان ایوبی طبیعت کی ناسازی کے باوجود اس دن گھوڑے پر سوار ہو کر غازیوں کے خیر مقدم کے لیے نکلے۔ شہزادہ الملک الظاہر بابرکت شخصیت کے طور پر مشہور تھا۔ کہا جاتا تھا کہ وہ جس محاذ پر پہنچتا ہے وہاں فتح کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اس دن اس کے آتے ہی فرنگیوں کو شدید ہزیمت اٹھانا پڑی تھی اور ان کے جدید ترین ہتھیار تباہ ہو گئے تھے، اس سے سلطان صلاح الدین کو بے حد خوشی ہوئی۔ [2]

برطانوی فوج کی آمد ❁ انہی ایام میں فرنگیوں کی مدد کے لیے انگریزوں کے ابتدائی دستے پہنچ گئے۔ برطانیہ کے اس بحری بیڑے کی قیادت کنٹربری کا نامور لاٹ پادری بالڈون اور سالسبری کا پادری کر رہے تھے۔ وہ سپاہیوں کے علاوہ سامانِ رسد اور نقد روپے بھی لائے تھے۔ پہلے وہ ''صور'' پہنچے تھے اور پھر وہاں سے 12/ اکتوبر (10 رمضان) کو عکا کے ساحل پر اترے تھے۔ انہوں نے چھاؤنی میں اعلان کیا کہ عن قریب شاہِ انگلستان رچرڈ اور شاہِ فرانس فلپ آگسٹس بھاری بھرکم لشکروں کے ساتھ عکا پہنچنے والے ہیں۔ اس خوشخبری سے تھکے ہارے صلیبیوں میں ایک نیا جوش پیدا ہو گیا اور وہ جلد از جلد عکا کو فتح کرنے کی کوششیں کرنے لگے۔ [3]

برج الذباب کا دوسرا معرکہ ❁ شاہ جرمن سمندر سے بھی عکا پر حملے کر وا رہا تھا۔ برج الذباب پر حملے کے لیے اس نے ایک نئے انداز کا بحری جہاز تیار کرایا۔ اس کے عرشے پر چھت ڈال کر اوپر ایک

[1] النوادر السلطانیہ: 214، 216، 216 اردو مع حواشی؛ بحث 586ھ، بحوالہ العرب فی ...
[2] النوادر السلطانیہ: 216
[3] الکامل فی التاریخ: 10/197

بلند مستول کھڑا کیا گیا جس کے ساتھ کشادہ تختے نصب تھے۔ ان تختوں کے ساتھ مشینی پل لگے ہوئے تھے جنہیں ہاتھی کی سونڈ کی طرح ادھر ادھر گھمایا اور اوپر نیچے کیا جا سکتا تھا۔ اس پُل دار جہاز کے ساتھ فرنگیوں کی جنگی کشتیاں کئی بار برج الذباب پر حملہ آور ہوئیں۔ فرنگی بحری طاقت میں فوقیت رکھتے تھے اس لیے مسلمانوں کی کشتیوں کو دھکیل کر برج الذباب کا محاصرہ کر لیتے تھے۔ اس دوران پل دار جہاز برج الذباب کے قریب آجاتا اور مستول کے تختوں پر سپاہی چوکنا ہو جاتے۔ ملاح معلّق پلوں کو چرخی دار مشینوں کے ذریعے حرکت میں لاتے اور پلوں کو آگے کو جھکاتے چلے جاتے۔ ان کی کوشش ہوتی کہ پلوں کے سرے برج الذباب پر اٹک جائیں اور سپاہی پلوں سے ہو کر برج الذباب پر چڑھ جائیں مگر مسلمان ہر بار جان کی بازی لگا کر ان کارروائیوں کو ناکام بنا دیتے۔

مسلمانوں نے دو دن تک برج الذباب میں مدافعانہ جنگ لڑنے کے بعد بدھ 15 رمضان 586ھ (17 اکتوبر 1190ء) کو جارحانہ حملے کا آغاز کیا۔ ان کی کشتیاں صلیبی جہازوں کا محاصرہ توڑ کر آگے نکل گئیں اور پل دار جہاز کے قریب جا پہنچیں۔ مسلمانوں نے اپنا آزمودہ ہتھیار روغنِ نفط استعمال کیا۔ روغن کی درجنوں بوتلیں ٹیکنالوجی کے اس شاہکار جہاز پر ماری گئیں اور پھر آگ کے تیر پھینکے گئے؛ دیکھتے ہی دیکھتے یہ سمندری بلا جل کر بھسم ہوگئی۔

فریڈرک نے اپنی ایجاد کی تباہی کی خبر ڈوبتے ہوئے دل کے ساتھ سنی۔ اس پر مایوسی کا وہ عالم طاری تھا جسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ [1]

حاکمِ انطاکیہ کی ہزیمت: اس سے اگلے دن مسلمانوں کو پیغام رساں کبوتر کے ذریعے ایک اور اچھی خبر ملی۔ حاکمِ انطاکیہ بوہیمنڈ نے شمالی شام سے سلطانی افواج کی واپسی کے بعد سرحدی دیہاتوں پر یلغار شروع کر دی تھی۔ الملک الظاہر کے نائب افسران نے گھات لگا کر ان حملہ آوروں کے خلاف زبردست جوابی کارروائی کی جس میں 75 عیسائی ہلاک اور بیسوں گرفتار ہوئے۔ خود بوہیمنڈ بمشکل جان بچا کر بھاگا اور قصبہ شیخ میں پناہ لیتے ہوئے انطاکیہ پہنچنے میں کامیاب ہوا۔ انہی دنوں شمالی شام سے سلطان کے معسکر تک نامہ بر کبوتروں کے ذریعے مراسلت کا نظام قائم کر دیا گیا۔ مذکورہ خبر حماۃ کے نامہ نگار نے تحریر کی تھی جہاں سے کبوتروں کے ذریعے یہ خط سلطان ایوبی کو پہنچایا گیا۔ [2]

ماہِ رمضان کی بقیہ جھڑپیں: رمضان 586ھ کا تقریباً پورا ماہ ہلکی پھلکی جھڑپوں میں گزرا مگر سردی بڑھنے کے ساتھ ساتھ یہ جھڑپیں بتدریج ٹھنڈی پڑتی گئیں۔ ایک دن عیسائیوں نے عکا کے لئے

[1] النوادر السلطانیۃ: 214، 217   [2] النوادر السلطانیۃ: 217

خوراک ورسد فراہم کرنے والی ایک کشتی پر قبضہ کرلیا اور اس کے عملے کو قیدی بنالیا۔ اس کے ایک دو دن بعد آندھی نے ساحل عکا سے چلنے والی صلیبیوں کی دو بڑی کشتیاں زیب کے ساحل پر دھکیل دیں جو مسلمانوں کا علاقہ تھا۔ مسلمانوں نے ان پر قبضہ کرلیا، ان میں غلے کی بوریاں اور بکریوں کے ریوڑ لدے ہوئے تھے، اس کے علاوہ عیسائی مرد وعورت اور بچے بھی تھے، ان میں سے ایک عورت کوئی بڑی رئیس زادی تھی۔ عیسائیوں نے ان قیدیوں کے چھٹکارے کے لئے بڑا زور لگایا مگر مسلمان رہائی دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ ❶

<u>برسات اور اسلامی افواج کی عقب نشینی</u>٭ دن گزرنے کے ساتھ ساتھ موسم طوفانی ہوتا جارہا تھا۔ ساحل پر ایک بار پھر زوردار ہوائیں چل رہی تھیں۔ سردی بڑھ رہی تھی۔ برسات اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔ وادئ عکا میں ٹیلوں تک کیچڑ ہی کیچڑ نظر آرہا تھا۔ امراض پھیل رہے تھے۔ اتنے سخت موسم میں سلطان ایوبی کے قریبی رفقاء بھی طویل آرام کی ضرورت محسوس کرنے لگے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ انہیں ان کے شہروں کو جانے کی اجازت دی جائے۔ نہ صرف سپاہی بلکہ کئی افسران بیمار پڑ چکے تھے۔ شمشیر آزما حاکم اربل زین الدین یوسف جو بخار میں جتلا ہوکر چند دن پہلے سلطان کی اجازت سے قریبی شہر "ناصرہ" چلا گیا تھا 18 رمضان 586ھ کو وہیں وفات پا گیا تھا۔ خود سلطان ایوبی بھی شدید بخار کی لپیٹ میں تھے۔ ادھر جاسوس اور عیسائی تاجر خبریں لارہے تھے کہ صلیبی مسلمانوں کی کمزوری اٹھا کر کھلے میدان میں لڑنے کی تیاری کررہے ہیں۔ سلطان نے فی الفور امرائے لشکر سے مشورہ طلب کیا۔ ان کا جواب تھا:

"بہتر ہوگا کہ ہم ان کیچڑ بھری چراگاہوں کو دشمن کے لیے چھوڑ کر خود پیچھے ہٹ جائیں تاکہ جنگ کے دن دشمن کو اسی دشوار گزار زمین میں گھسنا پڑے۔"

افسران کا مشورہ برمحل تھا۔ اگر موجودہ حالت میں جنگ چھڑتی تو فرنگیوں کے قدم ساحل کی ریتیلی زمین پر ہوتے اور مسلمانوں کو کیچڑ میں صف بندی کرنا پڑتی۔ اس کے برعکس عقب میں جاکر مسلمان پہاڑوں پر مضبوط مدافعانہ ہیئت اختیار کرسکتے تھے۔ پھر سپاہ کی مسلسل تکان اور موسمی تکالیف کو ملحوظ رکھتے ہوئے ویسے بھی عقب نشینی بہتر تھی۔ چنانچہ 19 رمضان 586ھ (21 اکتوبر) کو مسلمان کوہ خروبہ سے بھی پیچھے ہٹ کر کوہ شفرعم تک چلے گئے۔ سلطان کا خیمہ پہاڑ کی چوٹی پر نصب کیا گیا جبکہ باقی لشکر ڈھلوانوں اور ٹیلوں پر پھیل گیا۔

اب اگر دشمن پیش قدمی کرکے حملہ کرتا تو عکا کے کیچڑ بھرے میدان کی بہ نسبت اس صاف زمین میں مسلمان کھل کر گھڑسواری اور شمشیرزنی کے جوہر دکھا سکتے تھے۔ ❷

---

❶ النوادر السلطانیہ: 218، الروضتین: تحت 586 ہجری ساحتہ السلطان علی المطعمین

❷ النوادر السلطانیہ: 218، 210، الروضتین: تحت 586 ہجری رحیل السلطان الی الخروبہ

<u>سنجر شاہ کی ہٹ دھرمی</u> عکا کے محاصرے کو پندرہواں مہینہ چل رہا تھا۔ صلیبی سپاہی کیا، نائٹ تک اکتاہٹ کا شکار ہو چکے تھے۔ سب سے بڑی مصیبت قحط کی شکل میں نمودار ہو رہی تھی۔ طوفانی ہواؤں نے یورپ سے خوراک و رسد لانے والے جہازوں کی آمد ناممکن بنادی تھی اس لیے فرنگی خیمہ گاہ میں کھانے پینے کی اشیاء نایاب ہونے لگیں۔ اس کے علاوہ برسات کے باعث لوگ بیمار ہو رہے تھے۔ اواخرِ رمضان 586ھ (آغاز نومبر 1190ء) میں صلیبی امراء نے سلطان سے صلح پر غور کرنا شروع کر دیا اور ان کے سفیر سلطان کی خیمہ گاہ میں آنے جانے لگے۔

اس موقع پر لشکرِ اسلام کو یکجا اور منظم رکھنا ناگزیر تھا تاکہ دشمن پر رعب طاری رہے اور اگر صلح کی بات چیت شروع ہو تو مسلمان شرائط کے لحاظ سے غالب یا کم از کم برابر ضرور رہیں۔ مگر سلطان کے بعض نائبین کا رویہ ناموافق تھا۔ ان میں سے ایک الجزیرہ کا نوجوان حاکم معزالدین سنجر شاہ تھا۔ وہ سلطان کے پرانے حریف سیف الدین غازی دوئم کا فرزند تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس پر سلطان کے بے حد احسانات تھے۔ سلطان ہی کے طفیل اسے حکومت حاصل نصیب ہوئی تھی مگر وہ ایک نااہل حاکم ثابت ہوا تھا۔ الجزیرہ کے شرفاء بارہا سلطان کو اس کی زیادتیوں سے آگاہ کر چکے تھے مگر سلطان نے کسی مصلحت کے تحت خاموشی اختیار کیے رکھی تھی۔ وہ 7 جمادی الاولیٰ 586ھ (12 جون 1190ء) کو اپنے لشکر کے ساتھ سلطان کے معسکر پہنچا تھا یعنی ابھی اسے آئے ہوئے صرف پانچ ماہ ہوئے تھے اور اس دوران صرف ایک بڑا معرکہ پیش آیا تھا مگر کھلے میدان میں قیام اور موسم کی شدت نے اس کی ہمت پست کر دی تھی اور اب وہ بلا وجہ واپسی کے لیے بے چین تھا۔ ماہ رمضان میں اس نے قاصدوں کی معرفت کئی بار سلطان سے رخصت طلب کی مگر سلطان نے ہر بار یہی جواب دیا کہ دشمن سے صلح کی بات چیت شروع ہونے والی ہے، جب تک کوئی فیصلہ نہ ہو جائے افواج کو منتشر کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

عیدالفطر کی خنک صبح کا دھندلکا پھیلا ہوا تھا جب سنجر شاہ خود سلطان کے خیمے کے سامنے آ کھڑا ہوا اور باریابی کی اجازت طلب کی۔ دربان نے بتایا سلطان کی طبیعت بہت خراب ہے مگر سنجر شاہ نے اصرار کیا کہ وہ سلطان سے خصوصی اجازت لے لے۔ دربان اندر گیا اور پھر آ کر بتایا کہ سلطان ناسازیٔ طبیعت کی وجہ سے ملاقات سے معذرت کر رہے ہیں۔ دراصل سلطان نے رات سخت بخار میں بستر پر کروٹیں بدلتے گزاری تھی۔ ابھی ابھی انہیں پسینہ آیا تھا اور اس حالت میں ان کا بستر سے اٹھنا مرض کو اور بڑھا سکتا تھا۔

تاہم ضدی سنجر شاہ کسی طرح نہ ٹلا۔ اس نے دربان پر زور دیا کہ سلطان سے اس کی فوری ملاقات بہت ضروری ہے۔ آخر بار بار کے اصرار کے بعد اسے اجازت مل گئی۔ وہ سلطان کے خاص خیمے

میں داخل ہوا۔ نگاہیں چار ہوتے ہی اس نے سلطان کو عید الفطر کی مبارکباد دی اور ساتھ ہی اپنے وطن جانے کی اجازت طلب کی۔ سلطان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ انہوں نے نرمی سے کہا:

''ہمیں تمہاری اس طرح روانگی کے عزم میں کوئی خیر معلوم نہیں ہوتی۔ تم صبر کرو۔ ہم تمہیں آدابِ شاہی کے مطابق عزت واحترام سے رخصت کریں گے۔ یہ مناسب نہیں کہ تم اتنے عرصے محاذ پر رہنے کے بعد اس انداز سے کوچ کرو۔''

مگر سنجر شاہ نے اس نصیحت کا کوئی اثر قبول نہیں کیا۔

سلطان نے ایک بار پھر اسے حالات کی نزاکت اور اپنی مجبوریوں کا احساس دلانے کی کوشش کی اور کہا:

''یہ وقت افواج کے محاذ پر آنے اور جمع ہونے کا ہے نہ کہ بکھرنے کا۔''

سنجر شاہ چپ رہا۔ بس آگے بڑھ کر سلطان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور خیمے سے نکل گیا۔

جب وہ اپنی فوج میں پہنچا تو باورچی عید کے پکوانوں کے لیے دیگیں چڑھا چکے تھے، اس نے حکم دیا:

''خیمے اکھاڑلو، دیگیں الٹ دو اور فوراً روانگی کی تیاری کرو۔''

تھوڑی ہی دیر میں لشکرِ اسلام کے باقی سپاہی سنجر شاہ اور اس کی فوج کو مشرق کے پہاڑی راستوں میں گم ہوتا دیکھ رہے تھے۔ یہ حرکت کھلی بغاوت کے مترادف تھی اور اس سے دیگر اکتائے ہوئے امراء کو بھی شہ مل سکتی تھی۔ خطرہ تھا کہ کہیں وہ بھی سلطان سے اجازت لیے بغیر رخصت ہونے نہ لگیں۔ سلطان نے فوراً دو خط لکھوائے۔ ایک خط اپنے ایک امیر کو تھما کر سنجر شاہ کی طرف روانہ کر دیا اور دوسرا ایک برق رفتار قاصد کو دے کر اسے تقی الدین عمر کی طرف دوڑایا جس کے بارے میں سلطان کو اطلاع مل چکی تھی کہ وہ اپنے فتح مند لشکر سمیت حماۃ سے واپس آرہا ہے اور عکا کے قریب پہنچ چکا ہے۔ اس خط میں سلطان نے تقی الدین کو حکم دیا تھا کہ وہ سنجر شاہ کو بہر صورت واپسی پر مجبور کرے۔

سلطان کے امیر نے سنجر شاہ کو طبریہ کے قریب جالیا۔ سنجر شاہ نے خط پڑھا اس میں لکھا تھا:

''تم وہی ہو جس نے شروع شروع میں مجھ سے تعلق بنانے کی کوشش کی اور مجھ سے بار بار رابطے کیے اور یہ ظاہر کیا کہ تم اپنی جان اور اپنے شہر کی حکومت کے بارے میں اپنے خاندان سے خطرہ محسوس کرتے ہو۔ میں نے تمہاری بات قبول کی، تمہیں تحفظ دیا اور تمہاری مدد کی، پھر (حکومت ملنے کے بعد) تم نے لوگوں کی جان و مال اور عزتوں پر ہاتھ ڈالنا شروع کر دیا، میں نے تمہیں اس سے بار ہا منع کیا مگر تم باز نہ آئے۔ پھر اسلام کو (صلیبی حملے کا) یہ حادثہ پیش آیا تو ہم نے تمہیں بلایا، تم ایسا لشکر لے کر آئے جسے میں بھی جانتا ہوں اور دوسرے لوگ بھی۔ تم یہاں ایک

مدت ٹھہرے اور بے حد بے چین رہے۔ پھر یہ حرکت کی کہ ناراضی کے عالم میں رخصت ہوئے جبکہ ہنوز جنگ کا فیصلہ نہیں ہوا۔ پس اب تم اپنے بھلے برے کے خودذ مہ دار ہو۔ خود فیصلہ کرلو کہ میرے علاوہ اب خودکو کس حکمران سے منسوب کرو گے۔ اب جو کوئی تم سے آمادۂ پیکار ہو اس سے اپنی حفاظت تم خود کیا کرنا...... کیونکہ مجھے تم سے اب کوئی سروکار نہیں رہا۔"

سلطان ایوبی کا یہ عتاب نامہ پڑھ کر بھی سنجر شاہ کے اٹھتے قدم نہ رکے کیونکہ وہ بھی اپنے زعم میں سلطان سے تعلقات ختم کر چکا تھا۔

مگر "فیق" کی گھاٹی تک پہنچ کر اسے رکنا پڑا کیوں کہ سامنے سے سلطان صلاح الدین کا بازوئے شمشیرزن تقی الدین عمر اپنی فوج کے ساتھ شمالی شام کی مہم سے فارغ ہو کر آ رہا تھا۔ سنجر شاہ اسے دیکھ کر گھبرا گیا۔ اس تنگ گھاٹی میں کترا کر گزر جانے کی کوشش کرنا بھی ناممکن تھا۔ آخر کار دونوں کا آمنا سامنا ہو گیا۔

اس سے پہلے تقی الدین کو بھی سلطان کا خط مل چکا تھا مگر اس نے لاعلم بنتے ہوئے سنجر شاہ سے واپسی کی وجہ دریافت کی۔ سنجر شاہ نے ادھر ادھر کی باتیں بنانا شروع کر دیں۔

تب تقی الدین نے کہا:

"میں تمہاری حرکتوں کے بارے میں سب کچھ سن چکا ہوں۔"

پھر اس نے سنجر شاہ کو سمجھانے کی کوشش کی اور ناصحانہ انداز میں کہا:

"سلطان کی عنایات اور تحائف کے بغیر تمہارا واپس لوٹ جانا مناسب نہیں۔ اس طرح تو تمہاری ساری مشقت ضائع ہو جائے گی۔ بہتری اسی میں ہے کہ تم سلطان کی خدمت میں واپس لوٹ جاؤ اور اس وقت تک وہاں رہو جب تک کہ وہ خود تمہیں اجازت نہ دے دیں۔ تم بچے ہو، تمہیں اپنے اس اقدام کی ہلاکت خیزی کا اندازہ نہیں۔"

سنجر شاہ نے آگ بگولا ہو کر کہا:

"کون ہے جو مجھے واپسی پر مجبور کر سکے!!"

تقی الدین عمر نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے اٹل لہجے میں کہا:

"میں کہہ رہا ہوں تمہیں بہرصورت واپس جانا ہو گا کیوں کہ اس انداز سے کوچ کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔"

سنجر شاہ اب بھی جانے پر مصر رہا۔ تب تقی الدین نے اپنی عسکری سخت گیری سے کام لیا اور ڈانٹ کر کہا:

"یا تو تم سیدھی شرافت سے واپس ہو جاؤ ورنہ مجھے تمہیں زبردستی واپس لے جانا پڑے گا۔"

یہ دھمکی کام کرگئی، سنجر شاہ ڈر گیا کہ تقی الدین عمر اسے گرفتار کر کے نہ لے جائے۔ اس پر اتنا خوف طاری ہوا کہ اپنے گھوڑے سے اتر کر تقی الدین عمر کا دامن پکڑ لیا اور گڑگڑا کر بولا:

''میں تمہاری پناہ میں آتا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ چپ چاپ اس کے ساتھ چل دیا۔

تقی الدین عمر یہ واقعہ سنا کر کہا کرتا تھا:

''مجھے اس کے یکدم حماقت آمیز غصے اور پھر فوراً اس ذلت آمیز عاجزی پر بڑا تعجب ہو رہا تھا۔''

تقی الدین عمر سلطان کے معسکر پہنچا تو اس کا پرجوش خیر مقدم ہوا۔ وہ جرمنوں کے خلاف جہاد کا فاتح تھا۔ سلطان کے بھائی الملک العادل اور دیگر اعیان نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ تقی الدین، سنجر شاہ کو ساتھ لیے سیدھا سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور سفارش کی کہ اس نوجوان کو معاف کر دیا جائے۔ سنجر شاہ نے خود بھی سلطان سے معذرت کی اور یہ اجازت بھی مانگی کہ وہ خیمہ گاہ میں تقی الدین کے ساتھ رہنا چاہتا ہے۔ سلطان نے معذرت قبول کر لی اور اسے تقی الدین کے ساتھ رہنے کی اجازت بھی دے دی۔ سنجر شاہ اس کے بعد جنگ کے اختتام تک تقی الدین کے پاس ہی رہا۔ اسے خدشہ تھا کہ اگر وہ اکیلا رہا تو کسی دن اچانک سلطان کی طرف سے کسی انتقامی کارروائی کی نذر نہ ہو جائے حالانکہ یہ ایک بے بنیاد خدشہ تھا، سلطان اس طرح کسی سے بدلہ لینے کے عادی نہیں تھے۔ [1] تاہم وہ اس سرپھرے کی حماقت کو نظر انداز بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس واقعے کے بعد وہ کہا کرتے تھے:

''میرے سامنے جب کسی شخص کی برائیاں بیان کی گئیں تو تحقیق کرنے پر میں نے اس شخص میں اتنی برائیاں نہ پائیں مگر لوگوں نے سنجر شاہ کی جو برائیاں بیان کی تھیں، وہ تحقیق کرنے پر اصل سے کہیں زیادہ نکلیں۔''

سلطان ایوبی سنجر شاہ پر دوبارہ اعتماد نہیں کر سکتے تھے اور اس کی خودسری کا مستقل بندوبست کرنے اور اس کا کانٹا نکال دینے کے لیے ذہنی طور پر آمادہ ہو چکے تھے۔ تاہم وہ ایسے جلد باز نہیں تھے کہ میدانِ جہاد میں اسے کسی عاجلانہ کارروائی کا نشانہ بناتے۔ اس لیے سنجر شاہ جب تک یہاں رہا سلطان کی طرف سے اس سے کوئی باز پرس نہ ہوئی۔ [2]

عماد الدین کی اُکتاہٹ: اس طویل مہم سے اکتائے ہوئے امراء میں حاکم سنجار عماد الدین زنگی بھی شامل تھا۔ اس نے بار بار سلطان سے گزارش کی کہ اسے رخصت کی اجازت دی جائے کیونکہ اس کی فوج

[1] النوادر السلطانیہ: 220، 221، 222

[2] النوادر السلطانیہ: ص 205؛ الکامل فی التاریخ: 10/202، 203

موسم سرما گزارنے کا انتظام کر کے نہیں آئی اور سپاہیوں کا سردی سے برا حال ہے مگر سلطان کا جواب تھا:

''دشمن سے صلح کی بات چیت جاری ہے، معاہدۂ صلح کے امور آپ کے سامنے طے ہونے چاہییں تا کہ ہمیں امراء کا اتفاق رائے حاصل رہے۔''

عمادالدین زنگی نے پھر درخواست کی کہ کم از کم موسم سرما کے لیے بھاری خیموں اور فوج کے اخراجات کے لیے رقم کا انتظام کرنے کے لیے اسے سنجار جانے کا موقع دیا جائے مگر سلطان نے اسے بھی قبول نہیں کیا کیونکہ اس کا امکان بہت کم تھا کہ جانے کے بعد وہ موسم بہار سے پہلے واپس آسکے۔

سلطان اور عمادالدین کے درمیان یہ بات چیت خط و کتابت کے ذریعے ہو رہی تھی اور اس میں قاضی بہاؤالدین ابن شداد بھی کسی حد تک کردار ادا کر رہے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ عمادالدین زنگی بہر صورت کوچ کرنے پر تلا ہوا تھا جبکہ سلطان کسی بھی طرح اسے روکنا چاہتے تھے۔ آخر عمادالدین کا اضطراب حد سے بڑھ گیا اور اس نے اپنے خط میں غیر معمولی اصرار کے ساتھ سلطان پر اپنا عزم واضح کر دیا۔ سلطان نے یہ خط پڑھا اور اس کی پشت پر صرف ایک شعر لکھ کر اسے لوٹا دیا:

مَنْ ضَاعَ مِثْلِیْ مِنْ یَدَیْہِ لَیْتَ شَعْرِیْ مَنِ اسْتَفَادَا

جس نے مجھ جیسے شخص کو بھی گنوا دیا ہو کاش میں جان سکوں کہ وہ کسی سے کیا فائدہ حاصل کر پائے گا

عمادالدین پر اس جواب کا ایسا اثر ہوا کہ اس نے واپسی پر اصرار ترک کر دیا۔ [1]

معرکۂ مرج عکا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کے پاس صلح کی بات چیت کے لیے آنے والے قاصدوں نے مسلمانوں کی تکان، اضمحلال، اکتاہٹ اور خیمہ گاہ میں پھیلنے والے وبائی امراض کا جائزہ لے لیا تھا پھر سلطان کی بیماری بھی ان کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی۔ قاصدوں کے علاوہ یقیناً صلیبی جاسوس بھی اپنا کام کر رہے تھے اور مسلمانوں کی کیفیت سے اپنی قیادت کو باخبر رکھے ہوئے تھے۔

صلیبیوں کے ہاں ان دنوں خوراک و رسد بہت کم رہ گئی تھی اور وہ مسلمانوں کی خوراک و رسد کے ذخائر پر نگاہیں گاڑے ہوئے تھے۔ انہیں امید تھی کہ اگر وہ مسلمانوں کے یہ ذخیرے لوٹنے میں کامیاب ہو گئے تو موسم سرما آرام سے گزر جائے گا بصورت دیگر گزشتہ موسم سرما کی طرح وہ قحط کا شکار ہو جائیں گے۔ چنانچہ صلیبیوں نے ایک طرف تو صلح کا جھانسا دینے کا سلسلہ برقرار رکھا اور دوسری طرف انہوں نے یکدم جارحانہ حملے کا فیصلہ کر لیا۔

فرنگیوں کے اس اقدام کے نتیجے میں وہ خوں ریز معرکہ ہوا جس کے پہلے دن کی لڑائی کو 'معرکۂ مرج

[1] النوادر السلطانیۃ: 222

عکا“ اور دوسرے دن کی لڑائی کو”توبۃ النہر“یا ”دریائے عکا کا معرکہ“ کہا جاتا ہے۔
یہ لڑائی تین دن تک جاری رہی تھی۔ اس موقعے پر سلطان نے شدید بیماری اور ناقابل برداشت تکلیف کے باوجود جس ہمت واستقلال اور صبر وتحمل کے ساتھ لشکر اسلام کی قیادت کی، اس کو سلطان کی کرامت ہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس وقت سلطان کی بیماری کس شدت کی تھی، اس بارے میں ابن شداد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”میں نے سلطان کو مرج عکا کے محاذ پر دیکھا کہ وہ شدید بیمار تھے۔ جسم پر کمر سے لے کر گھٹنوں تک بکثرت پھنسیاں نکلی ہوئی تھیں۔ جن کی وجہ سے وہ صحیح طرح بیٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔ جب خیمے میں ہوتے تو ایک پہلو پر سہارا لے کر نیم دراز ہوجاتے۔ بیٹھنے سے معذوری کے سبب ان کے لئے سامنے رکھے ہوئے کھانے تک ہاتھ بڑھانا بھی ممکن نہ تھا۔ کھانا لایا جاتا تو فرماتے کہ لوگوں میں تقسیم کردیا جائے۔ مگر اس کے باوجود وہ صبح سے لے کر ظہر کی نماز تک اور عصر سے لے کر نماز مغرب تک گھوڑے پر سوار، مسلسل صفوں میں چکر لگاتے رہتے اور تکلیف کی شدت اور پھنسیوں کی اذیت کو صبر وتحمل کے ساتھ برداشت کرتے رہتے جس پر ہم تعجب کا اظہار کیا کرتے تھے مگر وہ جواب میں فرماتے: ”جب میں گھوڑے پر سوار ہوتا ہوں تو یہ تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ جوں ہی اترتا ہوں تکلیف عود کر آتی ہے۔“[1]

معرکے کی شروعات پیر 11 شوال 586ھ (11 نومبر 1190ء) کو ہوئیں۔ اس دن صلیبیوں کا لشکر چھاؤنی سے باہر نکلا انہوں نے خیمہ گاہ نصب کرنے کا ساز وسامان اور خوراک ورسد کے بچے کھچے ذخائر بھی لاد لئے تھے جو انہیں صرف چار دنوں تک کافی ہوسکتے تھے۔ کاؤنٹ ہنری اور کونرڈ مارکوئیس ان کی قیادت کررہے تھے جبکہ جرمن بادشاہ فریڈرک اپنے سپاہیوں اور دوسرے بہت سے صلیبیوں کے ساتھ عکا کی فصیل پر لگاتار حملوں کا آغاز کرنے کے لئے پیچھے رہ گیا تھا۔ سلطان کی لشکر گاہ میلوں دور کوہ ٹروبہ پر تھی جبکہ خوراک کے ذخائر کوہ کارمل کے قریب کھجور کے باغات میں گھرے ایک دیہات میں تھے جسے ”حیفہ“ کہا جاتا تھا۔ (یہ ساحلی شہر حیفا سے الگ ایک مقام ہے) یہ جگہ عکا اور طبریہ کی درمیان کی منزل تھی۔ فرنگی اسی پر حملہ کرکے خوراک لوٹنا چاہتے تھے۔ وہ نہایت منظم انداز میں اسی طرف آگے بڑھتے رہے، ان کے سامنے حدِ نگاہ تک کھلا میدان اور ٹیلے تھے۔ کہیں کہیں مسلمانوں کے اکا دکا گشتی سوار گھومتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

[1] النوادر السلطانیہ ص 7

فرنگی سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے تحل کے ٹیلوں تک پہنچ گئے اور یہاں پڑاؤ ڈال کر ان نئے کنوؤں سے پانی بھرنے لگے جو مسلمانوں نے کچھ دنوں پہلے یہاں اپنے قیام کے دوران کھودے تھے۔ سلطان کے گشتی سپاہی العیاضیہ کے ٹیلوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔انہوں نے سلطان کو اطلاع بھجوادی۔سلطان چونک اٹھے مگر کسی خدشے کا اظہار کیے بغیر انہوں نے گشتی سپاہ کو پیغام بھجوایا کہ پیچھے ہٹو اور تل کیسان پر قیام کرو۔سلطان نے تاڑ لیا تھا کہ فرنگی ان کے سامان رسد پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔11 ہفتوں کی تیاری کے بعد سر پر کفن باندھ کر میدان جنگ میں اترے تھے اور کوئی بعید نہ تھا کہ جنگ کے کسی مرحلے پر وہ سامان رسد تک پہنچ بھی جاتے۔سلطان نے خطرہ محسوس ہوتے ہی اسی رات کو قارل کی رسد گاہ کا تمام ساز و سامان عکا سے تین فرسخ (9 میل) دور ناصرہ اور میمون منتقل کرنا شروع کر دیا۔راتوں رات یہ کام مکمل ہو گیا جس نے مسلمانوں کی رسد کو محفوظ بنا دیا یوں فرنگیوں کے لئے اپنے اصل ہدف تک پہنچنا مزید مشکل ہو گیا۔اب سلطان کے ساتھ صرف مسلح سپاہی تھے جنہیں سامانِ رسد کی حفاظت کی فکر نہ تھی۔سامنے چند میل دور نشیب میں فرنگیوں کا ٹڈی دل پھیلا ہوا تھا۔سلطان نے فوج کو میمنہ، میسرہ اور قلب کے روایتی حصوں میں مرتب کیا اور خود کوہِ خروبہ کی بلندیوں سے اتر کر سامنے ٹیلوں پر آ گئے۔منگل 12 شوال 586ھ (12 نومبر 1190ء) کو سویرے سویرے مخبر نے اطلاع دی کہ فرنگی تازہ دم ہو کر گھوڑوں پر سوار ہو گئے ہیں اور آگے بڑھ رہے ہیں۔[1]

سلطان کی صف بندی: سلطان بیماری کی بناء پر جبلِ خروبہ کے ایک بلند ٹیلے پر رک گئے اور اپنی افواج کی نگرانی کرنے لگے۔ان کے لیے ایک ہلکا پھلکا خیمہ نصب کر دیا گیا تھا۔مخبر پل پل کی خبریں یہاں لا رہے تھے اور سلطان ضروری ہدایات جاری کر رہے تھے۔

لشکرِ اسلام کے دائیں بازو کی صفیں سب سے پہلے وادیٔ عکا میں اتریں۔یہ سپاہی میدان میں آگے بڑھتے چلے گئے اور ایک مناسب مقام پر صف بندی کرنے لگے۔ان کی پہلی صف کوہِ صفا اور آخری کوہِ خروبہ کو چھو رہی تھی۔جنوب میں کھڑے مسلمانوں کے بائیں بازو نے بھی حرکت کی اور نشیب میں جا کر صفیں باندھ لیں۔بائیں بازو کی آخری صف دریائے عکا کے کنارے تھی جو کہ کچھ دور جا کر سمندر میں گر رہا تھا۔مسلمانوں کی صف بندی مکمل ہوئی تو ترتیب کچھ یوں تھی:

قلب لشکر کے بیچ میں سلطان کا خاص دستہ الحلقۃ السلطانیہ تھا۔قلب کے دائیں حصے میں سلطان کے تین بیٹے حاکمِ دمشق الملک الافضل، حاکمِ حلب الملک الظاہر اور حاکمِ بصریٰ الملک الظافر تعینات تھے۔

[1] النوادر السلطانیہ: 223

دائیں بازو میں سب سے پہلے الملک العادل اور پھر امیر حسام الدین لاجین، امیر قایماز نجمی، حاکم نابلس حسام الدین بشارہ، امیر بدرالدین ولدرم، حاکم موصل کا صاحبزادہ خرم شاہ اور امیر عز الدین جردیک اپنی اپنی افواج کے ساتھ ایستادہ تھے۔

بائیں بازو میں الملک المظفر تقی الدین عمر، امیر علی سیف الدین مشطوب اور امیر خوشترین کی سپاہ کے علاوہ ہکاری، حمیدی، زرزاری، مہرانی اور دیگر کرد قبائل کے سپاہی تھے۔ حاکم سنجار عماد الدین زنگی خود تو بیماری کا عذر کر کے لشکر کے خلل ہونے والے ساز و سامان کے ساتھ چلا گیا تھا مگر اس کی فوج بدستور میسرہ کی صفوں میں کھڑی تھی۔

سلطان کی ہدایت پر بعض دستے ٹیلوں کی آڑ میں چھپے ہوئے تھے تاکہ کسی مناسب موقع پر دشمن کو اچانک حملوں کا نشانہ بنا سکیں۔ امرائے فوج کو تاکید کر دی گئی تھی کہ وہ اپنے تیرانداز دستوں اور گھڑسوار محافظوں کو صلیبیوں کے اردگرد متحرک رکھیں اور کسی وقفے کے بغیر ان پر نشانہ آزمائی کرتے رہیں۔

ان ہدایات کے مطابق مسلم تیراندازوں کی ٹولیاں یکے بعد دیگرے تیزی سے آگے بڑھ کر دشمن پر تیروں کی بوچھاڑ کرتیں اور پھر ٹیلوں کے نشیب و فراز میں غائب ہو جاتیں۔ موقع ملتے ہی یہ اکیلے دکیلے فرنگیوں کو گرفتار بھی کر لیتے تھے۔ جنگ کے آغاز میں ایک فرنگی اسی طرح گرفتار ہوا اور سلطان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ سلطان نے اسے اسلام کی دعوت دی، اس نے انکار کر دیا چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا۔

اس دن صلیبی پوری احتیاط کا مظاہرہ کرتے ہوئے دریائے عکا کے مشرقی کنارے کے ساتھ چلتے رہے۔ اس طرح ان کا دایاں بازو جو دریا کے ساتھ تھا محفوظ ہو گیا تھا۔ زرہ پوش فرنگیوں کی پیش قدمی ایک ایسے دیوپیکر کچھوے کی حرکت کی مانند تھی جس پر کوئی چیز اثر نہ کرتی ہو۔ وہ قدِ آدم ڈھالوں اور دوسرے حفاظتی سامان میں چھپے ہوئے تھے۔ ان کو سامنے آ کر روکنا بہت مشکل تھا۔ سلطان ایوبی کی کوشش یہی تھی کہ اپنی طاقت بچاتے ہوئے فرنگیوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جائے اس لیے انہوں نے یلغار کرتی فوج کو سامنے آ کر روکنے سے احتراز کیا۔ فرنگی آگے بڑھتے رہے اور مسلمان دائیں بائیں رہ کر انہیں راستہ دیتے گئے مگر اس کے ساتھ ساتھ ان پر چھاپہ مار حملے کرتے رہے۔ ۵

اس دن مسلمانوں کی تند و تیز کارروائیوں میں بیسیوں صلیبی مارے گئے اور سینکڑوں زخمی ہوئے مگر فرنگیوں کی پیش قدمی جاری رہی۔ ان کا کوئی سپاہی جوں ہی تیروں سے گھائل ہو کر دم توڑتا وہ اسے چپکے سے دفن کر دیتے یا لاش کو ساتھ ہی اٹھا لیتے۔ اس طرح زخمیوں کو بھی وہ سنبھال کر ساتھ لیے آ رہے تھے۔

۵ النوادر السلطانیہ: 223، 224؛ الکامل فی التاریخ: 10/ 197_198

مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو ان کے مقتولین اور زخمیوں کی تعداد کا بالکل اندازہ نہ ہو سکے۔ فرنگی اس کوشش میں کامیاب رہے اور ان کے ہلاک شدگان اور زخمیوں کو مسلمان نہ گن سکے۔

فرنگیوں کا رخ دریا کے منبع کی طرف تھا جو کئی میل آگے ایک پہاڑی وادی مرج عکا میں تھا۔ اسی منبع سے کچھ آگے حیفہ تھا جہاں فرنگیوں کے گمان کے مطابق مسلمانوں کی رسد کے ذخائر تھے مگر سلطان تو وہاں کے گودام پہلے ہی خالی کرا چکے تھے اس لیے فرنگیوں کا وہاں تک پہنچ جانا کسی نقصان کا باعث نہیں بن سکتا تھا۔

جب فرنگی آگے نکل گئے تو سلطان ایوبی نے اپنی فوج کے ایک حصے کو نیم دائرے کے شکل میں گھما کر فرنگیوں کے عقب میں تعینات کر دیا۔ اس طرح فرنگیوں کی واپسی کا راستہ مسدود ہو گیا، ان کے اور ان کی چھاؤنی ٹوروں کے درمیان مسلمانوں کے دستے کھڑے ہو گئے۔

سلطان یہ سب تبدیلیاں اپنی نگرانی میں کرا رہے تھے۔ تیز دھوپ، شدید گرمی اور اذیت ناک بیماری کے باوجود وہ پوری ہمت کے ساتھ متحرک تھے۔ وہ کچھ دیر گھوڑے پر سواری کرتے اور پھر نیچے اتر کر کچھ دم لیتے۔ آرام کے لیے انہوں نے ایک بار بھی خیمہ نہ لگوایا کہ کہیں دشمن اسے مسلمانوں کی آرام پسندی اور کمزوری پر محمول نہ کریں۔ سورج کی تپش کے بچنے کے لیے وہ صرف رومال کا سایہ لے رہے تھے۔

آخر صلیبی وادی عکا کے آخری سرے تک پہنچ گئے جہاں وہ عظیم پہاڑی چشمہ تھا جہاں سے دریائے عکا کی دھاریں پھوٹ رہی تھی۔ صلیبی لشکر اس چشمے کے گرد چکر لگاتا ہوا دریا کے مغربی کنارے پر چلا گیا۔ اب صلیبی حیفہ سے قریب تر تھے۔ عقب میں ان کو مسلمانوں کی صف بندی کی تبدیلیاں واضح نظر آ رہی تھیں جو ان کی واپسی کا راستہ مسدود کر رہی تھیں۔

صلیبیوں کے دریا کے منبع سے آگے پہنچ جانے کے بعد سلطان ایوبی نے فوری طور پر میدان میں آ کر دائیں اور بائیں صفوں کو نئے مقامات پر تعینات کر دیا۔ انہوں نے دائیں بازو کو دریا کے مشرق میں کمان کی شکل میں اس طرح کھڑا کیا کہ تقریباً پورا کنارہ اس کی گرفت میں آ گیا۔ اس طرح دشمن کے لیے واپسی میں دریا کے منبع کا چکر کاٹ کر دوبارہ مشرقی کنارے پر آنا اور سیدھا اپنی چھاؤنی کی طرف نکل جانا ممکن نہ رہا۔ دوسرے لفظوں میں اس کی راہ فرار بالکل مسدود ہو گئی۔

دوسری طرف سلطان نے بائیں بازو کو دریا کے مغرب میں بھیج دیا اور اسے ایک وسیع نیم دائرے کی شکل دے کر سمندر کے کنارے تک پھیلا دیا۔ اب اگر فرنگی دریا کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ واپس آتے تو ان کے ایک طرف دریا ہوتا اور دوسری طرف کمان کی شکل میں گھیرا ڈالنے والے اسلامی دستے۔ وادی عکا میں اب تک تمام لڑائیاں دریائے عکا کے مشرق میں شہر کے آس پاس ہوئی تھیں مگر

اب میدانِ جنگ بالکل بدل گیا تھا۔ دونوں لشکر عکا شہر سے دور، دریائے عکا کے مغرب میں آگئے تھے۔ میدان جنگ کا نقشہ اور نوعیت بدل گئی تھی۔ ❶

زوالِ آفتاب کے وقت فرنگیوں نے دریائے عکا کے پار ٹیلوں پر خیمے نصب کرنے شروع کیے۔ خیموں کا یہ سلسلہ دریا کے مغربی کنارے تک پھیلتا جارہا تھا۔ اس دوران سلطان ایوبی نئی صف بندی کے ذریعے فرنگیوں کی واپسی کا راستہ مسدود کرنے کے بعد اپنی خاصہ فوج کے ساتھ دوبارہ ان کے سامنے آگئے تھے اور ایک بلند ٹیلے سے ان کی خیمہ گاہ کا معاینہ کررہے تھے۔ ❷

ہنگامہ خیز رات ﷺ۔ فرنگیوں کو منظم انداز میں پڑاؤ ڈالتا دیکھ کر سلطان نے اپنے گھڑسوار دستوں کو پیچھے ہٹ کر شب بسری کا حکم دیا کیوں کہ رات کی تاریکی میں اپنے لشکر کی حفاظت کرنا زیادہ اہم تھا۔ ان انتظامات کے بعد سلطان رات گزارنے کے لیے اپنے خواص کے ساتھ لشکرِ اسلام کے عقبی حصے میں واقع خروبہ پہاڑ کی چوٹی پر چلے گئے تھے جہاں ان کے لیے ایک ہلکا پھلکا خیمہ نصب تھا۔ قاضی بہاؤ الدین اور شاہی طبیب رات بھر سلطان کے سرہانے بیٹھے رہے کیوں کہ ان کی طبیعت تشویش ناک حد تک خراب لگ رہی تھی۔ سلطان کو کبھی نیند کا جھونکا آجاتا اور کبھی وہ بے چینی سے آنکھیں کھول دیتے۔ مسلمانوں نے یہ رات ہتھیار بند حالت میں گزاری کیوں کہ کسی بھی وقت انہیں حملے کے لیے آگے بڑھنے یا دشمن کا حملہ روکنے کی ضرورت پیش آسکتی تھی۔ ❸

لشکرِ اسلام کے جالیشیہ دستے رات بھر متحرک رہے اور فرنگیوں کی خیمہ گاہ پر حملے کرتے رہے۔ ادھر صلیبیوں کو دن بھر کی مشقت نے ادھ موا کردیا تھا۔ اب انہیں یہ بھی معلوم ہوچکا تھا کہ مسلمانوں نے اپنے ذخائرِ رسد ان کی پہنچ سے بہت دور منتقل کردیے ہیں۔ اس طرح ان کے حملے کا اصل مقصد ہی ضائع ہوگیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ سلطان نے ان کی واپسی کا راستہ بند کرکے انہیں مزید بدحواس کردیا تھا۔ چنانچہ اسی رات فرنگیوں نے جارحانہ لڑائی کا ارادہ ترک کرکے عکا واپس جانے کا فیصلہ کرلیا۔ اب ان کے نزدیک مسلمانوں کے گھیرے کو توڑ کر چھاؤنی تک صحیح سلامت پہنچ جانا ہی بڑی کامیابی تھی۔

فرنگی رات کے آخری پہر تک اپنی تھکان دور کرتے رہے مگر صبح معتوں میں انہیں آرام میسر نہ آسکا۔ ہر چند لمحوں بعد جالیشیہ کے تیر انداز ادھر اُدھر سے تیروں کی بوچھار کرکے انہیں ہڑابڑا دیتے تھے۔ مسلمان

❶ الفصائل: ص224؛ الکامل فی التاریخ: 10/198؛ کتاب الروضتین: تحت 586 ہجری، فصل فی ذکر خروج الفرنج بعسرہم الثقلہ
❷ الفصائل: ص224
❸ الفصائل: ص225؛ کتاب الروضتین: تحت 586 ہجری، فصل فی ذکر خروج الفرنج بعسرہم الثقلہ

انہیں تھکانے کے علاوہ جلد از جلد کھلے میدان میں لڑنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر صلیبیوں میں اب کھلی جنگ کا دم خم باقی نہیں رہ گیا تھا۔ رات کے آخری پہر صلیبیوں نے تیزی سے خیمے اکھاڑ کر واپسی کی تیاری شروع کر دی۔ ان کے لیے دریا کے منبع کے گرد چکر لگا کر واپس مشرقی کنارے پر جانا اور جس راستے سے آئے تھے اسی سے اپنی چھاؤنی تک پہنچنا، اب ناممکن ہو چکا تھا کیوں کہ اسلامی لشکر کا قلب اور دایاں بازو یہ راستہ روکے ہوئے تھے۔

چنانچہ مجبوراً اسی جگہ سے لشکر کا رخ ساحل سمندر کی طرف پھیر دیا گیا اور اسے صفوں کی بجائے قطاروں کی شکل میں ترتیب دے دیا گیا۔ یہ ایک بہت بڑے کارواں کی صورت تھی جسے دشمن کے حملوں سے خود کو محفوظ رکھتے ہوئے اور ان کی صفوں کو چیر کر راستہ بناتے ہوئے اپنی منزل تک پہنچنا تھا مگر یہ کام اتنا آسان نہیں تھا کیونکہ وہ مسلمانوں کے حملوں کی زد میں تھے۔ پھر دریا عبور کرنا بھی ایک بے حد مشکل مرحلہ تھا جو اب ان کے دائیں ہاتھ پر تھا۔ اس کے علاوہ سمندر کا کنارا ''L'' کی شکل میں ان کے سامنے سے بائیں طرف کو مڑ رہا تھا جہاں لشکرِ اسلام کا بایاں بازو کمان کی شکل میں ان کا راستہ روکے ہوئے تھا۔ بہر کیف صلیبیوں نے جان کی بازی کھیل کر لڑتے بھڑتے کسی بھی طرح مسلمانوں کے خطرناک نرغے سے نکلنے کے لیے کمر کس لی۔ [1]

<u>نوبۃ النہر ...... معرکہ دریائے عکا</u>❋ صبح کا اجالا نمودار ہوا اور لشکر اسلام میں فجر کی اذانیں گونجنے لگیں۔ نماز کے فوراً بعد جنگ کے بگل بجنے لگے۔ یہ بدھ 13 شوال 586ھ (13 اگست 1190ء) کا دن تھا جو اسلحے کی مہیب جھنکار کے ساتھ نمودار ہو رہا تھا۔ اس دن دونوں فریق اپنی پوری قوت کے ساتھ آمنے سامنے تھے۔ سلطان ایوبی گھوڑے پر سوار کوہ خروبہ کی ایک چوٹی سے میدان جنگ کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ خبر رساں شعبے نے ان کے اور سالاروں کے درمیان رابطہ قائم کیا ہوا تھا۔

صلیبی لشکر دریائے عکا کے مغربی کنارے کے ساتھ واپسی کا راستہ بنانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ ان گنت فرنگی اس صلیبی پرچم کی خاطر لڑنے مرنے کو تیار تھے جو اس انسانی سمندر کے بیچوں بیچ ایک بلند مینار کی طرح آسمان کو چھوتا معلوم ہو رہا تھا۔ سفید رنگ کے اس پرچم کے درمیان ایک بڑی سی صلیب بنی ہوئی تھی۔ کنارے پر سرخ پٹی کا حاشیہ تھا۔ یہ پرچم ایک اونچی گاڑی پر نصب تھا جسے کھینچنے کے لیے کئی خچر جوتے گئے تھے۔ <u>تجربہ کار کاؤنٹ ہنری اور دیگر یورپی جنگجوؤں نے رات بھر سلطان کی فوج کی</u>

[1] النوادر السلطانیہ: 225

بہترین صف بندی کا نظارہ کرنے کے بعد اپنی کمزوری کو بھانپ لیا تھا۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ کھلم کھلا لڑنے کا نتیجہ تباہی کے سوا کچھ نہیں نکلے گا۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ ان کا ایک پہلو دریا کے کنارے کے باعث محفوظ تھا۔ اب لشکر کے باقی اطراف میں انہوں نے پیادوں کی دیوار سی چن دی تھی جو سر تا پیر لوہے میں چھپے ہوئے تھے، ان کے پاس قد آدم بڑی ڈھالیں بھی تھیں جنہیں ایک خاص ترتیب سے جوڑ کر وہ ان کے پیچھے چھپ جاتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے انہیں کسی فصیل نے اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔ گھڑ سوار دستے پیادوں کی ان تہ در تہ صفوں کے بیچ میں چل رہے تھے کیونکہ وہ تیر اندازی سے زیادہ متاثر ہو سکتے تھے۔ انہیں تیروں کی زد سے بچانے کے لیے زیادہ سے زیادہ دور کھڑا کیا گیا تھا۔ یہ گھڑ سوار خود بھی زرہوں میں ملبوس اور ڈھالوں کی اوٹ میں تھے۔ بقول قاضی ابن شداد:

''اس دن فرنگی گھڑ سواروں میں سے کسی ایک کی بھی جھلک دکھائی نہ دی۔''①

دونوں لشکر ایک دوسرے کی نقل و حرکت کا کب تک انتظار کرتے۔ فرنگیوں کو بہر حال واپس جانا تھا۔ وہ اپنی حفاظت کا خیال رکھتے ہوئے دھیرے دھیرے دریا کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے تاکہ کسی مناسب مقام سے دریا کو عبور کر کے اپنی چھاؤنی میں پہنچ جائیں۔ بھلا مسلمان انہیں یہ موقع کیوں دیتے۔ سلطان کی جانب سے افواج کو حملے کا حکم دے دیا گیا مگر مسلم گھڑ سواروں کے لیے صلیبی پیادوں کی ڈھال بردار دیوار سے گزرنا نہایت مشکل تھا۔ اس لیے ضروری تھا کہ پہلے اس دیوار میں راستہ بنایا جائے۔ اس مقصد کے لیے پہلے تیر اندازوں کو آگے بڑھایا گیا۔ وہ ہر رخ سے ان پر تیر برسانے لگے مگر صلیبیوں کی صفوں میں کوئی رخنہ آیا نہ ان کی حفاظتی پیش بندیاں شکستہ ہو سکیں۔ وہ اپنی چال پر چلتے رہے اور ساتھ ساتھ جوابی حملے بھی کرتے رہے۔

صلیبی پیادوں کی سخت ترین مزاحمت کے باعث دن بھر مسلمان سپاہیوں کو فرنگیوں پر عام حملے کا موقع نہ مل سکا، البتہ تیر انداز دستے بار بار حملے کرتے رہے، انکے تیروں کی پہنچ خاصی دور تک تھی۔ تیروں کی بوچھاڑ اس طرح ہو رہی تھی کہ محسوس ہو رہا تھا آسمان پر ٹڈیوں کا غول امنڈ آیا ہے۔ اس مہلک تیر اندازی سے صلیبیوں کے درجنوں افراد مرتے اور بیسیوں زخمی ہوتے رہے مگر وہ رکنے میں نہ آئے۔ ہزار دقتوں کے باوجود وہ لاشوں کو سمیٹ کر لا د رہے تھے، زخمیوں کو گرتے ہی سنبھال رہے تھے، وہ اپنے نقصانات کو حتی الامکان چھپانا چاہتے تھے۔ ان کے لشکر میں افراد کی کمی نہیں تھی۔ عمدہ تنظیم اور صف بندی کے باعث وہ مسلمانوں کے مقابلے میں ثابت قدم تھے۔

① النوادر السلطانیہ: ص226، 226؛ D، الروضتین: تحت 586 ہجری، فصل فی ذکر خروج الفرنج بعزم القتال

دوپہر ساڑھے بارہ بجے غیر روایتی انداز کی یہ جنگ اپنے عروج پر تھی۔ لشکرِ اسلام سے تکبیر و تہلیل کی صدائیں گونج رہی تھیں، تیروں کی سنسناہٹ سے فضا مرتعش ہو رہی تھی۔ نصرانی بگل اور باجے بجا بجا کر اپنے جوانوں کو جوش دلا رہے تھے۔ سلطان مسلسل تازہ دم سپاہ کو آگے بھیج کر فرنگیوں کی پختہ صف بندی کو توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہوں نے اس دن اپنی پوری افرادی قوت دشمن کے خلاف استعمال کر ڈالی حتیٰ کہ اپنے بیٹوں کو بھی گھمسان کی جنگ میں جھونک دیا۔ آخر میں سلطان کے پاس قاضی بہاؤالدین، شاہی طبیب اور چند غلام رہ گئے جن کے ہاتھوں میں چھوٹے بڑے پرچم لہرا رہے تھے۔ دور سے دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سلطان ایک بڑے لشکر کے ساتھ پہاڑ پر کھڑے ہیں حالانکہ یہاں سلطان کا حفاظتی دستہ تک موجود نہ تھا۔ اگر فرنگیوں کا کوئی چھوٹا سا دستہ بھی اس طرف آ نکلتا تو سلطان کا بچ نکلنا مشکل ہو جاتا۔ اب لشکرِ اسلام کی پوری افرادی قوت مجتمع ہو کر فرنگیوں کو شکنجے میں کسنے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ فرنگی مغرب کی جانب بڑھتے ہوئے سخت مزاحمت کر رہے تھے۔ ان کے جوابی حملوں میں مسلمانوں کے درجنوں سپاہی زخمی ہو گئے تھے۔ طویل القامت ایاز شدید زخمی ہونے کے باوجود لڑتا رہا۔ نامور سردار سیف الدین یازکوج بھی گھائل ہو چکا تھا۔ [1]

اس کے ساتھ مجھے قتل کر دو ﷺ یہ جنگ کے سنگین ترین لمحات تھے۔ گھرا ہوا دشمن ہاتھ سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سلطان کی حالت یہ تھی کہ وہ محض اپنی قوتِ ایمانی اور آہنی عزم وارادے کے بل بوتے پر میدانِ جنگ کو سنبھالے ہوئے تھے ورنہ ان کی طبیعت اتنی ناساز تھی کہ وہ نقل وحرکت کے قابل بھی نہیں تھے۔ اس وقت میدانِ جنگ کا مشاہدہ کرتے ہوئے وہ بمشکل اپنی جسمانی تکلیف کو نظر انداز کیے ہوئے تھے اور اعصاب پر قابو پاتے ہوئے سمعی، بصری اور فکری قوتوں سے کام لے رہے تھے اور فوج کو ہمت بھی دلا رہے تھے، خصوصاً اپنے بیٹوں کو جو لشکر کے اہم حصوں پر تعینات تھے یکے بعد دیگرے پیش آنے والی تازہ ترین مہمات سے نمٹنے کے لیے آگے بھیج رہے تھے۔ وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ گزشتہ دنوں کی وبائی بیماریوں نے فرنگیوں کے ساتھ ساتھ لشکرِ اسلام کو بھی ادھ موا کر رکھا ہے، اس لیے اسلامی فوج میں بھی کمزوری کے واضح آثار نظر آ رہے تھے۔ قاضی بہاؤالدین ابن شداد چشم دید گواہ کے طور پر بتاتے ہیں کہ لڑائی کے بعض شدید مواقع پر سلطان اس احساس سے بے اختیار رو پڑے کہ وہ آگے بڑھ کر معرکے میں شریک نہیں ہو سکتے۔ بیماری کی شدت کے باعث اپنی بے بسی کا یہ دکھ ان کے جگر کو چھلنی کر رہا تھا۔ اس دوران ایک امیر نے سلطان سے اظہارِ افسوس کے طور پر عرض کیا:

[1] النوادر السلطانیۃ:226، 227؛ الکامل: بحث 586 ہجری، فصل فی ذکر خروج الفرنج بحرم الملک

"وادی عکا کے وبائی امراض بہت بڑھ گئے ہیں جس سے دونوں لشکروں کے بکثرت افراد ہلاک ہو رہے ہیں۔"

جواب میں سلطان نے درد بھرے لہجے میں ایک عرب شاعر کا یہ مصرعہ پڑھا:

أُقْتُلانِيْ وَ مَالِكًا وَاقْتُلا مَالِكًا مَعِيْ

"مجھے مالک کے ساتھ قتل کر دو اور مالک کو میرے ساتھ۔"

مطلب یہ تھا کہ اگر ہمارے ساتھ یہ دشمنانِ اسلام ختم ہو جائیں تو ہمیں اپنی جان کا سودا خوشی سے منظور ہے۔

سلطان کے یہ جذبات و احساسات اور جہاد کی یہ تڑپ ان کے نائبین سالاروں اور سپاہیوں میں بھی منتقل ہو رہی تھی۔ قاضی ابن شداد فرماتے ہیں:

"سلطان کی ان باتوں سے لشکرِ اسلام میں ایک زبردست قوت پیدا ہو گئی تھی۔"[1]

ادھر فرنگیوں کی اب آخری کوشش یہ تھی کہ وہ دریا کے پل جسرِ دعوق تک پہنچ جائیں۔ اسے پار کر کے وہ اپنی چھاؤنی تک پہنچ سکتے تھے جبکہ مسلمانوں کی کوشش تھی کہ انہیں وہاں پہنچنے سے پہلے روک لیں اور ان کی صف بندی توڑ کر انہیں تلواروں اور نیزوں کی باڑھ پر رکھ لیں۔ غالباً مسلمانوں کو پہلے اندازہ نہیں تھا کہ فرنگی اس طرف کا رخ کریں گے یا انہیں امید تھی کہ وہ اس سے پہلے پہلے فرنگیوں کو روک لیں گے۔ اسی لیے انہوں نے پل کو تباہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ان کی یہ کوتاہی فرنگیوں کے حق میں نعمت ثابت ہوئی۔ اپنی مضبوط حلقہ بندی کو برقرار رکھتے ہوئے فرنگی نصف النہار کے وقت پل کے پاس پہنچ گئے۔ اب انہوں نے سمٹ کر منظم انداز میں پل عبور کرنا شروع کر دیا۔ ظہر کے وقت تک وہ بحفاظت پار پہنچ چکے تھے۔[2]

دوسری سمت اترتے ہی انہوں نے پل کو تباہ کر دیا تا کہ مسلمان اس جانب سے ان پر حملہ نہ کر سکیں۔ اس طرح دن ڈھلے جنگ تھم گئی۔ فرنگی مسلمانوں سے قدرے محفوظ ہوتے ہی ہانپنے لگے۔ اب ان میں مزید نقل و حرکت کی ہمت نہیں تھی۔ پیاس ان کا دم نکالا جا رہا تھا۔ ادھر مسلمان بھی غافل نہیں تھے۔ سلطان کا دایاں بازو پہلے سے دریا کے پار صف بستہ تھا۔ پھر سلطان کے گشتی دستے جنہیں یزک کہا جاتا تھا میدان کے کناروں اور ٹیلوں کی بلندیوں پر گھومتے نظر آ رہے تھے۔ سلطان فرنگیوں کو مہلت نہیں دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے فوج کو قدرے ستانے کا موقع دینے کے بعد سرِ شام یہ فیصلہ

[1] النوادر السلطانیہ: 227، 228

[2] النوادر السلطانیہ: 227۔۔۔ مگر عماد اصفہانی کے بیان کے مطابق فرنگیوں نے بدھ اور جمعرات کی درمیانی شب یہ پل عبور کیا تھا۔ دیکھئے کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 4/227

کیا کہ اسی رات دوطرفہ حملہ کر کے فرنگیوں کو پیس دیا جائے۔

انہوں نے اہلِ عکا کی طرف قاصد دوڑادیا کہ وہ رات کو پوری تیاری کے ساتھ شہر سے نکلیں اور فرنگیوں پر عقب سے حملہ آور ہو جائیں جبکہ سلطانی افواج مشرق سے ان پر دھاوا بول دیں گی مگر قاصد کو یہ مراسلہ پہنچانے میں دیر ہوگئی جب وہ عکا پہنچا تو اتنا وقت نہیں بچا تھا کہ وہاں کی فوج تیار ہو کر سلطان کے ساتھ جنگ میں بروقت شریک ہو سکتی۔ [1]

اس دن کی لڑائی پر تبصرہ کرتے ہوئے قاضی بہاؤالدین ابن شداد فرماتے ہیں:

''مسلمانوں نے اس دن زبردست جنگ کی اور جہاد کا حق ادا کر دیا۔'' [2]

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ کا بیان ہے:

''اگر سلطان صلاح الدین بیماری میں مبتلا نہ ہوتے تو اس دن فتح وشکست کا حتمی فیصلہ ہو جاتا۔'' [3]

<u>جنگ کا آخری منظر</u> ✵ سلطان نے رات کو خروبہ کی بلندی پر گزاری۔ مخبر مسلسل انہیں وادی میں متحارب افواج کی کیفیت سے مطلع کرتے رہے۔ اگلے دن (جمعرات 14 شوال، 14 نومبر) علی الصبح انہیں اطلاع ملی کہ صلیبی عکا کی طرف چل پڑے ہیں۔ سلطان گھوڑے پر سوار ہو کر تیزی سے وادی میں پہنچے۔ دستوں کو از سرِ نو مرتب کیا مگر ساتھ ہی یہ تاکید کر دی کہ فی الحال دشمن پر حملہ نہ کیا جائے کیوں کہ دشمن کی چھاؤنی زیادہ دور نہیں رہ گئی تھی۔ مسلمان ان پر اندھا دھند حملے کی صورت میں کسی فریب کا شکار بن سکتے تھے اور چھاؤنی سے تازہ دم کمک ملنے کی صورت میں صلیبی بہت خطرناک ثابت ہو سکتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کے دستے دریا کے مشرقی کنارے پر دشمن کے بالمقابل رک گئے۔ اس دوران کاؤنٹ ہنری اور کونرڈ مارکویس اپنی افواج کو محفوظ انداز میں چھاؤنی تک لے گئے۔ ان کے اندر داخل ہونے کے کچھ دیر بعد چھاؤنی کی تازہ دم صلیبی افواج جارحانہ انداز میں باہر نکل آئیں اور مسلمانوں کے دستوں پر، جو دریا کے مشرقی کنارے پر رک گئے تھے، حملہ آور ہو گئیں۔

اس موقع پر نہایت خوں ریز جنگ دیکھنے میں آئی۔ نصرانیوں کی جانب سے ایک لحیم شحیم سالار جو دیوہیکل گھوڑے پر سوار تھا، مسلمانوں سے مقابلے کے لیے نکلا اور بڑے جوش کے عالم میں ان پر ٹوٹ پڑا، وہ مکمل طور پر لوہے میں ڈھلا ہوا معلوم ہوتا تھا، ایسا زبردست جنگی لباس اس سے پہلے کہیں دیکھنے میں نہیں آیا تھا، اس کا گھوڑا بھی پوری طرح زرہ بکتر میں چھپا ہوا تھا۔ لگتا تھا کہ دنیا کا کوئی ہتھیار اسے یا <u>اس کی سواری کو نقصان نہیں پہنچا سکتا مگر جنگ کے ہنگامے میں کسی نامعلوم مجاہد نے اچانک اس کا کام</u>

[1] النوادر السلطانیہ: 227 [2] النوادر السلطانیہ: 226 [3] الکامل فی التاریخ: 10/198

تمام کر دیا۔ جب یہ معرکہ تھما تو اس کا سر دھڑ سے الگ ہو چکا تھا، عیسائیوں نے ایلچی بھیج کر اس کی لاش طلب کی۔ سلطان نے لاش بھجوادی مگر اس کے کٹے ہوئے سر کا کچھ پتا نہ چل سکا۔ [1]

جنگ کے بعد سلطان کو خروبہ کی خیمہ گاہ میں لوٹ آئے۔ وہ ساز و سامان جو احتیاطاً میمون اور ناصرہ بھجوادیا گیا تھا واپس منگوالیا۔ عماد الدین زنگی جو بخار کے باعث ساز و سامان کے ہمراہ محفوظ مقام پر چلا گیا تھا، صحت یاب ہو کر خدمت سلطانی میں حاضر ہو گیا۔ چوں کہ اس کے بعد شدید سردی کے پیش نظر کسی بڑے معرکے کی توقع نہیں تھی اس لئے 15 شوال (15 نومبر) کو وہ سلطان کی اجازت سے واپس سنجار چلا گیا۔ اس کے بعد حاکم الجزیرہ سنجر شاہ بھی رخصت ہو گیا۔ سلطان نے حوصلہ افزائی کے لیے انہیں تحائف سے نواز کر واپس بھیجا۔ [2]

ایک کامیاب حملہ ❁ شدید سردی اور برف باری کا موسم آنے کو تھا اور جنگ میں ایک طویل وقفے کے دن شروع ہو رہے تھے مگر سلطان صلاح الدین اس سے پہلے جنگ کے موجودہ مرحلے کا ایسا اختتام چاہتے تھے جو دشمن پر برتری کی علامت بن جائے تا کہ وقفے کے دنوں میں اس کے حوصلے پست رہیں اور عکا پر قبضے کے بارے میں اس کا عزم متزلزل ہو جائے۔ اس خیال کے تحت جمعہ 22 شوال 586ھ (22 نومبر 1190ء) کو سلطان نے اپنے لشکر کے بہترین سپاہیوں کو عکا کے شمال میں واقع ٹیلے "سخ تل" پر بھیج دیا۔ انہیں تاکید کی گئی کہ وہ اپنی زیادہ تعداد کو گھات میں بٹھادیں اور کچھ سپاہیوں کے ذریعے دشمن پر چھاپہ مار حملے کر کے اسے تعاقب پر مجبور کریں اور گھات تک لے آئیں۔

منصوبے کے مطابق چنیدہ سپاہی اس شب سخ تل پہنچ گئے۔ صبح ان میں سے گنتی کے کچھ بہادر فرنگیوں کی چھاؤنی کی طرف نکلے اور ان پر دور سے تیر اندازی کرنے لگے۔ جب یہ سلسلہ رکنے میں نہ آیا تو فرنگیوں نے جوش میں آ کر انہیں پکڑنے کا فیصلہ کیا۔ ان کے دو سو گھڑ سوار اس "شکار" میں حصہ لینے کے لئے نکلے، [3] جن کی قیادت کئی نامور نواب کر رہے تھے۔ بہادر مسلمان کبھی ان پر تیر چلاتے اور پیچھے ہٹ جاتے، کبھی رک کر ان کا انتظار کرتے اور تلوار کے چند ہاتھ مارنے کے بعد فرار ہو جاتے۔ آخر کار فرنگی ان کے تعاقب میں گھات تک پہنچ گئے۔ تب چھپے ہوئے مجاہدین ان پر ٹوٹ پڑے، صلیبیوں نے ابتداء میں مردانہ وار مقابلہ کیا مگر جلد ہی ان کا حوصلہ پست ہو گیا اور وہ لاشوں کے ڈھیر چھوڑ کر عکا کی طرف بھاگے۔ مسلمانوں نے منظم انداز میں تعاقب کرتے ہوئے اکثر مفرورین کو

[1] النوادر السلطانیہ: 227
[2] النوادر السلطانیہ: 220، 230
[3] النوادر السلطانیہ: 228، 229، الکامل فی التاریخ: 10/198

مار گرایا جبکہ بیسیوں گرفتار کر لیے گئے۔ مال غنیمت میں بہت سا اسلحہ اور گھوڑے ہاتھ آئے۔ کاتب عماد کے بقول کوئی صلیبی بچ کر واپس نہیں جا سکا تھا۔ جب فتح مند مجاہدین قیدیوں کو ہانکتے ہوئے خیمہ گاہ کی طرف چلے تو تل کیسان پر سامنے سے سلطان صلاح الدین ایوبی کو آتے ہوئے پایا جنہیں اس کامیابی کی اطلاع مل چکی تھی۔

سلطان نے قیدیوں کا حال احوال پوچھا، مجاہدین کو شاباش دی اور سارا مال غنیمت انہی کو دے دیا۔ قیدیوں میں شاہ گائی کے خزانچی کے علاوہ شاہ فرانس کا ایک سالار بھی شامل تھا جو فرانسیسی افوج کی باقاعدہ آمد سے پہلے کچھ فوج لے کر یہاں پہنچ گیا تھا، اس کے کئی فرانسیسی ساتھی بھی گرفتار شدگان میں شامل تھے۔

سلطان نے خیمہ گاہ پہنچ کر منادی کرا دی کہ قیدیوں کو پیش کیا جائے۔ ایک محفل منعقد ہوئی جس میں امرائے سلطنت کے ایک طرف صلیبی قیدی بھی بیٹھے تھے۔ سلطان نے انتہائی رحم دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قیدیوں کو دعوت کا کھانا کھلایا، سردی کا لحاظ کر کے انہیں گرم پوستینیں پہنائیں، ان میں سے معزز لوگوں کو خلعتیں دیں۔ سالارِ فرانس کو خلعتِ خاصہ سے نوازا۔ قیدیوں کو یہ سہولت بھی دی گئی کہ وہ اپنے لشکر سے کھانے پینے اور ضرورت کا ہر سامان منگوا سکتے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی کا یہ فراخدلانہ سلوک ان دشمنوں کے ساتھ تھا جو مسلمانوں کا نام و نشان مٹانے کے لیے ساحلِ شام پر اترے تھے۔ بعد ازاں قیدیوں کو بحفاظت دمشق کے جیل خانے بھیج دیا گیا۔[1]

---

[1] النوادر السلطانیہ: 228، 229

فصل:8

موسم سرما کی تباہ کاریاں

ذیقعدہ اور ماہِ دسمبر تقریباً ساتھ ساتھ شروع ہوئے...... یہ کڑاکے دار سردیوں کا آغاز تھا...... سمندر کی طغیانی بھی اب دو تین ماہ سے پہلے تھمنے والی نہیں تھی...... سلطان کے سالار اور امراء جنگ میں طویل وقفہ دیکھ کر اپنے دستور کے مطابق اجازت لے کر اپنے شہروں کو روانہ ہونے لگے۔ یکم ذیقعدہ (30 نومبر) کو حاکم موصل کا صاحبزادہ علاؤالدین خرم شاہ رخصت ہوا، سنجر شاہ اور عمادالدین اس سے پہلے ہی جا چکے تھے۔ سلطان کے پاس مختصر سی محافظ فوج اور اپنے خاص دستے کے علاوہ صرف تقی الدین عمر اور شہزادہ الظاہر کی فوجیں رہ گئیں۔ تقی الدین عمر جلد از جلد عراق جانا چاہتا تھا۔ دراصل سلطان نے دریائے فرات کے مشرقی علاقوں کو اس کی عملداری میں شامل کر دیا تھا۔ اب وہ شام میں معرّۃ، حماۃ، سلمیہ، جبلہ اور لاذقیہ کے علاوہ الجزیرہ اور دیار بکر میں حران، رہا، السوزر اور سمیساط کا بھی حاکم تھا۔ میافارقین کی جاگیریں اور قلعے بھی اسی کی عملداری میں شامل ہو گئے تھے۔ اپنے اضافہ شدہ نئے علاقوں کا انتظام سنبھالنے کے لیے اس کا وہاں جانا ضروری تھا مگر چوں کہ سلطان ایوبی کے پاس محافظ فوج اور اپنے خاص دستوں کے سوا کوئی اور نہ رہا تھا اس لیے تقی الدین عمر مزید کچھ دنوں تک سلطان کی خدمت میں پڑا رہا۔ اس طرح الملک الظاہر نے بھی سرما کا اکثر حصہ سلطان کے پاس گزارا۔ [1]

صلیبیوں نے سلطان کی افواج کو ہٹتا دیکھ کر بھی حملہ نہ کیا کہ وہ اپنی بلا میں گرفتار تھے، ان کے ہاں غذا کم پڑتی جا رہی تھی، ایسے میں وہ کسی جرأت مندانہ اقدام کا مظاہرہ نہیں کر سکتے تھے۔ عکا کی بندرگاہ پر قابض نہ ہونا ان کی بہت بڑی کمزوری تھی۔ گزشتہ سال کی طرح اس بار بھی صلیبی جہازوں کو طوفانی موجوں سے بچانے کے لیے صور اور بحیرۂ روم کے دیگر جزائر پر بھیجنا ناگزیر تھا۔ کونرڈ مارکویس نے مصیبت کے ان دنوں میں ہمفری کی بیوی شہزادی ازابیلا کو طلاق دلوا کر اس سے خود شادی رچا لی تھی اور عیش و آرام کے لیے صور واپس چلا گیا تھا۔ [2]

[1] الفرا السلطانیہ: 230، مفرج الکروب: 240/4

[2] الکامل فی التاریخ: 10/198، صلاح الدین: 210 لین پول

صلیبی جیسے تیسے کر کے کسی غیبی امداد کے انتظار میں دن پورے کر رہے تھے۔ ان کے بڑے بڑے رہنما اس شدید سردی میں ہلاک ہوگئے۔ کونٹربری کا بوڑھا لاٹ پادری بالڈون جو ایک ماہ پہلے ہی انگلستان سے یہاں پہنچا تھا مر گیا تھا۔ گائی کی بیوی ملکہ سبل بھی چل بسی تھی۔ [1]

انطاکیہ سے لے کر عکا تک اشیاء خورونوش کی قیمتیں آسمان کو چھو رہی تھیں۔ اس گرانی میں بخیل اطالوی تاجروں کی ذخیرہ اندوزی کا بڑا دخل تھا۔ ایمبر وز بتاتا ہے کہ پڑاؤ میں سامان رسد کی کمی نہیں تھی مگر تاجر اسے بڑے مہنگے داموں فروخت کر رہے تھے۔ اس دوران یورپ سے بھیجا جانے والا کچھ سامان رسد صور پہنچا تو مارکیس اس پر خود قابض ہوگیا۔ اس کی یہ حرکت فاقہ کش صلیبیوں کے نزدیک اس قدر قابل نفرت بنی کہ وہ اسے برملا بددعائیں دیتے اور لعنتیں بھیجتے تھے۔ صلیبیوں کو ایک تو فاقوں نے کمزور کر دیا تھا، دوسرے برسات نے ان کی حالت مزید دگرگوں کر دی تھی۔ بارہ دن تک جاری مسلسل بارش کے بعد ان میں طرح طرح کی بیماریاں پھیل گئی تھیں۔ ایمبر وز کے بیان کے مطابق ہر صلیبی کھانسی میں مبتلا ہوگیا، سب کے گلے بیٹھ گئے، ہاتھ پاؤں سوج گئے اور ایک ہی دن میں ایک ہزار آدمی چل بسے۔ [2] ...... تاہم ان مصائب کے باوجود صلیبیوں کے عزائم برقرار تھے اور وہ اپنی مہم جوئی سے باز آنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

بہاؤالدین ابن شداد لکھتے ہیں:

"اس صورتحال نے ان کے صبر وتحمل اور استقلال کو مزید بڑھا دیا تھا۔" [3]

<u>فاقہ کش صلیبیوں سے حسن سلوک</u>: سلطان صلاح الدین بھی بیمار تھے، عام مسلمان بھی موسم سرما کی شدت کا نشانہ بن رہے تھے اور وبائی اثرات ان میں بھی پھیلے تھے، مگر انہیں خوراک کی کمی کا سامنا نہیں تھا۔ چنانچہ امراض اور بھوک سے لاچار بہت سے عیسائی جان بچانے کے لیے اپنے چھاؤنی کو چھوڑ کر مسلمانوں کی خیمہ گاہ میں آنے لگے، سلطان صلاح الدین نے پوری فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے غیر مشروط طور پر ان کی مہمان نوازی کی۔ عماد کاتب البرق الشامی میں لکھتے ہیں:

"فرنگی سخت مصائب کا شکار ہوگئے، ان کی کئی ٹولیاں یکے بعد دیگرے بھاگ کر ہمارے پاس آئیں، بھوک کی شدت کے باعث انہوں نے ہم سے امان طلب کی، جب وہ شکم سیر ہوگئے تو واپسی کا خیال چھوڑ دیا۔ ان میں سے کچھ نے اسلام قبول کر لیا اور اچھے مسلمان ثابت ہوئے،

[1] سلطان صلاح الدین: 210 لین پول
[2] صلیبی جنگیں ص 195
[3] النوادر السلطانیہ: 248

بعض نے ہمارے ہاں ملازمت کرلی اور اپنی ذمہ داری بہتر طور پر انجام دیتے رہے، کچھ ایسے بھی تھے جو اپنی جمعیت کی طرف مائل رہے اور الٹے قدموں واپس لوٹ گئے۔"[1]

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے یہ حیرت انگیز انکشاف بھی کیا ہے کہ اس قحط کی حالت میں سلطان کے بعض امراء صلیبیوں کو انسانی ہمدردی کی بنیادوں پر مستقل خوراک فراہم کرتے رہے تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

"مسلمان اپنے شہروں کا غلہ ان تک پہنچاتے رہے، ان میں بیروت کا حاکم اسامہ اور کچھ دوسرے تھے، امیر سیف الدین مشطوب بھی (جو بعد میں عکا میں محصور ہوا تھا) صیدا سے خوراک لدوا کر ان تک پہنچاتا رہا، اگر ایسا نہ ہوتا تو فرنگی بھوک سے مر جاتے، خصوصاً موسم سرما میں، جبکہ سمندر میں طغیانی کے باعث (یورپ سے) بحری جہازوں کی آمد و رفت ناممکن ہو جاتی ہے۔"[2]

جانی دشمنوں سے یہ سلوک صرف مسلمانوں کا مایۂ امتیاز ہے ورنہ صلیبیوں کی تاریخ قتل و غارت اور خونریزی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ انہی محسن مسلمانوں سے جو انہیں قحط سے بچانے کے لیے خوراک مہیا کر رہے تھے، انہوں نے بعد میں جو بہیمانہ سلوک کیا وہ یورپی تاریخ کا ایک بدنما دھبہ ہے اور ملتِ نصاریٰ کا حقیقی چہرہ بے نقاب کرتا ہے۔

وفود کی آمد: ان دنوں سلطان کے پاس مختلف وفود آتے رہے، سلطان ان کے مسائل پر غور کر کے مناسب حل نکالتے رہے۔ ذیقعدہ 586ھ (دسمبر 1190ء) میں امیر زلفندار آیا جو دس بارہ سال پہلے سیف الدین غازی کا سپہ سالار تھا اور سلطان ایوبی کے مقابلے میں لڑتا رہا تھا۔ نصیبین اور خابور میں اس کی کچھ جاگیریں جاتی رہی تھیں، وہ ان کی واپسی کی درخواست لے کر آیا تھا، سلطان نے اس کہنہ سال امیر کا خوب اکرام کیا، ضیافت کی، خلعت سے نوازا اور اس کی جاگیریں واپس کروا دیں۔[3]

عکا کی فوج تبدیل کرنے کا سلسلہ: چونکہ فرنگی جہازوں کے ساحل سے ہٹ جانے کے باعث عکا کا بحری راستہ ایک بار پھر کھل گیا لہٰذا سلطان نے موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عکا کا دفاع بہتر بنانے کے لیے دو اہم فیصلے کیے۔ ایک تو یہ کہ جلد از جلد غلے کے نئے ذخائر عکا میں پہنچائے جائیں۔ دوسرے عکا میں محصور امراء، سپاہ اور شہریوں کو جو دو سال سے شب و روز جنگوں، رت جگوں اور فاقوں کی سختیاں جھیلتے جھیلتے ادھ موئے ہو چکے تھے، باہر نکالا جائے اور ان کی جگہ تازہ دم فوج اور جرنیل تعینات کیے جائیں۔ یہ فیصلہ اس لیے کیا گیا تھا کہ سلطان کو اہلِ عکا کی جانب سے نہایت کسمپرسی، تنگی

[1] کتاب الروضتین: 4/173
[2] الکامل لابن اثیر: 10/188
[3] النوادر السلطانیہ: 230

اور شدید بدحالی کی شکایات پہنچ رہی تھیں۔ عکا میں اس وقت بیس ہزار کے لگ بھگ مسلمان تھے جن میں سلطان کے نائبین، عمال، امراء، جرنیلوں اور سپاہیوں کے علاوہ تاجر، روساء، جہاز راں، ملاح اور عام شہری بھی شامل تھے۔

سلطان کا یہ منصوبہ مجلس شوریٰ میں متنازعہ تھا۔ تجربہ کار مشیروں کی رائے یہ تھی کہ عکا کے جاں بازوں کو وہیں رہنے دیا جائے، صرف ان کی رسد کا خاطر خواہ انتظام کر دیا جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہاں حاکم شہر ابوالہیجاء السمین کی نگرانی میں حکومت، سپاہ اور عوام کا ایک مثالی نظم وضبط اور باہمی اعتماد قائم ہے۔ یہ لوگ اتنے عرصے میں مصائب سہہ سہہ کر غیر معمولی قوتِ برداشت کے مالک بن چکے ہیں اور دشمن کے تمام حربوں سے واقف ہیں، اس لیے ان کو وہاں سے ہٹانا مناسب نہیں۔ ابوالہیجاء بذات خود بڑا مالدار اور سخی انسان تھا، کاتب عماد کے بقول صرف ایک سال میں اپنی جیب سے عوام اور سپاہ پر پچاس ہزار دینار خرچ کر چکا تھا، اس لیے سب اس کے گرویدہ تھے۔ مگر سلطان ایوبی نے یہ دلائل سننے کے باوجود اہل عکا کو مزید تکالیف میں رکھنا گوارا نہ کیا اور انہیں نکالنے کا فیصلہ کر لیا۔

ان دنوں سلطان کی ہدایت پر مصر سے خوراک ورسد سے لدی ہوئی سات بڑی جہاز نما کشتیاں جنہیں شوانی کہا جاتا تھا، عکا کے قریب پہنچ چکی تھیں۔ چونکہ محصور شہر میں خوراک کے ذخائر پہنچانا، وہاں موجود فوج کو نکالنا اور نئی فوج کو اندر بھیجنا ایک دشوار اور نازک کام تھا لہٰذا سلطان نے اس کام کی ذمہ داری اپنے تجربہ کار بھائی الملک العادل کو سونپ دی۔ الملک العادل نے جس قدر ممکن ہوا کشتیاں حاصل کیں، انہیں عکا کے جنوب میں حیفا کے ساحل پر جمع کر لیا اور حیفا کی پہاڑیوں کو اس کارروائی کا مرکز بنا دیا۔ یہاں ریتیلے ساحل پر منتخب سپاہی اور رسد کے ذخائر اکٹھے کیے جانے لگے۔ طے یہ ہوا کہ یہ کشتیاں سپاہ اور رسد لے کر یکے بعد دیگرے عکا کی بندرگاہ میں داخل ہوں گی اور وہاں خوراک کے ذخائر اور تازہ دم فوج کو اتارتی چلی جائیں گی جبکہ عکا کے امراء، تھکے ہارے سپاہی اور شہری ان پر سوار ہو کر حیفا پہنچتے رہیں گے۔ یہ کام ایک دو دن کا نہیں بلکہ کئی مرحلوں پر مشتمل تھا اور کئی ہفتوں کا تھا۔[1]

عکا میں تعیناتی کا صاف مطلب تھا کہ انسان دشمن کے چنگل میں جا پھنسے۔ وہاں کے لیے منتخب کیے گئے اکثر نئے سپاہی خوش دلی سے وہاں جانے پر آمادہ نہ تھے، اس لیے اپنی تیاریوں میں دیر کر رہے تھے، جس دن جن سپاہیوں کی روانگی کی باری ہوتی اس دن ان میں سے کئی ایک مختلف بہانوں کے ذریعے روانگی کو ٹال دیتے، کسی کا سامان تیار نہیں ہوتا تھا، کسی کی طبیعت ناساز ہوتی تھی۔

[1] الکامل فی التاریخ: 10/198، 199؛ النوادر السلطانیہ: 231

یوں اس اہم کام میں غیر ضروری تاخیر ہوتی چلی گئی۔

بہر کیف الملک العادل سپاہیوں کو ہمت دلا دلا کر حیفا کے ساحل پر جمع کرتا رہا، خوراک سے بھرپور بڑی بڑی کشتیاں یہاں لنگر انداز ہو رہی تھیں۔ منصوبہ یہ تھا کہ عکا بھیجے جانے والے ہر سپاہی کے لیے ایک سال کا غلہ اور دیگر اشیائے ضرورت بھیجی جائیں۔ الملک العادل ساحل پر ان کشتیوں کی برابر نگرانی کرتا رہتا تھا تاکہ دشمن کی طرف سے انہیں نقصان نہ پہنچ سکے۔ صلیبی چھاؤنی میں مسلمانوں کی اس کارروائی کی بھنک پڑ چکی تھی اور وہ عکا میں خوراک کے نئے ذخائر کی منتقلی سے پریشان تھے اور کسی طرح اس کوشش کو ناکام بنانا چاہتے تھے، مگر الملک العادل کی مستعدی کے باعث انہیں ایسا کوئی موقع نہیں مل سکا تھا۔[۵]

<u>ایک حسرت ناک حادثہ</u>: ان دنوں ساحلِ شام کا سمندر نہایت طغیانی پر تھا۔ اس حالت میں کشتیوں پر حیفا سے عکا تک کا معمولی فاصلہ طے کرنا بھی کوئی آسان کام نہیں تھا۔ کسی وقت ذرا دیر کے لیے لہروں میں کچھ سکون کے آثار نمودار ہوتے تو حیفا سے سپاہیوں کی چند کشتیاں فوراً روانہ کر دی جاتیں۔ عام طور پر طوفانی موجوں کا زور اترنے میں نہیں آتا تھا۔ مسلمان انتظار کرتے کرتے تھک جاتے۔ اس طرح یہ کارروائی بڑے سست انداز میں جاری تھی، یہ طوفانی موسم دو ماہ سے پہلے ختم ہونے والا نہیں تھا۔ اس لیے اتنا طویل انتظار کرنا ممکن نہ تھا، بس خطرہ مول لے کر یہ مہم شروع کر دی گئی تھی۔ اُدھر عکا کے محصورین اب شہر سے جلد نکلنے کے لیے بے چین تھے، اس لیے کارروائی کی سست روی سے انہیں تشویش لاحق ہو رہی تھی، بہر حال کشتیاں خوراک اور رسد لے کر آہستہ آہستہ عکا پہنچتی رہیں، سپاہ کی منتقلی کا کام بھی ساتھ ساتھ جاری تھا۔

2 ذی الحجہ 586ھ (31 دسمبر 1190ء) کو خوراک منتقل کرنے کا بڑا مرحلہ یکدم طے کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور مصر سے آئی ہوئی ساتوں بڑی مال بردار کشتیاں حیفا سے عکا کی طرف بھیج دی گئیں۔ ساٹھ نگران سپاہی اور ملاح ان میں پورے ایک سال کا راشن لیے جا رہے تھے۔ سمندر کی تیز لہریں کشتیوں کو بری طرح اچھال رہی تھیں مگر ملاح بڑی مہارت سے اپنا رخ برقرار رکھے ہوئے تھے۔ آخرکار برج الذباب اور اس کے پیچھے عکا کی بھوری فصلیں دکھائی دینے لگیں۔ منزل سامنے آن پہنچی تھی۔ عکا کے محافظوں نے دور سے لدی کشتیاں آتے دیکھ لی تھیں۔ آناً فاناً یہ خبر پورے شہر میں پھیل گئی، کیا عوام کیا خواص، سب تیزی سے بندرگاہ پر پہنچ گئے تاکہ ان مددگاروں کا استقبال کریں اور سامان اتارنے میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔ فصیلوں پر کھڑے محافظ بھی جوشِ مسرت میں اُدھر دوڑ پڑے۔

بندرگاہ پر پہنچ کر انہوں نے کشتیوں کو برج الذباب سے قریب تر ہوتے دیکھا مگر اچانک سمندر میں

۵ کتاب الروضتین: 4/233، 234؛ الکامل فی التاریخ: 10/198، 199؛ النوادر السلطانیہ: 231

پہاڑ کی طرح خوفناک لہریں اٹھنے لگیں، دیکھتے ہی دیکھتے ساتوں کشتیاں لہروں کے دوش پر تنکوں کی طرح ڈولنے لگیں۔ پھر ہولناک موجوں نے مست ہاتھی کی طرح چنگھاڑ کر کشتیوں کو ساحل کے قریب ابھری ہوئی چٹانوں پر پٹخنا شروع کر دیا۔ کشتیوں کے پرخچے اڑ گئے اور وہ سامان رسد کے بے بہا ذخائر اور سپاہیوں سمیت غرقِ آب ہو گئیں۔ عملے کے ساتھ افراد میں سے کوئی زندہ نہ بچ سکا...... اہل عکا اس آفت پر ششدر رہ گئے جیسے انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔ [1]

<u>عکا پر صلیبیوں کا حملہ</u> ✻- اس دوران فرنگیوں نے عکا کی فصیل کو محافظوں سے خالی پا کر اس طرف سے زوردار دھاوا بول دیا۔ وہ خندق عبور کر کے فصیل کے پاس پہنچ گئے اور ایک لمبی سیڑھی لگا کر فصیل پر چڑھنے لگے مگر اس سے پہلے کہ وہ فصیل پر پہنچتے، سیڑھی ٹوٹ گئی۔ ادھر عکا کے محافظ حملے کی خبر سن کر دوڑتے ہوئے آئے اور فصیل پر پہنچ کر مزاحمت شروع کر دی۔ فرنگی زوردار حملے کرتے رہے مگر مجاہدین نے جان پر کھیل کر ان کی ہر کوشش ناکام بنا دی۔

یہ حملہ تو پسپا ہو گیا مگر ادھر اہل عکا کو اور اُدھر کو خروبہ پر سلطان صلاح الدین کو یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ بازی ہاتھ سے نکلتی جا رہی ہے۔ خود قاضی ابن شداد اس آفت کو ''عکا کے سقوط کی پہلی نشانی'' قرار دیتے ہیں۔ بلاشبہ یہ بات مسلمانوں کے لیے نہایت تکلیف دہ اور صلیبیوں کے لیے بڑی امید افزا تھی کہ اہل اسلام کی سامان رسد سے بھرپور سات کشتیاں جو سات سو سپاہیوں سے زیادہ قیمتی تھیں، ایک بلائے آسمانی کا شکار ہو کر تباہ ہو گئیں۔ یقیناً صلیبی اسے اپنی صلیب کی کرامت اور یسوع مسیح کی غیبی مدد تصور کرتے ہوں گے، جبکہ بہت سے مسلمان فوری طور پر یہ ضرور سوچنے لگے ہوں گے کہ ایسا کیوں ہوا! ایسے سوالوں کے جواب سوچتے سوچتے کمزور دل و دماغ والے بعض لوگ انتشارِ ذہنی اور مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں...... مگر سلطان صلاح الدین ایوبی اور ان کے عالی ہمت رفقاء کے نزدیک اس سوال کا حتمی جواب پہلے سے طے تھا۔ تقدیر پر ایمان ان کے دلوں میں رچا بسا تھا۔ انہوں نے اسے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سمجھ کر ایک حقیقت کے طور پر قبول کر لیا۔ قاضی بہاؤ الدین ابن شداد جب کشتیوں کے ڈوبنے پر افسوس کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ:

''ان میں خوراک کا بہت بڑا ذخیرہ تھا جو کہ بچ جاتا تو سال بھر کے لیے کافی ہو جاتا۔''

تو ساتھ ہی فرماتے ہیں:

''یہ اس ذات کا طے شدہ فیصلہ تھا جو زبردست ہے، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

[1] النوادر السلطانیہ: 231

قاضی صاحب یہ حقیقت بھی بیان کرتے ہیں کہ:

"اس واقعے سے مسلمانوں کو شدید پست ہمتی لاحق ہوگئی تھی اور سلطان نے اس سے سخت تنگ دلی محسوس کی۔"

مگر ساتھ ہی بتاتے ہیں:

"سلطان اللہ تعالیٰ سے ان (ضائع ہونے والے وسائل) کا بہتر بدل طلب کرنے لگے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ زیادہ بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔"❶

بعد میں مقامی ذرائع سے خوراک و رسد کے مزید ذخائر حاصل کر کے کشتیوں کے ذریعے عکا پہنچادیے گئے، جن سے اس نقصان کا کچھ مداوا ہوگیا۔

فصیل عکا میں شگاف ❊ اس حادثے کو ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ فرنگیوں کی منجنیقوں کی مسلسل سنگ باری نے عکا کی اندرونی بلند و بالا فصیل کے بالائی حصے میں شگاف ڈال دیا۔ یہ 7 ذی الحجہ 586ھ (5 جنوری 1191ء) کی رات کا واقعہ ہے۔ دیوار کے پھٹتے ہی اس سے بھاری بھرکم چٹانیں اور پتھر نیچے گرے جن سے شہر کی بیرونی فصیل (جسے "باشورہ" کہا جاتا تھا) بھی ایک جانب سے منہدم ہوگئی۔ قاضی ابن شداد اس حادثے کو سقوطِ عکا کی دوسری علامت کا نام دیتے ہیں۔

اندرونی اور بیرونی فصیلوں میں شگاف پڑتے ہی صلیبیوں کو شہر کے سرنگوں ہونے کا یقین ہوگیا۔ وہ ایک ریلے کی طرح بیرونی فصیل سے گزر کر اندرونی فصیل کے گرد جمع ہوگئے اور یہاں ایک خون ریز لڑائی شروع ہوگئی۔ اگرچہ فرنگیوں کو یہ یقین تھا کہ آج کی رات اس جنگ کا فیصلہ ہوجائے گا اور صبح کا سورج عکا کے برجوں پر صلیب کو سربلند دیکھے گا مگر عکا کے سپاہی ایک چٹان کی طرح ان کے سامنے جم گئے۔ وہ اسلام کے لیے لڑ کر شہید ہوجانے کی روایت کو زندہ رکھنا چاہتے تھے۔ فرنگی فتح کے سہانے سپنے دیکھتے ہوئے زوردار حملے کررہے تھے مگر عکا کے جواں مردجان ہتھیلی پر رکھ کر شہر کا دفاع کرتے رہے۔ وہ فصیل کے منہدم حصے پر شانہ بشانہ کھڑے ہوگئے۔ اس انسانی دیوار نے صلیبیوں کے ریلے کو ایک لمحے کے لیے بھی آگے نہ آنے دیا۔ مسلسل تیر اندازی اور منجنیقوں سے پتھر کی بوچھار کر کے انہوں نے عکا پر نصب پرچم اسلام کی حفاظت کی اور آخر کار فرنگیوں کا یہ حملہ ناکام ہوگیا۔ مزاحمت میں اس کامیابی نے عکا کے باشندوں کو حوصلہ بخشا۔ شہر کے تمام مستری، معمار، مزدور اور عوام تعمیراتی سامان کے ساتھ فصیل کی مرمت پر جت گئے اور چند دن کے اندر اندر فصیل کا تباہ شدہ حصہ پہلے سے زیادہ مضبوط انداز

❶ النوادر السلطانیہ: ص231، الروضتین: 4/233، 234، الکامل فی التاریخ: 10/199

میں تعمیر کرلیا۔[1] ......مگر طوفان کے آگے بند باندھنے ان کوششوں کے باوجود حالات کی ابتری میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

خوش قسمتی سے انہی دنوں (ماہ ذی الحجہ، دسمبر) میں سلطان کے وزیر قاضی فاضل دو سالہ جدائی کے بعد مصر سے خدمت سلطانی میں حاضر ہو گئے۔ اس عرصے میں وہ محاذ کے احوال کی مسلسل خبر رکھتے تھے اور ہر مرحلے پر مراسلوں کے ذریعے سلطان کی ہمت بندھاتے، اس کو حوصلہ دلاتے اور مفید مشورے دیتے۔ ان کی آمد سے سلطان کو بڑی تقویت محسوس ہوئی۔[2]

پناہ گزین نصرانیوں کا صلیبیوں پر حملہ ❊ جو فرنگی فاقوں سے تنگ آکر مسلمانوں سے آملے تھے سلطان کے حسن سلوک نے انہیں اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ ایک دن انہوں نے مسلمانوں کی مہمان نوازی کا بدلہ اتارنے کی خاطر انہیں پیشکش کی کہ اگر انہیں کشتیاں فراہم کردی جائیں تو وہ سمندر کا چکر لگائیں گے اور صلیبیوں کی تجارتی کشتیوں کو لوٹ کر مال و دولت خیمہ گاہ میں لے آئیں گے، اس میں نصف ان کا اور نصف حصہ مسلمانوں کا ہوگا۔

ان کی خواہش پر سلطان نے ایک ''برکوس'' (چھوٹی کشتی) ان کے حوالے کردی، ان لوگوں نے سمندر میں عیسائی تاجروں کی ایک ایسی کشتی کو چھین لیا جو صلیبی لشکر کے لیے مال و متاع لے کر آرہی تھی، اجناس کی مقدار کم تھی اور نقدی کی زیادہ۔ چاندی کے ڈھلے ہوئے سکوں اور ڈلیوں کا ایک بڑا ذخیرہ تھا۔ یہ سلطان کی خدمت میں پیش کیا گیا، اس میں چاندی کا ایک دسترخوان بھی تھا جس پر چاندی ہی کا چھپر تھا۔ اس چاندی کا مجموعی وزن ایک قنطار کے لگ بھگ تھا۔ نصرانیوں نے حسب معاہدہ نصف حصہ سلطان کو دینا چاہا مگر انہوں نے کمال بے نیازی سے یہ سب انہی کو بخش دیا۔ اس حسن سلوک پر ان میں سے کئی افراد نے اسلام قبول کرلیا۔ اس دن لشکرِ اسلام میں ہر کوئی اس واقعے کو خوشی خوشی بیان کر رہا تھا۔[3]

سمندری طوفان اور صلیبی کیمپ کا قحط ❊ دسمبر کے اواخر اور جنوری کے اوائل میں سردی پورے جوبن پر تھی۔ سمندری طوفان کا یہ عالم تھا کہ بحری سفر بالکل ناممکن ہوگیا تھا۔ کشتیوں سے جو تھوڑی بہت رسد صلیبیوں تک پہنچ رہی تھی وہ بالکل بند ہوگئی تھی۔ صلیبی رزمیہ شاعر ایمبر وز نے اس قحط کا چشم دید حال کچھ یوں بیان کیا ہے:

''کرسمس کے بعد خوراک نایاب ہونے لگی، غلے کی ایک بوری 100 بیسنٹ (ایک یورپی سکہ جو

[1] النوادر السلطانیہ: 231_232، کتاب الروضتین: 4/235

[2] کتاب الروضتین: 4/238

[3] النوادر السلطانیہ: 233، کتاب الروضتین: 4/236

تقریباً دینار کے مساوی تھا) اور ایک انڈا چھ دینار میں فروخت ہونے لگا، مجبوراً فرنگی اپنے گھوڑوں کو ذبح کرنے کھانے لگے...... جہاں گھوڑا ذبح کیا جاتا وہاں ہجوم اکٹھا ہو جاتا، لوگ گھوڑوں کی انتڑیاں تک کھا جاتے تھے...... اس موقع پر فرنگیوں کی کاشت کردہ سبزیاں امراء کے کام آرہی تھیں...... لوگ بھوک مٹانے کے لیے لوبیے اور اخروٹ نما گرم میووں پر گزارہ کر رہے تھے۔"

ایمبروز نے دو صلیبی افسروں کا قصہ بھی بیان کیا ہے جنہیں دن بھر کی بھاگ دوڑ کے بعد لوبیے کے تیرہ دانے کھانے کے لیے ملے تھے، ان میں سے بھی ایک کھوکھلا تھا، لہٰذا اسے تبدیل کروانے کے لیے انہیں دوبارہ تاجر کے پاس جا کر جھگڑا کرنا پڑا تھا۔ وہ بتاتا ہے:

"خوراک کی کمی کے باوجود شراب کا ذخیرہ بکثرت تھا...... خالی پیٹ شراب پینے سے بیک وقت تین تین، چار چار آدمی مرجاتے تھے۔"[1]

کرسمس سے لے کر لینٹ (نصرانیوں کا ماہِ صوم) تک قحط ناقابل برداشت حد تک سخت تھا، لین پول کے بیان کے مطابق لوگ مویشیوں کی طرح گھاس کھانے پر مجبور تھے، تنور پر روٹی کے بچے کچے ٹکڑوں پر جھگڑتے اور کتوں کی طرح ہڈیوں کو چوستے اور چباتے۔[2] جنوری میں صورت حال یہ تھی کہ مسلمانوں کو ملنے والی اطلاعات کے مطابق صلیبی چھاؤنی میں یومیہ سو سے دو سو تک افراد بھوک سے مر رہے تھے...... پھر یہ خبر بھی ملی کہ جرمنوں کا نوجوان حکمران فریڈرک شدید بیمار ہے...... اس کے پیٹ میں شدید تکلیف ہے۔[3]

جرمن بادشاہ کی موت ❁ آخر کار 22 ذی الحجہ 586ھ (20 جنوری 1191ء) کو جرمن حکمران فریڈرک ڈیوک آف سوابیا کی روح پرواز کر گئی۔ اس دن آنجہانی فریڈرک کے سوگ میں فرنگی چھاؤنی کے ہر خیمے پر یورپی رواج کے مطابق دو دو، تین تین شمعیں جلادی گئیں۔ مسلمانوں کو دُور سے صلیبی چھاؤنی میں بے شمار جگنو ٹمٹماتے نظر آرہے تھے...... اب تک فریڈرک کے سوا یورپ کا کوئی بادشاہ بذاتِ خود صلیبی جنگ میں شرکت کے لیے نہیں پہنچا تھا لہٰذا فریڈرک کو فرنگیوں کے تمام لیڈروں گائی، مارکوئیس اور کاؤنٹ ہنری وغیرہ پر فوقیت حاصل تھی گویا وہ ان سب کا چیف کمانڈر تھا۔ اس کی موت کا واقعہ فاقہ کش فرنگیوں کے لیے جتنا افسوس ناک تھا، مسلمانوں کے لیے اتنا ہی مسرت بخش تھا۔[4] فریڈرک کے علاوہ صلیبیوں کا مشہور جنگجو کاؤنٹ بالیان بھی انہی دنوں ہلاک ہوا تھا۔ مسلمانوں کو ایک طرف عکا میں خوراک کی کمیابی کے باعث عکا کے جلد سقوط کا خدشہ تھا تو دوسری طرف یہ امید بھی تھی کہ شاید صلیبی

[1] سیکنڈ جنگیں: 195، 196
[2] صلاح الدین۔ لین پول: 215
[3] الحمد والسلام: 233، کتاب الروضتین 4/235
[4] کتاب الروضتین 4/235، الحمد والسلام: 234

فاقوں اور اپنے لیڈروں کی موت سے گھبرا کر واپسی اختیار کرلیں۔ یہ اطلاع بھی ملی تھی کہ فریڈرک کے بعد اب کاؤنٹ ہنری بھی بستر مرگ پر ہے۔ [1]

بحری جھڑپیں: سرما کے سست رو ٹھنڈے ایام میں دونوں طرف اک سکوت مرگ طاری تھا...... کبھی کبھی کوئی خبر یا کوئی کارروائی اس سناٹے کو توڑ دیتی۔ ساحل کے ساتھ ساتھ جہاں سمندر زیادہ متلاطم نہیں تھا بعض فرنگی چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں اِدھر اُدھر نکل جایا کرتے تھے کیونکہ خوراک کی تلاش کے لیے وہ بھاگ دوڑ کیے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ 24 ذی الحجہ (22 جنوری) کو سلطان کے سپاہیوں نے ایسی دو کشتیوں پر قبضہ کر کے ان پر سوار 50 سے زائد فرنگی گرفتار کر لیے۔ اگلے دن ایسی ہی ایک اور کشتی پکڑی گئی۔ ایک روایت کے مطابق اس کے گرفتار شدگان میں شاہ گائی کا چچا زاد بھائی بھی شامل تھا۔ اس کے علاوہ جواہرات سے مرصع شاہی لباس اور بادشاہوں کے استعمال کی چیزیں بھی ہاتھ آئیں..... کہا جاتا تھا کہ یہ جرمن بادشاہ فریڈرک آف سوابیا کے ملبوسات تھے جو دو دن پہلے فوت ہوا تھا۔ [2]

آؤ گلے ملیں: کبھی کبھار عکا کی فصیل اور سمندر کی جانب ہلکی پھلکی جھڑپیں بھی ہوتی تھیں۔ عماد کاتب کے بقول ان دنوں عکا میں تعینات سات امراء شہید ہو گئے۔

سوار نامی ایک امیر کی شہادت کا قصہ بڑا عجیب ہے۔ وہ کچھ سپاہیوں کے ہمراہ کشتی میں جا رہا تھا کہ فرنگیوں کی کشتیوں نے انہیں گھیر لیا، اسکے ساتھی سمندر میں کود کر تیرتے ہوئے عکا کی طرف نکل گئے جبکہ یہ لڑتا رہا۔ فرنگیوں نے اسکی سخت جانی دیکھ کر ہتھیار ڈال دینے کی صورت میں جان بخشی کی پیش کش کی۔ سوار نے کہا:

"بڑوں کی بات بڑوں ہی سے ہونی چاہیے۔ میں تمہاری امان پر بھروسہ نہیں کرسکتا۔ ہاں تمہارا بڑا افسر آ کر بات کرے اور ہاتھ ملا کر عہد و پیمان کرے تو میں تیار ہوں۔"

صلیبی مان گئے...... ان کا بڑا افسر پہنچ گیا۔ وہ خوش تھا کہ ایک مسلمان امیر قیدی بن رہا ہے جس کی آزادی کا ٹھیک ٹھاک معاوضہ وصول کیا جاسکتا تھا۔ جب دونوں آمنے سامنے ہوئے تو سوار نے گرم جوشی کے ساتھ اسے گلے لگا لیا اور ساتھ ہی گرفت اتنی مضبوط کرلی کہ صلیبی افسر بلبلانے لگا۔ دونوں گتھم گتھا ہو گئے اور اسی حالت میں سمندر میں جا گرے۔ سوار نے آخر دم تک اسے اپنے چنگل سے نکلنے نہیں دیا۔ کاتب عماد کہتے ہیں:

"دونوں موت کے سفر میں ساتھ ساتھ رہے البتہ جنت اور دوزخ کے راستوں پر پہنچ کر جدا ہو گئے۔" [3]

---

[1] النوادر السلطانیہ: 234 [2] کتاب الروضتین: 4/236 [3] کتاب الروضتین: 4/237

افواج کی تبدیلی کا کام ﷺ مگر یہ چھوٹے موٹے واقعات اس خطرے کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھے جس سے اہلِ عکا دوچار تھے...... وہاں خوراک کے ذخائر منتقل کرنے اور تازہ سپاہ پہنچانے کی کارروائی اب تک ادھوری تھی...... اس ضرورت کی تکمیل میں غیر معمولی تاخیر ہو چکی تھی اور اب وقت بہت کم رہ گیا تھا۔

الملک العادل اس مہم کے لیے کئی ہفتوں تک حیفا کی بندرگاہ پر پڑاؤ ڈالے رہا تھا۔ سلطان کی جانب سے عکا کے لیے چنے گئے نئے سپاہی ٹولیوں کی صورت میں یہاں آتے تھے۔ الملک العادل انہیں بڑی احتیاط کے ساتھ عکا بھیج دیتا۔ جو کشتیاں انہیں لے کر جاتیں، واپسی میں عکا کے محصورین سے لدی ہوئی آتیں، اس طرح محصورین کا انخلاء اور نئی فوج کی تعیناتی ہوتی رہی مگر سمندر میں طغیانی کی وجہ سے یہ کام بہت دھیرے دھیرے ہو رہا تھا۔

محصورینِ عکا کا انخلاء نئے سال 587ھ کے آغاز میں مکمل ہوا۔ 20 ہزار محصور افراد کے عکا سے نکل آنے کے بعد 16/محرم (12 فروری 1191ء) کو ان کا حاکم ابوالہیجاء شہر سے نکلنے کے لیے تیار ہوا۔ اسی دن نامور امیر سیف الدین المشطوب متبادل سالارِ اعلیٰ کے طور پر تعینات ہو کر وہاں پہنچا اور شہر کے انتظامات سنبھال لیے۔ ابوالہیجاء سمندر کے راستے سلطان کی خیمہ گاہ میں پہنچ گیا۔ اب پرانی فوج کے بدلے تقریباً تین ہزار چنیدہ سپاہی بیس افسران کی سرکردگی میں وہاں کا نظم و نسق سنبھال چکے تھے جن میں سیف الدین المشطوب کے علاوہ ''اسدی'' سپاہیوں کا نامور امیر عزالدین جاولی بھی تھا۔ سابقہ عملے میں سے صرف بہاؤ الدین قراقوش ہی وہ جواں مرد تھا جو سلطان کی طرف سے رخصت ملنے کے باوجود عکا میں رہ گیا تھا۔ مزید سپاہیوں کی منتقلی کا سلسلہ جاری تھا کہ سمندر پرسکون ہو گیا، موسم سرما کی یخ بستہ ہوائیں نرم و گرم جھونکوں میں بدل گئیں اور فرنگیوں کے بحری جہاز صور سے آکر ساحلِ عکا پر لنگر انداز ہو گئے۔ یوں نہ تو مزید تازہ دم سپاہ کو منتقل کیا جا سکا، نہ خوراک کے فاضل ذخائر پہنچانے کا ہدف پورا کیا جا سکا۔ عکا اب اپنے نئے محافظوں کی ہمت، حوصلے اور سخت جانی کے بقدر ہی اپنی مدافعت کر سکتا تھا۔[1]

9 محرم (5 فروری 1191ء) کو شہزادہ الملک الظاہر اپنی فوج کے ساتھ حلب روانہ ہو گیا، اس نے موسم سرما کا بڑا حصہ محاذ پر گزار کر نہایت بلند ہمتی کا مظاہرہ کیا تھا، اب چوں کہ تعطیلات پر گئے ہوئے دیگر علاقوں کے سپاہی واپس آنے والے تھے، اس لیے حلب کی سپاہ کا کچھ مدت کے لیے رخصت پر چلے جانا غیر معقول نہ تھا۔[2]

کیا دفاعی انتظامات ادھورے تھے؟ ﷺ یہ بات واضح ہے کہ عکا کی حفاظت کے اقدامات بہر

[1] کتاب الروضتین: 237/4
[2] النوادر السلطانیۃ: 230

صورت کافی نہیں تھے۔ علامہ ابن اثیر نے اس موقع پر دفاعی حکمت عملی میں بعض کمزوریوں کو بیان کیا ہے مثلاً:

1- عکا میں پہلے جتنی فوج محصور تھی، اب اس سے کم افراد تعینات کیے گئے تھے، پہلے وہاں ساٹھ افسران تھے، اب ان کے بدلے صرف بیس افسران بھیجے گئے تھے۔

2- سلطان کے محکمۂ خزانہ میں کچھ عیسائی منشی بھی تھے۔ وہ بھرتی ہونے والے نئے سپاہیوں کے مصارف میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالتے تھے۔ اس سے بہتیرے سپاہی بددل ہو کر لشکر سے نکل گئے۔ (یاد رہے کہ یہ بات صرف ابن اثیر رحمہ اللہ نے روایت کی ہے۔ کاتب عماد یا ابن شداد کی تحریروں میں اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ بہرکیف اگر واقعی ایسا تھا تو یہ سلطان کے عسکری نظام میں ایک اہم رخنہ تھا اور سمجھا جا سکتا ہے کہ اس پہلو سے بے توجہی کے باعث عین ضرورت کے وقت سلطان کے نائبین کو عکا بھیجنے کے لیے ضرورت کے مطابق سپاہی نہیں مل رہے ہوں گے۔)

3- عکا میں خوراک و رسد کے ذخائر زیادہ سے زیادہ تعداد میں پہنچا دینا ضروری تھا مگر ایسا نہیں ہو سکا (صرف ضرورت کے بقدر سامان ہی پہنچایا جا سکا)

4- پہلے سے محصور فوج اور امراء دو سال سے محاصرے کی سختیاں جھیلتے جھیلتے جفاکشی کے عادی ہو چکے تھے۔ ان کی جگہ اب جو نئے افراد تعینات کیے گئے انہیں ایسی سخت کوشی کا تجربہ نہیں تھا اس لیے فوج کی تبدیلی کے نتائج توقع کے برعکس نکلے۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فوج کی تبدیلی کے موقع پر امراء کی ایک جماعت نے سلطان کو مشورہ دیا تھا کہ عکا کے محصورین کو بھاری مقدار میں خوراک و رسد پہنچا کر انہیں وہیں جمے رہنے کی تاکید کی جائے مگر سلطان کا خیال تھا کہ محصورین عکا محاصرے کی مشقتیں جھیل جھیل کر عاجز آ گئے ہیں۔ اگر ان کو مزید امتحان میں ڈالا گیا تو ممکن ہے وہ ہمت ہار بیٹھیں۔ اس سوچ کے تحت فوج کی تبدیلی کی کارروائی عمل میں لائی گئی مگر اس کے اثرات خلاف توقع برآمد ہوئے۔ [1]

علامہ ابن اثیر کے بیان کے مطابق "دفاع عکا" کی مذکورہ انتظامی کمزوریوں کی اصل وجہ یہ تھی کہ سلطان نے اس اہم ترین معاملے کے ہر پہلو پر پوری توجہ نہیں دی۔ انہوں نے عکا کے امور اپنے نائبین کے سپرد کر دیے تھے جو غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے رہے۔ سلطان کا اپنے نائبین پر بھرپور اعتماد آئندہ تمام کمزوریوں کا باعث بنا۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ کے یہ تنقیدی نکات جو ہم نے اپنے الفاظ میں بیان

[1] الکامل فی التاریخ: 10/198_199

کیے ہیں، الکامل فی التاریخ: 587ھ کے تحت ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ان کو یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کیونکہ سلطان ایوبی کے سیکرٹری کاتب عماد اصفہانی بھی اسی قسم کی تنقید کرتے نظر آتے ہیں [1] اور مذکورہ اکثر اعتراضات میں وہ ابن اثیر رحمہ اللہ سے متفق ہیں۔

اس سے ہم اس حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں کہ بڑے عالی دماغ لوگوں اور غیر معمولی صلاحیتوں سے مالا مال شخصیات سے بھی بعض مواقع پر غلط فیصلے صادر ہو جاتے ہیں۔یہ بشری تقاضا ہے جس سے شاید ہی کوئی انسان بچ سکتا ہو۔مگر اس پہلو کو دیکھ کر سلطان ایوبی کو غیر ذمہ دار اور غیر محتاط حکمران خیال کرنا کوئی انصاف کی بات نہیں ہوگی۔ بڑے بڑے انسانوں سے بعض مواقع پر غلطیاں ہو جاتی ہیں۔سلطان ایوبی کی زندگی میں یہ ایک ایسا ہی موقع تھا۔اب تک عکا کے محاصرے کے حالات جتنی تفصیل سے آپ پڑھ چکے ہیں ان میں سطر سطر سے سلطان ایوبی کی بے چینی فکر مندی اور سعی مسلسل عیاں ہے۔مگر ظاہر ہے وہ انسان تھے۔حکمت عملی میں غلطیاں ان سے بھی ہو سکتی تھیں۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ غیر ذمہ دار تھے اور انہیں اہل عکا کی کوئی فکر نہیں تھی۔

حالات بدلنے لگے ❊ ماہ صفر (مارچ) بہار نو کا پیام لے کر آیا، دھوپ کی تمازت نے نباتات کو نئی زندگی بخشی، طوفانی ہوائیں تھم گئیں، فوجی خیمہ گاہوں میں چہل پہل بڑھنے لگی، تاہم سلطان کی قوت میں ایک نمایاں کمی واقع ہوئی۔ان کا بازوئے شمشیر زن تقی الدین عمر اپنی ماتحت فوج کے ساتھ اپنی عملداری میں آنے والے مشرقی فرات کے نئے علاقوں کا انتظام سنبھالنے چلا گیا۔یہ تین صفر (یکم مارچ) کا واقعہ ہے۔سلطان نے بادل نخواستہ اسے رخصت دی۔ کسے معلوم تھا کہ تاریخ اسلام کے یہ دونوں جرنیل اب کبھی دوبارہ نہیں مل پائیں گے۔

ادھر فرنگی سپاہیوں کو یقین ہو گیا تھا کہ اناج سے لدے ہوئے یورپی جہاز اور فرانس و برطانیہ کی افواج اب پہنچا ہی چاہتی ہیں۔وہ سلطان کے گشتی سپاہیوں اور قریب سے گزرنے والے مسلمانوں کو چیخ چیخ کر بتاتے کہ عنقریب ہمارا فرانسیسی بادشاہ بہت بڑے لشکر کے ساتھ آرہا ہے۔ [2]

4 صفر 587ھ (3 مارچ 1191ء) کو سلطان کے معسکر میں ایک مراسلہ پہنچا جو حمص کے نوجوان حاکم اسد الدین شیرکوہ نے بھیجا تھا۔یہ نوجوان سلطان کے چچا اسد الدین شیرکوہ کا پوتا اور سلطان کا بھانجا تھا۔ سلطان کے حکم کے مطابق وہ سرحدوں پر پہرہ دے کر مسلمانوں کی آبادیوں اور فصلوں کی حفاظت کر رہا تھا۔اس دوران اس نے طرابلس کے فرنگیوں کے ایک قافلے پر چھاپہ مار کر خاصی مقدار میں مال غنیمت

[1] الروضتین: 234/4 [2] نوادر: 240، 242/4

حاصل کرلیا تھا۔ مراسلے میں اس کارروائی کی تفصیل بیان کی گئی تھی۔ بتایا گیا تھا کہ غنیمت میں 4 سو گھوڑے اور سو گائیں ہاتھ لگی ہیں۔ اسی شب "زیب" کے ساحل پر فرنگیوں کی ایک کشتی الٹ گئی، بہت سے غرق ہو گئے اور بہت سے مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے جن میں دو عورتیں بھی شامل تھیں۔ (زیب عکا کا شمالی ساحل تھا)

ادھر صور کی بندرگاہ سے تمام بحری جہاز دوبارہ ساحل عکا پر آ کر لنگر انداز ہو گئے تھے۔ پھر لینٹ (نصاریٰ کے روزوں) کے آخری دنوں میں ایک بحری جہاز صلیبیوں کے لیے اناج کی کھیپ لے آیا۔ صلیبی خوشی سے پاگل ہو گئے...... اناج کی ایک بوری جو سو دینار کی فروخت ہو رہی تھی، اب چار دینار میں ملنے لگی۔ [1]

اسلامی افواج کی واپسی اور جھڑپوں کا آغاز ❀ اگلے ماہ ربیع الاوّل 587ھ (اپریل 1191ء) میں عسکری سرگرمیوں میں باقاعدگی پیدا ہو گئی۔ سلطان کی افواج سرما کی تعطیلات گزار کر واپس آنے لگیں۔ عزاز و بغراس کا کہنہ سال حاکم سلیمان بن جندر، والیٔ دمشق بدرالدین مودود اور بعلبک کا قلعہ دار الملک الامجد اپنی افواج کے ساتھ پہنچ گئے۔ بڑے معرکوں کا پیش خیمہ بننے والی جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ یکم ربیع الاوّل کی شب عکا کے جانبازوں نے شہر سے نکل کر صلیبی چھاؤنی پر اچانک حملہ کیا، بہت سوں کو قتل کرنے کے بعد وہ درجنوں فرنگیوں کو قیدی بنا لائے جن میں بارہ عورتیں بھی تھیں۔ [2]

3 ربیع الاوّل (30 مارچ) کو جب سلطان کے خاص حلقے کے سپاہی گشتی سپاہ کے طور پر پہرہ دے رہے تھے، فرنگیوں کے ایک دستے نے ان پر حملہ کر دیا، ایک خون ریز جھڑپ ہوئی، مسلمانوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور فرنگیوں کے ایک بڑے افسر سمیت متعدد حملہ آوروں کو ہلاک کر دیا۔ مسلمانوں کی جانب سے صرف سلطان کا ایک خادم قراقوش جو بہادری میں مشہور تھا گھوڑے سے گر جانے کے سبب شہید ہوا۔

9 ربیع الاوّل (5 اپریل) کو جاسوسوں نے خبر دی کہ دشمن کا ایک گروہ قریبی وادی میں گشت کے لیے نکلنے والا ہے۔ سلطان کی ہدایت پر الملک العادل چنیدہ بہادروں اور ایوبی خاندان کے خواص کے ساتھ اس مہم کے لیے نکلا جن میں شہزادہ الملک الافضل، تقی الدین عمر کا بیٹا ناصر الدین محمد اور الملک العادل کے کم سن لڑکے الملک الاشرف محمد، الملک المعظم طوران شاہ اور الملک الصالح اسماعیل بھی تھے۔ ان کے علاوہ قاضی فاضل اور قاضی ابن شداد بھی اس مہم میں شرکت کے لیے نکل پڑے تھے۔ حکمت عملی یہ تھی کہ سلطان عیاضیہ کے ٹیلوں کے پیچھے گھات لگا کر بیٹھیں گے۔ جونہی بے خبر دشمن وہاں سے گزرے گا اس پر پل پڑیں گے...... مگر لگتا ہے دشمن کو بھنک پڑ گئی تھی چنانچہ اس نے ادھر کا رخ ہی نہ کیا تاہم اس

[1] سلیبی مہم: 197 [2] الروضتین: 4/241

دن مسلمانوں کو ایک اور کامیابی کی خوشی ضرور ہوئی۔ بیروت میں تعینات سلطان کی فوج نے 45 فرنگیوں کو گرفتار کر لیا تھا اسی دن یہ لوگ سلطان کی خدمات میں پیش کیے گئے۔ [1]

قاضی ابن شداد بتاتے ہیں کہ ان قیدیوں میں سے ایک فرنگی اس قدر عمر رسیدہ تھا کہ اس کے منہ میں کوئی دانت تک نہ تھا، ضعف کا یہ عالم تھا کہ معمولی چلنے پھرنے کے سوا وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا، سلطان نے ترجمان سے کہا:

"اس سے پوچھو اس عمر میں یہ شخص یہاں کیوں آیا ہے اور کتنی دور سے آیا ہے؟"

بوڑھے فرنگی نے جواب دیا:

"میرا ملک یہاں سے کئی ماہ کی مسافت پر ہے، میں صرف مرقدِ مسیح کی زیارت کے لیے آیا ہوں۔"

سلطان کو ترس آ گیا، اسے آزاد کر کے ایک گھوڑے پر سوار کیا اور فرنگیوں کی چھاؤنی کی طرف بھیج دیا۔ [2]

ابھی یہ فرق نہیں سمجھتے ❊ اس موقع پر سلطان کی دور اندیشی اور اولاد کی تربیت میں حزم واحتیاط کی ایک عجیب مثال سامنے آئی۔ سلطان کے کم سن لڑکوں نے قیدیوں کو دیکھ کر اصرار شروع کر دیا کہ کچھ قیدی ان کے حوالے کیے جائیں تاکہ وہ انہیں قتل کر سکیں، مگر سلطان نے انہیں صاف منع کر دیا۔ قاضی بہاء الدین ابن شداد نے جو کم سن شہزادوں کی ضروریات کے نگران بھی تھے، سلطان سے ممانعت کی وجہ پوچھی تو سلطان نے جواب دیا:

"میں نہیں چاہتا کہ یہ نوعمری سے خون بہانے کے عادی بنیں اور ان کے لیے کسی کو قتل کرنا ایک معمولی بات شمار ہو۔ ابھی تو یہ مسلم اور کافر کے فرق کو بھی صحیح طور پر نہیں سمجھتے۔"

سلطان کا مطلب یہ تھا کہ ابھی کسی کو قتل کرنے صرف اپنے دشمن کو قتل کرنے کا جذبہ پروان چڑھے گا۔ جہاد کا اعلیٰ مقصد ان کے سامنے نہیں اس لیے محض مار دھاڑ کا ذہن بنے گا۔ اسلامی واخلاقی روح پرورش نہیں پائے گی۔ [3]

شاہِ فرانس کی آمد ❊ موسم بہار کے آخری دنوں میں جبکہ فضا کی حدت بڑھنے لگی تھی یورپی حکام بڑے بڑے لشکروں کے ساتھ تیسری صلیبی جنگ میں شرکت کے لیے پہنچنے لگے۔ ہفتہ 23 ربیع الاول 587ھ (14 اپریل 1191ء) کو فرانسیسی بحری بیڑہ بڑے طمطراق سے عکا کے ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ 26 سالہ شاہِ فرانس فلپ آگسٹس ثانی جو مرتبے میں سب شاہانِ یورپ سے بالاتر شمار ہوتا تھا،

[1] النوادر السلطانیہ: 235، 236۔ الروضتین: 4/241، 242
[2] النوادر السلطانیہ: 235، 236
[3] النوادر السلطانیہ: 236۔ الروضتین: 4/242

اپنے جنگجوؤں کے ساتھ آن پہنچا تھا، اس کے ذاتی جہاز پر شاہی نشان دور سے لہراتا نظر آ رہا تھا۔ جبکہ جہازوں میں رسد کے بڑے بڑے ذخائر اور سواری کے جانور بھی تھے۔ چھاؤنی کے صلیبیوں میں ایک مسرت انگیز ہل چل مچ گئی۔ [1]

تمام صلیبی حکام، نواب اور نائٹ شاہِ فرانس کے استقبال کے لیے ساحل کی ریت پر دوڑتے نظر آئے۔ اس دن فرنگی جس قدر شاداں تھے، مسلمان اتنے ہی پریشان نظر آ رہے تھے۔ شاہ فرانس کے ساتھ یورپ کے مزید کئی نواب اور نائٹ آئے تھے جن میں کاؤنٹ آف فلینڈرز کا نام خاصا معروف تھا۔ شاہ فرانس کی فوجیں ساحل پر اترنے لگیں تو اس دوران شاہ کا نہایت قیمتی اور چہیتا باز جو اپنے محافظ کے ہاتھوں میں تھا، یکدم اڑا اور صلیبی چھاؤنی پر پرواز کرنے لگا۔ سب لوگ نہایت دلچسپی سے یہ منظر دیکھنے لگے۔

سفید رنگ کے اس دیو ہیکل باز نے صلیبی چھاؤنی کے کئی چکر لگائے اور آخر کار عکا کی فصیل پر جا بیٹھا۔ عکا کے مسلمان سپاہی جو باز کو اِدھر آتا دیکھ کر محوِ حیرت تھے، فوراً لپکے اور اسے پکڑ لیا۔ اگرچہ عکا کے بحری و بحری راستے بند ہو چکے تھے مگر زیرک افسران نے کسی نہ کسی طرح یہ باز فوری طور پر سلطان صلاح الدین کی خدمت میں بھیج دیا۔ سلطان اور ان کے افسران اس پرندے کی
اور اس کے اعضاء کی بناوٹ پر حیران ہو رہے تھے، یقیناً یہ نہایت اعلیٰ اور نایاب نسل
بہاء الدین ابن شداد نے بھی اس موقع پر اسے دیکھا تھا۔ وہ فرماتے ہیں:

"یہ سفیدی مائل، کھلتے ہوئے رنگ کا باز تھا۔ میں نے اس سے زیادہ خوبصورت پرندہ کبھی نہیں دیکھا۔"

مسلمان جو اس دن فرانسیسی افواج کی آمد کے باعث طرح طرح کے خدشات میں مبتلا ہو گئے تھے، اس باز کے ہاتھ آ جانے پر ایک انجانی سے خوشی محسوس کرنے لگے۔ بہت سے لوگ اسے نیک فالی پر محمول کر کے فتح و ظفر کا پیش خیمہ قرار دینے لگے۔ اُدھر فرنگی اس واقعے کو بدشگونی تصور کر کے پریشان تھے۔ سب سے زیادہ تشویش شاہِ فرانس کو تھی۔ اس نے ایلچی بھیج کر سلطان
اور قیمت کے طور پر ایک ہزار دینار پیش کیے مگر سلطان نے انکار کر دیا۔ غالباً
فالی کو برقرار رکھنا چاہتے تھے جس نے ان پُرخطر حالات میں بھی انہیں نفسیاتی طور سہارا دیا۔

لاذقیہ کے نصرانیوں کی قبرص میں کارروائی ❁ فرانسیسیوں کے بعد یورپ کا نامی گرامی نواب کاؤنٹ فرنڈ بھی اپنی فوج کے ساتھ پہنچ گیا۔ ان یورپی افواج کی آمد مسلمانوں کے حوصلوں کے لیے نئی

[1] النوادر السلطانیہ:236، الروضتین:4/242، صلیبی جنگیں:197
[2] النوادر السلطانیہ:237، الروضتین:4/243، صلیبی جنگیں:198

آزمائش تھی تاہم آئے دن ایسی خبریں بھی مل رہی تھیں جن سے مسلمانوں کو یقین ہو جاتا تھا کہ اللہ کی نصرت بہر حال ان کے شامل حال ہے۔ 12 ربیع الثانی 587ھ (6 جون 1191ء) کو لاذقیہ سے مراسلہ پہنچا جس میں بتایا گیا کہ مسلمانوں کی پناہ میں آنے والے نصرانیوں کے ایک گروہ نے کشتیاں لے کر جزیرۂ قبرص میں ایک کامیاب کارروائی کے دوران 27 عورتوں سمیت بہت سے نصرانیوں اور مال و دولت کے بڑے ذخیرے پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ حملہ آور افراد نصرانیوں کے تہوار کے دن ساحل سمندر پر واقع گرجے میں پہنچے جہاں مقامی نصرانیوں کی بڑی تعداد جمع تھی۔ انہوں نے سب کے ساتھ عبادت میں شرکت کی، پھر گرجے کے دروازے بند کر لیے اور پادری سمیت گرجے میں موجود لوگوں کو نرغے میں لے کر ان سے مال وصول کیا، اس کے بعد انہیں کشتیوں میں سوار کر کے لاذقیہ لے آئے۔ کارروائی میں شریک ہر فرد کو لوٹے ہوئے مال و دولت میں سے چار چار ہزار درہم ملے۔ انہی دنوں ایک جگہ نصرانیوں کے مویشیوں پر لوٹ مار کے دوران ایک سو بیس بکریاں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں۔ ●

مگر مسلمانوں کو ملنے والی یہ ہلکی پھلکی امید افزا خبریں اس مسرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھیں جو نصرانیوں کو نصیب ہو رہی تھی۔ یورپ سے فراہم ہونے والی بے پناہ کمک کے سلسلے کا نقطۂ عروج سامنے آ رہا تھا۔ رچرڈ جزیرۂ روم کے ساحل پر نمودار ہو چکا تھا۔

● حصار عکا ص:230، الروضتین: 4/244، ملحی عکی: 108

فصل:9

رچرڈ کی آمد

انگلستان کا حکمران رچرڈ تیسری صلیبی جنگ میں شامل یورپی بادشاہوں میں سے سب سے زیادہ نامور ہے۔ یورپ کی تاریخ میں وہ "شیر دل" (Line Hearted) کے لقب سے مشہور ہے اور نصرانیوں کے ہاں ایک بہت بڑے ہیرو کا مرتبہ رکھتا ہے۔ یہ غیر معمولی طور پر لمبا تڑنگا، مغرور، من چلا اور مہم جو بادشاہ اپنی افتادِ طبع کے باعث اپنے باپ ہنری دوم سے جھگڑتا رہا اور اس کے عتاب کا شکار ہوا۔ باپ کی موت تک وہ قہرِ شاہی سے بچنے کے لئے فرانس میں پناہ گزین تھا۔ ہنری دوم کی وفات کے بعد وہ ایسے وقت میں تختِ شاہی پر براجمان ہوا تھا جب صلیبی جنگ کا نقارہ بج چکا تھا اور پورا یورپ زور شور سے "مقدس صلیب" کی بازیابی کے لئے تیاریاں کر رہا تھا۔ رچرڈ کو عوام میں ہر دلعزیز بننے اور اپنی سپاہیانہ صلاحیتوں کے آزمانے کا ایک شاندار موقع مل رہا تھا چنانچہ وہ بلاتردد اس پر جوش مہم میں شامل ہو گیا اس نے جنگی مصارف کے لئے بڑی بڑی شاہی جائیدادیں فروخت کر ڈالیں اور ایک زبردست فوج تیار کر لی۔

اس دوران فرانس کا نوجوان حکمران فلپ آگسٹس بھی فوج تیار کر چکا تھا۔ رچرڈ اور فلپ چچازاد بھائی تھے اور اس موقع پر خاندانی اختلافات بھلا کر متحد ہو گئے تھے۔ فلپ 26 سال کا تھا مگر حکمرانی کا گیارہ سالہ تجربہ رکھتا تھا اور ایک دوراندیش اور محتاط انسان تھا۔ رچرڈ عمر میں اس سے آٹھ سال بڑا ہونے کے باوجود بے فکرا، من موجی اور جوشیلا تھا۔ اس کی فیاضی فضول خرچی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ بلاشبہ وہ ایک بہادر اور ماہرِ فن سپاہی تھا مگر اسے حکمرانی کے نشیب و فراز اور رموزِ سیاست کی زیادہ شد بد نہیں تھی۔

دونوں حکمران 586ھ (1190ء) کے موسم گرما میں یورپ سے روانہ ہوئے۔ فلپ کے لئے یہ سفر ایک نئے جہان کی فتح و کشاد کا راستہ تھا اور رچرڈ کے لئے ایک دلچسپ اور پر لطف مشغلہ۔ وہ مختلف ریاستوں کو فتح کرتے، باغیوں کو کچلتے ہوئے آگے بڑھتے رہے جس میں پورا ایک برس گزر گیا۔ ❶

❶ صلیبی جنگیں: 200، 201

انجام کار قلب اگلے موسم بہار (1191ء) میں عکا پہنچ گیا جبکہ رچرڈ کو تاخیر ہوگئی۔ "سفرنامۂ رچرڈ" کے مطابق وہ سسلی (صقلیہ) میں ٹھہر کر ایک نئی مہم انجام دینے لگا تھا۔ اس نے اپنی بہن کے حقوق کی بازیابی کے لئے غاصب ٹینکرڈ کے خلاف شمشیر سونت لی تھی۔ اس کا تقریباً پورا سال اسی مصروفیت میں گذر گیا۔ ٹینکرڈ کو قدموں پر جھکانے اس کے خزانے پر قبضہ جمانے اور اپنی بہن کو خوش کرنے کے بعد جب وہ سسلی سے چلا تو سمندری طوفان نے اس کے بیڑے کو قبرص کی طرف دھکیل دیا جو عکا کے شمال مغرب میں تقریباً پونے دو سو میل کے فاصلے پر ہے، یہ جزیرہ اس زمانے میں بازنطینی رومیوں کے پاس تھا۔ ❶

عماد کاتب کے بقول رچرڈ کا بیڑا، 26 ربیع الثانی (22 مئی 1191ء) کو قبرص کے ساحل پر پہنچا۔ ❷

قبرص کے حاکم نے رچرڈ کے شکستہ بیڑے کی خاطر خواہ آؤ بھگت نہ کی۔ اس پر رچرڈ نے مشتعل ہو کر قبرص پر بھی حملہ کر دیا۔ وہاں کے حکمران نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور یوں ایک شدید جنگ شروع ہوگئی۔ رچرڈ نے اس قضیے کو جلد نمٹانے کے لئے عکا کے صلیبیوں کو پیغام بھیجا کہ وہ اسے افرادی قوت فراہم کریں۔

عکا کے صلیبی بے چینی سے رچرڈ کا انتظار کر رہے تھے مگر قبرص کی جنگ کے باعث رچرڈ کے پہنچنے میں تاخیر ہوتی چلی گئی، تاہم کچھ دنوں کی لڑائی کے بعد بازنطینیوں کے گھٹنے ٹیک دیئے۔ رچرڈ نے قبرص کے حاکم کو چاندی کی زنجیروں میں جکڑ دیا اور خود مزید کچھ دنوں کے لئے وہیں رک گیا۔ وہ اسی جزیرے میں اپنی منگیتر برنگیریا آف نوارے سے شادی کرنا چاہتا تھا، تاہم اس نے اپنی فوج، سامان رسد اور اسلحہ کا ایک حصہ فوری طور پر عکا روانہ کر دیا۔ ❸ یہ پانچ جہاز تھے جن میں فرنگی سپاہیوں اور عورتوں کے علاوہ غلے کے ذخائر، محاصرے کے جدید آلات اور دیگر جنگی و سفری سامان لدا ہوا تھا۔

بیروت کا حاکم عز الدین اسامہ سمندری راستوں پر کڑی نظر رکھتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے رچرڈ کے بحری جہازوں کی آمد کے پیش نظر اسے تاکید کی تھی کہ وہ ایک نیا بحری بیڑہ سپاہیوں کی کثیر تعداد کے ساتھ عکا روانہ کردے۔ اسامہ نے حکم کی تعمیل کی۔ مسلمانوں کا یہ بحری بیڑے عکا جا رہا تھا کہ اچانک اس کا رچرڈ کے ان پانچ جہازوں سے آمنا سامنا ہوگیا جو قبرص سے آرہے تھے۔ مسلمان جہاز رانوں نے فوری کارروائی کرتے ہوئے انہیں گھیر لیا۔ پانچوں برطانوی جہاز اپنے مال و متاع اور سواریوں سمیت مسلمانوں کے قبضے میں آگئے۔ ربیع الثانی 587ھ کی آخری تاریخ (25 مئی 1191ء) کو مخبر یہ خوشخبری لے کر سلطان کی خدمت میں پہنچا۔ امرائے فوج اور سپاہیوں نے اس خبر سے ایک تازہ حوصلہ پایا۔ ❹

---

❶ تکملہ جنگ: 201
❷ تکملہ جنگ: 201
❸ کتاب الروضتین: 4/242
❹ النوادر السلطانیہ: 239

صلیبی عکا پر حملے کے لئے تیار: قبرص پر رچرڈ کے قبضے کے بعد عکا کے صلیبیوں کو اطمینان ہو گیا تھا کہ عن قریب برطانوی افواج ان کے ساتھ شانہ بشانہ لڑتی نظر آئیں گی۔ اس کے علاوہ فرانسیسی افواج اور دیگر یورپی ناٹوں کی امدادی قوت نے انہیں اتنا مضبوط کر دیا تھا کہ وہ پورے اطمینان سے عکا پر فیصلہ کن حملے کر سکتے تھے۔ خوراک و رسد کا مسئلہ بھی حل ہو چکا تھا۔ اب صلیبی سیر ہو کر کھاتے اور ڈٹ کر شراب پیتے تھے۔ وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ سلطان کی تمام افواج ابھی تک واپس نہیں آئی ہیں، تقی الدین عمر جو تین ماہ پہلے فرات کی نئی جاگیروں کا انتظام سنبھالنے گیا تھا غیر معمولی تاخیر کا شکار ہو گیا تھا۔ اس شیر زکی واپسی اور دیگر مشرقی افواج کی آمد سے پہلے پہلے صلیبیوں کے پاس عکا پر قبضے کا بہترین موقع تھا، پھر بھلا وہ رچرڈ کے انتظار میں دن کیوں ضائع کرتے!!

جمعرات 4 جمادی الاولیٰ 587ھ (29 مئی 1191ء) کو انہوں نے عکا کے سامنے سات بڑی منجنیق نصب کرنا شروع کر دیں۔ ادھر عکا سے مخبر بمشکل تمام رکاوٹیں عبور کر کے سلطان ایوبی کی خدمت میں پہنچا اور حالات سے مطلع کر کے درخواست کی کہ دشمن پر عقب سے بھر پور حملے کر کے انہیں شہر پر چڑھائی سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ سلطان نے اگلی صبح افواج کو اس انداز میں مرتب کیا کہ وہ فوری حکم پر آگے بڑھ سکیں۔ اس کے بعد جاسوسوں کو بھیج کر دشمن کی ان خندقوں کی صورتحال معلوم کی جو صلیبی چھاؤنی کی حفاظت کے لئے وادی کے رخ پر کھودی گئی تھیں۔ جاسوسوں نے جلد ہی آ کر خبر دی کہ خندقوں میں صلیبی سپاہ موجود نہیں۔

سلطان یہ سن کر چند غلاموں اور محافظوں کے ساتھ تیزی سے نشیبی ٹیلوں کی طرف اترتے چلے گئے۔ تل الفضول نامی ٹیلے پر وہ رک گئے جہاں سے دشمن کی چھاؤنی کا اندرونی منظر اور عکا کی طرف ان کی نقل و حرکت صاف نظر آ رہی تھی، سلطان نے دیکھا کہ صلیبی سپاہی منجنیق نصب کر رہے ہیں۔ سلطان یہ حالات دیکھ کر معسکر کی طرف لوٹ گئے جواب تک کوہ خروبہ سے پیچھے کوہ شفرعم کی چوٹی پر تھا۔ [1]

ایک فرنگی ماں سے سلطان کا حسن سلوک: سلطان کی فوج میں کچھ غیر پیشہ ور لوگ حریف کی فوج، پڑاؤ اور سامان رسد کو لوٹنے پر مقرر تھے، ان میں مسلمان بھی شامل تھے اور ذمی عیسائی بھی۔ ایسے لوگ جو کچھ لوٹتے تھے اسے پہلے سلطان کی خدمت میں جائزے کے لئے پیش کرتے اور سلطان کی اجازت سے وہ لوٹے ہوئے مال کے مالک بن جاتے۔ یہ لوگ صلیبی چھاؤنی سے مال و متاع اور مویشیوں کے علاوہ بعض اوقات آدمیوں کو بھی پکڑ لاتے۔ 6 جمادی الاولیٰ 587ھ (31 مئی 1191ء) کی رات

[1] النوادر السلطانیہ: 230

انہوں نے ایک کارروائی میں فرنگیوں کے کسی خیمے سے تین ماہ کا ایک شیر خوار بچہ بھی اٹھالیا۔ بچے کی ماں اس صدمے سے بے حال ہوگئی، وہ روتی پیٹتی صلیبی قائدین کے پاس گئی جو سلطان کی شرافت، مروت کے چرچے نہ صرف سن چکے تھے بلکہ ان میں سے بہت سوں کو اس کا ذاتی تجربہ تھا، انہوں نے عورت کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا:

''مسلمانوں کا بادشاہ بڑا رحم دل ہے، ہم تمہیں ان کے پڑاؤ میں جانے کی اجازت دیتے ہیں، تم خود جاؤ اور اس سے اپنا بچہ طلب کرو۔ وہ تمہیں بچہ بازیاب کرادے گا۔''

عورت دوڑتی ہوئی مسلمانوں کے معسکر کی طرف نکلی۔ راستے میں محافظ سپاہیوں نے اسے روکا مگر جب اس کا ماجرا سنا تو بولے:

''ہمارے آقا نہایت مہربان ہیں، ہم تمہیں ان کے پاس پہنچادیتے ہیں۔ تم اپنا بچہ مانگ لینا۔''

ایک مملوک افسر اسے ساتھ لے کر سلطان کی طرف چل دیا۔ سلطان اس وقت گھوڑے پر سوار گشت کررہے تھے، قاضی بہاؤالدین ابن شداد، بہت سے خواص اور افسران ان کے ساتھ تھے۔ اچھا خاصا مجمع تھا۔ مملوک افسر فرنگی عورت کو ساتھ لئے وہاں پہنچ گیا، عورت سب کو نظر انداز کرتے ہوئے سلطان کے سامنے پہنچ گئی اور چیخیں مار مار کر اپنا دکھ درد بیان کرنے لگی، اس کے نالہ وفریاد کی دردناک صدائیں سن کر ہر شخص متاثر ہورہا تھا۔ پھر مجبور ماں سلطان کے آگے زمین پر گر پڑی اور اپنا چہرہ خاک آلود کرنے لگی، سلطان کو صبح اس واقعے کی اطلاع مل چکی تھی تاہم انہوں نے تفصیل جاننے کے لئے ترجمان کے ذریعے اس کا حال دریافت کیا۔ عورت نے روتے ہوئے اپنی بپتا سنائی اور کہا:

''مجھے معلوم ہے کہ میرا بچہ آپ ہی سے مل سکتا ہے۔''

عورت کی درد بھری فریاد سن کر سلطان پر رقت طاری ہوگئی، آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، حکم دیا بچے کو فوراً تلاش کرکے لایا جائے۔ کارندے ہر طرف دوڑ پڑے۔ آخر بچے کو ڈھونڈ نکالا گیا، اس وقت تک اسے بازار میں فروخت کیا جاچکا تھا۔

سلطان نے حکم دیا کہ یہ بیع فسخ کردی جائے، گاہک کو قیمت لوٹا کر بچہ اس سے واپس لے لیا جائے۔ سلطان اس قضیے کے اختتام تک وہیں کھڑے رہے، عورت ان کے سامنے سسکیاں لیتی رہی، سرکاری کارندے بھاگتے دوڑتے رہے، آخر تھوڑی دیر کے بعد تمام مراحل طے ہوگئے اور ایک گھڑسوار سرپٹ آتا دکھائی دیا۔ بچہ اس کے کاندھے پر تھا۔ بچے کو دیکھتے ہی ماں تشکر کے جذبات سے مغلوب ہوکر سجدے میں گر پڑی اور رخسار زمین پر ملنے لگی۔ پھر اس نے سر اٹھایا اور آسمان کی طرف دیکھ کر اپنی

زبان میں حمد یہ کلمات کہنے لگی۔

آخر بچہ عورت کی گود میں ڈال دیا گیا۔ماں اور بیٹے کے ملاپ کا منظر عجیب تھا۔فرنگی خاتون دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔اس نے بچے کو سینے سے اس طرح چمٹالیا تھا جیسے وہ اس کے جسم کا ایک ٹکڑا ہو جواب کبھی الگ نہیں ہو سکے گا،تمام لوگ جو یہ منظر دیکھ رہے تھے،اشک بار ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

ماں کے جذبات کو ذرا ٹھنڈک پہنچی تو اس نے بچے کو دودھ پلانا شروع کر دیا۔کچھ دیر بعد سلطان کی ہدایت پر اس خاتون کو ایک گھوڑے پر سوار کر کے عزت واحترام سے اس کے خیمے تک پہنچا دیا گیا۔[1]

حالتِ جنگ میں بھی دشمنوں سے ایسا فراخدلانہ سلوک سلطان صلاح الدین ایوبی کے اعلیٰ اخلاق کی کھلی شہادت ہے۔

عکا کی جنگ نئی شدت سے شروع ٭اس دن سلطان فرنگیوں پر حملے کی تیاری کر رہے تھے مگر دن کا کچھ حصہ فرنگی عورت کی داد رسی میں گزر گیا۔پھر اسی دن موصل سے ظہیر الدین بلنکری ایک فوج کے ساتھ پہنچا تو سلطان نے سوچا اس کی فوج کو ساتھ ملا کر کل فرنگیوں سے دو دو ہاتھ کیے جائیں۔اسی سوچ بچار میں دن ڈھلے وہ اپنے خیمے کی طرف لوٹے تو مخبر نے اطلاع دی کہ فرنگیوں نے عکا پر چڑھائی شروع کر دی ہے۔سلطان ایوبی فوری طور پر کچھ فوج کے ساتھ عکا کی طرف روانہ ہوئے۔تاہم وسیع وادی کو عبور کر کے جب وہ شہر کے قریب پہنچے تو لڑائی کا ہنگامہ ختم ہو چکا تھا اور سورج ڈوب رہا تھا۔اس کے بعد دو دن مکمل خاموشی چھائی رہی۔تیسرے دن فرنگیوں نے صبح سویرے عکا پر دھاوا بول دیا۔سلطان نے فوراً فوج کو تیار کر کے وادی کا رخ کیا۔یہ سخت گرمی کے دن تھے۔قاضی ابن شداد اس موقع پر عکا کو بچانے کے لیے سلطان کی مستعدی اور فکر مندی کو یوں بیان کرتے ہیں:

''منگل 9 جمادی الاولیٰ 587ھ (3 جون 1191ء) کی صبح سلطان کو اطلاع ملی کہ فرنگیوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا ہے اور منجنیقیں نصب کر دی ہیں۔سلطان نے کوچ کی منادی کرا دی اور پیادہ و سوار فوج کے ساتھ خروبہ کے ٹیلوں پر آ گئے۔حفاظتی دستوں کو مزید فوج بھیج کر تقویت فراہم کی۔ حریف (چھاؤنی سے) باہر نہ نکلا بلکہ اس نے شہر پر حملے مزید تیز کر دیے یہ دیکھ کر سلطان نے چھاؤنی کا سختی سے محاصرہ کر لیا اور ان کی خندقوں پر متواتر حملے کرتے رہے۔تب ظہر کے وقت دشمن شہر پر قبضے سے مایوس ہو کر اپنی خیمہ گاہ میں لوٹ آیا۔سلطان بھی واپس لوٹے۔ان کے لیے وہیں (وادی میں) ایک ہلکا پھلکا خیمہ لگا دیا گیا تھا تاکہ وہ دھوپ سے بچ سکیں۔سلطان نے نماز

[1] النوادر السلطانیہ: 239، 240

ظہر ادا کر کے تھوڑا سا دم لیا۔ وادی کی حفاظتی فوج کو چوکس بنایا اور باقی سپاہیوں کو واپسی کا حکم دیا تا کہ وہ قدرے سستا لیں۔ میں اس وقت حاضر خدمت تھا کہ وادی کے پہرے دار سپاہیوں کی جانب سے اطلاع ملی کہ سلطان کے لوٹتے ہی دشمن نے پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ شہر پر حملہ کر دیا ہے۔ سلطان نے یہ سنتے ہی سپاہیوں کو خبردار کر کے محاذ پر واپس چلنے کا حکم دیا، سپاہی گروہ در گروہ دشمن کی سمت لوٹے۔ سلطان نے حکم دیا کہ رات اسلحہ پہنے ہوئے گذاری جائے گی۔ سلطان خود بھی رات محاذ پر گذارنے کے ارادے سے ٹھہر گئے جبکہ میں (ابن شداد) واپس چلا آیا۔ سلطان نے لشکر سمیت پوری رات محاذ پر جنگ کی تیاری میں گذاری۔ لشکر کے ایک حصے نے سختی سے حریف (کی چھاؤنی) کا محاصرہ کیے رکھا۔"[1]

<u>معسکر کی تبدیلی</u>: رات کے آخری پہر سلطان نے لشکر کا پڑاؤ کوہ شفرعم سے عکا کے قریب عیاضیہ کے ٹیلوں پر منتقل کرنے کا حکم دیا تا کہ عکا پر صلیبیوں کے حملے کا فوری جواب دیا جا سکے۔ سلطان کا ہلکا خیمہ یہیں لگا دیا گیا۔ اگلے دن دشمن سے شدید جنگ ہوئی، سلطان کے جانبازوں نے چھاؤنی پر اتنے بھرپور حملے کیے کہ دشمن کو شہر پر حملے کا موقع نہ مل سکا۔

سلطان اس دوران دستوں کے درمیان گھوم پھر کر نہایت ولولہ انگیز لہجے میں انہیں جہاد پر ابھار رہے تھے اور شہادت کی رغبت دلا رہے تھے، صلیبی اب عکا کو بھول کر پوری طرح سلطان کا حملہ روکنے میں مشغول تھے۔ اس دوران انہوں نے اچانک خدشہ محسوس کیا کہ کہیں عکا کے سرفروش ان کی محویت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عقب سے ان کے خیموں پر نہ ٹوٹ پڑیں، یہ خیال آتے ہی وہ پیچھے ہٹ کر جنگ سے باز آ گئے اور اپنی خندقوں اور خیموں کی حفاظت میں مشغول ہو گئے۔

چونکہ دن بھر کی جنگ سے دونوں فوجیں تھک چکی تھیں اس لیے صلیبیوں کو پیچھے ہٹتا دیکھ کر سلطان بھی اپنے لشکر سمیت عیاضیہ کے ٹیلوں پر لوٹ آئے۔ انہوں نے فرنگیوں کی خندقوں کے قریب کچھ افراد کو متعین کر دیا تا کہ وہ انہیں پل پل کی خبریں پہنچاتے رہیں اور اگر فرنگی دوبارہ عکا پر حملہ کریں تو اس کا تدارک کیا جا سکے۔

کئی دن یہ سلسلہ چلتا رہا۔ فرنگی جب بھی عکا پر حملہ کرتے عکا کے دربان نقارے بجا کر مسلمانوں کو حملے کی اطلاع دیتے، جواب میں ادھر سے بھی نقارے بجائے جاتے تا کہ انہیں سلطان کے آگاہ ہونے اور جوابی کارروائی شروع ہونے کا اطمینان ہو جائے۔ فرنگی جتنی تیزی سے حملہ کرتے، سلطان بذات خود ان کی چھاؤنی پر اس سے زیادہ شدت سے دھاوا بول دیتے، وہ اپنے بیٹوں، رشتہ داروں اور خواص کو اسی محاذ پر

[1] النوادر السلطانیہ، ص:241

لے آئے تھے اور اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لا کر عکا کو دشمن کے قبضے میں جانے سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ عیسائیوں کی یہ حالت تھی کہ جوں ہی سلطان کا حملہ ہوتا وہ شہر پر چڑھائی ترک کر دیتے، مگر ادھر سلطان کی سپاہ پیچھے ہٹتی، ادھر وہ عکا پر دوبارہ چڑھ دوڑتے۔ بہر کیف وہ سلطان کے تند و تیز حملوں سے گھبرائے ہوئے تھے، اسی لئے انہوں نے چھاؤنی سے باہر کھلے میدان میں نکلنے کی قطعاً ہمت نہیں کی۔

اس دوران ایک موقع ایسا بھی آیا کہ سلطان کے حملوں سے گھبرا کر فرنگیوں کی طرف سے بات چیت کی پیش کش کی گئی، ان کا ایک نمائندہ سامنے آیا اور مطالبہ کیا کہ مسلمان بھی اپنا نمائندہ بھیجیں۔ سلطان نے جواب میں کہلوا دیا:

"اگر تمہیں گفت و شنید کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے تو تم میں سے کوئی بھی ہمارے پاس آ جائے، ہمیں تم سے مذاکرات کی کوئی حاجت نہیں۔"[۞]

غالباً سلطان کو اس پیش کش میں بدنیتی کا عنصر واضح نظر آیا تھا۔ یہ عین ممکن تھا کہ دشمن سلطان کی فوج کو غافل رکھ کر عکا پر کوئی تیز تر کارروائی کرنا چاہ رہا ہو۔ بعد کے واقعات نے تصدیق کی کہ صلیبیوں کی جانب سے صلح کی پیشکشیں اکثر دھوکے اور فریب پر مبنی ہوتی تھیں۔

رچرڈ عکا کے ساحل پر: ہفتہ 13 جمادی الاولیٰ 587ھ (7 جون 1191ء) کو شاہِ برطانیہ رچرڈ عکا کے ساحل پر اترا۔ اس کے ساتھ 25 جنگی جہازوں کا ہیبت ناک بحری بیڑہ تھا۔ اس نے قبرص فتح کر لیا تھا اور وہاں کے گرجے میں اپنی منگیتر سے شادی کر کے ہنی مون بھی منا چکا تھا۔ رچرڈ کے جہاز پر برطانیہ کا سرخ پرچم لہرا رہا تھا۔ صلیبی چھاؤنی کے تمام مرد و زن ادھر دوڑ پڑے۔ نقارے اور باجے بجا کر شاہِ برطانیہ کا استقبال کیا جا رہا تھا۔ رچرڈ اپنے بحری جہاز سے اترا۔ دراز قامت ہونے کے باعث وہ دور سے نمایاں نظر آ رہا تھا، اس کے سرخ بال شانوں پر پھیلے ہوئے تھے، فرنچ کٹ داڑھی اسے ایک امتیاز بخشتی تھی، اس کی نئی ملکہ، بہن اور قبرص کی یرغمال بازنطینی شہزادی بھی اس کے ہمراہ تھیں۔ 25 جہازوں میں ہزاروں سپاہی، گھوڑے، نقد رقم، خوراک و رسد کے ذخائر، منجنیقیں، دبابے اور ہر قسم کا عسکری ساز و سامان لدا تھا۔[۞]

اس دن صلیبی چھاؤنی میں عید کا سماں تھا۔ ان کے نزدیک مزارِ مسیح اور صلیب الصلوت کی بازیابی اب چند دنوں یا ہفتوں کی بات تھی کیونکہ ان کا سب سے طاقتور بادشاہ آ گیا تھا۔ فرنگی رچرڈ کی آمد کا جشن منانے لگے۔ رات بھر تو روشن چھاؤنی میں الاؤ روشن رہے اور شراب و کباب کے ساتھ رقص و سرود کی

۞ اخبار السلطانیہ: 242_243 ۞ صلیبی جنگیں: 198_200

محفلیں بھی رہیں۔ یہ منظر دیکھ کر مسلمانوں کی پریشانی فطری تھی۔ اس کے علاوہ عیسائی چھاؤنی میں آنے جانے والے تاجر، سیاح اور ایسے غیر مسلم لوگ جنہیں دونوں افواج کی طرف سے قانوناً امان حاصل تھی، مسلمانوں کو متنبہ کر رہے تھے کہ رچرڈ کی آمد سقوطِ عکا کا پیش خیمہ ہے۔ عیسائی فیصلہ کن حملے کے لیے اسی معرکہ آزما فاتح کا انتظار کر رہے تھے۔ رچرڈ کی شجاعت، عسکری مہارت اور جنگی بصیرت ان کے لیے عکا کا دروازہ کھول دے گی۔ ❶

علامہ ابن اثیر رحمه الله رچرڈ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''وہ بہادری، چالاکی، دلیری اور قوت برداشت میں اپنے زمانے کا نامور انسان تھا، مسلمان اس کی وجہ سے ایسی فریب کاریوں کا شکار ہوئے جس کی مثال نہیں ملتی۔'' ❷

رچرڈ آتے ہی میدان میں دادِ شجاعت دینا چاہتا تھا مگر وہ بیمار پڑ گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کے لیے بستر سے اٹھنا مشکل ہو گیا۔ وہ وبائی بخار میں جھلستے ہوئے اپنے خیمے سے میدان کا نظارہ کرتا رہتا تھا۔ شاہ فرانس فلپ کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ وہ ایک جھڑپ میں زخمی ہو گیا تھا۔ کنٹربری کے آرچ بشپ، فریڈرک ڈیوک آف سوابیا اور سسلی کے حکمران ''ولیم دی گڈ'' کی اموات نے اسے شکستہ خاطر کر دیا تھا۔ اس کا چچازاد بھائی کاؤنٹ آف فلانڈرز بھی بستر پر پڑا زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہا تھا۔ ❸

دو فرنگی غلام مشرف با اسلام ﷺ تاہم محاذ گرم تھا، جھڑپیں ہو رہی تھیں۔ مسلمان ہر روز ایمان کو تازگی بخشنے والے عجیب و غریب نظارے دیکھتے۔ ایک دن دو فرنگی خادم بھاگ کر مسلمانوں کے پاس پہنچے، انہوں نے سلطان کو بتایا کہ وہ رچرڈ کی بہن کے غلام ہیں اور ایک مدت پہلے خفیہ طور پر اسلام قبول کر چکے ہیں، انہوں نے اپنا ایمان پوشیدہ رکھا ہے اور اب موقع ملتے ہی مسلمانوں کے پاس آ گئے ہیں۔ عین ممکن تھا کہ وہ دونوں رچرڈ کے جاسوس ہوں مگر شریعت کے مزاج اور ضابطے کا لحاظ کرتے ہوئے سلطان نے ان پر اعتماد کا اظہار کیا اور حسبِ دستور لطف و کرم کا معاملہ کیا۔ ❹

بیروت کا سفینہ انگریزوں کے نرغے میں ﷺ رچرڈ کے آنے کے بعد برطانیہ کے جہاز گرد و نواح کے سمندر میں پھیل گئے تھے اور عکا کے لیے آنے والی ہر ممکنہ مدد کا راستہ بند ہو گیا تھا۔ ادھر سلطان نے حاکم بیروت کو تاکید کی تھی کہ وہ کسی بھی طرح بحری راستے سے خوراک و رسد اور چنیدہ سپاہیوں کی بھاری نفری عکا پہنچانے کا انتظام کرے۔ ظاہر ہے کہ عکا تک عام کشتیوں اور جہازوں کی رسائی تقریباً ناممکن

---

❶ النوادر السلطانیہ: 243
❷ تاریخ مکمل: 202
❸ الکامل فی التاریخ: 10/205
❹ الروضتین: 4/250 والنوادر السلطانیہ: 248

تھی۔ برطانیہ، فرانس اور دیگر صلیبی طاقتوں کے بیسیوں جہاز سمندر میں گشت کر رہے تھے۔ ایسے حالات میں عزالدین اسامہ نے اس ناممکن کو ممکن بنانے کے لئے ایک عجیب منصوبہ سوچا۔ اس نے سینکڑوں کاری گروں کی مدد سے دن رات کام کرا کے ایک دیو پیکر جنگی جہاز تیار کرایا۔ یہ اتنا بڑا جہاز تھا کہ عام بحری جہاز اس کے مقابلے میں کھلونے معلوم ہوتے تھے۔ اس میں تین نہایت بلند و بالا مستول تھے، جہاز کے پہلو سبز اور زرد روغن سے رنگے چمڑے ڈھانکے گئے تھے، یہ چمڑہ سرکے میں بھگویا گیا تھا تاکہ جہاز کی لکڑی آتش گیر مادے سے محفوظ رہے۔ جہاز میں ساڑھے چھ سو آزمودہ کار سپاہی سوار تھے جن کا کپتان یعقوب حلبی نامی ایک امیر تھا۔

رچرڈ کے سپاہیوں نے اس اسلامی سفینے کو عکا کی طرف آتے دیکھا تو وہ مبہوت رہ گئے۔ انہوں نے اتنا عظیم الشان جہاز کبھی نہیں دیکھا تھا۔ برطانوی بیڑے نے راستہ روکنے کی کوشش کی مگر اسلامی بحریہ نے بھرپور جوابی حملوں سے ان کے منہ پھیر دیئے۔ فرنگی جہازوں میں اتنا دم خم نہ تھا کہ وہ اس دیونما جہاز کو روک سکتے، برطانوی ملاح فرار ہو رہے تھے کہ رچرڈ خود آن پہنچا اور اعلان کیا کہ اگر یہ جہاز بچ نکلا تو سپاہیوں کو سولی پر لٹکا دوں گا۔ فرنگی سپاہیوں نے اب دوبارہ کوشش شروع کی۔ ان میں سے کچھ لوگ جرأت کر کے اسلامی جہاز کے عرشے پر چڑھ گئے مگر بیروت کے سپاہیوں نے انہیں مار گرایا۔

آخر فرنگیوں نے رسوں سے بندھے آنکڑے پھینک کر اسلامی جہاز کو کھینچ لے جانے کی کوشش کی مگر بے سود۔ کھلے ہوئے بادبانوں کے ساتھ یہ جہاز ہوا کے رخ پر عکا کی طرف بڑھتا رہا، فرنگی اس کے گرد منڈلاتے اور حملے کرتے رہے۔ جواباً مسلمانوں نے آتش گیر ہتھیار استعمال کر کے برطانیہ کے کئی جہاز پھونک ڈالے جو سب اپنے عملے سمیت غرق ہو گئے۔ ممکن تھا کہ یہ جہاز اسی انداز سے رکاوٹوں کو درہم برہم کرتا ہوا عکا پہنچ جاتا اور عکا میں خوراک اور سپاہ کی کمی خاصی حد تک پوری ہو جاتی مگر تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ کچھ دیر بعد اچانک سمندری ہوا رک گئی اور مسلمانوں کے جہاز کی رفتار مدہم پڑتی چلی گئی، اس موقع سے فائدہ اٹھا کر فرنگیوں نے اسے گھیر لیا۔ برطانوی سپاہی ہر طرف سے پھلانگتے ہوئے جہاز پر چڑھ گئے۔ جہاز کے کپتان یعقوب حلبی نے اعلان کیا:

''اللہ کی قسم! ہم عزیمت کے ساتھ لڑ کر شہید ہوں گے، جہاز کا ایک دانا بھی ان کے ہاتھ لگنے نہیں دیں گے۔''

اب دست بدست جنگ شروع ہو گئی۔ عرشے پر تلواروں سے تلواریں ٹکرا رہی تھیں۔ جبکہ جہاز کے تنگ حصوں میں سپاہی دست و گریباں تھے اور خنجروں کی بجلیاں کوند رہی تھیں، مسلمانوں نے بہتیرے

فرنگیوں کو کاٹ پھینکا مگر آخر کار دشمن کی مسلسل بڑھتی ہوئی تعداد کے سامنے چھ سو پچاس (650) سپاہیوں کی مدافعت دم توڑنے لگی۔

یعقوب حلبی نے بازی ہاتھ سے نکلتے دیکھی تو چند ساتھیوں کے ہمراہ جہاز کے پیندے کی طرف لپکا، ان سب نے کدالیں سنبھالیں اور پے در پے وار کر کے جہاز کو ایک پہلو سے چھیدنے لگے۔ ان کی غیرت گوارا نہیں کرتی تھی کہ اتنے شاندار جہاز پر عیسائی قبضہ کر لیں اور عکا کے فاقہ کش مجاہدین کے لئے جانے والی خوراک دشمنانِ اسلام کے پیٹ میں جائے۔ وہ ہارتے ہارتے بھی دشمن کو شدید زک پہنچانا چاہتے تھے۔ تھوڑی دیر میں ان کی متواتر ضربوں نے پیندے میں ایک بڑا شگاف کر دیا۔ فرنگی جہاز کے عرشے پر فتح کی خوشی منا رہے تھے کہ اچانک جہاز میں تیزی سے پانی بھرنے لگا۔ فرنگی افراتفری کے عالم میں جہاز کو چھوڑ کر اپنی جانیں بچانے لگے مگر بہت سوں کو بچنا نصیب نہ ہوا، تھوڑی دیر میں یہ دیو پیکر جہاز بحیرۂ روم کی گہرائی میں یوں گم ہو گیا جیسے تالاب میں ایک پتھر۔ یہ سانحہ 16 جمادی الاولیٰ 587ھ (10 جون 1191ء) کو پیش آیا تھا۔ ڈوبتے ہوئے جہاز کے عملے میں سے ایک مسلمان کو فرنگیوں نے قیدی بنا لیا تھا، اسے عکا کے ساحل پر آزاد کر دیا گیا تا کہ مسلمان اس حادثے کی خبر سن کر غمگین ہوں۔ اس اطلاع نے مسلمانوں ازحد رنجیدہ کر دیا اور عکا کے مسلمانوں کی نبضیں ڈوبنے لگیں۔ ادھر معسکر سلطانی کے سپاہی بھی عکا کو ہاتھ سے نکلتا محسوس کر رہے تھے۔ خود سلطان ایوبی پر ایک صدمے کی کیفیت طاری تھی اس کے باوجود وہ تقدیر الٰہی پر راضی برضا تھے اور اپنی فکری و عملی قوتیں اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کر رہے تھے۔

قاضی بہاؤ الدین کے بقول یہ سقوطِ عکا کی تیسری علامت تھی۔ ❶

خوفناک دبابہ: جس دن یہ جہاز ڈوبا اس سے چند دن پہلے فرانس کے لائے ہوئے آلاتِ محاصرہ میدان میں آ گئے تھے۔ بڑی بڑی منجنیقیں بھاری پتھروں کو عکا کی طرف اچھالتی رہتی تھیں جو فصیل کو کمزور کرتے یا عکا کے رہائشی مکانات کو تہہ و بالا کر دیتے۔ اس دوران فرنگیوں نے عکا کی خندق کے بعض حصے بھی پاٹ ڈالے تھے۔ وہ ایک نیا دبابہ میدان میں اتار چکے تھے، اس کی چار منزلیں تھیں، ہر منزل لکڑی کے مضبوط تختوں کی بنی ہوئی تھی، اس چوبی ڈھانچے کی حفاظت کے لئے دوسری منزل پر سیسے کی، تیسری منزل پر فولاد کی اور چوتھی منزل پر پیتل کی چادریں نصب کی گئی تھیں۔ جن سے لکڑی کا ڈھانچہ بالکل چھپ گیا تھا۔ عکا کے مسلمانوں کی طرف سے پتھروں اور تیروں کی بوچھار کے باوجود فرنگیوں نے اس ہیبت ناک دبابے کو خندق کے پاٹے گئے حصے سے گزار کر عکا کی فصیل کے

❶ النوادر السلطانیہ ص 244، البدایۃ والنہایۃ: 10/205

بالکل ساتھ کھڑا کردیا تھا۔فصیل سے اس کا فاصلہ صرف پانچ ہاتھ (ساڑھے سات فٹ) تھا۔اس مینار نما متحرک قلعے میں چھپے ہوئے بیسیوں سپاہی موقع ملتے ہی فصیل پر کود سکتے تھے کیوں کہ اس کی بالائی منزل فصیل عکا کی بنسبت بلند تھی۔

عکا کے محافظ کئی دن سے اس دبابے کو نذرِ آتش کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے مگر چمڑے، سیسے اور فولاد کے اس پہاڑ پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔آخر مسلمانوں نے اس پر آگ برسانا بند کر کے روغن نفط کے مٹکے پھینکنا شروع کیے، دبابے کا کچھ نہ
بگڑا، مٹکے اس سے ٹکرا کر پھوٹ جاتے اور فرنگی قہقہے لگا کر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے۔عکا کے جانبازوں نے کئی دن رات تک یہ سلسلہ جاری رکھا، اب آہنی دبابے کا اندرونی چوبی ڈھانچہ بھیگنے لگا۔

16 جمادی الاولیٰ (10 جون) کو جس دن بیروت کا عظیم الشان سفینہ غرق ہوا تھا، مسلمانوں نے نصرتِ الٰہیہ کا عجیب کرشمہ دیکھا۔عکا کے منجنیق اندازوں نے امکانی کوشش کے طور پر درخت کے ایک بڑے تنے کو آتش گیر مادے سے تر کر کے آگ لگادی، پھر یہ تنا منجنیق میں رکھ کر دبابے پر پھینکا گیا۔ دھڑادھڑ جلتا ہوا تنا جوں ہی دبابے سے ٹکرایا، دبابہ شعلوں میں گھر گیا۔چند لمحوں میں اس نے آگ کے ایک مہیب الاؤ کی شکل اختیار کرلی جس کی لپٹیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں، دبابے میں موجود صلیبی جل کر کباب ہوگئے۔

اس کامیابی نے عکا سے لے کر سلطان کے خیمہ گاہ تک ان مسلمانوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑادی جو کچھ دیر پہلے اپنے بہترین بحری جہاز کی غرقابی پر افسردہ تھے۔تکبیر کی ولولہ انگیز گونج ثابت کر رہی تھی کہ مسلمانوں کے حوصلے ابھی بھی بلند ہیں۔ [1]

<u>عکا پر بڑا حملہ۔ سلطان کی جوابی کاروائی</u>⁂ صلیبی بڑے حملے کے لئے رچرڈ کے بستر علالت سے اٹھنے کا انتظار کر رہے تھے جبکہ رچرڈ اپنی بقیہ فوج اور آلاتِ محاصرہ کا منتظر تھا۔اس کا بخار اترنے میں نہیں آرہا تھا۔آخر صلیبیوں نے فلپ آگسٹس کی قیادت میں عکا پر حملے کا فیصلہ کرلیا۔ [2]

جمعہ 19 جمادی الاولیٰ 587ھ (13 جون 1191ء) کو صلیبی چھاؤنی کے ایک طرف سے عکا کی فصیل پر پتھر برسائے جانے لگے۔ساتھ ہی فرنگی پیادوں اور گھڑسواروں نے صفیں بنا کر عکا کا رخ کیا۔مسیحی رزم نگار ایمبروز کے بقول:

<u>"نائٹوں کے جھنڈے گنے نہیں جاسکتے تھے،</u> اس سے قبل ہم نے نامور نائٹوں کے اتنے زیادہ

[1] النوادر السلطانیہ: 245 [2] صلیبی جنگیں: 204

نشان اور مرصع علم ایک ساتھ کبھی نہیں دیکھے تھے۔"

فوج کے آگے آگے ایک خچر گاڑی پر ایک بہت لمبے بانس کے ساتھ فرانس کا نشان نصب تھا جو شہر کی فصیل سے بھی اونچا تھا۔ حملہ آوروں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی جبکہ شہر کی مدافعت کرنے والے صرف پانچ چھ ہزار مسلمان تھے۔

جوں ہی نصرانیوں کا یہ سیلاب عکا پر حملہ آور ہوا عکا کے سپاہیوں نے نقارے بجا کر سلطان کو اطلاع دے دی۔ ادھر سے بھی جواب میں نقارے بجائے گئے۔ سلطان ایوبی آناً فاناً فوج کو لے کر آندھی کی طرح نصرانیوں کی چھاؤنی پر ٹوٹ پڑے، انہوں نے چھاؤنی کا محاصرہ کر کے اس پر اس شدت سے حملے کیے کہ صلیبی بعض مقامات سے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ سلطان کے بہت سے جانباز سپاہیوں نے موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خندق عبور کر لی اور بہت سے بہادر چھاؤنی کی نیم پختہ دیواروں کو مزاحمت سے خالی پا کر انہیں پھلانگ گئے۔ دو سالہ جنگ میں سلطان کے سپاہیوں کو چھاؤنی میں گھسنے کا یہ پہلا موقع ملا تھا ا کثر صلیبی عکا پر حملے کے لیے جا چکے تھے۔ اس لیے پیچھے چھاؤنی کی حفاظت کے لیے زیادہ فوج نہیں تھی۔ مسلمانوں نے اندر جاتے ہی دشمنوں کے خیموں کو گرانا شروع کر دیا اور خیموں کے سامنے چولہوں پر چڑھی دیگوں کو الٹ دیا۔ فرنگی افراتفری کے عالم میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ آخر انہوں نے عکا پر حملہ کرنے والے سپاہیوں کو واپس بلا کر خود کو منظم کیا اور سلطانی سپاہ سے لڑنے کی تیاری کی۔

چھاؤنی کے اندر گھسنے والے سلطان کے جانبازوں کی تعداد اتنی نہیں تھی کہ وہ منظم اور بکثرت سپاہ کا مقابلہ کر سکتے۔ ویسے بھی ان کا مقصد بھی دشمن کو عکا پر حملے سے باز رکھنا تھا جو پورا ہو چکا تھا۔ اب ان کا اندر ٹھہرنا خطرناک تھا لہٰذا وہ ایک ترتیب کے ساتھ الٹے قدموں واپس ہوئے اور چھاؤنی کی دیوار پھلانگتے ہوئے باہر نکل گئے۔

مسلمانوں کا چھاؤنی میں گھس کر صلیبیوں کے خیموں کو تاراج کر دینا، فلپ اور رچرڈ جیسے بادشاہوں کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ انہوں نے اسی وقت میدان میں نکل کر مسلمانوں پر جارحانہ حملے کا فیصلہ کیا، چنانچہ تھوڑی ہی دیر بعد وہ قطار در قطار چھاؤنی سے باہر نکلے اور صفیں بنا کر سلطان کی فوج پر ٹوٹ پڑے تاہم سلطان کی سپاہ نے قدم جما کر بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا اور ان کی ایک نہ چلنے دی۔ دن بھر کی شدید خون ریزی کے باوجود صلیبیوں کا ریلا سلطان کی فوج کو ایک انچ پیچھے نہ ہٹا سکا۔ [1]

اس دن مازندران کا ایک مشہور رئیس طویل مسافت طے کر کے جہاد میں شرکت کے لیے محاذ پر آیا

[1] النوادر السلطانیہ، ص: 246

تھا۔ اس وقت جنگ جاری تھی، اس نے سلطان سے جہاد میں شرکت کی اجازت لی اور فوراً معرکۂ کارزار میں کود گیا، قسمت میں شہادت کا شرف لکھا تھا، اس لیے صلیبیوں پر بڑی شدت سے حملہ کیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔[1]

رچرڈ۔ سلطان ایوبی سے ملاقات کا خواہش مند: رچرڈ نے سلطان صلاح الدین کی معرکہ دانی اور جرأت و استقلال کی بڑی تعریف سنی تھی، اب وہ اپنی آنکھوں سے اس کا کھلا مظاہرہ دیکھ رہا تھا۔ وہ مسلمانوں کے اس عظیم قائد کو دیکھنے کی شدید خواہش محسوس کرنے لگا جس کے عزم و ہمت اور تدبر و سیاست نے دو برس سے یورپ کی افواج کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ اس من چلے بادشاہ کے جی میں نہ جانے کیا آئی کہ دوران جنگ اس نے اچانک ایک قاصد کو سلطان کی طرف دوڑا دیا۔ قاصد نے سلطان کے بھائی الملک العادل کی معرفت باریابی کی اجازت حاصل کی۔ جب وہ سلطان کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو الملک العادل اور الملک الافضل بھی ساتھ تھے۔ قاصد نے سلطان سے کہا کہ اس کا آقا شاہ رچرڈ سلطان عالی وقار سے ملنا چاہتا ہے۔ سلطان نے اس بچکانہ خواہش کی تکمیل کو نامناسب قرار دیتے ہوئے بڑی متانت کے ساتھ جواب دیا:

''بادشاہ آپس میں شاہی آداب و قواعد کے مطابق ملاقات کرتے ہیں۔ جب وہ باہم مل بیٹھیں اور مجلس طعام میں شریک ہو جائیں تو اس کے بعد جنگ جاری رکھنا انہیں زیب نہیں دیتا۔ اگر آپ کے آقا جنگ بندی چاہتے ہیں تو اس سے پہلے صلح کے قاعدے اور نکات طے ہو جانا ضروری ہیں، اس کے علاوہ ایک قابل اعتماد ترجمان کا ہونا بھی ضروری ہے جس پر مکمل اعتماد کیا جا سکے اور جو میری گفتگو اُن کو اور اُن کی مجھے سمجھا سکے۔ اسی ترجمان کو دونوں کے مابین سفیر کا کردار ادا کرنا چاہیے۔ جب یہ باتیں طے ہو جائیں گی تو پھر ان شاء اللہ ملاقات بھی ہو جائے گی۔''[2]

رچرڈ کی طرف سے پُرفریب گفت و شنید: اگلے دن صلیبی چھاؤنی میں سناٹا چھایا رہا...... گزشتہ دن کے زوردار معرکے میں اُن کا جانی نقصان توقع سے کہیں بڑھ کر ہوا تھا...... اب وہ یورپ سے مزید افواج کا انتظار کر رہے تھے، پھر رچرڈ بھی اب تک بستر علالت پر تھا۔ اس کی قائدانہ صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس کی صحت یابی کی دعائیں کی جا رہی تھیں۔ رچرڈ کا دوسرا بیڑہ جس پر آلات محاصرہ لدے ہوئے تھے ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ وہ سلطان سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کر چکا تھا جبکہ سلطان نے قدرے بے نیازی کا انداز اختیار کر کے اس معاملے کو محتاط اور طے شدہ طریق کار کے

[1] النوادر السلطانیہ: 246

[2] النوادر السلطانیہ: 246، 247

مطابق انجام دینے کی ضرورت ظاہر کی تھی۔ دراصل سلطان اور ان کے مشیروں کو اندازہ ہو چلا تھا کہ رچرڈ کسی سنجیدہ گفتگو کا خواہاں نہیں، وہ محض دل لگی کر رہا ہے یا مسلم قیادت کا وقت ضائع کرنا چاہتا ہے۔ کاتب عماد اصفہانی لکھتے ہیں:

''فرنگیوں کی جانب سے سلطان کو بار بار مراسلے بھیجے جانے لگے جو محض وقت گذاری کا بہانہ تھے، ان کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔''

نیز وہ فرماتے ہیں: ''ان مراسلوں سے فرنگیوں کا مقصد مسلمانوں کے عزائم کو کمزور کرنا اور اوقات ضائع کرنا تھا کیوں کہ وہ (مذاکرات کے باوجود) شہر کے محاصرے، پے در پے سنگ باری اور بھرپور حملوں میں مصروف تھے۔''[1]

بہرحال رچرڈ کا سفیر کچھ دنوں بعد دوبارہ سلطان کے معسکر پہنچا، الملک العادل سے اس کی خاصی بے تکلفی ہو چکی تھی، اس کی وساطت سے اس معاملے پر دوبارہ غور کیا گیا، طے یہ ہوا کہ رچرڈ کی پیش کش قبول کر لی جائے۔ وادی کی چراگاہ میں دونوں افواج نیم دائرے کی شکل میں آمنے سامنے کھڑی ہوں اور ان کے درمیان دونوں بادشاہوں کی ملاقات ہو، ترجمان ان کی گفتگو کا ترجمہ کرتا رہے۔ سلطان صلاح الدین کی جانب سے ملاقات کی اجازت دے دی گئی اور یہ طریق کار طے ہو گیا مگر اس کے بعد رچرڈ کا سفیر کئی دنوں تک غائب رہا۔ افواہ پھیل گئی کہ دیگر صلیبی حکمرانوں نے اس ملاقات کو دینِ مسیح کے لئے خطرناک قرار دے کر رچرڈ کو اس سے منع کر دیا ہے۔

<u>رچرڈ کا پیغام اور تحائف کا تبادلہ</u>: مگر ایک دن رچرڈ کا سفیر دوبارہ حاضر ہوا، رچرڈ نے کہلوایا تھا:

''میری جانب سے ملاقات میں تاخیر کا سبب وہ نہیں ہے جس کی افواہ پھیلی ہوئی ہے۔ میں اپنے معاملات کا مختار خود ہوں۔ میری لگام کسی اور کے ہاتھ میں نہیں۔ تاخیر کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں ان ایام میں بیمار ہوں لہٰذا میرے لئے نقل و حرکت کرنا مشکل ہے۔ تاخیر کا سبب بس یہی ہے اور کچھ نہیں۔ ہاں بادشاہ ہونے کی روایت ہے کہ جب فاصلے سمٹ جائیں تو ایک دوسرے کو تحائف دیا کرتے ہیں، میرے پاس سلطان کے لئے ایک مناسب ہدیہ ہے۔ اگر اجازت ہو تو روانہ کر دوں۔''

الملک العادل نے جو سلطان کی جانب سے رچرڈ کے سفیر سے گفت و شنید پر مقرر تھا، جواب میں کہا:

''ہم ہدیہ اس شرط پر قبول کریں گے کہ ہمیں بھی شاہ انگلستان کی خدمت میں ہدیہ بھیجنے کا

[1] الروضتین: 4/254

موقع دیا جائے۔"

سفیر نے شرط قبول کرتے ہوئے کہا:

"ہمارا تحفہ ایک قسم کا شکاری جانور ہے چوں کہ وہ سمندر پار سے لایا گیا ہے اس لئے کمزور ہو گیا ہے۔ بہتر ہوگا کہ آپ ہمیں کچھ پرندے اور مرغیاں وغیرہ بھجوائیں تا کہ ہم پہلے اسے کھلا پلا کر تگڑا کر دیں اس کے بعد آپ کی خدمت میں پیش کریں۔"

الملک العادل بڑا خوش مزاج اور حاضر جواب آدمی تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا:

"لگتا ہے شاہِ انگلستان اس بہانے خود مرغیاں تناول فرمانا چاہتے ہیں۔"

گفتگو کے آخر میں سفیرِ انگلستان نے پوچھا:

"آپ ہم سے کیا توقعات رکھتے ہیں؟ اگر آپ کوئی بات شاہ انگلستان تک پہنچانا چاہتے ہیں تو ضرور بتایئے، ہم بغور سنیں گے۔"

سفیر اس طرح اپنی حکومت کو ایک اونچے مقام پر رکھ کر مسلمانوں کو ضرورت مند کی حیثیت دینا چاہتا تھا..... مگر اسے یہ صاف جواب ملا:

"ہم نے آپ کو نہیں بلایا تھا، آپ نے خود ہم سے بات چیت کی ضرورت محسوس کی ہے اور ہمیں طلب کیا ہے، اگر آپ کو کوئی بات کہنی ہے تو ضرور کہیے، ہم اسے سن رہے ہیں۔"[1]

اس گفتگو کے بارے میں قاضی ابن شداد فرماتے ہیں:

"رچرڈ کی جانب سے بار بار پیام بھیجے جانے کے پیچھے یہ مقصد کارفرما تھا کہ وہ ہماری بلند ہمتی یا پست ہمتی کا اندازہ لگائے اور اس کے پیغامات سننے سے ہماری غرض بھی یہی تھی کہ اس کی کیفیات کا اندازہ لگائیں۔"[2]

یعنی دونوں فریق ایک دوسرے کی نفسیاتی جانچ کر رہے تھے۔ تاہم نمائندوں کی آخری ملاقات کے جملوں سے صاف طور پر جھلکتا ہے کہ مسلمان خوددار اور باوقار رویہ اپنائے ہوئے تھے جس میں کسی عاجزی اور مطلب پرستی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ یہ اخلاق دشمنوں پر نفسیاتی فتح کا سب سے بڑا ہتھیار تھے۔

6 جمادی الاخریٰ 537ھ (30 جون 1191ء) کو رچرڈ کا سفیر ایک مصری قیدی کو ساتھ لئے حاضر خدمت ہوا۔ یہی شاہِ انگلستان کا "خاص تحفہ" تھا۔ سلطان نے اسے بڑی مسرت کے ساتھ قبول کیا۔ سفیر کو جوابی تحائف کے ساتھ بڑے اعزاز و اکرام کے سے واپس بھیجا گیا۔[3]

[1] النوادر السلطانیہ: 250
[2] النوادر السلطانیہ: 251
[3] النوادر السلطانیہ: 250، 251

رچرڈ کی آمد کے بعد صلیبی افواج کی تعداد ✿ رچرڈ صلیبی جنگ میں شرکت کے لئے پہنچنے والا آخری حکمران تھا۔اس کی آمد کے بعد صلیبی لشکر کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔مگر صلیبیوں کی یہ زیادہ سے زیادہ تعداد کیا تھی؟ رچرڈ اور فلپ کے آنے کے بعد بعض مورخین نے انہیں چھ لاکھ تک شمار کیا ہے۔قاضی بہاؤالدین ابن شداد نے ذکر کیا ہے کہ صلح نامہ رملہ کے موقع پر میں نے صلیبیوں کے مشہور نواب بالیان سے ان کی سپاہ کی کل تعداد دریافت کی تو اس نے کہا:

"حاکم صیدا نے پانچ لاکھ کا اندازہ لگایا ہے اور میرا خیال ہے کہ؛ چھ لاکھ تھے۔"[1]

علامہ ابن اثیر نقل کرتے ہیں کہ صلح رملہ کے دن بالیان نے خود سلطان کو بتایا تھا کہ ہماری کل تعداد چھ لاکھ تھی۔[2]

عجیب بات یہ ہے کہ سلطان کے سوانح نگاروں اور اس دور کے مؤرخین میں سے کسی نے سلطان کی افواج کی تعداد بیان نہیں کی۔معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے جنگی مصلحتوں کے تحت اپنی افواج کے اعداد و شمار کو ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا تاہم اندازہ یہ ہے کہ سلطان کی افواج میں 50 سے 60 ہزار تک سپاہی تھے۔

خنجر کی نوک پر ✿ سلطان کے قبائلی رضا کار صلیبی چھاؤنی میں برابر کارروائیاں کر رہے تھے۔ان میں بہت سے پیشہ ور مجرم بھی تھے،اسی لئے اس گروہ کو"لصوص" کہا جاتا تھا مگر یہ لوگ جنگ کے دوران بہت کام آتے تھے۔یہ رضا کار رات کی تاریکی میں غیر معروف راستوں سے فرنگی چھاؤنی میں گھس جاتے تھے۔دبے پاؤں چلتے ہوئے ان کے خیموں میں داخل ہوتے،ان کے ساز و سامان،کپڑوں، ہتھیاروں اور روپے پیسے کو سمیٹ کر گٹھڑیاں باندھتے۔اگر کسی خیمے میں انہیں کوئی شخص اکیلا سویا ہوا مل جاتا تو اس کی شہ رگ پر تیز چاقو رکھ کر اسے آہستہ سے جگاتے۔پھر اشارے سے اسے دھمکاتے کہ اگر آواز نکالی تو ذبح کر دیئے جاؤ گے۔بے چارہ سہم کر چپ رہتا۔یہ رضا کار خنجر کی نوک پر اسے اپنے ساتھ ہانکتے ہوئے اپنے پڑاؤ میں لے آتے۔کتنے ہی ایسے فرنگی تھے جو راتوں رات یوں غائب ہو کر

---

[1] النوادر السلطانیہ: ص 50، 51 باب ذکر صلح

[2] الکامل فی التاریخ: 10/218 تحت 588 ہجری

[illegible]

مسلمانوں کی قید میں آ گئے جبکہ ادھر صلیبی انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے تھے۔ ❶

دو معرکے ✿ چند دن بعد فرنگیوں نے طے کیا کہ عکا کے صرف ایک پہلو پر پوری طاقت صرف کی جائے۔ 28 جمادی الاولیٰ 587ھ (22 جون 1191ء) کو وہ عکا کی شمالی جانب جمع ہونے لگے۔ سلطان نے اطلاع پاتے ہی معمول کے مطابق چھاؤنی پر باہر سے حملے شروع کر دیئے۔ غروب آفتاب تک شدید جنگ جاری رہی، فرنگی اس دن بھی عکا پر فیصلہ کن حملہ کرنے میں ناکام رہے۔

اگلے دن دشمنوں کی پیادہ افواج نے چھاؤنی سے باہر نکل کر جنوب کی طرف پیش قدمی کی اور دریائے عکا کے کنارے سلطان کے ہراول دستوں سے ٹکر لی۔ دونوں فوجوں نے بڑے جوش وجذبے کے ساتھ شمشیر وسناں کے جوہر دکھائے۔ صلیبی جنگجو جلد از جلد جنگ کا فیصلہ چاہتے تھے۔ عکا پر قبضے میں اب تک ناکامی ان کے حلق کی پھانس بن کر رہ گئی تھی، اس جھنجھلاہٹ کا اندازہ ان کی سنگدلانہ حرکتوں سے ہونے لگا تھا۔ اس دن کی جھڑپ میں ایک پیادہ مسلمان سپاہی قید ہو گیا صلیبیوں نے اسے سرعام زندہ جلا دیا، جواباً مسلمانوں نے بھی ان کے ایک قیدی کو، جسے اسی دن گرفتار کیا گیا تھا، جلا کر مار ڈالا۔ قاضی ابن شداد کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک ہی وقت میں ایک طرف مسلمان قیدی جل رہا تھا اور دوسری طرف فرنگی قیدی کو سوختہ کیا جا رہا تھا۔ ❷

اسلامی شہروں سے کمک ✿ چند دنوں بعد تازہ دم اسلامی افواج کی کمک آنے لگی۔ 30 جمادی الاولیٰ 587ھ (24 جون 1191ء) کو سنجار سے جہاد کے دلدادہ متقی اور معاملہ فہم امیر مجاہد الدین برنقش کی قیادت میں ایک فوج آئی، سلطان نے اسے میسرہ میں شامل کر دیا۔ پھر جمادی الاخریٰ (24 جون) کو علم الدین کرجی اور سیف الدین سنقر مصر کی فوجیں لے کر پہنچے۔

اسی دن موصل کا حاکم علاؤ الدین مسعود بنفس نفیس ایک لشکر لے کر وارد ہوا۔ سلطان کو اس سے غیر معمولی مسرت ہوئی، انہوں نے آگے بڑھ کر کوہ خروبہ کی بلندیوں پر حاکم موصل کا شاندار استقبال کیا اور گراں قدر تحائف پیش کیے۔ سلطان نے کوہ خروبہ کی بلندیوں پر ان معزز مہمانوں کے ساتھ شب گزاری اور اگلے دن انہیں عیاضیہ کی خیمہ گاہ میں لے آئے جہاں سے محاذ جنگ صاف نظر آ رہا تھا۔ موصل کی اس فوج کو لشکر کے دائیں بازو میں جگہ دی گئی۔ 3 جمادی الاخریٰ (27 جون) کو مصر سے مزید فوج پہنچ گئی۔ ❸

تقی الدین عمر کہاں تھا؟ ✿ اب افرادی قوت کے لحاظ سے سلطان کی حالت مضبوط ہو گئی تاہم یہ امر پریشان کن تھا کہ اب تک تقی الدین عمر واپس نہیں آیا تھا۔ وہ فرات کی ساحلی جاگیروں کا انتظام

❶ النوادر السلطانیہ: 248　❷ النوادر السلطانیہ: 247، 248　❸ النوادر السلطانیہ: 248

سنبھالنے کے بعد خواہ مخواہ اردگرد کی بعض ریاستوں کو اپنی قلمرو میں شامل کرنے کی تگ ودو میں مصروف ہوگیا تھا۔ تقی الدین عمر کے اس نامناسب طرزِ عمل سے عراق اور دیار بکر کی کئی ریاستوں کے امراء خوفزدہ ہوگئے۔ دیار بکر سے سلطان کو بھاری تعداد میں کردوں کی کمک ملا کرتی تھی مگر یہاں کے امراء بھی اب اس خدشے سے عکا کے محاذ پر آنے سے گریزاں تھے کہ کہیں ہماری عدم موجودگی میں تقی الدین عمر ہمارے علاقوں پر قبضہ نہ کرلے۔ سلطان ایوبی کو ان اطلاعات سے سخت تشویش محسوس ہورہی تھی کہ تقی الدین عمر جیسا جہاندیدہ مجاہد عکا کے محاذ پر دادِ شجاعت دینے کی بجائے ملک گیری میں اس طرح منہمک تھا کہ اس کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی جہاد سے پیچھے ہٹ رہے تھے۔ سلطان کے دل میں تقی الدین عمر کا بڑا احترام تھا مگر اس کے باوجود اس موقع پر ان کے منہ سے نکلا:

"بلاشبہ یہ شیطان کا اثر ہے کہ اس قدر نازک وقت میں تقی الدین ایسے ناپسندیدہ کام میں مشغول ہوگیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ کہیں اسی سال کسی حادثے کا شکار نہ ہوجائے، کیونکہ اس نے نیکی کی ضرورت کے موقع پر بدی کی ہے۔"[1]

سلطان کے یہ الفاظ سچ ثابت ہوئے۔ تقی الدین عمر کو دوبارہ میدانِ جنگ میں آنا نصیب نہ ہوا۔ وہ اس مہم کے دوران ایسا بیمار ہوا کہ بستر سے لگ کر رہ گیا۔

<u>کونرڈ کا فرار</u>: جس دن سلطان کو تازہ دم افواج کی کمک ملی اسی دن فرنگیوں کو ایک شدید صدمہ پہنچا۔ ان کا بہترین سالار اور عیاروں کا عیار کونرڈ مارکوئیس چپکے سے اپنے شہر صور کی طرف واپس روانہ ہوگیا۔ دراصل فرانس اور برطانیہ کے بادشاہوں کی آمد کے بعد وہ طرح طرح کے خدشات کا شکار ہوگیا تھا۔ وہ خود کو صلیبی جنگ کا اصل ہیرو ثابت کرنے اور جنگ کے بعد القدس کی بادشاہت حاصل کرنے کے خبط میں جلا تھا اور گائی کو تختِ یروشلم کا حق دار ماننے سے انکار کرتا تھا مگر فرانس اور برطانیہ کے بادشاہ مارکوئیس کی اس سوچ کے مخالف تھے اس لیے مارکوئیس نے سوچا: کہیں یورپی حکمران گائی کا پلہ بھاری کرنے کیلئے مجھے قید نہ کرلیں۔ اس خدشے نے اس کے قدم اکھاڑ دیئے۔ صلیبی جنگ کے ہیرو کی جگہ بدنام قیدی بننے کا تصور ایسا ہولناک تھا کہ اس نے صور جا کر ہی دم لیا۔ صلیبی قائدین نے اسے سمجھانے بجھانے کے لئے پادری بھیجے مگر وہ کسی طرح مطمئن نہ ہوا۔[2] ادھر شاہ فرانس بھی بیمار پڑ گیا تھا۔ وبائی بخار نے اسے آلیا تھا، کاؤنٹ اوف فلانڈرز اس مرض میں چل بسا تھا۔ رچرڈ کی حالت بھی تشویش ناک تھی۔[3]

---

[1] کتاب الروضتین: 4/ 253

[2] النوادر السلطانیہ: 240

[3] النوادر السلطانیہ: 240، صلیبی جنگیں: 202

کچھ دنوں بعد یورپ سے مزید جہاز آ گئے۔ کچھ میں رچرڈ کے آلات محاصرہ تھے جبکہ کچھ جہاز فرانس کی بقیہ افواج کو لے کر آئے تھے۔ دو معروف یورپی سالار اینڈریو اوف شوینگی اور رابرٹ ارل آف لیسٹر بھی انہی جہازوں میں آئے تھے۔[1] اس سامان جنگ کے ساتھ فرانس اور برطانیہ کی سپاہ نے عکا پر زوردار حملے شروع کر دیے۔

عجیب وغریب محاصرانہ جنگ ❊ جون کی جھلسا دینے والی گرمی اور جنگ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں وادیٔ عکا تپ رہی تھی۔ سورج شعلے برسا رہا تھا اور صلیبیوں کی منجنیقیں فصیل کو شکستہ کر رہی تھیں۔ عیسائی گھڑسوار گرد وغبار اڑاتے بار بار عکا کی خندق تک جا پہنچتے۔ پیادے کسی نہ کسی طرح فصیل پر چڑھنے کی کوشش کرتے، فرنگی کئی مقامات سے خندق کو پاٹنے میں جتے ہوئے تھے۔ اپنے سپاہیوں کی لاشیں، مرے ہوئے مویشی، خنزیر، گھوڑے اور ہر وہ چیز جو ان کے لئے بیکار تھی خندق میں ڈالی جا رہی تھی۔ خندق کی گہرائی روز بروز کم ہو رہی تھی۔ شہر کے محصور مسلمان کئی حصوں میں تقسیم ہو کر یہ عجیب وغریب جنگ لڑ رہے تھے۔

سپاہیوں کا ایک دستہ تیر اندازی اور منجنیقوں سے سنگ باری کر کے فرنگیوں کو خندق سے دور رکھنے میں معروف تھا۔ دوسرا دستہ جان پر کھیل کر خندق میں اتر گیا تھا۔ یہ دستہ نصرانیوں کی پھینکی ہوئی لاشیں نکال کر خندق کو خالی کرنے پر مامور تھا۔ ان حد درجہ متعفن لاشوں کو خندق کی گہرائی سے نکالنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ مسلمان فرنگیوں کے تیروں اور پتھروں سے بچتے بچاتے خندق میں کودتے، خنجروں سے ان انسانی اور حیوانی لاشوں کو کاٹ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کرتے جو پھول کر پھٹنے کے قریب تھیں۔ ایک اور دستے کے سپاہی یہ ناقابل برداشت حد تک بدبودار ٹکڑے خندق کے کنارے سے اٹھا کر لے جاتے اور عکا کے بازار اور گلیوں سے گزر کر انہیں سمندر میں پھینکتے جاتے۔[2]

نئے آلات۔ نئے حربے ❊ نئے نئے آلات حرب سے لڑی جانے والی عکا کی جنگ سنسنی خیز انجام کی طرف جا رہی تھی۔ رچرڈ نے دو مار منجنیقیں نصب کرا رکھی تھیں جن میں ایک اتنی بڑی تھی کہ عکا کے درمیان شہری آبادی تک کا نشانہ لے سکتی تھی۔ اس کے علاوہ دو بڑی گوپھنیں (فلاخنیں) تھیں جو دن رات شہر پر سنگ باری کرتی تھیں۔ ان کے ایک ایک پتھر کی ضرب سے دس دس بارہ بارہ آدمی کچلے جاتے تھے۔ ایک مشین جسے بیل فرائی (Belfry) کہا جاتا تھا، عکا پر تابڑ توڑ حملے کر رہی تھی۔ اس مشین پر منجنیق کے پتھر یا آگ کوئی شے اثر نہیں کرتی تھی۔ ایک آلۂ حرب ایسا تھا جو فصیل سے چپک جاتا تھا، حملہ آور اس پر چڑھ کر فصیل پر قبضے کی کوشش کرتے تھے۔ اس عجیب آلے کو ''بلی'' کا نام دیا گیا۔

[1] صلیبی جنگیں: 205 [2] صلیبی جنگیں: 210۔211، النوادر السلطانیہ: 261

شاہ فرانس فلپ نے جور چرڈ سے پہلے صحت یاب ہو گیا تھا ایک اور مشین تیار کرائی، اسے "برے پڑوسی" کا نام دے کر فصیل کے سامنے نصب کر دیا گیا۔ اہل عکا نے اسکے مقابلے میں "برے رشتہ دار" کے نام سے ایک مشین تیار کی اور "برے پڑوسی" کو تباہ کر دیا۔ فلپ نے "برا پڑوسی" دوبارہ بنوایا اور "برے رشتہ دار" کو توڑ پھوڑ ڈالا۔ اس کی ایک گوپھن سے برسنے والی چٹانوں نے فصیل کا تقریباً گیارہ گز لمبا حصہ شکستہ کر دیا تھا۔ (1)

شہر کا "عین البقر" نامی برج جو سنگ باری کا خاص ہدف تھا، خاصا کمزور ہو چکا تھا۔ (2)

عکا کی وادی میں دن رات صلیبیوں کی ان مشینوں اور آلات کی کھڑکھڑاہٹ گونجتی رہتی۔ فرنگیوں کو اگر کسی چیز سے خطرہ محسوس ہوتا تھا تو وہ مسلمانوں کے آتش گیر ہتھیار تھے جنہیں وہ "یونانی آگ" (گریک فائر) کہتے تھے۔ عکا کے مسلمان انہی ہتھیاروں کی مدد سے اب تک کامیاب مدافعت کرتے آرہے تھے۔ فرنگی مشین سازی میں مہارت کے باوجود فن کیمیا میں بہت پیچھے تھے۔ انہیں مدتوں تک اس فارمولے کا علم نہ ہو سکا جس سے یہ آتشیں مواد تیار کیا جاتا تھا جب کہ مسلمان مدتوں پہلے گندھک اور روغن نفط کو ملا کر آتش باری کا یہ فن سیکھ چکے تھے۔

عکا کے جانبازوں کو آتشیں مواد تیار رکھنے کے لئے مطلوبہ کیمیائی اجزاء کی ضرورت پڑتی رہتی تھی۔ سلطان کی جانب سے ماہر تیراکوں کو اس خطرناک کام کے لئے بھیجا جاتا تھا۔ وہ روغن نفط کے مرتبان اور گندھک کے تھیلے اٹھا کر سمندر میں غوطہ لگاتے اور فرنگیوں کے جہازوں کے نیچے سے گذر کر عکا کی بندرگاہ پر جا نکلتے۔ مگر فرنگیوں کو خاصی مدت بعد اس زیر آب سرگرمی کا علم ہو گیا۔ تب انہوں نے سمندر میں جگہ جگہ جال پھیلا دیئے جس کے بعد بہت سے تیراک پکڑے جانے لگے۔ (3)

صلیبیوں نے عکا پر حملے کے لئے ایک اور عجیب وغریب حربہ بھی آزمایا۔ انہوں نے اپنی خیمہ گاہ سے عکا کی فصیل تک ایک پل نما سڑک تعمیر کرنا شروع کی۔ یہ پہلے پہل دیکھنے میں مستطیل سا احاطہ معلوم ہوتا تھا۔ فرنگی اس میں مٹی کی بھرائی کرتے رہے، شہتیروں اور تختوں سے اسے مضبوط کرتے رہے۔ یہ پل فرنگی خیمہ گاہ سے فصیل عکا کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس کی بلندی میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔ اس کی بالائی سطح کو پتھروں سے پاٹ دیا گیا تھا۔ (4)

---

(1) سوانح صلاح الدین لین پول:216، صلاح الدین اور سلطنت ایوبیہ:261
(2) الروضتین:4/247
(3) سکیا ملکی:200، 207، صلاح الدین اور سلطنت ایوبیہ:106، 107
(4) الروضتین:4/260

ہزاروں مزدور، غلام اور سپاہی خیمہ گاہ سے مٹی ڈھو کر اس پل پر چڑھتے چلے جاتے اور اس کے آخری سرے پر پہنچ کر مٹی گراتے رہتے یہاں تک کہ وہ حصہ بھی پل کی سطح کے برابر آجاتا۔ اس عجیب وغریب پل میں جگہ جگہ مٹی کے گول برج بھی تھے جن میں چھپ کر جنگ کی جاسکتی تھی۔ آخر یہ پل نما مورچہ بڑھتے بڑھتے عکا کی فصیل سے تیر کی نصف مار (تقریباً دو سو میٹر) کے فاصلے پر آگیا۔ عکا کی منجنیقوں کے پتھر اس کو توڑنے سے عاجز تھے، ان کے آتش گیر آلات بھی پتھروں اور گارے کے اس پل پر کوئی اثر نہیں کرسکتے تھے۔ اب فرنگیوں نے پل پر منجنیقیں بھی نصب کردیں جو اہلِ عکا کی زد سے بالکل محفوظ رہ کر تباہ کن قسم کی سنگ باری کرسکتی تھیں۔ [1]

[1] الروضتین: 4/251، 252

فصل:10

سقوطِ عکا

پل نما سڑک سے فرانسیسی اور برطانوی منجنیقوں کی سنگ باری عکا کی دیواروں کو کمزور کرتی جارہی تھی۔ آخرکار بیرونی فصیل کا تقریباً دو گز بالائی حصہ منہدم ہو گیا۔ وسطی حصہ بھی مسلسل دھچکوں کے باعث خستہ ہوتا جارہا تھا، جگہ جگہ خوفناک دراڑیں پڑ گئی تھیں، بنیادیں ہلنے لگی تھیں۔ صلیبی سپاہی فصیل سے گرنے والے پتھروں کو فوراً اٹھا کر دور لے جاتے تھے تاکہ مسلمان انہیں دوبارہ استعمال نہ کر سکیں۔

اہلِ عکا جو جان پر کھیل کر شہر کی مدافعت کررہے تھے، بری طرح تھک چکے تھے۔ انہیں شہر کی حفاظت کیلئے دن رات جاگنا پڑ رہا تھا۔ اس وقت عکا کے حفاظتی امور کے لئے بکثرت نفری درکار تھی کیوں کہ حملہ آور فوج ایک لاکھ سے متجاوز تھی جبکہ عکا کے سپاہی صرف چھ ہزار کے لگ بھگ تھے جن کے ذمے ایک نہیں کئی محاذ تھے۔ انہوں نے حفاظتی امور کو باہم تقسیم کررکھا تھا، کچھ لوگ عکا کی فصیلوں پر پہرہ دے رہے تھے، کچھ خندق کی حفاظت اور اسے صاف کرنے پر مامور تھے، ایک گروہ منجنیقیں چلارہا تھا، ایک جماعت سمندری ساحل اور بندرگاہ کی نگہداشت کے لئے کشتیوں پر تعینات تھی۔ تھکے ہارے اور بے خوابی کے ستائے ہوئے ناتواں سپاہی اب بھی سر دھڑ کی بازی لگا کر ان تمام راستوں کی حفاظت کررہے تھے جن سے دشمن عکا میں داخل ہوسکتا تھا۔ اکثر سپاہی باری باری دیر تک پہرہ دیتے اور موقع پا کر تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے سستا لیتے۔ مگر بہت سے سپاہیوں خصوصاً افسران کے لئے پلک جھپکانے کی گنجائش نہیں تھی۔ سلطان کے نامی گرامی امراء جو عکا کی حفاظت کے ذمے دار تھے، نوشتۂ تقدیر پڑھ چکے تھے۔ اب مشطوب کی عسکری تدبیریں اور جنگی چالیں بھی کام نہیں آسکتی تھیں، ناظم شہر بہاؤالدین قراقوش جس نے قاہرہ کی طرح عکا کو ازسرنو دفاعی انتظامات سے آراستہ کیا تھا دو سال سے محاصرے کی صعوبتیں برداشت کررہا تھا اور بیرونی فصیل کی خستہ حالت دیکھ کر اندازہ لگا چکا تھا کہ اب

صرف ایک دو دن کا کھیل باقی رہ گیا ہے۔ فرنگیوں نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ عکا کا دم اب لبوں پر ہے۔ ①

برج قتال منہدم ﷺ خندق کو پاٹنے کے بعد فرنگی عکا کی بیرونی فصیل پر براہِ راست حملے کرنے کے قابل ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ منجنیقوں کے پتھر اندرونی اور بیرونی دونوں فصیلوں کو خستہ کرتے جا رہے تھے، اس کے باوجود فصیلیں اپنی اپنی جگہ برقرار تھیں، ان میں کوئی راستہ نہ تھا جس سے فرنگی اندر داخل ہو سکیں۔ یہ دیکھ کر رچرڈ نے بیرونی فصیل کے اس برج کو گرانے کا فیصلہ کیا جو مسلمانوں کے لیے فرنگیوں پر حملوں کا سب سے مضبوط مورچہ تھا جسے مسلمان "برج قتال" کہتے تھے جبکہ فرنگیوں نے یہاں روز اپنی لاشیں گرتی دیکھنے کے بعد اسے "برج منحوس" کا نام دے دیا تھا۔ جمادی الاخریٰ 587ھ کے پہلے عشرے میں کئی دن کی لگاتار محنت کے بعد فرنگی نقب زنوں نے برج قتال کی بنیادوں کو کھود کر سرنگ بنالی۔ پھر اس سرنگ میں آتش گیر مادہ بھر کر آگ لگا دی گئی، برج کی بنیادیں پہلے ہی ختم ہو چکی تھیں، آتش گیر مادے کے دھماکے کے باعث بھاری چٹانوں سے تعمیر کئے گئے اس دیوہیکل برج میں دراڑیں پڑ گئیں اور وہ ایک طرف جھک گیا۔

رچرڈ نے منادی کرا دی کہ جو شخص برج کا ایک پتھر اکھاڑے گا اسے دو اشرفیاں دی جائیں گی مگر برج پر مسلمان تیر انداز نشانے باندھے کھڑے تھے، اس لئے کسی کو آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ تب رچرڈ نے چار اشرفی تک انعام کا اعلان کیا۔ آخر برطانوی سپاہی ہمت کر کے آگے بڑھے اور چیونٹیوں کی طرح برج سے چمٹ گئے۔ اندھیرا پھیلنے تک وہ کئی پتھر اکھاڑ چکے تھے۔ تاہم برج اپنی جگہ کھڑا تھا جبکہ اس کو منہدم کرنے کی کوشش میں درجنوں عیسائی زخمی اور ہلاک ہو چکے تھے۔ اگلے دنوں میں برج کی تباہی کی مہم جاری رہی۔ اس کی کھوکھلی بنیادیں مزید کمزور پڑ گئیں اور آخرکار برج ایک زوردار دھماکے سے زمین بوس ہو گیا۔ گرد و غبار کا طوفان بیٹھا تو فریقین نے دیکھا عکا کی بیرونی فصیل میں ایک بہت بڑا راستہ نمودار ہو چکا ہے جس پر تباہ شدہ برج کے پتھروں کا ٹیلا سا بنا ہوا ہے۔ نصرانیوں نے اس راستے سے آگے بڑھنے کی پوری کوشش کی مگر عکا کے جانبازوں نے ملبے میں مورچے بنا کر زوردار تیر اندازی کے ذریعے انہیں روک لیا۔ ②

کئی دنوں تک یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا۔ فرنگی تباہ شدہ بیرونی فصیل (باشورہ) اور اندرونی فصیل کے درمیانی علاقے پر قبضے کی سر توڑ کوشش کرتے رہے۔ مجاہدین فصیل کے ملبے پر درختوں کے تنوں، شکستہ کھڑکیوں، دروازوں اور ٹوٹی ہوئی منجنیقوں اور کشتیوں کی لکڑیوں سے مورچے بنا بنا کر مزاحمت

① النوادر السلطانیہ: 249، 251 ② النوادر السلطانیہ: 251، صلیبی جنگیں: 210

کرتے رہے۔ بعض اوقات فرنگی یلغار کر کے انہیں پیچھے دھکیل دیتے اور مورچوں پر قبضہ کر لیتے، تب اہل عکا پسپا ہو کر اندرونی فصیل کی پناہ میں چلے جاتے مگر موقع ملتے ہی دوبارہ حملہ آور ہوتے اور فرنگیوں کو مار بھگاتے۔ ان کے جوابی حملے رات کی تاریکی میں زیادہ کامیاب ہوتے تھے۔ فرنگی ان کے آتشیں ہتھیاروں سے خوفزدہ تھے جن کو چلا کر مسلمان بعض اوقات فرنگیوں کو تباہ شدہ بیرونی فصیل کے احاطے سے بھی باہر نکال دیتے تھے مگر شگاف کے باعث فرنگی موقع پاتے ہی دوبارہ اندر گھس جاتے تھے۔ محافظین عکا کی قوت روز بروز کم ہوتی جا رہی تھی اور اب کسی بھی دن فرنگی شہر میں داخل ہو سکتے تھے۔ تاہم اللہ کی غیبی مدد اب بھی شامل حال تھی۔ اس لئے کفار کو شکستہ فصیل والے اس شہر پر قبضے میں تاخیر ہوتی جا رہی تھی۔ ①

چھ فرنگی نائٹوں کا قتل ✵ عکا پر حملوں کے دوران شہر کی خندق اور باشورہ (بیرونی فصیل) دشمن کا خاص ہدف رہی تھی۔ ایک دن اس پر مکمل قبضہ کرنے کے لئے درجنوں صلیبی سالار، نواب اور نائٹ جمع ہو گئے۔ یہاں اس دن بڑی خونریز جنگ ہوئی، مسلمانوں نے جان توڑ مزاحمت کی اور ڈیڑھ سو صلیبیوں کو مار گرایا مگر آخر کار دشمن کے ایک زوردار حملے میں وہ بیرونی فصیل سے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے، تب پسپا ہوتے۔ .تے انہوں نے ایک بار ہلا بول کر فرنگیوں کے چھ افراد گرفتار کر لئے اور انہیں گھسیٹ کر شہر میں ساتھ لے گئے۔ یہ چھ کے چھ صلیبیوں کے چوٹی کے امراء تھے۔ صلیبی ان کی گرفتاری پر حواس باختہ ہو گئے۔ عکا کے محصورین ان چھ امراء کو یرغمال بنا کر خاصا فائدہ اٹھا سکتے تھے مگر جوشیلے کرد سپاہی ان کی گردنیں اڑانے پر تل گئے۔

ان میں سے ایک بڑے نواب نے چلا چلا کر کہا:

"مجھے قتل مت کرنا، میں فرنگیوں کا محاصرہ بالکل ختم کروا دوں گا۔"

مگر سپاہی جوش میں دیوانے تھے یا شاید قیدی کے اتنے بڑے دعوے پر انہیں یقین نہیں آیا تھا۔ انہوں نے افسران سے پوچھے بغیر ان قیدیوں کو قتل کر دیا۔ ان حالات میں یہ ایک نہایت غلط فیصلہ تھا جس کا خمیازہ بعد میں سب کو بھگتنا پڑا۔ اگلے دن خود فرنگیوں کے نمائندوں نے فصیل کے پاس آ کر بآوازِ بلند کہا:

"ہمارے چھ کے چھ افراد رہا کر دو، ہم ان کے بدلے تم سب کو چھوڑ دیں گے۔"

یقیناً اس وقت عکا کے محصورین کو اندازہ ہوا ہو گا کہ ان سے کتنی زبردست غلطی ہو چکی ہے۔ خیر انہوں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے بتایا:

"ہم ان سب کو قتل کر چکے ہیں۔"

① اخبار سلاطین: 253

یہ سن کر صلیبی رنج اور غصے سے پاگل ہو گئے اور ان کا جوشِ انتقام مزید بھڑک اٹھا۔ انہوں نے عکا کی بیرونی فصیل کا مزید کچھ حصہ منہدم کر کے اسے بیکار کر دیا تاکہ اندرونی فصیل پر حملہ آسان تر ہو جائے۔ ❶

تاہم بیرونی فصیل پر وہ مکمل طور پر قابض نہ ہو سکے۔ مسلمان بار بار حملے کر کے انہیں اس جگہ سے ہٹا دیتے تھے۔ سلطان ایوبی نے ان دنوں حاکم اربل کو جو محاذِ جنگ کے احوال کا جو مراسلہ بھیجا تھا اس میں تحریر کیا تھا:

''عکا کے سپاہی دشمن کو کبھی باشورہ سے اور کبھی مورچوں سے دھکیلنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔'' ❷

<u>عکا پر ہولناک حملہ</u> ❀ منگل 7 جمادی الاخریٰ 587ھ (یکم جولائی 1191ء) کو فرنگی بھرپور انداز میں جاں بلب شہر پر حملے کے لیے جھپٹے۔ عکا کے محافظ فصیل پر چڑھنے والے فرنگیوں کو نشانہ بنانے لگے اور نقارہ نوازوں نے نقارے پیٹنے شروع کیے کہ تاکہ سلطان کی افواج کو حملے کی اطلاع مل جائے۔ کچھ سپاہی فصیل پر خاص قسم کے جھنڈے لہرانے لگے۔ یہ سلطان ایوبی کو اس بات کا خاص اشارہ تھا کہ شہر ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔

سلطان صبح ہی عیاضیہ کے ٹیلوں سے اتر پڑے تھے۔ جوں ہی فرنگیوں کا عکا پر حملہ شروع ہوا، سلطان نے ان کی چھاؤنی پر حملوں کا تانتا باندھ دیا۔ جولائی کا سورج شعلے اگل رہا تھا اور ارضِ عکا تابے کی طرح تپ رہی تھی۔ زرہ بکتروں میں ملبوس سپاہی پسینے سے شرابور تھے، پیاس سے انکے حلق سوکھ رہے تھے مگر جنگ کی شدت نے ان سب تکالیف کو بھلا دیا تھا۔ صلیبیوں کے تیوروں سے لگتا تھا کہ آج وہ شہر پر قبضہ کیے بغیر پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ انہوں نے اپنی بے پایاں طاقت کو دو حصوں میں مرتب کر رکھا تھا۔ ایک حصہ چھاؤنی کی بھرپور حفاظت کر رہا تھا اور دوسرا عکا کی فصیل پر قبضہ کرنے کی تگ و دو میں تھا۔ اس دن سلطان کے بھائی الملک العادل نے سپاہ کو جوش دلانے کے لئے دو بار بذاتِ خود آگے بڑھ کر حملہ کیا۔ سلطان کی یہ حالت تھی کہ گھوڑے پر سوار دیوانہ وار مجاہدین کی صفوں اور دستوں کے درمیان چکر لگاتے رہے اور صبح سے شام تک ایک لقمہ بھی حلق سے نیچے نہیں اتارا۔ طبیب کے مشورے پر صرف ایک مشروب کے چند پیالے پیے۔ چھاؤنی پر حملے کے دوران ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ''یا للاسلام، یا للاسلام'' کی بے تابانہ پکار انکے لرزتے ہونٹوں پر تھی۔ وہ بار بار فصیل پر نظر دوڑاتے جہاں مٹھی بھر مجاہدین جنونی فرنگیوں کے خوفناک سیلاب سے نبرد آزما تھے۔ یہ منظر دیکھ کر ان کا جگر غم کی حرارت سے پگھلنے لگتا اور وہ افواج کو از سرِ نو ہمت دلا کر آگے بڑھاتے۔ مسلمانوں کے جوش و اضطراب کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے بہت سے بے تابانہ انداز میں اللہ کو یاد کر رہے تھے، بہت سے

---

❶ النوادر السلطانیہ: 254 ❷ الروضتین: تحت 587 ہجری رقعہ ملک مظفر

دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے، تلاوتِ کلام اللہ کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں، نالہ وفریاد کی سوزش اور نعرہ ہائے تکبیر کی تپش سے دلوں کو گرما رہی تھی۔ مسلمانوں کی کوشش تھی کہ کسی طرح چھاؤنی میں داخل ہوجائیں تاکہ فرنگی گھبرا کر عکا سے پلٹ آئیں مگر اس دن چھاؤنی کے حفاظتی انتظامات اتنے مضبوط تھے کہ مسلمانوں کو اس کوشش میں ذرا بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ زرہ بکتر والے فرنگی پیادے چھاؤنی کے سامنے دیوار بنے کھڑے رہے، ان کے تیر انداز پیکانوں کا مینہ برساتے رہے، دن بھر ہولناک جنگ جاری رہی اور دونوں فریق اپنی پوری توانائی نچوڑتے چلے گئے۔ آخر یہ معرکہ اس وقت ختم ہوا جب سب تھک ہار گئے اور کوئی شخص مزید لڑنے کے قابل نہ رہا۔ تب تک اندھیرا پھیل چکا تھا۔ سپاہی اپنے پڑاؤ کی طرف واپس آنے لگے۔

قاضی بہاؤالدین ابن شداد اس دن سخت بیمار تھے اس لیے دن بھر عیاضیہ کے ٹیلوں پر اپنے خیمے میں پڑے رہے۔ اس جگہ سے انہیں میدان جنگ کے مناظر سامنے نظر آ رہے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی دن بھر کی شدید جنگ کے بعد تھکن سے بے حال ہو کر نماز عشاء کے بعد خیمہ گاہ میں لوٹے اور بستر پر دراز ہو گئے مگر نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ عکا کا خیال انہیں رہ رہ کر ستا رہا تھا۔ اس غور وفکر کے عالم میں کچھ دیر کے لیے ان کی آنکھ لگ گئی۔ ①

<u>امیر مشطوب کا پیغام</u> ☜ اس دن کی جنگ سے عکا میں بہاؤالدین قراقوش، سیف الدین مشطوب اور دیگر امراء کو اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ سلطان ایوبی کے حملے عکا کو بچانے کے لیے ناکافی ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ موجودہ صورتحال میں ایک دو دن کے اندر اندر فرنگی شہر پر قبضہ کرلیں گے۔ درندہ صفت صلیبیوں سے یہ امید کرنا بے کار تھا کہ وہ بزورِ شمشیر فتح کے بعد اہلِ شہر کو کسی رحم کے قابل سمجھیں گے۔ اب دو صورتیں تھیں یا تو وہ سب لڑتے لڑتے مارے جاتے یا جان کی امان کے معاہدے پر شہر دشمن کے حوالے کر دیتے۔ اس رات انہوں نے سلطان کے نام پیغام روانہ کیا:

"ہم مجبوری و بے کسی کی اس انتہا پر ہیں کہ جس کے بعد شہر دشمن کے حوالے کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اگر آپ کچھ نہ کر پائے تو ہم کل 8 تاریخ کو دشمن سے امان طلب کر کے شہر اس کے حوالے کر دیں گے۔ اس کے عوض ہم محض اپنی جانیں بچا پائیں گے۔" ②

رات کی تاریکی میں ایک قاصد یہ پیغام لے کر عکا سے نکلا اور جان پر کھیل کر سلطان کی خیمہ گاہ میں پہنچا، اس وقت سحر ہو چکی تھی۔ پیغام پڑھ کر سلطان ایوبی کی بے چینی مزید بڑھ گئی۔ اب انہیں شام

① النوادر السلطانیہ: 252 ② النوادر السلطانیہ: 252

تک بہر صورت فرنگیوں کا محاصرہ توڑنا تھا ورنہ وہی ہونے والا تھا جو کبھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔ عکا عسکری لحاظ سے ساحل شام کا دروازہ اور بحیرۂ روم کا نہایت اہم مقام تھا۔ یہاں پر قابض فوج شمال میں حلب اور مغرب میں مصر تک بآسانی یلغار کر سکتی تھی۔ اس پر فرنگیوں کا قبضہ سقوطِ القدس کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا تھا۔ یہ امر بھی بہت تشویش ناک تھا کہ سلطان کے بڑے بڑے امراء عکا میں محصور تھے۔ ان میں ہر ایک، ایک لشکر کے برابر قیمتی تھا۔ ان کے علاوہ دیگر ہزاروں مسلمان تھے جن کی جانیں اس وقت قیمتی خطرے کی زد میں تھیں۔ بلاشبہ یہ سلطان کی زندگی کی دشوار ترین مہم اور سخت ترین لمحات تھے۔ تاہم اس حالت میں وہ دل کی لو مسلسل ذاتِ باری سے لگائے ہوئے تھے۔ وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے تھے اور اس کی رحمت و نصرت کے لئے دامن عجز و نیاز پھیلائے ہوئے تھے۔ اس اعصاب شکن صورت حال نے سلطان کی طبیعت پر شدید اثر ڈالا تھا۔ مصاحبین کو اندیشہ تھا کہ ان کی طبیعت بگڑ نہ جائے۔ انہیں آرام کی ضرورت تھی مگر یہ وقت تو جد و جہد کی انتہا کا تھا۔ [1]

8 جمادی الاخریٰ کا معرکہ ❋ 8 جمادی الاخریٰ 587ھ (2 جولائی 1191ء) کو سلطان نے صبح سویرے سپاہ کو فرنگیوں کی چھاؤنی میں گھس جانے کا حکم دیا۔ سلطانی لشکر کے پیادے اور گھڑسوار تکبیر کے نعرے بلند کرتے ایک طوفان کی طرح صلیبی چھاؤنی کی طرف بڑھے، ادھر صلیبیوں کے زرہ پوش دستے صفیں باندھ کر چھاؤنی کے سامنے کھڑے ہو گئے، ان کے تیر انداز خندق کے پیچھے تیار ہو کر بیٹھ گئے۔ چھاؤنی کی ٹیلہ نما کچی فصیل پر سنگ اندازوں نے چھوٹی منجنیقوں، گوپھنوں اور بھالوں کے رخ درست کر لئے، مذہبی جوش نے انہیں ہر خطرے سے بے گانہ بنا دیا تھا۔

طلوع آفتاب کے ساتھ خونریز لڑائی شروع ہوئی۔ مسلمانوں نے بار بار حملے کر کے صلیبیوں کی صفوں کو روندنے کی کوشش کی، ان کے گھڑسوار نیزے تان کر صلیبی نائٹوں پر ٹوٹ پڑتے، انہوں نے کئی بار حریف کی فولادی صف بندی توڑ کر راستے بنائے اور سینکڑوں جانباز خندق کے قریب پہنچ گئے جہاں سب سے شدید لڑائی ہو رہی تھی۔ جو گھڑسوار یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے وہ گھوڑوں سے نیچے کود کر صلیبیوں سے گتھم گتھا ہو جاتے۔ تلواروں سے تلواریں ٹکراتیں تو ان کی جھنکار میں موت کے قہقہے سنائی دیتے۔ قبائلی رضار اور بدو بجلی کی طرح خنجر گھماتے اور حریف کو لہو میں نہلا دیتے۔ خندق کے پاس صلیبیوں کی لاشیں مسلسل گرتی رہیں، سینکڑوں زخمی کراہ رہے تھے۔ خندق کا ایک حصہ صلیبیوں کی لاشوں سے اتنا پر ہو گیا کہ مسلمان دوڑ کر خندق پر سے گذر سکتے تھے تاہم صلیبیوں کی مزاحمت کسی وقفے کے بغیر

[1] النوادر السلطانیہ: 252، 253

جاری تھی۔ جہاں ان کا ایک آدمی گرتا وہاں فوراً دو تازہ دم آدمی اس کی جگہ سنبھال لیتے۔
اس حملے میں درجنوں مسلمان خندق کے پار چھاؤنی کی فصیل تک پہنچ گئے، فصیل پر کھڑے فرنگیوں کی تیراندازی سے بچنے کے لئے وہ فصیل کے ساتھ چپک گئے اور اوپر چڑھنے کا موقع تلاش کرنے لگے، ان کے دوسرے ساتھی فصیل سے ذرا ہٹ کر کھڑے ہو گئے اور فصیل کے محافظوں کو تیروں اور پتھروں کا نشانہ بنا کر اپنی طرف متوجہ کرنے لگے تا کہ فصیل پھلانگنے کے لئے موقعے کے متلاشی مجاہدین کا کام آسان ہو جائے۔ تاہم فصیل کے محافظ صلیبی دیوانہ وار لڑ رہے تھے۔ ایک قوی ہیکل فرنگی فصیل کے ایک گوشے پر ڈٹا ہوا تھا۔ وہ کسی مشین کی طرح مسلمانوں پر پتھراؤ کر رہا تھا۔ فرنگیوں کی ایک مستعد جماعت تیزی سے اسے پتھر پکڑا رہی تھی اور وہ اسی سرعت سے انہیں مسلمانوں پر برسا رہا تھا۔ مسلمانوں نے اس پر بار بار پتھر اور تیر برسائے مگر وہ اپنی جگہ جما رہا۔ لگ بھگ پچاس تیروں اور پتھروں کا نشانہ بننے کے بعد بھی وہ نہ گرا تو آتشی اسلحہ کے ماہر ایک شخص نے اسے آتش گیر مواد کے ذریعے پھونک ڈالا اور کچھ مسلمان موقع ملتے ہی فصیل پھلانگ گئے۔ وہ دوسری طرف اتر کر فرنگیوں کے خیموں پر حملہ آور ہوئے مگر یہاں بھی ہر قدم پر فرنگیوں نے مورچے بنائے ہوئے تھے۔ یہ چھاؤنی نہیں پورا ایک شہر تھا جس میں ان گنت جنگجو جمع تھے۔ چھاؤنی کی فصیل سے لے کر فصیلِ عکا تک یہ میدان صلیبیوں کے خیموں، جھونپڑوں، عبادت گاہوں اور بازاروں سے پُر تھا، اس پر قبضہ کرنا چند سو، یا چند ہزار افراد کے بس کی بات نہیں تھی۔ پھر صلیبیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ ان کے مرد ہی نہیں عورتیں بھی چھاؤنی کے دفاع کے لیے سینہ سپر تھیں۔ ایک بوڑھے مسلمان سپاہی نے جو فصیل پھلانگ کر چھاؤنی کے اندر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا، قاضی ابن شداد کو اپنا چشم دید واقعہ سناتے ہوئے کہا:

"میں نے چھاؤنی میں ایک فرنگی رئیسہ کو دیکھا، وہ سبز لبادہ پہنے ہوئے تھی اور چوبی کمان سے تیر برسا رہی تھی، وہ مسلسل تیراندازی کرتی رہی، آخر ہمارے کچھ اور ساتھی چھاؤنی میں داخل ہوئے اور اس پر قابو پا کر اسے قتل کر دیا، ہم اس کی کمان ساتھ لے آئے اور سلطان کی خدمت میں پیش کی۔ سلطان نے اس پر نہایت تعجب کا اظہار کیا۔"

غروب آفتاب تک فرنگیوں کی مزاحمت پوری شدت سے جاری رہی، مسلمان سرتوڑ کوشش کے باوجود چھاؤنی کی فصیل پر قابض نہ ہو سکے، نتیجہ یہ نکلا کہ چھاؤنی کے اندر داخل ہونے والے بھی لڑتے بھڑتے واپس نکل آئے۔

بڑھتے ہوئے اندھیرے کے ساتھ جنگ کا ہنگامہ تھمتا گیا۔ فریقین لاشوں کو ٹھکانے لگانے اور

زخمیوں کی مرہم پٹی میں مشغول ہو گئے۔ تھکے ماندے سپاہی خیموں میں جا کر اپنے بستروں پر گر گئے۔ فرنگی پُرامید تھے کہ عکا آج نہیں تو کل ان کے قدموں میں ہوگا۔ مسلمان پریشان تھے کہ کل کی طرح آج بھی وہ فرنگیوں کی چھاؤنی پر قبضہ کرنے میں بالکل ناکام رہے تھے۔[1]

مشطوب کی شاہِ فرانس سے ملاقات ادھر عکا کے سپہ سالار سیف الدین مشطوب نے حالات کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے خود فرنگی قیادت سے مل کر معاملات طے کرنے کا فیصلہ کیا کیوں کہ سلطان ایوبی سے رابطہ کرنا اوّل تو نہایت مشکل تھا۔ دوسرے اس کا کوئی فائدہ بھی نظر نہیں آتا تھا کیوں کہ عکا کے معاملے میں سلطان کی تمام طاقت اور وسائل صلیبیوں کے آگے بے بس تھے۔ سیف الدین مشطوب مؤمنانہ وقار کے ساتھ شاہِ فرانس فلپ کے پاس پہنچا۔ شہر اس کے حوالے کرنے کی بات چیت کی اور کہا:

''ہم نے آپ کے کئی شہروں پر قبضہ کیا، ہم ان پر حملہ کر کے بزورِ شمشیر قابض ہوئے مگر اس کے باوجود جب نصرانیوں نے ہم سے امان طلب کی تو ہم نے نہ صرف انہیں امان دی بلکہ انہیں ان کی خواہش کے مطابق محفوظ علاقوں تک پہنچانے کا انتظام بھی کیا۔ موجودہ صورتحال میں ہم خود شہر آپ کے حوالے کرنے کیلئے تیار ہیں۔ اسکے بدلے آپ کو ہماری جانوں کے تحفظ کا وعدہ کرنا ہوگا۔''

مشطوب کا یہ مطالبہ اس قدر معقول تھا کہ فرنگیوں میں اگر ذرا بھی انسانیت ہوتی تو وہ اسے قبول کرنے میں تامل نہ کرتے۔ مسلمانوں کی جانب سے مفتوح نصرانیوں کے ساتھ حسن سلوک کی ان گنت مثالوں کے بدلے وہ ایسی ایک مثال پیش کر کے اپنی تاریخ کی سیاہی ذرا کم کرنے کی کوشش کر سکتے تھے مگر اہل فرنگ کا ضمیر کسی اور ہی مٹی سے اٹھایا گیا تھا۔ فلپ نے اپنی تمام تر معاملہ فہمی اور زیرکی کے باوجود یہ نخوت بھرا جواب دیا:

''تم نے جن کو گرفتار کر کے امان دی تھی وہ تو ہمارے شاہی خاندانوں کے بڑے بڑے لوگ تھے اور اسی حق کے مستحق تھے مگر جہاں تک تمہارا تعلق ہے تم میرے غلاموں اور نوکروں کی طرح ہو۔ تمہارے بارے میں جو میں چاہوں گا فیصلہ کروں گا۔''

سیف الدین مشطوب نے سرِ کفر کو اس قدر پُرغرور دیکھا تو اس کے تیور بدل گئے۔ اس نے شاہ فرانس کے طمطراق اور اکڑفوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا:

''یہ بات ہے تو ہم سب لڑتے لڑتے شہید ہو جائیں گے مگر جیتے جی شہر تمہارے حوالے نہیں کریں گے اور ہمارا ہر فرد تمہارے پچاس بڑے بڑے طرم خانوں کو ٹھکانے لگا کر ہی مرے گا۔''

[1] النوادر السلطانیۃ: 253

یہ کہہ کر بہادر اور پرجوش مشطوب ایک لحظہ رکے بغیر تیز قدموں سے شہر واپس چلا آیا۔ ❶

چند کم ہمت امراء کا عکا سے فرار ❀ جب عمائدِ شہر نے مذاکرات کی روداد سنی تو ان میں سے بعض افراد پر مایوسی چھا گئی، انہیں لگا کہ مشطوب نے ان کی موت کے پروانے پر مہر لگوا دی ہے اور اب پنجۂ فرنگ کے بے رحمانہ انتقام سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ یہ سلطان کی فوج کے نامی گرامی امراء عزالدین ارسل، حسام الدین تمرتاش، عبدالقاہر حلبی اور سنقر الوشاقی تھے جن پر عکا کی فوج اور شہر کے نظم ونسق کی بھاری ذمہ داریاں تھیں۔ انہوں نے اسی رات نہایت خوف ودہشت کے عالم میں چوری چھپے عکا سے نکلنے کا فیصلہ کرلیا حالانکہ یہ فوجی نظم وضبط کی سخت خلاف ورزی تھی۔

رات کی تاریکی میں یہ لوگ عکا کی بندرگاہ سے ایک چھوٹی سی ناؤ میں بیٹھے اور اسے کھیتے ہوئے کسی ویران ساحل پر اتر پڑے۔ اگلی صبح عکا میں ان امراء کے فرار کی خبر پھیلی تو لوگوں کا مایوسی سے برا حال ہوگیا۔ سیف الدین مشطوب اور قراقوش کے لیے سپاہ کی ہمت برقرار رکھنا مشکل تر ہوگیا۔ سلطان کو بھی اس واقعے کا سخت صدمہ ہوا، انہوں نے مفرور امراء کی تلاش میں آدمی دوڑا دیے تاکہ انہیں عبرت ناک سزا دی جائے۔ اپنے عفو وکرم کے باوجود سلطان ایوبی کے نزدیک ذمہ دار امراء کی یہ بزدلانہ حرکت ناقابل برداشت تھی۔ مفرورین میں سے عزالدین ارسل اور سنقر الوشاقی تو ایسے غائب ہوئے کہ پھر کبھی ان کی خیر خبر نہیں ملی۔ البتہ حسام الدین تمرتاش کو ڈھونڈ نکالا گیا، سلطان نے اسے زندان میں پھنکوا دیا اور اس کی تمام جاگیریں ضبط کرلیں۔ عبدالقاہر حلبی کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ وہ خود سیدھا سلطان کی خیمہ گاہ میں پہنچا اور سفارش کروا کر اپنے سنگین جرم کی معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ وہ واپس عکا چلا جائے گا چنانچہ اپنے عہد کے مطابق وہ اسی رات سمندری راستے سے دوبارہ عکا چلا گیا۔ ❷

سلطان کا ایک منصوبہ جس پر عمل نہ ہوا ❀ اگلی صبح سلطان ایوبی صلیبی چھاؤنی کی فصیل پر بھرپور حملہ کرنے کا عزم کیے ہوئے تھے۔ منصوبہ یہ تھا کہ سپاہی خندق پاٹنے اور فصیل میں شگاف ڈالنے کے آلات ساتھ لے کر آگے بڑھیں۔ چوں کہ صلیبی چھاؤنی کی فصیل مٹی کے ڈھیر لگا لگا کر بنائی گئی تھی اس لیے منجنیقوں کی زوردار سنگ باری سے اسے توڑنا ممکن نہیں تھا۔ منجنیقوں کے پتھر اس میں دھنس تو جاتے تھے، اسے پھاڑ نہیں سکتے تھے۔ سلطان کے امرائے فوج کو بہت غور وفکر کے باوجود اب تک اس فصیل کو گرانے کا کوئی معقول طریقہ سمجھ نہیں آسکا تھا۔ سلطان نے آخری امکانی کوشش کے طور پر روایتی اوزار آزمانے کا سوچا۔ ان کا خیال تھا کہ سپاہی کدالیں، پھاؤڑے اور بیلچے لے کر فصیل کے پاس

---

❶ النوادر السلطانیۃ: 253، 254 ❷ النوادر السلطانیۃ: 254، مفرج الکروب: 4/257

پہنچیں، ان اوزاروں سے کچی فصیل کو کھودا جائے اور اس کی مٹی سے خندق کو پاٹ دیا جائے مگر امرائے فوج نے سلطان کے اس منصوبے کو ناقابل عمل قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا۔

بہر حال اسی دن (جمعرات 9 جمادی الاخریٰ، 3 جولائی) کو مسلمانوں نے پھر چھاؤنی پر حملہ کیا۔ امیر قائماز نجمی جو اسی دن کرد سپاہ کی تازہ کمک لے کر آیا تھا، اپنے جانبازوں سمیت گھوڑوں سے اتر کر پاپیادہ فصیل کے محافظوں پر ٹوٹ پڑا۔ عکا میں محصور مشطوب کا بھائی بھی حملے میں زور وشور سے شریک تھا، قائماز نجمی نے زبردست جنگ لڑی اور صلیبیوں کی فصیل کا ایک گوشہ خالی کرا کے اس پر اپنے دستے کا جھنڈا نصب کر دیا۔ جنگ جاری تھی کہ امیر عزالدین جردیک نوری بھی امدادی سپاہیوں کے ساتھ آن پہنچا اور اسی طرح گھوڑے کو چھوڑ کر پیدل معرکے میں کود گیا۔ دن بھر لہو کی ندیاں بہتی رہیں مگر شام تک صورتحال میں کوئی تبدیلی نہ آسکی۔ [1]

پھر صلح کا جھانسا: اس دوران فریب کار صلیبی وقت گزارنے کے لئے صلح کا شوشہ درمیان میں لے آئے تھے۔ تین انگریز سفیر اپنے بیمار بادشاہ کے لئے پھل اور برف طلب کرنے دربار سلطانی میں حاضر ہوئے تھے اور انہوں نے غیر رسمی بات چیت کے دوران کہا تھا کہ کل ہاسپٹلرز (اسبتاریہ) گروہ کا گرینڈ ماسٹر بھی صلح کی بات چیت میں شرکت کرے گا۔ پھر یہ لوگ سلطان کی اجازت سے لشکر کے بازار میں گھومنے پھرنے کے بعد بوقت شب اپنی خیمہ گاہ میں لوٹ گئے۔ مسلمانوں کا ایک اور پورا دن رائیگاں چلا گیا تھا جبکہ عکا سکرات کے عالم میں تھا۔ ایک ایک لحہ از حد قیمتی تھا۔ [2]

سلطان کا ایک اور منصوبہ جو ادھورا رہ گیا: اب سلطان کو بھی عکا کے بچاؤ کی کوئی امید نہیں رہی تھی۔ انہوں نے اسی شام خفیہ طور پر مشطوب اور قراقوش کو پیغام بھجوایا کہ وہ آج رات شہر چھوڑ دیں۔ سلطان کا منصوبہ یہ تھا کہ جتنے افراد وہاں موجود ہیں سب ہتھیار سنبھال کر ایک گوشے سے یکدم باہر نکل پڑیں اور راستہ روکنے والے فرنگیوں کو کاٹتے ہوئے ساحل کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے جائیں۔ جس جانب سے وہ نکلنے کی کوشش کریں گے، اس طرف سلطان کی فوج بھاری تعداد میں پہلے سے جمع ہوگی اور وہ عقب سے فرنگیوں پر حملہ کر کے انہیں محصورین عکا کا راستہ روکنے سے باز رکھے گی۔ سلطان کے پیغام میں محصورین کو تاکید کی گئی تھی کہ وہ تمام مال واسباب وہیں چھوڑ دیں اور صرف اپنی جانیں بچا کر نکلنے کی کوشش کریں۔ سلطان کے پیغام میں کہا گیا تھا:

"دشمن سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ سب جمع ہو جاؤ اور رات کو یک بارگی شہر سے نکل پڑو۔

[1] النوادر السلطانیہ: 254 [2] النوادر السلطانیہ: 254، 255

ساحلِ سمندر کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنا اور دشمن سے ٹکراتے ہوئے نکل جانا۔ شہر کو خالی کر دو اور جو کچھ تمہارے پاس ہے وہیں چھوڑ دو۔"❶

یہ پیغام یقیناً کوئی غوطہ خور لے کر گیا تھا کیونکہ ان دنوں پیام رسانی کے کبوتر باقی نہیں رہے تھے۔ پیغام غالباً رات کا اندھیرا پھیلنے کے بعد ہی وہاں پہنچا ہوگا کہ یہ کام دن میں ناممکن تھا۔ رات کی تاریکی ہی غوطہ خوروں کو فرنگی ملاحوں سے چھپا سکتی تھی۔ بہر حال جب یہ پیغام عکا کے امراء کو موصول ہوا تو رات کا ایک حصہ گزر چکا تھا اور صرف اتنا وقت بچا تھا کہ وہ ایک جگہ جمع ہوں اور طے شدہ سمت سے باہر نکل پڑیں۔ بلاشبہ یہ ایک مشکل اور بے حد پر خطر منصوبہ تھا مگر اس کے باوجود قابل عمل تھا۔ فرنگیوں کو قطعاً خدشہ نہیں تھا کہ عکا کے محصور کوئی ایسا جارحانہ اقدام کر سکتے ہیں۔ ان کی بے فکری سے فائدہ اٹھا کر عکا کے سپاہی تند و تیز حملوں کے ذریعے ان کے درمیان راستہ بنا سکتے تھے۔ یقیناً ان میں سے بعض سے شہید یا گرفتار ہو جاتے مگر اکثریت کے زندہ سلامت بچ نکلنے کی امید کی جا سکتی تھی۔

بہر حال تقدیر کا لکھا ہو کر رہتا ہے۔ پیغام ملتے ہی محصورین نے عکا سے نکلنے کی تیاری تو شروع کی مگر ان کی بڑی تعداد نے سلطان کی تاکید کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے مال و اسباب کی گٹھڑیاں باندھنا شروع کر دیں۔

نصف شب ہو چکی تھی۔ دن بھر کی ہولناک جنگ کے بعد بھی عکا کی وادی میں سلطان کے سپاہی زرہ بکتروں اور اسلحے کے بوجھ کے ساتھ گھوڑوں کی پیٹھ پر مستعد بیٹھے رہے۔ سلطان ایوبی کے افسران اپنے بہادروں کو لے کر بالکل تیار کھڑے تھے کہ جونہی عکا کے محصورین محاصرے سے نکلنے لگیں یہ دشمن پر عقب سے حملہ کر کے اسے ہراساں کر دیں اور یوں اپنے بھائیوں کو بچ نکلنے کا موقع دیں۔ سلطان کے یہ سپاہی بے چینی سے اہل عکا کی طرف سے اس مخصوص نعرے کے منتظر تھے جو ان کی روانگی کی علامت کے طور پر طے ہوا تھا مگر وقت گزرتا گیا اور وہاں سے کسی ہل چل کی آواز سنائی نہ دی۔

اُدھر عکا میں موت کے مسافر زندگی کے ہر سفر کی طرح پوری طرح تیار ہو کر نکلنا چاہتے تھے جب کہ موسم گرما کی رات تین چار گھنٹوں بعد سحر میں تبدیل ہونے والی تھی۔ آخر انہی تیاریوں میں مشرق سے سپیدۂ سحر نمودار ہو گیا اور عکا کے محصورین حیران و پریشان کھڑے رہ گئے۔ تب انہوں نے یہ سوچ کر خود کو تسلی دی کہ یہ کوشش کل کر لی جائے گی مگر ان کو معلوم نہیں تھا کہ ایسی کل ان کی قسمت میں نہیں ہے۔

اگلے دن جمعہ 10 جمادی الاخریٰ 587ھ (4 جولائی 1191ء) کو صلیبی عکا کی زبردست ناکہ بندیوں

❶ النوادر السلطانیہ ص255

میں مصروف ہو گئے۔ صبح صادق تک وہ اس بات سے بالکل بے خبر تھے کہ اہلِ عکا نے فرار کا منصوبہ بنایا ہوا ہے مگر تھوڑی دیر بعد انہیں سب پتا چل گیا۔ ہوا یہ تھا کہ اہل عکا کے دو غلاموں نے جو رات کو سب کے ساتھ نکلنے کی تیاریاں کر رہے تھے، سفر کو ملتوی ہوتے دیکھ کر یقین کر لیا کہ انہیں اگلی شب نصیب نہیں ہوگی۔ چنانچہ وہ چپکے سے شہر سے نکل کر فرنگیوں کے پڑاؤ میں چلے گئے اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انہیں اہلِ شہر اور سلطان ایوبی کے درمیان طے شدہ منصوبے سے آگاہ کر دیا۔ پھر کیا تھا! صلیبیوں نے زبردست تیاریوں کے ساتھ ہر جانب سے شہر کا اتنا سخت محاصرہ کر لیا کہ شہر سے کسی آدمی کے بچ نکلنے کے امکانات ہی ختم ہو گئے۔ ❶

ایک اور سفارت۔ انگریزوں کا اصل مقصد: اس دن سلطان ایوبی کی فوج وادی کے دوسرے کنارے پر چوکس کھڑی تھی۔ ادھر صلیبی بھی چوکنا تھے مگر جنگ شروع نہ ہوئی کیونکہ اسی دن رچرڈ کی جانب سے پھر ایک سہ رکنی سفارت سلطان کے پڑاؤ میں آ گئی تھی جس کے ارکان الملک العادل سے مذاکرات کر رہے تھے۔ دن بھر کی گفتگو عبث رہی اور سفیر واپس چلے گئے۔

خود بخود سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اس وقت جب کہ محاذ پر فرنگیوں کی گرفت نہایت مضبوط تھی اور عکا ان کے پنجے میں آ چکا تھا وہ مذاکرات کا راستہ کیوں باقی رکھنا چاہتے تھے؟

دراصل ان کا مقصد یہ تھا کہ عکا کی فتح کو زیادہ سے زیادہ کامیابیوں کا ذریعہ بنایا جائے اور جو مقاصد وہ بزورِ شمشیر حاصل نہیں کر سکے مذاکرات اور معاہدوں کے ذریعے ان کو حاصل کیا جائے۔ رچرڈ جو مذاکرات کا شوشہ لانے میں پیش پیش تھا انگریزوں کی روایتی مکاری سے کام لے رہا تھا۔ درحقیقت اس سمیت کوئی بھی صلیبی رہنما مذاکرات میں صاف نیت نہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ سلطان ایوبی کے امراء اہلِ عکا کے ممکنہ انجام سے پریشان ہیں اس لیے وہ مسلمانوں کے خوف سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ ان سے اہل عکا کے تحفظ کے جھوٹے وعدے کر کے زیادہ سے زیادہ مطالبات منوائے جائیں۔ ❶

سبز پوش لشکر: آزمائش کی ان سخت ترین گھڑیوں میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جن سے عکا کے مجاہدوں کی گرتی ہوئی ہمت بلند ہو گئی جبکہ صلیبی جو ایک دو دن میں عکا کو سرنگوں پر تلے ہوئے تھے قدرے پست حوصلہ ہو گئے۔

جمعے اور ہفتے (11 جمادی الآخریٰ، 5 جولائی) کی درمیانی رات فرنگیوں نے ہوا کے دوش پر کچھ عجیب

❶ النوادر السلطانیہ: 255

❶ النوادر السلطانیہ: 255، 256

سا شور سنا، انہوں نے ان آوازوں پر کان لگا دیئے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی امدادی لشکر چلا آ رہا ہو۔ صلیبی پہرے داروں نے اپنی چھاؤنی کی بلندی پر چڑھ کر دیکھا تو انہیں سینکڑوں سبز پوش سوار عکا میں داخل ہوتے دکھائی دیئے۔ وہ حیران رہ گئے کہ اتنے سخت پہرے کے باوجود یہ امدادی فوج عکا تک کیسے پہنچ گئی۔

اگلے دن صلیبیوں کے ایک نمائندے نے عکا کی فصیل کے نیچے آکر دوستانہ انداز میں مسلمانوں کو پکارا اور کہا:

"تمہیں تمہارے دین کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں مجھے بتاؤ کل رات تمہیں کتنے سپاہیوں کی کمک ملی؟"

عکا کے جانبازوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر صلیبی نمائندے کو دیکھا کیوں کہ ایسا کوئی واقعہ سرے سے نہیں ہوا تھا۔ انہیں لشکر تو کجا ایک امدادی سپاہی بھی نہیں ملا تھا، ہاں گزشتہ رات کا شور وغل انہوں نے بھی سنا تھا جس سے وہ خود یہ گمان کر کے پریشان ہو رہے تھے کہ شاید فرنگیوں کی مزید افواج آ رہی ہیں۔ تاہم صلیبی نمائندے کے سوال سے انہیں ایک نفسیاتی حربہ ہاتھ آ گیا تھا۔ ان کے ہوشیار افسران میں سے ایک نے فوراً جواب دیا:

"ہمیں صرف ایک ہزار سواروں کی کمک ملی ہے۔"

صلیبی نمائندے نے اپنی "باخبری" کا رعب جتاتے ہوئے کہا:

"خیر وہ ایک ہزار تو نہیں، اس سے کچھ کم تھے۔ ہم نے خود انہیں سبز وردیوں میں ملبوس شہر میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔"[1]

غیبی لشکر کے نزول کے واقعے سے عکا کے مسلمانوں کی ہمت بہت بڑھ گئی اور وہ فرار کے خیال کو جھٹک کر آخری دم تک لڑنے کے لیے تیار ہو گئے، اب شہادت ہی ان کا ہدف ٹھہرا تھا۔ ادھر فرنگی بھی اس عجیب واقعے کی وجہ سے عکا پر فوری قبضے سے رک گئے اور انہیں اپنی ناکہ بندی کے سخت ترین انتظامات پر اعتماد نہ رہا۔ انہوں نے محاصرے کو مزید چند دنوں تک طول دینے، سلطان سے مذاکرات جاری رکھنے اور نفسیاتی دباؤ بڑھانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اسی دن وہ سلطان کی فوج کے سامنے بڑی آن بان کے ساتھ صف بندی کر کے نکلے جیسے آج وہ کھلے میدان میں سلطانی سپاہ سے ٹکرانا چاہتے ہوں۔ کچھ دیر بعد چھاؤنی کی فصیل کے بڑے دروازے سے جس پر مٹی کا گنبد بنا ہوا تھا زرق برق لباس پہنے چالیس افراد

[1] الوادر السلطانیہ:266

باہر نکلے۔ اس وفد کا قائد صیدا کا وہ سابق مسیحی حاکم تھا جسے کسی زمانے میں سلطان نے رہا کیا تھا۔ وفد کے ارکان غالباً الملک العادل کی تیزی وطراری سے مرعوب تھے، اس لیے انہوں نے اس کی بجائے سلطان کے مملوک امیر نجیب الدین عدل سے گفتگو کی خواہش ظاہر کی جو سلطان کی طرف سے فرنگی حکام سے نامہ و پیام کی خدمت انجام دیتا رہتا تھا اور یورپی زبانیں جانتا تھا۔ وہ چند مملوک امراء کے ساتھ آ گیا۔ سلطان نے مذاکرات میں اپنی جگہ الملک العادل اور الملک الافضل کو امور کی تفصیل سننے کا ذمہ دار بنا دیا۔ نجیب الدین عدل نمائندہ بن کر کئی بار مجلسِ مذاکرات میں گیا، فرنگیوں سے گفتگو کی اور پھر الملک العادل اور الملک الافضل کو آ کر صورت حال بتائی۔

اس دن کے مذاکرات میں سلطان کی جانب سے فرنگیوں کو پیش کش کی گئی کہ اگر عکا کے مسلمانوں کو جانی تحفظ فراہم کیا جائے تو عکا اور اس کے تمام مال و دولت، اناج اور اسلحے پر صلیبیوں کا استحقاق مان لیا جائے گا اور محصورینِ عکا کی تعداد کے مطابق عیسائی قیدیوں کو رہا کر دیا جائے گا۔ صلیبی نمائندوں نے اسے کافی نہ سمجھا۔ تب سلطان کے نمائندوں نے 'صلیب الصلبوت' واپس کر دینے کی بھی پیش کش کی جو معرکۂ حطین میں چھینی گئی تھی مگر فرنگی سفیروں نے اسے بھی کم باور کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ سلطان نصرانیوں کے تمام شہر اور تمام قیدی واپس کر دے۔ یہ غیر معقول مطالبہ ہرگز قابلِ سماعت نہ تھا، اس لئے مذاکرات بے نتیجہ رہے۔ ①

<u>ہم نے موت پر بیعت کر لی ہے</u> ٭ اگلے دن اتوار (12 جمادی الاخریٰ، 6 جولائی) کو عکا سے ایک غوطہ خور سلطان کی خدمت میں پہنچا۔ اس نے سلطان کو غیبی لشکر کے ظہور اور فرنگیوں کی مرعوبیت کا قصہ سنایا اور ساتھ ہی عکا کے امراء کا موم جامہ خط پیش کیا جس میں تحریر تھا:

> ''ہم نے موت پر بیعت کر لی ہے۔ مرتے دم تک لڑیں گے مگر جیتے جی شہر دشمن کے حوالے نہیں کریں گے۔ آپ بتایئے کہ آپ دشمن کو شہر سے ہٹانے اور ہم پر حملے روکنے کے لئے کیا کر سکتے ہیں، آپ اس دشمن کے سامنے عجز و انکسار اور نرم جوئی کے اظہار سے بچتے رہیے گا۔ بہر حال اب شہر کو بچانے کا موقع ہمارے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔'' ②

<u>اسلامی اور صلیبی کمک</u> ٭ اس دوران فرنگیوں کی قوت میں مزید اضافہ ہو رہا تھا۔ کونرڈ مارکوئیس جو ناراض ہو کر صور چلا گیا تھا صلیبی جنگ کو کامیابی کی جانب گامزن دیکھ کر واپس آ گیا تھا۔ ادھر سلطان کو بھی کمک ملی تھی۔ 16 جمادی الاخریٰ (10 جولائی) کو اسد الدین شیر کوہ ایک فوج لے کر پہنچا، اس سے

---

① النوادر السلطانیہ: 255، 256　② النوادر السلطانیہ: 256۔ الکامل فی التاریخ: 10/205

پہلے حاکم شیزر سابق الدین اور حاکم حمص بھی آچکے تھے۔ بدرالدین دلدرم بھی بہت سے ترکمان مجاہدین کو لے کر آیا تھا۔ ⑤

اہل عکا کو امدادی فوج مل جانے کی غلط فہمی نے صلیبیوں کو کچھ ایسا حیرت زدہ کیا تھا کہ تقریباً ایک ہفتے تک وہ کسی بڑی کارروائی کی ہمت نہ کر سکے اور عکا نے سکرات کی حالت میں چند دن اور گزار لیے۔ اس دوران عکا کے سپاہیوں نے دن رات کام کر کے بیرونی فصیل کے منہدم شدہ حصوں کے پیچھے ایک اور دیوار تعمیر کر لی تھی اور اس کے کناروں کو باقی فصیل سے ملا دیا تھا۔ اب وہ اس پر مورچے بنا کر فرنگیوں کو قریب آنے سے روک رہے تھے۔

بہر حال چند دن کی مہلت مل جانے سے حالات کا رخ تبدیل نہ ہو سکا۔ جاں بلب مریض بتدریج موت کے منہ میں جا رہا تھا۔ فرنگیوں نے ناکہ بندی بڑی سخت کر دی تھی اور منجنیقوں کی تباہ کار نشانہ بازی سے بیرونی اور اندرونی فصیلوں میں جگہ جگہ نئے شگاف پیدا ہو رہے تھے۔ ⑥

مشطوب کا صلیبی قیادت سے معاہدہ: آخری دم تک لڑنے کا فیصلہ کرنے والے عکا کے سپہ سالار سیف الدین مشطوب کو اپنے ہمراہیوں کی جان کی قدر و قیمت کا پورا اندازہ تھا۔ وہ کوئی جنونی انسان نہیں تھا۔ اس نے شروع میں خود شاہِ فرانس کے پاس جا کر آبرومندانہ معاہدے کی کوشش کی تھی مگر اس کے پُرفریب اور تحقیر آمیز رویے کا تجربہ کرنے کے بعد اس نے گرفتاری پر موت کو ترجیح دینے کا فیصلہ کر کے سلطان کو بھی اسی فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا۔ یہ بات مشطوب کے اس پیغام میں واضح دکھائی دیتی ہے جو "12 جمادی الاخریٰ" کو سلطان کے نام بھیجا گیا تھا۔ اس خط میں بین السطور یہ التماس بھی تھی کہ سلطان دشمن سے صلح تو نہ کریں مگر بہر صورت اہل عکا کو بچانے کے لیے جو کر سکتے ہیں کریں مگر یہاں صورتحال کچھ ایسی تھی کہ عکا اور اہل عکا کو بچانے کیلئے سلطان کی تمام تر کوششیں فرنگیوں کی بے پایاں طاقت کے آگے رائگاں ثابت ہوئی تھیں۔ اب شاید سلطان کو بھی مکار فرنگیوں سے فریب آمیز صلح کی بجائے اہل عکا کا لڑتے لڑتے شہید ہو جانا بہتر معلوم ہو رہا تھا کیوں کہ خود سلطان اور رچرڈ کے درمیان بھی صلح کی گفت و شنید کے کئی ادوار ناکام ہو گئے تھے جس کی وجہ صرف اور صرف فرنگیوں کی حد سے بڑھ کر نامعقول فرمائشیں تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ سلطان نے مذاکرات میں حد درجہ لچک دکھائی تھی مگر تمام ساحلی شہروں اور تمام عیسائی قیدیوں کی واپسی جیسے سخت مطالبات وہ قطعاً قبول نہیں کر سکتے تھے کیوں کہ یہ کھلی شکست کے مترادف ہوتا۔ اہل عکا کو بھی سلطان کی مجبوریوں کا پورا اندازہ

⑤ النوادر السلطانیہ: 266، 267 ⑥ النوادر السلطانیہ: 257

تھا، تب زندگی بچانے کے فطری جذبے نے انہیں ایک بار پھر آخری کوشش کے طور پر فرنگیوں سے مذاکرات پر آمادہ کر دیا۔ سیف الدین مشطوب اور حسین بن باریک شہر سے نکل کر فرنگیوں کے قائدین سے ملے اور خاصی بحث کے بعد درج ذیل امور پر شہر خالی کرنے کا معاہدہ کر لیا:

1- عکا اور اس میں جو کچھ ہے...... بحری جہاز، کشتیاں، مال و دولت، خوراک اور اسلحے کے ذخائر...... سب پر فرنگیوں کا حق تسلیم کر لیا جائے گا۔
2- سلطان ایوبی دو لاکھ دینار صلیبیوں کو ادا کریں گے۔ یہ ادائیگی دو ماہ میں ہوگی۔
3- دو ماہ کے اندر فرنگی قیدیوں میں سے پندرہ سو عام افراد اور سو نامزد نائٹ رہا کیے جائیں گے جن کے نام دونوں فریق مل کر طے کریں گے۔
4- صلیب الصلبوت فرنگیوں کے حوالے کر دی جائے گی۔
5- عکا کے تمام افراد مرد و زن، عورتیں اور بچے اپنے ساز و سامان سمیت بحفاظت شہر سے نکل جائیں گے۔
6- اس معاہدے میں ثالث کے فرائض انجام دینے کے عوض کونرڈ مارکویس کو 10 ہزار اور اس کے مصاحبین کو چار چار ہزار دینار دیے جائیں گے۔ [1]

یاد رہے کہ معاہدے میں اہل عکا کو جانی تحفظ فراہم کرنے کی بہر صورت ضمانت دی گئی تھی۔ یہ بھی طے کر لیا گیا تھا کہ اگر سلطان نے معاہدے کو قبول نہ کیا اور مذکورہ شرائط پوری کرنے سے انکار کر دیا تب بھی اہل عکا کی جانیں مامون ہوں گی، ہاں اس صورت میں انہیں آزاد کرنے کی بجائے غلام بنا لیا جائے گا۔ [2]

یہ معاہدہ جمعرات 16 جمادی الاولیٰ (10 جولائی) کو ہوا تھا۔ اس کی اطلاع اگلے دن سلطان کو پہنچی تھی۔

تقدیر کا لکھا: اگلے دن (جمعہ 17 جمادی الاخریٰ، 11 جولائی) کی صبح ایک تیراک سلطان کے پاس پہنچا اور امرائے شہر کے مراسلے پیش کیے جن میں بتایا گیا تھا کہ اہل شہر مجبوری کی انتہاء کو پہنچ چکے ہیں، فصیل میں بکثرت شگاف ہو گئے ہیں، شہر کی مزید مدافعت ناممکن ہے، اگر دشمن شہر پر بزور شمشیر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اہل شہر کو قتل کر دیا جائے گا اور شہر کا سارا مال و متاع بہر صورت دشمن کے قبضے میں آ جائے گا اس لیے انہوں نے دشمن سے شہر اور اس کے اموال و ذخائر کی سپردگی، دو لاکھ دینار کی ادائیگی، 15 سو قیدیوں کی رہائی اور صلیب الصلبوت کی واپسی کی شرائط پر جان کی امان حاصل کر لی ہے۔

یہ مراسلہ پڑھ کر سلطان صلاح الدین ایوبی سناٹے میں آ گئے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ عکا کے امراء جو چند دن پہلے آخر دم تک لڑنے کا جوش و جذبہ ظاہر کر رہے تھے، اچانک ایسی سخت شرائط پر دشمن

[1] النوادر السلطانیہ: 257، کر سیڈ سٹ سالو
[2] النوادر السلطانیہ: 262، کر ال اسلمین

سے جان کی بھیک مانگنے لگیں گے! شہر بھی ان کے حوالے کیا جائے گا اور مال و متاع بھی۔ قیدی بھی واپس کر دیے جائیں گے اور صلیب بھی۔

یہ صلح نامہ سلطان کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ ان کی منشاء یہ تھی کہ اہل عکا آخری سانس تک مقابلہ کریں کیونکہ انہیں اس معاہدے پر ذرہ برابر وثوق نہیں تھا۔ وہ فرنگیوں کی مکارانہ فطرت سے وہ خوب واقف تھے۔

سلطان نے اسی وقت اپنے امراء اور سفیروں کو جمع کیا اور انہیں تازہ صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ اس معاہدے کو ماننے کیلئے تیار نہیں۔ اس کے بعد مجلس مشاورت میں اس بات پر بحث ہونے لگی کہ فرنگیوں سے اہل عکا کی جان کی بھیک مانگے بغیر آخر کس طرح انہیں فرنگیوں کے پنجے سے نکالا جائے۔ ❶

اس وقت عالم یہ تھا کہ سلطان سمیت ہر شخص کے چہرے پر تشویش و اضطراب کی پرچھائیاں لہرا رہی تھیں۔ عکا کی ڈوبتی کشتی کے مسافروں کی ہر پکار وہ اپنے دلوں سے سن رہے تھے مگر حیرت و پریشانی نے شاید انہیں کچھ سوچنے کے قابل نہیں رہنے دیا تھا۔ بہرکیف معاہدہ ناقابل قبول تھا اور سلطان نے طے کر لیا تھا کہ وہ مراسلہ لانے والے غوطہ خور ہی کے ہاتھ رات کے اندھیرے میں اپنا مکتوب عکا روانہ کریں گے جس میں امرائے عکا پر معاہدے کا ناقابل قبول ہونا واضح کر دیا جائے گا۔

مگر ابھی وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ دور عکا کی فصیلوں سے بے پناہ شور و غوغا سنائی دیا۔ یہ دوپہر کا وقت تھا اور جولائی کے شعلہ زن آفتاب کی روشنی میں ہر شے واضح دکھائی دے رہی تھی۔ سب نے تعجب بھری نظروں سے ادھر دیکھا تو ایک جگر سوز منظر ان کے سامنے تھا۔ فرنگی مریم و مسیح اور صلیب کے نعرے لگاتے ہوئے عکا میں داخل ہو رہے تھے۔ شہر کی فصیلوں اور برجوں سے اسلامی پرچم اتارے جا رہے تھے۔ فرنگی ان کی جگہ اپنے جھنڈے اور صلیبیں نصب کر رہے تھے۔ ❷

یہ منظر دیکھ کر سلطان پر جیسے بجلی گر پڑی۔ امراء، افسران اور تمام سپاہی دم بخود رہ گئے۔ ان کے لئے یہ تلخ حقیقت ناقابل برداشت تھی کہ تین سال کی جدوجہد اور ان گنت قربانیوں کے باوجود وہ اس شہر کو نہ بچا سکے۔ مگر جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ تقدیر کے لکھے کو کون ٹال سکتا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

فرنگی عکا میں ⁂ کونرڈ مارکوئیس جس نے صور سے آ کر اس معاہدے میں فرنگیوں کی طرف سے مرکزی کردار ادا کیا تھا، سب سے پہلے عکا میں داخل ہوا تھا۔ اس نے شاہان یورپ کے الگ الگ چار پرچم عکا کی جامع مسجد کے مینار، قلعے کے برج، فصیل کے برج قتال اور برج داویہ پر نصب کر دیئے تھے۔ ❸

❶ النوادر السلطانیہ: 257، 258

❷ النوادر السلطانیہ: 258

❸ النوادر السلطانیہ: 258، 259

اس منظر سے سلطان کے لشکر میں کہرام مچ گیا۔ ہر شخص آبدیدہ نظر آرہا تھا۔ مسلمان اس واقعے سے اس قدر دل شکستہ تھے کہ ان کے اعصاب شل ہو گئے تھے۔ بڑے بڑے اہل ہمت حواس باختہ تھے۔

قاضی ابن شداد اس وقت اہل ایمان کے جذبات کی منظر نگاری یوں کرتے ہیں:

''مسلمانوں پر یہ نہایت سخت حادثہ گزرا۔ فرزندانِ توحید کا رنج وغم شدید تھا، اچھے اچھے عقلمند ایسے گنگ ہوئے کہ 'اناللہ وانا الیہ راجعون' تک پڑھنا بھول گئے۔ اچانک مصیبت اور شدید حیرت لوگوں پر چھا گئی۔ لشکر میں لوگ چیخ و پکار کر رہے تھے، رو رہے تھے، سسکیاں اور ہچکیاں لے رہے تھے۔ ہر شخص نے اپنے ایمان کے بقدر اس حادثے کا رنج محسوس کیا اور اپنی دینداری کے مطابق اس مصیبت سے متاثر ہوا۔ اس سانحے کا مشاہدہ کرنے والے فرزندان اسلام پر غم کی ایسی کیفیت طاری تھی جس کے ہوتے ہوئے زندہ رہ جانا تعجب خیز بات تھی۔''[1]

نہ ہوا تقی الدین عمر ❁ جن دنوں عکا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل رہا تھا سلطان کو اپنا جرنیل تقی الدین عمر شدت سے یاد آرہا تھا کیوں کہ اس وقت محاذ پر اس کی موجودگی ناگریز تھی۔ سقوطِ عکا کے بعد سلطان کو کئی بار یہ کہتے سنا گیا کہ قضاوقدر کے فیصلے کے بعد عکا پر فرنگیوں کے قبضے کا بڑا سبب تقی الدین عمر کا محاذ سے غیر حاضر ہونا تھا۔ اس کی عدم موجودگی سے نہ صرف یہ کہ اُس کی فوج اس موقع پر محاذ سے غائب رہی بلکہ کئی مشرقی صوبوں کے حکام نے بھی اس خوف سے سلطان کو امدادی فوج روانہ نہ کیں کہ تقی الدین ان کی سرحدوں پر موجود ہے، کہیں وہ ان کے شہروں پر قبضہ نہ کرلے۔[2]

یہ بات بھی ظاہر ہے کہ تقی الدین کے نہ ہونے سے سلطان کی فوج میں وہ ہمت باقی نہیں رہ سکتی تھی جو اس کی کمان میں لڑتے وقت ہوا کرتی تھی۔ دوسری طرف اس کے نہ ہونے سے صلیبی یقیناً بے باک ہو گئے ہوں گے کیونکہ خود یورپی مؤرخین کے نزدیک فریقین کے سپہ سالاروں میں سب سے بڑھ کر تقی الدین عمر ہی تھا۔

کاش کہ بحری امداد مل جاتی ❁ عکا کے سقوط کا ایک اہم ترین سبب یہ تھا کہ نہ تو سلطان کی بحریہ فرنگیوں کی بحریہ کے مقابلے کی تھی اور نہ ہی اس دوران کسی اور اسلامی ملک نے اپنے بحری جہازوں کے ذریعے سلطان کی فوج کو مضبوط کرنے کی زحمت گوارا کی تھی۔ حالاں کہ سلطان نے پوری کوشش کی تھی کہ انہیں کسی اسلامی ملک سے مطلوبہ تعداد میں بحری جہاز میسر آجائیں۔ عکا کے محاصرے کے دوران سلطان کے ذہن میں یہ خیال پختہ ہو چکا تھا کہ وہ بحری جنگ میں غلبے کے ذریعے ہی دشمن کا ناطقہ بند اور

[1] النوادر السلطانیہ: 259 [2] الروضتین: 4/240

محصور شہر کو آزاد کرا سکتے ہیں مگر تنہا شام اور مصر کی بحریہ یورپ کی درجن بھر مملکتوں کے مشترکہ بیڑوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ مسلسل جنگوں کی وجہ سے سلطان ایوبی کا خزانہ خالی ہونے کو تھا۔ ان کے پاس اتنے وسائل نہیں تھے کہ وہ مختصر مدت میں بحریہ کو خاطر خواہ تقویت دے سکتے۔ پھر جنگِ عکا پوری شدت سے جاری تھی اور ایسے جامع منصوبوں پر توجہ دینے کی فرصت بالکل نہیں تھی۔ ان حالات کے پیش نظر جنگ کے دوران سلطان نے محاذِ جنگ سے مراکش اور شمالی افریقہ کے حکمران امیر یعقوب بن یوسف کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا تھا جس میں صلیبیوں کے خلاف اسلام کے نام پر بحری افواج کی کمک طلب کی گئی تھی۔ امیر یعقوب بن یوسف کا خاندان تین نسلوں سے شمالی افریقہ اور اندلس پر حکومت کر رہا تھا۔ یہ اس عبدالمؤمن کا پوتا تھا جس نے مرابطین کے زوال کے بعد اسلامی اندلس کو عیسائیوں کے نرغے سے نکالا تھا۔

سلطان ایوبی کا خط قاضی فاضل رحمہ اللہ نے 28 شعبان 586ھ (30 ستمبر 1191ء) کو تحریر کیا تھا۔ مصر میں مقیم سلطان کے معتمد امیر عبدالرحمٰن ابن منقذ کو اس اہم سعادت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی جو 13 رمضان (15 اکتوبر) کو اسکندریہ کے ساحل سے ایک کشتی میں بیٹھ کر مراکش روانہ ہوا۔ 25 شوال (25 نومبر) کو وہ امیر یعقوب کی مملکت کے پہلے شہر طرابلس (موجودہ ٹریپولی) کی بندرگاہ پر اترا۔ یہاں سے دشوار گزار اور طویل صحرائی سفر کر کے وہ 7 ذوالحجہ 586ھ (5 جنوری 1191ء) کو مراکش کے دارالحکومت پہنچا اور امیر کے وزیر ابوحفص سے مل کر اسے سلطان کا خط پیش کیا۔ سفیر کو بروز 20 ذی الحجہ (18 جنوری) امیر یعقوب کی خدمت میں باریابی کا موقع ملا۔ اس نے شاہی مراسلے کے ساتھ وہ ہدایا نذر کئے جو سلطان نے بھیجے تھے۔ ان میں مشک، عنبر اور عود جیسے قیمتی عطر، 100 کمانیں، 20 ہندی تلواریں اور سات سو تیر شامل تھے۔

دربار مراکش میں معروضات پیش کرتے ہوئے ابن منقذ نے اپنے آقا سلطان صلاح الدین ایوبی کے ان کارناموں کا تذکرہ کیا جو انہوں نے امت مسلمہ کے لئے انجام دیئے تھے۔ فرنگیوں کو پے در پے شکستیں دینے، ساحل شام کے بیشتر حصے کو پرستارانِ صلیب سے واپس لینے اور بیت المقدس کو فرنگیوں سے آزاد کرانے کا تذکرہ کرنے کے بعد اس نے یورپی اقوام کے شام پر مشترکہ حملے، تیسری صلیبی جنگ اور عکا کے معرکوں کے حالات ذکر کئے۔ عکا کے محاصرے کا نقشہ کھینچنے کے بعد ابن منقذ نے سلطان کی ہدایات کے مطابق امیر یعقوب سے گزارش کی کہ اگر وہ ایک مضبوط بحری بیڑہ فراہم کر کے فرنگیوں کو عقب سے گھیر لیں اور ان کا یورپ سے کمک و رسد کا راستہ مسدود کر دیں تو صلیبی جنگ کا پانسا پلٹ سکتا ہے اور فرزندانِ توحید اس کڑی آزمائش میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔

امیر یعقوب نے سلطان کے سفیر کی گذارشات غور سے سنیں اور اسے عزت واحترام سے اپنے ہاں ٹھہرائے رکھا مگر سلطان کی درخواست کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ ابن منقذ نے کتنا عرصہ مراکش میں قیام کیا تاہم اسے واپسی میں غیر معمولی تاخیر ہوتی چلی گئی۔ ادھر عکا کے معرکے جاری تھے۔ فرنگیوں کا محاصرہ دوسرے سال میں داخل ہوگیا، ابن منقذ پھر بھی واپس نہ آیا، امیر یعقوب کی طرف سے سلطان کے لئے بحری کمک کی کوئی سن گن بھی نہ ملی۔ آخر کار فرنگیوں نے عکا پر قبضہ کرلیا مگر مراکش کا بیڑا آنا تھا نہ آیا۔

ابن منقذ اپنی روانگی کے 21 ماہ بعد یعنی سقوط عکا کے بھی ایک برس بعد 28 جمادی الاخریٰ 588ھ (10 جولائی 1192ء) کو بے نیل مرام واپس اسکندریہ پہنچا۔ یہ بات نہایت افسوس ناک تھی کہ سلطان کی درخواست کے باوجود کفر واسلام کی کشمکش کے اس نازک ترین مرحلے پر بھی امیر یعقوب بن یوسف نے ان کی اعانت نہیں کی۔ فرزندان تثلیث متحد ہوکر اسلام کے خلاف صف بستہ تھے مگر مسلم حکمرانوں کا کوئی مشترکہ محاذ نہ بن سکا۔ کوئی بڑا مسلم حکمران سلطان ایوبی کی مدد کو نہ آیا۔ امیر یعقوب نے عمر کا بڑا حصہ اندلس میں نصرانیوں سے جہاد کرتے ہوئے گزارا تھا، اس کے باوجود اس نے سلطان ایوبی کی مدد کیوں نہ کی؟ اس کی وجہ صرف یہ بتائی جاتی ہے کہ سلطان نے اپنے مکتوب میں اسے 'امیر المومنین' کے لقب سے یاد نہیں کیا تھا کیونکہ ایشیا کے تمام مسلم سلاطین کی طرح سلطان ایوبی بھی صرف عباسی خلیفہ کو اس لقب کا حق دار تصور کرتے تھے جبکہ امیر یعقوب اندلس کے سابقہ حکمرانوں کی طرح خود کو امیر المؤمنین کہلوانا پسند کرتا تھا۔ سلطان ایوبی کے مراسلے میں اس لقب کے ساتھ مخاطب نہ کیے جانے سے اسے دکھ ہوا لہٰذا اس نے سلطان کی مدد سے پہلوتہی کی۔ [1]

کاش کہ وہ اس آزمائش کی گھڑی میں سلطان کے ساتھ کسی قدر تعاون کردیتا تو عکا فرنگیوں کے ہاتھوں میں جانے سے محفوظ رہ سکتا تھا۔

تاریخ نے قوموں کے وہ دن بھی دیکھے ہیں
لمحوں نے خطا کی تھی، صدیوں نے سزا پائی

---

[1] کتاب الروضتین 4/204 تا 208 مدرسالہ صلاح الدین رسالہ الی ملک المغرب

فصل:11

اہل عکا کا قتل عام

سلطان صلاح الدین ایوبی بار بار اپنی خیمہ گاہ سے عکا کی سرنگوں خاکستری فصیل کو دیکھتے جو کل تک اپنے محافظوں کے بل بوتے پر سر اٹھائے کھڑی تھی..... آج اس پر برطانیہ اور فرانس کے پرچم لہرا رہے تھے..... اس کے بلند و بالا برجوں پر آویزاں صلیبیں سلطان کی ہمت کو للکار رہی تھیں..... سلطان کا رنج اور صدمے سے برا حال تھا..... قاضی ابن شداد کے بقول وہ اس ماں کی طرح بے تاب تھے جس کا بچہ گم ہو گیا ہو اور وہ حیران و پریشان پھر رہی ہو..... اس حالت میں سلطان کے قریبی مشیر اور رفقاء انہیں تسلیاں دے رہے تھے..... کاتب عماد نے کہا:

"ایک شہر جانے کا کیا غم، اسلام تو ختم نہیں ہوا..... اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت پر یقین تو کمزور نہیں پڑا۔"⁰

قاضی بہاء الدین ابن شداد نے سلطان کو حوصلہ دلاتے ہوئے انہیں آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں سوچ بچار کی ضرورت کا احساس دلایا۔ عکا کے بعد دوسرے ساحلی شہر اور پھر بیت المقدس صلیبیوں کا ہدف تھے..... اب ان کی فکر کرنا زیادہ اہم تھا، نیز عکا کے قیدی مسلمانوں کی خلاصی کے لیے فرنگیوں سے معاملات طے کرنا ناگزیر تھا..... قاضی صاحب نے سلطان کو یہ مسائل یاد دلا کر ان کی چوٹ کھائی ہوئی طبیعت کو مثبت انداز فکر کی طرف مائل کر دیا۔

اس دن بھی سلطان نے فوج کو تیار حالت میں رہنے کی ہدایت کی تاکہ اگر حریف فتح کے نشے میں بدمست ہو کر کھلے میدان میں مقابلے کے لیے نکل آئے تو وہ اس سے دو دو ہاتھ کر سکیں، اس کے ساتھ ہی سلطان نے خیمہ گاہ اور فوج کا سب ساز و سامان اسی رات شفرعم کی بلند ڈھلوانوں پر منتقل کرا دیا کیوں کہ عکا کا قضیہ ختم ہو چکا تھا اور بہت جلد فرنگیوں سے دیگر میدانوں میں معرکے شروع ہونے والے تھے۔

⁰ کتاب الروضتین 204/4

ابھی سے اس کی پیش بندی کرنا ضروری تھا۔ [1]

فرنگیوں کی اہلِ عکا سے عہد شکنی: عکا کے امراء نے شہر ایک معاہدے کے تحت حوالے کیا تھا مگر شہر فتح کرنے کے بعد کفار کے تیور بدل گئے۔ انہوں نے اہلِ عکا کو پرامن طور پر شہر سے نکلنے کا موقع دینے کی بجائے انہیں حراست میں لے لیا اور جنگی قیدیوں کا درجہ دیا۔ ان میں سے بہت سوں کو زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑ دیا گیا۔ [2] عکا کی جامع مسجد ایک بار پھر تثلیث کی علامات سے آلودہ کر کے گرجے میں تبدیل کر دی گئی۔ نصرانی افسران جشن مسرت مناتے ہوئے شراب کے جام لنڈھا رہے تھے اور مسلمان قیدیوں سے جانوروں کی طرح محنت و مشقت کے کام لے رہے تھے۔

وہ عکا پر قبضہ کرنے میں برداشت کی گئی تمام تکالیف کا غصہ ان قیدیوں پر نکال رہے تھے۔ بلاشبہ عکا کے معرکے میں انہوں نے بھاری جانی و مالی نقصانات اٹھائے تھے۔ [3]

قاضی فاضل کے ایک مکتوب سے جو مراکش میں مقیم سلطان کے سفیر شمس الدولہ کے نام تھا، معلوم ہوتا ہے کہ دو سالہ جنگ میں کم از کم پچاس ہزار عیسائی مارے گئے تھے۔ [4] جبکہ عیسائی مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ ان کے 80 ہزار کے لگ بھگ عام سپاہی ہلاک ہوئے تھے، ان کے علاوہ پانچ سو امراء، چالیس نواب، چھ بڑے پادری اور تین حکمران عکا کے معرکوں میں کام آ گئے۔ صلیبی چھاؤنی کے ارد گرد دور تک ان مقتولین کی قبریں نظر آتی تھیں۔ [5]

یروشلم کا بادشاہ کون؟ فتح کے بعد صلیبیوں نے سلطان ایوبی کے مقابلے میں کھلے میدان کی جنگ سے گریز کیا اور عیش عشرت میں منہمک رہ کر ناچتے گاتے رہے۔ جب چند دنوں بعد ہنگامہ تھما تو انہیں القدس تک کی منازل طے کرنے سے پہلے مقدس شہر کی بادشاہت کا مسئلہ طے کرنے کی فکر لگ گئی۔ یہ بڑا اہم معاملہ تھا کیونکہ القدس کا حکمران نہ صرف مستقبل کے "مسیحی شام" کا حکمران ہوتا بلکہ اسے ایک بڑے روحانی رہنما کی حیثیت بھی حاصل ہوتی۔

مجلس مشاورت میں شاہِ فرانس فلپ آگسٹس، شاہِ انگلستان رچرڈ، لوسگنان خاندان کے تینوں نامور فرزند (گائی، جافرے اور کانسٹیبل امالریک)، ارل آف ایسٹر، ہنری اوف شمپین، کونرڈ اور کئی نامور سردار موجود تھے۔

---

1. النوادر السلطانیہ:259
2. کتاب الروضتین 265/4
3. صلیبی جنگیں:214
4. کتاب الروضتین:269/4
5. صلیبی جنگیں:215

کونرڈ القدس کی بادشاہت کے لیے سب سے زیادہ بے تاب تھا۔ اس کے مقابلے میں دوسرا امیدوار سابق حکمران القدس "گائی" تھا۔ گائی اور کونرڈ دونوں یروشلم کے شاہی خاندان سے تعلق نہیں رکھتے تھے مگر گائی کو ماضی میں یہ منصب اس لیے مل گیا تھا کہ وہ شاہی خاندان کی ملکہ سبل کا شوہر تھا تاہم گزشتہ سال سبل کی موت کے بعد گائی اس اعزاز سے محروم ہو گیا تھا۔ وہ اور کونرڈ یکساں مقام پر آگئے تھے۔

یورپی مؤرخین بتاتے ہیں کہ عیار کونرڈ نے اس موقع پر اپنا قد کاٹھ بڑھانے اور شاہی خاندان سے ناتا جوڑنے کے لیے ایک عجیب چال چلی۔ ہوا یہ کہ سبل کی موت کے بعد صلیبی عمائد نے اتفاقِ رائے سے "ملکہ" کا منصب اس کی چھوٹی بہن ازابیل کو دے دیا تھا۔ کونرڈ نے ازابیل پر ڈورے ڈالے اور اس سے شادی کرنے کی کوشش کی۔ یہ کام تقریباً ناممکن تھا کیوں کہ 19 سالہ ازابیل پہلے سے شادی شدہ تھی۔ کئی سال پہلے کرک کے قلعے پر سلطان صلاح الدین کے حملے کے دوران اس کی شادی بڑی ہنگامی حالت میں ہمفری آف ٹورون سے ہوئی تھی۔ ازابیل کو اپنے شوہر پر اعتماد تھا۔ وہ اس سے علیحدگی کے لیے تیار نہیں تھی مگر چالاک کونرڈ نے کلیسا کے اربابِ حل وعقد کو حامی بنا کر ان سے اس شادی کو کالعدم کروانے کا فیصلہ لے لیا۔ پادریوں نے کہہ دیا کہ یہ شادی ازابیل کے نابالغ ہونے کی حالت میں ہوئی تھی لہٰذا اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ اب کونرڈ کے لیے کام آسان تھا، اس نے "ازابیل" کو بہلا پھسلا کر اس سے نکاح کر لیا اور پھر "ملکہ" کے قانونی شوہر ہونے کی حیثیت سے تختِ یروشلم کے استحقاق کا دعویٰ کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے شاہِ فرانس کو بھی شیشے میں اتار کر اس قضیے میں اسے اپنی حمایت پر آمادہ کر لیا تھا۔

اُدھر رچرڈ اور ٹمپلرز سردار، سابق شاہ "گائی" کے سوا کسی کو شاہِ یروشلم ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ خود رچرڈ اپنے لیے القدس کے سپہ سالارِ اعلیٰ کا منصب طلب کر رہا تھا۔ مجلسِ مشاورت میں فریقین کے درمیان خوب بحث اور تو تکار ہوئی، تاہم لڑ جھگڑ کر وہ اس پر متفق ہو گئے کہ گائی تاحیات شاہِ یروشلم رہے گا۔ اس کے مرنے کے بعد کونرڈ یا اس کا بیٹا تخت نشین ہوگا۔ اگر کونرڈ گائی سے پہلے مر گیا تو گائی کی موت پر رچرڈ کو اس منصب کا معاملہ طے کرنے کا پورا اختیار ہوگا بشرطیکہ وہ شام میں مقیم ہو۔

اس مجلسِ مشاورت کے فیصلوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ اب شام کی مسیحی ریاستوں کے سیاسی امور مقامی نصرانیوں کی بجائے یورپی تاجداروں کے ہاتھ میں چلے گئے ہیں۔ [1]

فلپ اور کونرڈ کی واپسی: اس دوران شاہِ فرانس فلپ آگسٹس نے اچانک فرانس واپس جانے کا

[1] گبالجبر، ص 217،218

فیصلہ کرلیا۔ واپسی کی وجوہ سیاسی تھیں مگر اس نے بیماری کا بہانہ بنایا تا کہ افواج پر منفی اثر نہ پڑے۔ اس نے اکثر سپاہیوں کو ڈیوک آف برگنڈی کی کمان میں وہیں چھوڑ دیا اور خود تھوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ یورپ کا رخ کیا۔ اس کی پہلی منزل صور تھی۔ اس کے ساتھ کونرڈ مارکویس بھی تھا جو معرکوں میں مزید الجھنا بے سود تصور کر کے صور واپس جا رہا تھا۔ صلیبی جنگ سے کونرڈ کو جن ذاتی فوائد کی توقع تھی وہ خواب بن گئے تھے لہٰذا اگائی کی حکمرانی کے لیے وہ میدانِ جنگ میں کیوں جان دیتا۔

فلپ آگسٹس یورپی حکمرانوں میں سب سے بڑا تھا اور گزشتہ چھ ماہ سے صلیبی جنگ کا مرکزی قائد شمار ہوتا تھا۔ کونرڈ مارکویس وہ شرپسند تھا جس نے شام کے ساحلوں سے یورپ کے ایوانوں تک صلیبی جنگ کا الاؤ بھڑکانے میں بنیادی کردار ادا کیا تھا۔ اب یکدم ان دونوں کے چلے جانے سے صلیبیوں کو ایک شدید دھچکا لگا تھا...... تاہم رچرڈ جیسا معرکہ آزما اب بھی موجود تھا...... صلیبی جنگ کی کمان اب خود بخود اس کے ہاتھ میں آ گئی تھی، اس ہوشیار حکمران نے سب سے پہلے عکا کی فصیل کی مرمت کرا کے اپنا دفاع مضبوط کرلیا۔ [1]

سلطان نے معاہدۂ عکا قبول کرلیا: سلطان اور رچرڈ کے درمیان عکا کے قیدیوں کی رہائی کی بات چیت شروع ہونے کو تھی مگر وہ معاہدۂ صلح جس کے تحت امرائے عکا نے شہر دشمن کے حوالے کیا تھا، اب بھی سلطان کے لیے سخت گراں تھا۔ صلیب الصلبوت دشمن کو واپس کرنے کا مطلب تھا کہ دشمن صلیبی جنگ کے دو اہم ترین اہداف میں سے ایک حاصل کرلیتا۔ القدس کو یروشلم بنانے کے بعد ان کا دوسرا اہم ہدف صلیب کی بازیابی ہی تھا۔ اس کا حصول ان کے لیے نصف فتح کے برابر تھا۔ سلطان اسے دشمنوں کو کیسے لوٹا دیتے۔ عیسائی قیدیوں کی واپسی اتنی کڑی شرط نہ تھی مگر دو لاکھ دینار کی ادائیگی نا قابل برداشت بوجھ تھا۔ خزانے میں اتنی رقم موجود نہ تھی، اتنی مالیت کے انتظام کے لیے ایک مدت درکار تھی کیونکہ پیداوار کے محاصل رفتہ رفتہ خزانے میں جمع ہوتے تھے، بہرکیف یہ تین ہزار مسلمانوں اور دو معزز ترین امراء کی جانوں کا مسئلہ تھا لہٰذا سلطان نے طبیعت پر جبر کر کے ان سخت شرائط کو پورا کرنے کی حامی بھر لی۔ اس کے بعد فرنگیوں سے بات چیت شروع ہوگئی فرنگیوں کے نمائندے سلطان کے معسکر میں آنے جانے لگے۔ [2]

لشکرِ اسلام کی عقب نشینی اور مذاکرات کا دور: 19 جمادی الثانیہ 587ھ (13 جولائی 1191ء) کی صبح سلطان ایوبی میدانِ جنگ سے پیچھے ہٹ کر شفرعم کی محفوظ خیمہ گاہ میں آ گئے...... اب فرنگیوں کی چھاؤنی کے سامنے صرف لشکرِ اسلام کے ہراول دستے تعینات تھے...... اس لیے کہ صلح کی بات چیت شروع ہو چکی تھی اور کسی فوری معرکے کا خدشہ جاتا رہا تھا...... اسی دن رچرڈ نے عکا کے یرغمال ناظم

---

[1] الروضتین: تحت 587 ہجری۔ سرلشکر صلیبی جنگیں: 217۔ صلاح الدین۔ لین پول: 210

[2] النوادر السلطانیہ: 250

بہاء الدین قراقوش کے حاجب آقوش کو تین فرنگیوں کے ہمراہ سلطان کے پاس روانہ کیا تا کہ وہ یرغمالیوں کی رہائی کے لیے معاہدے کے مطابق مال اور فرنگی قیدی لے کر آئے۔

سلطان نے انہیں اگلے روز (21 جمادی الثانیہ، 15 جولائی کو) فرنگی قیدیوں کی رہائی کے معاملات انجام دینے کے لیے دمشق بھیج دیا اور خود ایک قاصد رچرڈ کے پاس روانہ کیا تا کہ معلوم ہو سکے کہ صلح میں طے کردہ شرائط پوری کرنے کے لیے کتنی مہلت طے ہوئی تھی یا مزید کتنے وقت کی گنجائش مل سکتی ہے۔ ان مراحل میں کئی دن گزر گئے، جمادی الثانیہ اختتام پذیر ہونے لگا، تب تک دمشق جانے والا وفد چار ناحز فرنگی قیدیوں کو لے کر واپس آ گیا۔ ❶

ایک خون ریز جھڑپ ❀ فرنگی سور ما فتح کی خوشیاں مناتے ہوئے تلواریں نیاموں میں اڑس چکے تھے مگر یہ دیکھ کر کہ سلطان کا لشکر پیچھے ہٹ چکا ہے، انہیں جوش آ گیا اور 29 جمادی الثانیہ (23 جولائی) کو وہ یکدم عکا کے شمال کی طرف ساحل پر جمع ہو گئے، یہاں سے ان کے گھڑ سواروں اور پیادوں نے سلطان کے ہراول دستوں کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ سلطان نے یہ خبر ملتے ہی کمک روانہ کر دی اور بقیہ فوج کو بھی تیار ہونے کا حکم دیا، کچھ دیر بعد وہ خود گھوڑے پر سوار ہو کر محاذ کی طرف لپکے۔ تب تک وادی کے شمال میں صلیبیوں اور اسلامی ہراول میں زوردار جنگ چھڑ چکی تھی۔ سلطان کی جانب سے بھیجی جانے والی فوری کمک نے ہراول کو مضبوط کر دیا، اس لیے فرنگی اپنے عزائم میں ناکام رہے اور آخر کار 50 لاشیں چھوڑ کر اپنی خندقوں کی طرف پسپا ہو گئے۔ ❷

قسطوں میں شرائط کی تکمیل کی تجویز ❀ رجب (اگست) کے پہلے عشرے میں مذاکرات کا عمل تیز ہو گیا۔ مسیحی جلد از جلد صلیب الصلبوت کی واپسی اور دمشق میں قید اپنے سپاہیوں کی بازیابی کے خواہاں تھے۔ سلطان پر عائد دو لاکھ دینار کی بھاری رقم بھی وہ مختصر مدت میں حاصل کر لینا چاہتے تھے۔ بدلے میں انہیں عکا کے تین ہزار مسلمانوں کو رہا کرنا تھا مگر وہ اس میں تاخیر کر رہے تھے۔ رچرڈ کا موقف یہ تھا کہ جب تک سلطان کی طرف سے صلیب، فرنگی قیدی اور دو لاکھ دینار ادا نہیں کیے جاتے، یہ مسلمان قیدی یرغمال رہیں گے۔

چونکہ سلطان ایوبی کو دو لاکھ دینار کے انتظام کے لیے وقت درکار تھا، لہٰذا سلطان کے نمائندوں نے تجویز پیش کی کہ تمام شرائط کی تعمیل تین ماہ میں کی جائے گی یعنی ہر ماہ مطلوبہ رقم کا تہائی حصہ اور آزادی کے لیے طے کردہ قیدیوں کی تہائی تعداد فرنگیوں کے حوالے کر دی جائے گی۔ ❸

❶ النوادر السلطانیہ: 259 ❷ النوادر السلطانیہ: 260 ❸ النوادر السلطانیہ: 260، 261

<u>صلیب الصلبوت، صلیبیوں کے سامنے</u> ✵ فرنگیوں کے لیے سب سے اہم شے ''صلیب الصلبوت'' تھی۔ ان کو شک تھا کہ مسلمانوں نے اسے باقی بھی رکھا ہوگا یا نہیں۔ اگر وہ باقی ہے تو دمشق میں ہے یا بغداد میں۔ انہوں نے 9 رجب (یکم اگست) کو سلطان کے یرغمال امیر حسام الدین ابن باریک کو دو فرنگیوں کے ہمراہ یہ مطالبہ کہلا کر بھیجا کہ کم از کم انہیں صلیب کی ایک جھلک دکھادی جائے۔ سلطان کے اہلکار اس سے پہلے ہی دمشق جا کر صلیب الصلبوت لے آئے تھے، چنانچہ سلطان کے نمائندوں نے نصرانیوں کے ایک بڑے نمائندہ مجمعے کو دُور سے صلیب الصلبوت کا نظارہ کرادیا۔ عیسائی اس پر نظر پڑتے ہی زار و قطار روتے ہوئے سربسجود ہوگئے اور اپنے چہرے خاک آلود کر کے صلیب سے اپنے والہانہ تعلق کا اظہار کرنے لگے۔ انہیں یقین آگیا کہ صلیب انہیں واپس ملنے کو ہے۔ انہوں نے سلطان کو مسرت بھرے لہجے میں بتایا کہ ان کی قیادت اس بات پر متفق ہوگئی ہے کہ سلطان رقم کی ادائیگی اور قیدیوں کی رہائی کا عمل تین ماہانہ قسطوں میں پورا کردیں۔

اب سلطان نے پہلی قسط کی ادائیگی کے لیے کوشش شروع کردی، عمالِ حکومت نے خاصی دوڑ دھوپ کے بعد وقتِ مقررہ سے پہلے ایک لاکھ دینار سلطان کے پاس پہنچا دیے۔ اس کے ساتھ ساتھ فرنگی قیدیوں کی فہرست بنائی جانے لگی۔ سلطان کے کارندے نے دمشق کے جیل خانے کا دورہ کر کے اس سلسلے میں تیاریاں تقریباً مکمل کرلی تھیں۔ معاہدے کے مطابق 100 مشہور و معروف نامزد فرنگیوں اور 1500 غیر متعین عام افراد کی رہائی طے تھی۔ رچرڈ کے نمائندوں نے سو نامزد افراد میں سے اکثر کے نام تحریر کر کے دے دیے تھے جبکہ چند افراد کی تعیین پر غور و فکر جاری تھا۔ ❶

<u>مذاکرات کا انجام</u> ✵ دس رجب 587ھ (2 اگست 1191ء) کو سلطان ایوبی شفرعم کے قریب ایک ٹیلے پر منتقل ہوگئے ...... یہاں سلطان اور رچرڈ کے نمائندوں کے درمیان فیصلہ کن گفت و شنید شروع ہوئی۔ لگتا تھا جیسے ایک دو دن میں تمام معاملات خوش اسلوبی سے حل ہوجائیں گے۔ پہلی قسط میں سلطان کی جانب سے فرنگیوں کو صلیب الصلبوت، چھ سو عیسائی قیدی اور ایک لاکھ دینار حوالے کرنا طے ہوا۔ ادائیگی کے لیے آٹھ دن بعد (18 رجب، 10 اگست) کی تاریخ طے ہوگئی تھی۔ سلطان صلیب الصلبوت دکھا کر فرنگیوں کو اطمینان دلا چکے تھے، 1500 غیر متعین قیدیوں میں سے 600 افراد یہاں بلالیے گئے تھے۔ عمالِ حکومت نے ایک لاکھ دینار جمع کرلیے تھے۔ اب صرف 100 نامزد قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ رہ گیا تھا جو فرنگی نمائندوں کے ذمے تھا۔

❶ النوادر السلطانیہ: 261، الکامل فی التاریخ: 10/206

پورا ایک ہفتہ گزر گیا۔ سلطان کی جانب سے معاملات صاف وشفاف تھے، مگر رچرڈ کے نمائندے اب لیت ولعل سے کام لے رہے تھے، لگتا تھا وہ وقت گزارنا چاہتے ہیں، انہوں نے نامزد قیدیوں کی فہرست مکمل کر کے نہیں دی۔ سلطان کی فرنگیوں کی بدنیتی کا پہلے سے اندازہ تھا، اب ان کے شکوک پختہ ہونے لگے۔ انہوں نے اپنے امراء کو جمع کر کے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے رائے دی کہ قسط کی ادائیگی سے پہلے ٹیمپلرز کے سرداروں کو اس بات کا ضامن بنایا جائے کہ ان کی قوم معاہدے کے مطابق اہل عکا کو رہا کردے گی۔ اس کے علاوہ خود فرنگی نمائندوں سے بھی اس بات پر دوبارہ قسمیں لے لی جائیں۔

سلطان نے اس رائے کو پسند کرتے ہوئے ٹیمپلرز سے رابطہ کیا۔ یہ لوگ سخت سفاک ہونے کے باوجود بہرحال اپنے دین کے کڑے پابند تھے اور بدعہدی پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے سلطان کی پیشکش کے جواب میں فرنگیوں کے کسی قول وقرار کی ضمانت دینے سے معذرت کرلی اور کہا:

''ہم اپنے لوگوں سے عہد شکنی کا خطرہ محسوس کرتے ہیں۔''

کاتب عماد کے مطابق ٹیمپلرز نے کہا تھا:

''ہم ضامن نہیں بن سکتے، آپ انہی سے زبانی قول وقرار لے لیں۔''[5]

آخر 18 رجب (10 اگست) کو قسطِ اوّل کی ادائیگی کا دن آگیا۔ رچرڈ کے سفیروں نے آکر مطالبہ کیا کہ حسبِ وعدہ صلیب، 600 قیدی اور ایک لاکھ دینار انہیں دے دیے جائیں۔ سلطان کے نمائندوں نے انہیں اطمینان دلایا کہ وعدے کے مطابق ہم پہلی قسط میں صلیب الصلبوت، ایک لاکھ دینار اور 600 قیدی تمہیں دے رہے ہیں۔ تم بھی عکا کے تمام یرغمالیوں کو بحفاظت ہمارے حوالے کردو۔ مگر رچرڈ کے سفیروں کے تیور بدلے ہوئے تھے، وہ برابری کی بنیاد پر معاملہ طے کرنے کی بجائے دھونس اور دھاندلی پر اتر آئے تھے۔ یرغمالیوں کو سلطان کے حوالے کیے بغیر صلیب، قیدی اور رقم لینا چاہتے تھے۔

کبھی وہ اپنے حکمرانوں کا موقف یوں پیش کرتے: صلیب، رقم اور اپنے قیدی حاصل کرنے کے بعد ہم اہل عکا کے بارے میں من چاہا فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ کبھی وہ انداز بدل کر یوں گویا ہوتے: ممکن ہے آپ اپنے قیدیوں کی رہائی کے بعد بقیہ اقساط ادا کرنے سے انکار کردیں، لہٰذا پہلے تمام قسطیں ادا کی جائیں۔

سلطان کے سفیر یہی اعتراض ان پر کرتے کہ تینوں قسطوں کی ادائیگی کے بعد بھی اس کی بھلا کیا ضمانت ہے کہ تم اہل عکا کو رہا کردو گے، ممکن ہے اپنا حق حاصل کر کے تم انہیں قتل کردو!! جب فرنگی سفیر اصرار کرتے: ہم پر مکمل اعتماد کیا جائے، ہم تینوں قسطوں کی ادائیگی کے بعد یرغمالیوں کو رہا کردیں گے۔

---

[5] الروضتین: 260/4

مگر مسلمان جو صلیبیوں سے بارہا عہد شکنی کے زخم کھا چکے تھے، اس ہوائی وعدے اور کھوکھلی یقین دہانی پر کیسے اطمینان کر لیتے۔ معاملات کو بگڑتا دیکھ کر سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک صاف اور اصولی موقف اپنایا اور فرنگیوں کے سامنے دو صورتیں پیش کیں کہ وہ جسے چاہیں اختیار کر لیں:

1- فرنگیوں کی جانب سے تمام یرغمالیوں کی رہائی اور مسلمانوں کی طرف سے قسط اوّل کی ادائیگی عمل میں لائی جائے۔ مسلمان بقیہ دو قسطوں کی ادائیگی کی ضمانت کے طور پر فرنگیوں کے پاس کچھ افراد یرغمال رکھوا دیں اور ٹمپلرز سرداران یرغمالیوں کے تحفظ کی ضمانت دیں۔

2- اگر فرنگی ہمارے افراد کو فوراً رہا کرنے پر آمادہ نہیں تو بطورِ ضمانت اپنے کچھ افراد ہمارے پاس یرغمال رکھوا دیں اور ہمارے افراد کی رہائی کا وعدہ پورا کرنے کی قسمیں کھائیں۔ ہماری جانب سے جب تینوں قسطیں ادا کر دی جائیں تو وہ اہلِ عکا کو رہا کر دیں اور ہم ان کے یرغمال انہیں واپس کر دیں۔

رچرڈ کے نمائندوں نے اس موزوں ترین تجویز کو بھی مسترد کر دیا اور کہا:

''ہم ایسا نہیں کریں گے، ہم قسمیں نہیں کھائیں گے۔ بس آپ ہماری دیانت پر اعتماد کرتے ہوئے ہمیں اس قسط کے مطابق ہماری صلیب، ایک لاکھ دینار اور قیدی دے دیں۔ ہم اہلِ عکا میں سے اپنی مرضی کے مطابق کچھ لوگوں کو ابھی رہا کر دیں گے، باقی افراد بقیہ دو اقساط کی وصولی کے بعد رہا کیے جائیں گے۔''

سلطان ایوبی نے اس کھوکھلے وعدے پر اعتماد سے انکار کر دیا اور یوں مذاکرات کسی نتیجے پہنچے بغیر ختم ہو گئے۔ سلطان پر یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ فرنگی مذاکرات کے نام پر مسلمانوں سے دھوکا کرنا چاہتے ہیں۔ ①

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فرنگیوں کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اہلِ عکا کے کچھ غلاموں، مسکینوں اور کردیوں کو جن کو گرفتار کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا، رہا کر دیں گے اور امراء اور رؤساء کو قید میں رکھ کر ان کے بدلے مزید زرِ فدیہ حاصل کریں گے، چنانچہ سلطان نے ان کی بات مسترد کر دی۔'' ②

قاضی ابن شداد تحریر کرتے ہیں: ''سلطان نے فرنگیوں کی بات ماننے سے اس لیے انکار کر دیا کہ وہ جانتے تھے، اگر رقم، صلیب اور قیدی ان کے حوالے کر دیے گئے اور ہمارے افراد ان کے پاس ہی رہے تو ان سے عہد شکنی کا خطرہ ہے اور ایسی صورت حال میں اسلام کو ایسا دھچکا لگتا کہ اس سے سنبھلنا مشکل ہو جاتا۔'' ③

---

① النوادر السلطانیہ: 261 ② الکامل فی التاریخ: 207/10 ③ صلیبی جنگیں: 221

اہل عکا کا قتل عام: رچرڈ نے اپنے غیر منطقی طرزِ عمل سے مذاکرات کو سبوتاژ کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ کھرے اور صاف لین دین کا قائل نہیں اور اس قابل نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جا سکے مگر اپنی بد معاملگی پر غور کرنے کی بجائے رچرڈ نے مذاکرات کی ناکامی کی ذمہ داری مسلمانوں پر تھوپ دی۔ اس نے صلیبی امراء کی مجلس شوریٰ طلب کر کے عکا کے قیدیوں کے مستقبل کے بارے میں من مانا فیصلہ کرنے کے لیے رائے مانگی۔ جوش وخروش کے عالم میں یہ طے کیا گیا کہ چند بڑے امراء کو چھوڑ کر عکا کے تمام عوام وخواص کو قتل کر دیا جائے اور کشت وخون کا یہ ہولناک کھیل وادیٔ عکا میں مسلمانوں کے سامنے کھیلا جائے۔

انہوں نے اہل عکا سے جان کی امان کے وعدے کو بڑی بے حسی اور ڈھٹائی کے ساتھ فراموش کر دیا۔ منگل 27 رجب (19 اگست) کو صلیبی جوق در جوق عکا کی فصیل سے باہر نکلے۔ وہ عکا کے 26 سو مسلمانوں کو قربانی کے جانوروں کی طرح ہانک رہے تھے۔ ان میں مرد بھی تھے اور خواتین بھی۔ بچے بھی تھے اور بوڑھے بھی۔ عام سپاہی بھی تھے اور امراء بھی۔ پیادوں اور گھڑسواروں کے ایک جم غفیر نے انہیں نرغے میں لیا ہوا تھا۔

صلیبی سہ پہر کے وقت عیاضیہ کے ٹیلوں تک پہنچ گئے جہاں کچھ دنوں پہلے سلطان ایوبی کا معسکر تھا۔ وہ ان کنوؤں کے قریب ٹھہر گئے جو سلطان کے سپاہیوں نے یہاں پڑاؤ کے دنوں میں کھودے تھے۔ یہاں انہوں نے خیمے گاڑے اور پھر تل عیاضیہ اور تل کیسان کی درمیانی وادی میں آ گئے۔ درندہ صفت صلیبیوں کے لیے یہ جشنِ مسرت کا دن تھا، ان کے مکروہ چہروں کو انتقام کے جوش نے مزید خوفناک بنا دیا تھا۔ دو سالہ صلیبی جنگ میں ایک بار بھی وہ اس طرح جی بھر کے مسلمانوں کو قتل نہیں کر سکے تھے۔ "معرکۃ الکبریٰ" کے سوا کسی بڑے سے بڑے معرکے میں بھی مقتول مسلمانوں کی تعداد چند سو سے متجاوز نہیں ہوئی تھی جبکہ صلیبی کئی معرکوں میں ہزاروں لاشیں چھوڑ کر پسپا ہوئے تھے۔ آج وہ اپنے مقتولین کا بدلہ نہایت کمینگی اور بزدلی کے ساتھ ایسے نہتے افراد سے لے رہے تھے جن سے جاں بخشی کا معاہدہ ہو چکا تھا۔ سلطان ایوبی نے دشمنوں کو ہمیشہ میدان میں قتل کیا تھا مگر صلیبی معاہدہ شکنی کر کے مظلوم اور بے بس قیدیوں کو جانوروں کی طرح ذبح کرنے نکلے تھے۔

عیاضہ کے ٹیلوں کے پاس صلیب نما کھمبے گاڑ دیے گئے، ہزاروں فرنگیوں نے ایک وسیع حلقہ بنا کر اس مقام کو گھیرے میں لے لیا جیسے وہ کوئی تماشا دیکھنے جمع ہوئے ہوں۔ پھر بے رحم صلیبی نیزے اور تلواریں لے کر یک بارگی ان قیدیوں پر ٹوٹ پڑے۔ بوڑھے، بچے، مرد، خواتین، بیمار، اپاہج سب قتل کر دیے گئے، کسی کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا۔ تھوڑی دیر میں یہ مقام خون کے چشمے میں تبدیل ہو گیا۔

تماشائی بننے والے نصرانیوں نے یہ نظارہ بڑی مسرت سے دیکھا۔ مسلمانوں کے ''اجتماعی قتل عام'' کا خونیں منظر ان کے بیمانہ جذبات کے لیے بڑا تسکین بخش تھا۔ اس قتل عام میں عکا کے چند گنے چنے افراد شامل نہیں کیے گئے تھے جو غیر معمولی طور پر اونچے منصب کے حامل تھے اور ان کے بدلے نصرانیوں کو بھاری رقم ملنے کی امید تھی۔ کچھ معماروں، کاری گروں اور جسمانی محنت مزدوری کے لیے مناسب افراد کو بھی قتل نہیں کیا گیا تھا۔

عجیب بات ہے کہ ان ٹیلوں سے صرف دو تین میل دور سلطان کے ہراول دستے میدان میں موجود تھے مگر انہیں کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ عیاضیہ اور تل کیسان کے درمیان وادی میں کیسا بھیانک کھیل کھیلا جار ہا تھا۔ انہوں نے دشمنوں کے انبوہ کو عکا سے نکل کر ٹیلوں تک آتے ضرور دیکھا تھا اور وہ اپنی جگہ مستعد بھی تھے کہ دشمن کے اچانک حملے کا بھر پور جواب دے سکیں مگر وہ قطعاً نہیں جانتے تھے کہ اس ہجوم کے درمیان عکا کے وہ قیدی سولی پر لٹکے ہوئے ہیں جن کی رہائی کے لیے مسلمان کب سے تڑپ رہے ہیں۔ [1]

اسلامی ہراوّل اور فرنگیوں میں معرکہ ❁ سلطان کے ہراول کو خاصی دیر بعد محسوس ہوا کہ فرنگیوں کا یہاں جمع ہونا کسی بڑی شرارت کا پیش خیمہ ہے۔ انہوں نے سلطان کو اطلاع دے کر معسکر سے مزید فوج منگوائی اور نشیب میں اتر کر فرنگیوں پر حملہ کر دیا۔ اس وقت شام ہو چکی تھی اور اندھیرا پھیلتا جار ہا تھا۔ کچھ دیر تک فریقین میں کانٹے کا مقابلہ ہوتا رہا، درجنوں لاشیں گریں اور بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ فرنگی اس دن غیر معمولی طور پر جری نظر آرہے تھے۔ مسلمان پے در پے حملوں کے باوجود انہیں پسپا نہ کر سکے، تاہم جب رات کی تاریکی نے وادی کو اپنی آغوش میں لیا تو دونوں فوجیں تھکن سے بے حال ہو کر اپنے اپنے پڑاؤ کی طرف چلی گئیں۔

مسلمانوں کو جنگ کی دوران بھی وادی میں بیتنے والے سانحے کی بھنک نہ پڑ سکی، رات بھی اسی بے خبری میں گزری۔ مشعل بردار گشتی سپاہی وادی میں چکر لگاتے رہے مگر وہ مقتولینِ عکا کو شناخت نہ کر سکے۔ وہ انہیں معرکے میں گرنے والی لاشیں تصور کرتے رہے۔

اگلے دن طلوع آفتاب کے بعد جب مسلمان میدانِ جنگ کا جائزہ لینے اور اپنے مقتولین کو تلاش کرنے نکلے تو انہیں وادی کے ایک گوشے میں ایسے مسلمانوں کی برہنہ لاشیں نظر آئیں جو کل کی جنگ میں شریک نہ تھے، تب بعض سپاہیوں نے ان میں سے چند افراد کو پہچان لیا کہ یہ تو عکا کے قیدی ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی سینکڑوں مسلمان دوڑے آئے، جلد ہی لوگوں نے اپنے اپنے واقفین کو تلاش کر لیا۔ یہ

[1] النوادر السلطانیہ: 262، 263، حبلی صفحہ: 222

حقیقت کھل گئی کہ عکا کے جانباز اسی میدان میں شہید ہو چکے ہیں۔قاضی ابن شداد فرماتے ہیں:

''اس سانحے سے مسلمانوں پر شدید غم اور انتہائی صدمے کی کیفیت طاری ہوگئی۔''❶

کاتب عماد اصفہانی شہدائے عکا کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ہم نے میدان میں جن شہداء کی برہنہ لاشیں دیکھیں یقیناً انہیں اللہ تعالیٰ نے جنت کی ریشمی پوشاکیں پہنا دی ہیں اور انہیں ہمیشہ کی عزت کے مستقل مقام پر منتقل کر دیا ہے۔''❷

قاضی بہاء الدین ابن شداد رچرڈ کے اس ظالمانہ اقدام پر تنقید کرتے ہوئے یہ انکشاف بھی کرتے ہیں کہ رچرڈ کا شروع سے یہ ارادہ تھا کہ صلیبی قیدیوں کی واپسی اور رقم کی وصولی کے بعد اہل عکا کو قتل کر دیا جائے۔قاضی صاحب فرماتے ہیں:

''بعد میں یہ راز خود بعض نصرانیوں نے کھولا تھا۔''❸

جاسوسی نظام کی کمزوری ❁ یہاں ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سلطان کا محکمۂ جاسوسی ان دنوں صحیح معنوں میں فعال نہیں تھا، کم از کم عکا میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔اگر دشمن کی صفوں میں سلطان کا ایک جاسوس بھی متحرک ہوتا تو عکا کے مسلمان سلطان کی افواج کے اتنے قریب، یوں بے دردی سے شہید نہ کیے جاتے۔اپنے آخری لمحات میں عکا کے قیدیوں نے بڑی حسرت کے ساتھ بار بار معسکرِ سلطانی اور ہراول دستوں کے خیموں کی طرف دیکھا ہوگا اور انہیں بے تابانہ انداز میں پکارا بھی ہوگا مگر ان کی ہر پکار صدا بصحرا ثابت ہوئی۔اگر سلطان کے ہراول دستوں کو چند منٹ پہلے بھی اس کھیل کی اطلاع مل جاتی یا ان کی چھٹی حس ذرا پہلے بیدار ہو کر انہیں کسی انجانے خطرے کا احساس دلا دیتی تو کوئی بعید نہ تھا کہ عکا کے اکثر افراد کو بچا لیا جاتا۔فرنگی جو انہیں کھمبوں پر لٹکا چکے تھے، پسپا ہوتے وقت انہیں کھولنے اور ساتھ لے جانے کے جھنجھٹ میں پڑنے کی بجائے اپنی جانوں کے تحفظ کی زیادہ فکر کرتے۔

بہرکیف ہونی ہو کر رہتی ہے۔تقدیر کا فیصلہ پورا ہو کر رہا۔ہراول دستوں کے سامنے فرنگیوں کے نرغے میں مسلمان قیدی شہید کر دیے گئے۔اور یوں وادیٔ عکا پہلی بار اتنی بڑی تعداد میں شہداء کے لہو سے رنگین ہوئی۔

رچرڈ کا دامن داغدار رہے گا ❁ صلیب کی بازیابی اور فرنگی قیدیوں کی رہائی یقیناً رچرڈ کے لیے اہم اہداف تھے مگر درحقیقت وہ اس کے ساتھ ساتھ عکا کے مسلمانوں کا خون بہانے کے لیے بھی بے تاب تھا۔اگرچہ اہل عکا سے معاہدہ اخلاقی طور پر اس کے ارادے میں مزاحم تھا مگر اسے اخلاقیات کی زیادہ پروا نہ تھی۔ہاں اس کی کوشش تھی کہ اس معاہدے سے اسے صلیب اور عیسائی قیدی بھی واپس مل جائیں

❶ النوادر السلطانیہ:263 ❷ الروضتین:4/270 ❸ النوادر السلطانیہ:262

اور مسلمان قیدیوں کو قتل کرنے کا موقع بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ عکا کے قیدیوں کو قتل کرنے کے گھناؤنے منصوبے پر وہ پہلے اسی لیے عمل نہ کرسکا کہ اسے صلیب اور اپنے قیدیوں کی واپسی کا انتظار تھا مگر جب اسے یقین ہوگیا کہ اہل عکا کو رہا کیے بغیر نہ تو صلیب مل سکتی ہے نہ ہی عیسائی قیدی...... تو برہم ہوکر اس نے اہل عکا کو فوراً قتل کردینے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے یہ نہیں سوچا کہ ایسا کرنے سے اس کے دامن پر کتنا بڑا دھبہ لگے گا...... شاید وہ سنجیدگی سے ایسا سوچ ہی نہیں سکتا تھا کیوں کہ صدیوں سے اہلِ یورپ دوسری قوموں سے عہد شکنی، فریب کاری اور دھوکا دہی کا حق اپنے لیے محفوظ تصور کرتے چلے آئے ہیں۔ ان کے ہاں وہ حکمران بڑا ہوشیار شمار ہوتا ہے جو حریف سے معاہدوں کو توڑ کر ان کا تمسخر اڑاتا پھرے۔ اس لیے رچرڈ کو کم از کم اپنے ضمیر کی عدالت میں جوابدہی یا اپنی قوم میں بدنامی کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔

موجودہ "مہذب دور" میں بھی بیشتر مغربی مؤرخین اور رچرڈ کے سوانح نگار اہل عکا سے رچرڈ کی عہد شکنی کو قابل ملامت نہیں سمجھتے بلکہ ہیرلڈلیمب نے تو "صلیبی جنگوں" میں رچرڈ کے اس سنگدلانہ اقدام کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ معاہدے کی قرارداد کی رُو سے رچرڈ اپنی صوابدید پر ہر قسم کی کارروائی کا مجاز تھا۔ [1]

ہیرلڈلیمب کا یہ بیان اس صلیبی تعصب کی انتہا ہے جو مستشرقین کی تحریروں میں جابجا نظر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رچرڈ یا کوئی اور صلیبی حکمران اہل عکا سے اس قسم کا سلوک کرنے کا قطعاً استحقاق نہیں رکھتا تھا۔ اہل عکا سے معاہدے کی قرارداد میں اس کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی تھی۔ اس میں طے کرلیا گیا تھا کہ اہل عکا کو بہر حال قتل نہیں کیا جائے گا چاہے سلطان شرائطِ معاہدہ پر عمل کرنے سے انکار کردے۔ ایسی صورت میں انہیں غلام بنالیا جائے گا مگر قتل نہیں کیا جائے گا۔ سیف الدین مشطوب نے اہلِ عکا کی جانوں کے تحفظ ہی کے لیے صلیبیوں سے یہ معاہدہ کیا تھا۔ اگر معاہدے سے ان کی جانوں کا تحفظ یقینی نہ ہوتا تو مشطوب اور اس کے ساتھی لڑکر شہید ہوجانے کو ترجیح دیتے۔

رچرڈ نے اس سنگدلانہ حرکت کے ذریعے نہ صرف اپنے دامن کو داغدار کیا بلکہ یورپ کی اس تاریخ کو بھی مزید سیاہ کردیا جس کے ہر باب پر مکروفریب اور عہد شکنیوں کے چھینٹے جابجا نظر آتے ہیں۔

صلیب اور فرنگی قیدی دمشق روانہ: مسلمان قیدیوں کا قتل سلطان صلاح الدین کے لیے سقوطِ عکا کے بعد دوسرا بڑا صدمہ تھا جس نے ان کے وجود کو سراپا درد بنادیا۔ انہوں نے فوری طور پر صلیب الصلبوت اور فرنگی قیدیوں کو دمشق واپس بھجوادیا کیوں کہ اب مذاکرات کا دروازہ بند ہوچکا تھا۔ [2]

تاہم سلطان کی عظمت اور اخلاقی بلندی کا یہ عالم تھا کہ اس تلخ تجربے کے باوجود انہوں نے عکا کے

[1] صلیبی جنگیں: 222 [2] الکامل: 10/207

مقتولین کا بدلہ دمشق کے عیسائی قیدیوں سے نہیں لیا حالاں کہ جس کرب واندوہ سے وہ گزر رہے تھے اس میں ایسا کوئی اقدام بعید نہ تھا۔ البتہ انہوں نے رچرڈ کو میدانِ جنگ میں قوت کی زبان سے جواب دینے کا حتمی فیصلہ کرلیا تھا۔ آفرین ہے کہ سلطان نے دشمنی اور انتقام میں بھی اسلام کی اعلیٰ ترین اخلاقی اقدار کا پورا پورا پاس رکھا، یہی وجہ ہے تھی کہ کہ صلیبی جنگ کا مؤرخ لین پول یہ کہنے پر مجبور ہوا:

"اس جنگ میں تہذیب، فراخ دلی، تحمل، حقیقی دلیری اور شریفانہ وضع داری کی تمام خوبیاں مسلمانوں کی جانب تھیں۔"[1]

ہیرلڈلیمب کو بھی اپنے تعصب کے باوجود یہ لکھنا پڑا:

"سلطان صلاح الدین پر صد آفریں کہ اس عالی ہمت انسان نے صرف علانیہ جنگ میں دشمن سے بدلہ لیا۔"[2]

سلطان کا ایک دل سوز مراسلہ ❊ عکا کے سقوط اور وہاں کے قیدیوں کی مظلومانہ شہادت پر سلطان نے دیگر شہروں کے حکام کو جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے جو مراسلے بھیجے ان میں سے ایک مکتوب کی چند سطریں پڑھیں اور سلطان کے جذبات کا اندازہ لگائیں:

"جنگ کا پانسا تو پلٹتا ہی رہتا ہے۔ شریف لوگوں کا مرنا خاص ڈھنگ سے ہوتا ہے۔ اللہ نے ایمان والوں میں اس قسم کے کچھ خاص بندے پیدا کیے ہیں۔ اب وقت آچکا کہ غیرتیں جاگیں۔ حمیت کروٹ لے۔ ہر مسلمان پر واجب ہوچکا کہ اسلام کی نصرت کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔ کوتاہی کی وجہ سے جو نقصان اور شکست ہوچکی، اس کا ازالہ کر کے اسلام کو مضبوط کرے۔ فتوحات کی لڑی جو ٹوٹ چکی ہے، اسے پھر سے جوڑ دے۔ کہاں گئے غیرت مند لوگ اور عزت پر کٹ مرنے والے؟ کہاں ہیں نہ جھکنے اور نہ دبنے والے؟...... کیا انہیں اپنے بھائیوں کی موت کا کوئی غم نہیں؟ کیا ان شہداء کی ایمانی جرأت دیکھ کر بھی ان کا ایمان جوش نہیں کھاتا؟ کیا اپنی قوم اور برادری کے ان قیمتی افراد کے قتل پر ان کی آنکھوں میں آنسو نہیں آتے؟ بے شک ان کا سانحہ بہت بڑا ہے۔ اور رب کریم کے ہاں ان کا مقام بھی بڑا قابلِ اکرام ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ اس سانحے سے سوئی ہوئی ہمتوں کو جھنجوڑ دے اور جمے ہوئے عزائم کو بیدار کر دے۔"[3]

دوسالہ محاذِ عکا کا ایک تجزیہ عکا کی تقریباً دوسالہ طویل اور خون ریز جنگ کا جائزہ لیں اور اس کے بعد صلیبی جنگ کے اختتام تک کے معرکوں پر غور کریں تو محسوس ہوتا ہے کہ فریقین نے عکا کی جنگ کو غیر

[1] سلطان صلاح الدین، لین پول، ص:219 [2] صلیبی جنگیں، ص:222 [3] الروضتین: 4/270

معمولی مذہبی جوش و جذبے کے ساتھ لڑا تھا۔ انہوں نے اسے فنا و بقا کی جنگ تصور کرتے ہوئے اپنی تمام توانائیاں اس محاذ پر لگادی تھیں۔ عکا کے محاذ کی اہمیت اتنی بڑھ گئی تھی کہ فرنگی اس کی فتح کو صلیبی جنگ کی فتح تصور کرتے تھے۔ اگر سلطان صلاح الدین یہاں فرنگیوں کو شکست دے ڈالتے تو تیسری صلیبی جنگ یہیں ختم ہو جاتی۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر چند ناگہانی آفتیں اور کچھ غلطیاں آڑے نہ آجاتیں اور عکا مزید پانچ چھ ماہ تک سربلند رہتا تو اگلا موسم سرما صلیبیوں کے لیے ہلاکت خیز ثابت ہوسکتا تھا اور صلیبی لشکر مزید کوفت برداشت کرنے سے عاجز ہو کر واپسی پر مجبور ہو سکتے تھے، یوں صلیبی جنگ مزید طول کھینچے بغیر ختم ہو جاتی۔ تاہم گردشِ حالات نے صلیبیوں کی مسلسل جدوجہد کو عکا پر قبضے کی صورت میں نتیجہ خیز بنا دیا۔ مگر پھر بھی ان کی توقع کے برخلاف یہ فتح ان کے لیے صلیبی جنگ میں مکمل فتح کے دروازے نہ کھول سکی۔

آخر کیوں؟ یہ سوال خاصا اہم ہے اور اس کا جواب اسی قدر چشم کشا اور دلچسپ۔

دراصل پوری صلیبی جنگ بالخصوص محاذِ عکا کے تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات واضح طور پر محسوس ہوتی ہے کہ اپنے دور کے سب سے بڑے عسکری ماہر سلطان صلاح الدین ایوبی نے محاذ عکا کے تمام معرکے ایک خاص منصوبہ بندی کے تحت ایک دائرے اور نقشے کے اندر لڑے تھے۔ اس نقشے اور دائرے میں کچھ چیزیں غیر یقینی بھی تھیں جن کا متبادل بھی سلطان کے ذہن میں تھا۔

سب سے پہلے سلطان ایوبی حریف کو عکا کے سامنے پاؤں جمانے کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے مگر جب مسلمانوں کی بعض کوتاہیوں کے باعث فرنگی عکا کے محاصرے میں کامیاب ہو گئے تو سلطان کی عسکری منصوبہ بندی نے بپھرے ہوئے صلیبی سیلاب کو اسی وادی میں رکے رہنے پر مجبور کیے رکھا۔ سلطان نے خود محاصرے کے ذریعے وادی کے گرد ایک آہنی بند باندھ دیا تاکہ سیلابِ تثلیث کی لہریں دوسرے اسلامی شہروں کو نہ چھو سکیں۔ یہ بند ایسا مضبوط تھا کہ درجنوں ملکوں کی پرجوش مسیحی افواج مل کر ایک بار بھی سلطان کا محاصرہ نہ توڑ سکیں۔ وہ دو سال کی شدید جنگوں میں وادیٔ عکا سے ہٹ کر کسی چھوٹی سی بستی پر بھی قابض نہ ہو سکیں۔ ابتدائی ڈیڑھ برس کی خون ریزی نے ان کے کس بل نکال دیے تھے۔ طوفانی سردی اور قحط کے دو موسم گزار کر وہ ادھ موئے ہو گئے تھے۔ ان کی آخری امید فرانس اور برطانیہ کے حکمران تھے۔ اگر وہ نہ پہنچ پاتے تو صلیبیوں میں مزید لڑنے کی سکت نہ تھی۔ تاہم فرانس اور برطانیہ کی مشترکہ افواج بھی دیگر صلیبیوں کے ساتھ مل کر عکا کو آسانی سے فتح نہ کر سکیں اور اس دم توڑتے شہر کو ایک معاہدے کے تحت حاصل کرنے کو غنیمت سمجھا۔ اس وقت تک وادیٔ عکا ایک لاکھ بیس ہزار فرنگیوں کا قبرستان بن چکی تھی۔

تاریخ کا طالب علم اس بات پر حیران ہوتا ہے کہ آخر ہر فرنگی حکمران اپنی افواج عکا ہی میں کیوں اتارتا رہا۔ ان میں سے کسی نے بیروت، قیساریہ، یافا اور عسقلان پر قبضے کی کوشش کیوں نہیں کی حالاں کہ ان کے لیے بظاہر یہ کوئی مشکل نہ تھا۔ وہ اپنی عددی اکثریت کو دو یا تین محاذوں پر کامیابی سے استعمال کر سکتے تھے، وہ عکا کا محاصرہ نصف یا تہائی فوج کے ذریعے بھی جاری رکھ سکتے تھے اور باقی افواج کو عسقلان یا قیساریہ پر حملے کے لیے کام میں لا سکتے تھے۔ دو سالہ جنگ کے اکثر اوقات میں سمندری راستوں پر بھی ان کا قبضہ رہا، ان راستوں سے اگر وہ مختلف ساحلی شہروں پر بیک وقت حملہ کرتے تو سلطان کے لیے اتنے محاذوں کو سنبھالنا دشوار تر ہوتا، اس کے باوجود فرنگی ایک ہی نقطے پر اپنی افواج کیوں جمع کرتے چلے گئے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سلطان شروع سے آخر تک صلیبی حکمرانوں کو یہ باور کرانے میں پوری طرح کامیاب رہے کہ 'عکا' ہی فیصلہ کن محاذ ہے۔ عکا کی وادی میں سلطان کی بذاتِ خود موجودگی، یہاں ایک نقطے پر اسلامی افواج کی اجتماعیت اور سب سے بڑھ کر سلطان کی کمان میں فرنگیوں کی چھاؤنی پر پے در پے حملوں نے صلیبیوں کو ایک احساس کمتری اور اندرونی خوف میں مبتلا رکھا۔ جو حملہ آور بن کر آئے تھے، یہاں خود محصور ہو گئے تھے اور سلطان کے سامنے خود کو دفاعی حالت میں محسوس کرنے لگے تھے۔ ان کا ہر جرنیل تازہ دم افواج کے ساتھ یہاں اترنے کے بعد یہ یقین کر لیتا کہ وہ دوسرے بڑے لشکروں کے ساتھ منسلک رہ کر ہی محفوظ رہے گا، بصورتِ دیگر سلطان ایوبی کی افواج انہیں کچا چبا جائیں گی۔

ان معرکوں کی تاریخ پر گہری نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ پوری صلیبی جنگ کے دوران مسلمانوں نے یورپیوں کو اپنی صحیح تعداد سے کسی وقت آگاہ نہیں ہونے دیا اور انہیں یہی تاثر دیا کہ ان کے پاس بکثرت لشکر ہیں اور ان کے تمام ساحلی شہر افواج سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس تاثر کو پھیلانے اور اپنی افواج کی کمی کو چھپانے کا اس قدر اہتمام کیا گیا کہ عام مسلمان بھی اس سے ناواقف رہے۔ آپ صلیبی جنگ کی وہ روداد یں، خطوط اور دستاویزات دیکھیں جو انہی ایام میں لکھی گئیں تھیں۔ آپ کو کہیں مسلمانوں کی افواج کی تعداد کا ذکر نہیں ملے گا۔ سلطان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ خلیفہ کو بھی یہ بات نہیں بتائی گئی۔ غرض افواج کی کثرت کا شہرہ وہ نفسیاتی حربہ تھا جس کی وجہ سے فرنگیوں پر رعب طاری رہا اور ان کی تمام افواج دو برس تک عکا سے ذرا بھی دائیں بائیں سرکنے نہ پائیں۔

غرض سلطان ایوبی کی جانب سے عکا کے محاذ کو دی جانے والی اہمیت نے حریف کو دھوکے میں مبتلا رکھا اور اس نے دیگر محاذوں کو پہلے آزمانے کا خیال نکال دیا تھا۔ صلیبی یہی تصور کرتے رہے کہ آئندہ کی

ہر فتح عکا کی فتح پر منحصر ہے جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔

اس میں شک نہیں کہ عکا بے حد اہم عسکری مقام تھا مگر القدس کی فتح اس پر موقوف نہیں تھی۔ نصرانیوں کا جتنا جانی و مالی سرمایہ اور وقت یہاں ضائع ہوا، اس سے کہیں کم نقصان برداشت کر کے وہ شمال اور جنوب کے کئی ساحلی اسلامی شہروں پر قبضہ کر سکتے تھے۔ عکا پر قبضے کے باوجود وہ بدستور القدس سے کوسوں دور تھے۔ عکا فتح کر کے انہیں بہر حال یہاں سے کوچ کرنا تھا اور فیصلہ کن معرکے القدس کے راستے میں برپا ہونے تھے جہاں القدس کا اصل محافظ شہر عسقلان تھا جو اب تک ان کی دسترس سے باہر تھا۔

<u>شکست اور کامیابیاں</u> ❁ عکا کے محاذ پر مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی مگر پوری صلیبی جنگ کے سود و زیاں کا حساب لگایا جائے تو مسلمانوں کی یہ شکست کئی کامیابیوں کا وزن لیے ہوئے تھی۔

1- سلطان ایوبی کی یہاں پہلی بڑی کامیابی یہ تھی کہ انہوں نے صلیبیوں کی قوت کو کمزور کر دیا تھا اور ان کی کم از کم ایک تہائی فوج کو اسی محاذ پر ختم کر دیا تھا۔

2- سلطان کی دوسری بڑی کامیابی یہ تھی کہ کئی ملکوں کے صلیبی حکمران مشترکہ طور پر اتنی بڑی جنگ لڑنے کے بعد بھی صرف ایک ساحلی شہر حاصل کر پائے تھے۔

3- سلطان کی تیسری بڑی کامیابی یہ تھی کہ صلیبیوں کے دو اہم اتحادی حکمران فلپ آگسٹس اور کونرڈ مارکوئیس جو سب سے زیادہ تجربہ کار، دور اندیش اور گھاگ شمار ہوتے تھے، محاذ سے ہٹ گئے تھے۔ ان کی واپسی اس بات کی دلیل تھی کہ خود تجربہ کار صلیبی حکمرانوں کو اس لڑائی سے ''القدس'' کے دوبارہ ''یروشلم'' بننے کی امید نہیں۔ دوسرے لفظوں میں سلطان صلاح الدین ایوبی جیسی چٹان سے سر ٹکرانے کا انجام وہ سمجھ چکے تھے۔ اب صرف جوشیلا اور عجلت پسند رچرڈ میدان میں ڈٹا ہوا تھا جو کسی بھی لحاظ سے سلطان ایوبی کے تجربے، مہارت اور دانائی کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

یہ تھیں سلطان کی وہ کامیابیاں جن پر عکا کی شکست کا پردہ پڑا ہوا تھا۔

اَسباقِ تاریخ

- امیر کی رائے کو اپنے آرام اور سہولت کے لیے مسترد کرنا بڑے تلخ نتائج پیدا کرتا ہے۔ عکا کی طرف گامزن فرنگیوں کے تعاقب میں مجاہدین نے سلطان کی نہ مانی، آرام دہ راستہ اختیار کیا۔ پھر تین سال تک مشقت ہی مشقت اٹھانے پر مجبور ہوئے۔
- جنگوں میں افرادی طاقت جمع کرنا اتنا اہم نہیں جتنا افراد سے کام لینا اہم ہے۔ قائدوہ نہیں جو بھیڑ اکٹھی کرلے۔ قائدوہ ہے جو منصوبہ بندی کے ساتھ تھوڑے لوگوں سے زیادہ کام لے۔
- مقابلے سے قبل جگہ، وقت، سمت، موسم، ماحول اور جغرافیائی صورتحال دیکھ کر چالیں چلنا کامیابی کی کلید ہے۔
- ناکامی کے وقت بھی کامیابی کے امکانات آس پاس کہیں ہوتے ہیں۔ انہیں دیکھنے کے لیے بیدار آنکھیں اور ہوشیار دل چاہیے۔ معرکہ کبریٰ میں سلطان نے عین شکست کے وقت بھی کامیابی کی ممکنہ صورتیں دیکھ لی تھیں۔
- اگر دشمن دو کی جگہ چار اور چار سے آٹھ ہو جائیں تب بھی گھبرانا بے سود ہے۔ ایسے میں ہر دشمن سے نمٹنے کے لیے الگ الگ حکمت عملی بنانا مفید ہے۔ ایک سے لڑائی کے بعد ملنے والے وقفے سے سے فائدہ اٹھا کر دوسرے کو ٹھکانے لگایا جائے۔ جنگ کی تکنیک کو بدلا جائے۔ سلطان نے عکا کے محاذ پر ذرا دم لینے کا موقع ملتے ہی فریڈرک بار بروسا کے خلاف گوریلا جنگ شروع کردی۔ اڑھائی لاکھ جرمنوں میں سے صرف چند ہزار عکا پہنچ سکے۔
- جہاں تدبیر ہارنے لگتی ہے وہاں اللہ کی نصرت ہاتھ تھام لیتی ہے۔ سلطان نے تدبیر کی انتہا کردی۔ نصرت الٰہیہ نے جرمنوں کو موسم کی تباہ کاری کا نشانہ بنادیا۔
- سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت بڑی بڑی مہمات کو آسان کردیتی ہے۔ ایک سائنس دان ایک لاکھ سپاہیوں سے زیادہ کام دیتا ہے۔ ماضی میں علی بن عریف اور حال میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے کارنامے اس کا ثبوت ہیں۔
- اچھا رہنما مقابلے کے وقت ہر فن اور شعبے کے لوگوں سے کام لیتا ہے۔ سلطان نے کبوتر بازوں اور

پیراکوں سے بھی کام لیا۔

- جہاں تک ممکن ہو، معلومات میں دشمن سے دو ہاتھ آگے چلنا ضروری ہے۔ اگر سلطان کو کاؤنٹ ہنری کے بیڑے کی آمد کی خبر پہلے مل گئی ہوتی تو میدان کی صورت حال مختلف ہوسکتی تھی۔
- دشمن کے بڑے افراد ہاتھ آجائیں تو بلا شدید ضرورت انہیں قتل نہ کیا جائے۔ ان کے بدلے سیاسی فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ نامعلوم نصرانی نواب اور چھ فرنگی نائٹ قتل نہ کیے جاتے تو عکا کے محصورین شاید ان کے بدلے خود کو بچالیتے۔
- بعض ماتحت نالائق ہوتے ہیں۔ شدید عذر کے بغیر کسی بڑی مہم کے درمیان ساتھ چھوڑنا نالائقی کی علامت ہے۔ ایسے شخص کو تھوڑی بہت گوشمالی کی ضرورت ہوتی ہے۔ سنجر شاہ سے نرمی ہوئی تو وہ بضد رہا۔ گوشمالی ہوئی تو سیدھا ہوگیا۔
- دشمن کی تباہی اپنی جگہ اہم مگر اسلامی افواج کی قوت کو معرضِ ہلاکت میں ڈالنا بھی دانش مندی نہیں۔ خود کو بچا کر لڑنا طویل جنگ میں کامیابی کا اصول ہے۔ عکا میں سلطان اسی لیے دشمن پر محتاط حملے کرتے رہے۔
- دشمن قدرتی آفات کا شکار ہو تو انسانیت کے ناطے ہمدردی کرنا مسلمان کی شان ہے۔ ممکن ہے دشمن ہی دوست بن جائیں، سلطان کے حسنِ سلوک سے کتنے فرنگی مسلمان ہوگئے۔ کتنے ان کے حامی بن کر اپنے ہم مذہبوں سے لڑے۔
- مشیتِ الٰہیہ کبھی ناگہانی نقصان پہنچا کر مؤمن کے صبر و رضا کا امتحان لیتی ہے۔ رسد کی کشتیوں کی طوفان سے تباہی بہت بڑا دھچکا تھا۔ سلطان نے صبر کیا تو اللہ کی نصرت آئندہ قدم قدم پر شاملِ حال رہی۔
- جب مسئلہ جان بچانے کا ہو تو مال کو بھول جائیں۔ عکا کے لوگ سلطان کی ہدایت کے خلاف گٹھریاں باندھتے رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔
- مذاکرات ہمیشہ ناپ تول کر متوازن ہونے چاہئیں...... ترازو کے پلڑوں کی طرح۔ فریقِ مخالف پر اندھا اعتماد ناقابلِ تلافی نقصان پہنچاتا ہے۔ فرنگی عکا کے مسئلے پر سلطان کو دھوکا دینا چاہتے تھے۔ مگر سلطان کی اسی احتیاط کی بنا پر ناکام ہوگئے۔ جب بھی حریف طاقت پر بلا ضمانت اعتماد کیا گیا ہے، اس کا نقصان بھرنا پڑا ہے۔ کبھی دنوں کا، کبھی صدیوں کا۔

باب:3

عکا سے بیت المقدس تک

29 رجب 587ھ (21 اگست 1191ء)

......تا......

29 شعبان 588ھ (8 ستمبر 1192ء)

شخصیات

الملک العادل	....	سلطان کا بھائی اور دست راست
الملک الظاہر	....	سلطان کا بیٹا
الملک الافضل	....	سلطان کا بیٹا
تقی الدین عمر	....	سلطان کا بھتیجا، حاکم حماۃ
سیف الدین مشطوب	....	سلطان کا کمانڈر
سیف الدین یازکوج	....	سلطان کا سالار
بہاؤالدین قراقوش	....	عکا کا حاکم
ابوالہیجاء السمین	....	سلطان کا امیر
صارم الدین قائماز نجمی	....	سلطان کا کمانڈر۔ قلعہ کوکب کا نگران
سلیمان بن جندر	....	سلطان کا درباری
عزالدین جاولی الاسدی	....	سلطان کا کمانڈر
عزالدین جردیک	....	سلطان کا کمانڈر
حسام الدین لاجین	....	سلطان کا بھانجا، امیر
بدرالدین ولدرم	....	سلطان کا کمانڈر، امیر
عزالدین اسامہ	....	حاکم بیروت
اسلم ناصری	....	سلطان کا سالار
ابوبکر حاجب	....	الملک العادل کا نائب، سلطان کا سفیر
محمد الملک المنصور	....	تقی الدین عمر کا بیٹا
حاجب یوسف	....	سلطان کا سفیر
سیف الدین بکتمر	....	حاکم خلاط
جون	....	رچرڈ کی بہن
ہمفری آف تورون	....	رچرڈ کا سفیر

کونرڈ مارکوئیس .... صور کا عیسائی حاکم

گائی .... شام کے نصرانیوں کا بادشاہ

ہنری کاؤنٹ اوف شیمپین .... شاہ فرانس کا بھتیجا، یورپی نواب، مجوزہ شاہ یروشلم

فلپ آگسٹس .... فرانس کا بادشاہ

رچرڈ .... برطانیہ کا بادشاہ

فصل:1

بحیرۂ روم کے ساحل پر

قیدیوں کے قتل عام کے ساتھ ہی عکا کی جنگ اختتام پذیر ہو چکی تھی......سلطان صلاح الدین ایوبی شفرعم کی چوٹیوں سے صلیبی لشکر کی نقل وحرکت کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے اگلے اقدام کے منتظر تھے۔

اُدھر رچرڈ نے پیش قدمی کا منصوبہ طے کر لیا تھا۔ القدس پر بھرپور حملے کے لیے ضروری تھا کہ القدس کے قریبی ساحلی شہر صلیبیوں کے پاس ہوں۔ چونکہ عکا پر قابض ہونے کے باوجود وہ القدس سے بہت دور تھے لہٰذا بہترین مرکز کے لیے ان کی نظریں 'یافا' اور 'عسقلان' پر تھیں۔ یہ دونوں القدس کے قریب ترین ساحلی شہر تھے اس لیے ان کی عسکری اہمیت غیر معمولی تھی۔ یافا کے جنوب مشرق میں تقریباً 40 میل کا پہاڑی اور صحرائی علاقہ عبور کر کے القدس کا محاصرہ کیا جا سکتا تھا۔ عسقلان سے بھی یہ فاصلہ کم وبیش اتنا ہی تھا۔

رچرڈ اب ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کا سفر کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے ان دونوں شہروں پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے ارادے پر عمل کرنے میں دیر نہ لگائی اور 29 رجب 587ھ (21 اگست 1191ء) کو کوچ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ تقریباً تین لاکھ صلیبی اس کی قیادت میں تھے جن میں سپاہیوں اور رضا کاروں کے علاوہ بڑی تعداد میں فرنگی عورتیں بھی تھیں جو شراب وشباب سے اپنے جانبازوں کا دل بہلا رہی تھیں۔ عکا کی فتح کے بعد سے صلیبی جنگجو بدمستیوں اور حرام کاریوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انہیں یکدم اگلی مہم کے لیے تیار کرنا ایک دردِ سر تھا۔ رچرڈ نے فوجی نظم وضبط قائم رکھنے کے لیے صرف مردوں کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ عورتوں میں سے فقط ایسی خادماؤں کو ساتھ لیا جو عمر رسیدہ تھیں۔ اس طرح دو لاکھ عیاش مرد اور عورتیں عکا میں رہ گئے جبکہ ایک لاکھ جنگجو سپاہی رچرڈ کے ہمراہ عکا سے نکلے۔ انہوں نے خیمے، ڈیرے اور تمام بھاری ساز وسامان، گاڑیوں اور بار بردار جانوروں پر لادا اور آہستہ آہستہ شہر سے نکل کر دریائے عکا کے پار چلے گئے۔ یوں دریا کے مغربی کنارے پر خیموں کا ایک شہر آباد ہو گیا۔ یہاں سے قدیم رومیوں کے زمانے کی ایک ٹوٹی پھوٹی سڑک سمندر کے کنارے

کنارے یافا اور عسقلان تک جاتی تھی۔ رچرڈ نے اسی سڑک پر سفر کا فیصلہ کیا تھا۔ ساحلی پہاڑیوں، جنگلوں اور چٹیل میدانوں سے گزرنے والا یہ راستہ اگرچہ عام راستے کی بنسبت زیادہ طویل اور خاصا دشوار گزار تھا مگر اس وقت صلیبیوں کو اس سے زیادہ محفوظ شاہراہ کوئی اور نہیں مل سکتی تھی۔ [5]

سلطان کی نئی حکمت عملی سلطان نے صلیبیوں کو کوچ کے لیے تیار دیکھ کر اپنی فوج کو بھی روانگی کی تیاری کا حکم دیا۔ یہ بات واضح تھی کہ فرنگی پہلے ساحل کے ساتھ ساتھ یافا اور عسقلان تک اور پھر وہاں سے القدس کی طرف بڑھیں گے۔ یہ فاصلہ زیادہ سے زیادہ 130 میل تھا۔ اگر فرنگیوں کی پیش قدمی تیز رفتاری سے جاری رہتی اور وہ یافا اور عسقلان کو کسی مزاحمت کے بغیر فتح کر لیتے تو تین ہفتے کے اندر اندر القدس کی فصیلوں کے سامنے پہنچ سکتے تھے۔ چونکہ اس وقت شام کی تقریباً تمام افواج سلطان کے زیر کمان میدانِ جنگ میں کھڑی تھیں اس لیے اکثر شہروں میں دفاعی انتظامات ناکافی تھے اور یہ بات تقریباً یقینی تھی کہ اتنی بڑی تعداد میں فرنگی اب جس شہر کے سامنے پہنچیں گے وہ چند دنوں سے زیادہ مزاحمت نہیں کر سکے گا اور عکا جیسے انجام سے دوچار ہو کر صلیبیوں کا مورچہ بن جائے گا۔ پھر جب ساحلی پٹی صلیبیوں کے قبضے میں آجائے گی تو "القدس" براہِ راست ان کی خوفناک یلغار کی زد میں ہوگا۔

ان واضح خطرات سے بچاؤ کے لیے سلطان نے جو عسکری حکمت عملی طے کی تھی وہ درج ذیل نکات پر مشتمل تھی:

1- اس سے پہلے کہ صلیبی کسی اگلے شہر تک پہنچیں، کھلے میدان میں لڑ کر ان کی قوت توڑ دی جائے۔
2- اگر یہ ممکن نہ ہو تو چھاپہ مار حملوں کے تسلسل کے ذریعے انکی رفتار اتنی سست کر دی جائے کہ وہ القدس پہنچنے میں غیر معمولی تاخیر کا شکار ہو جائیں اور پھر برسات کا موسم مزید تین، چار ماہ کے لیے ان کے راستے بند کر دے۔
3- جن شہروں میں فرنگیوں سے بھرپور مدافعت کے امکانات نہ ہوں انھیں از خود خالی کر کے تباہ کر دیا جائے تاکہ صلیبی انھیں عسکری مرکز نہ بنانے پائیں۔

عکا سے یافا تک صلیبیوں کے مقابلے میں سلطان ایوبی کی حکمت عملی انہی نکات کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔

لشکرِ اسلام کی تیاری ✽- کوہ شفرعم جہاں سے سلطان ایوبی کوچ کی تیاریاں کر رہے تھے، دو شاہراہوں کے قریب واقع تھا۔ ایک شاہراہ مشرق کی جانب طبریہ سے ہوتی ہوئی دمشق کو جاتی تھی اور دوسری جنوب مشرق کی طرف بیت المقدس تک پہنچتی تھی۔ سلطان کو اسی دوسری شاہراہ پر سفر کرنا تھا۔ یہ

[5] النوادر السلطانیہ: 263، سیکی گھگ: 226، 220، صلاح الدین، لین پول: 222

سڑک ساحل کے ساتھ تھی نہ اس سے بہت دُور، بلکہ چند پہاڑیوں اور وادیوں کے فاصلے کے ساتھ اسی ساحلی سڑک کے تقریباً متوازی چلتی جاتی تھی جس پر رچرڈ سفر کر رہا تھا۔ تاہم آگے چل کر یہ جنوب مشرق کی طرف مڑنے لگتی تھی، یوں ساحلی سڑک سے اس کا درمیانی فاصلہ بڑھتا چلا جاتا تھا۔ کوچ سے پہلے سلطان نے فرنگیوں کے راستے میں آنے والے ایسے کئی ساحلی شہروں کو از خود خالی کرنے کے احکام روانہ کر دیے تھے جن کے بارے میں یقین تھا کہ وہ معمولی مزاحمت کے بعد سرنگوں ہو جائیں گے۔ ان شہروں میں حیفا، قیساریہ اور یافا بھی شامل تھے۔ سلطان نے ان کے حکام کو ہدایت کی تھی کہ شہر کی فصیلوں اور برجوں کو حتی الامکان توڑ پھوڑ دیں تاکہ فرنگی انہیں مضبوط مورچہ نہ بنا سکیں اور عارضی قیام کر کے آگے چل دینے کو ترجیح دیں۔ ①

رچرڈ کو روکنے کے لیے سلطان کی فوری پیش قدمی ناگزیر تھی لہٰذا لشکرِ اسلام میں کوچ کا نقارہ پیٹ دیا گیا اور مجاہدین ہنگامی انداز میں اپنا ضروری سامان باندھ کر روانگی کی تیاریاں کرنے لگے۔ انہیں اپنا بہت کچھ وہیں چھوڑنا پڑا۔ خصوصاً تاجر جو لشکر کے عقب میں بازار لگائے بیٹھے تھے، زیادہ متاثر ہوئے۔ دو سالہ جنگ کے دوران لوگوں نے باقاعدہ قیام کی سی صورت بنا کر ضروریاتِ زندگی کی ڈھیروں چیزیں جمع کر لی تھیں۔ اب فوری کوچ کے موقع پر بار برداری کے اتنے جانور دستیاب نہیں تھے کہ سارا سامان لدوایا جا سکتا۔ تاجروں کا مال و اسباب درجنوں قافلوں کے اَن گنت پھیروں میں یہاں پہنچا تھا۔ اسے یکدم اٹھا لے جانا ناممکن تھا۔ اگر رچرڈ کے چلے جانے کے بعد عکا میں تھوڑے بہت صلیبی رہ جاتے تو سلطان کے لشکر کے خدام اور تاجر یہاں رک کر بلا خوف و خطر باقی سامان منتقل کرواتے رہتے مگر اب جبکہ عکا میں دو لاکھ صلیبی موجود تھے، سخت اندیشہ تھا کہ لشکرِ اسلام کے کوچ کرتے ہی صلیبی سورما نہ صرف مال و اسباب کو لوٹنے کے لیے چڑھ دوڑیں گے بلکہ پیچھے رہ جانے والے مسلمانوں کو بھی تہِ تیغ کر دیں گے۔ چنانچہ جانی تحفظ کو ترجیح دیتے ہوئے، زائد سامان کے انبار وہیں چھوڑ دیے گئے اور لشکر سے متعلقہ تمام لوگ سلطان کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ②

<u>ساحلی تعاقب کا پہلا دن (یکم شعبان، 23 اگست)</u> ❁ دوپہر کے وقت صلیبی لشکر نے باقاعدہ حرکت شروع کی۔ معرکہ آزما رچرڈ نے اپنی فوج پر سلطان کے حملوں کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے بے لوچ نظم و ضبط کے ساتھ پورے پورے حفاظتی انتظامات کیے تھے۔ چوں کہ قیساریہ تک ساحلی راستہ خاصا تنگ تھا، اس لیے اس نے فوج کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ہر حصہ اپنی حفاظت کا خود ذمہ

① النوادر السلطانیہ: 264
② النوادر السلطانیہ: 264

رہا تھا۔ یہ لوگ بڑی احتیاط سے ساحل کے پہاڑی راستے پر چل رہے تھے۔ اس لشکر میں سامانِ رسد کا صرف ضروری ذخیرہ جا رہا تھا۔ خوراک کے زیادہ تر ذخائر بحری بیڑے پر لادے جا رہے تھے جس کی روانگی میں دیر تھی۔ رچرڈ انتظار نہیں کرسکتا تھا اس لیے بحری بیڑے کو پیچھے آنے کی تاکید کر کے خود روانہ ہوگیا۔ اب وہ پُر پیچ ساحلی سڑک پر لشکرِ صلیب کو لیے جا رہا تھا۔ ایک بھاری بھرکم گاڑی پر نصب اژدھے والا دیوہیکل پرچم اس کا نشانِ خاص تھا۔ یہ دشوار گزار راستہ ایسی پہاڑیوں سے گزرتا تھا جن میں جابجا گھنے جنگلات تھے۔ مسلمان یہاں مورچے بنا کر فرنگیوں کو باآسانی نشانہ بنا سکتے تھے مگر رچرڈ نے فوجیوں کو تاکید کر رکھی تھی کہ وہ مسلمانوں کے حملوں کی پروا کیے بغیر آگے بڑھتے رہیں ❶ ...... چنانچہ عیسائی قدآدم ڈھالوں اور زرہ بکتروں کی اوٹ میں اس طرح چلے جا رہے تھے کہ جب تک ان کی صف بندی قائم رہتی، وہ کسی خطرناک حملے کی زد میں نہیں آسکتے تھے۔ لشکر اسی انداز میں صبح سے سہ پہر تک چلتا رہا۔

ساحلی پہاڑوں کی اوٹ میں سلطانی سپاہ نے بھی ایک خاص انداز سے متوازی پیش قدمی جاری رکھی۔ سلطان نے لشکر کو کئی دستوں میں تقسیم کر رکھا تھا، زیادہ تر سپاہی ہراول دستوں میں رکھے گئے تھے اور انہیں فرنگیوں پر سامنے کی سمت سے حملے کرتے رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ یہ دستے ساحلی پہاڑیوں کی ڈھلوانوں اور نشیب کے ریتلے میدان میں سائے کی طرح صلیبیوں کے ساتھ ساتھ حرکت کر رہے تھے۔ ہر دستے کو تاکید کی گئی تھی کہ صلیبیوں پر تیر اندازی اور سنگ باری کر کے انہیں اشتعال دلاتا رہے تاکہ وہ میدانِ جنگ میں لڑنے پر آمادہ ہوجائیں۔ ❷

سلطان صلاح الدین ایوبی خود قلب لشکر کے چنیدہ سپاہیوں کی معیت میں پہاڑیوں کی دوسری سمت شاہراہ پر سفر کر رہے تھے۔ مخبر انہیں صلیبیوں کی نقل و حرکت اور اپنے ہراول کی کارروائیوں کی لحہ بہ لحہ اطلاعات فراہم کرتے تھے۔ شہزادہ ملک الافضل، سیف الدین ایاز کوش اور عز الدین جردیک جیسے سالار ہراول دستوں کی کمان سنبھالے ہوئے تھے۔ ❸

ہراول دستے دن بھر تپتے ہوئے ساحل پر فرنگیوں کی فوج میں کسی رخنہ اندازی کا موقع تاکتے رہے، انہوں نے صلیبی لشکر پر سامنے سے بار بار حملے کر کے ان کی پیش قدمی روکنے کی کوشش کی مگر صلیبیوں کے بہترین حفاظتی انتظامات کے باعث یہ حملے زیادہ کارگر نہ ہوسکے، تاہم اتنا ضرور ہوا کہ فرنگیوں کی پیش قدمی کی رفتار بے حد سست رہی اور وہ دن بھر میں بمشکل تین میل طے کر پائے۔

❶ النوادر السلطانیہ: 264، ہارلڈلیمب: 4/271،272
❷ النوادر السلطانیہ: 264، ہارلڈلیمب: 4/271،272
❸ الکامل: 10/207

سہ پہر کے وقت شہزادہ الافضل کے قاصد نے آ کر سلطان کو اطلاع دی کہ فرنگیوں کا ایک دستہ پیچھے رہ گیا ہے، اگر ہماری پاس زیادہ سپاہی ہوں تو ہم انہیں نرغے میں لے سکتے ہیں۔ یہ سنتے ہی سلطان نے بھاری کمک اُدھر روانہ کر دی اور خود بھی اُس سمت چل پڑے۔ ریتیلے ساحل پر پہنچ کر انہوں نے الملک العادل کو اپنے دستے کے ساتھ واپس لوٹتے دیکھا۔ اس نے بتایا کہ فرنگیوں کا وہ دستہ اپنے اصل لشکر سے جاملا ہے اور اب وہ سب دریائے حیفا عبور کر کے منظم انداز میں پڑاؤ ڈال چکے ہیں، لہٰذا اب تعاقب بے سود ہے۔ اس دوران سلطان کو اپنی رسد کے قافلے کا خیال آیا جو لشکر کے پیچھے آ رہا تھا۔ سلطان نے اس کی حفاظت کے لیے مزید سپاہی روانہ کر دیے۔

آفتاب دن بھر انگارے برسانے کے بعد مغرب کی طرف جھک رہا تھا، اس کی کرنوں کے انعکاس سے بحیرۂ قلزم کی لہریں سونا اگلتی معلوم ہو رہی تھیں۔ مسلمان گرم موسم میں دن بھر کے سفر اور جنگی کارروائیوں سے ادھ موئے ہو چکے تھے، لہٰذا سلطان نے عصر کے وقت "قیمون" کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔ [1]

اُدھر فرنگی حیفا میں ٹھہر گئے تھے۔ دونوں لشکروں کے درمیان کئی میل کا فاصلہ تھا جو پہاڑوں اور وادیوں کے دشوار گزار راستوں پر مشتمل تھا اس لیے فوری جھڑپوں یا شب خون کا خطرہ نہیں تھا، تاہم فرنگیوں کا ہراول رات بھر بیدار رہ کر پہرہ دیتا رہا۔ سلطان کی طرف سے جردیک اپنے دستے کے ساتھ فرنگیوں سے اتنے فاصلے پر پڑاؤ ڈالے رہا کہ ان کی نقل و حرکت اسے دکھائی دیتی تھی۔ [2]

<u>تعاقب کا دوسرا دن (2 شعبان، 24 اگست) حیفا</u> ٭ دوسرے دن بھی صلیبی خلافِ توقع حیفا ہی میں آرام کرتے رہے۔ اس دن انہوں نے عکا سے مزید سپاہی اور گھوڑے منگوا لیے تھے تاکہ گزشتہ روز کے نقصانات کی تلافی ہو سکے۔ [3] سلطان نے صبح کچھ دیر ان کی پیش قدمی کا انتظار کیا اور پھر متوازی راستے پر آگے سفر شروع کر دیا۔ صباغین نامی گاؤں سے ہوتے ہوئے وہ "عیون الاساود" پہنچے جہاں الملک العادل کا دستہ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ اس سے مشورہ کرنے اور قدرے سستانے بعد سہ پہر کے وقت سلطان فوج کو وہیں چھوڑ کر صرف ایک دستے کے ساتھ قیساریہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حیفا کے بعد صلیبیوں کا اگلا پڑاؤ الملاحہ میں ہو سکتا تھا۔ اس شام سلطان نے اس مقام سے قیساریہ تک گھوم پھر کر پورے علاقے کا اس پہلو سے جائزہ لیا کہ صلیبیوں سے کھلے میدان کی جنگ کے لیے کون سا مقام زیادہ موزوں ہوگا۔ قیساریہ تک ساحلی شاہراہ تنگ درّوں اور پہاڑیوں سے گزرتی تھی، اس راستے پر فرنگیوں کو چھاپہ مار حملوں کے ذریعے پریشان کیا جا سکتا تھا مگر صف بندی کے ساتھ جنگ ممکن نہ تھی۔ قیساریہ کے بعد

[1] النوادر السلطانیہ: 264
[2] النوادر السلطانیہ: 264
[3] الکامل فی التاریخ: 10/208

ارسوف کے علاقے میں شاہراہ بتدریج کشادہ ہوتی جاتی تھی اور پہاڑی سلسلہ ساحل سے دور ہٹتا جاتا تھا۔ اس لیے سلطان نے طے کیا کہ حریف کو ارسوف کے کھلے میدان میں جا کر روکا جائے۔

اس جائزے کے بعد عشاء کے قریب سلطان تھکن سے چور حالت میں اپنی خیمہ گاہ کو لوٹے۔ قاضی ابن شداد کے استفسار پر سلطان نے انہیں تازہ حالات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا:

"فرنگی ابھی تک حیفا میں رکے ہوئے ہیں، لہٰذا ہم بھی یہیں رک کر ان کی نقل و حرکت کے منتظر رہیں گے اور پھر وقت کے تقاضے کے مطابق کارروائی ہوگی۔"[1]

تعاقب کا تیسرا دن (3 شعبان، 25 اگست) ❁ صبح سلطان ایوبی الزلزلۃ کے ٹیلوں پر دشمن کا انتظار کرتے رہے۔ افسران نے فوج کی صف بندی کر لی تھی اور سپاہی گھوڑوں پر سوار بالکل چوکس تھے مگر دشمن نے پیش قدمی نہ کی۔ چاشت کے وقت سلطان نے خیمے میں جا کر ناشتہ کیا، کچھ دیر آرام کے بعد امراء سے مشورہ شروع ہوا، ظہر کی نماز کے بعد سلطان نے عام مجلس لگائی۔ گزشتہ دو تین دنوں میں مسلمانوں کا بھی جانی و مالی نقصان ہوا تھا۔ کئی سپاہیوں کے گھوڑے مارے گئے تھے۔ وہ سلطان کے پاس آ کر گھوڑوں کی قیمت وصول کرتے رہے جو سلطان نے 50 سے 100 دینار تک دی۔ اسی دن عصر کے وقت فوج کا مال و اسباب اور غذائی ذخائر مجدل یابا روانہ کر دیے گئے تاکہ ان سے بے فکر ہو کر جنگ کی جا سکے۔ سلطان نے صرف گھڑ سوار فوج (جریدہ) کے ساتھ شب بسر کی۔[2]

تعاقب کا چوتھا دن (4 شعبان، 26 اگست) ❁ چاشت کے وقت سلطان نے کوچ کیا اور قیساریہ سے کچھ آگے جا کر ٹیلوں پر ڈیرے ڈال دیے۔ یہ جگہ دریائے قیساریہ کے دہانے کے نزدیک تھی۔ سلطان یہاں ٹھہر کر صلیبیوں کے قیساریہ پہنچنے کے منتظر رہے۔[3] ......سلطان کے احکام کے مطابق چند دن پہلے ہی اس شہر کو خالی کرا کے فصیل میں بڑے بڑے شگاف ڈال دیے گئے تھے اور برجوں کو ناکارہ بنا دیا گیا تھا اس لیے صلیبیوں کا قیساریہ میں ٹھہرنا کسی خطرے کا باعث نہیں بن سکتا تھا۔ سلطان نے روٹی منگوائی، کھا پی کر ظہر کی نماز پڑھی اور اگلے راستے کو دیکھنے بھالنے اور جنگ کے ممکنہ میدان کا جائزہ لینے نکل گئے۔ عصر کے وقت لوٹے اور کچھ دیر آرام کیا۔ اس مقام پر فوج کو خوراک و رسد کی شدید کمی کا سامنا کرنا تھا۔ خوراک ملنا مشکل ہو گئی تھی، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ خوراک و رسد کے ذخائر، جنگ کے اراں خطرے کے پیش نظر دور بھیج دیے گئے تھے۔[4]

---

[1] النوادر السلطانیہ: 265
[2] النوادر السلطانیہ: 266
[3] النوادر السلطانیہ: 266
[4] النوادر السلطانیہ: 266

قاضی فاضل جو عکا سے سلطان کے ہم رکاب چلے آرہے تھے، یہاں سے رخصت ہو کر دمشق روانہ ہو گئے۔ عماد کاتب۔ کے بقول سلطان کی غیر موجودگی کے باعث دارالحکومت دمشق میں بہت سے سرکاری فرائض کی انجام دہی میں خلل کا اندیشہ تھا۔ چوں کہ حکام وعمال کے نزدیک قاضی فاضل کے احکام کی حیثیت سلطان کے احکام کی سی تھی، اس لیے کاروبار سلطنت کی نگرانی کے لیے ان کا دمشق جانا بہتر تھا۔ [1]

شام کو سلطان نے اپنا پڑاؤ تبدیل کرلیا اور ذرا دور ٹیلوں کے ایک اور سلسلے پر خیمے لگالیے جو زیادہ محفوظ جگہ تھی۔ یہاں سلطان کی خدمت میں دو قیدی پیش کیے گئے جنہیں گشتی سواروں نے گرفتار کیا تھا۔ سلطان نے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا۔

یہ سنتے ہی عکا کے زخموں سے دل گرفتہ بہت سے سپاہی ان پر پل پڑے اور تلواروں کے پے در پے وار کر کے ان کا کام تمام کر دیا۔

اُدھر فرنگی ''حیفا'' سے چل کر ''ملاحہ'' میں رک گئے تھے۔ اس دن بھی دوران سفر سلطان کے سپاہی ان پر چھاپہ مار حملے کرتے رہے تھے اور ان کے اکیلے دُکیلے سپاہیوں کو گھیرتے رہے تھے۔ ان قیدیوں کو سلطان کے سامنے پیش کیا جاتا رہا۔ چوں کہ عکا کے تین ہزار مسلمانوں کی شہادت کا زخم ابھی تک سلطان کے دل میں تازہ تھا اس لیے جو قیدی بھی ان کے سامنے لائے گئے ان کی گردنیں اڑادی گئیں۔ [2] علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ کے بقول سلطان نے عکا کے سانحے سے متاثر ہو کر قسم کھائی تھی کہ اب جو فرنگی قیدی ہاتھ لگے گا اسے عکا کے شہداء کے بدلے قتل کردوں گا۔ [3]

بعض اوقات سلطان ان قیدیوں کو قتل کرنے سے پہلے انہیں اہل عکا سے بدعہدی اور قتل عام کا سیاہ کارنامہ بھی یاد دلاتے۔ کچھ قیدیوں نے سلطان کے سامنے یہ اقرار بھی کیا کہ اس قتل عام کا فیصلہ خود رچرڈ نے کیا تھا۔ [4]

<u>تعاقب کا پانچواں دن (5 شعبان، 27 اگست)</u> ❊ اس دن ظہر کے بعد سلطان کی خدمت میں کچھ قیدی لائے گئے۔ سلطان نے ترجمان کی معرفت ان میں سے ایک سے پوچھا:

''تمہاری فوج جگہ جگہ طویل پڑاؤ کیوں کر رہی ہے؟''

جواب ملا:

''بحری بیڑے میں سوار سپاہیوں اور سامان رسد کے انتظار میں۔''

---

[1] الروضتین: 271/4
[2] الکامل فی التاریخ: 208/10
[3] النوادر السلطانیہ: 267
[4] النوادر السلطانیہ: 268

سلطان نے پوچھا:

"کھانے پینے کے نرخ کیا ہیں؟"

وہ بولا:

"عکا سے چلتے وقت 6 قراطیس میں پیٹ بھر کھانا مل جاتا تھا۔ اب 8 قراطیس میں ملتا ہے۔"

(قراطیس قرطاس کی جمع ہے جو اہلِ یورپ کا کوئی روپیہ تھا)

سلطان نے سفر میں ان کے ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی تعداد پوچھی تو قیدی نے کوئی واضح جواب نہ دیا، بس اتنا کہا:

"بہت لوگ ہلاک اور زخمی ہوئے ہیں۔"

البتہ اس دن کی جھڑپوں میں گھڑسوار فوج کے نقصانات کے بارے میں اس نے بتایا:

"چار سو گھڑسوار مارے گئے ہیں۔"

اس پوچھ گچھ کے بعد سلطان نے سپاہیوں سے کہا:

"اسے قتل کر دو مگر ناک کان مت کاٹنا۔"

قیدی عربی نہیں جانتا تھا۔ اس نے ترجمان سے پوچھا:

"سلطان نے کیا حکم دیا ہے۔"

ترجمان نے اسے بتایا تو اس کا رنگ فق ہوگیا۔ اس نے گڑگڑا کر سلطان سے عرض کیا:

"مجھے قتل نہ کریں۔ میں اپنے بدلے عکا کے ایک مسلمان قیدی کو رہا کرا دوں گا۔"

سلطان نے کہا: "عام قیدی نہیں بلکہ ہمارے کسی امیر کو رہا کراؤ۔"

وہ بولا: "میری اتنی حیثیت نہیں کہ میں کسی امیر کو رہا کروا سکوں۔"

سلطان کو رحم آگیا اور اس کے بارے میں فیصلہ ملتوی کر دیا۔

اس دن سلطان نے خوراک و رسد کے قافلے کو دوبارہ لشکر کے پاس بلوا لیا کیوں کہ ان کے دور رہنے سے سپاہیوں کے لیے مشکلات بڑھ گئی تھیں۔ اگرچہ معرکے کا خطرہ جس کے باعث انہیں دور بھیجا گیا تھا، بدستور موجود تھا۔ [1]

<u>تعاقب کا چھٹا دن (6 شعبان، 28 اگست) قیساریہ</u> بوقتِ سحر سلطان کو اطلاع ملی کہ فرنگی <u>قیساریہ کی طرف رواں دواں ہیں اور ان کے ہراول دستے شہر کے قریب پہنچ گئے ہیں۔</u>

[1] النوادر السلطانیہ: 267، 268

سلطان نے حفاظتی نقطۂ نگاہ سے اپنا کیمپ شاہراہ سے ہٹا کر کچھ دور ٹیلوں پر منتقل کر لیا جو ایک محفوظ جگہ تھی۔ یاد رہے کہ سلطان کا عام جنگی حالات میں معمول تھا کہ وہ روزانہ ایک بار دشمن کے قریب جا کر حالات کا جائزہ لیتے تھے۔ یہ گشت عموماً دوپہر کو ہوتا تھا مگر فرنگیوں کے اس تعاقب میں سلطان روزانہ دو بار گشت پر نکلتے تھے۔ ایک بار دوپہر کو اور دوسری بار عصر کی نماز کے بعد۔ اس طرح وہ دشمن کی ہر حرکت کا پوری تندہی سے مشاہدہ کر رہے تھے اور اس کی ہر چال کا جواب دینے کے لیے تیار تھے۔ اس دن بھی سلطان جنگی منصوبہ ترتیب دینے کے لیے اردگرد کے علاقوں میں گشت کرتے رہے۔ کئی فرنگی قیدی سلطان کی خدمت میں لائے گئے اور سب کو سلطان کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

ظہر کے قریب خیمہ گاہ میں واپس آ کر سلطان ایوبی الملک العادل اور اپنے دیرینہ رفیق سلیمان بن جندر سے مشورے میں مصروف ہو گئے۔ اندازہ یہی تھا کہ فرنگی جو اسی دن دوپہر کو قیساریہ پہنچے تھے کل یا پرسوں ارسوف کے میدانی علاقے سے گزریں گے۔ یہاں ان سے بھرپور ٹکر لینے اور ان کی مضبوط صف بندی کو توڑنے کے لیے کوئی انوکھا اور ٹھوس لائحہ عمل اپنانا ضروری تھا۔ رات کا اندھیرا پھیلا تو سلطان اپنے بھائی الملک العادل سے تنہائی میں دیر تک گفتگو کرتے رہے، یہاں تک کہ رات کا ایک پہر بیت گیا۔ ۞

<u>تعاقب کا ساتواں دن (7 شعبان، 29 اگست)</u> ۞ صبح سلطان نے لشکر کو تیار حالت میں رہنے کا حکم دیا اور خود آگے ٹیلوں کی بلندی پر جا کر قیساریہ کا جائزہ لیتے رہے جہاں صلیبی لشکر کا پڑاؤ تھا۔ یہ شاندار ساحلی شہر جو صدیوں سے ایک عمدہ تجارتی مرکز رہا تھا، اب ویران نظر آ رہا تھا۔ اس کی ٹوٹی پھوٹی فصیلوں پر گہری اداسی طاری تھی جیسے وہ اپنی شکستگی اور شہر کی بے رونقی پر نوحہ کناں ہوں۔ شہر کا یہ حال خود سلطان کے حکم سے ہوا تھا مگر یہ سلطان کی ایک مجبوری تھی، ایک تلخ گھونٹ تھا...... اور صلیبی یلغار کو ناکام بنانے کے لیے ابھی نامعلوم ایسے کتنے تلخ گھونٹ سلطان کے مقدر میں تھے۔ پوری رات سلطان کے گشتی سپاہی قیساریہ کے آس پاس گھومتے رہے تاکہ دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھیں۔ ۞

<u>تعاقب کا آٹھواں دن (8 شعبان، 30 اگست)</u> ۞ صبح ہی صبح سلطان کو اطلاع پہنچی کہ صلیبی قیساریہ سے نکلنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ سلطان نے یہ سنتے ہی دسترخوان چنوا دیا۔ سپاہیوں کو تاکید کی گئی کہ وہ کھانے پینے اور تمام ضروریات سے فوراً فارغ ہو کر اسلحہ پہن لیں۔ کچھ دیر بعد یہ خبر پہنچی کہ فرنگی قیساریہ سے چل پڑے ہیں۔ اتنے میں سلطان کی فوج تیار ہو چکی تھی۔ سلطان لشکر کو اپنی کمان میں لے کر نکلے اور وادیاں عبور کرتے ہوئے صلیبیوں کے راستے تک پہنچ گئے۔ ۞

۞ النوادر السلطانیہ: 268 ۞ النوادر السلطانیہ: 269 ۞ النوادر السلطانیہ: 269

صلیبیوں کی پیش قدمی کا انداز اور یلغار کی ترتیب آج بہت بدلی ہوئی تھی۔ قیساریہ سے آگے پہاڑیاں ساحل سے دور ہٹ گئی تھیں۔ شاہراہ کے ایک طرف ساحلی ریت اور سمندر تھا اور دوسری طرف میدان۔ رچرڈ سلطان کے حملے کے یقینی خطرے کے پیش نظر صلیبی لشکر کو بہترین دفاعی حکمت عملی کے مطابق مرتب کر کے آگے بڑھ رہا تھا۔ صلیبی لشکر طول وعرض میں کئی میل پر پھیلا ہوا تھا۔ رچرڈ نے اسے تین قافلوں کی شکل میں ترتیب دیا تھا۔ پہلا قافلہ پیادہ فوج کا تھا جو شمشیر زنوں، نیزہ برداروں اور تیر اندازوں پر مشتمل تھی۔ یہ فوج اس پہاڑی سلسلے کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی جس کی گھاٹیوں سے ہر آن مسلمانوں کے حملے کا خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا۔ ایسے حملوں سے بچاؤ کے لیے بیرونی صف میں ایسے تیر اندازوں کی دیوار کھڑی کر دی گئی تھی جو قد آدم ڈھالوں، زرہ بکتروں اور دوہری اونی وردیوں میں چھپے ہوئے تھے۔ اس طرح ان پر مسلمانوں کے حملے کارگر ہونے کا خطرہ کم ہو گیا تھا۔ پیادہ شمشیر زن اور نیزہ باز جو تیر اندازوں کی اوٹ میں تھے، بڑی مضبوط صف بندی کے ساتھ چل رہے تھے۔

اس قافلے سے ہٹ کر ریتیلے ساحل پر صلیبیوں کی اصل طاقت یعنی گھڑ سوار سپاہی اور نائٹ تھے۔ اگر وہ پہاڑیوں کے قریب ہوتے تو مسلمانوں کی سنگ باری اور تیر اندازی کے سامنے انہیں منتشر ہونا پڑتا مگر اب وہ تیروں کی زد سے دور تھے۔ اسی گھڑ سوار قافلے میں فرنگیوں کی قیادت تھی۔ گائی اور جیفرے شام کے عیسائی امراء کے ساتھ ہراول میں چل رہے تھے۔ رچرڈ اپنی انگریز فوج اور فرانسیسیوں کے ساتھ درمیان میں تھا جو کہ لشکر کا قلب تھا۔ لشکر کا پچھلا حصہ جسے ''ساقہ'' کہا جاتا تھا، ٹمپلروں اور طبریہ کے امراء پر مشتمل تھا۔

مسلمانوں کی زد سے سب زیادہ دور یعنی سمندر کے بالکل کنارے پر لشکر کا تیسرا حصہ چل رہا تھا۔ اس میں سامان رسد، مال ومتاع سے بھری ہوئی گاڑیاں، بار برداری کے جانور، بھاری آلات حرب، مریض، زخمی سپاہی اور ان کے محافظ تھے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے تیروں کی پہنچ سے بہت دور تھے۔ اس حصے کے محفوظ سپاہی مقررہ وقفے کے بعد باری باری پیادہ دستوں میں شامل ہو جاتے تھے اور وہاں سے اتنے ہی تھکے ماندے سپاہی راحت پانے اس محفوظ ترین حصے میں آ جاتے تھے۔ رچرڈ کی تاکید تھی کہ صف بندی کسی طرح بھی ٹوٹنے نہ پائے اور مسلمانوں سے کسی بھی مقام پر دوبدو جنگ کا خطرہ مول نہ لیا جائے۔ ۵

مذکورہ بالا ترتیب رچرڈ کے بری لشکر کی تھی مگر ساتھ ساتھ صلیبیوں کی بحری طاقت بھی سمندر میں موجود تھی۔ انگلستان، فرانس اور دیگر صلیبی اتحادیوں کے جہاز بری لشکر کے متوازی، بحیرۂ روم کی لہروں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ اس ساحل نے اس سے قبل ایسی عجیب وغریب یلغار کبھی نہیں دیکھی تھی۔

۵ النوادر السلطانیہ: 270، الروضتین: 4/274، 275، [illegible]: 231، 232

رچرڈ کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے مقابلے میں اپنی ناتجربہ کاری کا احساس ہو گیا تھا، وہ بلاشبہ زبردست شمشیر زن اور بلا کا شہ سوار تھا مگر انفرادی جنگجوئی کے ان کمالات کے باوجود اسے بڑی جنگوں کی قیادت کا کوئی تجربہ نہ تھا، اس کے تجربات یورپ کے گنے چنے قلعوں کا محاصرہ کر کے انہیں سر کرنے تک محدود تھے۔ سسلی اور قبرص کی لڑائیاں بھی اسی قسم کی تھیں۔ ان تجربات نے اسے عکا کے محاصرے میں فائدہ ضرور پہنچایا مگر اب صورت حال تبدیل ہو چکی تھی۔ صلیبی لشکر کو القدس کی طرف بڑھاتے ہوئے رچرڈ کو کسی بھی میدان میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی صف بستہ افواج سے سابقہ پڑ سکتا تھا۔ رچرڈ جس نے زندگی بھر ایسی کسی بڑی جنگ کی قیادت نہیں کی تھی محسوس کر رہا تھا کہ ایسے موقع پر اس کی شجاعت دھری کی دھری رہ جائے گی اور اس کا محدود تجربہ صلیبیوں کی شکست کا باعث بن جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے صلیبی لشکر ــــ پہلوؤں کو ہر ممکنہ حد تک محفوظ بنا کر مسلسل پیش قدمی کی ٹھان رکھی تھی۔ [1]

<u>قیساریہ کے باہر خون ریز جنگ</u>: صلیبیوں کو بڑھتا دیکھ کر سلطان نے اپنی سپاہ کو جوش دلا کر ان پر حملے کے لیے ابھارا۔ مسلمان گھڑ سوار مشرق کی طرف سے فرنگیوں کے پہلوؤں پر حملہ آور ہوئے۔ جالیشیہ دستوں نے اس طرح پیہم تیر اندازی کی کہ فضا میں ابر سا چھا گیا...... ایک ساتھ ہزاروں تیر اُڑتے اور صلیبیوں پر جا گرتے...... مگر رچرڈ کی حفاظتی تدابیر بڑی مؤثر تھیں۔ پیدل صلیبی جو تیر اندازوں کا نشانہ بن رہے تھے، زرہوں، ڈھالوں اور موٹی اونی وردیوں کے باعث بڑی حد تک محفوظ رہے۔ صلیبی تیر انداز بڑی چرخی دار کمانوں سے مسلمانوں پر جوابی حملے کر رہے تھے جن سے مسلمان گھڑ سوار زخمی ہو رہے تھے۔ قاضی ابن شداد کہتے ہیں:

"وہ موٹے لبادوں اور مکمل زرہوں میں اس طرح چھپے ہوئے تھے کہ تیروں کے لگنے کے باوجود پیچھے نہیں ہٹ رہے تھے...... میں نے دیکھا کہ ان کے ایک ایک سپاہی کی پشت میں ایک سے لے کر دس دس تیر پیوست ہیں مگر وہ کسی انتشار کے بغیر اپنی رفتار پر چلے جا رہے تھے۔" [2]

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لشکرِ صلیب ایک متحرک قلعہ ہے جو اپنی ڈگر پر چلا جا رہا ہے۔ سورج ڈھلنے تک یہ جنگ جاری رہی۔ سلطان کے سپاہی پے در پے حملوں کے باوجود فرنگیوں کی صف بندی توڑ سکے نہ انہیں کھلے میدان میں لڑنے پر برانگیختہ کر سکے۔ فرنگی غیر معمولی نظم و ضبط اور پختہ صف بندی کے ذریعے خود کو بچاتے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہے اور پھر جلد ہی انہوں نے نہر قیساریہ کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا۔ دراصل پیادہ فوج کی کثرت کی وجہ سے وہ جلد ٹھہرنے پر مجبور تھے، آرام کیے بغیر وہ آگے نہیں

[1] صلیبی جنگیں: 231_232 [2] النوادر السلطانیہ: 269_270

چل سکتے تھے۔ پھر ان کے مال واسباب کا خاصا بوجھ غلاموں اور مزدوروں نے اٹھایا ہوا تھا، کیوں کہ ان کے سامان کی بہ نسبت مال برداری کے جانور اور گاڑیاں کم پڑ رہی تھیں۔ ❶

صلیبیوں کا پڑاؤ نہایت مضبوط حفاظتی اقدامات کے ساتھ ہوا کرتا تھا، اس لیے اس دن مسلمانوں کو مزید حملوں کی کامیابی کی امید نہ رہی۔ قاضی ابن شداد کہتے ہیں:

"فرنگی جب پڑاؤ ڈالتے تو مسلمان کسی کارروائی کی کامیابی سے مایوس ہو کر لوٹ جاتے تھے۔" ❷

چنانچہ اس دن بھی فرنگیوں کے پڑاؤ ڈالنے کے بعد مسلمان پیچھے ہٹ کر اپنے خیمے گاڑنے لگے۔ ہنگامۂ جنگ ختم گیا، رات بھر صلیبی دریائے قیساریہ کے کنارے پڑے رہے۔ انہوں نے میٹھے پانی کے اس دریا کو "دریائے مردار" کے نام سے موسوم کیا۔ ❸

صلیبیوں کی محنت ومشقت پر قاضی ابن شداد نے اپنے تاثرات یوں ظاہر کیے ہیں:

"دیکھو تو سہی کہ یہ لوگ کسی اجرت اور نفعے کے بغیر کس طرح اتنی شدید مشقت پر صبر کر رہے ہیں۔" ❹

<u>نواں دن (9 شعبان، 31 اگست) دوسرا معرکہ</u> ✽ اگلے دن لشکرِ صلیب کے روانہ ہوتے ہی مسلمانوں نے ان پر حملے شروع کر دیے جن کا زور گزشتہ روز سے بڑھ کر تھا۔ فرنگیوں کی طرف سے بھی بھرپور جوابی حملے جاری رہے، وہ تیروں کا مینہ برسا رہے تھے۔ چرخی دار کمانوں کے گز دار تیر مسلم شہ سواروں کے گھوڑوں کو چیر ڈالتے تھے۔ کتنے ہی مسلمان ان تیروں سے شہید ہوئے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی بذاتِ خود شدید خطرے کے مقام تک پہنچ گئے تھے۔ وہ سپاہ کو حوصلہ دلا رہے تھے، دستوں کو آگے بڑھا رہے تھے، فوج کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک گشت کر رہے تھے، ان کے ساتھ دائیں بائیں دو لڑکوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ جب وہ جالیشیہ دستوں کے درمیاں پہنچے تو وہاں تیر اندازی سے ایک قیامت برپا تھی۔ قاضی ابن شداد کے الفاظ میں:

"نقارے پیٹے جا رہے تھے، بگل بج رہے تھے، لا الہ الا اللہ کی صدائیں اور تکبیر کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔" ❺

---

❶ النوادر السلطانیہ: 270 ❷ النوادر السلطانیہ: 271
❸ النوادر السلطانیہ: 270، تکملہ تکملہ: 232 ❹ النوادر السلطانیہ: 270

[illegible]

[illegible]

❺ النوادر السلطانیہ: 271

اِدھر سے جالیشیہ اور اُدھر سے فرنگی اندھادھند تیر برسا رہے تھے۔ سلطان سنسناتے تیروں کی برسات میں افسران کو ہدایات دے رہے تھے، سلطان کا زور اس بات پر تھا کہ کسی طرح فرنگیوں کو نرغے میں لے کر آگے بڑھنے سے روک لیا جائے مگر مسلمان اس میں کامیاب نہ ہوسکے۔ تاہم اس دن مسلمانوں کے شدید حملوں نے فرنگیوں کو زبردست نقصان پہنچایا۔ صلیبیوں کے ساقہ (عقبی دستوں) پر تعینات ٹیمپلرز لشکر اسلام کے حملوں کا بطور خاص نشانہ بنتے رہے۔ یہ فرنگی لشکر کا وہ واحد حصہ تھا جو گھڑسوار ہونے کے باوجود ایک کنارے پر تھا لہٰذا مسلمان اس پر براہ راست حملے کر سکتے تھے۔ گھڑسوار خود کو اس طرح محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے جیسا کہ پیادے۔ اس کمزوری کا مسلمانوں نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا، ان کے تیروں اور بھالوں نے ٹیمپلرز میں بھگدڑ مچادی۔ ٹیمپلرز کے بے شمار گھوڑے اور سینکڑوں افراد اس دن زخمی ہوئے، ساقہ کو بچانے کے لئے رچرڈ کو خود آنا پڑا۔ اس نے اپنے عقبی دستوں کو بچا لیا مگر جب وہ واپس ہوا تو اس کے پہلو میں نیزے کا ایک زخم آچکا تھا جبکہ ایک ہزار کے قریب فرنگی زخمی اور بیسیوں ہلاک ہوچکے تھے۔ اس دن مسلمانوں کے بھی کئی جوانمرد شہید ہوئے۔ سلطان کا دراز قامت غلام ایاز جو"طویل" کہلاتا تھا اور اپنے دلیرانہ کارناموں کی بدولت مسلمانوں اور فرنگیوں میں یکساں طور پر مشہور تھا، اسی دن گھوڑے سے گر کر شہید ہوا۔ ظہر کے وقت یہ لڑائی تھمی اور سلطان نے چشموں سے آباد ایک مقام "برکہ" پر پڑاؤ ڈال دیا، یہاں ایک بلند ٹیلے پر"ایاز" کو دفنا دیا گیا۔ مسلمانوں کو اس مجاہد کی موت کا سخت صدمہ تھا۔

فرنگی کچھ دور "دریائے قصب" کے نشیبی کنارے پر خیمے گاڑ چکے تھے۔ اس دریا کو صلیبی مؤرخین "نمکین دریا" کا نام دیتے ہیں۔ سلطان نے بھی عصر کے بعد اپنی خیمہ گاہ اس دریا کی بلندی پر منتقل کرلی۔ [1]

دونوں لشکر معمولی سے فاصلے پر رات بھر پڑے رہے۔ اس دوران دونوں لشکروں کے گشتی دستوں میں ایک جھڑپ ہوئی جس میں کئی فرنگی ہلاک اور دو مسلمان شہید ہوئے۔ کاتب عماد اس جھڑپ کے بارے میں بتاتے ہیں:

"معرکے سے فارغ ہوکر عیسائی بے فکر ہوچکے تھے، اس دوران لشکر اسلام کے ساقہ پر متعین سالار ابراہیم ابن مقدم نے دریا عبور کر کے عیسائی محافظوں کی ایک بے خبر ٹولی پر حملہ کردیا اور آناً فاناً ان کا کام تمام کر دیا مگر اتنے میں دوسرے عیسائی دستے آن پہنچے اور شدید جھڑپ شروع ہوگئی، انجام کار عیسائی بھاگ نکلے اور ہمیں مال غنیمت حاصل ہوا۔" [2]

[1] النوادر السلطانیہ: 271، صلیبی جنگیں: 233 [2] الاصل فی التاریخ، الروضتین: 4/274

غدار مسلمانوں کا انجام: تین فرنگی گرفتار بھی ہوئے جنہوں نے سلطان کی خدمت میں اہم انکشافات کیے۔ انہوں نے بتایا کہ عکا میں دو عرب بدوؤں نے رچرڈ کو یقین دلایا تھا کہ سلطان صلاح الدین کے لشکر کی تعداد خاصی کم ہے۔ تب رچرڈ نے بے فکر ہو کر عکا سے القدس کی طرف یلغار کا فیصلہ کیا تھا مگر گزشتہ روز کی جنگ میں جب اس نے کھلے میدان میں مسلمانوں کی طاقت کا اندازہ کیا اور ان کے حملوں سے اپنے زخمیوں کی کثرت کا مشاہدہ کیا تو اسے محسوس ہوا کہ سلطان کے سپاہی بہت زیادہ ہیں اور بدوؤں نے اسے دھوکہ دیا ہے، چنانچہ اس نے دونوں بدوؤں کو جواب تک اس کی تحویل میں تھے، بلا کر قتل کرا دیا۔"[1]

دسواں دن (10 شعبان، یکم ستمبر) ارسوف میں: اگلے دن دو پہر تک فرنگیوں کی نقل و حرکت کا انتظار کرنے کے بعد سلطان ایوبی نے کوچ کا فیصلہ کر لیا۔ مقصد یہ تھا کہ صلیبیوں سے آگے بڑھ کر کھلی جنگ کے لیے مناسب میدان تلاش کر لیا جائے اور وہاں ان کا راستہ روک لیا جائے۔ علامہ ابن اثیر کے بیان کے مطابق یہاں سے ارسوف تک راستہ اتنا تنگ تھا کہ مسلمان صلیبی لشکر کے متوازی چل کر اس پر حملہ نہیں کر سکتے تھے، لہٰذا ضروری تھا کہ وہ نصرانیوں سے پہلے یہ علاقہ عبور کر کے ارسوف پہنچ جائیں۔

لشکر اسلام ظہر کے وقت روانہ ہوا، سلطان اپنے خواص کے ساتھ شام کے دھندلکے میں ارسوف پہنچ گئے۔ دیر راہب نامی ایک بستی کے قریبی ٹیلوں پر خیمے گاڑ دیے گئے۔[2]

گیارہواں دن (11 شعبان، 2 ستمبر): صبح تک سلطان کی افواج یہاں جمع ہوتی رہیں۔ سلطان نے دن ارسوف کے آس پاس مناسب میدانِ جنگ تلاش کرتے ہوئے گزارا جبکہ فرنگی ابھی تک دریائے قصب کے کنارے ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہیں عکا سے آٹھ بحری جہازوں میں بھاری کمک بھی پہنچ گئی تھی۔ سلطان کا ہراول دستہ امیر سلیمان بن جندر کی قیادت میں صلیبیوں کے آس پاس ہی موجود تھا اور سلطان کو لمحے لمحے کی اطلاعات پہنچا رہا تھا۔[3]

بارہواں دن (12 شعبان، 3 ستمبر) مذاکرات کا ڈول: رچرڈ اندازہ لگا چکا تھا کہ ارسوف کے آس پاس سلطان سے کھلے میدان میں مقابلہ ناگزیر ہوگا۔ گزشتہ چند دنوں میں سلطانی افواج کے کاری حملوں نے اسے پہلے ہی خاصا پریشان کر دیا تھا۔ اگرچہ وہ عکا سے ایک لاکھ چنیدہ سپاہی ہمراہ لے کر چلا تھا اور اب اسے مزید تازہ کمک بھی مل گئی تھی تاہم سلطان کے بیس تیس ہزار سپاہی اس لشکر جرار پر بھاری پڑ رہے تھے۔ صلیبی مؤرخین کا بیان ہے کہ اس دوران یہ افواہ بھی پھیل گئی کہ ارسوف کے گرد و نواح

[1] النوادر السلطانیہ ص 272
[2] النوادر السلطانیہ ص 273
[3] النوادر السلطانیہ ص 273، الکامل فی التاریخ: 10/208

میں تین لاکھ مسلمان راستہ روکے کھڑے ہیں۔ اس خبر سے فرنگی مزید بددلی کا شکار ہو گئے۔ حالاں کہ سلطان کی کل افواج کی تعداد نصف لاکھ بھی نہیں تھی۔ بہر حال رچرڈ نے حسبِ عادت ان حالات میں ایک بار پھر وقت گزارنے اور بہتر موقع تلاش کرنے کے لیے مذاکرات کی طرح ڈالی۔ اس کے نمائندوں نے اسلامی ہراول دستوں کے امیر سلیمان بن جندر کے افسران سے ملاقات کی اور کہا کہ ہمارے بادشاہ، سلطان کے بھائی الملک العادل سے ملاقات کر کے صلح کی گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

انگریز سفیروں نے کہا:

''جنگ طویل ہو چکی ہے، فریقین کے بکثرت سپاہی اور نامور جانباز کام آ چکے ہیں، ہم تو صرف ساحلِ شام کے عیسائی امراء کی مدد کے لیے آئے تھے۔ اب مناسب ہوگا کہ ہم اور آپ صلح کر لیں اور ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے علاقے کو لوٹ جائے۔''

سلطان کو رچرڈ کی پیش کش کا علم ہوا تو انہوں نے الملک العادل کو مذاکرات کا اجازت نامہ بھیج دیا مگر انہیں رچرڈ کی بدنیتی کا پورا پورا اندازہ تھا، اس لیے الملک العادل کو رقعے میں یہ بھی لکھ دیا کہ اگر ممکن ہو تو مذاکرات کو طول دو تاکہ فرنگیوں کو ایک دن مزید رکنا پڑے اور اتنی دیر میں ہمیں نواح کے ترکمان قبائل کی کمک مل جائے۔ [1]

الملک العادل جو اپنی فوج کے ساتھ سلطان کی فوج اور ہراول دستوں سے کچھ فاصلے پر تھا، اس ہدایت کے مطابق فرنگی نمائندوں کے ساتھ رچرڈ کے پاس پہنچا۔ یہ دونوں کی پہلی ملاقات تھی۔ صلح کی گفتگو شروع ہوئی۔ ساحلِ شام کا مشہور صلیبی امیر ابن ہنفری ترجمان کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ رچرڈ اپنا مدعا صاف بیان نہیں کر رہا تھا۔ الملک العادل نے کہا:

''آپ صلح چاہتے ہیں مگر ابھی تک آپ نے اپنا موقف واضح نہیں کیا۔''

تب رچرڈ نے کہا:

''بنیادی بات یہ ہے کہ تم ساحلِ شام کی تمام عیسائی ریاستیں ہمارے حوالے کر کے اپنے سابقہ علاقوں کو لوٹ جاؤ۔''

یہ غیر معقول مطالبہ سن کر الملک العادل نے صاف انکار کر دیا۔ رچرڈ کا رویہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ یا تو سیاست سے بالکل ناواقف ہے یا بلا کا چالباز ہے اور وقت گزاری کر رہا ہے، لہٰذا مزید بات چیت فضول تھی۔

بات چیت ختم ہوتے ہی رچرڈ اپنی خیمہ گاہ میں پہنچا اور فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔ سلطان نے

[1] النوادر السلطانیہ، ص: 273

فرنگیوں کی پیش قدمی کی اطلاع پا کر ایک بار پھر بھاری مال و متاع کو محفوظ مقام پر منتقل کرا دیا اور لشکر کی صف بندی شروع کر دی۔ رات کو الملک العادل سلطان کے پاس پہنچ گیا اور رچرڈ سے مذاکرات کی تفصیلی روداد سنا ڈالی۔ ❶

اس دن فرنگی کوئی نقصان اٹھائے بغیر آگے بڑھتے رہے تھے، اگرچہ راستے میں ایک جنگل بھی پڑا تھا جہاں مسلمانوں کے حملے کا شدید خدشہ تھا، افواہ تھی کہ مسلمان جنگل کو آگ لگا کر انہیں روک لیں گے مگر ایسا کوئی خطرہ پیش نہ آیا۔ صلیبی لشکر نے "برکہ" نامی مقام پر ساحل کے کنارے ایک میدان میں پڑاؤ ڈال دیا۔ ❷

فرنگی ارسوف کے بالکل قریب تھے۔ رچرڈ نے سلطان کی کہنہ مشق افواج سے کھلی معرکہ آرائی کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے اگلا دن (جمعہ 13 شعبان، 3 ستمبر) وہیں گزار کر افواج کو آرام کا موقع دیا اور فوج کے نظم وضبط کو بہتر بنایا۔ ❸

ارسوف کا ہولناک معرکہ: لشکرِ صلیب نے صبح ہی صبح ساحل سے کوچ کیا اور صفیں بنا کر ایک خاص ترتیب سے آگے بڑھنے لگا۔ ٹمپلرز ہراول دستے کی حیثیت سے سب سے آگے تھے۔ پھر فرانس کی افواج تھیں جن کے ایک دستے کی قیادت گائی کر رہا تھا، ان کے پیچھے ایک گاڑی میں جس کے گرد انگریز اور نارمن سپاہ کے دستے تھے، برطانیہ کا شاہی نشان فلک کو چھو رہا تھا۔ سب سے آخر میں ہاسپٹلرز (اسبتاریہ) گروہ کے دستے ساقہ کی حیثیت سے چلے آ رہے تھے۔ صلیبیوں کے دائیں ہاتھ پر ساحل تھا اور بائیں جانب وہ پہاڑیاں جن پر مسلمان کسی بھی وقت نمودار ہو سکتے تھے، سامنے صرف سات میل دور اُفق پر ارسوف کے خوشنما باغات نظر آ رہے تھے۔ فضا پر ایک خاموشی طاری تھی۔ لگتا تھا مسلمان ارسوف سے جا چکے ہیں اور فرنگیوں کی راہ میں اب کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

مگر جلد ہی افق غبار آلود ہونے لگا۔ بائیں جانب کی پہاڑیوں پر ہل چل نظر آئی۔ سرسبز درختوں کی چوٹیوں پر گرد کے مرغولے بلند ہونے لگے۔ پھر تکبیر کے نعروں کے ساتھ اسلامی لشکر کے دستے پہاڑیوں پر نمودار ہوئے۔ وہ ایک وسیع نیم دائرے کی شکل میں فرنگیوں کے قریب آتے جا رہے تھے۔ صلیبی آگے بڑھتے رہے اور مسلمانوں کا حلقہ ان کے گرد پھیلتا چلا گیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی بذاتِ خود فوج کی کمان کر رہے تھے۔ انہوں نے کچھ دستوں کو دشمن کے قریب پہنچ کر براہِ راست حملوں کا حکم دیا اور کچھ دوسرے دستوں کو ان کے عقب میں رہ کر پشت پناہی کی تاکید کی۔ جالیشیہ کے گھڑ سوار تیر اندازوں نے طوفانی انداز میں صلیبیوں پر ہلہ بول دیا۔ مسلمان شہد کی مکھیوں کی طرح صلیبیوں پر ٹوٹ

❶ النوادر السلطانیہ: 274 ❷ صلیبی جنگیں: 233 ❸ النوادر السلطانیہ: 275

کر گرنے لگے۔ ان کی مسلسل تیر اندازی سے صلیبیوں کے بیسیوں سپاہی ہلاک اور بیسیوں زخمی ہو گئے۔ نائٹوں نے بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے چاہا کہ اپنی حلقہ بندی سے نکل کر مسلمانوں پر جوابی حملہ کریں مگر رچرڈ کی سخت تاکید تھی کہ سپاہی بگل کے ذریعے کیے جانے والے عام حملے کے اشارے کا انتظار کریں اور اس سے پہلے صفوں کی ترتیب درہم برہم نہ ہونے دیں۔

مسلمانوں کے مسلسل حملوں سے بچنے کے لیے صلیبیوں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ وہ جلد از جلد کسی مناسب مقام تک پہنچ کر پڑاؤ ڈالنا چاہتے تھے۔ سلطان کے اشارے پر مجاہدین صلیبیوں کے عقب کو جہاں سیاہ وردیوں والے ہاسپٹلرز تھے، خاص طور پر نشانہ بنا رہے تھے۔ مسلمانوں کے غیر معمولی دباؤ اور تیر اندازی سے ان کے درجنوں افراد ہلاک رہے تھے۔ اس صورت حال سے فرنگیوں میں اضطراب پھیل گیا اور وہ آگے بڑھنے یا ٹھہر کر مقابلہ کرنے کے درمیان کشمکش و پیچ کا شکار ہو گئے۔ [1]

آخر کار سب سے پہلے لشکرِ صلیب کے محافظ دستے جو پیادہ تھے، حرکت میں آئے اور انہوں نے مسلمانوں پر جوابی حملہ شروع کر دیا۔ ادھر سے بدو، عرب اور ترک جوان فولادی تلواروں سے زرہ پوش صلیبیوں پر ٹوٹ پڑے، کچھ دیر دوبدو جنگ کے بعد اکثر مسلمان سپاہی گھوڑوں سے اتر کر پاپیادہ حملے کرنے لگے کیوں کہ اس طرح وہ حریف کو بہتر انداز میں نشانہ بنا سکتے تھے، یوں دست بدست جنگ شروع ہو گئی۔ یوں سورج بلند ہونے تک شدید جنگ چھڑ چکی تھی۔ مسلمانوں میں بے حد جوش و خروش پایا جاتا تھا۔ جب ان کی بھاری شمشیروں کی ضربیں صلیبیوں کی زرہوں پر پڑتیں تو لوہے سے لوہے کے ٹکراؤ کی سماعت خراش آوازیں دور دور تک گونج جاتیں۔ سلطان صلاح الدین اپنے برق رفتار گھوڑے پر سوار کبھی لشکرِ اسلام کے دائیں بازو میں جاتے اور کبھی بائیں بازو میں۔ ان کا حفاظتی دستہ بھی ساتھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ سلطان نے ساری افرادی طاقت جنگ میں جھونک دی تھی۔ صرف دو خادم ان کے ہمراہ تھے جو ان کے دائیں بائیں دوڑتے نظر آ رہے تھے۔ سلطان فوج کے ہر حصے میں پہنچ کر سپاہ کی ہمت بندھا رہے تھے، انہیں آگے بڑھا رہے تھے، یہی حال الملک العادل کا تھا۔ جنگ کے گرد و غبار میں وہ ایک کونے سے دوسرے کونے تک اپنے گھوڑے پر سرپٹ آ جا رہا تھا۔ ایک جگہ احکام دینے کے فوراً بعد وہ دوسری جگہ پہنچ کر ہدایات دیتا نظر آتا۔

مسلمانوں کے پے در پے حملوں سے دشمن کا عقب روندا گیا تھا۔ ہاسپٹلرز تتر بتر ہو رہے تھے۔ ادھر صلیبیوں کے پیادہ دستے جو اپنی پیش قدمی برقرار رکھ کر بڑی مشکل سے ارسوف کے باغات تک پہنچ

[1] النوادر السلطانیۃ: 275، صلیبی جنگیں: 234

تھے اپنے سامنے اسلامی لشکر کے قلب کو صف آراد دیکھ رہے تھے جبکہ اسلامی میمنہ اور میسرہ کے دستے بھی دائیں بائیں متحرک تھے۔

رچرڈ عقب کی صورتحال سے آگاہ تھا مگر اس نے ہاسپٹلرز کی مدد کے لیے گھڑسوار دستوں اور نائٹوں کو میدان میں لانا اب بھی احتیاط کے خلاف سمجھا۔ وہ بہرصورت صف بندی قائم رکھ کر آگے بڑھتے رہنے پر مصر تھا۔ اس دوران ہاسپٹلرز کا گرینڈ ماسٹر دوڑتا ہوا رچرڈ کے پاس پہنچ گیا اور بتایا کہ وہ تنہا دشمن کا حملہ نہیں روک سکتے۔ رچرڈ نے اب بھی عام حملے کا حکم دینے میں تامل کیا مگر کچھ جوشیلے نائٹوں سے رہا نہ گیا۔ انہوں نے گھوڑوں کی باگیں پھیر کر عقب کا رخ کیا اور مسلمانوں پر بھرپور حملہ کر دیا۔ کاؤنٹ آف شمپین اور کچھ دیگر صلیبی امراء بھی اپنے گھڑسوار دستوں کے ساتھ منظم ہو کر اس طرف لپکے۔ بعد میں رچرڈ بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس طرح صلیبیوں کی گھڑسوار فوج ایک زبردست طاقت بن کر ہاسپٹلرز کی مدد کے لیے عقب میں آ گئی۔ ❶

اب لشکرِ صلیب کی ترتیب بالکل بدل گئی، ان کا عقب ہراول دستے کی حیثیت اختیار کر گیا اور ہراول پچھلی فوج بن گیا۔ اس نئی ترتیب کے ساتھ نصرانیوں نے اس قدر اچانک اور زوردار حملہ کیا کہ مسلمان ششدر رہ گئے اور خود کو سنبھال نہ سکے۔ وہ فتح کو بہت قریب محسوس کر رہے تھے مگر اب یکدم صورت حال بدل گئی تھی۔ چوں کہ مسلمانوں کے اگلے دستے جو براہ راست حملے میں شریک تھے، گھوڑوں سے اتر کر پیدل لڑ رہے تھے، اس لیے وہ گھڑسوار نائٹوں کا حملہ نہ روک سکے اور پسپا ہوتے چلے گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے میدان کا نقشہ بدل گیا۔ قاضی ابن شداد لکھتے ہیں:

"دشمن کے گھڑسوار دستے ان کی پیادہ افواج کے درمیان یکجا ہو گئے۔ انہوں نے اپنے نیزے تان لیے اور یک بارگی نعرے بلند کیے، ان کے پیادوں نے (دائیں بائیں ہو کر) ان کے لیے راستہ چھوڑ دیا، اب انہوں نے ایک ساتھ تمام اطراف پر حملہ کر دیا۔ ایک دستے نے ہمارے دائیں بازو پر، ایک دستے نے بائیں بازو پر اور ایک دستے نے ہمارے قلب پر دھاوا بول دیا۔ مسلمان ان کے حملے کے دباؤ سے پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ اتفاق سے میں قلب لشکر میں تھا، سو جب قلب بری طرح پسپا ہوا تو میں نے میسرہ کی صفوں میں پناہ لینے کی کوشش کی، کیوں کہ وہ میرے قریب تھیں مگر میرے وہاں تک پہنچتے پہنچتے میسرہ بھی درہم برہم ہو کر راہِ فرار اختیار کر چکا تھا۔" ❷

ارسوف کا یہ معرکہ سلطان کی زندگی کی خطرناک ترین لڑائیوں میں سے ایک تھا۔ جب مسلمان تتر بتر ہو کر بھاگ رہے تھے تو لگتا تھا کہ اب بیت المقدس تک نصرانیوں کے ٹڈی دل کو روکنے والا کوئی نہیں

❶ النوادر السلطانیہ: 276، سلیمی تیگین: 234، الکامل فی التاریخ: 10/208
❷ النوادر السلطانیہ: 276، 278

ہوگا۔ مگر اس انتہائی نازک موقع پر سلطان صلاح الدین ایوبی نے مثالی استقامت اور حاضر دماغی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے لشکر کو مکمل تباہی سے بچانے کی پوری کوشش کی۔ جب پسپائی شروع ہوئی تو اس وقت سلطان حسب معمول دستوں کے عقب میں کھڑے میدان جنگ کا نظارہ کر رہے تھے۔ اپنے سپاہیوں کو الٹے پاؤں بھاگتا دیکھ کر سلطان تیزی سے آگے بڑھے اور اپنے خاص دستے کے پاس جا پہنچے مگر اس وقت اس دستے میں صرف سترہ سپاہی باقی رہ گئے تھے۔ سلطان نے انہی کے ساتھ میدان میں قدم جما لیے۔ اگرچہ اس وقت تک لشکر کے قلب اور میسرہ کے سپاہیوں کی اکثریت فرار ہو چکی تھی مگر سلطان کے علمبردار اپنی جگہ ڈٹے ہوئے تھے اور سپاہیوں کو اشارے دینے کے لیے بگل اور طبل اب بھی بجائے جا رہے تھے۔ سلطان نے حکم دیا:

''بگل مسلسل بجائے جائیں، نقارے پوری شدت سے پیٹے جائیں تاکہ فرار ہوتے ہوئے سپاہی اس طرف پلٹ آئیں۔''[1]

سلطان خود بھی ہر طرف کا جائزہ لے رہے تھے، جوں ہی انہیں کوئی سپاہیوں کی کوئی ٹولی بھاگتی نظر آئی وہ قاصد کو دوڑاتے کہ انہیں ادھر بلا لائے۔ عجیب بات یہ تھی کہ عکا کے معرکہ کبریٰ کی طرح اس دن بھی عیسائی حملہ آوروں نے میدان میں جمنے والوں کی بجائے فرار ہونے والوں پر توجہ مرکوز رکھی، اس طرح سلطان ایوبی کو اپنی فوج از سر نو مرتب کرنے کا موقع مل گیا ورنہ سلطان کا خود شہید یا گرفتار ہو جانا ہرگز بعید نہ تھا۔

اس وقت وادی میں میلوں تک گھڑ سواروں اور پیادوں کی ٹولیاں ایک دوسرے کا پیچھا کرتی دکھائی دے رہی تھیں، مفرور مسلمان میدان کے اطراف کی طرف پھیل رہے تھے جبکہ عیسائی کئی حصوں میں بٹ کر ان کا تعاقب کر رہے تھے۔

کچھ دیر بعد مسلمان قریب واقع درختوں کے جھنڈ میں غائب ہونے لگے، یہ دیکھ کر نصرانیوں نے اپنے قدم روک لیے، انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں مسلمان آگے گھات لگائے نہ بیٹھے ہوں۔ اب مسلمان بھی رک گئے اور انہوں نے مڑ کر صلیبیوں پر جارحانہ حملہ کر دیا۔ سلطان ایوبی کے ذاتی دستے کے سات سو سپاہیوں نے ایک امیر کی قیادت میں نصرانیوں کو بری طرح روندنا شروع کر دیا۔ نصرانیوں کے قدم ڈگمگا رہے تھے کہ رچرڈ خود اپنے دستے کے ساتھ پہنچ گیا، اس نے اس شدت سے حملہ کیا کہ مسلمان سنبھل نہ سکے اور لڑتے بھڑتے پیچھے ہٹنے لگے۔ گرد و غبار کے بادلوں میں یہ انوکھی جنگ ساحل کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک منتقل ہوتی رہی۔ کچھ دیر بعد نصرانیوں نے ٹھہر کر اپنی صفوں کو منظم کیا اور

[1] النوادر السلطانیہ: ص276، الکامل: ج10/208

ایک بھرپور حملہ کر کے تیسری بار مسلمانوں کو پسپائی پر مجبور کر دیا۔ مسلمان پیچھے ہٹتے ہٹتے ''رواب'' کے ٹیلوں پر چڑھ گئے، یہاں وہ قدرے محفوظ تھے اور نشیب میں موجود دشمن کو تیروں کا نشانہ بنا سکتے تھے۔ فرانسیوں نے اس کے بعد مزید تعاقب کی ضرورت محسوس نہ کی اور وہیں رک گئے۔

اُدھر میدان میں سلطان صلاح الدین قلب کے نشان اور شاہی علم کے ساتھ بدستور اپنی جگہ قدم جمائے ہوئے تھے، ان کے کئی کارندے اِدھر اُدھر گھوم پھر کر بھاگنے والوں کو بلا رہے تھے اور انہیں سلطان کی موجودگی سے آگاہ کر رہے تھے۔ اگر سلطان ایوبی میدان جنگ میں نہ ہوتے تو یقیناً پورا لشکر میدان چھوڑ دیتا مگر سلطان کو میدان میں ڈٹا ہوا دیکھ کر بہت سوں کو غیرت آئی اور وہ جلد ہی پلٹ کر سلطان سے آملے۔ اس طرح سلطان کے شانہ بشانہ لڑنے والے سپاہیوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ دوپہر تک تقریباً پورا لشکر میدان میں واپس آگیا اور سلطان ایوبی اسے ازسرِنو مرتب کرنے لگے۔ یہ صرف ایک نفسیاتی حربہ تھا ورنہ حقیقت میں فوج کی حالت دگرگوں تھی۔ بہرکیف مسلمانوں کو دوبارہ صف بستہ دیکھ کر رچرڈ نے محتاط رویہ اختیار کیا اور فوج کو ارسوف کے باغات اور مورچوں میں لے گیا اور وہاں ڈیرے ڈال دیے۔ ❶

معرکے کے بعد ﷺ سلطان نے دشمن کے ارسوف کی طرف ہٹتے ہی شعراء کے ٹیلوں کا رخ کیا اور اپنے خیمے کے باہر بیٹھ کر لشکر کا جائزہ لینے لگے۔ یہاں پینے کے پانی کی قلت تھی۔ سلطان نے قرب وجوار سے پانی منگوانے کا حکم دیا۔ خدمت پر مامور عملہ پانی بھرنے چلا گیا، شہداء کی تدفین کا کام جاری تھا، زخمیوں کو سلطان کی خدمت میں لایا جا رہا تھا، سلطان خود آگے بڑھ کر ان کو سہارا دے رہے تھے اور ان کی تیمارداری کا حصہ لے رہے تھے۔ اس وقت شدت کی گرمی تھی اور دھوپ ناقابل برداشت تھی۔ ایک جانثار نے رومال تان کر سلطان پر سایہ کر دیا۔ چند لمحوں بعد خدام نے سلطان کی خدمت میں ہلکی پھلکی غذا پیش کی، سلطان نے دو چار لقمے لیے اور پھر لشکر کی دیکھ بھال میں مشغول ہو گئے۔ سلطان اگرچہ دوسروں کو حوصلہ دے رہے تھے مگر اندر سے خود ٹوٹ پھوٹ چکے تھے۔ ان کے چہرے سے کرب والم کے آثار عیاں تھے۔ انہیں اپنے سپاہیوں سے ہرگز یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اس طرح منہ پھیر کر میدانِ جہاد سے بھاگ کھڑے ہوں گے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی خاص مدد ہوئی کہ دشمن کو قلب میں سلطان اور ان کے مٹھی بھر سپاہیوں کے گھیراؤ کا خیال نہ آیا۔ پھر اس نے فرار ہونے والوں کا آخری حد تک تعاقب بھی نہ کیا ورنہ سلطان کی فوج کو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑتا۔ یہ باتیں سوچ سوچ کر سلطان کی طبیعت ہلکان ہوتی جا رہی تھی۔ قاضی ابن شداد نے تسلی دینے کی بہت کوشش کی مگر اس وقت سلطان کیلئے تسلی کے الفاظ بے معنی تھے۔ ❷

❶ النوادر السلطانیہ: 276 ❷ النوادر السلطانیہ: 277

<u>فریقین کے نقصانات</u> ایک ہی لڑائی میں ہزاروں مسلمان شہید ہو چکے تھے۔ ان میں قایماز العادلی، امیر شکار اور امیر ابعوش سمیت کئی سرکردہ رؤساء اور بیسیوں نامور سپاہی شامل تھے۔ الملک العادل، امیر قایماز نجمی اور شہزادہ الملک الافضل نے اس دن زبردست جواں مردی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی فوج کو مکمل شکست سے بچایا تھا۔ الملک الافضل زخمی بھی ہوا تھا، اس کا چہرہ خون سے تر بتر تھا۔ موصل کا دستہ جو علاؤ الدین کی قیادت میں تھا اس دن بڑی پامردی سے لڑا تھا خصوصاً اسکے ہراول نے آخر تک اپنے قدم جمائے رکھے۔ [1]

سلطان کے وقائع نگار اپنے مقتولین کی تعداد کا ذکر نہیں کرتے تاہم عیسائی مورخین مقتول مسلمانوں کی تعداد سات ہزار تک بتاتے ہیں۔ [2] اس دن بظاہر فرنگیوں کا زیادہ جانی نقصان نہیں ہوا۔ قاضی ابن شداد بس اتنا بتاتے ہیں کہ ان کا ایک گروہ قتل ہوا اور مسلمان ان کا ایک سپاہی قید کرنے اور چار گھوڑے پکڑنے میں کامیاب ہوئے۔ اس کے علاوہ خاصی تعداد میں سواری کے جانور ہلاک ہوئے تھے۔ عرب بدوؤں نے سلطان کو بتایا کہ انہوں نے دشمن کے ہلاک شدہ گھوڑے شمار کیے ہیں جو سو سے زائد ہیں۔ [3]
صلیبیوں کا ایک نامور سردار جیمز ڈی ایونز اس لڑائی کی نذر ہو گیا تھا۔ [4]

ارسوف کا معرکہ رچرڈ کی زندگی کا یادگار معرکہ تھا جس میں اس نے سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے نامور فاتح کو میدانِ جنگ سے پسپا کیا تھا۔ بلاشبہ اس دن فرنگیوں نے رچرڈ کی کمان میں نہایت پرجوش جنگ لڑ کر مسلمانوں کو نیچا دکھایا تھا مگر چوں کہ رچرڈ میں جنگی تجربے کی کمی تھی، اس لیے وہ اس کامیابی سے حسب توقع نتائج حاصل نہ کر سکا جبکہ سلطان صلاح الدین نے اپنی عسکری ہیئت بحال کرنے اور دوبارہ صف بندی میں چوبیس گھنٹے بھی نہ لگائے اور ثابت کر دیا کہ ارسوف سے القدس تک صلیبی سیلاب کو ہر قدم پر ایوبی کی شکل میں ایک فولادی حصار سے ٹکرانا پڑے گا۔

عصر کے وقت لشکرِ اسلام ارسوف سے چند میل دور دریا کے پار عوجاء کے سرسبز و شاداب علاقے میں منتقل ہو رہا تھا۔ سلطان کا خیمہ دریا کے کنارے ایک بلند ٹیلے پر لگا دیا گیا مگر سلطان نے خیمے میں وقت نہ گزارا۔ اگرچہ وہ بری طرح تھکے ہوئے اور طبعی طور پر بھی حد درجے افسردہ تھے مگر انہوں نے ایک لمحے کے لیے بھی آرام نہ کیا۔ قاضی ابن شداد کہتے ہیں:

"اس دن کے حادثے سے سلطان کے دل پر جو بیت رہی تھی وہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے...... یہی <u>حال سپاہیوں کا تھا کہ ان میں سے بہت سوں کے بدن زخمی تھے اور بہت سوں کے دل۔</u>" [5]

1. النوادر السلطانیہ: 277، الکامل فی التاریخ: 10/104
2. النوادر السلطانیہ: 277
3. النوادر السلطانیہ: 278
4. سیرت سلطان صلاح الدین، لین پول: 230
5. صلیبی جنگیں: 230

اس کے علاوہ تقریباً ساری ہی فوج دن بھر کی بھاگ دوڑ سے تھکی ہاری ہوئی تھی۔ مجموعی طور پر یہ فوج اس قابل نہیں تھی کہ کوئی بھرپور جنگ لڑ سکتی مگر اس کے باوجود سلطان صلاح الدین دشمن کو ہرگز یہ تاثر نہیں دینا چاہتے تھے کہ مسلمان کمزور پڑ چکے ہیں۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ کل مسلمان ازخود میدان میں نکل کر صلیبیوں کو جنگ کے لیے للکاریں۔ رات بھر لشکرِ اسلام تیار ہوتا رہا اور صبح سویرے نقاروں کی گونج اور تکبیر کے نعروں کے ساتھ سلطان فوج کو لے کر ایک بار پھر ارسوف کی طرف بڑھ رہے تھے۔

مسلمان دن بھر میدان میں صفیں باندھ کر صلیبیوں کو قوت آزمائی کی دعوت دیتے رہے مگر صلیبی مقابلے پر نہ آئے۔ شاید ان پر دہشت طاری ہو چکی تھی یا پھر وہ گزشتہ روز کی جنگ کے باعث تھکے ہوئے تھے۔ ❶

ساحل کی آخری جھڑپ: 16 شعبان (7 ستمبر) کو رچرڈ سلطان کے مقابلے سے کتراتے ہوئے یافا کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے حسبِ سابق فولادی قسم کی صف بندی قائم رکھی تھی اور فوج کو مسلمانوں سے الجھے بغیر پیش قدمی برقرار رکھنے کا پابند کیا تھا۔ اِدھر سے سلطان صلاح الدین فوج کو لے کر رچرڈ کے پہلو میں آ گئے۔ تیر اندازوں نے اتنے تیر برسائے کہ فضا میں ٹڈی دل اڑتا محسوس ہونے لگا مگر صلیبی کسی اشتعال اور بدنظمی کا مظاہرہ کیے بغیر دریا کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ اس دن کی کشمکش میں بدوؤں نے چار فرنگی مردوں اور ایک عورت کو گرفتار کیا جنہیں سلطان کے حکم سے جیل خانے بھیج دیا گیا۔

صلیبیوں کی ساحلی یلغار کے دوران یہ آخری جھڑپ تھی۔ اسی روز دن ڈھلے عیسائی دریائے یافا کی نشیبی وادی میں آ گئے۔ یہاں انہوں نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ دریا کے مغربی کنارے پر ٹھہر گیا جبکہ دوسرا حصہ دریا عبور کر کے مشرقی کنارے پر خیمہ زن ہو گیا۔ اب وہ یافا کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔ ❷

اب یہ بات واضح تھی کہ فرنگی یونہی یافا سے ساحل کے ساتھ ساتھ بڑھتے ہوئے 'عسقلان' تک چلے جائیں گے اور اس قدیم تاریخی شہر کی مضبوط فصیل اور بلند و بالا قلعے پر قبضے کی کوشش کریں گے تاکہ اس مقام کو چھاؤنی بنا کر وہ بیت المقدس پر بھرپور یلغار کر سکیں۔ رچرڈ نے جس عمدہ منصوبہ بندی کے ساتھ لشکرِ صلیب کو عکا سے یافا تک پہنچایا تھا اسے دیکھتے ہوئے ایسا لگتا تھا کہ وہ عسقلان تک پہنچنے اور پھر وہاں سے القدس پر حملہ کرنے میں بھی کامیاب ہو جائے گا۔ مسلمان متواتر دو ہفتوں سے اسے راستے میں روکنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ فیصلہ کن میدانی جنگ بیت المقدس سے دور لڑی جائے...... مگر ان کی کوششیں بے سود رہی تھیں...... پس اب ضروری ہو گیا تھا کہ دشمن کے عزائم کو ناکام بنانے کے لیے حکمت عملی میں تبدیلی کی جائے۔

---

❶ النوادر السلطانیہ: 276_277　❷ النوادر السلطانیہ: 278_279

فصل:2

عسقلان

سلطان کے سامنے اب اصل مسئلہ بیت المقدس کی شاہراہوں کی ناکہ بندی کا تھا۔ صلیبی لشکر کے تعاقب اور چھاپہ مار حملوں کی حکمت عملی اب مزید کام نہیں دے سکتی تھی۔ ضروری تھا کہ اب مسلمان القدس سے پہلے کسی مقام پر ناقابل تسخیر دفاعی خط قائم کریں اور پوری قوت سے صلیبیوں کے مقابل آئیں۔

سلطان کے نزدیک عسقلان اس مقصد کے لئے موزوں ترین مقام تھا۔ یہ گنجان آباد، خوبصورت اور پررونق تجارتی شہر، جو القدس کے مغرب میں بحیرۂ روم کے ساحل پر آباد تھا عسکری لحاظ سے بے حد اہمیت کا حامل تھا۔ شام سے مصر جانے والی شاہراہ یہاں سے گزرتی تھی اس لئے اس کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ اس کے دفاعی انتظامات بھی بے حد مضبوط تھے۔ فصیل کی چوڑائی بارہ سے پندرہ فٹ تک تھی۔ شہر کی وسعت کے باعث یہاں بڑی سے بڑی فوج آسانی سے رکھی جاسکتی تھی۔ [1]

سلطان کا شروع سے یہ خیال تھا کہ عکا کے بعد اگر کوئی شہر صلیبیوں کو ناکوں چنے چبوا سکتا ہے تو وہ عسقلان ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے قیساریہ، حیفا اور یافا کو غیر محفوظ قرار دے کر ان کی فصیلوں کو از خود منہدم کروا دیا تھا مگر عسقلان کو جوں کا توں رہنے دیا تھا، کیونکہ یہ کوئی معمولی شہر نہیں تھا جو صلیبی آسانی سے فتح کر لیتے۔

اگر یہاں خوراک کے وافر ذخائر کے ساتھ ایک بڑی فوج اتار دی جاتی تو صلیبیوں کو ایک طویل عرصے تک یہاں رک کر محاصرانہ جنگ لڑنا پڑتی اور سلطان بیرونی حملوں کے ذریعے ان کا ناطقہ بند کر کے انہیں واپسی کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے۔ اس طرح صلیبی جنگ کا فیصلہ القدس کی حدود سے باہر ہی ہو جاتا۔ اس سوچ کے تحت سلطان ایوبی نے افواج کا بڑا حصہ ساحل سے ہٹانے اور متبادل راستہ اختیار کر کے فرنگیوں سے پہلے عسقلان پہنچنے کی کوشش کی تا کہ وہاں بروقت جنگ کی تیاری کی جاسکے۔

[1] کتاب الروضتین 4/260، معجم البلدان: عسقلان

17 شعبان 587ھ (8 ستمبر 1191ء) کو نمازِ فجر کے بعد سلطان نے ہراول دستوں کو دشمن کے قرب وجوار میں چھوڑ کر بقیہ لشکر کے ساتھ رملہ کے راستے عسقلان پہنچنے کے لیے جنوب مشرق کی طرف کوچ کیا۔

راستے میں ہراول کے مخبر نے آ کر بتایا کہ فرنگی یافا سے روانہ ہو رہے ہیں۔ یہ خبر نہایت پریشان کن تھی۔ اگر فرنگی مسلمانوں سے پہلے عسقلان پہنچ جاتے تو عسقلان کا بچاؤ ناممکن اور القدس کی حفاظت مشکل تر ہو جاتی۔ مگر دن کے پچھلے پہر جب سلطان بارہ تیرہ میل سفر کرنے کے بعد رملہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ یافا سے فرنگیوں کی روانگی کی اطلاع غلط تھی۔ گرفتار کیے گئے دو فرنگیوں نے سلطان کو بتایا کہ صلیبی چند دنوں تک یافا ہی میں رکیں گے اور قلعے کی مرمت کر کے وہاں افواج کو جمع کریں گے۔ یہ خبر اطمینان بخش تھی۔ گویا ابھی مسلمانوں کے پاس عسقلان پہنچنے کا وقت تھا۔ ❁

رملہ میں مجلس شوریٰ کا اہم اجلاس ❁ ایک ایک لمحہ بہت قیمتی تھا۔ سلطان ایوبی نے اسی دن رملہ میں شوریٰ کا اجلاس طلب کیا اور ان سے آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں رائے طلب کی۔ اب لڑائی کی ممکنہ صورتیں دو ہی تھیں۔ پہلی یہ کہ عسقلان کو مرکز بنا کر فرنگیوں سے عکا کے محاذ کی طرح طویل لڑائی لڑی جائے۔ دوسرے یہ کہ عسقلان سے پیچھے ہٹ کر القدس کے راستے میں صف بندی کی جائے۔

سلطان کی اپنی رائے عسقلان کو مورچہ بنانے کی تھی۔ عکا کی طرح یہاں بھی سلطان کا منصوبہ یہ تھا کہ ان کے چند دلیر اور تجربہ کار امراء فوج کی بھاری تعداد اور غلے کے وافر ذخائر کے ساتھ شہر میں محصور ہو جائیں گے، جب فرنگی شہر کا محاصرہ کریں گے تو سلطان بقیہ فوج کے ساتھ ان پر حملہ آور ہوں گے اور ایک طویل جنگ کے ذریعے انہیں مسلسل نقصانات سے دوچار کر کے ان کے عزائم کو تبدیل کر دیں گے۔

مگر امرائے فوج کی اکثریت نے عکا کے تلخ تجربات کے پیش نظر اس حکمت عملی کی مخالفت کی۔ انہیں اندیشہ تھا کہ عسقلان میں مورچہ بندی کر کے وہ ایک بار پھر محاذِ عکا جیسی مصیبت میں پھنس جائیں گے جس کے تین سالہ زخم ابھی تک نہیں بھرے تھے۔ امرائے فوج کا کہنا تھا کہ عسقلان کے دفاعی انتظامات چاہے کتنے بھی مضبوط بنا لیے جائیں، صلیبی ایک بار محاصرہ کرنے کے بعد اسے سر کر کے ہی دم لیں گے۔ پھر عکا کی طرح وہاں بھی فوج اور آبادی کا قتل عام ہوگا اور جس طرح عکا آخر کار ان کا مرکز بن کر مسلمانوں کے خلاف استعمال ہو رہا ہے، عسقلان اس سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہو کر القدس پر حملے کے لیے کیمپ کا کام دے گا۔

امرائے لشکر نے یہ بھی کہا کہ القدس اور عسقلان دونوں کے قلعے اور فصیلیں مضبوط کرنے کے لیے

❁ النوادر السلطانیہ، ص: 276

ایک لشکرِ جرار اور طویل مدت درکار ہے۔ جبکہ وقت اتنا کم ہے کہ ہم موجودہ نفری کے ساتھ ان دونوں میں سے کسی ایک کو مضبوط تر بنا سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ عسقلان کی بہ نسبت القدس کا دفاع مستحکم کرنا زیادہ ضروری ہے۔ ①

یہ تمام پہلو سلطان کے سامنے بھی تھے مگر وہ آخری جنگ کا میدان القدس کے مزید قریب لے جانے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ انہوں نے ایک بار پھر افسران کو عسقلان کے دفاع کے لیے ابھارنے کی کوشش کی مگر کسی نے سلطان کی پکار پر لبیک نہ کہا۔ بلکہ بعض امرائے فوج نے تو اپنی خدمات پیش کرنے سے معذرت کرتے ہوئے کہا:

''اگر آپ عسقلان کے دفاع پر مصر ہیں تو پھر آپ خود یا آپ کا کوئی صاحبزادہ عسقلان میں رہے تب تو ہم بھی آپ کی منشاء کی تعمیل میں آنکھیں بند کر کے عسقلان میں مورچہ بند ہو جائیں گے، لیکن اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو ہم میں سے بھی کوئی عسقلان میں گھسنے کا نام نہیں لے گا کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ ہمیں وہ مصائب پیش آئیں جن کا عکا والے نشانہ بنے۔'' ②

کاتب عماد امرائے لشکر کی اس ضد پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر عسقلان کی حفاظت کی جاتی تو یہ بالکل درست ہوتا اور اس کا دفاع ممکن تھا مگر سلطان نے دیکھا کہ تمام امراء اس سے گریزاں اور خوفزدہ ہیں کیونکہ انہیں تین سال تک جاری عکا کی جنگ اور اس کی مدافعت نے ڈرا دیا تھا۔''

بہر کیف سلطان نے امراء کو اپنی تجویز سے بددل اور عسقلان کو محاذ بنانے سے خائف دیکھا تو اپنا منصوبہ ترک کر دیا کیونکہ ان پر واضح ہو گیا تھا کہ اس ذہن کے ساتھ فوج ہرگز عسقلان کی حفاظت نہیں کر پائے گی۔ مگر یہ سوال اب بھی باقی تھا کہ عسقلان کا کیا کیا جائے؟ کیا اسے فرنگیوں کے حوالے کر دیا جائے؟ عسقلان چونکہ مصر اور شام کی شاہراہ پر واقع تھا اس لیے اس پر فرنگیوں کے قبضے کا مطلب تھا کہ مصر سے مسلمانوں کی کمک کا زمینی راستہ مسدود ہو جائے اور دشمن کو القدس پر حملے کے لیے شاہراہ میسر آ جائے۔ یہ بات مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت تھی۔

اس موقع پر سلطان کے مشیر سلیمان بن جندر نے ارکان شوریٰ اور امرائے لشکر کی رائے کی حمایت کرتے ہوئے سلطان کو یہ رائے دی کہ قیساریہ، یافا اور حیفا کی طرح عسقلان کو بھی آبادی سے خالی

---

① النوادر السلطانیہ: ص279؛ کتاب الروضتین: 4/283؛ الکامل فی التاریخ: 10/209، 208
② الکامل فی التاریخ: 10/203، 209

گرا کے تباہ کردیا جائے تاکہ وہ ہمارے نہ کسی دشمن کے بھی کام نہ آ سکے۔ ❶

سلطان ایوبی کو پہلے ہی معلوم تھا کہ اس عظیم الشان شہر کی حفاظت نہ کرنے کی صورت میں اسے خود تباہ کرنا ناگزیر ہوگا۔ اب وہ یہ دردناک فیصلہ کرنے پر مجبور تھے۔ اس طرح اسی مجلس میں عسقلان کی تباہی پر اتفاق کر لیا گیا۔ یہ بھی طے ہوا کہ لشکرِ اسلام کا ایک حصہ الملک العادل اور دیگر افسران کی قیادت میں فرنگی لشکر کے آس پاس منڈلاتا رہے گا تاکہ سلطان کو ان کی نقل و حرکت کی تازہ بتازہ خبریں ملتی رہیں اور کسی فوری امکانی خطرے کا تدارک بھی ہو سکے۔

سلطان عسقلان کی تخریب کا کام جلد از جلد اپنی نگرانی میں کرانا چاہتے تھے، کیونکہ اگر ذرا بھی تاخیر ہو جاتی تو فرنگی سر پر پہنچ سکتے تھے اور سارا منصوبہ چوپٹ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ مجلس مشاورت کے بعد رات ہوتے ہی لشکر کا ساز و سامان بار برداری کے اونٹوں پر رملہ سے عسقلان روانہ کر دیا گیا۔ نصف شب کو الملک الافضل نے فوج کے ساتھ کوچ کیا۔ اگلے دن (18 شعبان 587ھ/ 9 ستمبر 1191ء) کو سحر کے دھندلکے میں سلطان بقیہ لشکر سمیت پابہ رکاب ہوئے۔ وہ نہایت تیزی سے سفر کرتے ہوئے دن ڈھلے عسقلان کے قریب پہنچ گئے اور شہر کے شمال میں پڑاؤ ڈال دیا۔ اس خوبصورت اور گنجان آباد تجارتی شہر کو خود اپنے ہاتھ سے تباہ کرنے کا تصور سلطان کے لیے بڑا یاس انگیز تھا۔ رات بھر وہ اس فکر میں غلطاں رہے اور بمشکل تھوڑی دیر سو سکے۔ ❷

اس شہر کا ایک پتھر اُکھاڑنا بھی...... سحر کے دھندلکے میں انہوں نے قاضی ابن شداد اور شہزادہ الملک الافضل کو اپنے پاس بلایا اور دیر تک ان سے مشورہ کرتے رہے۔ وہ عسقلان سے شہریوں کے انخلاء اور اس کی عمارتوں کے انہدام کے مضمرات، عواقب اور دیگر عملی پہلوؤں پر گفتگو کر رہے تھے۔ اسی دوران انہوں نے درد بھرے لہجے میں کہا:

"اللہ کی قسم اس شہر کا ایک بھی پتھر اکھاڑنا میرے لیے اپنی تمام اولاد کی ہلاکت سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ مگر جب مشیتِ الٰہی کا فیصلہ یہی ہے اور اس نے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے اسے ناگزیر بنا دیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں!!" ❸

اتنے بڑے فیصلے میں دلی تردد اور اضطراب دور کرنے کے لئے سلطان نے اس دن بارگاہِ الٰہی میں استخارہ کیا۔ صبح تک انہیں اس فیصلے پر اطمینان ہو گیا۔ قاضی بہاؤ الدین ابن شداد اپنے روزنامچے میں لکھتے ہیں:

❶ الروضتین: 281/4 ❷ کتاب الروضتین 4/ 202 ❸ النوادر السلطانیہ: 280

''سلطان نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس شہر کو ویران کرنے میں مسلمانوں کی مصلحت ہے کیونکہ مسلمان اس کی حفاظت نہیں کر سکتے۔''

سلطان نے اگلے دن (19 شعبان/ 10 ستمبر کو) شہر کے والی کو بلوا کر اسے شہریوں کے انخلاء اور عمارتوں کے انہدام کی کاروائی شروع کرنے کا حکم دیا۔ [1]

عسقلان! روزِ محشر: یہ بڑے ہنگامے کا دن تھا۔ شہر کے گلی کوچوں میں منادی کی جا رہی تھی کہ لوگ فوری طور پر گھروں کو خالی کر کے محفوظ علاقوں کو چلے جائیں۔ جہاں جہاں یہ صدا پہنچی لوگ مال و اسباب باندھ کر گھروں سے نکلنے لگتے۔ یہ لوگ حکمِ سلطانی سے مجبور اور صلیبیوں کے حملے کے خیال سے دہشت زدہ تھے۔ عسقلان جیسا پر امن اور خوبصورت شہر انہیں بے حد محبوب تھا۔ وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی اپنے گھر جائداد اور کاروبار کو چھوڑ کر یہاں سے کہیں اور جانے پر تیار نہ ہوتے مگر حالات نے انہیں مجبور کر دیا تھا۔ ان کی آہوں اور سسکیوں کی آوازیں ہر طرف گونج رہی تھیں۔ یہ منظر بڑا دردناک تھا۔

نقل مکانی کرنے والوں کا جمِ غفیر شہر سے نکل کر سلطان کی لشکر گاہ کی سمت آ رہا تھا کیونکہ دشمن کے حملے کا خطرہ انہیں لرزائے دے رہا تھا۔ کیمپ میں انہیں فوری پناہ مل سکتی تھی۔ اس دوران لوگوں کو کرائے پر سواریاں دینے والے شتربان بڑی تعداد میں اپنے جانوروں سمیت آن موجود ہوئے تھے مگر نقل مکانی کرنے والے لوگ بہت زیادہ تھے۔ یہ دیکھ کر مالدار افراد بڑھ چڑھ کر کرائے دینے پر آمادہ ہو گئے۔ شتربانوں نے بھی کرایے بہت بڑھا دیے۔ قریبی شہروں تک کا کرایہ مصر اور شام کے کرایے سے بڑھ گیا۔ جن لوگوں کے پاس اتنا کرایہ ادا کرنے کی سکت نہ تھی وہ پیدل چلنے پر مجبور ہو گئے۔ چونکہ گھروں کا سارا ساز و سامان ساتھ لے جانا ممکن نہ تھا اس لیے روانگی سے قبل لوگوں نے اکثر سامان اونے پونے داموں پر بیچ ڈالا۔ گرد و نواح سے موقع شناس تاجروں کی ٹولیاں یہاں پہنچ گئی تھیں۔ انہوں نے ہزار ہزار درہم کے اثاثے سو، سو میں خرید لئے۔ اس کے باوجود بھاری مال و متاع کے ان گنت ذخائر گھروں میں رہ گئے جنہیں نکالنے کا وقت نہیں تھا۔

شہریوں کے انخلاء کے فوراً بعد سپاہی اور مزدور شہر میں داخل ہو گئے۔ فصیل اور قلعے کے انہدام کا کام شروع ہو گیا۔ سلطان کا یہ حال تھا کہ وہ بنفسِ نفیس شہریوں کی دیکھ بھال اور عمارتوں کے انہدام کا کام کروا رہے تھے۔ کبھی وہ خیمہ گاہ میں اِدھر سے اُدھر لپکتے، کبھی شہر کے ویران بازاروں اور گلیوں میں گھومتے دکھائی دیتے۔ انہوں نے شہر کی فصیل اور برجوں کے مختلف حصوں کو افراد پر تقسیم کر دیا تھا، اور

[1] النوادر السلطانیۃ: 280

برجے پر الگ الگ افسر اور نگران مقرر کر دیے تھے۔

عسقلان کے خانماں برباد شہریوں نے نہایت حسرت و رنج کے عالم میں یہ رات معسکرِ سلطانی کے خیموں تلے گزاری۔ سلطان کو بھی شہر کی تباہی کا بڑا دکھ تھا۔ عوام کی پریشان حالی بچشم خود ملاحظہ کر کے وہ دلگیر ہوئے کہ بہر صورت جنگ ختم کرنے پر غور کرنے لگے۔ ①

حسنِ اتفاق سے اسی شب الملک العادل کی جانب سے اطلاع ملی کہ فرنگی صلح کی بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے لکھا کہ ابن ہمفری نے خود اس سے ملاقات کی ہے اور صلح کے لیے ساحل کے تمام شہر حوالے کرنے کی شرط رکھی ہے۔ یہ وہی شرط تھی جو رچرڈ پہلے پیش کر کے مسلمانوں کا انکار سن چکا تھا مگر اس بار سلطان نے مصلحتِ وقت کا لحاظ کر کے لچک دار رویہ اپنایا۔ دراصل وہ حریف کو باتوں میں لگا کر عسقلان کے حالات سے بے خبر رکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے الملک العادل کو بھی لچک دار رویہ اختیار کرنے کی ہدایت کی اور فرنگیوں کی پیش کش اور شرط قبول کرنے نہ کرنے کا اختیار بھی اسے دے دیا مگر اس کے باوجود سلطان کو یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں چالباز دشمن کو عسقلان کی حالت کا علم نہ ہو گیا ہو اور وہ اچانک یہاں نہ پہنچ جائے۔

چنانچہ اگلے دن صبح ہی سے شہر کی توڑ پھوڑ کا عمل تیز تر کر دیا گیا۔ گوداموں میں اب بھی اناج کے بڑے بڑے ذخائر موجود تھے جنہیں ایک دن میں منتقل کرنا ممکن نہ تھا چنانچہ اعلان کر دیا گیا کہ جو چاہے گوداموں سے جتنا اناج چاہے نکال کر لے جائے۔ ②

شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی ❁ شہر خالی ہوتے ہی مشعل بردار سپاہی اس کے گلی کوچوں میں نکل گئے۔ مکانات کو آگ لگا دی گئی۔ دھویں کے مرغولوں نے آسمان کو ڈھانپ لیا۔ دن بھر شہر سے شعلے بلند ہوتے رہے۔ لوگوں کے ساز و سامان اور سرکاری اموال و اَجناس کے اَن گنت ذخائر جو اب تک منتقل نہیں کیے جا سکتے تھے، جل کر خاکستر ہو گئے۔ 21 شعبان (12 ستمبر) کو سلطان نے معسکر کے ذخیرۂ خوراک و رسد کو شہر کے قریب منتقل کرا لیا تاکہ اس کے شتربان، مزدور اور غلام بھی فصیل کے انہدام میں حصہ لے سکیں۔ تیرہ چودہ فٹ چوڑی، بیس پچیس فٹ بلند اور کئی فرلانگ لمبی فصیل کو ڈھانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ خصوصاً اس کے برج نہایت مضبوط تھے۔ آخر کار فصیل کو کمزور کرنے کے لیے آتشیں کارروائی سے کام لیا گیا۔ ہزاروں سپاہی ایندھن کے بڑے بڑے ذخائر جمع کر کے فصیل کی بنیادوں اور برجوں کے اندرونی حصوں میں بھرتے رہے۔ پھر انہیں نذرِ آتش کر دیا گیا۔ کئی دنوں تک آگ کی

① النوادر السلطانیہ: 281، الکامل فی التاریخ: 10/209 ② النوادر السلطانیہ: 281

لپٹیں آسمان سے باتیں کرتی رہیں۔ فصیل اور برج چٹختے رہے۔ جب ان میں دراڑیں پڑ جاتیں تو مزدور کدالیں اور دوسرے اوزار لے کر ان پر ٹوٹ پڑتے۔ آخر کار اس طرح فصیل کا اکثر حصہ زمین بوس کر دیا گیا۔ (1)

سلطان اس کارروائی کو ہر لحاظ سے مکمل بنانے کے لیے اتنے فکر مند تھے کہ انہوں نے فصیل سے نکلنے والے پتھر سمندر میں پھینکوانا بھی ضروری سمجھا تا کہ فرنگی یہاں آ کر فصیل کو آسانی سے دوبارہ تعمیر نہ کر سکیں۔ پتھروں کا یہ پہاڑ سمندر میں ڈالنا ایک الگ مہم تھی مگر سلطان نے اسے پورا کر کے دم لیا۔ (2)

اسے مسلمانوں کی خوش قسمتی کہیں یا فرنگیوں کی غفلت کہ انہیں عسقلان میں ہونے والی اتنی بڑی کارروائی کی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ مخبر سلطان کو اطلاعات دیتے رہے کہ فرنگی بے فکری سے یافا کی تعمیر اور فصیل کی مرمت میں لگے ہوئے ہیں۔ الملک العادل نے بھی عسقلان کا معاملہ بخیر وخوبی نمٹتا دیکھ کر بڑی سمجھداری سے کام لیا۔ اسے سلطان کی جانب سے حریف کی شرائط پر صلح کر لینے کا اختیار مل چکا تھا مگر اس کے باوجود اس نے مذاکرات کو بے نتیجہ ملاقاتوں کے ذریعے طول دینے کا سلسلہ جاری رکھا۔ سلطان کی اصل منشا کو وہ بھی اچھی طرح سمجھتا تھا۔ (3)

سلطان بستر علالت پر ٭ عسقلان کی تخریب کے دوران مسلسل محنت، تکان اور ذہنی دباؤ کی وجہ سے سلطان کی طبیعت بگڑ گئی تھی۔ دو دن تک وہ اس قدر بے حال رہے کہ کچھ کھا پی سکے نہ گھوڑے پر سوار ہو سکے۔ اس دوران ماہ رمضان کا چاند طلوع ہو گیا۔ عسقلان کی شہر پناہ تو منہدم ہو چکی تھی مگر ایک قلعہ نما عظیم الشان برج باقی تھا جو ہاسپٹلرز نے تعمیر کیا تھا۔ اس کی چنائی اتنی مضبوط تھی کہ اس کے پتھروں پر کدالیں بمشکل اثر کرتی تھیں۔ اس برج سے بحیرۂ روم کا نیلا پانی صاف نظر آتا تھا۔ ادھر سلطان کو ہراول دستوں کے سالار جردیک نے جو صلیبی افواج کے گرد منڈلا رہا تھا اطلاع بھجوادی تھی کہ دشمن یافا سے نکل کر قرب وجوار کے علاقوں میں لوٹ مار کرنا چاہتا تھا۔ سلطان ان لٹیرے صلیبیوں پر بے خبری میں حملہ کرنا چاہتے تھے مگر اس برج کو اپنے سامنے تباہ کرنے کے لیے وہ رک گئے تھے۔

یکم رمضان کو وہ خود بستر پر تھے۔ انکی نیابت میں شہزادہ الافضل برج کو ایندھن سے پاٹ رہا تھا۔ سپاہ کو حوصلہ دلانے کیلئے وہ خود لکڑیاں اٹھا اٹھا کر لا رہا تھا۔ جب اس ایندھن کو آگ دکھائی گئی تو پورا برج ایک شعلہ بار نیزے کی طرح دہکنے لگا۔ دو دن اور راتوں تک جلنے اور چٹخنے کے بعد آخر کار برج سرنگوں ہو گیا۔ (4)

---

(1) النوادر السلطانیہ: 281
(2) النوادر السلطانیہ: 282
(3) الکامل فی التاریخ: 10/209
(4) النوادر السلطانیہ: 282_283

عسقلان کی تباہی کا حاصل: اگرچہ عسقلان کی تخریب کا فیصلہ سلطان کی ذاتی رائے کے خلاف اور ان کی طبیعت پر بہت گراں تھا مگر مشاورت اور استخارے کے بعد جب انہیں اس میں خیر کا یقین ہوگیا تو ذاتی رجحان کو نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے اس پر عمل کرنے میں غیر معمولی مستعدی دکھائی۔ بعد میں حالات نے ثابت کر دیا کہ یہ فیصلہ درست تھا۔ اس سے مسلمانوں کو ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ وہ ایک محدود میدان میں لڑنے کی قید سے آزاد ہو گئے۔ سلطان اب افواج کو جہاں چاہے جمع کر سکتے تھے اور حسب موقع لڑائی کا انداز تبدیل کر سکتے تھے۔ اب فیصلہ کن جنگ کے لیے اپنی تمام قوت ایک نکتے پر مرکوز کرنا دشوار نہیں تھا۔

عسقلان کی تباہی سے صلیبیوں پر نفسیاتی رعب بھی پڑا۔ جب انہیں یہ خبر ملی کہ ان کا مجوزہ فیصلہ کن مورچہ ملبے کا ڈھیر بن چکا ہے تو وہ ششدر رہ گئے۔ انہوں نے ساحل کے ساتھ مزید پیش قدمی کا ارادہ ترک کر دیا۔ رچرڈ یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ جو شخص القدس کی حفاظت کے لیے اتنی بڑی قربانی دے سکتا ہے، اس پر غالب آنا بہت مشکل ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ سلطان ایوبی جیسا مسلمان القدس کو بچانے کے لیے ہر حد سے گزر سکتا ہے۔ [1]

عاشقِ القدس اپنے مرکزِ عشق میں: عسقلان کا گرم اور مرطوب موسم سلطان کو راس نہیں آیا تھا اس لیے ان کا یہاں مزید رکنا مناسب نہیں تھا۔ سلطان پہلا روزہ گزارنے کے بعد نصف شب کو بیت القدس کے راستے محفوظ تر بنانے نکل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے عسقلان کی تباہی کا بقیہ کام اپنے بیٹے الملک الافضل اور دوسرے امراء کے حوالے کر دیا تھا۔

3 رمضان (24 ستمبر) کو انہوں نے 'لُد' اور 'رملہ' کے درمیان پڑاؤ ڈالا اور دونوں بستیوں کو خالی کرا کے ان کے انہدام کی کارروائی شروع کرا دی۔ وجہ یہ تھی کہ لد میں ایک عالی شان گرجا تھا جو صلیبیوں کی پناہ گاہ بن سکتا تھا، اسی طرح وہ رملہ کے قلعے کو بھی استعمال کر سکتے تھے۔

سلطان کی افواج نے اس علاقے میں کیمپ لگا لیا اور کچھ دنوں کے لیے یہی مقام سلطانی لشکر کا معسکر بنا گیا۔ 4 رمضان 587ھ کو افطار سے فارغ ہو کر سلطان چند خواص اور تھوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ القدس روانہ ہوئے۔ رات بیت نوبہ میں گزار کر اگلے دن وہ اپنی محبت، عشق اور جدوجہدِ حیات کے مرکز میں کھڑے تھے۔

دن بھر وہ شہرِ مقدس کے حفاظتی انتظامات کا جائزہ لے کر کمزور پہلوؤں کے ازالے کی ہدایات جاری کرتے رہے۔ [2]

---

[1] الکامل: 243

[2] النوادر السلطانیہ: 283، 284

جب رچرڈ نرغے میں آیا: اس دوران یافا میں ڈیرے ڈالنے والے لشکرِ صلیب اور اس کے اردگرد متحرک رہنے والے لشکرِ اسلام میں چھوٹی موٹی جھڑپیں بھی ہونے لگیں۔ فرنگی جب چارے اور شکار کی تلاش میں جنگلوں کی طرف نکلتے تو مسلم جانباز ان پر بے خبری میں دھاوا بول دیتے اور بہت سوں کو مار گراتے، کئی ایک کو گرفتار بھی کر لیتے۔

ایسی اِک جھڑپ میں خود رچرڈ مسلمانوں کے مقابل آ گیا۔ وہ چھاپہ مار مسلمانوں پر جارحانہ حملہ کرنے نکلا تھا۔ وہ ایک جگہ پڑاؤ ڈال کر نیند کی آغوش میں تھا کہ مسلمانوں نے اچانک وہاں یلغار کردی۔ رچرڈ اور اس کے ساتھی ہڑبڑا کر بیدار ہوئے اور چند لمحوں کے اندر اندر یہاں گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ اس معرکے میں صلیبیوں کے کئی اہم افسران مارے گئے۔ رچرڈ دیر تک لڑتا رہا۔ اس نے شمشیر زنی کے خوب جوہر دکھائے مگر آخر گھیرے میں آ گیا، قریب تھا کہ ایک مجاہد نیزے کا وار کر کے اس کا کام تمام کر دیتا کہ اچانک اس کا ایک جاںنثار ہم قوم سامنے آ گیا اور نیزے کا وار کھا کر مارا گیا۔ ادھر رچرڈ کا ایک اور وفادار انگریز ساتھی چیخا:

''میں ہوں بادشاہ!!''

یہ ایک مشہور نائٹ ولیم آف پیرو تھا۔ مسلمان رچرڈ کو نہیں پہچانتے تھے اس لیے ولیم کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس کی شان وشوکت اور لباس کی غیر معمولی چمک دمک نے ان کو یقین دلایا کہ یہی رچرڈ ہے۔ چنانچہ وہ اسے گرفتار کر کے واپس ہو گئے۔ رچرڈ زخمی حالت میں بمشکل جان بچا کر واپس آیا۔ قاضی ابن شداد کے روزنامچے کے مطابق یہ واقعہ 8 رمضان 587ھ (29 ستمبر 1191ء) کا ہے۔[1]

ان جھڑپوں کے علاوہ سلطان کے خصوصی تربیت یافتہ تین سو عرب بدو بھی صلیبیوں کے لیے ایک مصیبت ثابت ہو رہے تھے۔ عکان کی طرح وہ یافا میں بھی رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر دبے پاؤں صلیبی معسکر میں گھس جاتے تھے اور اکیلے دُکیلے صلیبیوں کو خنجر کی زد پر اغوا کر لیتے تھے۔ 9 رمضان (30 ستمبر) کو سلطان ایوبی القدس سے اپنے معسکر لوٹ آئے اور صلیبی لشکر کی پیش قدمی کے ممکنہ راستوں کو انسانی ضروریات سے خالی کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔[2]

صلیبیوں کا ذہنی انتشار اور عیاشیاں: ماہِ رمضان کے بابرکت دنوں اور روح پرور راتوں کے ساتھ موسم گرما بیتتا جا رہا تھا۔ خزاں کی آمد آمد تھی۔ روزہ دار مسلمان اپنی سرحدوں کو مضبوط اور دلوں کو آباد کر رہے تھے جبکہ صلیبی یافا میں شراب وکباب کے مزے لوٹ رہے تھے۔ لگتا تھا کہ انہیں بیت المقدس

---

[1] النوادر السلطانیہ: 284، صلیبی جنگیں: 246، 247 [2] النوادر السلطانیہ: 205

پر قبضہ کرنے کی کوئی جلدی نہیں رہی۔ اگر رچرڈ انہی دنوں مستعدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے القدس کی طرف پیش قدمی شروع کر دیتا تو مسلمانوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا مگر کسی خاص وجہ کے بغیر صلیبی یلغار ملتوی ہوتی گئی۔

رچرڈ یہ سوچ رہا تھا کہ آگے بڑھنے سے قبل القدس کے قریب قلعہ بندی ضروری ہے۔ اس لیے وہ یافا کی فصیل تعمیر کرانے میں مصروف رہا جسے سلطان نے ایک ڈیڑھ ماہ قبل منہدم کروا دیا تھا۔ صلیبی سپاہیوں کی بڑی تعداد ان دنوں کو تعطیلات تصور کر کے واپس عکا چلی گئی جہاں رہائش اور آسائش کی سہولتیں نسبتاً بہتر تھیں۔ عکا میں صلیبیوں کے ساتھ آنے والی فاحشہ عورتوں نے قحبہ خانے آباد کر دیے تھے، ان کے دروازوں پر فرنگی جیالوں کا اتنا رش ہوجاتا کہ قطار بنانا پڑتی تھی۔ فرنگیوں کا یہ آوارہ پن مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ تیاری کا موقع فراہم کر رہا تھا۔ [1]

<u>ایک اہم سوال</u> ہمارے لیے یقینی طور پر یہ بتانا مشکل ہے کہ آخر رچرڈ یافا سے براہ راست القدس پر فوج کشی کا منصوبہ بندی کیوں نہ بنا سکا؟ یہ سوال اپنی اہمیت اسی وقت ثابت کر سکتا ہے جب آپ نقشے میں یافا کو بغور دیکھیں۔ یہ ساحلی شہر عسقلان اور بیت المقدس دونوں سے تقریباً یکساں فاصلے پر ہے۔ یافا کے جنوب میں عسقلان ہے اور جنوب مشرق میں القدس۔ گویا تینوں شہر ایک تکون کے تین نقاط پر واقع ہیں۔

القدس پر یلغار کے لیے یافا کو مرکز بنایا جاتا یا عسقلان کو، بظاہر بات ایک ہی تھی۔ دونوں صورتوں میں تین چار دن سفر کر کے القدس کا محاصرہ کیا جا سکتا تھا۔ صلیبی جو 17 شعبان 587ھ (8 ستمبر) کو یافا پہنچے تھے، اگر فی الفور جنوب مشرق کا رخ کر لیتے تو چوتھے دن بیت المقدس کے سامنے ہوتے۔ آخر انہیں کیا مجبوری تھی کہ انہوں نے تقریباً دوگنا طویل راستہ طے کرنے کا منصوبہ بنایا اور عسقلان پر پہلے قبضہ کرنا ضروری خیال کیا۔

یہ ایک اہم سوال ہے۔ غور و فکر سے اس کی درج ذیل ممکنہ وجوہ سامنے آتی ہیں:

1- صلیبی افواج کو القدس پر حملے سے پہلے قریبی علاقے میں ایک سے زیادہ محفوظ قلعہ بند شہروں کی ضرورت تھی تاکہ ان کی پشت مضبوط اور کمک و رسد محفوظ رہے۔ اسی لیے رچرڈ یافا اور عسقلان دونوں کو عسکری مراکز کے طور پر استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ اس طرح صلیبی افواج اس پوزیشن میں آجاتیں کہ شمال مغرب اور جنوب مغرب دونوں اطراف سے القدس پر حملہ کر سکیں۔ چنانچہ رچرڈ نے یافا کی فصیل کو تعمیر کرانے کے ساتھ ساتھ عسقلان پر قبضے کی منصوبہ بندی باقی رکھی۔ مگر

[1] صلیبی جنگیں: 249، 250؛ صلاح الدین، لین پول: 245

عسقلان کی تباہی کی خبر نے اس کے فوری منصوبے پر پانی پھیر دیا اور القدس پر دوطرفہ حملے کا خواب ادھورا رہ گیا۔

2- رچرڈ یافا کے ساتھ عسقلان پر قبضے کی ضرورت اس لیے بھی محسوس کرتا تھا کہ اس صورت میں ساحل سے ہٹنے کے باوجود صلیبی لشکر کے پہلو خاصے محفوظ ہوتے کیوں شمال اور جنوب کے دونوں نقاط جن کے درمیان لشکرِ صلیب رواں دواں ہوتا جب صلیبیوں کے قبضے میں ہوتے تو سلطان کی افواج کو چھاپہ مار حملوں میں بڑی مشکل پیش آتی اس کے برخلاف اگر عسقلان پر قبضہ کیے بغیر یافا سے سیدھا القدس پر حملہ کیا جاتا تو صلیبی افواج کے دونوں پہلوؤں پر سلطان کے چھاپہ مار بجلیاں گراتے رہتے۔ اس سے قبل عکا سے یافا تک صلیبی لشکر ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا رہا تھا لہٰذا اس کا ایک پہلو سمندر کی وجہ سے بالکل محفوظ رہا تھا اور اسلامی افواج اس کے صرف ایک پہلو پر حملے کر پائی تھیں۔ مگر صلیبیوں کے ساحل چھوڑ کر میدانی علاقوں میں داخل ہوتے ہی سلطان کے چھاپہ مار زیادہ آزادی سے ان کا شکار کھیل سکتے تھے۔ صلیبی تو یافا تک سلطان کے یک پہلوی حملوں سے ہی نڈھال ہو چکے تھے۔ اب دائیں بائیں اور سامنے سے ہمہ جہتی حملوں کا تصور ان کے نزدیک بڑا ڈراؤنا تھا۔ اس طریق جنگ کا ان کے پاس کوئی توڑ نہیں تھا۔ اس صورتحال میں اگر وہ یافا سے سیدھا القدس کا رخ کرتے تو بعید نہ تھا کہ یہ چالیس پچاس میل کا علاقہ حطین کے میدان کی طرح ان کا قبرستان بن جاتا۔ غالباً انہی وجوہ سے رچرڈ یافا سے آگے بڑھنے میں متذبذب رہا اور احتیاط کے تمام تقاضے پورے کرنے کی تگ و دو کرتا رہا۔

فصل:3

مراسلے، ملاقاتیں اور صلح کے مذاکرات

صلیبیوں کی فراغت، عیش پروری اور تن آسانی نے انہیں کچھ ہی دنوں میں اپنا مشترکہ مقصد بھلا دیا۔ ان کے قائدین اس جنگ سے اپنے اپنے مفاد کے بارے میں سوچ رہے تھے اور سپاہی اپنی موج مستیوں میں غرق تھے۔ سب سے پہلے صور میں مقیم تند مزاج اور عیار کونرڈ مارکوئیس نے صلیبیوں سے الگ ہو کر ساحل شام پر اپنی سلطنت کی توسیع کے خواب دیکھنے شروع کیے۔ وہ شروع ہی سے دوسرے صلیبی حکام سے نالاں رہا تھا۔ مارکوئیس کو یہ سن گن بھی مل چکی تھی کہ رچرڈ القدس کی مہم سے فارغ ہو کر اس سے صور چھیننے کا خواہاں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ صلیبی افواج کے شانہ بشانہ لڑنے کی بجائے صور میں بیٹھا تھا، اسے رچرڈ پر بالکل اعتماد نہیں تھا۔ وہ اب سلطان سے رابطہ قائم کرنے کی فکر میں تھا مگر اس سے پہلے اس نے رچرڈ کو ایک جلا بھنا خط لکھ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ اس نے لکھا:

"تم جیسا شخص بادشاہت کے قابل ہے نہ لشکروں کی قیادت کے۔ تم یہ سن کر بھی اپنی جگہ آرام سے بیٹھے رہے کہ صلاح الدین نے عسقلان کو تباہ کر ڈالا۔ ارے احمق جب تم نے سنا کہ وہ عسقلان کی توڑ پھوڑ شروع کر چکا ہے تو تمہیں اسی وقت تیزی سے پیش قدمی کرنا چاہیے تھی۔ اگر ایسا کرتے تو بغیر جنگ اور محاصرے کے بڑی سہولت سے شہر پر قبضہ کر سکتے تھے کیونکہ صلاح الدین نے اسے اسی لیے تباہ کیا تھا کہ وہ اس کے دفاع سے عاجز تھا۔ مسیح کی قسم! اگر میں تمہارے ساتھ ہوتا تو عسقلان آج ہمارے قبضے میں ہوتا، اس کا ایک برج بھی گرنے نہ پاتا۔"①

کونرڈ کا یہ خط ثابت کرتا ہے کہ وہ رچرڈ کی جگہ صلیبی لشکر کی قیادت خود کرنا چاہتا تھا۔ اس سے قبل وہ گائی سے القدس کی بادشاہت کے لیے بھی جھگڑ چکا تھا۔ اب اس عیار کو اپنے مقاصد کا حصول سلطان سے صلح کرنے میں نظر آ رہا تھا چنانچہ اس نے سلطان سے سودے بازی کی کوشش شروع کر دی۔ اس کا

① النوادر، ص: 203/10

سفیر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور پیام دیا کہ کونرڈ صلح کے لیے تیار ہے بشرطیکہ صیدا اور بیروت اس کے حوالے کردیے جائیں۔ بدلے میں وہ نہ صرف صلیبیوں کے مقابل کھڑا ہو جائے گا بلکہ ان سے عکا چھین کر سلطان کے حوالے کردے گا۔

یہ پیش کش دل فریب ضرور تھی مگر کونرڈ جیسے مکار انسان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی جانتے تھے کہ جو شخص اپنوں کو دھوکہ دے رہا ہے وہ ان سے معاملات کیسے صاف رکھ سکتا ہے؟ عین ممکن تھا کہ مسلمانوں سے صیدا اور بیروت حاصل کرنے کے بعد وہ دوبارہ صلیبیوں سے جا ملتا۔ اس لیے سلطان نے احتیاط سے کام لیا۔ [1]

ان کا سفیر 12 رمضان 587ھ (3 اکتوبر 1191ء) کو جواب میں یہ پیغام لے کر صور روانہ ہوا کہ کونرڈ پہل کرتے ہوئے سب سے پہلے صور میں قید مسلمانوں کو رہا کرے، پھر فرنگیوں سے اتحاد ختم کرکے عکا کا محاصرہ کرے اور اسے آزاد کرانے کے بعد مسلمانوں کے حوالے کردے۔ تب مسلمان صیدا اور بیروت اس کے سپرد کریں گے۔ سلطان کا جواب مارکیس کی توقعات کے خلاف تھا۔ تاہم اس نے سلطان کی بات کو رد نہیں کیا اور سوچ بچار کرتا رہا۔ [2]

<u>رچرڈ کی پریشانیاں اور نئی مصروفیات</u>: رچرڈ کو کونرڈ کی سلطان سے رابطے کی بھنک پڑ گئی۔ صلیبی اتحاد میں اتنا بڑا رخنہ پڑتا دیکھ کر وہ پریشان ہوگیا، اس نے کونرڈ کو سمجھا بجھا کر اپنی صفوں میں واپس لانے کی کوشش شروع کردی۔ پھر وہ شراب و کباب کے دلدادہ صلیبیوں کو محاذ پر واپس لانے کے لیے عکا پہنچا تاکہ از سر نو فوج ترتیب دی جاسکے۔

ادھر 13 رمضان (4 اکتوبر) کو سلطان نے رملہ سے ہٹ کر کوہ نطرون کے قریب پڑاؤ ڈال دیا تھا۔ یہاں انہیں اطلاع ملی کہ صلیبی جنگ کا اہم کردار شاہ فرانس فلپ آگسٹس جو وطن واپسی سے پہلے اٹلی کے میں ٹھہرا ہوا تھا، دنیا سے چل بسا ہے۔ سلطان نے اندازہ لگالیا کہ دشمن کو اپنی صفیں مرتب کرکے القدس پر یلغار کرنے میں اب مزید چند ماہ لگ جائیں گے۔

سلطان کے پڑاؤ کے سامنے کوہ نطرون پر ٹمپلرز کا سابقہ مرکز "قلعہ نطرون" واقع تھا۔ کسی زمانے میں یہ نہایت مضبوط مورچہ تھا مگر چند برس پہلے جب سلطان نے اس پر قبضہ کرنے لیے حملہ کیا تھا، تب سے اس کی دیواریں کمزور ہو چکی تھیں۔ سلطان نے اب اس خدشے سے اسے بالکل منہدم کرادیا کہ کہیں فرنگی اسے مرمت کراکے اپنا مورچہ نہ بنالیں۔ 19 رمضان 587ھ (10 اکتوبر 1191ء) کو وہ ایک بار

[1] النوادر السلطانیہ: 285
[2] النوادر السلطانیہ: 286

پھر بیت المقدس آئے اور اس کے دفاعی انتظامات اور تعمیراتی کاموں کا جائزہ لیا۔ [1]

ان دنوں انہیں اپنے دستِ راست تقی الدین عمر کی شدید کمی محسوس ہو رہی تھی جو کئی ماہ سے الجزیرہ اور شمالی عراق میں اپنی قلمرو وسیع کرنے میں مصروف تھا۔

رچرڈ عکا میں بیمار پڑ گیا تھا۔ اس کے باوجود وہ وہاں رنگ رلیاں منانے والے صلیبی سپاہیوں کو یافا واپس چلنے کی ترغیب دیتا رہا۔ لین پول کے بیان کے مطابق اس کی جوشیلی تقریر کا خاصا اثر ہوا اور صلیبی ایک بار پھر مقدس جنگ شروع کرنے کے لیے بیدار ہونے لگے۔ [2]

شیرکوہ کا قصہ ✿ انہی دنوں عکا میں قید سلطان کا ایک امیر شیرکوہ بن باخل فرار ہو کر سلطان سے آن ملا۔ عکا کے قید خانے میں وہ اپنے ایک دوسرے قیدی ساتھی حسن بن باریک کے ساتھ مل کر چپکے چپکے رسیوں کے ٹکڑے جمع کرتا رہتا تھا۔ 21 رمضان کی شب دونوں ایک بیت الخلاء کے روشن دان سے فصیل کی طرف نکل بھاگے، اندرونی فصیل عبور کرنے کے بعد جب وہ رسیوں سے لٹک کر بیرونی فصیل پار کر رہے تھے کہ حسن کی رسی ٹوٹ گئی اور وہ گر کر زخمی ہو گیا۔ اتنے میں شیرکوہ صحیح سلامت نیچے اتر آیا اس نے حسن کو سہارا دے کر ساتھ لے چلنے کی کوشش کی مگر وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ اسے اٹھا کر لے جانے کی کوشش میں شیرکوہ خود پکڑا جاتا کیوں کہ اب تک اس کے پاؤں میں بیڑیاں بندھی تھیں۔ آخر وہ حسن کو چھوڑ کر فرار ہو گیا اور جنگلوں میں چھپتا چھپاتا سلطان کی خدمت میں آن پہنچا۔ سلطان اس کے بچ کر نکل آنے پر بہت مسرور ہوئے۔ انہیں اس سے عکا میں رچرڈ کی تازہ مصروفیات اور اپنے قیدیوں کے تفصیلی حالات بھی معلوم ہوئے۔ [3]

22 رمضان (13 اکتوبر) کو سلطان کو خبر ملی کہ رچرڈ سپاہ کی بھاری تعداد کے ساتھ سمندر کے راستے عکا سے یافا لوٹ آیا ہے۔ اب وہ عسقلان پہنچ کر اسے از سر نو تعمیر کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اس اطلاع سے سلطان کو اندازہ ہوا کہ القدس پر صلیبیوں کا حملہ مزید مؤخر ہوگا۔ وہ سمجھ گئے کہ رچرڈ عقب کو محفوظ رکھ کر پائیدار منصوبہ بندی کے ساتھ آگے بڑھنا چاہتا ہے اور القدس پر فوری حملے کی سکت نہیں رکھتا۔ [4]

رچرڈ کا خط اور سلطان کا دوٹوک جواب ✿ درحقیقت رچرڈ عکا سے لوٹا تو اس کی گرم جوشی ماند پڑ چکی تھی۔ عکا میں وہ صلیبیوں کی حالت زار دیکھ چکا تھا جو خوراک کی کمی کی وجہ سے پریشان و درماندہ حال تھے۔ رچرڈ کو یہ بھی احساس تھا کہ موسم سرما شروع ہونے کو ہے اور اس دوران صلیبیوں کی خوراک و رسد

---

[1] النوادر السلطانیہ، ص 288، الکامل لابن الاثیر: 210/10
[2] سوانح سلطان: 285
[3] النوادر السلطانیہ: 291
[4] النوادر السلطانیہ: 289

کے مسائل مزید پیچیدہ ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ صلیبیوں کے باہمی اختلافات بڑھتے جا رہے تھے۔ کونرڈ کے سلطان صلاح الدین کے ساتھ رابطے برقرار تھے اور رچرڈ اسے صلیبی لشکر میں واپسی لانے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ رچرڈ کے لیے یہ بات نا قابل برداشت تھی کہ کونرڈ سلطان سے کوئی معاہدہ کرنے میں کامیاب ہو جائے اور بیٹھے بٹھائے صور کے ساتھ صیدا اور بیروت کا حکمران بن جائے۔ بالفاظ دیگر وہ مستقبل میں شام کی مسیحی ریاستوں کے ایسے بادشاہ کی حیثیت اختیار کر لے جس کی پشت پر صلاح الدین جیسی طاقت ہو۔ ان حالات کے پیش نظر رچرڈ نے ضرورت محسوس کی کہ سلطان کے ساتھ مذاکرات شروع کیے جائیں۔ اس طرح وہ دو مقاصد حاصل کر سکتا تھا:

1- وہ کونرڈ مارکوئیس کے سلطان سے ممکنہ معاہدے کو روک سکتا تھا اور یوں مستقبل کے مسیحی شام کے بادشاہ کا اعزاز خود لے سکتا تھا یا اپنے پسندیدہ فرد کو بخش سکتا تھا۔
2- القدس پر کامیاب حملے کے لئے نئی صف بندی اور قلعوں کی تعمیر کا وقت حاصل کر سکتا تھا۔

رچرڈ اس سے قبل کئی بار مسلمانوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا چکا تھا مگر اس بار مسلمانوں کو مذاکرات میں اپنی سنجیدگی کا یقین دلانے کے لئے اس نے ایک نیا ڈرامہ رچایا۔ اس نے الملک العادل سے تعلقات بڑھانے شروع کیے اور 26 رمضان (27/اکتوبر) کو اس کی وساطت سے سلطان کو پیام صلح دینے کی کوشش کی۔

اس سے کئی ماہ قبل ان دونوں لیڈروں میں اچھے مراسم کی ابتداء ہو چکی تھی۔ رچرڈ الملک العادل کی شخصیت سے خاصا متاثر تھا۔ الملک العادل کی سیاسی سمجھ بوجھ، طلاقت لسانی، دلیری، مروت، فیاضی اور سیر چشمی ہر شے قابل رشک تھی۔ الملک العادل نے رچرڈ کو گراں مایہ تحائف بھی بھیجے تھے جن کے جواب میں رچرڈ نے اعلیٰ نسل کے چند گھوڑے ہدیہ کیے تھے۔ پھر تعلقات کو مزید مضبوط بنانے کے لیے رچرڈ نے الملک العادل کو اپنا دوست اور بھائی قرار دیا اور اس کے بعد صلح جوئی کی بات چیت کا آغاز کیا۔

الملک العادل نے رچرڈ کا موقف سنا اور اس کا پیغام سلطان صلاح الدین کی خدمت میں لکھ بھیجا۔ رچرڈ نے کہا تھا:

> ''مسلمان اور فرنگی دونوں لڑ لڑ کر بے حال ہو چکے ہیں۔ شہر تباہ ہو گئے ہیں اور حالات ہم دونوں کے قابو سے باہر نکل چکے ہیں۔ دو طرفہ جانی اور مالی وسائل اس کش مکش میں خرچ کر ڈالے گئے ہیں۔ اس مہم میں جو کچھ ہونا تھا، ہو چکا ہے۔ ہمارا اور کوئی مقصد نہیں۔ بس یا القدس، صلیب الصلبوت اور ساحلی شہروں ہی کا معاملہ ہے۔ القدس ہماری عبادت گاہ ہے، ہم اس سے دست بردار نہیں ہو سکتے چاہے اس کی خاطر ہم سب مارے جائیں۔ جہاں تک ساحلی شہروں کا مسئلہ ہے اس میں دریائے

اردن کے پار کا علاقہ ہمیں لوٹا دیا جائے۔ رہی صلیب الصلوت کی بات تو وہ آپ کے نزدیک ایک بے کار لکڑی ہے، جبکہ ہمارے نزدیک بڑی عظمت والی ہے۔ سلطان ہم پر احسان کرتے ہوئے وہ ہمیں عنایت کر دیں۔ ہم صلح کر لیں گے اور اس کشاکشی سے آرام پائیں گے۔"[1]

سلطان نے رچرڈ کا پیغام سب درباریوں کو سنایا اور اس کے جواب کے لیے مشورہ مانگا۔ اس پیغام میں ایسی ایک بات بھی نہ تھی جس میں مسلمانوں کے کسی مفاد کی رعایت ہوتی۔ اس کی پیش کش صلح جوئی کے کسی معیار پر پوری نہیں اترتی تھی۔ اس کے مراسلے میں صرف اور صرف نصرانیوں کے اہداف کی تکمیل کی زبردست خواہش کا اظہار تھا۔ لین دین والی کوئی بات سرے سے نہیں تھی۔ رویہ کچھ ایسا تھا جیسے وہ مسلمانوں کو بالکل سادہ لوح تصور کرتا ہو۔ رچرڈ نے یہ تو درست کہا تھا کہ یہ جنگ القدس، ساحلی شہروں اور صلیب کی ہے مگر وہ صلح کے لیے خود کوئی لچک دکھانے پر آمادہ نہیں تھا اور مسلمانوں کو کوئی حق دیے بغیر اپنے تمام مطالبات پورے کرنے کا مطالبہ کر رہا تھا۔ دوسرے لفظوں میں وہ سلطان سے درخواست کر رہا تھا کہ بندگانِ خدا کو جنگ سے نجات دلانے کے لیے آپ از خود شکست تسلیم کر لیں، القدس سمیت وہ ساحلی شہر جو گزشتہ کئی برسوں میں آپ نے فتح کیے ہیں، بلا چوں چرا نصرانیوں کے سپرد کر دیں ساتھ ہی صلیب بھی واپس کر دیں اس کے بعد بدلے ہم آپ کو جنگ کی کلفت سے آزادی بخش دیں گے۔

سلطان نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ رچرڈ حسبِ عادت مذاکرات کے ذریعے وقت گزاری کر رہا ہے۔ اس احمقانہ پیغام نے اس اندازے کو درست ثابت کر دیا۔ چنانچہ سلطان نے پیغام صلح کا دوٹوک جواب دیتے ہوئے کہا:

"القدس پر ہمارا حق اسی طرح ہے جس طرح آپ کا ہے۔ ہم اسے آپ کی بہ نسبت کہیں زیادہ مقدس اور باعظمت سمجھتے ہیں۔ یہاں سے ہمارے نبی ﷺ کو معراج ہوئی تھی۔ یہ مقام فرشتوں کی اجتماع گاہ ہے۔ یہ بات ناقابلِ تصور ہے کہ ہم اس سے دست بردار ہو جائیں گے۔ یہ ممکن نہیں کہ ہم مسلمانوں کے سامنے اس بارے میں کسی کوتاہی کا مظاہرہ کریں۔ جہاں تک ساحلی شہروں کا تعلق ہے وہ بھی شروع میں ہمارے تھے، بعد میں آپ نے یہاں کے مسلمانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب جب تک جنگ جاری ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اس سرزمین میں ایک پتھر نصب کرنے کی بھی توفیق نہیں دے گا۔ جہاں تک ان شہروں کا تعلق ہے جو ہمارے قبضے میں ہیں تو ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کی پیداوار استعمال کرتے رہیں گے

[1] النوادر السلطانیہ: 290

اوران سے نفع اٹھاتے رہیں گے۔رہی صلیب کی بات اتواسے تلف کرڈالنا ہمارے نزدیک عظیم عبادت ہے، ہاں ہم اس کام کو صرف کسی ایسی مصلحت کی خاطر مؤخر کرسکتے ہیں جواس سے زیادہ اہم ہواوراس کا فائدہ اسلام کو پہنچتا ہو۔"[1]

رچرڈ کا حیران کن مصالحتی فارمولا: اس کھرے جواب کے بعد بھی رچرڈ نے مذاکرات کا دروازہ کھلا رکھنے کی کوشش کی۔اس نے ایک نیا فارمولا پیش کیا جو یقیناً حیران کن تھا۔اس فارمولے کا خلاصہ یہ تھا:

1- الملک العادل رچرڈ کی بہن "جون" سے جو صقلیہ کے سابق حاکم کی بیوہ تھی، شادی کرلے۔
2- شادی کے پُرمسرت موقعے پر رچرڈ عکا سے لے کر عسقلان تک کی ساحلی پٹی اپنی بہن کو جہیز میں دے دے گا جبکہ سلطان صلاح الدین کی جانب سے القدس سمیت پورا فلسطین الملک العادل کے نام کردیا جائے گا۔
3- شادی کے بعد دونوں میاں بیوی بیت المقدس میں رہیں گے۔الملک العادل القدس کا مسلمان بادشاہ ہوگا اور جون مقدس سرزمین کی عیسائی ملکہ۔اس طرح مسلمان اور عیسائی دونوں القدس کی حکومت میں باعزت اور پرامن طور پر شریک ہوسکیں گے۔
4- فریقین ایک دوسرے کے تمام قیدیوں کو رہا کردیں گے۔
5- مسلمان نصرانیوں کو صلیب الصلبوت لوٹادیں گے۔
6- ٹمپلرز اور ہاسپٹلرز کو فلسطین میں دیہی علاقے اور جاگیریں دے دی جائیں گی جبکہ ان کے قلعے نئے بادشاہ اور ملکہ کے حوالے کردیے جائیں گے۔
7- یورپ سے آئے ہوئے صلیبی لشکر اپنے ملکوں کو لوٹ جائیں گے۔

جب رچرڈ نے یہ فارمولا الملک العادل کو پیش کیا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔بظاہر یہ ایک پرکشش تجویز تھی جس میں فریقین کی خیرخواہی اور امن وامان کی بحالی کا جذبہ کارفرما نظر آتا تھا۔پھر ایک یورپی شہزادی سے شادی کے ذریعے القدس کی ایسی بادشاہت مل جانا جس پر عالم اسلام اور یورپ دونوں کو اعتماد ہو، بڑی دل فریب بات تھی مگر الملک العادل سلطان کی منشا کے بغیر اتنا بڑا فیصلہ نہیں کرسکتا تھا۔اس نے اپنی جانب سے کسی گرم جوشی یا عجلت کا اظہار کرنے کے بجائے 29 رمضان کو رچرڈ کا یہ فارمولا ایک وفد کے ہمراہ سلطان کی خدمت میں روانہ کردیا۔اس وفد کی قیادت قاضی بہاؤالدین ابن شداد کررہے تھے۔العادل نے انہیں اور تمام ارکان وفد کو تاکید کی کہ وہ سلطان کا فیصلہ غور سے سنیں اور پھر اسے آگاہ

[1] النوادر السلطانیہ:290

کریں۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ الملک العادل نے رچرڈ کی پیش کش کو سنجیدگی سے لیا تھا۔ویسے بھی رچرڈ جیسے بڑے بادشاہ کی بات کو لطیفہ نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔ ❶

مگر جب قاضی ابن شداد رچرڈ کا پیغام لے کر وفد کے ہمراہ سلطان کی خدمت میں پہنچے اور درباریوں کے سامنے سلطان کو یہ خط پڑھ کر سنایا گیا تو سلطان کا ردِّعمل بڑا دلچسپ تھا۔ان کے تاثرات سے ظاہر تھا کہ انہوں نے رچرڈ کی اس پیش کش کو ایک حیلہ سازی اور مذاق سمجھا ہے، لیکن ساتھ ہی انہوں نے اس کی منظوری بھی دے دی۔قاضی بہاؤالدین ابن شداد نے حیران ہو کر سلطان سے دریافت کیا:

"کیا واقعی آپ اس حل کو قبول کر رہے ہیں؟"

"ہاں" سلطان نے برجستہ کہا۔

قاضی صاحب نے دوبارہ سہ بارہ یہی سوال دہرایا اور ہر بار سلطان نے مسکراتے ہوئے اثبات میں جواب دیا اور درباریوں کو اس فیصلے پر گواہ رہنے کی تاکید کی۔ ❷

سلطان کو پہلے سے معلوم تھا کہ فرنگی اس فارمولے پر متفق نہیں ہوں گے مگر اس کے باوجود انہوں نے اس فارمولے پر رضامندی اس لیے ظاہر کی تھی کہ اس میں نقصان کی کوئی بات نہیں تھی۔الملک العادل اور جون کی شادی کے بعد القدس سمیت پورا فلسطین الملک العادل ہی کے زیرِ نگین ہوتا۔عیسائی شہزادی القدس میں ملکہ بن کر ضرور رہتی مگر القدس کی حکومت مسلمانوں کے پاس ہوتی۔شہزادی کی حکومت اپنے سابقہ شوہر سے وراثت میں ملے ہوئے جزیرے قبرص کے علاوہ شام کے انہی دو تین ساحلی شہروں تک محدود ہوتی جنہیں رچرڈ نے ساحل کی یلغار میں فتح کیا تھا۔مگر یہ منصوبہ خود ان نصرانیوں کو ہضم نہیں ہو سکتا تھا جو یروشلم کو چھیننے کا خواب لے کر آئے تھے اس لیے سلطان کو یقین تھا کہ رچرڈ اپنے اتحادیوں اور یورپی امراء اس صلح نامے کو منظور نہیں کرا پائے گا۔

<u>رچرڈ کی کہہ مکرنیاں</u> ❀ سلطان کا اندازہ اس بار بھی درست نکلا، یہ بیل منڈھے چڑھتے نظر نہ آئی۔ عیدالفطر کے دوسرے روز سلطان کا سفیر ابن النحال سلطان اور الملک العادل دونوں کی طرف سے مثبت جواب لے کر رچرڈ کے پاس پہنچا تو وہاں تیور بدلے ہوئے تھے۔رچرڈ نے سلطان کے سفیر کو ملاقات کا موقع دیے بغیر کہلوا دیا کہ شہزادی ایک مسلمان مرد سے نکاح پر تیار نہیں ہو رہی، اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ ہرگز ایسا نہیں کرے گی۔اب اس فارمولے پر عمل کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ الملک العادل

---

❶ النوادر السلطانیہ: 202 ❷ النوادر السلطانیہ: 203

نصرانی بن جائے۔اس صورت میں وہ فارمولے پر عمل درآمد کرانے کا ذمہ لیتا ہے۔اس طرح مصالحت کو ایک ناممکن بات پر موقوف کر کے رچرڈ نے خود بات چیت کا سلسلہ روک دیا۔

اصل بات کیا تھی؟ رچرڈ کیوں مکر گیا تھا؟ وہ شروع سے مذاق کر رہا تھا یا بعد میں اسے کوئی دشواری پیش آگئی تھی۔قاضی ابن شداد کا تاثر تھا کہ رچرڈ شروع سے ڈرامہ کر رہا تھا مگر کاتب عماد اصفہانی اصل وجہ یہ بتاتے ہیں کہ فرنگی سردار رچرڈ کی اس پیش کش کے مخالف تھے،انہوں نے شہزادی کو ڈرایا دھمکایا اور اسے اپنے دین اور مسیح سے باغی قرار دیا جس سے متاثر ہو کر اس نے رشتے سے انکار کر دیا۔علامہ ابن اثیر بھی یہی بتاتے ہیں۔ان کا بیان ہے:

''جب یہ خبر کھلی تو عیسائی پادری اور راہب رچرڈ کی بہن کے پاس پہنچ گئے اور اسے برا بھلا کہا، چنانچہ وہ یہ رشتہ قبول کرنے سے رک گئی۔''

مگر علامہ یہ بھی فرماتے ہیں:

''یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اصل رکاوٹ کچھ اور تھی۔''[1]

بہر حال یہ رشتہ ہونا تھا نہ ہو سکا۔تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ رچرڈ حد سے زیادہ چالاک تھا یا بہت ہی خوش فہم جو یہ تصور کر رہا تھا کہ الملک العادل اس کی بہن سے رشتے کے لیے اپنا مذہب چھوڑ سکتا ہے۔

جھڑپوں کا نیا سلسلہ......دونوں فوجیں آمنے سامنے ❊ بات چیت ختم ہوتے ہی فضا میں کشیدگی بڑھنے لگی۔ان دنوں موسم سرما کی آمد آمد تھی۔ساحلِ سمندر کی طرف سے تیز ہوائیں چلنے لگی تھیں۔ اگرچہ دن کو موسم خوش گوار رہتا مگر رات کو خنکی خاصی بڑھ جاتی تھی۔پہاڑوں کی چوٹیوں سے بہنے والے دریاؤں کا تموج روز بروز کم ہو رہا تھا مگر مسلمان سپاہیوں کی صفوں میں ایک نیا تلاطم نظر آ رہا تھا۔جلد ہی سلطان صلاح الدین کے شاہین صفت مجاہدوں نے فرنگیوں پر حملوں کا نیا سلسلہ شروع کر دیا۔عید الفطر کے پانچویں روز بحیرۂ روم میں تعینات اسلامی بحریہ نے دشمن کی کئی جنگی کشتیوں پر قبضہ کر لیا۔ان میں ایک بڑی مشہور جنگی کشتی بھی تھی جسے ''مسطح'' کہا جاتا تھا جس میں کم از کم 500 سپاہی سوار تھے۔اس خون ریز جھڑپ میں اکثر عیسائی مارے گئے۔

ادھر فرنگی اپنا جوشیلا پن دکھانے کے لیے یافا سے باہر نکلنے کی تیاری کر رہے تھے۔ان کی قید سے نکل بھاگنے والے ایک مسلمان سپاہی نے آ کر سلطان کو بتایا کہ لشکرِ صلیب رملہ کی طرف بڑھنے کے لیے پابہ رکاب ہے۔

[1] الکامل فی التاریخ:10/210

سلطان نے بھی افواج کو تیار کر لیا۔ طے یہ ہوا کہ آگے بڑھ کر رملہ کے قریب فرنگیوں کا سامنا کیا جائے۔ سلطان نے بھاری جنگی ساز و سامان اور رسد کے ذخائر کو نطرون کے کیمپ میں چھوڑے اور خود ہلکی پھلکی تیز رفتار فوج کے ساتھ کوچ کیا۔ 7 شوال 587ھ (27 اکتوبر 1191ء) کی شب لشکرِ اسلام ہلالی پرچم لہراتا ہوا رملہ کے پرانے گرجے کے قریب خیمہ زن ہوا۔ مسلمان یہاں 20 دن مقیم رہے۔ اس دوران حالات میں کئی نشیب و فراز آئے۔

پہلے دن لشکر کی صف بندی ہوئی۔ ہراول دستے حسب معمول الملک العادل کی قیادت میں تھے۔ کچھ دور فرنگیوں کے خیمے نظر آرہے تھے۔ اس دن ہراول کے بہت سے پیشہ ور سپاہی اور ایشیائے کوچک کے کچھ رضا کار دشمن پر دھاک بٹھانے کے لیے اس کی خیمہ گاہ پر حملہ آور ہوگئے۔ انہوں نے پہلے پہل تیروں کا مینہ برسایا۔ پھر تلواریں سونت کر حریف کے معسکر کی طرف لپکے مگر اس دوران فرنگی بھی ہوشیار ہو چکے تھے۔ ان کی گھڑسوار فوج نے فوری طور پر جوابی حملہ کیا۔ کچھ دیر دست بدست لڑائی کے بعد مجاہدین تین لاشیں چھوڑ کر واپس اپنی فوج سے آملے۔ اس جھڑپ کے بعد فرنگیوں نے احتیاطاً اپنی خیمہ گاہ "بازور" کی سمت منتقل کر دی۔ دو تین دن دونوں لشکر آمنے سامنے پڑے رہے مگر عمومی جنگ کی نوبت نہ آئی۔ [1]

<u>اشکوں کی برسات</u> ۞ 11 شوال 587ھ (31 اکتوبر 1191ء) کا دن سلطان صلاح الدین ایوبی کی زندگی کے نہایت حزن انگیز ایام میں سے ایک تھا۔ اس دن سلطان نے اپنی عادت کے مطابق گھوڑے پر سوار ہو کر میدان کا چکر لگایا اور دشمن کی نقل و حرکت کا جائزہ لیا۔ دشمن کا پڑاؤ اتنا قریب تھا کہ مسلمانوں اور ان کے خیموں کے درمیان بمشکل ایک میل کا فاصلہ رہ گیا ہوگا۔ سلطان جب واپس لوٹے تو ایک دردر ے افسوس ناک پیغام ان کا منتظر تھا۔

سلطان نے قاضی بہاؤ الدین ابن شداد کو کہہ کر الملک العادل، علم الدین سلیمان، سابق الدین اور عز الدین ابن المقدم کو بلوایا۔ یہ سلطان کے معتمد ترین ساتھی تھے۔ سلطان نے ایک خادم کو اشارہ کیا کہ وہ دیگر حاضرین مجلس کو ہٹا دے۔ حکم دیا کہ خیمے کے آس پاس کوئی نظر نہ آئے۔ چند لمحوں بعد خیمۂ سلطانی کے ارد گرد دو سو گز تک کوئی شخص نہ تھا۔ جب ہر طرف خاموشی چھا گئی تو سلطان نے ایک خط نکال کر اسے زیر لب پڑھا۔ ساتھ ہی ان کے آنسو بہہ نکلے، سسکیاں بلند ہونے لگیں، روتے روتے ان کی ہچکی بندھ گئی۔ سلطان کا گریہ اتنا شدید تھا کہ حاضرین بھی رو پڑے حالانکہ انہیں سلطان کے رونے کی وجہ معلوم نہیں تھی۔

"خط میں لکھا ہے کہ ملک المظفر تقی الدین عمر وفات پا گئے ہیں۔"

---

[1] النوادر السلطانیہ، ص: 294، 295

سلطان نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا۔ ان کی آنکھوں سے پھر آنسو بہنے لگے۔ حاضرین مجلس بھی اشک بار تھے۔ کچھ دیر خیمے میں سسکیاں گونجتی رہیں۔

ذرا سکون ہوا تو قاضی بہاؤالدین ابن شداد نے سلطان کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

''اللہ کی یہی مرضی تھی، اس کی قضاو قدر کے آگے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔''

چند لمحوں کے توقف کے بعد انہوں نے کہا:

''اس رونے دھونے پر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کرنا چاہیے۔ غور کرنا چاہیے کہ اس وقت ہم کہاں ہیں اور ہمیں کیا مہم درپیش ہے؟ ہمیں چاہیے کہ اللہ کی ذات کے سوا کسی سے لو نہ لگائیں۔''

''آپ نے صحیح فرمایا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون''

سلطان نے فوراً کہا اور کچھ دیر کلماتِ استغفار دہراتے رہے۔ پھر انہوں نے پانی منگوا کر آنکھیں دھوئیں اور اپنی حالت پر قابو پالیا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد سلطان نے کہا:

''مصلحت کا تقاضا ہے کہ یہ خبر بالکل پوشیدہ رکھی جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ حالتِ جنگ میں یہ خبر دشمن تک پہنچ جائے۔''

ایسا ہی ہوا۔ صلیبیوں کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی کہ مسلمان کس عظیم حادثے سے دو چار ہو چکے ہیں۔ یافا واپس جا کر انہیں پتہ چلا کہ اسلام کا وہ شیر جس نے حطین سے عکا تک ہر معرکے میں ان کو چھٹی کا دودھ یاد دلایا تھا اب حماۃ کی ٹھنڈی خاک تلے سو رہا تھا۔ [1]

تقی الدین عمر کے آخری ایام ❁ دریائے فرات کے پار حران کا علاقہ تھا جو سلطان نے مظفر الدین کو کبری سے لے کر تقی الدین کو دے دیا تھا مگر تیسری صلیبی جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے تقی الدین کو علاقے کا انتظام سنبھالنے کا وقت نہ ملا۔ جب گزشتہ موسم سرما میں عکا کے محاذ پر عارضی وقفہ ہوا تو تقی الدین نے سلطان سے کچھ دنوں کی رخصت لے کر نئی جاگیر کا رخ کیا تا کہ اس کے رکے ہوئے ضروری امور انجام دے۔ وہاں جا کر اسے اپنی جاگیر سے ملحق ان علاقوں پر بھی قبضے کا خیال آیا جو خود مختار امراء کے ماتحت تھے۔ اپنے جنگی تجربے کی بنا پر اسے یقین تھا کہ وہ چند دنوں میں ان شہروں کو فتح کر کے سلطان کے پاس واپس پہنچ جائے گا۔ لیکن اس کی مہمات طویل ہوتی چلی گئیں۔

اس نے دیار بکر میں سویداء اور حانی جیسے شہروں پر قبضہ کر کے اپنی جاگیر کو خاصا وسیع کر دیا۔ اس دوران خلاط کے حاکم سیف الدین بکتمر نے چار ہزار سپاہی اکٹھے کر کے اسے مقابلے کے لیے للکارا۔ تقی

[1] النوادر السلطانیہ ص295، 296

الدین نے سات سو جانبازوں کے ساتھ اسے شکست فاش دی اور اس کا تعاقب کرتے ہوئے اس کے پایۂ تخت خلاط تک پہنچ گیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ دنوں بعد اس نے محسوس کر لیا کہ اس مستحکم شہر کو فتح کرنے کے لیے ایک بڑی فوج کی ضرورت ہے چنانچہ اس نے پہلے بکتمر کے دوسرے شہر ملاز کرد کا محاصرہ کرنا سودمند سمجھا۔ ابھی یہ محاصرہ جاری تھا کہ تقی الدین شدید بیمار پڑ گیا اور شب جمعہ 19 رمضان 587ھ (10 اکتوبر 1191ء) کو خالق حقیقی سے جا ملا۔ اس کے بیٹے محمد الملک المنصور نے اس کی موت کو مخفی رکھا اور خاموشی سے اس کی لاش حماۃ لا کر دفنا دی۔ حماۃ جو تقی الدین عمر کا مرکز تھا، اب اس کا مدفن بن گیا تھا۔ [1]

عجیب بات یہ ہے کہ جس شب تقی الدین عمر کی وفات ہوئی، اس شب سلطان کے بھانجے نامور جرنیل حسام الدین لاجین نے بھی وفات پائی۔ وہ سلطان کی نامور بہن ست الشام بنت ایوب کا فرزند تھا۔ ایک ہی وقت میں سلطان سے دلیر بھتیجا اور محرم راز بھانجا ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے تھے۔ انہیں بھانجے کی وفات کی خبر 24 رمضان 587ھ (15 اکتوبر 1191ء) کو مل گئی تھی مگر تقی الدین کی موت ایک دور دراز مقام پر ہوئی تھی۔ اس لیے اطلاع ملنے میں تین ہفتے لگ گئے تھے۔ [2]

<u>خلیفہ کا خط اور سلطان کا محتاط جواب</u> ❊ تقی الدین کے آخری ایام کی مہمات سے عراق میں اتنی بے چینی پھیل گئی تھی کہ خود دربار خلافت کو اس پر تشویش ہونے لگی تھی۔ خلیفہ کی جانب سے سلطان کے نام تیکھا مراسلہ آیا کہ وہ اپنے امیر کو اس ہوس ملک گیری سے منع کریں مگر یہ مراسلہ سلطان کو تقی الدین کی وفات کی خبر کے اگلے دن موصول ہوا، سلطان نے جواب لکھوایا:

''ہم نے تقی الدین کو ان مہمات کا حکم نہیں دیا تھا، اسے اس لیے بھیجا گیا تھا کہ وہ دریائے فرات کے پار، اپنی جاگیر سے تازہ افواج جمع کر کے جہاد کے لیے واپس آ جائے۔ پھر کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ وہ ان مہمات میں پڑ گیا، بہرصورت ہم نے اسے واپسی کا حکم دے دیا ہے۔''

سلطان نے اس مراسلے میں یہ ذکر نہیں کیا کہ تقی الدین اب دنیا سے رخصت ہو چکا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس سے متعلقہ تمام قضیے ختم ہو گئے ہیں۔ یہ سلطان کی انتہائی احتیاط تھی کہ وہ جس راز کی پردہ پوشی ضروری سمجھتے تھے اسے قبل از وقت خلیفہ پر بھی ظاہر نہیں ہونے دے رہے تھے۔ [3]

<u>فرنگیوں سے ایک اور خونی جھڑپ</u> ❊ 16 شوال (5 نومبر) کو رچرڈ اور سلطان کے جانبازوں میں <u>ایک اور جھڑپ ہوئی۔ فرنگیوں کا ایک دستہ دن چڑھے ایندھن جمع کرنے جنگل کی طرف نکلا تھا کہ عرب</u>

[1] الکامل: 10/3-2، 204، 212 تحت 587 ہجری
[2] الروضتین: 4/201، 587 ہجری؛ الاعلام حسام الدین
[3] النوادر السلطانیہ، ص: 207

مجاہدین نے انہیں تاک لیا۔ ان میں سے زیادہ تر گھات میں بیٹھ گئے اور کچھ نے آگے بڑھ کر فرنگیوں پر دھاوا بول دیا۔ اب زوردار لڑائی شروع ہوگئی۔ جنگ کے اس ہنگامے کی آوازیں دشمن کی خیمہ گاہ تک پہنچ رہی تھیں اس لیے فوری طور پر فرنگیوں کا ایک گھڑسوار دستہ اپنے ساتھیوں کی مدد کے لیے ادھر دوڑ پڑا۔ یہ دیکھ کر عرب مجاہدین اپنی چال کے تحت پیچھے ہٹنے لگے۔ فرنگی ان کا تعاقب کرتے کرتے گھات میں چھپے مجاہدین کی زد میں آگئے، اب مجاہدین نے یک بارگی حملہ کرکے ان کے قدم اکھاڑ دیئے، اتنے میں صلیبیوں نے اپنے معسکر سے مزید کمک بھیج دی جس سے ان کی پشت مضبوط ہوگئی۔ جنگل میں ایک خون ریز معرکہ شروع ہوا جو دیر تک جاری رہا اور اس میں فریقین کے درجنوں افراد کام آگئے۔

سلطان کو صورتحال کا علم ہوا تو انہوں نے سیف الدین یازکوش اور چند امراء کو امدادی سپاہ کے ساتھ روانہ کردیا اور انہیں تاکید کی وہ اس وقت معرکے میں شریک ہوں جب دشمن کا پلہ بھاری نظر آنے لگے۔ یہ سپاہی جب معرکۂ کارزار کے قریب پہنچے تو دشمن عددی برتری کی وجہ سے مجاہدین پر غالب آتا دکھائی دیا۔ چنانچہ امدادی سپاہی باگیں اٹھا کر میدان کی طرف لپکے۔ فرنگیوں نے مسلمانوں کی کمک آتے دیکھی تو اپنی خیمہ گاہ کی طرف بھاگ اٹھے۔ مسلمانوں نے تعاقب کرتے ہوئے ان میں بہت سوں کو مار گرایا۔ اس لڑائی میں 60 فرنگی ہلاک ہوئے۔ عرب مجاہدین ان کے پانچ گھوڑے پکڑ لانے میں کامیاب رہے۔ مجاہدین میں ایک نامور شمشیر زن 'ایاس مہرانی' کاری زخم کھا کر شہید ہوا۔ متلون مزاج رچرڈ کو اس نقصان نے خاصا پریشان کردیا اور اسے ایک بار پھر محسوس ہوا کہ ابھی جنگ کرنا خسارے کا سودا ثابت ہوگا۔ چنانچہ وہ مذاکرات کا سلسلہ دوبارہ شروع کرنے کے لیے بے چین ہوگیا۔ [1]

<u>رچرڈ کا نیا مراسلہ</u>: اس نے ایک بار پھر الملک العادل کو خط لکھ کر اپنی بہن کی شادی کی تجویز دہرائی اور ساتھ ہی اس سلسلے میں اپنی مجبوریوں کا ذکر بھی کیا۔ اس نے لکھا:

> ''ارباب کلیسا مجھ سے ناراض ہیں کہ میں نے پوپ سے اجازت لیے بغیر اپنی بہن کی شادی ایک مسلمان سے کرنے کا فیصلہ کیسے کرلیا؟ اب میں اپنا قاصد پوپ کے پاس بھیج رہا ہوں جو چھ ماہ کے اندر جواب لے کر واپس آجائے گا۔ اگر پوپ نے اجازت دے دی تو بہتر، ورنہ میں اپنی بھتیجی آپ کے نکاح میں دے دوں گا۔ اس سلسلے میں مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوگی۔''

بعد میں رچرڈ کے نمائندوں نے الملک العادل پر واضح کیا کہ وہ اپنی قومی رواج کی وجہ سے مجبور ہیں جس کے مطابق بیوہ یا مطلقہ عورت کو دوسرے نکاح کے لیے پادریوں سے اجازت لینا ضروری ہوتی ہے

[1] النوادر السلطانیہ: 298، 299، 200

جبکہ کنواری لڑکیوں کے نکاح میں ان کے والدین اور سرپرستوں کی مرضی کافی ہوتی ہے۔اگرچہ رچرڈ کا یہ تازہ عذر بظاہر معقول تھا مگر یہ بات قابل غور تھی کہ اسے پہلی بار یہ پیش کش کرتے ہوئے پوپ سے اجازت لینے کا خیال کیوں نہیں آیا تھا۔ ❶

کونرڈ مارکویس کی سفارت ❁ ایک طرف رچرڈ سلطان سے مصالحت کے لیے کوشاں تھا تو دوسری طرف کونرڈ مارکویس بھی نچلا بیٹھنے والا نہیں تھا۔صیدا کا حاکم اس کے سفیر کی حیثیت سے 13 شوال (2 نومبر) کو سلطان کی خیمہ گاہ میں حاضر ہوا تھا۔سلطان نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی تھی اور کونرڈ سے بات چیت کا ماحول برقرار رکھنے کا عندیہ دیا تھا۔کونرڈ کا یہ سفیر الملک العادل سے بھی ملتا رہتا تھا۔الملک العادل کی خیمہ گاہ سلطان کی خیمہ گاہ سے کچھ آگے تھی جہاں فرنگی افواج کا معسکر قریب تھا۔

کونرڈ کا سفیر جب الملک العادل کے پاس جاتا تو وہاں بھی اس کی خاطر مدارات ہوتی۔الملک العادل اور وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر وادی کا چکر لگاتے ہوئے کبھی کبھار فرنگیوں کے پڑاؤ کے قریب چلے جاتے تھے۔جب رچرڈ کے افسران ان دونوں کو ساتھ ساتھ دیکھتے تو ان کے خون کی گردش تیز ہو جاتی۔وہ ڈرتے تھے کہ کہیں مسلمان ان کی جگہ کونرڈ سے معاہدہ نہ کرلیں۔ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہو جاتا تو انگریزوں کی قوت کو بڑا دھچکا لگتا اور وہ مسلمانوں سے مقابلے کے قابل نہ رہتے۔ ❷

العادل اور رچرڈ کی ملاقات ❁ کونرڈ کے سفیر کی سلطان کے ہاں موجودگی کو خطرناک تصور کر کے رچرڈ نے بھی صلح کے لیے غیر معمولی سرگرمی دکھانا شروع کر دی تھی۔اس نے الملک العادل کو پیغام بھیجا کہ وہ اس سے بذات خود ملنا چاہتا ہے۔18 شوال 587ھ (7 نومبر 1191ء) کو دونوں افواج کی خیمہ گاہوں کے درمیان ایک مقام پر رچرڈ اور الملک العادل نے بڑے خوش گوار ماحول میں ملاقات کی۔الملک العادل نے رچرڈ کے اعزاز میں ایک عالی شان خیمہ نصب کرایا اور اپنے باورچی خانے سے نہایت پرتکلف کھانے منگوا کر شاہِ برطانیہ کی ضیافت کی۔دسترخوان پر مشرقی طرز کے بے حد لذیذ حلوے بھی تھے اور مٹھائیاں بھی۔رچرڈ کو مزہ ہی آگیا۔الملک العادل نے اسے نادر اور بیش بہا تحائف بھی پیش کیے جنہیں قبول کرتے ہوئے رچرڈ کو مسلم حکمرانوں کے نفیس ذوق، عالی ظرفی اور فیاضی کا یقین ہو گیا۔اس کے بعد رچرڈ نے بھی اپنی مہمان نوازی کا مظاہرہ کیا۔وہ الملک العادل کو اپنے خیمے میں لے گیا جہاں دسترخوان پر مغربی طرز کے کھانے سجائے گئے تھے۔الملک العادل اور اس کے ساتھیوں نے انہیں تھوڑا تھوڑا نوش کیا۔الملک العادل کے خدام انگریزوں کے لیے مشرقی کھانوں کے

❶ النوادر السلطانیہ:303، 304 ❷ النوادر السلطانیہ:297، 298، 301، 302، 304

خوان ساتھ لے گئے تھے جو رچرڈ اور اس کے حاشیہ برداروں کو پیش کیے گئے۔ [1]

رچرڈ سلطان سے ملنے کا مشتاق: دن بھر مجلس جمی رہی۔ محفل برخاست ہونے سے پہلے رچرڈ نے الملک العادل سے ایک بار پھر خواہش ظاہر کی کہ وہ سلطان صلاح الدین سے ملنا چاہتا ہے۔ اس نے الملک العادل سے درخواست کی کہ وہ اس کی یہ آرزو سلطان تک پہنچا دے۔ [2]

رچرڈ نے یہ خواہش کیوں کی تھی؟ اس کی اکثر آرزوؤں اور تمناؤں کی طرح ہم اس کی بھی کوئی منطقی توجیہ تلاش نہیں کر سکتے۔ بس یہ بچوں کی سی ایک آرزو تھی۔ 36 سالہ رچرڈ کے بعض ارادوں کے پیچھے صرف عجیب وغریب چیزیں دیکھنے اور نت نئے تجربات سے گزرنے کا جذبہ چھپا تھا مگر 55 سالہ صلاح الدین ایوبی پختہ سن ہونے کے ساتھ پختہ فکر بھی تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مشرق ومغرب کے دو عظیم ترین بادشاہوں کے ملاپ کا مطلب ان کے مابین پائیدار مصالحت کے سوا کچھ نہیں ہونا چاہیے جبکہ ابھی سلطان نے یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ وہ رچرڈ یا کونرڈ میں سے کس کو ساتھ لیں گے اور کسی کے گرد گھیرا تنگ کریں گے۔ یہ فیصلہ آئندہ کے حالات کے تحت ہی کیا جا سکتا تھا۔ بہر حال انہوں نے رچرڈ کی خواہش سننے کے بعد درباریوں کو اس بارے میں بحث کرنے کی اجازت دی۔ سب کی آراء سننے کے بعد انہوں نے رچرڈ کو وہی حکیمانہ مشورہ دیا جو وہ اسے چند ماہ پہلے بھی اسی قسم کی خواہش کے جواب میں دے چکے تھے۔ یہ رائے تمام مشیروں کی آراء سے بہتر اور معقول تر تھی۔ سلطان کا جواب تھا:

"جب بادشاہ باہم مل بیٹھیں تو اس کے بعد ان کے درمیان کش مکش نامناسب معلوم ہوتی ہے۔ ہماری اور آپ کی ملاقات اس وقت بھلی لگے گی جب اس جنگ کا قضیہ تمام ہو جائے۔ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ہماری ملاقات اہم باتوں کے لیے ہوگی مگر نہ میں آپ کی زبان سمجھ پاؤں گا نہ آپ میری۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہمارے مابین ایک مشترکہ قابلِ اعتماد ترجمان موجود ہو۔ یہی ترجمان ہماری ملاقات سے قبل درمیان میں سفارتی فرائض بھی انجام دے تاکہ ملاقات سے قبل ہمارے معاملات کسی کروٹ بیٹھ جائیں اور کوئی قانون وضابطہ طے ہو جائے، اس کے بعد ہم آپس میں ایسی ملاقات کر سکیں گے جو دوستی اور محبت کو جنم دے گی۔"

یہ جواب پڑھ کر رچرڈ سلطان کی ذہانت، نکتہ رسی اور دوراندیشی پر عش عش کر اٹھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ سلطان کو نہ میدانِ جنگ میں مغلوب کر سکتا ہے نہ مذاکرات کی میز پر۔ [3]

رچرڈ القدس کے ایک ٹکڑے کا سوالی: رچرڈ کو جواب ارسال کرنے کے اگلے دن سلطان نے

---

[1] النوادر السلطانیۃ: 300
[2] النوادر السلطانیۃ: 300، 302
[3] النوادر السلطانیۃ: 301

کونراڈ مارکوئیس کے سفیر کو شرف باریابی بخشا جو کئی دنوں سے سلطان کی خیمہ گاہ میں خاص مہمان کی حیثیت سے مقیم تھا۔ سلطان نے دربار میں کونراڈ کا مراسلہ سننے کے بعد اس کے سفیر سے تنہائی میں مزید گفت وشنید کی اور کونراڈ سے معاہدے کے لیے کچھ شرطیں پیش کیں۔ سلطان کا موقف تھا کہ اگر کونراڈ ان شرطوں پر عمل کرکے دکھائے تو معاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ سفیر یہ جواب لے کر اس دن رخصت ہوگیا۔ اس کے فوراً بعد صلیبیوں کا مشہور نائٹ ہمفری آف ٹورون رچرڈ کا نمائندہ بن کر سلطان کے پاس حاضر ہوا۔ اس کے ہمراہ ایک بوڑھا مشیر بھی تھا جس کی عمر ایک سو بیس سال تھی، دونوں نے رچرڈ کا یہ پیغام سلطان کے گوش گزار کیا:

"میں آپ سے دوستی اور محبت کا تعلق قائم کرنا چاہتا ہوں۔ بس آپ مجھے القدس شریف کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا عنایت کردیں۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم ایسے انداز میں صلح کرکے القدس کو تقسیم کرلیں کہ نہ مسلمان آپ کو طعنہ دے سکیں نہ فرنگی مجھے۔"

سلطان نے کونراڈ کے سفیر کی طرح اسے بھی اچھی امید دلا کر رخصت کیا۔ ٥

سلطان کی اصل پالیسی کیا تھی؟ حالات مسلمانوں کے غلبے اور دشمن کے احساسِ شکست کی غمازی کررہے تھے۔ صلیبیوں کے دونوں دھڑوں نے سلطان کو فیصلہ کن قوت مان لیا تھا اور ان کے نمائندے سلطان سے معاہدے کے لیے ایک دوسرے سے بڑھ کر سرگرمی دکھا رہے تھے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی سفیروں کی اتنی آمدورفت کے باوجود کسی فریق کو کوئی واضح جواب کیوں نہیں دے رہے تھے؟

کچھ دنوں پہلے عسقلان کو تباہ کرتے ہوئے انہوں نے اپنے موقف میں اتنی لچک دکھائی تھی کہ رچرڈ سے صلح کے اختیارات الملک العادل کے سپرد کردیے تھے۔ پھر انہوں نے رچرڈ کے اس فارمولے کو بھی قبول کرلیا تھا جس کی بنیاد الملک العادل کی جون سے شادی تھی۔ مگر اب وہ کونراڈ کو صاف جواب دے رہے تھے نہ رچرڈ کو۔

اصل بات یہ تھی کہ سلطان کو فرنگیوں کے مکروفریب کا خوب اندازہ ہوگیا تھا اس لیے وہ مذاکرات میں محتاط ہوگئے تھے۔ عسقلان کی تباہی کا وقت ایسا تھا جب مسلمان بے حد خطرے کی حالت میں تھے۔ تب دشمن کی ذرا سی پیش قدمی عسقلان پر فوری قبضے اور القدس پر کامیاب حملے کا ذریعہ بن سکتی تھی۔ اسی لیے سلطان نے مجبوراً الملک العادل کو لچک دار رویے کے ساتھ مذاکرات کرتے رہنے کی تاکید کی مگر اب مسلمان شدید خطرے کی زد سے نکل آئے تھے اس لیے سلطان نے میدان میں ہار جیت یا

٥ النوادر السلطانیہ: 302

مذاکرات کی میز پر باعزت صلح، دونوں دروازوں کو کھلا رکھا تھا اسی لیے وہ اسلامی اخلاق، مروت اور شاہانہ آداب کے تحت رچرڈ یا کونزڈ میں سے ہر ایک کو مذاکرات اور گفت وشنید کا پورا پورا موقع دیتے رہے مگر فیصلہ کرنے میں دیر کررہے تھے۔ اس سے دو فائدے حاصل ہورہے تھے:

1- اگر حریف مصالحت کی کوئی معقول صورت پیش کرتا جس میں مسلمانوں کا نفع غالب ہوتا تو اسے قبول کیا جاسکتا تھا۔

2- اگر ایسا نہ ہوتا تب بھی گفت وشنید کو طول دے کر صلیبیوں کے دھڑوں میں باہمی بداعتمادی بڑھائی جاسکتی تھی اور معاہدے کے لیے مخصوص شرائط پیش کرکے حریف کے دونوں دھڑوں کو ایک دوسرے سے لڑوایا جاسکتا تھا۔ جیسا کہ سلطان نے کونزڈ سے معاہدہ کے لیے شرط رکھی تھی کہ وہ رچرڈ سے عکا کو چھین کرکے دکھائے۔

اِسی جدوجہد میں موت آجائے...... ❊ بہرصورت ان تجربات سے گزرنے کے بعد سلطان کا یہ تاثر گہرا ہوتا جارہا تھا کہ نصرانیوں سے مذاکرات میں دھوکے کا ہرآن خطرہ موجود ہے اور ان مذاکرات کو کسی ایسے رخ پر منتج نہیں ہونا چاہئے جو مسلمانوں کے لیے خسارے یا کم نفعے کا سودا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ رچرڈ کے سفیر ہمفری آف ٹورون کو مصالحت کی امید دلا کر رخصت کرنے کے بعد سلطان کو اندیشہ ہوا تھا کہ کہیں وہ اب تک کی گفتگو کو صلح کا حتمی منشور تصور نہ کرلے۔ اس لیے سلطان نے اس کی خوش فہمی دور کرنے کے لیے اس کے پیچھے ایک درباری کو بھیجا جس نے اس سے قیدیوں کے معاملات طے کرنے کے بارے میں پوچھا۔ ہمفری نے جواب دیا:

''اگر صلح ہوگی تو تمام امور کے بارے میں ہوگی، اگر نہ ہوئی تو پھر قیدیوں کے بارے میں بھی کوئی بات نہیں کی جائے گی۔''

جب ہمفری چلا گیا تو سلطان نے قاضی ابن شداد سے مخاطب ہوکر کہا:

''ہم جب بھی ان لوگوں سے مصالحت کرتے ہیں، ان کی عہد شکنی کا خطرہ رہتا ہے۔ اگر میں اسی دوران مرگیا تو صلیبیوں کے مقابلے میں اتنے سپاہی دوبارہ جمع نہیں ہوسکیں گے اور فرنگی غالب آجائیں گے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ہم ان لوگوں سے اس وقت تک جہاد جاری رکھیں جب تک انہیں ساحل شام سے دھکیل نہ دیں یا اس جدوجہد میں موت آجائے۔''

قاضی ابن شداد سلطان کے یہ کلمات نقل کرکے کہتے ہیں کہ سلطان کی اصل تجویز اور پالیسی تو یہی تھی مگر بعد میں وہ مجبوراً صلح پر آمادہ ہوگئے تھے۔ (اس سے مراد صلح نامہ رملہ ہے جو اگلے سال رچرڈ سے

طے ہوا تھا)[1]

شوریٰ کا اجلاس، صلح رچرڈ سے یا کونرڈ سے: 21 شوال (10 نومبر) کو سلطان نے ایک بار پھر مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کیا اور ارکان کو رچرڈ اور کونرڈ سے اب تک کی جانے والی بات چیت اور ان سے گفتگو میں زیرِ غور آنے والے معاہدوں کے نکات سے آگاہ کیا۔ سلطان نے حاضرین سے پوچھا کہ ان دونوں قوتوں میں سے کس سے معاہدہ کیا جائے؟

ارکانِ دولت نے متفقہ طور پر رچرڈ کے حق میں فیصلہ دیا۔ کہنہ مشق امراء کا کہنا تھا کہ شامی نصرانیوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ دھوکہ بازی اور عہد شکنی ان کی گھٹی میں پڑی ہے۔ رچرڈ اور یورپی بادشاہ ان کی بنسبت معاملات میں قدرے بہتر ہیں۔ پھر وہ معاہدے کے بعد اپنے وطن لوٹ جائیں گے اس لیے اس کا امکان کم ہے کہ وہ صلح کی خلاف ورزی کر کے اتنی دور دراز سے ہمارے خلاف دوبارہ فوج کشی کریں۔

سلطان اور ان کے امراء کے اس فیصلے کے بعد مسلمان سفیروں نے رچرڈ کے نمائندوں کے ساتھ مل بیٹھ کر مذاکرات کو آگے بڑھانے اور مصالحت کی کسی مناسب ترین شکل تک پہنچنے کے لیے بات چیت جاری رکھنے پر اتفاق کر لیا۔ اس کے لیے رابطوں کا طریق کار اور دیگر بنیادی امور طے کر لیے گئے۔

صلح نامے کے مجوزہ منشور میں درج ذیل باتیں واضح کر دی گئی تھیں......

1- رچرڈ، الملک العادل کو اپنی بہن یا بھتیجی کا رشتہ دے گا۔

2- ساحلِ شام کے اسلامی شہر سلطان کی طرف سے الملک العادل کو دے دیے جائیں گے۔

3- رچرڈ اپنا مفتوحہ ساحلی علاقہ جس میں عکا اور یافا شامل ہیں، شہزادی کے نام کر دے گا۔

مذاکرات میں اس حد تک پیش رفت کے بعد رچرڈ اپنی افواج کو لے کر یافا واپس جانے کی تیاری کرنے لگا جبکہ سلطان صلاح الدین ایوبی بھی اپنے لشکر کو لے کر قلعہ 'تل الجزر' آ گئے۔[2]

---

[1] الروضتین: 302

[2] الروضتین: 303، معجم البلدان: تل

فصل:4

القدس پر رچرڈ کی پہلی یلغار

ماہِ نومبر شروع ہو چکا تھا، سردی بڑھتی جارہی تھی، ساتھ ہی بارشیں بھی شروع ہونے کو تھیں، ان بارشوں سے جنگلوں اور وادیوں میں پانی کھڑا ہو جاتا تھا، راستے کیچڑ سے بھر جاتے تھے، اس لیے اب تین چار ماہ تک فرنگیوں کے لیے القدس کی طرف پیش قدمی ناممکن تھی۔ ویسے بھی ان کے ساتھ صلح کی بات چیت کافی آگے بڑھ چکی تھی۔ چنانچہ سلطان نے فوج کو آرام دینا مناسب سمجھا کیوں کہ اکثر سپاہی گزشتہ چار سال سے حالتِ جنگ میں تھے۔ سلطان کی جانب سے تعطیل کے اعلان کے بعد دور دراز سے آنے والے ہزاروں سپاہی اور مجاہدین آہستہ آہستہ اپنے اپنے علاقوں کو رخصت ہونے لگے تاہم شام کے پیشہ ور سپاہی اور سلطان کی خاص فوج رخصت سے مستثنیٰ تھی۔ ہراول کے دستے ان کے علاوہ تھے جو اس دوران بھی القدس کے راستوں کی نگہبانی کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی صلح کی بات چیت کے باوجود رچرڈ کی طرف سے بہت چوکنا اور القدس کے حفاظتی انتظامات مستحکم بنانے کے لیے بالکل مستعد تھے۔

دو ہفتے بعد رچرڈ از سرِ نو افواج تیار کر کے نکل پڑا۔ شاید جب اسے معلوم ہوا ہو کہ دوسرے علاقوں سے آنے والے مسلمان سپاہی اپنے گھروں کو لوٹ رہے ہیں اور سلطان کے پاس زیادہ فوج نہیں رہی تو اس سے صبر نہ ہو سکا ہو۔ بہرحال وہ صلح کی بات چیت ترک کر کے یکا یک آمادۂ پیکار ہو گیا۔ اب وہ راتوں رات القدس پر قبضے کے خواب دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ شدید سردی میں کانپتے ہوئے صلیبی یروشلم کی بازیابی کی امید پر اس کے ساتھ چلے جا رہے تھے۔ لین پول کے بقول یہ فوج کشی دسمبر میں شروع ہوئی تھی مگر عماد اصفہانی کے مطابق رچرڈ 3 ذوالقعدہ یعنی 22 نومبر کو چلا تھا۔ بہر کیف یہ رچرڈ کا نہایت احمقانہ اقدام تھا۔ شاید وہ اب تک شام کے موسم کو نہیں سمجھ پایا تھا ورنہ ایسی غلطی نہ کرتا۔ 11 میل کا سفر کر کے وہ رملہ کے کھنڈرات تک پہنچ گیا مگر اسے مزید آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہو سکی کیوں کہ سلطان

صلاح الدین منتخب بہادروں کی فوج لے کر خود رملہ کے قریب آن پہنچے تھے۔ [4]

سلطان کی مزاحمت: صلیبی فوج تین چار ہفتوں تک یہاں پڑاؤ ڈالے سلطان کے ہراول دستے کے حملوں کا شکار ہوتی رہی۔ علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں:

"سلطان ایوبی ہلکے پھلکے تیز رفتار دستوں کے ساتھ رملہ کی طرف نکلے اور فرنگیوں کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔ 20 دن تک سلطان نے ان کا انتظار کیا مگر وہ مقابلے پر نہ آئے تاہم اس دوران دونوں فوجوں میں کئی جھڑپیں ہوئیں اور ہر بار مسلمان غالب آئے۔" [5]

اس دوران طوفانی بارشیں شروع ہو گئیں۔ سلطان کو یقین تھا کہ فرنگی موسم کی مار برداشت نہیں کر پائیں گے، اس لیے وہ 23 ذوالقعدہ 587ھ (12 دسمبر 1191ء) کو اپنے خواص کے ساتھ بیت القدس روانہ ہو گئے اور اسی دن عصر کے وقت وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے چرچ سینٹ جان سے متصل "دارالامناء" کو اپنا مرکز بنا کر شہر کی اصلاح اور دفاعی انتظامات کے استحکام کے ایک جامع منصوبے پر کام کا آغاز کر دیا۔

اس دوران رملہ میں فرنگی افواج موسم کی چیرہ دستیوں کے ساتھ سلطانی ہراول کے حملوں کا نشانہ بن رہی تھیں۔ صلیبی مرتے مرتے بھی القدس کی راہ چھوڑنے کو تیار نہیں تھے اس لیے رچرڈ نے اسی شاہراہ پر پیش قدمی شروع کر دی جو رملہ سے بل کھاتی ہوئی القدس کی وادی میں جا اترتی تھی۔ 3 ذی الحجہ 587ھ (22 دسمبر 1191ء) کو رچرڈ کوہ لطرون تک پہنچ گیا۔ اسی دن سلطان کا مصاحب خاص ابوالہیجاء السمین مصر سے خوراک و رسد کے ذخائر اور تازہ دم امدادی فوج لے کر آن پہنچا اور سلطان نے القدس سے رملہ کے درمیان پھیلے ہوئے اپنے ہراول دستوں کی افرادی قوت بڑھا دی۔ ان جانبازوں کے حملوں نے رچرڈ کو آگے بڑھنے کے قابل چھوڑا نہ پیچھے ہٹنے کے۔ ایک حملے میں اس کے بیسیوں افراد مارے گئے اور پچاس سے زائد گھڑ سوار گرفتار ہو گئے جن میں کئی مشہور نائٹ بھی شامل تھے۔

10 ذی الحجہ (29 دسمبر) کو عید الاضحیٰ کے دن سلطان کے سالار سابق الدین عثمان (حاکم شیزر) نے ایک کامیاب چھاپہ مار کارروائی میں صلیبیوں کے چند نامور افسران کو قتل کر دیا اور بعض کو گرفتار کر کے لے آیا۔ اس حملے سے بچ جانے والے فرنگی اپنے گھوڑے چھوڑ کر پہاڑی گھاٹیوں میں جا چھپے، ان کی سواریاں مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئیں۔

---

[4] الروضتین: 4/280، مفرج الکروب، السلوک لمعرفۃ دول الملوک، الکامل: 10/211، صلیبی جنگیں: 249، 250

[5] الکامل: 10/210

سلطان کے سپاہیوں نے ایک نہایت کارگر وار یہ کیا کہ فرنگیوں کی خیمہ گاہ کو خوراک و رسد فراہم کرنے والے تجارتی قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ ایک دن ایک بہت بڑا کارواں ان کے نرغے میں آ گیا اور فرنگی لاکھ کوشش کر کے بھی اسے نہ بچا سکے۔ ان کارروائیوں کے باعث چند ہی دنوں میں صلیبیوں کو جان کے لالے پڑ گئے اور وہ نہایت مایوسی کے عالم میں نطرون میں اپنی خیمہ گاہ میں دبک گئے۔ ❶

صلیبیوں کی عبرتناک پسپائی ❁ آخر رچرڈ نے جی کڑا کے القدس کی طرف روانگی کا نقارہ پٹوا دیا۔ تھکے ہارے صلیبی اپنے آپ کو جھنجھوڑتے ہوئے شاہراہِ القدس پر چلتے گئے۔ اس تکلیف دہ سفر کے بارے میں ایمبر وز لکھتا ہے:

"دن بدن سردی بڑھتی گئی، بارش اور اولوں سے ہمارا برا حال ہو گیا، طوفانی ہواؤں سے ہمارے خیمے اکھڑ اکھڑ جاتے تھے، کرسمس سے پہلے اور بعد ہمارے کئی گھوڑے مر گئے، بارش اور نمی سے خنزیر کا خشک گوشت گل گیا، بسکٹ خراب ہو گئے، زرہ بکتر زنگ آلود ہو گئے اور کئی سپاہی سردی اور فاقوں سے بیمار پڑ گئے۔" ❷

بہرحال صلیبی اسی طرح ہانپتے کانپتے چند میل اور آگے بڑھے اور بیت نوبہ تک پہنچ گئے جہاں کسی بھی ٹیلے سے بارہ میل دور اُفق پر "القدس" کی فصیل اور عمارتیں دیکھی جا سکتی تھیں۔ مگر ابھی فرنگی مقدس شہر کی دور سے بھی زیارت نہیں کر پائے تھے کہ موسم کی ہولناکی شدید تر ہو گئی۔ موسلا دھار بارش، طوفانی ہواؤں اور اولہ باری نے صلیبیوں کے خیموں میں تباہی مچا دی۔ ان کا سامانِ خورد و نوش ضائع ہو گیا، خیمے اکھڑ گئے، گھوڑے اور دوسرے مویشی تلف ہو گئے۔

اس تباہی کے عالم میں بھی رچرڈ، اس کے انگریز نائٹوں اور فرانسیسی افسران کی ضد یہی تھی کہ آگے بڑھ کر مقدس شہر پر قبضہ کر لیا جائے جو چند گام دور رہ گیا ہے اور جس کی حفاظت کے لیے کوئی بڑی فوج نہیں ہے مگر رچرڈ کے ہم رکاب ٹمپلرز، ہاسپٹلرز اور مقامی نصرانی سرداروں نے پورے شد و مد سے اس رائے کی مخالفت کی۔ انہوں نے کہا:

"سلطان کی خاصی فوج ارد گرد کی پہاڑیوں میں موجود ہے۔ شہر کے قریب پہنچ کر ہم اس کے اور القدس کی محافظ فوج کے درمیان پھنس جائیں گے۔"

آخر رچرڈ مان گیا۔ ویسے بھی وہ مجبور تھا اور اتنے سخت موسم میں القدس کا محاصرہ کر کے اپنی فوج کو مروانے کے سوا اور کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکتا تھا۔ صلیبی جنگ کے قائدین نے مشترکہ اعلان کیا

❶ کتاب الروضتین: 4/268_269، البدایۃ والنہایۃ: 10/210_211　❷ صلیبی جنگیں: 249_250

کہ ساری فوج واپس جا کر پہلے عسقلان کی فصیل تعمیر کرے گی، پھر اسے مرکز بنا کر ہم یروشلم پر حملہ کریں گے۔ [1]

صلیبی سپاہ نے یہ اعلان نہایت مایوسی کے ساتھ سنا، ایک آن میں ان کا تمام جوش وخروش صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور ان پر شدید ذہنی تناؤ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اسی حالت میں 22 ذی الحجہ 587ھ (10 جنوری 1192ء) کو صلیبی لشکر رملہ کی طرف واپس ہو گیا۔ اس مہم سے واپسی کا حال ایمبر وز یوں لکھتا ہے:

"لوگ جذبات سے بے قابو ہو کر اپنے طویل قیام کو کوسنے لگے، ان کے حوصلے پست ہو گئے، اب وہ سامان رسد بھی واپس نہیں لے جا سکتے تھے کیونکہ گھوڑے اور ٹٹو سخت سردی اور طوفان سے بے حد کمزور ہو گئے تھے، جب ان پر بوجھ لادا جاتا تو وہ گھٹنوں کے بل گر جاتے اور دوبارہ نہ اٹھ پاتے۔ صلیبی سپاہی انہیں مارتے پیٹتے، گالیاں دیتے اور آخر تنگ آ کر انہیں ابلیس کے سپرد کر کے چل دیتے۔ آخر کار یہ لوگ واپس ہو گئے اور رملہ پہنچ گئے۔" [2]

رچرڈ کے اس حملے کی ناکامی کی وجوہ تو ظاہر ہیں مگر بعض مغربی مورخین اسے سرے سے کوئی سنجیدہ فوج کشی قرار ہی نہیں دیتے۔ ان کا کہنا ہے کہ رچرڈ نے بے چین سپاہیوں کو مطمئن کرنے کے لئے یہ نمائشی پیش قدمی کی تھی تاکہ وہ دور سے القدس کی ایک جھلک دیکھ لیں اور خاطر جمع رکھیں۔ مگر اس اقدام کے آخری مرحلے میں جب صلیبی فوج کو واپسی کا حکم دیا گیا تو نتیجہ مایوسی اور انتشار کی شکل میں ظاہر ہوا۔ مغربی مورخین اس ناکامی کی جو چاہے تاویل کریں، مگر کوئی ہوش مند شخص اس پر یقین نہیں کر سکتا کہ رچرڈ نے صرف سپاہیوں کو مطمئن کرنے کے لیے ایسے ہولناک موسم میں پیش قدمی کرنے کا خطرہ مول لیا ہوگا۔ حقیقت یہی ہے کہ رچرڈ اور صلیبی سپاہی پورے مذہبی جوش کے ساتھ آگے بڑھے تھے اور اگر موسم انہیں مجبور نہ کر دیتا تو وہ مقدس شہر پر قبضہ کرنے کی ہر کوشش کر ڈالتے۔

صلیبی عسقلان میں ﷺ لین پول کے بقول 12 جنوری 1192ء (14 ذی الحجہ 587ھ) کو ژالہ باری

[1] کیکا گیگ: 260
[2] کیکا گیگ: 250

ذی الحجہ 587ھ (دسمبر 1191ء) میں رچرڈ کا صلیبی افواج کو القدس کے قریب لے آنا اور پھر طوفانی موسم کے باعث یکدم واپس ہو جانا ایک تاریخی حقیقت ہے، مگر صاحب عماد الاصفہانی نے اسے مختصر انداز میں ذکر کیا ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ دشمن کی واپسی طوفان اور ژالہ باری کی وجہ سے ہوئی۔ ابن اثیر نے بھی اس کا اختصار سے ذکر کیا ہے مگر ان کے دور سلطان کے واقعات میں کئی جگہ ابہام اور اجمال ہے۔ یورپی تذکرہ نگاروں اور مؤرخین نے اس طرح کی کسی تفصیل سے بیان کیا ہے اس لیے اس بارے میں ان حوالوں پر انحصار ہے۔ سلطان کے سوانح نگار قاضی بہاؤالدین ابن شداد نے اس کا بالکل ذکر نہیں کیا۔ پتا معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب ان دنوں دیگر ساتھیوں کی طرح چھاؤنی پر چلے گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے روزنامچے میں جہاں ایک ایک دن کے حالات کئی کئی صفحات میں پھیلے ہوتے ہیں، وہاں شوال 587ھ سے صفر 588ھ تک کے حالات بڑے مختصر انداز میں چند سطروں میں سمٹے ہوئے ہیں اور رچرڈ کی اس یلغار کا کوئی ذکر نہیں۔

کے طوفان سے گزرتے ہوئے صلیبی فوج جب رملہ واپس پہنچی تو اس میں بری طرح انتشار کے آثار نمایاں تھے۔ بہت سے سپاہی لشکر سے فرار ہونے لگے۔ یروشلم کی طرف پیش قدمی جاری رکھنے کے حامی بہت سے لوگ بددل ہو کر رچرڈ کا ساتھ چھوڑ گئے، [1] رچرڈ نے فوج کا حوصلہ برقرار رکھنے کے لیے انہیں جلد از جلد کسی کام میں مشغول کر دینا ضروری سمجھا چنانچہ اس نے اسی موسم میں رملہ سے عسقلان جا کر اسے از سر نو تعمیر کرانے کا تہیہ کر لیا۔ یوں 3 محرم 588ھ (20 جنوری 1192ء) کو صلیبی فوج نے رملہ سے کوچ کر دیا۔ [2]

راستے میں موسم کی تباہ کاریوں نے ایک بار پھر صلیبیوں کے اوسان خطا کر دیے۔ پہلے دن بارش اور اولہ باری دن بھر جاری رہی۔ عسقلان تک سارا علاقہ کیچڑ سے بھر گیا۔ ہر وادی ایک دلدل بن چکی تھی جس سے فوج کو گزرنا تھا۔ گھڑ سوار اور پیادہ سپاہی گھٹنوں گھٹنوں کیچڑ میں دھنستے جا رہے تھے۔ بیسوں سپاہی اپنی سواریوں اور اسلحے سمیت دلدلوں میں غرق ہو گئے۔ دو پہر کو یہ خستہ حال لشکر عسقلان پہنچا تو شہر کی حالت دیکھ کر سب کے ہوش اڑ گئے۔ ان لوگوں نے عسقلان کی تباہی کا ذکر تو سنا تھا مگر انہیں اندازہ نہیں تھا کہ شہر کا یہ حشر ہوگا۔ پورا شہر ملبے کا ڈھیر بنا ہوا تھا جیسے کسی زلزلے نے اسے تہس نہس کر دیا ہو۔ [3] ...... صلیبیوں کے لیے ایک نیا شہر تعمیر کرنا اس ملبے پر شہر بسانے سے کہیں آسان تھا تاہم رچرڈ کا اٹل فیصلہ تھا کہ عسقلان کو اسی مقام پر دوبارہ تعمیر کیا جائے گا۔ ظاہر ہے یہ ایک دو ہفتے کا کام نہیں تھا اس کے لیے طویل مدت درکار تھی۔ چنانچہ عسقلان رچرڈ کا مستقل پڑاؤ بن گیا۔ اب صلیبی دن بھر اس علاقے میں دندنانے لگے۔ وہ سلطان کے ان گشتی دستوں پر حملے بھی کرنے لگے جو قریبی جنگل میں خیمے لگائے ہوئے تھے۔ ایک دن رچرڈ کو دور اُفق پر دھواں نظر آیا۔ وہ سپاہیوں کو لے کر ادھر روانہ ہو گیا۔ وہاں سیف الدین یازکوج اور علم الدین قیصر تھوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ الگ الگ مقامات پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ رچرڈ مغرب کے وقت بے خبری میں ان پر جا پڑا۔ جب اس نے ایک دستے پر حملہ کیا تو دوسرا دستہ اس کی مدد کو پہنچ گیا مگر رچرڈ نے دونوں کو سنبھال لیا۔ فرنگیوں کا بڑھتا ہوا دباؤ دیکھ کر مسلمان اپنا ساز و سامان چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ اس جھڑپ میں چار مسلمان شہید ہوئے۔ اس قسم کی ترکتازیوں کے ذریعے رچرڈ اپنی فوج کا حوصلہ بلند کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ [4]

سلطان القدس کے مزدوروں کے ساتھ: سرما کے ان طوفانی ایام میں جبکہ صلیبی عسقلان میں

---

[1] سوانح صلاح الدین لین پول: 288
[2] الروضتین: 4/297
[3] صلیبی جنگیں: 251
[4] الروضتین: 4/289_289

تھے اور سلطان کی اکثر فوج اپنے گھروں میں...... ساحل سے لے کر القدس کی وادی تک ویران اور برباد قلعوں کے کھنڈرات نوحہ کناں تھے...... ہر طرف گہرا سکوت تھا...... بادلوں کی گرج چمک اور آندھی کی سنسناہٹ سے یہ ماحول مزید پراسرار نظر آتا...... کبھی کبھی پہاڑوں کی ڈھلوانوں پر کچھ سوار ابھرتے اور غائب ہو جاتے۔ یہ سلطان کی گشتی سپاہ کے جانباز تھے، سلطان ان کی آنکھوں سے سب کچھ دیکھتے تھے۔ وہ خود بیت المقدس کو ایک آہنی پہاڑ کی طرح مضبوط بنانے میں مصروف تھے۔ مگر انہیں معلوم تھا کہ ساحل پر رچرڈ اسی تیزی سے عسقلان کو دوبارہ تعمیر کرا رہا ہے۔

چار ماہ تک دونوں رہنما ہتھیاروں کی زبان ترک کر کے مٹی گارے، چٹانوں، پتھروں اور تعمیراتی فنون کو زیادہ اہمیت دیتے رہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی القدس کی مستحکم قلعہ بندی کے لیے پانی کی طرح پیسہ بہا رہے تھے۔ اس منصوبے میں بنیادی کام تین تھے:

1- شہر کے گرد ایک نئی گہری اور چوڑی خندق کھودنا۔
2- بلند و بالا برجوں والی ایک نئی فلک بوس فصیل کھڑی کرنا جسے دشمن کسی طرح سر نہ کر سکے۔
3- پرانی فصیل کی مرمت کر کے اسے ہر لحاظ سے ناقابل تسخیر بنا دینا۔ ❶

سلطان نے یہ کام تقسیم کر دیے تھے۔ بعض امراء دن رات خندق کی کھدائی کرانے میں منہمک تھے، بعض فصیل اور برجوں کی تعمیر میں جتے ہوئے تھے، الملک الافضل باب عمود سے باب رحمت تک کا حصہ تعمیر کرا رہا تھا۔

3 ذی الحجہ 587ھ (22 دسمبر 1191ء) کو حاکم موصل علاؤ الدین مسعود کے بھیجے ہوئے پچاس انجینئر القدس پہنچے جو خندقوں کی کھدائی میں آڑے آنے والی بڑی بڑی چٹانیں کاٹنے اور پہاڑی چٹانوں کو تراش کر برج کھڑے کرنے کے ماہر تھے۔ سلطان کے امراء بھی دیگر شہروں سے بہترین کاری گروں اور فن کے ماہروں کو چن چن کر لے آئے تھے۔ سلطان کا یہ حال تھا کہ وہ خود ان تمام کاموں کی نگرانی کے لیے متحرک رہتے اور معماروں کے ساتھ کام کراتے۔ انہیں دیکھ کر بڑے بڑے نامی گرامی لوگ بھی تعمیراتی مشقت میں حصہ لے رہے تھے۔ سلطان کے لڑکے، شام و مصر کے امراء، فوجی و سول افسران، علماء و مشائخ اور قضاۃ و فقہاء بھی اس کام کو سعادت سمجھ کر شریک تھے۔ مسلمانوں میں القدس کی حفاظت، مقدس شہر کی خدمت اور تعمیراتی محنت و مشقت کے لیے ایسا ایمانی جوش نظر آتا تھا جس سے قرون اولیٰ کی یادیں تازہ ہو رہی تھیں۔ ایک دن فصیل کی تعمیر کے لیے لائے گئے پتھر کم پڑ گئے۔ مزدوروں نے

❶ الکامل: 4/289، البدایہ: 10/210

سلطان کو اطلاع دی تو وہ خود گھوڑے پر سوار ہو کر اس علاقے کی طرف نکل گئے جہاں سے تعمیراتی پتھر منگوائے جاتے تھے، علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ اس روداد کو یوں بیان کرتے ہیں:

”سلطان صلاح الدین خود گھوڑے پر سوار ہو کر جاتے اور بذات خود دور دراز کے علاقوں سے اپنی سواری پر پتھر ڈھو کر لاتے۔ یہ دیکھ کر لشکری بھی ان کی پیروی کرتے۔ چنانچہ مزدوروں کے پاس ایک ہی دن میں اتنے پتھر جمع ہو گئے جو کئی دنوں کے لیے کافی تھے۔“[1]

القدس کے ان تعمیراتی کاموں کے دوران سلطان کے قدیم رفیق سلیمان بن جندر کو بیماری نے آن دبوچا، اس نے رخصت لے کر اپنے وطن حلب کی راہ لی مگر ذوالحجہ کے اواخر میں دمشق کے قریب روح نے جسم کا ساتھ چھوڑ دیا۔[2]

<u>رچرڈ کی نئی مصالحانہ سازشیں</u> ❊ عسقلان میں رچرڈ کی پریشانیاں بڑھتی جارہی تھیں، وہ موسم سرما ختم ہونے سے پہلے پہلے القدس پر فیصلہ کن حملے کے لیے عسقلان کی تعمیر مکمل کر لینا چاہتا تھا مگر خزانے میں رقم بہت کم رہ گئی تھی۔ رسد کے ذخائر تک ختم ہوتے جارہے تھے۔

دوسرا مسئلہ اس سے زیادہ اہم اور نازک تھا یعنی ان صلیبیوں کو ایک نکتے پر جمع کرنا جن کی صفوں میں انتشار روز بروز بڑھ رہا تھا۔ فرانسیسیوں کے قائد ڈیوک اوف برگنڈی کو شکایت تھی کہ افواج یروشلم پر حملہ کرنے میں تاخیر کیوں کر رہی ہیں؟ پھر جب اس کے پاس خوراک و رسد کے ذخائر ختم ہوئے اور خزانہ خالی ہوا تو اس نے رچرڈ سے قرضہ مانگا مگر رچرڈ نہ دے سکا۔ اس پر ڈیوک مزید نالاں ہو گیا۔ اس نے مجبوراً کونرڈ سے مدد مانگی مگر وہ بھی نظریں چرا گیا۔ آخر ڈیوک فرانسیسیوں کو لے کر لشکر سے الگ ہو گیا۔ ادھر عکا میں جینوا اور پیزا کی فوجیں فلسطین کے ساحلی شہروں کی تقسیم کے منصوبے پر جھگڑ پڑی تھیں۔

ان تمام اختلافات کے علاوہ شروع سے صلیبی دو سیاسی گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک گروہ یروشلم کے سابق بادشاہ گائی کا طرف دار تھا اور دوسرا کونرڈ مارکیس کا حامی۔ پہلے کو اپنے قائد کی شرافت اور حسب و نسب پر فخر تھا اور دوسرے کو اپنے رہنما کے گھاگ پن پر غرہ تھا۔ ان دنوں یہ اختلاف عروج کو پہنچا ہوا تھا۔ پھر کونرڈ کی سلطان سے خط و کتابت نے رہی سہی کسر بھی نکال دی تھی۔ رچرڈ کو ہر آن دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کسی وقت کونرڈ نے سلطان سے معاہدہ کر لیا تو صلیبیوں کا اتحاد دوبارہ قائم ہونے کے امکانات بالکل ختم ہو جائیں گے۔[3]

---

[1] الکامل فی التاریخ: 11/10؛ عماد اصفہانی نے بھی سلطان کے بذات خود گھوڑے پر سوار ہو کر پتھر لانے کا ذکر کیا ہے۔ (الروضتین: فتوح السلطان فی الشام ورجوعہ للقدس)
[2] الروضتین: تحت 587 ہجری، وفات سلیمان بن جندر
[3] صلیبی جنگیں: 251، 252

رچرڈ کے یہ خدشات اپنی جگہ درست تھے۔ کونرڈ مارکوئیس اور سلطان کے درمیان ایک بار پھر صلح کی بات چیت شروع ہوگئی تھی۔ انہی دنوں ربیع الاول 588ھ (مارچ 1192ء) میں کونرڈ کا سفیر یوسف جو حاکم صیدا کا غلام تھا، سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور سلطان نے ایک بار پھر یہ شرط دہرائی تھی کہ کونرڈ کو ہم سے صلح کرنے کے لیے، یورپی صلیبیوں کے خلاف لڑنا ہوگا۔[1]

ان حالات میں رچرڈ نے اپنی فطرت کے مطابق ایک نہایت عیارانہ پالیسی اپنائی۔ ایک طرف اس نے سلطان کو اپنے بارے میں پرامید اور نیک گمان رکھنے کی نئی کوششیں شروع کردیں تاکہ وہ کونرڈ سے کوئی معاہدہ کرنے میں متذبذب رہیں۔ دوسری طرف اس نے کونرڈ کو راستے سے ہٹا کر صلیبیوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

رچرڈ کی اس نئی کوشش کا آغاز ربیع الاول 588ھ (مارچ 1192ء) میں ہوا۔ اس وقت وہ خود عکا میں تھا۔ اس کا قاصد بڑے رازدارانہ انداز میں آکر سلطان سے ملا اور انہیں اپنے بادشاہ کا یہ پیغام دیا:

"میں الملک العادل سے ملاقات کا خواہش مند ہوں۔ اگر وہ عکا آجائے تو ہم کوئی ایسا فیصلہ کرسکیں گے جس میں دونوں قوموں کا بھلا ہوگا۔"[2]

<u>سلطان نے مذاکرات کی حامی کیوں بھری؟</u> ❋ سلطان کو رچرڈ کی طبیعت اور فطرت کا تجربہ ہو چکا تھا مگر اس کے باوجود وہ باعزت صلح کے ساتھ جنگ ختم کرنے کا دروازہ کھلا رکھنا چاہتے تھے، اس کی وجہ میں قاضی بہاؤالدین شداد سلطان کی مجبوریوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مجاہدین مسلسل جنگوں سے تھک کر چور ہو چکے تھے، قرضوں کا بوجھ بے حد بڑھ گیا تھا، سپاہی اپنے وطنوں سے دور پڑے ہوئے تھے، ان میں سے بہت سوں کو سلطان کے ساتھ ہمیشہ رہنا لازمی تھا اور وہ سلطان سے رخصت طلب نہیں کرسکتے تھے۔"[3]

سلطان کو پورا احساس تھا کہ یہ جنگ اب نفسیاتی حدود سے تجاوز کررہی ہے اور اس کا اختتام جلد نہ ہوا تو غیر متوقع فتنے جنم لے سکتے ہیں۔ ایک خزانے کا خالی ہونا ہی اتنا بڑا المیہ تھا جو اپنوں کو بیگانہ بنا سکتا تھا۔ دور دراز کے صوبوں میں بغاوتوں کے شعلے لپک سکتے تھے۔ چناں چہ سلطان نے الملک العادل کو رچرڈ سے ملنے عکا جانے کی اجازت دے دی، ساتھ ہی یہ تاکید کردی کہ وہ مصالحت کی کوشش کے ساتھ ساتھ اس سفر میں کوکب، غور اور دوسرے علاقوں سے تازہ دم رضاکار بھی بھرتی کرتا رہے...... یہ تلقین بھی کی کہ وہ رچرڈ سے نتیجہ خیز مذاکرات کا مطالبہ کرے...... اسے کہہ دے کہ اس سے پہلے بھی بہت

[1] النوادر السلطانیہ: 305
[2] النوادر السلطانیہ: 305
[3] النوادر السلطانیہ: 306

بات چیت ہوئی مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا.....اگر اس بار بھی ویسی ہی بات چیت مقصود ہے تو اسے ترک کر دینا بہتر ہے.....ہاں اگر وہ دوٹوک بات کرنا چاہتا ہے تو ملاقات ہو سکتی ہے۔ سلطان نے العادل کو سمجھایا کہ وہ صرف اسی صورت میں رچرڈ سے ملاقات پر آمادگی ظاہر کرے جب پہلے سے بات چیت کے نتیجہ خیز ہونے کے قرائن محسوس ہوں.....لیکن اگر معاملہ برعکس لگے تو وہ رچرڈ سے ملے بغیر معاملے کو ایک دو ماہ تک طول دینے کی کوشش کرے تاکہ اس دوران سپاہی چھٹیوں سے فارغ ہو کر تازہ دم حالت میں القدس کی حفاظت کے لیے پہنچ جائیں۔ [4]

رچرڈ کی بدنیتی ❊ جمعہ 4 ربیع الاول 588ھ (20 مارچ 1192ء) کو نماز عصر کے بعد الملک العادل سلطان صلاح الدین کی جانب سے مصالحت کے مکمل اختیارات لے کر رچرڈ سے ملاقات کے لیے پابہ رکاب ہوا۔ [5]

جب وہ عکا کی وادی میں پہنچا تو رچرڈ کے نائب ہمفرے نے خیر مقدم کیا۔ الملک العادل کا مشیر ابوبکر حاجب بھی اس موقع پر موجود تھا جو فرنگیوں سے سفارت کاری کا ماہر تھا۔ صلح نامے کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ فلسطین کو تقسیم کر لیا جائے۔ اس کا طریق کار یہ طے پایا کہ جو علاقہ اس وقت جس کے قبضے میں ہے وہ مستقل طور پر اسی کے پاس رہے گا یعنی افواج کی موجودہ حالت اور چوکیوں کی موجودہ ترتیب کو مستقل سرحدیں تصور کر لیا جائے۔ تیز رفتار قاصد کے ذریعے صلح نامے کے مندرجات سلطان تک پہنچا دیے گئے۔ سلطان نے امرائے سلطنت سے مشورے کے بعد منظوری کا جواب بھیج دیا۔

اگر رچرڈ صلح میں مخلص ہوتا تو صلیبی جنگ یہیں ختم ہو جاتی.....مگر وہ تو محض وقت گزاری کا خواہاں تھا..... تاکہ اس دوران اپنے منصوبوں اور سازشوں کو آگے بڑھا سکے۔ اس نے صلح نامے کی توثیق میں ٹال مٹول شروع کر دی.....یہ دیکھ کر الملک العادل نے بھی سلطان کی ہدایت کے مطابق اس سے براہ راست ملاقات کو مناسب نہ سمجھا.....البتہ الملک العادل کا نائب ابوبکر حاجب کئی بار رچرڈ سے ملا مگر بات چیت مایوس کن رہی.....رچرڈ اب یہ کہہ رہا تھا کہ گنبد صخرہ اور القدس کے قلعے کو چھوڑ کر باقی بیت المقدس آدھا نصرانیوں کو دیا جائے، اس طرح القدس کی نواحی بستیوں کو بھی آدھا آدھا تقسیم کیا جائے تب وہ صلح کے لیے رضامند ہوگا۔ اپنا یہ موقف بیان کرنے کے بعد وہ مزید گفتگو سے کتراتے ہوئے فوراً عکا سے یافا روانہ ہو گیا۔

ویسے تو رچرڈ شروع سے بدنیت تھا مگر ان دنوں اس کی جولانی طبع کی ایک اور خاص وجہ بھی تھی جسے قاضی ابن شداد نے بیان کیا ہے۔ ہوا یہ کہ مرحوم تقی الدین عمر کا بیٹا منصور جو رشتے میں سلطان کے پوتے

---

[4] النوادر السلطانیہ: 306
[5] النوادر السلطانیہ: 306

کی جگہ تھا، سلطان سے بغاوت پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ سلطان اسے باپ کی جاگیر وراثت میں نہیں دیں گے، چنانچہ وہ ازخود اس جاگیر پر قابض ہونے کے لیے کوشاں تھا۔ یہ رویہ سلطان سے بغاوت کے مترادف تھا۔ اس اطلاع سے رچرڈ سمجھا کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑ گئی ہے اور وہ کمزور ہو چکے ہیں چنانچہ اس نے اسے مسلمانوں سے مقابلے کے لیے نئی صف بندی کا بہترین وقت تصور کیا اور صلح کی بات چیت کو سبوتاژ کر کے تیزی سے یافا اور عسقلان کی طرف آ گیا۔ ❶

11/ ربیع الاول (27 مارچ) کو حاجب ابوبکر نے حاضر ہو کر سلطان کو یہ تمام روداد سنا ڈالی۔ پانچ دن بعد الملک العادل بھی غورٔ سے نئے رضا کاروں کی بھرتی کا انتظار کرنے کے بعد سلطان سے آملا۔ اسی دن مخبروں نے خبر پہنچائی کہ فرنگی داروم کے قریب لوٹ مار کر رہے ہیں اور بدوؤں کے گلوں سے کئی ہزار بکریاں ہانک کر لے گئے ہیں۔ یہ حالات واضح کر رہے تھے کہ رچرڈ ایک بار پھر فتح یروشلم کے سہانے سپنے دیکھ کر جنگ پر تلا ہوا ہے۔ ❷

سلطان کا کونرڈ مارکوئیس سے صلح کا فیصلہ: اب رچرڈ سے مزید بات چیت بالکل بے سود تھی، سلطان نے فیصلہ کر لیا کہ اب بہر صورت کونرڈ مارکوئیس سے صلح کر لی جائے تاکہ فرنگیوں کی قوت دو ٹکڑوں میں بٹ جائے۔ اگرچہ عام حالات میں سلطان مارکوئیس جیسے دھوکہ باز کو منہ لگانا پسند نہیں کرتے تھے مگر اس وقت ایک طرف موسم بہار آ جانے کی وجہ سے صلیبیوں کے حملے کے لیے حالات سازگار ہوتے جا رہے تھے اور دوسری طرف سلطان مشرقی صوبوں میں الملک المنصور کی سرکشی سے پریشان تھے۔ انہیں خطرہ تھا کہ اگر منصور نے حاکم خلاط بکتمر سے اتحاد کر کے ان کے خلاف محاذ بنا لیا تو صلیبیوں سے مقابلہ جاری رکھنا دشوار تر ہو جائے گا، اس لیے سلطان ایوبی کے نزدیک یہ ناگزیر تھا کہ فرنگیوں کے ایک فریق کو اپنے ساتھ ملا کر ان میں پھوٹ ڈال دی جائے۔ چند دن قبل جب کونرڈ کا سفیر سلطان کے پاس آیا تھا تو سلطان نے اس سے مصالحت کے لیے حسب سابق کئی سخت شرائط عائد کی تھیں مگر اب وہ کونرڈ سے صلح کے لیے بڑی حد تک لچک دکھانے کے تیار تھے۔ اُدھر کونرڈ خود سلطان سے حتمی بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔ 6 ربیع الثانی (20/ اپریل) کو اس کا سفیر یوسف دوبارہ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے آقا کا پیغام گوش گزار کیا جس میں کہا گیا تھا کہ اس کے اور انگریزوں کے درمیان بات چیت فیصلہ کن مراحل میں داخل ہو رہی ہے۔ اگر سلطان کو اس سے معاہدہ کرنا ہے تو جلد کر لیں ورنہ تاخیر کی صورت میں معاہدے کا وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔ سلطان نے اس بار کونرڈ کے کئی مطالبات پر نرم رویہ اختیار کر لیا اور سفیر کو مثبت جواب کے ساتھ رخصت کیا۔ ❸

❶ النوادر السلطانیہ: 307 ❷ النوادر السلطانیہ: 307 ❸ النوادر السلطانیہ: 308

اگر یہ بات چیت جاری رہتی تو شاید ایک دو مزید ملاقاتوں میں کونرڈ سے معاہدہ طے ہو جاتا، اس طرح اگرچہ سلطان کو بعض اہم مفادات سے ہاتھ دھونا پڑتے مگر فرنگیوں کی طاقت اس طرح بکھر جاتی کہ وہ صلیبی جنگ جاری رکھنے کے قابل نہ رہتے۔

رچرڈ کونرڈ کی تاج پوشی پر آمادہ: ادھر رچرڈ سلطان اور کونرڈ کے بڑھتے ہوئے تعلقات کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اس نے کونرڈ کے شر سے بچ کر فرنگیوں کو ایک جگہ جمع کرنے کے لیے ایک انوکھی منصوبہ بندی کرلی۔

ہم یہ دیکھ کر حیران ہوتے ہیں کہ یہ منصوبہ بندی کتنی کامیاب رہی کہ دیکھتے ہی دیکھتے فرنگیوں میں دھڑے بندی کی بنیاد ختم ہوگئی اور چند دنوں کے اندر اندر ان کا بکھرا ہوا شیرازہ مجتمع ہوگیا۔ اس منصوبے کی تفاصیل سامنے آنے پر یقیناً ہر شخص اسے ایک گھناؤنی سازش کہے گا مگر عیار رچرڈ کو اس پر کوئی شرمندگی نہیں تھی۔ وہ فلسطین میں زیادہ دنوں تک نہیں رک سکتا تھا اور ہر قیمت پر اپنا مقصد پورا کرکے جلد از جلد انگلستان واپس جانا چاہتا تھا۔[1]

انگلستان جلد واپسی اس لیے ضروری تھی کہ ان دنوں اسے وہاں سے بڑی تشویش ناک خبریں موصول ہونے لگی تھیں، اس کے بھائی ارل جان نے شاہی خزانے کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا اور اب تخت شاہی پر قبضے کی تگ و دو کر رہا تھا۔ رعایا اس کی ستم رانیوں سے بلبلا رہی تھی۔ ان حالات میں رچرڈ کو واپس جانا ہی تھا مگر وہ القدس کی مہم کو ادھورا چھوڑ کر چلا جاتا تو رعایا اس کا خوب مذاق اڑاتی۔

آخر کار صلیبیوں کی سیاسی دھڑے بندی کا خاتمہ کرنے لیے رچرڈ نے جنگ کے تمام اتحادیوں کی مشترکہ مجلس طلب کی تاکہ ان کو کسی ایک مقامی قائد پر متفق کیا جائے۔ اتفاق رائے کا ایک فائدہ یہ ہوتا کہ رچرڈ کے واپس جانے کے بعد بھی مستقبل کا یروشلم محفوظ ہاتھوں میں رہتا۔ اس مشاورت میں صلیبیوں کی قیادت کے دونوں امیدوار گائی اور کونرڈ موجود تھے۔ صلیبی جنگ کے آغاز سے اب تک ان دونوں میں اقتدار کی کشاکشی برقرار تھی۔ دونوں ہی خود کو یروشلم کا آئندہ حکمران دیکھنا چاہتے تھے۔ دونوں کے حامیوں کی تعداد اچھی خاصی تھی گویا پلہ برابر تھا، تاہم اس مجلس میں ارکان کی اکثریت نے کونرڈ کے حق میں رائے کا اظہار کیا کیوں کہ اس کی ہوشیاری اور تجربہ کاری مسلّم تھی جبکہ گائی کو سب سیدھا سادا تصور کرتے تھے۔ اگرچہ رچرڈ گائی کو پسند کرتا تھا اور کونرڈ اس کے نزدیک شیطان کا دوسرا روپ تھا مگر خلاف توقع اس نے گائی کو ہٹا کر کونرڈ کو یروشلم کا آئندہ بادشاہ اور اپنے بعد صلیبیوں کا قائد قرار دے دیا جبکہ گائی کا دل رکھنے کے لیے جزیرہ قبرص اس کے نام کر دیا۔[2]

---

[1] صلیبی جنگیں: 252، 253۔ صلاح الدین۔ لین پول: 320

[2] صلیبی جنگیں: 262، 253۔ صلاح الدین۔ لین پول: 330

کسی نے اس فیصلے پر احتجاج نہیں کیا۔اس دن کونرڈ سب سے زیادہ خوش تھا کیوں کہ اس کی دلی مراد برآئی تھی۔اس کا حریف گائی چاروں شانے چت ہو چکا تھا جبکہ اس کا دوسرا مدمقابل رچرڈ خود اس کی مرکزی حیثیت تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا تھا......مگر یہ رچرڈ کے ڈرامے کا پہلا منظر تھا......دوسرا منظر ابھی باقی تھا......اسے دیکھ کر ہی فیصلہ کیا جا سکتا تھا کہ کامیاب کون رہا،کونرڈ یا رچرڈ؟ ہم دیکھتے ہیں کہ کونرڈ کو یہ خوشی چند دن بھی راس نہ آسکی......اس کی تاج پوشی کے جشن کی تیاریاں بڑی دھوم دھام سے ہو رہی تھیں کہ دست قضا اس کے گریبان تک آن پہنچا۔

کونرڈ کا انجام: 13 ربیع الثانی (27 اپریل) کو وہ صور کے بڑے پادری کی جانب سے دی ایک پرتکلف ضیافت میں شریک ہوا۔اس محفل میں شریک دو شخص کونرڈ کو بغور دیکھ رہے تھے،وہ راہبوں کے مخصوص چغوں میں ملبوس تھے،ان پر کوئی شک نہیں کر سکتا تھا۔دونوں چھ ماہ قبل حاکم صیدا اور حاکم رملہ،ابن بارزان کے مصاحبین میں شامل ہوئے تھے۔پھر ان کے ذریعے انہیں کونرڈ کے قریب آنے کا موقع مل گیا۔کونرڈ ان دونوں سے خاصا مانوس ہو چکا تھا اور انہیں خدا رسیدہ بزرگ تصور کرتا تھا۔

اس دن کونرڈ خوب ڈٹ کر کھانے پینے اور شراب کے جام لنڈھانے کے بعد محفل سے نکلا تو وہ دونوں راہب اچانک اس پر ٹوٹ پڑے۔کونرڈ ہلکا پھلکا چھریرے بدن کا تھا،سنبھل نہ سکا۔تیز دھار خنجروں نے اس کے جسم کو چیر پھاڑ دیا۔

حملہ آوروں میں سے ایک موقع پر پکڑا گیا جبکہ دوسرا بھاگ گیا۔

کونرڈ شدید زخمی تھا۔اس نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا:

"مجھے گرجے میں لے چلو۔"

اس کے خدام اسے اٹھا کر گرجے میں لے گئے۔انہیں معلوم نہ تھا کہ وہاں موت اس کے انتظار میں ہے۔فرار ہونے والا حملہ آور اسی گرجے میں چھپا ہوا تھا۔جب اس نے دیکھا کہ اس کا شکار ابھی تک زندہ ہے تو وہ اپنی پناہ گاہ سے نکل آیا اور جان پر کھیل کر ایک بار پھر زخمی کونرڈ پر حملہ کر دیا۔اس بار زخم کاری لگے اور کونرڈ نے وہیں دم توڑ دیا۔یہ دوسرا راہب بھی پکڑا گیا۔نصرانیوں نے حملہ آوروں کو تفتیش کے مرحلے سے گزارا تو معلوم ہوا وہ حسن بن صباح کی خفیہ جماعت کے فدائی کارکن ہیں اور موجودہ شیخ الجبال سنان کے لیے کام کرتے ہیں۔انہوں نے بتایا کہ شاہ رچرڈ نے شیخ الجبال سے ان کی خدمات بھاری اجرت پر حاصل کی تھیں۔حملہ آوروں کو کچھ مدت تک ایک قلعے میں قید رکھا گیا اور بعد میں پھانسی دے دی گئی۔ ❶

❶ الروضتین:4/296،299، الکامل:10/213

اس واردات کے بعد فرنگیوں کے ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر تھا کہ رچرڈ نے کونرڈ سے اپنی دشمنی نکالنے کے لیے اسے مروایا ہے۔ جہاں تک سلطان کا تعلق ہے، ان کے بارے میں دشمن بھی شبہ نہیں کرسکتا کہ یہ حرکت انہوں نے کروائی ہوگی کیوں کہ اس قتل کا سب سے زیادہ نقصان سلطان ہی کو ہوا تھا جن کا کونرڈ سے معاہدہ ہونے والا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عماد اصفہانی کہتے ہیں:

''اگرچہ کونرڈ گمراہی کے شیطانوں میں سے ایک تھا مگر ہمیں ان حالات میں اس کی موت پر کوئی خوشی نہیں ہوئی کیونکہ وہ انگریز بادشاہ کا دشمن اور تاج وتخت میں اس کا مقابل تھا۔''[1]

مگر تعجب ہے کہ ابن اثیر جیسے نامور مورخ نے یہ قتل سلطان ایوبی کے ذمے لگا دیا ہے۔ حالانکہ دلائل وواقعات اور شواہد سب اس خیال کی نفی کرتے ہیں۔ خود مغربی مورخین کی اکثریت تسلیم کرتی ہے کہ یہ رچرڈ کا کارنامہ تھا۔ آثار وشواہد اور قرائن کے علاوہ خود قاتلوں کا اقبالی بیان اس کا ثبوت تھا۔[2] بالفرض اگر وہ یہ اقرار نہ کرتے تب بھی سب کو نظر آرہا تھا کہ کونرڈ کی موت کا سب سے زیادہ فائدہ کسے ہوا ہے؟ ظاہر ہے رچرڈ کو۔ جو اپنے تمام مقاصد اب آسانی سے حاصل کرسکتا تھا۔ وہ چاہتا تو ساحل شام کی تمام پٹی پر خود قابض رہتا اور چاہتا تو اپنے من پسند فرد کو اس کا حاکم بنادیتا۔

بہرکیف چونکہ رچرڈ کا یہ اقدام صلیبیوں کے اتحاد کی خاطر تھا، اس لیے اس کی قوم نے اسے آسانی سے ہضم کرلیا اور رچرڈ بدستور صلیبیوں کا مقبول اور معزز قائد رہا۔ کسی نے اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائی۔ بکھرے ہوئے نصرانیوں کے لیے یہ بات اہم اور پرکشش تھی کہ کونرڈ مارکوئیس کی موت کے ساتھ ہی ان کے برسوں پرانے سیاسی تنازعے دم توڑ گئے تھے۔ کونرڈ ہی وہ شخص تھا جس نے آکر انہیں تقسیم کردیا تھا۔ اس کی موت کے بعد وہ فوراً ایک ایسے نواب کی قیادت پر متفق ہوگئے جو رچرڈ کے علاوہ فرانسیسیوں کے لیے بھی یکساں طور پر قابل قبول تھا۔

<u>نیا تاجدار یروشلم</u>: یہ نواب ہنری اوف شمپین تھا۔ انگریز اسے کاؤنٹ ہنری اور عرب 'کندھری' کہتے تھے۔ وہ ایک خوش اخلاق انسان تھا۔ اس کے حسب نسب پر یورپی نواب رشک کرتے تھے کیوں کہ وہ شاہ فرانس فلپ آگسٹس اور شاہ برطانیہ رچرڈ دونوں کا بھانجا تھا۔ اس کی والدہ فلپ کی باپ شریک اور رچرڈ کی ماں شریک بہن تھی۔ صلیبیوں کے تمام گروہوں سے اس کے اچھے تعلقات تھے۔ کونرڈ کی موت کے بعد صور میں یروشلم کے نئے مجوزہ بادشاہ کے تقرر کے لیے ایک اجتماع منعقد ہوا۔ <u>اس میں سب کے اتفاق کے ساتھ ہنری کو تاج شاہی پہنادیا گیا۔</u> ساتھ ہی اسے ترغیب دی گئی کہ وہ کونرڈ

[1] الروضتین: 299/4
[2] النوادر السلطانیہ: 310

کی بیوہ شہزادی ازابیل سے شادی کرلے چنانچہ ایسٹر کے تہوار کے بعد اس نے ازابیل سے شادی کرکے سہاگ رات منائی۔ [1] تمام صلیبی گروہ اب نوجوان ہنری کاؤنٹ اوف شمپئن کے جھنڈے تلے جمع تھے جو کہ اپنے قائد رچرڈ کے اشاروں پر چلنا سعادت سمجھتا تھا۔

آمد بہار اور جنگ کی تیاریاں ❀ موسم سرما بیت چکا تھا اور بہار کی خوش گوار ہوائیں، آہستہ آہستہ حرارت آلود ہوتی جا رہی تھیں۔ شام کے برف پوش پہاڑوں سے برف پگھل کر ان درجنوں چھوٹے بڑے دریاؤں کو تازہ اور ٹھنڈا پانی فراہم کر رہی تھی جو خاموشی سے بحیرۂ روم کی طرف رواں دواں تھے۔ وادیوں میں کیچڑ کب کا خشک ہو چکا تھا۔ اب ان میں ہر طرف سبزہ ہی سبزہ لہلہا رہا تھا۔ شاہراہیں صاف تھیں اور راستے ایک بار پھر قافلوں سے آباد تھے۔ چند ماہ کے تعطل کے بعد اب موسم دوبارہ جنگ کے لیے سازگار تھا۔ اس جنگ کا نقطۂ عروج آنے کو تھا جسے لڑتے ہوئے پانچواں سال شروع ہو چکا تھا اور جس نے دو قوموں کے عزم اور حوصلے کو بڑی سخت کسوٹی پر جانچا تھا۔

اس موسم گرما میں فیصلہ کن جنگ متوقع تھی۔ اگرچہ رچرڈ جنگ کا حتمی فیصلہ کرنے اور القدس کی طرف دوبارہ یلغار میں متذبذب ہو گیا تھا مگر اس کے ذاتی پادری ولیم آف پوشو نے اس کے جذبات کو مہمیز دی اور کہا:

"آپ قبرص کو فتح کر چکے ہیں، عکا پر قابض ہو چکے ہیں..... ہر موقع پر خدا کی نصرت سے فتح یاب ہوتے آئے ہیں، اب اگر آپ مقدس سرزمین کو فتح کیے بغیر لوٹ گئے تو یہ اپنی قوم سے غداری ہوگی۔"

پادری کی باتوں نے رچرڈ کو ایک نیا ولولہ دیا اور اس نے عسقلان میں منادی کرادی کہ تمام سپاہی بروشلم پر حملے کے لیے تیار ہو جائیں۔ بلاشبہ رچرڈ کو اس سے بہتر موقع دوبارہ نہیں مل سکتا تھا۔ صلیبی پہلی بار اس طرح ایک پرچم تلے متحد ہوئے تھے۔ رچرڈ کی ہوشیاری اور ہنری اوف شمپئن کی ہر دلعزیزی نے انہیں اکٹھا کر دیا تھا۔ جھگڑے کھڑے کرنے والا کونرڈ پیوند خاک ہو چکا تھا۔ رچرڈ اس موقع سے پورا فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ وہ یافا کو بہترین انداز میں دوبارہ تعمیر کرا چکا تھا اور عسقلان کی تعمیر کا کام جاری تھا۔ اب القدس پر حملہ کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی تھی۔ [2]

قیصر روم کا ایلچی ❀- یکم جمادی الاولیٰ 588ھ (15 مئی 1192ء) کو قیصر روم کا ایلچی سلطان کے پاس بیت القدس پہنچا۔ قیصر روم نے سلطان صلاح الدین سے مطالبہ کیا تھا کہ صلیب الصلبوت اسے دے

[1] الکامل: 4/299، ص:10/214، صلیبی جنگیں: 254
[2] صلیبی جنگیں: 258، 259، 260

دی جائے اور چرچ سینٹ جان سمیت القدس کے تمام گرجوں میں اس کی طرف سے نامزد پادری تعینات کردیے جائیں۔ قیصر نے وعدہ کیا تھا کہ اس کے بدلے وہ صلیبیوں سے جزیرۂ قبرص چھڑوا کر سلطان کو دینے میں تعاون کرے گا اور سلطان کے ہر دشمن کو اپنا دشمن تصور کرے گا۔ مگر سلطان نے قیصر کی پیش کش قبول کرنے سے انکار کردیا اور کسی بھی قیمت پر صلیب دنیائے عیسائیت کو واپس کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اس سے قبل گرجستان کے عیسائی حکمران نے اس کے عوض دو لاکھ دینار کی خطیر رقم دینے کی پیش کش کی تھی مگر سلطان نے اسے بھی انکار میں جواب دیا تھا۔ [1]

سیف الدین مشطوب کی رہائی ❁ اسی دن یعنی جمعرات یکم جمادی الاولیٰ کو مسلمانوں کو ایک غیر معمولی خوشی نصیب ہوئی۔ سلطان کا مایہ ناز امیر سیف الدین مشطوب فرنگیوں کی قید سے رہائی پا کر بیت المقدس پہنچ گیا۔ سلطان اپنے بھائی الملک العادل سے محو گفتگو تھے کہ سیف الدین مشطوب اچانک حاضر خدمت ہوا۔ سلطان اسے دیکھ کر بے حد مسرور ہوئے۔ وہ عکا کے اس مرد مجاہد کے استقبال کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے جس نے تیسری صلیبی جنگ میں شجاعت کی ایک نئی داستان رقم کی تھی۔ [2]

اگرچہ کئی ماہ تک مردانہ وار لڑنے کے بعد مشطوب نے مجبور ہو کر سلطان سے اجازت لیے بغیر عکا دشمن کے حوالے کردیا تھا اور اس کا یہ اقدام سلطان کی ناراضی کا باعث بھی بنا تھا مگر حقیقت یہ تھی کہ مشطوب کے پاس اہل عکا کی جانوں کو بچانے کا اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا تھا۔ اس لیے اس کی وفاداری، بہادری اور غیرت پر کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ عکا پر قبضہ کرنے کے بعد فرنگیوں نے بدعہدی کر کے مشطوب اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرلیا تھا۔ بعد میں رچرڈ نے اکثر قیدیوں کو شہید کر ڈالا تھا جبکہ مشطوب اور اس جیسے چند بڑے امراء کو بھاری زر فدیہ کی امید پر زندہ رکھا گیا تھا۔ مشطوب کی رہائی کے لیے انہوں نے پچاس ہزار دینار طلب کیے تھے مگر سلطان اس معاملے کو خاص اہمیت دینے کے باوجود اتنی بڑی رقم ادا کرنے کا جلد انتظام نہیں کرسکے۔ اب نو ماہ بعد سلطان نے تیس ہزار دینار یکمشت دے کر اور بقیہ رقم بعد میں ادا کرنے کا وعدہ کر کے اسے رہا کروایا تھا۔

آج اس کی آمد پر سلطان نے اسے گلے سے لگا کر اس کی حوصلہ افزائی کی اور تخلیے میں کچھ دیر اس سے گفت و شنید کی۔ سلطان اس سے عکا کے معرکے کی ان کہی داستان سنتے رہے۔ فرنگیوں اور عکا کے قیدیوں کے حالات پوچھتے رہے۔ رچرڈ کے بارے میں پوچھا تو مشطوب نے بتایا کہ وہ صلح کے معاملے میں ابہام سے کام لے رہا ہے۔ بعد میں سلطان نے عمر رسیدہ مشطوب کی خدمات کے اعتراف میں

[1] النوادر السلطانیہ: 311 [2] النوادر السلطانیہ: 308، 309

نابلس اور نواحی جاگیریں اس کے نام کر دیں۔

سلطان کے لیے ایک نئی پریشانی اور اس کا حل ❀ اسی دن سلطان نے اپنے بیٹے الملک الافضل کو فوج کے ایک حصے کے ساتھ دریائے فرات کے پار الجزیرہ کی طرف روانہ کر دیا۔ سلطان اس علاقے کے بارے میں غیر معمولی طور پر متفکر تھے کیوں کہ وہاں تقی الدین عمر کے بیٹے الملک المنصور کے مرکز گریز رجحانات بڑھتے جا رہے تھے، اس نوجوان نے اپنے نامور باپ کی وفات کے بعد الجزیرہ میں اس کی وسیع جاگیر کا انتظام سنبھال لیا تھا اور سلطان کو عرضداشت بھیجی تھی کہ قانونی طور پر یہ علاقے اس کی تحویل میں قرار دے دیے جائیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے باپ کی اس جاگیر کا بھی طلب گار تھا جو شام میں حماۃ اور اس کے اردگرد تھی۔ سلطان نے اس کی کم عمری کے پیش نظر یہ درخواست نامنظور کر دی تھی، اس پر یہ نابجہ لڑکا خود مختاری کا دعویٰ کرنے کے لیے پر تولنے لگا تھا، یہ خبریں سلطان تک بھی پہنچ گئی تھیں، تب ہی انہوں نے الملک المنصور کے خلاف سخت کارروائی کا فیصلہ کیا۔ اس کارروائی کے لیے الملک الافضل مشرق کی طرف روانہ ہوا تھا تاکہ وہ تقی الدین عمر کی جاگیروں کو اپنی تحویل میں لے لے۔ ساتھ ہی سلطان نے موصل، سنجار، دیار بکر اور الجزیرہ کے حکام کو تاکیدی احکام روانہ کر دیے تھے کہ وہ المنصور سے یہ علاقے بازیاب کرانے کے لیے اپنی فوجیں الافضل کے ساتھ کر دیں۔ ●

سلطان کے اس سخت رویے کے باعث خطرہ تھا کہ الملک المنصور بغاوت پر آمادہ ہو کر ایوبی سلطنت کے کالفین سے نہ مل جائے۔ شاید سلطان نے اس پہلو پر زیادہ غور نہیں کیا تھا مگر جہاں دیدہ الملک العادل ایسے سخت اقدامات کے عواقب کو خوب جانتا تھا۔ اس نے دیگر امراء کے ساتھ مل کر بار بار سلطان سے سفارش کی کہ وہ الملک المنصور کے معاملے میں نرمی اور درگزر سے کام لیں مگر سلطان پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ بزور قوت المنصور کا قضیہ نمٹانے پر مصر رہے۔

ادھر جوشیلے منصور کو کچھ ہی دنوں بعد اندازہ ہو گیا تھا کہ شاہی افواج کا مقابلہ اس کے بس کی بات نہیں، چنانچہ اس نے الملک العادل کو خط لکھ کر اپنی پریشانی کا اظہار کیا اور درخواست کی کہ وہ کسی طرح سلطان سے اس کے معاملات کو سلجھا دے۔ الملک العادل بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ المنصور کے خلاف فوج کشی سے مسلم افواج کا دو حصوں میں تقسیم ہو جانا، صلیبیوں کے حوصلے بلند کر دے گا، چنانچہ اس نے ایک بار پھر سلطان سے ملاقات کی اور معاملات کو افہام و تفہیم سے حل کرنے کی سفارش کی۔

● الروضتین: 4/200
کتاب میں اصفہانی نے قاضی ابن شداد کے برخلاف سیف الدین مشطوب کی آمد کی تاریخ کم ربیع الاول بتائی ہے۔
● الکامل: 10/218، ایوبی سلاطین: 300

سلطان نے سوچ بچار کے بعد یہ معاملہ امراء کی مجلس کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا اور قاضی ابن شداد کو تاکید کی کہ وہ امرائے دولت کو الملک العادل کے پاس جمع کر لیں اور سب اس مسئلے پر غور کر کے اپنی مشترکہ رائے سے انہیں آگاہ کر دیں۔ اب امراء الملک العادل کے پاس جمع ہوئے، قاضی صاحب نے انہیں بتایا کہ سلطان، المنصور کے قضیے کے بارے میں آپ کی رائے جاننا چاہتے ہیں۔ تب بھاری بھرکم امیر ابوالہیجاء السمین کھڑا ہوا، وہ سرد وگرم چشیدہ اور بڑا معتدل مزاج انسان تھا۔ اس نے سب امراء کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا:

''ہم سب سلطان کے غلام اور خدام ہیں...... سلطان کا حکم سر آنکھوں پر...... مگر یہ معاملہ ایک بچے کا ہے جسے سلطان کے عتاب کا خوف دشمنوں سے مل جانے پر مجبور کر سکتا ہے۔ ہم ایک ہی وقت میں مسلمانوں اور کافروں دونوں سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اگر سلطان چاہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں سے جنگ شروع کر دیں تو ہمیں کفار سے صلح کرنی ہوگی۔ تب ہم مشرق کا رخ کریں گے اور سلطان کے حکم کے مطابق لڑیں گے لیکن اگر سلطان ہمیں میدانِ جہاد میں ثابت قدم دیکھنے کے خواہش مند ہیں تو انہیں مسلمانوں سے صلح کر لینی چاہیے اور ان کے معاملات میں درگزر سے کام لینا چاہیے۔''

قاضی ابن شداد نے امرائے دولت کا یہ موقف سلطان تک پہنچایا تو انہوں نے ان باتوں کا وزن محسوس کر لیا۔ انہیں یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگی کہ الملک المنصور کو معاف کر دینا بہتر ہے۔ اس کے بعد سلطان اور الملک العادل کے درمیان اس معاملے کی تفاصیل طے کرنے کے لیے بات چیت چلتی رہی۔ فیصلہ یہ ہوا کہ منصور کو مرحوم تقی الدین کی شام والی جاگیر کا متولی بنا دیا جائے گا جبکہ الجزیرہ اور اس کے نواح کی جاگیریں الملک العادل نے اپنے نام کروانے کی تجویز منظور کرا لی۔ [1]

افواج کی طلبی اور امدادی دستوں کی آمد: اس دوران ساحل شام کے حالات تیزی سے تبدیل ہو گئے تھے۔ صلیبی پوری طرح آمادۂ پیکار تھے جبکہ رخصت پر جانے والی اسلامی افواج ابھی تک سلطان کے پاس واپس نہیں آئی تھیں۔ اس کے علاوہ کچھ فوج کے الملک الافضل کے ساتھ مشرق کی طرف چلے جانے سے سلطان کی زیرِ قیادت فوج مزید کم ہو گئی تھی چنانچہ سلطان نے حالات کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے مختلف شہروں کی طرف ہرکارے دوڑا دیے تھے اور افواج کو جلد از جلد واپس طلب کیا تھا۔ حکم سلطانی پر سب سے پہلے لبیک کہنے والا بدرالدین دلدرم تھا جو ترکمان مجاہدین کی ایک

[1] النوادر السلطانیہ: 312

بھاری نفری کے ساتھ بیت المقدس پہنچا۔ اس کے بعد 7 جمادی الاولیٰ (21 مئی) کو عزالدین ابن مقدم اپنے جانبازوں اور جدید آلات جنگ کی کھیپ کے ساتھ حاضر ہو گیا۔ [1]

ادھر 8 جمادی الاولیٰ (22 مئی) کو الملک العادل منصور اور اس کی جاگیر سے متعلقہ فیصلوں کو نافذ کرنے کے لیے مشرق کی طرف روانہ ہو گیا۔ سلطان نے اسے تاکید کی تھی کہ وہ الملک الافضل کو جو منصور کے خلاف کارروائی کے لیے گیا تھا راستے سے واپس کر دے۔ الملک العادل کو اس مہم کی تکمیل میں ڈیڑھ ماہ لگ گئے۔ جب وہ حلب پہنچا تو الافضل ابھی وہیں ٹھہرا ہوا تھا، العادل نے حکم سلطانی کے مطابق اسے نئے فیصلوں سے آگاہ کر کے واپس بھیج دیا اور خود دریائے فرات عبور کر کے الجزیرہ کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ [2]

[1] النوادر السلطانیہ، ص:314

[2] الکامل: 10/216؛ النوادر السلطانیہ، ص:312

فصل:5

معرکۂ بیت المقدس

سرما کی سالانہ تعطیلات پر جانے والے تمام مسلمان سپاہی مئی کے اواخر تک بھی نہیں لوٹے تھے۔ رچرڈ جو صلیبیوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کر چکا تھا، ان تمام حالات سے واقف تھا، وہ اپنی افوج کو لے کر ساحلی میدانوں میں نکل آیا اور القدس کی طرف نظریں جما دیں۔ اس نے اپنے مکروہ چہرے سے شرافت اور مروت کا نقاب نوچنے میں دیر نہیں لگائی۔ الملک العادل کی مشرق روانگی کے اگلے ہی دن اس نے عسقلان کے جنوب کی طرف بڑھ کر 'داروم' پر دھاوا بول دیا۔ مصر جانے والی شاہراہ پر غزہ سے آگے ساحل سے تین میل ہٹ کر واقع یہ قلعہ بند بستی سلطان کے امیر علم الدین قیصر کی تولیت میں تھی جس کے افسران یہاں تعینات تھے۔ رچرڈ نے 9 جمادی الاولیٰ 588ھ (23 مئی 1192ء) کی تپتی دوپہر میں اس قلعے کو جا گھیرا۔ قلعے میں موجود لوگوں نے رچرڈ سے چند دن کی مہلت طلب کی تاکہ وہ سلطان سے مراسلت کر کے ہتھیار ڈالنے کی اجازت لے سکیں مگر بزدل رچرڈ کے سر پر خون سوار تھا۔ وہ عکا سے فصیل توڑنے کے ماہرین ساتھ لایا تھا جنہوں نے جلد ہی دیواروں میں شگاف ڈال دیے۔ صلیبی بھوکے درندوں کی طرح اندر گھس گئے اور ان گنت مرد و زن کو بے محابا تہ تیغ کر ڈالا۔ بچے کچے لوگ گرفتار کر لئے گئے جبکہ قلعے اور بستی کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ ❶

14 جمادی الاولیٰ (28 مئی) کو صلیبیوں نے جبل خلیل کے قریب حسی کے مقام پر خیموں کا شہر آباد کر لیا۔ ان کی ایک مختصر فوج قلعہ 'مجدل یابا' پر حملہ آور ہوگئی۔ یہاں موجود مٹھی بھر محافظوں نے قلعے سے باہر نکل کر بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا اور ان کے ایک نامی گرامی کاؤنٹ کو مار گرایا۔ فرنگی اس نقصان کے بعد پسپا ہو گئے۔ مسلمانوں کا ایک سپاہی شہید ہوا۔ وہ اپنا گرا ہوا نیزہ اٹھانے کے لئے گھوڑے سے اترا تھا تو فرنگی اس پر جھپٹ پڑے تھے، مجاہد نے گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے نکلنے کی کوشش کی مگر گھوڑا اڑ

❶ النوادر السلطانیہ: ص313؛ کتاب الروضتین: 300/4

گیا، اتنے میں فرنگی اس تک پہنچ گئے اور اسے شہید کر ڈالا۔ ❶

مئی میں پڑاؤ ڈالنے والا صلیبی لشکر کئی دنوں تک مختلف حصوں میں بٹ کر عسقلان اور بیت جبرین کی شاہراہوں پر واقع مسلمانوں کے قلعوں اور بستیوں پر حملے کرتا رہا۔ یہی نہیں بلکہ شمالی ساحل کے صلیبی بھی اردگرد کے علاقوں پر تاخت وتاراج کرنے لگے تھے۔ 16 جمادی الاولیٰ (30 مئی) کو عکا کے قریب تعینات حسام الدین کی جانب سے اطلاع ملی کہ صور اور عکا کے ڈیڑھ سو گھڑسواروں نے ایک بستی پر حملہ کیا مگر چوکیوں کے مسلمان سپاہی بروقت مدد کو پہنچ گئے اور ان کے پندرہ آدمی مار گرائے۔ اس طرح یہ حملہ ناکام بنادیا گیا۔ سلطان کی طبیعت ان دنوں خاصی ناساز تھی اس لئے وہ القدس سے باہر نہیں نکل سکتے تھے تاہم انہوں نے ابوالہیجاء السمین اور ابن مقدم کو صلیبیوں کے خلاف جوابی کارروائی کے لئے روانہ کردیا۔ صلیبیوں کو جوں ہی القدس سے اسلامی لشکر کی باقاعدہ یلغار کی اطلاع ملی وہ الٹے پاؤں پسپا ہوگئے اور عسقلان پہنچ کر دم لیا۔ تاہم ان کی یہ واپسی عارضی تھی۔ رچرڈ فلسطین کو آگ کا لبادہ پہنانے کا تہیہ کیے ہوئے تھا۔ ❷

<u>رچرڈ کی القدس کی طرف یلغار</u> ❀ عسقلان میں مزید افواج جمع کرنے کے بعد رچرڈ ہفتہ 23 جمادی الاولیٰ (6 جون 1192ء) کو پیادوں اور گھڑسواروں کے ایک لشکر جرار کے ساتھ باہر نکلا اور تل صافیہ پر خیمہ زن ہوگیا۔ فرنگی سوار اردگرد کے علاقوں میں گشت کرنے لگے۔ جو مسلمان ان کے ہاتھ لگتا مارا جاتا یا گرفتار ہوجاتا۔ چھاپہ مار عرب بدوؤں کا ایک گروہ جو یافا میں کارروائی کے لئے جارہا تھا ایک شب بے خبری کے عالم میں ان کے سامنے آگیا۔ ان میں سے چھ کے سوا باقی سب پکڑے گئے۔ 26 جمادی الاولیٰ (9 جون) کو فرنگیوں نے آگے بڑھ کر جبل لطرون پر کیمپ لگالیا اور القدس کی دیواروں کو توڑنے کے لئے بھاری بھرکم فصیل شکن مشینیں یہاں پہنچاتے رہے۔ اگلے دن لشکرِ صلیب ایک منزل مزید طے کرکے بیت نوبہ تک پہنچ گیا۔ اب بیت المقدس صرف ایک دن کی مسافت پر تھا۔

حالات بہت پرخطر ہوگئے تھے۔ صلیبیوں سے القدس کی دیواروں تلے گھمسان کا رن پڑنے والا تھا۔ اگرچہ سلطان نے مقدس شہر کی حفاظت کی ہرممکن تیاری کرلی تھی مگر اس کے باوجود انہیں اطمینان نہیں تھا۔ وہ دشمن کے حوصلے پست کرنے کی نت نئی تدابیر پر مسلسل غور کررہے تھے۔ انہوں نے امراء کی مشاورت طلب کرکے اس بارے میں تفصیل سے بات چیت کی۔ بیت المقدس کے تین اطراف میں گہری چٹیل وادیاں تھیں، صرف شمالی جانب تھوڑی سی ہموار تھی۔ شہر پناہ اتنی بڑی تھی کہ کوئی ایک فوج

---

❶ النوادر السلطانیہ ص 212، الکامل: 10/215 ❷ النوادر السلطانیہ: 214، 315

اس کی نگرانی نہیں کر سکتی تھی۔ سلطان نے شہر کی مختلف سمتوں کو الگ الگ امراء کے حوالے کر دیا کہ وہ اپنی اپنی افواج کے ساتھ وہاں پہرہ دیتے رہیں۔ طے یہ ہوا کہ جب دشمن وادی میں نمودار ہوگا تو سلطان کی کمان میں لشکرِ اسلام کے طوفانی دستے باہر نکل کر اس پر حملہ آور ہوں گے۔ اس دوران بقیہ امراء شہر کی حفاظت کریں گے۔ ان کی افواج کو حسبِ ضرورت میدان میں طلب کیا جاتا رہے گا۔ [1]

اس کے ساتھ ہی سلطان نے گشتی سپاہ کو جو اس وقت بدرالدین دلدرم کی قیادت میں تھیں تاکید کی کہ یافا سے دشمن کے کیمپ تک آنے والی خوراک و رسد کو جس قدر ہو سکے لوٹا جائے۔ دلدرم اس ہدایت کے مطابق یافا کے راستے میں گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ جلد ہی صلیبی سپاہیوں کی حفاظت میں آنے والے ایک بڑا تجارتی قافلہ اس کی زد میں آ گیا۔ دلدرم کے اچانک حملے سے قافلے میں افراتفری مچ گئی۔ ان کے 30 افراد مارے گئے، مال و متاع لٹ گیا، کئی صلیبی گرفتار ہوئے جنہیں 29 جمادی الاولیٰ (12 جون) کو بیت المقدس پہنچا دیا گیا۔ اس کارروائی سے صلیبیوں کو غیر معمولی تشویش لاحق ہوگئی جبکہ سلطان کی گشتی سپاہ کے حوصلے اتنے بڑھ گئے کہ انہوں نے دشمن کے پڑاؤ پر بھی اکادکا حملے شروع کر دیے۔ تاہم دشمن کے لئے یافا سے خوراک و رسد کے قافلوں کو پوری طرح نہ روکا جا سکا۔

چند دنوں بعد سلطان کے سپاہیوں نے عرب بدوؤں اور ترک رضا کاروں کے ساتھ ایک قافلے پر حملے کی تیاری کی مگر اب صلیبیوں نے قافلوں کے ساتھ سپاہیوں کی تعداد بڑھا دی تھی۔ اس قافلے کی حفاظت کے لئے بھی خاصے سپاہی موجود تھے۔ اس لئے گھات میں چھپے ہوئے مسلمان شروع میں دم سادھے رہے۔ قافلہ گزر گیا تو بدوؤں کا غول عقب سے اس پر حملہ آور ہو گیا۔ قافلے میں بھگدڑ مچ گئی مگر نصرانی سپاہیوں نے فوراً سنبھل کر مقابلہ شروع کر دیا۔ دونوں طرف کے کئی افراد کام آئے۔ قافلہ بڑی مشکل سے بچ کر نکل سکا۔ [2]

اس قسم کے واقعات کے باوجود بیت نوبہ میں خیمہ زن صلیبیوں کے جوش و خروش میں کوئی کمی نہیں آ رہی تھی۔ وہ القدس پر بھرپور حملے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ فرانسیسی فوج بھی یہاں ان سے آ ملی تھی۔ اب انہیں یروشلم کے نامزد بادشاہ ہنری اوف شمپین کا انتظار تھا جسے شامی نصرانیوں کی قیادت کرتے ہوئے یہاں پہنچنا تھا۔ تاہم اس کی آمد میں تاخیر در تاخیر ہو رہی تھی۔ خیموں کے اس شہر میں ہزاروں سپاہی لکڑیاں چننے اور شہتیر کاٹنے میں مصروف تھے تاکہ محاصرے کے لئے نئی منجنیقیں اور دبابے تیار کیے جا سکیں۔ ارل اوف ایسٹر نامی ایک سردار اور فرانسیسی سپاہی سلطان کے گشتی دستوں کے حملوں سے دفاع

[1] النوادر السلطانیہ: 315، 316، الکامل فی التاریخ: 10/194

[2] النوادر السلطانیہ: 316، 317

کے لیے ہر وقت متحرک رہتے تھے۔ ❶

مصر سے آنے والے قافلے پر رچرڈ کا حملہ: بیت المقدس کے دفاع کی فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لئے سلطان کو مزید سپاہ کی ضرورت تھی، انہوں نے کچھ دنوں پہلے مصر کے حکام کو پیغام بھجوایا تھا کہ وہ تازہ فوج تیار کر کے القدس بھیجیں۔ سلطان نے یہ بھی تاکید کی تھی کہ وہ پوری احتیاط کے ساتھ راستوں کو دیکھ بھال کر آئیں کیوں کہ دشمن شام و مصر کے راستوں کے بالکل قریب موجود ہے۔ سلطان کی یہ تاکید بجا تھی۔ شام و مصر کی شاہراہ کے قریب عسقلان صلیبیوں کے قبضے میں تھا اس لئے راستے محفوظ نہیں رہے تھے۔ القدس کے لئے عازمِ سفر مصری فوج کو تیار ہونے میں کچھ وقت لگ گیا۔ یہ کوئی بڑی فوج نہیں تھی مگر چنیدہ سپاہیوں مشتمل تھی۔ جب فوج روانہ ہونے لگی تو مصر سے شام جانے والے ایک دو تجارتی قافلے بھی اس کے ساتھ ہو گئے کیونکہ فرنگیوں کے خوف سے وہ حفاظتی فوج کے بغیر سفر نہیں کر سکتے تھے۔ یہ قافلہ آگے بلبیس کے مقام پر رکا رہا۔ وہاں کئی اور قافلے اس میں شامل ہوتے چلے گئے، اس طرح ایک بہت بڑا کاروان وجود میں آ گیا، جس میں باقاعدہ فوج کے علاوہ ہزاروں افراد شامل تھے۔ گلہ بان، زمیندار، کسان، تاجر، علماء اور شرفاء ہر طبقے کے لوگ اس میں تھے۔ کئی ہزار اونٹ تھے جو گندم، چاول، شکر اور طرح طرح کے اناج سے لدے ہوئے تھے۔ مصر کی ہر پیداوار کے ذخائر اس قافلے کے ساتھ تھے۔ ❷

یہ قافلہ ابھی راستے میں تھا کہ چند کم ظرف بدوؤں نے انعام کے لالچ میں رچرڈ کو اس کی خبر دے دی۔ انہوں نے قافلے کے مال واسباب کی جو تفاصیل بتائیں اس سے رچرڈ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس نے فوراً ایک تیز رفتار فوج ترتیب دی اور اسے اپنی قیادت میں لے کر اسی شب قافلے کی تلاش میں نکل پڑا۔ اس کے ساتھ ایک ہزار پیادے اور ایک ہزار گھڑ سوار تھے جن کا رخ جنوب کی طرف تھا۔ یہ 9 جمادی الاولیٰ 588ھ (21 جون 1192ء) کا قصہ ہے۔ پہلی شب رچرڈ 'حافیہ' کے ٹیلوں پر اور اگلے دن حافیہ میں تھا۔ یہاں اس نے بقیہ سپاہیوں کو کھنڈرات میں چھپا دیا اور خود چند سواروں اور عرب بدوؤں کو لے کر 'حسی' کے چشمے کے آس پاس پہنچ گیا اور قافلے کا منتظر رہا۔ مگر رچرڈ کی پوری احتیاط کے باوجود سلطان کے بعض جاسوسوں نے اسے صلیبی خیمہ گاہ سے روانہ ہوتے دیکھ لیا تھا چنانچہ انہوں نے اسی وقت یہ خوفناک خبر سلطان تک پہنچا دی۔ سلطان نے قافلے کو خطرے میں محسوس کر کے امیر اسلم ناصری کو برق رفتار سواروں کی ایک جماعت کے ساتھ دوڑا دیا تا کہ وہ قافلے کو شاہراہ سے ہٹا کر جنگل کے متبادل راستے پر ڈال دیں اور دشمن کی زد سے زیادہ سے زیادہ دور لے جانے کی کوشش

❶ تاریخ مکہ، ص: 200 ❷ النوادر السلطانیہ: 317

کریں۔ اسلم ناصری کے ساتھ ایک اور امیر فخر الدین بھی تھا۔ یہ لوگ وادیاں پھلانگتے مصر کی سرحد کی طرف جا رہے تھے، راستے میں وہ 'حسَی' سے بھی گزرے مگر رجرڈ کی فوج دکھائی نہ دی، حالانکہ رجرڈ بھی اسی راستے پر جا رہا تھا مگر اس نے زیادہ افراد کو 'حافیہ' کے کھنڈرات میں چھپا دیا تھا اور خود اس کے ساتھ فقط چند افراد تھے جو آسانی سے کسی کو نظر نہیں آسکتے تھے۔ ①

یہ سخت گرمی کے دن تھے۔ اسلم ناصری اور اس کے شہ سوار رکے بغیر سنسان شاہراہ پر سرپٹ گھوڑے دوڑاتے چلے گئے۔ آخر انہیں قافلہ آتا نظر آ گیا جو اب تک بالکل صحیح و سالم تھا۔ دور دور تک کسی خطرے کے آثار نہیں تھے۔ اسلم ناصری کی جان میں جان آئی۔ چونکہ اس نے راستے میں رجرڈ کو نہیں دیکھا تھا اس لئے اس نے گمان کیا کہ وہ کسی اور راستے میں بھٹک رہا ہوگا اور عام شاہراہ بالکل محفوظ ہے۔ چنانچہ اس نے قافلے کو اسی راستے پر لے چلنے کا فیصلہ کیا حالانکہ سلطان نے قافلے کو شاہراہ سے ہٹا کر جنگل اور صحرا کے طویل راستے سے گھما کر لانے کی تاکید کی تھی مگر اردگرد دشمن کا اتا پتا نہ پا کر اہل قافلہ نے بھی خود کو محفوظ سمجھا اور شاہراہ کے آرام دہ اور مختصر سفر کو ترجیح دی۔

شام کو قافلے نے خویلفہ کے چشمے پر جا کر پڑاؤ ڈال دیا۔ خدام پانی بھرنے اور جانوروں کو پلانے لگے۔ لوگ نہایت بے فکری سے ادھر ادھر بکھر کر خوش گپیوں میں معروف ہو گئے۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ اس شاہراہ پر صرف ایک منزل آگے حسَی کے چشمے پر رجرڈ خود موجود ہے اور اس کے عقب میں چند میل دور حافیہ کے ویرانے میں باقاعدہ صلیبی فوج تیار کھڑی ہے۔ اس مقام سے ذرا دور ایک پہاڑی سلسلہ شروع ہوتا تھا اور ایک پگڈنڈی پہاڑ پر چڑھتی تھی۔ اسلم ناصری کی چھٹی حس اسے بار بار خطرے کا احساس دلا رہی تھی، اس لئے اس نے قافلے کے امیر کو مشورہ دیا:

''اس علاقے میں رات کو ٹھہرنا مناسب نہیں۔ بہتر ہے کہ ہم شاہراہ سے ہٹ کر پہاڑی راستہ اختیار کریں اور سفر جاری رکھیں۔''

قافلے کے امیر کا نام فلک الدین تھا، وہ الملک العادل کا ماں شریک بھائی تھا، اس نے اسلم ناصری کے مشورے کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ اس کا خیال تھا کہ اہل قافلہ کے لئے رات کو سفر کرنا بہت دشوار ہوگا اور اگر اس دوران کوئی حملہ ہو گیا تو روک تھام ناممکن ہوگی۔ اس نے سلطان کی طرف سے تنبیہ کو بھی نظر انداز کر دیا اور اپنی صوابدید پر منادی کرا دی:

''صبح تک آرام کریں، سفر کل ہی ہوگا۔'' ②

---

① النوادر السلطانیہ: 316، 317

② النوادر السلطانیہ: 318، الکامل فی التاریخ: 10/216

اس اعلان کے بعد تو وہ لوگ بھی گھوڑے بیچ کر سو گئے جنہیں صلیبیوں کی گھات کی سن گن مل گئی تھی حالانکہ تباہی ان کے سروں پر منڈلا رہی تھی۔ صرف امیر ناصری کو خطرے کا احساس ہو چکا تھا اس لئے وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر پہاڑ کی بلندی پر چلا گیا اور وہیں ڈیرا لگا لیا۔ چوراچکے قسم کے صحرائی بدوؤں نے جو ریگستان میں بھوتوں کی طرح بھٹکتے رہتے ہیں، قافلے کو پڑاؤ ڈالتا دیکھ لیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ رچرڈ ان لوگوں کی تلاش میں ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ رچرڈ اس وقت کہاں ہے۔ وہ رات کے اندھیرے میں رچرڈ کے پاس پہنچے جو حسّی کے چشمے کے پاس ٹھہرا ہوا تھا اور اب قافلے کی آمد سے مایوس چلا تھا۔ بدوؤں نے جب اسے اطلاع دی کہ قافلہ چند میل دور خیمہ زن ہے تو اسے یقین نہ آیا۔ اس نے خبر کی تصدیق خود کرنے کا فیصلہ کیا اور اسی وقت بدوؤں کی رہنمائی میں اس سمت روانہ ہو گیا۔ سراغ رسانی کی اس مہم پر نکلتے ہوئے رچرڈ نے اور اس کے ساتھیوں نے عربوں کا بھیس بدل لیا تھا۔ ①

جب رچرڈ خویلفہ کے چشمے کے پاس پہنچا تو دیکھا واقعی وہاں ایک بہت بڑا قافلہ پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ بہت سے لوگ خیموں میں محوخواب تھے۔ بہت سے گرمی سے تنگ آ کر کھلے میدان میں سو رہے تھے۔ رچرڈ نے پڑاؤ کا ایک چکر لگا کر اس کی وسعت کا اندازہ لگایا اور اسی وقت اپنے دو ہزار سواروں کے پاس جا پہنچا۔ انہیں حملے کے لئے تیار کیا اور اپنی کمان میں لے کر دوبارہ الخویلفہ کا رخ کیا۔ صبح کاذب کے وقت صلیبی اس وادی میں داخل ہو گئے جہاں رچرڈ نے قافلے کا جائزہ لیا تھا۔ مگر صلیبی اس بات سے لاعلم تھے کہ قافلے کے امیر نے پڑاؤ ڈالتے ہوئے کیا ترتیب اختیار کی تھی۔ امیر نے شاہراہ کے قریب فوج کے خیمے لگوائے تھے جبکہ تاجروں اور عام مسافروں کو سڑک سے بہت دور میدان میں ٹھہرایا تھا۔ جب صلیبیوں نے سحر کے دھندلکے میں کارواں پر دھاوا بولا تو سب سے پہلے محافظ فوج ان کی زد میں آئی۔ اکثر سپاہی جو بے خبر سو رہے تھے، ہڑبڑا کر اٹھے اور ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ قاضی ابن شداد کے بقول:

"اس موقع پر بہادر وہی تھا جو اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ نکلا اور اپنی جان بچا لے گیا۔" ②

اگرچہ بعض سپاہیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور درجنوں حملہ آوروں کو تہہ تیغ کیا مگر ان کی اکثریت کو تلواریں اٹھانے کا موقع ملا نہ گھوڑوں پر سوار ہونے کا۔ وہ پیدل ہی اس سمت بھاگ کھڑے ہوئے جس طرف تجارتی قافلے کے خیمے تھے۔ گھڑسوار فرنگی ان کا تعاقب کرنے لگے جبکہ پیادے وہیں رک کر مال واسباب سمیٹنے لگے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہ فوج کا پڑاؤ ہے اور مال واسباب والی اصل خیمہ گاہ بہت آگے ہے۔

اس دوران پہاڑ پر موجود امیر اسلم ناصری چوکنا ہو چکا تھا لیکن وہ اتنے دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا

① النوادر السلطانیہ:318 ② النوادر السلطانیہ:318

تھا۔ جب اس نے دیکھا گھڑسوار فرنگی مفرور سپاہیوں کا تعاقب کرتے ہوئے دور چلے گئے ہیں اور صرف پیادے باقی رہ گئے ہیں تو وہ اپنے شہ سواروں کے ساتھ پہاڑ سے اتر آیا اور لوٹ مار میں لگے فرنگی پیادوں پر ایک زوردار حملہ کر کے بہتوں کو مار گرایا اور ان سے تازہ دم سواریاں چھین کر تیزی سے شاہراہ پر روانہ ہوگیا تا کہ سلطان کو اس حادثے کی اطلاع دے سکے۔ ادھر مفرور مسلمانوں کا تعاقب کرنے والے صلیبی جب آگے پہنچے تو انہیں صبح صادق کے اجالے میں تجار کے خیمے اور مال واسباب کے انبار نظر آگئے چنانچہ وہ اسی طرف دوڑ پڑے اور دیوانوں کی طرح مال غنیمت سمیٹنے لگے۔ ان کی اس مشغولیت کی وجہ سے قافلے کے اکثر لوگوں کو جان بچا کر نکل جانے کا موقع مل گیا۔ ان میں سے آدھے جنوب مشرق اور آدھے شمال مشرق کی طرف نکل گئے، ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی، بچے بھی تھے اور بوڑھے بھی۔ محافظ سپاہی بھی انہی میں شامل تھے۔ وہ لوگ زیادہ محفوظ رہے جو جنوب مشرق کے پہاڑی سلسلے کی طرف نکل گئے تھے کیونکہ قافلے میں شامل عرب بدوان کی رہنمائی کررہے تھے اور الملک العادل کے مصری سپاہی بھی اسی گروہ میں شامل تھے۔ پہاڑی سلسلے سے گزرتے ہوئے یہ لوگ سیدھا کرک پہنچ گئے جو گزشتہ تین سالوں سے مسلمانوں کا مضبوط قلعہ تھا۔ ❶

بچ جانے والے دوسرے لوگ شمال مشرق کے جنگل اور صحرا میں داخل ہوگئے تھے، یہ بے حد تکلیف اور مشقت اٹھا کر محفوظ مقامات تک پہنچ سکے۔ قافلے کے تقریباً ایک تہائی افراد جن میں اکثر غلام، خدام، شتربان اور سائیس تھے، فرنگیوں نے گرفتار کر لیے جن کی تعداد 500 سے زائد تھی۔ مقتولین میں بھی انہی کی تعداد زیادہ تھی۔ مشہور اور معزز لوگوں میں سے حاجب یوسف اور جاولی صغیر شہید ہوئے تھے۔ تاہم مسلمانوں کا جو مالی نقصان ہوا تھا اس کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ سامان رسد سے لدے ہوئے تین ہزار اونٹ اور پانچ سو گھوڑے ان کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ ❷

یہ افسوس ناک واقعہ منگل 11 جمادی الاخریٰ 588ھ (23 جون 1192ء) کی صبح پیش آیا۔ سلطان کو اسی دن عشاء کے وقت یہ اطلاع مل گئی۔ خبر لانے والا نوجوان، امیر اسلم ناصری کا ہرکارہ تھا جو فرنگی پیادوں کو مار کاٹ کر بچ نکلنے میں کامیاب ہوا تھا۔ وہ جس خچر پر سوار تھا، وہ اسی جھڑپ میں فرنگیوں سے چھینا گیا تھا۔ سلطان کو اس حادثے کا سخت صدمہ ہوا۔ دیر تک وہ رنج وغم کی کیفیت میں ڈوبے رہے۔ قاضی ابن شداد جو شب کی ہر مجلس میں سلطان کے پاس موجود رہتے تھے، انہیں تسلی دیتے رہے مگر سلطان کا رنج کم نہ ہوا۔ ❸

❶ النوادر السلطانیہ: 318، 319
❷ النوادر السلطانیہ: 318
❸ النوادر السلطانیہ: 318، الکامل لابن الاثیر: 10/216

اس سانحے کے چوتھے دن جمعہ 14 جمادی الاخریٰ 588ھ (26 جون 1192ء) کو رچرڈ اپنے فتح
مند دستے کے ساتھ شاہراہ القدس پر نمودار ہوا۔ اس کے پیچھے دور تک مال غنیمت سے لدے جانوروں کا
کارواں پھیلا ہوا تھا جسے مسلمان قیدی ہانک کر صلیبی معسکر کی طرف لا رہے تھے۔ معسکر کے صلیبیوں
نے رچرڈ کا شاندار استقبال کیا۔ اس دن بیت نوبہ کی صلیبی خیمہ گاہ میں جشن کا سا سماں تھا۔ فرنگی خوش تھے
کہ اتنی بھاری مقدار میں سامان رسد کی فراہمی سے ان کی مہینوں کی ضروریات کا انتظام ہو گیا ہے۔ اب
وہ طویل مدت تک القدس کا محاصرہ کر سکتے تھے۔[1] ...... انہیں یقین ہو گیا کہ اب ہر گام پر فتح ان کی منتظر
ہے اور یروشلم میں ظفر مندانہ داخلہ چند دنوں کی بات ہے۔ رچرڈ نے ہنری کی طرف قاصد دوڑا دیے کہ
وہ جلد از جلد صور، عکا اور طرابلس کے نصرانیوں کو لے کر محاذ پر پہنچے تا کہ القدس کو ایک صدی قبل کی سی شا
ن و شوکت کے ساتھ دوبارہ فتح کیا جا سکے۔ جشن مناتے ہوئے فرنگیوں کو اپنے آباؤ اجداد کے وہ خونی
کارنامے یاد آ رہے تھے جو انہوں نے پہلی صلیبی جنگ میں فتح یاب ہونے کے بعد مقدس سرزمین کو بے
گناہوں کے لہو سے رنگ کر تاریخ میں محفوظ کر دیے تھے۔ فرنگی ان کارناموں پر شرمانے کی بجائے
انہیں دہرانے کے لیے بے چین تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک تلوار کا صحیح استعمال یہی تھا کہ اسے فتح کے
بعد مظلوموں کے خون میں غوطے دیے بغیر نیام میں نہ رکھا جائے۔ فرنگیوں کا یہ جشن مسرت مسلمانوں
کے سینوں پر مونگ دل رہا تھا۔

مسلمان غم و غصے کے عالم میں حریف کو خوشیاں مناتے دیکھ رہے تھے۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ ان کا
قائد کتنی خاموشی سے دشمن کی خوشیوں کو ماتم میں بدلنے کے لیے، ایک بہت بڑا اقدام کرنے جا رہا ہے۔
ایک ایسا اقدام جس سے فرنگیوں کے تمام ارمانوں پر یک لخت اوس پڑ جائے گی ...... اور ایسا ہی ہوا ......
صلیبیوں کی خوشیاں اس وقت دھری کی دھری رہ گئیں جب مخبروں نے رچرڈ کو ایک ناقابل یقین خبر سنائی،
وہ کہہ رہے تھے:

"سلطان نے القدس کے اردگرد دور دور تک تمام تالاب تڑوا دیے ہیں، چشمے اور پانی کے ذخائر
زہر آلود کر دیے ہیں۔ ہر کنواں مٹی سے پاٹ دیا گیا ہے۔ وادی القدس میں اب کوئی ایسی جگہ نہیں
جہاں پانی دستیاب ہو۔"

رچرڈ سناٹے میں آ گیا۔ ناتجربہ کار لوگ اس خبر کے عواقب کو نہ سمجھ سکنے کے باعث اتنے پریشان نہ
ہوئے مگر رچرڈ کو اسی گھڑی اندازہ ہو چلا تھا کہ شاید اسے بے نیل مرام القدس سے واپس جانا پڑے۔

[1] النوادر السلطانیہ: 310، [illegible]: 364، 365

گرمی کا موسم ...... اور فوج پانی سے محروم!! اس کے پاس سلطان صلاح الدین کی جنگی چالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ خواب وخیال میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ چند گام پر نظر آنے والا 'یروشلم' اچانک اتنا دور چلا جائے گا۔ ❶

سلطان کی جنگی حکمت عملی اور امراء کا اجلاس ❀ ادھر القدس میں سلطان صلاح الدین نے ہر لحاظ سے ایک طویل محصورانہ جنگ کی حکمت عملی مکمل کر لی تھی۔ سلطان کا منصوبہ تھا کہ وہ خود القدس کی چار دیواری میں رہ کر جنگ کی قیادت کریں گے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ اگر وہ القدس میں نہ ہوئے تو وہاں کوئی بھی جم کر مزاحمت نہیں کر پائے گا مگر امراء نے اسے نامناسب قرار دیتے ہوئے کہا:

"قیادت کا دشمن کے نرغے میں آجانا پوری جنگ کو شکست میں تبدیل کر سکتا ہے جس سے سارے عالم اسلام کو بے پناہ مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

پھر انہوں نے سلطان کو اپنی وفاداریوں کا یقین دلاتے ہوئے کہا:

"القدس کے دفاع کے لئے ہم کافی ہیں۔ ہم دشمن کا بھرپور مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں، آپ کو القدس میں رہنے کی چنداں ضرورت نہیں۔"

اس بحث کے نتیجے میں فیصلہ ہوا کہ سلطان کے معتمد امراء شہر کا دفاع کریں گے جبکہ سلطان خود فوج کے ایک حصے کے ساتھ شہر کے قریب موجود رہ کر دشمن پر تند و تیز حملے کرتے رہیں گے، ان کی خوراک و رسد کی راہ مسدود کریں گے اور انہیں نرغے میں لینے کی کوشش کریں گے جیسا کہ عکا کے محاذ پر ہوا۔

اجلاس میں یہ حکمت عملی تو طے ہوگئی مگر حقیقت یہ ہے کہ اکثر امراء نے یہ رائے صرف سلطان کو مطمئن کرنے کے لئے دی تھی۔ انہوں نے اپنی دلی کیفیات اور خیالات کو چھپائے رکھا تھا۔ وہ یہ تو ضرور چاہتے تھے کہ سلطان اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالیں اور عکا کے محاذ کی طرح وہ یہاں بھی کھلے میدان میں لڑتے رہیں مگر وہ اس پر بھی بخوشی آمادہ نہیں تھے کہ سلطان کے بدلے خود القدس میں محصور ہو جائیں کیونکہ انہیں القدس کے محاذ پر عکا سے بھی زیادہ سخت محاصرے اور مصائب کا خطرہ تھا۔ کھلے لفظوں میں ان کی رائے یہ تھی کہ القدس میں نہ سلطان کو رہنا چاہئے اور نہ باقی اسلامی فوج کو۔ بلکہ سب کھلے میدان میں فرنگیوں سے لڑیں۔ ❷

مگر اس رائے کے اظہار میں سلطان کی سخت ناراضی کا اندیشہ تھا۔ سلطان کوئی ایسی بات سننا برداشت نہیں کر سکتے تھے جس سے القدس کے تحفظ کے ولولے میں کمی اور اس کی خاطر قربانی دینے میں

❶ النوادر السلطانیۃ: 320، ملیکی جنگیں: 365
❷ النوادر السلطانیۃ: 38

کوتاہی کا تاثر ابھرتا ہو۔ چنانچہ امراء خاموش رہے اور اصل بات کہنے کے لئے مناسب ذریعے یا موقعے کا انتظار کرنے لگے۔
سلطان کو امراء کے دلوں کا حال معلوم نہیں تھا مگر ان کی تجربہ کار نگاہوں اور چھٹی حس نے محسوس کر لیا تھا کہ بھرپور تائید کرنے اور قدم قدم پر مفید مشورے دینے والے امراء ان سے پوری طرح متفق نہیں ہیں۔ اس لیے سلطان نے ایک اور اجلاس منعقد کر کے امراء کا اعتماد حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کی۔
سلطان کا امراء سے تاریخی خطاب ﷺ۔ جمعرات 19 جمادی الاخریٰ 588ھ (یکم جولائی 1192ء)
کو بیت المقدس کی فصیلوں پر محافظ حسبِ معمول چوکس کھڑے تھے، باہر وادی میں مکمل سناٹا تھا، جبکہ شہر کے اندر لوگ جنگ کی تیاری کر رہے تھے۔ ان دنوں بیت المقدس کے دفاع کے لئے ایوبی سلطنت کے امراء دور دور سے اپنی جمعیتوں کے ساتھ پہنچ رہے تھے، خود سلطان کا بیٹا بھی الملک الافضل بھی اسی روز اپنی فوج کے ساتھ دمشق سے آیا تھا۔ وہ کبیدہ خاطر تھا کہ سلطان نے تقی الدین بن عمر کی الجزیرہ والی جاگیر اس کی بجائے الملک العادل کو کیوں دے دی۔ اس لئے پہلے تو وہ محاذ پر واپس آنے کی بجائے دمشق میں رک گیا تھا مگر جب اسے القدس کے قریب فرنگیوں کے اجتماع کی خبر اور سلطان کی طرف سے فی الفور محاذ پر حاضر ہونے کے تاکیدی احکام پہنچے تو وہ سرپٹ دوڑتا چلا آیا۔
اس دن سلطان نے اپنے امراء کی ایک خاص مجلس طلب کی تھی۔ مجلس میں سلطان کا خاص مصاحب ابوالہیجاء السمین بھی تھا اور کرد افسران کا رہنما سیف الدین المشطوب بھی۔ دیگر نامی گرامی ترک امراء بھی حاضر خدمت تھے، ہاں الملک العادل اب تک الجزیرہ سے نہیں لوٹا تھا۔ سلطان نے یہ مجلس اس لئے بلوائی تھی تا کہ وہ امرائے لشکر کی وفاداری اور اطاعت شعاری کے جذبات کو جانچ سکیں اور ان میں جہاد فی سبیل اللہ کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کا ولولہ تازہ کر سکیں۔ اگر اس وقت قیادت اور سپاہ کے جذبات اور احساسات میں مکمل ہم آہنگی نہ ہوتی تو یہاں بھی صور اور عکا جیسی ناکامی مقدر ہو سکتی تھی۔ سلطان کو اس بات کا اندازہ تھا کہ بعض امراء ان کی جنگی پالیسی سے اختلاف رکھتے ہیں اور ان کا اختلاف رائے اگر عملی شکل میں ظاہر ہوا تو مسلمانوں کو کسی عظیم سانحے سے دوچار کر سکتا ہے۔ اس مجلس کے ذریعے سلطان حاضرین کے شکوک و شبہات دور کر کے انہیں ایک عزم نو دینا چاہتے تھے۔ حاضرین کے ذہن کو پڑھنے میں سلطان اور قاضی بہاؤالدین یکساں تھے۔ اس لیے سلطان نے مجلس کی کارروائی کا آغاز کرتے ہوئے قاضی ابن شداد کو جہاد کی ترغیب پر کچھ کہنے کا اشارہ کیا۔ وہ کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد ایک ولولہ انگیز تقریر کی جس میں جہاد پر ابھارنے والی قرآنی آیات اور احادیث سنائیں۔ اس دوران انہوں نے کہا:

''جب نبی اکرم ﷺ کو کوئی سخت مرحلہ درپیش ہوتا تو صحابہ کرام آپ ﷺ ہاتھ پر موت کی بیعت کرتے تھے کہ دشمن سے لڑتے لڑتے شہید ہو جائیں گے۔ ہمیں بڑھ چڑھ کر اس عمل کی پیروی کرنی چاہئے۔ بہتر ہوگا کہ ہم گنبد صخرہ تلے جمع ہوں اور سلطان کے ہاتھ پر موت کی بیعت کریں، امید ہے کہ ہمارے اس نیک جذبے کی برکت سے دشمن پسپا ہو جائے گا۔''

قاضی صاحب کی بات سے مجلس میں جوش و جذبے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ امراء نے اس رائے کا خیر مقدم کیا اور سلطان کے ہاتھ پر موت کی بیعت کے لئے مکمل آمادگی ظاہر کی۔ جب ان کی ملی جلی آوازیں بند ہوئیں تو سلطان کی عقابی نگاہیں اٹھیں جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہے ہوں۔ حاضرین پر سکوت طاری ہو گیا۔ مجلس میں کچھ دیر ایسی خاموشی طاری رہی کہ ہر کسی کو اپنے دل کی دھڑکن صاف سنائی دے رہی تھی۔

سلطان کچھ دیر متفکرانہ انداز میں سوچتے رہے۔ جیسے اپنا دردِ دل بیان کرنے کے لئے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہے ہوں۔ ہاں القدس کا عاشق اپنی داستانِ عشق کے ابواب الٹنا چاہتا تھا، اپنا سوزِ جگر بیان کرنا چاہتا تھا...... مگر کیسے...... کیوں کر؟...... یہ تو ایمانی غیرت، عشق و محبت اور ایثار و قربانی کی وہ کہانی تھی جو بیس برسوں پر محیط تھی۔ قاہرہ سے دمشق اور صور سے عکا تک چپے چپے پر اس کے نقوش بکھرے ہوئے تھے اور اب القدس کی وادی میں اس داستان کا آخری باب لکھا جا رہا تھا۔ نامعلوم اس کا انجام کیا ہوگا۔ تابناک یا اندوہناک۔ یہ اللہ ہی بہتر جانتا تھا۔

سلطان کو اتنا معلوم تھا کہ ان کی زندگی اور موت القدس کے لئے ہے...... وہ عمر بھر القدس کی آزادی کے لئے سرگرداں رہے اور اب پانچ برس سے ان کی جانِ ناتواں القدس کی مدافعت کے لئے پگھلتی جا رہی تھی۔ آج موقع تھا کہ وہ اپنا سوزِ دروں اور بے تابیٔ دل اپنے ساتھیوں کے سامنے رکھ دیتے۔ اگر قلب و جگر کھول کر دکھائے جا سکتے تو سلطان اپنا سینہ شق کر کے دکھا دیتے...... شاید کسی کو اندازہ ہوتا کہ اس غم نے ان کے باطن کو کس طرح جلا اور گھلا دیا ہے۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتے تھے مگر ان کی عملیت پسند طبیعت نے ساری داستان کو چند باوقار اور نپے تلے جملوں میں سمیٹ دیا انہوں کہا:

''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور درود و سلام ہو اللہ کے رسول ﷺ پر۔ جان لو کہ آج کے دن تمہی لوگ اسلام کا لشکر اور اس کے محافظ ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ مسلمانوں کی جان و مال اور آل اولاد کی حفاظت کی ذمہ داری تمہی پر عائد ہوتی ہے۔ تمہارے سوا مسلمانوں میں کوئی نہیں جو اس دشمن کا مقابلہ کرے۔ اگر خدانخواستہ تم نے اپنی جانوں کو عزیز رکھا تو اسلامی ممالک یوں لپیٹ دیئے جائیں گے جیسے کوئی لکھی ہوئی دستاویز۔ اب یہ بات تمہارے ذمے ہے۔ تم ہی ہو جنہیں

اس کام کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور تم اس کے عوض بیت المال سے خطیر معاوضے وصول کرتے ہو۔
بس اب تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کی حفاظت کا بار گراں تمہارے کاندھوں پر ہے۔"

سلطان نے سلسلۂ کلام ختم کیا تو امیر سیف الدین مشطوب نے کھڑے ہو کر نہایت جذباتی انداز میں کہا:

"حضور! ہم آپ کے غلام اور زر خرید ہیں۔ آپ نے ہم پر انعام واکرام کیا، ہمیں بڑا رتبہ بخشا، عزت سے نوازا۔ ہماری گردنیں آپ کے لیے کٹنے کو تیار ہیں۔ اللہ کی قسم ہم مرتے دم تک آپ کی نصرت سے منہ نہیں پھیریں گے۔"

مشطوب کے بعد دیگر امراء نے بھی اسی طرح کے جذبات کا اظہار کیا جس سے سلطان ایوبی کے چہرے پر اطمینان کے آثار نظر آنے لگے۔ حسب معمول انہوں نے حاضرین مجلس کو کھلا پلا کر رخصت کیا۔ [5]

امراء کا اختلاف رائے: اس میں شک نہیں کہ مجلس میں شریک امرائے سلطنت جہاد کے ولولے میں کسی سے پیچھے نہیں تھے مگر وہ سلطان کی پالیسی سے اب بھی مطمئن نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ بیت المقدس میں محصور رہ کر لڑنا ہمیں کسی خطرناک انجام سے دوچار کر سکتا ہے۔ چنانچہ مجلس ختم ہوتے ہی وہ اپنے دل کی بات کہنے کے لئے سلطان کے سب سے معزز امیر ابوالہیجاء کے پاس جمع ہو گئے اور اپنا موقف یوں پیش کیا:

"جناب! محصور رہ کر بیت المقدس کی جنگ لڑنا خلاف مصلحت ہے۔ ڈر ہے کہ ہم بالکل نرغے میں آجائیں گے اور اہل عکا جیسے انجام سے دوچار ہوں گے۔ ایسا ہوا تو تمام اسلامی شہر ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ صلیبیوں سے کھلے میدان میں ٹکر لی جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا کی تو ہم ان سے باقی شہر بھی چھین لیں گے۔ اور خدانخواستہ اگر ہم فتح یاب نہ ہوئے تو اگرچہ بیت المقدس ہاتھ سے نکل جائے گا مگر ہم اپنے لشکر کو مکمل تباہی سے بچا سکیں گے۔ آخر یہ لشکر اس سے پہلے بھی تو اتنی طویل مدت تک عالم اسلام کی حفاظت کرتا رہا ہے جبکہ بیت المقدس ہمارے پاس نہیں تھا۔"

امرائے لشکر کو اب اس حکمت عملی سے بھی اتفاق نہ تھا کہ سلطان خود شہر سے باہر رہیں اور ان کے چند نائبین بیت المقدس میں رہ کر شہر کا دفاع کریں۔ حالانکہ یہ رائے کچھ دنوں پہلے امراء نے خود پیش کی تھی مگر اب انہوں نے ابوالہیجاء کو اپنی رائے بتاتے ہوئے کہا:

"آپ سلطان سے کہہ دیں کہ القدس میں محصور رہ کر لڑنے کے لئے ضروری ہے کہ اس صورت

[5] النوادر السلطانیہ: 320، 321، 322

میں آپ خود شہر میں ہوں، ورنہ کم از کم الملک العادل یا کوئی شہزادہ شہر میں رہ کر کمان سنبھالے۔ تب ہی ہم آپ کی قیادت میں لڑ سکیں گے ورنہ اگر آپ نے عکا کی طرح القدس میں بھی صرف امراء کو مقرر کر دیا تو انتشار پھیل جائے گا، کرد سپاہی ترک افسران کے ماتحت نہیں لڑیں گے اور نہ ہی ترک سپاہی کرد امراء کی بات مانیں گے۔"[1]

ابوالہیجاء نے امراء کی باتوں کو بڑے تحمل سے سنا اور پھر انہیں ایک مراسلے کی شکل لکھ کر کچھ دیر بعد سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہ مراسلہ پڑھ کر عاشقِ القدس کے دل پر خنجر سے چل گئے۔ سلطان کو اپنے امراء میں ذہنی ہم آہنگی کے فقدان کا بڑی شدت سے احساس ہوا۔ یہ مراسلہ صاف ظاہر کرتا تھا کہ امراء ملک اور ریاست کی بقا کو بیت المقدس کے دفاع سے زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ القدس کے مسئلے کو وہ حیثیت نہیں دے رہے تھے جو سلطان کے نزدیک تھی۔ سلطان کے نزدیک تو فنا و بقا کی ساری حدیں القدس پر آ کر ختم ہوتی تھیں مگر امراء کے ہاں القدس سے پہلے بھی بہت کچھ تھا اور بعد میں بھی۔

چونکہ فرنگیوں کے حملے کا خطرہ سر پر تھا اس لئے یہ دن بڑا ہنگامہ خیز رہا۔ القدس کی وادی سے لے کر بیت نوبہ کے صلیبی معسکر تک سلطان کے جاسوس اور گشتی سوار عقابوں کی طرح منڈلا رہے تھے اور سلطان کو پل پل کی خبریں دے رہے تھے۔ شہر کی فصیل پر عجیب گہما گہمی تھی، منجنیقیں نصب کی جا رہی تھیں، تیر اور آتشیں ہتھیار برجوں پر پہنچائے جا رہے تھے، پتھروں کے ڈھیر لا لا کر فصیل کے پاس جمع کیے جا رہے تھے مگر مجاہدین کی اس مستعدی کے باوجود سلطان کا دلی اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ ابو الہیجاء کی گفتگو کے بعد وہ نڈھال سے ہو گئے تھے۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کے امراء القدس کے بغیر جینے کا تصور کر سکتے ہیں۔ سلطان تو القدس کے دشمن کے ہاتھوں میں چلے جانے کا خیال بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے مگر امرائے لشکر کی باتیں ظاہر کرتی تھیں کہ ان کی منزل بیت المقدس نہیں، کہیں اور ہے۔ اگرچہ امرائے لشکر نے محصور رہ کر لڑنے کے جو خطرات بتائے تھے وہ بے حقیقت نہیں تھے مگر سلطان کے نزدیک القدس کی خاطر مسلمانوں کو ہر خطرہ برداشت کرنا چاہیے تھا۔ سلطان کا تمام دن اسی ادھیڑ بن میں گزرا یہاں تک کہ رات کی تاریکی پھیل گئی۔

<u>بھاری تھی شبِ مریض پر......</u> سلطان نے تمام امراء کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد سب کو اپنی اپنی رہائش گاہوں میں جانے کی اجازت ہوتی تھی اس لئے سب رخصت ہو گئے۔ قاضی ابن شداد بھی شدید تکان کی حالت میں اپنی استراحت گاہ کی طرف جانے لگے تھے کہ سلطان

[1] النوادر السلطانیۃ:322، 38، 39

نے انہیں اپنے پاس بلوالیا اور کہا:

"آپ کو معلوم ہے کہ کیا نئی بات پیش آئی ہے؟"

"جی نہیں تو" قاضی صاحب نے حیران ہو کر کہا۔ انہوں نے دیکھا کہ سلطان کے چہرے پر فکرمندی کے گہرے آثار ہیں۔

"امیر ابوالہیجاء میرے پاس آیا تھا......" یہ کہہ کر سلطان نے قاضی صاحب کو پوری بات بتادی۔ قاضی صاحب بھی سلطان کے رنج و فکر میں شریک ہو گئے۔ سلطان کی طرح ان کی بھی نیند اڑ گئی۔ کھلے میدان میں جنگ لڑنے کا فیصلہ کرنے کا مطلب یہ تھا کہ پوری جنگی حکمت عملی از سر نو ترتیب دی جائے۔ فوج کو شہر سے نکال کر دور لے جایا جائے اور کسی مناسب ترین جگہ کیمپ لگایا جائے۔ یہ بات بھی عجیب ترین تھی کہ امرائے فوج کو ان باتوں کا خیال پہلے نہ آیا۔ وہ چپ چاپ سلطان کی حکمت عملی کی تائید کرتے رہے مگر اب جبکہ دشمن سر پر آچکا تھا اور ایک دو دن میں فیصلہ کن جنگ ہونے کو تھی، وہ جنگی پالیسی تبدیل کرنے پر زور دینے لگے تھے۔

سلطان کو اس وقت اپنے بھائی الملک العادل کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ اگر وہ ہوتا تو شاید کوئی نہ کوئی حل نکال لیتا یا کم از کم اس کی موجودگی میں سلطان کو تسلی تو رہتی۔ مگر اب تسلی دینے والا بھی کوئی نہ تھا سوائے قاضی ابن شداد کے۔ جو اس رات آخری پہر تک سلطان کے ساتھ بیٹھے، ان کے دکھ میں شریک رہے۔ اسلام کے یہ دونوں غم خوار رات بھر آئندہ کے لئے مناسب حکمت عملی پر غور کرتے رہے۔ انہوں نے حالات کے تمام پہلوؤں کا از سر نو جائزہ لیا، دفاع کے تمام امکانات پر سوچ بچار کی، منصوبے بنائے اور ہر منصوبے کے نتائج اور عواقب پر بحث کی۔

قاضی صاحب سلطان کے مزاج شناس تھے اور فن طب سے بھی آگاہ تھے۔ ان کا تجربہ یہ تھا کہ سلطان کی جسمانی رطوبتیں زیادہ سوچ بچار کے باعث بہت جلد خرچ ہو جاتی ہیں اور طبیعت پر خشکی غالب آجاتی ہے جو طرح طرح کے امراض کا باعث بنتی ہے۔ صبح صادق کے قریب قاضی صاحب نے سلطان سے عرض کیا:

"اب آپ کچھ دیر آرام کرلیں شاید نیند آ ہی جائے۔"

سلطان نے جواباً کہا: "ہاں شاید آپ کو بھی نیند آ جائے۔"

قاضی صاحب آرام کی نیت سے اپنی قیام گاہ پر آ گئے مگر اتنے میں مؤذن کی پرسوز صدا بلند ہوئی:

"اللہ اکبر۔ اللہ اکبر"

قاضی صاحب آرام کا خیال چھوڑ کر نماز فجر کے لئے وضو کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد جب سلطان کی خدمت میں پہنچے تو انہیں بھی وضو کرتے پایا۔

''مجھے بالکل نیند نہیں آئی۔'' سلطان نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔

''جی مجھے معلوم ہے۔'' قاضی صاحب بولے۔

''آپ کو کیسے معلوم؟'' سلطان نے پوچھا۔

قاضی صاحب نے کہا: ''اس لئے کہ میں خود نہیں سو سکا، نیند کا وقت ہی نہیں بچا تھا۔''[1]

<u>سلطان کے آنسو، اقصیٰ کے مصلے پر</u>: نماز فجر سے فارغ ہوتے ہی قاضی صاحب کو ایک عجیب خیال آیا۔ انہوں نے سلطان سے کہا:

''ایک مشورہ ذہن میں آیا ہے، میرا خیال ہے ان شاء اللہ تعالیٰ اس پر عمل مفید ثابت ہوگا۔''

''ہاں کہیے، کیا مشورہ ہے؟'' سلطان نے دلچسپی سے پوچھا۔

''القدس کی حفاظت کی فکر سے آپ کے قلب پر بے حد بوجھ ہے، آپ اس کے تحفظ کے لئے ظاہری اسباب کے درجے میں اتنا کچھ کر چکے ہیں کہ اس سے زیادہ کسی کے بس میں نہیں۔ اب آپ کو چاہیے کہ بس اللہ سے لو لگا لیں، اس کی طرف متوجہ ہو جائیں اور مصیبت سے بچنے کے لئے اس پر بھروسہ کریں۔''

سلطان نے پوچھا: ''یہ کام کس ترتیب سے کریں؟''

قاضی صاحب بولے:

''آج جمعے کا دن ہے، ہفتے کا سب سے مبارک دن۔ اس میں ایک گھڑی دعاؤں کی قبولیت کی ہوتی ہے۔ پھر ہم دنیا کے نہایت مقدس مقام میں ہیں۔ آپ کو چاہیے کہ آج نماز جمعہ کو جانے سے قبل غسل کریں اور پوشیدہ طور پر صدقہ دیں کہ کسی کو خبر نہ ہو کہ یہ صدقہ سلطان کی جانب سے ہے۔ پھر آپ حسب معمول نماز کے لئے مسجد اقصیٰ جائیں اور جمعہ کی اذان اور اقامت کے درمیان اس جگہ دو رکعت نماز ادا کریں جہاں سے حضور اکرم ﷺ کو معراج پر لے جایا گیا تھا۔ اس نماز کے دوران سجدے کی حالت میں اپنے رب کو پکاریں۔ اس بارے میں صحیح حدیث موجود ہے:

اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد فاکثروا الدعاء

''بندہ سجدے کے وقت اپنے رب سے سب زیادہ قریب ہوتا ہے پس اس وقت خوب دعا کرو۔''[2]

① النوادر السلطانیہ: 39　② سنن نسائی: 9461

آپ اپنے دل میں کہیں: مولا! تیرے دین کی نصرت میں میرے مادّی وسائل ختم ہو چکے۔ بس اب تجھ سے لو لگانا، تیری رسی کو تھامنا اور تیرے فضل پر بھروسہ کرنا باقی رہ گیا ہے۔ تو میرے لئے کافی اور بہترین کارساز ہے۔"

یہ ترتیب بتا کر قاضی صاحب نے کہا:

"جب آپ اس طرح اپنے رب سے مناجات کریں گے اور اپنے تمام معاملات کی چابیاں اس ذات کے سپرد کر دیں گے اور اپنے مقصد کے حصول میں عاجزی و بے بسی کا اعتراف کریں گے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر نظر رحمت فرمائے گا اور آپ کی دعا قبول ہوگی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت کریم ہے۔ وہ آپ کو آپ کے مقصد میں ناکام نہیں کرے گا۔"

سلطان نے ایک سچے مسلمان کی طرح اس نیک مشورے کو تہہ دل سے قبول کر لیا۔ وہ وقت سے پہلے نماز جمعہ کے لئے تیار ہوئے اور مسجد اقصیٰ کی طرف قدم بڑھانے لگے۔ آسمان سے باتیں کرتا گنبدِ صخرہ ان کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ ان کی عمر بھر کی متاع، ان کی جد وجہد کا حاصل، ان کی آرزوؤں کا محور، جس کی ٹھنڈی چھاؤں تلے انہیں رب کی ردائے رحمت میں آجانے کا احساس ہوتا۔ چند لمحوں بعد وہ مسجد اقصیٰ میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ مسجد اقصیٰ جس کی بازیابی کے لئے انہوں نے اپنی جوانی اور ادھیڑ عمری تج دی اور جس کی حفاظت کے لئے وہ بڑھاپے میں بھی ایک نوخیز عاشق کی طرح جذبوں اور ولولوں سے بھرپور تھے۔ یہ مسجد ان کے عشق کا مرکز تھی۔ یہ ان کی کل کائنات تھی۔ اس کی خدمت ان کا کل سرمایہ تھی جو وہ اپنے سینے سے لگائے اپنے رب کے حضور پیش ہونا چاہتے تھے۔ آج وہ اسی سرمایۂ حیات میں اپنے رب کے سامنے گڑگڑانے جا رہے تھے۔ ربّ کائنات سے اپنی کائنات کی بھیک مانگنے جا رہے تھے۔

مسجد اقصیٰ میں اس وقت مکمل خاموشی طاری تھی۔ کچھ لوگ آہستہ آہستہ پورے سکون اور وقار کے ساتھ مسجد میں داخل ہو رہے تھے۔ سلطان جمعے کے وقت کا انتظار کرتے رہے۔ پھر مؤذن مینار پر چڑھا اور فضائے القدس "اللہ اکبر، اللہ اکبر" کی روح پرور پکار کے ساتھ مرتعش ہونے لگی۔

اذان ختم ہوئی تو سلطان نے ایک کونے میں نفل نماز کی نیت باندھ لی، وہ دیر تک سجدے میں گر کر روتے رہے ان کے آنسو ان کی داڑھی کو تر کرتے ہوئے مصلے پر گر رہے تھے۔ وہ جو دعائیں مانگ رہے تھے، کوئی نہ سن سکا۔ بس ان کے ہونٹ حرکت کر رہے تھے۔ قاضی ابن شداد جو کچھ فاصلے سے یہ منظر دیکھ رہے تھے اتنا بتاتے ہیں:

وھو یذکر کلمات ودموعہ یتقاطر مصلاہ

''وہ کچھ کلمات دہراتے رہے اوران کے آنسو جائے نماز پر گرتے رہے۔''
ہر شخص سمجھ سکتا تھا کہ وہ رب ذوالجلال سے اقصیٰ کی خیرات کے سوا کچھ نہیں مانگ رہے تھے۔
عاشق القدس کی بے تابانہ دعائیں قبول ہوئیں۔ قدرت الٰہیہ نے القدس کی وادی میں اترتے ہوئے دشمن کے دل میں رعب ڈال دیا۔ یہ بالکل اس وقت ہوا جب سلطان مسجد اقصیٰ میں دست بدعا تھے۔
اسی جمعے کی شام کو قبولیت دُعا کے آثار ظاہر ہوگئے۔ سلطان اپنے خواص کے ساتھ بیٹھے تھے کہ کماندار عزالدین جردیک کی جانب سے مخبر تازہ ترین حالات پر مشتمل رقعہ لے کر حاضر ہوا، اس میں لکھا تھا:

''فرنگی آج دوپہر کو گھوڑوں پر سوار آگے بڑھے، دیر تک ٹیلوں پر کھڑے رہے مگر پھر اچانک چپ چاپ اپنی خیمہ گاہ کو لوٹ گئے۔ ہم نے اصل بات کا پتا لگانے کے لئے جاسوس متحرک کردیے ہیں۔''[1]

اصل میں اس وقت فرنگی امراء گھوڑوں پر سوار ہوکر ایک سنجیدہ مسئلے پر بحث کررہے تھے۔ ان کے ہاں دستور تھا کہ اہم جنگی امور کا فیصلہ گھوڑوں کی پشت پر بیٹھ کر کیا جاتا تھا۔
صلیبیوں میں اختلاف رائے: اس دن رچرڈ القدس پر حملے کی ترتیب حتمی طور پر طے کرنا چاہتا تھا۔ اس نے نقشہ سازوں سے کہہ کر القدس اوراس کے گردونواح کا ایک ماڈل بنوایا، اس کا بغور معاینہ کرتے ہوئے اس نے دیکھا کہ شہر کے صرف شمال کی طرف ایک ہموار پٹی ہے جو شہر کی فصیل سے جاملتی ہے اور یہی عمومی آمدورفت کا راستہ ہے۔ مشرق، مغرب اور جنوب میں ایک وادی نے شہر کو اپنے گھیرے میں لیا ہوا ہے۔
رچرڈ نے پوچھا: ''یہ وادی جو تین طرف سے شہر کا احاطہ کئے ہوئے ہے، کیا گہری ہے؟''
واقف کار لوگوں نے کہا: ''ہاں یہ خاصی گہری ہے اوراس میں دشوار گزار راستے نکلتے ہیں۔''
رچرڈ نے جھکے ہوئے لہجے میں کہا:
''جب تک صلاح الدین زندہ ہے اور مسلمان متحد ہیں القدس کا محاصرہ ممکن نہیں۔''
''وہ کیسے؟'' نائٹوں کے ماتھوں پر شکنیں پڑ گئیں۔
''وہ اس طرح کہ اگر ہم شمال کی ہموار زمین پر اتر کر اس طرف سے محاصرہ کریں گے تو شہر کے بقیہ تین اطراف آزاد رہیں گے، اہل شہر ان راستوں سے آمدورفت جاری رکھیں گے، خوراک ورسد فراہم ہوتی رہے گی۔''
''تو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ہم دو مختلف سمتوں سے شہر کا محاصرہ کرلیں؟''

[1] النوادر السلطانیہ: 322_30_30_223

صلیبی افسران نے مشورہ دیا۔

"یہ بھی ناممکن ہے کیونکہ جب ہماری طاقت دو یا زیادہ حصوں میں تقسیم ہو جائے گی تو صلاح الدین کسی ایک جانب کا محاصرہ کرنے والوں پر ٹوٹ پڑے گا اور انہیں کچل دے گا۔"

رچرڈ نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ صلاح الدین ایک جانب سے حملہ کرے اور ہم مارے جائیں! کیا ایسے میں ہم دوسری جانب سے کمک نہیں منگوا سکیں گے؟"

کسی نے اعتراض کیا۔

"نہیں! اس گہری وادی میں ایک سمت اترنے والا لشکر دوسری سمت والوں کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ظاہر ہے انہیں اپنا پڑاؤ چھوڑنا پڑے گا۔ جیسے ہی وہ اپنا پڑاؤ چھوڑ کر دور نکلیں گے اُس طرف متعین صلاح الدین کی فوج پڑاؤ پر حملہ کر دے گی اور سب کچھ لوٹ لے گی۔"

رچرڈ نے جواب دیا۔

"مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کمک پر سب کے سب نہ جائیں۔ کچھ فوج پڑاؤ کی حفاظت کرتی رہے، کچھ دوسروں کی مدد کے لئے جائے۔" کسی نے مشورہ دیا۔

"ہاں یہ ہو تو سکتا ہے مگر اصل مسئلہ یہ ہے کہ وادی کے راستے دشوار گزار ہیں، اپنے ساتھیوں کی مدد کرنے کے لیے وادی کی دوسری سمت پہنچنے میں انہیں اتنی دیر لگ جائے گی کہ اس دوران صلاح الدین اپنے مد مقابل فوج کو پسپا کر کے کمک پر آنے والوں سے لڑنے کے لئے فارغ ہو چکا ہوگا۔"

رچرڈ کے دلائل سے صلیبی سورما مبہوت رہ گئے۔

رچرڈ نے مزید کہا:

"اس کے علاوہ اس علاقے تک خوراک و رسد کی فراہمی کا سلسلہ برقرار رکھنا بھی نہایت مشکل ہے۔ جانوروں کو چارہ مہیا کرنا بھی آسان نہیں۔"

صلیبیوں کو رچرڈ کی باتوں میں وزن معلوم ہو رہا تھا مگر وہ پانچ سالہ پُرمشقت جنگ کے بعد القدس کے سامنے پہنچے تھے۔ واپس کیوں کر جاتے! فرانسیسی واپسی کا سوچنے پر بھی تیار نہیں تھے۔ انہوں نے کہا:

"ہم اپنے ملکوں سے صرف اس لئے آئے تھے کہ یروشلم کو آزاد کرائیں گے۔ ہم اس کے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔"

رچرڈ نے انہیں خبردار کرتے ہوئے کہا:

"اس علاقے میں پانی دستیاب نہیں۔ القدس کے تمام تالاب اور کنویں تباہ کر دیے گئے ہیں۔ شہر کے قرب وجوار میں کہیں پانی کا نام ونشان تک نہیں۔ میدانِ جنگ میں ہمیں پانی کہاں سے ملے گا؟"

"بادشاہ سلامت! ہم 'تقوع' ندی سے پانی لے سکتے ہیں، یہ القدس سے صرف تین میل دور ہے۔"
ایک مقامی نصرانی نے رائے دی۔

"تو اس ندی سے پانی لانے اور جانوروں کو پلانے کا طریق کار کیا ہوگا؟" رچرڈ نے سوال اٹھایا۔

"ہم فوج کو دو حصوں میں تقسیم کرلیں گے۔ ایک حصہ دشمن سے جنگ میں مصروف رہے گا اور ایک حصہ جانوروں سمیت ندی پر جاکر سیراب ہوگا۔ اس طرح روزانہ سب کو ایک بار پانی پینے کو مل جائیگا۔"
افسران نے ترتیب بتائی۔

"نہیں۔ بلکہ اس صورت میں ہوگا یہ کہ جو فوج جانوروں کو پانی پلانے ندی پر لے جائے گی، اسے صلاح الدین کے چھاپہ مار گھیر لیں گے اور جو فوج شہر کے سامنے رہ جائے گی اسے شہر میں موجود فوج روند کر رکھ دے گی۔"
رچرڈ نے یہ کہہ کر تجویز مسترد کر دی۔ [1]

ان پہلوؤں کے سامنے آنے کے بعد صلیبیوں میں انتشار کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ کچھ لوگ واپس چلنے پر اصرار کر رہے تھے اور کچھ بضد تھے کہ حملہ شروع کر دیا جائے۔ اختلافِ رائے اتنا بڑھا کہ فیصلہ کرنا محال ہوگیا۔ آخر اس اہم ترین قومی مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لئے جمہوری انداز کا ایک طریق کار وضع کیا گیا۔ طے یہ ہوا کہ صلیب کے نام پر جمع ہونے والے ان فرانسیسیوں، انگریزوں، ہاسپٹلروں، ٹمپلروں اور شامی فرنگیوں میں سے یکساں تناسب کے ساتھ تین سو نمائندہ اشخاص چنے جائیں گے۔ یہ تین سو افراد ایسے بارہ افراد کو منتخب کریں گے جو ان کے نزدیک صائب الرائے اور قابلِ اعتماد ہوں۔ پھر یہ بارہ افراد مل کر تین ججوں کی جیوری مقرر کریں گے جو اس قضیے کا حتمی فیصلہ کرے گی۔

اس طرح ایک جیوری تشکیل دی گئی۔ رات جیوری کے ارکان نے غور وفکر کرتے اور فرنگیوں نے بے چینی کے عالم میں کروٹیں بدلتے گزاری۔ اِدھر سلطان اور ان کے خواص بھی دشمن کی تازہ ترین خبروں کے منتظر تھے۔ [2]

---

[1] النوادر السلطانیہ: 323، 324، الکامل: 10/211۔
یاد رہے کہ ابن اثیر نے فرنگیوں کی اس مشاورت کا ذکر 587 ہجری کے احوال میں بیت المقدس پر فرنگیوں کی پہلی یورش کے ذیل میں کیا ہے جو بلاشبہ لفظی ہے۔ ابن شداد نے اسے آخری حملے کے تحت نقل کیا ہے۔ وہ اس جنگ کے عینی شاہد تھے، اس لیے انہی کے بیان کو ترجیح ہونی چاہیے۔

[2] النوادر السلطانیہ: 324، سلیمی نجمی: 272

<u>صلیبی ناکام لوٹ گئے</u> اگلے دن صبح سویرے عزالدین جردیک کا برق رفتار قاصد سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا شہر مقدس میں داخل ہوا۔اس نے سلطان کو جردیک کا لکھا ہوا تفصیلی مراسلہ دیا جس میں جاسوسوں کی زبانی صلیبیوں کے اختلاف، مشاورت اور فیصلے کی تفاصیل درج کی گئی تھیں اور آخر میں اطلاع تھی:

"آج صلیبیوں نے اپنی خیمہ گاہ خالی کردی ہے اور وہ رملہ کی طرف کوچ کررہے ہیں۔"

جیوری نے یروشلم کی طرف یلغار روکنے کا فیصلہ کرتے ہوئے سفارش کی تھی کہ اب 250 میل دور واقع قاہرہ کی جانب پیش قدمی شروع کی جائے۔فرانسیسیوں کے احتجاج کے باوجود یہ فیصلہ فی الفور نافذ کردیا گیا اور صلیبیوں نے صبح اپنے خیمے اکھاڑ لیے۔یہ واقعہ ہفتہ 21 جمادی الاخریٰ 588ھ (3 جولائی 1192ء) کا ہے۔[1]

بلاشبہ سلطان صلاح الدین کی دعاؤں اور مسلمانوں کی قوتِ ایمانی نے لشکرِ صلیب کی بے پایاں طاقت کو شکست فاش دے دی تھی۔صلیبی حسرت وندامت کے آنسوؤں میں ڈوبے ہوئے واپس جارہے تھے جبکہ ارض مقدس سجود شکر سے آباد ہورہی تھی۔مسلمانوں کے چہروں پر مسکراہٹیں کھل رہی تھیں،فضاء میں خوشیوں کے ترانے گونج رہے تھے،فتح ونصرت کی نورانی پوشاک پہنے سلطان صلاح الدین کی کشادہ پیشانی پر دائمی اقبال مندی کا ستارہ چمک رہا تھا اور مسجد اقصیٰ کے مینار پر مؤذن بدستور "اللہ اکبر اللہ اکبر" کا نعرہ جاں فزا بلند کررہا تھا۔سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس کے تحفظ کا فیصلہ کن معرکہ کسی بڑی خون ریزی کے بغیر جیت لیا تھا۔یہ ان کے عشق ووفا،مذہبی جوش وجذبے اور اللہ پر اعتماد وتوکل کا کمال تھا جس کے باعث نصرت خداوندی قدم قدم پر ان کے شامل حال رہی۔ان کی مضطربانہ دعاؤں کے اثر سے کفار کے دلوں میں از خود ہیبت بیٹھ گئی اور یوں اہل اسلام، پرستاران صلیب کو وادی القدس سے دھکیلنے میں کامیاب ہوگئے۔مگر ایسا نہیں تھا کہ انہوں نے صرف دعاؤں کے سہارے جنگ کی ہو۔اس فتح یابی میں ان کی مربوط منصوبہ بندی،مسلسل تدبیر،اَن تھک جدوجہد اور بے پناہ جانی ومالی وسائل کی قربانی یقیناً شامل تھی۔

ویسے تو معرکۂ القدس جیتنے میں سلطان نے جن امور کو اختیار کیا وہ تفصیل سے بیان ہوچکے ہیں، مگر ایک بار پھر ان کا اختصاراً ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

1- سلطان نے بیت المقدس کی پرانی فصیل کو مستحکم کروایا اور ایک نئی فلک بوس فصیل بھی تیار کرائی۔ دفاعی انتظامات اتنے مضبوط کردیے کہ مسلمان طویل مدت تک محصور رہ کر جنگ لڑ سکتے تھے۔

---

[1] الروضتین:324،صلیبی جنگیں:272

2- شہر میں فوج کی بھاری نفری تعینات کی اور خوراک ورسد کے بے پناہ ذخائر جمع کرادیے۔
3- اپنی افواج کو بار بار جوش وولولہ دلانے کے لئے وعظ ونصیحت کا سلسلہ جاری رکھا۔ شہر کے تعمیری کاموں کی عملی مشقت میں بذات خود حصہ لے کر سپاہ اور مجاہدین کے حوصلے بلند کردیے۔
4- آخر تک خود محاذ پر موجود رہ کر افواج کی ہمت برقرار رکھی۔
5- دشمن کیلئے میدانِ جنگ کو انتہائی ناسازگار بنادیا۔ اس مقصد کے لئے القدس کے محل وقوع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔
6- دشمن کے تجارتی قافلوں پر حملوں کا سلسلہ شروع کرکے ان تک خوراک ورسد کی فراہمی مشکل بنادی۔
7- آخر میں ان کے لئے پانی کا حصول بھی مشکل تر بنادیا۔
8- اللہ کی بارگاہ میں دعاؤں کا ہتھیار استعمال کیا جو مسلمان کا سب سے کارگر اسلحہ ہے۔

یہ وہ چند عوامل تھے جن کی بنیاد پر آخرکار رچرڈ جیسا جنگ آزما اور عیار حکمران بھی میدان القدس میں سلطان کے سامنے اعتراف شکست پر مجبور ہوکر پسپا ہوگیا اور اس کے بعد پونے آٹھ سو سال تک (1967ء تک) کوئی لشکرِ کفار القدس پر حملہ آور نہ ہوسکا۔

فصل:6

یافا کا معرکہ

القدس سے واپس ہوتے ہوئے رچرڈ نے افواج کو حوصلہ دلانے کے لئے یہ اعلان کیا تھا کہ عن قریب ہم قاہرہ پر حملہ کریں گے مگر یہ ناممکن قسم کا منصوبہ کبھی عمل میں نہ آسکا۔ رچرڈ کو اب انگلستان واپسی کی جلدی تھی۔ وہ عسقلان میں بھی نہ رکا اور سیدھا عکا جا کر دم لیا۔ ہیرلڈ لیمب کے بقول

''وہ عکا کی طرف اس طرح لوٹا جیسے کسی بڑی مصیبت سے جان بچا کر بھاگا ہو۔''

عسقلان میں صرف ہاسپٹلرز اور ٹمپلرز رہ گئے۔ فرانسیسی شمال کی طرف نکل گئے۔ اطالوی سپاہی ساحل کے تجارتی قلعوں کی جانب چل دیے۔ چند دنوں کے اندر اندر صلیبی فوج کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا۔ رچرڈ خود جلد از جلد شام سے روانہ ہونا چاہتا تھا مگر اس سے قبل سلطان سے معاملات طے کرنا ضروری تھا۔ رچرڈ اب بھی اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ وہ سلطان سے برابر کی سطح پر مذاکرات کر کے اپنا وقار بچالے گا۔ عکا واپس جاتے ہی اس نے سلطان سے صلح کے لیے نامہ و پیام کا آغاز کر دیا۔ رچرڈ کا بھانجا ہنری اوف شیمپن اس سلسلے میں پیش پیش تھا۔

22 جمادی الاخریٰ 588ھ (4 جولائی 1192ء) سے 7 رجب (19 جولائی) تک رچرڈ کی طرف سے صلح کی بابت کئی پیغامات آئے۔ جن میں سے کسی میں دوستی کا اظہار تھا اور کسی میں بین السطور دھمکیاں دی گئی تھیں۔ کہنے کو تو یہ سب مراسلہ نگاری مصالحت کے لئے تھی مگر سنجیدہ اور ٹھوس باتوں سے عاری تھی۔ اس قسم کے پیغامات سے فرنگیوں کے ذہنی انتشار، تلون مزاجی اور نفسیاتی ٹوٹ پھوٹ کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا تھا۔

صلح کی اس خط و کتابت میں سلطان کی طرف سے حاجب یوسف کو سفارت کار بنایا گیا تھا جو سیف الدین مشطوب کا خاص مصاحب تھا۔ سلطان کو موصول ہونے والا پہلا مراسلہ ہنری اوف شیمپن کا تھا جو 22 جمادی الاخریٰ (4 جولائی) کو ایک قاصد لے کر حاضر ہوا۔ ہنری نے لکھا تھا:

''شاہ ورچرڈ نے ساحلی شہر مجھے دے دیے ہیں، اب وہ میرے ہیں۔ اب آپ بھی مجھے میرے شہر واپس کر دیں تا کہ میں آپ سے صلح کرلوں۔ میں آپ کا بیٹا بن کر رہوں گا۔''

یہ احمقانہ خط پڑھ کر سلطان کو اتنا غصہ آیا کہ حد نہیں۔ ایک شکست خوردہ دشمن کس بل بوتے پر اتنا بڑا مطالبہ کر رہا تھا!! شاید ہنری کا دماغ چل گیا تھا۔ سلطان نے سفیر کی وساطت سے ہنری کے مطالبے کا یہ جواب بھیجا کہ چونکہ وہ کونرڈ کا جانشین ہے لہٰذا اسے اسی معاہدے کا پابند رہنا چاہیے جو کونرڈ کے ساتھ طے پایا تھا۔ اس معاہدے کے مطابق صور اور عکا کے سوا کوئی علاقہ سرے سے موضوع بحث نہیں بن سکتا۔ ❶

23 جمادی الاخریٰ (5 جولائی) کو رچرڈ کا پیغام ملا جو اس نے سلطان کے سفیر حاجب یوسف کی زبانی بھیجا تھا۔ اس میں کہا گیا تھا:

''ہم اور تم، دونوں ہلاکت کے قریب ہیں۔ بہتر ہوگا کہ خوں ریزی بند کر دی جائے۔ ہماری صلح جوئی کو ہماری کمزوری پر محمول نہ کیا جائے کیوں کہ ہم کسی مصلحت کی بنا پر ایسا کر رہے ہیں۔ میرے پیچھے ہٹنے سے دھوکا مت کھایئے، کیونکہ دنبہ ٹکر رسید کرنے سے پہلے پیچھے ضرور ہٹتا ہے۔'' ❷

جمعہ 26 جمادی الاخریٰ (8 جولائی) کو رچرڈ کا سفیر اپنے آقا کا دوسرا پیغام جو تحریری تھا، لے کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس میں لکھا تھا:

''میں آپ سے محبت اور دوستی کے تعلقات استوار کرنا چاہتا ہوں۔ میں زمین کا فرعون نہیں بننا چاہتا اور نہ آپ کے بارے میں ایسی خواہش کا گمان کیا جا سکتا ہے۔ نہ آپ کے لئے یہ جائز ہے کہ آپ تمام مسلمانوں کو ہلاک کرا دیں اور نہ میرے لئے یہ درست ہے کہ میں تمام فرنگیوں کو مروا دوں۔ میں نے اپنے بھانجے ہنری کو ان شہروں کا مالک بنا دیا ہے اور اس نوجوان کو میں آپ کے سپرد کرتا ہوں تا کہ وہ اور اس کے سپاہی آپ کے حکم کے تابعدار رہیں۔ اگر آپ انہیں مشرق میں بھی کسی مہم کے لئے پکاریں گے تو وہ سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔''

رچرڈ نے یہ بھی لکھا تھا:

''آپ سے کئی تارک الدنیا راہبوں نے گرجے مانگے اور آپ نے انہیں دینے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ سو میں بھی آپ سے بس ایک گرجا مانگتا ہوں اور اس سے قبل الملک العادل سے مذاکرات کے دوران ہمارے جن مطالبات نے آپ کو ناراض کر دیا تھا، میں انہیں ترک کرتا ہوں۔ اگر آپ مجھے ایک دیہات یا بنجر زمین کا کوئی ٹکڑا بھی عنایت کر دیں تو میں اسے بھی

❶ النوادر السلطانیہ: 324
❷ النوادر السلطانیہ: 325

چوم کر قبول کرلوں گا۔"

سلطان نے عجز و نیاز پر مشتمل یہ آخری مراسلہ امراء کو سنا کران سے رائے مانگی۔ سب نے صلح کرنے کی رائے دی۔ کیوں کہ وہ خود مسلسل لڑتے لڑتے تھک گئے تھے۔ تب سلطان نے لچک دار رویہ اپناتے ہوئے رچرڈ کو یہ جواب بھیجا:

"جب آپ کی جانب سے یہ رویہ ہے تو ہم بھی بھلائی کے بدلے بھلائی پر عمل پیرا رہیں گے۔ آپ کا بھانجا میری اولاد کی مانند ہوگا، اس سے جو حسن سلوک ہوگا وہ عن قریب آپ پر عیاں ہو جائے گا۔ میں آپ کو القدس میں سب سے بڑے گرجے 'سینٹ جان چرچ' کا مالک بناؤں گا۔ جہاں تک شہروں کا تعلق ہے تو ہم انہیں اس طرح تقسیم کر لیں گے کہ ساحل کے جو علاقے آپ کے پاس ہیں وہ آپ کے رہیں گے اور ساحل سے ہٹ کر کوہستانی قلعے جو ہمارے پاس ہیں وہ ہماری ملکیت رہیں گے۔ جو علاقہ ساحل اور کوہستان کے درمیان ہے اسے باہم آدھوں آدھ تقسیم کرلیا جائے گا۔ جہاں تک عسقلان اور اس کے جنوب میں 'داروم' کا تعلق ہے تو انہیں بہر حال تباہ کر دیا جائے گا، یہ علاقہ ہمارا ہوگا نہ آپ کا۔ ہاں اگر آپ چاہیں تو عسقلان کے دیہات آپ لے سکتے ہیں۔"[1]

عسقلان کا مسئلہ ❁ سلطان نے عسقلان کو تباہ کرنے کی شرط اس لئے لگائی تھی کہ اگر شام و مصر کی سرحدوں پر واقع یہ شہر فرنگیوں کے پاس رہتا تو وہ جب چاہتے القدس پر حملہ کر سکتے تھے اور جب چاہتے شام و مصر کے درمیان زمینی رابطے منقطع کر سکتے تھے اس لئے نصرانیوں کی یہاں سے بے دخلی ناگزیر تھی۔

سلطان کا جواب ملنے کے بعد رچرڈ نے ہنری کو اپنا سفیر بنا کر دو بدو گفتگو کے لئے القدس بھیجا۔ وہ 29 جمادی الاخریٰ 588ھ (11 جولائی 1192ء) کو سلطان سے ملا۔ اس نے کہا:

"شاہ رچرڈ کا کہنا ہے کہ بیت المقدس کے قلعے میں ہمارے بیس افراد کو رہنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ جو بھی مقامی عیسائی یا فرنگی القدس میں آباد ہونا چاہے اسے نہ روکا جائے۔"

سلطان نے جواب دیا:

"بیت المقدس میں آپ کا اس کے سوا اور کوئی حق قابلِ تسلیم نہیں کہ آپ اس کی زیارت کے لئے آسکتے ہیں۔"

ہنری نے کہا:

"اچھا اتنا تو قبول کرلیں کہ زائرین پر آپ کوئی ٹیکس نہیں لگائیں گے۔"

---

[1] النوادر السلطانیہ: 325، 326

سلطان نے یہ بات منظور کر لی۔

جب عسقلان کا مسئلہ زیرِ بحث آیا اور سلطان نے اس کی تباہی پر زور دیا تو ہنری بولا:

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ شاہِ رچرڈ نے اس کی فصیل تیار کرنے پر بے پناہ مال صرف کیا ہے۔''

یہ اعتراض سن کر سیف الدین نے سلطان کو مشورہ دیا:

''عسقلان پر ان کا جو خرچ آیا ہے، اس کے بدلے انہیں عسقلان کے کھیت اور دیہات دے دیے جائیں۔''

سلطان نے اس تجویز کو منظور کر لیا۔ عسقلان کے نواحی قلعوں داروم وغیرہ کے بارے میں طے ہوا کہ انہیں تباہ کر دیا جائے، البتہ ان کی نواحی زمینیں برابر تقسیم ہوں گی۔ باقی شہروں کے بارے میں یہ تفصیل طے ہوئی کہ یافا سے صور تک تمام ساحلی شہر اور ان کی نواحی زمینیں فرنگیوں کی ہوں گی، پہاڑی شہر مسلمانوں کے ہوں گے۔ سرحدوں پر جس زمین کے بارے میں اختلاف ہو گیا کہ وہ کس کی طرف ہے تو اسے برابر بانٹ لیا جائے گا۔ ہنری رچرڈ کی جانب سے سلطان کے لئے ہدیہ کے طور پر اعلیٰ نسل کے بازوں کا جوڑا لایا تھا۔ سلطان نے بھی اسے رچرڈ کے لئے بیش قیمت تحائف دے کر رخصت کیا۔ ❶

رچرڈ انگلستان واپسی کے لئے مضطرب تھا کیونکہ اس کے بھائی ارل جان کی جانب سے بغاوت کا خطرہ تھا مگر وہ صلیبیوں کو ایسی حالت میں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا کہ وہ مستقبل میں القدس پر حملے کے قابل نہ رہیں۔ اس لئے عسقلان کی تخریب کی تجویز اس کے نزدیک ناقابلِ قبول تھی۔ اس نے ایک بار پھر اپنے سفیر کو اس سلسلے میں گفتگو کے لئے بھیجا۔ سفیر 3 رجب 588ھ (15 جولائی 1192ء) کی شب سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عسقلان، داروم اور قرب و جوار کے علاقوں کے بارے میں کہا:

''شاہ رچرڈ نہایت مسکنت کے ساتھ یہ التجا کر رہے ہیں کہ آپ ان کی خاطر یہ علاقے آباد رہنے دیں، آپ کی عظیم سلطنت میں بھلا ان علاقوں کی حیثیت ہی کیا ہے؟ شاہ رچرڈ تو ان علاقوں پر اصرار فقط اس لئے کر رہے ہیں کہ فرنگی انہیں چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہو رہے۔ شاہ رچرڈ نے القدس کے بارے میں دیگر مطالبات بھی ترک کر دیئے ہیں، انہوں نے چرچ سینٹ جان کے سوا کہیں اور پادریوں اور راہبوں کے تقرر کا مطالبہ بھی واپس لے لیا ہے، پس مناسب ہوگا کہ آپ بھی عالی ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے عسقلان، داروم اور ملحقہ علاقے ان کو بخش دیں۔ شاہ رچرڈ واپس جانا چاہتے ہیں لیکن اگر صلح نہ ہو سکی تو صلیبی انہیں واپس نہیں جانے دیں گے۔ شاہ رچرڈ صلیبیوں کی مرضی کے خلاف نہیں جا سکتے۔''

❶ النوادر السلطانیہ: 327

سلطان نے امراء سے مشورہ کیا تو سب نے عسقلان اور گرد و نواح کے قلعے فرنگیوں کے حوالے کرنے کی مخالفت کی اور کہا: ''ہم کبھی بھی اس بات کو قبول نہیں کریں گے۔''

انہوں نے عسقلان کو بہر صورت اجاڑنے پر زور دیا اور تجویز دی کہ عسقلان کی فصیل کی تعمیر پر فرنگیوں نے جو خرچہ کیا ہے اس کے بدلے انہیں ''لد'' کا میدانی علاقہ دے دیا جائے۔ رچرڈ کا سفیر جمعہ 4 رجب (16 جولائی) کی صبح سلطان کا پیغام لے کر روانہ ہوا، اور 7 رجب (19 جولائی) کو اس نے رچرڈ کا یہ جواب پہنچایا:

''ہم عسقلان کا ایک پتھر بھی نہیں اکھاڑ سکتے۔''

یوں ہفتے بھر سے جاری مذاکرات عسقلان کے مسئلے پر گرہ لگ جانے کی وجہ سے ختم ہو گئے۔ مصالحت کی ناؤ عسقلان کے بھنور میں غرق ہو گئی۔ [1]

<u>لشکرِ سلطانی یافا کی طرف</u>: بات چیت ختم ہوتے ہی دونوں جنگ آزما حکمرانوں نے شمشیریں سونت لیں، مگر دونوں بہت فاصلے پر تھے۔ رچرڈ عکا میں تھا اور سلطان القدس میں۔ رچرڈ اپنی سپہ گری دکھانے کے لئے عکا سے بیروت پر حملے کے لئے پابہ رکاب ہوا۔ ادھر سلطان نے یافا پر یلغار کی تیاری کر لی۔

بدھ 10 رجب 588ھ (22 جولائی 1192ء) کو سلطان فوج کے ایک حصے کے ساتھ بیت المقدس سے نکلے۔ راستے میں الملک العادل ان سے آملا جو الجزیرہ کے علاقے کے انتظامات بحال کر کے آرہا تھا۔ سلطان نے 'بیت نوبہ' میں ٹھہر کر القدس کی بقیہ فوج کو جمع کیا اور اتوار 13 رجب کو کوچ کر کے رملہ اور لد کے درمیان ٹیلوں تک پہنچ گئے۔ اب ان کی پشت پر القدس بالکل محفوظ تھا اور وہ سامنے ساحل کے فرنگی قلعوں پر جارحانہ حملوں کے لئے بالکل تیار تھے۔

14 رجب (26 جولائی) کو سلطان نے ایک دستے کے ساتھ 'بازور' اور 'بیت جبریل' کے علاقے میں گشت کیا۔ مغربی افق پر 'یافا' ان کے سامنے تھا۔ سلطان نے گشت سے واپس آکر امرائے لشکر کو جمع کیا اور یافا پر حملے کے بارے میں مشورہ کیا، سب نے آمادگی ظاہر کی۔ حملے کی منصوبہ بندی ہوئی اور اگلے دن 15 رجب (27 جولائی) کو سلطانی افواج نے پیش قدمی کر کے یافا کو گھیر لیا۔ لشکر ایک کمان کی طرح اس ساحلی شہر کے گرد پھیل گیا۔

سلطان کا چھوٹا بیٹا الملک الظاہر جو 5 رجب (18 جولائی) کو حلب سے القدس پہنچا تھا دائیں بازو کی افواج کی کمان کرتے ہوئے ساحل سمندر کے قریب کھڑا تھا۔ میسرہ کی قیادت الملک العادل کے ہاتھ

[1] النوادر السلطانیہ: 328، 329

میں تھی، درمیان میں قلب کے سپاہی سلطان کی کمان میں تھے۔ لشکر کی صف بندی اور منجنیقوں کی تنصیب کے بعد 16 رجب (28 جولائی) کو حملہ شروع ہوا۔ مسلمان امنگوں اور ولولوں سے بھرپور تھے۔ القدس سے صلیبیوں کے ٹڈی دل کو پسپا کرنے کے بعد ان کے نزدیک 'یافا' کی فتح معمولی کام تھا۔ وہ نعرۂ تکبیر کرتے ہوئے فصیل تک پہنچ گئے اور زبردست لڑائی شروع ہوگئی۔

فصیل پر کھڑے فرنگی بے حد دباؤ کے عالم میں مزاحمت کر رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ فصیل بہت زیادہ مضبوط نہیں۔ چند سال پہلے سلطان کی ساحلی فتوحات کے دوران یافا پر حملے میں اس فصیل کو بہت نقصان پہنچا تھا۔ بعد میں عکا کی جنگ کے اختتام پر سلطان نے یہ فصیل منہدم کرادی تھی تاکہ دشمن یافا کو مورچہ نہ بنا سکے۔ اب چند ماہ پہلے رچرڈ نے اس کے منہدم حصوں کو دوبارہ تعمیر کرالیا تھا مگر سلطان کے افسران کو اس کے کمزور حصوں کا بخوبی علم تھا۔ انہوں نے شہر کے شمالی پھاٹک سے لے کر کونے تک کی دیوار کو ہدف بنالیا۔ یہی وہ حصہ تھا جسے انہوں نے یافا کی پہلی فتح کے دوران شکستہ کیا تھا۔ اب وہ ایک بار پھر اسے گرانے کی تگ ودو میں تھے۔

نقب زن اپنے کارندوں کے ساتھ فصیل کے اس حصے تک پہنچ چکے تھے اور ان کی بنیادوں میں سرنگیں لگا رہے تھے۔ فصیل سے دشمن کی تیراندازی اور سنگ باری کے باوجود سرنگوں کی کھدائی رکنے میں نہیں آرہی تھی۔ نقب زن سرنگوں کے دہانے کھودنے تک تو دشمن کی نشانہ بازی کی زد میں ہوتے تھے مگر ایک بار سرنگ کا منہ بنا لینے کے بعد جب وہ سرنگ میں داخل ہوجاتے تھے تو دشمن کی دسترس سے محفوظ ہوجاتے تھے۔

اس وقت نقب زن دیوار کے نیچے ایک متوازی سرنگ بنا کر اس کے اندر گھس چکے تھے اور اس کی گہرائی اور لمبائی میں مطلوبہ اضافے کو مکمل کرنے والے تھے۔ بس تھوڑی دیر میں وہ کھدائی سے فارغ ہوکر نکلنے والے تھے، اس کے بعد سرنگ میں ایندھن بھرنے اور آتشی دھماکا کرنے سے فصیل منہدم ہوجاتی۔ مسلمان اس وقت سامنے نظر آنے والی فتح کے احساس سے سرشار تھے۔ انہیں یقین تھا کہ شہر آج ہی فتح ہوجائے گا۔

مگر اس دوران فرنگیوں نے ایک عجیب کام کر دکھایا۔ انہوں نے مسلمانوں کی بنائی گئی سرنگ کے مقام کا بالکل صحیح اندازہ کر کے اسے مختلف جگہوں سے دھنسا کر زمین کے برابر کر دیا۔ یوں سرنگ ناکارہ ہوگئی۔ نقب زن بڑی مشکل سے جان بچا کر خوف زدہ حالت میں سرنگ سے نکل بھاگے، فرنگیوں نے فصیل کو تباہ ہوتے ہوتے بچالیا۔

فرنگیوں کی اس کامیاب مزاحمت سے سلطان کو اندازہ ہوگیا کہ یافا کو فتح کرنا اتنا آسان نہیں بلکہ اس پر قبضہ کرنے کے لئے مزید تدابیر اختیار کرنا ہوں گی۔ اس دن وہ دیر تک دوبارہ سرنگ کھدوانے کی

کوشش کرتے رہے، آخر نقب زن نئی سرنگ کا منہ بنا کر اس میں اتر گئے۔ ادھر سے سلطان نے حکم دیا کہ منجنیقوں کو خیمہ گاہ سے لا کر فصیل کے اسی سرنگ زدہ حصے کے بالمقابل نصب کر دیا جائے، چنانچہ منجنیقیں گھسیٹ کر لانے اور نصب کرنے کا کام رات کی تاریکی گہری ہونے تک جاری رہا۔ [1]

فرنگی سمجھ گئے تھے کہ وہ شہر کی زیادہ دنوں تک حفاظت نہیں کر سکیں گے۔ اب ان کے بچاؤ کا آخری سہارا رچرڈ تھا جسے وہ مسلمانوں کے حملے کی اطلاع سمندر کے راستے سے بھیج چکے تھے۔

سلطان نے رات یافا کی فصیل سے چند میل پرے معسکر میں گزاری اور اگلے دن دوبارہ پوری شدت سے حملہ شروع کرا دیا۔ اس دن صبح تک دو منجنیقوں کی تنصیب کا کام مکمل ہو گیا تھا، اب ان کی چرخیاں ساعت خراش کھڑکھڑاہٹ کے ساتھ گھوم رہی تھیں اور بڑے بڑے وزنی پتھر ہولناک گرج کے ساتھ یافا کی فصیل پر گر رہے تھے۔ سلطانی سپاہی بار بار غول در غول فصیل پر حملہ آور ہو رہے تھے مگر فرنگی بھی اس دن حیرت ناک دلیری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ وہ شہر کے دروازے کھول کر فصیل کے سامنے ڈٹے ہوئے تھے۔ سینکڑوں فرنگی فصیل سے اندھا دھند تیر باری کر رہے تھے۔ ان کی چرخی دار کمانیں جنہیں 'زنبورک' کہا جاتا تھا، بے حد خطرناک تھیں، ان سے دو دو گز لمبے نیزہ نما فولادی تیر برس رہے تھے جن سے درجنوں مسلمان گھائل ہو چکے تھے۔ مگر اس کے باوجود فرنگیوں کو یقین تھا کہ وہ چوبیس گھنٹے سے زیادہ مزاحمت نہیں کر پائیں گے۔ آخر انہوں نے رچرڈ کے آنے تک مہلت حاصل کرنا ضروری سمجھا اور عین ہنگامۂ کارزار میں دو سفیر سلطان کے پاس بھیجے جنہوں نے سلطان سے صلح کی بات چیت شروع کر دی۔ سلطان نے کہا:

''جنگ صرف اس صورت میں روکی جا سکتی ہے جب وہ ان شرائط پر شہر حوالے کر دیں جو القدس کے نصرانیوں نے قبول کی تھیں۔''

سفیروں نے کہا:

''آپ ہمیں ہفتے کے دن تک مہلت دے دیں، اگر ہمیں اس وقت تک کمک نہ ملی تو ہم القدس کی شرائط پر شہر حوالے کر دیں گے۔''

سلطان نے مہلت دینے سے انکار کر دیا اور سفیر مایوس ہو کر لوٹ گئے۔ مگر کچھ دیر بعد وہ دوبارہ حاضر ہوئے اور فی الحال تو جنگ روکنے اور غور و خوض کے لیے وقت دینے کی درخواست کی۔

سفیروں کی اس آمد و رفت کے دوران میدانِ جنگ میں خاموشی چھا گئی تھی۔ فریقین کا خیال تھا کہ

[1] النوادر السلطانیہ: 329، 330، 331، الکامل فی التاریخ: 10/317

شاید کوئی معاہدہ ہو جائے گا۔ مگر جب بات چیت بے نتیجہ رہی تو سلطان نے سپاہ کو دوبارہ بھرپور حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اس دوران تیسری منجنیق بھی نصب کر دی گئی تھی۔ چنانچہ اب زیادہ شدت سے سنگ باری شروع ہو گئی، ادھر مسلمان نقب زنوں نے فصیل کے ایک کونے میں نئی سرنگ کھود دی تھی۔ سلطان نے فوراً اس میں ایندھن بھروا کر آگ لگوا دی۔ اس مقام پر فصیل پہلے ہی کمزور ہو چکی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں آگ کے شعلوں نے اسے چٹخانا شروع کر دیا اور دیوار آہستہ آہستہ بیٹھنے لگی مگر اس سے پہلے کہ وہ پوری طرح گرتی اور مسلمان اندر داخل ہوتے، فرنگیوں نے وہاں درختوں کے تنے اور لکڑیوں کے انبار جمع کر دیئے۔ جوں ہی دیوار کا متاثرہ ٹکڑا گرا، شعلوں بھری سرنگ کھل گئی اور ساتھ رکھے لکڑیوں کے پہاڑ نے آگ پکڑ لی۔ مسلمانوں کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ آگ کی اس دیوار کو عبور کر جاتے، چنانچہ وہ دیر تک آگ بجھنے کا انتظار کرتے رہے، جبکہ فرنگی اس میں مزید ایندھن جھونک جھونک کر شعلوں کو بھڑکاتے جا رہے تھے۔ [1]

اس دن بھی یافا سر نہ ہو سکا اور مسلمان تھکے ماندے اپنے خیموں میں لوٹ آئے۔ سلطان کے اسلحہ خانے میں دو منجنیقیں مزید تھیں، سلطان نے انہیں بھی راتوں رات میدان میں نصب کرنے کا حکم دے دیا۔

اگلے دن جمعہ 18 رجب (30 جولائی) کو علی الصبح مسلمانوں نے بڑے جوش و خروش سے یافا پر حملہ کیا۔ سلطان نے آج پانچوں منجنیقیں فصیل کے شکستہ حصے کی سیدھ میں نصب کرا دی تھیں، سنگ باری متواتر جاری رکھنے کے لئے پتھروں کے انبار جمع کر لئے گئے تھے، ان پتھروں کے لئے سپاہیوں کو دور دور کی وادیوں اور پہاڑوں تک جانا پڑا تھا کیونکہ یافا کا ساحلی میدان بڑے پتھروں سے خالی تھا۔

آخر منجنیقوں نے دھادھم سنگ باری شروع کر دی۔ ادھر الملک الظاہر نے میمنہ کے سپاہیوں کے ساتھ شمال سے اور سلطان نے اپنی خاص فوج کے ساتھ قلب سے فصیل پر دھاوا بول دیا۔ جنوب میں الملک العادل، بیماری کے باوجود میسرہ کے سپاہیوں کی قیادت کرتے ہوئے حملہ آور ہو چکا تھا۔ ادھر نقب زنوں نے ان تھک کوشش کر کے مزید سرنگیں کھود ڈالیں اور سورج بلند ہونے تک ان میں ایندھن بھر کر آگ لگا دی۔ دو گھنٹے تک فصیل کے اس حصے سے دھوئیں کے مرغولے بلند ہوتے رہے، پھر اچانک ایک کان پھاڑ دینے والے دھماکے کے ساتھ گرد اور مٹی کے ایک بادل نے فضا کو گھیر لیا۔ کچھ دیر بعد دھوئیں اور دھول کے مرغولے ہوا میں تحلیل ہوئے تو فصیل کا ایک حصہ زمین بوس نظر آیا۔ اب وہاں اینٹوں اور پتھروں کا ایک ڈھیر باقی رہ گیا تھا۔ مگر اس سے پہلے کہ مسلمان اس شگاف کو عبور کرتے، سینکڑوں فرنگی وہاں پہنچ گئے اور نہایت خونریز دھکم پیل شروع ہو گئی۔

---

[1] النوادر السلطانیہ: 331_332، الکامل فی التاریخ: 10/317

ادھر یافا والوں کے دو سفیر دوڑتے سلطان کے پاس آئے اور امان طلب کی۔ سلطان نے جواب میں کہا:

''گھڑسوار کو گھڑسوار کے بدلے اور پیادے کو پیادے کے بدلے آزاد کیا جائے گا، ہاں جو لڑنے بھڑنے سے عاجز لوگ ہیں انہیں القدس والے زرِ فدیہ کے مطابق رہائی دے دی جائے گی۔''

سفیروں نے یہ پیغام لے کر شہر کی طرف لوٹ جانا چاہا مگر پلٹ کر دیکھا تو مسلمان نصرانیوں کو بری طرح روندتے ہوئے شہر کے اندر گھس رہے تھے اور عیسائی سپاہی لاشیں چھوڑ کر پیچھے ہٹ رہے تھے۔ سفیر گھبرا کر بولے:

''شہر میں ہمارے داخل ہونے تک کچھ دیر تک لڑائی رکوا دیں۔''

سلطان نے جواب دیا: ''اس وقت یہ میرے بس میں نہیں کہ فاتح مسلمانوں کو یکدم روک دوں، بہرحال آپ اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر انہیں قلعے میں چلے جانے کا مشورہ دیں اور ہمارے سپاہیوں کو شہر میں ان کے حال پر چھوڑ دیں کیونکہ شہر تو سمجھیں اب فتح ہو چکا۔''❶

سلطان کی سپاہ کے نزدیک واقعی شہر بزورِ شمشیر فتح ہوا تھا۔ آخر وقت تک دشمن سے کوئی معاہدہ ان کے سامنے نہیں تھا اس لئے وہ یہ سمجھنے میں معذور تھے کہ شہریوں کو امان حاصل نہیں۔ اسی طرح اکثر نصرانی سپاہیوں کو بھی جب تک ہاتھ نہ روکتے، انہیں یہ خبر نہیں مل سکتی تھی کہ وہ مامون ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خاصی دیر تک فریقین لڑتے رہے۔ مسلمان نصرانیوں کو مارتے کاٹتے شہر میں پھیلتے چلے گئے، دکانوں اور گوداموں کو لوٹ کر خالی کرتے رہے۔ مال واسباب کے ان انباروں میں بہت سا وہ سامان بھی تھا جو رچرڈ نے مصری قافلے سے لوٹا تھا۔

نصرانی قلعے میں محصور: اس ہنگامہ آرائی کے دوران عیسائی سفیر سلطان کا امان نامہ لے کر شہر میں داخل ہوا۔ جو فرنگی سمجھدار تھے وہ سلطان کی طرف سے اس قدر اجازت کو غنیمت سمجھ کر فوراً قلعے میں جانے لگے، تاہم بہت سے جوشیلے صلیبی لاعلمی کی وجہ سے دیر تک یافا کی سڑکوں، گلیوں اور بازاروں میں سلطان کے سپاہیوں سے تیغ آزمائی کرتے رہے، ان کی بڑی تعداد ہلاک یا زخمی ہو گئی۔ آخر میں تقریباً دو ہزار عیسائی پسپا ہو کر اپنے ساتھیوں کے پاس قلعے میں چلے گئے جو شہر کے ایک کونے میں ساحل کی ریت کے ساتھ ایک بلند چٹان پر تھا، اس کے عقب میں یافا کی بندرگاہ تھی۔ اس قلعے میں جانے والے فرنگیوں کو سلطان کی جانب سے دی جانے والی جان کی امان کا استحقاق حاصل ہو گیا۔

بدنظمی اور ہنگامہ آرائی: ادھر شہر میں لشکری غلام اور خدام سب اندھا دھند مال واسباب جمع کرنے

❶ النوادر السلطانیہ: ص333، الکامل فی التاریخ: 10/217

میں مشغول تھے۔ گلی کوچے اور بازار آبادی سے بالکل خالی تھے کیونکہ بچے کچے سب لوگ قلعے میں چلے گئے تھے لہٰذا سپاہی جی بھر کے سامان اکٹھا کر رہے تھے حالانکہ اس وقت سب سے اہم کام یہ تھا جن فرنگیوں کو جان کی امان دے کر قلعے میں رہنے کی اجازت دی گئی ہے، ان سے جلد از جلد قلعہ خالی کرایا جاتا اور انہیں بحفاظت قلعے سے نکال کر محفوظ مقامات کی طرف روانہ کیا جاتا۔ اس کام میں تاخیر کی صورت میں یہ خطرہ تھا کہ اگر فرنگیوں کی کمک آگئی تو اسے دیکھ کر قلعے میں پناہ گزیں فرنگی قلعہ بند ہو کر شہر پر دوبارہ قبضے کی کوشش شروع کر دیں گے لہٰذا فوری طور پر قلعہ خالی کروا کر شہر پر قبضہ مستحکم کرنا لازمی تھا۔ مگر سپاہیوں کو سالہا سال بعد مال غنیمت جمع کرنے کا ایسا کھلا موقع ملا تھا اس لئے وہ رکے بغیر اپنے تھیلے بھرتے رہے۔ انہوں نے اپنے افسران کی ممانعت کو نظر انداز کر دیا۔ دن بھر لڑتے رہنے والے سپاہی اس نئی مشقت کے بعد اتنے تھک گئے کہ ان میں مزید کچھ کرنے کی ہمت نہ رہی۔ جب انہیں کہا گیا کہ وہ قلعے میں جانے والے نصرانیوں کے انخلاء کا کام کروائیں تو وہ اس کے لئے تیار نہ ہوئے۔ وہ تھکے ماندے تھے اور صرف آرام کرنا چاہتے تھے۔

ایک پریشان کن اطلاع:- ادھر عصر کے وقت سلطان کو ایک پریشان کن اطلاع ملی۔ عکا کے قریب اسلامی سرحدوں کے نگران قائماز نجمی نے خبر دی تھی کہ رچرڈ نے یافا پر حملے سے آگاہ ہوتے ہی بیروت کی طرف پیش قدمی ترک کر دی ہے۔ اب وہ بحری بیڑے پر یافا آ رہا ہے۔ سلطان کے لئے یہ اطلاع بجلی گرنے سے کم نہیں تھی...... مگر وہ اس بارے میں فوج کو آگاہ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اس طرح یہ بات دشمن تک پہنچ جاتی اور وہ رچرڈ کے آنے تک قلعے میں جمے رہتے۔ سلطان نے حقیقت کو پوشیدہ رکھتے ہوئے سپاہ پر زور دیا کہ وہ جلد از جلد قلعے کو نصرانیوں سے خالی کروا کر اس پر قبضہ کر لیں لیکن سپاہی اس کام کی اہمیت نہ سمجھ پائے اور سستی کرتے رہے کیونکہ دن بھر تلواروں کی گردش اور دھوئیں کی تپش سہنے کی وجہ سے وہ بے حد تھکے ہوئے تھے۔ سلطان رات تک انہیں قلعہ خالی کروانے کا حوصلہ دیتے رہے...... جب سپاہیوں کو کچھ کرنے دھرنے سے بالکل عاجز دیکھا تو تشویش کی حالت میں اپنے خیمے کی طرف چلے گئے۔[1]

واقعی، اس دن فتح کے بعد مسلمانوں سے نظم وضبط کا دامن چھوٹ گیا تھا، بعض افسوس ناک مناظر دیکھنے میں آئے۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

"سلطان کے مملوک افسران کا ایک گروہ شہر کے دروازوں پر کھڑا رہا، وہ شہر سے نکلنے والے ہر مسلمان کی تلاشی لیتے، اس کے پاس مال غنیمت ہوتا تو لے لیتے اگر وہ دینے سے انکار کرتا تو مار

[1] النوادر السلطانیہ: 333_334

پیٹ کر زبردستی چھینتے۔''❶

اس قسم کے واقعات سے بھی خود فوج میں بے زاری پھیل رہی تھی۔شاید قلعے پر فوری حملہ نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ عام سپاہی اپنے مملوک افسران کی سختی سے بددل ہوں۔بہر حال فوج کو حکم عدولی کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔

بحری بیڑے کا بگل ❀ سلطان کی طرح ان کے امراء اور محرم راز رفقاء نے بھی وہ رات اضطراب کے عالم میں گزاری۔ رچرڈ ایک دو دن پہلے بیروت کے راستے سے پلٹ کر ادھر روانہ ہوا تھا۔اب اندازہ یہ تھا کہ وہ کل یافا کے ساحل پر ہوگا۔اگر اس سے پہلے قلعہ فتح نہ ہوتا تو بازی الٹ سکتی تھی۔

تاروں بھری رات کا آنچل آہستہ آہستہ سرکتا رہا،ساحل سے آنے والی خوشگوار ہوا کے جھونکوں میں غازیانِ اسلام بے فکر سو رہے تھے۔ہاں کچھ لوگ تھے جن کی چھٹی حس انہیں خطرے سے آگاہ کر رہی تھی۔انہی لوگوں میں قاضی بہاؤالدین بھی شامل تھے۔''فرنگیوں کو کسی بھی لمحے کمک مل سکتی ہے۔'' اس دھڑکے سے وہ پوری رات نہ سو سکے۔

چند گھنٹوں بعد مشرق میں صبح صادق کا نور پھیلنے لگا......اچانک شمال مغرب کی جانب سے اک مدھم سیٹی جیسی آواز سنائی دی۔ساحل سے دھیرے دھیرے ٹکرانے والی موجوں کے زیر و بم کے ساتھ یہ عجیب سی آواز بہت دور سے آ رہی تھی۔قاضی بہاؤالدین ابن شداد نے ادھر کان لگا لیے۔انہیں یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ فرنگیوں کے لئے کمک آ رہی ہے اور یہ آواز ان کے بحری بیڑے کے بگل کی ہے۔قاضی صاحب کا خدشہ صحیح نکلا تھا۔ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ سلطان نے انہیں اپنے خیمے میں بلوالیا اور کہا:

''کوئی شبہ نہیں رہا کہ فرنگیوں کے لئے سمندری کمک آ گئی ہے،ساحل پر ہمارے سپاہی موجود ہیں جو انہیں آگے بڑھنے سے روکیں گے۔اب آپ فوراً الملک الظاہر کے پاس جائیں اور اسے کہیں کہ وہ جنوبی دروازے کے پاس مورچہ سنبھال لے۔آپ اپنے قابل اعتماد رفقاء کے ساتھ قلعے کے اندر جائیں اور وہاں سے فرنگیوں کو باہر نکلنے پر آمادہ کریں۔ان کے ہتھیار، دولت اور سامان آپ اپنی تحویل میں لیتے جائیں۔''

قاضی ابن شداد،سلطان کے خزانچی شمس الدین کے ساتھ فوراً الملک الظاہر کے پاس پہنچے۔سلطان کا یہ سعادت مند بیٹا ہراول دستوں کا نگران تھا اور سمندر کے کنارے ایک ریتیلے ٹیلے پر سو رہا تھا۔اس حالت میں بھی اس نے ہتھیار لگائے ہوئے تھے اور زرہ پہنی ہوئی تھی تا کہ فوراً کسی خطرے کے مقابلے

❶ الکامل فی التاریخ:10/217

کے لیے تیار ہو سکے۔ قاضی صاحب نے اسے جگایا تو وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ دیر تک جاگتا رہا ہے۔ اس کی آنکھوں میں نیند کا خمار بدستور تھا۔ قاضی صاحب نے اسے تازہ صورت حال اور سلطان کی ہدایت سے آگاہ کیا۔ وہ فوراً قاضی صاحب کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ ❶

دونوں سرپٹ گھوڑے دوڑاتے ہوئے آناً فاناً یافا میں داخل ہوئے اور شہر کی سنسان گلیوں سے گزر کر قلعے تک پہنچ گئے۔ جلد ہی انہوں نے بات چیت کر کے وہاں ٹھہرے ہوئے فرنگیوں کو فوری انخلاء پر آمادہ کر لیا۔ مگر اس سے پہلے کہ فرنگی قلعے سے نکلنا شروع ہوتے، عزالدین جوردیک آگے آ گیا اور بولا:

''پہلے ہمیں شہر کو اپنے لوگوں سے خالی کر دینا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو وہ نکلنے والے فرنگیوں کو گزند پہنچائیں۔''

دراصل شہر میں سپاہیوں کے علاوہ غلام، مزدور، شتربان اور آوارہ لوگ بھی نصرانیوں کو لوٹنے کھسوٹنے کے خیال سے وہاں پہنچ گئے تھے۔ ان پر قابو پانا بہت مشکل تھا۔ بہرحال جوردیک نے ان لوگوں کو شہر سے نکالنے کے لئے بھاگ دوڑ شروع کر دی۔ قاضی صاحب نے جوردیک کو اس کارِ عبث سے روکنے کی بہت کوشش کی، خاصا برا بھلا بھی کہا مگر چونکہ وہ اصل خطرے سے لاعلم تھا اس لئے اپنی دھن میں لگا رہا۔ وہ چھڑی لے کر لوگوں کو ہنکانے اور باہر نکالنے کی کوشش کرتا رہا مگر بدنظم لوگوں کی بھیڑ بھلا کہاں قابو میں آتی۔ آخر دن کی روشنی پھیل گئی، اُدھر فرنگیوں کا بیڑا اُفق پر نظر آنے لگا تھا، اس کے بگل کی آواز قریب آتی جا رہی تھی۔ تب قاضی صاحب نے جوردیک کو کہا:

''بات یہ ہے کہ دشمن کی کمک آ گئی ہے۔ حالات کا تقاضا ہے کہ فرنگیوں کو جلد باہر بھیج دیا جائے، یہ حکم خود سلطان معظم نے دیا ہے۔''

تب جوردیک کا ماتھا ٹھنکا اور وہ قاضی صاحب کے ساتھ قلعے کی طرف لپکا۔ اس دوران قلعے میں موجود فرنگیوں کو بھی معلوم ہو چکا تھا کہ کمک آ گئی ہے، ان میں سے بہت سے قلعے کی فصیل سے سمندر کی لہروں پر آگے بڑھتے ہوئے بیڑے کو دیکھ رہے تھے مگر ابھی تک انہیں اس کمک سے کوئی دلچسپی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ وہ سوچ رہے تھے:

''اب مدد کا پہنچنا بے سود ہے، ساحل پر موجود مسلمان سپاہی ان فرنگیوں کو کنارے پر اترنے ہی نہیں دیں گے بلکہ یہ خطرہ ہے کہ مسلمان ان کی وجہ سے اشتعال میں آ کر ہمیں قتل نہ کر دیں۔''

یہ سوچ کر فرنگی قاضی صاحب اور جوردیک کی ہدایت کے مطابق جلدی جلدی قلعے سے باہر نکلنے

❶ النوادر السلطانیۃ: 334، 335

لگے۔اس طرح 49 مرد اور عورتیں اپنے گھوڑوں اور سواریوں سمیت قلعے سے نکال کر شہر سے باہر پہنچا دیئے گئے۔

مگر اس کے فوراً بعد اچانک ایک عجیب ترین بات ہوئی۔قلعے میں موجود فرنگیوں کے چہروں پر حیرت اور پھر مسرت رقصاں ہوگئی،انہوں نے زرہیں پہن لیں،ڈھالیں اٹھالیں اور جنگ پر کمربستہ ہوگئے۔ اصل میں بحری بیڑا اب اتنا قریب آچکا تھا کہ جہازوں کی تعداد شمار کی جاسکتی تھی اور سپاہیوں کی بھاری نفری کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔

یہ 15 جہازوں اور 30 بڑی کشتیوں پر مشتمل بیڑا تھا جس پر ہزاروں سپاہی سوار تھے۔اتنی بڑی فوج کو مدد کے لئے پہنچتا دیکھ کر قلعے میں موجود فرنگیوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔انہوں نے قلعہ خالی کرنے کا خیال دل سے نکال دیا،انہیں امید ہو چلی تھی کہ وہ مدد کے لئے آنے والی فوج کے ساتھ مل کر شہر پر دوبارہ قبضہ کر سکتے ہیں۔ ❶

قاضی ابن شداد اس وقت قلعے کے دروازے سے متصل ٹیلے پر کھڑے تھے۔فرنگیوں کے بدلتے ہوئے تیور دیکھتے ہی وہ تیزی سے نیچے اتر کر عزالدین جوردیک کے پاس پہنچے۔وہ نشیب میں کچھ سپاہیوں کے ساتھ کھڑا تھا۔

قاضی صاحب نے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ کہا:

''ہوشیار!! اپنے بچاؤ کا انتظام کرو،ان لوگوں کی نیت بدل گئی ہے۔''

جوردیک نے چونک کر انہیں دیکھا اور پھر قاضی صاحب کو لے کر بے تحاشا شہر سے باہر کی طرف دوڑ لگادی۔ادھر یہ دونوں شہر کے پھاٹک سے نکل کر الملک الظاہر تک پہنچے،ادھر قلعے کی طرف سے شور وغوغا کی آواز سنائی دی جو تیزی سے پورے شہر میں پھیلتی چلی گئی۔مسلح فرنگی گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر میں موجود مسلمانوں پر حملہ آور ہوگئے تھے اور وہاں تعینات سلطان کے سپاہی افراتفری کے عالم میں شہر خالی کر رہے تھے۔شہر کے دروازے پر اتنا رش ہو گیا کہ دھکم پیل میں کئی مسلمان کچلے گئے۔آن کی آن میں فرنگیوں نے یافا پر قبضہ کرلیا۔جو مسلمان اندر رہ گئے تھے اب وہ ان کی تیغ ستم کا نشانہ بن گئے۔

یہ صورتحال دیکھ کر الملک الظاہر نے قاضی صاحب کو سلطان کی طرف دوڑایا۔تھوڑی ہی دیر میں معسکرِ سلطانی سے فوجیں پہنچنے لگیں۔مسلمان یک بارگی دھاوا بول کر شہر میں داخل ہوگئے اور فرنگی ان کے حملے کی تاب نہ لاکر پیچھے ہٹتے ہوئے قلعے میں پناہ لینے لگے۔انہوں نے قلعے کے دروازے بند کر

❶ النوادر السلطانیہ: 335_336

لیے اور بے چین نگاہوں سے ساحل کی طرف دیکھنے لگے جہاں رچرڈ کی قیادت میں بحری بیڑا لنگر انداز تھا۔ مگر جب کچھ دیر تک یہ فوج ساحل پر نہ اتری تو قلعے میں محصور فرنگیوں کو یقین ہو گیا کہ ساحل پر تعینات اسلامی فوج کے خوف سے رچرڈ آگے بڑھنے سے کترا رہا ہے۔ حالانکہ رچرڈ کے تذبذب کی اصل وجہ یہ تھی کہ اسے شہر کے اندر کی اصل صورتحال کا علم نہ تھا۔ شہر کی فصیل پر اب بھی ہر طرف مسلمانوں کے پرچم لہرا رہے تھے۔ دور سے دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ قلعے سمیت پورے شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہے۔ ایسے میں شہر میں داخل ہونا اور مسلمانوں سے پنجہ آزمائی کرنا ناممکن تھا۔ ساحل پر بھی مسلمان سپاہی تیار کھڑے تھے، ان سے نمٹنا بھی آسان کام نہ تھا۔

رچرڈ اپنے بیڑے کو گہرے پانی میں یافا کی بندرگاہ کے قریب لے آیا اور وہاں سے بغور شہر کی طرف دیکھتا رہا مگر اسے وہاں فرنگیوں کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔ حالانکہ قلعے کے فرنگی اسے چیخ چیخ کر پکار رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح رچرڈ کو صورتحال سے آگاہ کریں مگر ایک تو سمندر کی لہروں کا شور تھا اور دوسرے مسلمان تکبیر و تہلیل کے نعرے اس شدت سے بلند کر رہے تھے کہ فرنگیوں کا شور شرابا رچرڈ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

آخر کار اہل قلعہ رچرڈ کی امداد سے بالکل مایوس ہو گئے، وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ قلعے پر سلطان کے سپاہیوں کا دباؤ بڑھتا جا رہا ہے اور وہ کچھ دیر میں اندر داخل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ان کے بڑے پادری اور سالار نے دو قاصد سلطان کی خدمت میں بھیج دیے تاکہ اپنی بدعہدی کی معافی مانگتے ہوئے سابقہ شرائط کے مطابق ہتھیار ڈالنے پر آمادگی ظاہر کی جائے اور سلطان سے امان کا پروانہ لکھوا لیا جائے۔

ابھی یہ قاصد سفید پرچم کے ساتھ قلعے سے نکلے ہی تھے کہ ایک اَن ہونی بات ہو گئی۔ ایک فرنگی کی زبردست ذہانت اور حیرت انگیز دلیری نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ یہ شخص قلعے کے عقبی برج سے رچرڈ کے بیڑے پر نگاہیں جمائے کھڑا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اگر رچرڈ کو اب بھی صحیح صورتحال سے آگاہ کر دیا جائے تو بچاؤ کی کوئی صورت نکل سکتی ہے۔ وہ ہمت کر کے قلعے کے برج سے ساحل کی طرف کود گیا۔ [1]

اتنی بلندی سے گرنا جان لیوا تھا مگر خوش قسمتی سے وہ نرم ریت پر گر کر صحیح و سالم رہا۔ وہ تیزی سے دوڑتا ہوا بندرگاہ پر پہنچا اور چلا چلا کر برطانوی بیڑے کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگا۔ اس سے پہلے کہ مسلمان اسے پکڑتے، ایک کشتی تیزی سے اس کی طرف آئی جس میں انگریز سپاہی سوار تھے، وہ اسے ساتھ بٹھا کر فوراً رچرڈ کے جہاز میں لے گئے جس پر رچرڈ کا پرچم لہرا رہا تھا۔ رچرڈ نے جلدی جلدی اس سے حالات پوچھے۔ جب اسے پتا چلا کہ ابھی تک مسلمان قلعے پر قبضہ نہیں کر پائے تو اس کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو گیا۔ اس نے سب سپاہیوں کو بندرگاہ پر اتر کر قلعے میں پہنچنے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے خود رچرڈ کا

جہاز بندرگاہ سے لگا اور وہ اپنے محافظ دستے کے ساتھ وہاں اتر پڑا۔
ساحل پر موجود مسلمانوں سپاہیوں نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر وہ غیر معمولی بہادری کے ساتھ انہیں مارتا کاٹتا فصیل تک پہنچ گیا۔ اس کے پیچھے سپاہی بھی ایک ترتیب سے ساحل پر اتر رہے تھے۔ انہوں نے آناً فاناً ساحل سے مسلمانوں کو پسپا کر دیا۔ پھر وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک حصہ بندرگاہ پر قابض ہو گیا اور دوسرا حصہ رچرڈ کی قیادت میں شہر میں گھس کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو گیا۔ قلعے میں موجود محصور فرنگیوں نے بھی رچرڈ کی آمد سے حوصلہ پایا اور باہر نکل کر مسلمانوں پر ہلہ بول دیا۔ مسلمان افراتفری کے عالم میں شہر سے نکل کر اپنے معسکر کی طرف بھاگنے لگے۔ قاضی ابن شداد یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تیزی سے سلطان کے پاس جا پہنچے۔ پادری کے بھیجے ہوئے سفیر اس وقت تازہ صورتحال سے بالکل بے خبر سلطان کے پاس کھڑے تھے اور سلطان ان کے لئے پروانہ امن پر دستخط کرنے کیلئے قلم ہاتھ میں لے چکے تھے کہ قاضی نے آگے بڑھ کر ان کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے انہیں نئی صورتحال سے آگاہ کیا۔
سلطان نے یہ عجیب اور اضطراب کن خبر بڑے صبر وتحمل سے سنی اور سفیروں کو انجان رکھنے کے لئے ان کو باتوں میں لگا لیا۔ تھوڑی دیر میں یافا سے فرار ہونے والے مسلمان بھی آن پہنچے۔ سلطان نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ فرنگی سفیروں کو حراست میں لے لیں اور فوری طور پر معسکر خالی کر دیں۔ اصل میں سلطان کے سپاہی جس بدنظمی اور حواس باختگی کے عالم میں یافا سے پسپا ہوئے تھے اسے دیکھتے ہوئے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اس وقت دشمن کے معمولی سے حملے کی بھی تاب لاسکیں گے۔ سلطان نے دیکھ لیا تھا کہ یافا سے بے دخلی کی اصل وجہ اس وقت مسلمانوں کی کمزوری نہیں، پست ہمتی ہے۔ اس حالت میں اگر رچرڈ یہاں پہنچ جاتا تو مسلمانوں کو بہت بری شکست ہوتی۔ سلطان نے انہیں منظم کرنے کے لئے ضروری سمجھا کہ عقب نشینی اختیار کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے فوری طور پر معسکر کا ضروری سازوسامان اونٹوں پر لدوا کر پوری فوج کو پیچھے ہٹتے چلے جانے کا حکم دے دیا۔ مسلمان اس قدر تیزی سے روانہ ہوئے کہ انہیں جلدی میں سازوسامان اور خوراک ورسد کے بے پناہ انبار وہیں چھوڑنے پڑے۔ زیادہ تر سامان وہی تھا جو انہوں نے یافا سے غنیمت کے طور پر حاصل کیا تھا۔ اس رات مسلمانوں کی خیمہ گاہ چار پانچ میل پرے 'یازور' منتقل کر دی گئی جبکہ سلطان نے ایک دستے کے ساتھ دشمن سے کچھ فاصلے پر رات گزاری۔ رچرڈ نے رات یافا میں گزارنے کی بجائے اپنا خیمہ باہر وادی میں اسی جگہ لگوایا جہاں دوپہر کو سلطان کا خیمہ نصب تھا۔ اس

طرح وہ اپنی مکمل فتح ثابت کرنا چاہتا تھا۔ [1]

<u>رچرڈ کے کارنامے کی حقیقت</u>❀ رچرڈ کے سوانح نگار اس فتح کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں اور ایسا تاثر دیتے ہیں کہ گویا اس نے صرف چند سو افراد کے ساتھ سلطان کی پوری فوج کو مار بھگایا تھا۔

حالانکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ رچرڈ جب پہلی بار برطانیہ سے عکا کے ساحل پر اترا تھا تو اس کی ساری فوج 25 جنگی جہازوں میں سوار تھی جنہیں عربی میں شوانی کہا جاتا ہے۔ شوانی جسامت میں چھوٹے بحری جہاز جیسی ہوتی تھیں۔ ایک شانیہ میں ایک ہزار تک سپاہی سوار ہو سکتے تھے۔ یافا میں رچرڈ 15 شوانی لے کر آیا تھا، ساتھ 30 عام کشتیاں بھی تھیں۔ ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ 15 ''شوانی'' میں چودہ پندرہ ہزار سپاہی ضرور تھے۔ بقیہ 30 کشتیوں میں اگر سو سو سپاہی بھی ہوں تو ان میں بھی سپاہیوں کی تعداد تین ہزار سے کم نہ ہوگی۔ اس طرح رچرڈ کم از کم سترہ اٹھارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ ساحل پر اترا تھا۔ ادھر قلعے میں بھی دو تین ہزار فرنگی موجود تھے، ان مجموعی طور پر انیس بیس ہزار فرنگیوں کے مقابلے میں یافا شہر میں پانچ چھ ہزار سے زیادہ مسلمان نہیں تھے لہٰذا اگر رچرڈ کے حملے کے باعث انہیں پسپا ہونا پڑا تو یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی، نہ ہی یہ اتنا بڑا کارنامہ تھا جس سے رچرڈ کی تمام ناکامیوں پر پردہ پڑ جاتا۔

رچرڈ کے ساتھ بکثرت فوج ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ شہر فتح کرنے کے بعد وہاں اتنے سپاہیوں کو ٹھہرانے کے لئے جگہ دستیاب نہیں تھی اس لئے رچرڈ نے شہر سے باہر خیمے لگوا کر فوج کو اتارا تھا۔ قاضی ابن شداد اس حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں:

''انگریز بادشاہ اس مقام پر آ کر ٹھہرا جو پہلے سلطان کی خیمہ گاہ تھی کیونکہ شہر میں گنجائش نہیں تھی۔ اس نے قلعے کی فوج کو بھی حکم دیا کہ وہ اکثر سپاہیوں کو اس کے پاس بھیج دیں۔'' [2]

اسی طرح کاتب عماد اصفہانی کی عبارت جو انہوں نے یافا کے مذکورہ معرکے کے ایک ماہ بعد صلح رملہ کے موقعے پر تحریر کی تھی، اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے۔ کاتب عماد لکھتے ہیں:

وکان الفرنج قد ملؤوا یافا من الرجال والاسلحۃ والاقوات لیتقووا بہا علی فتح القدس

یعنی فرنگیوں نے یافا کو سپاہیوں، ہتھیاروں اور غذا کے ذخائر سے بھر رکھا تھا تاکہ اس کے ذریعے القدس کو فتح کرنے کی قدرت حاصل کر سکیں۔ [3]

---

[1] النوادر السلطانیہ: 337، الکامل فی التاریخ: 10/217

[2] النوادر السلطانیہ: 337

[3] الروضتین: تحت 588ھ ذکر عقد الہدنۃ بین السلطان والانکتیر

بہر حال ہفتہ 19 رجب (31 جولائی) کا معرکہ اس لحاظ سے اہل یورپ کے لئے تیسری صلیبی جنگ کا یادگار باب بن گیا کہ اس میں رچرڈ ڈرامائی انداز میں یافا پر قبضہ برقرار رکھنے میں کامیاب ہو گیا اور سلطان کو اس مقام سے پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ تاہم اس معرکے کے اختتام پر بھی ہر غیر جانبدار مؤرخ سلطان صلاح الدین ایوبی ہی کو غالب تسلیم کرتا ہے کیوں کہ صلیبی جنگ یافا کے لئے نہیں، القدس کے لئے لڑی گئی تھی جو بدستور مسلمانوں کے پاس تھا۔ صلیبی اس سے ایک انچ زمین بھی حاصل نہیں کر سکے تھے۔

صلاح الدین عظیم ہے ٭ رچرڈ کے یافا پر قابض ہونے کے بعد سلطان کے چند مملوک امراء اس سے ملنے آئے۔ رچرڈ خوش گفتار اور رنگین مزاج انسان تھا۔ سلطان کے کئی مملوک سرداروں سے وہ قریبی دستوں کی طرح گپیں لگاتا تھا جن میں بدرالدین ولدرم جیسے نامی گرامی امراء شامل تھے۔ اس دن ایک عزیزی، سنقر مشطوبی، اور ابوبکر عادلی رچرڈ کے خیمے میں پہنچے۔ رچرڈ اپنی فتح پر بڑا خوش نظر آ رہا تھا مگر اسے مسلمانوں کی پسپائی پر حیرت بھی تھی۔ اس نے شوخ لہجے میں کہا:

"بلاشبہ سلطان صلاح الدین عظیم ہے۔ دنیائے اسلام میں اس سے زیادہ باعظمت اور اس سے زیادہ طاقتور حکمران اور کوئی نہیں۔ پھر وہ میرے یہاں پہنچتے ہی کوچ کیوں کر گیا۔ حالانکہ میں جنگ کی کوئی خاص تیاری کر کے نہیں آیا، پھر وہ پیچھے کیوں ہٹ گیا؟"

رچرڈ کے ان جملوں میں سلطان کی عظمت کا اعتراف موجود ہے مگر ساتھ ہی اپنی دلیری کا غرور بھی جھلکتا ہے۔ رچرڈ کی یہ بات محض گپ تھی کہ وہ جنگ کی کوئی خاص تیاری کر کے نہیں آیا۔ حقیقت میں وہ پوری تیاری کے ساتھ بیروت فتح کرنے جا رہا تھا۔ یافا پر مسلمانوں کے حملے کی خبر سن کر وہ اسی تیار فوج کو یہاں لے آیا تھا۔ جہاں تک سلطان کے پیچھے ہٹنے کا تعلق ہے تو سلطان نے مصلحت دیکھ کر ایسا کیا تھا کیوں کہ اس وقت فوج کی بددلی کی وجہ سے رچرڈ سے مقابلہ مشکل تھا۔

بہر کیف ان اچٹتے جملوں کے بعد رچرڈ نے یکدم پینترا بدلا اور سلطان کی معرکہ دانی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

"خدائے بزرگ و برتر کی قسم مجھے توقع نہیں تھی کہ سلطان یافا کو دو مہینے میں بھی فتح کر پائے گا۔ اس نے دو دن میں اس شہر پر کیسے قبضہ کر لیا۔"

پھر رچرڈ نے ابوبکر حاجب کے ہاتھ سلطان کے نام یہ پیغام بھجوایا:

"خدا کے لئے صلح کے بارے میں میری درخواست کا مثبت جواب دیں کیوں کہ ایک نہ ایک دن صلح ضروری ہے۔ سمندر پار میرے شہر تباہ ہو رہے ہیں، اس جنگ کے جاری رہنے میں نہ میرا

کوئی فائدہ ہے نہ آپ کا۔"

سلطان نے اس پیغام کے جواب میں بے لچک اور اصولی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا:

"اس سے قبل آپ کے ساتھ صلح کی گفتگو بعض شرائط کے تحت چل رہی تھی، یافا اور عسقلان کے معاملات زیر بحث تھے۔ اب آپ نے یافا کا مسئلہ بھی خراب کر دیا ہے لہٰذا آپ کو قیساریہ سے صور پر اکتفا کرنا ہوگا۔"

سلطان کو یقین تھا کہ اس دوٹوک انداز کے ردّعمل میں ملتون مزاج اور عیار رچرڈ فوراً اظہار عاجزی کرنے لگے گا۔ ایسا ہی ہوا۔ رچرڈ کی مسکنت اور خوشامد سے لبریز درخواست سلطان کو پہنچی:

"یورپ میں دستور ہے کہ اگر کوئی کسی کو کوئی شہر یا علاقہ بخش دے تو لینے والا دینے والے کا عمر بھر غلام اور وفادار بن کر رہتا ہے۔ میں آپ سے بس ان دو شہروں یافا اور عسقلان کا سوال کرتا ہوں، ان شہروں کی فوج ہمیشہ آپ کی خادم رہے گی اور جب آپ طلب کریں گے آپ کی خدمت میں فوراً حاضر ہو جائے گی۔"[1]

مگر سلطان کو اس قسم کی خوشامدانہ باتوں سے قائل کرنا ممکن نہیں تھا۔ عسقلان کے بارے میں انہوں نے طے کر رکھا تھا کہ وہ اسے کسی قیمت پر دشمن کے حوالے نہیں کریں گے جبکہ یافا کو رچرڈ کے پاس رہنے دینے کا فیصلہ بھی وہ پہلے ہی کر چکے تھے۔ انہوں نے یافا لینے کی بات اسی لئے کی تھی کہ رچرڈ دب کر عسقلان سے دست بردار ہونے پر تیار ہو جائے۔ ایسا ہی ہوا۔ حریف کا عجز و نیاز ظاہر کر رہا تھا کہ اسے صرف یافا پر اکتفا کرنا قبول ہے۔

سلطان نے جواب ارسال کیا:

"جب آپ اس حد تک آ گئے ہیں تو میرا جواب یہ ہے کہ ہم یافا اور عسقلان کو دو الگ الگ حصوں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ یافا اور اس سے شمال کا ساحلی حصہ آپ کا ہوگا اور عسقلان اور اس سے پرے کا علاقہ ہمارا۔"[2]

<u>میں جہاد ہمیشہ جاری رکھوں گا</u>: ہفتہ 20 رجب 588ھ (یکم اگست 1192ء) کو رچرڈ کی طرف سے یافا بخشنے پر شکریے کا مراسلہ آیا مگر ساتھ ہی رچرڈ نے عسقلان کی درخواست بھی دہرائی اور کہا:

"بہتر ہوگا کہ صلح ابھی دنوں طے پا جائے، اگر ایسا ہو جائے تو میں فوراً یورپ روانہ ہو جاؤں گا۔ ورنہ مجھے موسم سرما بھی یہیں گزارنا پڑے گا۔"

---

[1] النوادر السلطانیہ: 338 [2] النوادر السلطانیہ: 338

مگر عسقلان کے بارے میں سلطان کا موقف پہاڑ کی طرح اٹل تھا جسے جنبش دینا ممکن نہیں تھا۔ اگر چہ سلطان اپنے سپاہیوں کی جسمانی و ذہنی تکان اور شدید اقتصادی بحران کے باعث چاہتے تھے کہ جنگ ختم ہو جائے مگر جہاں تک عسقلان کا معاملہ تھا وہ اس کے لئے مزید کئی برس لڑنے کے لئے تیار تھے کیونکہ عسقلان پر فرنگیوں کا تسلط القدس کے محاصرے کے مترادف تھا۔ اس لیے سلطان نے رچرڈ کو ایک تاریخی مراسلہ روانہ کیا جس کی ہر ہر سطر سے مردِ مومن کا یقین اور ایثار پیشہ مجاہد کا جوش دولولہ جھلکتا ہے۔ سلطان نے لکھا:

''عسقلان سے ہمارے دست بردار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں آپ کے لئے موسم سرما یہاں گزارنا ضروری ہے کیونکہ آپ نے ان ساحلی شہروں پر قبضہ تو کرلیا ہے مگر آپ جانتے ہیں کہ آپ کے جاتے ہی ہم ان شہروں کو چھین لیں گے بلکہ آپ کی موجودگی میں بھی اللہ نے چاہا تو ہم یہ شہر دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔

جب آپ اپنے گھر سے دور اور اپنے وطن سے دو ماہ کی مسافت پر موسم سرما کی سختیاں برداشت کر سکتے ہیں حالانکہ یہ آپ کی بھرپور جوانی کا زمانہ اور عیش وعشرت کے ایام ہیں، تو بھلا مجھے محاذ پر سردی یا گرمی کا موسم گزارنے میں کیا دقت ہوسکتی ہے جبکہ میں اپنے ملک میں ہوں، میرے بچے اور میرے گھر والے میرے ساتھ ہیں۔ ویسے بھی میں بوڑھا آدمی ہوں، لذاتِ دنیا کو ترک کر چکا ہوں، میرا دل ان سے بھر گیا ہے، میرے پاس سردیوں کے لئے الگ اور گرمیوں کے لئے الگ فوج کا انتظام ہے۔ جہاد میں مقبولیت کے بارے میں میرا ایمان ہے کہ میں سب سے بڑی عبادت میں مصروف ہوں۔ میں جہاد ہمیشہ جاری رکھوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے فتح یاب کردے۔''[1]

سلطان کا یہ خط ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہر طرح کے جانی و مالی بحران کو برداشت کرتے ہوئے آخر دم تک لڑنے کے لئے تیار تھے۔ ہاں اگر وہ صلح چاہتے تھے تو القدس کے تحفظ کی ضمانت پر۔ وہ ایسی صلح کا تصور نہیں کر سکتے تھے جس سے القدس کی سلامتی اور عالم اسلام کی بقا پر ذرا بھی آنچ آتی ہو اور مسلمانوں کے مفادات متاثر ہوتے ہوں۔ اس کی بجائے وہ میدان میں لڑتے ہوئے شہید ہو جانے کو ترجیح دیتے تھے۔

---

[1] الفرسان الاسلامیہ: 338، 339

فصل:7

آخری جھڑپ اور صلح نامہ رملہ

عسقلان کے بارے میں سلطان کے سنجیدہ اور دوٹوک موقف نے رچرڈ کو گنگ کر دیا تھا۔ کئی دنوں تک وہ مہر بلب رہا اور جنگ جاری رکھنے نہ رکھنے پر غور کرتا رہا۔ اسی دوران عکا سے ہنری اوف شمپین نے رچرڈ کی کمک کے لیے شامی نصرانیوں کو لے کر یافا کی طرف پیش قدمی شروع کر دی تھی۔ اگر یہ لوگ یافا پہنچ جاتے تو رچرڈ کو ایک بار پھر ایک بڑی فوج کی قیادت کا موقع مل جاتا۔ مگر سلطان کو یہ خبر بروقت مل گئی۔ امرائے لشکر سے مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے کہا:

''اگر ہنری کی فوج یافا پہنچ گئی تو ہمیں رچرڈ کے مقابلے میں بڑی مشکل پیش آئے گی بلکہ ممکن ہے کہ ہمیں ساحل کی وادی چھوڑ کر کوہستان تک عقب نشینی اختیار کرنا پڑے۔ اس سے بہتر ہے کہ ہم برق رفتار دستوں کو آگے بڑھا کر ہنری کی فوج کا راستہ مسدود کرنے کی کوشش کریں۔''

اس مشورے کے مطابق سلطان ایوبی منگل 22 رجب 588ھ (3 اگست 1192ء) کی صبح اپنی قیادت میں تیز رفتار سواروں کی فوج لے کر عوجاء پہنچ گئے جہاں انہیں ہنری کی قیساریہ تک پیش قدمی کی خبر ملی۔ مگر اس فوج کا حال ابتر تھا اور حوصلے پست۔ ❶ ...... یورپی مورخین کے بقول ہنری کی اس فوج کو سلطان کے سپاہیوں نے ساحل پر اترنے سے روک لیا تھا اور ہنری ایک کشتی میں صرف چند ناٹوں کے ساتھ یافا پہنچ سکا۔ ❷

آخری جھڑپ: اس دوران سلطان ایوبی کو اطلاع ملی کہ رچرڈ ایک مختصر فوج کے ساتھ یافا کے باہر خیمے لگائے ہوئے ہے۔ سلطان کو خیال ہوا کہ اگر وہاں اچانک حملہ کر دیا جائے تو رچرڈ کو گرفتار کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے خواص اور منتخب سپاہیوں کو ساتھ لے کر ایک غیر معروف مختصر راستہ اختیار کرتے ہوئے تیزی سے اس طرف روانہ ہو گئے۔ عرب بدو ان کی رہنمائی کر رہے تھے۔ بدھ 23 رجب

❶ النوادر السلطانیہ: 339 ❷ صلیبی جنگیں: 286

(4اگست) کو صبح کی ملگجی روشنی میں وہ یافا کے سامنے پہنچ گئے جہاں وادی میں رچرڈ کا پڑاؤ نظر آ رہا تھا۔ یہ زیادہ سے زیادہ دس خیمے تھے۔ سلطان کی فوج قریب پہنچی تو عیسائی ہوشیار ہو گئے۔ رچرڈ نے فوری طور پر سپاہیوں کو مرتب کر کے ایک کمان کی شکل دے دی اور انہیں خیمہ گاہ سے ساحل تک پھیلا دیا۔ یہ صرف پانچ چھ سو سپاہی تھے۔ ان میں سے بھی دس پندرہ گھڑسوار اور باقی سب پیادے تھے۔ ❶

مسلمانوں نے حملہ کیا تو فرنگیوں نے حیران کن انداز میں مدافعت کی۔ وہ قلعہ نما صف بندی کے ماہر تھے۔ انہوں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر بھاری ڈھالوں کی آڑ لے لی۔ لمبے نیزوں کو زمین سے ٹیک کر ان کی انیاں سامنے اٹھا دیں۔ رچرڈ نے ہر دو نیزہ بازوں کے درمیان ایک ایک تیر چرخ انداز بھی کھڑا کر دیا جو دیو پیکر گز دار کمان نصب کیے ہوئے تھا۔ ایک دوسرا سپاہی اس کمان پر تیزہ نما تیر چڑھانے کیلئے مستعد تھا۔ جب مسلمان قریب آئے تو فرنگیوں کے گز دار تیر ان کے جسموں کے پار ہونے لگے۔ گھوڑے زخمی ہو کر گرنے لگے۔ خاصی دیر تک مسلمان ان کے قریب نہ آ سکے۔ آخر گھڑسوار مجاہدین کی ایک ٹولی سرپٹ گھوڑے دوڑاتی فرنگیوں کے حلقے پر حملہ آور ہو گئی مگر قریب پہنچتے ہی گھوڑوں کے سینے صلیبیوں کی ڈھالوں سے کئی گز آگے نکلے ہوئے نیزوں سے چھد گئے۔ یہ ٹولی کئی سواروں سے محروم ہو کر واپس لوٹ گئی۔ دوسری ٹولی نے حملہ کیا مگر اس کا بھی یہی حال ہوا۔ ❷

ایسے چند ناکام حملوں کے بعد مسلمانوں کا جوش و خروش سرد پڑ گیا اور وہ کچھ فاصلے پر ٹھہر گئے۔ سلطان نے ان کی صف کو آگے بڑھنے کا حکم دیا مگر کسی نے جنبش تک نہ کی۔ صرف شہزادہ الملک الظاہر گھوڑا دوڑا کر آگے نکلا مگر سپاہیوں نے اس کی تقلید نہ کی۔ سلطان نے شہزادے کو روک دیا۔ باقی سپاہی سنگی مجسموں کی طرح اپنی اپنی جگہ کھڑے رہے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ باغی ہو گئے ہیں۔ سلطان صلاح الدین رنج اور حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ سیف الدین مشطوب کے بھائی 'جناح' نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ اس زبان دراز امیر نے سلطان کو طعنہ دیتے ہوئے کہا:

''اب لڑائی کے لئے بھی اپنے انہی مملوک امراء کو بلائیے جنہوں نے فتح یافا کے دن لوگوں کو مار پیٹ کر ان سے مال غنیمت چھین لیا تھا۔''

سلطان کا صدمے اور غصے سے برا حال ہو گیا۔ انہیں محسوس ہوا کہ ان کے سپاہی جنگ سے بے زار اور امراء بغاوت پر آمادہ ہیں ورنہ ایک امیر کو ایسے گستاخانہ الفاظ کہنے کی ہمت کیسے ہو سکتی تھی۔ سلطان کو سپاہیوں کی کم ہمتی اور گستاخی کے اس کھلے مظاہرے پر اتنا طیش آیا کہ ان کے وفادار امراء بھی ان کے

❶ الروض الباسم: 339، 340 ❷ سلیبی جنگیں: 289، 290

چہرے کا بدلتا ہوا رنگ دیکھ کر کانپ اٹھے۔ اِدھر مسلمانوں کا توقف دیکھ کر رچرڈ اپنے حلقے سے نکلا اور نیزہ لہراتے ہوئے مسلمانوں کی صف کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گزرتا چلا گیا جیسے انہیں دعوتِ مبارزت دے رہا ہو۔ یہ پہلا اور آخری موقع تھا کہ رچرڈ بذاتِ خود سلطان کے سامنے تھا..... مگر اس دوران دونوں حکمرانوں کی کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔ اس کا کوئی موقع تھا ہی نہیں۔ دونوں میدانِ جنگ میں عین معرکے کی حالت میں تھے۔ [1]

سپاہی چپ چاپ رچرڈ کو دیکھتے رہے۔ وہ اس موقعے سے فائدہ اٹھا سکتے تھے لیکن شاید مسلم افسران نے ایک بادشاہ پر حملہ کرنا اخلاق کے خلاف سمجھا ہو۔ پھر ان میں سے کئی امراء کی سفارتی مواقع پر رچرڈ سے کھلی گپ شپ لگتی تھی، شاید انہیں اچھا نہ لگا ہو کہ ایسے خوش طبع حکمران کو گرفتار کریں۔ وجہ کچھ بھی ہو۔ کسی نے رچرڈ پر حملہ نہ کیا۔

رچرڈ نے مزید لاابالی پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمانوں سے کھانا طلب کیا، فرمائش پوری کی گئی۔ رچرڈ دونوں صفوں کے بیچ میں بیٹھ کر مزے سے کھانے لگا۔ [2]

صلیبی جنگوں کے اس سلسلے میں پہلے بھی کئی بار ایسا ہوا تھا کہ مسلمانوں نے سلطان کی اطاعت میں کوتاہی کی اور بہت جلد اس کا نقصان بھگتا۔ یہ بھی ایک ایسا ہی موقع تھا۔ دشمنوں کا بادشاہ مسلمانوں کے سامنے تھا۔ سلطان ایوبی اسے گرفتار کرنا چاہتے تھے مگر افسران اور سپاہ کی پس وپیش کی وجہ سے نہ صرف یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا بلکہ اس آخری جھڑپ میں بظاہر میدان نصرانیوں کے ہاتھ رہا اور انہیں یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ ہم نے آخری معرکے میں گنتی کے چند افراد کے ساتھ مسلمانوں کو مار بھگایا۔

سلطان ایوبی اپنے سپاہیوں کی کوتاہی اور جناح کی بدزبانی کی وجہ سے اتنے بددل ہو چکے تھے کہ خاموشی سے وہاں سے ہٹ گئے۔ انہیں یقین تھا کہ اس وقت ان کی فوج کچھ کرنے کے موڈ میں نہیں ہے۔ انہوں نے فوج کو اس کے حال پر چھوڑا، گھوڑے کی لگام پھیری اور میدان سے دور اپنی خیمہ گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر فوراً خیمہ اکھڑوایا اور کوچ کر کے "یازور" چلے گئے۔

امراء اور سپاہی ڈرتے ڈرتے ان کے پیچھے آرہے تھے مگر سلطان کے تیور دیکھ کر کسی کو ان کے سامنے جانے کی جرأت نہیں تھی۔ اس مہربان بادشاہ کو عمر بھر کبھی اتنے طیش میں نہیں دیکھا گیا تھا۔ سب کو یقین تھا کہ آج سلطان کئی اشخاص کے قتل کا حکم جاری کریں گے۔ سلطان کا چہیتا بیٹا الملک الظاہر بھی اس دن باپ کے سامنے جانے سے ڈرتا رہا۔ حالانکہ وہ واحد شخص تھا جس نے اس دن غیر معمولی دلیری کا مظاہرہ

[1] النوادر السلطانیہ: 340_64_65

[2] الکامل فی التاریخ: 217/10

کیا تھا اور انگریزوں پر حملے کے لیے تنہا آگے بڑھا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے جلد ہی اپنے غصے پر قابو پالیا۔ بازور میں خیمے لگ جانے کے بعد انہوں نے الملک الظاہر کو اپنے خیمے میں طلب کیا۔ وہ گھبرایا ہوا حاضرِ خدمت ہوا۔ دیکھا کہ سلطان کے پاس دمشق کے تازہ پھلوں کا انبار لگا ہوا ہے۔ سلطان نے نرمی سے کہا:

"امراء کو بلاؤ کہ وہ کچھ کھا پی لیں۔"

الملک الظاہر کا خوف دور ہو گیا وہ خوشی خوشی امراء کو بلا لایا۔ وہ سب ڈرتے ڈرتے آئے مگر سلطان کو مسکراتا دیکھ کر مطمئن ہو گئے۔ یہ سلطان کے عفو درگزر کی ایک بہترین مثال تھی کہ سرکشی کرنے والوں کی بھی خاطر مدارات کر رہے تھے۔ ❶

بہر حال سلطان کو اس دن کے حملے کی ناکامی کا افسوس تھا۔ اگر وہ اپنے سپاہیوں سے ناراض ہوئے تھے تو اس لیے کہ انہوں نے اس جوانمردی اور جاںنثاری کا مظاہرہ نہیں کیا تھا جو وہ پہلے کرتے آئے تھے۔ اگر وہ تھوڑی سی ہمت کر لیتے تو رچرڈ گرفتار ہو سکتا تھا۔ یقیناً سلطان اسے عزت و احترام کے ساتھ آزاد کر دیتے مگر اس کے بدلے وہ پوری ساحلی پٹی یا کم از کم عکا یا صور جیسا کوئی شہر کسی جنگ کے بغیر حاصل کر سکتے تھے۔ افسوس کہ اطاعتِ امیر کے اصول کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے یہ موقع ضائع ہو گیا۔

تیسری صلیبی جنگ کی یہ آخری جھڑپ تھی۔ اس کے بعد فریقین میں سے کسی کو تلوار اٹھانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ رچرڈ سلطان کو دوبارہ یافا سے پسپا کرنے میں کامیاب رہا تھا تاہم اسے خود احساس تھا کہ یہ کامیابی بے وقعت ہے۔ سلطان کے الفاظ اس کے تصور میں گونجتے رہتے تھے کہ:

"آپ کے جاتے ہی ہم ان شہروں کو چھین لیں گے۔"

اس کے نزدیک واپسی کی قابلِ اطمینان صورت ایک ہی تھی اور وہ یہ کہ سلطان سے صلح کا معاہدہ ہو جائے کیوں کہ اسے بہر حال سلطان کے وعدے پر پختہ اعتماد تھا۔ لیکن صلح کے امکان کے حوالے سے اب اس پر مایوسی چھاتی جا رہی تھی۔ اس نے الملک العادل کے سفیر سے کہا:

"اب موسم سرما شروع ہونے والا ہے، لہٰذا میں یہیں رہوں گا، بس بات چیت کو ختم سمجھا جائے۔" ❷

رچرڈ کے ان الفاظ سے سراسر مایوسی جھلکتی ہے، دراصل رچرڈ کے پاس عاجزانہ صلح کے سوا کوئی اور راستہ نہیں تھا کیونکہ حالات اس کے لئے مسلسل ناسازگار ہوتے جا رہے تھے، اس کی ذاتی دلیری اور جنگی مہارت سلطان کی گہری منصوبہ بندی کے آگے مات کھا جاتی تھی۔ ایک دو شہروں کی فتح اور دو چار چھوٹے

---

❶ الفرادر السلطانیہ: 340، 64، 66 ❷ النوادر السلطانیہ: 341

چھوٹے معرکوں میں کامیابیاں اس طویل جنگی سلسلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔ رچرڈ نے یافا میں جو فوج جمع کی تھی، اسے بیماری نے گھیر لیا تھا اور سپاہی بڑی تعداد میں ہلاک ہو رہے تھے۔ شہر کا یہ حال تھا کہ سب کچھ تباہ نظر آتا تھا۔ گندگی اور بدبو سے وہاں انسانوں کا ٹھہرنا مشکل تھا۔ انگریزوں کے اتحادی منتشر ہو چکے تھے۔ فرانسیسی جنوب میں قیساریہ کے پاس پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور دوبارہ رچرڈ کے زیر قیادت لڑنے کے لئے تیار نہیں تھے جبکہ سلطان کے پاس موسم سرما کی تازہ دم فوج پہنچنے والی تھی۔ [1]

تازہ افواج اور المنصور کی آمد ❁ جمعرات 24 رجب (5 اگست) کو سلطان صلاح الدین ایوبی نطرون اور اگلے دن جمعے کو بیت المقدس پہنچے اور وہاں نماز جمعہ ادا کی۔ القدس کو محفوظ و مامون پا کر ان کی ساری تکان دور ہو گئی۔ اگلے دن وہ نئے عزم اور ولولے کے ساتھ اپنے معسکر میں تھے کہ مشرق سے گرد و غبار کے بادل اُڑے اور موصل کا حاکم علاؤ الدین بنفس نفیس فوج کے ساتھ معسکر میں داخل ہوا۔

جمعرات 9 شعبان 588ھ (19 اگست 1192ء) کو جنوب مغرب کی طرف سے ایک فوج نمودار ہوئی۔ یہ مصر کا امدادی لشکر تھا۔ مصر کے ہزاروں سپاہی رنگ برنگے پرچموں تلے مخصوص وردیوں میں اپنی روایتی شان کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ سلطان کے نامور امراء سیف الدین یازکوچ اور درجنوں اسدی افسران اس کی قیادت کر رہے تھے، سلطان نے خود معسکر سے نکل کر اس پرشکوہ لشکر کا استقبال کیا۔

اتوار 12 شعبان (22 اگست) کا دن بڑا خوش گوار تھا۔ شمال مشرق سے ایک بڑی فوج آتی دکھائی دی۔ تقی الدین عمر کا بیٹا محمد الملک المنصور اس کی قیادت کر رہا تھا۔ وہ معسکر میں داخل ہوا اور الملک العادل اسے اپنے ساتھ لے کر سلطان کی مجلس میں پہنچا۔ [2]

الملک المنصور پر نظر پڑتے ہی سلطان کی نگاہوں میں اپنے محبوب سالار تقی الدین کی صورت ابھر آئی۔ انہیں یوں لگا جیسے بیس پچیس برس پہلے والا وہ نوجوان جو فصلِ صلیب کو کاٹنے کے لیے سر ہتھیلی پر لیے پھرتا تھا ایک بار پھر ان کے سامنے ہو۔ ان کا پرجوش بھتیجا جس نے حماۃ سے عکا تک صلیبیوں کو چھٹی کا دودھ یاد دلایا تھا، زندہ ہو کر ان کے سامنے آ کھڑا ہو...... وہ جوان کے اشارے پر جان کی بازی لگا دیتا تھا...... جس کی شمشیرِ برق خیز کی ایک گردش فرنگیوں کی صفیں الٹ دیتی تھی...... جس نے رملہ میں سلطان کی جان بچانے کے لئے اپنے بیٹے احمد کی قربانی دینے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا تھا، آج اپنے دوسرے بیٹے منصور کی شکل میں ان کے سامنے ہو۔

سلطان نے بے اختیار منصور کو گلے سے لگالیا...... وہ منصور کی لغزش کو ضابطے کی حد تک پہلے ہی

[1] صلیبی جنگیں: 284
[2] النوادر السلطانیہ: 341، 342

معاف کر چکے تھے......اب اس ملاپ نے طبیعت کا غبار بالکل دھوڈالا......ان کا دل بھر آیا......وہ بے تحاشا رونے لگے۔ پھر چند لمحوں کے لئے خود پر قابو پایا......مگر زیادہ دیر تک سنبھل نہ سکے......آنسو ایک بار پھر سیلاب کی طرح بہہ نکلے......ان کے نالہ وشیون اور سسکیوں سے حاضرینِ مجلس پر بھی رقت طاری ہوگئی......سب کے دامن بھیگنے لگے۔ کچھ دیر بعد اشکوں کی برسات تھمی تو سلطان نے الملک المنصور کو ساتھ بٹھا کر حال احوال دریافت کیا اور حوصلہ افزائی کی باتیں کیں۔

المنصور کی رکاب میں ایک بڑی فوج کی آمد نے سلطان کا دل خوش کر دیا تھا۔ سلطان نے اسے ہراول دستوں میں شامل کر دیا جو رملہ کے آس پاس تعینات تھے۔ [1]

<u>رچرڈ کو برف اور پھلوں کے تحائف</u>: ایک طرف سلطان کی فوج میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا تو دوسری طرف رچرڈ کی حالت ابتر ہوتی جارہی تھی۔ اس کے پاس جنگی اخراجات اٹھانے کے لئے پیسہ ختم ہوگیا تھا۔ یافا میں اس کی کمان میں اب صرف دو تین سو گھوڑے رہ گئے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ ہوا کہ خود رچرڈ کو ایک شدید مرض نے گھیر لیا اور وہ کسی مہم یا کسی سفر کے قابل نہ رہا۔ سلطان اور اس کے درمیان باضابطہ مصالحتی سفارت کا سلسلہ تو منقطع ہوگیا تھا مگر فریقین کے خواص اور سفیروں کے درمیان اتنے عرصے کی آمد ورفت سے ذاتی مراسم پیدا ہوگئے تھے۔ اس لئے امراء سلطان کی اجازت سے رچرڈ کے ہاں آتے جاتے رہتے تھے۔

رچرڈ کو بیماری کے اس حملے کے دوران برف اور پھلوں کی ضرورت پیش آرہی تھی۔ سلطان کی جانب سے امراء کے ذریعے یہ چیزیں بار بار بھیجی جاتی رہیں۔ رچرڈ نے امرود اور ناشپاتیوں کی فرمائش کی تو سلطان نے فوراً ان کے ٹوکرے روانہ کر دیے۔ سلطان کے اس حسنِ اخلاق اور شرافت پر یورپی مؤرخین نے انہیں بجا طور پر خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ امراء کی اس آمد ورفت سے سلطان کا ایک خاص مقصد بھی پورا ہوتا تھا یعنی وہ اس طرح دشمن کے بارے میں تازہ ترین معلومات حاصل کر لیتے تھے جو عام جاسوسوں کی نگاہوں میں نہیں آسکتیں۔ [2]

<u>سلطان کا نیا منصوبہ</u>: سلطان نے تازہ دم فوج کو مرتب کرنے کے بعد ماہِ شعبان میں امراء کو جمع کر کے کہا:

"رچرڈ شدید بیمار ہے۔ صلیبیوں کے پاس جنگی مصارف پورے کرنے کے لئے روپیہ ختم ہوگیا ہے اور فرانسیسی حتمی طور پر یورپ واپس جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمنوں پر

[1] النوادر السلطانیہ: 242 [2] النوادر السلطانیہ: 242، 243

قابو پانے کا موقع دے دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں یافا کی طرف کوچ کرنا چاہیے۔ اگر وہاں کا دفاع کمزور ہوا تو اس پر قبضہ کر لیں گے، اور اگر صورت حال مختلف ہوئی تو راتوں رات عسقلان پہنچ جائیں گے اور وہاں موجود دشمن کو کمک پہنچنے سے پہلے پہلے اپنا ہدف پورا کر لیں گے۔"

اس منصوبے کے مطابق ایک شب سلطان نے عز الدین جوردیک، جمال الدین فرج اور دیگر معتمد امراء کو ہراول دستوں کی کمان سونپ کر یافا روانہ کر دیا تا کہ وہ شہر کے قریب رک کر جاسوسوں کے ذریعے دشمن کی فوج کی تعداد اور دفاعی انتظامات کی تفصیل معلوم کریں۔ اگلی صبح (جمعرات 16 شعبان، 27 اگست) کو ان افسران کی طرف سے رقعہ ملا جس میں بتایا گیا تھا:

"ہم نے یافا پر دھاوا بولا، وہاں سے صرف تین سو سوار ہمارے مقابلے پر نکلے، ان میں سے بھی اکثر خچروں پر سوار تھے۔"[1]

رچرڈ کا چونکا دینے والا پیغام ❁ سلطان نے ان افسران کو توقف کر کے اگلے حکم کا انتظار کرنے کی ہدایت کی۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ حاجب ابوبکر رچرڈ کے سفیر کے ہمراہ پہنچ گیا۔ رچرڈ کے سفیر نے برف اور پھلوں کے ہدیے پر اپنے آقا کی طرف سے سلطان کا شکریہ ادا کیا[2] ...... مگر حاجب ابوبکر، سلطان کے پاس جو اطلاع لایا تھا وہ اس سے کہیں بڑھ کر تھی۔ اس نے کہا:

"رچرڈ نے مجھے تخلیے میں بلوا کر تاکید کی ہے کہ میں الملک العادل سے بات کر کے کسی طرح اسے عسقلان دلوا دوں اور اگر سلطان عسقلان دینے پر رضا مند نہ ہوں تو کم از کم عسقلان کی فصیل تعمیر کرنے پر اٹھنے والے اخراجات اسے دلوا دیئے جائیں۔ رچرڈ کا کہنا ہے کہ پھر وہ واپس چلا جائے گا بس وہ صرف فرنگیوں میں اپنی عزت کا بھرم رکھنا چاہتا ہے۔"

اس پیغام نے سلطان کو چونکا دیا، کیوں کہ رچرڈ نے اس غیر رسمی پیغام میں پہلی بار عسقلان کے مطالبے سے دست بردار ہونے پر کسی درجے میں آمادگی ظاہر کی تھی[3] ...... سلطان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ رچرڈ کے موقف میں یہ لچک اس لئے آئی ہے کہ اب وہ یافا کے دفاع کے قابل ہے نہ عسقلان کے۔ اس لئے بظاہر رچرڈ کے کسی پیغام پر توجہ دینا بے معنی تھا۔ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ اب فرنگیوں کو بزور شمشیر ساحل کے تمام شہروں سے بے دخل کر دیا جاتا۔ خود سلطان ایوبی کا ذاتی ولولہ بھی یہی تھا۔ ان کا دل فرنگیوں سے صلح پر مطمئن نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے رازدار قاضی بہاؤالدین سے کہا تھا:

"مجھے صلح کرنے میں اندیشہ ہے کہ لاعلمی میں مجھ سے کوئی ایسی بات نہ طے ہو جائے جس سے دشمن

[1] النوادر السلطانیۃ: 343 [2] النوادر السلطانیۃ: 343، 344

قوت پکڑ لے۔ اگر یہ چند شہر ان کے قبضے میں رہ گئے تو یہ لوگ باقی شہروں پر تسلط کی کوشش بھی کر سکتے ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس قوم کا ہر سرغنہ ایک ایک قلعے پر قابض ہے اور اسے چھوڑنے پر تیار نہیں۔ تو ایسا نہ ہو کہ ان سے مصالحت کے باعث مسلمان ہلاکت میں پڑ جائیں۔"[1]

سلطان صلح پر آمادہ کیوں ہوئے؟ ❊ مگر جہاد جاری رکھنے کے اس شدید جذبے کے باوجود سلطان کو اپنی فوج کے جذبات و احساسات اور طبیعت و مزاج کا پورا خیال رکھنا پڑتا تھا۔ اس وقت اگرچہ دیگر صوبوں سے بھاری تعداد میں نئی افواج آ گئی تھیں مگر حقیقت میں تمام امرائے لشکر ذہنی طور پر مزید لڑائی کے لیے آمادہ نہیں تھے اور تو اور الملک العادل بھی انہی میں شامل تھا۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ بتاتے ہیں کہ جب سلطان نے العادل سے صلح کے سلسلے میں مشورہ طلب کیا تو اس نے صلح کر لینے کا مشورہ دیا۔ العادل کا کہنا تھا:

"انگریز بادشاہ واپسی کا سفر اختیار کر کے اپنے وطن لوٹنے کیلئے بے تاب ہے، اسی لئے صلح کیلئے ہاتھ بڑھا رہا ہے، اب اگر ہم نے یہ پیش کش قبول کرنے میں دیر کی تو موسم سرما شروع ہو جائے گا اور سمندر سفر کے قابل نہیں رہے گا، نتیجہ یہ ہوگا کہ انگریز بھی یہیں مورچہ زن رہیں گے اور ہمیں اگلے سال موسم سرما تک اپنی افواج کو محاذ پر ٹھہرانا پڑے گا جبکہ ہماری یہ حالت ہے کہ سپاہی لڑ لڑ کر بے حال ہو چکے ہیں، اسلحہ ختم ہونے کو ہے، سواریاں مفقود ہیں اور خزانہ خالی ہے۔"[2]

صرف امرائے فوج ہی نہیں بلکہ عوام و خواص سبھی پانچ سال سے جاری مسلسل جنگ کا خاتمہ چاہتے تھے کیونکہ اس جنگ نے سینکڑوں مربع میل پر پھیلے ہوئے باغات اور کھیتوں کو اجاڑ دیا تھا، تجارتی شاہراہوں کی چہل پہل اور منڈیوں کی رونق ماند پڑ گئی تھی، بڑے بڑے مالدار لوگ قلاش ہو رہے تھے، عوام کے لیے زندگی مشکل تر ہو رہی تھی، جنگ کے جو اخراجات صلیبیوں کے کئی ممالک مل کر برداشت نہیں کر پائے تھے وہ مسلمانوں کی جانب سے ایوبی سلطنت تنہا برداشت کرتی آ رہی تھی...... مگر اب ملکی خزانہ بالکل خالی ہو چکا تھا، سارے انتظامات قرضوں پر چل رہے تھے، سلطان ایوبی جو کبھی امراء، سپاہیوں اور مجاہدوں پر انعام و اکرام کی بارش کرتے رہتے تھے اب بمشکل انہیں تنخواہیں دے پا رہے تھے۔ ملک کی اقتصادی حالت اب مزید ایک دن کی جنگ کا خرچہ بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ صوبوں اور ضلعوں کی شیرازہ بندی برقرار رکھنے کے لئے لازم تھا کہ اب جنگ روک دی جاتی اور تجارتی و ملکی پیداواری سرگرمیوں پر توجہ مرکوز کر کے اپنی معاشی حالت بہتر بنائی جاتی۔

[1] الفتح القسی: 348 [2] الکامل فی التاریخ: 10/218

یہ وہ حالات تھے جن کے پیش نظر سلطان جنگ بندی پر مجبور تھے۔ بس انہیں ایک شے چاہیے تھی اور وہ تھی القدس کے تحفظ کی ضمانت جو رچرڈ کے عسقلان سے دست بردار ہونے کی صورت میں مل سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ یافا پر حملے کے لئے پابہ رکاب سلطان کو جوں ہی یہ معلوم ہوا کہ رچرڈ کو عسقلان کی فصیل کا خرچہ دے کر عسقلان سے دست بردار کرتے ہوئے صلح نامہ طے کیا جاسکتا ہے وہ فوراً مذاکرات صلح کو ازسرنو جاری کرنے پر تیار ہو گئے۔

صلح نامہ طے ہو گیا ❊ جمعہ 17 شعبان 588ھ (27 اگست 1192ء) کو انہوں نے الملک العادل کو اختیارات دیتے ہوئے یہ مراسلہ روانہ کیا:

''اگر رچرڈ عسقلان سے دست کش ہونے پر آمادہ ہے تو اس سے صلح نامہ طے کرلیا جائے۔''

اسی شب سلطان کے امیر بدرالدین دلدرم نے جو صلح کی نئی گفتگو میں شریک تھا آکر سلطان کو یہ خوشخبری دی کہ رچرڈ عسقلان کے مطالبے سے دست بردار ہو گیا ہے۔

ہفتے اور اتوار کے دن سلطان کے خیمے سے رچرڈ کی آرامگاہ تک سفیروں کی آمدورفت جاری رہی۔ رچرڈ کا کہنا تھا کہ الملک العادل سے گذشتہ مذاکرات میں جو علاقے ہمیں دینے پر اتفاق ہو گیا تھا وہ ہمیں دے دیے جائیں۔

سلطان نے نقشوں کا مطالعہ کر کے تفصیلات لکھوا بھیجیں کہ مذکورہ گفتگو کے مطابق یافا، قیساریہ، ارسوف، حیفا اور عکا کے شہر اپنے مضافات سمیت نصرانیوں کے شمار ہوں گے جبکہ ان علاقوں سے متصل رملہ، یبنیٰ، مجدل یابا، ناصرہ اور صفوریہ کو مسلمانوں کی سرحدی پٹی قرار دیا جائے گا۔

اتوار 19 شعبان (29 اگست) کی شب رچرڈ کے سفیر ٹرشائی نے سلطان کی خدمت میں حاضری دی اور کہا:

''شاہِ انگلستان نے مذکورہ علاقوں پر صلح کی توثیق کر دی ہے اور کہا ہے کہ اگر آپ اس سے زیادہ علاقہ عطا کر دیں تو آپ کا جود و کرم ہوگا۔''

رچرڈ کا سفیر اگلے دن تک سلطان کے پاس رہا اور شرائط صلح کی تفصیل پر اس سے دیر تک بحث ہوتی رہی۔ بعض امور پر سلطان نے امراء کو الگ بٹھا کر بھی مشورے کیے۔ آخرکار دن بھر کی گفت وشنید کے بعد درج ذیل شروط صلح طے ہو گئیں:

- یافا، قیساریہ، حیفا، عکا اپنے نواحی علاقوں سمیت فرنگیوں کے علاقے شمار ہوں گے۔ رملہ اور لد فریقین میں برابر تقسیم ہوں گے۔ پہاڑی علاقے مسلمانوں کی سرحد ہوں گے۔
- عسقلان کی فصیل کو مسلمان اور عیسائی نمائندے اپنی نگرانی میں تباہ کر دیں گے تاکہ وہ

فریقین میں سے کسی کا عسکری مورچہ نہ بن سکے۔ اس کی تباہی مکمل ہونے تک عیسائی نمائندے وہاں رہیں گے کہ کہیں مسلمان اسے خود آباد نہ کرلیں۔

- نصرانیوں کو مسلمانوں کے شہروں میں آنے جانے کی اجازت ہوگی۔ انہیں کوئی ٹیکس وصول کیے بغیر القدس کی زیارت کی سہولت دی جائے گی۔
- یہ صلح تین سال کے لئے ہوگی۔ اس کا آغاز بدھ 22 شعبان 588ھ، یکم ستمبر 1192ء سے مانا جائے گا۔"

اپنے نمائندوں اور سفیروں کو روانہ کرتے ہوئے سلطان نے حتمی لہجے میں تاکید کی کہ اس بار بات طے ہوجانی چاہیے۔ واضح ہوجانا چاہیے کہ وہ صلح چاہتے ہیں یا جنگ۔

آخر سلطان کے نمائندے یافا پہنچے، الملک العادل ان کی قیادت کررہا تھا۔ انہوں نے صلح کی شرائط پر مشتمل دستاویز پیش کی۔ رچرڈ نے جو بستر علالت پر تھا دستاویز کو پڑھے بغیر کہا:

"مجھ میں اس کا مطالعہ کرنے کی طاقت نہیں۔ بس میری طرف سے صلح کی بات طے ہے۔"

مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ صلح کی شرائط کی تفصیل سے لاعلم تھا۔ اسے سب کچھ معلوم تھا بلکہ وہ تمام شقوں کے بارے میں اپنے سرداروں سے مشورہ کرچکا تھا۔ اس نے صلیبی امراء کو مطمئن کرنے کے لئے قسم بھی کھائی تھی کہ وہ صلح کے تین سال پورے ہوتے ہی ایک لشکر جرار لے کر دوبارہ القدس آئے گا۔ اب جب مسلمان سفیروں نے اسے صلح نامہ پیش کیا تو اس کی جانب سے ہنری اوف شیمپین اور دیگر نصرانی زعماء نے صلح نامے کی عبارت کو بغور دیکھ کر اطمینان کا اظہار کردیا۔ تاہم انہوں نے اس وقت حلف برداری سے معذرت کرتے ہوئے کہا:

"ہمارے دستور کے مطابق حلف برداری کے لئے آدمی کا خالی پیٹ ہونا ضروری ہے۔ ہم کچھ نہ کچھ کھا پی چکے ہیں۔"

لہٰذا حلف اٹھانے کا معاملہ صبح پر ٹال دیا گیا۔

اگلے دن 24 شعبان 588ھ (3 ستمبر 1192ء) کو سلطان کے سفیروں اور رچرڈ کے نمائندوں کے درمیان صلح نامے پر حلف برداری کی مجلس منعقد ہوئی۔ رچرڈ خود حلف برداری کی مجلس میں شریک نہیں ہوا۔ اس کے نمائندوں نے بتایا کہ ان کے ہاں معاہدوں میں بادشاہوں کے حلف اٹھانے کا رواج نہیں ہے۔ رچرڈ کی طرف سے ہنری اوف شیمپین، ہمفرے اوف ٹورون، بالیان اوف ابلین اور جنگجو تنظیموں ہاسپٹلرز اور ٹمپلرز کے گرینڈ ماسٹروں نے صلح نامے کی شرائط کی پاسداری کا حلف اٹھایا۔

اسی رات فریقین کے یہ نمائندے سلطان کی خیمہ گاہ میں پہنچے اور اگلی صبح سلطان کی موجودگی میں صلح نامے پر مسلمانوں کی حلف برداری کی مجلس منعقد ہوئی، اس وقت فرنگیوں کی نمائندگی بالیان اور ہمفرے کررہے تھے۔ چوں کہ رچرڈ نے خود حلف نہیں اٹھایا تھا اس لئے سلطان نے بھی حلف برداری میں حصہ نہیں لیا۔ ان کی جانب سے الملک العادل، الملک الظاہر، سیف الدین مشطوب، بدرالدین دلدرم، الملک المنصور اور نئی مجوزہ سرحدوں کے قلعہ دار امراء نے حلف اٹھایا۔ انطاکیہ اور طرابلس کے حکام کو بھی اس شرط پر صلح میں شریک سمجھا گیا کہ وہ شرائطِ صلح پر رضامند ہو کر حلف اٹھائیں گے۔ ①

<u>صلیبیوں نے کیا کھویا کیا پایا</u>؟ مجلس حلف برداری برخاست ہونے سے قبل بالیان نے سلطان کی طرف رخ کر کے یاس انگیز لہجے میں کہا:

"حضور! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام کی تاریخ میں جو آپ نے کیا وہ آپ سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ اور اس جنگ کے زمانے میں جتنے سپاہی ہلاک ہوئے ہیں اس کی مثال سے ہماری تاریخ خالی ہے۔ ہم نے یورپ سے آنے والے جنگجوؤں کے جو اعداد وشمار جمع کئے ہیں ان کے مطابق ان کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے مگر آج ان میں سے صرف دسواں حصہ زندہ سلامت واپس جارہا ہے۔ مرنے والوں میں سے کچھ آپ نے قتل کئے، کچھ کو بیماریوں نے مار ڈالا اور کچھ سمندر میں غرق ہوگئے۔" ②

بالیان کے اس تاریخی جملے سے ایک طرف تو صلیبی جنگ میں شرکت کرنے والے یورپی سپاہیوں کی صحیح تعداد سامنے آجاتی ہے جسے یورپی مؤرخین اپنی خفت مٹانے کے لئے بہت کم ظاہر کرتے ہیں۔ دوسری طرف ان الفاظ سے تیسری صلیبی جنگ میں فریقین کے سود وزیاں کا بھی خوب اندازہ ہوجاتا ہے۔

583ھ (1187ء) سے 588ھ (1192ء) تک جاری رہنے والی اس پنج سالہ جنگ میں یورپ نے اپنی افرادی قوت، مالی وسائل، ذرائع نقل وحمل، معیشت وتجارت اور امن وسکون سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔ یورپ کا شاید ہی کوئی شہزادہ، نواب یا جاگیردار ایسا ہوگا جس نے کسی نہ کسی انداز میں صلیبی جنگ میں حصہ نہ ڈالا ہو۔ ان کے کئی چوٹی کے بڑے بڑے بادشاہ اس جنگ کی قیادت کرنے آئے تھے جن میں جرمنی کے فریڈرک بار بروسا، فرانس کے فلپ آگسٹس اور برطانیہ کے رچرڈ جیسے تاجدار شامل تھے جن کی مشترکہ طاقت پورے ایشیا کو زیرنگین کرنے کے لئے کافی تھی۔ چھوٹے موٹے درجنوں غیر معروف حکمرانوں کی افواج ان کے علاوہ تھیں جو اس پوری جنگ

① النوادر السلطانیہ: 344، 335، 346، 347، 348 ② الکامل فی التاریخ: 10/218، النوادر السلطانیہ: 50، 61

کے دوران ایک تسلسل سے ساحل پر اترتی رہیں۔ پھر جاگیرداروں، نوابوں اور نائٹوں کا کوئی شمار ہی نہ تھا جو ہر حکمران کے پیچھے صفیں باندھے چلے آتے تھے۔

تاریخ یورپ میں اس قدر متنوع نسلوں اور مختلف زبانوں پر مشتمل لشکر کشی کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ صلیبیوں کی خیمہ گاہ میں فرانس، جرمنی، آسٹریا، اسکنڈے نیویا، جینوا، پیزا، اٹلی، وینس، سسلی، ڈنمارک، فریزلینڈ اور ہالینڈ سمیت بیسیوں ملکوں اور قوموں کے افراد یکجا نظر آتے تھے جن سے بات چیت کرنے کے لئے مسلمانوں کو بیک وقت کئی کئی مترجموں کی ضرورت پڑتی تھی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ صلیبیوں کی کسی قوم کے نمائندے کی بات سمجھنے کے لئے مسلمانوں کو اپنے مترجم کے ساتھ فرنگیوں کے بھی دو تین مترجم تلاش کرنے پڑتے جو مطلوبہ الفاظ کا ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرتے۔ کئی زبانوں میں بات منتقل ہو کر آخر اس شکل میں آتی جسے مسلمان مترجم سمجھ سکتا تھا۔ صلیبیوں کے مرد ہی نہیں عورتیں بھی اس لڑائی میں شریک تھیں۔ یورپ کی کئی شہزادیاں اور نواب زادیاں تھیں جو عیش و آرام تج کر اپنے سپاہیوں کی ہمت بڑھانے اس لشکر کے ساتھ چلی آئی تھیں۔ ہزاروں عام عورتیں اور فاحشائیں ان کے سوا تھیں۔

صلیبوں کا یہ طوفان ستم خیز جس مذہبی جوش و جذبے کے ساتھ امنڈا تھا اس کا انداز سلطان کے منشی کاتب عماد کے ایک خط سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے جنگ کے آغاز کے دنوں میں خلیفہ بغداد کے نام روانہ کیا تھا۔ اس خط میں وہ لکھتے ہیں:

> ''اسلام کو نصرانیوں کے ایک ایسے لشکر سے پالا پڑا ہے جس میں شامل لوگ موت کو پسند کرتے ہیں، اس کی آواز پر لبیک کہتے ہیں، انہوں نے وطن اور کاروبار جیسی محبوب چیزوں کو چھوڑ دیا، گھر بار اور دیس جیسی مانوس جگہوں کو ترک کیا۔ ان میں سے ہر ایک اپنے پادری کا تابعدار ہے اور اپنے حاکم کے حکم کا فرماں بردار ہے۔ ہر صلیبی اپنی عبادت گاہ پر غیرت کھا رہا ہے، اپنے عقیدے پر سراپا جوش ہے، اپنے مزار مسیح کے لئے مرا جا رہا ہے اور اپنے گرجے قمامہ (سینٹ جان) کے غم میں جل رہا ہے۔ وہ مفلسی کے باوجود مال طلب نہیں کرتے اور مشقتوں کے باوجود اکتاتے نہیں، وہ صبر کی زرہ پہنے دل مضبوط کئے، ہلاکت خیزیوں میں گھس جاتے ہیں۔''[1]

صلیبوں کا یہ بپھرا ہوا سیلاب شاید بیت المقدس ہی کو نہیں عالم اسلام کے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا..... مگر سلطان صلاح الدین کے ایمان و ایقان، اخلاص و توکل، ایثار

[1] مختصر کتاب الروضتین: 310

دسر فروشی، جرأت و بسالت اور فہم و فراست نے اس طوفان کا رخ اس طرح پھیرا کہ دنیا کی تاریخ میں تیسری صلیبی جنگ کلیسا اور مسیحیت کے ماتھے کا داغ بن گئی۔ سراپا جوش فرنگی، حسرت و مایوسی کے پیکر بنے واپس لوٹنے پر مجبور ہو گئے۔ جو سب کچھ لوٹنے آئے تھے، سب کچھ لٹا کر ساحلِ شام سے فرار ہوتے نظر آئے۔ یورپ کے چھ لاکھ سورماؤں میں سے پانچ لاکھ چالیس ہزار خاکِ فلسطین و شام، صحرائے ایشیائے کوچک اور آبِ بحیرۂ روم میں بے نام و نشان ہو گئے۔ مہم میں شریک ہونے والے بڑے بڑے نامور صلیبی حکمران قدرتِ خداوندی کے شدید ترین انتقام کی زد میں آ کر یکے بعد دیگرے ہلاک و برباد ہوتے چلے گئے۔ جرمنی کا ستم گر بار بروسا فلسطین کے راستے میں ایک گز پانی میں ڈوب مرا۔ اس کا جانشین فریڈک ڈیوک آف سوابیا بحیرۂ روم کی موجوں کا لقمہ بن گیا۔ صلیبیوں کا روحانی پیشوا آرچ بشپ اوف کنٹربری عکا کی وادی میں پیوند خاک ہوا اور ڈنمارک کے جیمز ڈی ایونیز کو ارسوف میں موت کا جام پینا پڑا۔

صلیبی افواج کا مرکزی قائد شاہِ فرانس فلپ آگسٹس، مایوس ہو کر نہایت ذلت و خواری کی حالت میں اس طرح لوٹا کہ شکست کا اَن مٹ دھبا اس کے دامن پر تھا...... پھر اسے اپنے وطن پہنچنا بھی نصیب نہ ہوا اور انطاکیہ کے ساحل پر ہی مر گیا۔ جنگ کا الاؤ بھڑکانے والا شیطان کونرڈ اپنے شہر صور میں باطنیوں کے تیز دھار خنجر کا نشانہ بن کر موت کے گھاٹ اترا۔ جنگ کا آخری کردار رچرڈ تھا جو اب اپنے بیمار و نحیف وجود کو سنبھالتا باقی ماندہ انگریزوں کے ساتھ واپسی اختیار کر رہا تھا اور آگے بے شمار مصائب اس کی گھات میں تھے۔

اس تمام تر تباہی کے بدلے اگر فرنگیوں کو کچھ ملا تھا تو وہ ساحل کا ایک چھوٹا سا علاقہ تھا جسے مسلمان صلح کی میعاد ختم ہوتے ہی فتح کر سکتے تھے۔ جنگ حطین کے بعد فلسطین، اردن اور ساحل شام کے جو وسیع و عریض علاقے سلطان صلاح الدین نے آزاد کرائے تھے، ان میں زیادہ تر علاقہ اب بھی مسلمانوں ہی کے پاس تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ بیت المقدس جس کے لئے پانچ سال تک یہ ہولناک جنگ برپا رہی، بدستور مسلمانوں کی حفاظت میں تھا۔

صلیبی بیت المقدس پر تو کیا قبضہ کرتے ادھ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر القدس کے قریبی مورچے عسقلان پر بھی اپنا حق تسلیم نہ کرا سکے۔ یافا بھی انہیں ایک جاگیر کے طور پر بخشش میں ملا جس کی فوج معاہدے کی رو سے سلطان ایوبی کے احکام کی پابند تھی۔ اس لحاظ سے صلیبی اَن گنت افراد، بے پناہ وسائل اور طویل زمانہ صرف کر کے بھی خالی ہاتھ لوٹ رہے تھے۔ تیسری صلیبی جنگ ہمیشہ کے لیے ان کے ماتھے کا کلنک بن گئی تھی۔

<u>معاہدۂ رملہ کے بعد</u> معاہدے کی تکمیل ہوتے ہی سلطان ایوبی نے ہر طرف ہرکارے دوڑا دیے جو ہر طرف اعلان کر رہے تھے:

"مسلمانوں اور نصرانیوں میں مصالحت ہوگئی ہے، اب دونوں فریق ایک دوسرے کے علاقے میں بلا روک ٹوک آجا سکتے ہیں۔"

اس خبر سے لوگوں پر خوشی کی ایک نا قابل بیان کیفیت طاری ہوگئی۔ قاضی ابن شداد کہتے ہیں:

"یہ ایک یادگار دن تھا، فریقین پر فرحت و مسرت کا ایسا عالم طاری تھا جسے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔"[1]

سپاہی شاداں تھے کہ وہ اپنے گھروں کو واپس جا سکیں گے، تاجر اپنی تجارت چمکنے کے خیال سے مسرور تھے جبکہ عوام کے لئے زندگی کا دوبارہ معمول پر آنا نہایت اطمینان بخش تھا۔ اس دن سلطان صلاح الدین ایوبی کو محسوس ہو رہا تھا کہ قدرت خداوندی نے انہیں جس کام کے لئے پیدا کیا تھا وہ اسے پورا کر چکے ہیں۔ انہوں نے امت مسلمہ کی جانب سے خود پر عائد ہونے والی ذمہ داری ادا کر دی ہے۔ یہ سچ ہے کہ وہ کامل ترین فتح کے متلاشی تھے اور عیسائیوں کو ساحل شام سے مکمل طور پر بے دخل کرنا چاہتے تھے۔ یہ معاہدہ انہوں نے بادل نخواستہ کیا تھا مگر بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ اسی میں امت کی بھلائی تھی کیوں کہ سلطان کی دنیائے فانی سے رحلت کا وقت قریب آچکا تھا۔ معاہدۂ رملہ کے بعد وہ صرف چھ ماہ اس دنیا میں رہے۔ اگر یہ صلح نہ ہوتی تو جنگ کے دوران سلطان کا دنیا سے رخصت ہونا حالات کو یکسر بدل کر سکتا تھا۔ صلح نہ ہونے کی صورت میں رچرڈ موسم سرما شام ہی میں گزارتا۔ اس کی کمان میں یورپی افواج مزید کئی ماہ تک یہیں رہتیں، ایسے میں مسلمانوں کو اپنے بے مثال قائد سے محروم ہوتا دیکھ کر فرنگی ایک بار پھر القدس پر حملے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے۔ مسلمان یہ جنگ سلطان کے عزم وہمت کے سائے میں لڑ رہے تھے۔ سلطان کے بعد شاید وہ اس پامردی سے جنگ جاری نہ رکھ پاتے۔ اس لحاظ سے یہ صلح ایک زبردست فتح کے مترادف تھی۔

شاید سلطان کو بھی اپنا وقت اجل قریب ہونے کا احساس تھا اس لئے انہوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی ایسی صلح کرنے میں دیر نہ لگائی جس میں القدس کے تحفظ کی پوری ضمانت موجود تھی۔ جنگ کے بارگراں سے سبک دوشی کے فرحت بخش احساس کے ساتھ ہی سلطان ایوبی کو حج بیت اللہ کی دیرینہ آرزو کی تکمیل کا خیال آیا جو کب سے فرائض کے پہاڑ تلے دبی تھی۔ چنانچہ صلح نامے کی تکمیل کے بعد اسی محفل میں بیٹھے بیٹھے انہوں نے حج کا ارادہ کر لیا۔[2]

<u>عسقلان کی فصیل کا انہدام</u>: اگلے دن ہفتہ 25 شعبان 588ھ (1192ء) کو سلطان نے امیر علم

---

[1] النوادر السلطانیۃ: 348
[2] النوادر السلطانیۃ: 348

الدین قیصر کو سو ماہر فن معماروں، نقب زنوں اور مزدوروں کے ساتھ عسقلان روانہ کر دیا تا کہ وہ شہر سے نصرانیوں کا انخلاء کرا کے رچرڈ کے نمائندوں کی موجودگی میں شہر کی فصیل اور مورچے منہدم کرا دے۔ علم الدین قیصر کے وہاں پہنچنے کے بعد رچرڈ کا سفیر بھی آ گیا، اس نے وہاں مقیم نصرانی سپاہیوں کو شہر سے نکلنے کا حکم دیا۔ 27 شعبان کو شہر پناہ کے انہدام کا کام زور و شور سے شروع ہو گیا۔ شہر میں رچرڈ کی تعمیر کردہ اس نئی فصیل کے سوا اور کچھ بھی نہیں تھا۔ نصرانیوں نے اپنے رہنے کے لئے نیم پختہ مکانات بنا لئے تھے۔ باقی شہر ویسا ہی کھنڈر تھا جیسا مسلمان اسے چھوڑ گئے تھے۔ دو چار دنوں میں سلطان کی تاکید پر اور کئی امراء بھی علم الدین قیصر کی امداد کے لئے عسقلان پہنچ گئے، انہوں نے فصیل کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے اس کے انہدام کا کام چند دنوں میں مکمل کر لیا۔ [1]

صلیبیوں کو زیارت القدس کی سہولت: 9 شعبان (8 ستمبر) کو سلطان نے نطرون میں پڑاؤ ڈال دیا کیوں کہ صلیبی سپاہی واپس جانے سے پہلے صلح نامے میں دی گئی رعایت کے مطابق القدس کی زیارت کرنا چاہتے تھے سلطان نے ان کو زیارت کی سہولتیں اور مکمل تحفظ دینے میں بے حد فراخدلی اور غیر معمولی ذمہ داری کا ثبوت دیا۔ وہ صلیبی جو کل تک مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے، اب مجاہدین کی حفاظت میں قطار در قطار القدس کی طرف رواں دواں تھے۔ ان کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ القدس کی شاہراہ پر بھیڑ ہی بھیڑ دکھائی دیتی تھی۔

یہ چند دن بڑی رونق کے تھے۔ مسلمان اور عیسائی، عوام و خواص سب ایک دوسرے سے گھل مل گئے تھے۔ یافا سے القدس تک ایک بازار کی سی چہل پہل معلوم ہوتی تھی۔ ایک طرف مسلمان تاجر اونٹوں کے کاروان لئے سامان فروخت کرنے یافا جا رہے تھے، دوسری طرف سے عیسائی زائرین کے قافلے چلے آ رہے تھے۔

قاضی ابن شداد کے بقول نصرانیوں کو زیارت کی اس قدر سہولتیں فراہم کرنے کی ایک خاص وجہ تھی۔ سلطان چاہتے تھے صلیبی جلد از جلد اپنی زیارت کی حسرت پوری کر کے اپنے ملکوں کو لوٹ سکیں تا کہ مسلمان ان کے مزید قیام سے پیدا ہونے والے ممکنہ خطرات سے محفوظ رہیں۔ سلطان کے اس حسنِ انتظام کا کرشمہ تھا کہ ایک ہی دن میں ہزاروں عیسائی زیارت سے فارغ ہو جاتے تھے۔ یہ لوگ نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ مقدس شہر میں داخل ہوتے تھے۔ چرچ سینٹ جان اور دیگر مذہبی مقامات کی زیارت کر کے اپنی مدتوں کی حسرت پوری کرتے تھے۔ جب وہ مفروضہ مزار مسیح کے پاس نذرانہ

[1] النوادر السلطانیہ: 349

عقیدت کے طور پر سکے پھینکتے تو اردگرد منڈلاتے ہوئے بدو تیزی سے آگے بڑھ کر انہیں اٹھا لیتے اور نو دو گیارہ ہو جاتے۔ آخر تنگ آ کر زائرین نے سکے پھینکنے کا سلسلہ ختم کر دیا۔

زیارت کے مراحل کے دوران سلطان کے سپاہی حتی الامکان زائرین کی نگرانی کرتے رہتے تھے تا کہ کوئی مقامی فرد انہیں گزند نہ پہنچائے کیوں کہ مسلمانوں کو اب تک عکا میں اپنے بھائیوں کا قتل عام بھولا نہیں تھا۔ بعض نے سلطان سے خونریزی کی اجازت بھی طلب کی اور کہا:

''ہم بدعہدی کے بدلے بدعہدی کر کے ان نہتے زائرین کے خون سے اپنا جوش انتقام سرد کرنا چاہتے ہیں۔''

مگر سلطان نے سختی سے انہیں منع کر دیا۔ ❶

سلطان نے عام زائرین کی حفاظت کا وعدہ پورا کرنے کے ساتھ ان کے خواص اور معزز لوگوں کی بھرپور خاطر مدارت اور عزت افزائی کی۔ شہزادوں، نوابوں، رئیسوں، پادریوں اور گرینڈ ماسٹروں کو اپنے دسترخوان پر بٹھانے اور ان سے گفت وشنید کا سلسلہ شروع کیا۔

عجیب بات ہے کہ عیسائی زائرین کو زیارت کی سہولیات مہیا کرنے میں سلطان ایوبی جتنی فراخدلی اور رواداری کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں وہاں رچرڈ اس موقع پر اتنا ہی تنگ نظر اور کم ظرف دکھائی دیتا ہے۔ اس نے اپنی ان دو دیرینہ خواہشات کا گلا گھونٹ دیا جن کی تکمیل کا اب بہترین موقع تھا۔ یعنی القدس کی زیارت اور سلطان صلاح الدین ایوبی سے ملاقات۔ وہ نہ تو اپنے مقدس مقامات کی زیارت کے لئے آیا نہ سلطان سے ملاقات کی کوشش کی۔ بلکہ اسے یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ اس کے ہم قوم سہولت اور آرام کے ساتھ جوق در جوق شہر مقدس کی زیارت کے لئے جائیں۔ اس نے سلطان کو خط لکھ کر مطالبہ کیا کہ زائرین کے کھلے عام القدس میں داخلے پر پابندی لگا دی جائے۔ صرف اس شخص کو زیارت کی اجازت دی جائے جس کے پاس شاہی اجازت نامہ ہو۔ فرنگیوں کو رچرڈ کے اس مطالبے کی خبر ملی تو سٹپٹا گئے۔ انہیں اپنے قائد اور رہنما سے ایسے گھناؤنے مذاق کی توقع نہیں تھی۔ تاہم انہیں اس وقت اطمینان ہوا جب انہیں معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے رحم دل حکمران نے ان کے خبطی بادشاہ کا مطالبہ مسترد کرتے ہوئے جواب دیا ہے:

''آپ کی قوم دور دراز کا سفر کر کے مقدس مقام کی زیارت کے لئے آئی ہے، میں ان پر پابندی نہیں لگا سکتا۔'' ❷

رچرڈ نے اسی قسم کے ایک اور جلے بھنے مراسلے میں سلطان کو لکھا:

❶ طیبی گبی: 307 ❷ النوادر السلطانیہ: 350

''فرانسیسی ہمارے معاہدے میں شریک نہیں ہوئے تھے،اس لئے انہیں مقدس شہر کی زیارت کی اجازت نہ دی جائے۔''

سلطان نے جواب دیا:

''بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔میں نے سب عیسائیوں کو القدس کی زیارت کی اجازت دی ہے تو فرانسیسیوں کو کیسے محروم کرسکتا ہوں۔''[۵]

ان مثالوں سے سلطان کی بالغ نظری اور رچرڈ کی تنگ دلی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔سلطان صلاح الدین ایوبی یہاں اخلاق کے اعلیٰ ترین معیار پر نظر آتے ہیں کہ ان کا دامنِ کرم دشمنوں کے لئے بھی کشادہ ہے اور اُدھر رچرڈ کی ذہنی پستی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے ہم قوموں کو سلطان کے بحرِ فیض سے سیراب ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔یورپی مؤرخین رچرڈ کی ان حرکات کی کوئی مناسب توجیہ پیش نہیں کرسکے۔اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ شکست کے صدمے اور شدید بیماری نے انگریز بادشاہ کو مخبوط الحواس بنادیا تھا۔

بدقسمت رچرڈ اسی حالت میں 29 شعبان 588ھ(8 ستمبر 1192ء) کو ہنری اوف شیمپین، دیگر سرداروں اور بقیہ سپاہیوں کے ساتھ یافا سے عکا روانہ ہوگیا تاکہ وہاں سے انگلستان جانے والے جہاز میں سوار ہوجائے۔اس کے جانے کے بعد ساحل پر اسلامی لشکر کے جمع رہنے کی کوئی ضرورت نہیں رہ گئی تھی۔چھٹی صدی کا ہجری کا سب سے عظیم جہادی سلسلہ انتہا کو پہنچ چکا تھا۔[۵]

سلطان کا شوقِ حج: سلطان ایوبی نے یکم رمضان(10 ستمبر) کو لشکر میں عام تعطیل کا اعلان کرادیا۔اربل،موصل،سنجار اور دیگر علاقوں کے کمانڈر اپنے اپنے قائدین کی سرکردگی میں پرچمِ فتح لہراتے ہوئے اپنے صوبوں کو واپس جانے لگے۔وہ سب بے حد خوش تھے کہ کفر واسلام کا طویل ترین معرکہ جیت کر سرخروئی کی حالت میں اپنے یارانِ وطن سے ملیں گے اور مدتوں بعد اپنے اہل وعیال کے ساتھ عید الفطر منائیں گے۔

ادھر سلطان کا شوقِ حج بڑھتا چلا جارہا تھا،انہوں نے قاضی بہاؤ الدین ابن شداد سے اس تڑپ کا اظہار بھی کردیا تھا۔قاضی صاحب نے موقعے سے فائدہ اٹھانے کی صلاح دی تو سلطان نے حج کا حتمی فیصلہ کرکے اس سلسلے میں تیاریاں شروع کرادیں کیوں کہ تین ہفتوں بعد شوال میں موسمِ حج شروع ہورہا تھا۔

سلطان نے لشکر میں اعلان کرادیا کہ جو سپاہی بھی حج کا ارادہ رکھتے ہوں وہ اپنے نام لکھوادیں تاکہ ان کی تعداد کا تخمینہ لگا کر اس کے مطابق انتظامات کرلئے جائیں اور انہیں سرکاری خرچ پر حج کے لئے روانہ کیا جاسکے۔قافلہ ترتیب دینے کے لئے بھاگ دوڑ شروع ہوگئی۔سلطان کے ساتھ حج کا ارادہ

[۵] النوادر السلطانیہ:350

[۵] النوادر السلطانیہ:350

کرنے والوں کے نام لکھے جانے لگے۔ جن لوگوں نے راستوں کے شہروں سے سلطان کے قافلے میں شمولیت کا ارادہ ظاہر کیا ان کے نام الگ لکھ لیے گئے۔

سلطان نے مصر اور یمن کے حکام کے نام مراسلے روانہ کر دیے کہ وہ حج کے انتظامات اور حجاج کی خدمت کے لیے ہر ممکن کوشش کریں۔ سلطان نے ان کے قافلوں کے لیے بحری راستے سے خوراک، نقد رقم، لباس اور دیگر ضروری اجناس روانہ کر دیں۔ راستے کے شہروں میں قافلے کی ضروریات کا پیشگی انتظام کرنے کی ہدایات روانہ کر دی گئیں۔ [1]

---

[1] النوادر السلطانیہ: 351

اَسباقِ تاریخ

- مقابلے میں کبھی فتح ہوتی ہے کبھی شکست۔ مگر انجام کار کامیاب وہ رہتا ہے جو وقتی شکست سے مایوس نہ ہو۔ اپنی غلطیوں کو درست کر کے نئی ہمت و حوصلے سے چیلنج کا سامنا کرتا رہے۔ سلطان کو عکا میں بھی شکست ہوئی اور ارسوف میں بھی مگر انہوں نے ہر ناکامی کو کامیابی کا زینہ بنا کر دکھایا۔
- اسلامی سیاست میں قیدیوں پر رحم کھا کر آزاد کرنا بھی جائز ہے اور قتل کرنا یا غلام بنانا بھی۔ جب مظلوم مسلمانوں کے زخمی دلوں کو تسکین دینے اور دشمن کو مرعوب کرنے کی مصلحت سامنے ہو تو حکمران قیدیوں کو قتل کرنے کا اختیار استعمال کر کے یہ مقصد حاصل کر سکتا ہے۔ سلطان نے ساحلی تعاقب میں زیادہ تر ایسا ہی کیا۔
- حکمران کو بعض اوقات ایسے فیصلے کرنے پڑتے ہیں جو جان کنی کی مانند بھاری ہوتے ہیں۔ قوم کو کسی بڑی مصیبت سے بچانے کے لیے چھوٹی مصیبت میں جھونک دینا ایسا ہی جاں گداز اقدام ہوتا ہے۔ شہروں کو بسانا اور شہریوں کو ہر طرح کی تکلیف سے بچانا حکمران کی ذمہ داری ہے۔ لیکن کبھی اس کے برعکس کرنا پڑ جاتا ہے۔ کسی بہت بڑے ہدف کو دشمن کی زد سے بچانے کے لیے ایک نسبتاً کم ہدف کی قربانی دینا ناگزیر اقدام بن جاتا ہے۔
- میدان کی جنگ کی طرح مذاکرات بھی ایک جنگ سے کم نہیں۔ یہاں غیر معمولی دوراندیشی، موقع شناسی اور احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی جیتی ہوئی بازی مذاکرات کی میز پر شکست میں تبدیل ہو جاتی ہے اور کبھی شکست خوردہ فریق مذاکرات کے ذریعے بیش بہا منافع حاصل کر لیتا ہے۔
فرنگیوں کے مختلف گروہوں سے سلطان کے مذاکرات میں ہمیں باوقار، محتاط، سنجیدہ اور کامیاب مذاکرات کا عمدہ نمونہ دکھائی دیتا ہے۔
- ظاہری اسباب و وسائل استعمال کر ڈالنے کے بعد اللہ پر توکل کرنا اور اس سے مدد چاہنا مسلمان کا آخری اور سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ سلطان نے القدس کے معرکے میں اسی آخری ہتھیار سے کام لیا تھا۔
- اگر ماتحت کسی مصلحت کی وجہ سے [illegible] حکمت عملی [illegible] ہوں تو اسے غداری کے مترادف نہ

سمجھ لیا جائے۔ان کے خلوص پر شک کرنے کی بجائے ان کی بات کھلے ذہن سے سنی جائے۔ورنہ پھوٹ پڑ سکتی ہے جو کہیں زیادہ نقصان دہ ہے۔

- بہترین سیاست دان بھی کبھی سیاسی فیصلوں میں خلاف مصلحت راستے پر گامزن ہو سکتا ہے۔ایسے میں اسے صحیح مشورے کی ضرورت ہوتی ہے۔
- بڑائی کی بات یہ ہے کہ اپنی غلطی سمجھ آجائے تو اسے ماننے اور اس کے تدارک میں دیر نہ کی جائے۔سلطان کا الملک المنصور کے بارے میں سخت کارروائی کا فیصلہ درست نہ تھا۔ابوالہیجاء نے جب صاف گوئی سے اس پر اعتراض کیا تو سلطان نے فیصلہ بدل دیا۔
- جب خطرے کا احساس ہو چلے تو احتیاط کے ہر پہلو کو اختیار کیا جائے۔مصر کے قافلے نے تنبیہ پر توجہ نہ دی۔آخر نا قابل تلافی نقصان ہو کر رہا۔
- مقابلے کے وقت چند گھڑی کی سستی کئی سال بھگتنا پڑتی ہے۔یافا کا قلعہ خالی کرانے میں آٹھ دس گھنٹے کی سستی نے، جیتی بازی ہاتھ سے نکلوا دی۔پھر یہ شہر پچیس سال بعد فتح ہوا۔
- ماتحتوں کے اعصابی تناؤ ذہنی وجسمانی تھکان اور سابقہ خدمات کو ملحوظ رکھ کر ان کی گستاخی اور حکم عدولی کو برداشت کر جانا بڑے دل گردے کی بات ہے۔یہ وصف کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔
- اگر ستر اسی فی صد نتائج مل رہے ہوں تو سو فی صد نتائج کی خاطر انہیں داؤ پر لگا دینا کار دانش مندی نہیں۔سو فی صد نتائج قسمت سے نصیب ہوتے ہیں کوشش سے نہیں۔
- جنگ کرنا مردانگی ہے اور کامیاب مصالحت عقل و تدبیر۔ہر شے کا ایک وقت ہوتا ہے۔کامیاب رہنما صحیح طور پر فیصلہ کر لیتا ہے کہ یہ جنگ کا وقت ہے یا مصالحت کا۔اس چناؤ میں غلطی سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے۔

باب:4

تیسری صلیبی جنگ کے بعد

شخصیات

الملک العادل	....	سلطان کا بھائی اور دست راست۔ سلطان کے بعد شام و مصر کا حکمران
الملک الظاہر	....	سلطان کا بیٹا۔ حاکم حلب
الملک الافضل	....	سلطان کا بیٹا۔ سلطان کا جانشین
قاضی فاضل	....	سلطان کے وزیر
قاضی بہاؤالدین ابن شداد	....	سلطان کے مشیر، سوانح نگار
کاتب عماد اصفہانی	....	سلطان کے سیکرٹری، مشیر
سیف الدین مشطوب	....	سلطان کا امیر
بہاؤالدین قراقوش	....	عکا کا حاکم
صارم الدین قائماز نجمی	....	سلطان کا کمانڈر
سلیمان بن جندر	....	سلطان کا درباری۔ امیر
عزالدین جاولی الاسدی	....	سلطان کا کمانڈر
عزالدین جردیک	....	سلطان کا کمانڈر
عزالدین اسامہ	....	حاکم بیروت
شیخ ابوبکر جعفر	....	سلطان کے [illegible] کے امام مسجد
الملک المعظم توران شاہ	....	سلطان ای[illegible] کا بیٹا
الملک المعظم عیسیٰ	....	الملک العاد[illegible]۔ حاکم دمش[illegible]
الملک الکامل محمد	....	الملک العادل کا بیٹا۔ حاکم مصر
الملک الاشرف موسیٰ	....	الملک العادل کا بیٹا۔ حاکم الجزیرہ

فصل:1

بیت المقدس اور دمشق میں سلطان کے آخری ایام

لطرون کا فوجی کیمپ اب خالی ہوتا جا رہا تھا۔ روزانہ ہزاروں سپاہی قافلوں کی شکل میں اپنے ملکوں کا رخ کر رہے تھے۔ ایسے میں 4 رمضان (13 ستمبر) کو سلطان ایک بار پھر بیت المقدس میں داخل ہوئے۔

وہ کعبۃ اللہ کے سامنے حاضری سے پہلے قبلۂ اوّل میں جی بھر کے عبادت کرنا چاہتے تھے۔ ماہِ مقدس اور سجدہ گاہِ انبیاء کی برکتوں کو پوری طرح وصول کرنا چاہتے تھے۔

سلطان نے ماہِ مبارک بیت المقدس میں کس طرح گزارا اور کس کس طرح اپنے رب کی بارگاہ میں اظہارِ عجز و نیاز کیا، یہ سلطان کے درباریوں اور روزنامچہ نگاروں سے بھی مخفی رہا، ان معمولات کی ہمیں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ اخلاص سے بھرپور عبادات اور سراپا راز و نیاز مناجاتیں کسی گوشۂ تنہائی میں ہی ہو سکتی ہیں، جہاں رب کے سوا کوئی دیکھنے والا ہو نہ سننے والا۔

بیٹے کو گراں مایہ نصائح: سلطان ایوبی کی بعض باتوں سے محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے فرشتۂ اجل کی قدموں کی خاموش چاپ سن لی تھی۔ رمضان کی ستائیسویں تاریخ کو انہوں نے اپنے محبوب بیٹے الملک الظاہر کو کوچ کے لئے الوداع کہا اور خود اپنی محبوب ترین جگہ صخرۂ مقدسہ کے پاس نوافل میں مشغول ہو گئے۔ شہزادہ روانہ ہونے لگا تو سلطان نے اسے دوبارہ پاس بلوالیا۔ باپ بیٹے نے ساتھ افطار کیا۔ نمازِ عشاء اور تراویح کے بعد سلطان وصیت کے انداز میں گویا ہوئے:

''بیٹے! میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں؟ یہ ہر بھلائی کی جڑ ہے۔ تمہیں اللہ کے احکام پر عمل کرتے رہنے کا حکم دیتا ہوں۔ یہی تمہاری نجات کا سبب ہوگا۔

میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ قتلِ ناحق اور خون ریزی سے بچتے رہنا، کیوں کہ ناحق بہنے والا خون رنگ لا کر رہتا ہے۔ میری وصیت ہے کہ رعایا کی دل گیری کا خیال رکھنا۔ ان کے حالات پر نظر رکھنا کیوں کہ تم میری طرف سے بھی اور اللہ کی جانب سے بھی ان لوگوں کے امین ہو۔

میں تمہیں یہ بھی نصیحت کرتا ہوں کہ امرائے سلطنت، ارباب حکومت اور بڑوں کی دلجوئی اور ان کا احترام کرتے رہنا۔ دیکھو میں نے بھی جو مرتبہ پایا ہے وہ لوگوں کی دلجوئی کی وجہ ہی سے پایا ہے۔ دیکھو! کسی سے حسد مت کرنا کیوں کہ آخرکار سب نے ہی مرنا ہے۔ اگر تم پر اللہ کا کوئی حق باقی رہ گیا ہو تو وہ اس کی بارگاہ میں توبہ کرنے سے معاف ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ بہت کرم نواز ہے۔ اپنے اور لوگوں کے حقوق و معاملات میں بہت احتیاط سے کام لینا کیونکہ اگر ان کا کوئی حق باقی رہ گیا تو بروز حشر ان کو راضی کئے بغیر مغفرت نہیں ہوگی۔"

الملک الظاہر سحری کے وقت تک باپ کی خدمت میں رہ کر ایسی گراں مایہ نصیحتیں سنتا رہا۔ صبح صادق کے قریب اس نے جانے کی اجازت مانگی۔ سلطان ایوبی اٹھ کھڑے ہوئے۔ بیٹے کو رخصت کرنے دروازے تک آئے۔ خلاف معمول اس کے رخسار پر بوسہ دیا، سر پر ہاتھ پھیرا اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔

قاضی ابن شداد جو اس مجلس میں حاضر تھے، بغور دیکھ رہے تھے کہ سلطان کا یہ اظہار محبت عام دنوں سے بالکل الگ ہے۔ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ عظیم باپ عن قریب اپنے بہادر بیٹوں سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے والا ہے۔ ❶

<u>القدس میں ترقیاتی کام</u>: بیت المقدس میں اپنے آخری قیام کے ان دنوں میں سلطان نے شہر کے انتظامات کو بہتر بنانے پر بھرپور توجہ دی۔ شہر کے راستوں کو صاف اور پختہ کرانے کا منصوبہ شروع کیا۔ القدس میں ایک تعلیم گاہ کی شدید ضرورت تھی۔ سلطان نے ایک بڑے مدرسہ کی بنیاد رکھ دی اور اس کے ذرائع آمدن کا مستقل انتظام کرنے کے لئے ایک بازار کی دکانیں اور شہر کے نواح میں کئی باغ وقف کر دیے۔ شہر مقدس میں قیام پذیر صوفیاء اور درویشوں کے لئے جملہ سہولتوں کا انتظام کیا اور ان کے اخراجات کے لئے بھی جاگیریں وقف کیں۔ اس کے علاوہ چرچ سینٹ جان (کنیسہ قمامہ) کو جانے والی شاہراہوں پر واقع ایک غیر آباد گرجے کی جگہ ہسپتال کی بنیاد رکھی کیوں کہ یہ اہل شہر کی ایک اہم ضرورت تھی۔ سلطان نے اس ہسپتال میں ماہر طبیب اور سرجن مقرر کرنے اور انہیں ہر قسم کی ادویہ اور طبی آلات فراہم کرنے کا حکم دیا۔ جنگ کا خطرہ دور ہو جانے کے باوجود سلطان نے شہر کے دفاعی انتظامات کے استحکام کا کام بھی جاری رکھا۔ شہر کی فصیل کا دائرہ وسیع کر کے اسے گنبد صہیون کے پار تک لے جایا گیا۔ اس طرح یہ مزید علاقہ فصیل بند شہر کا حصہ بن گیا۔ شہر پناہ کی خندق مزید گہری کروائی اور امراء کو <u>تاکید کی کہ فصیل کے اس پورے حلقے کے گرد خندقوں کا دائرہ کھینچ دیا جائے۔</u> ❷

❶ النوادر السلطانیہ: 353
❷ الروضتین: 4/332، ابن اثیر: 10/216

پورے ماہِ رمضان میں سلطان کا آستانۂ عدل واحسان کھلا رہا۔ لوگ دربارِ سلطانی سے اپنی حاجات پوری کراتے اور دعائیں دیتے جاتے۔ سلطان نے اپنے معتمد امیر عز الدین جوردیک کو القدس کا نیا والی مقرر کردیا تھا کیونکہ اس کی امانت داری اور عوامی خدمت کے کاموں میں مستعدی شک وشبے سے بالاتر تھی۔ القدس کے نواحی شہروں الخلیل، غزہ، داروم اور ویران وبرباد عسقلان کو علم الدین قیصر کی نگرانی میں دے دیا گیا تھا۔ ❶

صلیبی جنگ کے اختتام پر سلطان کا مقام ✵ جنگ کے اختتام پر ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کو فتح یابی، اقبال مندی، جہانگیری اور سروری کے اس مقام پر دیکھتے ہیں کہ اس سے بلند مقام کا تصور مشکل ہے۔ سلاطینِ اسلام میں ایسی سعادت، عظمت، اور مقبولیت شاید ہی کسی کو نصیب ہوئی ہو۔ جنگ کے آخری ایام میں سلطان کا پرچمِ اقبال لیبیا کے ریگزاروں سے دجلہ وفرات کی وادی تک اور دیارِ بکر کے پہاڑوں سے یمن کے ساحل تک لہرا رہا تھا۔ دنیا بھر کے مسلم وغیر مسلم صلیبی جنگ کے اس فاتح کے دربار میں جبیں سائی کو اپنی خوش قسمتی تصور کرتے تھے اور اپنے تنازعات دور کرنے کے لئے اس مقتدر قوت کے ایماء کو قولِ فیصل تسلیم کرتے تھے۔ علامہ ابن اثیر نقل کرتے ہیں کہ رمضان 587ھ (اکتوبر 1191ء) میں ایشیائے کوچک کا سلجوقی حکمران معز الدین اپنے بھائیوں سے تقسیمِ سلطنت کے تنازعے کے سلسلے میں سلطان کے پاس آیا۔ جب وہ ملاقات کرکے رخصت ہونے لگا تو سلطان معسکر کے باہر اسے الوداع کہہ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہونے لگے تب معز الدین نے لپک کر انہیں سوار کرایا۔ اتنے میں موصل کا حکمران علاؤ الدین آگے بڑھا اور سلطان کی پوشاک درست کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر ایک شخص کے منہ سے نکلا:

"ایوب کے لختِ جگر! تجھے اب مرنے کا کیا غم کہ سلجوقی اور اتابک خانوادے کے شہزادے تجھے پابہ رکاب کرتے ہیں۔" ❷

یہ ایک مثال ہے ورنہ اس دور کے کتنے ہی تاجداروں کے لئے سلطان کی کفش برداری باعثِ فخر تھی۔ قسطنطنیہ کا قیصر اسحٰق فرشتہ خصال (آئیزک دی اینجل) سلطان کا سایۂ عاطفت طلب کرتا تھا اور سلطان کی حمایت میں صلیبیوں سے بغض وعناد کا کھلم کھلا اظہار کرتا تھا۔ گرجستان کا نصرانی بادشاہ سلطان سے تعلقات بہتر بنائے رکھنے میں اپنی عافیت سمجھتا تھا۔ صلح رملہ سے دو دن پہلے (منگل 20 شعبان 588ھ کو) یہ عجیب منظر دکھائی دیتا ہے کہ شاہِ گرجستان کا سفیر سلطان ایوبی کے سامنے دست بستہ ہے اور مراسم

❶ النوادر السلطانیہ: 354، الروضتین، 588 ہجری، ذکر عز الدین جوردیک ❷ الکامل فی التاریخ: 10/ 212 تحت: 587 ہجری

کر روانہ بخشنے کی درخواست لئے کھڑا ہے۔ اسی دن دربار میں حاکم ارزن الروم کا سفیر بھی نظر آتا ہے جو مکمل اطاعت اور حلقہ بگوشی کا پیغام لایا ہے۔ یہی نہیں ایک طرف حاکم خلاط سیف الدین بکتمر کا نمائندہ بھی موجود ہے جو سلطان کی تابعداری، وفاداری اور سلطان کے اشارے پر اپنی افواج کی محاذ پر حاضری کا عہد لے کر آیا ہے۔ [1]

پھر صلح کے فوراً بعد جمعہ 23 رمضان 588ھ (2 اکتوبر 1192ء کو) ہم عباسی خلیفہ کے ایلچی کو القدس میں سلطان سے ملاقات کرتا دیکھتے ہیں جو دو طرفہ تعلقات کی پختگی کے لئے سفارتی رابطے تیز کرنے کا پیغام لے کر آیا ہے۔ [2]

سلطان کی فتح کی اہم وجوہ: صلیبی جنگ میں مسلمانوں کی کامیابی جہاں سلطان کی مومنانہ شجاعت، دینی حمیت، سیاسی تدبر اور عسکری و سیاسی تجربہ کاری کے مرہون منت ہے، وہاں ہم سلطان کے حکام، امراء، افسران لشکر، عام سپاہیوں اور مجاہدوں کی وفاداری اور جانثاری کو بھی فراموش نہیں کر سکتے جنہوں نے یہ طویل ترین جنگ نہایت عزم و ہمت اور پامردی کے ساتھ لڑی اور ایثار و قربانی، جانثاری و وفاداری، اطاعت گزاری و سرفروشی، اتحاد و اتفاق اور نظم و ضبط کی ایک شاندار تاریخ مرتب کی۔ بلاشبہ اگر یہ ہزاروں غیرت مند مسلمان جو اپنے مراتب کے لحاظ سے مختلف درجات کے تھے، اگر دینی حمیت اور اسلامی جذبہ جہاد کا یکساں بھرپور مظاہرہ نہ کرتے اور اپنی اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر انجام نہ دیتے تو قبلہ اول کے تحفظ کے اس جہاد عظیم میں کامیابی ہرگز ممکن نہ تھی۔

اس جہاد میں سلطان کی کامیابی کا سب سے بڑا راز یہ تھا کہ اس پورے دور میں کم از کم سلطان کی سلطنت کی حدود تک مسلمان یک جان اور متحد تھے۔ اگرچہ دیگر اسلامی سلطنتوں سے سلطان کو کوئی امداد نہیں ملی تھی مگر کردستان سے لے کر شمالی افریقہ تک پھیلی ہوئی ان کی اپنی سلطنت بجائے خود کئی ملکوں کا مجموعہ تھی جس میں ترک، کرد، عراقی، شامی، عربی اور افریقی مسلمانوں کی درجنوں نسلیں اور قومیں آباد تھیں۔ ان تمام علاقوں کے مسلمانوں نے سلطان کی صدائے جہاد پر لبیک کہا اور جوق در جوق محاذ پر پہنچتے رہے۔ موصل سے لے کر قاہرہ تک تمام صوبوں کے حکام تازہ بتازہ افواج، جنگی ساز و سامان، جدید اسلحہ اور عسکری اخراجات کے لئے رقمیں بھیجتے رہے۔ اس جنگ کے دوران ان میں سے کسی ایک نے بھی سلطان کے خلاف بغاوت کی کوشش نہیں کی حالانکہ کئی مواقع ایسے تھے جن سے کوئی شر پسند چاہتا تو فائدہ اٹھا سکتا تھا مگر سلطان کے حکام اور رعایا نے ہر موقع پر اس حقیقت کو ملحوظ رکھا کہ ملکی سلامتی

[1] الروضتین، اخبار 587 ہجری، بحوالہ سلطان صلاح الدین ایوبی [2] الحرب الصلیبیۃ: 351، 352

رتوں یک جہتی جہاد میں کامیابی کی ضمانت ہے، انہوں نے ایسے حالات میں مسلمانوں میں اختلاف پھیلا کر ان کی افواج کو منتشر کرنا اسلام سے غداری کے مترادف سمجھا۔ اس پورے عرصے میں ہمیں ایک بار سنجر شاہ اور ایک بار الملک المنصور میں بغاوت کے آثار نظر آتے ہیں مگر اس قضیوں کو فوری طور پر حل کرا گیا اور ان دونوں حاکموں کی وفاداریاں بدستور سلطان کے لئے وقف رہیں۔

ہمیں سلطان کے امراء کی خدمات کا برملا اعتراف کرنا چاہیے جن کی تابعداری اور وفا شعاری شک و شبہے سے بالاتر تھی۔ سلطان نے انہیں جس بھی معرکے میں جھونکا وہ بے دریغ اس میں کود گئے۔ جو مہم ان کے سپرد کی وہ دل و جان سے اس کی تکمیل کے لئے جٹ گئے۔ ان امراء میں سب سے بڑھ کر سلطان کے بھائی الملک العادل کا نام ہے جس نے برادرانہ رقابت کے جذبات سے حیرت انگیز طور پر کنارہ کش رہ کر خود کو سلطان کی خدمات کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اس کی معاملہ فہمی، تجربے اور سوجھ بوجھ سے سلطان کو ہر موقعے پر غیر معمولی مدد ملتی رہی۔ پھر تقی الدین عمر، سیف الدین مشطوب، بہاؤالدین قراقوش، عزالدین جوردیک، سلیمان بن جندر، اور ابوالہیجاء السمین سمیت کتنے ہی عالی جاہ امراء تھے جن کی جنگی مہارت اور شجاعت و بسالت نے فرنگی سورماؤں کو ہر میدان میں ناکوں چنے چبوائے۔

سلطان کی کامیابی کا ایک بڑا سبب ان کے ہاں شورائیت کا وہ کھلا ماحول تھا جس میں ہر کوئی اپنی رائے بلاتکلف دے دیا کرتا تھا اور معاملات کے تمام پہلو سامنے آجایا کرتے تھے۔ امراء و مصاحبین کے مشورے عموماً سلطان کے لئے بے حد کارآمد ثابت ہوتے تھے۔ اگرچہ ان امراء کو ہم کئی مواقع پر سلطان کی رائے سے اختلاف بھی کرتے دیکھتے ہیں مگر یہ اختلاف رائے خیر خواہی اور خلوص پر مبنی ہوتا تھا۔ اگر بعض اوقات ارکان حکومت اصرار کے ساتھ سلطان کی کسی تجویز کو رد کر دیتے تھے تو صرف اس لئے کہ ان کے تجربے اور علم کے مطابق اس تجویز پر عمل ملک و قوم اور امت کے لئے نقصان دہ ہو سکتا تھا۔ سلطان ایوبی خود بھی امراء پر ذاتی رائے مسلط کرنے سے گریز کرتے تھے اور اکثر فیصلے اتفاق رائے سے کرنا بہتر سمجھتے تھے لیکن اگر کبھی سلطان نے امراء کی رائے کو یکسر نظر انداز کر کے کوئی حکم دے ڈالا تو ہم امراء کو اسے انجام دینے سے گریزاں نہیں پاتے۔ ہاں صرف آخری دنوں میں ہمیں ایک ایسی مثال ملتی ہے جب سلطان کے افسران نے رنبذ پر براہ راست حملے کی بابت سلطان کے حکم کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا اور اس موقع پر ایک افسر نے سلطان پر طنز بھی کیا تھا۔ مگر یقیناً یہ ایک معمول سے ہٹ کر صورتحال تھی جس کا خود سلطان کو بھی احساس تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے سپاہ کو حکم کی تعمیل پر مجبور کیا نہ اس گستاخی کے مرتکب افسر کو سزا دی بلکہ اسے ایک نفسیاتی کیفیت پر محمول کیا اور سپاہیوں کی ذہنی تکان کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں میدان سے ہٹا لیا۔

اسی طرح یافا کی فتح کے موقع پر قلعے سے نصرانیوں کے انخلاء میں سپاہیوں کی سستی بھی غالباً ایک غیر معمولی حالت اور نفسیاتی ٹوٹ پھوٹ کا ردعمل تھی۔ان دو چار مثالوں کے سوا ہمیں شروع سے آخر تک یہ سپاہی، مجاہدین اور رضا کار اپنے افسران کی قیادت میں سلطان کے پرچم تلے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے نظر آتے ہیں۔امت ان کے احسانات سے تاقیامت گراں بار رہے گی۔

ناسپاسی ہوگی اگر اس مقدس جہاد میں سلطان کے تین ہم دم وہم ساز محرم راز بزرگوں کا خاص حصہ تسلیم نہ کیا جائے۔یہ تھے سلطان کے وزیر اعظم قاضی فاضل عسقلانی، سلطان کے مشیر وسفیر قاضی بہاؤ الدین ابن شداد اور سلطان کے کاتب ومنشی شیخ عماد اصفہانی رحمہم اللہ

قاضی فاضل عسقلانی اپنی نصیحتوں سے جو کبھی زبانی ہوتیں اور کبھی مراسلوں کی شکل میں، سلطان کی ہمت بندھاتے، ان کا ایمان تازہ کرتے اور انہیں مفید مشوروں سے نوازتے رہتے۔سلطان کی رہنمائی میں اس ہستی کا سب سے زیادہ حصہ ہے۔قاضی ابن شداد اس پنج سالہ جہاد میں مسلسل سلطان کے ہم رکاب رہے۔ان کی دلآویز باتیں سلطان کی تسکینِ روح کا سامان بنتی تھیں۔عماد اصفہانی بھی ہر موقع پر سلطان کی تقویت خاطر اور دلجمعی کا سامان کرتے رہتے تھے، جو اکثر اشعار کی صورت میں ہوتا اور کبھی کبھار نثر میں۔

آخری دونوں حضرات کا ایک بڑا احسان یہ بھی ہے کہ انہوں نے سلطان کی سرگزشتِ حیات اور روداد جہاد کو تفصیل کے ساتھ قلمبند کر کے امت کے لئے اس طرح محفوظ کر دیا کہ ان کا لفظ لفظ درسِ جہاد اور سامانِ عزیمت بن گیا ہے۔کاتب عماد اصفہانی کی "البرق الشامی" اور "الفتح القدسی" اپنی مثال آپ ہیں۔قاضی بہاؤ الدین ابن شداد کی "النوادر السلطانیہ : والمحاسن الیوسفیہ" حیات صلاح الدین ایوبی کے جواہر سموئے ہوئے ہے۔سلطان کے حالات پر قلم اٹھانے والے ہر مؤرخ نے بنیادی طور پر ان تصانیف سے استفادہ کیا ہے۔

یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ سلطان کی کامیابی ان کی ہم عصر حکومتوں اور حکمرانوں کے تعاون پر منحصر تھی۔ ہرگز نہیں بلکہ سلطان نے القدس کی بازیابی سے لے کر تیسری صلیبی جنگ کا خونیں معرکہ جیتنے تک ہر فتح ذمنی اسباب کے لحاظ سے اپنے بل بوتے پر ہی حاصل کی تھی۔اس پورے سلسلۂ جنگ میں ایشیائے کوچک کے حکام نے کوئی امدادی فوج بھیجی نہ خلیفہ بغداد نے جنگ کے خطیر اخراجات برداشت کرنے کے لئے کوئی معقول مالی امداد فراہم کی۔شمالی افریقہ کی دولت موحدین نے تو سلطان کی پرزور درخواست کے باوجود عکا کے محاذ پر اپنا بحری بیڑا بھیجنا تک گوارا نہیں کیا۔سلطان کو جتنی بھی کمک ملتی تھی وہ ان کی

اپنی سلطنت کے دور دراز کے صوبوں سے آتی تھی۔اس طرح مجاہدین اور رضا کاروں کی ٹولیاں زیادہ تر حجاز اور کردستان سے آتی تھیں جو سلطان کے نائبین کے زیرِ انتظام علاقے تھے۔اگر چہ شمعِ اسلام کے کچھ پروانے ایسے بھی تھے جو دوسرے ملکوں کی سرحدیں پھلانگتے ہوئے محاذ پر پہنچ جاتے تھے،ان میں ترک بھی تھے،وسط ایشیا کے خوارزمی بھی اور دجلہ پار کے عراقی بھی۔مگر ان کی تعداد محدود ہوتی تھی اور ان کی آمد میں ان کی حکومتوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا تھا۔غرض سلطان کا تن تنہا اتنی بڑی جنگ لڑ کر صلیبی طوفان کا رخ پھیر دینا ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی نظیر قرونِ اولیٰ کے سوا کہیں نہیں ملتی۔بلاشبہ سلطان کے ساتھ اللہ کی خاص مدد و نصرت تھی۔اسی تائیدِ غیبی نے سلطان کے لئے ناممکنات کو بھی ممکن کر دکھایا۔سلطان کی خدا خوفی،فکرِ آخرت،محاسبۂ نفس،اخلاصِ نیت اور جذبۂ سرفروشی یقیناً ایسی صفات تھیں جن کے ہوتے ہوئے وہ اللہ کی حمایت سے محروم نہیں رہ سکتے تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ سلطان کی ایمانی بصیرت،عسکری تجربہ کاری،سیاسی مہارت،درست حکمتِ عملی اور مربوط منصوبہ بندی کا ان کامیابیوں میں پورا پورا دخل تھا۔غرض اس اللہ کے بندے نے خالق سے لو لگانے میں بھی کمی نہیں کی اور ظاہری تدبیر و سعی کے میدان میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔پھر کیوں نہ فتح و نصرت ان کے قدم چومتی۔

<u>ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں</u>:بیت المقدس کے قیام کے ان روح پرور دنوں میں سلطان کے زرخیز ذہن میں کچھ اور منصوبے بھی پرورش پا رہے تھے۔انہوں نے سالہا سال کی محنتِ شاقہ سے ایک بڑی جنگ جیتی تھی۔انہیں شاید یہ احساس بھی تھا کہ وہ اب دنیا میں زیادہ دن نہیں رہیں گے.....مگر اس کے باوجود ان کی بلند ہمتی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی سلطنت کو ایک بے مثل طاقت بنانے کے لئے طویل المیعاد اور دور رس امکانات پر غور کر رہے تھے۔برسوں پہلے انہوں نے ایک بار کہا تھا:

"جب اللہ تعالیٰ مجھے تمام ساحلِ شام فتح کرنے کی توفیق دے دیں گے تو میں مفتوحہ شہروں کو نائبین میں تقسیم کر دوں گا،اپنی وصیت لکھوا کر سب کو الوداع کہہ دوں گا اور بحری بیڑہ لے کر بحیرۂ روم کے جزائر فتح کرنے نکل جاؤں گا۔یہاں تک کہ یا تو روئے زمین پر کوئی کافر باقی نہیں رہے گا،یا میں اسی راہ میں مر جاؤں گا۔"[1]

اب ایک بار پھر اسی قسم کے عزائم سلطان کے دل پر دستک دے رہے تھے۔

<u>رمضان کے آخری عشرے میں انہوں نے اپنے بھائی الملک العادل اور بیٹے الافضل کو بلوا کر ان سے</u>

[1] النوادر السلطانیہ:55

مستقبل کے منصوبوں کے بارے میں مشورہ لیتے ہوئے سوال کیا:

"ہم صلیبیوں سے فارغ ہو چکے ہیں، یہاں ہمارے لئے کوئی مہم باقی نہیں رہی۔ آئندہ کیا کرنا چاہیے؟"

الملک العادل نے سلطان کو خلاط پر قبضہ کرنے کی تجویز دی کیونکہ یہ مضبوط عسکری مرکز ایشیائے کوچک کا دروازہ تھا۔ العادل کو سلطان کا یہ وعدہ بھی یاد تھا کہ کبھی خلاط فتح ہوا تو وہ اسے ملے گا۔

سلطان نے الملک الافضل سے رائے مانگی تو اس نے سلاجقۂ روم کی سلطنت پر یلغار کرنے کا مشورہ دیا جو قلیج ارسلان کی موت کے بعد اس کے بیٹوں میں تقسیم ہو کر کمزور ہو گئی تھی۔ اس سلطنت نے صلیبی جنگ میں سلطان کا ساتھ دینے کی بجائے جرمنی افواج کو راہداری اور خوراک کی سہولتیں فراہم کی تھیں۔

الافضل نے اپنی رائے کی تائید میں دلائل دیتے ہوئے کہا:

"یہ ملک شہروں، فوجوں اور مال و دولت کی کثرت کے لحاظ سے بے نظیر ہے اور اس پر آسانی سے قبضہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ خشکی سے یورپی افواج اور قافلوں کی آمد و رفت کا راستہ بھی یہی ہے۔ اس پر قابض ہو کر ہم اہلِ یورپ کا راستہ مسدود کر سکتے ہیں۔"

اب سلطان نے مسکراتے ہوئے کہا:

"میرے خیال میں تم دونوں نے کم ہمتی کی بات کی ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ میں سلاجقۂ روم کے ملک پر لشکر کشی کروں اور الملک العادل! تم میرے کسی لڑکے کے ساتھ لشکر کا ایک حصہ لے کر خلاط پر حملہ کرو۔ تمہارے خلاط پر قبضہ کرنے کے دوران میں سلاجقۂ روم کا ملک فتح کر لوں گا۔ اس کے بعد میں افواج لے کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا اور ہماری مشترکہ افواج آگے بڑھ کر آذربائیجان میں داخل ہو جائیں گی۔ اس طرح ہماری سرحدیں ایران سے مل جائیں گی، اور مشرق میں ہمیں روکنے والا کوئی نہیں ہوگا۔"

اس موقع پر الملک العادل نے سلطان سے کرک اور پھر الجزیرہ جانے کی اجازت طلب کی، جو اس کی جاگیر میں شامل علاقے تھے۔ سلطان نے بخوشی اجازت دیتے ہوئے کہا:

"ٹھیک ہے تم کرک جا کر تیاری کر لو پھر میرے پاس آ کر اس منصوبے کے مطابق لشکر کشی شروع کرنا۔"

الملک العادل پیر 25 رمضان 588ھ (14 اکتوبر 1192ء) کو کرک روانہ ہو گیا۔ [1]

اگرچہ سلطان کو مذکورہ منصوبے پر عمل کا وقت نہیں مل سکا مگر اس گفتگو سے ہمیں سلطان کے بلند عزائم، قوتِ ارادی اور منصوبہ ساز صلاحیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

[1] الکامل فی التاریخ: 10/224، [illegible]: 352

<u>ارادۂ حج پر عمل کیوں نہ ہو سکا؟</u> سلطان صلاح الدین ارضِ مقدس کی جتنی خدمت ممکن تھی انجام دے چکے تھے۔ اب ماہِ رمضان کے بعد وہ سفرِ حج کا عزم کیے ہوئے تھے مگر وہ اس پر عمل نہ کر سکے۔ ماہِ شوال میں ہم سلطان کو قافلۂ حج میں شامل ہونے کی بجائے دیگر امور کی طرف متوجہ ہوتا دیکھتے ہیں۔ قاضی بہاؤ الدین ابن شداد جو سلطان کو حج کا مشورہ دیتے اور اس بارے میں ان کی ہمت پختہ کرنے میں پیش پیش تھے، سلطان کے عزم کی تبدیلی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اتنا کہتے ہیں:

"ان کا شوق حج ماند پڑ گیا، یہ عظیم ترین سعادت تھی جس سے وہ محروم رہ گئے۔" [1]

کاتب عماد اسے تقدیر کا نوشتہ مانتے ہوئے کہتے ہیں:

"سلطان نے حج کا پختہ ارادہ کیا تھا مگر تقدیر نے ساتھ نہ دیا، سلطان حج کی تیاری کر لینے کے بعد اس سے محرومی پر افسوس کرتے رہ گئے۔" [2]

یہ دونوں بزرگ سلطان کے ارادے کی تبدیلی کی وجہ بیان نہیں کرتے حالانکہ اس کے پیچھے ایک قوی عنصر کارفرما تھا۔ یہ سلطان کے وزیرِ اعظم قاضی فاضل رحمہ اللہ کا مراسلہ تھا، جسے ابوشامہ دمشقی نے کتاب الروضتین میں نقل کیا ہے۔ ہوا یہ کہ جب قاضی فاضل کو سلطان کے عزمِ حج کی اطلاع ملی تو انہوں نے دیگر مصاحبین اور مشیروں کے برعکس سلطان کے اس ارادے کو قطعاً نامناسب قرار دیا۔ انہوں نے سلطان کو ایک طویل مراسلہ لکھا جس میں ان پر واضح کیا گیا تھا کہ ان کا سفرِ حج اب تک جہاد میں دی جانے والی بے پناہ قربانیوں کے رائیگاں جانے اور مسلمانوں پر سخت مصائب ٹوٹنے کا سبب بن سکتا ہے اور اس سے سلطان کو ثواب کے بجائے عتاب کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ انہوں نے لکھا:

"شام کے فرنگی اب تک ساحل پر موجود ہیں، انہوں نے القدس کو فراموش نہیں کر دیا۔ ان کے معاہدۂ صلح کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ ادھر ہماری حالت یہ ہے کہ ہماری افواج واپس جا چکی ہیں۔ لہٰذا ہمیں فرنگیوں کی موجودہ حالت سے بے فکر نہیں ہونا چاہیے۔ ہمارے آقا کا سفرِ حج ایک طے شدہ وقت اور مسافت کا ہے۔ سب کو معلوم ہوگا کہ وہ کتنے عرصے سلطنت سے غیر حاضر رہیں گے۔ ایسے میں فرنگی راتوں رات کوچ کر کے ہماری بے خبری میں صبح دم القدس پر حملہ آور ہو جائیں تو کیا ہوگا؟ اللہ نہ کرے وہ شہر میں بھی داخل ہو سکتے ہیں۔ ایسے میں یہ سفرِ حج ایسا کبیرہ گناہ شمار ہوگا جس کی بخشش نہ ہوگی اور یہ ایسی لغزش ہوگی جس کی تلافی ناممکن ہوگی۔"

---

[1] النوادر السلطانیہ: 354
[2] الروضتین: 588 ہجری اوائل کے واقعات کے ضمن میں

اس کے علاوہ قاضی فاضل رحمہ اللہ نے سلطنت کے بعض علاقوں میں عمال حکومت کی طرف سے عوام پر زیادتیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

"ہمارے آقا! مخلوق کو مظالم سے بچانا اللہ کا قرب حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ ظالم کوئی ایک تو نہیں۔ دمشق کے نواح میں کسانوں پر وہ زیادتیاں ہو رہی ہیں کہ جن کے جاری رہتے ہوئے آسمان سے بارش کا ایک قطرہ برسنا بھی بعید ہے۔"

پھر انہوں نے ملک کے معاشی بحران کا احساس دلاتے ہوئے تحریر کیا:

"مسلمانوں کے سرحدی قلعوں کو استحکام اور غذائی ذخائر کی ضرورت ہے، اور اس وقت سرکاری خزانے کے ذرائع آمدن بحال کرنا ازحد ضروری ہے، کیونکہ خرچ آمدن کے حساب ہی سے ہوتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ہم کچھ حاصل کئے بغیر خرچ کر سکیں، تنے کے بغیر شاخ کیسے پھوٹ سکتی ہے۔" [1]

قاضی فاضل رحمہ اللہ کے علاوہ سلطان کے کچھ امراء نے بھی اس سلسلے میں گفت وشنید کی اور کہا:

"بہتر ہوتا کہ آپ حج پر روانگی سے پہلے خلیفہ کو اطلاع کر دیتے تاکہ وہ آپ کے مقصد سفر سے آگاہ اور مطمئن رہتے۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے اس سفر کو بدخواہ لوگ عراق پر فوج کشی کا نام دے کر مشہور کر دیں اور آپ پر ایسا الزام لگا دیا جائے جس سے آپ بری الذمہ ہیں۔ اب آپ کے سفر کی خبر تو مشہور ہو گئی ہے مگر خلیفہ کو مطمئن کرنے کے لئے قاصد بھیجنے کا وقت بہت تنگ رہ گیا ہے۔"

انہوں نے یہ بھی کہا:

"آپ کے پیچھے شہروں کی موجودہ بدانتظامی اور بدحالی سخت نقصان کا سبب بن سکتی ہے۔ ابھی سرحدی قلعوں کی حفاظت اہم ترین مسئلہ ہے۔ ہمیں صلح کے معاہدے سے دھوکے کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ فرنگی موقع کی تلاش میں ہیں اور بدعہدی تو ان کا شیوہ ہے۔"

قاضی فاضل اور ان امراء کی خیر خواہانہ باتوں پر غور کرنے کے بعد سلطان نے دل پر پتھر رکھ کر حج کا ارادہ ملتوی کر دیا اور ان کے مشورے کے مطابق پوری سلطنت کا گھوم پھر کر جائزہ لینے، سرحدی انتظامات کو مضبوط بنانے، عوامی شکایات سننے اور مظالم کا ازالہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے طے کیا کہ وہ اپنے خاص دستے کے ساتھ ساحل کے ساتھ ساتھ شام کا سفر کرتے ہوئے بانیاس تک تمام ساحلی اسلامی شہروں اور قلعوں کا دورہ کریں گے۔ پھر دمشق میں کچھ دن ٹھہر کر مرکز کے انتظامات کو بہتر بنائیں گے۔ اس کے بعد دوبارہ القدس آ کر یہاں سے مصر جائیں گے اور وہاں کے حالات اور ضروریات کا جائزہ لیں گے۔ [2]

---

[1] کتاب الروضتین: 4/233، 234

[2] کتاب الروضتین: 588 ہجری فصل فی مسیر السلطان من القدس الی دمشق

تاہم سلطان اس دورے سے قبل رچرڈ کی یورپ روانگی کا انتظار کرنا ضروری سمجھتے تھے تا کہ فرنگیوں کی بدعہدی سے قدرے اطمینان ہو جائے۔ آخر یکم شوال 588ھ (10 اکتوبر 1192ء) کو اطلاع ملی کہ رچرڈ عکا سے انگلستان روانہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ سلطان نے بھی سفر کی تیاری کر لی۔ انہوں نے جانے سے قبل قاضی بہاؤ الدین ابن شداد کو القدس کا قاضی اور نگران اوقاف مقرر کر دیا اور انہیں تاکید کی کہ وہ القدس کی زیر تعمیر تعلیم گاہ اور ہسپتال کا کام مکمل کروائیں۔ ❶

سیف الدین ابن مشطوب کو القدس کی سپاہ کے نگران کے طور پر تعینات کر دیا گیا تاہم وہ مشایعت کے طور پر اپنی نئی جاگیر "نابلس" تک سلطان کے ہم رکاب رہا۔ ❷

<u>باغبان کی گل گشت</u> ❁ سلطان صلاح الدین نے جمعرات 6 شوال (15 اکتوبر) کی دوپہر القدس کوچ کر کے ساحلی علاقوں کا دورہ شروع کیا۔ سلطان کا یہ سفر اس باغبان کی گل گشت کی مانند تھا جو چمن کو خزاں کی آندھیوں سے بچا لینے کے بعد اب ایک ایک پھول اور ایک ایک ڈالی کو دیکھنے بھالنے نکلا ہو۔ اکثر پودوں اور پھولوں کو صحیح سلامت دیکھ کر وہ مسکرا دیتا ہو اور کچھ شاخوں کو مرجھاتا دیکھ کر انہیں کھاد اور پانی مہیا کرنے لگتا ہو۔

سلطان کو اس سفر میں بعض مقامات پر بدامنی اور مظالم کی شکایات ملیں۔ ان کے علاوہ ہر جگہ امن وامان کا دور دورہ دکھائی دیا۔ ہر علاقے کے عوام نے اپنے محبوب فاتح بادشاہ کا شاندار استقبال کیا۔ وہ اسلام کی فتح پر مسرور تھے۔ ایک طویل جنگ کے بعد حالات کا معمول پر آنا ان کے لئے باعثِ مسرت تھا، خصوصاً اس پس منظر میں کہ مسلمانوں کی قربانیاں رائیگاں نہیں گئیں اور ان کا دلیر حکمران قبلۂ اوّل کو بچانے میں کامیاب رہا تھا۔

سفر کی پہلی شب "البیرۃ" سے آگے "برکۃ الداویہ" میں گزار کر جمعہ 7 شوال (16 اکتوبر) کو انہوں نے نابلس کے باہر دم لیا۔ شہر کے باشندے ان کے گرد جمع ہو گئے جو سیف الدین مشطوب کی تند مزاجی اور سخت گیری کی شکایتیں کر رہے تھے۔ مشطوب سلطان کے ساتھ آیا ہوا تھا اس لئے لوگوں نے اسے آڑے ہاتھوں لینے میں دیر نہ لگائی۔ سلطان عصر تک ان کی شکایات کی تحقیق اور ضروری احکام کے اجراء میں مصروف رہے۔

8 شوال (17 اکتوبر) بروز ہفتہ ظہر کے بعد سلطان نے نابلس سے کوچ کیا اور "ظہر حمار" کی گھاٹی کے پاس ایک دیہات "فریدیسۃ" میں شب گزاری۔ (قاضی بہاؤ الدین نے اس دیہات کا نام "مسمطیہ" بتایا ہے) <u>اگلے دن اتوار 9 شوال (18 اکتوبر) کو دوپہر کے وقت قافلۂ سلطانی جنین پہنچا۔</u> ❸

❶ النوادر السلطانیہ: 354

❷ النوادر السلطانیہ: 355

❸ کتاب الروضتین: 588، مفرج الکروب فی سیر السلطان من احمد بن علی حنبلی، النوادر السلطانیہ: 354

سیف الدین مشطوب کی وفات: سیف الدین مشطوب یہاں سلطان کو الوداع کہہ کر بیت المقدس لوٹ گیا۔ صلیبی جنگ کے اس نامور کردار کا وقت آخر قریب تھا۔ دو ہفتے بعد 23 شوال 588ھ (یکم نومبر 1192ء) کو اس کی وفات ہوگئی۔ مسجد اقصیٰ میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور القدس کا یہ محافظ، خاکِ ارضِ مقدس میں ہی مدفون ہوا۔ اس مردِ جری کو مشطوب اس لئے کہا جاتا تھا کہ ایک بار جہاد میں اس کے چہرے پر نیزہ لگا تھا جس کا نشان باقی رہ گیا تھا۔ [1]

دمشق تک منزل بہ منزل: سلطان نے پیر 10 شوال (19 اکتوبر) کو چاشت کے وقت لبیان پہنچ کر قلعے کا دورہ کیا اور مشورہ دیتے ہوئے کہا:

''بہتر ہوگا کہ اس قلعے کو مستحکم اور قلعۂ کوکب کو منہدم کر دیا جائے۔''

غالباً سلطان نے سوچا تھا کہ ان دونوں قلعوں کے غیر معمولی قرب کے باعث ایک کی موجودگی میں دوسرے کی ضرورت نہیں، دونوں کی حفاظت کا بوجھ اٹھانا بے فائدہ ہے۔ اسی دن ظہر کے وقت سلطان قلعۂ کوکب پہنچے اور رات وہاں گزاری۔ یہ سنگین قلعہ سلطان نے سال بھر کی جدوجہد کے بعد فتح کیا تھا۔ یہاں آکر سلطان نے اس قلعے کو منہدم کرنے کا خیال ترک کر دیا اور اس کے کمزور حصوں کی مرمت کی ہدایات جاری کیں۔

منگل 11 شوال (20 اکتوبر) کو وہ چاشت کے وقت آگے روانہ ہوئے۔ عشاء کے وقت وہ طبریہ پہنچ گئے۔ اس رات آسمان کے دہانے کھل گئے اور صبح تک زوروں کی بارش ہوتی رہی۔ [2]

اسی شب سلطان کو ایک غیر معمولی خوشی نصیب ہوئی۔ عکا کا سابق والی بہاؤالدین قراقوش جو سقوطِ عکا کے بعد 15 ماہ سے فرنگیوں کی قید میں تھا، 80 ہزار دینار کے عوض فرنگیوں سے رہائی پا کر خدمتِ سلطانی میں پہنچ گیا۔ سلطان ایوبی اسلام کے اس بطلِ جلیل کی رہائی پر بے حد خوش ہوئے۔ مصر سے لے کر عکا تک ہر مہم میں قراقوش نے وفاداری کی انمٹ داستانیں رقم کی تھیں، یہ واحد افسر تھا جس نے محاصرۂ عکا کے پورے تین سال قلعہ بند جنگ میں گزارے تھے اور فرنگیوں کو دن میں تارے دکھائے تھے۔ قاہرہ اور عکا کی تعمیر نو بھی اسی کے کارنامے تھے۔ [3]

بارش سے راستے خراب ہونے کے باعث بدھ 12 شوال (21 اکتوبر) کا دن سلطان نے طبریہ میں گزارا۔ جمعرات 13 شوال (22 اکتوبر) کی صبح انہوں نے کوچ کیا اور اس سطحِ مرتفع پر پہنچ گئے جہاں

[1] النوادر السلطانیہ: 355
[2] کتاب الروضتین: 588 ہجری فصل فی مسیر السلطان من القدس الی دمشق
[3] النوادر السلطانیہ: 354، 355 — قراقوش دمشق تک سلطان کے ساتھ رہا اور اپنے چھ اسیر ساتھیوں کی رہائی کے معاملات کی تکمیل تک رکنے کے بعد واپس مصر چلا گیا۔

قلعۂ صفد سر اٹھائے کھڑا تھا۔ سلطان نے قلعے میں سپاہیوں کی مطلوبہ تعداد پوری کروائی اور ضروری سامانِ حرب کا انتظام کیا۔

جمعہ 14 شوال (23 اکتوبر) کو سلطان نے قلعہ تبنین کو جانے والے کوہستانی راستے پر سفر شروع کر دیا۔ تبنین سے ہوتے ہوئے وہ اتوار 16 شوال (25 اکتوبر) کو ہونین سے گزرے۔ یہ پہاڑی سلسلہ ختم ہوتے ہی انہوں نے عین الذہب کے نشیبی علاقے میں پڑاؤ ڈال دیا۔ اس رات لشکر سلطانی کا بھاری ساز و سامان دمشق لے جانے والا کارواں بھی یہاں پہنچ گیا۔ قافلۂ سلطانی اگلے دن پیر 17 شوال کو مرج عیون پہنچا، جسے "مرج تلفیاثا" بھی کہا جاتا ہے، یہ جگہ مرج قعبۃ کے بالمقابل ہے۔ قافلے کی اس سے اگلی منزل (منگل 18 شوال) کو بقاع میں جسر کامد کے قریب ہوئی۔ اس کے بعد قافلہ صیدا اور وادی تیم کی درمیانی سرسبز و شاداب وادیوں سے اس طرح گزرا کہ صیدا دائیں طرف اور وادیٔ تیم بائیں طرف تھی۔ یہ بدھ (19 شوال) کا دن تھا اور قافلے کا پڑاؤ اس دن "قب الیاس" کے ایک گوشے میں ہوا۔

اگلے دن جمعرات 20 شوال (28 اکتوبر) کو قافلہ ساحل پر آباد خوبصورت ترین شہر بیروت پہنچا۔ یہاں کے والی عز الدین اسامہ نے سلطان کا زبردست استقبال کیا اور شایانِ شان خاطر مدارت کی۔ [1]

اس مردِ مجاہد نے عکا کے محاذ پر دشمنوں کی بحریہ کے خلاف بڑے بڑے کارنامے انجام دیے تھے۔

حاکم انطاکیہ کی اچانک آمد ✽ یہاں ایک دن استراحت کے بعد ہفتہ 22 شوال (31 اکتوبر) کو سلطان بیروت سے روانہ ہونے کو تھے کہ اچانک انطاکیہ کا نصرانی حاکم بوہیمنڈ اپنے چودہ امراء کے ساتھ بذاتِ خود سلطان سے ملنے آ گیا۔ سلطان کو ایک عیسائی حکمران کے اس طرح اچانک چلے آنے پر حیرت ہوئی مگر بوہیمنڈ کا پیشگی منظوری اور حصولِ امان کے بغیر ملاقات کے لیے آنا اس کی طرف سے سلطان پر مکمل اعتماد کے اظہار کے مترادف بھی تھا۔ اس لیے سلطان کو اس کی آمد سے خوشی بھی ہوئی۔ سلطان نے اسے ملاقات کا موقع دینے کے لیے سفر ملتوی کر دیا۔ بوہیمنڈ اپنے امراء کے ساتھ خیمۂ سلطانی میں ضیافت پر مدعو ہوا۔ اس نے سلطان سے دوستانہ تعلقات کی درخواست کی اور سلطان کی بالادستی تسلیم کرتے ہوئے خلعت طلب کی۔ سلطان نے اسے خلعت کے علاوہ 20 ہزار دینار، سالانہ پیداوار کی حامل عمق کی جاگیر اور گراں قدر تحائف سے نوازا اور پرتکلف میزبانی کے بعد اتوار 23 شوال (یکم نومبر) کو اسے رخصت کیا۔ [2]

اس دوران سلطان کا کاروانِ مال و متاع "قب الیاس" سے "مرج فلمیطیہ" کے میدانی علاقے

[1] کتاب الروضتین: 588 مجری فصل فی سیر السلطان من القدس الی دمشق [2] کتاب الروضتین: 4/342، النوادر السلطانیہ: 66

میں پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ سلطان نے رات وہیں جا کر قیام کیا اور پیر 24 شوال (20 نومبر) کو عین الجر سے ہوتے ہوئے دمشق کے نواح میں "مرج یبوس" تک پہنچ گئے۔ دمشق کے اعیانِ سلطنت، علماء وفقہاء اور دوسرے نامور لوگ سلطان کی آمد کا سن کر یہاں جمع ہو گئے تھے۔ انہوں نے سلطان کی خدمت میں حاضری دی۔ قافلہ سلطانی جو اہل دمشق کی آمد سے خاصا بڑا ہو گیا تھا منگل 25 شوال (3 نومبر) کو "العرادة" پہنچا۔ یہاں بھی سلطان کے پرانے رفقاء اور عمائدِ حکومت حاضر ہوتے رہے، جانبین سے تحائف کا تبادلہ ہوتا رہا۔[1]

<u>سلطان اپنے وطن میں</u>: غرض سلطان ساحلی قلعوں کو سپاہ سے آباد کرنے، ان کے دفاع کو مضبوط بنانے اور سلطنت کا عمومی جائزہ لینے کے بعد بدھ 26 شوال 588ھ (4 نومبر 1192ء) کی صبح تین سال سات ماہ بعد اپنے پایۂ تخت دمشق پہنچے۔[2] یہ سلطان کا گھر اور وطن تھا جہاں ان کا لڑکپن اور جوانی گزری تھی۔ سلطان کو اس سے بے حد محبت تھی۔ انہیں اپنی رہائش کے لیے اس تاریخی اور بابرکت شہر کے سوا کوئی اور مقام پسند نہیں تھا۔ سلطان کی آمد پر عوام نے ان کا تاریخی استقبال کیا۔ شہر کے چھوٹے بڑے سب مدتِ دراز بعد اپنے فاتح حکمران کو سامنے پا کر مسرور تھے۔

اگلے دن سلطان نے عام مجلس منعقد کی۔ عوام وخواص سمیت سب جوق در جوق اس میں شریک ہوئے۔ حاضرین کی پرتکلف ضیافت ہوئی۔ شعراء نے سلطان کی مدح سرائی کر کے محفل لوٹ لی۔[3]

<u>دمشق کے پرلطف ایام</u>: دمشق میں قیام کے یہ چند دن بڑے پرلطف تھے۔ سردی کا آغاز تھا۔ سلطان دربارِ عام منعقد کرتے جس میں لوگ حاضر ہو کر اپنے مسائل اور شکایات بیان کرتے۔ سلطان فوری طور پر ان کی دادرسی کی کوشش کرتے۔ مشرق ومغرب کے ملکوں سے روزانہ کئی کئی سفیر حاضرِ خدمت ہوتے اور سلطان کو ان فتوحات پر تہنیت پیش کر کے بہتر تعلقات کے خواست گار ہوتے۔ مختلف علاقوں سے معزز مہمان باریاب ہوتے اور سلطان کی خاطر مدارات سے لطف اندوز ہو کر لوٹتے۔ مفلس، ضرورت مند اور غریب الدیار لوگ آ کر دامنِ مراد پھیلاتے اور سلطان کے عطایا کو توقع سے بڑھ کر پاتے۔ یکم ذیقعدہ (8 نومبر) کو شہزادہ الافضل نے اپنے چھوٹے بھائی شہزادہ الملک الظاہر کے اعزاز میں ایک شاندار دعوت کا اہتمام بھی کیا، جس میں سلطان نے بھی شرکت کی۔[4]

---

[1] النوادر السلطانیہ: ص 350، کتاب الروضتین: 342/4
[2] یاد رہے کہ صلیبی جنگ کے لیے سلطان کی دمشق سے روانگی 3 ربیع الاول 585ھ (21 اپریل 1189ء) کو ہوئی تھی۔
[3] النوادر السلطانیہ: ص 350، کتاب الروضتین: 342/4
[4] النوادر السلطانیہ: 350

سیر وشکار اور العادل کی آمد ٭ سلطان کو ایک طویل اعصاب شکن زندگی گزارنے کے بعد دمشق میں یہ کچھ دن ایسے میسر آئے تھے جنہیں صحیح معنوں میں سکون اور آرام کے ایام کہا جاسکتا ہے۔ ان کے بیٹے الملک الافضل، الملک الظاہر، الملک الظافر اور چھوٹے بچے سب ان دنوں یہیں تھے۔ سلطان کو اب بس الملک العادل کا انتظار تھا جو ماہ رمضان کے اواخر میں کرک اور الجزیرہ کے دورے پر نکل گیا تھا اور اب واپس آنے والا تھا۔ سلطان اس کے استقبال کے لیے پہلے ہی دمشق کے باہر چلے آئے اور اس کے پہنچنے سے قبل فرصت کو غنیمت جان کر چند دنوں تک دمشق کے نواحی جنگلوں حباب اور کسوۃ میں شکار کھیلتے رہے۔

انہیں اس وقت اپنے وہ نوجوان ساتھی یاد آرہے تھے جو برسوں پہلے ان وادیوں میں ان کے ہم رکاب رہتے تھے...... مگر زمانہ بدل چکا تھا...... اکثر لوگ گزر گئے تھے...... ہاں وادیاں اُسی طرح شکار سے بھرپور تھیں۔ 17 ذیقعدہ (24 نومبر) کو الملک العادل آن پہنچا اور چار دن بعد دونوں بھائی شاداں وفرحاں دمشق میں داخل ہوئے۔ ❶

دمشق میں سلطان کی مصروفیات ٭ سردی بڑھ گئی تھی۔ سلطان کے دربار کی مصروفیات برقرار تھیں۔ امراء اور مہمانوں کے علاوہ پرانے دوستوں اور خواص علماء وفضلاء کی آمد ورفت جاری تھی۔ ❷

سلطان ان کی علمی وادبی گفتگو میں بہت دلچسپی لیتے۔ دربار کے بعد وہ زیادہ وقت گھر میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ گزارتے۔ یہ گھر اور گھر والے کب سے سلطان کی موجودگی کے لیے ترستے آئے تھے۔ زندگی کا بیشتر حصہ یونہی کٹ گیا تھا۔ اب آخر میں سلطان ان کا واجبی حق ادا کر کے جانا چاہتے تھے۔

دو براعظموں کی تاریخ کا فیصلہ کرنے والا یہ عظیم حکمران ہمیں گھر میں ایک بچے کی طرح معصوم نظر آتا ہے۔ ان کے چھوٹے بیٹے بار باران کی گود میں آبیٹھتے۔ اس آغوشِ محبت میں آکر وہ پھولے نہ سماتے۔ وہ نہیں جانتے تھے ان کا باپ کتنا بڑا آدمی ہے۔ بڑے بیٹے بھی خدمت میں حاضر رہتے۔ مختلف ملکوں کے سفیروں کی آمد ورفت بھی جاری تھی۔ کبھی کبھار سلطان ایوبی سفیروں سے دربار کی بجائے گھر ہی میں مختصر سی ملاقات کر لیتے تھے۔

ان کی طبیعت بوجھل سی رہنے لگی تھی۔ وہ دوبارہ القدس جا کر وہاں سے مصر کا دورہ کرنا چاہتے تھے کیوں کہ مصر چھوڑے ہوئے انہیں دس سال ہو گئے تھے مگر طبعی اضمحلال کی وجہ سے انہوں نے سفر کا خیال ترک کر دیا تھا اور قاضی ابن شداد کو جو القدس میں سلطان کی واپسی کے منتظر تھے، پیغام بھجوا دیا تھا کہ وہ جلد از جلد دمشق آجائیں۔ ❸

❶ النوادر السلطانیۃ: 356-357 ❷ کتاب الروضتین: 4/357 ❸ النوادر السلطانیۃ: 357

پیام الوداع: نیا ہجری سال 589ھ اور شمسی سال 1193ء تقریباً ساتھ ساتھ شروع ہوئے۔ جنوری کا مہینہ تھا لہٰذا سردی عروج پر تھی، ادھر حجاز مقدس سے حجاج کرام کی واپسی شروع ہو چکی تھی...... اور سلطان کو رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا کہ وہ حج کی سعادتِ عظمیٰ سے محروم رہ گئے...... تاہم انہوں نے آئندہ سال حج کرنے کا عزم کیا ہوا تھا۔

اس دوران سلطان نے ایک بار پھر دل بہلانے کے لیے شکار کا منصوبہ ترتیب دیا حالانکہ یہ دن باہر گھومنے پھرنے کے نہیں تھے۔ موسم طوفانی تھا اور موسلادھار بارشیں ہو رہی تھیں مگر سلطان موسم کی پروا کیے بغیر خلاف معمول محرم کے اواخر میں دمشق کے جنگلات میں شکار کھیلنے نکل گئے۔ اس بار الملک العادل کے علاوہ ان کے بیٹے بھی اس دلچسپ تفریح میں شریک تھے۔ سلطان کی ان مصروفیات کے بارے میں قاضی بہاؤالدین ابن شداد لکھتے ہیں:

"دیکھنے میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سلطان اس طرح سالہا سال کی محنت، متواتر تکان، راتوں کی بیداری اور دن کی مشقت سے نجات حاصل کر رہے ہیں، مگر حقیقت میں یہ سلطان کی جانب سے اپنی اولاد اور اپنے دل پسند تفریحی مقامات کے لیے پیام الوداع تھا۔"[1]

سلطان نے ان جنگلوں میں پندرہ سے زائد ایام گزارے اور اس دوران دور دراز کی وادیوں میں جا کر ہرنوں کا شکار کھیلا۔[2]

11 صفر 589ھ (15 فروری 1193ء) کو وہ دمشق واپس پہنچے...... شکار کی بھاگ دوڑ کے ساتھ غضب کی سردی اور برسات نے انہیں خاصا تھکا دیا تھا۔ لیکن اس تھکن کی ایک وجہ اور بھی تھی۔

سلطان نے سخت ترین جہادی مشغولیت اور اپنی بیماری کے باعث 586ھ اور 587ھ میں جب وہ عکا کے محاذ پر تھے، رمضان کے روزے نہیں رکھے تھے مگر جنگ کے تیسرے سال 588ھ میں جب وہ بیت المقدس میں قیام پذیر تھے، انہوں نے مئی جون کی شدید گرمی اور حالات کی سنگینی کے باوجود یہ دو سالہ روزے قضا کیے تھے۔ طبیب انہیں منع کرتا رہا مگر سلطان نے پروا نہ کی۔ ہر بار ان کا جواب یہی ہوتا تھا:

"معلوم نہیں آئندہ کیا ہوگا، پھر موقع ملے گا یا نہیں۔"

اس کے بعد ماہ رمضان آیا تو سلطان نے اس کے روزے بھی رکھے۔ اپنی صحت کی پروا کیے بغیر حالت جنگ میں تین ماہ تک روزوں کے تسلسل کے باعث سلطان کے جسم میں نقاہت اور طبیعت میں کمزوری پیدا ہو گئی جس کا اثر آخر تک رہا۔[3]

[1] النوادر السلطانیہ: 357 [2] کتاب الروضتین: 4/357 [3] النوادر السلطانیہ: 35

قاضی ابن شداد سلطان کی خدمت میں ✿ سلطان کی شکار سے واپسی کے اگلے دن قاضی بہاؤ الدین ابن شداد دمشق پہنچ گئے۔ وہ سلطان کے حکم پر سرد موسم اور مسلسل بارش کے دوران پانی اور کیچڑ بھرے راستوں کا دشوار ترین سفر کر کے بیس دنوں میں القدس سے یہاں پہنچنے میں کامیاب ہوئے تھے۔

ایوانِ شاہی میں پہنچتے ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ سلطان کی طبیعت بہتر نہیں ہے۔ تختِ شاہی خالی تھا۔ اربابِ دولت اپنی نشستوں پر بیٹھے سلطان کا انتظار کر رہے تھے۔ سلطان کو قاضی صاحب کی آمد کا علم ہوا تو انہیں اپنے خاص کمرے میں بلوا لیا جہاں اور کوئی نہیں تھا۔ قاضی صاحب کو دیکھ سلطان احتراماً کھڑے ہو گئے اور انہیں سینے سے لگا لیا۔ اس کے ساتھ ہی سلطان کے آنسو بہہ پڑے۔ ان کے چہرے پر اس وقت عجیب تاثرات تھے۔

قاضی صاحب کہتے ہیں:

''میں نے اس سے پہلے کبھی انہیں اس قدر گرم جوشی سے ملتے نہیں دیکھا۔''

اگلے دن سلطان نے انہیں اپنے گھر بلوا لیا...... سلطان کا بدن سوجا ہوا نظر آتا تھا۔ طبیعت بوجھل تھی۔ انہیں چلنے پھرنے اور لوگوں سے ملنے ملانے سے کوفت ہو رہی تھی۔ شاید وہ تقدیر میں لکھے کاموں سے فارغ ہو کر اب گوشہ تنہائی میں وقت گزارنا چاہتے تھے۔ اس دن بھی امراء دربار میں سلطان کے منتظر رہے مگر سلطان تخلیے میں رہے۔ البتہ انہوں نے قاضی صاحب سے پوچھا:

''آج دربار میں کون کون حاضر ہیں۔''

قاضی صاحب نے بتایا: ''شہزادہ افضل، چند امراء اور دوسرے لوگ آپ کے منتظر ہیں۔''

سلطان نے امیر جمال الدولہ اقبال کی زبانی انہیں کہلوا دیا:

''میں آج دربار میں آنے سے معذور ہوں۔''[1]

جب ننھا ابوبکر رو پڑا ✿ اگلے دن جمعرات 14 صفر (18 فروری) کو سلطان اپنے گھر سے متصل باغ میں بیٹھے تھے۔ ان کے چھوٹے بچے ان کے گرد جمع تھے۔ سلطان نے دریافت کیا:

''آج دربار میں کون کون ہے؟''

عرض کیا گیا:

''کچھ فرنگی سفیر اور امرائے دولت شرف ملاقات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔''

سلطان نے فرنگی سفیروں کو وہیں بلوا لیا۔ اس وقت سلطان کا سب سے کم سن بچہ امیر ابوبکر ان کے

[1] النوادر السلطانیہ: 357، 358

پاس تھا۔ سلطان کو اس سے بے حد محبت تھی۔ اس وقت بھی سلطان اس سے کھیل رہے تھے۔

اتنے میں فرنگی سفیر باغ میں داخل ہوئے۔ ننھے ابوبکر کی نظر ان پر پڑی۔ اس نے ہمیشہ باریش نورانی چہرے دیکھے تھے۔ ان ڈاڑھی منڈوں کی مکروہ شکلیں اور غیر مانوس لباس دیکھ کر وہ ڈر گیا اور رونے لگا۔

سفیروں سے ملاقات کے لیے ضروری تھا کہ روتے ہوئے بچے کو وہاں سے ہٹا دیا جائے مگر سلطان کی طبیعت اس پر آمادہ نہیں ہوئی۔ اس کی بجائے انہوں سفیروں سے معذرت کر لی اور بولے:

"آج میں مصروف ہوں۔"

یہ کہہ کر خلافِ عادت بات چیت کیے بغیر سفیروں کو واپس بھیج دیا۔

کچھ دیر بعد انہوں نے خدام سے کہا:

"کھانے پینے کا جو سامان میسر ہو پیش کرو۔"

خدام کھیرا اور کچھ ہلکی پھلکی چیزیں لے آئے۔ سلطان کو تو ذرا بھی بھوک نہیں تھی۔ حاضرین نے کچھ نہ کچھ نوش کر لیا۔ اب سلطان نے قاضی صاحب سے پوچھا:

"آپ کے پاس حجاج کرام کی آمد کے بارے میں کیا خبر ہے؟"

قاضی صاحب القدس سے دمشق آتے ہوئے راستے میں حجاج کے کارواں دیکھ چکے تھے، اس لیے سلطان نے یہ سوال انہی سے کیا تھا۔ قاضی صاحب بولے:

"میں راستے میں ایک قافلے والوں سے ملا تھا...... اگر کیچڑ کی کثرت نہ ہوتی تو وہ لوگ آج شہر پہنچ جاتے۔ اب میرا خیال ہے وہ کل تک آجائیں گے۔"

یہ سن کر سلطان نے ان سڑکوں سے پانی اور کیچڑ صاف کرنے کا حکم دیا جن سے گزر کر حجاج کو شہر میں آنا تھا۔

قاضی ابن شداد کہتے ہیں:

"اس دن سلطان سے رخصت ہوتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ان کی طبیعت میں وہ پہلے جیسی چستی اور مستعدی نہیں رہی تھی۔"[1]

حاجیوں کا استقبال: اگلے دن جمعہ تھا۔ صفر کی 15 اور فروری کی 19 تاریخ تھی۔ سلطان حجاج کرام کا استقبال کرنے دمشق سے باہر چل دیے۔ وہ گھوڑے پر سوار تھے۔ نامعلوم کیوں وہ خلافِ عادت اپنا حفاظتی جبہ "قزاگند" پہننا بھول گئے تھے حالاں کہ وہ اسے پہنے بغیر کبھی سواری نہیں کرتے تھے۔ یہ

[1] النوادر السلطانیہ: 58

لباس خنجر اور تلوار کے وار سے بچاتا تھا۔ ادھر بارش کی وجہ سے راستے میں جگہ جگہ پانی کھڑا تھا اور ندی نالے جولانی پر تھے۔

آخر حجاج کا کارواں آ گیا۔ ان کا پرتپاک استقبال کرتے ہوئے سلطان کے آنسو بہہ نکلے۔ یقیناً انہیں حج سے محروم رہ جانے کا دلی صدمہ تھا۔ اس قافلے میں شیخ سابق الدین الیاروقی اور دوسری صالح ہستیاں بھی تھیں۔ سلطان ایوبی مشائخ کا بے حد احترام کرتے تھے، اس لیے نہایت عقیدت سے ان سے ملے، حاجیوں کے صحیح سلامت پہنچ جانے اور ان کے راستے محفوظ ہونے پر مسرت کا اظہار کیا۔ پھر وہ حجاج کرام سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی باتیں سن کر اپنے دل کو تسکین دینے لگے۔ ان سے مقامات مقدسہ کے حکام، باشندوں، جغرافیائی حالات، پیداوار اور صنعت و تجارت کے بارے میں ایک ایک بات پوچھتے رہے۔ یہ بھی پوچھا کہ مصر سے بھیجا جانے والا اناج اور صدقہ وخیرات کا پیسہ وہاں کے فقیروں، درویشوں مسافر خانوں اور خیراتی اداروں پر کس انداز میں خرچ ہو رہا ہے۔ [1]

ادھر قاضی ابن شداد کو حاجیوں کے استقبال کے لیے نکلنے میں ذرا تاخیر ہو گئی تھی۔ جب وہ اس جگہ پہنچے جہاں قافلہ رکا تھا تو دیکھا مخلوقِ خدا کا ایک اژدہام ہے۔ دراصل سلطان کی زیارت کے شوق میں دمشق کے اکثر لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے۔ یہ ان کے لیے ایک یادگار موقع تھا کہ ان کا محبوب حکمران عام آدمیوں کی طرح ان میں گھل مل گیا تھا۔ قاضی صاحب ابھی یہ تشویش اور تذبذب کے عالم میں یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ شہزادہ الافضل بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے قاضی صاحب سے بات چیت شروع کر دی۔ اس دوران قاضی صاحب کی نظر سلطان پر پڑی۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ سلطان نے ''قزاگند'' نہیں پہنی تھی۔ ان سے رہا نہ گیا۔ وہ مجمعے کو چیرتے ہوئے سلطان تک پہنچے اور انہیں یاد دلایا کہ آپ حفاظتی لباس کے بغیر نکل آئے ہیں۔

سلطان یہ سن کر اس طرح چونکے جیسے انہیں گہری نیند سے بیدار کر دیا گیا ہو۔ انہوں نے فوراً ''قزاگند'' طلب کی مگر سلطان کا سلاحدار کہیں نظر نہ آیا جو لباس اور حفاظتی سامان پیش کرنے پر مامور تھا۔ قاضی ابن شداد کی تشویش بڑھنے لگی۔ انہیں سلطان کی جان خطرے میں نظر آنے لگی۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ مشرق و مغرب کا بادشاہ اپنا حفاظتی لباس مانگ رہا ہو مگر وہ ڈھونڈے نہ مل رہا ہو۔

قاضی صاحب کو بدشگونی کے خیالات آنے لگے۔ انہوں نے سلطان کو مجمعے سے نکال کر واپس لے جانے کی کوشش کی مگر چوں کہ وہ دمشق کے راستوں سے واقف نہیں تھے اس لیے سلطان ہی سے پوچھا:

[1] النوادر السلطانیۃ: 357، 358، کتاب الروضتین: 4/357

''حضور! کیا کوئی ایسا راستہ نہیں، جس میں بھیڑ بھاڑ نہ ہو۔ ہم اس سے واپس چلے چلتے ہیں۔''

سلطان نے کہا: ''بالکل ہے۔''

یہ کہہ کر سلطان ایوبی قاضی بہاؤالدین کو لے کر واپس چل دیے۔ انہوں نے باغوں کے درمیان سے گزرنے والا ایک غیر معروف راستہ اختیار کرلیا۔ سارے راستے قاضی صاحب کا دل لرزتا رہا کہ سلطان پر کوئی حملہ نہ ہوجائے مگر ایسی کوئی بات نہ ہوئی۔ وہ خیریت سے دمشق کے قلعے میں پہنچ گئے جہاں سلطان کا قیام ہوا کرتا تھا۔[1]

سلطان گھوڑے سے اتر کر اپنی آرام گاہ میں چلے گئے۔ یہ اس مجاہدِ اعظم کی اپنی سواری کا آخری منظر تھا۔ اس کے بعد زندگی کا ایک طویل حصہ گھوڑے کی پشت پر گزارنے والے اس عظیم شہ سوار کو دوبارہ پابہ رکاب نہیں دیکھا گیا۔

---

[1] النوادر السلطانیہ:350

فصل:2

شمشیرِ اسلام زیر خاک

اِس شب سلطان شروع میں ٹھیک ٹھاک تھے...... وہ کاتب عماد اور دیگر حاضرین سے رات کا ایک پہر گزرنے تک بات چیت کرتے رہے۔ پھر سب کے ساتھ امام کے پیچھے باجماعت نماز ادا کی...... اور لوگ رخصت ہو گئے۔

سلطان نے آرام کرنا چاہا مگر نصف شب کے قریب انہوں نے اپنا جسم ٹوٹتا اور جوڑ جوڑ دکھتا محسوس کیا ...... جلد ہی انہیں صفراوی بخار نے اپنی لپیٹ میں لے لیا...... بخار کی تپش جسم کے باہر کم اور اندر بہت زیادہ تھی۔

ہفتہ 16 صفر (20 فروری) کی صبح جب قاضی بہاؤالدین بن شداد، قاضی فاضل اور شہزدہ الافضل سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سلطان پر شدید نقاہت طاری تھی اور بخار کے اثرات چہرے سے عیاں تھے۔ سلطان نے بتایا کہ انہیں رات بھر نیند نہیں آسکی۔ دوپہر تک یہ حضرات سلطان کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہے تاکہ سلطان کی طبیعت میں نشاط آجائے۔ ادھر شیخ عماد اصفہانی اور دیگر درباری ایوانِ شاہی میں سلطان کی آمد کا انتظار کرتے رہے۔ سلطان کے پاس موجود خواص جب جانے لگے تو سلطان نے کہلوایا:

''ملک الافضل کے ساتھ کھانا کھا کر جائیں۔''

قاضی فاضل کو کسی کے ہاں کھانا کھانے کی عادت نہیں تھی اس لیے وہ تو نہ رکے، البتہ قاضی بہاؤالدین شاہی ایوان میں چلے گئے جہاں دسترخوان لگا ہوا تھا اور لوگ کھانے کے لیے بیٹھ چکے تھے۔ نئی بات یہ تھی کہ شہزادہ الافضل، سلطان ایوبی کی مخصوص جگہ پر پالتی مارے بیٹھا ہوا تھا۔ یہ خلافِ ادب تھا۔ قاضی صاحب کے دل پر چوٹ سی لگی۔ ان کے لیے دسترخوان پر بیٹھنا ناممکن ہو گیا۔ وہ چپ چاپ چلے آئے۔ دوسرے لوگوں نے بھی یہ منظر دیکھ کر بدشگونی محسوس کی۔ کئی افراد اسے برداشت نہ کر سکے اور رو پڑے۔

سلطان کا مرض روز بروز بڑھتا گیا۔ امراء، شہزادے، خاص درباری اور علماء وفقہاء تیمار داری کے لیے صبح وشام حاضر ہوتے رہے۔ قاضی فاضل اور قاضی بہاؤالدین روزانہ کئی کئی بار عیادت کے لیے جاتے، کبھی کبھی مرض میں کمی بھی محسوس ہوتی تھی۔ بیماری کا اصل حملہ دماغ پر تھا۔ کئی طبیب سلطان کا علاج کر رہے تھے مگر حالت قابو میں نہیں آرہی تھی۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ سلطان کا خاص طبیب جو سفر وحضر میں ان کے ساتھ رہتا تھا اور ان کا مزاج شناس تھا، دمشق سے باہر تھا۔ سلطان کے قریبی ساتھی اس صورت حال کو مرض الموت کا پیش خیمہ قرار دے رہے تھے۔ آخر طبیبوں نے باہمی مشورہ کرکے سلطان کو فصد لگانے کا فیصلہ کیا۔[1]

بیماری کے چوتھے دن فصد لگایا گیا مگر اس سے سلطان کی طبیعت مزید بگڑ گئی۔ جسم کی رطوبات تیزی سے ضائع ہونے لگیں اور طبیعت پر خشکی کا مکمل غلبہ ہوگیا۔ بیماری بڑھتی چلی گئی اور سلطان پر حد درجہ کمزوری چھا گئی۔[2]

سلطان کی قوت برداشت ❁ مرض کے چھٹے دن قاضی ابن شداد، قاضی فاضل اور دوسرے خواص حاضر خدمت تھے۔ سلطان کو سہارا دے کر تکیے کے ساتھ بٹھا دیا گیا تھا۔ انہوں نے ابھی ابھی دوا پی تھی۔ اب وہ ہلکا گرم پانی پینا چاہتے تھے تاکہ طبیعت کو سکون محسوس ہو۔ ایک خادم پانی لے کر آیا۔ سلطان نے پیالہ منہ سے لگایا اور یکدم ہٹا کر کہا:

"پانی کی حرارت ناقابل برداشت ہے۔"

انہوں نے قدرے ٹھنڈا پانی منگوایا۔ دوبارہ پانی لایا گیا۔ سلطان نے اسے پینا چاہا مگر یہ بہت ٹھنڈا محسوس ہوا۔ سلطان نے ڈانٹنے کی بجائے نرمی سے صرف اتنا کہا:

"سبحان اللہ! کیا کسی کو یہ توفیق نہیں ہوسکتی کہ پانی معتدل کرکے لے آئے۔"

قاضی فاضل اور بہاؤالدین بن شداد یہ منظر دیکھ کر باہر نکلے تو روتے روتے ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ قاضی فاضل کہہ رہے تھے:

"کہیں ایسا نہ ہو مسلمان ان کریمانہ اخلاق والی ہستی سے محروم ہو جائیں۔ اللہ کی قسم اگر ایسا معاملہ کسی عام آدمی کے ساتھ بھی ہوتا تو وہ پیالہ پانی لانے والے کے سر پر دے مارتا۔"[3]

لوگوں کا قلق اور اضطراب ❁ ادھر سلطان کی بیماری کی خبر شہر میں مشہور ہو چکی تھی اور لوگوں پر ایک

[1] النوادر السلطانیہ: 350، کتاب الروضتین: 4/366
[2] النوادر السلطانیہ: 360، کتاب الروضتین: 4/366
[3] النوادر السلطانیہ: 360

سناٹے کی کیفیت طاری تھی۔لوگ اپنے دلوں کے بادشاہ کی صحت یابی کے لیے دن رات دعائیں کر رہے تھے۔اس کے باوجود سلطان کی حالت بگڑتی جارہی تھی۔دماغ پر بخار کے اثرات اتنے واضح تھے کہ سلطان کا ذہن ماؤف ہو چلا تھا۔نویں دن ان پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔تھوڑا بہت کھانا پینا بھی موقوف ہوگیا۔

سلطان کی حالت کا سن کر عوام وخواص کا اضطراب نا قابل بیان تھا۔بازاروں میں ہو کا عالم تھا۔خرید وفروخت بند ہوگئی تھی۔تاجر منڈی سے سامان اٹھانے پر مجبور ہوگئے تھے۔سلطان کے پاس خواص کی آمدورفت کی گنجائش بھی نہیں رہی تھی۔صرف اہل خانہ اور طبیب انہیں سنبھال رہے تھے۔علماء وخواص رات کو دیر تک ایوان شاہی میں سلطان کی خیر وخبر کے منتظر رہتے۔اپنے گھروں کو لوٹنے سے پہلے وہ سلطان کی رہائش گاہ کے دروازے پر آجاتے۔اگر اس وقت کسی کو تھوڑی دیر کے لیے زنان خانے میں جانے کی اجازت مل جاتی تو وہ سلطان کو ایک نظر دیکھ کر واپس آجاتا۔کبھی لوگ باہر ہی بیٹھے رہ جاتے اور گھر والے انہیں سلطان کی حالت کی اطلاع دے دیتے جو ان کی بے چینی میں مزید اضافہ کردیتی۔قلعے کے باہر ان لوگوں کا رش لگا رہتا تھا جو آنے جانے والوں سے سلطان کی خیر خبر لینے کے لیے مضطرب نظر آتے۔جب خواص اندر سے نکلتے تو ان کی اداس نگاہیں اور مرجھائے ہوئے چہرے دیکھ کر اکثر لوگ خود بخود سمجھ جاتے کہ سلطان کو اب تک افاقہ نہیں ہوا ہے۔ ❶

<u>آخری سنبھالا</u>: بیماری کے دسویں دن سلطان کو انتڑیوں کے راستے دوا دی گئی۔اس سے سلطان کی حالت قدرے سنبھل گئی۔اس دن انہوں نے مناسب مقدار میں جو کا شربت بھی نوش کیا۔اس سے لوگوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔درباری اس دن بھی حسب معمول رات کو دیر تک ایوان شاہی میں بیٹھے رہے۔رخصت ہونے سے پہلے وہ سلطان کی رہائش گاہ کے دروزے پر آئے اور جمال الدولہ اقبال سے سلطان کی تازہ ترین حالت پوچھی۔وہ اندر گیا اور سلطان کے کم عمر بیٹے معظم توران شاہ سے حال پوچھا۔اس نے بتایا:

"سلطان کو پسینہ آرہا ہے جو پنڈلیوں پر ظاہر ہورہا ہے۔"

امراء نے یہ سن کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور جمال کو تاکید کی کہ وہ جاکر جائزہ لے کہ سلطان کے باقی بدن پر پسینے کے آثار ہیں یا نہیں۔وہ دیکھ کر آیا اور بتایا:

"اب سلطان کے پورے جسم پر پسینا آرہا ہے۔"

<u>یہ بہت اچھی خبر تھی،لگتا تھا سلطان کو افاقہ ہورہا ہے۔چنانچہ امراء وخواص مطمئن ہوکر لوٹ گئے۔</u> ❷

❶ النوادر السلطانیۃ:360 ❷ النوادر السلطانیۃ:360۔361

الملک الافضل نے حلف لیا۔ لیکن صبح کو امراء دوبارہ سلطان کی رہائش گاہ کے دروازے پر آئے تو انہیں بتایا گیا کہ سلطان کی حالت بے حد نازک ہے۔ پسینہ حد سے زیادہ خارج ہو رہا ہے۔ نہ صرف پورا بستر بھیگ گیا ہے بلکہ چٹائی اور زمین تک گیلی ہو چکی ہے، طبیعت پر خشکی انتہائی غالب آ چکی ہے۔ اب طبیب حیران ہیں کہ سلطان کو قوت فراہم کرنے کے لیے کونسی دوا یا غذا دی جائے۔

اس دن لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب سلطان کا بچنا مشکل ہے۔ شہزادہ الافضل نے یہ سوچ کر کہ اگر سلطان اپنے جانشین کا فیصلہ کیے بغیر رخصت ہو گئے تو ملک میں انتشار پھیل جائے گا، خود حکومت سنبھالنے کی تیاری کر لی۔ اس نے اپنی رہائش گاہ "دار رضوان" میں قاضیوں کو بلا کر ایک مختصر حلف نامہ تیار کرایا جس میں سلطان کی زندگی میں ان کی تابعداری کا اور ان کی وفات کے بعد الملک الافضل کی پیروی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ شہزادے نے سب کو تسلی دیتے ہوئے کہا:

"سلطان کا مرض انتہائی شدید ہے، معلوم نہیں آئندہ کیا ہوگا۔ میں یہ حلف صرف احتیاطاً اٹھوا رہا ہوں جیسا کہ بادشاہوں کے ہاں ایسے موقع پر دستور بھی ہے۔"

اس کے بعد مختلف امراء، حکام اور وزراء کو بلا کر ان سے حلف لیا گیا، حلف نامے کے الفاظ یہ تھے:

"میں اس وقت الملک الناصر سلطان صلاح الدین کی وفاداری کے لیے اپنی نیت کو پاک اور باطن کو خالص کرتا ہوں، میں ہمیشہ اپنی جان، مال، تلوار اور اپنے سپاہیوں کے ساتھ اپنی تمام تر صلاحیتیں سلطنت کی حفاظت میں استعمال کرتا رہوں گا۔ سلطان کے حکم کا پابند اور ان کی منشاء کا پیروکار رہوں گا۔ سلطان کے بعد میں ان کے بیٹے الملک الافضل علی کے لیے انہی باتوں کا حلف اٹھاتا ہوں۔ اللہ کی قسم میں اس کا تابعدار رہوں گا اور اپنی جان، مال، تلوار اور سپاہ کے ساتھ ان کی حکومت اور شہروں کی حفاظت کروں گا۔ ان کے حکم اور ممانعت کی پابندی کروں گا، اس بارے میں میرا ظاہر و باطن یکساں ہے...... ہم نے جو کچھ کیا اس پر اللہ گواہ ہے۔"

دمشق کے ناظم سعد الدین نے سب سے پہلے حلف اٹھایا۔ پھر حاکم شیزر سابق الدین، خشتر بن حسین ہکاری، انوشروان زرزاری، سنقر مشطوب، ایبک الافطس، حسام الدین بشارہ اور دوسرے امراء نے حلف اٹھایا...... ان میں سے بعض کا حلف مشروط تھا اور بعض کا غیر مشروط۔ صہیون کے قلعہ دار ناصر الدین نے اس شرط پر حلف اٹھایا کہ اس کی قلعہ داری برقرار رہے گی۔ میمون القصری اور شمس الدین کبیر نے حلف اس شرط پر اٹھایا کہ وہ سلطان کے دوسرے بیٹوں کے خلاف کسی جنگ میں حصہ نہیں لیں گے۔ حلف اٹھانے والے یہ تمام امراء شامی تھے۔ مصری امراء نے حلف برداری میں حصہ

نہیں لیا، نہ ہی کسی نے انہیں مجبور کیا۔

<u>اُمیدیں دم توڑ گئیں</u> ✽ بیماری کے بارہویں روز بدھ 27 صفر 589 (3 مارچ 1193ء) کی شب سلطان صلاح الدین کی حالت نہایت نازک ہو گئی۔ کئی روز سے ان پر غشی طاری تھی اور قوت حیات جو اب دیتی جارہی تھی۔ کبھی کبھار چند لمحوں کے لیے ہوش آجاتا تھا مگر پھر جلد ہی بے ہوش ہو جاتے۔ گھر کی خواتین ان کے گرد جمع تھیں۔ سلطان کی حالت دیکھ کر ان کے دل غم سے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جارہے تھے۔ خواص امراء اس شب بھی ایوان شاہی میں سلطان کی خیریت جاننے کے لیے بے چین تھے مگر خواتین کی موجودگی میں ان کا اندر جانا ممکن نہیں تھا۔ ان حضرات میں قاضی ابن ذکی بھی تھے جو خلاف معمول اس وقت یہاں نظر آرہے تھے۔

چونکہ سلطان کے بچنے کی امید ختم ہو چکی تھی اس لیے شہزادہ الافضل نے قاضی فاضل اور قاضی بہاؤالدین ابن شداد سے کہا:

"آپ حضرات رات قلعے میں گزاریں تاکہ خدانخواستہ سلطان کا آخری وقت شروع ہو جائے تو وہ کلمہ طیبہ کی تلقین اور تلاوت کے لیے سرہانے موجود رہیں۔"

مگر قاضی فاضل نے اسے نامناسب تصور کیا اور کہا:

"لوگ قلعے کے باہر ہمارے منتظر ہیں کہ ہم نکلیں تو وہ ہم سے سلطان کا حال احوال معلوم کریں۔ اگر ہم رات بھر یہیں رہے تو شہر میں سلطان کی وفات کی افواہ پھیل جائے گی۔"

آخر طے یہ ہوا کہ یہ حضرات تو حسب معمول رخصت ہو جائیں اور "کلاسہ" محلے کے نیک سیرت امام شیخ ابوبکر جعفر کو یہاں بلوالیا جائے۔ وہ سلطان کے سرہانے ذکر و تلاوت میں مصروف رہیں گے۔

<u>آخری لمحات</u> ✽ تمام درباری رخصت ہو گئے اور شیخ ابوجعفر کو سلطان کی رہائش گاہ پر بلوالیا گیا۔ خواتین سلطان کے پاس سے ہٹ گئیں اور شیخ نے سلطان کے پاس بیٹھ کر تلاوت شروع کر دی۔ صبح صادق کے قریب وہ سورۃ الحشر کی آیات پڑھ رہے تھے:

﴿لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿٢٠﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿٢٢﴾﴾

"برابر نہیں ہیں جنت والے اور جہنم والے...... یہ جنت والے ہی اپنی منزل مراد کو پہنچنے والے

ہیں۔اگر ہم اس قرآن کو نازل کر دیتے کسی پہاڑ پر......تو یقیناً تم دیکھتے اس پہاڑ کو......کہ وہ دب جاتا پھٹ جاتا اللہ کے خوف سے۔یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ غور وفکر کریں۔وہ اللہ ایسی ذات ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔وہ ہر چھپی بات اور ظاہر بات کو جاننے والا ہے۔نہایت مہربان، بے حد رحم فرمانے والا ہے۔"

جب شیخ تلاوت کرتے ہوئے ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ پر پہنچے تو سلطان کو ایک لمحے کے لیے ہوش آ گیا۔ان کے منہ سے نکلا: "سچ ہے۔" ❶

ادھر صبح کا اجالا پھیلا ......اُدھر سلطان کی حیاتِ فانی کا دورانیہ پورا ہو گیا۔لوگ سلطان کی صحت وسلامتی کی دعائیں کر کے مساجد سے نکل رہے تھے اور سلطان سفرِ آخرت پر روانہ ہو رہے تھے۔ان کے سرہانے تلاوتِ قرآن جاری تھی......شیخ ابوجعفر کے لبوں پر سورۃ التوبۃ کی آخری آیت کا یہ ٹکڑا تھا:

﴿لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾

کلامِ الٰہی کے یہ الفاظ سن کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہونٹوں پر ایک ملکوتی مسکراہٹ نمودار ہوئی، چہرہ مسرت سے چمک اٹھا اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ ❷

......اناللہ وانا الیہ راجعون......

آج یوسف نے رہائی پالی ﷺ قاضی فاضل سلطان کی وفات کے وقت وہاں پہنچ گئے تھے۔بہاؤ الدین ابن شداد اور دوسرے مصاحبین ذرا دیر سے پہنچے۔تب تک سلطان کی روح پرواز کر چکی تھی۔اسلام کی تاریخ کا یہ سانحۂ فاجعہ 27 صفر 589ھ (3 مارچ 1193ء) کو پیش آیا۔اسی رات ایک اللہ والے نے خواب میں ہاتفِ غیبی کی آواز سنی تھی:

"آج یوسف نے قید سے رہائی پالی۔"

یہ اس حدیث کی طرف اشارہ تھا:

الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر

"دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔"

شیخ عماد اصفہانی کو یہ خواب بتایا گیا تو انہوں نے کہا:

"بلاشبہ ہمارا یوسف آخرت کی نعمتوں کے لحاظ سے اس دنیا میں رہ کر ایک قید ہی میں تو تھا۔" ❸

❶ النوادر السلطانیہ: 303، 304

❷ النوادر السلطانیہ: 303، 304

❸ کتاب الروضتین: 589 ہجری کے ذیل میں مرض السلطان ووفاتہ

پورا شہر سوگوار سلطان کا جانشین شہزادہ الافضل تعزیت کنندگان سے ملنے قلعے کے شمالی ایوان میں بیٹھ گیا۔ جوں جوں سلطان کی وفات کی خبر شہر میں پھیلی، ہر طرف آہ وفغاں کا عالم طاری ہوگیا۔ لوگ آہیں بھرتے ہوئے قلعے کی طرف دوڑ پڑے اور قلعے کے باہر بے پناہ رش ہوگیا۔ بدنظمی سے بچاؤ کے لیے قلعے کے دروازے صرف خاص متعلقین کے لیے کھولے جارہے تھے۔

لوگ تعزیت کے الفاظ کہہ کر چپ چاپ ایک طرف بیٹھتے جارہے تھے۔ قلعے میں کسی کو نوحہ وزاری یا مرثیہ گوئی کی اجازت نہیں دی گئی...... نہ کسی تعزیتی وعظ وتقریر کی ضرورت محسوس کی گئی۔ مگر قلعے کے باہر ایک شورِ قیامت برپا تھا......لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔

سلطان کے چھوٹے بچے بھی روتے چلاتے ہوئے باہر نکل آئے تھے۔ یہ حزن انگیز منظر دیکھ کر لوگوں کے دل پارہ پارہ ہوئے جارہے تھے......ظہر کی نماز کے بعد تک آہ وبکا کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ قاضی ابن شداد کہتے ہیں:

"اس دن ایسی کیفیت تھی کہ کتنے ہی لوگوں کو میں نے یہ کہتے سنا کہ کاش سلطان کی جگہ وہ مرجاتے۔ اس دن سے پہلے میں کسی کے بدلے اپنی جان دینے کو ایک محاورہ ہی تصور کرتا تھا مگر اس روز خود میری یہ کیفیت تھی کہ اگر میرے بدلے سلطان کی جان بچ سکتی تو میں بخوشی جان دے دیتا۔"[1]

ادھر خواص سلطان کے غسل وتکفین کی تیاری کررہے تھے مگر حالت یہ تھی کہ لاکھوں مربع میل کے مالک اس عظیم حکمران نے ترکے میں اتنی رقم بھی نہیں چھوڑی تھی کہ کفن ودفن کا مناسب انتظام ہوسکتا۔ آخر قاضی فاضل نے قرض لے کر تجہیز وتکفین کا سامان منگوایا۔

غسل کا مرحلہ درپیش ہوا تو سلطان کے قریبی مصاحبین کے ہاتھ پاؤں جواب دے گئے۔ فقیہ الدولعی نے یہ خدمت انجام دی۔ ظہر کی نماز کے بعد سلطان کا جسد ایک تابوت میں رکھ کر باہر لایا گیا، تابوت کو کپڑے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ سلطان کے جنازے پر نگاہ پڑتے ہی قلعے کے باہر جمع ہونے والے لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ لوگ رو رو کر بے ہوش ہورہے تھے۔ ابن شداد کے الفاظ ہیں:

"گریہ وزاری کا یہ عالم تھا کہ لگتا تھا ساری دنیا ایک ہی آواز میں مل کر رو رہی ہے۔"

اس کیفیت کی وجہ سے نماز جنازہ میں تاخیر ہوگئی۔ آخرِ کار نماز جنازہ کے لیے صفیں باندھی گئیں۔ امامت قاضی محی الدین ابن ذکی نے کرائی......مگر مجمع حد سے زیادہ تھا......سب لوگ نماز جنازہ میں شریک نہ ہوسکے۔ چنانچہ باری باری کئی جماعتیں کرائی گئیں۔ اس طرح سب نے نماز جنازہ میں شرکت کرلی۔[2]

[1] النوادر السلطانیہ: 364، 365

[2] النوادر السلطانیہ: 364، 365

نماز ختم ہوتے ہی بڑے بڑے معمر مشائخ اور علماء آگے بڑھے تا کہ سلطان کے جنازے کو کاندھا دیں، شہزادہ الافضل نے کہا: ”سلطان کو آپ حضرات کی دعائیں کافی ہیں۔“

شہزادوں، سالاروں اور مجاہدوں نے جنازے کو کاندھوں پر اٹھا کر قبر تک پہنچایا۔ ❶

اسی تلوار پر سہارا لے کر اٹھیں گے ❀- سلطان کی تدفین دمشق کے قلعے میں ہوئی، شہزادہ الافضل لحد میں اترا اور مسنون طریقے سے لٹا کر باہر نکلا۔ سلطان کے وزیر اعظم قاضی فاضل عسقلانی نے سلطان ایوبی کی وہ مشہور زمانہ شمشیر منگوائی جو جہاد فی سبیل اللہ میں وہ استعمال کیا کرتے تھے۔ یہ تلوار جس کی دھار نے صلیبیوں افواج کے تاروپود بکھیر کر رکھ دیے تھے۔

قاضی فاضل کی ہدایت پر سلطان کے ساتھ ہی قبر میں رکھ دی گئی۔ قاضی فاضل نے اس موقع پر کہا:

”سلطان قیامت کے دن اسی تلوار پر سہارا لے کر اٹھیں گے۔“ ❷

خوابوں میں بشارت ❀- سلطان کی وفات پر اہل اللہ نے بڑے عجیب عجیب خواب دیکھے۔ ایک بزرگ نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ سلطان ایوبی کی قبر پر دعا کے لیے آئے ہیں۔ ❸

سلطان کی وصیت اور تدفین ❀- سلطان ایوبی برسوں پہلے (581ھ میں) جب اتنے بیمار ہوئے تھے کہ آخری وقت معلوم ہوتا تھا، تب خواہش ظاہر کی تھی کہ انہیں دمشق کے میدان حصی میں دفن کیا جائے۔ جہاں سے مسافروں کے قافلے اور غازیوں کے لشکر گزرتے ہیں، تا کہ ہر آتا جاتا ان کے لیے دعائے خیر کرتا رہے اور مجاہدین کے گھوڑوں کا گرد وغبار ان کی قبر پر پڑتا رہے۔

الملک الافضل نے اس وصیت کے مطابق شاہراہ پر ایک مقبرہ تعمیر کیا، سلطان کی وفات کے تین سال بعد دس محرم 592ھ کو لاش وہاں منتقل کر دی گئی۔ سلطان کی یاد میں وہیں شوافع کا ایک مدرسہ ”مدرسہ شافعیہ“ بھی بنا دیا گیا۔ ❹

---

❶ کتاب الروضتین: 589 ہجری کی فصل فی مرض السلطان ووفاتہ

❷ کتاب الروضتین: 589 ہجری کی فصل فی مرض السلطان ووفاتہ: 4/368

❸ کتاب الروضتین: 589 ہجری کی فصل فی مرض السلطان ووفاتہ: 4/369

❹ کتاب الروضتین: 589 ہجری کی فصل فی مرض السلطان ووفاتہ: 4/369

فصل:3

سلطان صلاح الدین ایوبی کی سیرت پر ایک نظر

یوسف بن ایوب سلطان صلاح الدین ایوبی کی ذات عالی اوصاف اور بلند اخلاق کا مجموعہ تھی۔ ان کے کردار میں ہر طرح کے محاسن اور خوبیاں جلوہ گر نظر آتی ہیں۔ ان کا دل ایمان و اخلاص، یقین و معرفت، توکل و انابت اور صبر و رضا سے لبریز رہتا تھا۔ ان کا ذہن ہر وقت اسلام کی سربلندی اور امت کی فلاح و بہبود کی فکر میں مشغول ہوتا تھا۔ وہ علم کے جویاں بھی تھے اور عمل کے خوگر بھی۔ جہاں گیر بھی تھے اور جہاں دار بھی۔ جرأت و شجاعت میں لاثانی تھے اور رحم دلی و رعایا پروری بھی یگانۂ روزگار۔ ان کا حوصلہ پہاڑوں کی طرح اٹل اور طبیعت پھول کی طرح نرم تھی۔ وہ ایک سچے مسلمان تھے۔ مثالی قائد کی تمام خوبیاں ان میں نمایاں نظر آتی ہیں۔

ذیل میں ہم ان کے اخلاق و کردار اور حسن سیرت کی کچھ جھلکیاں پیش کر رہے ہیں جن سے ان کی شخصیت کی بلندی اور کردار کی گہرائی کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

عدل و انصاف: ایک حکمران کے لیے سب زیادہ ضروری صفت عادل اور منصف ہونا ہے۔ سلطان صلاح الدین ایک نہایت عادل اور انصاف پرور حکمران تھے۔ وہ ہر پیر اور جمعرات کو کھلا دربار لگاتے جسے دارالعدل کہا جاتا تھا۔ اس میں ہر خاص و عام کو اپنی شکایات بیان کرنے کی اجازت ہوتی۔ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، غریب ہو یا امیر، مرد ہو یا عورت، جوان ہو یا بوڑھا...... اس دربار میں حاضر ہو کر فریاد کرسکتا تھا۔ دربار میں قاضیوں کے علاوہ فقہاء اور علماء بھی موجود ہوتے جن کی مدد سے فوری طور پر فیصلے کیے جاتے اور لوگوں کو آسانی سے انصاف مہیا ہو جاتا۔ سلطان کا یہ دربار ہر جگہ لگا کرتا تھا۔ چاہے وہ سفر میں ہوتے یا حضر میں، امن کے دن ہوتے یا جنگ کے، ان کی طرف سے عدالت کا ناغہ نہیں ہوتا تھا۔

اس عام دربار کے علاوہ بھی فریادی حاضر ہوتے رہتے تھے۔ سلطان اس وقت جس حالت میں بھی ہوتے، سب کام موقوف کر کے، اطمینان سے ان کی بات سنتے اور مناسب فیصلے صادر کرتے۔ کسی فریادی

کو مایوس نہ کرتے، روزانہ درجنوں درخواستیں پیش ہوتیں، سلطان روزانہ وقت نکال کر اپنے کاتب کے ساتھ عرضیوں کا مطالعہ کرتے۔ سب کی شکایات کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتے، کسی درخواست کو نظر انداز نہ ہونے دیتے۔ راستے میں بھی کوئی شخص فریاد کرتا تو اس کی بات سنے بغیر آگے نہ بڑھتے۔ ①

عدل وانصاف کی خاطر اپنے امراء کا بھی کوئی لحاظ نہیں کرتے تھے۔ تقی الدین عمران کا سب سے بڑا جرنیل تھا مگر ایک بار دمشق کے ایک شخص ابن زہیر نے اس کے خلاف دعویٰ کیا تو سلطان نے اسی وقت تقی الدین کو مجلس قضا میں طلب کر لیا۔

تقی الدین اس وقت دمشق سے بہت دور حماۃ میں تھا اور نہایت اہم سرگرمیوں میں معروف تھا اس لیے اس کا آنا مشکل تھا مگر سلطان نے اس وقت تک اس کے حاضر ہونے پر اصرار جاری رکھا جب تک اس نے حماۃ کے قاضی امین الدین کو اپنا وکیل بنا کر نہ بھیج دیا۔ جب قاضی امین الدین مجلس قضا میں آئے تو سلطان نے ایک عام ملزم کی طرح انہیں مدعی کے برابر کھڑا کر دیا حالانکہ وہ سلطان کے مقرب علماء میں سے تھے اور سلطان ان کا بڑا احترام کرتے تھے مگر انصاف کا پلہ برابر رکھنے کے لیے سلطان نے انہیں مدعی پر فوقیت نہ دی۔ ②

بیت المقدس کی فتح کے کچھ عرصے بعد عمر خلاطی نامی ایک بوڑھا شخص قاضی بہاؤالدین ابن شداد کی عدالت میں آیا اور دعویٰ کیا کہ اس کے ایک غلام سنقر خلاطی کو سلطان ایوبی نے غیر قانونی طور پر اپنی ملکیت میں لے لیا تھا۔ وہ غلام اب مر گیا ہے لہٰذا اس کی دولت کا وارث میں ہوں۔ بوڑھے نے اس دعوے کے ثبوت میں ایک رسید دکھائی جس میں لکھا تھا:

"اس شکل وصورت کا غلام فلاں تاریخ کو فلاں مقام پر عمر خلاطی کو فروخت کیا گیا۔ وہ اسی کی ملکیت میں رہا، حتیٰ کہ وہ ایک دن فرار ہو گیا۔"

ابن شداد نے تاجر کی فریاد سن کر اسے یقین دلایا کہ اس کے ساتھ انصاف ہوگا۔ پھر سلطان کو سارا قصہ سنایا، سلطان نے پوچھا: "آپ نے اچھی طرح رسید کو دیکھا بھالا تھا؟"

ابن شداد نے کہا: "وہ رسید جعلی معلوم نہیں ہوتی۔ اس پر جانے پہچانے افراد نے بطور گواہوں کے دستخط کیے ہیں۔"

آخر سلطان قاضی ابن شداد کی عدالت میں ملزم بن کر حاضر ہوئے۔ عمر خلاطی نے اپنا دعویٰ دہرایا۔ سلطان نے اسے غلط قرار دیتے ہوئے کہا:

① النوادر السلطانیہ: 11 ② النوادر السلطانیہ: 42

"مستقر خلاطی میرا غلام تھا، میں نے اسے آزاد کر دیا تھا، وہ جو مال و دولت چھوڑ کر مرا ہے وہ اس کے ورثاء کا حق ہے۔"

مدعی نے کہا: "میرے پاس اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے گواہ موجود ہیں۔"

اس کے ساتھ اس نے اس کی خریداری کی رسید بھی دکھائی۔ رسید دیکھ کر سلطان نے کہا:

"میرے پاس بھی اس بات کے گواہ موجود ہیں کہ میں نے اس رسید پر درج تاریخ سے ایک سال قبل سنقر کو مصر میں خریدا تھا۔"

یہ کہہ کر سلطان نے ان امراء کو پیش کیا جو اس واقعے کے گواہ تھے۔ اس طرح مدعی کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہو گیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ملزم پر دھوکہ دہی کی کوشش اور ہتکِ عزت کا مقدمہ دائر کیا جاتا مگر سلطان کے اخلاق الگ ہی تھے۔ اسی لیے قاضی بہاؤالدین نے مجلسِ قضا برخاست کر کے سلطان سے عرض کیا:

"اس شخص نے آپ پر یہ دعویٰ صرف اس لیے کیا ہے کہ اسے آپ کے در دولت سے کچھ چاہیے۔ اس لیے اسے محروم کرنا مناسب نہ ہوگا۔"

سلطان نے کہا: "ہاں یہ معاملہ الگ ہے۔" چنانچہ مدعی کو انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔ ❶

<u>زہد و قناعت</u> ❁ سلطان نے بلاشبہ اپنی زندگی میں لاکھوں کروڑوں درہم و دینار خرچ کیے مگر کبھی کچھ جمع کر کے نہ رکھا۔ آمدن کم نہیں تھی مگر آمدن سے زیادہ دوسروں پر خرچ کرنے کے عادی تھے۔ لوگوں کو انعام و اکرام سے نواز کر اور اس کے لیے قرضے لے لے کر مقروض ہو گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب وفات ہوئی تو ان کے اپنے خزانے میں 47 ناصری درہموں اور ایک طلائی صوری اشرفی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ کوئی محل تھا نہ گھر۔ باغ تھا نہ کھیت۔ عمارتیں تھیں نہ جاگیریں اور جائدادیں جن سے پیداوار حاصل کی جاتی۔ جو بھی سرمایہ تھا وہ سب قرضے میں دب چکا تھا۔ ❷

سلطان کے ورثاء میں ان کے سترہ بیٹے اور ایک کم عمر بیٹی تھی، جن کے لیے سلطان نے سیرت و کردار کا ایک عمدہ نمونہ اور بکثرت اخلاقی خوبیوں کی میراث چھوڑی تھی۔ ❸

<u>شجاعت</u> ❁ سلطان صلاح الدین ایوبی کی شجاعت و بسالت پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔ ان کی بہادری ضرب المثل ہے۔ سلطان کی زندگی کا ہر لمحہ جرأت اور دلیری کا ایک نیا سبق دیتا ہے۔ ابن شداد کہتے ہیں:

"سلطان رحمہ اللہ بہت بہادر تھے، مضبوط دل گردے کے مالک تھے۔ جنگ آزما اور انتہائی ثابت

❶ النوادر السلطانیۃ: 43، 44، 45 ❸ النوادر السلطانیۃ: 34_47.
❷ کتاب الروضتین: 4/220
یاد رہے کہ سلطان کے بیس بیٹے تھے۔ ان میں سے تین یا چار سلطان کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے۔ لیکن ان کی وفات کے وقت ان میں سے سترہ زندہ رہے۔

قدم تھے۔ کوئی خطرہ انہیں حواس باختہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ فرنگیوں کے لشکرِ عظیم کے مقابلے میں ڈٹے رہے، دشمن کو متواتر کمک مل رہی تھی اور ان کی امدادی افواج پے در پے آرہی تھیں مگر سلطان کی ہمت اور قوت ارادی میں کوئی کمی نظر نہیں آئی۔ ایک دن عصر سے مغرب تک فرنگیوں کی کمک کے اسی (80) جہاز عکا پہنچے۔ میں انہیں گنتا رہا مگر سلطان کو دیکھا تو وہ اسی طرح جواں عزم اور باحوصلہ تھے۔''

عام طور پر بادشاہ جنگوں میں خود شرکت نہیں کرتے مگر سلطان ایوبی کی عادت تھی کہ وہ نہ صرف معرکے میں بذات خود قیادت کرتے تھے بلکہ جنگ سے قبل دشمن کے احوال کا مشاہدہ کرنے کے لیے روزانہ ایک دو مرتبہ اپنے پڑاؤ سے دشمن کے پڑاؤ کی طرف جایا کرتے تھے اور ارد گرد کا خود جائزہ لے کر آتے تھے تاکہ جنگ کا نقشہ پوری بصیرت کے ساتھ مرتب کیا جاسکے۔ جنگوں میں بادشاہوں کو تو چھوڑیے سپہ سالاروں کے لیے بھی محافظ دستے مقرر ہوتے ہیں مگر سلطان ایوبی معرکے کی شدت کے دوران زیادہ سے زیادہ سپاہیوں کو جنگ کے شعلوں میں جھونک دیتے تھے اور اپنی حفاظت کے لیے بالکل معمولی سا انتظام رکھتے تھے۔

ابن شداد کا کہنا ہے کہ وہ لڑائی کی شدت کے دوران اپنی اور دشمن کی صفوں کے درمیان سے اس طرح گزرتے تھے کہ ان کے ساتھ صرف ایک خادم لڑکا ہوتا تھا۔ اس دوران کبھی وہ سپاہیوں کو دائیں پہلو سے بائیں بازو کی طرف بھیجتے، کبھی دستوں کو مرتب کرتے اور انہیں آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کا حکم دیتے۔ بسا اوقات وہ دشمن کی نقل وحرکت دیکھنے کے لیے اس کے بالکل قریب چلے جاتے۔ ①

ابن شداد کہتے ہیں کہ میں نے ان کو کبھی دشمن کی کثرت کی پروا کرتے نہیں دیکھا، وہ کبھی حملہ آوروں سے مرعوب نہیں ہوئے۔ ہاں غور وفکر اور تدبیر جاری رکھتے تھے۔ ان کے سامنے معاملے کے تمام پہلوؤں کا ذکر کیا جاتا اور وہ غصے یا گھبراہٹ کا شکار ہوئے بغیر تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر وقت کے تقاضے کے مطابق مناسب فیصلہ کر دیتے تھے۔ ②

جہاد کا ولولہ: جہاد فی سبیل اللہ سلطان کی زندگی کا مقصد اور ان کی روح کی غذا تھا۔ ان کی حیات کا ہر لمحہ اس عظیم مقصد کے لیے وقف تھا۔ جہاد سے ان کے شغف کا تذکرہ کرتے ہوئے قاضی بہاؤ الدین ابن شداد لکھتے ہیں:

''وہ جہاد کے انتہائی پابند تھے۔ اس کا بہت زیادہ اہتمام کیا کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص قسم کھا کر

① النوادر السلطانیہ، ص: 60، 61 ② النوادر السلطانیہ، ص: 61

کہے کہ سلطان نے جہاد شروع کرنے کے بعد ایک درہم یا دینار بھی جہاد یا اس کی تیاری سے ہٹ کر کسی مصرف میں خرچ نہیں کیا تو وہ سچا ہوگا۔ جہاد، اس کی محبت اور اس کا شغف ان کے سارے قلب و بدن پر پوری طرح چھایا ہوا تھا۔ ان کے ہاں جہاد ہی کے بارے میں باتیں ہوتیں، اسی پر غور و فکر ہوتا، اس کے لیے افراد کی تربیت کی دھن لگی رہتی، ان کی توجہ کے مستحق وہی لوگ بنتے جو انہیں جہاد کی اہمیت یاد دلاتے رہیں اور اس پر برانگیختہ کرتے رہیں۔ جہاد کی محبت میں سلطان نے اپنے اہل و عیال، وطن، گھر اور تمام لذات دنیا کو چھوڑ دیا تھا۔ اس کے بدلے انہوں نے ایک ایسے خیمے کے سائے میں زندگی بسر کرنے پر قناعت کی تھی جسے آندھیاں دائیں بائیں حرکت دیتی رہتی تھیں۔ مرج عکا کے محاذ پر ان کا خیمہ ان پر گر پڑا تھا۔ اگر وہ اپنے حفاظتی کیبن میں نہ ہوتے تو زندہ نہ بچتے مگر ایسے خطرات سے جہاد میں ان کی رغبت، ثابت قدمی اور توجہ میں اضافہ ہو جاتا تھا۔

جب کوئی شخص ان کا مقرب بننا چاہتا تو وہ انہیں جہاد پر ابھارتا یا ان کے سامنے جہاد کی باتیں کرتا۔ (اسی رغبت کے پیش نظر) ان کے لیے جہاد کے فضائل پر کئی کتابیں تصنیف کی گئیں۔ جہاد کے آداب پر ایک کتاب میں نے بھی تصنیف کی جس میں جہاد سے متعلق تمام روایات کو جمع کر دیا گیا اور مشکل الفاظ کی تشریح کر دی گئی سلطان اکثر اس کا مطالعہ کرتے تھے۔ انہوں نے خود یہ کتاب شہزادہ افضل کو پڑھائی۔"[1]

شام کے ساحل کے ایک سفر میں قاضی ابن شداد سلطان کے ساتھ تھے۔ وہ سلطان کی شجاعت، عزیمت اور بلند نگاہی کے ضمن میں اس سفر کے دوران سلطان سے اپنی گفتگو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"سردی کے دن تھے، سمندر میں زبردست طغیانی تھی۔ میں نے پہلے سمندری طوفان نہیں دیکھا تھا اس لیے مجھ پر یہ مناظر دیکھ کر سمندر کی غیر معمولی ہیبت طاری ہوگئی۔ میں نے دل میں سوچا کہ اگر کوئی مجھے کہے کہ تم سمندر میں ایک میل سفر کر کے دکھا دو تو تمہیں ساری دنیا کی حکومت دے دی جائے گی تب بھی میں ایسا خطرہ مول نہیں لوں گا۔ میں نے سوچا وہ لوگ کتنے کم عقل ہیں جو چند دیناروں اور درہموں کے لیے سمندر میں سفر کرتے ہیں۔ مجھے اس وقت ان علماء کا قول بہت وزنی لگا جو سمندری سفر کرنے والوں کی شہادت کو معتبر قرار نہیں دیتے۔ یہ تمام خیالات سمندر کی امنڈتی ہوئی موجوں اور ان سے خوف کی پیداوار تھے۔"

ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ سلطان نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور کہا: "آپ سے ایک بات کہوں؟"

[1] النوادر السلطانیۃ، ص: 53-54

میں نے عرض کیا: ''ضرور فرمائیے۔''

سلطان نے کہا: ''میرے دل میں یہ بات آرہی ہے کہ جب میں ساحل کے باقی شہر بھی فرنگیوں سے واپس لے لوں تو پھر تمام مفتوحہ علاقے اپنے نائبین میں تقسیم کردوں، وصیت لکھوا کر انہیں الوداع کہہ دوں۔ پھر خود سمندر میں نکل جاؤں اور اس کے جزیروں کو فتح کرتا چلا جاؤں یہاں تک کہ اسی مہم میں مجھے موت آجائے یا دنیا میں کہیں بھی کفر باقی نہ رہے۔''

سلطان کے ان جملوں نے میرے دل میں آنے والے خیالات کو دھو ڈالا اور میں نے بے ساختہ کہہ دیا:

''آج دنیا میں سلطان سے زیادہ بہادر اور ان سے زیادہ اللہ کے دین کی نصرت کے لیے بے تاب فرد کوئی اور نہیں ہے۔''

سلطان نے پوچھا: ''بھلا وہ کیسے؟''

میں نے عرض کیا: ''بہادری تو اس سے ظاہر ہے کہ میں اس سمندر کو دیکھ دیکھ کر ہول کھا رہا ہوں اور آپ اسی میں سفر کی بات کر رہے ہیں اور اللہ کے دین کی نصرت کا ولولہ اس سے ثابت ہے کہ آپ کسی ایک خاص علاقے سے اللہ کے دشمنوں کے خاتمے پر مطمئن نہیں ہیں بلکہ تمام دنیا کو ان سے پاک کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔''

پھر میں نے کہا: ''میرے جی میں جو آرہا ہے عرض کروں؟''

سلطان نے کہا: ''ضرور۔''

عرض کیا: ''آپ کی نیت بے شک بہت اچھی ہے مگر میری رائے یہ ہے کہ آپ سمندری سفر میں اپنے لشکروں کو بھیجیں۔ کیونکہ آپ اسلام کا حصار اور مورچہ ہیں۔ اس لیے آپ کا خود کو خطرے میں ڈالنا مناسب نہ ہوگا۔''

سلطان نے میری بات سن کر پوچھا: ''مجھے یہ بتائیے کہ سب سے بہتر موت کون سی ہوتی ہے؟''

میں نے کہا: ''اللہ کے راستے میں شہادت کی۔''

سلطان نے کہا:

''تو پھر زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ مجھے اعلیٰ ترین موت نصیب ہو جائے گی۔''[1]

صبر و تحمل: سلطان کے صبر اور ضبطِ نفس کی درجنوں مثالیں گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہیں۔ اپنے بھائی تاج الملوک بوری کی وفات کی اطلاع انہیں عین اس وقت ملی تھی جب وہ حلب کی فتح کی پُر مسرت

[1] النوادر السلطانیہ: 64_65

تقریب میں شریک تھے۔ انہوں نے خبر کو ضبط کیے رکھا تاکہ حاضرین محفل کی خوشی ماند نہ ہو۔ جب مہمان رخصت ہو گئے تب بھائی کی نماز جنازہ کی تیاری شروع کی۔ [1]

حران میں بیماری کی حالت میں ان کے بچنے کی امید نہ تھی۔ پھر بھی مزاج میں چڑچڑا پن تھا نہ مایوسی۔ خندہ پیشانی سے اس تکلیف کو جھیلتے رہے۔ اس دوران نیک سیرت ملکہ عصمۃ الدین کی وفات ہو گئی۔ سلطان نے اس صدمے کو بھی اسی طرح برداشت کیا۔ [2]

قاضی ابن شداد اس بارے میں ایک اور واقعہ یوں نقل کرتے ہیں:

''ایک بار ان کے بیٹے اسماعیل کی موت کی خبر آ گئی جو نو عمر تھا۔ سلطان نے اطلاعی رقعہ پڑھا تو آنسو بہہ نکلے مگر غم کا اظہار نہیں کیا بلکہ کسی اور کو بتایا تک نہیں۔ قریب ترین امراء کو بھی بعد میں اڑتے اڑتے یہ اطلاع ملی سلطان کو اپنے چھوٹے بچوں سے بے حد محبت تھی مگر جہاد کی خاطر ان سے جدائی پر صبر کرتے رہے اور ان سے دوری پر راضی رہے۔ جفاکشی اور سختی کی زندگی اختیار کیے رہے حالانکہ وہ چاہتے تو انہیں پوری قدرت تھی کہ عیش و تنعم کی زندگی گزارتے۔ یہ صرف اللہ کی رضا اور اخروی اجر کی نیت سے تھا۔'' [3]

عفو و درگزر: سلطان میں قوت برداشت کے ساتھ درگزر کی صفت بہت پختہ تھی۔ اپنی ذات کے لیے انتقام لینا اور غضب ناک ہونا ان کا شیوہ نہیں تھا۔ اپنے امراء اور افسران بلکہ خدام کی بھی ایسی خلاف ادب حرکات سے چشم پوشی کر جاتے تھے جن پر سخت سرزنش کی جاتی تو بجا ہوتا۔

ایک دن دوپہر کا وقت تھا، سلطان کے خیمے کے سامنے دسترخوان لگا ہوا تھا، سلطان خیمے کے دروازے پر اس طرح بیٹھے تھے کہ کوئی شخص انہیں ہٹائے بغیر اندر نہیں جا سکتا تھا۔ سلطان بہت تھکے ہوئے تھے اور آرام کے لیے تخلیے میں جانا چاہتے تھے۔ اتنے میں ایک امیر نے آ کر کسی مجاہد کی تحریری درخواست پیش کی۔ سلطان نے کہا:

''میں تھکا ہوا ہوں، بعد میں دے دینا۔''

مگر امیر نہ مانا اور درخواست تھما دی۔

سلطان نے لفافہ کھول کر تحریر پڑھی اور بولے:

''ہاں یہ ضرورت مند آدمی ہے۔''

---

1. الکامل فی التاریخ: 10/122، تحت 579 ہجری
2. الروضتین فی اخبار الدولتین: 3/243، 244
3. النوادر السلطانیہ: 60، 61

امیر نے کہا: ''تو حضور اس پر منظوری کی مہر لگا دیں۔''
سلطان نے کہا: ''اس وقت تو قلم دان یہاں نہیں ہے۔''
امیر نے کہا: ''قلم دان وہ رہا اندر خیمے میں۔''

اس کا مطلب یہی تھا کہ سلطان خود بڑھ کر قلم دان اٹھا لیں کیونکہ اس وقت سلطان کو پھلانگ کر کوئی خیمے میں نہیں جا سکتا تھا۔ سلطان نے پلٹ کر قلم دان کو دیکھا اور کہا:

''ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔''

یہ کہہ کر لیٹے لیٹے پہلے دایاں ہاتھ بڑھایا مگر وہ قلم دان تک نہ پہنچ سکا۔ تب بایاں ہاتھ بڑھا کر قلم دان کو گھسیٹ لیا اور درخواست پر مہر لگا دی۔

ابن شداد نے یہ منظر دیکھ کر کہا:

''اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾

''بے شک آپ اخلاق کے عظیم ترین مرتبہ پر ہیں۔''

اللہ نے آپ کو بھی ان اخلاق میں سے حصہ مرحمت کیا ہے۔''

سلطان نے بے تکلفانہ انداز میں کہا:

''ہمارا کیا بگڑا، اس کا کام ہو گیا اور ہمیں ثواب مل گیا۔''[1]

سوچنے کی بات ہے کہ کوئی معمولی افسر بھی اپنے ملازم سے یہ بات برداشت نہیں کرتا کہ وہ اسے کچھ کرنے کا حکم دے۔ یہ سلطان ایوبی جیسے اسلاف کے اخلاق تھے جو بلاشبہ اخلاقِ نبوی کا پرتو تھے۔

ایک بار قاضی ابن شداد کا خچر بدک کر بھاگا اور سلطان کی سواری سے ٹکرا گیا، سلطان کی ران پر چوٹ آئی مگر ان کے چہرے پر تبسم تھا۔ اسی طرح ایک مرتبہ بارش کے موسم میں قاضی صاحب سلطان کے ساتھ بیت المقدس کی گلیوں سے گزر رہے تھے، اس وقت وہاں کیچڑ ہی کیچڑ پھیلا ہوا تھا۔ قاضی صاحب کا خچر تیز چلا تو کیچڑ اڑ کر سلطان پر گرا۔ سارے کپڑے خراب ہو گئے مگر وہ مسکراتے رہے۔ قاضی صاحب نے احتیاطاً اپنی سواری کو سلطان کی سواری سے پیچھے کرنا چاہا تاکہ دوبارہ یہ صورتحال پیش نہ آئے، مگر سلطان نے اجازت نہ دی اور ساتھ ہی رکھا۔[2]

ایک موقع پر سلطان کے افسران نے عیسائی بادشاہ رچرڈ کے مقابلے میں افسوس ناک بزدلی کا

[1] النوادر السلطانیہ: 61 [2] النوادر السلطانیہ: 63

مظاہرہ کیا اور حملہ کرنے سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ ایک افسر نے سلطان کو جلی کٹی سنا ڈالیں۔ سلطان کا غصے سے برا حال ہو گیا، تب لوگ ڈرے کہ اب ان افسران کو بغاوت کے جرم میں سزائے موت دے دی جائے گی مگر سلطان نے خود پر قابو پا لیا۔ کچھ دیر بعد دمشق سے تازہ میوے آئے تو ان افسران کو ساتھ بٹھا کر کھلایا پلایا۔ ①

ایک بار ایک فرنگی قیدی پیش کیا گیا جو خوف سے کانپ رہا تھا۔ سلطان نے مترجم سے کہا:

''پوچھو کہ کیوں ڈر رہا ہے۔''

قیدی نے کہا:

''پہلے تو ڈر رہا تھا مگر اب آپ کا مہربان چہرہ دیکھ لیا ہے تو اچھے سلوک کی امید بندھ گئی ہے۔''

سلطان کو رحم آ گیا اور اسے آزاد کر دیا۔ ②

ایک مرتبہ سلطان کے خزانچی نے خزانے سے مصری اشرفیوں کا تھیلا نکال لیا اور اس کی جگہ دھاتی سکے رکھ دیے مگر خیانت پکڑی گئی۔ سلطان نے خزانچی کو صرف عہدے سے معطل کر دیا، کوئی اور سزا نہیں دی۔

ایک بار ایک غلام نے دوسرے غلام کی طرف موزہ اچھالا، وہ غلطی سے سلطان صلاح الدین کے پاس جا گرا، سلطان نے دوسری طرف رخ پھیر کر اپنے ہم نشین سے بات چیت جاری رکھی جیسے انہیں کچھ پتا ہی نہ چلا ہو۔ ③

ایک دن سلطان کو پیاس لگی ہوئی تھی۔ آواز دی کہ پانی لاؤ۔ کسی نے نہ سنا۔ دوبارہ، سہ بارہ کہا۔ یہاں تک کہ پانچ بار آواز لگائی مگر کسی نے توجہ نہ دی۔ تب صرف اتنا کہا:

''ساتھیو! اللہ کی قسم ہمیں پیاس مارے دیتی ہے۔'' ④

چشم پوشی کی انتہا یہ تھی کہ زندگی کے آخری چند مہینوں میں جب سلطان بیت المقدس میں تھے اور صلیبی جنگ ختم ہونے کو تھی، مصر سے سیف الدولہ ابن منقذ نے اطلاع بھیجی کہ ایک عہدے دار نے آمدن کے حساب کتاب میں دو ہزار اشرفیوں کا غبن کیا ہے اور وہ عن قریب آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا جرم چھپانے کے لیے غلط بیانی سے کام لے گا۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ خادم نے سلطان کو اس عہدے دار کی آمد کی اطلاع دی۔ سلطان نے کہا:

''اسے بتا دو کہ ابن منقذ اس کی تلاش میں ہے، روپوش ہو جائے تا کہ پکڑا نہ جائے۔'' ⑤

① النوادر السلطانیہ: 64
② النوادر السلطانیہ: 66
③ الکامل فی التاریخ: 10/224، تحت 589ھ
④ الکامل فی التاریخ: 10/225، تحت 589ھ، تاریخ مختصر الدول لابن العبری: 388
⑤ الروضتین: 4/222

ایک بار مالیاتی امور کے ایک اعلیٰ افسر کو ملازمت سے معطل کرتے ہوئے اس کا حساب لیا گیا تو ستر ہزار دینار اس کے ذمے نکلے۔ وہ خود بھی مانتا تھا کہ میرے ذمے یہ رقم ہے مگر سلطان نے اس افسر سے کوئی باز پرس نہ کی بلکہ یہ بھی ظاہر نہ ہونے دیا کہ انہیں حقیقت معلوم ہے۔ وہ افسر تو اسی کو بڑی نوازش سمجھ رہا تھا کہ اسے عہدے سے ہٹاتے ہوئے مالی جرمانہ معاف کر دیا جائے مگر سلطان نے اسے زیادہ دن معطل بھی نہ رہنے دیا اور اسے اپنی فوج میں حساب کتاب کی خدمت سپرد کر دی۔ [1]

سخاوت: سخاوت کا یہ عالم تھا کہ کسی حالت میں بھی کسی مانگنے والے کو مایوس نہ کرتے۔ کچھ نہ ہوتا تو بھی سائل کی دل شکنی نہ کرتے بلکہ اس سے مہلت طلب کرنے کے انداز میں نرم گفتگو کرتے اور کہتے فی الحال ہماری پاس کوئی شے نہیں۔ مطلب یہ ہوتا کہ عطا کیا جائے گا اگرچہ کچھ دیر سے سہی۔

سلطان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا بے حد شوق تھا۔ انہوں نے ٹھان رکھی تھی کہ وہ کرۂ ارض کو اللہ کے دشمنوں سے پاک کرتے رہیں گے اور اللہ کے نیک بندوں کی مالی کفالت کرتے رہیں گے۔ جب بھی جہاد میں کسی مجاہد کا گھوڑا کام آ جاتا یا زخمی ہو جاتا تو سلطان بلا تاخیر اس کے مالک کو متبادل سواری کے ساتھ ساتھ اضافی عطیہ بھی دے دیتے۔ سلطان نے تیسری صلیبی جنگ میں رجب 585ھ سے شعبان 588ھ تک تین سالوں کے دوران جو گھوڑے اور ٹٹو (چھوٹے قد کے گھوڑے) مجاہدین کو عطا کیے تھے، ان کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ یہ تعداد اس رقم کے علاوہ ہے جو دورانِ جنگ کام آنے والے گھوڑوں کے بدلے ان کے مالکان کو ادا کی جاتی رہی تھی۔

سلطان کے پاس جو نئی سواریاں آتیں وہ فوراً کسی نہ کسی امیر یا افسر کو پسند آ جاتیں اور سلطان انہیں بانٹ دیتے یا جلد دینے کا وعدہ کر لیتے۔ سلطان کے افسران اور مجاہدین سلطان کے زیرِ استعمال گھوڑوں پر سواری کرنے کے لیے بے تاب رہتے تھے۔ وہ جب بھی سلطان سے ان کی سواری کا سوال کرتے سلطان انہیں مایوس نہ کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان کے زیرِ استعمال ہر گھوڑا فوراً کسی کو عطیہ ہو جاتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ سلطان کی ملکیت میں کوئی ذاتی سواری نہ رہتی اور دوسروں کو ہدیہ کی ہوئی سواری ان کی اجازت سے واپس لے کر اپنی ضرورت پوری کرتے۔ ہر معرکے میں سلطان کے ساتھ یہی ہوتا تھا کہ ان کی ملکیت والے گھوڑے دوسروں کو بخشے جا چکے ہوتے تھے اور سلطان کو کسی اور سے گھوڑا عاریتاً لے کر جہاد پر نکلنا پڑتا، بعد میں مالک اسے سلطان سے واپس لے لیتا۔ اس طرح کتنے ہی لوگ سلطان کے گھوڑوں پر سواری کا شوق پورا کرتے رہتے تھے اور سلطان نے کبھی یہ خیال نہ کیا کہ اس دریا دلی سے

[1] الروضتین: 222/4

خود ان کو کتنی کوفت اٹھانا پڑتی ہے۔ کاتب عماد کہتے ہیں:

''اس کرم نوازی اور بلندی اخلاق نے سلطان کے لیے فتوحات کے دروازے کھول رکھے تھے اور اس وجہ سے افواج ان کی دل وجان سے وفادار تھیں۔'' [1]

افسران اور ساتھیوں پر کرم نوازی اور سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ان کی ہر پریشانی دور کرنے کی پوری کوشش کرتے تا کہ وہ امور حکومت اور جہاد کے لیے یکسور ہیں۔

سلطنت کے ایک امیر ایوب بن کنان ایک بار کسی سفر میں ان کے ساتھ روانہ نہیں ہو سکے، بعد میں پہنچے۔ سلطان نے پیچھے رہ جانے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے بتایا کہ بھاری قرض سر پر ہے جسے ادا کرنے کی تگ ودو میں مشغولیت ہوگئی۔ سلطان نے فوراً وہ قرض اپنے ذمے لے لیا اور قرض خواہوں کو بلا کر تمام قرضہ ادا کر دیا جو کہ بارہ ہزار سے زائد مصری دینار تھا۔ [2]

حران میں مرض سے شفایاب ہو کر کوچ کا ارادہ کیا تو کاتب عماد سے کہا:

''دیکھو دروازے پر ہم سے ملنے کے لیے آنے والے لوگ کتنے ہیں۔ یہ ہمارے پاس تین سو دینار ہیں، یہ ان مسافر مہمانوں پر ان کے مراتب کے مطابق صدقہ کر دو۔''

یہ دس کے لگ بھگ مسافر تھے۔ کاتب عماد نے ایک فہرست بنا کر ان میں سے ہر شخص کے لیے اس کا حصہ لکھ دیا۔ جب سب کے لیے طے شدہ رقم کو جمع کیا تو یہ چار سو دینار بن گئے۔ انہوں نے سلطان سے عرض کیا:

''ہر ایک کے حصے میں چوتھائی کم کرنا پڑے گا۔ سلطان نے کہا: نہیں، قلم سے جو لکھا گیا ان کو اتنا ہی دے دو۔'' [3]

سلطان نے جب ''آمد'' فتح کیا تو وہاں کے مالی ذخائر کا کوئی حد وحساب نہ تھا مگر ایک صوبے دار ابن قرا ارسلان کی درخواست پر سلطان نے شہر کو مال واسباب سمیت اس کے حوالے کر دیا۔ [4]

ابن شداد کا کہنا ہے کہ سلطان کی عادت تھی کہ مالی تنگی کے دوران بھی اسی طرح خرچ کرتے تھے جیسے کشادگی اور فراخی کے دور میں۔ ایک بار سلطان بیت المقدس سے دمشق کے لیے روانہ ہونے لگے تو مہمانوں کو ہدایا اور زادِ راہ دینے کے لیے خزانے میں کچھ نہ تھا۔ آخر سلطان نے بیت المال کی جاگیر سے ایک دیہات فروخت کرایا اور وہ ساری رقم خرچ کر کے وفود کی توقعات کو پورا کیا۔ ایک درہم بھی اپنے پاس نہ رکھا۔

---

[1] الروضتین: 221/4
[2] الروضتین: 222/4
[3] الروضتین: 222/4
[4] النوادر السلطانیہ: 47

سلطان کے امراء اور خزانچی کچھ نہ کچھ مال ان سے چھپا کر رکھتے تھے کہ سلطان کو پتا چل گیا تو وہ اسے بھی کسی کارِ خیر میں فوراً خرچ کر ڈالیں گے اور ہنگامی ضروریات کے وقت پریشانی ہوگی۔ایک بار سلطان نے دورانِ گفتگو کہا:

"کچھ لوگ ایسے بھی ہوا کرتے ہیں جن کے نزدیک مال و دولت کی حیثیت مٹی سے زیادہ نہیں ہوتی۔"

ابن شداد کا کہنا ہے کہ اس سے سلطان کا اشارہ اپنی طرف تھا، وہ اسی مزاج کے تھے۔(مگر تواضع کی وجہ سے کھل کر نہیں کہا کہ میں اتنا سخی ہوں)[1]

لوگ بھی سلطان کی اس عادتِ کریمہ سے واقف تھے اس لیے بار بار پہلے سے بڑھ چڑھ کر طلب کرتے تھے مگر سلطان نے کبھی نہیں کہا کہ میں اس قدر تو دے چکا ہوں اور کتنا دوں؟

سخاوت کا یہ عالم تھا کہ توقع سے بڑھ کر عطا کرتے تھے مگر احسان جتلانے سے سختی سے گریز کرتے تھے۔کبھی ان کی زبان پر یہ نہیں آیا کہ ہم نے فلاں کو اتنا کچھ دیا۔جس کسی نے بھی سلطان کی خدمت و ملازمت کی سلطان نے اسے اتنا کچھ دیا کہ اسے پھر کسی سے مانگنے کی ضرورت نہ رہی۔[2]

ابن شداد کہتے ہیں کہ سلطان کے پاس مالی ضروریات کے لیے لوگوں کی ایسی ایسی درخواستیں آتی تھیں کہ میں ان کو پڑھ کر شرما جاتا تھا۔یہ درخواستیں میں ہی پڑھ کر سناتا اور ان کے جوابات لکھتا تھا مگر سلطان سے ان درخواستوں کے مطابق مال طلب کرنے میں پھر بھی مجھے کوئی جھجک نہیں ہوتی تھی کیونکہ میں جانتا تھا جتنا بھی دیا جائے سلطان کی طرف سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔[3]

مہمان نوازی:- سلطان صلاح الدین ایوبی انتہائی مہمان نواز تھے۔ملاقاتیوں کی جس قدر ممکن ہوتا خاطر تواضع کرتے،خندہ پیشانی سے ملتے،ان کے مسائل کو حل کرنے اور درخواستوں پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرتے۔ان کو خالی ہاتھ نہ جانے دیتے۔کسی مہمان کو وہ کھلائے پلائے بغیر رخصت نہ کرتے تھے۔مہمان چاہے غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو سلطان کے الطاف و اکرام سے محروم نہ رہتا تھا۔بعض اوقات مناسب موقع دیکھ کر وہ غیر مسلم مہمانوں کو اسلام کی خوبیاں بتا کر دینِ حق کی دعوت بھی دیتے۔صیدا کا نصرانی شہزادہ آیا تو سلطان نے بڑا اعزاز و اکرام کیا۔گفتگو کے دوران اسلام کی حقیقت سمجھائی اور اسے اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔

علماء و مشائخ کا غیر معمولی ادب و احترام کرتے اور خدمات بجالاتے۔خدام کو تاکید کی گئی تھی کہ

[1] النوادر السلطانیہ: 46، 47
[2] النوادر السلطانیہ: 48
[3] النوادر السلطانیہ: 48

جب بھی کوئی عالم یا بزرگ آئیں تو انہیں سلطان سے ضرور ملوایا جائے تاکہ سلطان ان کی مناسب خدمت کرسکیں۔ ❶

ایک بار قاضی ابن شداد کے ایک عالم فاضل دوست دور دراز کے علاقے سے آئے، وہ حج کے لیے نکلے تھے، حج کے بعد بیت المقدس کی زیارت کے لیے فلسطین آئے۔ ساتھ ہی ان کی تمنا تھی کہ اس رجل رشید کو ایک نگاہ دیکھ لیں جس نے بیت المقدس کو آزاد کرا کے مسلمانوں پر احسان کیا ہے۔ وہ سلطان کے معسکر میں پہنچے اور پہلے اپنے پرانے دوست قاضی ابن شداد سے ملے۔ قاضی صاحب نے سلطان کو ان کی آمد کی اطلاع دی تو سلطان نے انہیں اسی رات اپنے پاس بلوالیا اور بڑی عزت وتکریم کی۔ رات کو وہ بزرگ قاضی ابن شداد کے خیمے میں ٹھہرے اور صبح ہوتے ہی رخت سفر باندھ لیا۔ قاضی صاحب جانتے تھے کہ سلطان اپنے مہمانوں خصوصاً علماء ومشائخ کو رخصت کرتے ہوئے تحفے تحائف دیا کرتے ہیں اور اس کے بغیر مہمانوں کا جانا پسند نہیں کرتے اس لیے قاضی صاحب نے اپنے دوست کو منع کیا اور کہا:

''سلطان سے الوداعی ملاقات کر کے جائیے گا۔''

انہوں نے کہا:

''میرا مقصد پورا ہو گیا، میں ان کو ایک نگاہ دیکھنا چاہتا تھا، میری آرزو پوری ہو گئی۔''

یہ کہہ کر وہ چل دیے۔

سلطان کو بعد میں پتا چلا کہ وہ جا چکے ہیں تو بے چین ہو گئے اور قاضی صاحب کو سرزنش کرتے ہوئے کہا:

''ایسا آدمی ہماری نوازش سے حصہ پائے بغیر چلا گیا، یہ کیسے ہو گیا، ہمیں یہ برداشت نہیں۔''

سلطان نے اتنی سخت ناگواری ظاہر کی کہ قاضی صاحب بھی پریشان ہو گئے۔ انہوں نے دمشق کے منتظمین کو خط لکھ کر اپنے دوست سے رابطے کی صورت نکالی اور انہیں پیغام دیا کہ سلطان معظم آپ کے اس طرح چلے جانے سے ہم پر بہت ناراض ہوئے ہیں۔ آپ دوبارہ آجائیں تاکہ سلطان کا غصہ دور ہو۔ یہ پیغام پڑھ کر وہ عالم کچھ عرصے بعد دوبارہ سلطان کے ہاں آئے۔ سلطان نے حسب عادت ان کا اعزاز واکرام کیا۔ کئی دن خیمہ گاہ میں ٹھہرا کر مہمانی کی اور پھر خلعت فاخرہ، بہترین سواری، سفر کے خرچے اور اہل وعیال، دوست احباب اور پڑوسیوں تک کے لیے ملبوسات اور ہدیے دے کر رخصت کیا۔ ❷

---

❶ النوادر السلطانیہ ص: 60

❷ النوادر السلطانیہ ص: 68

اخلاق، رہن سہن، علم کا ذوق اور مجلسی زندگی: سلطان کے علم و اخلاق کے بارے میں ابن شداد لکھتے ہیں:

وہ خوش مزاج، خوش اخلاق اور نیک خو تھے۔ عربوں کے انساب، تاریخی واقعات، جنگوں کے قصے اور ماضی کے حالات کے حافظ تھے۔ عربوں کے گھوڑوں کے نسب بھی انہیں یاد تھے۔ دنیا کے عجیب حالات، حوادث اور انقلابات سے اچھی طرح باخبر تھے۔ ان کی مجلس میں بیٹھنے والا ان سے ایسی معلومات پاتا تھا جو کسی اور سے میسر نہیں آسکتی تھیں۔

حسنِ اخلاق کا یہ عالم تھا کہ ہر ایک سے اس کی صحت، بیماری اور علاج معالجے، کھانے پینے اور مصروفیات کا پوچھا کرتے تھے۔ ان کی محفل بڑی پاکیزہ ہوتی تھی۔ ان کے سامنے کسی کا ذکر خیر کے سوا نہیں کیا جاتا تھا۔ وہ کانوں کو برائی سننے سے پاک رکھتے تھے۔ انہیں پسند نہیں تھا کہ کسی کے بارے میں بھلائی کے سوا کچھ سنیں۔ ان کی زبان بھی پاک صاف تھی۔ کبھی نہیں دیکھا کہ انہوں نے کسی کو گالی دی ہو۔ قلم کی پاکیزگی کا بھی خیال رکھتے تھے۔ کبھی اپنے قلم سے کوئی ایسی بات نہیں لکھی جس سے کسی مسلمان کو اذیت پہنچے۔

وہ وعدے کے پابند اور وفادار انسان تھے۔ جب بھی کسی یتیم کو ان کے پاس لایا جاتا تو رحم کا معاملہ فرماتے۔ اس کی دلداری کرتے۔ اسے خرچہ دیتے۔ اگر اس کے خاندان میں کوئی بڑا ہوتا تو اسے اس کی پرورش کا ذمہ دار بنا دیتے، بصورت دیگر خود اس کی ضروریات کا خرچہ طے کر دیتے اور اسے کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیتے جو اس کی پرورش اور تربیت کر سکے۔ بوڑھوں اور بزرگوں سے ملتے تو نرم دلی کا مظاہرہ کرتے، انہیں عطیات دیتے اور عمدہ سلوک کرتے۔ سلطان کے یہ اخلاق مرتے دم تک ان کے ساتھ رہے۔ ①

کاتب عماد اصفہانی سلطان کے رہن سہن کے بارے میں لکھتے ہیں:

"سلطان وہی لباس پہنتے تھے جس کا پہننا از روئے شرع جائز ہوتا، اس میں سلطان کی طبیعت کو آرام ملتا تھا۔ وہ کتان کے علاوہ سوتی اور اونی کپڑے پہنتے تھے جنہیں عام کھڈیوں پر تیار کیا جاتا تھا۔ سلطان کی تنہائیاں پاکیزگی کا مقدس منظر پیش کرتی تھیں اور ان کی مجالس فضول گوئی اور مذاق سے بالکل پاک ہوتی تھیں۔ ان کی محفلوں میں اہل علم و فضل کا مجمع ہوتا تھا۔ میں نے ان کو کبھی کوئی گرا ہوا لفظ کہتے نہیں سنا۔ ان کے منہ سے کبھی بے ہودہ جملہ نہیں نکلا۔ وہ کفار اور بے دین لوگوں کے لیے نہایت سخت تھے، اہل ایمان اور پرہیزگاروں کے لیے بڑے نرم۔" ②

① النوادر السلطانیہ، ص: 70　② الروضتین: 4/221

سلطان کے علمی ذوق اور اخلاق کے بارے میں وہ رقم طراز ہیں:

''وہ احادیث کو اسانید کے ساتھ سننے کا اہتمام کرتے تھے اور علماء کرام سے دینی وشرعی مسائل پر مفید گفتگو کرتے تھے۔ چونکہ وہ ایک طویل عرصے تک فقہاء سے مباحثوں اور مقدمات میں قاضیوں سے گفت وشنید کے عادی چلے آرہے تھے اس لیے وہ احکام شرعیہ کا (عام) علماء سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ سلطان کے ساتھ مجالس میں شریک ہونے والے کو یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ وہ کسی بادشاہ کی محفل میں ہے بلکہ اسے لگتا کہ وہ اپنے کسی بھائی کے پاس بیٹھا ہے۔ سلطان بڑے بردبار تھے، غلطیوں کو معاف کرنے کے عادی تھے، لوگوں کی بے ہودہ گوئی سے درگزر کر جاتے تھے۔ متقی، پرہیزگار اور خدا کے منتخب بندے تھے۔ ان کی عادت چشم پوشی کرنا تھی نہ کہ طیش میں آنا۔ وہ خوش مزاج تھے نہ کہ تندخو۔ کسی سوالی کو نہ دھتکارتے، نہ روکتے۔ کسی کی بات سن کر اسے شرمندہ نہ کرتے، کسی امیدوار کو نامراد نہ کرتے۔'' [1]

<u>عقیدہ ونظریہ</u> ❁ سلطان صحیح العقیدہ پختہ فکر مسلمان تھے۔ ان کا عقیدہ ونظریہ اہل سنت والجماعت کے عین مطابق تھا۔ اصول وفروع میں فقہ شافعی کے پابند تھے۔ علماء وفقہاء سے ہم نشینی کی وجہ سے وہ دین کے مزاج اور اسلاف کے مسلک ومشرب سے بہت اچھی طرح واقف تھے۔ [2]

اس زمانے میں حکمرانوں اور بادشاہوں کے ہاں درباری نجومیوں کا بڑا اعزاز ہوتا تھا، کوئی دربار نجومیوں سے خالی نہیں ہوتا تھا، مگر سلطان کے ہاں اس گروہ کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اسلامی عقیدے کے مطابق وہ نجومیوں کی باتوں کو لغو تصور کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی ان کی رائے کو قابل اعتناء نہیں سمجھا۔ اس طرح وہ بدشگونی، بدفالی اور ہر قسم کے توہمات سے کوسوں دور رہتے تھے۔ کبھی تذبذب کا شکار نہیں ہوتے تھے۔ جب کبھی انہیں کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو شریعت کو پیش نظر رکھتے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے فیصلہ کر دیتے...... اس قوت فیصلہ اور شرع پر پابندی کی برکت تھی کہ ان کا اقبال دن بدن بلند ہوتا چلا گیا۔ [3]

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ قرآن وسنت کے عین مطابق خالص اسلامی عقائد پر یقین رکھتے تھے۔ اللہ کا بکثرت ذکر کرتے تھے۔ عقائد اور دین کے اصولوں کے بارے میں انہوں نے بڑے بڑے علماء، فقہاء اور مشائخ سے استفادہ کیا تھا۔ وہ نہ صرف جمہور اہل سنت والجماعت کے عقائد کے حامل تھے بلکہ صحیح عقائد کے دلائل بھی بڑی حد تک جانتے تھے۔ اگرچہ انہیں علماء کی طرح کتابوں کی عبارتیں تو ازبر نہ تھیں مگر جب کبھی عقیدے سے متعلق بات چل پڑتی تو سلطان اچھی خاصی مدلل گفتگو کیا

[1] الروضتین: 221/4 [2] النوادر السلطانیۃ: 28، الروضتین: 223/4 [3] الروضتین: 223/4

کرتے تھے۔ اس مضبوط علم ومعرفت کے باعث سلطان کبھی کسی بداعتقادی کا شکار نہیں ہوئے ورنہ اس دور کے شاہی خانوادوں میں گمراہ فرقوں کے بدعتی، ملحد، اور زندیق قسم کے دانشور اتنا اثر ورسوخ پیدا کر چکے تھے کہ کئی شہزادے اور حکمران اہل وسنت والجماعت کے عقائد سے منحرف ہو چکے تھے۔ اس دور کے نامور عالم دین شیخ قطب الدین نیشاپوری رحمہ اللہ نے سلطان کو اسلامی عقائد سے متعلق ایک جامع کتاب لکھ کر دی تھی۔ سلطان نے اس کتاب کو حرز جان بنالیا تھا اور اپنے چھوٹے بچوں کو بھی بڑے اہتمام سے یہ کتاب پڑھاتے اور زبانی یاد کراتے تھے تاکہ بچپن ہی سے صحیح عقیدہ ان کے دلوں میں نقش ہو جائے۔ قاضی بہاؤالدین شداد فرماتے ہیں:

''میں نے خود دیکھا کہ سلطان کے بچے یہ کتاب زبانی پڑھ رہے تھے اور سلطان سن رہے تھے۔''[1]

اس دور میں بہت سے مسلم حکام کے ہاں فلاسفہ کے علوم کو اہمیت دی جاتی تھی مگر سلطان ایوبی فلاسفہ سمیت تمام گمراہ فرقوں مثلاً معطلہ، دہریہ وغیرہ کے نظریات سے سخت نفرت کرتے تھے۔ ان کے ہاں صرف قرآن وحدیث اور فقہ ہی حرف آخر تھے۔

حلب میں سہروردی نامی ایک فلسفی نے شریعت سے آزاد خیالات کا پرچار شروع کیا۔ سلطان کو پتا لگا تو اپنے بیٹے الملک الظاہر کو جو حلب کا حاکم تھا، حکم بھیجا کہ اس بے دین کو قتل کر دیا جائے اور اس کی لاش کئی دنوں تک سولی پر لٹکی رہنے دی جائے تاکہ دنیا کو عبرت حاصل ہو۔ چنانچہ سلطان کے حکم کے مطابق اس زندیق کو قتل کر دیا گیا۔[2]

شریعت کی پابندی ❋ سلطان ایوبی کبیرہ اور صغیرہ ہر قسم کے گناہوں سے مکمل اجتناب کرتے تھے تاہم دوسروں کے لیے سلطان کا طرز عمل یہ تھا کہ کبیرہ گناہوں پر سختی سے روک ٹوک کرتے تھے جبکہ صغیرہ گناہوں سے چشم پوشی کرتے تھے اور توقع کرتے تھے کہ لوگ اس بارے میں خود احتیاط سے کام لینے لگیں گے۔ وہ اپنے رفقاء کو راہ راست کی تلقین کرتے رہتے تھے اور صراط مستقیم پر کاربند رہنے کا حکم دیتے تھے۔ سلطان کی اس تربیت کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کے امراء، خواص اور افسران سب شریعت کی پابندی اور تعلق مع اللہ کا خوب اہتمام کرتے تھے۔ کاتب عماد کہتے ہیں:

''سلطان کے تمام غلام، خواص بلکہ افسران اور سپاہی بھی عابدوں اور زاہدوں سے زیادہ پرہیز گار تھے۔''[3]

حران میں مرض کے دوران ایک بار انہوں نے دمشق میں اپنے خزانچی ابن صفی کو پانچ ہزار صوری

[1] النوادر السلطانیہ: 28
[2] النوادر السلطانیہ: 38
[3] الروضتین: 4/222

دینار صدقہ نکالنے کا حکم لکھوایا۔ کاتب عماد نے عرض کیا:

''اس کے پاس جو دینار ہیں وہ مصری ہیں۔ (جن کا وزن زیادہ ہوتا تھا)''

سلطان نے کہا: ''تو وہ پانچ ہزار مصری دینار ہی صدقہ کردے۔''

سلطان نے یہ اس احتیاط کی بنا پر کہا تھا کہ تاکہ مصری دیناروں کو صوری (شامی) دیناروں سے بدلنے کی نوبت نہ آئے اور سود کا شائبہ پیدا نہ ہو۔ ①

سلطان کو شریعت کی پابندی کا اتنا خیال تھا کہ ایک بار کاتب عماد کو چاندی سے ملمع دوات استعمال کرتے دیکھا تو منع کیا (کیوں کہ حدیث میں سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال سے منع کیا گیا ہے) کاتب عماد نے سلطان کو بتایا کہ امام الحرمین الجوینی رحمہ اللہ کے والد گرامی نے (جو خود نامور فقیہ تھے) اس کے جواز کا قول ذکر کیا ہے۔

تاہم اس کے بعد سلطان کے مزاج کا خیال رکھتے ہوئے شیخ عماد اصفہانی نے سلطان کی موجودگی میں وہ دوات کبھی دوبارہ استعمال نہ کی۔ ②

<u>نماز کی پابندی</u>: سلطان صلاح الدین امور شرعیہ میں سب سے اہم چیز نماز کے بڑی سختی سے پابند تھے۔ پے در پے اہم ترین مصروفیات، سخت سے سخت مہمات اور نازک ترین حالات کے باوجود پانچوں نمازیں اپنے مستحب اوقات میں بلا تاخیر ادا کرتے تھے۔ سنن ونوافل کا بھی اہتمام رہتا۔ فرض نمازیں ہمیشہ جماعت سے ادا کرتے۔ عماد کاتب برسوں سفر وحضر اور جنگ مہمات میں ان کے ساتھ رہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے کبھی سلطان کو جماعت کے بغیر نماز ادا کرتے نہیں دیکھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ سلطان کے انتظار میں نماز باجماعت کے وقت میں ذرا بھی دیر نہیں کی جاتی تھی۔ بلکہ سلطان خود وقت پر جماعت میں شریک ہونے کا اہتمام کرتے۔ چوں کہ سلطان اکثر وبیشتر سفر میں رہتے تھے، اس لیے نماز پڑھانے کے لیے کسی عالم دین کو امام مقرر کرلیتے تھے جو ہمیشہ ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ اگر کبھی کسی وجہ سے امام صاحب بروقت تشریف نہ لاتے تو اس وقت وہاں موجود اہل علم میں سے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہوتے، سلطان ان سے نماز پڑھانے کی درخواست کرتے۔ ③

قاضی ابن شداد ان کی ذوق نماز کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''وہ نماز باجماعت کے نہایت پابند تھے۔ کہا جاتا ہے سالہا سال سے سلطان نے کوئی نماز جماعت کے بغیر نہیں پڑھی۔ بیمار ہوتے تب بھی اپنے لیے امام کو بلواتے اور اس کے ساتھ بمشکل

① الروضتین: 222/4 ② کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین: 223/4 ③ مختصر کتاب الروضتین ص 374

کھڑے ہو کر نماز باجماعت ادا کرتے۔ سنن ونوافل کی پابندی کرتے تھے۔ انہوں نے کچھ رکعات (تہجد کے لیے) طے کی ہوئی تھیں کہ رات کو اگر درمیان میں آنکھ کھل جاتی تو ادا کر لیتے۔ اگر آنکھ نہ کھلتی تو (صبح صادق سے قبل) نماز فجر سے پہلے پڑھ لیتے۔ جب تک سلطان ہوش وحواس میں رہے، کبھی نماز ترک نہ کی۔ میں نے دیکھا کہ وہ مرض موت میں بھی نماز کھڑے ہو کر ہی ادا کر رہے تھے۔ صرف زندگی کے آخری تین دنوں میں جب کہ ان پر بے ہوشی طاری تھی ان کی نمازیں چھوٹی تھیں۔ دوران سفر بھی نماز کا وقت آتا تو سواری سے اتر کر نماز ادا کرتے۔ ❶

ایک دن جہادی سفر کے دوران سخت تھکے ہوئے تھے، آرام کے لیے جانا چاہا تو خدام نے یاد دلایا ظہر کا وقت قریب ہے۔ سلطان نے کہا: "بالکل! پہلے نماز پڑھیں گے، پھر آرام کریں گے۔" ❷

روزے ❁ سلطان صلاح الدین ایوبی نے عمر بھر روزوں کی پابندی کی۔ عام معمول یہ تھا کہ ماہ رمضان میں تمام مہمات روک دیتے اور اپنے گھر لوٹ کر ماہ مقدس پوری دلجمعی سے عبادت میں گزارتے مگر آخری چند سالوں میں رمضان کے مہینے بھی مسلسل جنگوں میں گزرے، سلطان اس دوران بیمار بھی رہے۔ ان کی صحت روزے رکھنے کی اجازت نہیں دیتی تھی اسی وجہ سے زندگی کے آخری تین سالوں میں سے دو کے روزے قضا ہو گئے مگر زندگی کے آخری سال سلطان نے طے کر لیا کہ بیماری کے باوجود قضا روزے رکھتے ہیں۔ طبیب نے منع بھی کیا مگر سلطان نے گرمی کے مہینوں ہی میں روزے قضا کرنا شروع کر دیے اور آخر کار دو ماہ کے پورے روزے قضا کر لیے۔ اس کے بعد ماہ رمضان شروع ہوا تو سلطان نے اس کے روزے بھی پورے اہتمام سے رکھے۔ معالج کہتا رہا کہ بعد میں رکھ لیجیے گا مگر سلطان کا جواب تھا:

"معلوم نہیں کل کیا رکاوٹ پیش آجائے۔"

ابن شداد کہتے ہیں ایسا لگتا تھا سلطان کو اپنی موت کے قریب آنے کا اندازہ ہو گیا تھا چنانچہ اسی کمزوری اور نقاہت نے پھر بخار کی شکل اختیار کی جس کی وجہ سے سلطان چند ماہ بعد انتقال کر گئے۔ ❸

قرآن مجید کا شوق ❁ سلطان ایوبی کو قرآن مجید کی تلاوت سے بہت شغف تھا۔ حافظ قرآن نہیں تھے مگر سماعت کا والہانہ شوق رکھتے تھے۔ قرآن مجید سننے کے لیے عمدہ سے عمدہ قاری تلاش کیا کرتے تھے۔ اپنی امامت کے لیے بھی ایسا شخص تلاش کرتے جو علوم قرآن اور قرآت کا خوب ماہر ہو۔

اپنی عام مجلس میں بھی تلاوت کرواتے اور عموماً ایک سے بیس تک آیات سنتے۔ رات کو دو تین یا چار پارے سنا کرتے تھے۔ تلاوت سنتے وقت ان پر اکثر رقت طاری ہو جاتی تھی اور آنسو نکل پڑتے تھے۔

❶ النوادر السلطانیہ: 20 ❷ النوادر السلطانیہ: 62 ❸ النوادر السلطانیہ: 35

ایک بار کہیں سے گزر رہے تھے کہ ایک بچے کو دیکھا جو اپنے باپ کے سامنے بیٹھا بہت خوبصورت انداز میں تلاوت کر رہا تھا۔ سلطان بہت خوش ہوئے، اسے اپنے دسترخوان کا کھانا پیش کیا، انعام واکرام سے نوازا اور ایک زرعی رقبہ اس کے والد کے نام کر دیا۔[1]

شوقِ حدیث: احادیث سننے کے عاشق تھے۔ جب کسی عالم کے بارے میں سنتے کہ انہیں روایتِ حدیث میں ملکہ حاصل ہے تو استفادے کی کوشش کرتے۔ اگر وہ عالم دربار میں آنا قبول کرتے تو انہیں اعزاز واکرام سے مدعو کرتے اور تمام درباریوں، امیروں اور شہزادوں کو باادب بٹھا کر حدیث کی سماعت کرتے۔

اگر کسی محدث کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ سلاطین کے درباروں میں آنا پسند نہیں کرتے تو سلطان خود ان کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث سنتے۔ بسا اوقات شہزادوں کو بھی ساتھ لے جاتے تاکہ وہ بھی محدثین سے استفادہ کریں۔ اسکندریہ کے نامور محدث حافظ ابوطاہر اصفہانی کی مجلسِ حدیث میں بار بار حاضر ہوا کرتے تھے۔

اپنے دربار کے علماء سے بھی حدیث کی کتب منگواتے اور ان کی موجودگی میں خود عبارت پڑھتے، جب کوئی عبرت کی بات آتی تو اکثر اشکبار ہو جاتے۔[2]

ذہنی یکسوئی کا یہ عالم تھا کہ جنگ کے دوران بھی قرآن مجید کی تلاوت اور سماعِ حدیث کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ ایک جنگ کے دوران جبکہ صفیں بندھ چکی تھیں، دشمن سامنے صف بنائے ہوئے تھا اور سلطان اپنے سپاہیوں کے ساتھ کبھی آگے بڑھ رہے تھے، کبھی پیچھے ہٹ رہے تھے، قاضی ابن شداد نے عرض کیا:

"ہر محترم اور مبارک مقام پر حدیث کی سماعت ہوئی ہے مگر دورانِ جہاد حدیث کی مجلس آراستہ نہیں ہوئی، اگر آپ پسند کریں تو اس وقت 'حدیث' سنی جائے۔ سلطان نے دلچسپی ظاہر کی اور حدیث کا مجموعہ منگوایا۔ ابن شداد نے انہیں اور دوسرے امراء کو جو موقعے پر موجود تھے، کئی احادیث کی قراءت کر کے سنائی۔ اس طرح گھوڑوں کی پشت پر بیٹھے بیٹھے دورانِ جنگ حدیث کی سماعت کا اعزاز حاصل کیا گیا۔"[3]

صدقہ وخیرات: حدیث میں آتا "صدقہ بلاؤں کو ٹالتا ہے۔" سلطان اس حدیث کے مطابق

[1] النوادر السلطانیہ: 31

[2] النوادر السلطانیہ: 37_36

[3] النوادر السلطانیہ: 51

مشکلات سے نجات کے لیے صدقہ وخیرات کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ابتلاء، مصائب اور تکالیف کے ایام میں خیرات کا ولولہ تیز تر ہو جاتا۔ عماد کاتب بتاتے ہیں کہ جب سلطان (اپنے شدید مرض کے دوران) حران کے مضافات میں مقیم تھے تو انہوں نے فقراء و مساکین کے لیے عمال کو صدقہ وخیرات نکالنے کا حکم دیا تھا اور صوبوں کے حکام کو بھی لکھ بھیجا تھا کہ وہ سب صدقہ وخیرات کا اہتمام کریں۔ ①

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس قدر صدقہ وخیرات کرنے والے سلطان پر کبھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی۔ وجہ کیا تھی؟ قاضی ابن شداد کہتے ہیں:

''جہاں تک زکوٰۃ کا تعلق ہے وہ سلطان پر مرتے دم تک واجب نہیں ہوئی، اس لیے انہوں نے کبھی (سال بھر) اتنا جمع کر کے رکھا ہی نہیں کہ زکوٰۃ واجب ہوتی۔ نفلی صدقات وخیرات اس قدر کرتے رہے کہ ان کا تمام مال و دولت اس میں ختم ہو گیا تھا۔'' ②

بعض عادات: سفر کے دوران سلطان کی عادت تھی کہ صبح سے ظہر تک سفر کرتے۔ اگر محاذ پر ہوتے تو اس وقت دشمن کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے نکلتے۔ ظہر کے قریب پڑاؤ میں پہنچتے اور دسترخوان لگوا کر اپنے امراء اور افسران کے ساتھ کھانا تناول کرتے۔ اس وقت وہ بہت تھکے ہوئے ہوتے تھے اس لیے کچھ دیر قیلولہ کرتے، بیدار ہوتے ہی نماز ظہر جماعت سے ادا کرتے۔ پھر کچھ دیر تخلیے میں ملاقاتیں کرتے۔ اس دوران قاضی ابن شداد یا کسی عالم سے حدیث وفقہ کی کتب کا کوئی نہ کوئی حصہ بھی سنا کرتے تھے۔ سلیم الرازی نامی ایک فقیہ نے ائمہ اربعہ کی فقہ پر ایک کتاب تصنیف کی تھی، اسے بھی سنا کرتے تھے۔ ③

سلطان کا خاندان: سلطان کی ولادت 532ھ میں عراق کے شہر تکریت کے قلعے میں ہوئی تھی جس کے والی ان کے والد نجم الدین ایوب بن شاذی تھے۔ سلطان کے دادا کا نام شاذی بن مروان تھا جو کردستان کے قصبے دوین کے ایک کاشتکار تھے۔ وہاں سے نقل مکانی کر کے پہلے بغداد اور پھر تکریت آئے تھے۔

سلطان کے پانچ بھائی تھے۔ شمس الدولہ الملک المعظم توران شاہ، شاہنشاہ، الملک العادل ابوبکر، سیف الدین طغتگین، تاج الملوک بوری۔ ④

سلطان کی وفات کے وقت صرف الملک العادل اور سیف الدین زندہ تھے۔

دو بہنیں تھیں ست الشام اور ربیعہ خاتون۔ ست الشام بنت ایوب صدقہ وخیرات، دینی مدارس کے

① کتاب الروضتین: 4/222
② النوادر السلطانیہ: 62
③ النوادر السلطانیہ: 29
④ العبر فی خبر من غبر: 3/77

قیام اور رفاہی کاموں کی وجہ سے تاریخ میں مشہور ہوئی۔ دمشق میں شوافع کے دو عظیم الشان مدارس قائم کرنا اس کا بہت بڑا کارنامہ شمار ہوتا ہے۔ سلطان کا بھانجا اور سالار حسام الدین محمد بن لاجین اسی کا بیٹا تھا۔ ست الشام کی وفات 616ھ میں ہوئی۔ ربیعہ خاتون بھی علم دین کی اشاعت اور مدارس کے قیام کی وجہ سے مشہور ہوئی۔ اس کی وفات 643ھ میں ہوئی۔ ①

بھائیوں میں سے بڑا بھائی توران شاہ سلطان کے نائب کے طور پر یمن گیا تھا اور اسے ایوبی سلطنت کا حصہ بنا کر لوٹا۔ کچھ مدت شام کا گورنر رہا اور پھر وفات پائی۔ چھوٹے بھائیوں میں سے ابوبکر الملک العادل سلطان کا دست راست بن کر ہمیشہ ساتھ ساتھ رہا۔ توران شاہ اور شہنشاہ سلطان سے بڑے تھے، دونوں سلطان کی زندگی ہی میں وفات پا گئے۔ ان کے علاوہ باقی سب بہن بھائی سلطان سے چھوٹے تھے۔ ان میں سے تاج الملوک بوری ادیب اور شاعر تھا جس نے 579ھ میں حلب کی فتح کے موقعے پر زخمی ہو کر وفات پائی۔ ②

<u>اولاد:</u> سلطان کے بیس بیٹے تھے اور ایک بیٹی۔ جن کے نام یہ ہیں:

1- الملک الافضل نور الدین۔ ولادت یکم شوال سن 565ھ، مصر
2- الملک العزیز عثمان۔ ولادت 8 جمادی الاولیٰ 567ھ، مصر
3- الملک الظافر مظفر الدین۔ ولادت 5 شعبان 568ھ، مصر
4- الملک الظاہر غازی۔ ولادت 15 رمضان 568ھ، مصر
5- اسحاق فتح الدین۔ ولادت ربیع الاول 570ھ، مصر
6- الملک المؤید مسعود۔ ولادت ربیع الاول 571ھ، دمشق
7- عز الدین یعقوب۔ ولادت ربیع الثانی 572ھ، مصر
8- الملک الزاہر داؤد۔ ولادت ذوالقعدہ 573ھ، مصر
9- الملک المفضل قطب الدین۔ ولادت 575ھ
10- الملک الاشرف محمد۔ ولادت سن ربیع الاول 577ھ شام
11- الملک المحسن احمد۔ ولادت سن 577ھ مصر
12- الملک المعظم منصور۔ ولادت ربیع الاوّل، مصر
13- الملک الجواد رکن الدین۔ ولادت ربیع الاول 578ھ۔ مصر

① تاریخ اسلام للذہبی: 9/163 و 10/481 و 321 ط
② العبر: 3/77

14- الملک الغالب ملک شاہ۔ ولادت رجب 578ھ شام
15- الملک المنصور ابوبکر۔ ولادت حران میں
16- عماد الدین شاذی، ام ولد کا بیٹا۔ ولادت مصر میں
17- نصیر الدین مروان، ام ولد کا بیٹا۔ ولادت مصر میں
18- الملک المنصور حسن (سلطان کی حیات میں فوت ہو گیا)
19- امیر احمد (سلطان کی حیات میں فوت ہو گیا)
20- ان کے علاوہ ایک بیٹے اسماعیل کا ذکر بھی ملتا ہے (سلطان کی زندگی میں فوت ہوا تھا)
21- مونسہ خاتون۔ ولادت مصر میں [1]

ازواج: سلطان نے کئی نکاح کیے۔ ان کی اکثر ازواج کو کنیت سے یاد کیا جاتا ہے، تاریخ میں درج ذیل ازواج کا ذکر ہے:

1- ام الملک الافضل: یہ الافضل، الظافر، المظفر، المفضل کی والدہ تھیں
2- ام الملک العزیز: یہ العزیز، المؤید، عز الدین کی والدہ تھیں
3- ام الملک الظاہر: یہ الظاہر اور الزاہر کی والدہ تھیں
4- ام الملک الاشرف: یہ الاشرف اور محسن کی والدہ تھیں
5- ام الملک المعظم: یہ المعظم اور المنصور کی والدہ تھیں
6- عصمۃ الدین بنت امیر معین الدین انر۔ وفات سلطان کی زندگی ہی میں 581ھ میں ہو گئی تھی۔ [2]

نوٹ: سلطان کے خاندان میں الملک المعظم کے لقب سے چار افراد گزرے ہیں:

1- سلطان کا بڑا بھائی الملک المعظم توران شاہ جو دمشق اور یمن میں سلطان ایوبی کا نائب رہا۔
2- سلطان کا سب سے چھوٹا بیٹا الملک المعظم توران شاہ جو سلطان کی وفات کے بعد ایک اچھا عالم اور حلب کا سپہ سالار رہا۔
3- سلطان کا بھتیجا الملک المعظم عیسیٰ (الملک العادل کا بیٹا) جو سلطان کی وفات کے پچیس برس بعد دمشق کا خود مختار حکمران بنا۔
4- الملک العادل کا پڑپوتا الملک المعظم توران شاہ جو سلطان کی وفات کے تقریباً ساٹھ سال بعد ساتویں صلیبی جنگ کے دوران مصر کا حکمران بنا۔

[1] المرئی لمرین طریۃ/63 [2] ایضاً:3/63

فصل:4

سلطان ایوبی کے جانشین اور صلیبی جنگیں

سلطان ایوبی کی وفات کے بعد شہزادہ الملک الافضل نے حکومت سنبھال لی اور دستور کے مطابق عدل وانصاف سے حکومت کرنے لگا مگر جلد ہی اس کے اپنے چچا الملک العادل اور اپنے بھائیوں الملک الظاہر اور الملک العزیز سے اختلافات پیدا ہو گئے اور یوں سلطان ایوبی کی تشکیل کردہ عظیم ریاست تین ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ الملک الافضل دمشق کا حکمران رہا۔ الملک الظاہر نے حلب میں اور الملک العزیز عثمان نے قاہرہ میں خودمختار حکومتیں قائم کرلیں۔ بیت المقدس الملک العزیز کی تحویل میں تھا جس نے اس کے دفاع کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

سلطان ایوبی کے بیٹے خوش قسمت تھے کہ انہیں امن کے دن میسر آئے۔ انہوں نے اپنی توجہ تعمیری کاموں پر مرکوز رکھی۔ شاید وہ مسلسل جنگوں سے اکتا بھی گئے تھے اس لیے ان میں سے کسی نے اپنے باپ کی طرح بیرونی مہم جوئیوں میں دلچسپی نہ لی۔ اس پر امن دور میں شام کے ساحلوں پر یورپی تاجروں اور القدس کے زائرین کو بہترین مراعات حاصل تھیں۔ اسلامی دنیا کی معیشت وتجارت ترقی کی طرف گامزن تھی۔ بڑے بڑے تعمیراتی منصوبوں پر عمل ہو رہا تھا۔ لوگ خوشحال اور آسودہ تھے مگر امن کے انہی دنوں میں سلطان کے بیٹوں میں اقتدار کی کشاکشی شروع ہوگئی۔

الملک العزیز اور اس کے چچا الملک العادل نے اتحاد کر کے الملک الافضل کے خلاف محاذ کھول لیا اور دمشق کو اس سے چھین لیا۔ الملک العزیز کو زیادہ مہلت نہ ملی اور وہ اپنے نامور باپ کی وفات کے صرف چھ سال بعد عین جوانی میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کشمکش کا اختتام الملک العادل کی بادشاہت پر ہوا اور مسلمانوں نے سکون کا سانس لیا۔ العادل نے پایہ تخت دمشق سے قاہرہ منتقل کر دیا اور سلطان ایوبی کی اولاد ہمیشہ کے لیے اقتدار سے باہر ہوگئی۔ چند سالوں میں سلطان صلاح الدین کے وفادار امراء اور علماء وفقہاء یکے بعد دیگرے تیزی سے گزرتے گئے۔

سلطان کا باج گزار حاکم موصل عزالدین مسعود سلطان کے چند ماہ بعد ہی چل بسا۔ چھوٹا بھائی سیف الاسلام طغتکین جو یمن کا حاکم رہا تھا 593ھ میں اور باصلاحیت بیٹا الملک العزیز 595ھ میں فوت ہو گئے۔ پھر ایک تانتا بندھ گیا، 596ھ میں سلطان کے وزیر قاضی فاضل، 597ھ میں سلطان ایوبی کے کاتب علامہ عماد اصفہانی اور نامور امیر بہاؤالدین قراقوش، 598ھ میں سلطان کی بحریہ کے مایہ ناز امیر حسام الدین حاجب لولو اور سلطان کے قاضی القضاۃ محی الدین ابن ذکی کی وفات ہوئی۔ اگلے سال دربار ایوبی کے مشہور عالم ابن نجیۃ الواعظ اور قاضی القضاۃ کمال الدین شہرزوری بھی رخصت ہو گئے۔ سلطان ایوبی کے بیٹوں میں سے صرف الملک الظاہر تھا جس نے طویل عرصے تک حکومت کی اور 613ھ میں اپنی وفات تک حلب اور مضافات کا حکمران رہا۔ ۞

بہرکیف چھٹی صدی ہجری اور بارہویں عیسوی کا چند سال کے فرق سے اختتام ہوا تو گزشتہ صدی کے رجال کار، قائدین اور مشاہیر منظر عام سے یوں غائب ہو چکے تھے جیسے ان کا کبھی وجود ہی نہ تھا۔ سلطان ایوبی کے سوانح نگار قاضی بہاؤالدین ابن شداد اپنی تصنیف کی آخری سطور میں اس کایا پلٹ کو ایک شعر میں یوں بیان کرتے ہیں:

ثُمَّ انْقَضَتْ تِلْكَ السُّنُوْنَ وَاَهْلُهَا فَكَاَنَّهَا وَكَاَنَّهُمْ اَحْلَامُ

"پھر وہ سال اور ان کے لوگ گزر گئے، تو اب یوں لگتا ہے کہ وہ زمانے اور وہ لوگ خواب وخیال تھے۔" ۞

<u>چوتھی صلیبی جنگ</u>: صلیبی دنیا سلطان صلاح الدین ایوبی کی شمشیر خارا شگاف سے مرعوب ہو کر "صلح رملہ" پر مجبور ہوئی تھی، مگر پہلے کی طرح اب بھی صلیب کے فرزند قبلہ اول کو مسلمانوں سے چھیننے کے لیے بے تاب تھے اور کسی مناسب موقع کی تلاش میں دم سادھے ہوئے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی وفات کے بعد ان کی ہوسِ ملک گیری نے پھر انگڑائی لی اور وہ جنگ کے لئے اپنا ساز وسامان درست کرنے لگے۔ روم کے پاپائے اعظم نے ایک بار پھر صلیبی حکمرانوں کو ارضِ مقدس پر حملے کی دعوت دے دی۔ سلطان کی وفات کے صرف دو سال بعد 591ھ (1195ء) میں جرمنی کے بادشاہ ہنری ششم کی قیادت میں صلیبی لشکروں نے بحیرۂ روم عبور کر کے اسلامی دنیا پر حملہ کر دیا۔

صلح رملہ کے تحت عکا پہلے ہی صلیبیوں کے قبضے میں تھا، اسے مستقر بنا کر انہوں نے بیروت کا رخ کیا۔ اس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی کے دلیر بھائی الملک العادل نے بڑی مستعدی سے حملہ

۞ [illegible] ۞ [illegible]

آوروں کا مقابلہ کیا۔ قیساریہ سمیت شام کے ساحلی محاذوں پر صلیبی سورماؤں کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہوسکی، البتہ انھوں نے بیروت پر قبضہ کرلیا مگر جواب میں العادل نے ان کے شہر یافا کو فتح کرلیا۔

اسی دوران عکا میں شاہ جرمنی ہنری ششم جو صلیبی افواج کی قیادت کررہا تھا، بلندی سے گر کر مرگیا۔ اس کی ناگہانی موت سے عیسائی افواج کا جوش صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور کچھ مدت تک بے مقصد تاخت وتاراج کے بعد یورپی جرنیلوں نے واپسی اختیار کی۔ اس چوتھی صلیبی جنگ میں عیسائی حملہ آور مکمل طور پر ناکام رہے اور مختصر سی مدت کے لیے بھی مسلمانوں کا کوئی شہر ان کے قبضے میں نہ آیا بلکہ ساحل شام پر ان کی مقبوضہ حدود مزید سمٹ گئیں۔ الملک العادل نے خود کو سلطان صلاح الدین کا سچا جانشین ثابت کردکھایا۔ اس حملے کے بعد ان کی جرأت واستقامت کے سامنے بیس سال تک اقوام یورپ کو مشرق وسطیٰ کی طرف کسی قابل ذکر پیش قدمی کی ہمت نہ ہوسکی۔ ❶

<u>پانچویں صلیبی جنگ</u>: 614ھ (1217ء) عالم اسلام کے لیے دوطرفہ خطرات کے پیغام لایا۔ مشرق میں چنگیز خان کی لاتعداد افواج کی موجودگی اور مغرب میں صلیبی جنگجوؤں کی از سرنو صف بندی سے دنیائے اسلام اضطراب کی حالت میں تھی۔ کفریہ طاقتیں مسلمانوں کو دونوں طرف سے گھیر کر ختم کرنے کی تیاری کررہی تھیں۔ الملک العادل کی شکل میں مغربی سرحدوں کا محافظ
سرحدوں کی نگران خوارزم اور بغداد کی حکومتیں باہمی مناقشوں میں الجھی ہوئی تھیں۔ ع
چھپی نہ تھا۔ خوارزم شاہ سے تجارتی معاملات پر اس کا معاہدہ ہوچکا تھا لیکن ادھر مغربی
صلیب کے پجاری یکایک عالم اسلام پر ٹوٹ پڑے۔

یہ پانچویں صلیبی جنگ کا آغاز تھا جس کی دعوت پوپ اور شاہ قسطنطنیہ نے مشترکہ طور پر دی تھی۔ ہنگری، آسٹریا، آرمینیا اور قبرص کے نامی گرامی بادشاہ، نواب، نائٹ اور مذہبی رہنما اس حملے میں شریک تھے۔ اس بار مصر کے شمالی ساحلی شہر دمیاط پر قبضہ کرکے آگے بڑھنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔ دمیاط عالم اسلام کے لیے شمال مغربی دروازے کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ شہر بحیرۂ روم کے ایسے مقام پر واقع ہے کہ یہاں پر قابض فوج باآسانی بحیرۂ روم اور بحیرۂ قلزم کے راستوں کی نگرانی کرسکتی ہے۔ دمیاط کے قریب ہی دریائے نیل بحیرۂ روم میں جاگرتا ہے۔ یہاں قبضہ کرکے دریائے نیل کے راستے سے نہ صرف پورے ملک مصر بلکہ مشرقی افریقہ کے دیگر ممالک تک بھی آسانی سے رسائی ہوسکتی تھی۔ ❷

---

❶ الکامل فی التاریخ: 10/245، 246، 247 تحت 593ھ/ صلیبی جنگیں: 327، 328

❷ الکامل فی التاریخ: 10/373، 374 تحت 614ھ/ صلیبی جنگیں: 427، 428

دمیاط کا معرکہ: صلیبی فوجیں عکا کے ساحل پر لنگر انداز ہوئیں اور بیسان، بانیاس اور صور میں قتل وغارت کا بازار گرم کرتی ہوئی صفر 614ھ (مئی 1271ء) میں دمیاط تک پہنچ گئیں۔ الملک العادل نے اپنے بیٹے الملک الکامل محمد کو دمیاط کی حفاظت کے لیے روانہ کیا۔ ادھر عیسائی اس مقام سے جہاں دریائے نیل سمندر میں گرتا ہے، اپنی کشتیاں دریائے نیل میں داخل کرنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ مصر میں گھس جائیں۔ مسلمانوں نے دریا کے دہانے پر پانی کی سطح کے ساتھ ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک زنجیروں کا حصار قائم کر کے اسے بند کر دیا تھا۔ اس زنجیری پھاٹک کے اوپر ایک بلند و بالا عظیم الشان پل تھا جو دریا کے ایک کنارے سے دمیاط کی فصیل تک چلا گیا تھا۔ سمندر سے دریائے نیل میں آنے کے لیے ہر کشتی کو اس پل کے نیچے سے گزرنا پڑتا تھا۔ پل پر مسلمان سپاہیوں کی خاصی تعداد موجود تھی۔ نصرانیوں کے بحری بیڑے نے زبردست حملہ کیا۔ پل سے ان پر تیر اندازی، آتش زنی اور سنگ باری ہوتی رہی۔ چار ماہ تک ہولناک مقابلے کے بعد صلیبی اس پل پر قابض ہو گئے۔

مزید آگے بڑھنے کے لیے انہوں نے زنجیروں کا حصار توڑ دیا مگر اتنے دنوں میں الملک الکامل محمد نے کچھ فاصلے پر ایک اور پل بنا کر اس پر فوج بٹھا دی تھی۔ بحری بیڑے کے وہاں پہنچتے ہی پھر زبردست لڑائی شروع ہو گئی۔ ایک طویل لڑائی کے بعد یورپی جہاز رانوں نے اس پل پر بھی قبضہ کر لیا۔ الملک الکامل نے ہر تدبیر ناکام دیکھ کر ایک عجیب ترکیب آزمائی۔ اس نے بہت بڑی تعداد میں مال بردار قسم کی دیوہیکل کشتیاں بنوائیں اور ان میں ہزاروں من پتھر لدوا کر ان کو صف در صف نیل کے دونوں کناروں کے درمیان کھڑا کر دیا۔ جب دشمن کا بحری بیڑا اس طرف آیا تو الملک الکامل نے حکم دیا کہ کشتیوں کے پیندوں میں سوراخ کر دیے جائیں۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ دیوہیکل کشتیاں اس طرح دریا کی تہہ سے جا لگیں کہ ان کا بالائی حصہ سطح آب کو چھو رہا تھا۔ ہزاروں من پتھروں کے وزن کی وجہ سے ان کو اپنی جگہ سے ہلانا ممکن نہ تھا۔ عیسائی سپاہی ان کو ہٹانے کی کوئی ترکیب کارگر نہ دیکھ کر رک گئے۔

ممکن تھا کہ ان کے حوصلے پست ہو جاتے اور وہ دمیاط پر قبضے کا خیال دل سے نکال کر واپس چلے جاتے مگر انہی دنوں (جمادی الثانیہ 615ھ، اگست 1218ء میں) محافظ اسلام الملک العادل نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ ان کی وفات کے بعد مصر کے ایک مقامی امیر نے جس کا مصر میں بہت زیادہ اثر و رسوخ تھا الملک الکامل کے خلاف بغاوت کر دی، چنانچہ الملک الکامل کو دمیاط سے اس حالت میں نکلنا پڑا کہ صلیبی افواج دریائے نیل میں داخل ہونے کی کوشش کر رہی تھیں۔

ان حالات میں مصر کی محافظ فوج کا نظام ابتر ہو گیا۔ آخر کار بائیس ماہ کی لگاتار کوشش کے بعد ذی قعدہ

615ھ (فروری 1219ء) میں فرنگی دمیاط کا محاصرہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ شہر والے سپاہ کی کمی کے باوجود نو مہینے تک مقابلہ کرتے رہے لیکن آخر کار شعبان 616ھ (نومبر 1219ء) میں انھیں ہتھیار ڈال کر شہر دشمن کے حوالے کرنا پڑا۔

دمیاط پر صلیبیوں کے قبضے کے ساتھ عالم اسلام کی مغربی سرحدیں بالکل غیر محفوظ ہو گئی تھیں۔ یورپی جہازراں بحیرۂ روم اور بحیرۂ احمر کے راستے دور دور تک اپنی افوج پہنچا سکتے تھے۔ ابھی مسلمان اس صدمے سے سنبھلنے نہ پائے تھے کہ ذی الحجہ 616ھ (فروری 1220ء) میں چنگیز خان کی شکل میں مشرقی افق پر کوندنے والی بجلیاں عالم اسلام کو جلا کر بھسم کرنے لگیں۔ اسلام کی تاریخ میں ایسے نازک ایام شاید پہلے کبھی نہ گزرے ہوں۔ اسی لیے علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ 116ھ کے حالات میں تحریر کرتے ہیں:

''ایک طرف تاتاری کافر دشمنوں نے ماوراء النہر کے شہروں کو روند دیا، ان پر قبضہ کر کے ان کو برباد کر دیا اور خراسان، رے، آذر بائیجان اور کردستان تک پر غالب آ گئے ...... اور دوسری طرف فرنگی یورپ کے بعید ترین ملکوں سے آئے، مغرب اور شمال کے بیچ سے ظاہر ہوئے اور مصر تک پہنچ گئے، دمیاط جیسے مستحکم مقام پر قابض ہو گئے اور وہاں سکونت پذیر ہیں اور مسلمان ان کو ہلانے کی سکت رکھتے ہیں نہ نکالنے کی۔ مصر کے باقی شہر بھی خطرے کی حالت میں ہیں:

انا للہ وانا الیہ راجعون ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم [1]

مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ ''نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن'' مصر و شام کی شہری اور دیہی آبادیاں خوف و ہراس کا شکار ہو کر ہجرت کو نجات کا آخری ذریعہ سمجھتی تھیں مگر مغربی حملہ آوروں سے بچ کر وہ مشرق کا رخ کرتیں تو تاتاریوں کے چنگل میں پھنس جاتیں۔ بالکل یہی کیفیت مشرق میں خراسان اور خوارزم کے شہروں کی تھی کہ وہ ہجرت کر کے مغرب کا رخ کر رہے تھے مگر یہاں فرنگی حملہ آوروں کا خوف انھیں واپس دھکیل رہا تھا۔

ایک سال سخت نفسا نفسی کے عالم میں گزرا۔ لگتا تھا مسلمانوں کو دنیا میں کہیں پناہ نصیب نہ ہو گی مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کو حیرت انگیز قوت مدافعت عطا کی ہے کہ یہ مٹتے مٹتے اچانک ابھرنے لگتا ہے اور کفار کی غالب ترین قوتوں کو اپنی شکستگی اور کمزوری کے ایام میں بھی زیر وزبر کر ڈالتا ہے۔

تاتاری اور صلیبی حملہ آوروں سے ہزیمت اٹھانے کے بعد 618ھ میں رب العزت کی طرف سے نصرت غیبی کے دروازے کھل گئے۔ مشرق میں افغانستان اور خوارزم کے بچے کچے مسلمان سلطان

[1] الکامل فی التاریخ: 10/400_401 تحت 617ھ

جلال الدین کی قیادت میں جمع ہو کر تاتاریوں سے بھرپور مزاحمت کرنے لگے۔ ادھر مغرب میں الملک العادل کے بیٹے الملک الکامل محمد، الملک الاشرف موسیٰ اور الملک المعظم عیسیٰ (جو باپ کے انتقال کے بعد مصر و شام کے مختلف حصوں کے خود مختار بادشاہ بن گئے تھے) متحد ہو گئے اور دمیاط کو کفار کے ہاتھ سے چھڑانے کیلئے یک جان ہو کر اپنے اپنے لشکروں کی قیادت کرتے ہوئے محاذ جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔

دمیاط ان دنوں یورپی اقوام کا مضبوط ترین مرکز بن چکا تھا جس سے وہ ارد گرد کے وسیع عریض علاقے پر تسلط حاصل کیے ہوئے تھے۔ یورپی ممالک نے اپنے اپنے شہزادوں اور سپہ سالاروں کی قیادت میں اَن گنت سپاہی وہاں متعین کر دیے تھے۔ قلعہ اور فصیل مسلمانوں کے دور میں بھی اپنی پختگی اور استحکام میں بے مثال تھے مگر فرنگیوں نے بے تحاشا سرمایہ خرچ کر کے تین سال کے اندر اسے اتنا بلند اور مضبوط کر دیا تھا کہ اسے فتح کرنا ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ [1]

وادیٔ نیل کا تاریخ ساز معرکہ: الملک الکامل محمد اور الملک الاشرف موسیٰ کی آمد کی خبر سن کر دو لاکھ دس ہزار سواروں پر مشتمل صلیب کا ٹڈی دل لشکر دمیاط کی فصیلوں سے نکلا اور دریائے نیل کی وادیوں میں آن پہنچا۔ مسلمانوں کی عددی نفری زیادہ نہ تھی مگر اب وہ فنا و بقا کی جنگ لڑنے پر مجبور تھے۔ ادھر صلیبی جنگجو اپنی افرادی برتری کے باعث فصیلوں میں محصور رہنے کی بجائے کھلے میدان میں شام و مصر کے اس مشترکہ لشکر کو روند کر مسلمانوں کے مغربی محاذوں کی طاقت کو مکمل طور پر ختم کر دینا چاہتے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ اس فتح کے بعد بیت المقدس تک پہنچنے میں انہیں کوئی رکاوٹ نہ ہو گی۔

صلیبی جنگجوؤں کے یہ ارادے اور کھلے میدان کی صف بستہ لڑائی میں نقصانات کے امکانات مسلمانوں سے مخفی نہ تھے، اس لیے انہوں نے دریائے نیل کا رخ کیا۔ دونوں لشکر اس حال میں آمنے سامنے ہوئے کہ ان کے درمیان دریا کی ایک خلیج حائل تھی۔ یہاں دونوں لشکر مورچے سنبھال کر ایک مدت تک سنگ باری، آتش زنی اور تیر اندازی سے ایک دوسرے کو نقصان پہنچاتے رہے۔ دریائے نیل کی وجہ سے دشمن مسلمانوں پر عمومی دھاوا بول کر اپنی عددی کثرت کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ مسلمان غوطہ خور چھاپہ مار حملوں کے ذریعے انہیں خاصا جانی و مالی نقصان پہنچا رہے تھے۔ اس دوران فریقین میں صلح کے لیے مذاکرات بھی ہوئے جو ناکام رہے اور دونوں لشکروں نے ''مارو یا مر جاؤ'' کی ٹھان کر آخری حملے کی تیاری شروع کر دی۔

اسلامی لشکر نے دربار خلافت میں خلیفہ ناصر سے فوجی امداد کی استدعا کی مگر کوئی پذیرائی نہ ہوئی۔ جب

[1] الکامل: 10/375، 376

مجاہدین بندوں کی امداد سے مایوس ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد کا ظہور ہوا۔ مخبروں نے الملک الکامل اور الملک الاشرف کو اطلاع دی کہ صلیبی لشکر کی خوراک کے تمام بڑے ذخائر دمیاط شہر کے گوداموں میں محفوظ ہیں۔ نصرانیوں نے مختصر مدت کے لیے اناج کے محدود ذخائر ہی ساتھ لیے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی لشکر گاہ کے ارد گرد نیل کی وادی میں پھیلے ہوئے کھیتوں اور باغات کی پیداوار انہیں تازہ بتازہ مل رہی ہے۔ ان کا سارا انحصار فی الحال انہی کھیتوں اور باغات پر ہے۔ اس اطلاع سے مسلم قائدین نے زبردست فائدہ اٹھایا اور "الحرب خدعۃ" (جنگ چال بازی کا نام ہے: الحدیث) کے بمصداق ایک فوجی دستے کو خفیہ طور پر دریا کے پار بھیج کر صلیبی افواج کے کیمپ سے کچھ فاصلے پر دریا کا بند تڑوا دیا۔ دریا کا پانی سیلاب کی شکل میں ان تمام میدانوں، کھیتوں اور باغات میں پھیل گیا جو فرنگی لشکر کے اطراف میں تھے۔ اس اچانک افتاد سے صلیبی بدحواس ہو گئے۔ ان کی افراتفری سے موقع پا کر الملک الکامل نے اپنے لشکر کے ساتھ سیلاب زدہ علاقے سے پرے ہو کر دریا عبور کر لیا اور دمیاط کے قریب پہنچ کر اس شاہراہ پر قبضہ کر لیا جو صلیبی لشکروں کی واپسی کا واحد راستہ تھا۔ اس دوران دمشق سے الملک المعظم عیسیٰ کا لشکر بھی ایک دوسرے راستے سے دمیاط پہنچ گیا۔

اب صلیبی حملہ آور چاروں طرف سے گھر گئے۔ منجنیقوں سے ان پر سنگ باری مسلسل ہو رہی تھی۔ مجاہدین ہر طرف سے پے بہ پے حملے کر کے تیروں کا مینہ برسا رہے تھے۔ غذائی اجناس کی کمی موت بن کر صلیبیوں کی نگاہوں کے سامنے تھی۔ ان حالات سے دل برداشتہ ہو کر آخر کار دو لاکھ نصرانیوں نے انتہائی ذلت کی حالت میں ہتھیار ڈال دیے۔ ❶

9 رجب 618ھ (28 اگست 1221ء) کو فتح مند اسلامی لشکر دمیاط میں داخل ہوا۔ مسلمانوں نے شکرانے کے نوافل ادا کیے۔ الملک الکامل نے ایک عظیم الشان محفل منعقد کی، عوام و خواص سب کو جمع کیا، بیس فرنگی شہزادے، بیسیوں صلیبی راہب اور لاتعداد شکست خوردہ عیسائی سر جھکائے کھڑے تھے۔ یہ دیکھ کر راجح الحلی نامی ایک شاعر کھڑا ہوا اور فی البدیہہ گویا ہوا:

حَبَانَا اِلٰهُ الْخَلْقِ فَتْحًا بَدَالَنَا ٭ مُبِيْنًا وَّاِنْعَامًا وَّعِزًّا مُّؤَبَّدَا

رب کائنات نے ہمیں واضح طور پر فتح مبین عطا فرمائی اور اپنی نعمتوں اور دائمی عزت سے مالا مال فرما دیا۔

تَهَلَّلَ وَجْهُ الدَّهْرِ بَعْدَ قُطُوْبِهٖ ٭ وَاَصْبَحَ وَجْهُ الشِّرْكِ بِالظُّلْمِ اَسْوَدَا

❶ الکامل فی التاریخ: 10/377 تا 380

زمانے کا شکن آلود چہرہ خوشی سے تمتمانے لگا اور شرک کا منہ تاریکیوں میں چھپ کر سیاہ ہو گیا۔

وَنَادٰی لِسَانُ الْکَوْنِ فِی الْاَرْضِ رَافِعًا   عَقِیْرَتَہٗ فِی الْخَافِقِیْنَ وَ مُنْشِدًا

کائنات بزبانِ حال ان لرزہ براندام نصرانیوں کو پکار کر با آواز بلند کہنے لگی......

اَعُبَّادَ عِیْسٰی اِنَّ عِیْسٰی وَحِزْبَہٗ   وَمُوْسٰی جَمِیْعًا یَخْدِمُوْنَ مُحَمَّدًا

اے عیسیٰ کو پوجنے والو! دیکھو تو سہی عیسیٰ (الملک المعظم) اس کا لشکر اور موسیٰ (الملک الاشرف) متحد ہو کر محمد ﷺ (کے دین) کی خدمت کر رہے ہیں۔ ❶

چھٹی صلیبی جنگ۔ القدس جرمنوں کے حوالے ✵ چھٹی صلیبی جنگ 624ھ (1228ء) میں شاہِ جرمنی فریڈرک دوئم کی قیادت میں مسلمانوں پر مسلط کی گئی۔ اس وقت مصر اور فلسطین کے حاکم الملک الکامل کا اپنے بھائی الملک المعظم سے جو دمشق کا حاکم تھا، جھگڑا چل رہا تھا اس لیے مسلمان مرعوب ہو گئے اور الملک الکامل نے جنگ سے بچنے کے لیے القدس کو ایک معاہدے کے تحت خاص مدت تک کے لیے جرمنوں کے حوالے کر دیا گیا جس سے عالم اسلام میں صف ماتم بچھ گئی۔

18 سال تک بیت المقدس سیاسی شطرنج کا ایک مہرہ بنا رہا۔ 631ھ میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ عیسائی معاہدے میں طے شدہ ادب و آداب کو بھی بھول گئے اور مقامی مسلمانوں کے سامنے مسجد اقصیٰ میں گھنٹیاں بجانے اور گنبدِ صخریٰ پر چڑھ کر شراب پینے لگے مگر انہیں روکنے والا کوئی نہ تھا۔ ❷

یہ دیکھ کر مصر کے دلیر حکمران الملک الصالح نجم الدین کی غیرت نے انگڑائی لی۔ اس نے خود بھی ایک لشکر تیار کیا اور سلطان جلال الدین خوارزم شاہ شہید کے باقی ماندہ خوارزمی سپاہیوں کو بھی مدد کے لیے پکارا۔ وہ 642ھ (1244ء) میں اپنے آزاد منش افسران کی قیادت میں دریائے فرات عبور کر کے فلسطین میں داخل ہوئے اور یکدم بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ چوں کہ نصرانیوں سے معاہدے شام کے حکمرانوں نے کیے تھے، خوارزمیوں نے نہیں، اس لیے انہیں شہر پر قابض ہوتے، نصرانیوں کا خون بہانے اور ان کی املاک کو نذرِ آتش کرنے سے روکنے والی کوئی چیز نہ تھی۔ اس طرح سلطان ایوبی کی امانت مسلمانوں کو واپس مل گئی۔

شام کی عیسائی ریاستوں نے یہ دیکھا تو اسے مذہبی کے بجائے وطنی مسئلہ قرار دیتے ہوئے دمشق اور دوسرے شہروں کے مسلمان حاکموں کو اپنے ساتھ ملا کر ایک نئی جنگ کی تیاری کی۔ اس دوران الملک الصالح نجم الدین نے اپنے سالار رکن الدین بیبرس کو فوج دے کر خوارزمیوں کا ساتھ دینے کے لیے بھیج دیا تھا۔

❶ البدایہ والنہایہ: سن 616ھ تا 618ھ   ❷ السلوک لمعرفۃ دول الملوک: 1/102 ط

جمادی الاولیٰ 642ھ (اکتوبر 1244ء) میں غزہ کے مقام پر زوردار معرکہ ہوا جس میں خوارزمیوں اور مصریوں نے مل کر نصرانیوں اوران کے اتحادی مسلمانوں کو عبرتناک شکست دی۔ اتحادی غزہ کے میدان میں 30 ہزار لاشیں چھوڑ کر پسپا ہوئے اور القدس کے بارے میں کفار کے ارادے خاک میں مل گئے۔[1]

ہیرلڈ لیمب لکھتا ہے:

''غزہ کی جنگ کے بعد فلسطین اور یروشلم ہمیشہ کے لیے نصرانیوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔''[2]

سلطان بیبرس اور ساتویں صلیبی جنگ ✽ عیسائی دنیا ہمت ہار چکی تھی کہ ایک مدت بعد ایک جنونی حکمران نے اسے پھر سے صلیب کی خاطر لڑنے کا حوصلہ دیا۔ یہ فرانس کا حکمران لوئیس نہم تھا جسے دنیائے نصرانیت ''سینٹ لوئی'' کے لقب سے یاد کرتی ہے۔ اس نے پاپائے روم کی ترغیب پر 646ھ (1248ء) میں ساتویں صلیبی جنگ کا علم بلند کر کے مصر کے ساحل کا رخ کیا۔ 647ھ (1249ء) میں وہ مصر کی بندرگاہ دمیاط پہنچا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔

اس وقت مصر کے حالات بہت نازک تھے۔ شاہ مصر الملک الصالح شدید بیمار تھا۔ جنگ کے دوران 15 شعبان 647ھ (22 نومبر 1249ء) کو اس کا انتقال ہو گیا۔ تاہم اس کی ملکہ شجرۃ الدرّ نے پوری شجاعت سے صلیبیوں کا مقابلہ کیا۔ خوش قسمتی سے اسے بیبرس جیسے سالار میسر تھے اس لیے مسلمانوں نے فرنگیوں کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا۔ آخر کار 2 محرم 648ھ (6 اپریل 1250ء) کو خود سینٹ لوئیس منصورہ کے مقام پر شکست کھا کر قیدی بن گیا۔

اس دوران الملک الصالح کا بیٹا الملک المعظم توران شاہ اس کا جانشین بن گیا تھا مگر جلد ہی وہ ایک محلاتی سازش کا شکار ہو کر مارا گیا اور ملکہ شجرۃ الدرّ نے مصر کا تخت و تاج سنبھال لیا۔ اس نے صفر 648ھ میں بھاری فدیہ لے کر شاہِ فرانس کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ دس سال تک فرانس کی طرف سے کوئی حملہ نہیں ہوگا۔

نصرانیوں کو اس شکست کا اتنا غم ہوا کہ بعض شہروں میں لوگوں نے اپنے گرجوں میں آویزاں مریم و مسیح کی تصاویر کو سیاہی سے لیپ دیا۔[3]

گیارہ ماہ کی ناکام مہم جوئی، قید و بند، مسلسل طلالت اور سب سے بڑھ کر شکست کے اذیت ناک احساس نے شاہِ فرانس کے دل و دماغ کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ رہائی پانے کے بعد فرانس واپس جانے کی بجائے چار سال تک ایک درویش کی شکل میں فلسطین میں رکا رہا اور اپنا غم غلط کرنے کے

[1] السلوک لمعرفۃ دول الملوک: 1/103، 104 ملخص
[2] صلیبی جنگیں: 497
[3] الحروب الصلیبیۃ للعریزی طری: 122 تا 124

ساتھ ساتھ مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب اور ان کے کمزور پہلوؤں پر غور کرتا رہا۔ ساتھ ہی وہ شام میں نصرانیوں کے باقی ماندہ قلعوں کو مضبوط کراتا رہا۔ چار سال بعد اس نے دوبارہ یورپ جا کر تخت وتاج سنبھال لیا۔ ❶

سلاطینِ اسلام نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا کہ جب تک عالم اسلام کے ساحلوں کی چپہ بھر زمین بھی نصاریٰ کے پاس رہے گی وہ اسلامی ممالک میں دخل اندازی سے باز نہیں آئیں گے، اس لیے ایک عرصے تک انہوں نے بحیرۂ روم اور بحیرۂ اسود کے کنارے اسلامی دنیا سے متصل عیسائی ریاستوں کے خلاف جہاد جاری رکھا۔ اس دوران مصر کے نئے حکمران سلطان رکن الدین بیبرس نے ساحل شام سے نصرانیوں کا صفایا کرنے کی مہم شروع کی اور 666ھ (1268ء) میں انطاکیہ کی صلیبی ریاست کا بھی خاتمہ کر دیا جس سے یورپ میں پھر کھلبلی مچ گئی۔ ❷

آٹھویں صلیبی جنگ: کچھ مدت بعد پوپ کی درخواست پر فرانس کے بادشاہ لوئیس نہم نے یورپی ممالک کو متحد کر کے ایک بار پھر صلیبی جنگ لڑنے کے لیے ہتھیار اٹھا لیے۔ 668ھ (جولائی 1270ء) میں اس نے حملہ کیا مگر اس بار بھی حالات موافق نہ ہوئے۔ تیونس کا ناکام محاصرہ کرنے کے سوا وہ کچھ نہ کر سکا اور محاصرے کے دوران ہی بیمار پڑ کر مر گیا۔ اس کی مدد کے لیے آنے والے برطانوی شہزادے ایڈورڈ نے 670ھ (1272ء) میں قیساریہ کے مقام پر مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ کر لیا اور صلیبی جنگجو واپس ہو گئے۔ ❸

یہ صلیبی جنگوں کا آخری حملہ تھا جو تیونس کے ناکام محاصرے پر ختم ہو گیا۔ سینٹ لوئیس کے بعد کسی یورپی بادشاہ کو صلیب کے نام پر ہتھیار اٹھانے کی ہمت نہ ہو سکی۔ اس طرح آٹھویں صلیبی جنگ پر صلیبی جنگوں کا سلسلہ اختتام پذیر ہو گیا۔ اس کے بعد صلیبی حکومتوں کو متحدہ طور پر عالم اسلام کے خلاف یلغار کا موقع نہ ملا بلکہ وہ باہمی خانہ جنگی میں مشغول ہو گئے۔ یہ صورتحال سراسر مسلمانوں کے حق میں تھی۔ سلطان بیبرس کے بعد الملک المنصور سیف الدین قلاوون نے صلیبیوں کی مزید تین ریاستوں حصن المرقب، طرابلس اور طرطوس پر قبضہ کر لیا۔ ان کے جانشین الملک الاشرف خلیل نے ربیع الثانی 689ھ (اپریل 1290ء) میں عالم اسلام سے ملحق آخری عیسائی ریاست عکا کو بھی فتح کر لیا۔ اس طرح پانچویں صدی ہجری کے کروسیڈ کی باقیات کا نام ونشان تک مٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی 489ھ

❶ تاریخ امت مسلمہ: 6/130 تا 140 ملخص
❷ البدایہ والنہایہ تحت 666 ہجری
❸ البدایہ والنہایہ تحت 670 ہجری

(1096ء) میں شروع ہونے والی دو سو سالہ صلیبی جنگیں اپنے انجام کو پہنچیں۔ ❶

بلاشبہ ان جنگوں کے نتائج مسلمانوں کے حق میں رہے اور اقوام یورپ کو سوائے ذلت، رسوائی، ناکامی، جانی و مالی نقصان اور مکمل شکست کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ جنگوں کے اس طویل سلسلے میں مسلمانوں کی کئی نسلوں نے جہاد کیا۔

اس دوران ان پر بڑے بڑے صبر آزما مراحل آئے، ہمت شکن مصائب سے سابقہ پڑا۔ شہادتیں، گرفتاریاں، پسپائیاں اور شکستیں بھی ان کے حصے میں آئیں مگر انہوں نے کمال ہمت و پامردی سے نسل در نسل جہاد جاری رکھا اور بالآخر ارض اسلام کو غاصب یورپیوں سے پاک کر کے دم لیا۔ اس کے بعد صدیوں تک یورپ کو سرزمین اسلام کی طرف نگاہ اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی بلکہ ان کی ہمت اور حوصلے کی آخری حد یورپ کی مدافعت تک محدود رہ گئی۔

انہی سطور پر راقم اپنے قلم کو روک کر اس تاریخی سلسلے کا اختتام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی تاریخ سے سبق حاصل کرنے اور دشمنان اسلام کے مقابلے میں یکجا اور سربکف ہونے کی ہمت عطا فرمائے۔ صلاح الدین ایوبی کی تاریخ کا سب سے بڑا پیغام یہی ہے۔ ❷

---

❶ الحروب الصلیبیہ، قمر الدین علوی: 136 تا 140

❷ شعبان 1427ھ مطابق اگست 2006ء میں شروع ہونے والا یہ کام آج جمعرات 6 ربیع الاول 1432ھ مطابق 10 فروری 2011ء ساڑھے 9 بجے ساڑھے چار سال کی مدت میں مکمل ہوا۔۔۔ الحمد للہ

◆ نظر ثانی کے کام سے 16 رمضان المبارک 1433ھ بمطابق 6 اگست 2012ء کو شب ارحمانی بجے فارغ ہوا

◆ حوالہ جات کی تخریج کا کام 25 ربیع الاول 1435ھ بمطابق 27 جنوری 2014ء کو پایا ہوا

اَسباقِ تاریخ

- وقتِ آخر قریب محسوس ہو تو ماتحتوں اور نائبین کو اہتمام سے آئندہ کے لیے نصیحتیں کر دینا ضروری ہے۔
- کسی بڑی مہم کے اختتام یا کسی اہم ہدف کے حصول کے بعد کچھ دنوں تک معمولات کو تبدیل کر لینا چاہیے۔
- کچھ تفریح، سیر وشکار اور آرام اپنی جان کے حقوق ہیں جو ادا کرنے چاہئیں۔ اہل خانہ کے ساتھ کچھ وقت گزار کر انہیں بھی ان کا حق دینا چاہیے۔
- بڑے لوگ فارغ اوقات میں بھی اگلے کام کا ذہنی خاکہ ضرور بنا کر رکھتے ہیں۔ ان کی فراغت گھوڑے بیچ کر سونے والوں جیسی نہیں ہوتی۔ صلیبی جنگ کے بعد سلطان کے اور بھی عزائم تھے جن کی تکمیل کا وقت نہ ملا۔
- جنگ خود کوئی مقصد نہیں۔ حالات اسے ناگزیر بنا دیتے ہیں۔ اس سے فارغ ہوتے ہی حکمران کو دین کی خدمت، اسلام کی اشاعت، عوام کی فلاح وبہبود، عدل وانصاف اور ملکی ترقی وخوشحالی کی طرف توجہ دینی چاہیے۔
- موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ زندگی بہت بے اعتبار شے ہے۔ بڑے سے بڑی شخصیت بھی ایک دن اس جہانِ فانی کو چھوڑ جاتی ہے۔ بس باقی رہ جاتا ہے اس کا کردار...... اس کا طرزِ عمل ...... خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو جانے والوں سے سبق حاصل کریں۔
- بسا اوقات عظیم دینی وملی شخصیات کا اٹھ جانا بڑے حوادث کے ٹوٹ پڑنے کا سبب بن جاتا ہے۔ سلطان ایوبی کے بعد صلیبی ان کے جانشینوں سے نبرد آزما ہو گئے۔
- اچھے جانشین میسر آنا اللہ کی بڑی نعمت اور کام کی قبولیت کی علامت ہے۔ سلطان کے بعد الملک العادل نے اسلامی سرحدوں کے حفاظت کی ذمہ داری پوری مستعدی سے انجام دی۔
- جانشینوں کی بنیادی تربیت اچھی کر دی جائے تو بعد میں وہ خود زمانے سے بہت کچھ سیکھ لیتے ہیں اور اپنی کی کوتاہی کا ازالہ کر لیتے ہیں۔ الملک العادل کے جانشین کچھ مدت تک منتشر رہ کر صلیبیوں کے سامنے کھڑے نہ ہو سکے مگر پھر متحد ہو کر انہوں نے صلیبی افواج کو نہ بھولنے والا سبق دیا۔
- طاغوتی طاقتیں بار بار ناکام حملے کر کے بھی مایوس نہیں ہوتیں۔ ملتِ نصاریٰ نے دو سو سال تک

القدس کے لیے صلیبی جنگیں لڑیں۔ پھر مسلمان بھلا وقتی ناکامیوں سے کیوں مایوس ہوں؟ دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فرمارہے ہیں:

﴿وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾❶

"اور کمزوری نہ دکھاؤ (حریف) قوم کا پیچھا کرنے میں۔ اگر تمہیں کوئی دکھ پہنچا ہے تو انہیں بھی دکھ پہنچا ہے جیسا کہ تمہیں دکھ پہنچا ہے۔ اور تم تو اللہ تعالیٰ سے اس چیز کی امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی غور سے پڑھنا چاہیے:

﴿اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُھَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۗءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴾❷

"اگر تمہیں کوئی زخم لگا ہے تو مخالف قوم کو بھی اسی قسم کا زخم لگ چکا ہے...... اور یہ وہ دن ہیں جن کو ہم لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں اور تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کر دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے...... اور (اللہ) تم میں سے کچھ کو شہادت کے منصب پر فائز کرے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔"

❶ سورۃ النساء
❷ سورۃ آل عمران

اختتامیہ

بیت المقدس اور یہود

یہود کا دیرینہ خواب

دو صدیوں کی سرتوڑ کوشش کے بعد نصرانی القدس پر قبضے سے مایوس ہو گئے مگر ایک جماعت ایسی تھی جو مقدس سرزمین پر راج کرنے کا خواب نہ جانے کب سے دیکھ رہی تھی اور اپنے عزائم کو سات پردوں میں چھپائے ہوئے تھی۔ یہ وہ یہودی تھے جو نسل در نسل ہیکل سلیمانی کی تعمیر کا جذبہ لیے، مناسب موقعے کی تلاش میں تھے اور اس کے لیے خفیہ سازشوں میں معروف تھے۔ دو ہزار سالوں میں وہ پانچ بار القدس پر قبضے کی تحریکیں چلا چکے تھے اور ہر بار ناکامی سے دوچار ہوئے تھے۔ البتہ ان تحریکوں کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ اُن میں مذہبی اور قومی جذبات بیدار رہے اور وہ سوتے جاگتے عالمگیر غلبے کے خواب دیکھتے رہے۔

صدیوں سے یہود کا عقیدہ چلا آرہا ہے کہ قیامت سے قبل ان کا ایک نجات دہندہ ظاہر ہوگا جو مافوق الفطرت قوتوں کا حامل ہوگا، وہ عالمگیر بادشاہ بنے گا، اس کی آمد سے قبل القدس پر یہود کا قبضہ ہوگا، مسجد اقصیٰ کسی قدرتی آفت سے منہدم ہو چکی ہوگی، اس کی جگہ ہیکل سلیمانی تعمیر ہو چکا ہوگا، تب عالمگیر یہودی بادشاہ آکر اس میں تخت نشین ہوگا اور یہود کی عالمی حکومت کا دور شروع ہوگا۔ علامت قیامت سے متعلق اسلامی عقائد اور یہود کے اس عقیدے کا موازنہ کریں تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہودی صدیوں سے جس رہنما کا انتظار کر رہے ہیں وہ "کانا دجال" ہے۔

ٹیمپلرز اور فری میسنری ﷺ اس تصنیف کی جلد اوّل میں ہم نے ٹیمپلرز کا تعارف کرایا تھا۔ یہ بظاہر رضاکار نصرانیوں کی ایک تنظیم تھی جو القدس کی محافظ تھی۔ یورپ کی حکومتیں ان سے تعاون کرتی تھیں۔ ٹیمپلرز نے بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کے پاس (جہاں یہود ہیکلِ سلیمانی بنانا چاہتے ہیں) اپنے ہیڈکوارٹر کے طور پر زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کر لیا تھا۔ یہاں انہوں نے اپنی ایک الگ عبادت گاہ بنائی، جو بظاہر گرجا (Church) تھی، لیکن اندر کیا ہو رہا تھا، یہ سینکڑوں سال بعد کھلا۔

ٹیمپلرز سودخوری اور سرمایہ داری میں طاق تھے، جیسا کہ یہودی۔ بڑے بڑے عیسائی بادشاہ ان سے قرضے لیتے اور ان کی تنظیم کی اعزازی رُکنیت اختیار کرتے تھے۔ شاہ برطانیہ رچرڈ شیر دل بھی جو تیسری

صلیبی جنگ کا یورپی ہیرو تھا، ٹیمپلرز میں اعزازی رکنیت حاصل ہونے پر فخر کرتا تھا۔

جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے نصرانیوں سے جہاد شروع کیا تو ٹیمپلرز اُن کے سب سے سخت حریف ثابت ہوئے۔ سلطان ایوبی نے عام عیسائیوں کے ساتھ تو اچھا سلوک کیا، لیکن ٹیمپلرز کو صفحۂ ہستی سے مٹانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ صلاح الدین ایوبی اور ان کے جانشینوں کی مسلسل جدو جہد کے نتیجے میں آخرکار شام ٹیمپلرز کے وجود سے پاک ہوگیا۔ تب ان کے باقی ماندہ لوگ فرار ہوکر بحیرۂ روم کے جزیروں میں چلے گئے۔ ان کی مال داری کا یہ عالم تھا کہ پہلے انہوں نے جزیرۂ قبرص خرید کر اُسے اپنا مرکز بنایا۔ پھر یورپ میں قدم جمائے اور وہاں با قاعدہ بینکنگ کا نظام قائم کرلیا۔ سوئٹزرلینڈ ان کا مرکز تھا جہاں دنیا جہان کی دولت ٹیمپلرز کے بینکوں میں جمع ہوتی تھی۔ ایک صدی کے اندر انہوں نے یورپ میں اتنا اثر ورسوخ حاصل کرلیا کہ حکومتوں کے متوازی حکومت بن گئے۔ ان کی سرکشی سے تنگ آکر فرانس اور انگلینڈ وغیرہ میں ان کے خلاف ایک مُہم شروع کی گئی۔

تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ عیسائی نہیں شیطان کی پوجا کرنے والے یہودی ہیں۔ مذہبی اور ملکی قوانین کی خلاف ورزی پر انہیں گرفتار کرلیا گیا۔ تنظیم کو کالعدم قرار دے دیا گیا اور املاک ضبط کرلی گئیں۔ لیکن ٹیمپلرز ختم نہیں ہوئے۔ زیرِ زمین چلے گئے۔ موقع ملتے ہی انہوں نے اسکاٹ لینڈ میں اپنا اثر ورسوخ پیدا کیا اور ساتھ ہی انہوں نے سوئٹزرلینڈ میں بھی اپنے قدم جمالیے۔ تین صدیوں تک ٹیمپلرز نے خود کو ظاہر نہ کیا اور بڑی خاموشی سے اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں کے حصول کے لیے سرگرم رہے۔ ایک صدی بعد انہوں نے فری میسنری کی شکل میں نیا جنم لیا جس کی ساخت، اہداف اور طریقۂ کار سے متعلق ہر بات اتنی خفیہ ہے کہ تمام حقائق اب تک منظرِ عام پر نہیں آسکے۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں فری میسنری اور یہودی دانشوروں کی سرگرمیوں کی وجہ سے یورپ کی کئی حکومتیں ایک الگ آزاد وطن کے لیے جاری یہودی تحریک کی حامی بن چکی تھیں۔ تب یہودی دانشوروں نے اپنے ہمنوا یورپی حکمرانوں کو اس بات کا قائل بھی کرلیا کہ وہ خود یہود کے لیے ایک آزاد وطن کی تحریک کی آواز بلند کریں۔

یورپی حکمران یہودیوں کی خباثت سے بخوبی واقف تھے، وہ جانتے تھے کہ یہ قوم ہر ملک کے لیے تباہی کا باعث بنتی رہی ہے لیکن ایک تو وہ یہودیوں کی دولت اور علمیت سے مرعوب تھے۔ دوسرے انہیں یہود کے ایک الگ مملکت میں منتقل ہوجانے کے بعد یہ امید تھی کہ یورپ ان کی شیطنت سے محفوظ ہوجائے گا۔ انہیں یہ بھی توقع تھی کہ اس طرح مسلم دنیا یہود کا اصل ہدف بن جائے گی اور یوں ان کے

ذریعے مسلمانوں کی قوت وشوکت کو پاش پاش کیا جاسکے گا۔ چنانچہ یہود کی حمایت اور انہیں فلسطین میں آباد کرنے کے لئے یورپی سیاستدانوں ہی کی سرپرستی میں کوششیں شروع ہوئیں اور یوں یہودی ایک مضبوط تحریک چلانے کے قابل ہو گئے۔ ان لوگوں نے مل کر صیہونیت کی تجدید کی جو دراصل مسجد اقصیٰ پر قبضے کی انتہائی قدیم یہودی تحریک تھی۔ یوں 1879ء میں "عالمگیر صیہونی تحریک" کا آغاز ہوا جس کا بانی آسٹریا (یورپ) کا ایک صحافی "تھیوڈور ہرٹزل" تھا۔ اس نے سوئٹزرلینڈ کے شہر باسل میں منعقدہ اس تحریک کی پہلی کانفرنس میں اعلان کیا کہ ہم فلسطین میں آزاد یہود مملکت قائم کریں گے۔

فلسطین میں یہود کی آبادکاری: کانفرنس کے تین سال بعد 1901ء میں ہرٹزل خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید ثانی سے ملا اور بھاری رقم کے بدلے فلسطین کی زمین طلب کی لیکن سلطان نے صاف انکار کر دیا۔ تب یہودیوں نے براہِ راست عثمانی خلافت کو سبوتاژ کر کے فلسطین پر قبضے کا منصوبہ بنایا اور اس مقصد کے لیے برطانیہ سے مدد لینے کا فیصلہ کیا۔ ساتھ ہی خلافتِ عثمانیہ کی جڑیں کاٹنے کی سازشیں بھی جاری رہیں اور آخرکار 1908ء میں مصطفیٰ کمال پاشا جیسے ترک فوج کے اہم عہدے داروں کے ذریعے خلیفہ کے خلاف بغاوت کی گئی۔ اس طرح ترکی میں جمہوریت قائم کر کے خلافت کو برائے نام حیثیت دے دی گئی۔ اس دوران فلسطین میں یہود کی محدود آبادکاری شروع ہو گئی تھی جس میں برطانیہ کے یہودی وزیراعظم ڈزرائیلی نے بہت سرگرم کردار ادا کیا تھا۔ یہودیوں نے جافا (یافا) کے مضافات میں تل ابیب نامی نئی بستی بھی آباد کی جو آج کل اسرائیل کا دارالحکومت ہے۔

پہلی جنگ عظیم کے خاتمے پر فلسطین کو اردن اور فلسطین میں تقسیم کر کے کمزور کر دیا گیا تو لیگ آف نیشنز نے جو اس دوران یہودیوں ہی کی کوشش سے وجود میں آئی تھی اعلان بالفور میں یہود کی فلسطین میں آبادکاری کو ایک باقاعدہ حق کی حیثیت دے دی چنانچہ یہودیوں نے بڑے پیمانے پر فلسطینیوں سے زمینیں خریدنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ برطانیہ کی سرپرستی میں یہودیوں کی ایک پولیس بھی تشکیل دے دی گئی۔ اکثر فلسطینی مسلمان یہودیوں کو زمینیں فروخت کرنے کے لیے تیار نہیں تھے کہ علمائے امت کی طرف سے اس کی حرمت کا فتویٰ آچکا تھا۔ برصغیر کے مایہ ناز محقق حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے بھی یہ فتویٰ دیا تھا کہ فلسطین میں کسی بھی مسلمان کے لیے یہودیوں کو اپنی زمین بیچنا حرام ہے۔ [1]

یہ دیکھ کر برطانیہ نے فلسطین کی بڑی بڑی سرکاری جاگیریں یہودیوں کو دے کر انہیں نئی بستیاں آباد کرنے کا موقع دیا۔ اکثر بستیاں ساحل یا شہروں کے قریب تھیں۔ اس طرح یہودی فلسطین کی

[1] امداد الفتاویٰ: جلد سوم صفحہ 59

زراعت، سمندری تجارت اور بیرونی نقل وحمل کے راستوں پر قابض ہو گئے۔

تحریک جہاد اور وائٹ پیپر: 1936ء میں فلسطینی مسلمانوں نے یہود کی ناجائز آبادکاری سے تنگ آ کر مسلح جہاد شروع کر دیا اور خاصے علاقے پر قابض ہو گئے۔ انگریز ان پر قابو نہ پا سکے۔ ادھر دوسری جنگ عظیم کے مخطرات سر پر آ گئے۔ تحریکِ جہاد کو جلد از جلد ختم کرنے کے لیے 1939ء میں برطانیہ نے فلسطینی شیوخ کو پیشکش کی کہ اگر وہ ہتھیار رکھ دیں تو ان کے تمام قرضے معاف کر دیے جائیں گے۔ انہیں دس سال کے اندر ایک آزاد وطن دیا جائے گا۔ ان دس سالوں میں 75 ہزار سے زیادہ یہودیوں کو فلسطین میں آباد نہیں ہونے دیا جائے گا۔ مسلمانوں کی اجازت کے بغیر یہودی ریاست نہیں بنائی جائے گی۔ اس پیش کش کو "وائٹ پیپر" کہا جاتا ہے۔ اردن کے بعض سرکردہ شیوخ اس پر آمادہ ہو گئے۔ اس طرح تحریک جہاد ختم ہو گئی۔ بعد میں وائٹ پیپر ایک دھوکا ثابت ہوا۔ عالمی طاقتوں نے وائٹ پیپر کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے ڈیڑھ لاکھ کے قریب یہودیوں کو غیر قانونی طور پر فلسطین میں آباد کیا۔

اسرائیل کا قیام: کچھ مدت بعد دوسری عالمی جنگ چھڑی گئی اور اس بار صیہونیوں کے ہاتھوں اقوام متحدہ وجود میں آئی۔ جس کے بعد نومبر 1947 میں برطانیہ نے اعلان کیا کہ یہود کو اُن کا وطن ملے گا۔ اقوام متحدہ کے تشکیل پانے کے کچھ ہی عرصے بعد 1947ء میں فلسطین کو یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنے کی قرارداد پیش کی گئی۔ اس رائے شماری میں تمام رکن ملکوں کو شامل نہیں کیا گیا تھا، بلکہ چند مخصوص ممالک کو ووٹ دینے کا حق دیا گیا تھا۔ اس کی مخالفت میں پانچ اور حق میں صرف تین ووٹ آئے۔ قرارداد کو منظور کروانے کے لئے تین ووٹ اور چاہیے تھے۔ چنانچہ بدترین دھاندلی کرتے ہوئے رائے شماری میں فلپائن، ہنگری اور لائبیریا جیسے چند غریب ترین ممالک کو بھی شامل کر لیا گیا اور ان پر یہودیوں کے حق میں ووٹ دینے کے لیے دباؤ ڈالا گیا۔ ان قحط زدہ ملکوں کی حکومتوں کو مالی رشوتیں بھی دی گئیں۔ اس طرح صیہونی لابی نے اسرائیل کے قیام کی قرارداد منظور کرائی۔

قرارداد کی منظوری کے بعد یہ اعلان کیا گیا کہ فلسطین میں آباد 33 فیصد یہودیوں کو اس ملک کا 55 فیصد حصہ ملے گا۔ جبکہ 67 فیصد فلسطینی مسلمانوں کو 45 فیصد رقبہ دیا جائے گا۔ 33 فیصد یہود اور 67 فیصد فلسطینیوں کا پرچار اقوام متحدہ کی اپنی مردم شماری کی بنیاد پر کیا جا رہا تھا جو دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف تھا۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق فلسطین کی کل آبادی 18 لاکھ 45 ہزار تھی جس میں چھ لاکھ یہودی اور گیارہ لاکھ سے زائد مسلمان تھے۔ نصرانی صرف 35 ہزار تھے۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ اُس وقت فلسطین میں مقامی مسلمان 94 فیصد اور یہودی صرف 6 فیصد تھے۔

آخر کار 14 مئی 1948 کو اسرائیل کے قیام کا اعلان ہوگیا، اس کے قیام کے دس منٹ بعد امریکہ نے اسے قبول کرلیا۔ پورے عالم اسلام میں اس کے خلاف شور ہوا مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ مسلمانوں کے علاوہ دیگر غیر مسلم ممالک بھی اس بے انصافی پر احتجاج کر رہے تھے، سب کو خطرہ تھا کہ اسرائیل کے قیام سے ان مفادات خطرے میں پڑ جائیں گے۔ لیکن کسی کی ایک نہ سُنی گئی۔ امریکہ کے ساتھ ایک اور بڑی طاقت روس بھی نے اسرائیل کی حمایت کا اعلان کیا۔

اسرائیل کے قیام کے بعد مصر، یمن اور دوسرے عرب ممالک میں آباد مزید آٹھ لاکھ سے زائد یہودی اپنے خوابوں کی اس سرزمین میں منتقل ہوگئے۔

<u>سقوطِ بیت المقدس</u> ٭ نومبر 1948 میں جب فلسطین کی جگہ اسرائیل قائم ہوا تو اس کا رقبہ 7993 مربع میل تھا مگر صہیونیوں نے اس پر اکتفا نہیں کیا، اسرائیل کی صہیونی حکومت مسلسل گرد و نواح کی اسلامی مملکتوں پر تاخت و تاراج کرتی رہی اور شام کے بڑے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ 5 جون 1968ء (8 ربیع الاول 1388ھ) کو اسرائیلی افواج نے اُردن پر حملہ کردیا۔ اس فوج کی کمان سابق برطانوی وزیر اعظم چرچل کا بیٹا کر رہا تھا۔ اُردن کے مجاہدین نے بہت بہادری سے مقابلہ کیا لیکن اُردن کے بادشاہ شاہ حُسین کا خاندان خود یہودیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ اس لیے صہیونی القدس پر قابض ہوگئے۔ یہ عالم اسلام کی تاریخ کا انتہائی دردناک دن تھا۔ بیت المقدس جو 2 اکتوبر 1187ء (27 رجب 583ھ) کو سلطان صلاح الدین ایوبی اور ان کے رفقاء کی ناقابلِ فراموش قربانیوں کے نتیجے میں آزاد ہوا تھا، 781 برس بعد اغیار کی سازشوں اور اپنوں کی غداریوں کے باعث یہود کے قبضے میں چلا گیا۔ اس کے بعد سے اب تک صہیونی مسجدِ اقصیٰ کو برباد کرنے کی کوششیں کرتے آرہے ہیں۔ اُسے نذرِ آتش کرنے کے علاوہ اُس کے نیچے سرنگیں کھود دی گئی ہیں تاکہ کسی معمولی سے زلزلے سے مسجد گر جائے اور انہیں ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کا بہانہ مل سکے۔

<u>یہود اور امریکا</u> ٭ اسرائیل صرف بیت المقدس پر اکتفا نہیں کر رہا بلکہ پوری دنیا پر یہودی تسلط کا خواہاں ہے۔ اس گھناؤنے خواب کی تعبیر کے لیے یہودیوں کو امریکا کی سرزمین سب سے زیادہ راس آئی ہے کیونکہ یہودی دنیا پر جس قسم کی چودھراہٹ قائم کرنا چاہتے ہیں امریکا شروع سے وہی ذہنیت رکھتا ہے۔ یہودی امریکا کی شریانوں پر قابض اور اس کی سیاست و معیشت میں سب سے زیادہ دخیل ہیں۔ انہوں نے اپنے عزائم اور منصوبوں کو امریکی عزائم اور منصوبوں کی شکل دے دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکا کی باندی اقوام متحدہ نے اسرائیل کی زیادتیوں کو ہمیشہ نظر انداز کیا ہے۔ شام، اُردن، مصر

اور لبنان پر اس کے متعدد جارحانہ حملوں کے خلاف کبھی کوئی تادیبی کارروائی نہیں کی گئی۔ 1966ء، 1968ء، 1973ء، اور 1982ء، کی جنگوں میں عربوں کے قتلِ عام اور ہر قسم کے ممنوع اسلحے کے استعمال کو کبھی دہشت گردی شمار نہیں کیا گیا۔ 2000ء سے تاحال غزہ اور حماس کے زیر انتظام فلسطین میں بدترین خون ریزیوں کو کبھی قابل اعتناء نہیں سمجھا گیا۔ اقوام متحدہ کے ذریعے تادیبی کارروائی ہوتی ہے تو عراق اور افغانستان کے خلاف۔ یہ حقائق اس سچائی کا ثبوت ہیں کہ اقوام متحدہ یہودیوں کے عالمی تسلط کا جال ہے نہ کہ قیام امن اور عدل و انصاف کا کوئی ادارہ۔ امریکا کی یہود نوازی کا سب سے بڑا ثبوت خود سابق امریکی صدر بش جونیئر کا وہ بیان ہے جو اس نے افغانستان پر حملے کے بعد ایک تقریب میں دیا۔ اس میں بش نے واضح طور پر کہا:

"ہمارے دشمن مشرق وسطیٰ سے اسرائیل کو مٹانا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ میری لاش پر سے گزر کر ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ غیر یہودی اور مسیحی بینکوں اور خیراتی اداروں کو بند کر کے ہم نے ان دہشت گردوں کو مال سے بھی محروم کر دیا ہے۔ اب بھوکے بچوں کو کھانا دینے کے بہانے ان کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

میرے والد (جارج بش سینئر) کی قیادت میں اگرچہ امریکا نے سرد جنگ لڑی ہے لیکن آج ہمارے پاس موقع ہے کہ ہم اپنے پرانے دشمنوں روس، چین اور ہندوستان کے ساتھ مل کر مضبوط اور طاقتور اتحاد قائم کریں۔ لیکن میں سب سے پہلے دنیا کے سامنے یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ اسرائیل کے ساتھ ہمارا اتحاد لوہے کی طرح مضبوط ہے۔ میں پرزور انداز میں کلی طور پر دہشت گردی کے خلاف اس جنگ کی حمایت کرتا ہوں جس کی قیادت اسرائیلی وزیراعظم ایریل شیرون کر رہے ہیں۔"

یہ وہ کافرانہ غرور اور جوش وجذبہ ہے جس کے تحت یہود کی خواہش پر امریکا کی قیادت میں یورپی اقوام تاریخ کے اسباق کو نظر انداز کر کے عالم اسلام کے طول عرض میں قدم جمانے کی تگ ودو کر رہی ہیں ...... جب کہ بیت المقدس اور اس میں مسجد اقصیٰ و گنبدِ صخرہ آج بھی سلطان ایوبی کی راہ تک رہے ہیں ...... ان کا انتظار رائیگاں نہیں جائے گا......

آج بھی شام کے میدانوں اور کہساروں میں......

ایک دردمند مسلمان کو......

اپنے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ......

صلاح الدین ایوبی کی آواز کا ارتعاش سنائی دیتا ہے......

یَا لَلْاِسْلَام   یَا لَلْاِسْلَام

فلسطین کے ساحل سے......
جب پرشور موجیں ٹکراتی ہیں......
اور......
عکا کی وادی میں......
جب تیز ہوا سنسناتی ہے تو اس کے دوش پر......
دور......
کہیں بہت دور......
سلطان کی نفیر جہاد......
دم بدم کو بھی محسوس ہوتی ہے۔

یَا عَسَاکِرَ مُوَحِّدِین یَا خَیْلَ اللهِ اِرْکَبِی

صلاح الدین ایوبی، الملک العادل اور سلطان بیبرس گزر گئے مگر ان کے فرزند ابھی زندہ ہیں۔ وہ ان ظالموں اور غاصبوں کے خلاف جہاد جاری رکھیں گے۔ چاہے اس مہم میں سالہا سال بیت جائیں، کئی نسلیں گزر جائیں مگر پرچم جہاد سرنگوں نہ ہوگا اور آخری فتح ان شاء اللہ حق کی ہوگی۔

قسطنطنیہ
بلغاریہ
رومی بازنطینی حکومت
انقرہ
سلطنت سلاجقہ روم
قونیہ
آرمینیا
کردستان
یونان
ارمنی ریاست
الجزیرہ
موصل
حلب
انطاکیہ
روڈس
کریٹ
قبرص
حماہ
طرابلس
حمص
بحیرۂ روم
بیروت
صور
شام
عکہ
دمشق
حیفا
قیساریہ
یافا
عسقلان
دمیاط
اسکندریہ
غزہ
القدس
صحرائے عرب
قاہرہ
ایلہ
مصر
صحرائے اعظم
صلح رملہ ۵۸۸ھ (1192ء)
کے بعد
سلطنتِ ایوبی
کا حدودِ اربعہ
مدینہ منورہ
اسوان
بحیرۂ احمر
ینبوع
عیذاب
جدہ
مکہ معظمہ

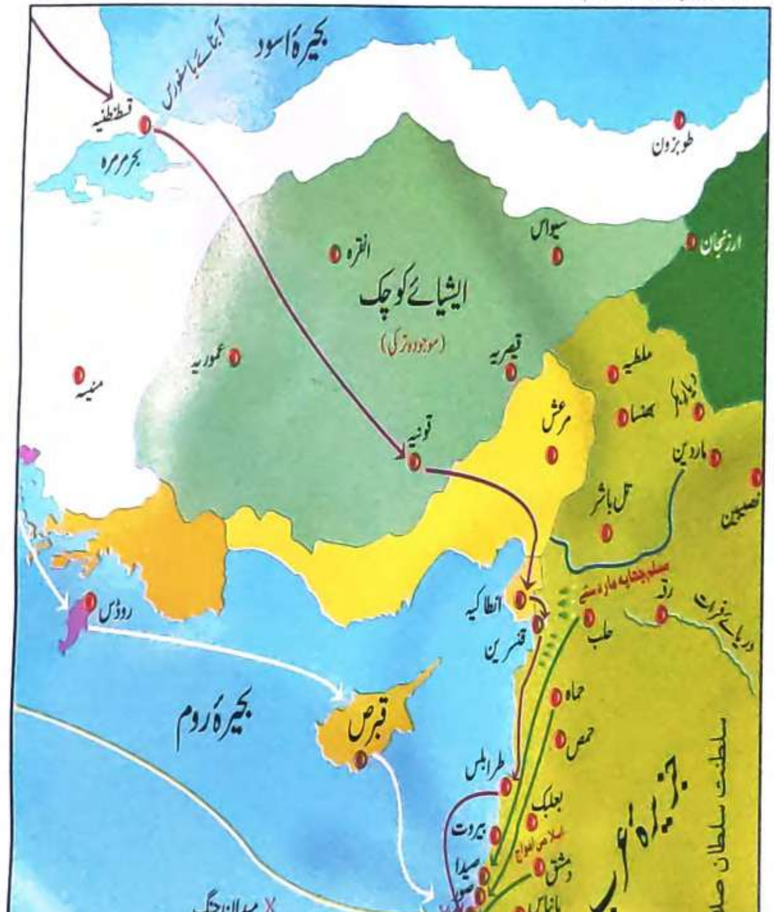
بحیرۂ اسود
آبنائے باسفورس
قسطنطنیہ
بحر مرمرہ
طوبزون
سیواس
انقرہ
ارزنجان
ایشیائے کوچک
(موجودہ ترکی)
عموریہ
قیصریہ
ملطیہ
منیسہ
مرعش
قونیہ
ماردین
نصیبین
تل باشر
روڈس
انطاکیہ
حلب
رقہ
دریائے فرات
قنسرین
حماہ
بحیرۂ روم
قبرص
حمص
طرابلس
بعلبک
بیروت
صیدا
دمشق
صور
بانیاس
عکا
جزیرہ عرب
سلطنت سلطان صلاح الدین ایوبی
میدانِ جنگ
جرمن افواج باربروسا اور فریڈرک کی قیادت میں
برطانوی افواج رچرڈ کی کمان میں
فرانسیسی افواج فلپ آگسٹس کی ماتحت
حیفا
قیساریہ
ارسوف
یافا
بصریٰ
عسقلان
رملہ
القدس
دمیاط
غزہ
اسکندریہ
منصورہ
عریش
کرک
تیسری صلیبی جنگ
(۵۸۵/1189ء تا ۵۸۸/1192ء)
سلطنت سلطان صلاح الدین ایوبی

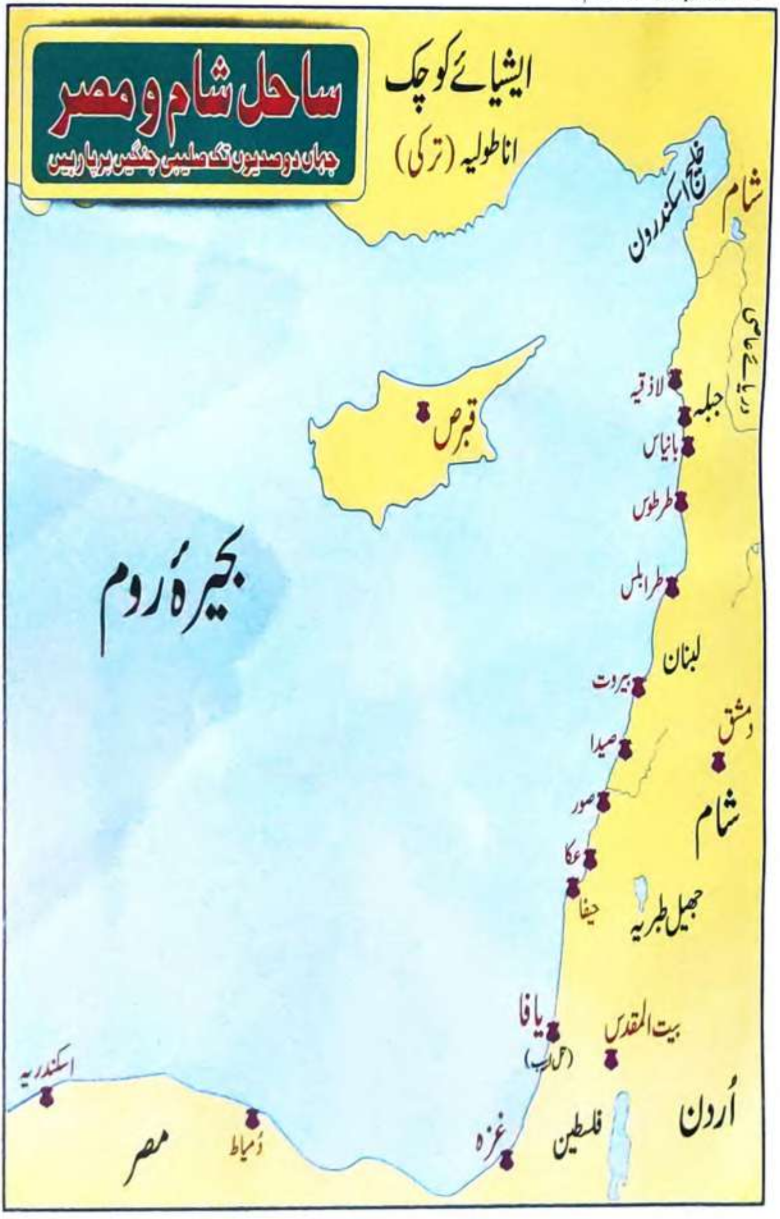
ساحل شام و مصر
جہاں دو صدیوں تک صلیبی جنگیں برپا رہیں
ایشیائے کوچک
اناطولیہ (ترکی)
خلیج اسکندرون
شام
قبرص
لاذقیہ
جبلہ
بانیاس
طرطوس
طرابلس
بحیرۂ روم
لبنان
بیروت
دمشق
صیدا
صور
شام
عکا
حیفا
جھیل طبریہ
یافا
بیت المقدس
اسکندریہ
اردن
فلسطین
غزہ
دمیاط
مصر

براعظم یورپ
بحر اوقیانوس
ناروے
سویڈن
بحیرۂ ابیض
ڈنمارک
لیتھینیا
ہالینڈ
انگلینڈ
پولینڈ
جرمنی
فرانس
آسٹریا
ہنگری
سوئٹزرلینڈ
رومانیہ
بحیرۂ اسود
سربیا
نصرانی اندلس
بازنطینی سلطنت
بلغاریہ
اٹلی
سسلی
اسلامی اندلس
سلطنت سلاجقہ روم
یونان
تیونس
بحیرۂ روم
کریٹ
قبرص
مراکش
شام کی نصرانی ریاستیں
دولت اتابکیہ
موصل
قاہرہ
سلطنت مرابطین/ موحدین
دولت عبیدیہ مصر
بحیرۂ احمر
براعظم افریقہ

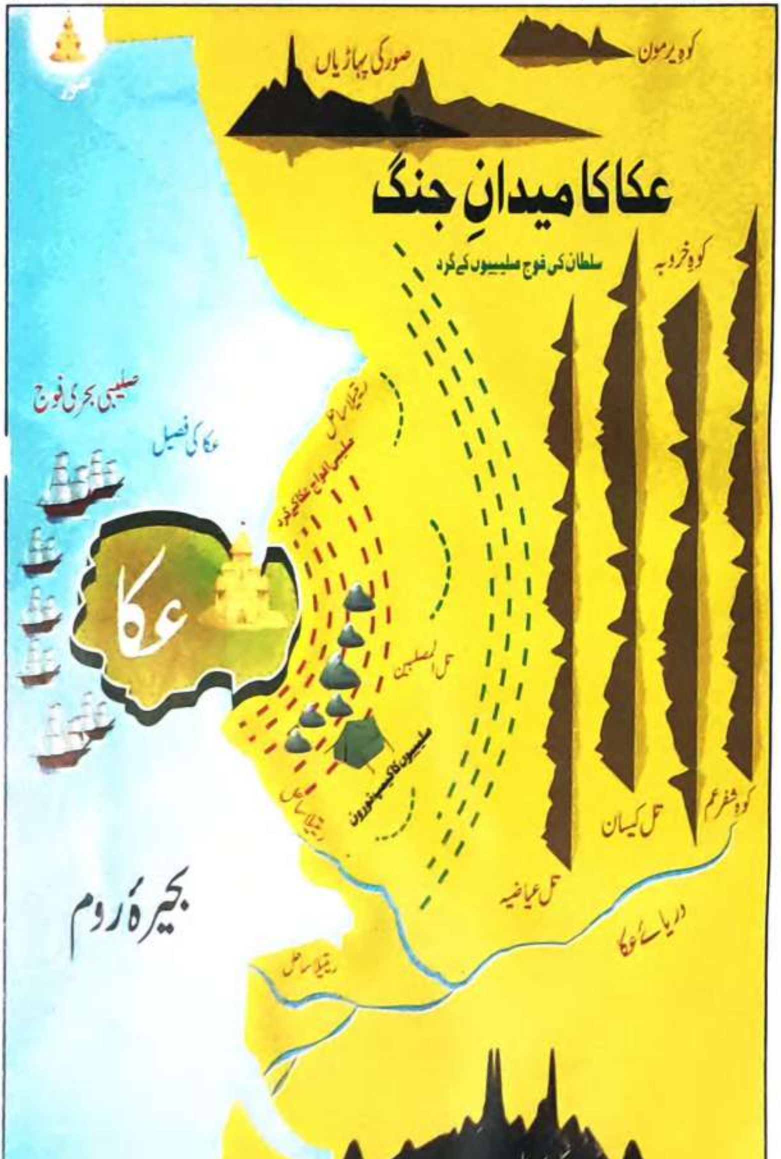
عکا کا میدانِ جنگ
کوہِ ہرمون
صور کی پہاڑیاں
سلطان کی فوج صلیبیوں کے گرد
کوہِ خروبہ
صلیبی بحری فوج
عکا کی فصیل
ریتیلا ساحل
صلیبی افواج عکا کے گرد
عکا
تل المصلبین
صلیبیوں کا کیمپ تل نورون
ریتیلا ساحل
تل کیسان
کوہِ شفرعم
تل عیاضیہ
دریائے عکا
بحیرۂ روم
ریتیلا ساحل
کوہِ کارمل

عکاسے القدس تک
پیش قدمی کے راستے
صیدا
(صیدون)
دمشق
لبنان
دمشق کی شاہراہ
صور
نہاریہ
عکا
جھیل طبریہ
حیفا
بحیرۂ روم
قیساریہ
ساحلی سڑک
عکاسے القدس کی شاہراہ
پہاڑی علاقہ
ارسوف
یافا
رملہ
رام اللہ
القدس
عسقلان
غزہ
بحیرۂ مردار
اردن
فلسطین

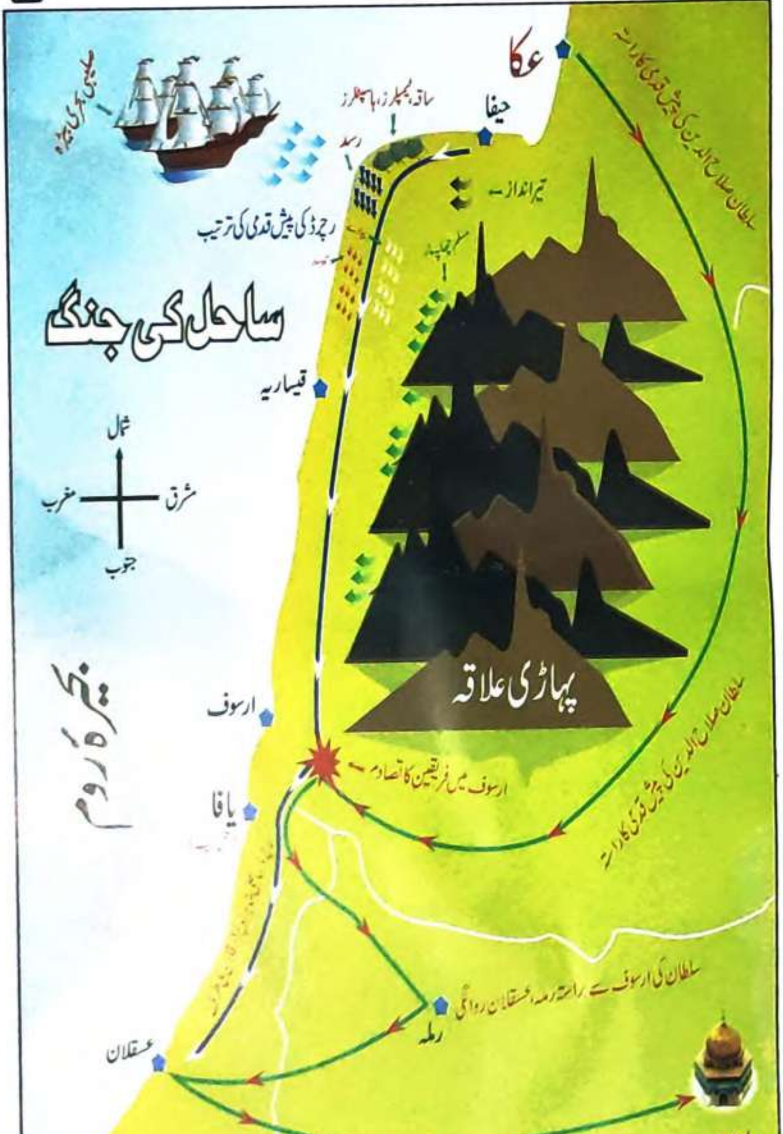
ساحل کی جنگ
عکا
حیفا
تیر انداز
رچرڈ کی پیش قدمی کی ترتیب
قیساریہ
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
پہاڑی علاقہ
ارسوف
ارسوف میں فریقین کا تصادم
یافا
بحیرہ روم
رملہ
عسقلان
غزہ
القدس
سلطان کی ارسوف سے راستہ رملہ، عسقلان روانگی
سلطان عسقلان سے بیت المقدس تک
سلطان صلاح الدین کی پیش قدمی کا راستہ

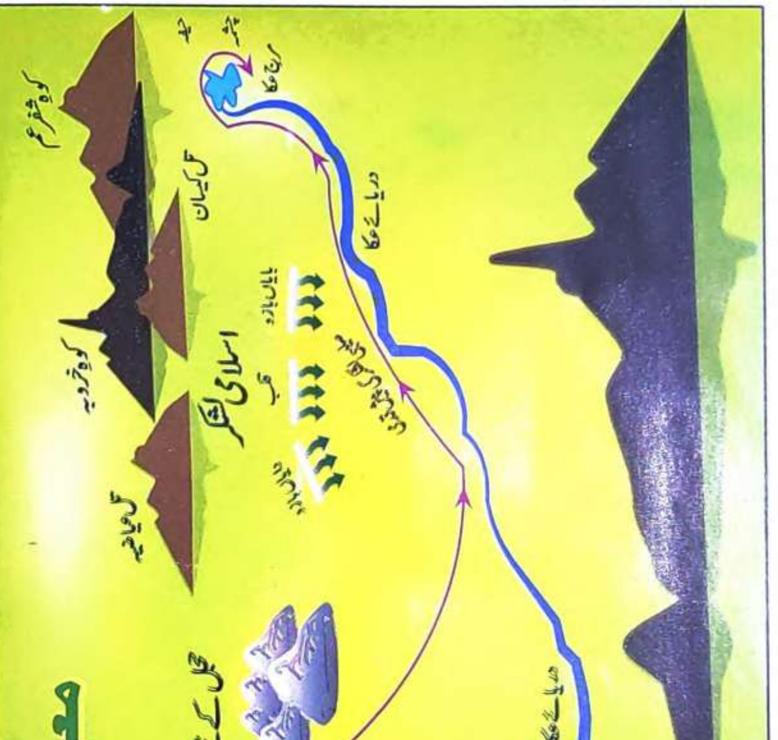
معرکہ مرج عکا

معرکہ دریائے عکا
(نوبۃ النہر)
عکا
حجل کے ٹیلے
تل عیاضیہ
کوہ خروبہ
کوہ شفرعم
تل کیسان
قلب
چشمہ
اسلامی لشکر
دایاں بازو
دریائے عکا
صلیبی فوج کی واپسی کا راستہ
صلیبی لشکر کی واپسی
دریائے عکا
بایاں بازو
بایاں بازو
حیفا

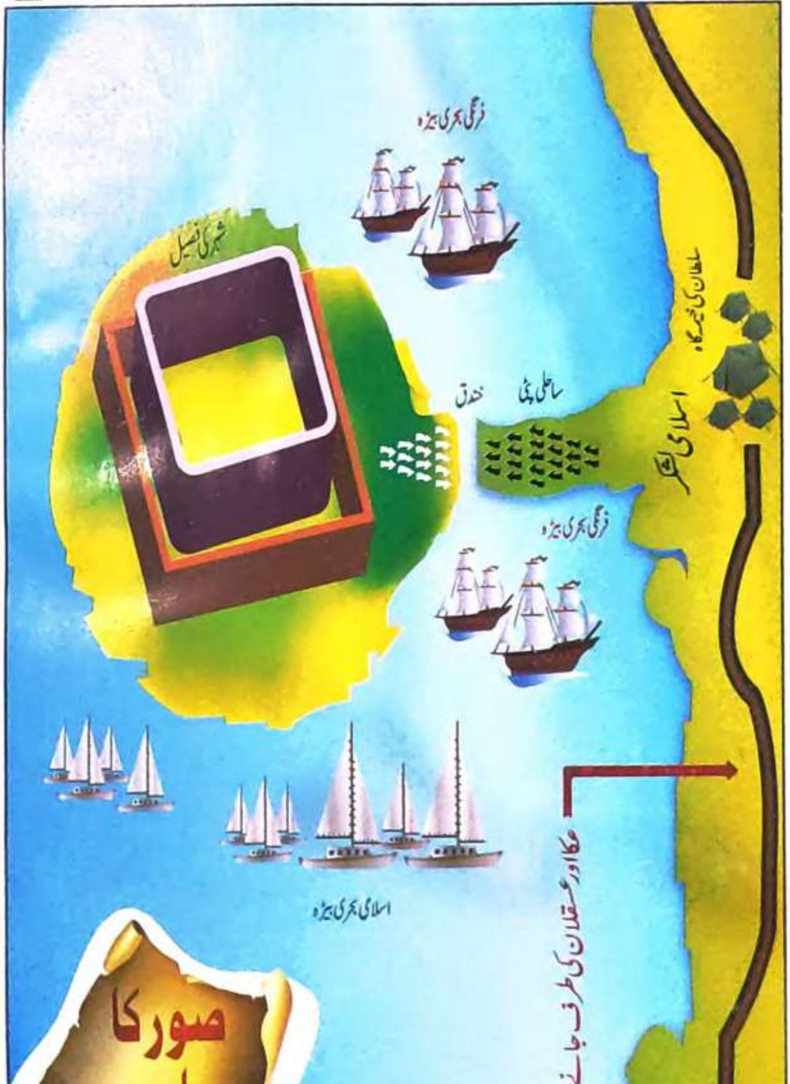
صور کا محاصرہ
فرنگی بحری بیڑہ
شہری فصیل
خندق
ساحلی پٹی
فرنگی بحری بیڑہ
اسلامی لشکر
سلطان کی خیمہ گاہ
اسلامی بحری بیڑہ
عکا اور عسقلان کی طرف جانے والی شاہراہ

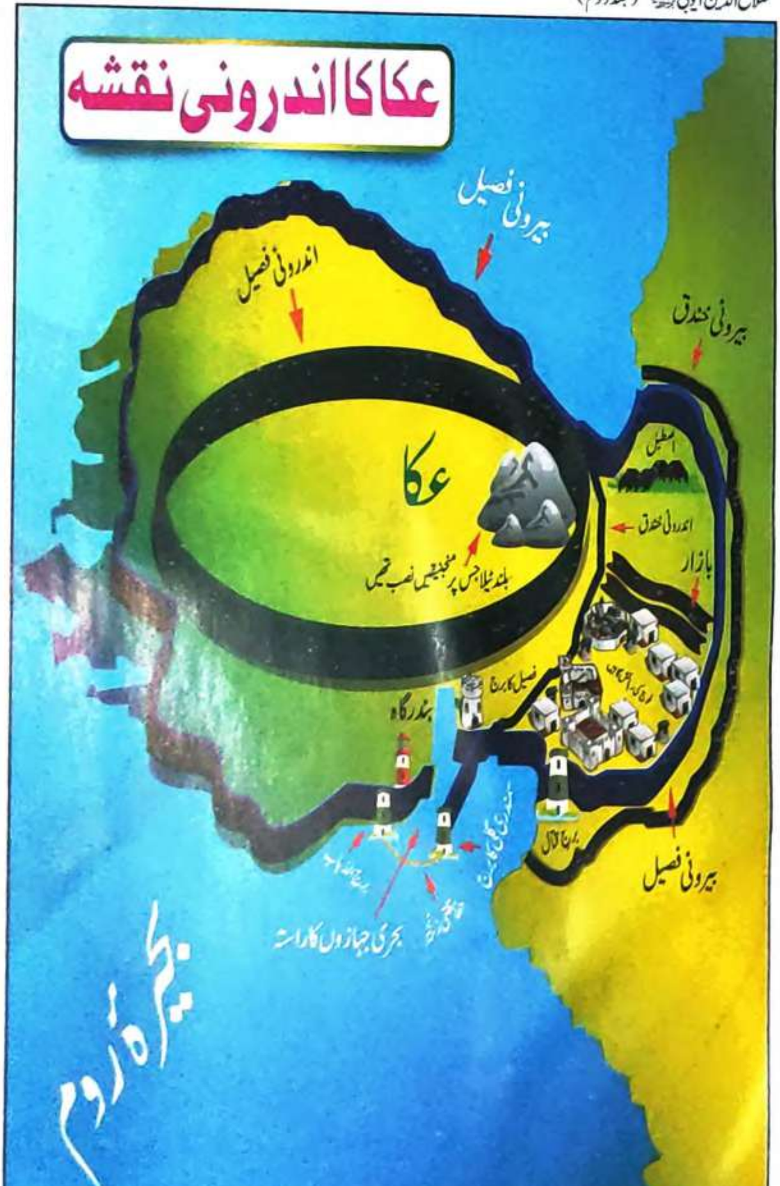
عکا کا اندرونی نقشہ
بیرونی فصیل
اندرونی فصیل
بیرونی خندق
عکا
اندرونی خندق
بازار
بلند ٹیلا جس پر منجنیقیں نصب تھیں
فصیل کا برج
بندرگاہ
بیرونی فصیل
بحری جہازوں کا راستہ
بحیرۂ روم

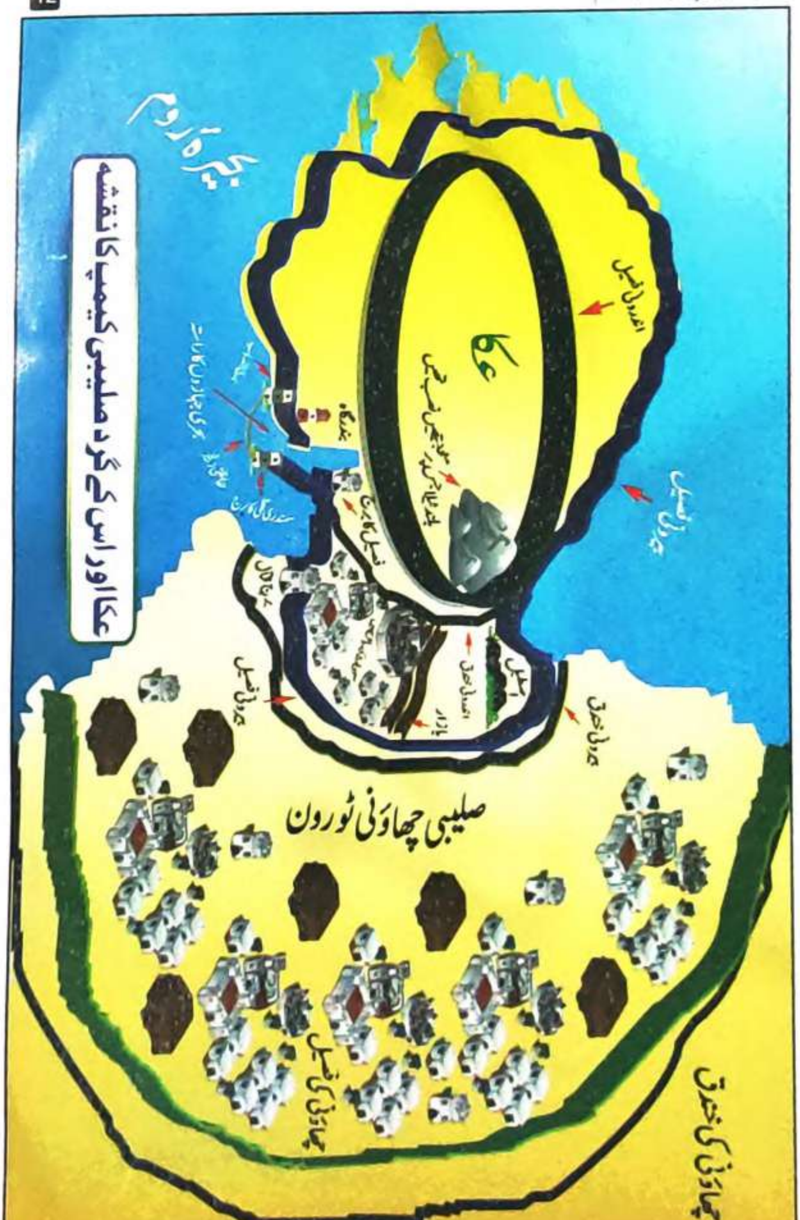
عکا اور اس کے گرد صلیبی کیمپ کا نقشہ
بحیرۂ روم
عکا
اندرونی فصیل
بیرونی فصیل
بیرونی خندق
صلیبی چھاؤنی تورون
چھاؤنی کی فصیل
چھاؤنی کی خندق

تاریخ افغانستان

محمد اسماعیل ریحان

افغانستان کی مکمل تاریخ ۔ زمانہ ما قبل از اسلام سے حالیہ دور تک ۔ افغان کون ہیں؟ صحابہ کرام نے افغانستان میں کس طرح جہاد کیا؟ انہوں نے اسلام کب قبول کیا؟ افغانستان میں کون کون سے حکمران خاندان اقتدار میں رہے؟ ان تمام سوالات کے جواب دیتا ایک تحقیقی شاہکار۔

سوویت روس کے خلاف جہاد، طالبان دور حکومت اور امریکا کے خلاف مزاحمتی تحریک کی پوری تفصیلات ۔ ایک ساتھ۔

دو جلدیں ۔ جلد اول صفحات:433 جلد دوم: صفحات 498

شیر خوارزم سلطان جلال الدین خوارزم شاہ اور تاتاری یلغار

محمد اسماعیل ریحان

آٹھ صدیوں میں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے جہادی کارناموں پر والہانہ اسلوب میں لکھی گئی پہلی مفصل کتاب ۔ وہ مرد مجاہد جس کی شمشیر آب دار نے فاتح جہاں سوز چنگیز خان کا غرور خاک میں ملا دیا ۔ وہ شہ سوار جس کے گھوڑے کی جولان گاہ سمرقند و بخارا سے کابل اور غزنی تک وسیع تھی ۔ جس نے دریائے سندھ کے دھارے میں بے خوف و خطر جست لگا دی ۔ خوارزم کے گلستانوں سے قفقاز کے پہاڑوں تک بکھری ہوئی دلوں کو گرما دینے والا ایک ایمان افروز تاریخی و ادبی شاہکار۔

صفحات:554

نظریاتی جنگ کے محاذ

محمد اسماعیل ریحان

نظریاتی جنگ کے مختلف محاذوں کو طشت از بام کرنے والی مفصل کتاب ۔ استشراق، استعمار، جمہیر، عالمگیریت اور سیکولرازم سمیت مختلف طاغوتی ازموں کا بے لاگ تجزیہ ۔ مسلمان دنیا میں اس طرح زبوں حال کیوں ہیں؟ مسلم حکمران متحد کیوں نہیں ہوتے؟ جگہ جگہ علاقائی، لسانی اور فرقہ ورانہ فسادات کیوں ہوتے ہیں؟ ان تمام سوالات کے تفصیلی جوابات ایک ہی کتاب میں۔ اسلام دشمن طاقتوں کی سازشیں اس طرح بے نقاب کہ آپ قدم قدم پر چونک اٹھیں گے۔

صفحات:400

نظریاتی جنگ کے اُصول

محمد اسماعیل ریحان

عسکری اور نظریاتی جنگ میں کیا فرق ہے؟ استعمار اور استشراق کی تحریکیں کس طرح پروان چڑھیں؟ مشنری ادارے کس طرح مسلمانوں کا ایمان چھین رہے ہیں؟ مسلمانوں کو کس کس طرح سے نظریاتی طور پر گمراہ کیا جا رہا ہے؟ صیہونی ادارے کس طرح کام کر رہے ہیں؟ ایک ایسی کتاب جو آپ کی آنکھوں سے اندھیرے دور کر کے آپ کو روشن حقائق کی دنیا میں لا کھڑا کرے گی۔

ہمہ گیر موضوعات کو مختصر اوراق میں سمیٹ لینے والی ایک کتاب جسے ہر اسکول، کالج اور مدرسے میں داخلِ نصاب ہونا چاہیے۔

صفحات:126

بلاک A-1، گلستانِ جوہر، یونیورسٹی روڈ، کراچی
0321-3135009 | 0321-2000870
almanhalpublisher@gmail.com
almanhalpublisher@hotmail.com
www.almanhalpublisher.com

AL-MANHAL
04628